بسم اللہ الرحمن الرحیم
ونزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شیء
تبیان القرآن
علامہ غلام رسول سعیدی
شیخ الحدیث دارالعلوم نعیمیہ کراچی۔ ۳۸
فرید بک سٹال (رجسٹرڈ)
۳۸۔ اردو بازار لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ
اور ہم نے آپ پر اس کتاب کو نازل کیا ہے جو ہر چیز کا روشن بیان ہے
تبیان القرآن
علامہ غلام رسول سعیدی
شیخ الحدیث دار العلوم نعیمیہ کراچی۔ ۳۸
فرید بک سٹال (رجسٹرڈ)
۳۸۔ اردو بازار لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم
هو الله
الذی لا اله
الا هو
الرحمن
الرحیم
الملک
القدوس
السلام
المؤمن
المهیمن
العزیز
الجبار
المتکبر
الخالق
الباری
المصور
الغفار
القهار
الوهاب
الرزاق
الفتاح
العلیم
القابض
الباسط
الخافض
الرافع
المعز
المذل
السمیع
البصیر
الحکم
العدل
اللطیف
الخبیر
الحلیم
العظیم
الغفور
الشکور
العلی
الکبیر
الحفیظ
المقیت
الحسیب
الجلیل
الکریم
الرقیب
المجیب
الواسع
الحکیم
الودود
المجید
الباعث
الشهید
الحق
الوکیل
القوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم
ونزلنا علیک الکتٰب تبیانا لکل شیء
اور ہم نے آپ پر اس کتاب کو نازل کیا ہے جو ہر چیز کا روشن بیان ہے
تبیان القرآن
علامہ غلام رسول سعیدی
شیخ الحدیث دارالعلوم نعیمیہ کراچی - ۳۸
فرید بک سٹال (رجسٹرڈ)
۳۸ - اردو بازار لاہور

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ

اور ہم نے آپ پر اس کتاب کو نازل کیا ہے جو ہر چیز کا روشن بیان ہے

تبیان القرآن

جلد ہفتم

الکہف تا المؤمنون

علامہ غلام رسول سعیدی

شیخ الحدیث دارالعلوم نعیمیہ کراچی-۳۸

ناشر

فرید بک سٹال (رجسٹرڈ) ۳۸-اردو بازار لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم
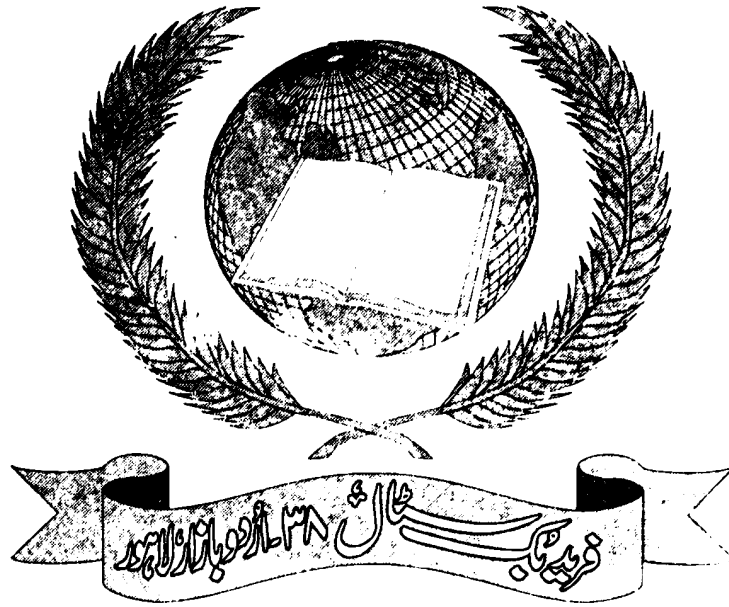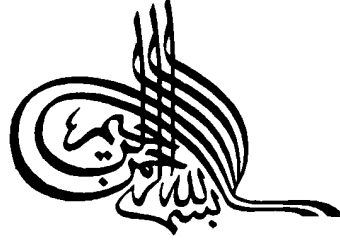
تصحیح : مولانا حافظ محمد ابراہیم فیضی، فاضل علوم شرقیہ
مطبع : رومی پبلیکیشنز اینڈ پرنٹرز لاہور
الطبع الاوّل : ذوالحج 1423ھ / فروری 2003ء
الطبع الثالث: شوال 1426ھ / نومبر 2005ء

Farid Book Stall®
Phone No:092-42-7312173-7123435
Fax No.092-42-7224899
Email:info@faridbookstall.com
Visit us at:www.faridbookstall.com

فرید بک سٹال (رجسٹرڈ) ۳۸۔ اُردو بازار لاہور
فون نمبر ۰۹۲-۴۲-۷۳۱۲۱۷۳-۷۱۲۳۴۳۵
فیکس نمبر ۰۹۲-۴۲-۷۲۲۴۸۹۹
ای میل: info@faridbookstall.com
ویب سائٹ: www.faridbookstall.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للہ رب العالمین الذی استغنی فی حمدہ عن الحامدین وانزل القرآن تبیانا لکل شیٔ عند العارفین والصلوۃ والسلام علی سیدنا محمد الذی استغنی بصلوۃ اللہ عن صلوۃ المصلین واختص بارضاء رب العالمین الذی بلغ الینا ما انزل علیہ من القرآن وبین لنا ما نزل علیہ بتبیان وکان خلقہ القرآن وتحدی بالفرقان وعجز عن معارضتہ الانس والجان وھو خلیل اللہ حبیب الرحمٰن لواءہ فوق کل لواء یوم الدین قائد الانبیاء والمرسلین امام الاولین والاخرین شفیع الصالحین والمذنبین واختص بتنصیص المغفرۃ لہ فی کتاب مبین وعلی اٰلہ الطیبین الطاھرین وعلی اصحابہ الکاملین الراشدین وازواجہ الطاھرات امھات المؤمنین وعلی سائر اولیاء امتہ وعلماء ملتہ اجمعین۔ اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ واشھد ان سیدنا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ۔ اعوذ باللہ من شرور نفسی ومن سیئات اعمالی من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ اللّٰھم ارنی الحق حقا وارزقنی اتباعہ اللّٰھم ارنی الباطل باطلا وارزقنی اجتنابہ اللّٰھم اجعلنی فی تبیان القرآن علی صراط مستقیم وثبتنی فیہ علی منھج قویم واعصمنی عن الخطأ والزلل فی تحریرہ واحفظنی من شر الحاسدین وزیغ المعاندین فی تقریرہٖ اللّٰھم الق فی قلبی اسرار القرآن واشرح صدری لمعانی الفرقان ومتعنی بفیوض القرآن ونورنی بانوار الفرقان واسعدنی لتبیان القرآن، رب زدنی علما رب ادخلنی مدخل صدق واخرجنی مخرج صدق واجعل لی من لدنک سلطانا نصیرا۔ اللّٰھم اجعلہ خالصا لوجھک ومقبولا عندک وعند رسولک واجعلہ شائعا ومستفیضا ومفیضا ومرغوبا فی اطراف العالمین الی یوم الدین واجعلہ لی ذریعۃ للمغفرۃ ووسیلۃ للنجاۃ وصدقۃ جاریۃ الی یوم القیامۃ وارزقنی زیارۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الدنیا وشفاعتہ فی الاخرۃ واحینی علی الاسلام بالسلامۃ وامتنی علی الایمان بالکرامۃ اللّٰھم انت ربی لا الہ الا انت خلقتنی وانا عبدک وانا علی عھدک ووعدک ما استطعت اعوذ بک من شر ما صنعت ابوء لک بنعمتک علی وابوء لک بذنبی فاغفر لی فانہ لا یغفر الذنوب الا انت اٰمین یارب العالمین۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے مخصوص ہیں جو ہر تعریف کرنے والے کی تعریف سے مستغنی ہے جس نے قرآن مجید نازل کیا جو عارفین کے حق میں ہر چیز کا روشن بیان ہے اور صلوٰۃ وسلام کا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول ہو جو خود اللہ تعالیٰ کے صلوٰۃ نازل کرنے کی وجہ سے ہر صلوٰۃ بھیجنے والے کی صلوٰۃ سے مستغنی ہیں۔ جن کی خصوصیت یہ ہے کہ اللہ رب العالمین ان کو راضی کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے ان پر قرآن نازل کیا اس کو انہوں نے ہم تک پہنچایا اور جو کچھ ان پر نازل ہوا اس کا روشن بیان انہوں نے ہمیں سمجھایا۔ ان کے اوصاف سراپا قرآن ہیں۔ انہوں نے قرآن مجید کی مثال لانے کا چیلنج کیا اور تمام جن اور انسان اس کی مثال لانے سے عاجز رہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے خلیل اور محبوب ہیں قیامت کے دن ان کا جھنڈا ہر جھنڈے سے بلند ہوگا۔ وہ نبیوں اور رسولوں کے قائد ہیں اولین اور آخرین کے امام ہیں۔ تمام نیکو کاروں اور گنہ گاروں کی شفاعت کرنے والے ہیں۔ یہ ان کی خصوصیت ہے کہ قرآن مجید میں صرف ان کی مغفرت کے اعلان کی تصریح کی گئی ہے اور ان کی پاکیزہ آل' ان کے کامل اور ہادی اصحاب اور ان کی ازواج مطہرات اُمہات المؤمنین اور ان کی اُمت کے تمام علماء اور اولیاء پر بھی صلوٰۃ وسلام کا نزول ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں وہ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ سیدنا (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں اپنے نفس کے شر اور بداعمالیوں سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔ جس کو اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جس کو وہ گمراہی پر چھوڑ دے اس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ اے اللہ! مجھ پر حق واضح کر اور مجھے اس کی اتباع عطا فرما اور مجھ پر باطل کو واضح کر اور مجھے اس سے اجتناب عطا فرما۔ اے اللہ! مجھے "تبیان القرآن" کی تصنیف میں صراط مستقیم پر برقرار رکھ اور مجھے اس میں معتدل مسلک پر ثابت قدم رکھ۔ مجھے اس کی تحریر میں غلطیوں اور لغزشوں سے بچا اور مجھے اس کی تقریر میں حاسدین کے شر اور معاندین کی تحریف سے محفوظ رکھ۔ اے اللہ! میرے دل میں قرآن کے اسرار کا القاء کر اور میرے سینہ کو قرآن کے معانی کے لئے کھول دے' مجھے قرآن مجید کے فیوض سے بہرہ مند فرما۔ قرآن مجید کے انوار سے میرے قلب کی تاریکیوں کو منور فرما۔ مجھے "تبیان القرآن" کی تصنیف کی سعادت عطا فرما۔ اے میرے رب! میرے علم کو زیادہ کر' اے میرے رب! تو مجھے (جہاں بھی داخل فرمائے) پسندیدہ طریقے سے داخل فرما اور مجھے (جہاں سے بھی باہر لائے) پسندیدہ طریقہ سے باہر لا' اور مجھے اپنی طرف سے وہ غلبہ عطا فرما جو (میرے لئے) مددگار ہو۔ اے اللہ! اس تصنیف کو صرف اپنی رضا کے لئے مقدر کر دے' اور اس کو اپنی اور اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بارگاہ میں مقبول کر دے اس کو قیامت تک تمام دنیا میں مشہور' مقبول' محبوب اور اثر آفریں بنا دے' اس کو میری مغفرت کا ذریعہ' میری نجات کا وسیلہ اور قیامت تک کے لئے صدقہ جاریہ کر دے۔ مجھے دنیا میں نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زیارت اور قیامت میں آپ کی شفاعت سے بہرہ مند کر' مجھے سلامتی کے ساتھ اسلام پر زندہ رکھ اور عزت کی موت عطا فرما' اے اللہ! تو میرا رب ہے تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں تو نے مجھے پیدا کیا ہے اور میں تیرا بندہ ہوں اور میں تجھ سے کئے ہوئے وعدہ اور عہد پر اپنی طاقت کے مطابق قائم ہوں۔ میں اپنی بداعمالیوں کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ تیرے مجھ پر جو انعامات ہیں میں ان کا اقرار کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں۔ مجھے معاف فرما کیونکہ تیرے سوا کوئی گناہوں کو معاف کرنے والا نہیں ہے۔ آمین یا رب العالمین!

سُورَۃُ الْکَھْفِ

(١٨)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

سورۃ الکھف

سورۃ کا نام

اس سورت کا نام "الکھف" ہے اس کا ذکر اس سورت کی درج ذیل آیت میں ہے:

اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ۝ (الکھف:۹)

کیا آپ نے سمجھا کہ غار والے اور کتبے والے ہماری نشانیوں میں سے ایک عجیب نشانی تھے۔

احادیث میں بھی اس سورت کو سورۃ "الکھف" کہا گیا ہے۔ جیسا کہ عنقریب واضح ہوگا۔

پہاڑ میں جو غار بنا ہوا ہو اس کو "کہف" کہتے ہیں۔ اس کی پوری تفصیل اس آیت کی تفسیر میں ان شاء اللہ العزیز آئے گی۔

سورۃ الکھف کا زمانۂ نزول

یہ سورت مسلمانوں کے حبشہ کے طرف ہجرت کرنے سے پہلے نازل ہوئی ہے۔ جب سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ اسلام کا آغاز کیا تو کفارِ مکہ نے آپ کی دعوت کا مذاق اُڑایا' ان کو یہ اندازہ نہیں تھا کہ آپ کی دعوت کو قبول کرنے والوں کی اچھی خاصی جماعت بن جائے گی' لیکن جب انہوں نے یہ دیکھا کہ دن بہ دن اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے تو پھر انہوں نے مزاحمت کی اور مسلمانوں پر مظالم کا سلسلہ شروع کر دیا حتیٰ کہ ایسے حالات پیدا ہو گئے جن کی بناء پر مسلمانوں نے کفارِ مکہ کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کا فیصلہ کر لیا' مدینہ منورہ میں بھی اسلام کی خبر پہنچ چکی تھی اور یہود و نصاریٰ کو یہ خطرہ لاحق ہو گیا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس دین کے اثرات مدینہ منورہ میں بھی پہنچ جائیں اور مسلمانوں کی یہاں بھی کوئی بڑی جماعت بن جائے اس لیے وہ چاہتے تھے کہ اس دعوت کو مکہ میں ہی ختم کر دیا جائے اس لیے وہ کفارِ مکہ کی حوصلہ افزائی کرتے رہتے تھے۔ کفارِ مکہ اَن پڑھ لوگ تھے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم فصیح و بلیغ کلام سے جو علمی مضامین بیان فرماتے تھے' ان کا معارضہ کرنے سے عاجز تھے اور وہ دلی طور پر قرآن کریم سے بہت مرعوب تھے' اور مدینہ میں یہود و نصاریٰ پڑھے لکھے لوگ تھے اور اہل کتاب تھے' اس لیے کفارِ مکہ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو علمی طور پر ناکام کرنے کے لیے مدینہ کے یہود و نصاریٰ سے مدد چاہی۔ اس کی تفصیل امام ابن ہشام نے اس طرح لکھی ہے۔

سورۃ الکھف کا سبب نزول

امام عبدالملک بن ہشام المعافری المتوفی ۲۱۸ھ لکھتے ہیں:

کفارِ مکہ نے النضر بن الحارث اور عقبہ بن ابی المعیط کو مدینہ میں علماء یہود کے پاس بھیجا اور ان سے کہا کہ تم ان کے سامنے (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ذکر کرو اور ان کے سامنے آپ کے دعویٰ کو بیان کرو۔ وہ لوگ اہل کتاب ہیں اور ان کو انبیاء علیہم السلام کے متعلق ایسی معلومات ہیں جو ہم کو نہیں ہیں۔ تب علماء یہود نے کہا تم ان سے تین باتوں کے متعلق سوال کرو اگر انہوں نے ان کا جواب دے دیا تو وہ واقعی نبی مرسل ہیں اور اگر وہ ان کے متعلق نہیں بتا سکے تو پھر وہ جھوٹے شخص ہیں' پھر تم ان کے ساتھ جو چاہو سلوک کرو۔ تم ان سے ان نوجوانوں کے متعلق پوچھو جو پہلے زمانے میں نکلے تھے' ان کا کیا ہوا؟ ان کا بہت تعجب خیز واقعہ ہے' اور ان سے اس شخص کے متعلق پوچھو جس نے زمین کے تمام مشارق اور مغارب کا سفر کیا تھا' اس کی کیا خبر ہے' اور ان سے روح کے متعلق سوال کرو' اس کی کیا حقیقت ہے؟ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوالات کیے۔ آپ کو یہ اعتماد تھا کہ آپ کے پاس آج وحی آ جائے گی تو آپ ان کو کل بتا دیں گے۔ آپ نے فرمایا میں کل تمہارے سوالات کا جواب دے دوں گا' لیکن آپ ان شاء اللہ کہنا بھول گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پندرہ دن تک انتظار فرماتے رہے اور وحی نہیں آئی اور نہ آپ کے پاس حضرت جبریل آئے' اور اہل مکہ نے آپ کے متعلق بری باتیں کہنا شروع کر دیں' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی باتیں سن سن کر غمگین ہوئے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان نوجوانوں (اصحابِ کہف) اور اس شخص کے متعلق قرآن مجید کی آیات نازل کیں جس نے زمین کے مشارق و مغارب کا سفر کیا تھا (ذوالقرنین) اور روح کے متعلق اس سے متصل پہلی سورت (بنی اسرائیل) میں اللہ تعالیٰ نے آیات نازل فرما دیں تھیں۔

(السیرۃ النبویہ ج ۱ ص ۳۳۸۔۳۳۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

روح کے سوال کو سورہ بنی اسرائیل میں اور بقیہ دو سوالوں کو الکھف میں ذکر کرنے کی توجیہ

اس مقام پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ کفارِ مکہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تین سوال کیے تھے' اصحابِ کہف' ذوالقرنین اور روح کے متعلق۔ بہ ظاہر یہ چاہیے تھا کہ ان تینوں کے جوابات ایک ہی سورت میں ذکر ہوتے اور ایک ہی موقع پر ذکر کیے جاتے' لیکن روح کے متعلق ان کے سوال کا جواب سورہ بنی اسرائیل میں ہے اور بقیہ دو سوالوں کے جواب سورۃ الکھف میں مذکور ہیں تو ان جوابات کو الگ الگ سورتوں میں ذکر کرنے کی کیا حکمت ہے جبکہ سورہ بنی اسرائیل' سورۃ الکھف سے پہلے نازل ہوئی ہے اور بہ اعتبار نزول کے سورہ بنی اسرائیل کا نمبر ۵۶ ہے اور سورۃ الکھف کا نمبر ۶۸ ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ان تینوں سوالات کے جوابات ایک ساتھ نازل ہوئے تھے لیکن روح کے سوال کے جواب کی جو آیت نازل ہوئی تھی' اس آیت کے فواصل (آیت کے آخری لفظ) سورہ بنی اسرائیل کی آیتوں کے فواصل کے موافق تھے اس لیے آپ نے اس آیت کو اس سورت میں رکھنے کا حکم دیا اور اصحابِ کہف اور ذوالقرنین کے متعلق جو آیات تھیں' ان کے فواصل سورۃ الکھف کے موافق تھے اس لیے آپ نے ان آیتوں کو سورۃ الکھف میں رکھنے کا حکم دیا۔ نیز روح کے متعلق اختصار سے جواب دیا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ روح آپ کے رب کے امر سے ہے اور تمہیں جو علم دیا گیا ہے وہ تھوڑا ہے' اور اصحابِ کہف اور ذوالقرنین کے متعلق تفصیل سے جواب دیا ہے اس لیے ان کو الگ ذکر کیا' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دونوں سورتوں کا نزول ساتھ ساتھ ہو رہا ہو' روح کے جواب کے متعلق جو آیات تھیں' ان کا اسلوب سورہ بنی اسرائیل کی آیتوں کے موافق تھا' اس لیے ان کو وہاں ذکر کر دیا' اور اصحابِ کہف اور ذوالقرنین کے جواب کے متعلق جو آیات تھیں' ان کا اسلوب سورۃ الکھف کے اسلوب کے

مطابق تھا اس لیے ان کو سورۃ الکہف میں ذکر کر دیا۔

اس اُلجھن سے بچنے کے لیے سید ابوالاعلیٰ مودودی نے یہ کہا ہے کہ تیسرا سوال روح کے متعلق نہ تھا بلکہ حضرت خضر علیہ السلام کے متعلق تھا کیونکہ اس سورت میں تیسرا قصہ خضر علیہ السلام کے متعلق ہے' وہ لکھتے ہیں:

یہ سورت مشرکین مکہ کے تین سوالات کے جواب میں نازل ہوئی ہے جو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا امتحان لینے کے لیے اہل کتاب کے مشورہ سے آپ کے سامنے پیش کیے تھے۔ اصحابِ کہف کون تھے؟ قصہ خضر کی حقیقت کیا ہے؟ اور ذوالقرنین کا کیا قصہ ہے؟ (تفہیم القرآن ج ۳ ص ۷ مطبوعہ لاہور)

تمام کتب سیرت اور تفاسیر میں یہی لکھا ہے کہ تیسرا سوال روح کے متعلق تھا اور کسی تفسیر اور کسی سیرت کی کتاب میں یہ روایت نہیں ہے کہ تیسرا سوال حضرت خضر علیہ السلام کے متعلق تھا' یہ صرف سید ابوالاعلیٰ مودودی کی اختراع ہے۔ کسی آیت سے کوئی مسئلہ تو اپنی عقل سے نکالا جا سکتا ہے لیکن کسی روایت کو اپنی عقل سے گھڑنا جائز نہیں ہے۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی اپنی اس تفسیر کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

روایات میں آتا ہے کہ دوسرا سوال روح کے متعلق تھا جس کا جواب سورہ بنی اسرائیل رکوع ۱۰ میں دیا گیا ہے مگر سورۂ کہف اور بنی اسرائیل کے نزول میں کئی سال کا فرق ہے اور سورۂ کہف میں دو کے بجائے تین قصے بیان کیے گئے ہیں' اس لیے ہم سمجھتے ہیں کہ دوسرا سوال قصہ خضر سے متعلق تھا نہ کہ روح سے متعلق۔ خود قرآن میں بھی ایک ایسا اشارہ موجود ہے جس سے ہمارے خیال کی تائید ہوتی ہے۔ (تفہیم القرآن ج ۳ ص ۷' مطبوعہ لاہور)

سید ابوالاعلیٰ مودودی نے جس بناء پر حضرت خضر علیہ السلام کے متعلق روایت وضع کی ہے' اس کی بناء یہ بیان کی ہے کہ سورہ بنی اسرائیل اور سورۃ الکہف کے نزول میں کئی سال کا فرق ہے لیکن اس پر یہ قوی اعتراض ہوتا ہے کہ ان کے نزول میں جو فرق ہے' اس کے علم کا ذریعہ بھی تو کتبِ تفسیر اور کتبِ سیرت میں مذکور روایات ہیں' تو جب یہ روایات سوال میں روح کا ذکر درج ہونے کے معاملہ میں غیر معتبر ہو گئیں تو ان کے نزول کی مدت بیان کرنے کے معاملہ میں کیسے معتبر ہو گئیں۔ بہر حال کسی اصل اور بغیر کسی ثبوت کے ایک روایت کو گھڑ لینا اور وہ بھی تفسیر کے معاملہ میں درست نہیں ہے۔

سورۃ الکہف کے متعلق احادیث

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے سورۃ الکہف پڑھی' اس کے گھر میں ایک گھوڑا تھا' وہ بدکنے لگا' اس نے سلام پھیر دیا۔ اچانک اس نے دیکھا کہ ایک بادل کے ٹکڑے نے اس کو ڈھانپا ہوا تھا' اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا: اے شخص پڑھو! کیونکہ یہ سکینہ (وہ طمانیت اور رحمت جس کے ساتھ فرشتے ہوں) ہے۔ یہ قرآن مجید (پڑھنے) کی وجہ سے نازل ہوئی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۳۹' ۳۶۱۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۹۵' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۸۸۵' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۱۷۰۲۲' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۸۶۶۶' عالم الکتب بیروت)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے سورۃ الکہف کی دس آیتیں حفظ کر لیں وہ دجال کے فتنہ سے محفوظ رہے گا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۰۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۳۲۳' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۹۵۱' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۸۵' المستدرک رقم الحدیث: ۳۴۴۳)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے جمعہ کے دن سورۃ الکھف کو پڑھا اس کے لیے دو جمعوں کے درمیان نور کو روشن کر دیا جائے گا۔ (المستدرک رقم الحدیث: ۳۳۹۲)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے سورۃ الکھف کو پڑھا' وہ اس کے لیے اس کے مقام سے لے کر مکہ تک نور ہو جائے گی اور جس شخص نے سورۃ الکھف کی آخری دس آیتیں پڑھیں اس شخص کو خروج دجال سے ضرر نہیں ہوگا۔ (المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۱۴۷۸' اس حدیث کے راوی صحیح ہیں' مجمع الزوائد ج۱ ص ۲۳۹)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس شخص نے سورۃ الکھف کو اس طرح پڑھا جس طرح وہ نازل ہوئی ہے' وہ اس کے لیے قیامت کے دن نور ہو جائے گی۔ (المستدرک ج۱ ص ۵۱۱' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۶۱۰' الدر المنثور ج۵ ص ۳۵۵)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سورۃ الکھف مکمل نازل ہوئی' اس کے ساتھ ستر ہزار فرشتے تھے۔

(الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث: ۶۸۱۲)

سورہ بنی اسرائیل اور سورۃ الکھف میں باہمی مناسبت

(۱) سورہ بنی اسرائیل کو سبحان الذی سے شروع کیا گیا ہے اور سورۃ الکھف کو الحمد للہ الذی سے شروع کیا گیا اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرنا اور اس کی حمد کرنا قرآن مجید اور احادیث میں مقترن ہیں' قرآن مجید میں ہے:

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ. (الحجر: ۹۸) سو آپ اپنے رب کی تسبیح اس کی حمد کے ساتھ کیجئے۔

اور حدیث میں ہے سبحان اللہ وبحمدہ

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۳' ۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۹۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۶۷)

سو جس طرح تسبیح اور حمد کا ذکر مقرون ہوتا ہے' اسی طرح جس سورت کے شروع میں سبحان الذی کا ذکر تھا اور جس سورت کے شروع میں الحمد للہ الذی کا ذکر تھا' ان کو مقرون کر دیا۔

(۲) سورہ بنی اسرائیل اللہ تعالیٰ کی حمد پر ختم ہوتی ہے کیونکہ اس کی آخری آیت ہے:

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ. (بنی اسرائیل: ۱۱۱)

آپ کہیے تمام تعریفیں اس ذات کے لیے ہیں جس نے نہ کوئی اولاد بنائی اور نہ سلطنت میں اس کا کوئی شریک ہے۔

اور سورۃ الکھف کی ابتداء بھی الحمد سے ہوتی ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ. (الکھف: ۱)

تمام تعریفیں اس ذات کے لیے ہیں جس نے اپنے عبد مکرم پر الکتاب کو نازل فرمایا۔

گویا جس نقطہ پر بنی اسرائیل کا اختتام ہوا تھا' اسی نقطہ سے الکھف کا آغاز ہوا ہے۔

(۳) سورہ بنی اسرائیل میں فرمایا تھا:

وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ○ (بنی اسرائیل: ۸۵)

تم کو جو علم دیا گیا ہے' وہ محض تھوڑا ہے۔

یہ ایک دعویٰ ہے کہ مخلوق کو بہت کم علم دیا گیا ہے اور اس کی دلیل سورۃ الکھف میں ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کا قصہ ذکر فرمایا ہے۔

(۴) سورہ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ نے اپنی بعض نعمتوں کا ذکر فرمایا تھا:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ○ (بنی اسرائیل: ۷۰)

بے شک ہم نے آدم کی اولاد کو بہت فضیلت دی ہے اور ان کو خشکی اور سمندر کی سواریاں دی ہیں اور ان کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا ہے اور ہم نے ان کو اپنی بہت ساری مخلوق پر فضیلت دی ہے ○

اور سورۃ الکھف میں یہ بیان فرمایا ہے کہ دراصل انسانوں پر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں غیر متناہی ہیں۔ فرمایا:

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ○ (الکھف: ۱۰۹)

آپ کہیے اگر تمام سمندر سیاہی ہو جائیں تو وہ بھی میرے رب کے کلمات کے ختم ہونے سے پہلے ختم ہو جائیں گے، خواہ ہم ان کی مدد کے لیے اتنے ہی سمندر اور لے آئیں۔

(۵) سورہ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ نے اجمالاً فرمایا تھا:

فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا (بنی اسرائیل: ۱۰۴)

سو جب آخرت کا وعدہ پورا ہو گا تو ہم تم سب کو سمیٹ کر لے آئیں گے۔

اور اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن لوگوں کو زندہ کر کے قبروں سے اُٹھانے اور قیامت کے احوال کو تفصیل سے بیان فرمایا ہے:

فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّيْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّيْ حَقًّا ○ وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ○ وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضًا ○ (الکھف: ۱۰۰-۹۸)

پس جب میرے رب کا وعدہ آئے گا تو وہ اس کو ریزہ ریزہ کر دے گا اور میرے رب کا وعدہ سچا ہے ○ اور اس دن ہم ان میں سے بعض لوگوں کو اس حال میں چھوڑیں گے کہ وہ ایک دوسرے سے موجوں کی طرح ٹکرا رہے ہوں گے اور صور پھونک دیا جائے گا پھر ہم ان سب کو اکٹھا کر دیں گے ○ اور ہم اس دن کافروں کے لیے کھلم کھلا جہنم پیش کر دیں گے ○

سورۃ الکھف کے مشمولات

سورۃ الکھف کی ابتداء قرآنِ عظیم کی صفت سے کی گئی ہے کہ قرآن مجید خود مستقیم ہے اور دوسروں کو استقامت پر لانے والا ہے' اس کے الفاظ اور معانی میں کوئی تناقض اور تضاد نہیں ہے۔ زمین پر جو زینت اور جمال ہے اور عجیب وغریب چیزیں ہیں' ان سے اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کے علم اور قدرت پر استدلال کیا گیا ہے۔ اس سورت میں تین قصے تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں' اصحاب کہف کا قصہ' حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کا قصہ اور ذوالقرنین کا قصہ۔

اصحاب الکھف کا قصہ' الکھف: ۲۶-۹ تک بیان فرمایا ہے۔ اس قصہ میں ان لوگوں کے لیے مثال ہے جو اپنے عقیدہ کی حفاظت کے لیے' اپنے وطن' اپنے اہل' اپنے رشتہ داروں' اپنے دوستوں اور اپنے مال و دولت کی قربانی دیتے ہیں کیونکہ یہ نوجوان مومن تھے' اس زمانہ کا بادشاہ بُت پرست تھا' یہ اس کی گرفت سے بچنے کے لیے ایک پہاڑ کے غار میں جا کر چھپ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر تین سو نو قمری سالوں کی نیند مسلط کر دی' پھر ان کو نیند سے اُٹھایا تا کہ لوگ اس کا مشاہدہ کر لیں کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو مارنے کے بعد ان کو جلانے پر قادر ہے۔ پھر اس قصہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تواضع کرنے کا حکم دیا اور فقراء مومنین کی مجلس میں بیٹھنے کے لیے فرمایا اور دین کا پیغام پہنچانے کی حرص میں سرمایہ داروں اور متکبروں کی ہم نشینی سے منع

فرمایا۔ اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کو عذابِ آخرت سے ڈرایا اور مسلمانوں کے لیے آخرت میں جو انعامات رکھے ہیں' ان کا ذکر فرمایا۔

حضرت موسیٰ اور خضر علیہما السلام کا قصہ ۸۲-۶۰ آیات تک بیان فرمایا ہے۔ اس میں علماء کے لیے طلبِ علم میں تواضع کرنے اور طلبِ علم کے لیے سفر کرنے کی مثال ہے' اور یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام شریعت اور تشریع کے نبی تھے اور حضرت خضر علیہ السلام طریقت اور تکوین کے نبی تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کشتی توڑنے' ایک لڑکے کو بلاقصور قتل کرنے اور بلا اُجرت دیوار بنانے پر جو اعتراضات کیے وہ ظاہرِ شریعت کے اعتبار سے تھے اور چونکہ وہ شریعت کے نبی تھے اس لیے ان کے اعتراضات برحق تھے' اور حضرت خضر علیہ السلام چونکہ تکوین کے نبی تھے اور انہوں نے یہ تمام کام وحی الٰہی سے کیے تھے' اس لیے ان کے یہ کام بھی برحق تھے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس دنیا میں بعض اوقات کچھ کام ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی ہم کوئی توجیہ نہیں کر سکتے اور ان کو بہ ظاہر عدل و حکمت کے تقاضوں کے خلاف سمجھتے ہیں' لیکن اس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری نظر حقیقت پر نہیں ہوتی صرف ظاہر پر ہوتی ہے' اگر اس حقیقت سے پردہ اُٹھا دیا جائے تو ان واقعات کا عین عدل و حکمت کے موافق ہونا ہم پر منکشف ہو جائے۔ اور ذوالقرنین کا قصہ ۹۹-۸۳ آیت تک ہے۔ اس میں حکام اور سلاطین کے لیے عبرت اور نصیحت ہے کہ وہ مشرق سے مغرب تک کے علاقہ کا حکمران تھا' اس کے باوجود وہ اللہ سے ڈرتا تھا' اس کے احکام کی اطاعت کرتا تھا اور اپنی رعایا کے حق میں بہت شفیق اور مہربان تھا۔

اور ان تینوں قصوں کے درمیان اللہ تعالیٰ نے حکمت اور موعظت کی بہت سی باتیں بیان فرمائی ہیں۔ ان میں پہلے ایک امیر آدمی کا قصہ بیان فرمایا ہے' اس کے پاس انگوروں کے دو باغ تھے' یہ بہت متکبر اور کافر تھا اور دوسرا شخص غریب تھا' پر مومن تھا۔ ان کا قصہ ۴۴-۳۲ تک بیان فرمایا ہے۔ تا کہ مسلمان اپنی تنگ دستی سے مایوس نہ ہوں اور کفار کے مال و دولت سے دھوکہ نہ کھائیں۔ اور آیت ۴۶-۴۵ میں دنیا کی زندگی کی مثال بیان کی ہے کہ وہ فنا ہونے والی ہے۔ اور آیت ۴۹-۴۷ میں قیامت اور حشر کی کیفیت بیان فرمائی ہے۔ حضرت آدم اور ابلیس کا قصہ آیت ۵۳-۵۰ میں بیان فرمایا ہے اور اس طرح کے کئی عنوانات پر کلام فرمایا ہے۔

اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد ہم اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی تائید سے سورۃ الکہف کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کرتے ہیں۔ الٰہ العلمین مجھے حق پر آگاہی عطا فرمانا اور وہی لکھوانا جو حق ہو' اور باطل کا بطلان مجھ پر ظاہر فرمانا اور اس کا رد کرنے کی سعادت عطا فرمانا۔

غلام رسول سعیدی غفرلہ
۳ شوال ۱۴۲۱ھ/ ۳۰ دسمبر ۲۰۰۰ء
فون: ۲۱۵۶۳۰۹ ــــ ۰۳۰۰

سُوْرَةُ الْكَهْفِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّعَشْرُ اٰيٰتٍ وَّاثْنَا عَشَرَ رُكُوْعًا

سورۃ الکہف مکی ہے اور اس کی ایک سو دس آیتیں ہیں اور اس کے بارہ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے ○

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰي عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے اپنے عبد مکرم پر الکتاب نازل فرمائی اور اس میں کوئی کجی

عِوَجًا ۝١ قَيِّمًا لِّيُنْذِرَ بَاْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ

نہیں رکھی ۝ مستقیم کتاب تاکہ وہ (عبد مکرم) اللہ کی طرف سے عذاب شدید سے ڈرائیں اور جو ایمان لائے اور

الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ۝٢ مَّاكِثِيْنَ فِيْهِ

انہوں نے نیک کام کیے ان کو یہ بشارت دیں کہ ان کے لیے بہترین اجر ہے ۝ جس میں وہ ہمیشہ

اَبَدًا ۝٣ وَّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۝٤ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ

رہنے والے ہیں ۝ اور وہ ان لوگوں کو ڈرائیں جو کہتے ہیں کہ اللہ نے اولاد بنالی ہے ۝ (حالانکہ) نہ ان کے پاس اس

عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ ۭ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۭ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ

کا کوئی علم ہے نہ ان کے باپ دادا کے پاس تھا، یہ بہت سنگین بات ہے جو ان کے مونہوں سے نکل رہی ہے، یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں

اِلَّا كَذِبًا ۝٥ فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓي اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا

محض جھوٹ ہے ۝ اگر یہ لوگ اس قرآن پر ایمان نہ لائے تو لگتا ہے کہ آپ فرطِ غم

بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ۝٦ اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَي الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا

سے ان کے پیچھے جان دے دیں گے ۝ روئے زمین پر جو کچھ ہے ہم نے اس کو اس زمین کی زینت بنادیا ہے

لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۝٧ وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا

تاکہ ہم یہ ظاہر کریں کہ ان میں کون سب سے اچھے کام کرنے والا ہے ۝ اور جو کچھ زمین پر ہے ہم اس کو ضرور چٹیل میدان بنانے

جُرُزًا ۝٨ اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ ۙ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا

والے ہیں ۝ (اے مخاطب!) کیا تم نے یہ گمان کیا ہے کہ غار والے اور کتبے والے ہماری نشانیوں میں سے ایک

عَجَبًا ۝٩ اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ

عجیب نشانی تھے ۝ جب ان نوجوانوں نے غار میں پناہ لی تو انہوں نے دعا کی اے ہمارے رب! ہمیں اپنے

رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ﴿١٠﴾ فَضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ فِي

پاس سے رحمت عطا فرما اور ہمارے مشن میں کامیابی کے اسباب مہیا فرما دے ○ پھر ہم نے اس غار میں ان کے کانوں پر

الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا ﴿١١﴾ ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَيُّ الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى

گنتی کے کئی سالوں تک نیند مسلط کر دی ○ پھر ہم نے ان کو اُٹھایا تا کہ ہم یہ ظاہر کریں کہ ان کے غار میں ٹھہرنے کی مدت

لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا ﴿١٢﴾

کو دو جماعتوں میں سے کس نے زیادہ یاد رکھا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے اپنے عبد (مکرم) پر الکتاب نازل فرمائی اور اس میں کوئی کجی نہیں رکھی۔ (الکہف: ١)

سورۃ بنی اسرائیل اور سورۃ الکہف کا ارتباط

اس سے پہلی سورت بنی اسرائیل کو لفظ ''سبحان'' سے شروع فرمایا تھا اور اس سورت کو الحمد للہ سے شروع فرمایا ہے کیونکہ قرآن مجید اور احادیث میں سبحان اللہ کا لفظ الحمد للہ پر مقدم ہوتا ہے۔ نیز سبحان کا معنی ہے اللہ تعالیٰ نامناسب صفات سے منزہ اور خالی ہے اور الحمد للہ کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام صفاتِ کمالیہ سے متصف ہے۔ اس لیے دونوں لفظوں کا معنی ہے اللہ تعالیٰ ان تمام صفات سے منزہ اور خالی ہے جو اس کی شان کے لائق نہیں ہیں اور ان تمام صفاتِ کمال سے متصف ہے جو اس کی شان کے لائق ہیں۔

اس کے بعد فرمایا: اس نے اپنے عبد مکرم پر الکتاب نازل فرمائی ہے۔ اس سے پہلی سورت میں واقعہ معراج کا ذکر فرمایا ہے اور واقعہ معراج سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ذات میں کمال حاصل ہوا' اور اس سورت میں آپ پر الکتاب نازل فرمانے کا ذکر فرمایا اور کتاب آپ پر اس لیے نازل فرمائی کہ آپ دوسروں کو کامل کریں' اور ارواح بشریہ جو حیوانوں کی پستی میں گری ہوئی تھیں' انہیں اُٹھا کر فرشتوں کی بلندی کی طرف لے جائیں۔ پس سورہ بنی اسرائیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے کامل ہونے پر دلالت کرتی ہے اور سورۃ الکہف آپ کے کامل گر ہونے پر دلالت کرتی ہے۔

سورہ بنی اسرائیل میں یہ دلالت ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو نیچے سے اوپر لے گیا اور اس سورت میں یہ ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب نازل فرمائی اور اس کا معنی یہ ہے کہ اوپر سے نورِ وحی کو آپ پر نیچے کی طرف نازل فرمایا۔

معراج کے منافع صرف آپ کے لیے تھے کیونکہ فرمایا لنریہ من ایتنا۔ (بنی اسرائیل: ١) تا کہ ہم آپ کو اپنی نشانیاں دکھائیں' اور کتاب نازل کرنے کے منافع دوسروں کے لیے بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے' لینذر باسا شدیدا۔ (الکہف: ٢) تا کہ وہ عبد مکرم اللہ کی طرف سے عذاب شدید سے ڈرائیں' اور جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے' ان کو یہ بشارت دیں کہ ان کے لیے بہترین اجر ہے' اور منافع کی ثانی الذکر قسم اوّل الذکر سے افضل ہے۔

اللہ کی حمد کرنے کا طریقہ

ہم نے یہ ذکر کیا ہے کہ کتاب نازل کرنے کے منافع دوسروں کے لیے بھی ہیں' اس کا معنی یہ ہے کہ کتاب کو نازل کرنا آپ کے لیے بھی نعمت ہے اور دوسروں کے لیے بھی نعمت ہے۔

کتاب کو نازل کرنا آپ کے لیے اس وجہ سے نعمت ہے کہ اس کتاب کے واسطے سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی توحید اور اپنی صفات کے اسرار سے مطلع فرمایا اور ملائکہ کے اسرار اور انبیاء سابقین کے احوال سے آگاہ فرمایا' اور قضا و قدر کی حکمتوں سے مطلع کیا' اور عالم دنیا اور عالم آخرت کے باہمی ربط اور عالم جسمانیات اور عالم روحانیات کے تعلق سے آگاہ فرمایا' اور یہ بتایا کہ نفس ایک آئینہ کی طرح ہے جس میں عالم ملکوت کی تجلیات منعکس ہوتی ہیں اور عالم لاہوت کے اسرار منکشف ہوتے ہیں اور یہ بہت بڑی نعمت ہے۔

اور اس کتاب کا نازل کرنا ہم پر بھی نعمت ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو جن احکام کا مکلف کیا ہے وہ تمام احکام اس کتاب میں ذکر فرما دیے ہیں۔ اس کتاب میں وعد اور وعید اور ثواب اور عقاب سب کا ذکر ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ کتاب انتہائی درجہ کی کامل کتاب ہے اور ہر شخص اپنی طاقت اور اپنی فہم کے اعتبار سے اس سے نفع حاصل کرتا ہے' اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو نازل کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی تمام اُمت کو اتنی عظیم نعمتیں عطا فرمائی ہیں اس لیے آپ پر اور آپ کی تمام اُمت پر لازم ہے کہ وہ ان نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کی حمد کریں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے خود ان کو حمد کرنے کا طریقہ تعلیم فرمایا کہ وہ یہ کہیں کہ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے اپنے عبد مکرم پر الکتاب نازل فرمائی۔

قرآن مجید میں کجی نہ ہونے کا معنی

اس کے بعد فرمایا: اور اس (کتاب) میں کوئی کجی نہیں رکھی۔

قرآن کریم میں کجی نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس کی آیات میں کوئی تناقض اور تضاد نہیں ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ۝ (النساء: ۸۲)

اور اگر (یہ قرآن) اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو وہ ضرور اس میں بہت اختلاف پاتے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں جو توحید' رسالت' قضاء و قدر اور احکامِ شرعیہ بیان کیے گئے ہیں' یہ سب صحیح اور صادق ہیں اور ان میں سے کوئی چیز بھی طریق مستقیم سے منحرف نہیں ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ گویا کہ انسان عالم غیب سے عالم آخرت کی طرف متوجہ ہوا اور یہ دنیا ایک سرائے کی طرح ہے' انسان جب اس سرائے میں آیا تو وہ ان کاموں میں مشغول ہو گیا جن کی اس سفر میں ضرورت پڑتی ہے' پھر وہ عالم آخرت کی طرف متوجہ ہوا۔ پس ہر وہ چیز جو اس کو دنیا سے آخرت کی طرف راجع کرتی ہے اور جسمانیات سے روحانیات کی طرف اور خلق سے حق کی طرف اور شہوانی لذات سے عبادات کے نور کی طرف متوجہ کرتی ہے' وہ کجی انحراف اور باطل سے مبرا اور منزہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مستقیم کتاب تاکہ وہ (عبد مکرم) اللہ کی طرف سے عذابِ شدید سے ڈرائیں اور جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے ان کو یہ بشارت دیں کہ ان کے لیے بہترین اَجر ہے ۝ جس میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں ۝

(الکہف: ۳-۲)

انسان کا با اختیار ہونا

ان آیتوں میں یہ بتایا ہے کہ رسولوں کو بھیجنے کا مقصد یہ ہے کہ وہ گناہ گار لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرائیں اور اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزاروں کو اَجر و ثواب کی بشارت دیں' اور جبکہ دفع ضرر' حصولِ نفع پر مقدم ہوتا ہے اسی لیے عذاب سے ڈرانے کو اَجر و ثواب کی بشارت دینے پر مقدم فرمایا ہے۔ اس آیت میں یہ دلیل بھی ہے کہ انسان مجبور محض نہیں ہے اور اس کو ایک نوع کا اختیار عطا فرمایا ہے ورنہ رسولوں کا بھیجنا اور عذاب سے ڈرانا اور ثواب کی بشارت دینا عبث ہوتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ ان لوگوں کو ڈرائیں جو کہتے ہیں کہ اللہ نے اولاد بنالی ہے ○ (حالانکہ) نہ ان کے پاس اس کا کوئی علم ہے' نہ ان کے باپ دادا کے پاس تھا' یہ بہت سنگین بات ہے جو ان کے مونہوں سے نکل رہی ہے' یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں محض جھوٹ ہے ○ اگر یہ لوگ اس قرآن پر ایمان نہ لائے تو لگتا ہے کہ آپ فرطِ غم سے ان کے پیچھے جان دے دیں گے ○ (الکھف: ۶۔۴)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب' ایمان کا راستہ دکھانا ہے' رہا ایمان کا پیدا کرنا سو وہ اللہ کا کام ہے

اس سے پہلے فرمایا تھا تاکہ وہ عبد مکرم اللہ کی طرف سے عذابِ شدید سے ڈرائیں' اس کے بعد خصوصیت کے ساتھ فرمایا اور وہ ان لوگوں کو ڈرائیں جو کہتے ہیں کہ اللہ نے اولاد بنالی ہے۔

جو لوگ اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد مانتے تھے' وہ تین قسم کے گروہ تھے:

(۱) کفارِ عرب' جو کہتے تھے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔

(۲) نصاریٰ' جو کہتے تھے کہ مسیح اللہ کے بیٹے ہیں۔

(۳) یہود' جو کہتے تھے کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں۔

اس سے پہلے ہم سورہ بنی اسرائیل کے آخر میں آیت: ۱۱۱ میں تفصیل سے بیان کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد ہونا محال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ جھوٹ ہے' وہ اپنے باپ دادا کی تقلید میں ایسی سنگین بات اپنے مونہوں سے نکال رہے ہیں۔ جھوٹ کی تعریف یہ ہے جو کلام واقع کے مطابق نہ ہو۔ اس کے بعد فرمایا:

اگر یہ لوگ اس قرآن پر ایمان نہ لائے تو لگتا ہے کہ آپ فرطِ غم سے ان کے پیچھے جان دے دیں گے۔

اس آیت سے مقصود یہ ہے کہ آپ ان کے ایمان نہ لانے پر رنج اور افسوس نہ کریں کیونکہ ہم نے آپ کو عذاب سے ڈرانے والا اور ثواب کی بشارت دینے والا بنا کر بھیجا ہے' اور ان کے دلوں میں ایمان پیدا کرنے کا آپ کو مکلف نہیں کیا' یہ نہ آپ کی قدرت میں ہے اور نہ آپ کے ذمہ ہے۔ آپ کا کام صرف انہیں دین اسلام کی دعوت دینا ہے اگر انہوں نے اس دعوت کو قبول کر لیا تو اس میں ان کا فائدہ ہے اور اگر انہوں نے اس دعوت کو قبول نہیں کیا تو اس میں ان ہی کا نقصان ہے۔

قرآن مجید کی دیگر آیات میں بھی اس مضمون کو بیان کیا گیا ہے:

فَاِنَّ اللّٰہَ یُضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ وَیَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ۚ فَلَا تَذْھَبْ نَفْسُکَ عَلَیْھِمْ حَسَرٰتٍ ؕ (فاطر: ۸)

اللہ جس میں چاہے گمراہی پیدا کرتا ہے اور جس میں چاہے ہدایت پیدا کرتا ہے۔ پس آپ ان پر غم کر کے اپنی جان کو ہلاکت میں نہ ڈالیں۔

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ○ (الشعراء: ۳)

لگتا ہے ان کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے آپ اپنی جان دے دیں گے۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا ۭ وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ○ (الانعام: ۱۰۷)

اور اگر اللہ چاہتا تو وہ شرک نہ کرتے اور ہم نے آپ کو ان کا نگہبان نہیں بنایا اور نہ آپ ان کے ذمہ دار ہیں۔

فَذَكِّرْ ۗ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ○ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ○ (الغاشیۃ: ۲۲-۲۱)

پس آپ نصیحت کیجئے' آپ صرف نصیحت کرنے والے ہیں ○ آپ ان کو جبراً مومن بنانے والے نہیں ہیں۔

اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ○ (القصص: ۵۶)

آپ جس کو چاہیں اس میں ہدایت پیدا نہیں کرتے لیکن اللہ جس میں چاہے ہدایت پیدا کرتا ہے' اور وہی زیادہ جاننے والا ہے کہ کون ہدایت قبول کرنے والا ہے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب ہدایت کو پیدا کرنا نہیں ہے' ہدایت کو پیدا کرنا صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے' سو جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہدایت پیدا نہیں کی اور وہ ایمان نہیں لایا تو آپ اس پر رنج اور افسوس نہ کریں کیونکہ اس کے ایمان نہ لانے کی یہ وجہ نہیں ہے کہ آپ کی تبلیغ اور رشد و ہدایت میں کوئی کمی ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ازل میں یہ علم تھا کہ یہ بہت شقی ہے اور یہ ایمان لانے والا نہیں ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے ہدایت کو پیدا ہی نہیں کیا اور آپ کسی کو جبراً مومن بنانے والے نہیں ہیں اور نہ آپ سے کسی کے ایمان نہ لانے پر سوال کیا جائے گا اور نہ آپ ان کے ایمان کے ذمہ دار ہیں۔ آپ ہدایت کو پیدا کرنے والے نہیں ہیں' آپ کا منصب تو صرف نیکی اور خیر کا راستہ دکھانا ہے۔ جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے:

وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ. (الشوریٰ: ۵۲)

اور بے شک آپ سیدھے راستے کی طرف ضرور ہدایت دیتے ہیں۔

سو آپ کا منصب صرف سیدھا راستہ دکھانا ہے' باقی اس ہدایت کو دل میں جما دینا اور کسی کو مومن بنا دینا یہ آپ کا کام نہیں ہے۔ یہ اللہ کا کام ہے تو اگر آپ کے ہدایت دینے کے باوجود کوئی ایمان نہیں لایا تو آپ ملول اور افسردہ نہ ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: روئے زمین پر جو کچھ ہے ہم نے اس کو اس زمین کی زینت بنا دیا ہے تا کہ ہم یہ ظاہر کریں کہ ان میں کون سب سے اچھے عمل کرنے والا ہے ○ اور جو کچھ زمین پر ہے ہم اس کو ضرور چٹیل میدان بنانے والے ہیں ○ (الکھف: ۸-۷)

زمین کی زینت سے انسان کو امتحان میں مبتلا کرنا

اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں یہ بتایا ہے کہ میں نے زمین کو اور اس کی زینت کو پیدا کیا ہے اور اس زمین سے کار آمد اور نفع آور چیزیں نکالیں ہیں' اور اس زمین کو اور اس کی زینت کو پیدا کرنے سے مقصود یہ ہے کہ انسان کو چند احکام کا مکلف کیا جائے اور پھر یہ دکھایا جائے کہ وہ اللہ پر ایمان لا کر اور اس کے احکام پر عمل کر کے ان نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہیں یا تکبر اور سرکشی کر کے ایمان نہیں لاتے اور اپنے کفر پر قائم رہتے ہیں' اور میں ان کے کفر اور ان کی سرکشی کے باوجود ان سے اپنی نعمتوں کا سلسلہ منقطع نہیں کرتا تو اے محمد! (صلی اللہ علیک وسلم) آپ بھی ان کے کفر اور ایمان نہ لانے کی وجہ سے ان پر بہت زیادہ

افسوس نہ کریں اور انہیں دین حق کی طرف دعوت دینے کا سلسلہ جاری رکھیں۔

اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ ہم نے زمین کی زینت کے لیے اس میں معادن' نباتات اور حیوانات بنائے ہیں' خوبصورت آبشار اور بہتے ہوئے چشمے' حسین و جمیل سرسبز کھیت اور باغات' بلند کہسار' رنگ برنگ پرندے اور طرح طرح کے حیوانات یہ سب زمین کی زینت ہیں۔ اس زمین میں زہریلے حشرات الارض بھی ہیں اور چیر نے پھاڑنے والے درندے بھی ہیں' اگر یہ کہا جائے کہ ان میں زمین کی کون سی زینت ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان درندوں سے بہرحال ظاہری حسن و جمال تو ہے جیسے شیر اور چیتوں وغیرہ میں اور جنگلات کی زینت ان ہی جانوروں کی وجہ سے ہے۔ اسی طرح انواع و اقسام کے سانپ اور اژدھے حسن و جمال کے پیکر ہیں' باقی رہا ان کا ضرر رساں ہونا تو وہ اس وجہ سے ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفت قہر اور غضب کے مظہر ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے زمین کی یہ زینت انسان کے امتحان کے لیے بنائی ہے کہ آیا وہ دنیا کے حسن و جمال میں کھو کر اپنے خالق و مالک کی اطاعت کرنے کو بھول جاتا ہے یا اس دنیا کی ترغیبات سے اپنا دامن بچا کر رکھتا ہے اور اس دنیا کی رنگینیاں اور لذت آفرینیاں اس کو اپنے مولیٰ کی عبادت سے غافل نہیں کرتیں۔

اس سوال کا جواب کہ امتحان لینا تو عدم علم کو مستلزم ہے

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ امتحان تو وہ شخص لیتا ہے جسے امتحان دینے والے کی قابلیت کا علم نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ تو علام الغیوب ہے اور اس کو ہر چیز کا علم ہے پھر اس کے امتحان لینے کی کیا توجیہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے لیے امتحان نہیں لیتا' وہ دوسروں کے لیے امتحان لیتا ہے' وہ قیامت کے دن دنیا کو دکھانا چاہتا ہے کہ اگر اس نے اپنے کسی بندہ کو بہت اَجر و ثواب عطا کیا ہے اور نور کے منبروں پر بٹھایا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ دنیا میں آزمائش کی بھٹی سے سلامتی کے ساتھ گزر گئے تھے۔ انہوں نے تسلیم و رضا کی چھری تلے اپنی گردن رکھ دی تھی' اس لیے ان کو یہ بلند مراتب عطا کیے ہیں' اور جن کو آخرت میں عذابِ شدید پہنچایا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ دنیاوی امتحان میں ناکام ہو گئے تھے' وہ دنیا کی زینت میں ڈوب گئے تھے اور اپنے خالق و مالک کی اطاعت سے منحرف اور باغی ہو گئے تھے۔

دنیا سے رغبت کو کم کرنا

اللہ تعالیٰ انسان کو دنیا کی اس زینت میں مستغرق ہونے سے بچانا چاہتا ہے اور دنیا کی اس زینت کی طرف اس کی رغبت کو کم کرنا چاہتا ہے۔ اس لیے فرمایا: اور جو کچھ زمین پر ہے ہم اس کو ضرور چٹیل میدان بنانے والے ہیں۔ یعنی تم ایسی چیز کے ساتھ کیوں دل لگاتے ہو جو فنا ہونے والی ہے؟ یہ دنیا اپنی تمام رنگینیوں' رعنائیوں اور دلفریبیوں کے ساتھ فنا ہو جائے گی' باقی رہنے والی ذات تو صرف اللہ تعالیٰ کی ہے سو تم اس سے محبت رکھو' اس کے ساتھ دل لگاؤ' اس کے احکام پر عمل کرو' اسی کی اطاعت کرو' اسی کے سامنے سر جھکاؤ' اسی سے اپنی حاجات طلب کرو' اسی کو پکارو' اسی سے مدد طلب کرو۔ حقیقت میں وہی دینے والا ہے' بہ ظاہر جو بھی کسی کو دے رہا ہے وہ اپنے پاس سے نہیں دے رہا' اسی سے لے کر دے رہا ہے' کسی اور کا سننا' دینا' مدد کرنا ظنی ہے یقینی نہیں۔ صرف اسی کا سننا یقینی ہے' اسی کا دینا یقینی ہے' اسی کا مدد کرنا یقینی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم سوال کرو تو اللہ سے سوال کرو اور جب تم مدد طلب کرو تو اللہ سے مدد طلب کرو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۱۶)

دنیا کی زینت اوراس سے دامن بچانے کے متعلق احادیث

اس آیت میں جو فرمایا ہے: روئے زمین پر جو کچھ ہے ہم نے اس کو اس زمین کی زینت بنا دیا ہے تا کہ ہم ان کو آزمائیں کہ ان میں کون سب سے اچھے عمل کرنے والا ہے ○ (الکھف: ۷) اس آیت کی وضاحت حسب ذیل احادیث سے ہوتی ہے:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

دنیا شیریں اور سرسبز ہے اور اللہ تعالیٰ تم کو اس میں خلیفہ بنانے والا ہے پھر وہ دیکھے گا کہ تم اس میں کس طرح عمل کرتے ہو سو تم دنیا سے اور عورتوں سے بچو کیونکہ بنو اسرائیل کا پہلا فتنہ عورتوں میں تھا۔

(صحیح مسلم الدعوات: ۹۹ رقم الحدیث بلا تکرار: ۲۷۴۲ رقم الحدیث المسلسل: ۶۸۱۴)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے تم لوگوں کے بارے میں سب سے زیادہ دنیا کی تروتازگی سے خطرہ ہے۔ مسلمانوں نے پوچھا: یا رسول اللہ! دنیا کی تروتازگی کیا ہے؟ آپ نے فرمایا زمین کی برکتیں۔ مسلمانوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا خیر کے سبب سے شر ہو سکتا ہے؟ پھر آپ نے تین بار فرمایا: خیر کے سبب سے خیر ہی ہوتی ہے موسم بہار میں جو چیزیں (زمین سے) اُگتی ہیں تو وہ سبزہ جانوروں کو ہلاک کر دیتا ہے یا قریب المرگ کر دیتا ہے۔ سوا ان جانوروں کے جو صرف سبزہ کھاتے ہیں اور وہ اس قدر کھاتے ہیں کہ ان کی کوکھیں پھول جاتی ہیں پھر وہ دھوپ میں لوٹ لگاتے ہیں اور لید اور پیشاب کرتے ہیں یہ مال دنیا بھی سرسبز اور میٹھا ہے جو شخص اس مال کو اپنے حق کے مطابق لے گا اور اس کو اس کے صحیح مصرف میں خرچ کرے گا تو یہ اچھی مشقت ہے اور جو مال کو ناحق لے گا تو وہ اس جانور کی طرح ہے جو کھاتا ہے اور سیر نہیں ہوتا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ایک اور روایت میں ہے: یہ مال دنیا سرسبز اور میٹھا ہے اور مسلمان کا اچھا ساتھی ہے اس مال کا جو حصہ مسکین یتیم اور مسافر کو دیا (وہ اچھا ساتھی ہے) اور جو اس مال کو ناحق لیتا ہے وہ اس جانور کی طرح ہے جو کھاتا ہے اور سیر نہیں ہوتا اور یہ مال اس کے خلاف قیامت کے دن گواہی دے گا۔

(صحیح مسلم الزکوٰۃ: ۱۲۳ '۱۲۲ '۱۲۱ رقم الحدیث: ۱۰۵۲ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۹۵)

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ دنیا بہت خوش منظر ہے اور بھلی لگتی ہے اور اس کے مناظر بہت دلفریب اور دلکش ہیں۔ جیسے کوئی بہت حسین اور بے حد شیریں پھل ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کے ذریعہ اپنے بندوں کو امتحان میں مبتلا کیا ہے اور وہ دنیا کو دکھاتا ہے کہ کون دنیا میں زیادہ اچھے عمل کرتا ہے یعنی کون دنیا سے زہد اور بے رغبتی اختیار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے لیے جن چیزوں کو زینت بنایا ہے بندوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ان چیزوں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں خرچ کریں اسی لیے حضرت عمر نے یہ دعا کی تھی کہ جن چیزوں کو تو نے ہمارے لیے مزین کیا ہے ہمیں اس سے بچا کہ ہم ان پر اِترائیں۔ اے اللہ میں تجھ سے یہ دعا کرتا ہوں کہ میں ان چیزوں کو حق کے راستے میں خرچ کروں۔

اور یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے معنی ہیں: جو اس مال کو اپنے حق کے مطابق لے گا اس کے مال میں برکت دی جائے گی اور جو شخص اس مال کو ناحق لے گا وہ اس جانور کی طرح ہے جو کھاتا ہے اور سیر نہیں ہوتا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کچھ عطا فرما رہے تھے اور میں کہہ رہا تھا کہ یہ آپ اس کو عطا فرما دیں جو مجھ سے زیادہ ضرورت مند ہو۔ آپ نے فرمایا جب یہ مال تمہارے پاس آئے تو اس کو لے لو جبکہ تم اس مال کی طمع نہ رکھتے ہو نہ اس مال کا سوال کرنے والے ہو تو اس مال کو لے لو

(صحیح مسلم میں ہے' پھر اس مال کو لے کر صدقہ کرو) اور جو مال اس طرح نہ ہو تو اس کے لیے اپنے نفس کو نہ تھکاؤ۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ١٤٧٣' صحیح مسلم رقم الحدیث: ١٠٤٥' سنن النسائی رقم الحدیث: ٢٦٠٨)

جو شخص دنیا کے مال سے سیر نہیں ہوتا اور اس کو جس قدر مال ملتا ہے اس پر قناعت نہیں کرتا بلکہ اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ مال کو جمع کرے۔ یہ وہ شخص ہے جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت کو نہیں سمجھا۔ وہ مال کے فتنہ میں مبتلا ہے اور اس سے انسان بہت کم سلامتی میں رہتا ہے۔ جس شخص کو بہ قدر ضرورت مال ملا اور اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے دیئے ہوئے مال پر قانع کر دیا' وہ شخص کامیاب ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے: تاکہ ہم ان کو آزمائیں کہ ان میں کون سب سے اچھا عمل کرنے والا ہے۔ اس کی تفسیر میں ابن عطیہ نے کہا جو مال کو حق کے موافق لے اور اس مال کو ایمان کے ساتھ حق کے راستے میں خرچ کرے' فرائض' واجبات' سنن اور مستحبات کو ادا کرے اور مکروہ کاموں سے اجتناب کرے' وہ شخص سب سے اچھے عمل کرنے والا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی: لنبلوھم ایھم احسن عملا' میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس آیت کا معنی کیا ہے؟ آپ نے فرمایا تاکہ ہم یہ آزمائیں کہ تم میں سے کس کی عقل زیادہ اچھی ہے اور تم میں سے کون اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیزوں سے زیادہ پرہیز کرنے والا ہے اور تم میں سے کون زیادہ سرعت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والا ہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ١٢٧٠٤' الدر المنثور ج ٥ ص ٣٦١)

زہد اور قناعت کے متعلق احادیث

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے پکڑا اور فرمایا: دنیا میں اس طرح رہو جیسے مسافر ہو یا راستہ عبور کرنے والا' اور اپنا شمار قبر والوں میں کرو۔ مجاہد کہتے ہیں مجھ سے حضرت ابن عمر نے کہا جب تم صبح کو اٹھو تو شام کی توقع نہ کرو' بیماری آنے سے پہلے صحت کے ایام میں نیک عمل کر لو' اور موت آنے سے پہلے زندگی میں نیک عمل کر لو' اور اے بندۂ خدا! تم نہیں جانتے کہ کل تمہارا نام کیا ہوگا۔ (یعنی تم شقی ہو گے یا سعید ہو گے)

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٦٤١٦' سنن الترمذی رقم الحدیث: ٢٣٣٣' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٤١١٤' مسند احمد ج ٢ ص ٢٤' مصنف ابن ابی شیبہ ج ١٣ ص ٢١٧' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ٦٩٨' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ١٣٤٧٠' المعجم الصغیر رقم الحدیث: ٦٣' حلیۃ الاولیاء ج ١ ص ٣٠١' السنن الکبریٰ للبیہقی ج ٣ ص ٣٦٩' شعب الایمان رقم الحدیث: ١٠٢٤٥)

حضرت کعب بن عیاض رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر اُمت کے لیے ایک فتنہ ہوتا ہے اور میری اُمت کا فتنہ مال ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ٢٣٣٦' مسند احمد ج ٤ ص ١٦٠' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ١١١٢٩' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ٣٢٢٣' المعجم الکبیر ج ١٩ رقم الحدیث: ٤٠٤' المستدرک ج ٤ ص ٣١٨)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر ابن آدم کے پاس مال کی دو وادیاں ہوں تو وہ چاہتا ہے کہ اس کو تیسری وادی بھی مل جائے اور مٹی کے سوا کوئی چیز اس کا منہ نہیں بھر سکتی' اور جو شخص توبہ کرے اللہ اس کی توبہ قبول فرما لیتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٦٤٣٩' صحیح مسلم رقم الحدیث: ١٠٤٨' سنن الترمذی رقم الحدیث: ٢٣٣٧' مسند احمد ج ٣ ص ١٠٠' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ٣٢٢٣' المعجم الکبیر ج ١٩ رقم الحدیث: ٤٠٤' المستدرک ج ٤ ص ٣١٨)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زہد یہ نہیں ہے کہ تم حلال کو حرام کر دیا مال کو ضائع کرو' لیکن زہد یہ ہے کہ جو چیز تمہارے ہاتھوں میں ہے اس پر تمہیں اتنا اعتماد نہ ہو جتنا اس پر اعتماد ہو جو اللہ کے ہاتھ میں ہے' اور جب تم پر کوئی مصیبت آئے تو اس کے ثواب میں تم کو اس سے زیادہ رغبت ہو کہ تم پر وہ مصیبت نہ آتی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۴۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۰۰)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین چیزوں کے سوا ابن آدم کا کسی چیز میں حق نہیں ہے' اس کی رہائش کا گھر ہو' اس کی ستر پوشی کے لیے کپڑا ہو اور خشک روٹی اور پانی ہو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۴۱' مسند احمد ج ۱ ص ۶۲' مسند البزار رقم الحدیث: ۴۱۴' حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۶۱' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۴۷)

مطرف اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے تو آپ اس آیت کی تلاوت کر رہے تھے:

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ (التکاثر: ۱) زیادہ مال جمع کرنے کی حرص نے تمہیں غافل کر دیا۔

آپ نے فرمایا: ابن آدم کہتا ہے میرا مال' میرا مال اور اس کا مال تو صرف وہی ہے جس کو اس نے صدقہ کر کے روانہ کر دیا' یا کھا کر فنا کر دیا' یا پہن کر بوسیدہ کر دیا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۵۸' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۴۲' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۶۱۳' مسند احمد ج ۴ ص ۲۴' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۰۱' المستدرک ج ۲ ص ۵۳۳' حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۲۸۱' السنن الکبریٰ ج ۴ ص ۶۱)

سلمہ بن عبید اللہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے جو شخص صبح کو اس حال میں اُٹھے کہ اس کے اہل وعیال بخیریت ہوں اور اس کا جسم تندرست ہو اور اس کے پاس اس دن کی خوراک ہو تو گویا اس کے لیے تمام دنیا جمع کر دی گئی ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۴۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۴۱' مسند حمیدی رقم الحدیث: ۴۳۹' ۲۰۸)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ مسلمان کامیاب ہو گیا جس کو اس کی ضرورت کے مطابق رزق دیا گیا اور اللہ نے اس کو اس پر قانع کر دیا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۴۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۵۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۴۱۳۸' مسند احمد ج ۲ ص ۱۶۸' حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۱۲۹' السنن الکبریٰ ج ۴ ص ۱۹۶' شرح السنہ رقم الحدیث: ۴۰۴۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زیادہ ساز وسامان سے غنا حاصل نہیں ہوتا لیکن غنا اس سے حاصل ہوتا ہے جس کا دل غنی ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۴۶' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۷۳' مسند احمد ج ۲ ص ۳۸۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۴۷' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۶۲۵۹' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۷۹)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک چٹائی پر سو گئے اور آپ کے پہلو میں اس کے نقش ثبت ہو گئے تھے۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم آپ کے لیے گدا بنا دیں؟ آپ نے فرمایا: میرا دنیا سے کیا تعلق ہے' میں دنیا میں صرف اس سوار کی طرح ہوں جو کسی درخت کے سائے میں بیٹھے پھر اس کو چھوڑ کر آگے روانہ ہو جائے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۷۷' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۳ ص ۲۱۷' مسند احمد ج ۱ ص ۳۹۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۰۹' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۴۹۹۸' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۹۳۰۳' حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۱۰۲' المستدرک ج ۱ ص ۳۱۰' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۱ ص ۳۳۷)

حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے برا برتن ابن آدم کا بھرا ہوا پیٹ ہے۔ ابن آدم کے لیے چند لقمے کافی ہیں جو اس کی کمر کو قائم رکھ سکیں اگر اس نے ضرور زیادہ کھانا ہو تو تہائی حصہ طعام کے لیے' تہائی حصہ پانی کے لیے اور تہائی حصہ سانس لینے کے لیے رکھے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۸۰' مسند احمد ج ۴ ص ۱۳۲' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۷۴' المعجم الکبیر ج ۲۰ رقم الحدیث: ۶۴۴' المستدرک ج ۴ ص ۱۲۱' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۴۰۴۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۴۹)

زہد اور قناعت کی تعریفات

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

زہد کی تعریف میں علماء کے متعدد اقوال ہیں: سفیان ثوری نے کہا امیدوں کو کم کرنا زہد ہے اور سوکھی روٹی کھانے اور لمبے کرتوں کے پہننے سے زہد حاصل نہیں ہوتا' ہمارے علماء رضی اللہ عنہم نے کہا ہے کہ جس آدمی کی امیدیں کم ہوں وہ لذیذ کھانوں کا پیچھا نہیں کرتا اور نہ انواع و اقسام کے ملبوسات پہنتا ہے اور دنیا کی جو چیز آسانی سے مل جائے اس کو قبول کر لیتا ہے' اور جو چیز اس کو مل جائے اس پر قناعت کر لیتا ہے' وہ زاہد ہے۔ اوزاعی نے کہا جو شخص اپنی تعریف ناپسند کرے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا میں لگا رہے۔ فضیل نے کہا تمام دنیا کو ترک کر دینا زہد ہے خواہ وہ اس کے ترک کرنے کو پسند کرے یا ناپسند۔ بشر بن الحارث نے کہا دنیا کی محبت لوگوں سے ملنے کی محبت ہے اور دنیا میں زہد لوگوں سے ملاقات میں زہد (بے رغبتی) ہے۔ ابراہیم بن ادھم نے کہا اس وقت تک کوئی شخص زاہد نہیں ہوگا جب تک کہ دنیا کو ترک کرنا اس کے نزدیک دنیا کو حاصل کرنے سے زیادہ محبوب نہ ہو جائے۔ عبداللہ بن المبارک نے کہا زہد یہ ہے کہ تم دل سے دنیا سے بے رغبتی کرو اور بعض نے کہا کہ موت سے محبت کرنا زہد ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۰ ص ۳۱۹' مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے مخاطب!) کیا تم نے یہ گمان کیا ہے کہ غار والے اور کتبے والے ہماری نشانیوں میں سے ایک عجیب نشانی تھے ○ جب ان نوجوانوں نے غار میں پناہ لی تو انہوں نے دعا کی: اے ہمارے رب! ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما اور ہمارے مشن میں کامیابی کے اسباب مہیا فرما دے ○ پھر ہم نے اس غار میں ان کے کانوں پر گنتی کے کئی سالوں تک نیند مسلط کر دی ○ پھر ہم نے ان کو اُٹھایا تا کہ ہم یہ ظاہر کریں کہ ان کے غار میں ٹھہرنے کی مدت کو دو جماعتوں میں سے کس نے زیادہ یاد رکھا ہے ○ (الکھف: ۱۲-۹)

اصحابِ کہف کے واقعہ کا شانِ نزول

کفارِ مکہ کو اصحابِ کہف کے قصہ پر بہت حیرت ہوئی تھی اور انہوں نے اس پر بہت تعجب کا اظہار کیا تھا اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بطور امتحان اصحابِ کہف کے متعلق سوال کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا تم ہماری نشانیوں میں سے صرف اصحابِ کہف کے واقعہ ہی کو بہت بڑی اور تعجب خیز نشانی سمجھتے ہو؟ سو ایسا نہیں ہے' یہ زمین و آسمان' یہ وسیع و عریض سمندر' یہ بلند و بالا پہاڑ کیا یہ سب ہماری بڑی نشانیاں نہیں ہیں۔

ہم اس سے پہلے امام ابن ہشام کے حوالے سے ذکر کر چکے ہیں کہ صنادید قریش میں سے ایک شخص نضر بن حارث تھا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت ایذا پہنچاتا تھا' وہ حیرہ جاتا اور رستم اور سہراب کے قصے سن کر آتا اور جس مجلس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید سے پچھلی اُمتوں کے واقعات سناتے تو وہ بھی آپ کے قریب بیٹھ جاتا اور کہتا اے جماعت قریش! بخدا میں تم کو اس سے بہتر اور زیادہ مزے دار قصے سناتا ہوں پھر وہ ان کو روم اور فارس کے بادشاہوں کے قصے سناتا' پھر

قریش نے اس کو اور عقبہ بن ابن معیط کو مدینہ میں علماء یہود کے پاس بھیجا اور بتایا کہ تم لوگ اہل علم ہو! اور ہم اَن پڑھ لوگ ہیں۔ ہمارے ہاں (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اب تم بتاؤ کہ ہم کس طرح ان کے دعویٰ کی سچائی کو معلوم کریں۔ یہود نے کہا: ان سے تین نوجوانوں کے متعلق سوال کرو جو پہلے زمانہ میں ایک غار میں چلے گئے تھے اور ان سے اس شخص کے متعلق سوال کرو جس نے روئے زمین کے تمام مشارق و مغارب میں سفر کیا تھا اور ان سے روح کے متعلق سوال کرو اگر انہوں نے ان تینوں سوالات کے جواب دے دیئے تو وہ برحق رسول ہیں ورنہ نہیں ہیں۔ جب نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط مکہ واپس آئے تو انہوں نے آپ سے یہ سوال کیے۔ آپ نے اس اعتماد پر کہ کل وحی آ جائے گی فرمایا: میں تم کو کل اس کے متعلق بتاؤں گا۔ آپ ان شاء اللہ کہنا بھول گئے تھے (اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت تھی) پھر پندرہ دن تک وحی نہیں آئی اور کفار مکہ چہ میگوئیاں کرنے لگے کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہم سے کل کا وعدہ کیا تھا اور اب پندرہ دن ہو گئے اور انہوں نے ہمارے سوالوں کے جواب نہیں دیئے۔ اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت رنج ہوا' تب حضرت جبریل اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس سورت کو لے کر نازل ہوئے اور اس سورت میں اصحاب کہف کی خبر ہے اور ذوالقرنین کی بھی خبر ہے جس نے مشرق سے لے کر مغرب تک کا سفر کیا تھا' اور روح کے متعلق سوال کا جواب اس سے پہلی سورت بنی اسرائیل میں ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سورہ بنی اسرائیل اور سورۃ الکہف ایک ساتھ نازل ہوئی ہیں اور ان تینوں سوالوں کے جوابات بھی ایک ساتھ نازل ہوئے اور روح کے متعلق جوان کے سوال کا جواب تھا' اس کے مناسب آیات سورہ بنی اسرائیل میں تھیں۔ اس لیے آپ نے ان آیتوں کو بنی اسرائیل میں رکھوا دیا اور اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے متعلق جو آیتیں تھیں' ان کے مناسب آیتیں سورۃ الکہف میں تھیں' اس لیے ان کو آپ نے سورۃ الکہف میں رکھوا دیا۔

اصحاب الکہف اور اصحاب الرقیم کی سوانح

الکہف کے معنی ہیں پہاڑ میں ایک غار۔ (المفردات ج ۲ ص ۵۷۰' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

الرقیم: ایک جگہ کا نام ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ الرقیم اس پتھر کا نام ہے جس پر اصحاب کہف کے نام لکھے ہوئے تھے۔

علامہ محمد بن یوسف ابوالحیان اندلسی متوفی ۷۵۴ھ لکھتے ہیں:

اصحاب کہف کے اسماء عجمی زبان میں ہیں' ان کو شکل اور نقطوں میں منضبط کرنا مشکل ہے' اور ان کا قصہ بیان کرنے میں راویوں کے بیان مختلف ہیں وہ کس طرح غار میں داخل ہوئے اور کس طرح غار سے نکلے' کسی صحیح حدیث میں اس واقعہ کا بیان نہیں ہے اور نہ قرآن مجید میں اس کا ذکر ہے سوا ان آیتوں کے جن کا اس سورت میں ذکر فرمایا ہے۔

روایت ہے کہ جس کافر بادشاہ کے زمانہ میں وہ اس کے ملک سے نکل گئے تھے' اس کا نام دقیانوس تھا اور یہ لوگ روم کے رہنے والے تھے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ لوگ شام کے رہنے والے تھے اور شام میں ایک غار ہے جس میں چند مردے پڑے ہوئے ہیں اور اس غار کے مجاور کا زعم یہ ہے کہ یہی اصحاب کہف ہیں۔ اس غار پر ایک مسجد بھی بنی ہوئی ہے جس کا نام الرقیم ہے۔ ان کے ساتھ ایک بوسیدہ کتا بھی ہے۔ اور اندلس میں غرناطہ کی جانب ایک بستی ہے جس کا نام لوشہ ہے۔ وہاں ایک غار ہے جس میں چند مردے ہیں اور ایک پرانا اور بوسیدہ کتا ہے' ان کا گوشت پوست گل چکا ہے اور صرف ہڈیوں کے ڈھانچے ہیں۔ کئی صدیاں گزر چکی ہیں اور ہم کو کوئی ایسا شخص نہیں ملا جس کو ان کے متعلق صحیح علم ہو' اور لوگوں کا گمان یہ ہے کہ یہی اصحاب کہف ہیں۔ علامہ ابن عطیہ نے کہا میں ان کے غار میں داخل ہوا اور میں نے ان کو دیکھا تقریباً ساڑھے پانچ سو سال سے وہ

اسی حال میں ہیں' اس غار کے اوپر ایک مسجد بھی بنی ہوئی ہے اور اس کے قریب ایک رومی عمارت بنی ہوئی ہے جس کا نام الرقیم ہے۔
(المحرر الوجیز ج ۱۰ ص ۳۹۲' مطبوعہ المکتبۃ التجاریہ' ۱۴۰۷ھ مکہ مکرمہ)

جس وقت ہم اندلس میں تھے تو لوگ اس غار کی زیارت کرنے کے لیے آتے تھے' اور وہ یہ بتاتے تھے کہ جب بھی ہم ان مردوں کو گنتے تھے تو ان کے گننے میں ہمارا اختلاف ہو جاتا تھا اور ان کے ساتھ ایک کتا بھی تھا۔ غرناطہ کے قریب دقیوس نام کا ایک شہر ہے' میں اس میں ان گنت مرتبہ گیا ہوں اور میں نے وہاں بڑے بڑے پتھر دیکھے ہیں اور جس چیز سے یہ رائے راجح قرار پاتی ہے کہ اصحاب کہف اندلس کے رہنے والے تھے' وہ یہ ہے کہ اندلس میں عیسائی بہت کثرت کے ساتھ آباد تھے حتیٰ کہ عیسائیوں کی بڑی مملکت اندلس ہی تھی۔ (البحر المحیط ج ۷ ص ۱۴۳۔ ۱۴۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ)

الکہف پہاڑ میں غار کو کہتے ہیں۔ ان کے غار کا نام حیزم تھا اور الرقیم کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا مجھے معلوم نہیں اس سے کیا مراد ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ الرقیم وہ مرقوم ہے جس میں اصحاب کہف کے اسماء اور ان کو پیش آیا ہوا واقعہ لکھا ہوا ہے جو ان کے بعد والوں نے لکھا ہے۔ امام ابن جریر وغیرہ کی یہی رائے ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ الرقیم اس پہاڑ کا نام ہے جس میں ان کا غار ہے' ایک قول یہ ہے کہ یہ اس جگہ کی بستی کا نام ہے۔

شعیب جبائی نے کہا ان کے کتے کا نام حمران تھا اور یہود کو ان کے واقعہ کے ساتھ جو اس قدر دلچسپی تھی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا زمانہ بہت پہلے کا تھا' اور بعض مفسرین نے یہ ذکر کیا ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد تھے اور مذہباً نصاریٰ تھے اور سیاق وسباق سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی قوم بت پرست تھی۔

اکثر مفسرین اور مورخین نے یہ کہا ہے کہ ان کے زمانہ کے بادشاہ کا نام دقیانوس تھا اور اصحاب کہف بڑے لوگوں کے بیٹے تھے۔ ان کی قوم کی عید کے دن ایک اجتماع میں انہوں نے دیکھا کہ ان کی قوم بتوں کی تعظیم اور ان کو سجدے کر رہی ہے' انہوں نے نظرِ بصیرت سے دیکھا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں سے غفلت کے حجاب دور کر دیئے اور ان کے دلوں میں ہدایت ڈال دی' اور ان کو یہ یقین ہو گیا کہ ان کی قوم کے عقائد باطل ہیں' سو انہوں نے اپنی قوم کے دین کو ترک کر دیا اور اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک کی عبادت پر کمربستہ ہو گئے اور ان میں سے ہر ایک جب سے توحید کا معتقد ہوا تھا' وہ باقی لوگوں سے الگ ہو گیا اور یہ تمام نوجوان ایک جگہ پر مجتمع ہو گئے جیسا کہ حدیث میں ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ روحیں ایک مجتمع لشکر ہیں جو روحیں اس لشکر میں باہم متعارف تھیں وہ دنیا میں بھی ایک دوسرے سے الفت رکھتی ہیں' اور جو روحیں وہاں ایک دوسرے سے اجنبی تھیں وہ دنیا میں بھی ایک دوسرے سے اجنبی ہیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۳۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۳۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۸۳۴' مسند احمد رقم الحدیث: ۷۹۲۲)

پھر ہر نوجوان نے دوسرے نوجوان سے اس کے حالات اور کوائف کے متعلق سوال کیا اور اپنے عقائد سے اس کو خبر دی' پھر ان سب کا اس پر اتفاق ہو گیا کہ وہ اپنے دین کو بچانے کے لیے اس قوم کے درمیان سے نکل جائیں' اور شر کے ظہور اور فتنہ کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ کا بھی یہی حکم ہے۔ ان میں سے بعض نے بعض سے کہا جب تم اپنے دلوں کے ساتھ اپنی قوم کے دین سے الگ ہو چکے ہو تو اپنے جسموں اور بدنوں کو بھی اپنی قوم کے جسموں اور بدنوں سے الگ کر لو۔ قرآن مجید میں ہے انہوں نے کہا:

وَاِذِ اعۡتَزَلۡتُمُوۡهُمۡ وَمَا يَعۡبُدُوۡنَ اِلَّا اللّٰهَ	جب تم ان سے اور اللہ کے سوا ان کے معبودوں سے
فَاۡوٗۤا اِلَى الۡـكَهۡفِ يَنۡشُرۡ لَـكُمۡ رَبُّكُمۡ مِّنۡ رَّحۡمَتِهٖ	کنارہ کش ہو چکے ہو تو اب تم کسی غار میں پناہ لو' تمہارا رب تم
وَيُهَيِّئۡ لَـكُمۡ مِّنۡ اَمۡرِكُمۡ مِّرۡفَقًا○	پر اپنی رحمت کو کھول دے گا اور تمہارے مشن میں آسانی مہیا کر

دے گاo (الکھف: ۱۶)

یعنی وہ تم کو تمہاری قوم سے چھپائے رکھے گا اور تم اس کی حفاظت اور رحمت میں رہو گے اور تمہارا انجام بہ خیر کرے گا۔
اسی طرح حدیث میں یہ دعا ہے:

حضرت بسر بن ابی ارطاۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کرتے تھے:
اے اللہ! ہمارے تمام کاموں کا انجام بہ خیر کر اور ہمیں دنیا کی رسوائی اور آخرت کے عذاب سے (اپنی) پناہ میں رکھ۔
(المستدرک ج ۳ ص ۵۹۱' قدیم' المستدرک رقم الحدیث: ۶۵۶۷' جدید' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۹۴۹' مسند احمد ج ۴ ص ۱۸۱' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۱۹۸' ۱۱۹۷' حافظ الہیثمی نے کہا ہے کہ امام احمد اور امام طبرانی کے راوی ثقہ ہیں مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۷۸)

اللہ تعالیٰ نے اس غار کے متعلق بیان فرمایا ہے اور اس کا دروازہ شمال کی طرف تھا اور اس کا عرض قبلہ کی طرف تھا اور گویا گرمیوں کے زمانہ میں سورج کے طلوع کی پہلی شعاعیں غار کی مغربی جانب سے پڑتی تھیں پھر آہستہ آہستہ وہ شعاعیں غار سے باہر نکلتی تھیں اور جب سورج غروب کی جانب مائل ہوتا تو سورج کی شعاعیں آہستہ آہستہ غار کی مشرقی جانب داخل ہوتیں اور سورج کی شعاعوں کو غار میں داخل کرنے کی حکمت یہ تھی کہ غار کی ہوا خراب نہ ہو۔

اور وہ ایک طویل زمانہ تک اسی کیفیت پر رہے' وہ کھاتے تھے نہ پیتے تھے نہ ان کا جسم غذا حاصل کرتا تھا اور اتنی مدت تک ان کا کھائے پیئے بغیر رہنا اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نشانی تھی' دیکھنے والے ان کو بیدار سمجھتے تھے حالانکہ وہ سوئے ہوئے تھے' اور ہر سال وہ ایک جانب سے دوسری جانب کروٹ بدلتے تھے۔ ان کا کتا بھی ان کی چوکھٹ پر ہاتھ پھیلائے ہوئے تھا' اس سے مراد یہ ہے کہ ان کا کتا جو قوم سے الگ ہوتے وقت ان کے ساتھ رہا تھا' وہ ان کے ساتھ لگا رہا اور غار کے اندر داخل نہیں ہوا بلکہ ان کی حفاظت کے لیے غار کے منہ پر بیٹھا رہا۔

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ غار کس جگہ پر ہے' اکثر علماء نے یہ کہا کہ یہ سرزمین ایلہ (بحر شام کے ساحل پر یہود کا ایک شہر) میں ہے اور ایک قول یہ ہے کہ وہ ارض نینویٰ (عراق کے مضافات میں کربلا وغیرہ پر مشتمل علاقہ) میں ہے اور ایک قول یہ ہے کہ وہ بلقاء (اردن کا وہ علاقہ جو دریائے اردن کے مشرق میں ہے) میں ہے' اور ایک قول یہ ہے کہ وہ روم کے شہروں میں ہے اور یہی قول حق کے مشابہ ہے۔

ان کے شہر کے لوگ اس غار کی جگہ تک نہیں پہنچ سکے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں کو اس غار سے اندھا کر دیا تھا' ان کے معاملہ میں ان کا اختلاف تھا۔ بعض نے کہا اس کے اوپر ایک دیوار بنا دو تاکہ اس سے نہ نکل سکیں یا اس غار میں کوئی ایسی چیز داخل نہ ہو سکے جو ان کو ایذا پہنچائے' اور دوسرے لوگ جو ان پر حاوی تھے انہوں نے کہا کہ ہم ضرور ان کے اوپر ایک مسجد بنائیں گے یعنی ایک عبادت گاہ۔ ان نیک لوگوں کے جوار اور پڑوس کی وجہ سے برکت نازل ہوگی اور ہم سے پہلی شریعت میں یہ امر متعارف تھا لیکن ہماری شریعت میں یہ ممنوع ہے کیونکہ حدیث میں ہے:

حضرت عائشہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مرض الموت طاری ہوا تو آپ کے چہرے پر چادر ڈال دی گئی جب آپ کو کچھ افاقہ ہوا تو آپ نے چہرے سے چادر اُٹھا کر فرمایا:
یہود اور نصاریٰ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو' انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مسجدیں بنا لیا' آپ ان کے کاموں سے مسلمانوں کو ڈراتے تھے۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۵۴' ۳۴۵۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۳۱' سنن النسائی رقم الحدیث: ۷۰۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۲۲۷' مسند احمد

رقم الحدیث: ۲۶۴۱۳، دارالفکر)

اکثر مفسرین نے کہا اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کو اس چیز کی نشانی بنایا ہے کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا برحق ہے کیونکہ جب لوگوں کو یہ یقین ہو گیا کہ اصحاب کہف تین سو سال سے زیادہ تک سوتے رہے پھر بغیر کسی تغیر اور تبدل کے وہ اُٹھ کھڑے ہوئے سو جو ذات اس پر قادر ہے کہ اصحاب کہف کو تین سو سال سلا کر پھر ان کو اسی طرح اُٹھا دے، وہ اس پر بھی قادر ہے کہ وہ مُردوں کو زندہ کر دے خواہ ان کے جسموں کو کیڑے کھا چکے ہوں۔

(البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۲۱-۱۸ ملخصاً، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۱۸ھ)

قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ لکھتے ہیں:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رومیوں کے خلاف جہاد کیا تو وہ ایک غار کے پاس سے گزرے۔ انہوں نے کہا ہم اس غار کا منہ کھول کر ان لوگوں کو دیکھیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا آپ کے لیے یہ جائز نہیں ہے آپ سے بہتر شخص کو اللہ تعالیٰ نے انہیں دیکھنے سے منع فرمایا تھا: اگر آپ انہیں جھانک کر دیکھنا چاہتے تو آپ ضرور اُلٹے پاؤں بھاگ کھڑے ہوتے اور ان کے رعب سے آپ پر دہشت چھا جاتی۔ (الکہف: ۱۸) حضرت معاویہ نے حضرت ابن عباس کی بات نہیں سنی اور کچھ لوگوں کو غار میں بھیجا جیسے ہی وہ لوگ غار میں داخل ہوئے، ایک سخت ہوا آئی اور اس نے ان کو جلا ڈالا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جس طرح ہم نے ان کو سلا دیا تھا، اسی طرح ہم نے ان کو اُٹھایا تاکہ ان کی بصیرت زیادہ ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے قیامت کا جو وعدہ فرمایا ہے وہ برحق ہے، کیونکہ جس نے ان پر تین سو سال تک نیند طاری کی پھر ان کو اُٹھا دیا وہ اس پر قادر ہے کہ وہ لوگوں کی روح قبض کرنے کے بعد ان کو دوبارہ زندہ کر دے۔ بعض لوگوں نے کہا ہم اس غار کے اوپر رہائشی مکان بنا دیں اور اس جگہ ایک شہر بسا دیں اور بعض لوگ جو زیادہ غالب تھے انہوں نے کہا ہم اس غار کے اوپر ایک مسجد بنائیں گے۔ (تفسیر البیضاوی علی ہامش الخفاجی ج ۶ ص ۱۵۲-۱۴۶، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۷ھ)

علامہ شہاب الدین خفاجی حنفی متوفی ۱۰۶۷ھ لکھتے ہیں:

غار کے اوپر مسجد بنانا اس پر دلالت کرتا ہے کہ صالحین کی قبروں کے اوپر مسجد بنانا جائز ہے جیسا کہ اس کی طرف کشاف میں اشارہ ہے اور اس عمارت میں نماز پڑھنا جائز ہے۔ (عنایۃ القاضی ج ۶ ص ۱۵۲، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۷ھ)

لغت میں اصحابِ کہف کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

ملک روم میں جزیرہ افسوس کے شہر افسوس کے رہنے والے چھ یا سات باایمان نوجوان جو مذہباً نصرانی تھے، ۲۴۸ تا ۲۶۱ء میں اپنے زمانہ کے کافر و ظالم "دقیانوس" نام کے بادشاہ کے خوف سے ایک غار میں جا چھپے تھے۔ کہا گیا ہے کہ ان کا کتا بھی ساتھ تھا، وہ سب قدرتِ الٰہی سے اسی غار میں زمانہ دراز تک سوتے رہے اور سو رہے ہیں۔ (اُردو لغت ج ۱ ص ۵۳۷، مطبوعہ کراچی ۱۹۷۷ء)

الرقیم کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

اصحابِ کہف (جن کے ناموں کا اس غار پر جس میں وہ سو گئے تھے، بادشاہ وقت نے کتبہ لکھ کر لگا دیا تھا) ان ہی لوگوں کا لقب اصحاب الرقیم بھی ہو گیا ہے۔ (اُردو لغت ج ۱ ص ۵۳۷، مطبوعہ کراچی، ۱۹۷۷ء)

اصحابِ کہف کے متعلق ہمارے قدیم اور جدید مفسرین اور مؤرخین نے بہت تفصیل سے لکھا ہے، ان کے علاوہ غیر مسلم محققین اور مستشرقین نے بھی اس موضوع پر خاصی طبع آزمائی کی ہے۔ انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا میں بھی اس پر کافی مواد ہے۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اس مواد سے کافی استفادہ کیا ہے لیکن حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری المتوفی ۱۴۱۹ھ نے اس مواد کو بہت جامعیت کے ساتھ اور مربوط انداز میں پیش کیا ہے' وہ لکھتے ہیں:

حضرت مسیح علیہ السلام کے مواعظ کے باعث یہودی علماء وامراء ان کے خون کے پیاسے ہوگئے اور انہیں ہر طرح کی اذیتیں دینے لگے یہاں تک کہ آپ پر دین کی تحریف کا سنگین الزام لگا کر علاقہ کے رومی گورنر پیلاطس کے پاس دعویٰ دائر کیا اور اسے دھمکی دی کہ اگر اس نے انہیں تختہ دار پر نہ چڑھایا تو وہ بغاوت کر دیں گے۔ چند حواریوں کے علاوہ ملک کی پوری آبادی یہود کی ہمنوا تھی اور وہ اس لمحہ کا بڑی بے تابی سے انتظار کر رہی تھی جب آپ کو صلیب پر لٹکا دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے مقبول بندے کی خود حفاظت فرمائی اور آسمان کی طرف اُٹھا کر ان نابکاروں کے ہتھکنڈوں سے آپ کو بچالیا۔

ان حالات میں دین مسیحی کے پھیلنے کا کوئی امکان نہ تھا لیکن اپنے ان چند حواریوں کے دل میں حق کا جو چراغ حضرت مسیح روشن کر گئے تھے' وہ مصائب کی ان تند آندھیوں میں بھی نہ بجھ سکا۔ ان کی پُرجوش تبلیغ سے لوگ آہستہ آہستہ عیسائیت قبول کرنے لگے اور علاقہ بھر میں ان کے حلقے قائم ہوگئے جو اللہ تعالیٰ کی توحید' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رسالت اور قیامت پر یقین رکھتے تھے اگرچہ ملک کی اکثریت اپنے رومی حکمرانوں کی طرح بُت پرست تھی۔

لیکن ۲۴۸ء کے اواخر میں جب دقیانوس (جسے رومی زبان میں ڈیسیس "DECIUS" کہتے ہیں) روما کے تخت پر متمکن ہوا تو ہوا کا رُخ پھر بدل گیا۔ اس نے ایک قانون کے ذریعہ مسیحی دین پر پھر پابندی لگا دی۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے مقالہ نگار کے خیال کے مطابق یہ پہلا رومی فرمانروا تھا جس نے مسیحیت کو بیخ وبُن سے اُکھاڑ پھینکنے کا جامع منصوبہ بنایا اور اپنی ساری قلمرو میں عیسائیوں کے قتل وغارت کا بازار گرم کر دیا۔ (انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا جلد ۷ ص ۱۲۰)

ایشیاء کوچک اس وقت رومن ایمپائر کے زیرنگین تھا' وہاں کے مختلف شہروں میں بھی عیسائی آبادیاں تھیں۔ دقیانوس کی اس داروگیر کی زدان پر بھی پڑی۔ انہیں واضح طور پر بتا دیا گیا کہ اگر زندگی کی ضرورت ہے تو عیسائیت چھوڑ دو۔ اور جن بتوں اور دیوی دیوتاؤں کی ہم پوجا کرتے ہیں' ان کی پوجا کرو۔ ڈیسیس جب ملکی دورہ پر روانہ ہوتا تو وہ اس مقصد کو تمام دوسرے امور مملکت پر ترجیح دیتا۔ ایک دفعہ اس کا گزر ایشیاء کوچک کی بستی افیسس (EPHESUS) پر ہوا۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں آرتمیس یا ڈائنا دیوی کا مندر تھا جس کی بڑی دھوم دھام سے پوجا ہوتی تھی اور اس مندر کی وجہ سے اس شہر کو ملک بھر میں خاص اہمیت حاصل تھی۔ یہاں جب دقیانوس نے عیسائیوں کی پکڑ دھکڑ شروع کی تو چند نوجوان اپنی دولتِ ایمان بچانے کے لیے وہاں سے چل نکلے۔ قریب ہی ایک پہاڑ تھا جس میں ایک وسیع غار تھا۔ اس میں جا چھپے اور بارگاہِ الٰہی میں گڑگڑا کر التجائیں کرنے لگے کہ وہ انہیں اس ظالم اور سنگدل بادشاہ کے شر سے بچائے اور ان کو نعمتِ ایمان سے محروم نہ کرے۔ ایسا نہ ہو کہ کسی آزمائش میں ان کا قدم لڑکھڑا جائے اور دامنِ حق ان کے ہاتھ سے چھوٹ جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی فریاد سنی اور ان پر نیند مسلط کر دی گئی۔ اس غار کا منہ شمال کی جانب تھا اس لیے اس میں دھوپ تو داخل نہ ہوتی لیکن ہوا اور روشنی کا گزر اچھی طرح سے تھا۔ اس لیے یہاں ان کے جسم اس طویل نیند کے باوجود محفوظ تھے۔ قدرت مناسب وقفہ کے بعد ان کے پہلو بھی بدل دیتی جیسے نیند کی حالت میں ہم سوئے سوئے پہلو بدل لیا کرتے ہیں' اسی طرح کا احساس ان میں بھی یقیناً ہوگا۔ دُور سے دیکھنے والے انہیں بیدار خیال کرتے حالانکہ وہ محوِ خواب تھے۔ ان کے ساتھ ایک کتا بھی ہولیا تھا۔ انہوں نے اسے بھگانے کے لیے بڑے جتن کیے لیکن اس نے ساتھ نہ چھوڑا۔ جب وہ غار میں جا کر آسودۂ خواب ہوگئے تو وہ بھی پاسبانی کی خاطر غار کے دہانے پر پاؤں پھیلا کر بیٹھ رہا۔

اس طرح ایک سو ستاسی برس کا عرصہ گزر گیا۔ ڈیسس کیفر کردار کو پہنچا' مختلف بادشاہ آئے اور اپنی چند روزہ شاہی کا ڈنکا بجا کر چل دیئے۔ پرانے شہر اُجڑے' نئی بستیاں آباد ہوئیں۔ افیسس کے شہر میں بھی اس دو سو سال کے زمانہ میں کیا شکست و ریخت نہ ہوئی ہوگی۔ جب حکمتِ الٰہی نے چاہا تو ان سونے والوں کو بیدار کر دیا' وہ آنکھیں ملتے ہوئے اُٹھ بیٹھے۔ خیال انہیں بھی گزرا کہ وہ آج معمول سے کچھ زیادہ ہی سوئے ہیں لیکن یہ بات ان کے سان وگمان میں بھی نہ تھی کہ ان کو یہاں بے سدھ پڑے دو صدیاں بیت گئی ہیں اس لیے وہ ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ وہ کتنی دیر سوئے ہیں۔

ان کی آنکھیں کیا کھلیں کہ بشری تقاضے بھی بیدار ہو گئے۔ انہیں بھوک نے ستانا شروع کر دیا۔ انہوں نے اپنے ایک ساتھی کو جس کا نام یملیخاہ بتایا جاتا ہے' بستی کی طرف بھیجا کہ ان کے لیے کھانا خرید لائے۔ جب وہ غار سے نکل کر شہر کی طرف روانہ ہوا تو وادی وکوہسار وہی تھے لیکن ماحول میں اجنبیت کے آثار قدم قدم پر حیران کر رہے تھے۔ شہر میں گئے تو در و دیوار' گلی کوچے زبانِ حال سے کچھ اور ہی داستان سنا رہے تھے۔ یملیخاہ سوچ رہے تھے کہ بارِ خدا! ایک آٹھ پہر میں یہ کیا انقلاب آ گیا' کل جب چھوڑ کر گئے تو اس شہر کا کیا حال تھا اور آج کیا ہے۔ ایک نانبائی کی دُکان پر گئے اور اسے کھانا دینے کے لیے کہا' اس نے کھانا دیا۔ انہوں نے وہی پرانا سکہ جو یہاں سے جاتے ہوئے اپنے ساتھ لے گئے تھے' اس کی طرف بڑھا دیا۔ دُکاندار اس سکہ کو دیکھ کر ہکا بکا ہو گیا۔ معاملہ نے طول پکڑا' اردگرد کے دُکاندار بھی اکٹھے ہو گئے۔ یملیخاہ پر الزام لگایا گیا کہ اسے کوئی پرانا شاہی خزانہ ہاتھ آیا' معاملہ حاکمِ شہر تک پہنچا۔ یہاں آ کر حقیقتِ حال سے پردہ اُٹھا۔ انہیں پتا چلا کہ یہ ان نوجوانوں میں سے ایک ہے جو ڈیسیس کے مظالم سے بھاگ کر ایک غار میں پناہ گزیں ہو گئے تھے۔ لوگوں کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ سب ان کی جھلک دیکھنے کے لیے غار تک گئے' وہاں دوسرے ساتھی یملیخاہ کا انتظار کرتے کرتے اُکتا گئے اور ان کے دل میں طرح طرح کے وسوسے پیدا ہونے لگے تھے جب انہوں نے ایک جمِ غفیر غار کی طرف آتے دیکھا تو انہیں یقین ہو گیا کہ ان کا ساتھی پکڑا گیا ہے اور اس کے بتلانے پر یہ ہجوم انہیں گرفتار کرنے کے لیے دوڑا چلا آ رہا ہے۔ جب لوگ حاکمِ شہر کی قیادت میں وہاں پہنچے تب اصحابِ کہف کو معلوم ہوا کہ انہیں یہاں ٹھہرے صدیاں گزر چکی ہیں اور اب حالات کا رُخ بدل گیا ہے اور عیسائیت کا ہر طرف چرچا ہے۔ صرف رعایا ہی نہیں بلکہ حکومت بھی اس دین کو قبول کر چکی ہے۔ مؤرخین کے بیان کے مطابق یہ واقعہ ۴۳۷ء میں پیش آیا جبکہ روما کے تخت پر تھیوڈوسیس (DHEOSIUS) متمکن تھا۔

مفسرین کرام اور مؤرخین نے اصحابِ کہف کی جگہ' زمانہ اور ان کے مخصوص حالات کے متعلق متعدد اقوال نقل کیے۔ بعض اسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے پہلے کا زمانہ بتاتے ہیں' بعض نے کہا ہے کہ یہ کہف خلیج عقبہ کے نواحی پہاڑوں میں واقع ہے۔ بعض نے شام کے کسی مقام کا تعین کیا ہے' اور علامہ ابنِ حیان اندلسی صاحب البحر المحیط نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ یہ سارا واقعہ اندلس کے ملک میں ہوا۔ وہ لکھتے ہیں کہ غرناطہ کے قریب ایک قصبہ ہے جسے ''لوشہ'' کہتے ہیں۔ اس میں ایک غار ہے جہاں کئی مردوں کے ڈھانچے ہیں اور باہر ایک کتے کا ڈھانچہ بھی ہے۔ ابن عطیہ کہتے ہیں کہ وہ ۵۰۴ھ سے انہیں اسی حالت میں دیکھ رہے ہیں۔ وہاں ایک مسجد بھی ہے اور ایک رومی طرز کی پرانی عمارت بھی ہے جسے ''الرقیم'' کہا جاتا ہے۔ ایسے معلوم ہوتا ہے جیسے یہ کسی قدیم قصر کے کھنڈرات ہیں اور غرناطہ سے قبلہ کی جانب ایک پرانے شہر کے آثار بھی پائے جاتے ہیں جس کا نام مدینہ دقیوس بتایا جاتا ہے۔ ابن عطیہ کا یہ قول نقل کرنے کے بعد علامہ ابنِ حیان لکھتے ہیں کہ جب ہم اندلس میں تھے تو لوگ اس غار کی زیارت کے لیے جایا کرتے تھے۔ (البحر المحیط)

کئی دیگر مقامات میں غاروں میں اس قسم کے ڈھانچے دکھائی دیتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ اہلِ حق پر جب بھی جبر و تشدد کا

بازار گرم ہوا ہو تو ان میں سے چند لوگوں نے قریبی پہاڑوں کی غاروں میں پناہ لی ہو اور ان کے ڈھانچے اسی طرح محفوظ ہوں اور اسپین کے جس غار کا ذکر علامہ ابنِ حیان نے کیا ہے' وہ بھی اسی طرح کا ایک غار ہو۔

لیکن میں نے جو تفصیل لکھی ہے مجھے وہی حقیقت سے زیادہ قریب معلوم ہوئی ہے کیونکہ ہمارے مفسرین نے اسے یوں ہی بیان کیا ہے۔ ان کے علاوہ ایک مشہور انگریز مؤرخ ایڈورڈ گبن (EDWARD GIBBON) نے بھی اپنی معروف تاریخ کی کتاب "THE DECLINE AND FALL OF ROMAN EMPIRE" کی تیسری جلد صفحہ ۳۴۰ تا ۳۴۳ میں "سات سونے والوں" کے احوال لکھے ہیں جو بالکل اس واقعہ سے مطابقت رکھتے ہیں حتیٰ کہ عربی مصادر میں جو نام ہیں' تقریباً وہی نام اس نے بھی درج کیے ہیں۔ مؤرخ مذکور نے اس کے حاشیہ میں اس واقعہ کا ماخذ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ میں نے یہ واقعہ شام کے مشہور بشپ جیمس سروج (JAMES OF SARUJ) کے مجموعہ مواعظ جو ۲۳۰ مواعظ پر مشتمل ہے' کے ایک وعظ سے لیا ہے۔ یہ بشپ ۴۵۲ء میں پیدا ہوا اور ۴۷۴ء میں اس نے یہ مواعظ لکھے۔ اسے ۵۱۰ء میں بشپ مقرر کیا گیا اور ۵۲۱ء میں اس نے وفات پائی۔ اور چھٹی صدی کے اختتام سے پہلے شامی زبان سے اس کا ترجمہ لاطینی زبان میں ہو گیا تھا۔ تاریخی لحاظ سے یہ کتاب اس واقعہ کے وقوع پذیر ہونے کے اقرب ترین زمانہ کی تحریر ہے' اس لیے اس میں حقیقت کی زیادہ سے زیادہ جھلک دکھائی دے سکتی ہے' یہ مواعظ کیونکہ تقریباً پچاس برس بعد لکھے گئے اس لئے ان کی ساری تفصیلات کو جوں کا توں تسلیم کر لینا قطعاً قرینِ دانش نہیں۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس مجموعہ کے بیان کردہ حالات دوسری روایات سے کہیں زیادہ صحیح صورتحال کے ترجمان ہو سکتے ہیں۔

قرآن کریم نے اصحابِ کہف کے واقعہ کا وہ پہلو ذکر کیا جو ہمارے لیے ہدایت کا درس رکھتا ہے' باقی اس کے زمان و مکان وغیرہ تفصیلات کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا۔ ہر واقعہ کے بیان میں قرآن کریم کا اسلوب یہی ہے اور یہی ایک ایسی خصوصیت ہے جو قرآن حکیم کو تاریخ کی کتب سے ممتاز کرتی ہے۔ قرآن میں جو واقعات بیان ہوئے ہیں ان سے مقصود داستان سرائی نہیں بلکہ عبرت آموزی اور بصیرت افروزی ہے۔ صحیح احادیث میں بھی اس واقعہ کی تفصیلات مذکور نہیں۔ غالباً ہمارے مؤرخین نے علماء اہل کتاب سے جو کچھ سنا وہ لکھ دیا۔ کیونکہ گزشتہ واقعات کے متعلق انہیں علماء کے بیانات سند تصور کیے جا سکتے تھے اور اہل کتاب کے ان علماء کے پاس واقعہ کے متعلق پہلی تحریری دستاویز بشپ جیمس کے یہی مواعظ ہیں' اس لیے یہ خیال کرنے میں کوئی قباحت نہیں کہ واقعہ کی یہ تفصیلات حقیقت سے زیادہ قریب ہیں۔

یہاں ایک چیز ضرور قابلِ غور ہے۔ گبن نے بڑی گستاخی سے کام لیتے ہوئے لکھا ہے کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ واقعہ اپنے شام کے تجارتی سفروں کے اثناء میں علماء اہل کتاب سے سنا اور اسے وحی الٰہی کہہ کر قرآن میں درج کر دیا۔ کیونکہ قرآن کریم کی بیان کردہ تفصیلات جیمس کے مواعظ میں لکھی ہوئی تفصیلات سے کلی مطابقت نہیں رکھتیں۔ اس لیے اس گستاخ اور منہ پھٹ مؤرخ نے سپہرِ علم و حکمت کے نیر اعظم پر بے علمی اور جہالت کا الزام لگایا۔ اس طرح اس نے نہ صرف حقیقت کا منہ چڑایا ہے بلکہ مؤرخ کے بلند مقام کو بھی تعصب کی غلاظت سے آلودہ کر دیا ہے۔ جب وہ خود مانتا ہے کہ یہ مجموعہ ۴۷۴ء میں لکھا گیا اور اسی کے قول کے مطابق یہ واقعہ ۴۲۷ء میں پیش آیا۔ ذرا انصاف فرمائیے' ان پچاس سالوں میں اس میں کیا کچھ ردوبدل نہ ہو گیا ہو گا' کتنی ایسی چیزیں نظر انداز کر دی گئی ہوں گی جو انسان کے جذبۂ عجوبہ پرستی کی تسکین کا باعث نہیں بنتیں اور کئی باتیں بڑھا دی گئی ہوں گی تاکہ اس واقعہ کو نمک مرچ لگا کر پیش کیا جا سکے۔ اس لیے جیمس کی تفصیلات کا سو فیصدی صحیح ہونا بھی یقینی نہیں۔ جب اس کی صحت قطعی نہیں تو قرآن کی صداقت کا انحصار ان مواعظ سے مطابقت پر نہیں ہو سکتا اور نہ ہی قرآن

کو کسی کھمن کے قول کی سند کی ضرورت ہے۔(ضیاء القرآن ج ۳ ص ۱۵۔۱۲ مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور ۱۳۹۹ھ)

یہاں تک ہم نے قدیم اور جدید مفسرین کے حوالوں سے اصحاب کہف کا تعارف پیش کیا تھا اب ہم اصحاب کہف سے متعلقہ آیات کی تفسیر کرتے ہیں۔فنقول و باللہ التوفیق و بہ الاستعانۃ یلیق۔

اصحاب کہف سے متعلق آیات الکہف: ۹ سے شروع ہوئیں ہیں۔آیت ۹ کی تفسیر ہم اصحاب کہف کی سوانح سے پہلے ذکر کر چکے ہیں۔آیت ۱۰ میں فرمایا ہے: اور جب ان نوجوانوں نے غار میں پناہ لی تو انہوں نے دعا کی: اے ہمارے رب! ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما اور ہمارے مشن میں کامیابی کے اسباب مہیا فرما دے۔(الکہف: ۱۰)

اصحابِ کہف کی دعا کی تشریح

اس دعا کا معنی یہ ہے کہ تو اپنی رحمت کے خزانوں میں سے اور اپنے فضل اور احسان کی نعمتوں میں سے ہمیں حظِ وافر عطا فرما۔یعنی ہمیں اپنی طرف ہدایت پر مستقیم رکھ' ہمیں دشمنوں سے مامون اور محفوظ رکھ' اور راہِ حق کی صعوبتوں میں ہم کو صبر عطا فرما' اور ہم کو رزق وافر عطا فرما اور ہم کو ایسے اسباب عطا فرما جن کی وجہ سے ہمارا ہدایت پر قائم رہنا آسان ہو جائے۔

لوگوں کے شر اور فساد سے بچنے کے لیے جنگلوں اور غاروں میں رہنے کا جواز

اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ جب آبادی میں رہتے ہوئے دین کے احکام پر عمل کرنا دشوار ہو جائے تو اپنے دین کو بچانے کے لیے اپنے اہل وعیال' اپنے رشتہ داروں' اپنے دوستوں اور اپنے مال و دولت اور اپنے وطن کو چھوڑ کر کسی محفوظ علاقے یا جنگلوں اور غاروں کی طرف نکل جانا جائز ہے' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دین کو بچانے کے لیے ہجرت کی اور غار میں بیٹھے۔سورۃ التوبہ میں اللہ تعالیٰ نے اس کی تصریح کی ہے۔اسی طرح آپ کے اصحاب نے اپنے ملک اور اپنے وطن' اپنے اہل وعیال' اپنے بھائیوں' اپنے رشتہ داروں اور اپنے دوستوں کو دین کی سلامتی اور دشمنانِ اسلام سے نجات کی خاطر چھوڑ دیا' اور ظالموں سے نجات حاصل کرنے کے لیے محفوظ علاقے کی طرف نکل جانا انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے اور اولیاء کرام کا طریقہ ہے' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عزلت نشینی کی فضیلت بیان کی ہے' اور جب فتنہ اور فساد کا غلبہ ہو تو علماء کرام نے بھی عزلت نشینی کی ترغیب دی ہے اور اس آیت میں اس کی تصریح ہے کیونکہ جب اصحاب کہف کو بُت پرستوں اور بے دینوں کے شر اور فساد سے خطرہ ہوا تو انہوں نے غار کی طرف پناہ لی۔فاوا الی الکھف۔

علماء نے کہا ہے کہ لوگوں سے علیحدگی اختیار کرنا' کبھی پہاڑوں اور گھاٹیوں میں ہوتا ہے' کبھی ساحلوں میں ہوتا ہے اور کبھی گھروں میں ہوتا ہے۔بعض احادیث میں ہے جب فتنہ ہو تو اپنی جگہ کو مخفی رکھو اور اپنی زبان کو بند رکھو اور فتنہ سے نکلنے کے لیے کسی خاص جگہ کی تعیین نہیں کی اور حدیث میں ہے:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عنقریب مسلمان کا سب سے بہترین مال اس کی بکریاں ہوں گی' وہ اپنے دین کی حفاظت کے لیے ان بکریوں کو لے کر پہاڑوں کی چوٹیوں اور بارش کی جگہوں میں چلا جائے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۲۶۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۸۰' موطا امام مالک رقم الحدیث: ۶۰۱' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۹۵۵' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۱۰۴۶' عالم الکتب)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے تمہارا

رب عزوجل اس بکریوں کے چرانے والے سے خوش ہوتا ہے جو پہاڑ کے کسی حصہ میں اذان دیتا ہے اور نماز پڑھتا ہے۔ پس اللہ عزوجل فرماتا ہے: میرے اس بندے کی طرف دیکھو یہ اذان دیتا ہے اور نماز پڑھتا ہے اور مجھ سے ڈرتا ہے۔ میں نے اپنے اس بندے کو بخش دیا اور اس کو جنت میں داخل کر دیا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۲۰۳ سنن النسائی رقم الحدیث: ۶۶۵)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

متقدمین اور سلف صالحین کی ایک جماعت فتنہ کے زمانہ میں اپنے وطنوں کو چھوڑ کر چلی گئی' مبادا ان کو بھی فتنہ کا اثر پہنچ جائے جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فتنہ میں مبتلا ہوئے تو حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ ربذہ (فید اور مکہ کی راہ پر ایک گاؤں جہاں حضرت ابوذر غفاری مدفون ہیں) چلے گئے۔

فتنہ کے ایام میں عزلت نشینی کی فضیلت ہے سوا اس شخص کے جو فتنہ کے ازالہ پر قادر ہو' اگر اس کے علاوہ اور کوئی شخص فتنہ کے ازالہ پر قادر نہ ہو تو اس پر آبادی میں رہ کر فتنہ کو زائل کرنا فرض عین ہے ورنہ فرض کفایہ ہے۔ اور جب فتنہ نہ ہو تو پھر اس میں علماء کا اختلاف ہے آیا شہر میں لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہنا افضل ہے یا آبادی کو چھوڑ کر کسی جنگل میں چلے جانا افضل ہے۔

امام شافعی اور دیگر ائمہ کا مذہب یہ ہے کہ آبادی میں لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہنا افضل ہے کیونکہ اس صورت میں انسان جمعہ' عید اور دیگر شعائرِ اسلام میں شامل ہوتا ہے' اور مسلمانوں کی جمعیت میں اضافہ کا سبب ہوتا ہے اور مسلمانوں کے ساتھ مل کر نیک کاموں میں حصہ لیتا ہے' بیماروں کی تیمارداری اور عیادت کرتا ہے' نماز جنازہ میں شریک ہوتا ہے' مسلمانوں کو سلام کرتا ہے' ان کے سلام کا جواب دیتا ہے' نیکی کا حکم دیتا ہے' برائی سے روکتا ہے' تقویٰ اور ثواب کے انفرادی اور اجتماعی کاموں میں مسلمانوں کے ساتھ تعاون کرتا ہے' ضرورت مندوں کی مدد کرتا ہے' جماعت کے ساتھ نماز پڑھتا ہے' اگر وہ عالم دین ہے تو وہ اپنے علم سے مسلمانوں کو نفع پہنچاتا ہے' ان تمام وجوہات سے جب فتنہ کا زمانہ نہ ہو تو اس کے لیے افضل یہ ہے کہ وہ لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہے۔

اور بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ جب فتنہ کا زمانہ نہ ہو پھر بھی گوشۂ تنہائی میں رہنا اور عزلت نشینی افضل ہے کیونکہ اس میں سلامت روی یقینی ہے' بشرطیکہ اس کو عبادات کا اور ان احکام کا علم ہو جو شرعاً اس پر لاگو ہوتے ہیں' لیکن مختار قول یہ ہے کہ اگر آبادی میں رہنے سے اس کو یہ خطرہ نہ ہو کہ وہ کسی گناہ میں ملوث ہو جائے گا تو پھر اس کے لیے آبادی میں لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہنا افضل ہے۔ علامہ کرمانی نے کہا ہمارے زمانہ میں میرا اختیار یہ ہے کہ عزلت نشینی افضل ہے کیونکہ اب لوگوں کی مجلسوں اور محفلوں کا معاصی سے خالی ہونا بہت نادر ہے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ میں بھی علامہ کرمانی کے موافق ہوں کیونکہ اس زمانہ میں لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہنے میں انواع واقسام کے معاصی سے بچنا بہت مشکل ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۱ ص ۱۶۳' مطبوعہ مصر ۱۳۴۸ھ)

عزلت نشینی کے بجائے لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہنے کی فضیلت

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ عزلت نشینی شر اور اصحاب شر سے واجب ہے نہ کہ پوری آبادی سے۔ انسان آبادی میں لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہے اور جو لوگ بدکار ہیں ان سے اپنے دل اور اپنے عمل کے ساتھ الگ رہے۔ عبداللہ بن المبارک نے عزلت کی تفسیر میں کہا تم لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہو اور جب وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی عبادت میں مشغول ہوں تو تم بھی ان کا ساتھ دو اور جب وہ کسی برائی میں مشغول ہوں تو ان کا ساتھ چھوڑ دو۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے ایک شیخ نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان جب لوگوں سے مل جل

کر رہے اور ان کی ایذاؤں پر صبر کرے تو وہ اس مسلمان سے بہتر ہے جو لوگوں سے مل جل کر نہیں رہتا اور ان کی ایذاؤں پر صبر نہیں کرتا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۰۷ مسند احمد ج ۲ ص ۴۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۳۲ حلیۃ الاولیاء ج ۷ ص ۳۶۵)۔

(سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱۰ ص ۸۹ شعب الایمان رقم الحدیث: ۸۱۰۲ شرح السنۃ رقم الحدیث: ۳۵۸۵ المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۳۷۰)

اس حدیث میں اس شخص کی فضیلت ہے جو لوگوں کی آبادی میں ان کے ساتھ مل جل کر رہتا ہے ان کو نیکی کا حکم دیتا ہے اور ان کو برائی سے روکتا ہے اور ان کے ساتھ خوش اسلوبی کے ساتھ تعلقات رکھتا ہے یہ اس شخص سے افضل ہے جو لوگوں کے ساتھ آبادی میں نہیں رہتا اور مل جل کر رہنے کی وجہ سے جو مسائل پیدا ہوتے ہیں اور جو مصائب آتے ہیں اس کو ان پر صبر کرنے کا موقع نہیں ملتا۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! نجات کس میں ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی زبان اور آنکھوں پر قابو رکھو اپنے گھر میں بیٹھو اور اپنے گناہوں پر رو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۰۶ مسند احمد ج ۴ ص ۱۴۸ حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۹)

عزلت نشینی اور تمدنی زندگی میں درمیانی کیفیت

میں کہتا ہوں کہ اس باب میں لوگوں کے احوال مختلف ہوتے ہیں بعض لوگوں کو اس پر قوت ہوتی ہے کہ وہ جنگلوں پہاڑوں اور غاروں میں رہ سکیں اور یہ سب سے افضل ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے آپ کی نبوت کی ابتدا میں پسند کیا تھا اور اس آیت میں بھی اصحابِ کہف کے لیے غار میں پناہ لینے کا ذکر فرمایا ہے اور بعض اوقات انسان کے لیے اپنے گھر میں گوشہ نشین ہو جانا زیادہ سہل اور آسان ہوتا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد بہت سے اصحابِ بدر اپنے گھروں سے نہیں نکلے اور ان کے گھروں سے ان کا جنازہ ہی اٹھا۔

اور بعض لوگوں کی متوسط حالت ہوتی ہے۔ وہ بہ ظاہر لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہتے ہیں اور دل سے ان کے مخالف ہوتے ہیں ابن المبارک نے بیان کیا کہ وہیب بن ورد کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا میرے دل میں یہ خیال آیا ہے کہ میں لوگوں سے ملنا جلنا چھوڑ دوں۔ انہوں نے کہا ایسا نہ کرو کیونکہ تمہیں لوگوں کی ضرورت ہے اور لوگوں کو تمہاری ضرورت ہے لیکن تم ان کے درمیان اس طرح رہو جیسے تم سننے والے بہرے ہو اور دیکھنے والے اندھے اور بولنے والے گونگے ہو اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ہر وہ جگہ جہاں لوگ زیادہ آتے جاتے نہ ہوں وہ بھی غاروں اور پہاڑوں کی گھاٹیوں کے حکم میں ہے۔ مثلاً انسان مساجد میں اعتکاف کے لیے بیٹھے یا کسی ویران ساحل سمندر پر چلا جائے اور وہاں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے یا اپنے گھر میں گوشہ تنہائی میں بیٹھ جائے اور لوگوں کے شر اور فساد سے مجتنب رہے۔ اور احادیث میں جو پہاڑوں گھاٹیوں اور بکریوں کے چرانے کی جگہوں کا ذکر آیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ عام اور اغلب طور پر لوگوں کے شور وشغب اور شر اور فساد سے بچنے کی یہی جگہیں ہوتی ہیں۔ سو ہر وہ جگہ جہاں لوگوں کا زیادہ آنا جانا نہ ہو وہ پہاڑوں اور غاروں ہی کے حکم میں ہے اور اللہ ہی نیکی کی توفیق دینے والا ہے اور برائی سے بچانے والا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۰ ص ۳۲۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

نیند کا کانوں کے ساتھ تعلق

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پھر ہم نے اس غار میں ان کے کانوں پر گنتی کے سالوں تک نیند مسلط کر دی۔

(الکھف: ۱۱)

اس آیت کا حاصل یہ ہے کہ ہم نے ان کو سلا دیا' یعنی ہم نے ان کے کانوں پر ایسے حجاب طاری کر دیئے جس کی وجہ سے ان کے کانوں تک کوئی آواز پہنچ نہیں سکتی تھی۔ جب انسان سوتا ہے تو سب سے پہلے اس کے اعصاب ڈھیلے ہو جاتے ہیں پھر وہ آنکھیں بند کر لیتا ہے اور جب اس کے کانوں میں کسی قسم کی آواز نہیں آتی تو یہ وہ وقت ہوتا ہے جب اس پر نیند مسلط ہوتی ہے اور انسان کی جب نیند منقطع ہوتی ہے تو اس کے کانوں میں کسی آواز کے پہنچنے سے منقطع ہوتی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی نیند کے ساتھ کانوں کا تعلق ظاہر فرمایا ہے۔ حدیث میں ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک شخص کا ذکر کیا گیا اور آپ کو بتایا گیا کہ وہ شخص صبح تک سوتا رہتا ہے اور نماز (فجر) کے لیے نہیں اُٹھتا۔ آپ نے فرمایا کہ شیطان نے اس کے کان میں پیشاب کر دیا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۴۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۷۴' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۶۰۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۳۰)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم نے ان کے کانوں پر گنتی کے کئی سالوں تک نیند مسلط کر دی اور جمع کا صیغہ وارد کیا ہے' اس کا معنی یہ ہے کہ بہت سالوں تک ان پر نیند مسلط فرمائی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے اس عدد کو مبہم رکھا ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پھر ہم نے ان کو اُٹھایا تاکہ ہم یہ ظاہر کریں کہ ان کے غار میں ٹھہرنے کی مدت کو دو جماعتوں میں سے کس نے زیادہ یاد رکھا ہے۔ (الکھف: ۱۲)

لنعلم کے چند تراجم اور ان پر اشکال

اس آیت کے الفاظ یہ ہیں: ثم بعثنھم لنعلم ای الحزبین احصی لما لبثوا امدا○

اس آیت کا لفظی ترجمہ اس طرح ہے: پھر ہم نے ان کو اُٹھایا تاکہ ہم جان لیں کہ ان کے غار میں ٹھہرنے کی مدت کو دو جماعتوں میں سے کس نے زیادہ یاد رکھا ہے○ لیکن اس ترجمہ پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ان کو اُٹھانے سے پہلے اللہ کو علم نہیں تھا کہ دو جماعتوں میں سے کس کو ان کے ٹھہرنے کی مدت زیادہ یاد تھی اور یہ اللہ تعالیٰ کے علام الغیوب ہونے کے خلاف ہے۔ اس لیے یہاں پر علم بہ معنی علم ظہور ہے' یعنی اللہ تو ازل سے اس چیز کا عالم تھا لیکن اللہ تعالیٰ اپنے اس علم کو لوگوں پر ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ دو جماعتوں میں سے کون سی جماعت کو ان کے ٹھہرنے کی مدت کا زیادہ علم ہے۔

اب ہم چند مترجمین سے اس آیت کا ترجمہ نقل کر رہے ہیں:

شیخ محمود حسن دیوبندی متوفی ۱۳۳۹ھ اس آیت کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

پھر ہم نے ان کو اُٹھایا کہ معلوم کریں دو فریقوں میں کس نے یاد رکھی ہے جتنی مدت وہ رہے۔

شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۴ھ لکھتے ہیں:

پھر ہم نے ان کو اُٹھایا تاکہ ہم معلوم کر لیں کہ ان دونوں گروہ میں کون سا گروہ ان کے رہنے کی مدت سے زیادہ واقف تھا۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

پھر ہم نے انہیں جگایا کہ دیکھیں کہ دونوں گروہوں میں کون ان کے ٹھہرنے کی مدت زیادہ ٹھیک بتاتا ہے۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ لکھتے ہیں:

پھر ہم نے انہیں اُٹھایا تاکہ دیکھیں ان کے دو گروہوں میں سے کون اپنی مدت قیام کا ٹھیک شمار کرتا ہے۔

حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری متوفی ۱۴۱۹ھ لکھتے ہیں:

پھر ہم نے انہیں بیدار کر دیا تاکہ ہم دیکھیں کہ ان دو گروہوں میں سے کون صحیح شمار کر سکتا ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری لکھتے ہیں:

پھر ہم نے انہیں اُٹھا دیا کہ دیکھیں دونوں گروہوں میں سے کون اس (مدت) کو صحیح شمار کرنے والا ہے۔

اللہ کے علم کے حادث ہونے کا اشکال اور اس کے جوابات

ان تمام حضرت مترجمین نے لنعلم کا تقریباً لفظی ترجمہ کیا ہے" تا کہ معلوم کریں یا تا کہ دیکھیں" جس سے بہرحال یہ اشکال ہوتا ہے کہ ان کو اُٹھانے سے پہلے اللہ تعالیٰ کو علم نہیں تھا کہ دو جماعتوں میں سے کس کو ان کے ٹھہرنے کی مدت زیادہ یاد تھی۔ ہماری تحقیق یہ ہے کہ علم بہ معنی انکشاف بھی ہے اور علم بہ معنی اظہار بھی ہے اور یہاں پر علم بہ معنی اظہار ہے' اللہ تعالیٰ کو خود تو علم تھا ہی لیکن وہ دوسروں پر یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ ان میں سے کس کو ان کے غار میں ٹھہرنے کی مدت زیادہ یاد تھی' اس لیے ہم نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:

پھر ہم نے ان کو اُٹھایا تا کہ ہم یہ ظاہر کریں کہ ان کے غار میں ٹھہرنے کی مدت کو دو جماعتوں میں سے کس نے زیادہ یاد رکھا ہے۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

بہ ظاہر لنعلم کے لفظ کا یہ تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اصحابِ کہف کو اس لیے اُٹھایا کہ اللہ تعالیٰ کو یہ علم حاصل ہو جائے' اور اس وقت یہ مسئلہ اُٹھ کھڑا ہوگا کہ آیا حوادث کے وقوع سے پہلے اللہ تعالیٰ کو ان کا علم ہوتا ہے یا نہیں؟ ہشام نے کہا اللہ تعالیٰ کو حوادث کا اسی وقت علم ہوتا ہے جب وہ حادث ہوتے ہیں اور اس نے آیت سے استدلال کیا ہے۔ قرآن مجید میں اس آیت کی نظائر بہت ہیں:

اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ یَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ یَّنْقَلِبُ عَلٰی عَقِبَیْهِ ؕ (البقرہ: ۱۴۳)	تا کہ ہم ظاہر کر دیں کہ کون رسول کی پیروی کرتا ہے اور اس کو اس سے ممتاز کر دیں جو اپنی ایڑیوں پر پلٹ جاتا ہے۔
وَلَمَّا یَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَیَعْلَمَ الصّٰبِرِیْنَ○ (آل عمران: ۱۴۲)	حالانکہ ابھی اللہ نے تم میں سے مجاہدوں اور صبر کرنے والوں کو (دوسروں سے) ممتاز نہیں کیا۔
اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَی الْاَرْضِ زِیْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَیُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ○ (الکھف: ۷)	روئے زمین پر جو کچھ ہے ہم نے اس کو اس زمین کی زینت بنا دیا ہے تا کہ ہم یہ ظاہر کریں کہ ان میں کون سب سے اچھے کام کرنے والا ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۷ ص ۴۳۰' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابو عبد اللہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ھ اس اشکال کو دُور کرنے کے لیے لکھتے ہیں:

لنعلم کا معنی یہ ہے کہ وہ چیز وجود اور مشاہدہ میں آ جائے' یعنی ہم اس چیز کو بحیثیت موجود بالفعل جان لیں ورنہ اللہ تعالیٰ کو پہلے سے یہ علم تھا کہ دو جماعتوں میں سے کون سی جماعت کو ان کے غار میں ٹھہرنے کی مدت زیادہ یاد ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۰ ص ۳۲۶' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

قاضی عبد اللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ لکھتے ہیں:

تا کہ ہمارے علم کا تعلق اس کے حال کے مطابق ہو جائے جیسا کہ پہلے ہمارے علم کا تعلق اس کے استقبال کے مطابق تھا۔

(تفسیر البیضاوی علی حاشیۃ الخفاجی ج ۶ ص ۱۳۸' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ محمد بن مصلح الدین القوجوی الحنفی المتوفی ۹۵۱ھ اس کی تشریح میں لکھتے ہیں:

بہ ظاہر یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم حادث ہے اور ان کے بیدار ہونے پر مترتب ہے۔ قاضی بیضاوی نے اس اشکال کو اس طرح دُور کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم سرمدی ہے' اس پر تغیر اور زوال جائز نہیں ہے۔ تغیر صرف معلومات میں ہوتا ہے' اللہ تعالیٰ کو ازل میں اس کا علم تھا کہ کس وقت یہ چیز حادث ہوگی اور باقی رہے گی' اور جب بھی اس چیز کا ایک حال دوسرے حال کی طرف منتقل ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو اس کے حدوث کے وقت اس کے حال کا علم ہوتا ہے' پس تجدد اور تغیر علم کے تعلقات میں ہے نہ کہ نفس علم میں۔ ہشام نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو حوادث کے وقوع سے پہلے ان کا علم نہیں ہوتا اس کو صرف ان حوادث کے وقت ان کا علم ہوتا ہے۔

(حاشیہ شیخ زادہ علی البیضاوی ج ۵ ص ۴۵۲' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ)

اور قاضی شہاب الدین احمد بن محمد حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ قاضی بیضاوی کی عبارت کی شرح میں لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم حادث نہیں ہے بلکہ جب وہ چیز حادث ہوتی ہے تو اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے علم کا تعلق حادث ہوتا ہے اور وہ ہے اس چیز کا بالفعل علم' کہ کس جماعت کو ان کی مدت زیادہ یاد ہے' اور اس کے علم کا دوسرا تعلق قدیم ہے اور وہ یہ ہے کہ عنقریب ایک جماعت کو یہ زیادہ یاد ہوگا' اس طرح اس کے علم کے دو تعلق دائمی ہیں ایک کا تعلق مستقبل کے ساتھ ہے اور دوسرے کا تعلق حال کے ساتھ ہے۔ (عنایۃ القاضی علی تفسیر البیضاوی ج ۶ ص ۱۳۸' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

ہم نے اس مسئلہ کی زیادہ تحقیق البقرہ: ۱۴۳ میں کی ہے۔ دیکھئے تبیان القرآن ج ۱ ص ۶۰۴۔ ۶۰۳

دو جماعتوں کا مصداق

اس میں بھی اختلاف ہے کہ یہ دو جماعتیں کون سی تھیں۔ علماء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ایک جماعت وہ بادشاہ ہیں جو یکے بعد دیگرے مسند اقتدار پر آتے رہے' اور دوسری جماعت سے مراد اصحاب کہف ہیں' اور مجاہد نے یہ کہا ہے کہ جب اصحاب کہف بیدار ہوئے تو غار کی مدت قیام کے متعلق ان میں اختلاف ہو گیا اور اس سے مراد ان کی دو جماعتیں ہیں۔ فراء نے یہ کہا ہے کہ مسلمانوں کی دو جماعتوں میں ان کی مدت قیام کے متعلق اختلاف ہو گیا' اس سے مراد ان کی دو جماعتیں ہیں۔ مجاہد کا دوسرا قول یہ ہے کہ دو جماعتوں سے مراد ایک مسلمانوں کی جماعت ہے اور دوسری کافروں کی۔

(جامع البیان جز ۱۵ ص ۲۵۸۔ ۲۵۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ۭ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ

ہم ان کا واقعہ آپ کو حق کے ساتھ بیان فرماتے ہیں' بے شک یہ چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے تھے اور ہم نے ان کو

هُدًى ﴿۱۳﴾ وَّرَبَطْنَا عَلٰي قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ

مزید ہدایت یافتہ فرمایا O اور ہم نے ان کے دل مضبوط کر دیئے تھے جب وہ (بادشاہ وقت کے سامنے) کھڑے ہوئے سو انہوں نے کہا ہمارا

وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَا۟ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلٰـهًا لَّقَدْ قُلْنَآ اِذًا شَطَطًا ﴿۱۴﴾

رب' آسمانوں اور زمینوں کا رب ہے' ہم اس کے سوا کسی اور معبود کی ہرگز عبادت نہیں کریں گے (ورنہ) اس وقت ہماری بات حق سے بہت

هٰٓؤُلَآءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ؕ لَوْلَا يَاْتُوْنَ عَلَيْهِمْ

دور ہو گی ○ یہ ہماری قوم ہے جس نے اس کے سوا عبادت کے مستحق بنا لیے ہیں، یہ ان کے مستحق عبادت ہونے پر کوئی

بِسُلْطٰنٍۭ بَيِّنٍ ؕ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ﴿۱۵﴾ وَاِذِ

واضح دلیل کیوں نہیں لاتے، سو اس سے زیادہ اور کون ظالم ہو گا جو اللہ پر جھوٹا افتراء باندھے ○ اور (انہوں نے آپس میں کہا)

اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗٓا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ

جب تم ان سے کنارہ کش ہو چکے ہو اور ان سے بھی جن کی یہ اللہ کے سوا پرستش کرتے ہیں، تو اب کسی غار میں پناہ لو، اللہ تم پر اپنی

رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ﴿۱۶﴾ وَتَرَى

رحمت کو کشادہ کر دے گا اور تمہارے لیے تمہارے کام میں آسانی مہیا کر دے گا ○ اور (اے مخاطب!) جب

الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَاِذَا غَرَبَتْ

سورج نکلتا ہے تو، تو دیکھے گا کہ دھوپ ان کے غار سے دائیں طرف جھکی رہتی ہے اور جب سورج غروب ہوتا ہے

تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ ؕ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ

تو دھوپ بائیں طرف پھر جاتی ہے اور وہ اس غار کی کشادہ جگہ میں ہیں، یہ اللہ کی نشانیوں میں

اللّٰهِ ؕ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ

سے ہے، جس کو اللہ ہدایت دے وہی ہدایت یافتہ ہے اور جس کو وہ گم راہ کر دے تو، تو اس کے لیے کوئی

وَلِيًّا مُّرْشِدًا ﴿۱۷﴾

مددگار، ہدایت دینے والا نہیں پائے گا ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہم ان کا واقعہ آپ کو حق کے ساتھ بیان فرماتے ہیں' بے شک یہ چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے تھے اور ہم نے ان کو مزید ہدایت یافتہ فرمایا○ (الکہف: ۱۳)

فتیۃ کے معنی

چونکہ اس سے پہلے فرمایا تھا' ان کے غار میں قیام کی مدت کے متعلق دو جماعتوں کے مختلف قول تھے' اس سے معلوم ہوا کہ لوگوں کو ان کے متعلق کچھ نہ کچھ علم تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم آپ کو ان کا قصہ حق کے ساتھ بیان فرماتے ہیں۔

پھر ان کے متعلق فرمایا کہ وہ چند نوجوان تھے جو از خود ایمان لے آئے تھے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں کسی

واسطہ کے بغیر ایمان ڈال دیا تھا۔ اس آیت میں ان کے لیے فتیۃ کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ ھ لکھتے ہیں:

فتی کا معنی ہے: تازہ نوجوان لڑکا یا لڑکی۔ فتیا اور فتویٰ کا معنی ہے کسی مشکل سوال کا جواب۔

(المفردات ج ۲ ص ۶۸۲ 'مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

علامہ ابوعبداللہ مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

اہل زبان نے کہا ہے کہ فتوت کی بلندی ایمان ہے' اور جنید بغدادی نے کہا ہے کہ بھلائی کو خرچ کرنا اور برائی سے اپنے آپ کو روکنا اور شکایت کو ترک کرنا فتوت ہے یعنی مردانگی ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ حرام چیزوں کو ترک کرنا اور نیکی میں جلدی کرنا فتوت ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۱۰ ص ۳۲۷ 'مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے ان کے دل مضبوط کر دیئے تھے جب وہ (بادشاہ وقت کے سامنے) کھڑے ہوئے۔ سو انہوں نے کہا: ہمارا رب! آسمانوں اور زمینوں کا رب ہے' ہم اس کے سوا اور کسی معبود کی ہرگز عبادت نہیں کریں گے (ورنہ) اس وقت ہماری بات حق سے بہت دُور ہوگی۔ (الکھف: ۱۴)

اصحابِ کہف کے کھڑے ہونے کی تفسیر میں اقوال

"وربطنا علی قلوبھم" اس کا معنی ہے ظالم بادشاہ کے سامنے کلمہ حق کہنے کے لیے ہم نے ان کو جرأت اور ہمت عطا کی۔

"شططا" اس کا معنی ہے حد سے تجاوز کرنا' حق سے دُور ہونا۔

جب وہ کھڑے ہوئے تو انہوں نے کہا' اس کی تفسیر میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) جس وقت وہ کافر بادشاہ کے سامنے کھڑے ہوئے اور اس مقام پر ان کے اندر جرأت اور ہمت کی ضرورت تھی کیونکہ انہوں نے بادشاہ کے دین کی مخالفت کی تھی اور اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں بادشاہ کی ہیبت کی پرواہ نہیں کی تھی۔

(۲) وہ اس شہر کے سرداروں کے بیٹے تھے' وہ اس شہر سے نکلے اور اتفاقاً ایک جگہ کھڑے ہو کر جمع ہو گئے جو ان میں سے بڑی عمر کا تھا' اس نے کہا میں اپنے دل میں یہ بات پاتا ہوں کہ میرا رب وہ ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا رب ہے' باقی جوانوں نے کہا ہم بھی اپنے دلوں میں یہی بات پاتے ہیں' پھر وہ سب کھڑے ہو گئے اور انہوں نے کہا: ہمارا رب آسمانوں اور زمینوں کا رب ہے' ہم اس کے سوا اور کسی معبود کی عبادت نہیں کریں گے (ورنہ) اس وقت ہماری بات حق سے دُور ہوگی۔ یعنی اگر ہم نے اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت کی تو ہمارا یہ اقدام ظالمانہ ہوگا۔

(۳) کھڑے ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ لوگوں کو چھوڑنے اور اللہ تعالیٰ کی طرف بھاگنے کا عزم لے کر اُٹھے۔

سماع کے دوران قیام پر علامہ قرطبی کا تبصرہ

علامہ ابوعبداللہ مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

ابن عطیہ نے کہا ہے کہ صوفیا نے اس آیت میں قیام کے لفظ سے یہ استدلال کیا ہے کہ سماع میں قیام کرنا جائز ہے۔ (المحرر الوجیز ج ۱۰ ص ۳۷۳) میں کہتا ہوں کہ یہ تعلق صحیح نہیں ہے اصحابِ کہف جو کھڑے ہوئے تھے انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت کا ذکر اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کیا' وہ اپنی قوم سے خوفزدہ تھے اور اپنے رب عزوجل کی طرف متوجہ تھے' اور اللہ تعالیٰ نے

انبیاء، رُسل اور اولیاء میں یہی سنت قائم کی ہے' کہاں یہ قیام اور کہاں صوفیاء کا سماع کے دوران قیام کرنا اور رقص کرنا۔ خصوصاً ہمارے زمانے میں جب وہ بے ریش لڑکوں اور عورتوں سے حسین آوازیں سنتے ہیں اور اس سے مدہوش ہو کر ناچنے لگتے ہیں' اللہ کی قسم! ان کے درمیان زمین اور آسمان سے زیادہ بُعد ہے' پھر علماء کی ایک جماعت کے نزدیک یہ سماع' قیام اور رقص حرام ہے۔ امام ابوبکر الطرسوسی سے صوفیہ کے مذہب کے تعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا رقص اور تواجد کو سب سے پہلے سامری کے اصحاب نے ایجاد کیا تھا جب اس نے ان کے لیے ایک بچھڑے کا جسم بنایا جس کے منہ سے آواز نکلتی تھی تو وہ اس کے گرد کھڑے ہو کر رقص کرنے لگے اور وجد کرنے لگے۔ سو یہ کافروں اور بچھڑے کی عبادت کرنے والوں کا طریقہ ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۲ ص ۳۲۸' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اَصحاب کہف نے کہا) یہ ہماری قوم ہے جس نے اس کے سوا عبادت کے مستحق بنا لیے ہیں' یہ ان کے مستحق عبادت ہونے پر کوئی واضح دلیل کیوں نہیں لاتے' سو اس سے زیادہ اور کون ظالم ہو گا جو اللہ پر جھوٹا افتراء باندھے۔ (الکھف: ۱۵)

بتوں کی عبادت کی ممانعت پر ایک سوال کا جواب

یہ بات انہوں نے ایک دوسرے سے کہی۔ ان کی مراد یہ تھی کہ دقیانوس کے زمانہ میں لوگ پتھر سے تراشے ہوئے بتوں کی عبادت کرتے تھے۔ اس آیت کا معنی بہ ظاہر یہ ہے کہ جب کسی چیز کے ثبوت پر دلیل نہ ہو تو وہ چیز ثابت نہیں ہوتی لیکن اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز پیدا نہیں کی تھی تو اس کے وجود پر کوئی دلیل قائم نہیں تھی حالانکہ اللہ تعالیٰ کا وجود اس وقت بھی تھا' اس لیے ان پتھر کے تراشے ہوئے بتوں کے معبود ہونے پر کسی دلیل کے نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ معبود نہ ہوں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ سوال کا منشاء یہ ہے کہ دقیانوس کی قوم جو ان بتوں کی عبادت کرتی تھی' اس کے صحیح ہونے کی کیا دلیل ہے اور کس دلیل کی وجہ سے ان کو عبادت کا مستحق قرار دیا گیا ہے۔ انہوں نے کس چیز کو پیدا کیا ہے اور جب انہوں نے کسی چیز کو پیدا نہیں کیا' کسی پر کوئی احسان نہیں کیا' کسی کو کوئی نعمت نہیں دی تو وہ کس بناء پر شکر کیے جانے اور عبادت کیے جانے کے مستحق ہو گئے؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (انہوں نے آپس میں کہا) جب تم ان سے کنارہ کش ہو چکے ہو اور ان سے بھی جن کی یہ اللہ کے سوا پرستش کرتے ہیں تو اب کسی غار میں پناہ لو' اللہ تم پر اپنی رحمت کو کشادہ کر دے گا اور تمہارے لیے تمہارے کام میں آسانی مہیا کر دے گا۔ (الکھف: ۱۶)

علامہ ابن عطیہ نے کہا یہ بات ان کے رئیس نے کہی' جس کا نام یملیخا تھا' اور غزنوی نے کہا ان کے رئیس کا نام مکسلمینا تھا۔ اس نے کہا جب تم دقیانوس کی قوم اور ان کے معبودوں کو ترک کر چکے ہو تو پھر کسی غار میں پناہ لے لو' اس سے معلوم ہوا کہ اصحابِ کہف پہلے اللہ کی عبادت بھی کرتے تھے اور بتوں کی عبادت بھی کرتے تھے اور جب اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں حق بات ڈال دی تو انہوں نے بتوں کی عبادت کو ترک کر دیا۔ انہوں نے کہا جب ہم ان کے معبودوں کو چھوڑ کر صرف اللہ کی عبادت کرنے لگے ہیں تو ہمیں چاہیے کہ ہم کسی غار کو اپنا ٹھکانا بنا لیں اور اللہ پر توکل کر کے اس میں قیام کریں۔ اللہ تعالیٰ ہم پر اپنی رحمت کو کھول دے گا اور ہمارے لیے آسان معیشت کے اسباب مہیا فرما دے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (اے مخاطب!) جب سورج نکلتا ہے تو تو دیکھے گا کہ دھوپ ان کے غار سے دائیں طرف جھکی

رہتی ہے اور جب سورج غروب ہوتا ہے تو دھوپ بائیں طرف پھر جاتی ہے اور وہ اس غار کی کشادہ جگہ میں ہیں' یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے' جس کو اللہ ہدایت دے وہی ہدایت یافتہ ہے اور جس کو وہ گمراہ کردے تو تو اس کے لیے کوئی مددگار ہدایت دینے والا نہیں پائے گا۔ (الکھف: ۱۷)

مشکل الفاظ کے معانی

تزاور: ایک جانب سے دوسری جانب مائل ہونا' یعنی دھوپ اصحابِ کہف کے اجسام سے کترا کر نکل جاتی ہے۔

تقرضھم: ان کو ترک کرتا ہے' ان سے متجاوز ہوتا ہے' ان کو مَس نہیں کرتا یعنی دھوپ ان کے جسموں کو نہیں چھوتی۔

فجوۃ: کشادہ جگہ' یعنی اصحابِ کہف غار کی کھلی جگہ میں تھے اور وہاں ان کو روشنی اور ہوا پہنچتی رہتی تھی۔

اصحابِ کہف کے جسموں کو دھوپ سے محفوظ رکھنے کی دو تفسیریں

اس آیت میں فرمایا ہے: اے مخاطب! جب سورج نکلتا ہے تو تو دیکھے گا کہ دھوپ ان کے غار سے دائیں طرف جھکی رہتی ہے' اس آیت سے یہ مراد نہیں ہے کہ واقع میں کوئی شخص ان کے غار کے پاس کھڑا ہوا تھا اور وہ سورج کے طلوع وغروب کے وقت دیکھ رہا تھا کہ دھوپ غار میں داخل ہوتی ہے یا نہیں' بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ بالفرض اگر کوئی شخص غار کے پاس کھڑا ہو تو وہ اس طرح دیکھے گا۔ اس کی تفسیر میں مفسرین کے دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ اس غار کا منہ شمال کی جانب تھا' پس جب سورج طلوع ہوتا تو وہ غار کی دائیں جانب ہوتا اور جب سورج غروب ہوتا تو وہ غار کی بائیں جانب ہوتا۔ پس سورج کی دھوپ غار کے اندر نہیں پہنچ سکتی تھی اور خوشگوار اور ٹھنڈی ہوا غار کے اندر پہنچ جاتی تھی' اور اس سے مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اصحابِ کہف کو اس سے محفوظ رکھا تھا کہ ان کے اوپر سورج کی دھوپ پڑے ورنہ ان کے اجسام میں تعفن اور فساد پیدا ہو جاتا اور ان کے جسم گل سڑ جاتے۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ مراد نہیں ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورج کو اس سے روک دیا کہ اس کی دھوپ طلوع یا غروب کے وقت ان کے جسموں پر پڑے' اور اللہ تعالیٰ کا یہ فعل خلاف عادت ہے اور اصحابِ کہف کی کرامت ہے۔ یہ زجاج کا قول ہے اور اس نے اس قول پر اس سے استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے: یہ اللہ کی آیتوں میں سے ہے' اور اگر پہلے قول کے موافق ان پر دھوپ نہ پڑتی تو پھر یہ امر معمول کے موافق اور عادت کے مطابق ہوتا اور اس میں اللہ تعالیٰ کی کوئی آیت اور نشانی نہ ہوتی' اور اگر اس آیت کی ہمارے قول کے موافق تفسیر کی جائے تو پھر اس میں اللہ تعالیٰ کی عجیب وغریب آیت اور نشانی اور اصحابِ کہف کی کرامت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے۔ زجاج کی تفسیر کے مطابق تو اس نشانی کا ہونا واضح ہے یعنی طلوع اور غروب کے وقت اللہ تعالیٰ نے سورج کی دھوپ کو غار میں پہنچنے نہیں دیا' اور پہلے قول کے مطابق نشانی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اتنی مدت طویلہ تک ان کو غار میں محفوظ رکھا کہ اصحابِ کہف اللہ تعالیٰ کے لطف وکرم سے اتنے عرصہ تک مرض اور موت اور مرور ایام کے اثرات سے محفوظ رہے' اور جس طرح اللہ تعالیٰ ابتدا میں ان کو کفر سے ایمان کی طرف لایا تھا' اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انتہا میں بھی ان کے اجسام کو گردشِ ایام کے اثرات سے سلامت رکھا۔ اسی لیے فرمایا: جس کو اللہ ہدایت دے وہی ہدایت یافتہ ہے اور جس کو وہ گمراہ کردے تو تو اس کے لیے کوئی مددگار ہدایت دینے والا نہیں پائے گا۔

وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ ۖۗ وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ

اور (اے مخاطب! اگر تو انہیں دیکھے تو) تو گمان کرے گا کہ وہ بیدار ہیں، حالانکہ وہ سوتے ہوتے ہیں، اور ہم خود ہی ان کی دائیں اور

الشِّمَالِ ۖۗ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ ۭ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ

بائیں کروٹیں بدلتے ہیں، اور ان کا کتا بھی چوکھٹ پر اپنے ہاتھ پھیلائے ہوئے ہے، اگر تو انہیں دیکھتا تو ضرور خوف

لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ﴿۱۸﴾ وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ

اور دہشت سے پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتا ○ اور اسی طرح ہم نے ان کو اٹھایا

لِيَتَسَاۗءَلُوْا بَيْنَهُمْ ۭ قَالَ قَاۗىِٕلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ۭ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا

تاکہ ایک دوسرے کا حال پوچھیں، ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا تم یہاں کتنی دیر ٹھیرے تھے؟ انہوں نے کہا ہم ایک دن

اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۭ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ۭ فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ

یا اس سے بھی کم ٹھیرے تھے، انہوں نے کہا تمہارا رب ہی خوب جاننے والا ہے کہ تم کتنی دیر ٹھیرے ہو، سو اب تم اپنے میں سے کسی کو چاندی کے یہ

هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ

سکے دے کر شہر کی طرف بھیجو کہ وہ غور کرے کہ کون سا کھانا زیادہ پاکیزہ ہے اور اس میں سے تمہارے کھانے کے لیے لے آئے،

وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا ﴿۱۹﴾ اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ

اور اس کو چاہیئے کہ وہ نرمی سے کام لے اور کسی کو تمہاری خبر نہ دے ○ بے شک اگر وہ تم پر غالب آ گئے تو وہ تم کو سنگسار

اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَبَدًا ﴿۲۰﴾ وَكَذٰلِكَ

کردیں گے یا وہ واپس تم کو اپنے دین میں لے آئیں گے اور پھر تم ہرگز فلاح نہ پا سکو گے ○ اور اسی طرح

اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ

ہم نے (لوگوں کو) ان کے حال سے واقف کر دیا تاکہ ان کو یقین ہو جائے کہ اللہ کا وعدہ برحق ہے اور قیامت میں

لَا رَيْبَ فِيْهَا ڇ اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا

کوئی شک نہیں ہے، جب لوگ ان کے معاملہ میں بحث کرنے لگے تو انہوں نے کہا ان کے غار کے

عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ؕ رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰۤى
قریب عمارت بنا دو، ان کا رب ہی ان کے حالات کو زیادہ جاننے والا ہے، جو لوگ ان کے معاملات پر زیادہ حاوی تھے

اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا ﴿۲۱﴾ سَيَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ
انہوں نے کہا ہم ضرور بالضرور ان کے قریب مسجد بنائیں گے ۝ عنقریب لوگ کہیں گے وہ تین تھے

رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا
چوتھا ان کا کتا تھا اور (بعض) کہیں گے وہ پانچ تھے چھٹا ان کا کتا تھا یہ تمام اقوال

بِالْغَيْبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ؕ قُلْ رَّبِّيْۤ اَعْلَمُ
اٹکل پچو پر مبنی ہیں، اور (بعض) کہیں گے وہ سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا، آپ کہیے کہ میرا رب ہی ان کی

بِعِدَّتِهِمْ مَّا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ ۬ فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا ۪ وَّلَا تَسْتَفْتِ
صحیح تعداد کو سب سے زیادہ جاننے والا ہے، ان کو صرف چند لوگ جاننے والے ہیں سو آپ ان کے متعلق صرف سرسری بات کریں، اور ان کے متعلق

فِيْهِمْ مِّنْهُمْ اَحَدًا ﴿۲۲﴾ ع
اہل کتاب سے کوئی سوال نہ کریں ۝

ع ۳ / ۵ / ۱۵

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (اے مخاطب! اگر تو انہیں دیکھے تو) تو گمان کرے گا کہ وہ بیدار ہیں حالانکہ وہ سوئے ہوئے ہیں اور ہم خود ہی ان کی دائیں اور بائیں کروٹیں بدلتے ہیں اور ان کا کتا بھی چوکھٹ پر اپنے ہاتھ پھیلائے ہوئے ہے اگر تو انہیں دیکھتا تو ضرور خوف اور دہشت سے پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتا۔ (الکہف: ۱۸)

اصحابِ کہف کا کروٹیں بدلنا

اس آیت میں ایقاظ کا لفظ ہے، یہ یقظ کی جمع ہے، اس کا معنی ہے جاگنے والا، بیدار۔ ان کو بیدار گمان کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں یا اس وجہ سے کہ وہ کروٹیں بدلتے رہتے تھے۔ اور رقود کے معنی ہیں سونے والے۔

ان کے دائیں اور بائیں کروٹیں بدلنے کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا وہ ہر سال دو مرتبہ کروٹیں بدلتے تھے، چھ ماہ ایک جانب اور چھ ماہ دوسری جانب تاکہ زمین ان کا گوشت نہ کھا سکے، اور مجاہد نے کہا وہ تین سو سال تک ایک کروٹ پر لیٹے رہے پھر نو سال بعد ان کو دوسری کروٹ پر لٹایا گیا۔ قرآن مجید میں کروٹیں تبدیل کرنے کی مدت کو بیان نہیں کیا گیا اور نہ کسی صحیح حدیث میں اس کی مدت اور تعداد کا بیان ہے اور نہ اس تعداد کے ساتھ کوئی دینی غرض وابستہ ہے۔

ان کی کروٹیں تبدیل کرانے کے متعلق بھی کئی اقوال ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خود اپنی قدرتِ کاملہ سے ان کی کروٹیں تبدیل کراتا تھا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرشتے ان کی کروٹیں تبدیل کراتے تھے، اور تیسرا قول یہ ہے

کہ جس طرح زندگی میں سویا ہوا شخص نیند میں خود بخود کروٹیں بدلتا رہتا ہے اور اس کو شعور نہیں ہوتا' اسی طرح وہ بھی نیند میں خود بخود کروٹیں بدلتے رہتے تھے۔

الوصید کا معنی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کا کتا بھی چوکھٹ پر اپنے ہاتھ پھیلائے ہوئے ہے' قرآن مجید میں الوصید کا لفظ ہے اور اس کے متعلق حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' سعید بن جبیر' مجاہد' ضحاک' قتادہ اور فرا نے کہا' اہل حجاز الوصید کہتے ہیں اور اہل نجد الاسید کہتے ہیں اور اس کا معنی ہے حائل اور صحن۔

(۲) عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کا معنی دروازہ ہے۔

(۳) عطا نے کہا اس کا معنی ہے دروازہ کی چوکھٹ۔ ابن قتیبہ نے کہا' میرے نزدیک یہ معنی عمدہ ہیں کیونکہ عرب کہتے ہیں اوصد بابک اپنے دروازہ کو بند کردو۔ قرآن مجید میں ہے:

انها عليهم مؤصدة. (الھمزۃ: ۸) بے شک دوزخ کی آگ ان پر بند کی ہوئی ہوگی۔

صالحین کی مجلس کے ثمرات

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اصحابِ کہف رات کے وقت اپنے ملک سے فرار ہوئے تھے۔ ان کا ایک چرواہے کے پاس سے گزر ہوا' اس کے ساتھ اس کا کتا تھا' چرواہا بھی ان کے دین میں تابع ہو کر ان کے ساتھ چل پڑا۔ کعب نے کہا وہ ایک کتے کے پاس سے گزرے وہ ان پر بھونکنے لگا۔ انہوں نے اس کو بھگا دیا وہ پھر آ کر بھونکنے لگا۔ انہوں نے اس کو پھر بھگا دیا' کئی بار اس طرح ہوا۔ آخر کتے نے کہا تمہارا کیا ارادہ ہے' میری طرف سے مت ڈرو' میں اللہ کے دوستوں سے محبت کرتا ہوں' تم سو جانا میں تمہاری حفاظت کروں گا۔

علامہ قرطبی نے کہا اس پر غور کرنا چاہیے کہ جب نیک لوگوں کے ساتھ رہنے کی وجہ سے ایک کتے کو یہ مرتبہ حاصل ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اس کا ذکر کیا ہے تو ان مومنین کا کیا مقام ہوگا جو اولیاء اللہ اور صالحین سے محبت کرتے ہیں' بلکہ اس میں ان مومنین کو تسلی دی گئی ہے جس کے اعمال میں تقصیر ہے اور وہ درجہ کمال تک نہیں پہنچ سکے لیکن وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل اور اصحاب سے محبت رکھتے ہیں۔ (مصنف کے نزدیک یہ استدلال ضعیف ہے)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا یارسول اللہ! قیامت کب ہوگی؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے کھڑے ہو گئے' جب آپ نے نماز پڑھ لی تو دریافت فرمایا قیامت کے متعلق سوال کرنے والا کہاں گیا؟ اس شخص نے کہا میں حاضر ہوں یارسول اللہ! آپ نے اس سے پوچھا: تم نے قیامت کے لیے کیا تیاری کی ہے؟ اس نے کہا میں نے قیامت کے لیے بہت (نفلی) نمازوں اور (نفلی) روزوں کی تیاری نہیں کی لیکن میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہوں۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انسان اسی کے ساتھ رہتا ہے جس سے محبت کرے اور تم بھی اسی کے ساتھ رہو گے جس سے تم محبت کرتے ہو۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ مسلمان اسلام کے بعد کسی اور بات سے اس سے زیادہ خوش نہیں ہوئے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۸۵' مسند احمد ج ۳ ص ۱۰۴' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۰۵' ۳۴۸' ۷ شرح السنۃ رقم الحدیث: ۳۴۷۹' ۹ مسند ابویعلیٰ

رقم الحدیث: ۳۰۲۳)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا ایک شخص کسی قوم سے محبت رکھتا ہے اور ان سے ملا نہیں' آپ نے فرمایا انسان اسی کے ساتھ ہوتا ہے جس کے ساتھ محبت رکھے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۴۱ شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۴۷۸)

ارتکابِ معصیت اللہ اور اس کے رسول کی محبت کے خلاف نہیں ہے

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایک شخص تھا جس کا نام عبداللہ تھا اور لوگ اس کو حمار کہتے تھے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسایا کرتا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو شراب پینے کی وجہ سے کوڑے مارے تھے (یہ ایسے کوڑے نہیں تھے جیسے کوڑے آج کل معروف ہیں' اس سے مراد درخت کی ایسی شاخ ہے جس میں گرہ نہ ہو) ایک دفعہ وہ آپ کے پاس لایا گیا اور آپ کے حکم سے اس کو کوڑے لگائے گئے' قوم میں سے ایک شخص نے کہا اے اللہ! اس پر لعنت فرما' اس کو کتنی بار سزا کے لیے لایا گیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس پر لعنت نہ کرو' اللہ کی قسم! جو چیز میں جانتا ہوں وہ یہ ہے کہ یہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۷۸۰)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں ان لوگوں کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ کبیرہ گناہ کا مرتکب کافر ہے' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو لعنت کرنے سے منع فرمایا ہے۔ نیز اس سے معلوم ہوا کہ کسی گناہ کا کرنا اس کو مستلزم نہیں ہے کہ اس شخص کے دل میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت نہ ہو' کیونکہ وہ شخص بار بار شراب پیتا تھا اس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ شخص اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔ نیز بعض روایات میں آتا ہے کہ جو شخص جس وقت شراب پیتا ہے' اس وقت اس کے دل سے ایمان نکل جاتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۵۷۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۷) اس سے مراد یہ ہے کہ اس وقت اس کا ایمان کامل نہیں رہتا۔ نیز اس حدیث میں جو یہ فرمایا ہے کہ گناہ گار کے دل میں بھی اللہ اور اس کے رسول کی محبت ہوتی ہے' اس سے مراد یہ ہے کہ جو شخص گناہ کر کے اس پر پشیمان یا نادم ہوتا ہو اور اس پر توبہ کرتا ہو خواہ پھر شامتِ نفس سے پھر اس گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہو' یا اس سے وہ شخص مراد ہے جس پر گناہ کے بعد حد لگ جاتی ہو اور وہ اس پر توبہ کر لیتا ہو' اس کے برخلاف جو شخص بار بار گناہ کرے اور اس گناہ پر نادم اور تائب نہ ہو اور جو شخص اس گناہ پر اس کو ملامت کرے وہ اس سے بغض اور دشمنی رکھے' ایسے شخص کے متعلق یہ خطرہ ہے کہ اس کے دل پر مہر لگا دی جائے گی۔ (فتح الباری ج ۱۲ ص ۷۸' مطبوعہ لاہور' ۱۴۰۱ھ)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص شراب پیے' اس کو کوڑے لگاؤ اگر وہ چوتھی بار شراب پیے تو اس کو قتل کر دو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۴۴۴' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۷۰۸۷' مسند احمد ج ۴ ص ۹۵' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۴۸۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۵۷۳' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۷۳۶۳' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۴۴۶' المعجم الکبیر ج ۱۹ رقم الحدیث: ۷۶۷' المستدرک ج ۴ ص ۳۷۲' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۸ ص ۳۱۳)

تمام ائمہ مذاہب کے نزدیک اس حدیث پر بہ طور حد عمل نہیں ہے' اس لیے حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا یہ حدیث حضرت عبداللہ (حمار) کی حدیث سے منسوخ ہے' لیکن میرے نزدیک اس کا صحیح جواب یہ ہے کہ چوتھی بار شراب پینے پر اس کو قتل کرنا

اس کی حد نہیں ہے اس کی تعزیر ہے اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تعزیر میں قتل کرنا بھی جائز ہے۔

کتوں کو رکھنے کا شرعی حکم

اس آیت میں یہ ذکر ہے کہ اصحاب کہف کی حفاظت کے لیے غار کے منہ پر کتا بیٹھا رہا' حفاظت کے لیے کتا رکھنے کے متعلق یہ حدیث ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کتا رکھا اس کے اجر میں ہر روز دو قیراط کم ہوتے رہیں گے ماسوا اس شخص کے جس نے مویشیوں کی حفاظت کے لیے کتا رکھا ہو یا شکار کرنے کے لیے یا کھیت کی حفاظت کے لیے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ١٥٧٥' سنن النسائی رقم الحدیث: ١٢٩٠' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٢٨٤٤' سنن الترمذی رقم الحدیث: ١٤٩٠)

علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی متوفی ٨٦١ھ فرماتے ہیں:

شکار کے لیے مویشیوں' گھروں اور کھیتوں کی حفاظت کے لیے کتا رکھنا بالا جماع جائز ہے۔ بلاضرورت گھروں میں کتا رکھنا جائز نہیں ہے۔ البتہ اگر چوروں اور دشمنوں سے خطرہ ہو تو پھر جائز ہے۔ اجناس میں بھی اسی طرح مذکور ہے۔

(فتح القدیر ج ٦ ص ٢٤٦' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اسی طرح ہم نے ان کو اُٹھایا تا کہ ایک دوسرے کا حال پوچھیں' ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا تم یہاں کتنی دیر ٹھہرے تھے؟ انہوں نے کہا ہم ایک دن یا اس سے بھی کم ٹھہرے تھے' انہوں نے کہا تمہارا رب ہی خوب جاننے والا ہے کہ تم کتنی دیر ٹھہرے ہو۔ سو اب تم اپنے میں سے کسی کو چاندی کے یہ سکے دے کر شہر کی طرف بھیجو کہ وہ غور کرے کہ کون سا کھانا زیادہ پاکیزہ ہے اور اس میں سے تمہارے کھانے کے لیے لے کر آئے اور اس کو چاہیے کہ وہ نرمی سے کام لے اور کسی کو تمہاری خبر نہ دے ○ بے شک اگر وہ تم پر غالب آ گئے تو وہ تم کو سنگسار کر دیں گے یا وہ واپس تم کو اپنے دین میں لے آئیں گے اور پھر تم ہرگز فلاح نہ پا سکو گے ○ (الکہف: ٢٠-١٩)

اصحابِ کہف کا نیند سے اُٹھ کر اپنے ایک ساتھی کو شہر کی طرف بھیجنا

ان آیتوں کا مفصل معنی یہ ہے کہ جس طرح ہم نے ان کی ہدایت کو زیادہ کیا تھا اور ہم نے ان کے دل مضبوط کیے تھے اور ان کے کانوں پر نیند مسلط کی تھی اور ان کو سلایا تھا اور ان کو بغیر کھلانے پلانے کے زندہ رکھا تھا اور ان کی کروٹیں بدلاتے رہے تھے اسی طرح ہم نے ان کو اس نیند سے اُٹھا دیا جو موت کے مشابہ تھی' تا کہ یہ ایک دوسرے سے سوال کریں اور اس بحث میں پڑیں کہ وہ کتنی دیر سوتے رہے تھے۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ کیا ان کو اُٹھانے سے یہی غرض تھی کہ وہ اس بات میں بحث کریں کہ وہ کتنی مدت تک سوتے رہے تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بعید نہیں ہے کیونکہ جب وہ اپنی مدت قیام میں بحث کریں گے تو ان پر اللہ تعالیٰ کی قدرت منکشف ہو گی اور کئی عجیب و غریب امور معلوم ہوں گے۔ ان میں سے ایک شخص نے پوچھا ہم اس غار میں کتنی دیر ٹھہرے ہیں؟ تو اس کے ساتھیوں نے کہا: ہم اس میں ایک دن یا دن کا کچھ حصہ ٹھہرے ہیں۔ مفسرین نے کہا ہے کہ وہ صبح کے وقت غار میں داخل ہوئے تھے اور اللہ تعالیٰ نے دن کے آخری حصہ میں ان کو اُٹھایا تھا۔ اس لیے انہوں نے کہا کہ ہم اس میں ایک دن ٹھہرے ہیں' پھر جب انہوں نے دیکھا کہ ابھی سورج غروب نہیں ہوا تو انہوں نے کہا یا دن کا کچھ حصہ ٹھہرے ہیں۔ پھر انہوں نے کہا تمہارا رب ہی خوب جاننے والا ہے کہ تم کتنا عرصہ ٹھہرے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے

فرمایا: یہ کہنے والا ان کا رئیس یملیخا تھا۔ اس نے کہا سو اب تم اپنے میں سے کسی کو چاندی کے یہ سکے دے کر شہر کی طرف بھیجو۔ مفسرین نے کہا ہے کہ ان کے پاس چاندی کے چند درہم تھے جن پر اس زمانہ کے بادشاہ کی تصویر بنی ہوئی تھی' اور یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ کھانے پینے کے حصول کے لیے کوشش کرنا جائز ہے اور اس سے توکل باطل نہیں ہوتا۔ اور انہوں نے کہا وہ غور کرے کہ کون سا کھانا زیادہ پاکیزہ ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: ان کی مراد یہ تھی کہ وہ تفتیش کر کے حلال ذبیحہ خرید کر لائے' کیونکہ ان کے شہر کے عام لوگ مجوسی تھے اور ان میں ایسے لوگ بھی تھے جو اپنا ایمان مخفی رکھتے تھے۔ مجاہد نے کہا ان کا بادشاہ ظالم شخص تھا' وہ لوگوں کا مال غصب کر لیا کرتا تھا اس لیے وہ دیکھ بھال کر طعام خریدیں کہیں غلطی سے غصب شدہ طعام خرید کر نہ لے آئیں۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ ڈھونڈھ کر لذیذ اور پسندیدہ طعام خرید کر لائیں۔ نیز فرمایا وہ نرمی سے کام لے اور کسی کو تمہارے متعلق خبر نہ دے۔ یعنی وہ چپکے سے شہر میں داخل ہو اور کسی کو اپنی قیام گاہ کے متعلق خبر نہ دے کیونکہ اگر وہ ہماری قیام گاہ پر مطلع ہو گئے تو وہ ہم سب کو قتل کر ڈالیں گے یا دوبارہ ہم کو اپنی بت پرستی کے طریقہ میں داخل کر دیں گے اور پھر تم فلاح نہیں پا سکو گے' یعنی اگر تم ان کی بت پرستی کے طریقہ میں داخل ہو گئے تو پھر تم کو دنیا میں کوئی کامیابی حاصل ہو گی نہ آخرت میں۔

وکیل بنانے کے متعلق قرآن مجید کی آیات:

فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ. (الکھف: ۱۹)

سو اب تم اپنے میں سے کسی کو چاندی کے یہ سکے دے کر شہر کی طرف بھیجو کہ وہ غور کرے کہ کون سا کھانا زیادہ پاکیزہ ہے اور اس میں سے تمہارے کھانے کے لیے لے کر آئے۔

اس آیت میں خرید و فروخت کے لیے کسی کو وکیل بنانے کا ثبوت ہے' کیونکہ اصحابِ کہف نے اپنے ایک ساتھی کو سکے دے کر کھانا خریدنے کے لیے بھیجا تھا۔ نیز قرآن کریم میں ہے:

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا. (التوبۃ: ۶۰)

صدقات صرف فقیروں اور مسکینوں کے لیے ہیں اور ان کے لیے ہیں جو صدقات کو وصول کرنے والے ہیں۔

اس آیت میں زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے عامل بنانے کا ثبوت ہے۔ جو زکوٰۃ وصول کر کے لائیں گے پھر ان عاملین کو اس زکوٰۃ میں سے ان کا حق خدمت دیا جائے گا۔

وکیل بنانے کے متعلق احادیث

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مسلمان خازن امین ہو اور اس کو جس چیز کے دینے کا حکم دیا جائے (خواہ صدقات فرضیہ سے یا نفلیہ سے) وہ اس کو پورا پورا خوشی سے اس کو دے دے جس کو دینے کا اس کو حکم دیا گیا تھا تو وہ بھی (اللہ کے نزدیک) صدقہ کرنے والوں میں سے ایک ہوگا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۳۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۲۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۸۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۵۹)

اس حدیث میں زکوٰۃ اور صدقات وصول کرنے کے لیے وکیل بنانے کا ثبوت ہے۔

حضرت ابو حمید الساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ ازد کے ایک شخص کو صدقات وصول کرنے کا عامل بنایا' اس کا نام ابن اللتبیہ تھا۔ جب وہ صدقات وصول کر کے آیا تو اس نے کہا یہ مال تمہارے لیے ہے اور یہ مال مجھے ہدیہ کیا گیا ہے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد اور ثناء کی پھر آپ نے فرمایا:

حمد و صلوٰۃ کے بعد میں تم میں سے کسی شخص کو اس کام کے لیے عامل بناتا ہوں جن کاموں کا اللہ نے مجھے ولی بنایا ہے اور وہ آ کر یہ کہتا ہے کہ یہ تمہارے لیے ہے اور اس کا مجھ پر ہدیہ کیا گیا ہے' وہ اپنے باپ یا اپنی ماں کے گھر میں کیوں نہیں بیٹھ گیا حتیٰ کہ اس کے پاس ہدیہ آتا اگر وہ سچا ہے' اللہ کی قسم تم میں سے جس شخص نے بھی کوئی ناحق چیز لی تو قیامت کے دن وہ شخص اس چیز کو اُٹھائے ہوئے اللہ سے ملاقات کرے گا' میں تم میں سے کسی شخص کو اس دن نہیں پہچانوں گا' کوئی شخص بڑبڑاتے ہوئے اونٹ کو اُٹھائے ہوئے ہوگا' اور کوئی شخص ڈکراتی ہوئی گائے کو اُٹھائے ہوئے ہوگا' اور کوئی شخص ممیاتی ہوئی بکری کو اُٹھائے ہوئے ہوگا' پھر آپ نے اپنے دونوں ہاتھ اُٹھائے حتیٰ کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی (کی جگہ) دکھائی دی اور فرمایا: اے اللہ کیا میں نے تبلیغ کر دی ہے؟

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۵۹۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۳۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۹۴۶' مسند احمد ج ۵ ص ۴۲۳' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۸۴۰' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۱۶۷۶' ۲۴۹۶' جامع الاصول رقم الحدیث: ۲۷۳۶)

اس حدیث میں بھی زکوٰۃ کی وصول یابی کے لیے وکیل بنانے کا ثبوت ہے۔

حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو خیبر پر عامل بنایا۔ وہ وہاں سے جنیب کھجوریں لے کر آیا۔ آپ نے اس سے پوچھا: کیا خیبر کی تمام کھجوریں اس طرح ہیں؟ اس نے کہا: نہیں ہم دو صاع (آٹھ کلوگرام) کھجوریں دے کر یہ ایک صاع (چار کلوگرام) کھجوریں لیتے ہیں اور تین صاع دے کر دو صاع لیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ایسا نہ کرو' تم کھجوریں دراہم کے عوض بیچو پھر دراہم کے عوض جنیب کھجوریں خریدو اور وزن میں بھی اسی طرح کرو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۳۰۳' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۵۵۳)

اس حدیث میں خرید و فروخت کرنے اور وزن کرنے میں وکیل بنانے کا ثبوت ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تقاضا کرنے آیا اور اس نے سختی سے تقاضا کیا۔ آپ کے اصحاب نے اس کو مارنے کا قصد کیا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو چھوڑ دو کیونکہ جس شخص کا حق ہو اس کو بات کرنے کی گنجائش ہوتی ہے۔ پھر فرمایا جتنی عمر کا اونٹ اس نے دیا تھا' اس کو اتنی عمر کا اونٹ دے دو۔ مسلمانوں نے کہا یا رسول اللہ! اس نے جتنی عمر کا اونٹ دیا تھا' ہمارے پاس اس سے زیادہ عمر کا اونٹ ہے۔ آپ نے فرمایا: وہی دے دو' تم میں بہترین شخص وہ ہے جو قرض کو اچھی طرح ادا کرے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۳۰۶' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۳۱۶' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۶۱۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۴۲۳)

اس حدیث میں قرض کی ادائیگی کے لیے وکیل بنانے کا ثبوت ہے۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہنے لگی یا رسول اللہ! میں نے آپ کو اپنا نفس ہبہ کر دیا۔ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! اس کا میرے ساتھ نکاح کر دیجئے۔ آپ نے فرمایا: تم کو جو قرآن یاد ہے اس کی وجہ سے میں نے اس کے ساتھ تمہارا نکاح کر دیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۳۱۰' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۳۳۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۱۱۱' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۱۱۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۸۹' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۳۲۳۸)

اس حدیث میں عورت کا نکاح کے لیے وکیل بنانے کا ثبوت ہے۔

حضرت زید بن خالد اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اے انیس! صبح کو اس عورت کے پاس جاؤ اگر یہ عورت (بدکاری کا) اعتراف کر لے تو اس کو سنگسار کر دو۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۳۱۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۴۴۵' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۴۳۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۵۴۹)

اس حدیث میں اجراء حد کے لیے وکیل بنانے کا ثبوت ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے خیبر کی طرف جانے کا ارادہ کیا۔ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور آپ کو سلام کیا اور میں نے آپ سے عرض کیا میرا خیبر کی طرف جانے کا ارادہ ہے۔ آپ نے فرمایا: جب تم میرے وکیل کے پاس جاؤ تو اس سے پندرہ وسق لے لینا (ایک وسق ۲۴۰ کلوگرام کا ہے) اگر وہ تم سے کوئی نشانی طلب کرے تو اس کے حلقوم پر ہاتھ رکھ دینا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۳۲)

اس حدیث میں مال پر قبضہ کے لیے وکیل بنانے کا ثبوت ہے۔

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک دینار دے کر بھیجا کہ وہ ان کے لیے قربانی کا جانور خرید کر لائیں۔ انہوں نے ایک دینار کا مینڈھا خریدا اور اس کو دو دینار میں فروخت کر دیا' پھر ایک دینار میں ایک قربانی کا جانور خرید لیا' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک دینار اور قربانی کا جانور لے کر آیا۔ آپ نے ایک دینار صدقہ کر دیا اور ان کے لیے دعا کی کہ اللہ ان کو تجارت میں برکت دے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۲۵۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳۸۶)

اس حدیث میں خرید و فروخت کے لیے وکیل بنانے کا ثبوت ہے۔

حضرت عروہ بن ابی الجعد البارقی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک دینار دیا تاکہ وہ ایک بکری خرید کر لائیں۔ انہوں نے ایک دینار کی دو بکریاں خریدیں پھر ایک بکری کو ایک دینار کے عوض فروخت کر دیا اور آپ کے پاس وہ بکری اور ایک دینار لے کر آئے' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خرید و فروخت میں برکت کی دعا کی' پھر اگر وہ مٹی بھی خریدتے تو ان کو اس میں نفع ہوتا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۴۲)

اس حدیث میں بھی خرید و فروخت کے لیے وکیل بنانے کا ثبوت ہے۔

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن سہل بن زید اور محیصہ بن مسعود بن زید خیبر میں گئے اور وہاں کسی جگہ میں الگ الگ ہو گئے پھر حضرت محیصہ کو حضرت عبداللہ بن سہل کی لاش ملی۔ انہوں نے ان کو دفن کر دیا' پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور حضرت حویصہ بن مسعود اور حضرت عبدالرحمٰن بن سہل' اور عبدالرحمٰن ان میں سب سے چھوٹے تھے' حضرت عبدالرحمان اپنے دونوں اصحاب سے پہلے بات کرنے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بڑی عمر والے کو بات کرنے دو تو وہ خاموش ہو گئے۔ پھر ان کے دونوں صاحبوں نے اس معاملہ میں بات کی اور حضرت عبدالرحمان بن سہل نے بھی ان کے ساتھ بات کی' اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ جگہ بتائی جہاں حضرت عبداللہ بن سہل کی لاش ملی تھی۔ آپ نے ان سے فرمایا: کیا تم پچاس قسمیں کھاؤ گے؟ پھر تم اپنے مقتول کی دیت یا اس کے قاتل کے مستحق ہو جاؤ گے۔ انہوں نے کہا ہم کیسے قسم کھا سکتے ہیں جبکہ ہم قتل کے موقع پر حاضر نہیں تھے۔ آپ نے فرمایا پھر یہود پچاس قسمیں کھا کر تم سے بری ہو جائیں گے۔ انہوں نے کہا ہم کافروں کی قسموں کو کس طرح قبول کر سکتے ہیں؟ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ معاملہ دیکھا تو خود دیت ادا کر دی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۴۲۱' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۷۰۲' ۳۱۷۳' ۶۱۴۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۶۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۵۲۰'

سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۳۰۷۴ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۶۷۷ موطا امام مالک رقم الحدیث: ۸۷۷ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۰۰۹ المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۴۴۲۸ مسند احمد ج ۴ ص ۱۴۲)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بڑی عمر والے کو بات کرنے دو یعنی اس فوجداری مقدمہ میں بڑی عمر والے رشتہ دار کو وکیل بناؤ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کسی ظالم کی مدد کی تاکہ باطل عوض لے کر حق کو باطل ثابت کرے وہ اللہ کے ذمہ اور اس کے رسول کے ذمہ سے بری ہو گیا۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۲۹۴۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۰ھ)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ کسی جھوٹے مقدمہ میں وکیل بنانا گناہ ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کسی مقدمہ میں ظلم کی مدد کی یا بغیر علم کے کسی مقدمہ میں مدد کی وہ ہمیشہ اللہ کی ناراضگی میں رہے گا حتیٰ کہ اس کو چھوڑ دے۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۲۹۴۲ مطبوعہ مکتبۃ المعارف ریاض ۱۴۰۷ھ)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ کوئی شخص کسی ظالم کے مقدمہ میں وکیل نہ بنے اور نہ کسی ایسے مقدمہ میں جس کے حق یا باطل ہونے کا اسے علم نہ ہو۔

وکالت کا لغوی اور شرعی معنی

اصحاب کہف نے اپنے ایک ساتھی کو شہر سے طعام خرید کر لانے کے لیے جو بھیجا تھا' اس میں کسی شخص کو وکیل بنانے کا ثبوت ہے۔ وکیل بنانے کا طریقہ زمانہ جاہلیت اور اسلام دونوں میں رائج رہا ہے۔ مسلمان کا مسلمان کو وکیل بنانا اور مسلمان کا کافر کو وکیل بنانا' دونوں جائز ہیں۔ توکیل کا لغوی معنی ہے تفویض یعنی اپنا کام کسی کے سپرد کر دینا اور کسی معاملہ میں کسی شخص کو اپنا نائب بنانا' وکیل اپنے مؤکل کا قائم مقام ہوتا ہے۔ وکالت کا شرعی معنی یہ ہے:

انسان کا اپنے غیر کو کسی تصرف معلوم میں اپنا قائم مقام بنانا۔ حتیٰ کہ اگر تصرف معلوم نہ ہو تب بھی وکیل کے لیے ادنیٰ تصرف ثابت ہوگا اور وہ ہے مؤکل کی چیز کی حفاظت کرنا' اور مبسوط میں مذکور ہے کہ اگر کسی شخص نے دوسرے سے یہ کہا کہ میں نے تمہیں اپنے مال کا وکیل بنا دیا ہے تو وہ ان الفاظ کے ساتھ اپنے مؤکل کے مال کا وکیل ہے۔

وکالت کے ارکان

(۱) جب کوئی شخص کسی سے یہ کہہ دے کہ میں نے تمہیں اس چیز کے خریدنے یا بیچنے کا وکیل بنایا ہے تو توکیل صحیح ہے۔

(السراج الوہاج)

(۲) وکیل کا قبول کرنا صحت وکالت کے لیے شرط نہیں ہے' لیکن جب وکیل نے وکالت کو رد کر دیا تو اب وکالت صحیح نہیں ہے۔

(۳) جب کسی آدمی نے کسی غائب شخص کو وکیل بنایا اور اس کو کسی شخص نے وکیل بنانے کی خبر دے دی تو وہ وکیل ہو جائے گا۔ عام ازیں کہ خبر دینے والا نیک ہو یا بدکار۔ خواہ اس نے اپنی طرف سے خبر دی ہو یا اس کا پیغام پہنچایا ہو۔ وکیل نے اس کی تصدیق کی ہو یا تکذیب کی ہو۔ (الذخیرہ)

مؤکل کے اعتبار سے شرائط

(۱) مجنون اور ناسمجھ بچے کا وکیل بنانا صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح سمجھدار بچے کے لیے ان چیزوں کا وکیل بنانا صحیح نہیں ہے جن کا وہ خود مالک نہیں ہے۔ مثلاً طلاق دینا' ہبہ کرنا' صدقہ کرنا اور ایسے امور جن میں دنیاوی طور پر محض ضرر ہو۔ اور اس کا تصرفات نافعہ میں وکیل بنانا صحیح ہے جیسا کہ ولی کی اجازت کے بغیر صدقہ اور ہبہ کو قبول کرنا۔

(۲) وہ تصرفات جو نفع اور ضرر کے درمیان دائر ہوتے ہیں جیسے خرید وفروخت کرنا' کوئی چیز کرائے پر دینا یا لینا' ان چیزوں کی اگر اس کو تجارت کی اجازت دی ہوئی ہے تو اس کا ان چیزوں میں وکیل بنانا بھی صحیح ہے اور اگر اس کے ولی نے اس کو تجارت کرنے کی اجازت نہیں دی ہے تو اس کا وکیل بنانا بھی ولی کی اجازت پر موقوف ہے۔

وکیل کے اعتبار سے شرائط

(۱) وکیل کے لیے ضروری ہے کہ وہ عاقل ہو' مجنون اور ناسمجھ بچے کو وکیل بنانا صحیح نہیں ہے' بلوغ اور حریت وکیل کے لیے شرط ہے' اس لیے نابالغ اور عبد ماذون کو وکیل بنانا بھی صحیح نہیں ہے۔

(۲) یہ ضروری ہے کہ وکیل کو یہ معلوم ہو کہ اس کو وکیل بنایا گیا ہے۔

(۳) کسی مسلمان نے کسی حربی کو دارالحرب میں وکیل بنایا اور مسلمان دارالاسلام میں ہو تو یہ وکالت صحیح نہیں ہے' اسی طرح اگر حربی نے دارالحرب میں کسی مسلمان کو دارالاسلام میں وکیل بنایا ہو تو یہ وکالت بھی باطل ہے۔

(۴) جب کسی حربی نے مسلمان یا ذمی یا حربی کو دارالاسلام میں قرض کے تقاضا کرنے کا وکیل بنایا ہو اور اہل اسلام میں سے کسی کو اس پر گواہ بنایا ہو پھر اس کا وکیل دارالحرب سے اس کو طلب کرنے گیا ہو تو یہ جائز ہے۔ اسی طرح جب اس نے خرید وفروخت کرنے کے لیے یا کسی امانت پر قبضہ کرنے کے لیے یا اس طرح کے کسی اور کام کے لیے وکیل بنایا ہو تو یہ بھی جائز ہے۔

(۵) اسی طرح کسی مسلمان یا ذمی نے مستامن حربی کو دارالاسلام میں کسی مقدمہ یا کسی چیز کو فروخت کرنے کا وکیل بنایا ہو یا کسی اور چیز کا وکیل بنایا ہو تو یہ جائز ہے' اور جب وہ دارالحرب میں چلا جائے گا تو وکالت باطل ہو جائے گی۔

جس چیز میں وکالت ہے' اس کے اعتبار سے شرائط

(۱) حقوق کی دو قسمیں ہیں: اللہ کے حقوق اور بندوں کے حقوق' اور اللہ کے حقوق کی دو قسمیں ہیں ایک وہ قسم ہے جس میں دعویٰ کرنا شرط ہے جیسے حد قذف اور حد سرقہ۔ امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک اس قسم کے اثبات میں وکیل بنانا جائز ہے' خواہ مؤکل حاضر ہو یا غائب ہو' اور ایک قسم وہ ہے جس میں دعویٰ کرنا شرط نہیں ہے۔ زنا کی حد اور شراب نوشی کی حد' اس قسم میں وکیل بنانا جائز نہیں ہے۔ حد کے اثبات میں نہ حد جاری کرانے میں اور حد سرقہ میں چور کے پاس مال کو ثابت کرنے میں کسی کو وکیل بنانا بالاجماع جائز ہے۔

(۲) حقوق العباد کی بھی دو قسمیں ہیں: ایک وہ قسم ہے جس میں شبہ کے ساتھ حد کو پورا کرانا جائز نہیں ہے جیسے قصاص ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک اس میں قصاص کے اثبات کے لیے وکیل بنانا جائز ہے' اور قصاص لینے کے لیے اگر مؤکل جو ولی قصاص ہے اگر وہ حاضر ہو تو وکیل بنانا جائز ہے اور اگر وہ غائب ہو تو وکیل بنانا جائز نہیں ہے' اور حقوق العباد کی ایک وہ قسم ہے جس کو شبہ کے باوجود وصول کرنا جائز ہے جیسے قرضہ جات' چیزیں اور تمام حقوق' قرض اور کسی خاص چیز

کو ثابت کرنے کے مقدمہ میں وکیل بنانا جائز ہے اور قصاص کے علاوہ باقی حقوق میں بھی فریق مخالف کی رضا سے وکیل بنانا بالاجماع جائز ہے اور تعزیرات میں حق کو ثابت کرنے کے لیے بھی اور وصول کرنے کے لیے بھی وکیل بنانا جائز ہے۔

(۳) خرید و فروخت میں' کرایہ کے لین دین میں' نکاح' طلاق' خلع' صلح' اعارہ' استعارہ' ہبہ' صدقہ' امانت رکھنے' حقوق کے قبضہ' قرض کے تقاضے' رہن رکھنے اور اس قسم کے دیگر مقدمات میں وکیل بنانا جائز ہے۔

(۴) مباح چیزوں میں وکیل بنانا جائز نہیں ہے' مثلاً لکڑیاں اور گھاس چننے میں اور معدنیات سے جواہر نکالنے میں' پس وکیل کو جو چیز ملی وہ اس کی ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری ج ۳ ص ۵۶۴-۵۶۰ ملخصاً' مطبوعہ مطبعہ امیریہ کبریٰ بولاق مصر' ۱۳۱۰ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس طرح ہم نے (لوگوں کو) ان کے حال سے واقف کر دیا تاکہ ان کو یقین ہو جائے کہ اللہ کا وعدہ برحق ہے اور قیامت میں کوئی شک نہیں ہے' جب لوگ ان کے معاملات میں بحث کرنے لگے تو انہوں نے کہا ان کے غار کے قریب عمارت بنا دو' ان کا رب ہی ان کے حالات کو زیادہ جاننے والا ہے' جو لوگ ان کے معاملات پر زیادہ حاوی تھے انہوں نے کہا ہم ضرور بہ ضرور ان کے قریب مسجد بنائیں گے○ (الکہف: ۲۱)

اصحابِ کہف اور ان کے شہر والوں کے درمیان ماجرا اور ان کی بحث

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جس طرح ہم نے ان کی ہدایت کو زیادہ کیا اور ان کے دلوں کو مضبوط کیا اور ان کو سلایا اور ان کی کروٹیں بدلائیں اور ان کو بیدار کر کے اُٹھایا تاکہ ہماری حکمتیں ظاہر ہوں اسی طرح ہم نے ان کے احوال پر دوسروں کو مطلع کیا۔

اعثار کا معنی ہے کسی کو خبر دینا اور مطلع کرنا۔ اس لفظ کی اصل یہ ہے کہ جو شخص کسی چیز سے غافل ہو پھر وہ اس کو اچانک دیکھ کر پہچان لے تو کہتے ہیں فلان عثربه ۔شہر کے لوگ جو اصحابِ کہف کے احوال سے واقف ہوئے تھے' اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) اصحابِ کہف جو عرصہ دراز تک غار میں رہے تھے' اس کی وجہ سے ان کے بال بہت لمبے اور ناخن بہت بڑے بڑے ہو گئے تھے اور ان کے چہرے کی کھال بھی خلافِ معمول بہت عجیب و غریب ہو گئی تھی اس وجہ سے شہر کے لوگوں نے جان لیا یہ بہت پہلے کے لوگ ہیں۔ لیکن یہ وجہ صحیح نہیں ہے کیونکہ جب وہ غار میں بیدار ہوئے تھے تو انہوں نے ایک دوسرے سے پوچھا کہ ہم کتنی دیر غار میں رہے؟ تو انہوں نے کہا ایک دن یا اس سے بھی کم حصہ۔ اگر ان کی ہیئت اس طرح غیر معمولی ہو چکی تھی تو وہ اس طرح نہ کہتے۔

(۲) جب اصحابِ کہف کا ایک ساتھی شہر میں کچھ چیزیں خریدنے گیا اور اس نے کھانے کی قیمت ادا کرنے کے لیے چاندی کا پرانا سکہ نکالا تو دُکان دار نے کہا یہ سکہ اب نہیں چلتا یہ تو بہت پہلے زمانے کا سکہ ہے۔ لگتا ہے تم کو کوئی خزانہ مل گیا ہے۔ یہ بات پھیل گئی اور لوگ اس شخص کو پکڑ کر حکمران کے پاس لے گئے۔ اس نے پوچھا تم کو یہ سکہ کہاں سے ملا؟ اس شخص نے کہا کل میں نے کچھ کھجوریں فروخت کر کے یہ سکہ لیا ہے۔ پھر ہم دقیانوس بادشاہ کے خوف سے بھاگ کر ایک غار میں چلے گئے تھے' تب اس حکمران نے جان لیا کہ ان کو کوئی خزانہ نہیں ملا لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کی موت کے بعد دوبارہ زندہ کر دیا ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا تاکہ ان کو یقین ہو جائے کہ اللہ کا وعدہ برحق ہے اور قیامت میں کوئی شک نہیں ہے۔ یعنی

ہم نے ان لوگوں کو اصحاب کہف کے احوال پر اس لیے مطلع کیا ہے تا کہ لوگوں کو یقین ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ کیا ہے کہ وہ لوگوں کی روح قبض کرنے کے بعد ان کو پھر زندہ کرے گا' اس کا یہ وعدہ برحق ہے' کیونکہ روایت ہے کہ اس وقت کا بادشاہ مرنے کے بعد دوبارہ اُٹھنے کا اعتقاد نہیں رکھتا تھا لیکن وہ اپنے کفر کے باوجود منصف مزاج تھا تو اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کے واقعہ کو اس بادشاہ اور اس کے ہم مشرب لوگوں کے لیے دلیل بنا دیا' اور ایک قول یہ ہے کہ اس زمانے کے لوگوں کا اس معاملہ میں اختلاف تھا بعض کہتے تھے کہ جسم اور روح دونوں کو اُٹھایا جائے گا اور دوسرے یہ کہتے تھے کہ صرف روح کو اُٹھایا جائے گا' رہا جسم تو اس کو زمین کھا جائے گی' وہ بادشاہ اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعا کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کوئی ایسی نشانی ظاہر فرمائے جس سے اس مسئلہ میں جو حق ہے اس پر استدلال کیا جائے' تو اللہ تعالیٰ نے اس کے سامنے اصحاب کہف کا معاملہ ظاہر کیا۔ اس واقعہ سے اس بادشاہ نے یہ استدلال کیا کہ اجسام پر موت طاری ہونے کے بعد ان کو پھر زندہ کیا جائے گا' کیونکہ اتنی طویل نیند کے بعد ان کا پھر بیدار ہونا' موت کے بعد پھر زندہ ہونے کے مشابہ ہے۔ لوگوں نے کہا جب اللہ اس پر قادر ہے کہ تین سو نو سال تک ان کے اجسام کو محفوظ اور سلامت رکھے تو وہ اجسام پر موت آنے کے بعد ان کو زندہ کرنے اور میدانِ حشر میں ان کو جمع کرنے پر بھی قادر ہے۔

ابھی وہ لوگ اس بحث میں اُلجھے ہوئے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اصحابِ کہف پر ان کے غار میں ان پر موت طاری کر دی' لوگوں میں سے بعض نے کہا اب وہ حقیقت میں مر گئے ہیں اور بعض نے کہا ان پر پہلے کی طرح نیند طاری کر دی گئی ہے۔

(۳) ان میں سے بعض نے کہا کہ اب بہتر یہ ہے کہ غار کا منہ بند کر دیا جائے تا کہ اس میں کوئی شخص داخل ہو سکے اور نہ ان کے احوال سے کوئی شخص واقف ہو سکے' اور بعض دوسروں نے کہا: زیادہ بہتر یہ ہے کہ اس غار کے دروازہ پر مسجد بنا دی جائے اور یہ قول اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھتے تھے اور عبادت کرنے والے اور نماز پڑھنے والے تھے۔

(۴) اس زمانہ کے کافروں نے کہا یہ لوگ ہمارے دین پر تھے لہٰذا ہم ان کی یادگار میں اس غار کے دروازہ پر ایک عمارت بنائیں گے' اور مسلمان یہ کہتے تھے وہ ہمارے دین پر تھے اس لیے ہم غار کے دروازہ پر ایک مسجد بنائیں گے۔

(۵) ان لوگوں کا اس میں اختلاف تھا کہ اصحابِ کہف غار میں کتنی دیر ٹھہرے تھے۔

(۶) لوگوں نے اصحابِ کہف کی تعداد میں اور ان کے اسماء میں اختلاف کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان کا رب ہی ان کو خوب جاننے والا ہے' ہو سکتا ہے کہ یہ ان لوگوں کا قول ہو جو اصحابِ کہف کے اسماء اور ان کی تعداد میں اختلاف کر رہے تھے اور یہ بھی ہو سکتا ہے یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہو اور اس میں ان لوگوں کا رد ہو جو بلا دلیل ان کے اسماء اور ان کی تعداد میں بحث کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو لوگ ان کے معاملات پر حاوی تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد مسلمان بادشاہ ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد اصحابِ کہف کے قریبی رشتہ دار ہیں' اور تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد اس شہر کے رہنے والے تھے۔

پھر فرمایا: انہوں نے کہا ہم ضرور بہ ضرور اس کے قریب مسجد بنائیں گے' یعنی اس میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں گے اور مسجد کی وجہ سے اصحاب کہف کے آثار کی حفاظت کریں گے۔ (تفسیر کبیر ج ۷ ص ۴۴۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

مزارات پر گنبد بنانے کا ثبوت

اکثر علماء' مفسرین اور محدثین کے نزدیک اس آیت کی روشنی میں اولیاء اللہ کے مزار پر ان کی یادگار قائم کرنا اور ان کے

قرب اور جوار میں مسجد تعمیر کرنا اور وہاں نماز پڑھنا اور ان سے برکت اور فیض حاصل کرنا جائز ہے' اور چند علماء نے اس سے اختلاف کیا ہے اور اس کو ناجائز اور حرام لکھا ہے۔

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اس آیت سے صالحین کی قبروں پر عمارت (مثلاً گنبد) بنانے اور اس کے نزدیک مسجد بنانے اور اس میں نماز پڑھنے کے جواز پر استدلال کیا گیا ہے' اور جن لوگوں نے اس کا ذکر کیا ہے ان میں شہاب الدین خفاجی ہیں جنہوں نے حواشی بیضاوی میں اس کو لکھا ہے لیکن ان کا یہ قول باطل عاطل فاسد اور کاسد ہے کیونکہ احادیث صحیحہ میں انبیاء علیہم السلام اور صالحین کی قبروں پر عمارت بنانے اور اس کے نزدیک مسجد بنانے کی ممانعت ہے۔ (روح المعانی جز ۱۵ ص ۳۴۳' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ آلوسی نے یہاں پر بہت لمبی بحث کی ہے اور قبر پر گنبد بنانے کو ناجائز لکھا ہے اور یہ کہا ہے کہ جن قبروں پر گنبد بنے ہوئے ہیں' ان کو منہدم کرنا واجب ہے حتیٰ کہ امام شافعی کی قبر پر جو بادشاہوں نے گنبد بنایا ہے اس کو توڑنا بھی واجب ہے' اور ہر شخص کے لیے واجب ہے کہ وہ گنبدوں کو منہدم کردے بہ شرطیکہ اس سے کوئی فتنہ پیدا نہ ہو۔

(روح المعانی جز ۱۵ ص ۳۴۴' مطبوعہ ۱۴۱۷ھ)

لیکن اس بحث کے آخر میں علامہ آلوسی نے اپنے مطلوب کے اثبات میں ایک ایسی دلیل لکھی ہے جس سے ان کا مطلوب باطل ہوگیا اور اس کے ثبوت میں دیئے ہوئے تمام دلائل ضائع ہوگئے۔ وہ لکھتے ہیں:

تمہارے لیے حق کی معرفت میں اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل کی اتباع کرنا کافی ہے جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے ساتھ کیا' کیونکہ وہ روئے زمین کی سب سے افضل قبر ہے بلکہ وہ عرش سے بھی افضل ہے' آپ کے اصحاب آپ کی قبر کی زیارت کرتے تھے اور اس پر سلام پڑھتے تھے سو تم اصحاب رسول کے افعال کی اتباع کرو۔

(روح المعانی جز ۱۵ ص ۳۴۶' مطبوعہ دار الفکر' ۱۴۱۷ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک حضرت اُم المومنین کے حجرہ میں بنائی گئی تھی اور وہ حجرہ بہرحال ایک مسقف عمارت ہے اور اس قبر مبارک کے جوار میں مسجد نبوی ہے جہاں ہر دور میں مسلمان نماز پڑھتے رہے ہیں۔ سو علامہ آلوسی کی اپنی عبارت سے قبر پر گنبد بنانا اور قبر کے جوار میں مسجد بنانا دونوں امر ثابت ہوگئے۔

ابتداء اسلام سے لے کر اب تک اُمت کے صالحین اور علماء بزرگانِ دین کے مزارات پر گنبد بناتے چلے آئے ہیں۔ اس لیے اُمت کے اجماعی عمل سے گنبد بنانے کا جواز ثابت ہے' اور احادیث میں جو قبر کے اوپر عمارت بنانے کی ممانعت ہے' وہ بلا ضرورت تعمیر پر محمول ہے' جس طرح شیخ عثمانی نے قبر پر لکھنے کی ممانعت کو بلاضرورت لکھنے پر محمول کیا ہے اور جواز کو اُمت کے اجماعی عمل کی بناء پر ثابت کیا ہے۔ علاوہ ازیں ملا علی قاری رحمہ اللہ نے بعینہ اسی دلیل سے مزارات پر گنبد بنانے کو جائز قرار دیا ہے۔

ملا علی بن سلطان محمد القاری المتوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

جب قبر پر کسی فائدہ کی وجہ سے خیمہ لگایا جائے مثلاً تاکہ خیمہ کے نیچے قاری بیٹھ کر قرآن پڑھیں تو پھر اس کی (حدیث میں) ممانعت نہیں ہے اور سلف صالحین نے مشہور علماء اور مشائخ کی قبروں پر عمارت بنانے کو جائز قرار دیا ہے تاکہ لوگ ان کی زیارت کریں اور آرام سے بیٹھیں۔ (المرقات ج ۴ ص ۶۹' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان' ۱۳۹۲ھ)

علامہ عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ لکھتے ہیں:

میرے شیخ علی اور بھائی افضل الدین عام لوگوں کی قبروں پر گنبد بنانے' تابوت رکھنے اور چادریں چڑھانے کو مکروہ قرار دیتے تھے اور کہتے تھے کہ قبروں پر گنبد اور چادریں صرف انبیاء علیہم السلام اور اکابر اولیاء کی شان کے لائق ہیں' رہے ہم تو ہمیں لوگوں کے قدموں کے نیچے راستے میں دفن کر دینا چاہیے۔ (لواقح الانوار القدسیہ ص ۴۲۶' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۸ھ)

صالحین کی قبروں کے پاس مسجد بنانے پر سید مودودی کے اعتراضات اور ان کے جوابات

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ' صالحین کی قبور کے قرب اور جوار میں مسجد بنانے کے عدم جواز کو ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

مسلمانوں میں سے بعض لوگوں نے قرآن مجید کی اس آیت کا بالکل الٹا مفہوم لیا ہے۔ وہ اسے دلیل ٹھہرا کر مقابر صلحاء پر عمارتیں اور مسجدیں بنانے کو جائز قرار دیتے ہیں' حالانکہ یہاں قرآن ان کی اس گمراہی کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ جو نشانی ان ظالموں کو بعث بعد الموت اور امکانِ آخرت کا یقین دلانے کے لیے دکھائی گئی تھی' اسے انہوں نے ارتکابِ شرک کے لیے ایک خداداد موقع سمجھا اور خیال کیا کہ چلو' کچھ اور ولی پوجا پاٹ کے لیے ہاتھ آ گئے۔ پھر آخر اس آیت سے قبورِ صالحین پر مسجدیں بنانے کے لیے کیسے استدلال کیا جا سکتا ہے جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات اس کی نہی میں موجود ہیں:

لعن اللہ تعالٰی زائرات القبور والمتخذین علیھا المساجد والسرج. (احمد' ترمذی' ابوداؤد' نسائی' ابن ماجہ)

اللہ نے لعنت فرمائی ہے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر اور قبروں پر مسجدیں بنانے اور چراغ روشن کرنے والوں پر۔

الا وان من کان قبلکم کانوا یتخذون قبور انبیاء ھم مساجد فانی انھکم عن ذلک. (مسلم)

خبردار رہو' تم سے پہلے لوگ اپنے انبیاء کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیتے تھے' میں تمہیں اس حرکت سے منع کرتا ہوں۔

لعن اللہ تعالٰی الیھود والنصارٰی اتخذوا قبور انبیاء ھم مساجد. (احمد' بخاری' مسلم' نسائی)

اللہ نے لعنت فرمائی یہود اور نصاریٰ پر' انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیا۔

ان اولئک اذا کان فیھم الرجل الصالح فمات بنوا علٰی قبرہ مسجدا وصوروا فیہ تلک الصور اولئک شرار الخلق یوم القیمۃ (احمد' بخاری' مسلم' نسائی)

ان لوگوں کا حال یہ تھا کہ اگر ان میں کوئی مرد صالح ہوتا تو اس کے مرنے کے بعد اس کی قبر پر مسجدیں بناتے اور اس کی تصویریں تیار کرتے تھے۔ یہ قیامت کے روز بدترین مخلوقات ہوں گے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ان تصریحات کی موجودگی میں کون خدا ترس آدمی یہ جرأت کر سکتا ہے کہ قرآن مجید میں عیسائی پادریوں اور رومی حکمرانوں کے جس گمراہانہ فعل کا حکایۃً ذکر کیا گیا ہے' اس کو ٹھیک وہی فعل کرنے کے لیے دلیل و حجت ٹھہرائے؟ (تفہیم القرآن ج ۳ ص ۱۹-۱۸' مطبوعہ لاہور' ۱۹۸۲ء)

سید ابوالاعلیٰ مودودی نے لکھا ہے کہ عیسائی پادری اور رومی حکمرانوں نے مسجد بنائی تھی اور یہ ان کا گمراہانہ فعل تھا۔ یہ انہوں نے غلط لکھا ہے' عیسائی پادری تو غار کے اوپر اصحاب کہف کی یادگار قائم کرنے کے لیے ایک عمارت بنانا چاہتے تھے جبکہ مسلمان وہاں مسجد بنانا چاہتے تھے اور بالآخر انہیں کی رائے غالب رہی۔ امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں:

عبداللہ بن عبید بن عمیر نے بیان کیا کہ جو لوگ اصحابِ کہف کے غار پر مطلع ہوئے تھے' اللہ تعالیٰ نے ان کو اندرونِ غار کی

جگہ سے اندھا کر دیا تھا۔ مشرکین نے کہا' ہم اس جگہ ایک عمارت بنائیں گے' وہ ہمارے آباؤ اجداد کے بیٹے ہیں' ہم اس عمارت میں اللہ کی عبادت کریں گے۔ مسلمانوں نے کہا بلکہ ہم ان کے زیادہ حق دار ہیں' وہ ہم میں سے ہیں' ہم اس جگہ پر ایک مسجد بنائیں گے' اس میں نماز پڑھیں گے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں گے۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۷۳۱۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابن جوزی متوفی ۵۹۷ ھ لکھتے ہیں:

ابن قتیبہ نے کہا مفسرین نے کہا ہے کہ جن لوگوں نے مسجد بنائی تھی' وہ بادشاہ اور اس کے مومن اصحاب تھے۔

(زاد المسیر ج ۵ ص ۱۲۴' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

علامہ ابو الحیان اندلسی متوفی ۷۵۴ ھ لکھتے ہیں:

جس نے اس غار پر عمارت بنانے کی دعوت دی تھی وہ ایک کافر عورت تھی اس کا ارادہ تھا کہ وہاں ایک گرجا بنائے یا کفریہ کاموں کے لیے عمارت بنائے تو مسلمانوں نے اس کو منع کیا اور وہاں ایک مسجد بنا دی۔

(البحر المحیط ج ۷ ص ۱۵۹-۱۵۸' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ)

اس لیے سید مودودی کا یہ لکھنا صحیح نہیں ہے کہ یہ مسجد عیسائی پادریوں نے بنائی تھی اور یہ ایک گمراہانہ فعل تھا۔ اب ہم ان احادیث پر گفتگو کرتے ہیں جن کی بناء پر سید مودودی نے یہ کہا ہے کہ صالحین کی قبر کے پاس مسجد بنانا جائز نہیں ہے۔

صالحین کی قبروں کے پاس مساجد بنانے کی ممانعت میں احادیث

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت اُم حبیبہ اور حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہما نے حبشہ میں ایک گرجا دیکھا جس میں تصاویر تھیں' انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا: جب ان میں کسی نیک شخص کی وفات ہو جاتی تو وہ اس کی قبر کے پاس ایک مسجد بنا دیتے اور اس میں یہ تصویریں رکھ دیتے' وہ لوگ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بدترین مخلوق ہوں گے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۲۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۲۸' سنن النسائی رقم الحدیث: ۷۰۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جس مرض سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحت مند نہیں ہوئے' اس میں آپ نے فرمایا: اللہ یہود اور نصاریٰ پر لعنت کرے۔ انہوں نے انبیاء علیہم السلام کی قبروں کو مسجدیں بنا لیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا اگر یہ خطرہ نہ ہوتا تو میں آپ کی قبر کو ظاہر کر دیتی۔ البتہ مجھے یہ خوف ہے کہ آپ کی قبر کو مسجد بنا لیا جائے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۹۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۲۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ یہود کو قتل کرے انہوں نے انبیاء کی قبروں کو مساجد بنا ڈالا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۳۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۳۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۲۲۷)

ممانعت کی احادیث کا منسوخ ہونا

حافظ یوسف بن عبد اللہ ابن عبد البر القرطبی المتوفی ۴۶۳ ھ لکھتے ہیں:

ان احادیث کی بناء پر بعض علماء صالحین کے قرب میں مساجد بنانے کو ناجائز کہتے ہیں لیکن ان کے معارض یہ حدیث ہے:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے پانچ ایسی چیزیں دی گئی ہیں جو

مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں' ایک ماہ کی مسافت سے میرا رعب طاری کر دیا گیا ہے' اور تمام روئے زمین کو میرے لیے مسجد اور آلہ طہارت بنا دیا گیا ہے' پس میری اُمت میں سے جس شخص نے جہاں بھی نماز کا وقت پایا وہ نماز پڑھ لے' اور میرے لیے مال غنیمت حلال کر دیا گیا ہے اور مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں کیا گیا تھا' اور مجھے شفاعت دی گئی ہے اور پہلے نبی ایک خاص قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا اور مجھے تمام لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۲۱' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۳۶-۴۳۲)

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت ہے کہ تمام روئے زمین کو آپ کے لیے مسجد بنا دیا گیا ہے اور تمام روئے زمین میں وہ جگہ بھی داخل ہے جو صالحین کے قرب و جوار میں ہے۔ لہٰذا اس جگہ مسجد بنانا بھی جائز ہے اور وہاں نماز پڑھنا بھی جائز ہے' اگر یہ کہا جائے کہ جن احادیث میں صالحین کے قرب میں مسجد بنانے کی ممانعت ہے ان سے یہ حدیث منسوخ ہو جائے گی۔ تو یہ کہنا صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل میں ہے اور فضائل منسوخ نہیں ہوتے اور نہ فضائل میں تخصیص ہوتی ہے اور نہ فضائل میں استثناء ہوتا ہے' نسخ صرف امر اور نہی میں جاری ہوتا ہے اور جب ان احادیث میں تعارض ہے تو واضح ہو گیا کہ جس حدیث میں آپ نے فرمایا: تمام روئے زمین کو میرے لیے مسجد بنا دیا گیا ہے' وہ حدیث ان احادیث کے لیے ناسخ ہے جن میں صالحین کے پاس مسجد بنانے کی ممانعت ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! زمین پر سب سے پہلے کون سی مسجد بنائی گئی؟ آپ نے فرمایا مسجد حرام۔ میں نے پوچھا اس کے بعد؟ آپ نے فرمایا: مسجد اقصیٰ۔ میں نے پوچھا ان دونوں کے درمیان کتنا عرصہ ہے؟ آپ نے فرمایا: چالیس سال' اور تم جس جگہ بھی نماز کا وقت پاؤ تم وہیں نماز پڑھ لو' وہی جگہ تمہارے لیے مسجد ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۶۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۲۰' سنن النسائی رقم الحدیث: ۶۹۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۷۵۳)

اس حدیث سے بھی یہ واضح ہوتا ہے کہ صالحین کے جوار میں مسجد بنانا جائز ہے۔

(التمہید ج اص ۱۳۷-۱۳۶' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ)

صالحین کی قبور کے پاس مسجد بنانے کی ممانعت کے محامل

قاضی عیاض بن موسیٰ اندلسی متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں:

ائمہ مسلمین نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی جگہ کو قبلہ بنانے سے منع کیا ہے' کیونکہ جب نماز میں نمازیوں کا منہ آپ کی طرف ہوگا تو وہ نماز صورۃً آپ کی عبادت ہو جائے گی۔ اس وجہ سے صحابہ نے قبر مبارک کی بائیں جانب ایک دیوار بنا دی حتیٰ کہ اب جو شخص وہاں نماز پڑھے گا' اس کے لیے نماز میں آپ کی طرف منہ کرنا ممکن نہیں ہوگا۔

(اکمال المعلم بفوائد مسلم' ج ۲ ص ۴۵۱' مطبوعہ دار الوفاء بیروت' ۱۴۱۹ھ)

اس حدیث سے یہ واضح ہو گیا کہ صالحین کی قبر کے پاس نماز پڑھنا' اس وقت منع ہے جب نمازی اور قبر کے درمیان کوئی حائل نہ ہو' اور جب نمازی اور قبر کے درمیان دیوار ہو یا اور کوئی حائل ہو تو پھر قبر کے پاس نماز پڑھنا ممنوع نہیں ہے۔ لہٰذا صالحین کی قبروں کے جوار میں مساجد کا بنانا بھی جائز ہے کیونکہ جب قبر کے پاس مسجد بنائی جائے گی تو مسجد کی دیوار قبر اور نمازی کے درمیان حائل ہو جائے گی۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے ساتھ مسجد نبوی بنی ہوئی ہے اور اس کی دیواریں قبلہ اور نمازی کے درمیان حائل ہیں۔

علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطیبی المتوفی ۷۴۳ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خطرہ تھا کہ مسلمان آپ کی قبر کی اس طرح تعظیم کریں گے جس طرح یہود اور نصاریٰ نے اپنے نبیوں کی قبروں کی تعظیم کی تھی۔ اس لیے آپ نے یہود و نصاریٰ اور ان کے کاموں پر لعنت کی تا کہ مسلمان آپ کی قبر انور کے ساتھ ان کی طرح معاملہ نہ کریں کیونکہ یہود و نصاریٰ اپنے نبیوں کی تعظیم کے لیے ان کی قبروں کو سجدہ کرتے تھے' اور ان کی قبروں کو قبلہ بناتے تھے اور نماز میں ان کی قبروں کی طرف منہ کرتے تھے اور انہوں نے ان کی قبروں کو بُت بنا لیا تھا اس لیے آپ نے ان پر لعنت کی اور مسلمانوں کو اس کام سے منع کیا۔

لیکن جس شخص نے کسی مرد صالح کے قرب اور جوار میں مسجد بنائی یا اس کے مقبرہ میں نماز پڑھی اور اس کی روح سے فیض حاصل کرنے کا قصد کیا یا یہ ارادہ کیا کہ اس مرد صالح کی عبادات کا اثر اس تک پہنچے' اور نماز میں اس مرد صالح کی تعظیم اور اس کی طرف توجہ کرنے کا ارادہ نہیں کیا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کیا تم یہ نہیں دیکھتے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قبر مسجد حرام میں حطیم کے پاس ہے' اس کے باوجود یہ مسجد نماز پڑھنے کی روئے زمین میں سب سے افضل جگہ ہے اور قبروں کے پاس نماز پڑھنے کی ممانعت کھدی ہوئی قبروں کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ وہ جگہ نجاست کے ساتھ ملوث ہوتی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زیادہ تاکید کے لیے مکرر فرمایا: انبیاء علیہم السلام کی قبروں کو مساجد نہ بناؤ' میں تم کو اس سے منع کرتا ہوں۔ (مسلم) مقبرہ میں نماز پڑھنے کے متعلق اہل علم کا اختلاف ہے۔ بعض علماء نے اس کو مکروہ کہا ہے خواہ وہاں کی مٹی بھی پاک ہو اور جگہ بھی پاک ہو۔ ان کا استدلال اس حدیث سے ہے اور بعض علماء نے کہا مقبرہ میں نماز پڑھنا جائز ہے اور اس حدیث کی یہ تاویل کی ہے کہ غالب حال یہ ہے کہ قبرستان کی زمین مردوں کے جسموں اور ان کی آلائش اور پیپ وغیرہ سے مخلوط اور ملوث ہوتی ہے' اور یہ ممانعت اس جگہ کی نجاست کی وجہ سے ہے اگر جگہ پاک ہو تو پھر وہاں نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (الکاشف عن حقائق السنن (شرح الطیبی) ج ۲ ص ۲۳۵' مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی' ۱۴۱۳ھ)

حافظ شہاب الدین ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اور علامہ احمد قسطلانی متوفی ۹۱۱ھ نے لکھا ہے:

جو شخص کسی مرد صالح کے جوار میں مسجد بنائے اور اس کے قرب سے برکت حاصل کرنے کا ارادہ کرے نہ کہ اس کی تعظیم اور نماز میں اس کی طرف توجہ کا تو وہ اس وعید میں داخل نہیں ہے۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۵۲۵' مطبوعہ لاہور' ۱۴۰۱ھ)

ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ نے علامہ طیبی کی عبارت نقل کی ہے اور مزید لکھا ہے:

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قبر کی صورت حطیم میں میزاب کے نیچے ہے اور حطیم میں اور حجر اسود اور میزاب کے درمیان ستر نبیوں کی قبریں ہیں۔ (مرقات ج ۲ ص ۲۰۲' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان' ۱۳۹۲ھ)

شیخ انور شاہ کشمیری متوفی ۱۳۵۲ھ نے اس حدیث کی شرح میں علامہ الطیبی کی عبارت نقل کی ہے۔

(فیض الباری ج ۲ ص ۴۳' مطبوعہ مطبع حجازی قاہرہ' ۱۳۵۷ھ)

شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ نے اس حدیث کی شرح میں حافظ عسقلانی کی عبارت نقل کی ہے۔

(فتح الملہم ج ۲ ص ۱۲۱' مطبوعہ مکتبۃ الحجاز' کراچی)

علامہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ لکھتے ہیں:

بعض شافعیہ نے کہا ہے کہ یہود و نصاریٰ انبیاء کی قبروں کو سجدہ کرتے تھے اور ان قبروں کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے انہوں نے ان قبروں کو بُت بنا لیا تھا' اس لیے مسلمانوں کو قبروں کے پاس اس طرح کے کاموں سے منع فرمایا' لیکن جس نے کسی مرد صالح کے قریب مسجد بنائی یا کسی مقبرہ میں نماز پڑھی تا کہ اس مرد صالح کے آثار سے تبرک حاصل کرے اور اس جگہ

اس کی دعا قبول ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے' اور اس پر دلیل یہ ہے کہ مسجد حرام میں حطیم کے پاس حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قبر ہے' اس کے باوجود نماز پڑھنے کے لیے وہ جگہ روئے زمین میں سب سے افضل ہے۔

(اکمال اکمال المعلم ج ۲ ص ۴۲۷' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ محمد بن محمد السنوسی مالکی متوفی ۸۹۵ھ نے بھی اسی عبارت کو نقل کیا ہے۔

(معلم اکمال الاکمال ج ۲ ص ۴۲۷' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

صالحین کے جوار میں مسجد بنانے پر مفسرین کی تصریحات

علامہ محمود بن عمر زمخشری خوارزمی متوفی ۵۳۸ھ الکہف: ۲۱ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

مسلمانوں میں سے جو اصحاب کہف کے معاملات میں غالب دخل رکھتے تھے' انہوں نے کہا ہم غار کے دروازہ پر مسجد بنائیں گے تاکہ مسلمان اس مسجد میں نماز پڑھیں اور اس جگہ سے برکت حاصل کریں۔

(الکشاف ج ۲ ص ۶۳۵' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۸ھ)

قاضی احمد بن محمد خفاجی حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ لکھتے ہیں:

غار کے دروازہ پر مسلمانوں کا مسجد بنانا اس پر دلالت کرتا ہے کہ صالحین کی قبروں کے پاس مسجد بنانا جائز ہے' جیسا کہ کشاف میں اس طرف اشارہ ہے اور اس میں نماز پڑھنا جائز ہے۔ (عنایۃ القاضی ج ۶ ص ۸۷' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن محمود النسفی الحنفی المتوفی ۷۱۰ھ لکھتے ہیں:

مسلمان اور ان کا بادشاہ جو اصحاب کہف کے معاملہ پر غالب تھے' انہوں نے کہا کہ ہم غار کے منہ پر مسجد بنائیں گے اور اس جگہ سے برکت حاصل کریں گے۔ (مدارک التنزیل علی هامش الخازن ج ۳ ص ۲۰۶' مطبوعہ دار الکتب العربیہ پشاور)

قاضی محمد ثناء اللہ نقشبندی متوفی ۱۲۲۵ھ لکھتے ہیں:

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اولیاء اللہ کے مقابر کے پاس مسجد بنانا جائز ہے تاکہ ان سے برکت حاصل کی جائے (الی قولہ) جن احادیث میں قبروں کے پاس نماز پڑھنے کی ممانعت آئی ہے ان کا محمل یہ ہے کہ قبروں کی طرف منہ کر کے نماز نہ پڑھو' جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے۔ (التفسیر المظہری ج ۶ ص ۲۲-۲۳' مطبوعہ بلوچستان بک ڈپو کوئٹہ)

قاضی ثناء اللہ نے صحیح مسلم کی جس حدیث کا حوالہ دیا ہے وہ یہ ہے:

حضرت ابو مرثد غنوی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قبر پر نہ بیٹھو اور نہ اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۷۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۲۲۹' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۰۵۰' سنن النسائی رقم الحدیث: ۷۶۰)

صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں:

اس (آیت) سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کے مزارات کے قریب مسجدیں بنانا اہل ایمان کا قدیم طریقہ ہے' اور قرآن کریم میں اس کا ذکر فرمانا اور اس کو منع نہ کرنا' اس فعل کے درست ہونے کی قوی ترین دلیل ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بزرگوں کے جوار سے برکت حاصل ہوتی ہے۔ اسی لیے اہل اللہ کے مزارات پر لوگ حصول برکت کے لیے جایا کرتے ہیں اور اسی لیے قبروں کی زیارت سنت اور موجب ثواب ہے۔ (خزائن العرفان برحاشیہ کنز الایمان ص ۴۷۳' مطبوعہ تاج کمپنی' کراچی' لاہور)

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس واقعہ سے اتنا معلوم ہوا کہ اولیاء صلحاء کی قبور کے پاس نماز کے لیے مسجد بنا دینا کوئی گناہ نہیں' اور جس حدیث میں قبور

انبیاء کو مسجد بنانے والوں پر لعنت کے الفاظ آئے ہیں اس سے مراد خود قبور کو سجدہ گاہ بنا دینا ہے جو باتفاق شرک وحرام ہے۔

(مظہری)(معارف القرآن ج ۵ ص ۵۷۷ 'مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی ' ۱۴۱۲ھ)

شیخ محمد ادریس کاندھلوی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

بالآخر جو لوگ اپنی بات میں غالب رہے یعنی بیدروس اور اس کے اصحاب تو انہوں نے کہا کہ ہم تو ان کے پاس ایک مسجد بنائیں گے یعنی ایک عبادت خانہ بنائیں گے تا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ لوگ خدائے وحدہ لاشریک کے عبادت گزار بندے تھے معبود نہ تھے' موحد تھے مشرک نہ تھے' اور ان کی عبادت کے مناسب بھی یہی ہے کہ ان کی یادگار میں مسجد یعنی عبادت خانہ بنا دیا جائے۔ قبروں کو سجدہ گاہ بنانا ناجائز اور حرام ہے اور قبروں کے قریب مسجد بنانا جائز ہے۔ معاذ اللہ مسجد بنانے سے یہ غرض نہ تھی کہ لوگ ان کی قبروں کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھا کریں بلکہ غرض یہ تھی کہ صالحین کے قرب وجوار میں ایک عبادت خانہ بنا دیا جائے تا کہ لوگ ان کی طرح عبادت کیا کریں اور وہاں نمازیں پڑھا کریں اور ان کے قرب سے برکت حاصل کریں' اور جس طرح اہل کہف بعث ونشور اور قیامت کے قائل تھے اسی طرح لوگوں کو چاہیے کہ مسجد میں حاضر ہو کر اللہ کی عبادت کریں اور آخرت کی تیاری کریں۔ اہل کہف کے ظاہر ہونے پر مومنین غالب ہوئے جو حشر ونشر اور قیامت کے قائل تھے اس لیے ان کی رائے یہ ہوئی کہ ان کی یاد میں مسجد بنا دی جائے جو آخرت کا بازار ہے' عبادت گزار بندوں کی یادگار میں ان کے قریب مسجد بنا دینا مناسب ہے جس میں دن رات اللہ کی عبادت ہوتی رہے۔

(معارف القرآن ج ۴ ص ۴۰۵ 'مطبوعہ مکتبہ عثمانیہ جامعہ اشرفیہ لاہور' ۱۹۸۳ء)

ان کثیر حوالہ جات سے واضح ہو گیا کہ مزار کے قریب مسجد بنانے کے فعل کو سید مودودی کا گمراہانہ فعل لکھنا صحیح نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: عنقریب لوگ کہیں گے وہ تین تھے چوتھا ان کا کتا تھا اور (بعض) کہیں گے وہ پانچ تھے چھٹا ان کا کتا تھا یہ تمام اقوال اٹکل پچو پر مبنی ہیں اور (بعض لوگ) کہیں گے وہ سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا' آپ کہیے کہ میرا رب ہی ان کی صحیح تعداد کو سب سے زیادہ جاننے والا ہے' ان کو صرف چند لوگ جاننے والے ہیں سو آپ ان کے متعلق صرف سرسری بات کریں اور ان کے متعلق اہل کتاب سے کوئی سوال نہ کریں۔ (الکھف: ۲۲)

اصحابِ کہف کی تعداد بتانے والے قائلین

زجاج نے کہا جن لوگوں نے کہا تھا کہ اصحابِ کہف تین ہیں ان کے متعلق دو قول ہیں:

(۱) نجران کے نصاریٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اصحابِ کہف کے متعلق مناظرہ کیا' ملکیہ نے کہا وہ تین ہیں اور چوتھا ان کا کتا ہے' اور الیعقوبیہ نے کہا وہ پانچ ہیں اور چھٹا ان کا کتا ہے' اور النسطوریہ نے کہا وہ سات ہیں اور آٹھواں ان کا کتا ہے' اس قول کو ضحاک نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے۔

(۲) الماوردی نے کہا یہ اصحابِ کہف کے شہر والوں کے اقوال تھے جب تک اصحابِ کہف کا ان پر ظہور نہیں ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: رجما بالغیب یعنی ان کے یہ اقوال محض ظنی تھے' یقینی نہ تھے۔

(زاد المسیر ج ۵ ص ۱۲۴ 'مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۰۸ھ)

اصحابِ کہف کی صحیح تعداد

اللہ تعالیٰ نے اصحابِ کہف کی تعداد کے متعلق تین قول ذکر کیے ہیں ان اقوال میں اولیٰ اور راجح قول کون سا ہے' مفسرین

کا مختار یہ ہے کہ ان میں تیسرا قول راجح ہے یعنی اصحابِ کہف کی تعداد سات ہے اور آٹھواں ان کا کتا ہے اور اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے پہلے اور دوسرے قول کے ساتھ واؤ کا ذکر نہیں کیا اور تیسرے قول کے ساتھ واؤ کا ذکر فرمایا ہے۔ (وثامنھم) اور تیسرے قول کو پہلے دو قولوں سے منفرد طریقہ سے ذکر کرنا' اس بات کی دلیل ہے کہ یہی قول صحیح ہے۔

(۲) پہلے اور دوسرے قول کے بعد فرمایا: رجما بالغیب اور تیسرے قول کے بعد رجما بالغیب نہیں فرمایا۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ پہلے دو قول کہنے والوں کے ظن اور گمان پر مبنی تھے اور تیسرا قول ظنی نہیں ہے بلکہ یقینی اور حتمی ہے۔

(۳) اللہ نے پہلے دو قولوں کے بعد فرمایا: رجما بالغیب اور تیسرے قول کے بعد فرمایا آپ کہیے کہ میرا رب ہی ان کی صحیح تعداد کو سب سے زیادہ جاننے والا ہے اور اس اسلوب کو تبدیل کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہی تیسرا قول برحق ہے۔

(۴) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اصحاب کہف سات ہیں اور ان کے یہ اسماء ہیں:
یملیخا' مکسلمینا' مسلثینا۔ یہ تینوں بادشاہ کی دائیں جانب تھے' اور بادشاہ کی بائیں جانب یہ تھے: مرنوس' دبرنوس اور سادنوس۔ بادشاہ اپنی مہمات میں ان چھ سے مشورہ کیا کرتا تھا اور ساتواں وہ چرواہا تھا جو ان کے ساتھ اس وقت مل گیا تھا جب وہ ابتداءً غار کی طرف جارہے تھے' ان کے کتے کا نام قطمیر تھا۔ (تفسیر کبیر ج ۷ ص ۴۴۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

(۵) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سو آپ ان کے متعلق صرف سرسری بات کریں اور ان کے متعلق اہل کتاب سے کوئی سوال نہ کریں۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اصحابِ کہف کے متعلق کسی سے سوال کرنے سے منع فرما دیا اور یہ اسی وقت ہو سکے گا جب اللہ تعالیٰ نے پہلے آپ کو اصحابِ کہف کے متعلق تمام احوال اور کوائف بتا دیے ہوں۔ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اصحابِ کہف کو صرف چند لوگ جاننے والے ہیں اور یہ بہت بعید ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تو اصحابِ کہف کی تعداد اور ان کے دیگر احوال کا علم نہ ہو اور دوسرے بعض لوگوں کو اس کا علم ہو' اور ظاہر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم صرف وحی سے حاصل ہوگا' اور وحی یہاں پر یہی آیت ہے: اور وہ کہتے ہیں کہ وہ سات ہیں اور آٹھواں ان کا کتا ہے' کیونکہ پہلے دو قولوں کے متعلق تو اللہ تعالیٰ نے فرما دیا وہ رجماً بالغیب ہیں پھر یہی قول مراد ہے: ویقولون سبعة و ثامنھم کلبھم.

سات اوصاف کے درمیان واؤ کا ذکر نہ کرنا اور آٹھویں وصف سے پہلے واؤ کا ذکر کرنا

اللہ تعالیٰ نے پہلے دو قولوں کے ساتھ واؤ کا ذکر نہیں کیا اور تیسرے قول کے ساتھ واؤ کا ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

سَيَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ؕ (الکہف: ۲۲)

عنقریب لوگ کہیں گے وہ تین تھے چوتھا ان کا کتا تھا اور (بعض) کہیں گے وہ پانچ تھے چھٹا ان کا کتا تھا' یہ تمام اقوال اٹکل پچو پر مبنی ہیں اور (بعض) کہیں گے وہ سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا ہے۔

اس میں ثلثة رابعھم کلبھم' خمسة سادسھم کلبھم کے بعد واؤ نہیں ہے اور سبعة کے بعد واؤ ہے کیونکہ فرمایا سبعة وثامنھم کلبھم۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عرب کے نزدیک عدد میں سبعة مبالغہ ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً ۔ (التوبۃ: ۸۰) آپ ان کے لیے ستر مرتبہ بھی استغفار کریں۔

اس وجہ سے اگر سات چیزوں کے بعد وہ کسی آٹھویں چیز کا ذکر کریں تو اس کے ساتھ واؤ کا ذکر کرتے ہیں۔ جیسے قرآن مجید میں ہے:

التائبون العبدون الحمدون السائحون الرکعون السجدون الا مرون بالمعروف. (التوبۃ: ۱۱۲) یہ سات اوصاف ہیں' ان کے درمیان واؤ نہیں لیکن اس کے بعد جب آٹھواں وصف ذکر کیا تو اس کے بعد واؤ ہے: والناھون عن المنکر.

اس کی دوسری مثال یہ ہے:

مسلمٰت مؤمنٰت قٰنتٰت تٰئبٰت عٰبدٰت سٰئحٰت ثیبٰت یہاں تک سات اوصاف بغیر واؤ کے ذکر فرمائے اور جب آٹھواں وصف آیا تو اس کو واؤ کے ساتھ ذکر فرمایا: وابکاراً (التحریم: ۵)

اور اس کی تیسری مثال یہ ہے:

وسیق الذین کفروا الی جھنم زمراً حتی اذا جاء وھا فتحت ابوابھا یہاں فتحت سے پہلے واؤ کا ذکر نہیں کیا کیونکہ جہنم کے سات دروازے ہیں پھر فرمایا: وسیق الذین اتقوا ربھم الی الجنۃ زمراً حتی اذا جاء وھا و فتحت ابوابھا یہاں فتحت سے پہلے واؤ کا ذکر فرمایا ہے کیونکہ جنت کے آٹھ دروازے ہیں اور سات عدد ذکر کرنے کے بعد واؤ کا ذکر کیا جاتا ہے۔ (الزمر: ۷۳-۷۱)

لیکن اس پر قفال اور قشیری وغیرہ نے یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ کہاں سے معلوم ہو گیا ہے کہ سات کا عدد ان کے نزدیک عدد کی انتہا ہے۔ نیز قرآن مجید میں ہے:

ھو اللہ الذی لا الہ الا ھو الملک القدوس السلام المؤمن المھیمن العزیز الجبار المتکبر. (الحشر: ۲۳) اس آیت میں المتکبر آٹھواں لفظ ہے اور اس کو واؤ کے ساتھ ذکر نہیں کیا گیا۔

(تفسیر کبیر ج ۷ ص ۴۴۹' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۰ ص ۳۴۳)

سورہ حشر کی آیت کا یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ اس قسم کے قواعد اکثری ہوتے ہیں' کلی نہیں ہوتے۔

اس آیت میں ہے ان کو صرف چند لوگ جانتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ان چند لوگوں میں سے میں بھی ہوں' ان کے نام یہ ہیں: مکسملثا' یملیخا۔ یہ وہی ہے جو چاندی کے سکے لے کر شہر گیا تھا' اور مرطونس اور یبونس اور ذرتونس اور کفاشطیطوس یہ وہ چرواہا تھا جو ان کے ساتھ چلا گیا تھا اور ان کے کتے کا نام قطمیر دوز الکردی ہے اور فرق القبطی ہے اور القبطی کے علاوہ میں کسی کو نہیں جانتا۔

ابوشبل نے کہا مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ جس شخص نے ان اسماء کو کسی جلتی ہوئی چیز میں ڈال دیا تو وہ ٹھنڈی ہو جائے گی۔ (المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۶۱۰۹' مطبوعہ مکتبۃ المعارف ریاض)

وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ﴿۲۳﴾ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ

اور آپ کسی کام کے متعلق یہ ہرگز نہ کہیں کہ میں کل یہ کام کرنے والا ہوں ○ مگر یہ کہ اللہ

اللّٰهُ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِیْتَ وَقُلْ عَسٰۤى اَنْ یَّهْدِیَنِ رَبِّیْ

چاہے' اور جب بھی آپ بھول جائیں تو اپنے رب کو یاد کر لیں' اور آپ کہیے کہ عنقریب میرا رب مجھے اس سے

لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا ﴿٢٤﴾ وَلَبِثُوْا فِیْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِیْنَ

زیادہ ہدایت کے قریب راستہ دکھلائے گا ○ اور وہ اپنے غار میں تین سو سال ٹھیرے تھے ،

وَازْدَادُوْا تِسْعًا ﴿٢٥﴾ قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا ۚ لَهٗ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

اور انہوں نے اس پر نو سال زیادہ کیے ○ آپ کہیے کہ اللہ ہی زیادہ جاننے والا ہے وہ کتنا عرصہ ٹھیرے تھے آسمانوں اور زمینوں کے غیب

اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ ؕ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِیٍّ ۫ وَّلَا یُشْرِكُ فِیْ

اسی کے پاس ہیں ، وہ کتنا زیادہ دیکھنے والا اور کتنا زیادہ سننے والا ہے ، اس کے سوا ان کا کوئی کارساز نہیں ہے اور وہ اپنے حکم میں

حُكْمِهٖۤ اَحَدًا ﴿٢٦﴾ وَاتْلُ مَاۤ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ۚؕ لَا مُبَدِّلَ

کسی کو شریک نہیں کرتا ○ اور آپ اس وحی کی تلاوت کیجئے جو آپ کے رب کی کتاب سے آپ کی طرف نازل کی گئی ہے اس کے کلمات کو کوئی تبدیل

لِكَلِمٰتِهٖ ۚ قف وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿٢٧﴾ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ

کرنے والا نہیں ہے اور آپ اس کے سوا ہرگز کوئی پناہ کی جگہ نہیں پائیں گے ○ اور آپ اپنے آپ کو ان لوگوں کے

الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا

ساتھ لازم رکھیں جو صبح اور شام اپنے رب کی رضا چاہتے ہوئے اس کی عبادت کرتے ہیں اور اپنی

تَعْدُ عَیْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِیْدُ زِیْنَةَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ

آنکھیں ان سے نہ ہٹائیں کہ آپ دنیاوی زندگی کی زینت کا ارادہ کرتے ہوں ، اور آپ اس شخص کا کہنا نہ مانیں جس کا دل ہم نے

عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ﴿٢٨﴾ وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۫ وقف

اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اس نے اپنی خواہش کی پیروی کی اور اس کا معاملہ حد سے بڑھ گیا ○ اور آپ کہیئے حق تمہارے رب کی طرف سے ہے

فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْیَكْفُرْ ۙ اِنَّاۤ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِیْنَ

سو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے ، بے شک ہم نے ظالموں کے لیے ایسی دوزخ تیار

نَارًا ۙ اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ؕ وَاِنْ یَّسْتَغِیْثُوْا یُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ

کی ہے جس کے شعلوں کی چار دیواری ان کا احاطہ کرے گی ، اگر وہ فریاد کریں گے تو ان کی فریاد اس پانی سے پوری ہو گی جو پگھلے ہوئے تانبے

يَشْوِي الْوُجُوهَ بِئْسَ الشَّرَابُ وَسَاءَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۲۹﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا

کی طرح ہوگا جو ان کے چہروں کو جلادے گا وہ کیسا بُرا مشروب ہے! اور وہ دوزخ کیسی بُری آرام کی جگہ ہے o بے شک جو لوگ ایمان لائے

وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ مَنْ أَحْسَنَ عَمَلًا ﴿۳۰﴾ أُولَٰئِكَ لَهُمْ

اور انہوں نے نیک کام کیے، یقیناً ہم ان لوگوں کا اجر ضائع نہیں کرتے جنہوں نے نیک کام کیے ہوں o ان کے لیے

جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ

دائمی جنتیں ہیں جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں، انہیں وہاں سونے کے کنگن پہنائے جائیں

مِنْ ذَهَبٍ وَيَلْبَسُونَ ثِيَابًا خُضْرًا مِنْ سُنْدُسٍ وَإِسْتَبْرَقٍ مُتَّكِئِينَ

گے، وہ وہاں ریشم کے ہلکے اور دبیز سبز کپڑے پہنیں گے اور وہ وہاں مسندوں پر

فِيهَا عَلَى الْأَرَائِكِ ۚ نِعْمَ الثَّوَابُ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۳۱﴾

تکیے لگائے ہوئے ہوں گے، کیسا اچھا اجر ہے اور وہ جنت کیسی اچھی آرام کی جگہ ہے o

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ کسی کام کے متعلق یہ ہرگز نہ کہیں کہ میں کل یہ کام کرنے والا ہوں o مگر یہ کہ اللہ چاہے' اور جب بھی آپ بھول جائیں تو اپنے رب کو یاد کرلیں اور آپ کہیے کہ عنقریب میرا رب مجھے اس سے زیادہ ہدایت کے قریب راستہ دکھائے گا۔ (الکھف: ۲۴-۲۳)

اِن شاء اللہ کہنے کے ترک کی ممانعت

ابو صالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ان آیتوں کے نزول کا سبب یہ ہے کہ قریش نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روح اور اصحابِ کہف کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے اس اعتماد سے کہ آپ پر آج وحی نازل ہو جائے گی' فرمایا: میں تمہیں کل بتا دوں گا اور آپ ان شاء اللہ کہنا بھول گئے۔ پس حضرت جبرائیل نے پندرہ دن تاخیر کر دی کیونکہ آپ نے ان شاء اللہ نہیں فرمایا تھا' اور اس کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ یوں ہرگز نہ کہیں کہ میں کل فلاں کام کروں گا بلکہ یوں کہیں کہ ان شاء اللہ میں کل فلاں کام کروں گا۔

مفسرین نے ان آیتوں کے تین معانی ذکر کیے ہیں:

(۱) جب آپ ان شاء اللہ کہنا بھول جائیں پھر آپ کو بعد میں یاد آئے تو آپ ان شاء اللہ کہہ لیں' یہ جمہور کا قول ہے۔

(۲) اذا نسیت کا معنی ہے' اذا غضبت یعنی جب آپ غضب ناک ہوں تو ان شاء اللہ کہیں کیونکہ غضب کی وجہ سے نسیان ہوتا ہے۔ یہ عکرمہ اور ماوردی کا قول ہے۔

(۳) جب آپ کسی چیز کو بھول جائیں تو اللہ تعالیٰ کو یاد کریں تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کو وہ چیز یاد دلا دے۔

(زاد المسیر ج ۵ ص ۱۲۸-۱۲۷' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۰۸ھ)

ان شاء اللہ کہنے کے فقہی مسائل

ان شاء اللہ کہنے کا فائدہ یہ ہے کہ انسان کسی کام کا وعدہ کرے اور پھر وہ کام نہ کر سکے تو اس کی وعدہ خلافی نہیں جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا:

سَتَجِدُنِیۡۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا (الکہف: ۷۰) اگر اللہ نے چاہا تو عنقریب آپ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام' حضرت خضر علیہ السلام کے بہ ظاہر غیر شرعی کاموں پر اعتراض کرنے سے صبر نہیں کر سکے تھے لیکن چونکہ انہوں نے ان شاء اللہ کہا تھا اس لیے ان کے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں ہوئی۔

امام مالک اور امام احمد کا یہ مذہب ہے کہ جب کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا ان شاء اللہ تم کو طلاق ہے تو یہ طلاق واقع ہو جائے گی' اور امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کا یہ مذہب ہے کہ یہ طلاق نہیں ہوگی' اور اگر کسی شخص نے قسم کے ساتھ ان شاء اللہ کہا تو اس میں اتفاق ہے کہ وہ قسم منعقد نہیں ہوگی۔

ان شاء اللہ کہنے کے وقت میں تین اقوال ہیں:

(۱) ائمہ اربعہ اور اکثر فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ اگر کلام کے ساتھ متصل ان شاء اللہ کہا جائے تو استثناء درست ہوگا ورنہ نہیں۔ مثلاً اس نے قسم کے ساتھ متصل ان شاء اللہ کہا تو قسم منعقد نہیں ہوگی اور کچھ دیر بعد ان شاء اللہ کہا تو قسم منعقد ہو جائے گی۔

(۲) جب تک وہ مجلس میں موجود ہے اس کا ان شاء اللہ کہنا معتبر ہوگا اور مجلس کے بعد معتبر نہیں ہوگا' یہ حسن اور طاؤس کا قول ہے اور امام احمد سے بھی ایک روایت ہے۔

(۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' مجاہد اور سعید بن جبیر نے یہ کہا کہ اگر اس نے ایک سال بعد بھی ان شاء اللہ کہا تو معتبر ہوگا۔

(ایک مرتبہ منصور کو یہ بات پہنچی کہ امام ابوحنیفہ نے حضرت ابن عباس کے مذہب کی مخالفت کی ہے۔ اس نے امام ابوحنیفہ کو بلا کر باز پرس کی اور کہا تم ہمارے دادا کے مذہب کی مخالفت کرتے ہو! امام اعظم نے فرمایا امیر المومنین! حضرت ابن عباس کا مذہب تو آپ کے لیے نقصان دہ ہے۔ منصور نے پوچھا وہ کیسے؟ امام اعظم نے فرمایا ایک شخص دربار میں آ کر آپ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کرے گا اور باہر آ کر کہہ دے گا ان شاء اللہ تو پھر یہ بیعت لازم نہیں ہوگی۔ منصور یہ جواب سن کر بہت متاثر ہوا اور امام اعظم کی تحسین کی۔ (تفسیر کبیر ج ۷ ص ۴۵۲' زاد المسیر ج ۵ ص ۱۲۹-۱۲۸' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو علوم الغیب عطا فرمانا

علامہ علی بن احمد الواحدی المتوفی ۴۶۸ھ لکھتے ہیں:

جب کفارِ مکہ نے بہ طور عناد نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اصحاب کہف کے قصہ کے متعلق سوال کیا تو یہ آیت نازل ہوئی: آپ کہیے کہ عنقریب میرا رب مجھے اس سے زیادہ ہدایت کے قریب راستہ دکھائے گا یعنی آپ کی نبوت پر اور بہت دلائل نازل فرمائے گا' جو بہت زیادہ واضح ہوں گے اور ہدایت کے حصول کے زیادہ قریب ہوں گے' اور اللہ تعالیٰ نے ایسا کر دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مرسلین کے احوال کے بہت علوم الغیب عطا فرمائے۔

(الوسیط ج ۳ ص ۱۴۳' معالم التنزیل ج ۳ ص ۱۳۱' زاد المسیر ج ۵ ص ۱۲۹)

ان شاء اللہ کہنے کو بھولنے کی حکمتیں

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا میں تمہیں کل اس کی خبر دے دوں گا اور آپ ان شاء اللہ کہنا بھول گئے تھے۔آپ کے بھول جانے میں اُمت کے لیے رحمت ہے' پہلی رحمت تو یہ ہے کہ آپ کے بھول جانے کی وجہ سے یہ آیتیں نازل ہوئیں' اور یہ بات ازل میں مقرر تھی کہ آپ بھولیں گے اور یہ آیات نازل ہوں گی۔ دوسری رحمت یہ ہے کہ اس سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص ان شاء اللہ کہنا بھول جائے تو وہ اس کا کس طرح تدارک کرے' اور تیسری رحمت یہ ہے کہ یہ واقعہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ نبوت کی صحت کی دلیل بن گیا کیونکہ کفار یہ کہتے تھے کہ یہ قرآن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصنیف ہے اور یہ آپ کا اپنا بنایا ہوا کلام ہے' جس کو آپ نے اللہ کی طرف منسوب کر دیا ہے' اور اس واقعہ سے یہ ظاہر ہو گیا کہ اس طرح نہیں ہے کیونکہ اگر یہ قرآن آپ کا اپنا بنایا ہوا کلام ہوتا تو جب آپ نے فرمایا تھا میں کل اس کی خبر دوں گا تو آپ آنے والی کل بتا دیتے کہ ان کا کیا قصہ ہے اور جب آپ پر اس دن وحی نازل نہیں ہوئی بلکہ مسلسل پندرہ دن تک وحی نازل نہیں ہوئی تو معلوم ہو گیا کہ یہ آپ کا کلام نہیں ہے اور نہ اس کا نزول آپ کے اختیار میں ہے بلکہ یہ اللہ کا کلام ہے' وہ جب چاہتا ہے اس کلام کو نازل فرماتا ہے' اور چونکہ آپ ان شاء اللہ کہنا بھول گئے تھے اس لیے اس دن وحی نازل نہیں ہوئی جس دن کا آپ نے وعدہ فرمایا تھا' اور یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ وحی کا نزول آپ کے اختیار میں نہیں ہے اور نہ یہ قرآن آپ کا کلام ہے بلکہ یہ اللہ کی نازل کی ہوئی وحی ہے اور آپ پر وحی کا نزول ہی آپ کی نبوت اور رسالت کی دلیل ہے۔

نسیان کا لغوی اور اصطلاحی معنی

جو چیز انسان کی قوت حافظہ میں ہو اور اس کی طرف سے توجہ ہٹ جائے تو اس کو سہو اور ذھول کہتے ہیں اور جب وہ چیز حافظہ سے نکل جائے تو اس کو نسیان کہتے ہیں۔ اور نسیان کے لغوی معنی ہیں کسی چیز کا یاد نہ رہنا اور اس کو بھول جانا۔

علامہ شہاب الدین احمد خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ لکھتے ہیں:

قاضی عیاض نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں سہو ہوتا تھا' نسیان نہیں ہوتا تھا۔ (الشفاء ج ۲ ص ۱۲۳ بیروت)

اس کی وجہ یہ ہے کہ سہو اور نسیان میں فرق ہے۔ حافظ العلائی نے کہا ہے کہ نسیان غفلت اور آفت ہے اور سہو کسی چیز میں دل کے مشغول ہونے سے ہوتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں سہو تو ہوتا تھا لیکن آپ نماز سے غافل نہیں ہوتے تھے۔ اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے آپ نے فرمایا: میں تمہاری مثل بشر ہوں جس طرح تم بھولتے ہو اسی طرح میں بھولتا ہوں' اور ائمہ لغت نے ان دونوں کو مساوی قرار دیا ہے کیونکہ دونوں کی تفسیر یہ کی ہے: غفلت' دل سے کسی چیز کا نکل جانا۔ علامہ راغب نے کہا ہے غفلت سے کسی چیز میں خطا کرنا سہو ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں ایک قسم وہ ہے جس میں انسان کی تقصیر نہیں ہوتی' یہ وہ ہے جس کا سبب اس سے صادر نہ ہو' اور دوسری قسم وہ ہے جس میں اس نے سبب صادر کیا ہو۔ مثلاً اس نے کوئی نشہ آور چیز قصداً استعمال کی جس کی وجہ سے غافل ہوا' غفلت کی یہ قسم مذموم ہے۔ تہذیب' صحاح اور محکم میں اسی طرح مذکور ہے' اور النہایہ میں مذکور ہے بغیر علم کے کسی چیز کو ترک کر دینا سہو ہے' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سہو علم کے باوجود کسی چیز کو ترک کرنا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو نماز میں سہو ہوا وہ اسی قسم کا ہے' اور میں یہ کہتا ہوں کہ سہو اور نسیان میں بلاشبہ فرق ہے جو چیز قوت حافظہ میں ہو' اس سے معمولی غفلت سہو ہے حتیٰ کہ ادنیٰ تنبیہ سے انسان اس چیز پر متنبہ ہو جائے اور نسیان یہ ہے کہ وہ چیز قوت حافظہ سے بالکلیہ زائل ہو جائے۔ (نسیم الریاض ج ۳ ص ۱۶۱' مطبوعہ دار الفکر بیروت)

تحقیق یہ ہے کہ انسان کو جس چیز کا علم ہوتا ہے اس چیز کی صورت اس کی قوت مدرکہ میں بھی ہوتی ہے اور قوتِ حافظہ میں بھی ہوتی ہے۔ جب آدمی کسی چیز میں بہت مشغول ہو تو اس چیز کی صورت اس کی قوت مدرکہ سے نکل جاتی ہے لیکن قوتِ حافظہ میں باقی رہتی ہے اس کو سہو کہتے ہیں' اور کسی کے یاد دلانے سے یا لقمہ دینے سے اس کو وہ چیز یاد آ جاتی ہے' اور کسی بیماری' یا آفت کی وجہ سے اس چیز کی صورت اس کی قوت مدرکہ کے علاوہ حافظہ سے بھی نکل جاتی ہے اور یاد دلانے سے بھی یاد نہیں آتی اور اس کو دوبارہ یاد کرنا پڑتا ہے' اس کو نسیان کہتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سہو ہو جاتا تھا لیکن آپ کو نسیان نہیں ہوتا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسیان کی نسبت کی تحقیق

امام مالک نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک میں بھول جاتا ہوں یا بھلا دیا جاتا ہوں تا کہ میرا فعل سنت بنایا جائے۔ (مؤطا امام مالک رقم الحدیث: ٢٢٨' کتاب السہو: ٢' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ١٤٢٠ھ)

اسی طرح جب آپ کو نماز میں سہو ہوا تو آپ نے فرمایا: میں محض بشر ہوں (یعنی خدا نہیں ہوں) میں اس طرح بھولتا ہوں جس طرح تم بھولتے ہو پس جب میں بھول جاؤں تو تم مجھے یاد دلا دیا کرو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٤٠١' صحیح مسلم رقم الحدیث: ٥٧٢' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ١٠٢٠' سنن النسائی رقم الحدیث: ١٢٤٢' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ١٢١١)

ہم نے اوپر یہ لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نسیان نہیں ہوتا تھا اور ان حدیثوں میں آپ کی طرف نسیان کی نسبت کی گئی ہے اسی طرح اس آیت میں ہے: واذکر ربک اذا نسیت۔ (الکھف: ٢٤) اور اپنے رب کو یاد کیجئے جب آپ بھول جائیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان حدیثوں میں نسیان مجازاً سہو کے معنی میں ہے' اور اس پر قرینہ یہ ہے کہ آپ نے اسی موقع پر یہ فرمایا تھا جب آپ کو نماز میں سہو ہو گیا تھا اور آپ نے ظہر یا عصر کی نماز کی پانچ رکعات پڑھ لیں تھیں' اور اس آیت میں بھی نسیان' سہو کے معنی میں ہے کیونکہ آپ کی توجہ ان شاء اللہ کہنے کی طرف نہیں ہوئی تھی' یہ بات نہیں تھی کہ ان شاء اللہ کہنا آپ کی قوتِ حافظہ سے بالکل نکل گیا تھا اور آپ کو از سرِ نو اس کو یاد کرنے کی ضرورت تھی۔

لیلۃ التعریس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال کو صبح کی نماز کے وقت اُٹھانے پر مامور کیا تھا لیکن کسی کی آنکھ نہیں کھلی حتیٰ کہ سورج نکل آیا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ٦٨٠' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ٤٣٥' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٦٩٧' مؤطا امام مالک رقم الحدیث: ٢٦-٢٥)

حافظ ابو عمرو ابن عبد البر متوفی ٤٦٣ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض اوقات ایسی نیند آتی تھی جو آدمیوں کی نیند کے مشابہ ہوتی تھی اور ایسا کبھی کبھی ہوتا تھا اور اللہ تعالیٰ آپ میں ایسی نیند پیدا کرتا تھا تا کہ آپ کے بعد آپ کی اُمت میں نمونہ باقی رہے۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک میں بھول جاتا ہوں یا بھلا دیا جاتا ہوں تا کہ میرا فعل سنت بنایا جائے۔ اور العلاء بن خباب کی روایت میں ہے: اگر اللہ چاہتا تو ہمیں بیدار کر دیتا لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ کیا کہ یہ تمہارے بعد سنت ہو جائے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت' آپ کی جبلت اور آپ کی عادت معروفہ اور اسی طرح انبیاء سابقین کی عادت معروفہ وہ ہے جس کو آپ نے خود بیان فرمایا ہے: میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ١١٤٧' صحیح مسلم رقم الحدیث: ٧٣٨' سنن الترمذی رقم الحدیث: ٤٣٩' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ١٣٤١' سنن النسائی رقم الحدیث: ١٦٩٧)

ایک اور حدیث میں آپ نے فرمایا: ہم معاشر الانبیاء ہماری آنکھیں سوتی ہیں اور ہمارا دل نہیں سوتا۔
ان حدیثوں میں آپ نے اپنی نیند کی اس کیفیت کو وقت کی کسی قید کے بغیر بیان فرمایا ہے' اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا: صف میں ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کھڑے ہوا کرو' بے شک میں تم کو اپنے پیچھے بھی دیکھتا ہوں۔ سو یہ آپ کی جبلت' خلقت اور عادت ہے اور سفر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز کے وقت سوئے ہوئے رہنا یہ آپ کی عادت کے خلاف تھا تا کہ آپ کی اُمت کے لیے نمونہ قائم ہو' تا کہ مسلمانوں کو یہ معلوم ہو کہ جب نیند کی وجہ سے نماز کا وقت نکل جائے تو ان کو کیا کرنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس نیند کو اُمت کی تعلیم اور ان کی بصیرت کا ذریعہ بنا دیا۔

(التمہید ج ۳ ص ۱۷۶-۱۷۵' مطبوعہ دار الکتب بیروت' ۱۴۱۹ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا: میں بھولتا ہوں یا بھلا دیا جاتا ہوں تا کہ میرا فعل سنت بنا دیا جائے۔

(مؤطا رقم الحدیث: ۲۲۸)

علامہ ابن عبد البر اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: یا میں بھلا دیا جاتا ہوں' یہ محدث کا شک ہے۔ اس حدیث کا معنی ہے تا کہ میری اُمت کے لیے اس فعل کو سنت بنا دیا جائے تا کہ جب ان کو سہو لاحق ہو تو وہ کس طرح عمل کریں اور میری اقتداء کریں۔ (الاستذکار ج ۴ ص ۴۰۳-۴۰۲' مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت' ۱۴۱۳ھ)

علامہ ابو الولید سلیمان بن خلف الباجی المالکی المتوفی ۴۹۴ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں جو فرمایا ہے یا میں بھلا دیا جاتا ہوں۔ یہ شک کے لیے نہیں ہے۔ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ میں خود بھولتا ہوں یا اللہ تعالیٰ مجھے بھلا دیتا ہے' حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ جب آپ خود بھولیں تب بھی آپ کو اللہ تعالیٰ ہی بھلاتا ہے' اس لیے یہ حدیث دو معنوں کا احتمال رکھتی ہے۔

(۱) آپ کا بھولنا بیداری میں ہوگا یا نیند میں۔ بیداری میں بھولنے کی نسبت آپ نے اپنی طرف فرمائی کیونکہ بیداری میں بھول سے احتراز کے بہت مواقع ہیں' اور نیند میں بھولنے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف فرمائی کیونکہ نیند میں بھول سے احتراز کے مواقع نہیں ہیں۔

(۲) کبھی کسی امر اور حکم سے میری توجہ ہٹ جاتی ہے تو مجھے سہو اور ذھول ہو جاتا ہے' اور کبھی مجھے وہ حکم یاد ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ اپنی کسی حکمت کو پورا کرنے کے لیے میری توجہ اس طرف سے ہٹا دیتا ہے۔ تا کہ میں تمہارے سہو اور نسیان کی صورت میں تمہارے لیے یہ نمونہ قائم کروں کہ ایسی صورت میں تمہیں کیا کرنا چاہیے۔

(المنتقیٰ ج ۱ ص ۱۸۲' مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

قاضی ابو بکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی مالکی اندلسی المتوفی ۵۴۳ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو نمازوں میں سہو ہوا ہے' وہ اس غفلت کی مثل ہے جو آپ کو نیند میں ہوتی ہے' اور یہ کسی آفت کی وجہ سے آپ پر نسیان نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ آپ کی توجہ افعالِ نماز سے ہٹا دیتا ہے تا کہ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ احکامِ شریعہ بیان فرمائے' اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو آپ یہ احکام زبانی بیان فرما دیتے' لیکن کوئی کام کر کے دکھانا زبانی بیان کرنے سے زیادہ قوی ہے اور اس میں لوگوں کی زیادہ تسلی ہے۔ (القبس فی شرح مؤطا ابن انس' ج ۱ ص ۲۴۱' مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ محمد بن عبد الباقی الزرقانی المتوفی ۱۱۲۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں بھولتا ہوں تو اس کا محمل یہ ہے کہ بھولنے کی صفت آپ کے ساتھ قائم ہے' اور

جب آپ نے فرمایا مجھے بھلا دیا جاتا ہے تو اس کا معنی یہ ہے کہ بھولنا آپ کی طبیعت کا تقاضا نہیں ہے اور نہ یہ آپ کی ایجاد سے ہے' اس کا موجد صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ (شرح الزرقانی للمؤطا' ج ۱ ص ۳۱۵' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ اپنے غار میں تین سو سال ٹھہرے تھے اور انہوں نے اس پر نو سال زیادہ کیے○ آپ کہیے کہ اللہ ہی زیادہ جاننے والا ہے وہ کتنا عرصہ ٹھہرے تھے' آسمانوں اور زمینوں کے غیب اسی کے پاس ہیں' وہ کتنا زیادہ دیکھنے والا اور کتنا زیادہ سننے والا ہے' اس کے سوا ان کا کوئی کارساز نہیں ہے اور وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا○ (الکھف: ۲۶-۲۵)

غار میں اصحابِ کہف کے قیام کی مدت

اصحابِ کہف کے قصہ کے سلسلہ میں یہ آخری دو آیتیں ہیں:

اور وہ اپنے غار میں تین سو سال ٹھہرے تھے اور انہوں نے اس پر نو سال زیادہ کیے۔ اس کی تفسیر میں دو قول ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس اور قتادہ نے یہ کہا کہ یہ ان کے غار میں قیام کی مدت کا' اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیان نہیں ہے' بلکہ اس کا تعلق پچھلی آیت سے ہے۔ یعنی عنقریب لوگ یہ کہیں گے کہ اصحاب کہف تین تھے اور چوتھا ان کا کتا تھا۔ (الکھف: ۲۳) اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اس کے بعد دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اللہ ہی زیادہ جاننے والا ہے' وہ کتنا عرصہ ٹھہرے تھے۔ پس واضح ہو گیا کہ یہ لوگوں کا بیان ہے کہ اصحاب کہف تین سو نو سال غار میں ٹھہرے تھے اور واقع میں اصحاب کہف کتنی مدت غار میں ٹھہرے تھے' اس کا اللہ کے سوا کسی کو علم نہیں۔

(۲) عبید بن عمیر' مجاہد' ضحاک' ابن زید وغیرہم نے یہ کہا ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے غار میں ٹھہرنے کی مدت بیان فرمائی ہے اور وہ تین سو سال ہے' پھر انہوں نے اس پر نو سال زیادہ کیے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ شمسی تقویم کے اعتبار سے ان کے قیام کی مدت تین سو سال ہے اور قمری تقویم کے اعتبار سے ان کے غار میں قیام کی مدت تین سو نو سال ہے۔ اور اس آیت سے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو ان کے غار میں قیام کی مدت سے مطلع فرمایا ہے۔

اس کے بعد فرمایا: آپ کہیے کہ اللہ ہی زیادہ جاننے والا ہے وہ کتنا عرصہ ٹھہرے تھے۔ الماوردی نے بیان کیا ہے کہ اہل کتاب نے کہا کہ اصحابِ کہف کے غار میں داخل ہونے سے لے کر اب تک کی مدت تین سو نو سال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا کہ اس مدت کو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ (زاد المسیر ج ۵ ص ۱۳۰' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس کے سوا ان کا کوئی ولی اور کارساز نہیں ہے' اس کا معنی یہ ہے کہ اصحابِ کہف کا اللہ کے سوا کوئی ولی نہیں تھا جو اتنی طویل مدت تک نیند میں ان کی حفاظت کرتا اور ان کے جسموں کو سڑنے اور گلنے سے محفوظ رکھتا۔ اس آیت کا دوسرا محمل یہ ہے کہ جو لوگ اٹکل پچو سے اصحابِ کہف کی مدتِ قیام بتا رہے ہیں' ان کو اپنے اجسام کی حفاظت کا علم ہے نہ اصحاب کہف کے اجسام کی حفاظت کی تدبیر کا علم ہے' اور جب ان کو یہ علم نہیں ہے تو ان کی مدتِ قیام کا علم کیسے ہو سکتا ہے۔

نیز فرمایا اور وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا' کیونکہ جب دو آدمی کسی میں شریک ہوں تو ہر ایک کو دوسرے پر اعتراض کرنے کا حق ہوتا ہے اور ہر ایک اپنی مرضی کے موافق اس کام کو بنانا چاہتا ہے اور ان میں اختلافِ رائے ناگزیر ہے اور جس کی رائے غالب ہوگی وہی خدا ہوگا دوسرا خدا نہیں ہوگا۔

آیا اصحابِ کہف اب زندہ ہیں یا نہیں؟

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

اس میں اختلاف ہے کہ اصحابِ کہف اب مر کر فنا ہو چکے ہیں یا وہ سوئے ہیں اور ان کے جسم محفوظ ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ کسی غزوہ میں شام میں گئے اور وہاں لوگوں کے ساتھ پہاڑ کے اندر اس غار میں گئے' انہوں نے دیکھا وہاں غار کے اندر ہڈیاں رکھی ہوئی تھیں۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو مدتِ طویلہ سے فنا ہو چکے ہیں۔ راہب نے سن کر کہا مجھے نہیں معلوم تھا کہ عرب میں سے بھی کوئی ان کو پہچانتا ہوگا' اس کو لوگوں نے بتایا کہ یہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عم زاد ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۰ ص ۳۴۸' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ اس وحی کی تلاوت کیجئے جو آپ کے رب کی کتاب سے آپ کی طرف نازل کی گئی ہے' اس کے کلمات کو کوئی تبدیل کرنے والا نہیں ہے اور آپ اس کے سوا ہرگز کوئی پناہ کی جگہ نہیں پائیں گے O (الکھف: ۲۷)

سنت اور قیاس پر عمل کرنے کا جواز

یعنی آپ اپنے اوپر قرآن مجید کی تلاوت کو لازم کر لیجئے اور اس کے احکام پر عمل کیجئے' اس کے کلمات میں کوئی تغیر اور تبدل نہیں ہو سکتا۔ اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جب قرآن مجید کے احکام پر عمل کرنا لازم ہے تو سنت اور قیاس پر عمل کرنے کی گنجائش نہ رہی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ سنت پر عمل کرنا قرآن مجید پر عمل کے منافی اور خلاف نہیں ہے' کیونکہ قرآن مجید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور آپ کی اتباع کا بھی حکم دیا گیا ہے' اور قیاس سے کوئی نیا حکم ثابت نہیں ہوتا بلکہ قرآن اور سنت ہی کا حکم ظاہر ہوتا ہے۔

ملتحد کے معنی ملجاء ہے۔ یعنی پناہ لینے کی جگہ۔ یہ لفظ لحد اور الحاد سے بنا ہے' اس کا معنی ہے مائل ہونا۔ آدمی جس جگہ پناہ لیتا ہے اس جگہ کی طرف میلان کرتا ہے' اور ملحد کا معنی ہے دین حق سے کسی اور طرف مائل ہونے والا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ لازم رکھیں جو صبح اور شام اپنے رب کی رضا چاہتے ہوئے اس کی عبادت کرتے ہیں' اور اپنی آنکھیں ان سے نہ ہٹائیں کہ آپ دنیاوی زندگی کی زینت کا ارادہ کرتے ہوں' اور آپ اس شخص کا کہنا نہ مانیں جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے' اس نے اپنی خواہش کی پیروی کی اور اس کا معاملہ حد سے بڑھ گیاO (الکھف: ۲۸)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فقراء مسلمین کی مجلس میں بیٹھنے کا حکم

عبدالرحمٰن بن سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی اس وقت آپ اپنے کسی گھر میں تھے۔ آپ باہر نکلے تو آپ نے دیکھا کہ کچھ لوگ بیٹھے ہوئے اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہے ہیں' ان کے بال بکھرے ہوئے تھے اور انہوں نے معمولی کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ آپ نے جب ان کو دیکھا تو آپ ان کے پاس بیٹھ گئے اور کہا اللہ کا شکر ہے کہ اس نے میری اُمت میں ایسے لوگ رکھے ہیں جن کے متعلق مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں اپنے آپ کو ان کے ساتھ لازم رکھوں۔ نیز فرمایا کہ آپ دنیاوی زندگی کا ارادہ کرتے ہوں' یعنی اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے آپ ان عبادت گزار مومنوں سے نظر ہٹا کر مالدار مشرکین کی طرف نہ دیکھیں کہ آپ ان کی مجالس میں بیٹھنا چاہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مشرکین میں سے بڑے بڑے مالدار لوگ آئے' انہوں نے آپ کے پاس حضرت خباب' حضرت صہیب اور حضرت بلال رضی اللہ عنہم کو بیٹھے ہوئے دیکھا تو انہوں نے کہا کہ جب وہ آپ کے پاس آئیں تو آپ ان لوگوں کو اُٹھا دیا کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ چاہتے تھے کہ یہ بڑے لوگ ایمان لے آئیں پھر ان کی

اتباع میں ان کے ماتحت لوگ بھی ایمان لے آئیں گے۔ اس لیے قریب تھا کہ آپ حضرت بلال وغیرہ کو ان کے آنے پر اپنی مجلس سے اُٹھا دیتے تو یہ آیت نازل ہوئی:

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ؕ (الانعام: ۵۲)

اور ان (مسکین مسلمانوں) کو دور نہ کیجئے جو صبح و شام اپنے رب کی عبادت کرتے رہتے ہیں درآں حالیکہ وہ اسی کی رضا جوئی چاہتے ہیں۔

پھر جب آپ اُٹھنے کا ارادہ کرتے تو آپ اُٹھ جاتے اور وہ مسکین مسلمان بیٹھے ہوئے ہوتے تھے تب یہ آیت نازل ہوئی: اور آپ اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ لازم رکھیں جو صبح و شام اپنے رب کی رضا چاہتے ہوئے اس کی عبادت کرتے ہیں اور اپنی آنکھیں ان سے نہ ہٹائیں کہ آپ دنیاوی زندگی کی زینت کا ارادہ کرتے ہوں۔ (الکھف ۲۸) دنیاوی زندگی کی زینت سے مراد ہے ان امیروں اور چودھریوں کی مجلس۔ باقی تفسیر سورۃ الانعام میں گزر چکی ہے۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۷۳۴۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مؤلفۃ القلوب آئے عیینہ بن حصن اور الاقرع بن حابس وغیرہ۔ انہوں نے کہا اے اللہ کے نبی! اگر آپ مسجد میں صدر نشین ہوں اور ان بدبوؤں کو ہم سے دُور کر دیں یعنی حضرت سلمان حضرت ابوذر اور دیگر فقراء مسلمین کو کیونکہ وہ اون کے موٹے کرتے پہنتے تھے جن کپڑوں سے ان کو بدبو آتی تھی۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل کیں حتیٰ کہ یہ آیت انا اعتدنا للظلمین نارا بے شک ہم نے ظالموں کے لیے آگ تیار کر رکھی ہے۔ ان متکبروں کو اللہ تعالیٰ نے دوزخ کی آگ سے ڈرایا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان مسکینوں کو ڈھونڈنے کے لیے نکلے وہ مسجد کی پچھلی صفوں میں بیٹھے ہوئے اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہے تھے۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے میری وفات سے پہلے مجھے یہ حکم دیا کہ میں اپنی اُمت کے ان لوگوں کے ساتھ رہوں تمہارے ساتھ ہی میری زندگی ہے اور تمہارے ساتھ ہی میری موت ہے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۷۳۵۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

فقراء اور مساکین کی فضیلت میں احادیث

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم مجھ سے ملنا چاہتی ہو تو تمہارے پاس اتنا مال ہونا چاہیے جتنا کسی سوار کا سفر خرچ ہو اور تم اپنے آپ کو امیروں کی مجلس سے دُور رکھنا اور پیوند لگانے سے پہلے کسی کپڑے کو پرانا نہ کرنا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۷۸۰ المستدرک ج ۴ ص ۳۱۲ شرح السنۃ رقم الحدیث: ۳۱۱۵)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو اس کی صورت میں اور رزق میں فضیلت دی گئی ہو اسے ایسے شخص کی طرف دیکھنا چاہیے جو اس کی بہ نسبت کم تر ہو یہ اس کے زیادہ لائق ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو کم تر نہیں جانے گا۔ عون بن عبد اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں امیروں کی مجلس میں رہا تو مجھے یہی غم رہتا تھا کہ فلاں کی سواری میری سواری سے اچھی ہے اور فلاں کے کپڑے میرے کپڑوں سے اچھے ہیں اور جب میں فقراء کی مجلس میں آیا تو میں پُرسکون ہو گیا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۷۸۰)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہر چیز کی ایک چابی ہوتی ہے اور جنت کی چابی مساکین اور فقراء کی محبت ہے۔ الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث: ۴۹۹۳ حافظ سیوطی نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۷۳۲۲)

عبد الرحمٰن حبلی بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص سے سوال کیا کیا میں فقراء مہاجرین

میں سے نہیں ہوں؟ حضرت عبداللہ نے اس سے پوچھا کیا تمہاری بیوی ہے جس کے پاس تم رہتے ہو؟ اس نے کہا ہاں' پھر پوچھا کیا تمہارے پاس رہنے کے لیے مکان ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ کہا پھر تم اغنیاء میں سے ہو۔ اس نے کہا میرا ایک خادم بھی ہے۔ کہا پھر تم بادشاہوں میں سے ہو۔ حضرت عبداللہ بن عمرو کے پاس تین شخص آئے اور انہوں نے کہا اے ابو محمد! بے شک ہم کسی چیز پر قادر نہیں ہیں نہ ہمارے پاس کھانے کا خرچ ہے' نہ سواری ہے نہ سامان ہے۔ حضرت ابن عمرو نے کہا جو تم چاہو اگر تم چاہو تو ہمارے پاس لوٹ آنا ہم تمہیں وہ چیز دیں گے جس سے اللہ تمہارے لیے آسانی کر دے گا' اور اگر تم چاہو تو ہم سلطان کے پاس تمہارا ذکر کریں اور اگر تم چاہو تو صبر کرو۔ کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے دن فقراء مہاجرین اغنیاء سے چالیس سال پہلے جنت میں جائیں گے تو انہوں نے کہا ہم صبر کریں گے اور کسی سے کسی چیز کا سوال نہیں کریں گے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۷۹' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۷۷)

ابو سلام الاسود بیان کرتے ہیں کہ میں نے عمر بن عبدالعزیز سے کہا میں نے حضرت ثوبان رضی اللہ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرا حوض عدن سے لے کر عمان بلقاء تک ہے' اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہے اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے اور اس کے برتن ستاروں کی تعداد کے برابر ہیں' جس نے اس حوض سے ایک گھونٹ بھی پی لیا وہ کبھی پیاسا نہیں ہوگا۔ اس حوض پر لوگوں میں سب سے پہلے فقراء مہاجرین آئیں گے جن کے سر کے بال غبار آلود ہوں گے اور ان کے کپڑے میلے ہوں گے۔ انہوں نے خوشحال عورتوں سے شادی نہیں کی ہوگی اور ان کے لیے بند دروازے نہیں کھولے گئے ہوں گے۔ عمر بن عبدالعزیز نے کہا لیکن میں نے تو خوشحال عورت فاطمہ بنت عبدالملک سے شادی کی ہے اور میرے لیے بند دروازے کھولے گئے ہیں۔ میں اب اس وقت تک سر نہیں دھوؤں گا جب تک کہ میرے بال غبار آلود نہ ہو جائیں اور جب تک کپڑے میلے نہ ہوں ان کو نہیں دھوؤں گا۔ (المستدرک ج ۴ ص ۱۸۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۴۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۰۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فقراء مسلمین اغنیاء سے نصف یوم پہلے جنت میں داخل ہوں گے اور نصف یوم پانچ سو سال کا ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۵۳' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۷۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۲۲' مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۶)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! مجھے بہ طور مسکین زندہ رکھنا اور بہ طور مسکین میری روح قبض کرنا اور مجھے قیامت کے دن مسکینوں کی جماعت میں اُٹھانا۔ حضرت عائشہ نے پوچھا یا رسول اللہ! اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا: مسکین قیامت کے دن اغنیاء سے چالیس سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔ آپ نے فرمایا: اے عائشہ! مسکین کو رد نہ کرنا خواہ کھجور کا ایک ٹکڑا دو۔ اے عائشہ! مسکینوں سے محبت کرو اور ان کو اپنے قریب رکھو تو بے شک اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمہیں اپنے قریب رکھے گا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۵۳)

بعض روایات میں ہے کہ فقراء مسلمین اغنیاء سے چالیس سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے اور بعض روایات میں ہے کہ وہ پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔ بہ ظاہر یہ تعارض ہے' اس کے متعدد جوابات ہیں:

(۱) اس سے مراد مبالغہ ہے یعنی وہ اغنیاء سے بہت پہلے جنت میں داخل ہوں گے' اس مبالغہ کو کہیں چالیس سال سے تعبیر فرمایا اور کہیں اس کو پانچ سو سال سے تعبیر فرمایا۔

(۲) یہ بھی ہوسکتا ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے آپ کو چالیس سال پہلے کی خبر دی اور بعد میں ان کا مرتبہ بڑھا کر پانچ سو سال پہلے دخول کی خبر دی ہو۔

(۳) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ چونکہ فقراء کے درجات اور ان کی صفات مختلف ہیں' اس لیے ان کے اجر بھی مختلف ہوں جو کامل درجہ کا فقیر ہو اور اس کے باوجود بہت زیادہ عبادت گزار ہو' وہ پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل ہو اور عام فقراء چالیس سال پہلے جنت میں داخل ہوں۔

(۴) اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جس کا فقر اختیاری ہو وہ پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل ہو اور جس کا فقر اضطراری ہو وہ چالیس سال پہلے جنت میں داخل ہو۔

حضرت حارثہ بن وہب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: کیا میں تم کو اس شخص کی خبر نہ دوں جو جنت کا اہل ہے؟ ہر وہ شخص جو بہت کمزور ہو اگر وہ قسم کھالے کہ اللہ فلاں کام کرے گا تو اللہ اس کی قسم پوری کر دے گا۔ کیا میں تم کو اس کی خبر نہ دوں جو دوزخ کا اہل ہے؟ ہر وہ شخص جو بدمزاج' سرکش اور متکبر ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۹۱۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۵۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۱۶)

مصعب بن سعد بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ یہ گمان کرتے تھے کہ ان کو دوسروں پر فضیلت ہے' تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صرف کمزور لوگوں کی وجہ سے تمہاری مدد کی جاتی ہے اور تم کو رزق دیا جاتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۹۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۵۹۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۷۰۲' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۱۷۸)

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مجھے ضعفاء اور کمزور لوگوں میں تلاش کرو کیونکہ صرف ضعفاء اور کمزور لوگوں کی وجہ سے تمہاری مدد کی جاتی ہے اور تمہیں رزق دیا جاتا ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۵۹۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۷۰۲)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کی آمدنی کم ہو اور اس کے بال بچے زیادہ ہوں اور وہ اچھی طرح نماز پڑھے اور مسلمانوں کی غیبت نہ کرے' میں اور وہ قیامت کے دن ان دو انگلیوں کی طرح ایک ساتھ ہوں گے۔ (مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۹۹۰' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۲۵۶)

محمود بن لبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو چیزوں کو ابن آدم ناپسند کرتا ہے' موت کو اور موت فتنہ سے بہتر ہے اور مال کی کمی کو ناپسند کرتا ہے اور مال کی کمی کی وجہ سے حساب کم ہوتا ہے۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۴۲۷' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۲۵۷)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ضعفاء مہاجرین کی ایک جماعت میں بیٹھا ہوا تھا اور وہ برہنگی کی وجہ سے ایک دوسرے کا ستر کر رہے تھے اور ان میں سے ایک شخص ہمیں قرآن پڑھ کر سنا رہا تھا' اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور ہمارے درمیان کھڑے ہو گئے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے تو قرآن پڑھنے والا خاموش ہو گیا۔ آپ نے سلام کیا پھر فرمایا: تم لوگ کیا کر رہے تھے؟ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ ہمارا قاری ہے جو ہمارے سامنے قرآن پڑھتا ہے اور ہم اللہ کی کتاب سنتے ہیں' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے میری اُمت میں ایسے لوگ رکھے جن کے ساتھ مجھے بیٹھنے کا حکم دیا' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان بیٹھ گئے تاکہ آپ اپنے نفس کے ساتھ ہمارے درمیان عدل کریں پھر آپ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کر کے فرمایا اس طرح حلقہ بناؤ' سب نے حلقہ بنایا اور آپ کا چہرہ سب کے سامنے ظاہر ہو گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں میرے سوا اور کسی کو نہیں جانتے تھے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے فقراء مہاجرین کی جماعت خوشخبری سنو! قیامت کے دن تم کو مکمل نور

حاصل ہوگا اور تم اغنیاء سے نصف دن پہلے جنت میں داخل ہو گے اور یہ پانچ سو سال ہیں۔
(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۶۶ 'مسند احمد ج ۳ ص ۹۶-۶۳)

اس آیت کی زیادہ تفسیر ہم نے (الانعام: ۵۲) میں کی ہے' اور اس میں ان عنوانوں پر بحث کی ہے: مسکین مسلمانوں کو ان کی مسکینی کی بناء پر مجلس سے اُٹھانے کی ممانعت' صبح و شام اخلاص سے عبادت کرنے کی وضاحت' مسکینوں کا حساب آپ کے ذمہ نہ ہونے کی وضاحت' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو منع کرنا دراصل اُمت کے لیے تعریض ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت پر اعتراض کا جواب۔ ان عنوانات کے لیے تبیان القرآن ج ۳ ص ۴۸۹-۴۸۵ کا مطالعہ کریں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ کہیے کہ حق تمہارے رب کی طرف سے ہے سو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے' بے شک ہم نے ظالموں کے لیے ایسی دوزخ تیار کی ہے جس (کے شعلوں) کی چار دیواری ان کا احاطہ کرے گی اگر وہ فریاد کریں گے تو ان کی فریاد اس پانی سے پوری ہوگی جو پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہوگا' جو ان کے چہروں کو جلا دے گا' وہ کیسا برا مشروب ہے اور وہ دوزخ کیسی بری آرام کی جگہ ہے○ (الکھف: ۲۹)

اغنیاء کے اسلام کی خاطر فقراء کو مجلس سے نہ اُٹھانے کی توجیہ

جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا ان اغنیاء کی طرف التفات نہ کریں جنہوں نے یہ کہا ہے کہ اگر آپ نے ان فقراء کو اپنی مجلس سے اُٹھا دیا تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے' تو اس کے بعد فرمایا: دین حق یہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے پاس آیا ہے' اگر تم نے اس کو قبول کر لیا تو تمہیں اس کا فائدہ ہوگا اور اگر تم نے اس دین کو قبول نہیں کیا تو اس کا نقصان بھی تمہیں ہوگا' اور اس دین کے حق ہونے میں فقر اور غنا' حسن اور قبح اور گمنامی اور شہرت کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم فقراء مسلمین کو اپنی مجلس سے اُٹھا دیتے تو اس سے ان مسلمانوں کی عزت اور وقار میں کمی آتی اور اس کا ضرر کم ہے' اور ان کو نہ اُٹھانے کی وجہ سے وہ اغنیاء اپنے کفر پر قائم رہے اور ایمان نہیں لائے اور ان کے ایمان نہ لانے کا ضرر زیادہ ہے' اور جب کم ضرر اور زیادہ ضرر میں تعارض ہو تو کم ضرر کو اختیار کیا جاتا ہے جبکہ یہاں پر زیادہ ضرر کو اختیار کیا گیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ان کے کہنے پر آپ فقراء مسلمین کو اپنی مجلس سے اُٹھا دیتے تو اس فعل میں صرف فقراء مسلمین کی دل آزاری نہیں تھی بلکہ ان اغنیاء کے تکبر کو بھی قائم رکھنا تھا اور مسلمانوں کی تحقیر کو برقرار رکھنا تھا اور تکبر حرام ہے' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ کسی حرام کام کو برقرار رکھیں یا اس کی حوصلہ افزائی کریں۔ اور اگر وہ بالفرض اس طریقہ سے مسلمان ہو بھی جاتے تو اس سے یہ غلط تاثر پھیلتا کہ اسلام میں فقراء اور مساکین کو حقیر سمجھنا جائز ہے' گویا تکبر کرنا جائز ہے۔

جب انسان کے اختیار اور اس کے اعمال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے تو اس کی جزا اور سزا کی کیا توجیہ ہے؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا سو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔ اس آیت سے یہ واضح ہوا کہ انسان کا ایمان لانا یا اس کا کفر کرنا اس کے قصد اور اختیار سے ہوتا ہے اور وہ ایمان لانے یا کفر کرنے میں مجبور محض نہیں ہے' سو اگر وہ ایمان لانے کا قصد کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل میں ایمان پیدا کر دیتا ہے اور کفر کا قصد کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل میں کفر پیدا کر دیتا ہے۔ اب اگر یہ سوال کیا جائے کہ انسان کے دل میں اس قصد اور اختیار کو کون پیدا کرتا ہے تو یہ بہت مشکل سوال ہے کیونکہ اگر یہ کہا جائے اس کے قصد اور اختیار کو بھی اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے تو یہ جبر محض ہے' اور اگر یہ کہا جائے کہ قصد اور اختیار کو انسان پیدا

کرتا ہے تو یہ معتزلہ کا مذہب ہے جو یہ کہتے ہیں کہ انسان اپنے افعال کا خود خالق ہے۔ نیز یہ ان آیات کے بھی خلاف ہے جن میں یہ تصریح ہے کہ انسان کے اعمال کا اللہ تعالیٰ خالق ہے۔

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ (الصّٰفّٰت: ۹۶) اور اللہ نے تم کو پیدا کیا اور تم جو عمل کرتے ہو اس کو بھی۔

اس اشکال کا جواب متکلمین سے

جمہور متکلمین نے اس سوال کے جواب میں یہ کہا ہے کہ خلق اس چیز کو کہا جاتا ہے جو بالذات موجود ہو اور قصد اور اختیار بالذات موجود ہے نہ بالذات معدوم ہے' اس کو اصطلاح میں حال کہتے ہیں اور حال کو خلق نہیں کیا جاتا بلکہ اس کا احداث ہوتا ہے اور بندہ خالق تو نہیں ہوسکتا لیکن محدث ہوسکتا ہے' اور بعض متکلمین نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ (الرعد: ۱۶) آپ کہیے کہ اللہ ہر چیز کا خالق ہے۔

یہ آیت عام مخصوص عنہ البعض ہے یعنی اللہ تعالیٰ قصد اور ارادہ کے سوا ہر چیز کا خالق ہے' اور قصد اور ارادہ کا خالق اگر انسان کو نہ مانا جائے اور یہ کہا جائے کہ انسان جو کفر کرتا ہے یا ایمان لاتا ہے اس کو بھی اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے تو پھر ایمان لانے پر انسان کی تعریف و تحسین کیوں کی جاتی ہے اور کفر کرنے پر انسان کی مذمت کیوں کی جاتی ہے' اور جب ایمان لانا انسان کے اختیار میں ہی نہیں ہے تو پھر نبیوں اور رسولوں کو تبلیغ کے لیے کیوں بھیجا گیا اور آسمانی کتابوں اور صحائف کو کیوں نازل کیا گیا اور رسولوں کو معجزات کیوں دیئے گئے اور پھر قیامت اور جزاء اور سزا اور جنت اور دوزخ کس لیے ہیں' اور اس خرابی سے بچنے کی یہی صورت ہے کہ یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا اور انسان کے تمام اعمال کا خالق ہے' سوا انسان کے قصد اور اختیار کے۔ انسان قصد اور اختیار کا خود خالق ہے' وہ اگر ایمان لانے کا قصد کرے تو اللہ تعالیٰ اس میں ایمان پیدا کر دیتا ہے اور کفر کا قصد کرے تو اللہ تعالیٰ اس میں کفر پیدا کر دیتا ہے۔

اس اشکال کا جواب علامہ بہاری سے

علامہ محب اللہ بہاری نے اس اشکال کے جواب میں لکھا کہ انسان ادراکات جزئیہ جسمانیہ میں مختار ہے اور علوم کلیہ عقلیہ میں مجبور ہے۔ علامہ عبدالحق خیر آبادی متوفی ۱۳۱۶ھ نے کہا ہے کہ علامہ بہاری نے فطرت الٰہیہ میں لکھا ہے کہ انسان وہماً مختار ہے اور عقلاً مجبور ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ احکامِ شرعیہ کا تعلق امور جزئیہ مثلاً نماز اور روزے وغیرہ کے ساتھ ہوتا ہے اور امور جزئیہ کے صدور کے لیے انسان میں مبادی جزئیہ قریبہ ہوتے ہیں۔ مثلاً تخییل جزی' شوق جزی (کسی خاص چیز کا دل میں خیال آنا اور کسی خاص چیز کا شوق پیدا ہونا) اور ارادہ خاصہ اور ان ہی کے اعتبار سے افعال جزئیہ صادر ہوتے ہیں اور ارادہ ہی کے سبب سے انسان کے افعال' افعال قسریہ اور افعال طبعیہ سے ممتاز ہوتے ہیں۔ (پتھر کو آپ اوپر اچھالیں تو اس کا اوپر جانا فعل قسری ہے یعنی اس کی طبیعت کے خلاف ہے اور جب وہ از خود اوپر سے نیچے آئے تو یہ اس کا فعل طبعی ہے) اور امورِ جزئیہ کے صدور کے لیے مبادی کلیہ بعیدہ ہوتے ہیں جو بلا ارادہ واجبۃ التحقق ہیں اور مبادی جزئیہ کا وہم سے ادراک ہوتا ہے کیونکہ وہ معانی جزئیہ ہیں اور مبادی کلیہ کا ادراک عقل سے ہوتا ہے کیونکہ وہ معانی کلیہ ہیں' سو انسان علوم جزئیہ کے اعتبار سے مختار ہے اور ادراکات کلیہ کے اعتبار سے غیر مختار ہے اور جبکہ احکامِ شرعیہ امور جزئیہ ہیں تو اس میں وہم کا اعتبار ہے اور مکلف ہونے کی صحت مبادی قریبہ کے اعتبار سے ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ انسان حکم وہم کے اعتبار سے مختار ہے اور حکم عقل کے اعتبار سے مجبور ہے۔

علامہ خیر آبادی نے علامہ تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ سے بھی ایک جواب نقل کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان کے افعال اختیاریہ کے کچھ اسباب قریب ہیں اور کچھ اسباب بعید ہیں۔ اسباب قریبہ کے اعتبار سے وہ مختار ہے اور اسباب بعیدہ کے اعتبار سے وہ مجبور ہے۔ (شرح مسلم الثبوت ص ۷۷۔۷۴ ملخصا' مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ)

علامہ بہاری کے جواب کی وضاحت:

علامہ خیر آبادی نے علامہ بہاری کے جواب کا جو ذکر کیا ہے اس کی مزید وضاحت اس طرح ہے کہ مثلاً انسان کے دل میں نماز پڑھنے کا خیال آتا ہے۔ یہ ادراک کلی عقلی ہے۔ اب یہ کہ وہ کون سی نماز پڑھے اور اس کے لیے کیا تیاری کرے' کہاں وضو کرے پھر یہ کہ نماز کہاں پڑھے' گھر میں یا مسجد میں' یہ سب ادراکات جزئیہ ہیں اور انسان کے ذہن میں مطلق نماز پڑھنے کا جو خیال آیا تھا' یہ ادراک کلی عقلی ہے اور انسان اس میں مجبور ہے اور اس ادراک کا خلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے پھر اس کی تفاصیل' کون سی نماز' کس وقت پڑھے اور اس کے مخصوص مقدمات یہ سب ادراکاتِ جزئیہ ہیں اور ان میں انسان مختار ہے اور ان کو وہ خود خلق کرتا ہے۔ البتہ انسان پر خالق کے اطلاق سے احتراز کرنا چاہیے۔

اس اشکال کا جواب مصنف سے

میرے ذہن میں جو اس اشکال کا جواب آیا وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ازل میں یہ علم تھا کہ انسان اپنے قصد اور اختیار سے ایمان کا ارادہ کرے گا یا کفر کا۔ یعنی اگر بالفرض وہ اپنے قصد اور اختیار میں مستقل ہو تو وہ کیا قصد کرے گا اور کیا اختیار کرے گا اور جو کچھ قصد کرنا تھا' اللہ تعالیٰ نے اس کا وہی قصد پیدا کر دیا اور جو کچھ اس نے اختیار کرنا تھا اللہ تعالیٰ نے اس کا وہی اختیار پیدا کر دیا۔ اس لیے انسان کے قصد اور اختیار کو بھی اللہ تعالیٰ ہی پیدا کرتا ہے یعنی کسب کو اور اس قصد اور کسب کے موافق افعال اور اعمال کو بھی اللہ تعالیٰ ہی پیدا کرتا ہے۔ اسی لیے کسی مرتبہ میں بھی انسان کا خالق ہونا لازم نہیں آتا اور نہ ہی یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ جب انسان کے قصد اور اختیار کو بھی اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا کیا ہے تو پھر انسان جزاء اور سزا کا مستحق کیوں ہوتا ہے' نیک کاموں پر دنیا میں اس کی تحسین اور آخرت میں ثواب کیوں ہوتا ہے اور برے کاموں پر دنیا میں اس کی مذمت اور آخرت میں عذاب کیوں ہوتا ہے جبکہ ان کاموں کا قصد اور اختیار بھی اللہ نے پیدا کیا اور ان کاموں کو بھی اللہ نے پیدا کیا۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا کہ اگر بالفرض انسان کو قصد اور اختیار دیا جائے اور وہ قصد اور اس کے موافق عمل کرنے میں مستقل ہو اور ان کا خالق ہو تو اس کا کیا قصد ہوگا اور وہ کیا عمل کرے گا۔ اسی کے موافق اللہ تعالیٰ نے اس میں اعمال پیدا کر دیئے اس لیے اب یہ نہیں کہا جا سکتا کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس کا قصد اور اختیار بھی خود پیدا کیا ہے تو پھر اس کی جزاء اور سزا کی کیا وجہ ہے۔

ایمان لانے اور اطاعت کرنے میں بندہ کا فائدہ ہے نہ کہ اللہ کا

اللہ تعالیٰ نے جو یہ فرمایا ہے: جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔ اس سے ایک یہ معنی معلوم ہوتا ہے کہ ایمان لانے یا نہ لانے میں انسان کا اپنا نفع اور نقصان ہے' کسی کے ایمان لانے سے اللہ تعالیٰ کو کوئی فائدہ ہوگا نہ اس کے ایمان نہ لانے سے اس کو کوئی نقصان ہوگا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا (بنی اسرائیل: ۷)

اگر تم نے اچھے کام کیے تو خود اپنے فائدہ کے لیے اور اگر برے کام کیے تو وہ بھی اپنے لیے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللہ ارشاد فرماتا ہے: اے میرے بندو! تم سب گمراہ ہو ماسوا ان کے جن کو میں نے ہدایت دی' مجھ سے ہدایت کا سوال کرو میں تم کو ہدایت دوں گا' تم سب محتاج ہو ماسوا ان کے جن کو میں غنی کروں' تم مجھ سے سوال کرو میں تم کو رزق دوں گا' تم سب گناہ گار ہو ماسوا ان کے جن کو میں عافیت سے رکھوں' پس تم میں سے جس شخص کو یہ علم ہو کہ میں مغفرت پر قادر ہوں اور اس نے مجھ سے مغفرت طلب کی تو اس کو میں بخش دوں گا اور مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے' اور اگر تمہارے اوّل اور آخر اور تمہارے زندہ اور مردہ اور تمہارے تر اور خشک سب مل کر میرے بندوں میں سے سب سے متقی بندے کی طرح ہو جائیں تو اس سے میرے ملک میں مچھر کے پر کے برابر بھی اضافہ نہیں ہوگا' اور اگر تمہارے اوّل اور آخر اور زندہ اور مردہ اور تر اور خشک سب مل کر میرے بندوں میں سے سب سے برے بندے کی طرح ہو جائیں تو میرے ملک میں مچھر کے پر کے برابر بھی کمی نہیں ہوگی اور اگر تمہارے اوّل اور آخر اور تمہارے زندہ اور مردہ اور تر اور خشک سب مل کر ایک میدان میں کھڑے ہو جائیں پھر تم میں سے ہر شخص اپنی خواہشوں کا سوال کرے اور میں تم میں سے ہر سوال کرنے والے کا سوال پورا کر دوں تو میرے ملک میں صرف اتنی کمی ہوگی جیسے تم میں سے کوئی شخص سمندر میں سوئی ڈبو کر اپنی طرف نکال لے' اور اس کی وجہ یہ ہے کہ میں جواد' واجد ماجد (بہت فیاض اور بہت بزرگ) ہوں' میں جو چاہوں وہ کرتا ہوں' میری عطا (بھی) میرا کلام ہے اور میرا عذاب (بھی) میرا کلام ہے۔ میں جب کسی چیز کا ارادہ کروں تو میں صرف اتنا کہتا ہوں کہ ہو جا' سو وہ ہو جاتی ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۹۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۵۷' مسند احمد ج ۵ ص ۱۵۴' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۱۹' حلیۃ الاولیاء ج ۵ ص ۱۲۵' المستدرک ج ۴ ص ۲۴۱)

سرادقھا کا معنی

اس کے بعد فرمایا: ہم نے ظالموں کے لیے ایسی آگ تیار کی ہے جس (کے شعلوں) کی چار دیواری ان کا احاطہ کرے گی۔ اس آیت میں سرادق کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے ہر وہ چیز جو کسی شے کا احاطہ کیے ہو خواہ چار دیواری ہو یا شامیانہ یا خیمہ وہ سرادق ہے۔ (النہایہ)

جوالیقی نے کہا یہ اصل میں فارسی لفظ ہے' اصل میں یہ لفظ سرادر تھا جس کا معنی دہلیز ہے' اور بعض یہ کہتے ہیں کہ اصل میں یہ سراپردہ تھا (الاتقان) علامہ زبیدی نے جوالیقی سے یہ نقل کیا ہے کہ یہ لفظ سرادر اور سراطاق کا معرب ہے۔ علامہ راغب نے لکھا ہے کہ سرادق معرب ہے اور کلامِ عرب میں ایسا کوئی مفرد اسم نہیں ہے جس کا تیسرا حرف الف ہو' اور الف کے بعد دو حرف ہوں۔ البتہ ایسے اسم جمع ہیں جیسے مقابر اور مساجد۔ البتہ علامہ آلوسی نے اس سے اختلاف کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ علابط وغیرہ بھی اس وزن پر ہیں اور وہ اسم مفرد ہیں۔ (روح المعانی)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ دوزخ کے سرادق چار موٹی دیواریں ہیں ہر دیوار (کی موٹائی) چالیس سال کی مسافت ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۸۴' مسند احمد ج ۳ ص ۲۹' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۱۳۸۹' المستدرک ج ۴ ص ۱۶۰)

جس طرح خیمے کی قناتیں خیمے کو چاروں طرف سے محیط ہوتی ہیں اسی طرح دوزخیوں کو یہ دیواریں محیط ہوں گی' اس سے مراد یہ ہے کہ دوزخ سے نکلنے کے لیے کوئی راستہ نہیں ہوگا اور نہ ان دیواروں میں کوئی سوراخ ہوگا جس سے وہ دوزخ کے پار دیکھ سکیں' اور بعض نے کہا اس سے مراد دوزخ کا دھواں ہے جو ان کو اس طرح محیط ہوگا جس طرح خیمے کا قناتیں احاطہ کر لیتی ہیں۔

دوزخ کی آگ کے متعلق آیات اور احادیث

اس کے بعد فرمایا: اگر وہ فریاد کریں گے تو ان کی فریاد اس پانی سے پوری ہوگی جو پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہوگا جو ان کے چہروں کو جلا دے گا۔ اس آیت میں المھل کا لفظ ہے۔

المھل کا معنی ہے تیل کی تلچھٹ' ہر معدنی چیز کو بھی مہل کہتے ہیں جیسے تانبا' سونا' چاندی' پگھلے ہوئے لوہے کے پانی کو بھی المھل کہتے ہیں۔ روغن زیتون' روغن زیتون کی تلچھٹ' مردے سے بہنے والا زرد پانی' پیپ۔ (قاموس' منجد)

قرآن مجید میں دوزخیوں کے احوال کے متعلق یہ آیات ہیں:

تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ○ تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ○ (الغاشیہ: ۴-۳)

وہ دہکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے ○ ان کو نہایت گرم چشمے کا پانی پلایا جائے گا۔

سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّ تَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ○ (ابراہیم: ۵۰)

ان کا لباس گندھک کا ہوگا اور آگ نے ان کے چہروں کو ڈھانپا ہوا ہوگا۔

اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى ظِلٍّ ذِىْ ثَلٰثِ شُعَبٍ ○ لَّا ظَلِيْلٍ وَّلَا يُغْنِىْ مِنَ اللَّهَبِ. (المرسلات: ۳۱-۳۰)

چلو تین شاخوں والے سائے کی طرف ○ جو نہ سائے والا ہے اور نہ شعلہ سے بچا سکتا ہے ○

اور دوزخیوں کے احوال کے متعلق یہ احادیث ہیں:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کالمھل الکھف: ۲۹ کی تفسیر میں فرمایا: وہ پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہوگا جب دوزخی اس کو پینے کے لیے اپنے چہرے کی طرف لے جائے گا تو اس کے چہرے کی کھال جھڑ جائے گی۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۸۱' مسند احمد ج ۳ ص ۷۰)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گرم پانی ان کے سروں کے اوپر سے انڈیلا جائے گا یہاں تک کہ وہ ان کے پیٹ تک پہنچ جائے گا حتیٰ کہ ان کے پیٹ میں جو کچھ ہے اس کو کاٹ ڈالے گا حتیٰ کہ وہ ان کے پیروں تک میں گھس کر پگھلا دے گا پھر ان کو پہلے کی طرح لوٹا دیا جائے گا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۸۲' مسند احمد ج ۲ ص ۳۷۴)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ویسقی من ماء صدید ○ یتجرعہ۔ (ابراہیم: ۱۷-۱۶) اس کو پیپ کا پانی پلایا جائے گا' وہ اس کو ایک ایک گھونٹ کر کے پیے گا' اس پیپ کو اس کے منہ کے قریب کیا جائے گا' وہ اس کو ناپسند کرے گا' اور جب وہ اس کے زیادہ قریب کیا جائے گا تو وہ اس کے منہ کو جلا دے گا اور اس کے سر کی کھال گر پڑے گی' اور جب وہ اس کو پیے گا تو وہ اس کی انتڑیاں کاٹ ڈالے گا حتیٰ کہ وہ پانی اس کی مقعد سے نکل جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وسقوا ماء حمیما فقطع امعاء ھم۔ (محمد: ۱۵) انہیں گرم پانی پلایا جائے گا جو ان کی انتڑیاں کاٹ ڈالے گا' اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وان یستغیثوا یغاثوا بماء کالمھل یشوی الوجوہ بئس الشراب. (الکھف: ۲۹) اگر وہ فریاد کریں گے تو ان کی فریاد اس پانی سے پوری ہوگی جو پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہوگا جو ان کے چہروں کو جلا دے گا' وہ کیسا برا پانی ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۸۳' مسند احمد ج ۵ ص ۲۶۵' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۷۴۶۰)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے یقیناً ہم ان لوگوں کا اجر ضائع نہیں کرتے جنہوں نے نیک کام کیے ہوں ○ ان کے لیے دائمی جنتیں ہیں جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں' انہیں وہاں سونے کے کنگن

پہنائے جائیں گے وہ وہاں ریشم کے ہلکے اور دبیز سبز کپڑے پہنیں گے اور وہ وہاں مسندوں پر تکیے لگائے ہوئے ہوں گے' کیسا اچھا اجر ہے اور وہ جنت کیسی اچھی آرام کی جگہ ہے ○ (الکہف: ۳۱-۳۰)

جنت کی اجمالی نعمتیں

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے دوزخ کے عذاب کا بیان فرمایا تھا جو قیامت کے دن مشرکوں اور کافروں کو دیا جائے گا اور ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے جنت کے ثواب اور اس کی نعمتوں کا بیان فرمایا ہے جو ایمان لانے والوں اور نیک عمل کرنے والوں کو دیا جائے گا کیونکہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔ نور' ظلمت سے اور دن' رات سے پہچانا جاتا ہے' اسی طرح مومنین اور ان کا ثواب کافروں اور ان کے عذاب سے پہچانا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ایمان اور نیک اعمال کا الگ الگ ذکر کیا ہے اور نیک اعمال کا ایمان پر عطف کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اعمال ایمان کا غیر ہیں اور اعمال ایمان کا جز نہیں ہیں اور یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ہے۔ البقرہ: ۳ میں ہم اس کی مکمل تفصیل کر چکے ہیں۔

اس آیت میں فرمایا یقیناً ہم ان لوگوں کا اجر ضائع نہیں کرتے جنہوں نے نیک کام کیے ہوں۔ اس آیت میں اجمالی طور پر فرمایا ہے کہ ہم نیک کام کرنے والوں کو آخرت میں اجر عطا فرمائیں گے اور اس کی تفصیل بعد والی آیت میں ذکر فرمائی ہے۔

جنت کی تفصیلی نعمتیں

فرمایا ان کے لیے جنات عدن ہیں' جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں۔ علامہ ابن سیدہ نے لکھا ہے کہ عدن کا معنی ہے کسی جگہ اقامت کرنا اور جنات عدن کا معنی ہے دائمی جنتیں۔ (المحکم والمحیط الاعظم ج ۲ ص ۱۸)

پھر فرمایا انہیں وہاں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے۔ اس آیت میں اساور من ذھب کے الفاظ ہیں اور ایک اور آیت میں ہے: وحلوا اساور من فضة۔ (الدھر: ۲۱) اور انہیں چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے اور ایک اور آیت میں ہے: یحلون فیھا من اساور من ذھب ولؤلؤا۔ (الحج: ۲۳) ان کو سونے اور موتی کے کنگن پہنائے جائیں گے۔

جنت میں مسلمانوں کو بناؤ سنگھار کا لباس بھی پہنایا جائے گا اور ستر پوشی کا لباس بھی پہنایا جائے گا۔ سابقہ آیتوں میں اس لباس کا ذکر تھا جو بننے سنورنے کے اعتبار سے تھا اور اس کے بعد اس لباس کا ذکر فرمایا جو ستر پوشی کے اعتبار سے ہے۔

فرمایا: ان کو ایسا لباس پہنایا جائے گا جو سبز رنگ کے سندس اور استبرق کا ہوگا۔ سندس سے مراد پتلا اور ملائم ریشم ہے اور استبرق سے مراد دبیز اور موٹا ریشم ہے۔ اس کے بعد ان کی نشست گاہوں کا ذکر فرمایا کہ وہ تخت پر بیٹھے ہوں گے اور ان پر تکیے لگے ہوں گے۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِأَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ أَعْنَابٍ وَّ

اور آپ انہیں ان دو مردوں کا قصہ سنائیے جن میں سے ایک شخص کو ہم نے انگوروں کے دو باغ عطا فرمائے تھے

حَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ﴿۳۲﴾ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ

اور ان کے چاروں طرف ہم نے کھجور کے درختوں کی باڑ لگا دی تھی' اور ان دونوں کے درمیان ہم نے کھیت پیدا کیے تھے ○ دونوں باغ خوب پھل لائے اور

تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْـًٔا ۙ وَّ فَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ۙ﴿۳۳﴾ وَّ كَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ۚ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ

پیداوار میں کوئی کمی نہیں کی اور ہم نے ان کے درمیان دریا رواں کر دیے تھے ۝ جس شخص کے پاس پھل تھے اس نے اپنے ساتھی سے

وَ هُوَ يُحَاوِرُهٗۤ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّ اَعَزُّ نَفَرًا ﴿۳۴﴾ وَ دَخَلَ جَنَّتَهٗ

بحث کرتے ہوئے کہا میں تم سے زیادہ مالدار ہوں اور میرے پاس بہت آدمی ہیں ۝ وہ اپنی جان پر ظلم

وَ هُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ قَالَ مَاۤ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖۤ اَبَدًا ۙ﴿۳۵﴾ وَّ مَاۤ

کرتا ہوا باغ میں داخل ہوا اور کہنے لگا مجھے یہ خطرہ نہیں ہے کہ یہ باغ کبھی برباد ہوگا ۝ اور نہ

اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّ لَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا

مجھے اس پر یقین ہے کہ کبھی قیامت قائم ہوگی اور اگر میں اپنے رب کی طرف لوٹایا (بھی) گیا تو میں لوٹنے کی جگہ اس سے

مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ﴿۳۶﴾ قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَ هُوَ يُحَاوِرُهٗۤ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ

بھی بہتر (مال) حاصل کروں گا ۝ اس کے ساتھی نے اس کی بات کا جواب دیتے ہوئے کہا کیا تم اس ذات کا انکار کر رہے ہو جس

خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ؕ﴿۳۷﴾ لٰكِنَّاۡ هُوَ

نے تم کو مٹی سے بنایا پھر نطفہ سے پھر تمہیں مکمل مرد بنایا ۝ لیکن وہ

اللّٰهُ رَبِّيْ وَ لَاۤ اُشْرِكُ بِرَبِّيْۤ اَحَدًا ﴿۳۸﴾ وَ لَوْ لَاۤ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ

اللہ ہی میرا رب ہے اور میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بناؤں گا ۝ اور ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم باغ میں داخل ہوئے تھے

قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا

تو کہتے جو اللہ نے چاہا وہ ہوا اور اللہ کی مدد کے بغیر کسی کی کوئی طاقت نہیں اگر تم یہ گمان کرتے ہو کہ میں مال اور اولاد کے لحاظ سے

وَّ وَلَدًا ۚ﴿۳۹﴾ فَعَسٰى رَبِّيْۤ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَ يُرْسِلَ

تم سے کم ہوں ۝ تو وہ دن دور نہیں کہ میرا رب مجھے تمہارے باغ سے بہتر عطا فرمائے گا اور تمہارے باغ پر

عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا ۙ﴿۴۰﴾ اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا

آسمان سے کوئی عذاب بھیج دے تو وہ چٹیل چکنا میدان بن جائے ۝ یا اس کا پانی

غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا ﴿۴۱﴾ وَ اُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ

زمین میں دھنس جائے پھر تم اس کو ہرگز تلاش نہ کر سکو ○ اور اس مرد کے پھل (عذاب میں) گھیر لیے گئے اور اس نے

كَفَّيْهِ عَلٰى مَاۤ اَنْفَقَ فِيْهَا وَ هِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا

اس باغ میں جو خرچ کیا تھا وہ اس پر ہاتھ ملتا رہ گیا وہ باغ اپنی چھتریوں پر گرا پڑا تھا اور وہ شخص کہہ

وَ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْۤ اَحَدًا ﴿۴۲﴾ وَ لَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ

رہا تھا کہ کاش میں نے اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنایا ہوتا ○ اور اس کے پاس کوئی جماعت نہ تھی

يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ مَا كَانَ مُنْتَصِرًا ﴿۴۳﴾ هُنَالِكَ

جو اللہ کے مقابلہ میں اس کی مدد کرتی اور وہ بدلہ لینے کے قابل نہ تھا ○ یہیں سے معلوم ہوتا ہے کہ

الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّ خَيْرٌ عُقْبًا ﴿۴۴﴾ ع

تمام اختیارات اللہ ہی کے پاس ہیں جو سچا ہے، وہی سب سے اچھا ثواب دینے والا ہے اور اس کے پاس بہترین انجام ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ انہیں ان دو مردوں کا قصہ سنائیے جن میں سے ایک شخص کو ہم نے انگوروں کے دو باغ عطا فرمائے تھے جن کے چاروں طرف ہم نے کھجور کے درختوں کی باڑ لگا دی تھی اور ان دونوں کے درمیان ہم نے کھیت پیدا کیے تھے ○ دونوں باغ خوب پھل لائے اور پیداوار میں کوئی کمی نہیں کی اور ہم نے ان کے درمیان دریا رواں کر دیئے تھے ○ جس شخص کے پاس پھل تھے' اس نے اپنے ساتھی سے بحث کرتے ہوئے کہا میں تم سے زیادہ مالدار ہوں اور میرے پاس بہت آدمی ہیں ○ وہ اپنی جان پر ظلم کرتا ہوا باغ میں داخل ہوا اور کہنے لگا مجھے یہ خطرہ نہیں ہے کہ یہ باغ کبھی برباد ہوگا ○ اور نہ مجھے اس پر یقین ہے کہ کبھی قیامت قائم ہوگی اور اگر میں اپنے رب کی طرف لوٹایا بھی گیا تو میں لوٹنے کی جگہ اس سے بھی بہتر (مال) حاصل کروں گا ○ (الکھف: ۳۶-۳۲)

مال دار کافر اور مومن کی مثال کا شانِ نزول

اس قصے کو بیان کرنے سے مقصود یہ ہے کہ مال دار کافر اور مال دار مومن دونوں کے دنیا میں گزران اور ان کے طور طریقوں میں کیا فرق ہوتا ہے' کیونکہ کفار اپنے مال و متاع اور اپنے دنیاوی مددگاروں کی وجہ سے فقراء مسلمین کے سامنے فخر اور تکبر کرتے ہیں اور مسلمان کو جو مال و متاع ملے وہ اس کو محض اللہ کا فضل سمجھتا ہے۔

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ اس کے شانِ نزول میں لکھتے ہیں:

اس کے شانِ نزول میں دو قول ہیں:

(۱) مقاتل بن سلیمان نے بیان کیا ہے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے دو بھائیوں کی خبر دی جو اپنے باپ کی طرف سے مالِ کثیر کے وارث ہوئے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بتایا کہ وہ آٹھ ہزار دینار کے وارث ہوئے تھے۔ ان

میں سے ایک مومن تھا اس نے اپنا حق وصول کیا اور اس کو اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے اس کی راہ میں خرچ کر دیا۔ دوسرا بھائی کافر تھا اس نے اپنا حق وصول کیا اور اس سے دو باغ بنا لیے اور اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے کچھ خرچ نہیں کیا پھر بعد میں ان دونوں بھائیوں کا جو حال ہوا اس کا اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں ذکر فرمایا ہے۔

(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ نے اس اُمت کے لیے مثال دی ہے اور پچھلی اُمت کے کسی شخص کے حال کی خبر نہیں دی تا کہ آپ کی اُمت دنیا میں بے رغبتی کرے اور آخرت میں رغبت کرے اور ان آیتوں کو بہ طور نصیحت بیان فرمایا ہے۔

جنت اور اس کے مقلوب کا معنی

اس آیت میں فرمایا ہے کہ ہم نے دو مردوں میں سے ایک کو انگوروں کے دو باغ عطا فرمائے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے باغ کے لیے جنت کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ علامہ ابن سیدہ متوفی ۴۵۸ ھ لکھتے ہیں:

جنت کا مادہ ج ن ن ہے اس کا معنی ہے ستر۔ باغ کو جنت اس لیے کہتے ہیں کہ گھنے درختوں اور ان کے سائے کی وجہ سے اس میں چیزیں چھپ جاتی ہیں' جب رات کا اندھیرا بہت زیادہ ہو جائے تو کہتے ہیں جن اللیل' جنون بھی ایک خفیہ بیماری ہے۔ دل کو جنان کہتے ہیں وہ بھی سینے میں مخفی ہوتا ہے۔ قبر کو الجنن کہتے ہیں کیونکہ اس میں مردہ چھپا ہوا ہوتا ہے' کفن کو بھی الجنن کہتے ہیں' روح کو بھی جنان کہتے ہیں کیونکہ وہ جسم میں چھپی ہوئی ہوتی ہے' بچہ جب تک پیٹ میں ہو اس کو الجنین کہتے ہیں کیونکہ وہ پیٹ میں چھپا ہوا ہوتا ہے' ڈھال کو مجن اور مجنۃ کہتے ہیں کیونکہ وہ حملہ کے لیے ستر ہے' بچانے والے ہتھیاروں کو الجنہ کہتے ہیں' دوپٹہ کو بھی الجنہ کہتے ہیں کیونکہ وہ سر کے بالوں کو چھپا لیتا ہے۔ الجن' اللہ کی ایک مخلوق ہے جو انسان کی آنکھوں سے چھپی رہتی ہے' الجان جنات کے باپ کو کہتے ہیں۔ الجان سانپ کی ایک قسم ہے جس کی آنکھیں سرمگیں ہیں' جس جگہ کھجور کے درخت ہوں اور دیگر درخت ہوں اس کو الجنۃ کہتے ہیں۔

ج ن ن کو اگر اُلٹ دیا جائے تو یہ لفظ نج ہے' نجت القرحۃ اس کا معنی ہے زخم رسنے لگا اور نج الشئ من فیہ اس کا معنی ہے منہ سے کلی کر دی اور نجج فی رایہ اس کا معنی ہے اس کی رائے مضطرب ہے۔

(المحکم والمحیط الاعظم ج ۷ ص ۲۲۰-۲۱۱ ملخصاً' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ ھ)

دو باغوں کی صفات

اللہ تعالیٰ نے ان دونوں باغوں کی یہ صفت بیان کی ہے کہ ان کو کھجور کے درختوں نے گھیرا ہوا تھا' ان کے لیے حففنا ھما بنخل کے الفاظ ہیں۔ الحفاف کے معنی ہیں ایک شے کی جانب۔ الاحفۃ اس کی جمع ہے اور حف بہ القوم کا معنی ہے' قوم اس کی تمام جانبوں میں آ گئی یعنی اس کو ہر طرف سے گھیر لیا اور اس کا احاطہ کر لیا اور ان باغوں کی تیسری صفت یہ بیان فرمائی کہ:

ان دونوں باغوں کے درمیان ہم نے کھیت پیدا کیے تھے۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ یہ زمین ہر قسم کی روزی کی جامع ہو جائے۔ اس میں غلہ اور سبزیاں بھی پیدا ہوں اور پھل اور میوہ جات بھی پیدا ہوں' اور سال کے دوران ہر وقت اس زمین سے فائدہ حاصل ہو' کسی وقت اناج پیدا ہو رہا ہو اور کسی وقت پھل اور میوے پیدا ہو رہے ہوں' اور تیسری صفت یہ بیان فرمائی کہ دونوں باغ خوب پھل لائے اور پیداوار میں کوئی کمی نہیں کی' اور چوتھی صفت یہ بیان کی کہ ہم نے ان کے درمیان دریا جاری کر دیئے' اور پانچویں صفت یہ بیان کی کان لہ ثمر۔ عاصم وغیرہ نے اس کو ث اور م کی زبر کے ساتھ پڑھا ہے اور یہ ثمار اور ثمرۃ

کی جمع ہے' اور ابوعمرو نے اس کو ث کی پیش اور میم کی جزم کے ساتھ پڑھا ہے' اور دوسروں نے ث اور میم کی پیش کے ساتھ پڑھا ہے اور اس کا معنی ہے' سونا' چاندی اور دوسری اجناس کا مال۔ مجاہد نے کہا اس کے پاس ان باغوں کے علاوہ دیگر تمام اجناس کا بہت مال تھا۔

کافر کا اپنے مال پر فخر کرنا اور مسلمان کو حقیر جاننا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس کے پاس مال تھا' اس نے اپنے ساتھی سے بحث کرتے ہوئے کہا میں تم سے زیادہ مالدار ہوں اور میرے پاس بہت آدمی ہیں۔ اس کا معنی یہ ہے کہ ان دونوں میں سے جو مسلمان تھا' وہ اس کو اللہ پر ایمان لانے کی دعوت دیتا رہتا تھا اور قیامت پر یقین رکھنے کے لیے اور نیک کام کرنے کے لیے وعظ اور نصیحت کرتا رہتا تھا۔ المحاورہ کا معنی ہے رجوع کرنا اور کسی بات کا جواب دینا۔ وہ جواب میں کہتا تھا میرے پاس تم سے زیادہ مال ہے اور بہت نفر ہیں۔ نفر کے معنی ہیں کسی شخص کے قبیلہ کے لوگ اور اس کے حمایتی' پھر اس شخص نے مسلمان کو اپنا مال دکھاتے ہوئے کہا کہ اسے اس باغ کے فنا ہونے کا خطرہ نہیں ہے اور یہ بھی کہا کہ جب وہ اپنے رب کی طرف لوٹایا گیا تو اس کو وہاں بھی بہت مال مل جائے گا۔ اس کے اس شبہ کی وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس دنیا میں اسی وجہ سے مال عطا کیا ہے کہ وہ اس مال کا مستحق ہے تو اس استحقاق کی بناء پر اس کو آخرت میں بھی مال عطا فرمائے گا۔ اس کی دلیل کی پہلی بنیاد ہی غلط تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو دنیا میں مال کسی استحقاق کی وجہ سے نہیں عطا فرمایا تھا بلکہ استدراج کے طور پر عطا فرمایا' اور جتنے کافروں کو جو نعمتیں دیتا ہے' وہ بہ طور استدراج ہی ہوتی ہیں۔ یعنی وہ نعمتیں ان کے لیے آزمائش ہوتی ہیں جن کی وجہ سے وہ دھوکے میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر فرمایا ہے کہ اس کافر کو مسلمان نے کیا جواب دیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اس کے ساتھی نے اس کی بات کا جواب دیتے ہوئے کہا کیا تم اس ذات کا انکار کر رہے ہو جس نے تم کو مٹی سے بنایا' پھر نطفہ سے پھر تمہیں مکمل مرد بنایا○ لیکن وہ اللہ ہی میرا رب ہے اور میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بناؤں گا○ اور ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم باغ میں داخل ہوئے تھے تو کہتے جو اللہ نے چاہا وہ ہوا اور اللہ کی مدد کے بغیر کسی کی کوئی طاقت نہیں' اگر تم یہ گمان کرتے ہو کہ میں مال اور اولاد کے لحاظ سے تم سے کم ہوں○ تو وہ دن دور نہیں کہ میرا رب مجھے تمہارے باغ سے بہتر عطا فرمائے گا اور تمہارے باغ پر آسمان سے کوئی عذاب بھیج دے تو وہ چٹیل چکنا میدان بن جائے○ اور اس کا پانی زمین میں دھنس جائے پھر تم اس کو ہرگز تلاش نہ کر سکو○ (الکہف: ۴۱-۳۷)

مسلمان کا کافر کو جواب دینا

کافر نے قیامت کا انکار کیا تھا۔ مسلمان نے اس کا رد کرتے ہوئے کہا: کیا تم اس ذات کا انکار کر رہے ہو جس نے تم کو مٹی سے بنایا' مسلمان کا منشا یہ تھا کہ جب اللہ تعالیٰ تم کو ایک بار عدم سے وجود میں لا چکا ہے تو اس کے لیے دوبارہ تم کو معدوم کرنا پھر عدم سے وجود میں لانا کیا مشکل ہے؟ پھر کہا اس نے تم کو مٹی سے بنایا پھر نطفہ سے پھر تم کو معتدل ہیئت میں بنایا اس میں انسان کو پہلی بار بنانے کی طرف اشارہ ہے۔ کافر کا رد کرنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے تم کو اس طرح پیدا کیا ہے تو اس نے تم کو عبث پیدا نہیں کیا ہے بلکہ اس نے تم کو عبادت کرنے کے لیے پیدا کیا ہے۔ اس کے بعد کہا پھر تم کو معتدل ہیئت پر مرد بنایا۔ یعنی تم کو عقل عطا فرمائی جس سے بھلے اور برے کی پہچان ہوتی ہے۔ کیا تمہاری عقل اس کو جائز کہتی ہے کہ جس ذات نے تم کو اتنی نعمتیں عطا فرمائیں' تم اس کا کفر اور انکار کرو۔

پھر مومن نے کہا لیکن وہ اللہ ہی میرا رب ہے اور میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بناؤں گا' اور اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) میرا اس پر ایمان ہے کہ فقر اور غنا صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اس لیے جب اللہ تعالیٰ کوئی نعمت عطا فرماتا ہے تو میں اس کی حمد کرتا ہوں اور جب وہ مجھے کسی مصیبت میں مبتلا کرتا ہے تو میں اس پر صبر کرتا ہوں' اور جب اللہ تعالیٰ مجھے کوئی نعمت عطا فرماتا ہے تو میں اس پر فخر اور تکبر نہیں کرتا اور نہ یہ سمجھتا ہوں کہ مال و دولت اور حمایتیوں کی کثرت میری کوشش کی وجہ سے ہے یا اس میں میرا کوئی کمال ہے بلکہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی عطا سے ہے۔

(۲) وہ کافر نہ صرف یہ کہ قیامت کا منکر تھا بلکہ وہ بُت پرست اور مشرک بھی تھا۔ اسی لیے مومن نے کہا کہ میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بناؤں گا۔

لاحول ولا قوۃ الا باللہ کا معنی اور اس کے متعلق احادیث

پھر مومن نے کافر کو زجر و توبیخ کرتے ہوئے کہا جب تم باغ میں داخل ہوئے تھے تو کہتے ماشاء اللہ (جو اللہ نے چاہا) اور اللہ کی مدد کے بغیر کسی کی کچھ طاقت نہیں۔ یعنی یہ باغ جو تم کو ملا ہے' یہ اللہ نے چاہا تو تم کو مل گیا اگر وہ نہ چاہتا تو تم کو یہ باغ نہ ملتا۔ اسی طرح تمہارے پاس جو مال ہے وہ اللہ کی قدرت سے ہے۔ اس میں تمہاری طاقت اور قدرت کا کوئی دخل نہیں ہے اور اگر اللہ چاہتا تو تمہارے مال سے برکت اُٹھا لیتا پھر تمہارے پاس وہ مال جمع نہ ہوتا۔

امام مالک نے کہا جو شخص بھی اپنے گھر میں داخل ہو' اس کو چاہیے کہ وہ کہے ماشاء اللہ' وہب بن منبہ کے دروازے پر لکھا ہوا تھا: ماشاء اللہ لاقوۃ الا باللہ۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے' ہم جب کسی بلندی پر چڑھتے تھے تو اللہ اکبر کہتے' تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! اپنے نفسوں کے ساتھ نرمی کرو' تم کسی بہرے کو نہیں پکار رہے اور نہ کسی غائب کو لیکن تم سننے والے' دیکھنے والے کو پکار رہے ہو' پھر آپ میرے پاس آئے اور میں دل میں پڑھ رہا تھا لاحول ولا قوۃ الا باللہ' آپ نے فرمایا: اے عبداللہ بن قیس! کہو لاحول ولا قوۃ الا باللہ' گناہوں سے پھرنا اور نیکیوں کی طاقت اللہ کی مدد کے بغیر نہیں ہے۔ یہ کلمہ جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔ یا فرمایا میں تم کو جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانے کی رہنمائی نہ کروں (وہ خزانہ یہ کلمہ ہے) لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۸۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۲۶' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۶۱)

اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بچانے کے بغیر بندہ کا گناہوں سے پھرنا ممکن نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کی توفیق کے بغیر بندہ کو نیکی کی طاقت ملنا ممکن نہیں ہے۔ علامہ نووی نے کہا کہ اس کلمہ کا معنی ہے اپنے معاملات کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینا اور یہ بتانا کہ بندہ اپنی کسی چیز کا مالک نہیں ہے' اور اس کے پاس برائی کو دُور کرنے کی کوئی تدبیر نہیں ہے اور نیکی کو حاصل کرنے کی کوئی طاقت نہیں ہے' سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ اس کو گناہوں سے دُور کر دے اور نیکی کی طاقت عطا فرمائے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے گھر سے نکلتے وقت کہا: بسم اللہ توکلت علی اللہ (اللہ کے نام سے' میں نے اللہ پر توکل کیا) لاحول ولا قوۃ الا باللہ' تو اس سے کہا جائے گا تمہارے لیے یہ نام کفایت کیا گیا اور تم کو محفوظ کیا گیا اور تم سے شیطان کو دُور کیا گیا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۲۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۰۹۵' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۸۲۲' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۵ ص ۲۵۱)

مَاشَآءَ اللّٰہُ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ کے متعلق احادیث

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کسی چیز کو دیکھا اور وہ اس کو اپنے لیے یا کسی اور کے لیے اچھی لگی اور اس نے کہا ماشاء اللہ لاقوۃ الا باللہ تو اس کو نقصان نہیں ہوگا۔ (الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث: ۵۶۹۶ شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۳۷۰ جمع الجوامع رقم الحدیث: ۲۱۹۴۶ کنز العمال رقم الحدیث: ۶۷۰ ۱۷ الکامل لابن عدی ج ۴ ص ۳۴۶ یہ حدیث ضعیف ہے)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کسی چیز کو دیکھا اور وہ اس کو اچھی لگی تو اس کو چاہیے کہ وہ ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ کہے۔ ہر چند کہ اس حدیث کو ضعیف کہا گیا ہے مگر اس کا مضمون قرآن مجید کے مطابق ہے۔ (الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث: ۵۶۹۷)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس شخص نے کوئی چیز دیکھی اور وہ اس کو اچھی لگی اور اس نے کہا: ماشاء اللہ لاقوۃ الا باللہ تو اس کو نظر نہیں لگے گی۔

(عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی رقم الحدیث: ۲۰۷ الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۸۶۸۴)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے بندہ کو اس کے اہل یا مال یا اولاد میں سے کوئی نعمت اس پر انعام فرمائی تو اس نے کہا ماشاء اللہ لاقوۃ الا باللہ تو وہ ان نعمتوں میں موت کے سوا کوئی آفت نہیں پائے گا۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۳۶۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۰ھ)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کسی شخص کو اپنے بھائی کی صورت یا اس کا مال اچھا لگے تو اس کو اس کے لیے برکت کی دعا کرنے سے کیا چیز مانع ہے؟ (اسے چاہیے کہ وہ کہے فتبارک اللہ احسن الخالقین یا کہے اے اللہ! اس میں برکت دے) کیونکہ نظر کا لگنا برحق ہے۔

(عمل الیوم واللیلۃ رقم الحدیث: ۲۰۵ مطبوعہ مؤسسۃ الکتب الثقافیہ بیروت ۱۴۰۸ھ)

حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص اپنے نفس میں یا اپنے مال میں یا اپنے بھائی میں کوئی ایسی چیز دیکھے جو اسے اچھی لگے تو اس کو اس میں برکت کی دعا کرنی چاہیے۔ (عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی رقم الحدیث: ۲۰۶ مطبوعہ بیروت)

مَاشَآءَ اللّٰہُ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ کا معنی

مومن نے کافر کو زجر و توبیخ کرتے ہوئے کہا تھا جب تم باغ میں داخل ہوئے تھے تو تم نے کیوں نہ کہا ماشاء اللہ اس سے ہمارے علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ ہر وہ چیز جس کا اللہ تعالیٰ ارادہ فرماتا ہے وہ واقع ہو جاتی ہے اور جس کا ارادہ نہیں فرماتا وہ واقع نہیں ہوتی اور اس میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کافر کے ایمان کا ارادہ نہیں فرمایا اور اگر اللہ تعالیٰ کافر کے ایمان کا ارادہ فرماتا تو وہ ایمان لے آتا۔ امام غزالی نے آدابِ سفر میں سواری پر سوار ہوتے وقت ایک دعا ذکر کی ہے اس میں یہ الفاظ ہیں:

ماشاء اللہ کان وما لم یشاء لم یکن اللہ نے جو چاہا وہ ہو گیا اور جو نہیں چاہا وہ نہیں ہوا۔

(احیاء العلوم ج ۲ ص ۲۲۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۹ھ)

نیز مومن نے کافر سے کہا تمہیں یہ کہنا چاہیے تھا لا قوۃ الا باللہ کسی چیز اور کسی کام پر کسی شخص کو اللہ کی مدد اور اس کی

قوت دینے کے بغیر طاقت حاصل نہیں ہو سکتی اور جب تم یہ کہتے تو اس باغ کی خیر کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیتے وہ چاہتا تو اس میں خیر رکھتا اور اگر وہ نہیں چاہتا تو اس میں خیر کو ترک کر دیتا' اور اس میں یہ اقرار ہے کہ اس باغ کی تعمیر اور ترقی کے لیے تم نے جو کچھ بھی کیا وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی طاقت اور اس کی توفیق سے کیا ہے' اور کسی شخص کو اپنے بدن اور اپنے ملک میں اللہ تعالیٰ کے طاقت دینے کے بغیر کوئی طاقت حاصل نہیں ہے۔

باغ پر کافر کے فخر کرنے کا جواب

جب مومن کافر کو ایمان کی تعلیم دے چکا تو پھر اس نے کافر کو اس کے فخر اور تکبر کا جواب دیا۔ اس نے کہا اگر تم یہ دیکھتے ہو کہ میرے پاس مال اور اولاد اور میرے حمایتی اور میرے اعوان و انصار کم ہیں تو مجھے اس پر کوئی افسوس نہیں ہے کیونکہ یہ دنیا فانی ہے' اور یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے تم سے بہتر باغ عطا فرمائے خواہ اس دنیا میں خواہ آخرت میں' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تمہارے باغ پر کوئی عذاب نازل فرما دے تو وہ چٹیل (ادھ چکنا) میدان بن جائے اور اس کے پھل' پھول' میوہ جات' غلہ اور سبزیاں سب جاتی رہیں اور اس میں جو دریا ہیں' ان کا پانی زمین میں دھنس جائے اور پھر تم اس باغ اور اس کی پیداوار کو دوبارہ حاصل کرنا چاہو اور حاصل نہ کر سکو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس مرد کے پھل (عذاب میں) گھیر لیے گئے اور اس نے اس باغ میں جو خرچ کیا تھا' وہ اس پر ہاتھ ملتا رہ گیا وہ باغ اپنی چھپریوں پر گرا پڑا تھا اور وہ شخص کہہ رہا تھا کہ کاش میں نے اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنایا ہوتا○ اور اس کے پاس کوئی جماعت نہ تھی جو اللہ کے مقابلہ میں اس کی مدد کرتی اور وہ بدلہ لینے کے قابل نہ تھا○ یہیں سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام اختیارات اللہ ہی کے پاس ہیں جو سچا ہے' وہی سب سے اچھا ثواب دینے والا ہے اور اس کے پاس بہترین انجام ہے○ (الکھف: ۴۴-۴۲)

انبیاء اور صالحین پر مصائب آنے کی حکمت

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ مومن نے کافر کے متعلق جو کہا تھا اللہ تعالیٰ نے اس کو پورا کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے تمام کے تمام پھلوں کو تباہ کر دیا اور وہ ندامت اور حسرت سے اپنے ہاتھ ملتا رہ گیا اور اس کے باغ میں انگوروں کی بیلیں جن چھپروں پر قائم تھیں' وہ سب چھپر گر گئے اور پھر اس نے کہا کاش میں نے اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنایا ہوتا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ان آیتوں سے یہ وہم ہوتا ہے کہ اس پر جو یہ مصیبت آئی تھی یہ اس کے شرک اور کفر کی وجہ سے آئی تھی' حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ مسلمانوں پر بھی بہت مصائب طاری ہوتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ○ وَلِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّ سُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِـُٔوْنَ○ وَزُخْرُفًا ۭ وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ○ (الزخرف: ۳۵-۳۳)

اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تمام لوگ ایک ہی اُمت بن جائیں گے تو رحمٰن کا کفر کرنے والوں کی چھتوں کو ہم چاندی کی بنا دیتے اور ان کی سیڑھیوں کو بھی جن پر وہ چڑھتے ہیں○ اور ان کے گھروں کے دروازوں کو بھی اور ان کی مسندوں کو بھی جن پر وہ تکیے لگا کر بیٹھتے ہیں○ اور (ان کے گھر وغیرہ) سونے کے بھی (بنا دیتے) اور یہ سب دنیاوی زندگی کا فائدہ ہے اور آخرت تو آپ کے رب کے نزدیک صرف متقین کے لیے ہے○

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے پوچھا: یارسول اللہ! سب سے زیادہ مصائب میں کون مبتلا ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا: انبیاء پھر جوان کے قریب ہوں پھر جوان کے قریب ہوں۔ بندہ اپنے دین کے اعتبار سے مصائب میں مبتلا ہوتا ہے اگر وہ اپنے دین میں متشدد ہو تو اس پر بہت شدید مصیبت آتی ہے اور اگر وہ اپنے دین میں نرم ہو تو وہ اس کے حساب سے مصائب میں مبتلا ہوتا ہے پھر بندہ پر مصائب آتے رہتے ہیں حتیٰ کہ وہ زمین پر اس حال میں چلتا ہے کہ اس پر کوئی گناہ نہیں ہوتا۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۲۳' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۳۳' مسند احمد ج ۱ ص ۱۷۲' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۷۸۶' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۹۸' مسند البزار رقم الحدیث: ۱۱۵۴' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۸۳۰' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۹۰۱' المستدرک ج ۱ ص ۴۱' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۳۷۲' شعب الایمان رقم الحدیث: ۹۷۷۵' شرح السنہ رقم الحدیث: ۱۴۳۴) یہ حدیث صحیح ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور مقربین پر جو مصائب آتے ہیں وہ ان کے درجات میں بلندی کے لیے آتے ہیں اور عام مسلمانوں پر جو مصائب آتے ہیں' وہ ان کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتے ہیں۔

صرف اللہ کے پاس اختیارات ہونے کی وجوہ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہیں سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام اختیارات اللہ ہی کے پاس ہیں جو سچا ہے' اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے دو آدمیوں کا جو یہ قصہ ذکر کیا' اس سے معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت اور اچھا انجام مومن کے لیے ہوتا ہے اور ہم نے یہ بھی جان لیا کہ تمام مومنوں اور کافروں کے ساتھ اللہ تعالیٰ اس طرح کا معاملہ کرتا ہے' اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ولایت اور تصرف حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے پاس ہے جس سے وہ اپنے اولیاء کی مدد فرماتا ہے۔ وہ انہیں ان کے دشمنوں پر غلبہ عطا فرماتا ہے اور انہیں کفار کے معاملات کا والی بنا دیتا ہے' اور یہ جو فرمایا ہے یہیں سے! اس کا معنی ہے یعنی جس وقت اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کی کرامت کو ظاہر فرماتا ہے اور ان کے دشمنوں کو ذلیل فرماتا ہے۔

(۲) جب ایسی شدید مصیبت آئے تو اس وقت کٹر سے کٹر مشرک بھی شرک سے ناطہ توڑ لیتا ہے اور صرف اللہ کی طرف ہاتھ پھیلاتا ہے اور اپنے پچھلے کفر اور شرک پر پشیمان ہوتا ہے' اور کہتا ہے کاش میں نے شرک نہ کیا ہوتا۔

(۳) جب اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء مومنین کی ان کے دشمنوں کے خلاف مدد فرماتا ہے اور مسلمانوں کا سینہ ٹھنڈا کرتا ہے۔

(۴) اس میں دار آخرت کی طرف اشارہ ہے کہ آخرت میں صرف اللہ تعالیٰ کی بادشاہی ہوگی' جب فرمائے گا آج کس کی بادشاہی ہے اور کسی کو جواب دینے کی ہمت نہیں ہوگی' پھر خود ہی فرمائے گا اللہ کے لیے جو واحد قہار ہے۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ

اور آپ ان کے سامنے دنیا کی زندگی کی مثال بیان کیجئے جو اس پانی کی مثل ہے جس کو ہم نے آسمان سے نازل کیا

فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ۭ وَكَانَ

تو اس کے سبب سے زمین کا ملا جلا سبزہ نکلا' پھر وہ سوکھ کر چورا چورا ہو گیا جس کو ہوا اڑا دیتی ہے' اور اللہ

اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ مُّقْتَدِرًا ﴿۴۵﴾ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ

ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے ○ مال اور بیٹے دنیا کی زندگی کی

الدُّنْيَا ۚ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ﴿۴۶﴾

زینت ہیں، اور باقی رہنے والی نیکیاں آپ کے رب کے پاس از روئے ثواب اور امید کے بہت بہتر ہیں ○

وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ۙ وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ

اور جس دن ہم پہاڑوں کو چلائیں گے اور آپ زمین کو صاف میدان دیکھیں گے اور ہم ان سب کو جمع کریں گے سو ہم ان میں

مِنْهُمْ اَحَدًا ﴿۴۷﴾ وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ؕ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ

سے کسی کو نہیں چھوڑیں گے ○ اور سب آپ کے رب کی بارگاہ میں صف بہ صف پیش کیے جائیں گے، بے شک تم ہمارے پاس اسی حالت میں آگئے ہو جس

اَوَّلَ مَرَّةٍ ۢ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا ﴿۴۸﴾ وَوُضِعَ الْكِتٰبُ

طرح ہم نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا بلکہ تمہارا زعم یہ تھا کہ ہم تم سے ملاقات کا وقت مقرر ہی نہیں کریں گے ○ اور نامۂ اعمال رکھ دیا جائے گا

فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ

پھر آپ دیکھیں گے کہ مجرم اس میں لکھے ہوئے سے خوف زدہ ہوں گے اور کہیں گے ہائے افسوس! اس

هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا ۚ وَوَجَدُوْا

نامۂ اعمال کو کیا ہوا اس نے نہ کوئی صغیرہ گناہ چھوڑا ہے نہ کبیرہ مگر سب کا احاطہ کر لیا ہے اور انہوں نے جو بھی

مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ؕ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ﴿۴۹﴾

عمل کیا تھا سب کو لکھا ہوا اپنے سامنے پائیں گے اور آپ کا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ ان کے سامنے دنیا کی زندگی کی مثال بیان کیجئے جو اس پانی کی مثل ہے جس کو ہم نے آسمان سے نازل کیا تو اس کے سبب سے زمین کا ملا جلا سبزہ نکلا پھر وہ سوکھ کر چورا چورا ہو گیا جس کو ہوا اڑا دیتی ہے اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے ○ (الکھف: ۴۵)

دنیا کو پانی کے ساتھ تشبیہ دینے کی وجوہ

اس آیت سے مقصود یہ ہے کہ ان متکبرین کے سامنے دنیا کی حقارت، اس کی بے مائیگی اور بے ثباتی کی ایک اور مثال بیان کیجئے، جو فقراء مومنین کی مجلس میں بیٹھنا اپنے لیے باعثِ توہین اور باعثِ عار سمجھتے تھے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دنیا کو پانی کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پانی میں اور دنیا میں چند وجوہ سے مناسبت ہے جو حسب ذیل ہیں:

(۱) پانی ایک کیفیت اور ایک حالت پر برقرار نہیں رہتا' اسی طرح دنیا بھی ایک کیفیت اور ایک حالت پر برقرار نہیں رہتی۔

(۲) کوئی شخص اس پر قادر نہیں ہے کہ وہ پانی میں داخل ہو اور بھیگنے سے بچ جائے' اسی طرح کوئی شخص اس پر قادر نہیں ہے کہ وہ دنیا میں داخل ہو اور اس کے فتنوں اور اس کی آفتوں سے محفوظ رہ سکے۔

(۳) جب پانی کو بہ قدر ضرورت باغات اور کھیتوں میں ڈالا جائے تو وہ ان کے لیے نفع بخش ہے اور ان کی روئیدگی کو بڑھانے والا ہے' اور جب ان میں ضرورت سے زیادہ پانی کو ڈالا جائے گا تو وہ ان کو تباہ و برباد کر دے گا جیسا کہ دریاؤں کے سیلاب میں اس کا مشاہدہ کیا جاتا ہے' اسی طرح جب دنیا کے مال و متاع کو بہ قدر ضرورت لیا جائے گا تو وہ انسان کے لیے مفید اور نفع بخش ہے اور جب انسان دنیا کو اپنی ضروریات سے زیادہ لے گا تو وہ اس کے لیے فتنہ اور فساد کا سبب بن جائے گی۔

حرص کی مذمت اور قناعت کی فضیلت

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اسلام لایا اور اس کو بہ قدر کفاف (ضرورت) رزق دیا گیا اور اللہ نے جو کچھ اس کو دیا ہے' اس میں اس کو قانع کر دیا تو وہ شخص کامیاب ہو گیا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۵۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۴۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۳۸' مسند احمد ج ۲ ص ۱۶۸)

بہ قدر کفاف کا معنی ہے' بہ قدر ضرورت۔ یعنی اس کے پاس اتنا مال ہو جس سے وہ اپنے کھانے پینے' پہننے کے کپڑوں اور رہائش کا بندوبست کر سکے' اور بیماری کی صورت میں دوا اور علاج کا انتظام کر سکے' اور آرائش' زیبائش' عیش و آرام اللے تللے اور گلچھرے اُڑانے کے لیے مالِ دنیا جمع نہ کرے' اور جس شخص نے اتنا مال حاصل کیا وہ دنیا اور آخرت میں کامیاب ہو گیا اور جس شخص نے اس سے زیادہ مال حاصل کیا اور مال کی حرص کسی حد پر جا کر ختم نہیں ہوتی' اس نے اپنے آپ کو مشکل اور امتحان میں ڈال لیا کیونکہ اس کے پاس اس کی ضرورت سے زیادہ جتنا مال ہوگا' آخرت میں اس مال کے بدلے میں اس کو عبادات پیش کرنی ہوں گی' اور جب انسان کے پاس اس کی ضرورت سے زیادہ مال ہوتا ہے تو وہ عموماً اس مال کو نفسانی خواہشوں اور دنیا کی حرام لذتوں کے حصول میں خرچ کرتا ہے' اور مالدار آدمی اپنے مال کو بڑھانے کے لیے غیر قانونی اور ناجائز ذرائع اختیار کرتا ہے۔ جعلی اور نقلی اشیاء بناتا ہے' نشہ آور چیزوں کا کاروبار کرتا ہے' اسمگلنگ' ذخیرہ اندوزی اور چور بازاری میں ملوث ہوتا ہے' اور ان تمام دینی اور دنیاوی خرابیوں کی واحد وجہ مالِ دنیا کی حرص ہے' اگر وہ بہ قدر ضرورت مال پر قناعت اور اکتفا کرے تو ان تمام خرابیوں سے بچ جائے گا' اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کی:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کی: اے اللہ! محمد کا رزق قوت کر دے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۵۵' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۶۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۳۹' مسند احمد ج ۲ ص ۴۴۶)

قوت کا معنی ہے اتنا رزق جو ان کی رمق حیات باقی رکھنے کے لیے کافی ہو' جس کی کمی سے ان کو تشویش نہ ہو اور ان کو فاقوں کا سامنا نہ ہو اور ان کو سوال کرنے کی ضرورت پیش نہ آئے اور نہ وہ رزق اتنا زیادہ ہو جس سے دنیا کی کشادگی اور عیاشی کا خطرہ ہو' اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی زاہدانہ تھی اور آپ دنیا میں رغبت نہیں کرتے تھے' اور اس میں ان لوگوں کے لیے حجت ہے جو کہتے ہیں کہ بہ قدر ضرورت رزق کا حصول فقر اور غنا دونوں سے افضل ہے۔

الھشیم کے معنی کی تحقیق

اس کے بعد فرمایا: پھر وہ (سبزہ) سوکھ کر چورا چورا ہوگیا۔ اس آیت میں چورا چورا ہونے کے لیے ھشیم کا لفظ ہے اس کا مادہ ھشم ہے' اس کے معنی کی تحقیق یہ ہے:

علامہ ابوالحسن علی بن اسماعیل بن سیدہ متوفی ۴۵۷ھ لکھتے ہیں:

ھشم کا معنی ہے کسی کھوکھلی یا خالی چیز کا توڑنا۔ ایک قول ہے ہڈیوں کو توڑنا یا سر کو پھاڑنا۔ بعض نے کہا اس کا معنی ہے ناک توڑنا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا کو ہاشم کہتے ہیں ان کا نام عمرو تھا' انہوں نے سب سے پہلے ثرید بنایا یعنی گوشت کے سالن میں روٹی کے ٹکڑے بھگو کر طعام بنایا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اہل مکہ قحط سے دوچار ہوئے۔ ہاشم ملک شام گئے اور وہاں سے بوریوں میں آٹا لائے پھر اونٹوں کو ذبح کیا' اس کا سالن بنایا اور اس میں روٹیاں توڑ کر ڈالیں اور اہل مکہ کو قحط کے بعد پہلی بار سیر ہو کر کھانا نصیب ہوا۔ پس سالن میں روٹیاں توڑنے کی وجہ سے ان کا لقب ہاشم پڑ گیا۔ سوکھی ہوئی گھاس کے چورے کو بھی ھشیم کہتے ہیں' جس درخت کے پتے سوکھ گئے ہوں اس کو بھی ھشیم کہتے ہیں اگر اونٹنی کا تمام دودھ دوہ لیا جائے تو اس فعل کو بھی ھشم کہتے ہیں۔

ہشم کے مقلوبات یہ ہیں:

ھمش' شھم اور مھش۔ الھمشۃ کے معنی ہیں کلام اور حرکت' جو عورت بہت زیادہ باتیں کرتی ہو اس کو ھمشٰی کہتے ہیں جو شخص اپنی انگلیوں سے تیزی سے کام کرتا ہو' اس کو الھمش کہتے ہیں۔

شھم: بیدار مغز اور بہت ذہین شخص کو شھم کہتے ہیں۔ شھم الفرس کا معنی ہے گھوڑے کو دھمکایا۔ شھم الرجل کا معنی ہے کسی شخص کو ڈرایا۔

مھش: المتھشہ اس عورت کو کہتے ہیں جو استرے سے اپنے چہرے کے بال صاف کرے۔

(المحکم والمحیط الاعظم ج ۴ ص ۱۹۷۔ ۱۹۴ ملخصاً' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مال اور بیٹے دنیا کی زندگی کی زینت ہیں اور باقی رہنے والی نیکیاں آپ کے رب کے پاس از روئے ثواب اور امید کے بہت بہتر ہیں O (الکھف: ۴۶)

بیویوں اور اولاد کی کثرت پر فخر نامناسب ہے

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ دنیا کی زندگی بہت جلد زائل ہونے والی ہے اور اس آیت میں فرمایا ہے کہ مال اور بیٹے دنیا کی زندگی کی زینت ہیں' اور اس کا قیاس یوں بنے گا کہ مال اور بیٹے دنیا کی زندگی کی زینت ہیں اور جو چیز دنیا کی زندگی کی زینت ہو وہ بہت جلد زائل ہونے والی ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ مال اور بیٹے بہت جلد زائل ہونے والے ہیں اور جو چیز جلد فنا ہونے والی ہو اس پر فخر نہیں کرنا چاہیے۔ عیینہ بن حصن اور قریش کے دیگر متکبرین اپنے مال و دولت اور طاقتور حمایتیوں کی وجہ سے فقراء مسلمان کو حقیر جانتے تھے اور ان کے پاس بیٹھنے کو باعث عار گردانتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان پر رد فرماتا ہے کہ جن چیزوں پر تم گھمنڈ کر رہے ہو یہ تو خس و خاشاک کی طرح ہوا میں اڑ جانے والی ہیں' یہ بے ثبات اور ناپائیدار ہیں۔ اس لیے مال اور بیٹوں پر نہ اتراؤ اور ان کی وجہ سے کسی کو حقیر نہ جانو۔ قرآن مجید میں ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَ اَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ۔ (التغابن: ۱۴)
اے ایمان والو! تمہاری بعض بیویاں اور بعض بیٹے تمہارے دشمن ہیں' ان سے خبردار رہو۔

اِنَّمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ۔ (التغابن: ۱۵)
تمہارے اموال اور تمہارے بیٹے محض فتنہ ہیں۔

الباقیات الصالحات کے بہت بہتر ہونے کی وضاحت

اس کے بعد فرمایا: اور باقی رہنے والی نیکیاں آپ کے رب کے پاس از روئے ثواب اور امید کے بہت بہتر ہیں۔ یعنی حضرت سلمان' حضرت صہیب اور حضرت بلال وغیرہم رضی اللہ عنہم جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کرتے ہیں' وہ اللہ کے نزدیک ان لوگوں سے بہت بہتر ہیں جن کے پاس مال اور بیٹے تو بہت ہیں لیکن ان کے پاس نیک اعمال نہیں ہیں۔

اس جگہ یہ سوال ہے کہ اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ باقی رہنے والی نیکیاں بہت بہتر ہیں۔ یعنی مال اور بیٹوں کی بہ نسبت عبادات بہت بہتر ہیں۔ اس کا معنی یہ ہے کہ مال اور بیٹوں میں بھی اچھائی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادات میں بہت اچھائی ہے' حالانکہ جو مال اور بیٹے اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت سے خالی ہوں ان میں کوئی خوبی اور اچھائی نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ دنیا داروں کے ذہنوں اور دماغوں میں جو ان میں اچھائی ہے' اس کے مقابلہ میں اطاعت اور عبادات اور باقی رہنے والی نیکیوں میں بہت اچھائی ہے۔

الباقیات الصالحات کا مصداق

(۱) حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا الباقیات الصالحات یہ کلمات ہیں: لا الہ الا اللہ' واللہ اکبر' والحمد للہ' لا قوۃ الا باللہ۔

(۲) سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ الباقیات الصالحات پانچوں وقت کی نمازیں ہیں۔

(۳) العوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ الباقیات الصالحات لوگوں سے نیک اور اچھی باتیں کرنا ہے۔

(۴) ابن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ تمام نیک اعمال الباقیات الصالحات ہیں۔

حدیث میں جن کلمات کو الباقیات الصالحات فرمایا ہے' وہ یہ ہیں:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الباقیات الصالحات کو بہ کثرت پڑھو اور وہ یہ ہیں: سبحان اللہ' لا الہ الا اللہ' الحمد للہ' اللہ اکبر اور لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔
(مسند احمد ج ۳ ص ۷۵' المستدرک ج ۱ ص ۵۱۳' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۳۳۲' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۲۹۲۹' جامع البیان رقم الحدیث: ۱۷۳۱۲)

ابو صخر کہتے ہیں کہ مجھ سے عبداللہ بن عبدالرحمٰن نے کہا کہ ان کو سالم بن محمد نے بھیجا ہے اور یہ کہا ہے کہ آپ مجھ سے قبرستان کے ایک گوشہ میں ملاقات کریں' مجھے آپ سے کام ہے' پھر ان دونوں کی ملاقات ہوئی اور ان دونوں نے ایک دوسرے کو سلام کیا پھر سالم نے کہا آپ کن کلمات کو الباقیات الصالحات شمار کرتے ہیں؟ انہوں نے کہا لا الہ الا اللہ' الحمد للہ' سبحان اللہ' اللہ اکبر اور لاحول ولا قوۃ الا باللہ' سالم نے کہا آپ نے ان کلمات میں لاحول ولا قوۃ الا باللہ کو کب شامل کیا؟ انہوں نے کہا مجھے حضرت ابو ایوب انصاری نے یہ حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے یہ فرمایا مجھے آسمانوں پر معراج کرائی گئی اور مجھے حضرت ابراہیم کو دکھایا گیا' انہوں نے کہا اے جبریل! یہ تمہارے ساتھ کون ہیں؟ انہوں نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) انہوں نے مجھے مرحبا کہا اور کہا اپنی اُمت کو یہ حکم دیں کہ جنت میں بہ کثرت پودے اُگائیں کیونکہ جنت کی زمین پاک ہے اور اس کی زمین بہت وسیع ہے۔ میں نے پوچھا جنت کے پودے کیا ہیں؟ تو انہوں نے کہا لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۷۴۱۰' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۳۶۱۱' دار الفکر)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **سبحان اللہ' والحمدللہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر** پڑھنا الباقیات الصالحات میں سے ہے۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۷۴۱۱' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے پاس سے گزرے جس کے پتے سوکھے ہوئے تھے۔ آپ نے اس درخت پر اپنی لاٹھی ماری تو اس کے پتے جھڑنے لگے۔ آپ نے فرمایا: الحمدللہ' سبحان اللہ اور اللہ اکبر پڑھنے سے بندے کے گناہ اس طرح جھڑنے لگتے ہیں جس طرح اس درخت کے پتے جھڑ رہے ہیں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۳۳' حلیۃ الاولیاء ج ۵ ص ۵۵)

احادیث میں ان کلمات کی ترتیب مختلف ہے لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور اس کی تعظیم کے کلمات مطلقاً الباقیات الصالحات ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جس دن ہم پہاڑوں کو چلائیں گے اور آپ زمین کو صاف میدان دیکھیں گے اور ہم ان سب کو جمع کریں گے سو ان میں سے کسی کو نہیں چھوڑیں گے O (الکھف: ۴۷)

احوال آخرت میں سے پہاڑوں کو چلانے کا معنی

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بتایا تھا کہ دنیا بہت خسیس اور رذیل ہے اور آخرت بہت عمدہ اور اشرف ہے اور چونکہ آخرت قیامت کے بعد آئے گی' اس لیے اب قیامت کے احوال بیان فرما رہا ہے۔

اس آیت میں فرمایا ہے اور جس دن ہم پہاڑوں کو چلائیں گے' لیکن یہ نہیں فرمایا کہ پہاڑوں کو چلا کر کہاں لے جائیں گے۔ ظاہر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پہاڑوں کو چلا کر عدم کی طرف لے جائے گا یعنی ان پہاڑوں کو ان کی عظیم جسامت کے باوجود معدوم کر دے گا۔ جیسا کہ قرآن مجید کی ان آیتوں میں ہے:

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ۝ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ۝ لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا ۝ (طٰہٰ: ۱۰۷-۱۰۵)

وہ آپ سے پہاڑوں کے متعلق سوال کرتے ہیں سو آپ ان سے کہیے کہ میرا رب انہیں ریزہ ریزہ کر کے اُڑا دے گا O پس وہ زمین کو ہموار اور صاف میدان کر کے چھوڑ دے گا O آپ اس زمین میں نہ کوئی کجی دیکھیں گے نہ اونچ نیچ۔

وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ۝ فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا ۝ (الواقعہ: ۶-۵)

اور پہاڑ ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے O سو وہ بکھرے ہوئے غبار کی طرح ہو جائیں گے۔

احوال آخرت میں سے زمین کے صاف میدان ہونے کا معنی

نیز فرمایا: اور آپ زمین کو صاف میدان دیکھیں گے' زمین کے صاف میدان ہونے کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) زمین پر بنی ہوئی کوئی عمارت باقی نہیں رہے گی نہ پہاڑ نہ درخت اور اس میں کوئی اونچی اور نیچی چیز نہیں رہے گی۔

(۲) بارزۃ سے مراد یہ ہے کہ زمین کے بطن میں جو کچھ ہے اس کو ظاہر کر دیا جائے گا۔ سو قبروں میں جو مردے دفن ہیں' ان کو نکال کر باہر کر دیا جائے گا۔ جیسا کہ قرآن مجید کی ان آیات سے ظاہر ہے:

وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ○ وَاَلْقَتْ مَافِيْهَا وَتَخَلَّتْ۔ (الانشقاق: ۴۔۳)

اور جب زمین (کھینچ کر) پھیلا دی جائے گی ○ اور جو کچھ اس میں ہے وہ اس کو نکال کر ڈال دے گی اور خالی ہو جائے گی۔

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ○ وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ○ (الزلزال: ۲۔۱)

جب پوری زمین زلزلہ سے لرز جائے گی ○ اور جب زمین اپنے تمام بوجھ باہر نکال دے گی۔

پھر سب لوگ اللہ کے سامنے کھڑے کر دیئے جائیں گے کیونکہ زمین کا چہرہ پہاڑوں' سمندروں اور دریاؤں سے مستور تھا' پس جب اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں اور دریاؤں کو فنا کر دیا تو زمین کے جو حصے ان سے چھپے ہوئے تھے' وہ ظاہر ہو گئے اور اس طرح زمین صاف میدان ہو جائے گی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور ہم ان سب کو جمع کریں گے سو ان میں سے کسی کو نہیں چھوڑیں گے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ ہم سب لوگوں کو حساب کے لیے جمع کریں گے اور اس دن اولین اور آخرین میں سے کسی کو نہیں چھوڑیں گے۔ قرآن مجید میں ہے:

قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ ○ لَمَجْمُوْعُوْنَ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ○ (الواقعہ: ۵۰۔۴۹)

آپ کہیے بے شک تمام پہلے اور تمام پچھلے (لوگ) ایک مقرر دن میں ضرور جمع کیے جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور سب آپ کے رب کی بارگاہ میں صف بہ صف پیش کیے جائیں گے' بے شک تم ہمارے پاس اسی حالت میں آ گئے ہو جس طرح ہم نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا بلکہ تمہارا زعم یہ تھا کہ ہم تم سے ملاقات کا وقت مقرر ہی نہیں کریں گے ○ (الکھف: ۴۸)

کفار کے پیش ہونے کی پانچ حالتیں

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

جب لوگوں کو زندہ کیا جائے گا اور ان کو قبروں سے اُٹھایا جائے گا تو وہ سب ایک حالت پر نہیں ہوں گے اور نہ ان کا موقف اور مقام ایک ہوگا' اور ان کے کئی مواقف اور احوال ہوں گے۔ اسی وجہ سے ان کے متعلق احادیث مختلف ہیں۔ ان کے مواقف اور ان کے احوال پانچ ہیں:

(۱) جس وقت ان کو قبروں سے اُٹھایا جائے گا۔

(۲) جس وقت ان کو حساب کی جگہ لے جایا جائے گا۔

(۳) جس وقت ان سے حساب لیا جائے گا۔

(۴) جس وقت ان کو دارالجزاء کی طرف لے جایا جائے گا۔

(۵) جس مقام میں ان کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ٹھہرایا جائے گا۔

جس وقت ان کو قبروں سے اُٹھایا جائے گا' اس وقت ان کے حواس اور اعضاء کامل ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَأَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ. (یونس: ۴۵)

جس دن اللہ کو جمع کرے گا (ان کو یوں محسوس ہوگا) کہ گویا وہ دنیا میں دن کا ایک گھنٹہ رہے ہوں، وہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچانتے ہوں گے۔

يَتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ○ (طٰہٰ: ۱۰۳)

وہ آپس میں چپکے چپکے کہہ رہے ہوں گے ہم تو دنیا میں صرف دس دن رہے تھے۔

ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ○ (الزمر: ۶۸)

پھر جب دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو وہ قبروں سے اُٹھ کر دیکھ رہے ہوں گے۔

دوسری حالت وہ ہے جب انہیں حساب کی جگہ لے جایا جائے گا، اس وقت بھی ان کے حواس کامل ہوں گے:

اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ○ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ ○ وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ ○ (الصّٰفّٰت: ۲۴-۲۲)

ظالموں کو جمع کرو اور ان کی ازواج کو اور ان کو جن کی وہ عبادت کرتے تھے ○ اللہ کے سوا پس ان کو دوزخ کا راستہ دکھاؤ ○ اور ان کو ٹھہراؤ ان سے سوالات کیے جائیں گے۔

اس آیت میں فرمایا کہ ان کو راستہ دکھاؤ، اس سے معلوم ہوا کہ وہ دیکھنے والے ہوں گے۔ نیز فرمایا ان سے سوالات کیے جائیں گے، اس سے معلوم ہوا کہ وہ سننے والے بھی ہوں گے اور بولنے والے بھی ہوں گے اور وہ چلنے پھرنے والے بھی ہوں گے۔

اور تیسرا حال وہ ہے جب ان سے حساب لیا جائے گا:

وَيَقُوْلُوْنَ مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا. (الکھف: ۴۹)

وہ کہیں گے یہ کیسی کتاب ہے جس نے نہ کسی چھوٹے گناہ کو چھوڑا نہ بڑے گناہ کو مگر اس کا احاطہ کر لیا۔

اور چوتھا حال وہ ہے جب کافروں کو جہنم کی طرف ہانک کر لے جایا جائے گا۔ اس وقت ان کی سماعت، بصارت اور قوتِ گویائی کو سلب کر لیا جائے گا۔ قرآن مجید میں ہے:

وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ؕ مَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ (بنی اسرائیل: ۹۷)

اور ہم ان کو قیامت کے دن چہروں کے بل اُٹھائیں گے اس حال میں کہ وہ اندھے، گونگے اور بہرے ہوں گے اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہوگا۔

پانچواں حال وہ ہے جب کافر دوزخ میں ہوں گے اور اس حال کی بھی دو قسمیں ہیں ایک حال وہ ہے جب وہ ابتداءً دوزخ میں ہوں گے، اور دوسرا حال ان کے قیام کے اعتبار سے ہے۔ ابتدائی حال وہ ہے جب کفار موقف حساب سے لے کر دوزخ کے کنارے تک کی مسافت قطع کریں گے اس وقت وہ اندھے، گونگے اور بہرے ہوں گے، اور یہ حال ان کی ذلت اور رسوائی کے اظہار کے لیے ہوگا اور ان کو دوسروں سے ممتاز کرنے کے لیے، پھر ان کے حواس لوٹا دیے جائیں گے تاکہ وہ دوزخ کا مشاہدہ کر سکیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے جو عذاب تیار کیا ہے اس کو دیکھ سکیں، اور عذاب کے فرشتوں کا معائنہ کر سکیں اور ہر اس چیز کو دیکھ سکیں جس کا وہ دنیا میں انکار کرتے تھے پھر وہ اس حال میں دوزخ میں قیام کریں گے کہ وہ بولنے والے، سننے والے اور دیکھنے والے ہوں گے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَتَرٰىهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا خٰشِعِيْنَ مِنَ الذُّلِّ يَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ (الشوریٰ: ۴۵)

اور آپ ان کو دیکھیں گے کہ ان کو دوزخ کے سامنے پیش کر دیا جائے گا' وہ ذلت سے جھکے جا رہے ہوں گے اور کنکھیوں سے دیکھ رہے ہوں گے۔

تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ ۚ كُلَّمَآ اُلْقِىَ فِيْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ ○ قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ ۙ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَىْءٍ ۚ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِىْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ ○ (الملک: ۹-۸)

قریب تھا کہ غصہ کے مارے دوزخ پھٹ جاتی' جب اس میں کوئی جماعت ڈالی جائے گی اس سے دوزخ کے محافظ پوچھیں گے کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا○ وہ کہیں گے بے شک آیا تھا لیکن ہم نے اس کو جھٹلایا اور ہم نے کہا اللہ نے کوئی چیز نازل نہیں کی' تم محض بہت بڑی گمراہی میں ہو۔

پہلی آیت میں ہے کہ کافر کنکھیوں سے دوزخ کی آگ کی طرف دیکھیں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ دوزخ کو دیکھنے والے ہوں گے' اور دوسری آیت میں ہے کہ دوزخ کے محافظ فرشتوں سے ان کا مکالمہ ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ دوزخ میں عذاب کے دوران سننے والے اور بولنے والے بھی ہوں گے۔

قبروں سے اُٹھنے سے لے کر قیام دوزخ تک کفار کے ان پانچ احوال سے یہ معلوم ہو گیا کہ بعض احوال میں کفار کے حواس اور اعضاء سلامت ہوں گے اور بعض احوال میں ان کے حواس سلب کر لیے جائیں گے' اور اس سلسلہ میں جو آیات ہیں ان میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ (التذکرہ ج ۱ ص ۳۱۹-۳۱۶' مطبوعہ دار البخاری بیروت' ۱۴۱۷ھ)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بلند آواز سے ندا فرمائے گا میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' میں سب سے زیادہ رحم فرمانے والا ہوں اور میں سب سے بڑا حاکم ہوں اور سب سے جلد حساب لینے والا ہوں۔ اے میرے بندو! آج تم پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ تم غمگین ہو گے' تم اپنی حجت لے آؤ اور اپنا جواب آسان بنالو کیونکہ تم سے سوال کیا جائے گا اور تم سے حساب لیا جائے گا۔ اے میرے فرشتو! میرے بندوں کو پیروں کے پوروں پر صف بہ صف کھڑا کر دو تا کہ ان کا حساب لیا جائے۔

(جمع الجوامع رقم الحدیث: ۶۹۵۶' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۸۹۹۲' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۰ ص ۳۷۲' الدر المنثور ج ۵ ص ۴۰۰' روح المعانی جز ۱۵ ص ۴۱۷)

قیامت کے دن برہنہ حشر کرنا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک تم ہمارے پاس اسی حالت میں آ گئے ہو جس طرح ہم نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا۔ یہ تشبیہ بعض صفات میں ہے ورنہ جس وقت انسان پیدا ہوا تھا اس وقت وہ نہ چل سکتا تھا' نہ کھڑا ہو سکتا تھا' نہ بیٹھ سکتا تھا' نہ باتیں کر سکتا تھا اور نہ کسی کام کاج پر قادر تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے دن لوگوں کو اس حال میں اُٹھایا جائے گا کہ وہ ننگے پیر' ننگے بدن اور غیر مختون ہوں گے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! عورتیں اور مرد سب ہوں گے اور ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: اے عائشہ! وہاں پر معاملہ اس سے کہیں سخت ہوگا کہ لوگ ایک دوسرے کی طرف دیکھیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۲۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۵۹' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۰۸۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۷۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں ایک نصیحت کا خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے: آپ نے فرمایا: اے لوگو! تم سب اس حال میں اللہ کی طرف جمع کیے جاؤ گے کہ تم ننگے پیر' ننگے بدن غیر مختون ہو گے:

كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ؕ وَعْدًا عَلَيْنَا ؕ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ○ (الانبیاء: ۱۰۴) جس طرح ہم نے پہلی بار پیدا کیا تھا اسی طرح دوبارہ پیدا کریں گے یہ ہمارے ذمہ وعدہ ہے اور ہم اس کو ضرور پورا کرنے والے ہیں۔

سنو! قیامت کے دن سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا۔ سنو! عنقریب میری اُمت کے کچھ لوگوں کو لایا جائے گا ان کو بائیں طرف سے پکڑا جائے گا۔ پس میں کہوں گا اے میرے رب! میرے اصحاب! پس کہا جائے (کیا) آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد دین میں کیا نئی چیزیں داخل کر لی تھیں؟ تو میں اسی طرح کہوں گا جس طرح عبد صالح نے کہا تھا: اور میں ان پر اسی وقت تک نگہبان تھا جب تک میں ان میں رہا پھر جب تو نے مجھے (آسمان پر) اُٹھا لیا تو تو ہی ان پر نگہبان تھا اور تو ہر چیز پر گواہ ہے ○ اگر تو ان کو عذاب دے تو بے شک یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو بخش دے تو تو بہت غالب' بڑی حکمت والا ہے ○ پھر مجھ سے یہ کہا جائے گا جب سے آپ ان سے جدا ہوئے تھے یہ اس وقت سے اپنی ایڑیوں پر پھر گئے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۲۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۶۰' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۲۳' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۰۸۷)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سب سے پہلے لباس پہنانے اور مرتدین کو میرے اصحاب فرمانے کی توجیہ

اس حدیث میں ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا۔ یہ اوّلیت اضافی ہے کیونکہ قائل عموم کلام سے خارج ہوتا ہے۔ نیز اس حدیث میں ہے کہ آپ نے کچھ لوگوں کو دیکھ کر فرمایا کہ یہ میرے اصحاب ہیں' یہ عدم توجہ کی بناء پر ہے ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو اس دنیا میں بھی علم تھا کہ وہ لوگ مرتد ہو چکے تھے۔ نیز قبر مبارک میں آپ پر اُمت کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں' اس لیے ان کے مرتد ہو جانے کا آپ کو قبر میں بھی علم تھا۔ نیز قیامت کے دن کفار اور مرتدین کے چہرے سیاہ ہوں گے' ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی' اعمال نامہ ان کے بائیں ہاتھ میں ہو گا' اس ہیئت کذائی میں دیکھ کر ہر شخص کو علم ہو جائے گا کہ یہ آپ کے اُمتی نہیں ہیں کیونکہ آپ کے اُمتی غر محجل ہوں گے یعنی آثار وضو سے ان کا چہرہ اور ان کے ہاتھ پیر چمک رہے ہوں گے' ان کا چہرہ سفید ہو گا اور ان کا اعمال نامہ ان کے دائیں ہاتھ میں ہو گا۔ ان کے ایمان اور ان کی نمازوں کا نور ان کے آگے آگے چل رہا ہو گا۔ ان حالات میں آپ کا ان مرتدین کو میرے اصحاب فرمانا بے توجہی پر محمول ہے۔ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی نفی کرنا درست نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور نامہ اعمال رکھ دیا جائے گا پھر آپ دیکھیں گے کہ مجرم اس میں لکھے ہوئے سے خوفزدہ ہوں گے اور کہیں گے: ہائے افسوس! اس نامہ اعمال کو کیا ہوا اس نے نہ کوئی صغیرہ گناہ چھوڑا ہے نہ کبیرہ مگر سب کا احاطہ کر لیا ہے' اور انہوں نے جو بھی عمل کیا تھا سب کو لکھا ہوا اپنے سامنے پائیں گے' اور آپ کا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا ○ (الکہف: ۴۹)

قیامت کے دن اعمال نامہ پیش کیا جانا

قرآن مجید میں الکتاب کا لفظ ہے۔ مقاتل نے کہا اس سے مراد ہے بندوں کے ہاتھ میں ان کا اعمال نامہ دیا جائے گا۔

کعب احبار نے کہا جب قیامت کا دن ہوگا تو لوح محفوظ کو بلند کیا جائے گا اور مخلوق میں سے ہر شخص اپنے عمل کو دیکھ لے گا۔

امام رازی نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ اس دن ہر انسان کے ہاتھ میں اس کا اعمال نامہ دیا جائے گا یا اس کے دائیں ہاتھ میں یا بائیں ہاتھ میں' اور اس دن کفار اور مشرکین اپنے صحائف اعمال میں اپنے برے اعمال کو دیکھ کر خوفزدہ ہوں گے کہ تمام اہل محشر کے سامنے ان کے برے اعمال کھل جائیں گے اور وہ رسوا ہوں گے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان کو اپنے گناہوں کی وجہ سے عذاب کا خوف بھی ہوگا اور مخلوق کے سامنے شرمندہ اور رسوا ہونے کا بھی خوف ہوگا۔ اس وقت وہ افسوس سے کہیں گے ہائے افسوس! یہ کتاب تو نہ کسی صغیرہ گناہ کو چھوڑتی ہے نہ کبیرہ گناہ کو۔

گناہ صغیرہ اور گناہ کبیرہ کے متعلق مذاہب

گناہ صغیرہ اور کبیرہ میں اختلاف ہے۔ جمہور کا مسلک یہ ہے کہ بعض گناہ کبائر ہیں اور بعض گناہ صغائر ہیں۔ استاذ ابواسحاق اسفرائنی نے کہا کہ گناہوں میں کوئی گناہ صغیرہ نہیں ہے بلکہ ہر جس کام سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا اس کا ارتکاب گناہِ کبیرہ ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ ہر جس کام سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے وہ اس کی جلال ذات کے اعتبار سے گناہِ کبیرہ ہے۔ علامہ ابن بطال نے کہا کہ اشاعرہ کہتے ہیں کہ تمام معاصی کبائر ہیں اور بعض معاصی کو صغیرہ ان سے بڑے کبائر کے لحاظ سے کہا جاتا ہے' جیسے امرد اور اجنبی عورت کا بوسہ لینا حرام ہے لیکن اس کو زنا کے اعتبار سے صغیرہ کہا جاتا ہے' اور ہمارے نزدیک تمام گناہ کبائر ہیں اور اس کا مرتکب اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے وہ چاہے تو اس گناہ کو معاف کر دے اور چاہے تو سزا دے اور کسی گناہ کی مغفرت واجب نہیں ہے۔ (فتح الباری ج ۱۲ ص ۱۵۔ ۱۴ ملخصاً' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ)

صحیح قول جمہور کا ہے۔ ہم قرآن مجید اور احادیث سے اس پر دلائل پیش کریں گے کہ بعض گناہ صغیرہ ہیں اور بعض گناہ کبیرہ ہیں۔ اس کے بعد صغیرہ اور گناہ کبیرہ کی تعریفیں پیش کریں گے۔

صغائر اور کبائر کی تقسیم کے متعلق قرآن مجید کی آیات

اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ (النجم: ۳۲)

جو لوگ کبیرہ گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں ماسوا صغیرہ گناہوں کے' بے شک آپ کا رب وسیع مغفرت والا ہے۔

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبٰٓئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا۝ (النساء: ۳۱)

اگر تم کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرو جن سے تمہیں منع کیا گیا ہے تو ہم تمہارے (صغیرہ) گناہوں کو معاف کر دیں گے اور تم کو عزت کی جگہ میں داخل کر دیں گے۔

اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ. (ھود: ۱۱۴)

بے شک نیکیاں گناہوں کو دور کر دیتی ہیں۔

صغائر اور کبائر کے متعلق احادیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پانچ نمازیں اور ایک جمعہ سے دوسرا جمعہ' ان کے درمیان ہونے والے گناہوں کا کفارہ ہیں جب تک کہ کبائر کا ارتکاب نہ کیا جائے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۳' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۴' مسند احمد ج ۲ ص ۴۸۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۰۸۶' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۳۱۴' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۷۳۳' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۴۶۷' شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۴۵)

اس حدیث میں کبائر اور صغائر دونوں کا ثبوت ہے۔
حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازخود کبائر کا ذکر فرمایا یا آپ سے کبائر کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: اللہ کا شریک قرار دینا' کسی شخص کو قتل کرنا' ماں باپ کی نافرمانی کرنا' پھر فرمایا کیا میں تم کو سب سے بڑے کبیرہ کی خبر نہ دوں! فرمایا: جھوٹی بات کہنا یا جھوٹی گواہی دینا۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۷۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۸' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۲۰۷' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۰۷۷)
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سات ہلاک کرنے والے کاموں سے بچو۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ کیا ہیں؟ فرمایا: اللہ کے ساتھ شرک کرنا' جادو کرنا' جس کے قتل کو اللہ نے حرام کر دیا ہے اس کو ناحق قتل کرنا' سود کھانا' یتیم کا مال کھانا' میدانِ جہاد سے پیٹھ موڑ کر بھاگنا' پاک دامن مومنات پر بدکاری کی تہمت لگانا۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۸۵۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۸۷۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۹' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۶۷۱' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۳۶۷۱)

اس حدیث میں سات ہلاک کرنے والے کاموں سے مراد سات کبائر ہیں اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے:
حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیا اور تین بار فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے' پھر سر جھکا لیا پھر ہم میں سے ہر شخص سر جھکا کر رونے لگا' ہم نہیں جانتے تھے کہ آپ نے کس چیز کی قسم کھائی ہے' پھر آپ نے سر اُٹھایا تو آپ کے چہرے پر بشاشت تھی اور وہ ہمیں سرخ اونٹوں سے زیادہ محبوب تھی۔ آپ نے فرمایا: ہر جو بندہ پانچ نمازیں پڑھے' رمضان کے روزے رکھے' زکوٰۃ ادا کرے اور سات کبیرہ گناہوں سے بچے اس کے لیے جنت کے دروازے کھول دیئے جائیں گے اور اس سے کہا جائے گا سلامتی کے ساتھ داخل ہو جا۔ (سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۴۳۷' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۷۴۵' المستدرک ج ۱ ص ۲۰۰)
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے غیر اللہ کے لیے ذبح کیا' اس پر اللہ تعالیٰ لعنت فرماتا ہے' اور جو شخص زمین میں علامتیں اور حدود قائم نہیں کرتا' اللہ اس پر لعنت فرماتا ہے' اور جو شخص راستہ دکھانے سے اندھا بن جاتا ہے اللہ اس پر لعنت فرماتا ہے' اور جو شخص اپنے والدین کو گالی دیتا ہے اللہ اس پر لعنت فرماتا ہے' اور جو شخص اپنے مالکوں کے غیر کی طرف منسوب ہوتا ہے اللہ اس پر لعنت فرماتا ہے۔
(مسند احمد رقم الحدیث: ۱۸۷۵' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۱۵۴۶' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۲۵۸۱)
حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ بتاؤ کہ تم زانی' چور اور شرابی کے متعلق کیا کہتے ہو؟ صحابہ نے کہا اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جاننے والے ہیں۔ آپ نے فرمایا: یہ بہت بے حیائی کے کام ہیں اور ان کی سزا ہے۔ کیا میں تم کو بہت بڑا کبیرہ نہ بتاؤں؟ آپ نے فرمایا: وہ اللہ کا شریک قرار دینا ہے' اور ماں باپ کی نافرمانی کرنا ہے۔ آپ ٹیک لگائے ہوئے تھے پھر آپ اُٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا اور سنو جھوٹ بولنا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہر وہ کام جس سے اللہ نے منع فرمایا اس کو کرنا کبیرہ گناہ ہے۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۲۶۳۳)
حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کبائر یہ ہیں: اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا' اللہ کے عذاب سے بے خوف ہونا' اللہ کی رحمت سے مایوس ہونا۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۸۷۷۵)
حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا: میں تم کو

پر بیعت کرتا ہوں کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں قرار دو گے' اور اس شخص کو ناحق قتل نہیں کرو گے جس کے قتل کو اللہ نے حرام فرما دیا ہے' اور زنا نہیں کرو گے اور چوری نہیں کرو گے اور کسی نشہ آور مشروب کو نہیں پیو گے' تم میں سے کسی نے ان میں سے کوئی کام کیا پھر اس پر حد نافذ ہو گئی تو وہ اس کا کفارہ ہے' اور جس شخص پر اللہ نے ستر کر لیا تو اس کا حساب اللہ کے ذمہ ہے اور جس نے ان میں سے کوئی کام نہیں کیا تو میں اس کے لیے جنت کا ضامن ہوں۔ (المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۹۲۷)

ان تمام احادیث میں کبائر کا ثبوت ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: یہ بتاؤ کہ تم میں سے کسی ایک کے دروازہ پر اگر دریا ہو اور وہ اس میں ہر روز پانچ مرتبہ غسل کرے تو کیا اس کے بدن پر میل رہے گا؟ مسلمانوں نے کہا اس کے بدن پر بالکل میل نہیں رہے گا۔ آپ نے فرمایا: پانچ نمازوں کی یہی مثال ہے' ان سے اللہ گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۲۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۶۷' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۸۶۸' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۶۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر عرض کیا یا رسول اللہ ! مدینہ کے آخری کنارے میں' میں ایک عورت کے ساتھ بغل گیر ہو گیا اور دخول کرنے کے سوا میں نے اس سے سب کچھ کیا۔ اب میں یہاں حاضر ہوں آپ جو چاہیں میرے متعلق فیصلہ فرمائیں۔ حضرت عمر نے کہا اللہ تعالیٰ نے تیرا پردہ رکھ لیا تھا کاش تو بھی اپنا پردہ رکھتا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ شخص اُٹھ کر چل دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے پیچھے کسی شخص کو بھیج کر اس کو بلوایا اور یہ آیت پڑھی:

اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَ زُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ۝ (ھود: ۱۱۴)

دن کے دونوں کناروں اور رات کے کچھ حصہ میں نماز قائم رکھو' بے شک نیکیاں برائیوں کو دُور کر دیتی ہیں۔ یہ نصیحت قبول کرنے والوں کے لیے نصیحت ہے۔

مسلمانوں میں سے ایک شخص نے کھڑے ہو کر پوچھا یا رسول اللہ! کیا یہ آیت اس کے لیے خاص ہے؟ آپ نے فرمایا: تمام لوگوں کے لیے ہے۔

(صحیح مسلم التوبۃ: ۴۲' (۲۷۶۳) الرقم المسلسل' ۶۸۷۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۴۶۸' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۱۲' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۳۲۴)

ان حدیثوں میں گناہ صغیرہ پر دلالت ہے اور اس پر کہ نیک کام کرنے سے صغائر معاف ہو جاتے ہیں۔

گناہ کبیرہ کی تعداد

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کبائر سات ہیں اور ان سے ایک روایت ہے کہ کبائر ستر ہیں اور ایک روایت ہے کہ کبائر سات سو ہیں۔ (فتح الباری ج ۱۴ ص ۶۸۵۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ)

حافظ محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ نے الکبائر کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جس میں قرآن مجید کی آیات اور احادیث کے حوالہ جات سے ستر گناہ کبیرہ لکھے ہیں ہم ان کے دلائل کو ترک کر کے صرف ان کبائر کے عنوانات لکھ رہے ہیں۔

(۱) جس کام سے اللہ تعالیٰ اس کے رسول اور صحابہ نے منع کیا ہو۔ (۲) قتل ناحق (۳) جادو (۴) ترک نماز (۵) ترک زکوٰۃ (۶) بلا عذر رمضان کا روزہ نہ رکھنا (۷) باوجود قدرت کے حج نہ کرنا (۸) ماں باپ کی نافرمانی کرنا (۹) رشتہ داروں سے قطع تعلق کرنا (۱۰) زنا (۱۱) قوم لوط کا عمل (۱۲) سود کھانا (۱۳) ظلماً یتیم کا مال کھانا (۱۴) اللہ اور اس کے رسول پر جھوٹ

باندھنا (۱۵) میدانِ جہاد سے بھاگنا (۱۶) سربراہ مسلمین کا عوام پر ظلم کرنا یا عوام کا اس پر ظلم کرنا (۱۷) فخر و تکبر کرنا اور اِترا
(۱۸) جھوٹی گواہی دینا (۱۹) خمر (شراب) پینا (۲۰) جوا کھیلنا (۲۱) مسلمان پاک دامن عورتوں کو بدکاری کی تہمت لگا
(۲۲) مالِ غنیمت میں خیانت کرنا (۲۳) چوری کرنا (۲۴) ڈاکا ڈالنا (۲۵) جھوٹی قسم کھانا (۲۶) ظلم کرنا (۲۷) سلطان کے حکم کے بغیر ٹیکس جمع کرنا (۲۸) حرام کھانا یا کسی طریقہ سے بھی حرام کو استعمال کرنا (۲۹) خودکشی کرنا (۳۰) باتوں میں بہ کثرت جھوٹ بولنا (۳۱) ناجائز فیصلے کرنا (۳۲) رشوت لینا (۳۳) عورتوں کا مردوں کی اور مردوں کا عورت کی مشابہت کرنا (۳۴) دیوثی کرنا (۳۵) طلاق دینے کی شرط سے حلالہ کرنا (۳۶) پیشاب کے قطروں سے نہ بچنا (۳۷) علم کو چھپانا (۳۸) دنیا کے لیے علم دین حاصل کرنا (۳۹) خیانت کرنا (۴۰) احسان جتانا (۴۱) تقدیر کو جھٹلانا (۴۲) لوگوں کو سنانے کے لیے نیک کام کرنا (۴۳) چغلی کرنا (۴۴) ایک دوسرے پر لعنت کرنا (۴۵) عہد شکنی کرنا (۴۶) نجومی کی تصدیق کرنا (۴۷) بیوی کا خاوند کی نافرمانی کرنا (۴۸) تصویر بنانا (۴۹) نوحہ اور ماتم کرنا' اپنے آپ کو پیٹنا (۵۰) حاکم کے خلاف بغاوت کرنا (۵۱) کمزوروں' باندیوں' نوکروں اور بیویوں پر تشدد کرنا (۵۲) پڑوسی کو اذیت پہنچانا (۵۳) مسلمانوں کو ایذا دینا اور ان کو گالی دینا (۵۴) اللہ کے بندوں کو اذیت پہنچانا اور ان پر سختی کرنا (۵۵) قدموں کے نیچے گھسٹتے ہوئے کپڑے پہننا یا تکبر سے ٹخنوں کے نیچے کپڑوں کو لٹکانا (۵۶) مردوں کا سونے اور ریشم کا لباس پہننا (۵۷) غلام کا بھاگنا (۵۸) غیر اللہ کے لیے ذبح کرنا (۵۹) اپنے باپ کے علاوہ کسی اور سے نسب قائم کرنا (۶۰) شرعی جواز کے بغیر جھگڑا کرنا (۶۱) فاضل پانی دینے سے منع کرنا (۶۲) ناپ تول میں کمی کرنا (۶۳) اللہ کے عذاب سے بے خوف ہونا (۶۴) اولیاء اللہ کو اذیت دینا (۶۵) اولیاء اللہ سے عداوت رکھنا (۶۶) بغیر عذر شرعی کے جماعت کو ترک کرنا (۶۷) بغیر عذر شرعی کے جماعت اور جمعہ کو ترک کرنا (۶۸) دھوکا اور فریب دینا (۶۹) مسلمانوں کے عیوب تلاش کرنا اور ان کو بیان کرنا (۷۰) صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی کو سب و شتم کرنا۔ (الکبائر' دار الغد العربی قاہرہ مصر)

گناہِ کبیرہ کی متعدد تعریفیں

امام رافعی نے الشرح الکبیر میں لکھا ہے کبیرہ وہ گناہ ہے جو حد کا موجب ہو' یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس کے مرتکب پر کتاب یا سنت میں وعید کی تصریح ہو۔ امام بغوی نے بھی یہی تعریف کی ہے۔

علامہ الماوردی نے کہا ہے کبیرہ وہ گناہ ہے جس پر حد واجب ہو یا اس کے مرتکب پر وعید ہو۔ علامہ عسقلانی نے اس تعریف کو معتمد کہا ہے۔ علامہ عبد السلام نے کہا جس معصیت کو معمولی سمجھ کر اس کا ارتکاب کیا جائے' وہ کبیرہ ہے۔ اسی طرح اگر گناہِ صغیرہ کا ارتکاب یہ سمجھ کر کیا جائے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے تو وہ بھی کبیرہ ہے' اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ صغیرہ پر عذاب نہیں ہوتا' یہ اس وقت ہے جب شامت نفس سے انسان کوئی صغیرہ گناہ کر بیٹھے پھر اس پر نادم اور تائب ہو' اور جب بے خوفی اور دیدہ دلیری سے کوئی معصیت کرے خواہ وہ معصیت صغیرہ ہو تو پھر وہ کبیرہ گناہ ہے۔ اسی طرح ہر وہ معصیت جس پر وعید ہو یا لعنت ہو' وہ گناہِ کبیرہ ہے۔ اس تعریف میں واجبات کو ترک کرنا بھی داخل ہے' خواہ اس فعل کو علی الفور کرنا واجب ہو یا اس کے وجوب میں وسعت ہو۔

علامہ ابن الصلاح نے کہا کبیرہ گناہ کی علامتیں ہیں' ان میں سے بعض یہ ہیں کہ اس فعل پر حد واجب ہو یا کتاب و سنت میں اس پر عذاب کی وعید ہو یا اس کو فاسق فرمایا ہو یا اس پر لعنت فرمائی ہو' یہ زیادہ جامع تعریف ہے۔

علامہ ابو العباس قرطبی مالکی نے المفہم میں کبیرہ کی جو تعریف کی ہے وہ سب سے احسن تعریف ہے۔

ہر وہ معصیت جس کے متعلق کتاب' سنت یا اجماع میں یہ تصریح ہو کہ یہ کبیرہ ہے یا عظیم ہے یا اس کے متعلق فرمایا ہو کہ اس کے مرتکب کو عذاب ہو گا یا اس پر حد معلق کی ہو یا اس معصیت کی شدید مذمت کی ہو وہ کبیرہ ہے۔

علامہ الحلیمی نے المنہاج میں لکھا ہے ہر گناہ صغیرہ ہے یا کبیرہ ہے اور کبھی کسی قرینہ کی بناء پر صغیرہ بھی کبیرہ ہو جاتا ہے۔ (مثلاً صغیرہ کا ارتکاب معمولی سمجھ کر کرے اور اس پر نادم اور تائب ہوئے بغیر دوبارہ صغیرہ کرے' اس کو صغیرہ پر اصرار کہتے ہیں' اور اگر شامت نفس سے صغیرہ کا ارتکاب کیا پھر نادم ہوا اور اس پر توبہ کر لی پھر دوبارہ شامت نفس سے صغیرہ کر لیا اور اس پر پھر نادم اور تائب ہوا تو یہ تکرار معصیت ہے اصرار نہیں ہے' اور اس صورت میں وہ صغیرہ ہی رہے گا' بعض علماء نے کہا ہے کہ فرض کا ترک اور حرام کا ارتکاب کبیرہ ہے اور واجب کا ترک اور مکروہ تحریمی کا ارتکاب صغیرہ ہے)

علامہ الحلیمی نے لکھا ہے کہ کبیرہ کی دو قسمیں ہیں ایک فاحش اور دوسرا افحش۔ مثلاً ناحق قتل کرنا کبیرہ ہے لیکن اگر کسی شخص نے اپنی اولاد کو قتل کیا یا باپ دادا کو قتل کیا یا کسی نواسے یا نواسی کو قتل کیا یا حرم میں قتل کیا یا حرمت والے مہینوں میں قتل کیا یا رمضان میں قتل کیا تو یہ کبیرہ فاحشہ ہے۔ اسی طرح زنا کرنا گناہِ کبیرہ ہے اور اگر اس نے پڑوسی کی بیوی سے زنا کیا یا کسی رشتہ دار سے زنا کیا یا ماہِ رمضان میں یا حرم میں زنا کیا تو یہ کبیرہ فاحشہ ہے۔ اسی طرح شراب پینا کبیرہ ہے اور اگر ماہِ رمضان میں دن کے وقت شراب پی یا حرم میں شراب پی یا علی الاعلان شراب پی تو یہ کبیرہ فاحشہ ہے' اگر کسی اجنبی عورت کی رانوں سے لذت حاصل کی تو یہ صغیرہ ہے اور اگر اپنے باپ کی بیوی یا بہو یا کسی نواسی یا بھانجی' بھتیجی کی رانوں سے لذت حاصل کی تو یہ گناہِ کبیرہ ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ (فتح الباری ج ۱۴ص ۱۶۰۔۱۵۹' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۲۰۰۰ھ)

مکس کا لغوی اور اصطلاحی معنی

ہم نے علامہ ذہبی کی الکبائر سے ستائیسواں کبیرہ نقل کیا ہے کہ سلطان کی اجازت کے بغیر ٹیکس لینا بھی کبیرہ ہے۔ عربی میں اس کے لیے مکس کا لفظ ہے اور فقہاء اس کے لیے جبایہ کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ المنجد میں ان دونوں لفظوں کا معنی ٹیکس لینا لکھا ہے۔

علامہ ابن اثیر جزری متوفی ۶۰۶ھ نے مکس کا معنی لکھا ہے' عشر لینے والا جو حصہ وصول کرتا ہے۔ (النہایہ ج ۴ص ۲۹۷)

اسی طرح علامہ محمد بن محمد زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ نے لکھا ہے۔ (تاج العروس ج ۴ص ۲۴۹)

علامہ شمس الدین ذہبی متوفی ۷۴۸ھ نے مکس کے کبیرہ ہونے پر حسب ذیل دلائل دیئے ہیں:

اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ (الشوریٰ: ۴۲)

مواخذہ کی راہ صرف ان لوگوں کے لیے ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق فساد کرتے ہیں' انہیں لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے۔

اور مکاس (ٹیکس لینے والا) ظالموں کا سب سے بڑا مددگار ہے بلکہ وہ خود ظالموں میں سے ہے کیونکہ وہ اس چیز کو لیتا ہے جس کا وہ مستحق نہیں ہے اور اس کو دیتا ہے جو اس کا مستحق نہیں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مکاس جنت میں داخل نہیں ہو گا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۹۳۷' سنن دارمی رقم الحدیث: ۱۶۶۶' مسند احمد ج ۴ص ۱۴۳) (الکبائر ص ۱۲۶' مطبوعہ دار الغد العربی مصر)

علامہ ابوسلیمان خطابی متوفی ۳۸۸ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صاحب مکس وہ شخص ہے جو مسلمانوں سے عشر وصول کرتا ہے اور آنے جانے والے تاجروں سے چونگی وصول کرتا ہے' اس کو مکس سے تعبیر کیا ہے جو عشر لینے والے کا نام ہے۔ صاحب مکس سے مراد وہ عامل نہیں ہے جو صدقات وصول کرتا ہے کیونکہ

صدقات وصول کرنے کا منصب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور آپ کے بعد بھی افاضل اور اکابر صحابہ کے پاس تھا۔ مکس کی اصل نقص ہے اسی لیے خریدار سودے کی قیمت جو کم کراتا ہے' اس کو مکاس کہتے ہیں۔ رہا وہ عشر جو طے شدہ شرائط کے مطابق مسلمان شہروں میں آنے والے تاجروں سے لیا جاتا ہے (یعنی کسٹم ڈیوٹی) تو وہ مکس نہیں ہے اور نہ اس کا لینے والا وعید کا مستحق ہے سوا اس کے کہ وہ تجاوز اور ظلم کرے تو اس پر گناہ اور عذاب کا خطرہ ہے۔

(معالم السنن مع مختصر سنن ابوداؤد ج ۴ ص ۱۹۷' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۰۰ھ)

مکس کا اصطلاحی معنی یہ ہے: شہر میں داخل ہونے والے تاجروں سے جو حصہ (چونگی) لیا جائے' وہ مکس ہے اور اس کو لینے والا ماکس ہے' اور مکس کا غالب استعمال اس مال پر کیا جاتا ہے جس کو خرید و فروخت کے وقت بادشاہ کے کارندے ظلماً وصول کرتے ہیں۔ علامہ ذہبی نے مکس کو جو گناہِ کبیرہ لکھا ہے' وہ اسی معنی کے اعتبار سے لکھا ہے۔

بینک سے کاٹی ہوئی زکوٰۃ کا شرعی حکم

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

تجنیس اور الولوالجیہ میں مذکور ہے کہ ظالم بادشاہ نے جب صدقات وصول کر لیے تو ایک قول یہ ہے کہ جب دینے والے نے صدقات کی ادائیگی کی نیت کر لی تھی تو اس کو دوبارہ زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم نہیں دیا جائے گا کیونکہ ظالم سلطان کے اوپر لوگوں کے اس قدر حقوق ہیں کہ اس کے پاس جتنا بھی مال ہے' وہ لوگوں کا ہے اور وہ حقیقت میں فقیر ہے' اور بعض فقہاء نے کہا ہے کہ زیادہ احتیاط اس میں ہے کہ وہ دوبارہ زکوٰۃ ادا کرے۔ امام ابوجعفر طحاوی نے کہا ہے کہ سلطان کو صدقات وصول کرنے کی ولایت حاصل ہے لہٰذا صدقہ دینے والوں سے زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی۔ خواہ سلطان ان صدقات کو اپنے عمل میں نہ رکھے' اس کا وصول کرنا باطل نہیں ہوگا۔ اس پر فتویٰ دیا گیا ہے لیکن یہ حکم اموال ظاہرہ کے صدقات میں ہے اگر سلطان نے سخت مطالبہ کر کے اموال باطنہ سے زکوٰۃ وصول کی ہے اور دینے والے نے زکوٰۃ کی نیت کر لی' مشائخ متاخرین کے نزدیک پھر بھی جائز ہے' لیکن صحیح قول یہ ہے کہ یہ جائز نہیں ہے کیونکہ ظالم سلطان کے لیے اموالِ باطنہ سے زکوٰۃ وصول کرنا جائز نہیں ہے' اس لیے اس کو دوبارہ زکوٰۃ دینی ہوگی۔ (رد المحتار ج ۳ ص ۲۰۰-۱۹۹' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

اموالِ ظاہرہ یہ ہیں گائے' بکری اور اونٹ' مالِ تجارت اور زمین کی پیداوار' اور اموالِ باطنہ یہ ہیں سونا' چاندی اور کرنسی نوٹ۔ پاکستان کے بینکوں میں جو مسلمانوں کا روپیہ رکھا ہوا ہے حکومت ہر سال اس سے زکوٰۃ کاٹ لیتی ہے اور یہ اموالِ باطنہ سے جبراً زکوٰۃ وصول کرنا ہے۔ علامہ شامی کی اس تحقیق کے اعتبار سے یہ زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی کیونکہ اموالِ باطنہ سے جبراً زکوٰۃ وصول کرنے کا ظالم حکومت کو اختیار نہیں ہے۔ اموالِ ظاہرہ سے حکومت جبراً زکوٰۃ وصول کر لے تو اس کے ادا ہونے میں تو اختلاف ہے لیکن اموالِ باطنہ میں اتفاق ہے کہ ظالم حکومت اگر جبراً زکوٰۃ وصول کر لے تو وہ ادا نہیں ہوگی۔ کیونکہ ظالم سلطان کے متعلق تو یہ کہا جاتا ہے کہ اس پر لوگوں کے اتنے حقوق ہیں کہ اس کے پاس جو بھی مال ہے وہ دوسروں کا ہے اور وہ حقیقت میں فقیر ہے۔ اس لیے اس کو زکوٰۃ ادا کرنے کی نیت کر لی تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی لیکن حکومت تو فقیر نہیں ہے' اس لیے اس کو زکوٰۃ ادا کرنے کی نیت صحیح نہیں ہے کیونکہ حکومت یا بینک فقیر نہیں ہے' اور ثانیاً اس لیے کہ حکومت یا بینک کو اموالِ ظاہرہ سے زکوٰۃ وصول کرنے کا اختیار ہے اموالِ باطنہ سے زکوٰۃ وصول کرنے کا اختیار نہیں ہے' اس لیے بینک سے جو زکوٰۃ وضع کی جاتی ہے' اس سے دینے والے کی زکوٰۃ شرعاً ادا نہیں ہوتی اور اس پر واجب ہے کہ وہ دوبارہ زکوٰۃ ادا کرے۔

علامہ شامی فرماتے ہیں مکاس جو وصول کرتے ہیں' اس کا بھی یہی حکم ہے کیونکہ مکاس اصل میں عاشر (عشر وصول کرنے

والا) ہے جس کو امام نے مقرر کیا ہے لیکن آج کل مکاس کو امام صدقات وصول کرنے کے لیے مقرر نہیں کرتا بلکہ وہ لوگوں کا مال ظلماً چھیننے کے لیے ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر مکاس کو زکوٰۃ دی گئی تو ادا نہیں ہوگی۔ ہاں اگر اس مکاس پر صدقہ کرنے کی نیت سے زکوٰۃ دی گئی تو وہ اسی اختلاف پر ہے بعض کے نزدیک زکوٰۃ ادا ہو جائے گی کیونکہ مکاس کے پاس اگرچہ مال بہت ہے لیکن وہ ظلماً لیا ہوا ہے۔ لہٰذا وہ اس مال کا حقیقتاً مالک نہیں ہے اور اس پر لوگوں کے اتنے حقوق ہیں کہ در اصل وہ فقیر ہے۔ لہٰذا اس پر صدقہ کرنے کی نیت سے زکوٰۃ دی گئی تو ادا ہو جائے گی اور بعض کے نزدیک زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی اور اس پر دوبارہ زکوٰۃ دینا واجب ہے۔ (ردالمحتار ج ۳ ص ۲۰۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۹ھ)

مکاس کی مذمت میں احادیث

نیز علامہ شامی لکھتے ہیں:

امام طبرانی نے روایت کیا ہے کہ اللہ اپنی مخلوق کے قریب ہوگا اور جس کو چاہے گا بخش دے گا سوا طوائف کے اور ناجائز طریقہ سے عشر لینے والے کے۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۸۳۷۲) اور حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صاحب مکس جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۹۳۳ مسند احمد ج ۴ ص ۱۰۵ المستدرک ج ۱ ص ۴۰۴ السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۱۶ یہ حدیث صحیح ہے) امام بغوی نے کہا ہے صاحب مکس سے مراد وہ شخص ہے کہ جب اس کے پاس سے تاجر گزرتے ہیں تو وہ عشر کے نام سے ان سے مکس لیتا ہے۔ حافظ منذری نے کہا اب وہ زکوٰۃ کے نام سے مکس لیتے ہیں اور بغیر کسی عنوان کے بھی وصول کرتے ہیں بلکہ یہ وہ چیز ہے جس کو وہ رشوت کے طور پر لیتے ہیں اور وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں۔

یہ وہ عاشر نہیں ہے جس کو امام مقرر کرتا ہے یہ تاجروں سے اس شرط کے ساتھ لیتے ہیں کہ وہ ان کو چوروں اور ڈاکوؤں سے محفوظ رکھیں گے اور وہ شہر کے دروازوں پر کھڑے ہوتے ہیں اور حقیقت میں ان کا ضرر چوروں اور ڈاکوؤں سے زیادہ ہے۔ صاحب بزازیہ نے کہا ہے کہ مکاس کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی ہاں اگر ان پر صدقہ کی نیت کر لی جائے تو پھر اس میں دو قول ہیں۔ (ردالمحتار ج ۳ ص ۲۲۴۔ ۲۲۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۹ھ)

ٹیکس لگانے کی تحقیق

پہلے زمانہ میں ملکی اور قومی ضروریات اتنی زیادہ نہیں تھیں جن کی وجہ سے حکومت کو ٹیکس لگانا پڑے۔ بیت المال میں جو اموالِ ظاہرہ کی زکوٰۃ جمع کی جاتی تھی اسی طرح عشر اور خراج کے ذریعہ جو رقوم جمع ہوتی تھیں ان سے ملکی اور قومی ضروریات پوری ہو جاتی تھیں لیکن اب زمانہ کے تقاضے بدل گئے ہیں اور ملکی اور قومی ضروریات بہت بڑھ گئی ہیں۔ اب تلواروں تیروں اور نیزوں سے دفاع نہیں کیا جاتا نہ صرف بندوقوں اور توپوں سے کام چلتا ہے۔ اب ٹینک طیاروں میزائلوں اور آب دوزوں سے جنگ کا زمانہ ہے بلکہ اب ملک کی سالمیت کے تحفظ کے لیے ایٹمی ہتھیار بنانا ضروری ہیں۔ اب تعلیم پر حکومت کے اخراجات میں اضافہ ہو گیا ہے اسکولوں کالجوں اور یونیورسٹیوں کا بنانا اور چلانا ان کے اساتذہ کو تنخواہیں دینا اسی طرح عوام کے علاج کے لیے ہسپتال بنانا اور چلانا اور اس کے اسٹاف کو تنخواہیں دینا اسی طرح فوج کو تنخواہیں دینا ان کو ضروریات اور مراعات فراہم کرنا آمد و رفت کے لیے سڑکیں اور پل بنانا اسی طرح وزیروں کو تنخواہیں دینا اور حکومت کے دیگر اخراجات ان سب ضروریات کے لیے حکومت کو پیسہ چاہیے زمانہ رسالت میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب مسلمانوں کی انفرادی یا اجتماعی

ضرورت کے لیے روپیہ کی ضرورت ہوتی تو آپ مسلمانوں سے اپیل کرتے اور وہ آپ کو روپیہ فراہم کرتے تھے۔

انفرادی اور اجتماعی اور ملکی اور قومی ضروریات کے لیے نبی ﷺ کا مدد کے لیے مسلمانوں سے اپیل کرنا

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم دن کے اوائل حصہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے' اسی اثنا میں کچھ لوگ آئے جو ننگے پیر اور ننگے بدن تھے' گلے میں چمڑے کی عبائیں پہنے ہوئے تھے اور تلواریں لٹکائے ہوئے تھے۔ ان میں سے اکثر بلکہ سب قبیلہ مضر سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے فقر و فاقہ کو دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور متغیر ہو گیا' آپ اندر گئے پھر باہر آئے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان دینے کا حکم دیا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی پھر اقامت کہی۔ آپ نے نماز پڑھائی پھر خطبہ دیا اور فرمایا: اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو' جس نے تمہیں ایک نفس سے پیدا کیا ہے' آپ نے یہ پوری آیت پڑھی۔ (النساء: ۱) اور یہ آیت پڑھی: انسان کو غور کرنا چاہیے کہ وہ کل آخرت کے لیے کیا بھیج رہا ہے۔ (الحشر: ۱۸) لوگ درہم' دینار' اپنے کپڑے' گیہوں اور جو کو بہ مقدار چار کلوگرام صدقہ کریں یا پھر کھجور کا ایک ٹکڑا ہی ہو۔ منذر بن جریر کہتے ہیں کہ انصار میں سے ایک شخص ایک تھیلا اٹھا کر لایا جس کے بوجھ سے اس کا ہاتھ تھکا جا رہا تھا' اس کے بعد لوگوں کا تانتا بندھ گیا یہاں تک کہ میں نے کھانے کی چیزوں اور کپڑوں کے دو ڈھیر دیکھے۔ میں نے دیکھا کہ (خوشی سے) رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ تمتما رہا تھا۔ یوں لگتا تھا کہ جیسے آپ کا چہرہ سونے کا ہو۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۱۷' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۵۵۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۳)

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عوام کی انفرادی ضروریات کے لیے لوگوں سے روپے پیسے کی اپیل کی اور مسلمانوں نے رضا کارانہ طور پر آپ کی اپیل پر عمل کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو صدقہ کرنے کا حکم دیا' اتفاق سے میرے پاس اس وقت کافی مال تھا' میں نے دل میں سوچا کہ اگر میں کبھی حضرت ابوبکر سے بڑھ سکتا ہوں تو اس کا آج موقع ہے۔ میں آپ کے پاس اپنا آدھا مال لے کر آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے اپنے اہل کے لیے کیا رکھا ہے؟ میں نے کہا اتنا ہی مال ان کے لیے چھوڑا ہے' اور حضرت ابوبکر اپنا تمام مال لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ گئے۔ آپ نے فرمایا: اے ابوبکر! تم نے اپنے اہل کے لیے کیا چھوڑا ہے؟ حضرت ابوبکر نے کہا میں نے ان کے لیے اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑا ہے' پھر میں نے سوچا کہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کبھی نہیں بڑھ سکتا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۷۵' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۷۸)

حضرت عبدالرحمان بن خباب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا' اس وقت آپ غزوۂ تبوک میں امداد کے لیے مسلمانوں کو ترغیب دے رہے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ! اللہ کی راہ میں میرے ذمہ سو اونٹ ہیں' اس کے پالان اور کپڑے کے ساتھ۔ آپ نے پھر لوگوں کو لشکر کی امداد پر ترغیب دی پھر حضرت عثمان نے کھڑے ہو کر کہا اللہ کی راہ میں میرے ذمہ دو سو اونٹ ہیں' ان کے پالان اور ان کے کپڑوں کے ساتھ۔ آپ نے پھر مسلمانوں کو برانگیختہ کیا تو حضرت عثمان نے کہا میرے ذمہ تین سو اونٹ ہیں' ان کے پالانوں اور ان پر ڈالنے والے کپڑوں کے ساتھ۔ پھر میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اُترے اور آپ یہ فرما رہے تھے کہ آج کے بعد عثمان جو عمل بھی کریں گے اس سے ان کو ضرر نہیں ہوگا۔ (یعنی اللہ ان کو گناہوں سے محفوظ رکھے گا)

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۷۰۰' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۵۹۱۱' حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۵۹' دلائل النبوۃ ج ۵ ص ۲۱۴)

ثمامہ بن حزن قشیری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں اس حویلی کے پاس گیا جس کے اوپر سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جھانک رہے تھے۔ آپ نے باغیوں سے فرمایا میں تم کو اللہ اور اسلام کی قسم دے کر سوال کرتا ہوں کیا تم کو معلوم ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں آئے تو مسلمانوں کے پینے کے لیے میٹھے پانی کا کوئی کنواں نہیں تھا؟ رومہ نام کا صرف ایک میٹھے پانی کا کنواں تھا۔ آپ نے فرمایا: تم میں سے کون شخص رومہ نام کے کنویں کو خریدے گا اور اس کے ڈول کو مسلمانوں کے ڈولوں کے لیے کردے گا اور اس کی نیکی اس کو جنت میں ملے گی؟ تو میں نے اس کنویں کو اپنے ذاتی مال سے خریدا اور آج تم مجھ کو اس کنویں سے پانی پینے کو منع کرتے ہو حتیٰ کہ میں سمندر کا کھاری پانی پیتا ہوں' باغیوں نے کہا ہاں' اے اللہ! حضرت عثمان نے فرمایا میں تم کو اللہ کی اور اسلام کی قسم دیتا ہوں کیا تم کو معلوم ہے کہ مسجد (نبوی) میں نمازیوں کی گنجائش کم تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کون شخص آل فلاں کی زمین کا قطعہ خرید کر اس مسجد میں اضافہ کرے گا اور اس کے بدلہ میں اس کو جنت میں خیر ملے گی' پھر میں نے زمین کے اس قطعہ کو اپنے ذاتی مال سے خریدا اور تم اب مجھے اس مسجد میں دو رکعت نماز بھی نہیں پڑھنے دیتے۔ انہوں نے کہا اے اللہ! ہاں' حضرت عثمان نے فرمایا میں تم کو اللہ کی اور اسلام کی قسم دیتا ہوں کیا تم کو معلوم ہے کہ میں نے غزوۂ تبوک کے لشکر کی اپنے ذاتی مال سے مدد کی تھی؟ انہوں نے کہا اے اللہ! ہاں' حضرت عثمان نے کہا میں تم کو اللہ کی اور اسلام کی قسم دیتا ہوں کیا تم کو معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے ثبیر نامی پہاڑ پر تھے اور آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر' حضرت عمر اور میں تھا۔ وہ پہاڑ ہلنے لگا اور اس کے پتھر نشیب میں گرنے لگے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیر سے اس پہاڑ پر ٹھوکر ماری اور فرمایا: اے ثبیر! ساکن ہو جا! تجھ پر ایک نبی ہے' ایک صدیق ہے اور دو شہید ہیں۔ انہوں نے کہا اے اللہ! ہاں' آپ نے تین بار فرمایا اللہ اکبر! تم گواہ رہنا رب کعبہ کی قسم! تم گواہ رہنا میں شہید ہوں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۷۰۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۱۱' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۲۴۹۲' سنن دارقطنی ج ۴ ص ۱۹۶' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۶ ص ۱۶۸' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۶۱۰)

ٹیکس لگانے کے وجوب پر عقلی دلیل

ان تمام احادیث میں یہ تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ملکی اور قومی ضروریات کے لیے مسلمانوں سے مدد کرنے کی اپیل کی اور مسلمانوں نے رضا کارانہ طور پر آپ کی اس اپیل پر بڑھ چڑھ کر حصہ لیا' لیکن آج کے دور میں مسلمانوں میں ایثار کرنے اور اجتماعی ضروریات کے لیے کھلے دل سے مال خرچ کرنے کا جذبہ نہیں ہے' اور ملک کے دفاع' فوجوں کی تنخواہوں' اسلحہ خریدنے اور ایٹمی ہتھیار بنانے کے لیے سرمایہ کا حصول واجب ہے اور آمد و رفت کے ذرائع کے لیے سڑکیں اور پل وغیرہ بنانا بھی واجب ہے' اسی طرح صحت اور علم کے فروغ کے لیے ہسپتال اور تعلیمی ادارے بنانا اور چلانا بھی واجب ہے۔ لہٰذا ان امور کے لیے سرمایہ کو فراہم کرنا واجب ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ فرض کا مقدمہ فرض اور واجب کا مقدمہ واجب ہوتا ہے یعنی جس کام پر کوئی واجب کام موقوف ہو وہ بھی واجب ہوتا ہے اور آج کی مہذب دنیا میں ملکی اور قومی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے حکومت ٹیکس لگاتی ہے اور اس کو وصول کرتی ہے۔ اس لیے حکومت پر ان امور کے لیے ٹیکس لگانا واجب ہے اور عام مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ ان امور میں ٹیکس ادا کریں' ملکی اور قومی ضروریات کا پورا ہونا جب ٹیکس لگانے اور ٹیکس دینے پر موقوف ہے اور ان ضروریات کا پورا کرنا واجب ہے۔ لہٰذا ٹیکس دینا واجب ہے اور اس کی دوسری دلیل یہ ہے کہ سربراہ مملکت اور مسلمانوں کے امیر کی جائز اور صحیح کاموں میں اطاعت کرنا واجب ہے۔

حاکم کی اطاعت کے وجوب پر قرآن مجید سے استدلال

قرآن کریم میں ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ (النساء: ۵۹)

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور جو تم میں سے صاحبانِ امر ہیں ان کی اطاعت کرو۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا اولی الامر منکم سے مراد امراء اور حکام ہیں۔ ابن وہب نے کہا اس سے مراد سلاطین ہیں۔ مجاہد نے کہا اس سے مراد اصحابِ فقہ ہیں۔ حضرت ابن عباس کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ نے فرمایا: ان اقوال میں اولیٰ یہ ہے کہ اولی الامر سے مراد ائمہ اور حکام ہیں کیونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عنقریب میرے بعد حکام ہوں گے۔ (ان میں) نیک حکام بھی ہوں گے اور فاسق بھی۔ تم ان کے احکام سننا اور ان کا جو حکم حق کے موافق ہو اس میں ان کی اطاعت کرنا اور ان کی اقتداء میں نماز پڑھنا اگر وہ نیک کام کریں گے تو اس میں تمہارا اور ان کا نفع ہے اور اگر وہ برے کام کریں گے تو تم کو نفع ہوگا اور ان کو ضرر' اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان شخص پر حکم کی اطاعت لازم ہے' خواہ اس کو وہ حکم پسند ہو یا ناپسند' ہاں اگر اس کو اللہ تعالیٰ کی معصیت کا حکم دیا جائے تو خالق کی معصیت میں مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں ہے۔

(جامع البیان جز ۵ ص ۲۰۷ ملخصاً مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حاکم کی اطاعت کے وجوب پر احادیث سے استدلال

حاکم کے احکام کی اطاعت میں حسبِ ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی' اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی' اور جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی' اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۵۸۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۳۵' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۲۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۷۲' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۱۹۴' السنن الکبریٰ رقم الحدیث: ۱۱۱۰۹' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۱۱۲۳' المسند الجامع رقم الحدیث: ۱۴۶۶۹)

اُم الحصین رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم پر سیاہ فام نکٹے غلام کو بھی حاکم بنا دیا جائے اور وہ تم کو کتاب اللہ کے مطابق حکم دے تو تم اس کا حکم سنو اور اس کی اطاعت کرو۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۳۸' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۷۰۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۶۴' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۲۸۶۴)

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو بلایا ہم نے آپ کی بیعت کی۔ آپ نے ہم سے اس پر بیعت لی تھی کہ ہم احکام سنیں گے اور ان کی اطاعت کریں گے' خواہ ہماری خوشی ہو یا ناخوشی۔ خواہ ہمارے لیے آسانی ہو یا مشکل اور خواہ ہم پر کسی کو ترجیح دی جائے' اور ہم سربراہ مملکت سے حکومت میں مناقشہ نہیں کریں گے سوا اس صورت کے تم کھلم کھلا کفر دیکھو' جس کے کفر ہونے پر تمہارے پاس کتاب اللہ سے دلیل قائم ہو۔ (پھر تم اس کی حکومت کے خلاف تحریک چلاؤ)۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۰۵۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۰۹' الرقم المسلسل: ۴۶۸۹)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مسلمان شخص پر حاکم کے احکام سننا اور اس کی اطاعت کرنا واجب ہے' خواہ وہ

ان احکام کو سننا پسند کرے یا ناپسند۔ ہاں اگر وہ معصیت کا حکم دے تو نہ اس کے احکام سنے اور نہ اس کی اطاعت کرے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۳۹، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۷۰۷، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۶۴)

ان احادیث میں یہ تصریح ہے کہ جائز امور میں حاکم کے احکام کو سننا اور ان پر عمل کرنا واجب ہے اور قومی اور ملکی ضروریات اور ان کے استحکام اور فلاح کے لیے ٹیکس لینا جائز ہے۔ لہٰذا جب حکومت ٹیکس مانگے تو اس کو ٹیکس دینا واجب ہے اور ہم بتا چکے ہیں کہ واجب جس پر موقوف ہو وہ بھی واجب ہوتا ہے' حدود کو قائم کرنا اور سرحدوں کا تحفظ کرنا واجب ہے اور یہ اس پر موقوف ہے کہ مسلمانوں کا کوئی امیر اور سربراہ ہو' اس لیے صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ جنازہ کو مؤخر کر دیا تھا انہوں نے پہلے امیر المومنین کا انتخاب کیا' اس کے بعد آپ کی نمازِ جنازہ پڑھی اسی طرح ملک کا دفاع کرنا واجب ہے اور وہ اس دور میں ٹیکسوں کی آمدنی پر موقوف ہے' اس لیے ٹیکس ادا کرنا بھی واجب ہے۔

حاکم کی اطاعت کے وجوب پر فقہاء سے استدلال

ہدایہ میں مذکور ہے کہ ہمارا مذہب یہ ہے کہ عیدین میں چھ زائد تکبیریں ہیں اور حضرت ابن عباس کا مذہب یہ ہے کہ عیدین میں بارہ زائد تکبیریں ہیں اور عام لوگوں کا اسی پر عمل ہے کیونکہ خلفاء بنی عباس اسی کا حکم دیتے تھے۔ امام ابو یوسف اور امام محمد کا بھی اسی پر عمل تھا کیونکہ ہارون نے ان کو حکم دیا تھا کہ وہ ان کے دادا یعنی حضرت ابن عباس کے قول پر عمل کریں۔ معراج میں مذکور ہے کیونکہ جو کام معصیت نہ ہو اس میں امام کی اطاعت واجب ہے۔ سو امام ابو یوسف اور امام محمد ہارون کے حکم پر اپنے مذہب کے خلاف عمل کرتے تھے' اسی طرح بعد کے لوگ بھی خلفاء عباسیہ کے حکم پر عمل کرتے تھے۔

(رد المحتار ج ۳ ص ۵۰' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

جب خلیفہ اور امیر کے حکم سے جائز امور میں اپنے مذہب کے خلاف بھی عمل کرنا واجب ہے تو خارج نماز میں اس کے احکام پر عمل کرنا بہ طریق اولیٰ واجب ہوگا بہ شرطیکہ وہ کام معصیت نہ ہو۔ لہٰذا واضح ہو گیا کہ حکومت کے احکام کے مطابق ٹیکس ادا کرنا واجب ہے۔

حکومت کا ٹیکس کی آمدنی کو ذاتی تصرف میں لانا' ناجائز اور ظلم ہے

یہاں تک ہم نے یہ بیان کیا ہے کہ ملکی ضروریات کے حصول کے لیے ٹیکس لگانا جائز ہے لیکن ٹیکس اتنے ہی لگانے چاہئیں جتنے ٹیکسوں کی ضرورت ہو۔ فوجی افسروں اور بیوروکریٹس کی بہت بڑی بڑی تنخواہوں اور ان کے شاہانہ اخراجات پورے کرنے کے لیے غریب عوام سے بھاری ٹیکس لینا' اسی طرح گورنروں' وزیروں' صدر اور وزیر اعظم کی بڑی بڑی تنخواہوں' بے تحاشہ اخراجات اور غیر ملکی دوروں میں بے دریغ زرمبادلہ لٹانے کو محنت کش اور غریب عوام کے ٹیکسوں سے پورا کرنا انتہائی ظالمانہ اقدام ہے۔

پاکستان کے ایک وزیر اعظم اپنے دوسرے دورِ حکومت میں جب امریکہ کے دورہ پر گئے تو اس زمانہ میں برطانیہ کے وزیر اعظم جان میجر اور مصر کے صدر حسنی مبارک بھی امریکہ کے دورے پر گئے ہوئے تھے۔ جان میجر کے ہمراہ آٹھ آدمی تھے' حسنی مبارک کے ہمراہ بارہ آدمی تھے اور پاکستان کے وزیر اعظم کے ہمراہ ایک سو چالیس آدمی تھے۔ وزیر اعظم پاکستان کے ساتھ جانے والے وہاں کے بہت مہنگے ہوٹلوں میں ٹھہرے اور قیمتی کاریں مہنگے کرایوں پر حاصل کیں۔ ان سب کو شاپنگ کرنے کے لیے کثیر مقدار میں زرمبادلہ دیا گیا اور ان کے تعارف اور ان کے پروگرام کے بارے میں وہاں کے اخباروں میں پورے پورے صفحات شائع ہوئے تھے اور یہ تمام اخراجات غریب عوام کے ٹیکسوں سے پورے کیے جاتے رہے۔

اس لیے ہم فی نفسہٖ ٹیکس کو جائز کہتے ہیں لیکن ٹیکسوں سے حاصل ہونے والی آمدنی کو صرف قومی ضروریات اور ترقی کے منصوبوں پر خرچ کرنا چاہیے اس کو اپنی ذاتی آسائشوں اور عیاشیوں پر خرچ کرنا جائز نہیں ہے اور یہ محض اسراف اور ظلم ہے۔ ایک خرابی یہ بھی ہے کہ مختلف منصوبوں کو پورا کرنے کے لیے عالمی بینک سے قرضے لیے جاتے ہیں اور وہ رقم اس منصوبہ پر خرچ ہونے کے بجائے حکمرانوں کے اللوں تللوں پر خرچ ہو جاتی ہے اور ملک سود در سود قرضوں تلے دبتا چلا جاتا ہے۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ كَانَ مِنَ الْجِنِّ

اور جب ہم نے فرشتوں سے فرمایا کہ تم آدم کو سجدہ کرو، تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا، وہ جنات میں سے تھا،

فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ

پس اس نے اپنے رب کے حکم سے نافرمانی کی، کیا تم پھر بھی مجھے چھوڑ کر اس کو اور اس کی اولاد کو دوست بناتے ہو؟ حالانکہ

لَكُمْ عَدُوٌّ ؕ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ﴿۵۰﴾ مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ

وہ تمہارے دشمن ہیں، ظالموں کا کیسا برا بدلہ ہے ○ میں نے آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش

وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ ۪ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا ﴿۵۱﴾

کے وقت انہیں اپنے سامنے حاضر نہیں کیا تھا اور نہ خود ان کی پیدائش کے وقت، اور نہ میں گمراہ کرنے والوں کو اپنا مددگار بنانے والا ہوں ○

وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ

اور جس دن وہ فرمائے گا ان کو پکارو جو تمہارے زعم میں میرے شریک تھے، سو وہ ان کو پکاریں گے، اور وہ

يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ﴿۵۲﴾ وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ

ان کی پکار کا جواب نہیں دے سکیں گے اور ہم ان کے درمیان ہلاکت کی ایک جگہ بنا دیں گے ○ اور مجرم دوزخ کو دیکھ کر سمجھ

النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ﴿۵۳﴾ ع

لیں گے کہ وہ اسی میں جھونکے جانے والے ہیں اور وہ اس سے نجات کی کوئی جگہ نہیں پائیں گے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب ہم نے فرشتوں سے فرمایا کہ تم آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا' وہ جنات میں سے تھا پس اس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی' کیا تم پھر بھی مجھے چھوڑ کر اس کو اور اس کی اولاد کو دوست بناتے ہو؟ حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں' ظالموں کا کیسا برا بدلہ ہے ○ (آیت: ۵۰)

ربط آیات' ذرّیت کا معنی اور شیطان کی ذرّیت کا بیان

سابقہ آیات کے ذکر سے یہ مقصود تھا کہ ان لوگوں پر رد کیا جائے جو اپنے مال و دولت اور اپنے اعوان اور انصار پر فخر

کرتے تھے اور فقراء مسلمین کو حقیر جانتے تھے' اور اس آیت سے بھی بعینہٖ اسی معنی کا ذکر کرنا مقصود ہے کیونکہ ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام پر تکبر کیا تھا اس نے اپنے مادہ خلقت پر تکبر کیا تھا' اس نے کہا تھا کیونکہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو مٹی سے پیدا کیا ہے تو میں اپنی اصل کے اعتبار سے آدم سے افضل ہوں' پس میں کس لیے آدم کو سجدہ کروں اور کیوں تواضع کروں' اور اسی طرح کا معاملہ متکبر' مشرکوں نے فقراء مسلمین کے ساتھ کیا تھا۔ انہوں نے کہا تھا کہ ہم ان فقراء کے ساتھ کیوں بیٹھیں جبکہ ہم مال و دولت اور جاہ وحشم کے اعتبار سے ان سے افضل ہیں۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے سابقہ آیات کے بعد حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس کا قصہ بیان فرمایا۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وہ جنات میں سے تھا پس اس نے اپنے رب کی نافرمانی کی۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ ابلیس جن تھا یا فرشتہ تھا۔ اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ ابلیس جنات میں سے تھا' اس مسئلہ کی پوری تحقیق ہم نے البقرہ: ۳۴ میں کی ہے۔ (تبیان القرآن ج ۱ ص ۳۵۸)

اس کے بعد فرمایا: کیا تم پھر بھی مجھے چھوڑ کر اس کو اور اس کی ذریت (اولاد) کو دوست بناتے ہو؟ اس آیت میں ذریت کا لفظ ہے۔ علامہ ابوالحسن ابن سیدہ التوفی ۴۵۸ھ ذریت کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ذرأ کا معنی ہے پیدا کرنا اور الذریۃ کا معنی ہے الخلق۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض غزوات میں ایک قتل کی ہوئی عورت دیکھی تو فرمایا لاتقتلن ذریۃ ولا عسیفا نہ عورت کو قتل کرو اور نہ مزدور کو۔ آپ نے عورت کو ذرّیت فرمایا۔

(المحکم والمحیط الاعظم ج ۱۰ ص ۱۱۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

ذریت اصل میں چھوٹے بچوں کو کہتے ہیں پھر عرب میں چھوٹے اور بڑے اور واحد اور کثیر تمام اولاد کو ذریت کہتے ہیں اور مجازاً متبعین کو ذریت کہتے ہیں۔ تفسیر منیر ج ۳ ص ۳۱۰' قاضی بیضاوی نے لکھا ہے ذریۃ کا معنی ہے الولد یہ لفظ ذرء سے بنا ہے' جس کا معنی ہے خلق یا ذر سے بنا ہے جس کا معنی ہے پھیلا دیا۔ (عنایۃ القاضی ج ۳ ص ۳۶-۳۵)

ابلیس کی ذرّیت کے متعلق حسب ذیل اقوال ہیں:

حسن اور قتادہ نے کہا اس کی ذریت اس کی اولاد ہے' اور شیطانوں کی بھی اس طرح اولاد ہوتی ہے جس طرح بنو آدم کی اولاد ہوتی ہے' اور مجاہد نے کہا اس کی ذریت سے مراد شیاطین ہیں' اس کی ذریت میں ذلنبور ہے جو ہر بازار میں شیطان کا جھنڈا اُٹھائے ہوئے ہوتا ہے' اور ثبر ہے جو مصائب کا سبب ہے' اور اعور ہے جو ریاکاری کا سبب ہے' اور مسوط ہے جو لوگوں میں جھوٹی باتیں پھیلاتا ہے' اور داسم ہے جو اس آدمی کا ساتھی ہے جو گھر میں بغیر سلام کیے داخل ہو' اور جو بسم اللہ پڑھے بغیر کھانا کھائے' وہ اس کے ساتھ کھانے میں شریک ہو جاتا ہے۔ (زاد المسیر ج ۵ ص ۱۵۴' مطبوعہ دار المکتب الاسلامی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

بعض شیطانوں کے خصوصی نام احادیث میں بھی ہیں:

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وضو کے شیطان کو ولہان کہا جاتا ہے' تم پانی کے وسوسوں سے بچو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۵۷' مسند احمد ج ۵ ص ۱۳۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۱' المسند الجامع ج ۱ ص ۲۰)

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا یا رسول اللہ! میرے اور میری نماز اور میری قرأت کے درمیان شیطان حائل ہو جاتا ہے اور وہ مجھ پر قرأت مشتبہ کر دیتا ہے' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ شیطان ہے جس کو خنزب کہا جاتا ہے' جب تم اس کو محسوس کرو تو اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھو اور اپنی

بائیں جانب تین بار تھوک دو۔ انہوں نے کہا میں نے اس طرح کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس شیطان کو مجھ سے دُور کر دیا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۰۳ مسند احمد ج ۴ ص ۲۱۶ مسند عبد بن حمید رقم الحدیث: ۳۸۱)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابلیس اپنا تخت پانی پر بچھاتا ہے پھر اپنے لشکر کو بھیجتا ہے اس کے نزدیک وہ شیطان سب سے بڑے درجہ کا ہوتا ہے جو سب سے زیادہ فتنہ ڈالتا ہے۔ ان میں سے ایک آ کر کہتا ہے میں نے فلاں فلاں کام کیا ہے۔ وہ کہتا ہے تم نے کچھ نہیں کیا' پھر ان میں سے ایک اور آ کر کہتا ہے میں نے فلاں شخص کو اس وقت چھوڑا جب اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان تفرقہ کرا دیا تو وہ اس کو اپنے قریب کرتا ہے اور کہتا ہے ہاں تو نے کام کیا ہے۔ اعمش نے کہا وہ اس سے بغل گیر ہوتا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۱۳' الرقم المسلسل' ۶۹۷۳' مسند احمد ج ۳ ص ۳۱۴' مسند عبد بن حمید رقم الحدیث: ۱۰۳۳)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے ہر شخص کے ساتھ ایک شیطان کو مقرر کیا گیا ہے۔ صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ کے ساتھ بھی؟ فرمایا ہاں! میرے ساتھ بھی مگر اللہ نے اس کے خلاف میری مدد فرمائی' وہ مسلمان ہو گیا اور مجھ کو نیک کام کے سوا کوئی مشورہ نہیں دیتا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۱۴' مسند احمد ج ۱ ص ۳۸۵' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۷۳۷' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۶۵۸)

ابن زید نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ابلیس ابوالجن ہے جیسا کہ حضرت آدم ابوالانس ہیں' اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے فرمایا میں جتنی آدم کی ذریت بناؤں گا' اتنی ہی تمہاری ذرّیت بناؤں گا۔ اسی وجہ سے آدم کی ہر اولاد کے ساتھ ایک شیطان مقرر ہوتا ہے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۷۴۳۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: میں نے آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش کے وقت انہیں اپنے سامنے حاضر نہیں کیا تھا اور نہ خود ان کی پیدائش کے وقت' اور نہ میں گمراہ کرنے والوں کو اپنا مددگار بنانے والا ہوں ○ اور جس دن وہ فرمائے گا ان کو پکارو جو تمہارے زعم میں میرے شریک تھے' سو وہ ان کو پکاریں گے اور وہ ان کی پکار کا جواب نہیں دے سکیں گے اور ہم ان کے درمیان ہلاکت کی ایک جگہ بنا دیں گے ○ اور مجرم دوزخ کو دیکھ کر سمجھ لیں گے کہ وہ اسی میں جھونکے جانے والے ہیں اور وہ اس سے نجات کی کوئی جگہ نہیں پائیں گے ○ (الکھف: ۵۳-۵۱)

ان لوگوں کا رد جو حقائق شناسی کا دعویٰ کرتے ہیں

اس آیت میں جو فرمایا ہے میں نے آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش کے وقت انہیں اپنے سامنے حاضر نہیں کیا تھا۔ اس میں ''انہیں'' سے مراد کون ہے؟ اس میں دو قول ہیں ایک قول جمہور مفسرین کا اور دوسرا امام رازی کا قول ہے۔ جمہور مفسرین کا قول ہے کہ اے مشرکو! جن لوگوں کو تم نے اپنا ولی اور کارساز بنا لیا ہے' میں نے ان کو آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش کے وقت حاضر نہیں کیا تھا۔ اس سے مقصود ان لوگوں پر رد کرنا ہے جو آسمانوں اور زمینوں کے حقائق جاننے کا دعویٰ کرتے ہیں اور ستارہ شناسی کا دعویٰ کرتے ہیں' جو منجمین اور ستارہ شناسی کے مدعی ہیں جو کہتے ہیں کہ فلاں ستارہ اگر فلاں برج میں ہو تو اس کی یہ تاثیر ہے اور اگر فلاں برج میں ہو تو اس کی یہ تاثیر ہے۔ جو کہتے ہیں کہ آسمان اور زمین گول ہے اور ایک دوسرے کو اس طرح محیط ہیں جس طرح پیاز کے چھلکے ایک دوسرے کو محیط ہوتے ہیں اور یہ کہ آسمان نو ہیں اور آسمان اور زمین گردش کر رہے ہیں اور ان میں مرکوز سیارے بھی گردش کر رہے ہیں' پہلے کہتے تھے کہ زمین ساکن ہے اور افلاک گردش کرتے ہیں پھر کہنے لگے افلاک ساکن ہیں اور زمین گردش کرتی ہے۔ پہلے کہتے تھے کہ یہ سیارے سات آسمانوں میں مرکوز ہیں' اب کہتے ہیں کہ خلاء میں ہیں۔

اسی طرح زمین کی تاثیرات کے متعلق بھی یہ دعوے کرتے ہیں اور زلزلوں اور طوفانوں کے اسباب بیان کرتے ہیں' اسی طرح انسان کے نفس اور بدن کے متعلق بھی دعوے کرتے ہیں اور اس کے بارے میں مختلف ادوار میں یہ مختلف باتیں کرتے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کا رد فرماتا ہے: میں نے آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش کے وقت انہیں اپنے سامنے حاضر نہیں کیا تھا اور نہ خود ان کی پیدائش کے وقت۔ تو انہوں نے کیسے جان لیا کہ فلاں چیز کی کیا حقیقت ہے اور وہ کس چیز سے بنائی گئی ہے اور اس کی کیا تاثیرات ہیں اور دوسری چیز کی کیا حقیقت ہے اور اس کی کیا تاثیرات ہیں؟

امام رازی نے کہا یہ ضمیر ان کافروں کی طرف لوٹتی ہے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہا تھا کہ اگر آپ نے ان فقراء کو اپنی مجلس سے نہ اٹھایا تو ہم آپ پر ایمان نہیں لائیں گے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا جن لوگوں نے آپ سے یہ باطل اور فاسد مطالبہ کیا ہے اور تکبر کا اظہار کیا ہے' وہ اس جہان کو بنانے میں میرے شریک نہیں تھے اور نہ میں نے دنیا اور آخرت کی تدبیر میں ان سے کوئی مدد لی تھی' بلکہ وہ لوگ اور مخلوقات کی طرح ایک مخلوق ہیں پھر انہوں نے اس متکبرانہ مطالبہ کی کس لیے جرأت کی۔

عضد کا معنی ہے اعوان' انصار اور مددگار' اصل میں اس کا معنی ہے بازو پھر اس کا استعمال مدد میں کیا گیا۔ قرآن مجید میں ہے:

سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِيْكَ۔ (القصص: ۳۵) عنقریب ہم تمہارے بھائی سے تمہارے بازو کو مضبوط کریں گے۔

یعنی تمہارے بھائی کے ذریعہ تمہاری مدد کریں گے۔

موبق کا معنی

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور جس دن وہ فرمائے گا ان کو پکارو جو تمہارے زعم میں میرے شریک تھے۔

یعنی یاد کرو جس دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرے شریک کہاں ہیں؟ یعنی جن کو تم نے دنیا میں میرا شریک بنا لیا تھا' اب ان کو چاہیے کہ وہ تم کو میرے عذاب سے چھڑائیں۔ اللہ تعالیٰ یہ بات بُت پرستوں سے فرمائے گا۔ پھر وہ مشرک ان بتوں کو پکاریں گے اور وہ ان کی پکار سن کر ان کی مدد کو نہیں پہنچیں گے اور ان کو عذاب سے بالکل نہیں چھڑا سکیں گے۔ فرمایا اور ہم نے ان کے درمیان ہلاکت کی ایک جگہ بنا دی ہے۔ قرآن مجید میں اس کے لیے موبق کا لفظ ہے اور موبق کا معنی ہلاکت کی جگہ ہے' اور جن مشرکوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا فرشتوں کو اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معبود بنا لیا تھا' جب قیامت کے دن مشرکین ان کو پکاریں گے تو وہ ان کی پکار کو نہیں سنیں گے پھر مشرکوں اور ان کے درمیان حجاب حائل کر دیا جائے گا' پھر اللہ تعالیٰ ان مشرکوں کو جہنم میں داخل فرما دے گا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جنت میں داخل کر دے گا اور فرشتوں کو دار کرامت میں داخل کر دے گا اور ان مشرکوں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ملائکہ کے درمیان موبق کو حائل کر دیا جائے گا اور یہ جہنم کی ایک وادی ہے۔ حسن نے کہا موبق سے مراد یہ ہے کہ وہ شدت عداوت سے ہلاک ہو جائیں گے' اور اس سے یہ بھی مراد ہے کہ ان کے درمیان بعد بعید کر دیا جائے گا کیونکہ وہ جہنم کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جنت کے سب سے بلند درجے میں ہوں گے۔

اس آیت کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور مجرم دوزخ کو دیکھ کر سمجھ لیں گے کہ وہ اسی میں جھونکے جانے والے ہیں۔

اس آیت میں ظن کا لفظ ہے۔ ظن کا یہاں پر معنی علم اور یقین ہے۔ یعنی مجرم دوزخ کو دیکھ کر یقین کر لیں گے کہ وہ اسی میں جھونکے جانے والے ہیں' اور اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ کفار بہت دُور سے دوزخ کی آگ کو دیکھیں گے اور دوزخ کے طیش اور اس کے غیظ و غضب اور اس کے چیخنے اور چلانے کو سن کر وہ یہ گمان کر لیں گے کہ ان کو ابھی فوراً دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

قرآن مجید میں ہے:

اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّزَفِيْرًا. (الفرقان:۱۲) اور جب دوزخ انہیں دور سے دیکھے گی تو یہ اس کا غصہ سے بپھرنا اور دہاڑنا سنیں گے۔

اور فرمایا اور وہ اس سے نجات کی کوئی جگہ نہیں پائیں گے کیونکہ وہ کہیں بھی جائیں' فرشتے ان کو ہانک کر دوزخ کی طرف لے جائیں گے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کافر کے لیے قیامت کے دن پچاس ہزار سال مقرر کیے جائیں گے کیونکہ اس نے دنیا میں عمل نہیں کیا تھا اور کافر ضرور جہنم کو دیکھے گا اور یہ گمان کرے گا کہ اس کو چالیس سال کی مسافت تک جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔ (اور مومن پر یہ دن اتنی دیر میں گزرے گا جتنی دیر میں وہ فرض نماز پڑھتا تھا۔ (مسند احمد رقم الحدیث: ۱۱۷۳۷' مطبوعہ عالم الکتب بیروت' المسند الجامع ج ۶ رقم الحدیث: ۴۷۴۲)

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ

بے شک ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لیے ہر قسم کی مثال ہر طرح سے بیان فرما دی

مَثَلٍ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ﴿۵۴﴾

ہے' اور انسان ہر چیز سے زیادہ جھگڑالو ہے ○

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰى

اور لوگوں کو ایمان لانے اور اپنے رب سے استغفار کرنے سے کس چیز نے منع کیا جب کہ ان کے پاس

وَيَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمْ سُنَّةُ

ہدایت آ چکی تھی' سوا اس کے کہ ان کے پاس پہلے لوگوں کا

الْاَوَّلِيْنَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ﴿۵۵﴾ وَمَا نُرْسِلُ

دستور آئے یا ان کے سامنے عذاب آ جائے ○ اور ہم رسولوں کو صرف خوشخبری سنانے

الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ وَيُجَادِلُ

اور عذاب سے ڈرانے کے لیے بھیجتے ہیں' اور کفار باطل

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوْٓا

کے سہارے جھگڑتے ہیں تاکہ حق کو زائل کریں اور انہوں نے میری

اٰيٰتِىْ وَمَاۤ اُنْذِرُوْا هُزُوًا ﴿٥٦﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ

آیتوں کو اور جن باتوں سے انہیں ڈرایا گیا ہے ان کو مذاق بنا لیا ہے ○ اور اس شخص سے بڑا ظالم اور کون ہوگا جس کو

بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِىَ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ ؕ

اپنے رب کی آیات سے نصیحت کی گئی تو اس نے ان سے منہ پھیر لیا اور ان کاموں کو بھول گیا جن کو اس کے ہاتھ آگے بھیج چکے ہیں

اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِىْۤ اٰذَانِهِمْ

بیشک ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں تاکہ وہ اس کو نہ سمجھ سکیں اور ان کے کانوں میں

وَقْرًا ؕ وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْۤا

گرانی ہے، اور اگر آپ انہیں صحیح راستہ کی طرف بلائیں تو وہ کبھی ہرگز اس راستہ

اِذًا اَبَدًا ﴿٥٧﴾ وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا

پر نہیں آئیں گے ○ اور آپ کا رب بہت بخشنے والا، رحمت والا ہے، اور اگر وہ ان کے کرتوتوں پر

كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ؕ بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ

ان کا مواخذہ کرتا تو ضرور ان پر جلدی عذاب بھیج دیتا بلکہ ان کے لیے وعدہ کا ایک وقت مقرر ہے وہ اس سے

يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْئِلًا ﴿٥٨﴾ وَتِلْكَ الْقُرٰۤى اَهْلَكْنٰهُمْ

سر مو ٹلنے کا وقت نہیں پائیں گے ○ اور یہ بستیاں ہیں جب ان بستیوں والوں نے ظلم کیا

لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا ﴿٥٩﴾ ع

تو ہم نے ان کو ہلاک کر دیا اور ہم نے ان کی ہلاکت کے لیے ایک میعاد مقرر کر دی تھی ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لئے ہر قسم کی مثال ہر طرح سے بیان کر دی ہے اور انسان ہر چیز سے زیادہ جھگڑالو ہے ○ (الکھف: ٥٤)

جدال کا معنی اور قرآن اور حدیث میں جدال کے اطلاقات

یعنی ہم نے قرآن مجید میں ہر قسم کی مثالیں بیان کی ہیں اور ہر طرح کی نصیحت کی ہے اور غور و فکر کرنے کے لیے ہر طرح کے دلائل بیان کیے ہیں تاکہ یہ اپنے کفر اور شرک سے باز آ جائیں اور بتوں کی عبادت کو ترک کر دیں، لیکن انہوں نے ان دلائل کے مقابلہ میں کٹ حجتی سے کام لیا اور انبیاء علیہم السلام جب ان کو اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچاتے تو وہ اس پیغام کو قبول کرنے

اور اس پر عمل کرنے کے بجائے خود انبیاء علیہم السلام کی ذوات میں شک کرتے اور ان کے نبی ہونے پر اعتراض کرتے۔
علامہ راغب اصفہانی جدل کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: جدل کا معنی ہے کسی بات میں دوسرے پر غالب آنے کی کوشش کرنا۔ اس کی اصل ہے'جدلت الحبل میں نے رسی کو بٹ کر مضبوط کیا' اور جدال میں ہر شخص دوسرے کو اپنی رائے سے ہٹانے کی کوشش کرتا ہے۔ (المفردات ج ۱ ص ۱۱۷ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)
یہاں جدل سے مراد ہے کفار کا اپنے انبیاء سے بحث کرنا اور وہ جو پیغام لے کر آئے اس کو رد کرنا اور ان کی نبوت میں شبہات پیش کرنا۔ جیسا کہ ان آیتوں سے ظاہر ہے:

مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ○ (المومنون: ۳۳)
یہ تو تم جیسا ہی بشر ہے' یہ ان چیزوں کو کھاتا ہے جن کو تم کھاتے ہو اور جن چیزوں کو تم پیتے ہو یہ بھی ان ہی کو پیتا ہے۔

فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ○ (المومنون: ۲۴)
ان کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا یہ تو تمہاری ہی طرح بشر ہے' یہ تم پر بڑائی حاصل کرنا چاہتا ہے' اور اگر اللہ چاہتا تو کسی فرشتے کو نازل کر دیتا' ہم نے تو اس کے متعلق اپنے اگلے باپ دادا سے کچھ سنا ہی نہیں۔

اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِيْنٍ ○ (المومنون: ۲۵)
یہ شخص محض مجنون ہے تم ایک مقرر وقت تک ان کے متعلق انتظار کرو۔

وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ○ لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ○ (الحجر: ۱۵-۱۴)
اور اگر ہم ان پر آسمان کا کوئی دروازہ کھول دیں پس وہ اس میں سارا دن چڑھتے رہیں ○ تب بھی یہی کہیں گے کہ ہماری نظر بندی کر دی گئی ہے بلکہ ہم پر جادو کر دیا گیا ہے۔

وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ○ (الانعام: ۷)
اور اگر ہم کاغذ پر لکھا ہوا کوئی نوشتہ آپ پر نازل کرتے پھر اس کو یہ لوگ اپنے ہاتھوں سے چھو بھی لیتے تب بھی کفار یہی کہتے کہ یہ کھلا ہوا جادو ہے۔

ہم نے جو آیات ذکر کی ہیں ان میں کفار نے جو انبیاء علیہم السلام سے کٹ حجتی اور خواہ مخواہ کی ضد کی تھی' اس پر جدال کا اطلاق کیا ہے۔ تاہم انبیاء علیہم السلام نے وضاحت کے لیے اللہ تعالیٰ سے اور فرشتوں سے جو سوالات کیے یا مسلمانوں نے انبیاء علیہم السلام کے سامنے جو خدشات اور اشکالات پیش کیے' ان پر بھی جدال کا اطلاق کیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ ○ (ھود: ۷۴)
جب ابراہیم سے خوف دور ہو گیا اور ان کے پاس خوشخبری آ گئی تو وہ ہم سے لوط کے متعلق گزارشات پیش کرنے لگے۔

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا (المجادلۃ: ۱)
بے شک اللہ اس عورت کی بات سن رہا تھا جو آپ سے اپنے شوہر کے متعلق کلام کر رہی تھی۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس اور حضرت سیدتنا فاطمہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کے پاس آئے اور فرمایا: کیا تم دونوں نماز نہیں پڑھتے؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہماری جانیں اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں' وہ جب ہمیں اٹھانا چاہتا ہے تو ہم اٹھ جاتے ہیں' جب ہم نے یہ کہا تو نبی صلی اللہ علیہ

وسلم واپس چلے گئے اور آپ نے مجھے کوئی جواب نہیں دیا' آپ اپنے زانو پر ہاتھ مارتے ہوئے جا رہے تھے اور میں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَیْءٍ جَدَلًا ○ اور انسان ہر چیز سے زیادہ جھگڑالو ہے۔

(الکھف: ۵۴)

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۲۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۷۵' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۶۱۱)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور لوگوں کو ایمان لانے اور اپنے رب سے استغفار کرنے سے کس چیز نے منع کیا جبکہ ان کے پاس ہدایت آ چکی تھی سوا اس کے کہ ان کے پاس پہلے لوگوں کا دستور آ ئے یا ان کے سامنے عذاب آ جائے ○ اور ہم رسولوں کو صرف خوشخبری سنانے اور عذاب سے ڈرانے کے لیے بھیجتے ہیں اور کفار باطل کے سہارے جھگڑتے ہیں تا کہ حق کو زائل کریں اور انہوں نے میری آیتوں کو اور جن باتوں سے انہیں ڈرایا گیا ہے ان کو مذاق بنا لیا ہے ○ (الکھف: ۵۶-۵۵)

گزشتہ کافر قوموں کے متعلق اللہ تعالیٰ کا دستور

یعنی ان مشرکین کے پاس جب بھی اسلام کے صحیح اور دین برحق ہونے پر دلائل آتے اور ان کو ایمان لانے سے کوئی مانع اور رکاوٹ بھی نہ ہوتی پھر بھی یہ ایمان نہیں لاتے تھے۔ اسی طرح اپنے گناہوں پر توبہ اور استغفار کرنے میں انہیں کوئی عذر نہ ہوتا پھر بھی یہ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں پر توبہ اور استغفار نہیں کرتے تھے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اپنے پیش رو کافروں کی روش پر چلنا چاہتے ہیں اس سے پہلے کافروں کا یہ طریقہ تھا کہ جب بھی انہیں ایمان لانے کی دعوت دی جاتی تو وہ اپنے زمانہ کے نبیوں سے کہتے تھے کہ آپ ہمیں ایمان نہ لانے کی بناء پر جس عذاب سے ڈراتے ہیں' آپ ہمیں وہ عذاب لا کر دکھائیں۔ قرآن مجید میں ہے:

وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ○ (الانفال: ۳۲)

اور جب کہ ان لوگوں نے کہا اے اللہ! اگر یہ قرآن تیری طرف سے برحق ہے تو تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا ہم پر کوئی دردناک عذاب لے آ۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم رسولوں کو صرف اس لیے بھیجتے ہیں کہ وہ ایمان لانے والوں کو جنت کی بشارت دیں اور جو کفر پر اصرار کریں ان کو دوزخ کے عذاب سے ڈرائیں۔ پھر فرمایا:

اور کفار باطل کے سہارے جھگڑتے ہیں تا کہ حق کو زائل کریں۔ یہ آیت ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ضد اور عناد کے طور پر بحث کرتے تھے اور آپ کو ساحر' مجنون' کاہن اور شاعر وغیرہ کہتے تھے۔ اس آیت میں لیدحضوا کا لفظ ہے' جس کا معنی ہم نے کیا ہے تا کہ زائل کریں' اور الدحض کا اصل میں معنی پھسلنا ہے۔ کہا جاتا ہے دحضت رجلہ اس کا پیر پھسل گیا اور کہا جاتا ہے دحضت الشمس سورج نصف النہار سے زائل ہو گیا۔ حدیث شریف میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا پل صراط کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: دحض مزلقۃ یعنی وہ جگہ جہاں سے پیر پھسل جائیں گے۔ یہ پوری حدیث صحیح مسلم میں مذکور ہے۔ (رقم الحدیث: ۱۸۲)

گزشتہ تباہ ہونے والی بستیاں

اس آخری آیت میں فرمایا ہے یہ وہ بستیاں ہیں جن کو ہم نے ان کے ظلم کی وجہ سے ہلاک کر دیا تھا۔ اس سے مراد عاد'

ثمود اور حضرت شعیب علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوموں کی بستیاں ہیں۔ جو اہل حجاز کے قریب اور ان کے راستوں میں واقع تھیں' ان بستیوں کے رہنے والوں کو بھی ان کے ظلم کی وجہ سے ہی ہلاک کیا گیا تھا لیکن ان پر عذاب نازل کرنے سے پہلے ان کو نبیوں کی دعوت قبول کرنے کا پورا پورا موقع دیا گیا تھا اور ان پر حجت پوری کر دی گئی تھی' اور جب یہ واضح ہو گیا کہ ان کا ظلم اور ان کی ضد اور ان کی سرکشی اس حد پر پہنچ چکی ہے جہاں سے ہدایت کو قبول کرنے کے راستے مسدود ہو جاتے ہیں اور ان سے کسی انصاف اور خیر کی توقع بالکل نہیں رہتی تو پھر ان کے ایمان لانے اور ہدایت کو قبول کرنے کی مہلت ختم کر دی گئی اور ان کی تباہی کا وقت شروع ہو گیا' پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب نازل فرمایا اور یہ قومیں صفحۂ ہستی سے مٹا دی گئیں۔

ان قوموں کی تباہی کا ذکر کر کے اہل مکہ کو یہ باور کرایا جا رہا ہے کہ تم سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کر کے یہ مت سمجھنا کہ تم پر جو ابھی تک عذاب نہیں آیا اور تم کو جو مسلسل مہلت دی جا رہی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم سے کوئی پوچھنے والا نہیں ہے بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کا دستور ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ کسی قوم پر اپنی حجت پوری نہیں کر لیتا اس وقت تک وہ اس قوم پر عذاب نہیں بھیجتا' سو اسی طرح جب تمہیں دی ہوئی عمل کی اور ایمان لانے کی مہلت ختم ہو جائے گی تو تمہارا انجام بھی پچھلی قوموں سے مختلف نہیں ہو گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس شخص سے بڑا ظالم اور کون ہو گا جس کو اپنے رب کی آیات سے نصیحت کی گئی تو اس نے ان سے منہ پھیر لیا اور ان کاموں کو بھول گیا جن کو اس کے ہاتھ آگے بھیج چکے ہیں' بے شک ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں تا کہ وہ اس کو نہ سمجھ سکیں اور ان کے کانوں میں گرانی ہے' اور اگر آپ انہیں صحیح راستہ کی طرف بلائیں تو وہ کبھی ہرگز اس راستہ پر نہیں آئیں گے ○ اور آپ کا رب بہت بخشنے والا' رحمت والا ہے' اگر وہ ان کے کرتوتوں پر ان کا مواخذہ کرتا تو ضرور ان پر جلدی عذاب بھیج دیتا بلکہ ان کے لیے وعدہ کا ایک وقت مقرر ہے' وہ اس سے سر مو ٹلنے کا وقت نہیں پائیں گے ○ اور یہ بستیاں ہیں جب ان بستیوں والوں نے ظلم کیا تو ہم نے ان کو ہلاک کر دیا اور ہم نے ان کی ہلاکت کے لیے ایک میعاد مقرر کر دی تھی ○ (الکھف: ۵۹-۵۷)

جن برے کاموں کی وجہ سے کفار پر عذاب نازل کیا گیا

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ کفار محض ضد اور عناد سے بحث کرتے ہیں۔ اب اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کے وہ اوصاف بیان کیے جو ذلت اور رسوائی کے موجب ہیں۔ ان صفات میں سے پہلی صفت یہ ہے کہ اس سے بڑا اور کون ظالم ہے جس شخص پر اللہ تعالیٰ کی آیات اور اس کے دلائل پیش کیے جائیں تو وہ ان سے اعراض کرے' اور ان آیات اور دلائل سے اعراض کرنے کے ساتھ ساتھ وہ اپنے ان برے کاموں کو بھول جائے جو وہ پہلے کر چکا ہے۔ ان برے کاموں سے مراد اس کا کفر اور شرک ہے۔ دوسری صفت یہ کہ ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں تا کہ وہ اس کو نہ سمجھ سکیں اور ان کے کانوں میں گرانی ہے اور اگر آپ انہیں صحیح راستہ کی طرف بلائیں تو وہ کبھی ہرگز اس راستہ پر نہیں آئیں گے۔

کفار کی اس صفت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے خود ہی ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے اور ان کے کانوں میں گرانی پیدا کر دی تو پھر وہ ایمان نہ لانے میں معذور ہوئے تو اب ان کی مذمت کیوں کی جا رہی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی شدید گستاخی کی کہ اس کی سزا کے طور پر ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے گئے اور ان کے کانوں میں گرانی پیدا کر دی گئی۔ جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے:

بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ. بلکہ ان کے کفر کی وجہ سے اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی۔ (النساء: ۱۵۵)

ان کے کانوں میں ڈاٹ لگانے اور ان کے دلوں پر پردے ڈالنے سے یہ مراد نہیں ہے کہ حسی طور پر ان کے کانوں میں ڈاٹ لگا دی گئی تھی اور ان کے کانوں پر پردے ڈال دیئے گئے تھے' بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ کفر اور معصیت کو اچھا جاننے اور ایمان اور اطاعت کو برا سمجھنے کے خوگر ہو چکے تھے اور اللہ کی آیات سے مسلسل اعراض کرنے کی وجہ سے ان کی گمراہی اس قدر پختہ ہو چکی تھی کہ ان پر کوئی بات اثر نہیں کرتی تھی' اور ان کی اس کیفیت کو اللہ تعالیٰ نے دلوں پر پردے ڈالنے اور کانوں میں گرانی پیدا کرنے سے تعبیر فرمایا ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور آپ کا رب بہت بخشنے والا' رحمت والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بخشش کو مبالغہ کے صیغے کے ساتھ فرمایا ہے یعنی بہت بخشنے والا اور رحمت کو مبالغہ کے ساتھ نہیں تعبیر فرمایا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بخشنے کا معنی یہ ہے کہ کسی سزا اور عذاب کو ترک کر دینا' اور سزا اور عذاب دینے کی غیر متناہی صورتیں ہیں اور غیر متناہی چیزوں کو ترک کرنا ممکن ہے اور رحم فرمانے کا معنی ہے انعام اور اکرام دینا اور کسی ایک چیز کو عطا کرنے سے یہ معنی حاصل ہو جاتا ہے اس معنی کے حصول کے لیے غیر متناہی چیزوں کا دینا ضروری نہیں ہے' اور جب کسی کو بخش دیا تو اس کا معنی یہ ہے کہ اس کو جتنی سزائیں دی جا سکتی تھیں ان سب کو ترک کر دیا۔ اس لیے بخشنے کو مبالغہ کے صیغے کے ساتھ تعبیر فرمایا اور رحمت کو مبالغہ کے ساتھ نہیں تعبیر فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کے بہت بخشنے کی دلیل یہ ہے کہ اہل مکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت عناد رکھتے تھے' اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان سے مواخذہ کرنے میں جلدی نہیں کی بلکہ فرمایا ان سے مواخذہ کرنے کا ایک وقت مقرر ہے' اس سے مراد یا تو آخرت ہے اور یا دنیا میں غزوۂ بدر کے موقع پر اور مسلمانوں کی فتح کے دیگر مواقع پر جب اللہ تعالیٰ نے ان کو شکست کی ذلت سے دوچار کیا۔

اس کے بعد فرمایا: یہ بستیاں ہیں جب ان بستیوں والوں نے ظلم کیا تو ہم نے ان کو ہلاک کر دیا۔

اس سے مراد پہلے لوگوں کی بستیاں ہیں یعنی ثمود اور قوم لوط کی بستیاں۔ اس سے مراد بستیوں والے ہیں جب ان لوگوں نے اہل مکہ کی طرح ظلم کیا تو ہم نے ان کو ایک وقت معین کی مہلت دی اور جب وہ ایک وقت معین تک اپنے کفر اور ظلم سے تائب نہیں ہوئے تو پھر ہمارے عذاب نے ان کو اپنی گرفت میں لے لیا۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَاۤ اَبْرَحُ حَتّٰۤى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ

اور جب موسیٰ نے اپنے خادم سے کہا میں مسلسل چلتا رہوں گا حتیٰ کہ میں دو سمندروں کے سنگم پر پہنچ جاؤں

اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا ﴿۶۰﴾ فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوْتَهُمَا

یا سالہا سال تک چلتا رہوں گا ○ پس جب وہ دونوں دو سمندروں کے سنگم پر پہنچ گئے تو وہ دونوں اپنی مچھلی بھول گئے

فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ﴿۶۱﴾ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ

سو مچھلی نے سمندر میں سرنگ بناتے ہوئے اپنا راستہ بنا لیا ○ پھر جب وہ دونوں اس جگہ سے آگے بڑھ گئے تو موسیٰ نے اپنے خادم

اٰتِنَا غَدَآءَنَا ۡ لَقَدۡ لَقِيۡنَا مِنۡ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ﴿۶۲﴾ قَالَ اَرَءَيۡتَ

سے کہا ہمارا ناشتہ لاؤ، ہمیں اس سفر سے تھکاوٹ پہنچی ہے ○ اس نے کہا بھلا دیکھئے

اِذۡ اَوَيۡنَاۤ اِلَى الصَّخۡرَةِ فَاِنِّىۡ نَسِيۡتُ الۡحُوۡتَ وَمَاۤ اَنۡسٰنِيۡهُ

جب ہم اس چٹان کے پاس آکر ٹھیرے تھے تو بے شک میں مچھلی کا ذکر کرنا بھول گیا تھا اور اس مچھلی کا ذکر

اِلَّا الشَّيۡطٰنُ اَنۡ اَذۡكُرَهٗ‌ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِيۡلَهٗ فِى الۡبَحۡرِ ‌ۖ عَجَبًا ﴿۶۳﴾

کرنا مجھے شیطان نے ہی بھلایا تھا، اور اس مچھلی نے سمندر میں عجیب طریقہ سے راستہ بنا لیا تھا ○

قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبۡغِ‌ ‌ۖ فَارۡتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ﴿۶۴﴾

موسیٰ نے کہا یہی تو وہ چیز ہے جس کو ہم ڈھونڈ رہے تھے تو وہ دونوں اپنے قدموں کے نشانوں کی پیروی کرتے ہوئے پیچھے لوٹے ○

فَوَجَدَا عَبۡدًا مِّنۡ عِبَادِنَاۤ اٰتَيۡنٰهُ رَحۡمَةً مِّنۡ عِنۡدِنَا وَ

پس ان دونوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو وہاں پایا جس کو ہم نے اپنے پاس سے رحمت عطا کی تھی اور ہم

عَلَّمۡنٰهُ مِنۡ لَّدُنَّا عِلۡمًا ﴿۶۵﴾ قَالَ لَهٗ مُوۡسٰى هَلۡ اَتَّبِعُكَ

نے اپنے پاس سے اس کو علم (لدنی) عطا کیا تھا ○ موسیٰ نے کہا آیا میں آپ کی اس شرط پر

عَلٰٓى اَنۡ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمۡتَ رُشۡدًا ﴿۶۶﴾ قَالَ اِنَّكَ لَنۡ

پیروی کروں کہ آپ کو جو رشد و ہدایت کا علم دیا گیا ہے آپ اس میں سے مجھے بھی (کچھ) تعلیم دیں ○ اس بندے نے کہا آپ

تَسۡتَطِيۡعَ مَعِىَ صَبۡرًا ﴿۶۷﴾ وَكَيۡفَ تَصۡبِرُ عَلٰى مَا لَمۡ تُحِطۡ بِهٖ

میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کر سکیں گے ○ اور آپ اس چیز پر کیسے صبر کر سکتے ہیں جس کا آپ کے علم نے

خُبۡرًا ﴿۶۸﴾ قَالَ سَتَجِدُنِىۡۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَاۤ اَعۡصِىۡ

احاطہ نہیں کیا ○ موسیٰ نے کہا آپ ان شاء اللہ عنقریب مجھے صبر کرنے والا پائیں گے اور میں آپ کے حکم کی

لَكَ اَمۡرًا ﴿۶۹﴾ قَالَ فَاِنِ اتَّبَعۡتَنِىۡ فَلَا تَسۡـئَلۡنِىۡ عَنۡ شَىۡءٍ

نافرمانی نہیں کروں گا ○ اس بندے نے کہا پس اگر تم میری پیروی کر رہے ہو تو مجھ سے کسی چیز کے متعلق اس وقت تک

حَتّٰٓى اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ۟ؑ

سوال نہ کرنا جب تک کہ میں خود اس کام سے ذکر نہ کروں 0

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب موسیٰ نے اپنے خادم سے کہا میں مسلسل چلتا رہوں گا حتیٰ کہ میں دو سمندروں کے سنگم پر پہنچ جاؤں یا سالہا سال تک چلتا رہوں گا 0 (الکھف: ۶۰)

ربط آیات

اصحاب کہف کے مفصل قصہ کے بعد یہ دوسرا قصہ ہے جس کو اس سورت میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے' اس قصہ کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام کے پاس علم حاصل کرنے گئے ہر چند کہ یہ ایک مفصل قصہ ہے لیکن اس کا گزشتہ آیات کے ساتھ ربط ہے۔ گزشتہ آیات میں ان متکبرین قریش کا رد کیا گیا تھا جو فقراء مسلمین کے ساتھ بیٹھنے میں اپنی توہین سمجھتے تھے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بہت برگزیدہ اور اولوالعزم نبی تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت علم عطا فرمایا تھا' کثیر معجزات دیئے تھے اور بہت عزت اور وجاہت عطا فرمائی تھی اس کے باوجود حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حصول علم کی غرض سے حضرت خضر علیہ السلام کے پاس جانے میں عار نہیں سمجھا اور اس کو اپنی شان اور فضیلت کے خلاف نہیں گردانا۔ اس سے معلوم ہوا کہ تکبر کرنا مذموم ہے اور امراء قریش نے تکبر کی وجہ سے فقراء مسلمین کے ساتھ بیٹھنے سے انکار کر کے اپنا ہی نقصان کیا کیونکہ اس تکبر کی وجہ سے وہ اسلام قبول کرنے سے محروم ہو گئے۔

اس آیت میں حضرت موسیٰ اور ان کے شاگرد یوشع بن نون کا ذکر ہے اور حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کے لیے مجمع البحرین جانے کا ذکر ہے۔ اس لئے ہم پہلے حضرت موسیٰ کا تعارف پیش کریں گے۔ پھر حضرت یوشع بن نون کا تعارف پیش کریں گے۔ پھر حضرت خضر علیہ السلام کا ذکر کریں گے اور مجمع البحرین کا مصداق بیان کریں گے۔ پھر اس ملاقات کی غرض اور غایت کو بیان کریں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تعارف

حضرت موسیٰ کا نام ونسب اور عمر کا بیان

علامہ بدر الدین عینی حنفی لکھتے ہیں: حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نسب یہ ہے: موسیٰ بن عمران بن یصہر بن قاہث بن لادی بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام' جب حضرت موسیٰ پیدا ہوئے تو ان کے والد عمران کی عمر ستر سال تھی اور وہ ایک سو سینتیس سال کی عمر میں فوت ہوئے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عمر ایک سو بیس سال کی تھی۔ فربری کا قول ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عمر ایک سو ساٹھ سال تھی۔ آپ کی وفات میدان تیہ میں ہوئی' جب بنو اسرائیل مصر سے نکلے اس وقت حضرت موسیٰ کی عمر اسی سال تھی' جب ریان بن ولید فوت ہو گیا جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو مصر کے خزانوں کا والی مقرر کیا تھا وہ حضرت یوسف کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا تھا' اس کے بعد قابوس بن مصعب بادشاہ ہوا۔ حضرت یوسف نے اس کو اسلام کی دعوت دی اس نے انکار کر دیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام فوت ہو گئے۔ آپ کے کافی عرصہ بعد وہ مر گیا اور اس کا بھائی ولید بن مصعب بن ریان بادشاہ ہوا۔ اس کی حکومت کافی عرصہ رہی اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام کے فرعون کا زمانہ آیا اس سے زیادہ لمبی عمر کا کوئی فرعون نہیں گزرا۔ اس کی عمر چار سو سال تھی۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۶۰' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر' ۱۳۴۸ھ)

حضرت یوشع بن نون کا تعارف

حافظ ابن کثیر دمشقی متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں: حضرت یوشع بن نون کا نسب یہ ہے۔ **یوشع بن نون بن افرایم بن یوسف** بن اسحاق بن ابراہیم الخلیل علیہم السلام۔ قرآن مجید میں ان کا کئی جگہ ذکر ہے: **اذ قال موسی لفتہ** (الکھف: ۶۰) **فلما جاوزا قال لفتہ** (الکھف: ۶۲) جب ان دونوں نے اس جگہ سے تجاوز کیا تو موسیٰ نے اپنے فتیٰ (شاگرد) سے کہا ان دونوں آیتوں میں فتیٰ سے مراد حضرت یوشع بن نون ہیں جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ یوشع بن نون کی نبوت پر تمام اہل کتاب کا اتفاق ہے کیونکہ ان کی ایک جماعت جس کا نام السامرہ ہے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد یوشع بن نون کے سوا کسی نبی کی نبوت کا اقرار نہیں کرتی' کیونکہ ان کی نبوت کی تورات میں تصریح ہے۔ وہ ان کے علاوہ دوسرے انبیاء کی نبوت کا انکار کرتے ہیں حالانکہ وہ ان کے رب کی جانب سے برحق نبی ہیں۔ سو قیامت تک ان پر مسلسل لعنت ہوتی رہے گی۔

(البدایہ والنہایہ: ج ۱ ص ۴۲۱) (مسند احمد رقم الحدیث: ۱۰۹۰۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انبیاء میں سے ایک نبی جہاد کو جانے لگے تو انہوں نے اپنی قوم سے کہا میرے ساتھ وہ شخص نہ جائے جس کی ابھی شادی ہوئی ہو اور وہ شب زفاف گزارنا چاہتا ہو اور نہ وہ شخص جائے جو مکان بنا رہا ہو اور ابھی اس نے مکان کی چھت بلند نہ کی ہو اور نہ وہ شخص جائے جس کی بکریاں ہوں یا حاملہ اونٹنیاں ہوں اور وہ ان کے بچے پیدا ہونے کا منتظر ہو' پھر وہ جہاد کے لیے گئے۔ نماز عصر کے وقت وہ بستی کے قریب پہنچ گئے تو انہوں نے سورج سے کہا تم بھی حکم کے پابند ہو اور میں بھی حکم کا پابند ہوں۔ اے اللہ! تو سورج کو تھوڑی دیر روک لے' سو سورج کو روک لیا گیا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو فتح عطا کردی۔ الحدیث۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۴۷' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۱۲۴)

اس حدیث میں جو فرمایا ہے کہ انبیاء میں سے ایک نبی جہاد کے لیے گئے اس سے مراد حضرت یوشع بن نون ہیں۔

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ردشمس کی حدیث پر حافظ ابن حجر کی تحقیق

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ نبی یوشع بن نون ہیں جیسا کہ امام حاکم نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے' اور امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ سورج کو صرف حضرت یوشع بن نون کے لیے روکا گیا تھا جن راتوں میں انہوں نے بیت المقدس کی طرف سفر کیا تھا۔ (مسند احمد رقم الحدیث: ۸۳۲۲' مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اس حدیث پر یہ اعتراض ہوگا کہ مغازی ابن اسحاق میں ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو یہ خبر دی کہ صبح کو وہ قافلہ آجائے گا جس کو آپ نے شب معراج دیکھا تھا۔ سورج طلوع ہوگیا پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے سورج کو ٹھہرا لیا حتیٰ کہ قافلہ آ گیا' لیکن اس کی سند منقطع ہے۔ اور امام طبرانی کی معجم اوسط میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج کو حکم دیا تو وہ ایک گھنٹہ تک ٹھہرا رہا۔ اور ان میں تطبیق اس طرح ہے حضرت یوشع بن نون کی حدیث میں انبیاء سابقین کے اعتبار سے حصر ہے یعنی انبیاء سابقین میں حضرت یوشع بن نون کے سوا اور کسی کے لیے سورج کو نہیں ٹھہرایا گیا اور اس میں اس کی نفی نہیں ہے کہ بعد میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سورج ٹھہرایا جائے۔ اور امام طحاوی اور امام طبرانی نے معجم کبیر میں اور امام بیہقی نے دلائل النبوت میں اور امام حاکم نے حضرت اسماء بنت عمیس سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام صہباء میں ظہر کی نماز پڑھی پھر حضرت علی کو کسی کام سے بھیجا۔ حضرت علی جب واپس آئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم

عصر کی نماز پڑھ چکے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی کے زانو پر سر رکھ کر سو گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کو ہلایا نہیں حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی اے اللہ! بے شک تیرا بندہ علی اپنے نبی کی خدمت میں مشغول تھا تو اس پر سورج لوٹا دے۔ تو اللہ نے ان پر سورج لوٹا دیا۔ حضرت اسماء نے کہا پھر سورج طلوع ہوا حتیٰ کہ پہاڑوں اور زمین پر بلند ہو گیا۔ حضرت علی اٹھے اور انہوں نے وضو کیا اور عصر کی نماز پڑھی پھر سورج غروب ہو گیا۔ یہ صہباء (خیبر کے قریب ایک جگہ) کا واقعہ ہے۔

(المعجم الکبیر: ج ۲۴ ص ۱۴۵-۱۴۴، رقم الحدیث: ۳۸۲، مشکل الآثار ج ۴ ص ۲۶۹ - ۲۶۸، رقم الحدیث: ۳۸۵۱، ۳۸۵۰، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۹۷، اتحاف ج ۷ ص ۱۹۱، الشفاء ج ۱ ص ۲۱۵، دار الفکر)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کو حاکم اور بیہقی کی دلائل النبوت کے حوالے سے بھی لکھا ہے لیکن ان کتابوں میں یہ حدیث نہیں ہے۔ حافظ عسقلانی لکھتے ہیں یہ بہت عظیم معجزہ ہے اور ابن الجوزی نے اس حدیث کو موضوعات میں درج کر کے خطا کی ہے، اور ابن تیمیہ نے بھی اس حدیث کو کتاب الرد علی الروافض میں درج کر کے اس کو موضوع لکھا یہ اس کی بھی خطا ہے۔ (اسی طرح حافظ ابن کثیر نے بھی اس حدیث کو منکر لکھا ہے۔ البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۴۲۶، دار الفکر بیروت اور یہ ان کی بھی خطا ہے)۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۲۷، ۲۲۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۲۰ھ)

حدیث ردشمس پر حافظ سیوطی اور حافظ سخاوی کی تحقیق

حافظ سیوطی متوفی ۹۱۱ھ نے اس حدیث کو نو سندوں سے روایت کیا ہے اور اس کے راویوں پر اعتراضات کے جوابات دیئے ہیں۔ (اللآلی المصنوعہ ج ۱ ص ۳۱۲، ۳۱۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۷ھ)

علامہ محمد بن ابراہیم السخاوی متوفی ۹۰۲ھ اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:

امام احمد نے کہا اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے۔ امام ابن جوزی نے بھی ان کی پیروی کی اور اس حدیث کو موضوعات میں درج کیا، لیکن امام طحاوی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور صاحب شفاء نے بھی اس کو صحیح کہا ہے۔ امام ابن مندہ اور امام ابن شاہین نے اس حدیث کو حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، اور امام ابن مندہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس وقت بھی سورج کو لوٹایا گیا تھا جب آپ نے اپنی قوم کو شب معراج ان کے قافلے کے آنے کی خبر دی تھی اور یہ کہ وہ قافلہ فلاں دن آجائے گا پس اس صبح قریش اس قافلے کو دیکھ رہے تھے۔ دن چڑھ گیا اور قافلہ نہ آیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی تو دن میں ایک گھنٹہ بڑھا دیا گیا اور سورج کو روک دیا گیا۔ اس حدیث کے راوی نے کہا ہے کہ اس دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سورج کو روکا گیا تھا اور کسی کے لیے سورج کو نہیں روکا گیا اور حضرت یوشع بن نون کے لیے سورج کو روکا گیا تھا جب انہوں نے جمعہ کے دن جبارین سے قتال کیا تھا۔ جب سورج ڈھلنے لگا اور ان کو یہ خطرہ ہوا کہ ان کے جنگ سے فارغ ہونے سے پہلے سورج غروب ہو جائے گا اور ہفتہ کا دن داخل ہو جائے گا اور پھر ان کے لیے جبارین سے قتال کرنا جائز نہیں رہے گا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے ان پر سورج کو لوٹا دیا۔ (المقاصد الحسنہ ص ۲۳۶، رقم الحدیث: ۵۱۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۷ھ)

علامہ اسماعیل بن محمد العجلونی متوفی ۱۱۶۲ھ نے کچھ اضافے کے ساتھ یہی لکھا ہے۔

(کشف الخفاء و مزیل الالباس، ج ۱ ص ۲۲۰، مکتبۃ الغزالی دمشق)

حدیث رد شمس پر علامہ زبیدی کی تحقیق

علامہ سید محمد بن محمد الزبیدی الحنفی المتوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں:
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور معجزات میں سے یہ ہے کہ آپ کے لیے سورج کو لوٹایا گیا۔ حافظ ابو جعفر طحاوی نے مشکل الآثار میں اور امام ابن مندہ اور امام ابن شاہین نے اور امام طبرانی نے معجم کبیر میں اسناد حسن کے ساتھ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صہباء میں ظہر کی نماز پڑھی پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کسی کام سے بھیجا وہ کام کر کے آ گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز پڑھ چکے تھے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کی گود میں سر رکھا اور سو گئے۔ حضرت علی نے آپ کو ہلایا نہیں حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ بے شک تیرا بندہ علی اپنے نبی کی خدمت میں مشغول تھا پس اللہ نے اس پر سورج لوٹا دیا حتیٰ کہ سورج پہاڑوں اور زمین پر ٹھہر گیا۔ حضرت علی اٹھے انہوں نے وضو کیا اور عصر کی نماز پڑھی اور سورج غروب ہو گیا' یہ صہباء کا واقعہ ہے۔ اس حدیث کا دوسرا متن یہ ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تو آپ اپنے اوپر کپڑا اوڑھ لیتے۔ ایک دن آپ پر وحی نازل ہوئی اس وقت آپ نے حضرت علی کے زانو پر سر رکھا ہوا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی سے کہا کیا تم نے عصر کی نماز پڑھ لی ہے؟ انہوں نے کہا نہیں یا رسول اللہ! آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اللہ تعالیٰ نے ان پر سورج لوٹا دیا حتیٰ کہ حضرت علی نے عصر کی نماز پڑھ لی۔ حضرت اسماء کہتی ہیں کہ میں نے دیکھا کہ سورج غروب ہونے کے بعد طلوع ہو گیا۔ امام طحاوی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور قاضی عیاض نے ان سے اس حدیث کو الشفاء میں نقل کیا ہے اور امام طحاوی کی تصحیح کو برقرار رکھا ہے اور کہا ہے یہ سب معجزات نبوت سے ہیں۔ امام طحاوی نے لکھا ہے کہ امام احمد بن صالح یہ کہتے ہیں کہ جس شخص کا مقصد علم ہو اس کو چاہیے کہ وہ حضرت اسماء کی حدیث کو حفظ کرے کیونکہ یہ نبوت کی علامات میں سے ہے۔

امام ابن جوزی نے اس حدیث کو موضوعات میں درج کیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے تخریج رافعی میں امام احمد سے یہ نقل کیا ہے کہ اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے اور ابن تیمیہ نے ان کی پیروی کی ہے' اور روافض کے رد میں جو رسالہ لکھا ہے اس میں یہ تصریح کی ہے کہ یہ موضوع ہے' اور ابن جوزی نے یہ کہا ہے کہ اس کی سند میں احمد بن داؤد ہے۔ دار قطنی نے اس کے متعلق کہا ہے وہ متروک الحدیث ہے اور کذاب ہے' اور ابن حبان نے کہا ہے وہ حدیث وضع کرتا تھا' پھر ابن الجوزی نے کہا یہ حدیث باطل ہے اور جس نے اس کے موضوع ہونے سے غفلت کی اس نے اس میں محض فضیلت کی صورت کو دیکھا۔ اس میں کوئی فائدہ نہیں ہے اور سورج غروب ہونے کے بعد نماز قضا ہو جائے گی اور سورج کے لوٹ آنے سے وہ نماز ادا نہیں ہو گی۔ میں کہتا ہوں کہ یہ ابن الجوزی کی غلطی ہے' اس پر حافظ سیوطی اور حافظ سخاوی رد کر چکے ہیں اور اہل علم کو معلوم ہے کہ ابن الجوزی احادیث صحیحہ کو احادیث موضوعہ میں درج کر دیتے ہیں' اور اس پر ان کے معاصر اور ان کے بعد کے بکثرت علماء نے رد کیا ہے۔ جیسا کہ حافظ عراقی نے نکت ابن الصلاح میں نقل کیا ہے' اور اس حدیث کو متعدد حفاظ نے صحیح کہا ہے حتیٰ کہ حافظ سیوطی نے کہا ہے کہ اس حدیث کا متعدد اسانید کے ساتھ مروی ہونا اس کی صحت پر شاہد ہے اس لئے ابن الجوزی کے قول کا کوئی اعتبار نہیں ہے' اور ابن الجوزی کا یہ کہنا کہ اس میں کوئی فائدہ نظر نہیں آتا' اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں فائدہ ہے اور وہ یہ ہے کہ سورج کے لوٹنے سے وقت لوٹ آتا ہے' اور رہا اس کا یہ کہنا کہ سورج کا لوٹ آنا قضا نماز کو ادا نہیں بناتا اس کا حافظ ابن حجر نے شرح ارشاد میں یہ جواب دیا ہے کہ جب سورج غروب ہو اور پھر لوٹ آئے تو اس کے لوٹ آنے سے وقت بھی لوٹ آئے گا اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے' اور شہاب الدین خفاجی نے شرح الشفاء میں لکھا ہے کہ اگر سورج کے لوٹنے کے بعد بھی یہ نماز قضا ہی رہتی تو پھر

سورج کے لوٹانے کا کیا فائدہ تھا' کیونکہ یہ نماز ایک عذر کی بنا پر قضا ہوئی تھی اور وہ عذر یہ تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند میں خلل نہ ڈالا جائے اور یہ فضیلت ہے اور جب وہ نماز لوٹائی گئی تو وہ فضیلت حاصل ہو گئی' اور دوسرے علماء نے لکھا ہے کہ یہ نماز ادا ہوئی تھی۔ علامہ قرطبی نے التذکرہ میں اس کی تصریح کی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب سورج لوٹ آیا تو گویا وہ غروب نہیں ہوا اور امام طبرانی نے معجم اوسط میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج کو حکم دیا تو وہ ایک گھنٹہ مؤخر ہو گیا۔

اور یونس بن بکیر نے زیادۃ المغازی میں ابن اسحاق سے روایت کیا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کرائی گئی اور آپ نے اپنی قوم کو اس کی علامتوں کی خبر دی تو انہوں نے پوچھا وہ قافلہ کب آئے گا؟ آپ نے فرمایا: بدھ کے دن' جب وہ دن آیا تو قریش صبح سے قافلہ کا انتظار کر رہے تھے دن ختم ہونے لگا اور قافلہ نہیں آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی پھر دن کی مقدار میں ایک گھنٹہ بڑھا دیا گیا اور سورج کو محبوس (ٹھہرا) کر دیا گیا' اور یہ حدیث اس صحیح حدیث کے خلاف نہیں ہے جس میں ہے کہ حضرت یوشع بن نون کے سوا کسی کے لیے سورج کو نہیں ٹھہرایا گیا جب انہوں نے جمعہ کے دن جبارین سے قتال کیا تھا' کیونکہ یہ جواب دیا جائے گا کہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ انبیاء سابقین میں سے حضرت یوشع بن نون کے سوا کسی کے لیے سورج کو نہیں ٹھہرایا گیا۔ (اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۹۲-۱۹۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۴ھ)

حدیث ردشمس پر علامہ ابن جوزی کے اعتراضات کے جوابات

حضرت اسماء بنت عمیس کی حدیث کی سند پر علامہ ابن جوزی نے جو اعتراضات کیے ہیں ان کے حسب ذیل جوابات ہیں۔

علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن عراقی الکنانی المتوفی ۹۶۳ھ لکھتے ہیں:

علامہ ابن جوزی نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند میں فضیل بن مرزوق ہے اور اس کو یحییٰ نے ضعیف قرار دیا ہے۔ دوسری سند میں ابن عقدہ ہے اور رافضی ہے اس پر کذب کی تہمت ہے' نیز اس سند میں عبدالرحمٰن بن شریک ہے اس کے متعلق ابو حاتم نے کہا ہے کہ یہ ضعیف الحدیث ہے' نیز یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ سے بھی مروی ہے اس کی سند میں داؤد بن فراہیج ہے۔ اس کو شعبہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔

علامہ ابن جوزی کے ان اعتراضات کا جواب یہ ہے کہ فضیل بن مرزوق ثقہ اور بہت زیادہ سچا راوی ہے۔ صحیح مسلم اور سنن اربعہ کے مصنفین نے اس سے استدلال کیا ہے' اور عبدالرحمان بن شریک کی ابو حاتم کے علاوہ دوسرے ائمہ نے توثیق کی ہے اور امام بخاری نے کتاب الادب میں اس سے روایت کیا ہے' اور ابن عقدہ بہت بڑے حفاظ میں سے ہیں اور ان کی جرح اور تعدیل میں لوگوں کا اختلاف ہے' اور جن لوگوں نے ان پر حدیث وضع کرنے کی تہمت لگائی ہے ان کی امام دار قطنی نے تکذیب کی ہے۔ حمزہ السھمی نے کہا ان پر وضع کی تہمت کوئی طفیلی ہی لگا سکتا ہے' اور داؤد بن فراہیج کی ایک قوم نے توثیق کی ہے۔ پھر اس حدیث کو ائمہ اور حفاظ کی ایک جماعت نے صحیح کہا ہے۔ ان میں سے امام طحاوی ہیں اور امام سیوطی نے اس حدیث کی اسانید کے تتبع میں ایک رسالہ لکھا ہے جس کا نام کشف اللبس فی حدیث رد الشمس ہے' اور اس رسالہ کو امام شافعی کے اس قول پر ختم کیا ہے کہ جس نبی کو بھی کوئی معجزہ دیا گیا ہمارے نبی کو اس جیسا یا اس سے بڑا معجزہ دیا گیا۔ (علامہ کتانی نے بہت طویل بحث کی ہے لیکن ہم نے ان کا جتنا کلام نقل کیا ہے وہ بحث کو سمجھنے کے لیے کافی ہے)

(تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ ج ۱ ص ۳۷۹-۳۷۸' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۱ھ)

حدیث ردشمس پر حرف آخر

ہم نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سورج کو ٹھہرانے یا لوٹانے کے متعلق بہت طویل اور مفصل گفتگو کی ہے کیونکہ ہمارے زمانہ میں بھی بعض متشدد علماء ابن جوزی' ابن تیمیہ اور ابن کثیر کی اتباع میں معجزہ ردالشمس کا انکار کرتے ہیں چنانچہ سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں:

حضرت علی کے متعلق جو روایات بیان کی جاتی ہیں ان کے تمام طرق اور رجال پر بحث کر کے ابن تیمیہ نے اس کو موضوع ثابت کیا ہے اور ابن جوزی کہتے ہیں کہ یہ بلاشک وشبہ موضوع ہے۔غزوہ خندق کے موقع پر سورج کی واپسی والی روایت بھی بعض محدثین کے نزدیک ضعیف اور بعض کے نزدیک موضوع ہے۔

(تفہیم القرآن ج ۴ ص ۳۳۴' مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن لاہور' مارچ ۱۹۸۳ء)

البتہ جسٹس تقی عثمانی نے اس بحث میں انصاف سے کام لیا ہے وہ لکھتے ہیں:

اور رہے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو امام طحاوی نے مشکل الآثار میں اور امام طبرانی نے کبیر میں اور حاکم اور بیہقی نے دلائل میں حضرت اسماء بنت عمیس سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھٹنے پر سر رکھ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے اور ان کی عصر کی نماز فوت ہوگئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی سو' سورج کو لوٹا دیا گیا حتیٰ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھ لی پھر سورج غروب ہو گیا۔ابن جوزی نے اس حدیث کو موضوعات میں درج کیا ہے اور ابن تیمیہ نے کتاب الرد علی الروافض میں لیکن حافظ ابن حجر نے اسے ان دونوں کی خطا قرار دیا ہے۔

(تکملہ فتح الملہم ج ۳ ص ۴۷' مطبوعہ مکتبہ دارالعلوم کراچی ۱۴۱۴ھ)

جسٹس تقی عثمانی نے صرف حافظ ابن حجر کی عبارت نقل کرنے پر اکتفاء کی ہے خود تتبع نہیں کیا ورنہ انہیں معلوم ہوتا کہ حاکم اور بیہقی نے اس حدیث کو روایت نہیں کیا۔

شرح صحیح مسلم ج ۵ ص ۳۲۲۔۳۱۸ میں بھی ہم نے اس حدیث پر بحث کی ہے لیکن اس جگہ زیادہ تحقیق کی ہے۔

حضرت یوشع بن النون کو فتیٰ فرمانے کی توجیہ

اس آیت میں فرمایا ہے جب موسیٰ نے اپنے فتیٰ سے کہا' ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ فتیٰ سے مراد حضرت یوشع بن نون ہے۔
علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں: اس لفظ کا معنی ہے نوجوان لڑکا یا لڑکی' غلام اور باندی کو بھی فتیٰ کہا جاتا ہے۔

(المفردات ج ۲ ص ۴۸۲' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

علماء کے اس کے متعلق تین قول ہیں:

(۱) حضرت یوشع' حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ رہتے تھے اور ان کی خدمت کرتے تھے اور کلام عرب میں فتیٰ جوان آدمی کو کہتے ہیں اور چونکہ عام طور پر خدمت جوان آدمی کرتے ہیں اس لئے بہ طور ادب خادم کو فتیٰ کہتے ہیں۔شریعت میں بھی خادم پر فتیٰ کا اطلاق مستحب ہے۔حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ تم میں سے کوئی شخص میرا بندہ یا میری بندی! نہ کہے' تم سب اللہ کے بندے ہو اور تمہاری تمام عورتیں اللہ کی بندیاں ہیں' لیکن تمہیں کہنا چاہئے میرا غلام یا میری کنیز' یا میرا فتی یا میری فتاۃ (میرا خادم یا میری خادمہ) (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۴۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۹۷۵)

اس سے پہلے سورہ یوسف کی تفسیر میں بھی یہ بحث گزر چکی ہے اور اس آیت میں فتیٰ سے مراد یوشع بن نون بن افرائیم بن

یوسف علیہما السلام ہیں۔
(۲) حضرت یوشع کو حضرت موسیٰ کا فتیٰ اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ حضرت موسیٰ سے تعلیم حاصل کرنے کے لیے ان کی خدمت میں لازماً حاضر رہتے تھے۔ ہر چند کہ وہ اصل میں آزاد تھے۔
(۳) ان کو فتیٰ اس لئے فرمایا کہ وہ غلام کے قائم مقام تھے قرآن مجید میں ہے:

وَقَالَ لِفِتْيٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِيْ رِحَالِهِمْ (یوسف:۶۲)
اور یوسف نے اپنے نوکروں سے فرمایا ان کی پونجی ان کی بوریوں میں رکھ دو۔

حضرت خضر کا نام' لقب اور کنیت

ابن قتیبہ نے معارف میں وہب بن منبہ کی روایت کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ حضرت خضر کا نام بلیا ہے۔ ابو حاتم سجستانی نے کہا ہے کہ ان کا نام خضرون ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ان کا نام ارمیاہ ہے۔ مقاتل نے کہا ان کا نام الیسع ہے کیونکہ حضرت خضر کا علم سات آسمانوں اور سات زمینوں کو محیط ہے' لیکن پہلا قول مشہور ہے۔ یہ لفظ خَضِر اور خِضر دونوں طرح پڑھنا صحیح ہے۔ ان کو جو خضر کا لقب دیا گیا ہے اس کی صحیح وجہ یہ ہے کہ جب یہ زمین پر بیٹھتے تو اس زمین پر سبزہ اگ جاتا تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ ان کے بیٹھنے سے خشک گھاس ہری ہو جاتی تھی۔ ایک قول یہ ہے کہ جب یہ نماز پڑھتے تو اردگرد سبز ہو جاتا تھا۔ ان کی کنیت ابوالعباس ہے۔

حضرت خضر کا نسب یہ ہے: بلیا بن ملکان بن فالغ بن عابر بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح علیہ السلام۔

مجمع البحرین کا مصداق

اس آیت میں فرمایا ہے حضرت موسیٰ نے کہا میں مسلسل چلتا رہوں گا حتیٰ کہ میں مجمع البحرین (دو سمندروں کے ملنے کی جگہ) پہنچ جاؤں۔ مجمع البحرین کے متعلق مفسرین کی حسب ذیل آراء ہیں:

امام ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے لکھا ہے کہ قتادہ اور مجاہد سے مروی ہے یہ دو سمندر ہیں بحر فارس اور بحر روم۔ بحر روم مغرب کے قریب ہے اور بحر فارس مشرق کے قریب ہے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۷۴۶۲'۱۷۴۶۱' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام رازی نے لکھا ہے مجمع البحرین' بحر فارس اور بحر روم کے ملنے کی جگہ ہے اور بعض علماء نے کہا ہے اس سے مراد حضرت موسیٰ اور حضرت خضر کے ملنے کی جگہ ہے کیونکہ حضرت موسیٰ بحر شریعت تھے اور حضرت خضر بحر طریقت تھے اور مجمع البحرین ان دونوں کے ملنے کی جگہ تھی۔ (تفسیر کبیر ج ۷ ص ۴۷۹' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

بعض علماء نے لکھا ہے کہ اس مقام کی تعیین کسی یقینی ذریعہ سے نہیں ہو سکی تاہم قرآن کا تقاضا یہ ہے کہ اس سے مراد صحرائے سینا کا وہ جنوبی راس ہے جہاں خلیج عقبہ اور خلیج سویس دونوں آ کر ملتے ہیں اور بحر احمر میں ضم ہو جاتے ہیں۔

حقبا کے معنی

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

حقبا کا معنی ہے دہر' ایک قول یہ ہے کہ حقب اسی (۸۰) سال کو کہتے ہیں اور صحیح یہ ہے کہ زمانہ کی غیر معینہ مدت کو حقب کہتے ہیں۔ (المفردات ج ۱ ص ۱۶۶' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

اس کا معنی یہ ہے کہ جب تک میں مجمع البحرین نہیں پہنچ جاؤں گا چلتا ہی رہوں گا اور اپنا سفر جاری رکھوں گا خواہ کتنا ہی

عرصہ کیوں نہ لگ جائے۔

مجمع البحرین کی طرف سفر کا سبب اور حضرت خضر اور حضرت موسیٰ کی تعیین

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ان کی اور حر بن قیس فزاری کی اس میں بحث ہوئی کہ حضرت موسیٰ کس سے ملنے گئے تھے۔ حضرت ابن عباس نے کہا وہ خضر تھے۔ ان کے پاس سے حضرت ابی بن کعب گزرے۔ حضرت ابن عباس نے ان کو بلایا اور کہا میری اور میرے اس ساتھی کی اس میں بحث ہوئی کہ حضرت موسیٰ کا وہ کون صاحب تھا جس سے ملاقات کا انہوں نے سوال کیا تھا' کیا آپ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق کچھ سنا ہے؟ حضرت ابی بن کعب نے کہا کہ ہاں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں تھے تو ایک شخص نے سوال کیا' کیا آپ کسی ایسے شخص کو جانتے ہیں جو آپ سے بڑا عالم ہو؟ حضرت موسیٰ نے کہا نہیں' تو اللہ عزوجل نے حضرت موسیٰ کی طرف وحی فرمائی کیوں نہیں! ہمارا بندہ خضر ہے۔ پھر حضرت موسیٰ نے اللہ سے ان کی ملاقات کی سبیل کا سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مچھلی کو نشانی بنا دیا اور فرمایا جب تم سے مچھلی گم ہو جائے تو تم لوٹ آنا وہیں تمہاری خضر سے ملاقات ہو گی۔ حضرت موسیٰ سمندر میں مچھلی کے نشان ڈھونڈتے رہے پھر حضرت موسیٰ سے ان کے شاگرد نے کہا: بھلا دیکھئے جب ہم اس چٹان کے پاس آ کر ٹھہرے تھے تو بے شک میں مچھلی کا ذکر کرنا بھول گیا تھا' اور اس مچھلی کا ذکر کرنا مجھے شیطان نے ہی بھلایا تھا' اور اس مچھلی نے سمندر میں عجیب طریقہ سے راستہ بنا لیا تھا○ موسیٰ نے کہا یہی تو وہ چیز ہے جسے ہم ڈھونڈ رہے تھے تو وہ دونوں اپنے قدموں کے نشانات کی پیروی کرتے ہوئے پیچھے لوٹے (الکھف: ۶۴-۶۳) پھر ان دونوں نے خضر کو پا لیا۔ پھر ان دونوں کا وہی قصہ ہے جس کو اللہ عزوجل نے اپنی کتاب میں بیان فرمایا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۰۷' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۴۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۸۰' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۱۴۲۶' عالم الکتب)

سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ نوف البکالی کا یہ زعم ہے کہ حضرت خضر کے ساتھ جس موسیٰ کا قصہ ہے یہ بنو اسرائیل کے موسیٰ نہیں تھے یہ اور موسیٰ تھے۔ حضرت ابن عباس نے کہا وہ اللہ کا دشمن جھوٹ بولتا ہے۔ ہمیں حضرت ابی بن کعب نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں خطبہ دے رہے تھے تو ان سے سوال کیا گیا کہ لوگوں میں سب سے بڑا عالم کون ہے؟ حضرت موسیٰ نے کہا میں سب سے بڑا عالم ہوں' تب اللہ عزوجل نے ان پر عتاب فرمایا کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف علم کو نہیں لوٹایا' تو اللہ نے ان کی طرف وحی کی کہ میرے بندوں میں سے ایک بندہ مجمع البحرین میں ہے وہ تم سے زیادہ عالم ہے۔ حضرت موسیٰ نے کہا اے میرے رب! میری ان سے کیسے ملاقات ہو گی؟ فرمایا ایک ٹوکری میں مچھلی رکھ لو پس جب وہ مچھلی گم ہو گی وہیں وہ بندہ ہو گا۔ حضرت موسیٰ اور ان کا شاگرد یوشع بن نون دونوں چل پڑے اور انہوں نے ایک ٹوکری میں مچھلی رکھ لی تھی حتیٰ کہ ان دونوں نے ایک چٹان پر سر رکھا اور وہ دونوں سو گئے۔ وہ مچھلی ٹوکری سے نکلی اور سمندر میں سرنگ کی طرح راستہ بناتی ہوئی چلی گئی اور یہ بات حضرت موسیٰ اور ان کے شاگرد کے لیے بہت عجیب و غریب ثابت ہوئی تھی۔ وہ دونوں بقیہ رات اور دن چلتے رہے جب صبح ہوئی تو حضرت موسیٰ نے اپنے شاگرد سے کہا ہمارا ناشتہ لاؤ ہمیں اس سفر سے تھکاوٹ پہنچی ہے۔ (الکھف: ۶۲) اس نے کہا بھلا دیکھیے جب ہم اس چٹان کے پاس آ کر ٹھہرے تھے تو بے شک میں مچھلی کا ذکر کرنا بھول گیا تھا اور اس مچھلی کا ذکر کرنا مجھے شیطان نے ہی بھلایا تھا (الکھف: ۶۳) اور اس مچھلی نے سمندر میں عجیب طریقہ سے راستہ بنا لیا تھا۔ موسیٰ نے کہا یہی تو وہ چیز

ہے جس کو ہم ڈھونڈ رہے تھے تو وہ دونوں اپنے قدموں کے نشانات کی پیروی کرتے ہوئے پیچھے لوٹے (الکہف: ۶۴) جب وہ دونوں اس چٹان پر پہنچے تو دیکھا وہاں ایک شخص کپڑا اوڑھے ہوئے موجود ہے۔

حضرت موسیٰ نے اس کو سلام کیا۔ حضرت خضر نے کہا تمہاری زمین میں سلامتی کہاں ہے۔ حضرت موسیٰ نے کہا میں موسیٰ ہوں۔ انہوں نے کہا بنو اسرائیل کے موسیٰ ہو؟ انہوں نے کہا ہاں' حضرت موسیٰ نے کہا آیا میں آپ کی اس شرط پر پیروی کروں کہ آپ کو جو رشد و ہدایت کا علم دیا گیا ہے آپ اس علم کی مجھے بھی تعلیم دیں۔ حضرت خضر نے کہا آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہیں کر سکیں گے (الکہف: ۶۷-۶۶) اے موسیٰ میرے پاس اللہ کے علم سے ایسا علم ہے جو اس نے مجھے سکھایا ہے وہ آپ کے پاس نہیں ہے اور آپ کے پاس ایسا علم ہے جو اس نے آپ کو سکھایا ہے اس کو میں نہیں جانتا۔ موسیٰ نے کہا ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے اور میں آپ کے حکم کی نافرمانی نہیں کروں گا (الکہف: ۶۹) پھر وہ دونوں سمندر کے کنارے کنارے چلنے لگے ان کے پاس کشتی نہیں تھی۔ ان کے پاس سے ایک کشتی گزری انہوں نے ان سے کہا کہ وہ ان کو سوار کر کے لے جائیں۔ انہوں نے حضرت خضر کو پہچان لیا اور بغیر اجرت کے ان کو سوار کر لیا' پھر ایک چڑیا آئی اور کشتی کے ایک کنارے بیٹھ گئی اور اس نے سمندر میں ایک یا دو چونچیں ماریں۔ پس خضر نے کہا مجھے اور تمہیں علم دینے سے اللہ کے علم میں سے صرف اتنی کمی ہوتی ہے جتنی اس چڑیا کے سمندر میں چونچ مارنے سے کمی ہوتی ہے۔ پھر حضرت خضر نے کشتی کے تختوں میں سے ایک تختے کو اکھاڑ کر پھینک دیا۔ حضرت موسیٰ نے کہا ان لوگوں نے بغیر اجرت کے ہم کو کشتی میں سوار کیا اور آپ نے کشتی کا ایک تختہ اکھاڑ دیا تا کہ آپ اس میں بیٹھنے والوں کو غرق کر دیں۔ حضرت خضر نے کہا کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہیں کر سکیں گے۔ حضرت موسیٰ نے کہا آپ اس چیز پر میری گرفت نہ کریں جو میں بھول گیا ہوں (الکہف: ۷۳-۷۲) پس پہلی بار حضرت موسیٰ سے بھول ہوگئی' پھر وہ دونوں چل پڑے۔ پس انہوں نے دیکھا کہ ایک لڑکا لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا ہے۔ حضرت خضر نے اوپر سے اس کے سر کو پکڑا اور اپنے ہاتھوں سے اس کا سر الگ کر دیا۔ حضرت موسیٰ نے کہا آپ نے ایک بے قصور شخص کو کسی جان کے حق کے بغیر قتل کر دیا (الکہف: ۷۴) حضرت خضر نے کہا کیا میں نے آپ سے یہ نہیں کہا تھا کہ آپ ہرگز میرے ساتھ صبر نہیں کر سکیں گے (الکہف: ۷۵) ابن عیینہ نے کہا اس جملہ میں پہلے جملہ سے زیادہ تاکید ہے۔ پھر وہ دونوں چلتے رہے حتیٰ کہ وہ ایک بستی والوں کے پاس پہنچے اور ان بستی والوں سے کھانا مانگا۔ پس انہوں نے ان کی مہمان نوازی کرنے سے انکار کر دیا۔ ان دونوں نے اس بستی میں ایک دیوار کو گرتے ہوئے دیکھا تو ان دونوں نے اس دیوار کو کھڑا کر دیا (الکہف: ۷۷) آپ نے فرمایا: حضرت خضر نے اس دیوار کو اپنے ہاتھ سے کھڑا کر دیا۔ پھر حضرت موسیٰ نے ان سے کہا اگر آپ چاہتے تو اس کام پر ان سے اجرت لے لیتے۔ حضرت خضر نے کہا اب ہمارے اور تمہارے درمیان جدائی ہے (الکہف: ۷۸-۷۷) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ پر رحم فرمائے ہماری خواہش تھی کہ حضرت موسیٰ کچھ دیر اور صبر کرتے حتیٰ کہ ان دونوں کے مزید واقعات بیان کئے جاتے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۱۲۲' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۴۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۰۷' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۱۴۳۶' عالم الکتب)

ان دونوں حدیثوں کے بیان کرنے سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ حضرت موسیٰ جس شخص سے ملاقات کرنے مجمع البحرین گئے تھے وہ حضرت خضر علیہ السلام تھے اور حضرت خضر علیہ السلام کے پاس علم حاصل کرنے کے لیے جو شخص آئے تھے وہ بنو اسرائیل کے حضرت موسیٰ بن عمران تھے' کیونکہ پہلے معاملہ میں حضرت ابن عباس سے حر بن قیس بن حصن فزاری نے اختلاف کیا اور کہا

وہ حضرت خضر نہیں تھے کوئی اور شخص تھے اور دوسرے معاملے میں حضرت ابن عباس سے نوف بکالی نے اختلاف کیا اور کہا کہ وہ بنو اسرائیل کے موسیٰ بن عمران نہیں تھے کوئی اور موسیٰ تھے۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس جب وہ دونوں دو سمندروں کے سنگم پر پہنچ گئے تو وہ دونوں اپنی مچھلی بھول گئے سو مچھلی نے سمندر میں سرنگ بناتے ہوئے اپنا راستہ بنالیا۔ (الکھف:۶۱)

سرب کا معنی

سرب کا معنی ہے سرنگ' اس کی جمع اسراب ہے۔ علامہ راغب اصفہانی نے لکھا ہے حدود میں جانے کو سرب کہتے ہیں اور سرب اس جگہ کو کہتے ہیں جو ڈھلوان مقام میں ہو۔ سرب کا معنی گزرنا بھی ہے اور بہنا بھی ہے۔ سرب الدمع کا معنی ہے آنسو بہا اور سارب کا معنی ہے جو کسی طریقہ سے بھی جانے والا ہو۔ قرآن مجید میں ہے:

مَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِالَّيْلِ وَ سَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ جو رات کو چھپا ہوا ہو اور دن میں چل رہا ہو۔
(الرعد:۱۰) (المفردات ج ۱ ص ۳۰۲' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

مجاہد نے کہا سرب کا معنی ہے راستہ' قتادہ نے کہا پانی جم کر سرنگ کی طرح بن گیا تھا اور جمہور مفسرین نے کہا مچھلی فارغ جگہ میں چل رہی تھی اور حضرت موسیٰ مچھلی کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے' حتیٰ کہ وہ سمندر میں ایک جزیرہ کے راستہ کی طرف آپ کو لے گئی اور اس جزیرہ میں آپ نے حضرت خضر کو پایا اور ظاہر روایات اور ظاہر قرآن مجید کا تقاضا یہ ہے کہ حضرت موسیٰ نے حضرت خضر کو ساحل سمندر پر پایا۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر جب وہ دونوں اس جگہ سے آگے بڑھ گئے تو موسیٰ نے اپنے خادم سے کہا ہمارا ناشتہ لاؤ' ہمیں اس سفر سے تھکاوٹ پہنچی ہے O اس نے کہا بھلا دیکھئے جب ہم اس چٹان کے پاس آ کر ٹھہرے تھے تو بے شک میں مچھلی کا ذکر کرنا بھول گیا تھا اور اس مچھلی کا ذکر کرنا مجھے شیطان نے ہی بھلایا تھا' اور اس مچھلی نے سمندر میں عجیب طریقہ سے راستہ بنالیا تھا O موسیٰ نے کہا یہی تو وہ چیز ہے جس کو ہم ڈھونڈ رہے تھے تو وہ دونوں اپنے قدموں کے نشانوں کی پیروی کرتے ہوئے پیچھے لوٹے۔ (الکھف: ۶۴-۶۲)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف بھولنے کی نسبت کرنے کی توجیہ

صرف حضرت یوشع بن نون مچھلی کا ذکر کرنا بھولے تھے اور قرآن مجید میں ہے وہ دونوں بھول گئے تھے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت یوشع' حضرت موسیٰ کو بتلانا بھول گئے اور دونوں کی طرف بھولنے کی نسبت اس لئے کی کہ حضرت یوشع حضرت موسیٰ کے مصاحب تھے۔ قرآن مجید میں ہے:

يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ان دونوں پانیوں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں۔
(الرحمٰن:۲۲)

یعنی کھاری اور شیریں دونوں پانیوں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں حالانکہ موتی اور مونگے صرف کھاری پانی سے نکلتے ہیں لیکن چونکہ دریاؤں کا شیریں پانی بھی سمندر میں جا کر گرتا ہے اس لئے دونوں کی طرف نسبت کر دی۔
بعض روایات میں ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت یوشع سے کہا تھا میں تمہیں صرف اس بات کا پابند کر رہا ہوں کہ جب یہ مچھلی تم سے جدا ہو تو تم مجھے بتا دینا۔ ابن جریج نے کہا ہے کہ جب حضرت موسیٰ ایک چٹان کے سائے میں سوئے ہوئے تھے تو وہ مچھلی مضطرب ہو کر اس ٹوکری سے نکل گئی۔ حضرت یوشع نے دل میں کہا میں ابھی ان کو بیدار نہیں کرتا جب وہ

بیدار ہوں گے تو ان کو بتا دوں گا اور پھر وہ بتانا بھول گئے' اور مچھلی مضطرب ہو کر ٹوکری سے نکل کر سمندر میں داخل ہو گئی اور اللہ تعالیٰ نے سمندر کے بہنے کو روک لیا اور مچھلی اس میں اس طرح نشان بناتی ہوئی چلی گئی جس طرح پتھر میں نشانات ہوتے ہیں۔ پھر جب حضرت موسیٰ بیدار ہوئے اور اس چٹان سے آگے روانہ ہوئے تو حضرت موسیٰ نے کہا ہمارا ناشتہ لاؤ ہمیں اس سفر سے تھکاوٹ ہو گئی ہے اور ان کو اسی وقت تھکاوٹ ہوئی تھی جب وہ اس چٹان سے روانہ ہوئے تھے۔ تب حضرت یوشع نے کہا بھلا دیکھئے جب ہم اس چٹان کے پاس آ کر ٹھہرے تھے تو بے شک میں مچھلی کا ذکر کرنا بھول گیا تھا اور اس مچھلی کا ذکر کرنا مجھے شیطان نے ہی بھلایا تھا۔

سفر میں زادراہ لینا توکل کے خلاف نہیں بلکہ سنت انبیاء ہے

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دوران سفر ناشتہ طلب کیا اس سے معلوم ہوا انسان کو چاہئے جب سفر میں جائے تو کھانے پینے کی چیزیں ساتھ لے جائے۔ اس میں ان جاہل صوفیوں کا رد ہے جو سفر میں کھانے پینے کی چیزوں کو ساتھ لے جانا توکل کے خلاف سمجھتے ہیں۔ ان کا زعم یہ ہے کہ کسی چیز کو ساتھ نہ لے جانا یہی اللہ عزوجل پر توکل ہے اور دیکھئے یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں جو اللہ تعالیٰ کے اولوالعزم نبی اور اس کے کلیم ہیں اور انہوں نے سفر میں اپنے ساتھ زادراہ لیا حالانکہ انہیں ان سے اور سب لوگوں سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی معرفت تھی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اھل یمن حج کرتے تھے اور زادراہ ساتھ نہیں لیتے تھے اور کہتے تھے ہم توکل کرنے والے ہیں پھر جب وہ مکہ میں آتے تو لوگوں سے سوال کرنے لگتے تو اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى — اور سفر خرچ ساتھ لو' بہترین سفر خرچ سوال سے بچنا ہے۔

(البقرہ: ۱۹۷) (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۵۲۳)

اسی طرح رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب کئی کئی راتوں کے لیے غار حرا میں جاتے تو اپنے ساتھ کھانے پینے کی چیزیں لے جاتے تھے۔ پھر حضرت خدیجہ کے پاس لوٹ آتے اور جب دوبارہ جاتے تو پھر کھانے پینے کی چیزیں ساتھ لے جاتے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۰' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۵۷۱۷)

بیماریوں اور مصائب کے بیان کرنے کا جواز

حضرت موسیٰ کے زادراہ اور ناشتہ میں اختلاف ہے کہ وہ کیا تھا؟ حضرت ابن عباس نے فرمایا ان کے تھیلے میں ایک نمکین مچھلی تھی اور وہ دونوں صبح اور شام اسی مچھلی کو کھاتے تھے۔ ابوالفضل جوہری نے کہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مناجات کے لیے جاتے تھے تو چالیس دن تک کھانا نہیں کھاتے تھے اور جب لوگوں کے پاس آتے تھے تو ان کو بھوک اور پیاس لگتی تھی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہمیں اس سفر سے تھکاوٹ پہنچی ہے۔ اس میں یہ دلیل ہے کہ انسان کو جو درد اور مرض لاحق ہو یا کسی کام سے کوئی تھکاوٹ ہو اس کی خبر دینے میں کوئی حرج نہیں ہے اور یہ اللہ کی رضا کے خلاف نہیں ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو تسلیم کرنے کے خلاف ہے۔ لیکن یہ اس وقت ہے جب یہ کلمات بے صبری' اللہ سے شکایت اور چیخ و پکار کے طور پر نہ صادر ہوں۔ اسی طرح انسان پر جو ناگہانی آفات اور مصائب آتے ہیں اور مال اور جان کا نقصان ہو جاتا ہے' بچے گم ہو جاتے ہیں' چوری ہو جاتی ہے اور طرح طرح کے حادثات پیش آتے ہیں ان کی بھی خبر دینا جائز ہے اور یہ صبر اور ضبط کے خلاف نہیں ہے اور نہ تسلیم و رضا کے خلاف ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام گم ہو گئے تو وہ ان کو یاد کرتے رہے اور رنج اور افسوس کرتے رہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ایک سفر میں ہار گم ہو گیا تو انہوں نے رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی اور تمام قافلہ والوں نے مل کر اس کو تلاش کیا۔ ہمارے رسول سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابراہیم! ہم تمہارے فراق پر غم زدہ ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ اُحد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سر زخمی کر دیا گیا۔ آپ نے فرمایا: وہ قوم کیسے فلاح پائے گی جس نے اپنے نبی کا سر زخمی کر دیا۔ (صحیح البخاری تفسیر آل عمران)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا آپ کو بخار چڑھا ہوا تھا۔ میں نے آپ کو چھو کر دیکھا تو آپ کو بہت تیز بخار تھا۔ میں نے کہا یا رسول اللہ آپ کو تو بہت شدید بخار ہے۔ آپ نے فرمایا: ہاں! جتنا بخار تم دو آدمیوں کو ہوتا ہے مجھ اکیلے کو اتنا بخار ہوتا ہے۔ میں نے کہا آپ کو دگنا اجر ہوگا فرمایا ہاں! اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے روئے زمین پر جس مسلمان کو بھی کسی مرض سے یا کسی اور وجہ سے تکلیف پہنچتی ہے تو اس سے اس کے گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں جس طرح درخت سے پتے جھڑتے ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۶۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۷۱، مسند احمد رقم الحدیث: ۳۶۱۸ دار الفکر)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہاتھ رکھا پھر کہا آپ کے بخار کی شدت سے میں آپ پر ہاتھ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم گروہ انبیاء پر اس طرح دگنی مصیبتیں آتی ہیں جس طرح ہمیں دگنا اجر دیا جاتا ہے۔ بے شک انبیاء میں سے ایک نبی کو جوں کے ساتھ مبتلا کیا گیا تو انہوں نے اس کو مار دیا اور ایک شخص کو سردی میں مبتلا کیا جاتا تو وہ اٹھ کر کپڑے پہن لیتا اور بے شک وہ تنگی اور مصائب میں اس طرح خوش ہوتے تھے جس طرح وہ فراخی اور عیش میں خوش ہوتے تھے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۲۰۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۸ھ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ آئے تو حضرت ابوبکر اور حضرت بلال کو بخار چڑھ گیا پس حضرت ابوبکر کو جب بخار آیا تو انہوں نے یہ شعر پڑھا:

(ترجمہ) ہر شخص اپنے گھر میں صبح کرتا ہے اور موت جوتی کے تسمہ سے زیادہ اس کے قریب ہوتی ہے۔

اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا جب بخار اتر گیا تو انہوں نے یہ اشعار پڑھے:

سنو! کاش مجھے معلوم ہوتا کیا میں ایک رات اس وادی میں گزاروں گا جس کے گرد اذخر اور جلیل (نامی گھاس) ہیں۔

اور کیا میں کسی دن مجنہ (مکہ کا ایک مقام) کے پانی پر جاؤں گا اور کیا مجھے شامہ اور طفیل (پہاڑ) دکھائی دیں گے۔

اے اللہ شیبہ بن ربیعہ، عتبہ بن ربیعہ اور امیہ بن خلف پر لعنت کر جنہوں نے ہمیں ہمارے وطن سے اس وباؤں کی زمین کی طرف نکال دیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۱۸۸۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۷۶، موطا امام مالک رقم الحدیث: ۵۵۵، مسند حمیدی رقم الحدیث: ۲۲۳، مسند احمد ج ۶ ص ۵۶)

امام احمد ایک اور سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں جب رسول صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں آئے تو آپ کے اصحاب بیمار ہو گئے۔ حضرت ابوبکر، عامر بن فہیرہ اور حضرت بلال بھی بیمار ہو گئے۔ حضرت عائشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر ان کی عیادت کے لیے گئیں حضرت ابوبکر سے پوچھا آپ کی طبیعت کیسی ہے تو انہوں نے کہا:

ہر شخص اپنے گھر میں صبح کرتا ہے۔ اور موت جوتی کے تسمے سے زیادہ اس کے قریب ہوتی ہے۔

حضرت عامر بن فہیرہ سے پوچھا تو انہوں نے کہا:

میں نے موت کو چکھنے سے پہلے اس کو پا لیا بے شک بزدل کی طبعی موت اس کے اوپر سے آتی ہے۔

اور حضرت بلال نے وہی شعر پڑھا۔ حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی تو آپ نے دعا فرمائی: اے اللہ! ہماری طرف مدینہ بھی اس طرح محبوب کر دے جس طرح تو نے ہماری طرف مکہ محبوب کیا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ محبوب کر دے۔ الحدیث (مسند احمد رقم الحدیث: ۲۴۸۶۴، ۲۶۳۸۱، ۲۶۷۷۱، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۷۲۴، ۵۶۰۰)

ان حدیثوں میں صحابہ کرام نے اپنی بیماری کی بھی خبر دی اور مکہ مکرمہ سے جدائی پر بھی افسوس کا اظہار کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ بیماریوں' آفتوں اور مصائب کی خبر دینا اور ان پر غم اور افسوس کا اظہار کرنا انبیاء علیہم السلام اور صحابہ کرام کا طریقہ ہے اور یہ تسلیم و رضا کے منافی نہیں ہے' اور اگر کوئی شخص مصائب پر رنج اور افسوس کا اظہار کرتا ہے اور ان کے ازالہ کی دعائیں کرتا ہے تو یہ اللہ کے سامنے اپنی بندگی' بے چارگی اور عجز کا اظہار ہے اور اگر کوئی شخص مصائب پر رنج اور افسوس نہیں کرتا اور ان کے ازالہ کے لیے دعائیں نہیں کرتا بلکہ الٹا خوش ہوتا ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی جرأت اور قوت کا اظہار ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے' اور جاہل صوفی ایسا ہی کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہم ہر اس حال میں خوش ہیں جس حال میں ہم کو خدا رکھے حالانکہ یوں کہنا چاہیے کہ ہم ہر حال میں راضی ہیں اور کسی حال کی شکایت نہیں کرتے۔

مصائب اور بیماریوں کے بیان سے صوفیا کا منع کرنا

مشہور صوفی محمد بن علی بن عطیہ المشہور بابی طالب مکی المتوفی ۳۸۶ھ لکھتے ہیں:

جو شخص علاج نہیں کرتا اس کے لیے افضل یہ ہے کہ وہ اپنی بیماریوں کو مخفی رکھے کیونکہ یہ عمل نیکیوں کے خزانے میں سے ہے' اور اس لئے کہ یہ اس کے اور اس کے خالق کے درمیان معاملات سے ہے اس لئے ان کو چھپانے میں زیادہ سلامتی اور زیادہ فضیلت ہے' ہاں اگر اظہار کرنے میں وہ مخلص ہو یا وہ امام ہو اور اس کا قول سنا جاتا ہو یا وہ معرفت میں ماہر ہو وہ اپنی بیماری کی خبر دے اور اس کا دل اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر راضی ہو' یا وہ شخص مصیبتوں کو نعمت سمجھتا ہو اور مصائب کی خبر دینے سے اس کا مقصود اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا بیان کرنا ہو' ورنہ جو آدمی علاج نہیں کرتا اس کا بیماریوں کی خبر دینا اس کے حال کا نقص ہے اور اپنے مولا کی شکایت میں داخل ہے' کیونکہ شکایت کرنے میں نفس کو اس طرح راحت پہنچاتا ہے جس طرح بیماری کا علاج کر کے نفس کو راحت پہنچائی جاتی ہے' اور کوئی عالم ایسا نہیں کرے گا کیونکہ جس دوا کو اس کے مولا نے اس کے لیے مباح کیا ہے وہ اس سے بہتر ہے کہ اس کا بندہ اس کی شکایت کرے۔ علاوہ ازیں جب وہ اپنی بیماری کی خبر دے گا تو وہ اس سے مامون نہیں ہے کہ وہ بیماری کو زیادہ بیان کرے یا اس میں تصنع کرے' اور اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کا یہ قول بیان کیا ہے **فصبر جمیل** (یوسف: ۱۸) پس صبر کرنا بہت اچھا ہے۔ اس میں کوئی شکایت نہیں ہے اور بعض صوفیا نے کہا جس شخص نے اپنی شکایت کو پھیلایا اس نے صبر نہیں کیا۔ کسی نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے کہا آپ کی بینائی کس سبب چلی گئی انہوں نے کہا بہت عرصہ گزرنے اور غم کے طول کی وجہ سے' تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی تم میری مخلوق سے میری شکایت کر رہے ہو۔ انہوں نے کہا اے میرے رب میں تیری طرف توبہ کر رہا ہوں۔ طاءوس اور مجاہد سے مروی ہے کہ مریض تکلیف سے جو ہائے ہائے کرتا ہے اس کو لکھ لیا جاتا ہے' اور صوفیا مریض کے کراہنے کو مکروہ جانتے تھے کیونکہ یہ بھی مصنوعی طور پر شکایت کا اظہار ہے' اور کہا گیا ہے کہ ابلیس حضرت ایوب علیہ السلام کے مرض میں صرف ان کے کراہنے کو حاصل کر سکا' اور حدیث میں ہے کہ جب کوئی بندہ بیمار ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ دو فرشتوں کی طرف وحی فرماتا ہے میرے بندے کی طرف دیکھو وہ اپنے عیادت کرنے والوں سے کیا کہتا ہے؟ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتا ہے اور کلمہ خیر کہتا ہے تو اس کے لیے دعا کرو' اور اگر وہ شکایت کرتا ہے اور برے کلمات کہتا ہے تو پھر اس طرح نہ کرنا۔ بعض عیادت گزاروں نے اس خوف سے عیادت کرنے سے منع کیا ہے کہ مریض شکایت

کرے گا' بلکہ مریض سے ملنے سے بھی منع کیا ہے کہ وہ لوگوں کو اپنی بیماری سے زیادہ بتلائے گا اور یہ اللہ کی اس نعمت کا کفر ہے جو اس نے اس کو بیماری کی صورت میں عطا کی ہے' اور بعض صوفیا جب بیمار ہوتے تو اپنے گھر کا دروازہ بند کر دیتے تھے اور جب تک وہ صحت مند نہ ہو جاتے ان کے پاس کوئی نہیں آتا تھا۔ ان میں فضیل' وھیب اور بشر ہیں وہ کہتے تھے کہ میں عیادت کرنے والوں کے بغیر مرض کے ایام گزاروں گا۔ فضیل نے کہا میں بیماری کو صرف عیادت کرنے والوں کی وجہ سے ناپسند کرتا ہوں' اور بیماری کی خبر دینا توکل کے خلاف نہیں بشرطیکہ اس کا دل اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہو' اور وہ قضاء و قدر پر راضی ہو' اور بیماری کی خبر دے کر وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے عجز اور افتقار کو ظاہر کر رہا ہو' اور اپنے مسلمان بھائیوں کی دعا میں رغبت کر رہا ہو یا اس حال کے نعمت ہونے کی گواہی دے رہا ہو تا کہ اس پر شکر ادا کرے۔

حکایت ہے کہ بشر بن حارث نے طبیب عبدالرحمٰن کو اپنے دردوں کی خبر دی' اور کہا گیا کہ امام احمد نے اپنے امراض کی خبر دی اور کہا کہ میں اس خبر سے اپنی ذات میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کو بیان کر رہا ہوں' اور حسن بصری سے روایت ہے کہ جب کوئی مریض اللہ عزوجل کی حمد کرے پھر اپنی بیماری کو بیان کرے تو یہ شکایت نہیں ہے' اور امام احمد بن حنبل سے جب تک کوئی شخص ان کی بیماری کے متعلق نہیں پوچھتا تھا وہ اس کو اپنی بیماری نہیں بتاتے تھے۔ روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ان کی بیماری کے متعلق پوچھا کہ آپ کیسے ہیں؟ بشر نے کہا کہ حاضرین نے اس سوال کو ناپسند کیا پس حضرت علی نے فرمایا کہ کیا تم اللہ کے سامنے اپنی قوت کا اظہار کر رہے ہو' گویا کہ انہوں نے یہ پسند کیا کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی احتیاج کو ظاہر کیا جائے' نیز ان کا یہ ارادہ تھا کہ اپنی بیماری کی خبر دینے میں کوئی حرج نہیں ہے' اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارادہ یہ تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تادیب کو ثابت کریں۔ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قوت کے اظہار کرنے سے منع فرمایا تھا' کیونکہ روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ دعا کرتے ہوئے سنا: اے اللہ! مجھے مصائب پر صبر کرنے والا بنا دے۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے اللہ سے مصائب مانگے ہیں' لیکن اللہ سے عافیت کا سوال کرو۔ اسی وجہ سے مطرف نے کہا اگر میں عافیت پر شکر کروں تو وہ میرے نزدیک مصائب پر صبر کرنے سے زیادہ پسندیدہ ہے' کیونکہ مصائب پر صبر کرنا تو قوی لوگوں کا طریقہ ہے اور اللہ سے ڈرنے والوں نے القوی العزیز کے سامنے قوت اور حوصلہ کا اظہار کرنا مکروہ جانا۔ حکایت ہے کہ امام شافعی مصر میں بہت بیمار ہوئے تو انہوں نے یہ دعا کی اے اللہ! اگر اس بیماری میں تیری رضا ہے تو اس بیماری کو زیادہ کر دے تو ادریس بن یحییٰ المعافری نے ان کو خط لکھا کہ اے ابو عبداللہ تم رجال بلاء (اصحاب مصائب) میں سے نہیں ہو اللہ تعالیٰ سے عافیت کا سوال کرو۔ پھر امام شافعی نے اپنے قول سے رجوع کیا اور اس پر توبہ کی۔

(قوت القلوب ج ۲ ص ۴۷-۴۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ)

مصائب اور بیماریوں کے بیان کرنے کے جواز پر قرآن مجید اور احادیث سے استدلال

صوفی ابو طالب مکی نے آخر میں جو لکھا ہے کہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا شکر ادا کرنا چاہئے اور بیماری کے ازالہ اور صحت کی دعا کرنی چاہئے' اور بیماریوں اور مصائب پر خوشی کا اظہار کر کے اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی قوت اور طاقت کا اظہار نہیں کرنا چاہئے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف اپنی احتیاج ظاہر کر کے اپنی بیماری کا اظہار کرنا چاہئے اور اللہ تعالیٰ سے عافیت کا سوال کرنا چاہئے' یہ صحیح اور برحق ہے۔ لیکن انہوں نے شروع میں جو لکھا ہے کہ کسی کے سامنے اپنی بیماری اور اپنے مصائب کا اظہار نہیں کرنا چاہئے' یہ درست نہیں۔ قرآن مجید میں ہے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے اپنی بھوک اور اپنے مصائب کا ذکر کیا:

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَ اَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَ تَصَدَّقْ عَلَيْنَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِى الْمُتَصَدِّقِيْنَ ۝ (یوسف:۸۸)

پھر جب وہ لوگ یوسف کے دربار میں داخل ہوئے تو کہنے لگے اے عزیز! ہمیں اور ہمارے خاندان کو مصیبتیں پہنچی ہیں' پس ہم یہ حقیر پونجی لائے ہیں لہٰذا آپ ہمیں پورا غلہ ناپ کے دے دیجئے اور ہم پر صدقہ کیجئے' بے شک اللہ صدقہ کرنے والوں کو اچھی جزا دیتا ہے۔

اور حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنی بیماری کا اللہ تعالیٰ سے ذکر کیا:

وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّىْ مَسَّنِىَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَ ذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ ۝ (الانبیاء:۸۳-۸۴)

اور ایوب کو یاد کیجئے جب انہوں نے اپنے رب کو پکارا کہ بے شک مجھے بیماری آ لگی ہے اور تو تمام رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے ۝ تو ہم نے ان کی فریاد سن لی اور ان سے اس بیماری کو دور کر دیا اور ہم نے ان کو ان کے اہل عطا کئے اور اتنے ہی ان کے ساتھ اور بھی اپنے پاس سے رحمت فرما کر اور یہ عبادت کرنے والوں کے لیے نصیحت ہے۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی نے آپ کے پاس پیغام بھیجا کہ میرا بیٹا فوت ہونے کے قریب ہے آپ ہمارے پاس آئیں۔ آپ نے کسی کے ہاتھ سلام بھیجا اور فرمایا اللہ ہی کے لیے ہے جو اس نے لے لیا اور عطا کیا اور ہر شخص کی اجل اس کے پاس مقرر ہے۔ پس اس کو چاہئے کہ وہ صبر کرے اور ثواب کو طلب کرے۔ انہوں نے پھر کسی کو قسم دے کر آپ کے پاس بھیجا کہ آپ ضرور آئیں۔ آپ اٹھے اور آپ کے ساتھ حضرت سعد بن عبادہ' حضرت معاذ بن جبل' حضرت ابی بن کعب' حضرت زید بن ثابت اور دوسرے اصحاب رضی اللہ عنہم بھی تھے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس بچہ کو اٹھا کر لایا گیا اس کا سانس اکھڑ رہا تھا۔ حضرت اسامہ نے کہا اس بچہ کا جسم سوکھی ہوئی مشک کی طرح تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ حضرت سعد نے پوچھا یا رسول اللہ یہ کیا؟ آپ نے فرمایا: یہ وہ چیز ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں رکھی ہے اور اللہ اپنے رحم کرنے والے بندوں پر رحم فرماتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۲۸۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۲۳' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۱۲۵' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۸۶۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۵۸۸)

قرآن مجید کی نصوص صریحہ' اور صحیح بخاری کی اس حدیث سے واضح ہو گیا اور جو احادیث اور نص قرآن ہم نے پہلے ذکر کی ہیں ان سے بھی ظاہر ہو گیا کہ اپنی بیماریوں اور اپنے مصائب کا بیان کرنا نہ صرف جائز ہے بلکہ انبیاء علیہم السلام اور صحابہ کرام کی سنت ہے' اور صوفی ابو طالب مکی کے اقوال میں اتنی قوت نہیں ہے کہ وہ قرآن مجید کی نصوص صریحہ اور احادیث صحیحہ کے مزاحم ہو سکیں۔

عیادت کرنے کے ثبوت میں احادیث

نیز صوفی ابو طالب مکی نے عیادت کرنے کی بھی مخالفت کی ہے اور کہا فضیل' وھیب اور بشر وغیرہ عیادت کرنے والوں کی وجہ سے بیماری کو ناپسند کرتے تھے' میں کہتا ہوں کہ عیادت کرنے کے ثبوت میں بہت احادیث صحیحہ ہیں:

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میری آنکھوں میں تکلیف تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری

عیادت کی۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۱۰۲، مسند احمد ج ۴ ص ۳۷۵)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کرنے آئے اس وقت میں بیمار تھا ہوش میں نہیں تھا، آپ نے وضو کیا اور وضو کے بچے ہوئے پانی کو میرے اوپر ڈالا تو میں ہوش میں آ گیا۔ الحدیث

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۹۴، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۸۸۶، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۹۷، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۷۲۸، سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۳۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۱۶)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کرنے آئے آپ کسی خچر یا ٹٹو پر سوار نہیں تھے۔ صحیح البخاری، سنن ابوداؤد (جامع الاصول رقم الحدیث: ۴۸۹۳)

حضرت عائشہ بنت سعد بن مالک رضی اللہ عنہما فرماتی ہیں اور وہ ان کی اولاد میں سب سے بڑی تھیں وہ بیان کرتی ہیں کہ ان کے والد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں مکہ میں بہت سخت بیمار ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کے لیے آئے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں مال چھوڑ رہا ہوں اور میری صرف ایک بیٹی ہے۔ آیا میں دو تہائی مال کی وصیت کر دوں؟ اور ایک تہائی چھوڑ دوں! آپ نے فرمایا نہیں، میں نے پوچھا آیا میں نصف مال کی وصیت کر دوں اور نصف چھوڑ دوں؟ آپ نے فرمایا نہیں، میں نے پوچھا آیا میں ایک تہائی مال کی وصیت کر دوں اور دو تہائی مال چھوڑ دوں؟ آپ نے فرمایا: تہائی مال، تہائی بہت ہے، پھر آپ نے اپنا ہاتھ میری پیشانی پر رکھا پھر میرے چہرے اور پیٹ پر پھیرا، پھر کہا اے اللہ! سعد کو شفا دے اور اس کی ہجرت کو پورا کر، سعد نے کہا میں آخر وقت تک آپ کے ہاتھ کی ٹھنڈک اپنے جگر پر محسوس کرتا رہا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۵۹، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۱۰۴، مسند احمد ج ۱ ص ۱۷۱، الادب المفرد رقم الحدیث: ۴۹۹)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جنگ خندق کے دن ایک شخص نے حضرت سعد بن معاذ کے بازو کی ایک رگ پر تیر مارا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے مسجد میں ایک خیمہ لگوا دیا تا کہ قریب سے ان کی عیادت کر سکیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۶۳، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۱۰۱، سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۰۷، مسند احمد ج ۶ ص ۵۶)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودی لڑکا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتا تھا وہ بیمار ہو گیا تو آپ نے اس کی عیادت کی اور اس پر اسلام پیش کیا سو وہ مسلمان ہو گیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۵۷، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۰۹۵، مسند احمد ج ۳ ص ۱۷۵، الادب المفرد رقم الحدیث: ۵۲۴)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اس مریض کی عیادت کی جو موت کے قریب نہیں تھا اور اس نے سات مرتبہ یہ دعا کی: میں اللہ العظیم سے سوال کرتا ہوں، رب عرش عظیم سے سوال کرتا ہوں کہ وہ تم کو شفا دے دے تو اللہ اس کو اس بیماری سے شفا دے دے گا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۱۰۶، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۸۳، مسند احمد ج ۱ ص ۲۳۹)

ان احادیث صحیحہ کی بنا پر مریض کی عیادت کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کی سنت ہے، اور فضیل، وھیب اور بشر وغیرہ نے جو عیادت کرنے کو مکروہ کہا تو ان احادیث وافرہ کے مقابلہ میں ان کے قول کا کیا اعتبار ہوگا۔

نیز صوفی ابو طالب نے کئی باتیں بے سند لکھی ہیں مثلاً یہ کہ کسی نے حضرت یعقوب سے یہ کہا کہ آپ کی بینائی کس سبب سے چلی گئی؟ انہوں نے کہا بہت عرصہ گزرنے سے اور غم کے طویل ہونے کی وجہ سے، تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی کہ تم میری مخلوق سے میری شکایت کر رہے ہو، پھر انہوں نے کہا اے میرے رب میں تیری طرف توبہ کرتا ہوں، صوفی ابو طالب کو کس

ذریعہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب کی طرف یہ وحی کی؟ اسی طرح انہوں نے بغیر کسی سند اور بغیر کسی حوالے کے مریض کے کراہنے اور شدت مرض کی وجہ سے اس کے ہائے ہائے کرنے کو بھی مکروہ لکھا ہے حالانکہ مرض کی شدت کی وجہ سے اس سے بے اختیار کراہنا صادر ہوتا ہے۔ اسی طرح انہوں نے اس کتاب کے ایک اور باب میں علاج کرنے کو بھی عزیمت کے خلاف لکھا ہے۔ ہم اس پر اس سے پہلے بحث کر چکے ہیں۔ ہم نے تبیان القرآن ج ۶ النحل: ۶۹ کی تفسیر میں اس بحث کو تفصیل سے لکھا ہے۔

وما انسانیه میں ضمیر 'ہ' پر پیش لگانے کی توجیہ

عربی زبان کا اصول ہے کہ ضمیر 'ہ' سے پہلے زیر یا 'ی' آجائے تو اس ضمیر کے نیچے ہمیشہ زیر پڑھی جائے گی مثلاً بہ اور الیہ اور یہی اسلوب پورے قرآن مجید میں رہا لیکن دو مقام پر اس کے خلاف آیا۔

وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ (الکھف: ۶۳) عَلَيْهُ اللّٰهَ (الفتح: ۱۰)

حالانکہ قانون وما انسانیه اور علیه الله کا تقاضا کرتا ہے اس کا ایک جواب یہ ہے کہ صرف امام حفص کی قرأت ضمہ کے ساتھ ہے باقی ائمہ نے دونوں جگہ کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے جیسا کہ قاعدہ ہے (اتحاف فضلاء البشر فی القراءات الاربعة عشر ص ۳۶۹) اور دوسرا جواب اس مقام پر میرے شیخ حضرت علامہ احمد سعید کاظمی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ وما انسانیه کا ذکر قرآن مجید کے اس واقع میں ہے جو خلاف قانون اور خلاف عادت ہے۔ تو یہاں پر بھی ضمیر 'ہ' کے بجائے خلاف عادت اور خلاف قاعدہ 'ہُ' کو ذکر کیا گویا اس سے واقعہ کے عجیب ہونے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ (اور یہاں یہی اصل قرار پایا)

واقعہ اس طرح ہے جب موسیٰ علیہ السلام حضرت یوشع بن نون کے ساتھ پتھر کی چٹان پر پہنچے جہاں چشمۂ حیات تھا تو ان کی زنبیل میں بھونی ہوئی مچھلی زندہ ہو کر دریا میں گری پھر اس نے وہاں سرنگ بناتے ہوئے راہ لی۔ دریا کا بہاؤ اس پر رک گیا۔ یہ واقعہ حضرت یوشع حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کرنا بھول گئے اور سفر آگے جاری رکھا۔ جب انہیں یہ یاد آیا تو فرمایا وما انسانیه الا الشیطن کہ مجھے یہ شیطان ہی نے بھلایا ہے۔

علیهُ الله اس آیت کریمہ میں وعدے کا ذکر ہے اور خصوصاً اس جملہ میں وعدہ وفائی کا بیان ہے اور وعدے کی اصل یہی ہے کہ اسے پورا کیا جائے تو علیهُ الله میں بھی ضمیر کو اس کی اصل پر برقرار رکھا گیا یعنی عارضہ کی بنا پر زیر نہیں دی گئی گویا اس سے وعدہ وفائی کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ (تقریظ بر علم تفسیر اور مفسرین از صاحبزادہ علامہ ارشد سعید کاظمی مدظلہ ص ۷-۶)

پکی ہوئی مچھلی کا زندہ ہو جانا

صحیح بخاری میں ہے حضرت موسیٰ نے علامت پوچھی تو فرمایا تم ایک مردہ مچھلی لو جس جگہ وہ مچھلی زندہ ہو گی وہیں خضر ہوں گے۔ انہوں نے اس مچھلی کو ٹوکری میں ڈال دیا اور اپنے شاگرد سے کہا میں تم کو صرف اس بات کا پابند کرتا ہوں کہ جس جگہ وہ مچھلی تم سے جدا ہو تم مجھے بتا دینا۔ اس نے کہا آپ نے مجھے کسی مشقت والے کام کا پابند نہیں کیا' جس وقت حضرت موسیٰ چٹان کے سائے میں سوئے ہوئے تھے وہ مچھلی ٹوکری میں مضطرب ہوئی اور سمندر میں داخل ہو گئی۔ حضرت یوشع نے سوچا کہ حضرت موسیٰ سوئے ہوئے ہیں میں ان کو بیدار نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے پانی کے بہاؤ کو روک لیا' اور وہ مچھلی پانی میں راستہ بناتے ہوئے جانے لگی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۲۶)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس مچھلی نے سمندر میں عجیب طریقہ سے راستہ بنایا۔ حضرت یوشع بن نون کو اس پر تعجب ہوا کہ اس مچھلی نے سمندر میں راستہ کیسے بنا لیا۔ علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ تعجب کی وجہ یہ تھی کہ وہ مچھلی پکی ہوئی تھی اور وہ اس کی

بائیں جانب کھا چکے تھے وہ پھر اس کے بعد زندہ ہو گئی۔ حضرت ابن عباس نے اس قصہ میں بیان کیا ہے وہ مچھلی اس لئے زندہ ہوگئی کہ اس پر اس چشمہ کا پانی لگ گیا تھا جس میں آب حیات تھا اور وہ پانی جس سے بھی مس کر جاتا تھا وہ زندہ ہو جاتا تھا' اور حضرت خضر سے ملاقات کی علامت یہ تھی کہ وہ مچھلی زندہ ہو گی۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت موسیٰ سفر کی تھکاوٹ کے بعد جب ایک چٹان پر بیٹھے تو ان کے پہلو میں آب حیات تھا۔ اس پانی کے کچھ چھینٹے اس مچھلی پر پڑ گئے تو وہ زندہ ہو گئی۔ امام ترمذی کی حدیث میں ہے سفیان نے کہا لوگوں نے کہا اس چٹان کے پاس آب حیات تھا اور جس چیز کے ساتھ بھی اس کا پانی لگ جاتا تھا وہ چیز زندہ ہو جاتی تھی۔ اس مچھلی کا کچھ حصہ کھایا جا چکا تھا اور جب اس مچھلی پر اس پانی کا ایک قطرہ پڑ گیا تو وہ زندہ ہو گئی (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۴۹' مسند احمد ج ۳ ص ۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۰۸' المسند الجامع رقم الحدیث: ۴۶۳۹) اور کتاب العروس میں مذکور ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چشمہ آب حیات سے وضو کیا تھا تو اس مچھلی پر بھی پانی کا ایک قطرہ پڑ گیا تھا' واللہ اعلم

حضرت موسیٰ کی حضرت خضر سے ملاقات

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اس چیز کو تو ہم ڈھونڈ رہے تھے یعنی اس جگہ ہم اس شخص سے ملاقات کے لیے آئے تھے' پھر وہ دونوں اپنے پیروں کے نشانات پر چلتے ہوئے واپس لوٹے' اور صحیح بخاری میں ہے ان دونوں نے وہاں حضرت خضر کو سمندر کے وسط میں ایک سرسبز جزیرہ پر بیٹھے ہوئے دیکھا۔ سعید بن جبیر نے کہا وہ ایک چادر اوڑھے ہوئے تھے اس کا ایک پلو ان کے سر کے اوپر تھا اور ایک پلو ان کے پیروں کے نیچے تھا۔ حضرت موسیٰ نے ان کو سلام کیا۔ انہوں نے چادر سے اپنا چہرہ نکال کر کہا ہماری سرزمین میں سلامتی کہاں ہے؟ پھر اپنا سر بلند کر کے سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور کہا اے بنی اسرائیل کے نبی و علیک السلام۔ حضرت موسیٰ نے کہا مجھے اللہ تعالیٰ نے آپ کے پاس اس لئے بھیجا ہے کہ میں اس شرط پر آپ کی اتباع کروں کہ آپ مجھے اللہ کا دیا ہوا علم سکھا دیں پھر وہ دونوں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۲۶)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس ان دونوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو وہاں پایا جس کو ہم نے اپنے پاس سے رحمت عطا کی تھی اور ہم نے اپنے پاس سے اس کو علم (لدنی) عطا کیا تھا۔ (الکھف: ۶۵)

حضرت خضر کو خضر کہنے کی وجہ

جمہور کے قول کے مطابق اس بندے سے مراد حضرت خضر علیہ السلام ہیں اور احادیث صحیحہ کا بھی یہی تقاضا ہے جیسا کہ ہم پہلے صحیح بخاری کے حوالے سے ذکر کر چکے ہیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۰۷' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۴۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۸۰) بعض غیر معتبر لوگوں نے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جس سے ملنے گئے تھے وہ خضر نہیں تھے کوئی اور عالم تھے' اور بعض لوگوں نے کہا وہ ایک عبادت گزار بندے تھے اور صحیح یہی ہے کہ وہ حضرت خضر تھے۔ مجاہد نے کہا ان کو خضر اس لئے کہا جاتا ہے کہ جب وہ نماز پڑھتے تھے تو اردگرد کی چیزیں سرسبز ہو جاتی تھیں۔ حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کو خضر اس لئے کہتے ہیں کہ جب وہ سفید پوستین (جانور کی کھال کی قمیص' جبہ) پر نماز پڑھتے تو اس کے نیچے سے سبزہ اگنے لگتا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۵۱' مسند احمد ج ۲ ص ۳۱۲' المسند الجامع رقم الحدیث: ۱۴۷۱۵)

علامہ خطابی وغیرہ نے کہا ہے اس حدیث میں سفید پوستین سے مراد روئے زمین ہے۔

جمہور کے قول کے مطابق حضرت خضر نبی ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ایک نیک بندے تھے نبی نہ تھے' اور قرآن مجید کی آیتیں یہ شہادت دیتی ہیں کہ وہ نبی تھے کیونکہ بواطن امور کو نبی کے سوا کوئی نہیں جان سکتا۔ نیز انسان اسی سے علم حاصل کرتا ہے اور اس کی اتباع کرتا ہے جو مرتبہ میں اس سے بڑھ کر ہو اور یہ جائز نہیں ہے کہ نبی سے بڑھ کر وہ شخص ہو جو نبی نہ ہو' اور ایک قول یہ ہے کہ وہ ایک فرشتہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس سے علم باطن حاصل کرنے کا حکم دیا تھا۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۱۰ ص ۳۹۱' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت خضر کے نبی ہونے کی تحقیق

حضرت خضر کے متعلق یہ اختلاف ہے کہ وہ ولی ہیں یا نبی۔ قشیری کا قول یہ ہے کہ وہ ولی ہیں اور صحیح یہ ہے کہ خضر نبی ہیں' یہ ایک جماعت کا معتمد ہے' ثعلبی اور ابن جوزی وغیرہ کا بھی یہی مختار ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت خضر نے ایک لڑکے کو قتل کر دیا اور فرمایا ''وما فعلته عن امری'' میں نے اپنی رائے سے یہ کام نہیں کیا۔ اس میں یہ دلیل ہے کہ انہوں نے وحی سے اس کو قتل کیا ہے اور وحی کا تعلق نبوت سے ہے۔ کسی شخص کو ناحق قتل کرنا حرام ہے اور یہ حرمت صرف دلیل قطعی سے اٹھ سکتی ہے۔ اگر حضرت خضر ولی ہوتے اور الہام کی بنا پر اس کو قتل کرتے تو یہ جائز نہیں ہے کیونکہ الہام دلیل ظنی ہے اور دلیل ظنی کی بنا پر کسی کو قتل کرنا جائز نہیں ہے۔ نیز تکوینی امور میں حضرت خضر کا علم حضرت موسیٰ سے زیادہ تھا اور یہ جائز نہیں ہے کہ ولی کا علم نبی سے زیادہ ہو۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی کا حضرت خضر انسان کے بجائے فرشتہ قرار دینا

سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اس پر دلائل قائم کیے ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام کا نبی ہونا یا ولی ہونا تو الگ رہا وہ سرے سے انسان ہی نہیں تھے بلکہ فرشتے تھے' پہلے ہم ان کے دلائل ذکر کریں گے۔ پھر ان کے شبہات کا جواب دیں گے پھر دلائل سے یہ ثابت کریں گے کہ حضرت خضر انسان اور نبی تھے۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ لکھتے ہیں:

اس قصے میں ایک بڑی پیچیدگی ہے جسے رفع کرنا ضروری ہے۔ حضرت خضر نے یہ تین کام جو کیے ہیں ان میں سے تیسرا کام تو خیر شریعت سے نہیں ٹکراتا مگر پہلے دونوں کام یقیناً ان احکام سے متصادم ہوتے ہیں جو ابتدائے عہد انسانیت سے آج تک تمام شرائع الٰہیہ میں ثابت رہے ہیں۔ کوئی شریعت بھی کسی انسان کو یہ اجازت نہیں دیتی کہ وہ کسی کی مملوکہ چیز کو خراب کر دے اور کسی متنفس کو بے قصور قتل کر ڈالے۔ حتیٰ کہ اگر کسی انسان کو بطریق الہام بھی یہ معلوم ہو جائے کہ ایک کشتی کو آگے جا کر ایک غاصب چھین لے گا اور فلاں لڑکا بڑا ہو کر سرکش اور کافر نکلے گا' تب بھی اس کے لیے خدا کی بھیجی ہوئی شریعتوں میں سے کسی شریعت کی رو سے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے اس الہامی علم کی بنا پر کشتی میں چھید کر دے اور ایک بے گناہ[ب] لڑکے کو مار ڈالے۔ اس کے جواب میں یہ کہنا کہ حضرت خضر نے یہ دونوں کام اللہ کے حکم سے کیے تھے' فی الواقع اس پیچیدگی کو کچھ بھی رفع نہیں کرتا۔ سوال یہ ہے کہ حضرت خضر نے یہ کام کس کے حکم سے کیے تھے۔

ان کا حکم الٰہی سے ہونا تو بالیقین ثابت ہے کیونکہ حضرت خضر خود فرماتے ہیں کہ ان کے یہ افعال ان کے اختیاری نہیں ہیں بلکہ اللہ کی رحمت ان کی محرک ہوئی ہے' اور اس کی تصدیق اللہ تعالیٰ خود فرما چکا ہے کہ حضرت خضر کو اللہ کی طرف سے ایک علم خاص حاصل تھا۔ پس یہ امر تو ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ یہ کام اللہ کے حکم سے کیے گئے تھے' مگر اصل سوال جو یہاں پیدا ہوتا

ب: بے قصور لکھنا چاہئے تھا' بے گناہ تو صرف انبیاء علیہم السلام اور فرشتے ہیں۔ سعیدی غفرلہ

ہے وہ یہ ہے کہ اللہ کے ان احکام کی نوعیت کیا تھی؟ ظاہر ہے کہ یہ تشریعی احکام نہ تھے' کیونکہ شرائع الٰہیہ کے جو بنیادی اصول قرآن اور اس سے پہلے کی کتب آسمانی سے ثابت ہیں ان میں کبھی کسی انسان کے لیے یہ گنجائش نہیں رکھی گئی کہ وہ بلا ثبوت جرم کسی دوسرے انسان کو قتل کر دے۔ اس لئے لامحالہ یہ ماننا پڑے گا کہ یہ احکام اپنی نوعیت میں اللہ تعالیٰ کے ان تکوینی احکام سے مشابہت رکھتے ہیں جن کے تحت دنیا میں ہر آن کوئی بیمار ڈالا جاتا ہے اور کوئی تندرست کیا جاتا ہے' کسی کو موت دی جاتی ہے اور کسی کو زندگی سے نوازا جاتا ہے' کسی کو تباہ کیا جاتا ہے اور کسی پر نعمتیں نازل کی جاتی ہیں۔ اب اگر یہ تکوینی احکام ہیں تو ان کے مخاطب صرف فرشتے ہی ہو سکتے ہیں جن کے بارے میں شرعی جواز و عدم جواز کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ وہ اپنے ذاتی اختیار کے بغیر صرف اوامر الٰہیہ کی تعمیل کرتے ہیں۔ رہا انسان' تو خواہ وہ بلا ارادہ کسی تکوینی حکم کے نفاذ کا ذریعہ بنے اور خواہ الہاماً اس طرح کا کوئی غیبی علم اور حکم پا کر اس پر عملدرآمد کرے' بہر حال وہ گناہگار ہونے سے نہیں بچ سکتا اگر وہ کام جو اس نے کیا ہے کسی حکم شرعی سے ٹکراتا ہو۔ اس لئے کہ انسان بحیثیت اس کے کہ وہ انسان ہے' احکام شرعیہ کا مکلف ہے اور اصول شریعت میں کہیں یہ گنجائش نہیں پائی جاتی کہ کسی انسان کے لیے محض اس بنا پر احکام شرعیہ میں سے کسی حکم کی خلاف ورزی جائز ہو کہ اسے بذریعۂ الہام اس خلاف ورزی کا حکم ملا ہے اور بذریعۂ علم غیب اس خلاف ورزی کی مصلحت بتائی گئی ہے۔

یہ ایک ایسی بات ہے جس پر نہ صرف تمام علمائے شریعت متفق ہیں بلکہ اکابر صوفیہ بھی بالاتفاق یہی بات کہتے ہیں۔ چنانچہ علامہ آلوسی نے تفصیل کے ساتھ عبدالوہاب شعرانی' محی الدین ابن عربی' مجدد الف ثانی' شیخ عبدالقادر جیلانی' جنید بغدادی' سری سقطی' ابوالحسین النوری' ابوسعید الخراز' ابوالعباس احمد الدینوری اور امام غزالی جیسے نامور بزرگوں کے اقوال نقل کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ اہل تصوف کے نزدیک بھی کسی ایسے الہام پر عمل کرنا خود صاحب الہام تک کے لیے جائز نہیں ہے جو نص شرعی کے خلاف ہو۔ (روح المعانی: ج ۱۶-ص ۱۶-۱۸)

اب کیا ہم یہ مان لیں کہ اس قاعدہ کلیہ سے صرف ایک انسان مستثنیٰ کیا گیا ہے اور وہ ہیں حضرت خضر؟ یا یہ سمجھیں کہ خضر کوئی انسان نہ تھے بلکہ اللہ کے ان بندوں میں سے تھے جو مشیت الٰہی کے تحت (نہ کہ شریعت الٰہی کے تحت) کام کرتے ہیں؟

پہلی صورت کو ہم تسلیم کر لیتے اگر قرآن بالفاظ صریح یہ کہہ دیتا کہ وہ "بندہ" جس کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام اس تربیت کے لیے بھیجے گئے تھے' انسان تھا۔ لیکن قرآن اس کے انسان ہونے کی تصریح نہیں کرتا بلکہ صرف عبدا من عبادنا (ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ) کے الفاظ بولتا ہے جو ظاہر ہے کہ اس بندے کے انسان ہونے کو مستلزم نہیں ہیں۔ قرآن مجید میں متعدد جگہ فرشتوں کے لیے بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ مثال کے طور پر ملاحظہ ہو سورہ انبیاء' آیت ۲۶ اور سورہ زخرف' آیت ۱۹۔ پھر کسی صحیح حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی کوئی ایسا ارشاد منقول نہیں ہے جس میں صراحت کے ساتھ حضرت خضر کو نوع انسانی کا ایک فرد قرار دیا گیا ہو۔ اس باب میں مستند ترین روایات وہ ہیں جو عن سعید بن جبیر' عن ابن عباس' عن ابی بن کعب' عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سند سے ائمہ حدیث کو پہنچی ہیں۔ ان میں حضرت خضر کے لیے صرف رجل کا لفظ آیا ہے جو اگرچہ مرد انسانوں کے لیے استعمال ہوتا ہے مگر انسانوں کے لیے مخصوص نہیں ہے۔ چنانچہ خود قرآن میں یہ لفظ جنوں کے لیے مستعمل ہو چکا ہے جیسا کہ سورۂ جن میں ارشاد ہوا ہے وانہ کان رجال من الانس یعوذون برجال من الجن۔ نیز یہ ظاہر ہے کہ جن یا فرشتہ یا کوئی اور غیر مرئی وجود جب انسانوں کے سامنے آئے گا تو انسانی شکل ہی میں آئے گا اور اس حالت میں اس کو بشر یا انسان ہی کہا جائے گا۔ حضرت مریم کے سامنے جب فرشتہ آیا تھا تو قرآن اس واقعہ کو یوں بیان کرتا ہے کہ فتمثل لھا بشرا سویا۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ "وہاں انہوں نے ایک مرد کو پایا" حضرت خضر

کے انسان ہونے پر صریح دلالت نہیں کرتا۔ اس کے بعد ہمارے لئے اس پیچیدگی کو رفع کرنے کی صرف یہ ایک صورت باقی رہ جاتی ہے کہ ہم ''خضر'' کو انسان نہ مانیں بلکہ فرشتوں میں سے' یا اللہ کی کسی اور ایسی مخلوق میں سے سمجھیں جو شرائع کی مکلف نہیں ہے بلکہ کارگاہ مشیت کی کارکن ہے۔ متقدمین میں سے بعض لوگوں نے یہ رائے ظاہر کی ہے جسے ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں ماوردی کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ (تفہیم القرآن ج ۳ ص ۴۲-۴۰' مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن لاہور' مارچ ۱۹۸۳ء)

حضرت خضر کے فرشتہ ہونے کا رد

متقدمین میں سے بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ حضرت خضر فرشتہ تھے' اسی طرح علامہ ماوردی نے بھی بعض لوگوں کا یہ قول نقل کیا ہے اور حافظ ابن کثیر نے بھی یہ قول نقل کیا ہے لیکن ان میں سے کسی کا بھی یہ مختار نہیں کہ حضرت خضر فرشتہ تھے' ان سب کا یہی مختار ہے کہ حضرت خضر نبی تھے علامہ قرطبی کی رائے ہم نقل کر چکے ہیں۔ علامہ ماوردی متوفی ۴۵۰ ھ کی بھی یہی رائے ہے اور اسی پر انہوں نے دلائل دیئے ہیں وہ لکھتے ہیں:

دوسرا قول یہ ہے کہ وہ انسانوں میں سے بشر تھے اور وہ بشر نبی تھے' کیونکہ انسان اسی سے علم حاصل کرتا ہے جس کا رتبہ اس سے بلند ہو اور یہ جائز نہیں ہے کہ نبی کے اوپر ایسا انسان ہو جو نبی نہ ہو۔

(النکت والعیون ج ۶ ص ۳۲۵' موسس الکتب الثقافیہ بیروت)

اور حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ ھ لکھتے ہیں:

حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا وما فعلتہ عن امری (الکہف: ۸۲) یہ کام میں نے اپنی رائے سے نہیں کیے۔ یعنی مجھے ان کاموں کا حکم دیا گیا اور میں ان پر واقف ہو گیا۔ اس میں یہ دلیل ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نبی تھے اور دوسروں نے کہا وہ رسول تھے' اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ فرشتے تھے۔ اس قول کو علامہ ماوردی نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے' اور بہت سے لوگوں نے یہ کہا ہے کہ وہ نبی نہ تھے اللہ کے ولی تھے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۱۱۱' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ اگر بعض لوگوں نے حضرت خضر کو فرشتہ کہا ہے تو بعض لوگوں نے ان کو رسول اور ولی بھی کہا ہے لیکن یہ سب ساقط الاعتبار قول ہیں' جمہور کی تحقیق یہی ہے کہ وہ نبی ہیں اور ساقط الاعتبار اقوال سے استدلال کرنا انصاف سے بعید ہے۔

علامہ محمد بن یوسف ابوحیان اندلسی متوفی ۷۵۴ ھ لکھتے ہیں:

اور جمہور اس پر متفق ہیں کہ حضرت خضر نبی ہیں اور ان کو بواطن کی معرفت کا علم دیا گیا تھا' اور موسیٰ علیہ السلام کو ظاہر شریعت کا علم تھا۔ (البحر المحیط ج ۷ ص ۲۰۴' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ)

حضرت خضر کے انسان ہونے پر دلائل

سید ابوالاعلیٰ مودودی نے یہ تسلیم کیا ہے کہ احادیث میں حضرت خضر علیہ السلام کے لیے (رجل) مرد کا لفظ آیا ہے لیکن مرد کا لفظ صریحاً انسان ہونے پر دلالت نہیں کرتا۔ ہم کہتے ہیں کہ احادیث میں کم از کم حضرت خضر کے لیے مرد کا لفظ تو آیا ہے لیکن قرآن اور حدیث میں کہیں بھی یہ صراحت نہیں آئی کہ حضرت خضر انسان نہیں فرشتے تھے۔ علاوہ ازیں جنات کے لیے جو رجل کا لفظ ہے وہ مطلق نہیں ہے بلکہ برجال من الجن ہے اور حضرت جبریل کے لیے بشر کا لفظ تمثل کے ساتھ ہے بغیر قرینہ کے رجل کا لفظ صرف آدمی کے لیے ہوتا ہے۔ پھر بغیر کسی تصریح کے جمہور کے موقف کے خلاف یہ کیسے مان لیا جائے کہ وہ نبی نہیں فرشتہ تھے۔ باقی رہا یہ شبہ کہ بلاقصور ایک لڑکے کو قتل کرنا اور کشتی کو عیب دار کرنا گناہ ہے یہ حضرت خضر کے لیے کیسے جائز ہو

گیا۔ ہم کہتے ہیں کہ کوئی کام گناہ اس وقت ہوتا ہے جب اس سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا قصد کیا جائے انہوں نے تو یہ کام اللہ تعالیٰ کے حکم سے کئے تھے جیسا کہ انہوں نے فرمایا وما فعلته عن امری (الکھف: ۸۲) آپ دیکھئے حضرت یوسف علیہ السلام کی شریعت میں سجدہ تعظیمی جائز تھا۔ ہماری شریعت میں حرام اور گناہ ہے۔ اسی طرح بنو اسرائیل کی شریعت میں مال غنیمت سے کھانا گناہ تھا ہماری شریعت میں جائز ہے۔ اسی طرح حضرت موسیٰ کی شریعت میں یہ کام گناہ تھا اور حضرت خضر کے نزدیک یہ کام جائز تھے کیونکہ ان کو اسی طرح حکم دیا گیا تھا۔ باقی رہا سید مودودی کا یہ کہنا کہ تکوینی امور فرشتوں کے سپرد کئے جاتے ہیں نبیوں کے سپرد نہیں کئے جاتے' میں کہتا ہوں کہ یہ قاعدہ قرآن مجید کی کس آیت میں یا کس حدیث میں لکھا ہے' اور بہ فرض محال اگر کہیں یہ قاعدہ لکھا ہوا بھی ہے تو یہ کہاں لکھا ہوا ہے کہ اس قاعدہ سے کوئی استثناء نہیں ہو سکتا' جبکہ امام شافعی تو فرماتے ہیں **مامن عام الا و قدخص عنه البعض** ہر عام قاعدہ سے کوئی نہ کوئی فرد مستثنیٰ ہوتا ہے۔

باقی رہا یہ کہ آپ کے پاس اس پر کیا دلیل ہے کہ حضرت خضر فرشتہ نہیں تھے انسان تھے تو ہماری دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے۔

فَانْطَلَقَا حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَيَاۤ اَهْلَ قَرْيَةِ ِۨ اسْتَطْعَمَاۤ اَهْلَهَا (الکھف: ۷۷) پھر وہ دونوں چل پڑے حتیٰ کہ وہ ایک بستی والوں کے پاس پہنچے اور بستی والوں سے ان دونوں نے کھانا طلب کیا۔

امام مسلم کی روایت میں یہ الفاظ ہیں حتیٰ **اذا اتیا اھل قریة لئاما فطا فا فی المجالس فاستطعما اھلھا فابوا ان یضیفوھما** وہ دونوں کم ظرف لوگوں کی بستی میں آئے اور ان کی تمام مجالس میں گھومے اور ان دونوں نے ان سے کھانا مانگا لیکن بستی والوں نے ان دونوں کو کھانا دینے سے انکار کر دیا۔ (صحیح مسلم' فضائل خضر' رقم الحدیث: ۱۷۲)

قرآن مجید کی اس آیت اور اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت خضر دونوں نے اس بستی کی مجلسوں میں پھر پھر کر کھانا مانگا' اور ظاہر ہے کہ کھانے کی احتیاج انسانوں کو ہوتی ہے فرشتوں کو نہیں ہوتی' بلکہ فرشتوں کے سامنے حضرت ابراہیم نے کھانا رکھا انہوں نے پھر بھی کھانا نہیں کھایا اور حضرت ابراہیم ان سے اجنبیت محسوس کر کے ان سے ڈرنے لگے (ھود: ۷۰) پس حضرت خضر علیہ السلام کا کھانا طلب کرنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام انسان تھے فرشتے نہ تھے۔

حضرت خضر کے نبی ہونے کا ثبوت علماء دیوبند سے

شیخ امین احسن اصلاحی بھی سید ابوالاعلیٰ مودودی کی طرح عقلی شہادتوں پر زیادہ اعتماد کرتے ہیں لیکن انہوں نے بھی یہ تصریح کی ہے کہ حضرت خضر نبی تھے وہ لکھتے ہیں:

حضرت خضر علیہ السلام بعض قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی تھے۔ اس کا اول قرینہ تو یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر نبی بلکہ رسول کو ان کے پاس حصول علم اور حصول تربیت کے لیے بھیجا گیا۔ اگر حضرت خضر علیہ السلام نبی نہیں تھے تو ایک نبی کا غیر نبی کے پاس حصول علم و تربیت کے لیے بھیجا جانا بالکل ناموزوں سی بات ہے۔ اگرچہ اس نام کے کسی نبی کا ذکر قرآن یا تورات میں نہیں ملتا لیکن یہ چیز کچھ اہمیت رکھنے والی نہیں ہے۔ قرآن میں خود اس کی اپنی تصریح کے مطابق بہت سے انبیاء کا ذکر نہیں ہے۔ یہی حال تورات کا بھی ہے۔ یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ اللہ تعالیٰ نے جیسا کہ قرآن میں صریح ہے اپنے ہر نبی کو کسی نہ کسی پہلو سے فضیلت دی ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام کو بھی ایک خاص پہلو سے فضیلت حاصل تھی اور اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی فضیلت حاصل تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ان سے کچھ باتیں سیکھنا اس امر کو مستلزم نہیں ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر مطلق فضیلت حاصل تھی۔

دوسرا قرینہ یہ ہے کہ ان کے جو اوصاف اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائے ہیں وہ حضرات انبیاء ہی سے مناسبت رکھتے ہیں مثلاً یہ کہ وہ ہمارے بندوں میں سے ایک خاص بندہ تھا' ہم نے اپنی طرف سے اس پر خاص فضل کیا تھا۔ ہم نے اس کو اپنے پاس سے ایک خاص علم عطا کیا تھا۔ علیٰ ہذا القیاس انہوں نے خود اپنے کاموں سے متعلق فرمایا کہ میں نے کوئی کام بھی خود اپنی رائے سے نہیں کیا بلکہ خدا کے حکم سے کیا ہے۔ یہ سب باتیں دلیل ہے کہ وہ صاحب وحی نبی تھے اور ان کو یہ خاص امتیاز بھی حاصل تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنے بعض ارادوں کے راز کھول دیئے تھے۔ (تدبر قرآن ج ۶ ص ۶۰۶' مطبوعہ فاران فاؤنڈیشن لاہور)

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ جمہور امت کے نزدیک حضرت خضر علیہ السلام بھی ایک نبی اور پیغمبر ہیں مگر ان کے کچھ تکوینی خدمتیں منجانب اللہ سپرد کی گئی تھیں انہی کا علم دیا گیا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس کی اطلاع نہ تھی۔ اس لئے اس پر اعتراض کیا۔ تفسیر قرطبی' بحر محیط' ابو حیان اور اکثر تفاسیر میں یہ مضمون بعنوانات مختلفہ مذکور ہیں۔

(معارف القرآن ج ۵ ص ۶۱۲' مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی' ۱۴۱۲ھ)

حضرت خضر کی حیات کے متعلق علماء امت کی آراء

علامہ بدر الدین عینی لکھتے ہیں: جمہور علماء کی یہ رائے ہے کہ حضرت خضر زندہ ہیں اور قیامت تک زندہ رہیں گے۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت آدم نے ان کی لمبی زندگی کے لیے دعا کی تھی' ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے آب حیات پی لیا تھا۔ علامہ ابن الصلاح نے کہا ہے کہ جمہور علماء اور صالحین اور عام لوگوں کے نزدیک حضرت خضر زندہ ہیں' اور بعض محدثین نے ان کی حیات کا انکار کیا اور یہ قول شاذ ہے' صحیح مسلم میں حدیث دجال میں ہے کہ وہ ایک شخص کو قتل کر کے پھر اس کو زندہ کرے گا اور مسلم کے راوی ابراہیم بن سفیان نے کہا اس شخص کو خضر کہا جائے گا' اسی طرح معمر نے بھی اس حدیث کی سند میں بیان کیا ہے' امام بخاری' ابراہیم حربی' ابن منادی' ابن الجوزی وغیرہ نے حضرت خضر کی حیات کا انکار کیا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲ ص ۶' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر' ۱۳۴۸ھ)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی لکھتے ہیں:

جمہور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت خضر زندہ ہیں اور ہمارے ہاں موجود ہیں۔ یہ امر صوفیہ اور عرفاء کے درمیان متفق علیہ ہے اور صوفیا کی حضرت خضر کو دیکھنے' ان سے ملاقات کرنے' ان سے علم حاصل کرنے اور ان سے سوال و جواب کے متعلق حکایات مشہور ہیں اور مقدس مقامات اور مواضع خیر میں ان کے موجود ہونے کے متعلق بے شمار واقعات ہیں۔

(شرح مسلم ج ۲ ص ۲۶۹' مطبوعہ کراچی' ۱۳۷۵ھ)

علامہ ابی مالکی لکھتے ہیں:

لمبی زندگی ممکن ہے اور حضرت خضر کی حیات کے متعلق بکثرت حکایات ہیں جیسا کہ عنقریب حضرت ام سلمہ کی حدیث میں آئے گا کہ حضرت خضر حضرت ام سلمہ کے پاس آئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ بتلایا کہ یہ حضرت خضر ہیں' اور یہ بھی حدیث میں ہے کہ ان کی دو بیویاں ہیں ایک سفید اور ایک سیاہ اور وہ رات اور دن ہیں' میرے شیخ نے یہ بیان کیا کہ ایک شخص کی خضر سے ملاقات ہوئی تھی میں نے اس سے کہا حضرت خضر سے ان کی زوجہ کے متعلق سوال کرنا' انہوں نے سوال کیا تو حضرت خضر نے کہا ان کی دو بیویاں ہیں ایک سفید اور ایک سیاہ اور اس میں رات اور دن کا ذکر نہیں ہے۔

(اکمال اکمال المعلم ج ۶ ص ۲۰۷' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حیات خضر کی نفی پر دلائل

علامہ سید آلوسی لکھتے ہیں:

حضرت خضر کی حیات میں اختلاف ہے ایک جماعت کا یہ نظریہ ہے کہ حضرت خضر اب زندہ نہیں ہیں۔ امام بخاری سے حضرت خضر اور حضرت الیاس کی حیات کے متعلق سوال کیا گیا انہوں نے کہا وہ کیسے زندہ ہو سکتے ہیں؟ جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وصال سے تھوڑا عرصہ پہلے فرمایا جو لوگ اب روئے زمین پر زندہ ہیں ایک سو سال بعد ان میں سے کوئی زندہ نہیں رہے گا (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۲) اور صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موت سے پہلے فرمایا جو لوگ اب زندہ ہیں سو سال بعد ان میں سے کوئی زندہ نہیں رہے گا'' (اس حدیث میں چونکہ روئے زمین کی قید نہیں ہے اس لئے اس حدیث میں یہ تاویل نہیں ہو سکتی کہ جب حضور نے یہ فرمایا اس وقت حضرت خضر پانی یا ہوا پر تھے۔ سعیدی غفرلہ) اور یہ حدیث تاویل کی گنجائش نہیں رکھتی' امام بخاری کے علاوہ دیگر ائمہ سے حضرت خضر کی حیات کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے یہ آیت پڑھی: وما جعلنا لبشر من قبلک الخلد ''ہم نے آپ سے پہلے کسی بشر کے لیے دوام نہیں کیا۔''

شیخ ابن تیمیہ سے حیات خضر کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا اگر حضرت خضر زندہ ہوتے تو ان پر واجب تھا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے اور آپ کے ساتھ جہاد کرتے اور آپ سے علم حاصل کرتے' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر کے دن یہ فرمایا تھا کہ اے اللہ! اگر آج یہ جماعت ہلاک ہو گئی تو زمین پر تیری عبادت نہیں ہو گی' وہ جماعت تین سو تیرہ افراد پر مشتمل تھی جن کے اسماء اور اس کے آباؤ اجداد اور قبائل کے اسماء معروف تھے اس وقت حضرت خضر کہاں تھے؟ ابراہیم حربی سے حضرت خضر کی بقا کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا حضرت خضر کی حیات کا شوشہ شیطان نے لوگوں میں چھوڑ دیا ہے۔

''البحر'' میں شرف الدین ابو عبداللہ محمد بن ابی الفضل مرسی کا قول بھی حضرت خضر کی موت کے متعلق نقل کیا گیا ہے اور علامہ ابن الجوزی نے علی بن موسیٰ رضا رضی اللہ عنہما کا حضرت خضر کی موت کے متعلق قول نقل کیا ہے اور ابو الحسین ابن المناوی اس شخص کی مذمت کرتے تھے جو حضرت خضر کو زندہ کہتا تھا۔

قاضی ابو یعلیٰ نے بعض اصحاب محمد سے حضرت خضر کی موت کو نقل کیا ہے' اور حضرت خضر کی زندگی کس طرح معقول ہو گی جبکہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی جمعہ پڑھا' نہ کسی جماعت میں شریک ہوئے' نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی جہاد میں گئے' جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے اگر موسیٰ زندہ ہوتے تو میری پیروی کے سوا ان کے لیے اور کوئی چارہ کار نہ تھا۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ○ (آل عمران: ۸۱)

اور یاد کیجئے جب اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا کہ میں تم کو جو کتاب اور حکمت دے دوں' پھر تمہارے پاس ایک (عظیم) رسول آئے جو اس کی تصدیق کرنے والا ہو جو تمہارے ساتھ ہو' تو تم ضرور بہ ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور بہ ضرور اس کی مدد کرنا' فرمایا کیا تم نے اقرار کر لیا؟ اور میرے اس بھاری عہد کو قبول کر لیا؟ سب نے کہا ہم نے اقرار کیا' فرمایا پس گواہ رہنا اور میں خود تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں۔

اور یہ بات حدیث سے ثابت ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زمین پر نزول ہو گا تو وہ اس امت کے امام کے پیچھے

نماز پڑھیں گے' جو شخص حضرت خضر علیہ السلام کی زندگی کا قائل ہے وہ یہ کیسے بھول جاتا ہے کہ ان کو زندہ ماننے سے یہ لازم آتا ہے کہ انہوں نے اس شریعت سے اعراض کر کے قرآن اور حدیث کی ان نصوص کی مخالفت کی ہے۔ ہمارے نزدیک معقول بات یہ ہے کہ اب خضر علیہ السلام زندہ نہیں ہیں کیونکہ جو لوگ ان کی حیات کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ حضرت خضر آدم علیہ السلام کے صلبی بیٹے ہیں اور یہ قول دو وجہ سے فاسد ہے:

اول اس لئے کہ اس بنا پر اب ان کی عمر چھ ہزار سال یا اس سے زیادہ ہوگی اور انسانوں کی اتنی لمبی عمر عادۃً بعید ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر وہ حضرت آدم کے صلبی بیٹے ہوں یا چوتھے درجے کے بیٹے ہوں (جیسا کہ بعض دوسروں کا قول ہے) تو ان کی خلقت عجیب و غریب ہوگی اور ان کا طول و عرض غیر معمولی ہوگا' کیونکہ امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ آدم علیہ السلام کا طول ساٹھ ذراع (تیس گز) تھا پھر مخلوق کا قد بہ تدریج کم ہوتا گیا اور جو لوگ حضرت خضر کی حیات کے قائلین ہیں اور ان سے ملاقات کے مدعی ہیں ان میں سے کسی نے ان کی غیر معمولی قامت کا ذکر نہیں کیا' دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر حضرت خضر' حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے تھے تو وہ ان کے ساتھ کشتی میں سوار ہوتے اور یہ کسی نے نقل نہیں کیا۔ (اس دلیل میں ضعف ہے)

تیسری دلیل یہ ہے کہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام جب کشتی سے نکلے تو ان کے ساتھ والے سب فوت ہو گئے اور حضرت نوح کی نسل کے سوا کوئی باقی نہیں بچا۔

چوتھی دلیل یہ ہے کہ اگر کسی بشر کا حضرت آدم کے زمانہ سے لے کر قیامت تک زندہ رہنا صحیح ہوتا تو یہ اللہ تعالیٰ کی آیات میں سے ایک عظیم آیت تھی اور قرآن مجید میں اس کا متعدد جگہ ذکر کیا جاتا کہ یہ آیات ربوبیت میں سے ہے' اور جب اللہ تعالیٰ نے جس کو ساڑھے نو سو سال زندہ رکھا اس کا ذکر کیا ہے تو جو اس سے کئی گنا زیادہ زندہ ہے اس کا بہ درجہ اولیٰ ذکر کرنا چاہئے تھا۔

پانچویں دلیل یہ ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام کی حیات کا قول کرنا' بغیر دلیل شرعی کے اللہ تعالیٰ کے متعلق ایک قول کرنا ہے اور یہ نص قرآن سے حرام ہے کیونکہ اگر وہ زندہ ہوتے تو اس پر قرآن مجید' سنت و اجماع امت کی دلالت ہوتی۔

چھٹی دلیل یہ ہے کہ خضر علیہ السلام کی حیات پر زیادہ سے زیادہ جو دلیل دی جاتی ہے وہ چند حکایات منقولہ ہیں کہ فلاں شخص نے حضرت خضر کو دیکھا تھا لیکن سوال یہ ہے کہ دیکھنے والے نے کس علامت سے یہ پہچان لیا کہ یہ خضر ہیں اور بہت سے دیکھنے والے کہتے ہیں کہ انہوں نے مجھ سے کہا کہ میں خضر ہوں' لیکن دیکھنے والے نے کس دلیل شرعی سے اس کے قول کی تصدیق کی؟

ساتویں دلیل یہ ہے کہ حضرت خضر نے حضرت موسیٰ کلیم اللہ کے ساتھ مصاحبت نہیں کی اور کہا ھذا فراق بینی وبینک تو جب وہ حضرت موسیٰ ایسے اولوالعزم نبی کے ساتھ مصاحبت پر راضی نہیں تھے تو عوام کے ساتھ ملاقات اور ان کے ساتھ مصاحبت پر کیسے راضی ہوں گے جن میں سے اکثر لوگ غیر متشرع ہوتے ہیں اور طریقت اور معرفت کے دعویدار ہوتے ہیں۔

آٹھویں دلیل یہ ہے کہ اگر کسی شخص سے کوئی آدمی کہے کہ میں خضر ہوں' اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے تو اس کے اس قول کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا اور وہ حدیث شریعت میں حجت نہیں ہوگی' اور جو شخص حیات خضر کا قائل ہے وہ اس حدیث کو یا تو اس وجہ سے نہیں مانے گا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہیں گیا اور آپ سے بیعت کی یا یہ کہے گا کہ آپ اس کی طرف مبعوث نہیں ہیں اور یہ کفر ہے۔

نویں دلیل یہ ہے کہ اگر خضر زندہ ہوتے تو ان کا کفار کے ساتھ جہاد کرنا اور اسلام کی سرحدوں پر پہرہ دینا' باجماعت نماز پڑھنا اور جمعہ پڑھنا اور امت کے ان پڑھ لوگوں کو وعظ کرنا' جنگلوں' صحراؤں اور میدانوں کی سیر و سیاحت سے کئی درجہ افضل ہوتا۔

حیات خضر کے ثبوت پر دلائل

حضرت خضر علیہ السلام کی حیات پر جو دلائل دیئے جاتے ہیں ان میں سے ایک وہ روایت ہے جس کو حاکم نے مستدرک میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا اور صحابہ کرام جمع ہوئے اس وقت ایک شخص داخل ہوا جس کی رنگ دار داڑھی تھی وہ گورے رنگ کا ایک جسیم آدمی تھا۔ وہ لوگوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے آیا اور رونے لگا پھر صحابہ کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا ہر مصیبت سے اللہ تعالیٰ کی تعزیت ہے اور ہر فوت ہونے والی چیز کا عوض ہے اور ہر ہلاک ہونے والی چیز کا خلیفہ ہے' پس اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو اور اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت کرو اور اللہ تعالیٰ تم کو آزمائش میں دیکھتا ہے اور دیکھو مصیبت زدہ شخص وہ ہے جس پر جبر کیا جائے' حضرت ابوبکر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما نے کہا یہ خضر علیہ السلام تھے۔

ابن عساکر نے بیان کیا ہے کہ حضرت خضر اور حضرت الیاس ہر ماہ رمضان میں بیت المقدس میں روزے رکھتے ہیں اور ہر سال حج کرتے ہیں اور زمزم سے اتنا پانی پی لیتے ہیں جو انہیں آنے والے سال تک کے لیے کافی ہوتا ہے۔

ابن عساکر' عقیلی اور دارقطنی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت خضر اور الیاس کی ہر سال موسم (حج) میں ملاقات ہوتی ہے اور ہر ایک دوسرے کا سر مونڈتا ہے اور پھر وہ یہ کلمات کہہ کر جدا ہو جاتے ہیں: **ماشاء اللہ لایسوق الخیر الا اللہ ما شاء اللہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔**

ابن عساکر نے بیان کیا ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر بن الخطاب ایک جنازہ کی نماز پڑھا رہے تھے اچانک ایک ہاتف نے پیچھے سے آواز دی اللہ تم پر رحم کرے ہم سے پہلے نماز نہ پڑھنا۔ حضرت عمر نے انتظار کیا حتیٰ کہ وہ شخص صف اول میں آ کر کھڑا ہو گیا۔ حضرت عمر نے اللہ اکبر کہا اور لوگوں نے اللہ اکبر کہا' ہاتف نے کہا ''اگر تو اس کو عذاب دے تو بہت لوگوں نے تیری نافرمانی کی ہے اور اگر تو اس کو بخش دے تو یہ تیری رحمت کا محتاج ہے'' حضرت عمر اور ان کے اصحاب نے اس شخص کی طرف دیکھا' جب میت کو دفن کر کے قبر پر مٹی ڈال دی گئی تو اس نے کہا اے قبر والے! اگر تو راستہ میں گری ہوئی چیز کا اعلان کرنے والا یا ٹیکس وصول کرنے والا یا خازن یا کاتب یا سپاہی نہیں تھا تو تیرے لئے خوشی ہو' حضرت عمر نے کہا اس شخص کو بلاؤ ہم اس کی نماز اور اس کے اس کلام کے متعلق اس سے سوال کریں۔ اچانک وہ شخص غائب ہو گیا انہوں نے اس کے قدموں کے نشانات دیکھے تو وہ ایک ایک ہاتھ کے تھے۔ حضرت عمر نے کہا بخدا یہ شخص وہ تھا جس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتایا تھا۔ اور یہ استدلال اس پر مبنی ہے کہ جس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا تھا وہ حضرت خضر تھے۔

اس قسم کی روایات سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ حضرت خضر اب بھی زندہ ہیں اگرچہ ان روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خضر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں زندہ تھے' اور اس وقت زندہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اب بھی زندہ ہوں' البتہ خصم کا رد کرنے کے لیے یہ روایات کافی ہیں کیونکہ وہ جس طرح اب زندہ نہیں مانتا' اس وقت بھی زندہ نہیں مانتا' ہاں اگر کوئی شخص اس وقت حضرت خضر کو زندہ مانتا ہو اور اب زندہ نہ مانتا ہو تو اس کے لیے یہ روایات کافی نہیں ہیں' لیکن اس قسم کا نظریہ رکھنے والے لوگ نہیں ہیں (یا وہ لوگ ہیں جو مطلقاً زندہ نہیں مانتے یا وہ ہیں جو مطلقاً زندہ مانتے ہیں) تابعین اور صوفیا کی

حضرت خضر سے ملاقات اور ان سے فیض حاصل کرنے کے متعلق ہر دور میں اس قدر زیادہ حکایات ہیں جو بیان اور شمار سے باہر ہیں۔ ہاں جو محدثین حضرت خضر کی حیات کے قائل ہیں ان کا اس پر اجماع ہے کہ حضرت خضر کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی روایت نہیں ہے' جیسا کہ علامہ عراقی نے احیاء العلوم کی احادیث کی تخریج میں تصریح کی ہے اور یہ چیز صوفیہ کے نظریہ کے خلاف ہے کیونکہ شیخ علاؤ الدین نے دعویٰ کیا ہے کہ انہوں نے حضرت خضر سے بلاواسطہ احادیث حاصل کی ہیں۔

حیات خضر کے حق میں اور اس کے خلاف دلائل پر بحث و نظر

سہروردی نے "السر المکتوم" میں ذکر کیا ہے کہ خضر علیہ السلام نے ہم کو تین سو احادیث بیان کیں جن کو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بالمشافہ سنا تھا۔ حیات خضر کے بعض قائلین نے استصحاب سے استدلال کیا ہے' کیونکہ حضرت خضر کی حیات پہلے دلیل سے ثابت ہے اس لئے جب تک دلیل سے اس کا خلاف ثابت نہ ہو حیات ثابت رہے گی' اور امام بخاری کی حدیث (جو لوگ اب روئے زمین پر زندہ ہیں ایک سو سال بعد ان میں سے کوئی زندہ نہیں رہے گا) کا یہ جواب دیا ہے کہ جس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا اس وقت حضرت خضر زمین پر نہیں تھے بلکہ پانی پر تھے' نیز یہ حدیث ان لوگوں کے متعلق ہے جن کا عام مشاہدہ ہوتا تھا کیونکہ ملائکہ اور شیطان اس حدیث کے عموم سے خارج ہیں' اور اس کا خلاصہ قرن اول ہوتا ہے۔ ہاں یہ حدیث ان لوگوں کے رد میں نص ہے جنہوں نے لمبی عمر کا دعویٰ کیا جیسا کہ رتن بن عبد اللہ ہندی تبریزی جو ساتویں صدی میں ظاہر ہوا اور اس نے صحابیت کا دعویٰ کیا۔

اس جواب پر یہ اعتراض ہے کہ "روئے زمین پر" سے مراد یہ ہے کہ جو لوگ عرفاً زمین پر رہنے والے ہوں' اور یہ معنی ان کو بھی شامل ہے جو اس وقت پانی پر تھے' اور اگر یہ معنی مراد نہ لیا جائے تو پھر اس حدیث سے رتن ہندی پر بھی رد نہیں ہوگا کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ بھی اس وقت پانی پر ہو' اور دوسرے جواب پر یہ اعتراض ہے کہ اگر حضرت خضر موجود ہوتے تو ان کا مشاہدہ ہوتا جیسا کہ دوسرے انسانوں کا مشاہدہ ہوتا ہے۔

شیخ ابن تیمیہ نے جو کہا ہے کہ اگر حضرت خضر ہوتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے اور جہاد کرتے' اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت اویس قرنی جو خیر التابعین ہیں وہ بھی اس زمانہ میں تھے لیکن وہ حضور کے ساتھ نماز اور جہاد میں شریک نہیں ہوئے۔ اسی طرح نجاشی رضی اللہ عنہ کو بھی آپ کی خدمت میں آنا میسر نہیں ہوا۔ علاوہ ازیں ہم یہ کہتے ہیں کہ حضرت خضر آپ کے پاس آتے تھے اور آپ سے پوشیدہ طور پر علم حاصل کرتے تھے کیونکہ ان کو اللہ تعالیٰ کی کسی حکمت کی وجہ سے ظاہر ہونے کا حکم نہیں تھا' اور حضرت عبد اللہ بن مبارک بیان کرتے ہیں کہ میں ایک جہاد میں تھا میرا گھوڑا گر کر مر گیا' پھر میں نے ایک حسین و جمیل شخص کو دیکھا جس سے خوشبو آرہی تھی اس نے کہا کیا تم اپنے گھوڑے پر سوار ہونا چاہتے ہو؟ میں نے کہا ہاں اس نے گھوڑے پر ہاتھ پھیرا اور کچھ دعائیہ کلمات پڑھے اللہ تعالیٰ کے اذن سے وہ گھوڑا اٹھ کر کھڑا ہو گیا' اس شخص نے میری رکاب پکڑ کر کہا اب سوار ہو جاؤ' میں سوار ہو کر اپنے ساتھیوں سے مل گیا' دوسرے دن ہم نے دشمن پر فتح حاصل کر لی تو میں نے اس شخص کو اپنے سامنے دیکھا' میں نے پوچھا کیا تم کل والے شخص نہیں ہو؟ اس نے کہا کیوں! میں نے کہا میں تم کو اللہ کی قسم دے کر سوال کرتا ہوں بتاؤ تم کون ہو؟ وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور اس کے نیچے جو زمین تھی اس پر سبزہ پیدا ہو گیا۔ اس نے کہا میں خضر ہوں' اس روایت سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خضر جہاد کے معرکوں میں شریک ہوتے تھے۔

شیخ ابن تیمیہ نے جو یہ کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر کے دن دعا کی تھی "اے اللہ! اگر آج یہ جماعت ہلاک ہو گئی تو زمین پر تیری عبادت نہیں ہو گی" اس کا جواب یہ ہے کہ ظہور' غلبہ اور قوت کے ساتھ تیری عبادت نہیں ہو گی' ورنہ مدینہ

منورہ وغیرہا میں کئی مسلمان تھے جو جنگ بدر میں حاضر نہیں ہوئے تھے۔
یہ بات واضح ہے کہ حضرت خضر کو اویس قرنی اور نجاشی وغیرہ کی سلک میں منسلک کرنا انصاف سے بعید ہے۔ اگرچہ حضرت خضر پر آپ کے پاس آنا واجب نہیں تھا لیکن جو شخص شب معراج کو تمام انبیاء کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز پڑھنا مانتا ہے اس کے لیے حضرت خضر کا باوجود کسی ظاہری مانع کے نہ ہونے کے آپ کے پاس نہ آنا بعید از فہم ہے' اور یہ دعویٰ کرنا کہ وہ کسی حکمت کی بنا پر خفیہ طریقے سے آتے تھے بلا دلیل ہے' اور اگر کوئی حکمت ہوتی تو حضور بتا دیتے۔ جب حضرت جبرائیل دحیہ کلبی کی شکل میں حضور کے پاس آ سکتے تھے تو حضرت خضر کے آنے میں کیا اشکال تھا؟ جب وہ عبداللہ بن مبارک کے ساتھ جہاد میں شریک ہو سکتے تھے اور ان پر اپنے آپ کو ظاہر کر سکتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کے جہاد میں شریک ہونے اور ظاہر ہونے میں کیا اشکال تھا؟ جنگ بدر میں فرشتے شریک ہوئے اور حضور نے ان کی خبر دی تو اگر حضرت خضر شریک ہوتے تو حضور ان کی خبر بھی بیان کرتے۔
وما جعلنا لبشر من قبلک الخلد سے جو حیات خضر کی نفی پر استدلال کیا گیا ہے اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ خلد کا معنی دوام ابدی ہے' لیکن اس جواب پر یہ اعتراض ہے کہ خلد کا معنی حقیقت میں مکث طویل ہے' اور اس اعتراض کا یہ جواب ہے کہ حضرت نوح کے لیے مکث طویل ثابت ہے۔ بہر حال حیات خضر کی نفی پر اس آیت سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔

حیات خضر کے سلسلہ میں حرف آخر

تمام بحث و تمحیص کے بعد یہ معلوم ہونا چاہئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث صحیحہ اور دلائل عقلیہ سے ان علماء کے نظریہ کی تائید اور تقویت ہوتی ہے جو حضرت خضر کی وفات کے قائل ہیں' اور ان احادیث کے ظاہر سے عدول کرنے کا کوئی مقتضی نہیں ہے۔ ماسوا ان حکایات کے جو بعض صالحین سے منقول ہیں جن کی صحت کا حال اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔
(روح المعانی ج ۱۵ ص ۴۷۴۔ ۴۶۱' دار الفکر ۱۴۱۷ھ)
حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی حیات خضر پر طویل بحث کی ہے اور جن روایات سے حیات خضر پر استدلال کیا جاتا ہے ان کی اسانید پر جرح کی ہے' اور یہ ذکر کیا ہے کہ جمہور علماء حیات کے قائل ہیں اور ان کے دلائل کو رد کیا ہے لیکن اپنا مختار ذکر نہیں کیا۔
حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ وہب بن منبہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت خضر نے آب حیات پی لیا تھا اس لئے وہ عرصہ دراز سے زندہ ہیں۔ حافظ ابن حجر نے کہا کہ یہ سب اسرائیلی روایات ہیں اور علامہ ابو جعفر مناوی نے ایک کتاب لکھ کر یہ بیان کیا ہے کہ اس قسم کی نقول پر اعتماد نہیں کرنا چاہئے۔
قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی نقشبندی متوفی ۱۲۲۵ھ لکھتے ہیں:
یہ اشکال صرف حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کے کلام سے حل ہو سکتا ہے جب آپ سے حضرت خضر علیہ السلام کی حیات اور وفات کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ اللہ سبحانہ کی بارگاہ میں متوجہ ہوئے اور اس مسئلہ کے انکشاف کی درخواست کی۔ تو آپ نے دیکھا کہ حضرت خضر علیہ السلام آپ کے پاس تشریف لائے۔ حضرت مجدد نے ان سے ان کے حال کے متعلق دریافت کیا۔ انہوں نے کہا میں اور الیاس زندوں میں سے نہیں ہیں بلکہ اللہ سبحانہ نے ہماری روحوں کو ایسی قوت عطا فرمائی ہے کہ ہم اجسام میں متشکل ہو جاتے ہیں اور زندہ لوگوں کی طرح کام کرتے ہیں۔ گم کردہ راہ لوگوں کو راستہ دکھاتے ہیں اور اللہ کی

اجازت سے مظلوم کی داد رسی کرتے ہیں اور علم لدنی کی تعلیم دیتے ہیں' اور جس کے لیے اللہ چاہتا ہے اس کو نسبت عطا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں اولیاء اللہ میں سے اس قطب مدار کا مددگار بنا دیا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس جہان کا مدار بنا دیا ہے اور اس جہان کی بقا اس کے وجود کی برکت اور اس کے فیضان سے ہے' اور اس زمانہ کا قطب یمن کے ملک میں فقہ شافعی کا مقلد ہے اور ہم اس قطب کی اقتدا میں مذہب شافعی کے مطابق نماز پڑھتے ہیں۔

قاضی ثناء اللہ لکھتے ہیں اس کشف صحیح کی وجہ سے تمام اقوال میں تطبیق ہو جاتی ہے اور اشکال دور ہو جاتا ہے وللہ الحمد۔

(التفسیر المظہری ج ۶ ص ۶۲' مطبوعہ بلوچستان بک ڈپو کوئٹہ)

علم لدنی کی تعریف

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور ہم نے اپنے پاس سے اس کو علم (لدنی) عطا فرمایا۔

علم لدنی کی تعریف میں ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

علم ایک نور ہے جو اللہ تعالیٰ مومن کے قلب میں ڈال دیتا ہے۔ یہ علم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال' آپ کے افعال اور آپ کے احوال سے مستفاد ہوتا ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی ذات' صفات اس کے افعال اور احکام کی ہدایت حاصل ہوتی ہے۔ اگر یہ علم کسی بشر کے واسطے سے حاصل ہو تو علم کسبی ہے اور اگر یہ علم کسی واسطے کے بغیر حاصل ہو تو یہ علم لدنی ہے' اور وحی' الہام اور فراست علم لدنی کی اقسام ہیں۔ (مرقات ج ۱ ص ۲۶۴' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان' ۱۳۹۰ھ)

علامہ آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

یہ آیت علم لدنی کے اثبات میں اصل ہے۔ علم لدنی کو علم الحقیقۃ اور علم الباطن بھی کہتے ہیں۔

(روح المعانی جز ۱۵ ص ۴۷۶' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ علم المکاشفہ اور علم باطن (علم لدنی) کی تعریف میں لکھتے ہیں:

ہم علم المکاشفہ سے یہ مراد لیتے ہیں حق اس طرح جلی اور واضح ہو جائے گویا کہ ہم اس کا آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے ہیں اور یہ اس وقت ہو سکتا ہے جب انسان کے دل پر دنیا کے میل کچیل کا زنگ نہ ہو' اور اللہ تعالیٰ کی صفات اور اس کے احکام کی معرفت پر دل کے آئینہ میں خبیث چیزوں کے جو حجابات ہیں وہ زائل ہو جائیں' اور یہ اس وقت ہو گا جب انسان اپنے آپ کو شہوات کی اتباع سے روک لے اور اپنے تمام احوال میں انبیاء علیہم السلام کی اقتداء کرے' پھر اس کے دل میں حق روشن ہو جائے گا اور اس پر حقائق منکشف ہو جائیں گے۔ (احیاء العلوم ج ۱ ص ۲۷۔ ۲۶ ملخصاً' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم نے ان کو اپنے پاس سے علم (لدنی) سکھایا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ علوم ان کو اللہ تعالیٰ سے بغیر واسطہ کے حاصل ہوئے۔ یہ علوم جو بہ طریق مکاشفہ حاصل ہوتے ہیں صوفیاء ان علوم کو علوم لدنیہ کہتے ہیں۔ ان کی تحقیق یہ ہے کہ بعض علوم ہم کو کسب سے حاصل ہوتے ہیں ان میں سے بعض علوم ہم کو بغیر غور و فکر کے حاصل ہوتے ہیں جیسے ہم کو درد اور لذت کا علم ہوتا ہے اور بعض علوم ہم کو غور و فکر سے حاصل ہوتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے کا علم اور قیامت کے برحق ہونے کا علم۔

اور بعض علوم وہ ہیں جو ہم کو ریاضت اور مجاہدہ کرنے سے حاصل ہوتے ہیں بایں طور کہ قوت حسیہ اور قوت خیالیہ ضعیف ہو جاتی ہیں اور جب یہ قوتیں ضعیف ہو جاتی ہیں تو قوت عقلیہ قوی ہو جاتی ہے اور انوار الٰہیہ عقل میں روشن ہو جاتے ہیں اور بغیر

کسی واسطہ کے اور بغیر سعی اور طلب کے علوم اور معارف حاصل ہو جاتے ہیں اور ان کو علوم لدنیہ کہتے ہیں۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ نفوس ناطقہ ماہیت کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں' بعض نفوس انوار الٰہیہ سے روشن ہوتے ہیں۔ ان کا بدنی لذتوں سے بہت کم تعلق ہوتا ہے اور وہ کسی قسم کے گناہ سے بھی ملوث نہیں ہوتے اور ان میں ہر وقت فیضان قدسیہ اور انوار الٰہیہ کے حصول کی استعداد اور صلاحیت ہوتی ہے۔ پس عالم الغیب سے ان پر علوم اور معارف اور انوار قدسیہ کا کمل فیضان ہوتا ہے اور علم لدنی اسی کو کہتے ہیں اور سورہ کہف کی اس آیت سے بھی یہی مراد ہے' اور جو نفوس ناطقہ گناہوں کی آلودگی سے صاف نہیں ہوتے اور بدنی لذتوں میں ڈوبے رہتے ہیں ان پر علوم اور معارف کا بلا واسطہ فیضان نہیں ہوتا ان کو علوم و معارف کے حصول کے لیے کسی انسان کے واسطے کی ضرورت ہوتی ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۷ ص ۴۸۳ ـ ۴۸۲ ملخصا' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

واضح رہے کہ علوم لدنیہ کے حاملین کے درجات اور مراتب بھی مختلف ہوتے ہیں اور علوم لدنیہ کی انواع بھی مختلف ہوتی ہیں تمام ملائکہ' انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کاملین علوم لدنیہ کے حامل ہیں لیکن ان کے درجات اور مراتب مختلف ہیں۔ اسی طرح علوم لدنیہ کی انواع بھی مختلف ہوتی ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عالم تشریع کا علم لدنی حاصل تھا اور حضرت خضر علیہ السلام کو عالم تکوین کا علم لدنی حاصل تھا۔ عالم تشریع سے مراد اللہ تعالیٰ کے وہ احکام ہیں جن کا انسان مکلف ہے اور جن کا اسے اختیار دیا ہے' جن پر عمل کر کے انسان دنیا اور آخرت میں صلاح اور فلاح حاصل کرتا ہے۔ مثلاً نماز پڑھنا' روزہ رکھنا' زکوٰۃ ادا کرنا اور قتل اور زنا نہ کرنا اور جھوٹ نہ بولنا وغیرہ۔ اور عالم تکوین سے مراد وہ امور ہیں جن میں انسان کا دخل اور اختیار نہیں ہے جیسے قدرتی آفات اور قدرتی انعامات' بارشوں' طوفانوں' زلزلوں' قحط' زمین کی زرخیزی وغیرہ کا ہونا یا نہ ہونا' موت' حیات' مرض' صحت اور حادثات وغیرہ کا ہونا یا نہ ہونا۔ یہ تکوینی امور ہیں ان کا علم حضرت خضر کو دیا تھا اور ان کی حکمتوں کا علم بھی دیا گیا تھا' اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شریعت کا علم دیا گیا تھا یعنی اللہ تعالیٰ کے وہ احکام جن پر عمل کر کے انسان دنیا اور آخرت کی سعادت حاصل کرتا ہے اور یہ دونوں علوم لدنیہ ہیں۔

حضرت خضر علیہ السلام کو علم غیب دیئے جانے کی تصریحات

امام ابو جعفر محمد بن جریر متوفی ۳۱۰ ھ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:

وکان رجلا یعلم علم الغیب. حضرت خضر ایسے شخص تھے جو علم الغیب جانتے تھے۔

(جامع البیان جز ۱۵ ص ۳۴۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام علی بن احمد نیشا پوری متوفی ۴۵۰ ھ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:

قال ابن عباس رضی اللہ عنہما اعطیناہ علما من علم الغیب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہم نے اس کو علم غیب سے علم عطا فرمایا۔

(الوسیط ج ۳ ص ۱۵۸' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابن عطیہ اندلسی متوفی ۵۴۶ ھ نے لکھا ہے حضرت خضر کو باطن کا علم دیا گیا تھا۔

(المحرر الوجیز ج ۱۰ ص ۴۲۵' مطبوعہ المکتبۃ التجاریہ مکہ مکرمہ' ۱۴۰۷ھ)

علامہ قرطبی مالکی اندلسی متوفی ۶۶۸ ھ نے لکھا ہے: ہم نے ان کو علم الغیب کی تعلیم دی تھی۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۰ ص ۳۹۱' مطبوعہ دار الفکر' ۱۴۱۵ھ)

قاضی بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ نے لکھا ہے:
ان کو ان علوم کی تعلیم دی تھی جو ہمارے ساتھ مختص ہیں اور جن کا علم ہماری توفیق کے بغیر نہیں ہوتا اور وہ علم الغیوب ہے۔
(تفسیر البیضاوی مع عنایۃ القاضی ج ۶ ص ۲۰۶۔۲۰۵ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۷ھ)

علامہ ابوالحیان اندلسی متوفی ۷۵۴ھ لکھتے ہیں:
ہم نے ان کو وہ علوم سکھائے جو ہمارے ساتھ مختص ہیں اور وہ غیوب کی خبریں ہیں۔
(البحر المحیط ج ۷ ص ۲۰۴ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۴۱۲ھ)

علامہ ابوالسعود محمد بن محمد عمادی حنفی متوفی ۹۸۲ھ لکھتے ہیں:
یعنی وہ علم سکھایا جس کی کنہ کو جانا نہیں جا سکتا نہ ان کی مقدار کا اندازہ ہو سکتا ہے اور وہ علم الغیوب ہے۔
(تفسیر ابی السعود ج ۴ ص ۲۰۳ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۶ھ)

شیخ محمد بن علی بن محمد شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ لکھتے ہیں:
اللہ سبحانہ نے ان کو اس علم غیب سے تعلیم دی جو اس کے ساتھ خاص ہے۔
(فتح القدیر ج ۳ ص ۴۱۳۔۴۱۲ مطبوعہ دارالوفا بیروت ۱۴۱۸ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے لکھا ہے وہ علم الغیوب اور اسرار العلوم الخفیہ ہیں۔
(روح المعانی جز ۱۵ ص ۴۷۵ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۴۱۷ھ)

نواب صدیق حسن خاں متوفی ۱۳۰۷ھ لکھتے ہیں:
ہم نے ان کو اس غیب سے تعلیم دی جو ہمارے ساتھ مختص ہے (الی قولہ) حضرت موسیٰ کو احکام شرعیہ اور ظاہر قضا کا علم دیا گیا تھا اور حضرت خضر کو بعض غیب کا علم دیا گیا تھا اور بواطن کی معرفت کا۔ (فتح البیان جز ۸ ص ۸۱۔۸۰ مطبوعہ المکتبۃ العصریہ ۱۴۱۵ھ)

شریعت‘ طریقت اور حقیقت کی تعریفیں

علامہ ابوالسعادات المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:
اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے جو احکام مقرر کیے وہ شریعت ہے۔
(النہایہ ج ۲ ص ۴۱۳ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

زیادہ بہتر تعریف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو احکام مقرر کیے وہ شریعت ہے‘ پس حلال‘ حرام‘ فرض‘ واجب‘ سنن اور مستحبات‘ اسی طرح مکروہ تحریمی‘ مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ یہ سب شریعت ہیں۔ شرع کا معنی ہے راستہ‘ اللہ اور اس کے رسول نے بندوں کے عمل کرنے اور بعض اعمال سے رکنے کا جو طریقہ مقرر فرمایا ہے وہ شریعت ہے۔

علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۱۶ھ لکھتے ہیں:
جو سیرت ان لوگوں کے ساتھ مختص ہے جو اللہ کی طرف چلتے ہیں‘ منازل طے کرتے ہیں اور مقامات میں ترقی کرتے ہیں وہ طریقت ہے۔ (التعریفات ص ۱۰۱ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۴۱۸ھ)

اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی شیخ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہے وہ اس سے پچھلے گناہوں پر توبہ کراتا ہے اور آئندہ کے لیے اس سے اس پر بیعت لیتا ہے کہ وہ دائماً گناہوں سے مجتنب رہے گا۔ تمام فرائض اور واجبات ادا کرے گا‘ جو فرائض اور واجبات چھوٹ گئے ہیں ان کو قضا کرے گا اور ان کلمات کے ساتھ استغفار کرے گا اور اس طرح اوراد اور وظائف

پڑھے گا' اور اس طرح اور اتنے نوافل پڑھے گا ذکر بالسر یا ذکر بالجہر کرے گا اس کو سلوک کہتے ہیں اور اس پر عمل کرنے والے کو سالک کہتے ہیں۔ اس سلوک پر عمل کرنے سے اس کے دل سے گناہوں کا زنگ اتر جاتا ہے اور غفلت کے حجابات زائل ہو جاتے ہیں اور وہ دن بہ دن اس راہ میں ترقی کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اس کو معرفت حاصل ہو جاتی ہے۔ معرفت کا معنی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا مشاہدہ کرتا ہے حتیٰ کہ اس دنیا میں جو بھی واقعہ یا حادثہ رونما ہو وہ اس کا رشتہ اللہ تعالیٰ کی صفات سے جوڑ لیتا ہے اور اس پر منکشف ہو جاتا ہے کہ یہ واقعہ اللہ تعالیٰ کی فلاں صفت کا ثمرہ ہے۔ سو سالکین کی اس سیرت کو طریقت کہتے ہیں۔

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

حقیقت کا باطن شریعت اور طریقت میں ہے جیسا کہ مکھن کا باطن دودھ میں ہے جس طرح جب تک دودھ کو بلویا نہ جائے اس سے مکھن حاصل نہیں ہو سکتا اسی طرح جب تک شریعت اور طریقت پر عمل نہ کیا جائے اس وقت تک حقیقت تک رسائی نہیں ہو سکتی۔ (ردالمحتار ج ۶ ص ۲۹۰۔۲۸۹' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

ظاہر احکام پر عمل کرنا شریعت ہے اور یہ عام لوگوں کے لیے ہے' اور شریعت کے باطن پر عمل کرنا طریقت ہے اور یہ خاص لوگوں کے لیے منہاج ہے' اور شریعت کا خلاصہ حقیقت ہے اور یہ اخص الخواص کی معراج ہے۔ شریعت کا تعلق ابدان اور اجسام سے ہے اور طریقت کا تعلق دلوں سے ہے' یعنی دلوں میں علوم اور معرفت کا حصول' اور حقیقت کا تعلق ارواح سے ہے یعنی حق کو دیکھنا اور اس کا مشاہدہ کرنا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حقیقت مشاہدہ ربوبیت ہے۔ (مرقات ج ۱ ص ۲۴۸' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان' ۱۳۹۰ھ)

علامہ ابن حجر ھیتمی مکی متوفی ۹۷۴ھ لکھتے ہیں:

حقیقت اسرار ربوبیت کے مشاہدہ کو کہتے ہیں۔ (فتاویٰ حدیثیہ ص ۴۰۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

امام ابو القاسم عبد الکریم بن ھوازن قشیری متوفی ۴۶۵ھ لکھتے ہیں:

شریعت التزام عبودیت ہے' اور حقیقت مشاہدۂ ربوبیت ہے' پس ہر شریعت جس کی حقیقت سے تائید نہ ہو وہ غیر مقبول ہے اور ہر حقیقت جو شریعت سے مقید نہ ہو وہ بھی غیر مقبول ہے۔ شریعت میں مخلوق کو مکلف کرنا ہے اور حقیقت میں حق کے تصرفات کی خبر دینا ہے۔ شریعت یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت کرو۔ حقیقت یہ ہے کہ تم اللہ کا مشاہدہ کرو۔ شریعت میں ظاہر احکام پر قائم رہنا اور حقیقت میں قضا و قدر اور ظاہر اور مخفی چیزوں کا مشاہدہ کرنا ہے۔

(الرسالۃ القشیریہ ص ۱۱۸' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: موسیٰ نے کہا آیا میں اس شرط پر آپ کی پیروی کروں کہ آپ کو جو رشد و ہدایت کا علم دیا گیا ہے آپ اس علم میں سے مجھے بھی (کچھ) تعلیم دیں ○ اس بندہ نے کہا آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کر سکیں گے ○ اور آپ اس چیز پر کیسے صبر کر سکتے ہیں جس کا آپ کے علم نے احاطہ نہیں کیا ○ موسیٰ نے کہا آپ ان شاء اللہ عنقریب مجھے صبر کرنے والا پائیں گے اور میں آپ کے حکم کی نافرمانی نہیں کروں گا ○ اس بندے نے کہا پس اگر تم میری پیروی کر رہے ہو تو مجھ سے کسی چیز کے متعلق اس وقت تک سوال نہ کرنا جب تک کہ میں خود اس کا تم سے ذکر نہ کروں ○ (الکھف: ۷۰-۶۶)

حضرت موسیٰ کا حضرت خضر سے حصول تعلیم کے لیے ادب سے درخواست کرنا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انتہائی لطیف پیرائے میں کہا آیا میں آپ کی پیروی کروں۔ اس طریقہ سے سوال کرنے

میں انتہائی ادب واحترام ہے اور مخاطب کو اپنے سے بہت بلند مقام پر فائز کرنا ہے' جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یحیٰ نے حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ مجھے دکھا سکتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح وضو کرتے تھے' الحدیث۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۸۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۵' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۱۸' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲' سنن النسائی رقم الحدیث: ۹۸-۹۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۴' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۱۵۵' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۲۲۴)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی درخواست میں ادب کی وجوہ

حضرت موسیٰ نے جو یہ کہا تھا آیا میں اس شرط پر آپ کی پیروی کروں کہ آپ کو جو رشد و ہدایت کا علم دیا گیا ہے آپ اس علم سے مجھے بھی تعلیم دیں۔ اس قول میں ادب کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے آپ کو حضرت خضر علیہ السلام کا تابع قرار دیا' کیونکہ انہوں نے کہا آیا میں آپ کی اتباع کروں؟

(۲) حضرت خضر کی اتباع کرنے میں حضرت موسیٰ نے ان سے اجازت طلب کی گویا کہ انہوں نے یوں کہا کیا آپ مجھے اس کی اجازت دیتے ہیں کہ میں آپ کی اتباع کروں' اور اس میں بہت زیادہ تواضع ہے۔

(۳) کیا میں حصول تعلیم کے لیے آپ کی اتباع کروں' اس قول میں اپنے لئے عدمِ علم کا اور اپنے استاذ کے لیے علم کا اعتراف ہے۔

(۴) انہوں نے کہا آپ کو جو رشد و ہدایت کا علم دیا گیا ہے آپ اس میں سے مجھے بھی (کچھ) تعلیم دیں۔ یہ من تبعیض کے لیے ہے یعنی انہوں نے یہ طلب کیا آپ کو جو علم دیا گیا ہے آپ اس میں سے مجھے بعض کی تعلیم دیں' گویا کہ انہوں نے کہا میرا یہ سوال نہیں ہے کہ آپ مجھے علم میں اپنے برابر کر دیں بلکہ میرا مطالبہ یہ ہے کہ آپ اپنے علم کے اجزاء میں سے چند اجزاء مجھے بھی عطا کر دیں جیسا کہ فقیر غنی سے کہتا ہے کہ تم اپنے مال کے اجزاء میں سے چند اجزاء مجھے عطا کر دو۔

(۵) انہوں نے کہا آپ کو جو رشد کا علم دیا گیا ہے اس میں سے مجھے بھی عطا کر دیں گویا کہ وہ رشد کے طلبگار تھے۔

(۶) حضرت موسیٰ نے کہا آپ کو جو رشد کا علم دیا گیا ہے' اس میں یہ اعتراف ہے کہ آپ کو اللہ نے علم عطا کیا ہے۔

(۷) انہوں نے یہ کہا آپ کو جو علم دیا گیا ہے آپ اس میں سے مجھے علم دیں یعنی آپ میرے ساتھ وہ معاملہ کریں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا ہے۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ مجھے تعلیم دینے سے آپ کا مجھ پر اس طرح انعام ہو گا جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ پر انعام کیا ہے۔ اس وجہ سے کہا گیا ہے کہ جس شخص نے مجھ کو ایک حرف کی بھی تعلیم دی میں اس کا بندہ اور غلام ہوں۔

(۸) متابعت کا معنی یہ ہے کہ تابع اس وجہ سے وہ کام کرے کہ متبوع نے وہ کام کیا ہے اگر متبوع وہ کام نہ کرتا تو وہ اس کام کو نہ کرتا' جیسے ہم کعبہ کی طرف منہ کر کے صرف اس لئے نماز پڑھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی ہے اگر آپ اس کی طرف منہ کر کے نماز نہ پڑھتے تو ہم بھی اس کی طرف منہ کر کے نماز نہ پڑھتے۔ اسی طرح استاذ کی اتباع کرنے کا معنی یہ ہے کہ تلمیذ استاذ کے کئے ہوئے کام کو صرف اس وجہ سے کرے گا کہ وہ کام اس کے استاذ نے کیا ہے۔ اس طرح اتباع کرنے میں اول امر سے اس بات کا اقرار ہے کہ وہ استاذ کے کسی کام پر اعتراض نہیں کرے گا۔

(۹) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مطلقاً کہا آیا میں آپ کی پیروی کروں اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے تمام کاموں میں حضرت خضر کی اتباع کرنے کی درخواست کی اور کسی خاص کام کے ساتھ اتباع کو مقید نہیں کیا۔

(۱۰) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت خضر نے ابتداءً پہچان لیا تھا کیونکہ انہوں نے کہا آپ بنی اسرائیل کے موسیٰ ہیں! گویا انہوں نے جان لیا تھا یہ وہی نبی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے بلاواسطہ شرف کلام سے نوازا ہے اور ان کو کثیر معجزات عطا فرمائے' اس کے باوجود حضرت موسیٰ نے اتنی وجوہ سے تواضع کی اس سے معلوم ہوا کہ جس کا رتبہ جتنا زیادہ ہوتا ہے وہ اہل علم کے سامنے اتنی زیادہ تواضع کرتا ہے اور ان کا اتنا زیادہ ادب اور احترام کرتا ہے۔

(۱۱) حضرت موسیٰ نے کہا آیا میں آپ کی اتباع کروں کہ آپ مجھے تعلیم دیں۔ پہلے انہوں نے اپنی اتباع پیش کی اس کے بعد انہوں نے ان سے حصول تعلیم کو طلب کیا۔ گویا ادب کا تقاضا یہ ہے کہ پہلے استاذ کی خدمت کرو پھر اس سے علم طلب کرو۔

(۱۲) انہوں نے کہا آیا میں اس بنا پر آپ کی اتباع کروں کہ آپ مجھے تعلیم دیں۔ یعنی انہوں نے اس اتباع کا کوئی معاوضہ طلب نہیں کیا بجز اس کے کہ وہ ان کو تعلیم دیں۔

حضرت خضر کے تعلیم دینے سے احتراز کی توجیہ

اس کے بعد فرمایا: اس بندہ نے کہا آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کر سکیں گے ○ اور آپ اس چیز پر کیسے صبر کر سکتے ہیں جس کا آپ کے علم نے احاطہ نہیں کیا ○ متعلم کی دو قسمیں ہیں ایک وہ ہے جس نے پہلے بالکل کچھ بھی نہ پڑھا ہو۔ ظاہر ہے استاذ اس کے سامنے مسئلہ کی جو بھی تقریر کرے گا اس کا شاگرد اس کو بلا چون چرا تسلیم کرے گا۔ دوسری قسم وہ ہے جس نے پہلے کچھ پڑھا ہوا ہے اور اس کو اپنے پڑھے ہوئے پر مکمل اعتماد اور یقین ہو۔ یہ شخص استاذ کی اسی بات کو تسلیم کرے گا جو اس کے پڑھے ہوئے کے مطابق ہوگا اور جو اس کے مخالف ہوگا اس کے قبول کرنے میں اس کو تامل ہوگا اور اس پر وہ اعتراض کرے گا۔ حضرت خضر علیہ السلام کو علم تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تشریع کے نبی ہیں اور جو بات ظاہر شرع کے مخالف ہوگی اس پر وہ اعتراض کریں گے' جب کہ حضرت خضر علیہ السلام تکوین کے نبی تھے اور ان کو معلوم تھا ان کے کئی کام ظاہر شریعت کے خلاف ہوں گے اور ان پر حضرت موسیٰ اعتراض کریں گے اور اس طرح تعلیم اور تعلم کا یہ سلسلہ زیادہ دیر نہیں چل سکے گا۔ اس لئے انہوں نے پیش بندی کے طور پر پہلے ہی کہہ دیا کہ آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کر سکیں گے' اور آپ اس چیز پر کیسے صبر کر سکتے ہیں جس کا آپ کے علم نے احاطہ نہیں کیا۔

حضرت موسیٰ نے کہا آپ ان شاء اللہ عنقریب مجھے صبر کرنے والا پائیں گے اور میں آپ کے حکم کی نافرمانی نہیں کروں گا۔

اس پر یہ اعتراض ہے کہ صبر کا تعلق تو مستقبل کے ساتھ ہے اور ان کو معلوم نہیں تھا کہ مستقبل میں صبر ہو سکے گا یا نہیں اس لئے اس کے ساتھ ان شاء اللہ کہنا صحیح ہے' لیکن حضرت خضر کی نافرمانی نہ کرنے کا عزم تو انہوں نے اسی وقت کر لیا تھا اس کے ساتھ ان شاء اللہ کہنا صحیح نہ تھا' کیونکہ اس چیز کے ساتھ ان شاء اللہ کہا جاتا ہے جس کا حصول غیر یقینی ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کا اس وقت معصیت نہ کرنے کا عزم نہیں تھا ورنہ وہ اس کے ساتھ ان شاء اللہ نہ ملاتے' اس کا جواب یہ ہے کہ اس وقت بھی ان کا عزم تھا کہ وہ معصیت نہیں کریں گے یعنی اپنے قصد اور ارادہ سے ان کی معصیت نہیں کریں گے' لیکن ہو سکتا ہے کہ وہ بھول جائیں یا ان سے خطا سرزد ہو جائے اور اس پر وہ قادر نہیں تھے کہ وہ نسیان اور خطا کو روک لیں اور انہوں نے حضرت خضر پر جو اعتراضات بھی کیے تھے وہ نسیان ہی کی وجہ سے کیے تھے۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امر کا تقاضا وجوب ہے کیونکہ حضرت موسیٰ نے فرمایا میں آپ کے امر کی معصیت نہیں کروں گا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ (الجن: ۲۳) اور جو اللہ اور اس کے رسول کی حکم عدولی کرے تو اس کے لیے جہنم کی آگ ہے۔

اور یہ حضرت موسیٰ کی طرف سے بہت زیادہ تواضع ہے اور بہت بڑے تحمل اور حوصلہ کا اظہار ہے۔

تعلیم اور تعلم کے آداب

یہ تمام آیات اس پر دلالت کرتی ہیں کہ تلمیذ اور متعلم پر واجب ہے کہ استاذ کے سامنے انتہائی ادب اور احترام کا اظہار کرے اور اگر استاذ کو یہ اندازہ ہو کہ متعلم پر تشدید اور سختی کرنا اس کے حق میں مفید ہوگا تو وہ ضرور اس کے اوپر تشدید اور سختی کرے ورنہ ہوسکتا ہے کہ تشدید نہ کرنے کی وجہ سے متعلم غرور اور تکبر میں مبتلا ہو جائے اور یہ اس کے حق میں مضر ہے۔

اس کے بعد حضرت خضر نے کہا پس اگر تم میری پیروی کر رہے ہو تو مجھ سے کسی چیز کے متعلق اس وقت تک سوال نہ کرنا جب تک کہ میں خود اس کا تم سے ذکر نہ کروں۔

یعنی جب آپ کے نزدیک میرا کوئی کام قابل اعتراض ہو تو جب تک میں خود اس کی توجیہ نہ کروں آپ اس کے اوپر اعتراض نہ کریں اور یہی تعلیم اور تعلم کا ادب ہے۔ سبق میں بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں جن کی آگے چل کر خود بہ خود وضاحت ہو جاتی ہے اس لئے متعلم پر لازم ہے کہ وہ صبر سے کام لے اور جو بات بہ ظاہر غلط معلوم ہو اس پر نہ ٹوکے حتیٰ کہ آگے چل کر استاذ خود اس کی وضاحت کر دے گا۔ اگر حضرت موسیٰ حضرت خضر کی نصیحت پر کاربند رہتے تو ان کی صحبت طویل ہوتی اور بھی کئی عجیب و غریب واقعات پیش آتے لیکن وہ اپنے شرعی منصب پر فائز ہونے کی وجہ سے خاموش نہ رہ سکے اور جب بھی کوئی بات بہ ظاہر خلاف شرع ہوتی تو اس پر ضرور ٹوکتے اور یوں یہ سلسلہ تعلیم ختم ہو گیا۔

فَانْطَلَقَا ٙ حَتّٰٓى اِذَا رَكِبَا فِى السَّفِيْنَةِ خَرَقَهَا ؕ قَالَ

پھر وہ دونوں چل پڑے حتیٰ کہ جب وہ دونوں کشتی میں سوار ہوئے تو اس (خضر) نے کشتی (کے تختے) کو توڑ دیا، (موسیٰ نے) کہا

اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا اِمْرًا ﴿۷۱﴾ قَالَ اَلَمْ

کیا آپ نے اس کو اس لیے توڑا ہے کہ اس میں سوار لوگ ڈوب جائیں، یہ تو آپ نے بہت خطرناک کام کیا ہے! ○ (خضر نے) کہا کیا میں نے

اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِىَ صَبْرًا ﴿۷۲﴾ قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِىْ بِمَا

تم سے یہ نہیں کہا تھا کہ بیشک تم میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کرسکو گے ○ (موسیٰ نے) کہا جو چیز میں بھول گیا ہوں اس پر میری گرفت

نَسِيْتُ وَلَا تُرْهِقْنِىْ مِنْ اَمْرِىْ عُسْرًا ﴿۷۳﴾ فَانْطَلَقَا ٙ

کیجئے اور میرے مشن کو مجھ پر دشوار نہ کیجئے ○ پھر وہ دونوں چل پڑے

حَتّٰۤى اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ ۙ قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً

حتیٰ کہ جب ان کی ملاقات ایک لڑکے سے ہوئی پس اس (خضر) نے اس لڑکے کو قتل کر دیا، (موسیٰ نے) کہا کیا آپ نے ایک بے قصور

بِغَيْرِ نَفْسٍ ۭ لَقَدْ جِئْتَ شَيْــًٔـا نُّكْرًا ﴿۷۴﴾

شخص کو بغیر کسی شخص کے بدلہ کے قتل کر دیا آپ نے یہ بہت معیوب کام کیا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر وہ دونوں چل پڑے حتیٰ کہ جب وہ دونوں کشتی میں سوار ہوئے تو اس (خضر) نے کشتی (کے تختے) کو توڑ دیا۔ (موسیٰ نے) کہا کیا آپ نے اس کو اس لئے توڑا ہے کہ اس میں سوار لوگ ڈوب جائیں یہ تو آپ نے بہت خطرناک کام کیا ہے ○ (خضر نے) کہا کیا میں نے تم سے یہ نہیں کہا تھا کہ بے شک تم میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کر سکو گے ○ (موسیٰ نے) کہا جو چیز میں بھول گیا اس پر میری گرفت نہ کیجئے اور میرے مشن کو مجھ پر دشوار نہ کیجئے ○ (الکہف: ۷۳-۷۱)

کشتی کا تختہ توڑنے کی تفصیل

اس سے پہلے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے حوالوں سے گزر چکا ہے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت خضر سمندر کے کنارے جا رہے تھے ان کے پاس سے ایک کشتی گزری انہوں نے کشتی والے سے بات کی کہ وہ ان کو سوار کرے۔ انہوں نے حضرت خضر علیہ السلام کو پہچان لیا اور ان کو بغیر معاوضہ کے سوار کر لیا۔ جب وہ دونوں کشتی میں سوار ہو گئے تو اس وقت حضرت موسیٰ چونک پڑے جب حضرت خضر نے کلہاڑی سے کشتی کا ایک تختہ توڑ دیا۔ حضرت موسیٰ نے کہا ان لوگوں نے ہم کو بغیر معاوضہ کے سوار کر لیا اور آپ نے ان کی کشتی کا تختہ توڑ دیا تا کہ ان کے سواروں کو غرق کر دیں' یہ تو آپ نے بہت خطرناک کام کیا حضرت خضر نے کہا کیا میں نے آپ سے یہ نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہیں کر سکیں گے۔ حضرت موسیٰ نے کہا جو چیز میں بھول گیا اس پر میری گرفت نہ کیجئے اور میرے مشن کو مجھ پر دشوار نہ کیجئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پہلی بار حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھول ہوئی تھی۔ ایک چڑیا آ کر کشتی کے تختے کے کنارے پر بیٹھ گئی اور اس نے سمندر کے پانی میں ایک یا دو مرتبہ چونچ ماری۔ پس حضرت خضر نے حضرت موسیٰ سے کہا میرا علم اور تمہارا علم اللہ کے علم میں اتنی ہی کمی کر سکتا ہے جتنی کہ اس چڑیا کے چونچ میں پانی لینے سے سمندر میں کمی ہوئی ہے۔ حضرت خضر نے یہ ایک مثال دی تھی کہ میری معلومات اور تمہاری معلومات سے اللہ کی معلومات میں کوئی اثر نہیں پڑتا جیسا چڑیا کے چونچ میں پانی لینے سے سمندر کے پانی میں کوئی کمی نہیں ہوتی' اور یہ مثال صرف سمجھانے کے لیے ہے ورنہ ہمارے سامنے جو سمندر ہے یہ متناہی ہے اور اللہ تعالیٰ کی معلومات غیر متناہی ہیں' اسی طرح تمام مخلوق کے علم میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں وہ نسبت ہے جو قطرہ اور سمندر میں ہے اور آپ کے علم میں اور اللہ تعالیٰ کے علم میں وہ نسبت بھی نہیں ہے کیونکہ قطرہ اور سمندر میں متناہی کی نسبت متناہی کی طرف ہے اور آپ کے اور اللہ تعالیٰ کے علم میں متناہی کی نسبت غیر متناہی کی طرف ہے۔

امام ابو العالیہ نے اپنی تفسیر میں کہا ہے کہ جس وقت حضرت خضر نے کشتی کا تختہ توڑا تھا تو ان کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سوا اور کسی نے نہیں دیکھا تھا' اور اگر لوگ ان کو دیکھ لیتے تو ان کو کشتی کے توڑنے سے منع کرتے اور ایک قول یہ ہے کہ کشتی والے ایک جزیرہ کی طرف چلے گئے تھے اور حضرت خضر کشتی میں تنہا رہ گئے تھے اس وقت انہوں نے کشتی کا تختہ اکھاڑ دیا۔

بھول کی وجہ سے مواخذہ نہ ہونے میں حقوق اللہ اور حقوق العباد کا فرق اور دیگر فقہی مسائل

حضرت خضر علیہ السلام نے جو کشتی کا تختہ توڑا تھا اس میں یہ دلیل ہے کہ جب یتیم کا ولی یہ سمجھے کہ یتیم کے مال میں کوئی نقص پیدا کرنے میں یتیم کا فائدہ ہے تو یتیم کا ولی اس کے مال میں نقص ڈال سکتا ہے۔ مثلاً اس کو یہ خدشہ ہے کہ ظالم اس کا مال چھین کر لے جائیں گے تو اس کے لیے اس مال میں عیب ڈالنا جائز ہے۔ امام ابو یوسف نے کہا کہ ظالم بادشاہ کو یتیم کے مال سے کچھ حصہ دے کر باقی مال اس سے بچالینا جائز ہے۔

حضرت موسیٰ نے فرمایا جو چیز میں بھول گیا اس پر میری گرفت نہ کیجئے' اس سے معلوم ہوا کہ بھولے سے کوئی کام کرنے سے اس پر مواخذہ نہیں ہوتا' لیکن یہ حکم حقوق اللہ میں ہے حقوق العباد میں نہیں ہے۔ جیسے بھولے سے روزے میں کچھ کھا پی لیا تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا لیکن حقوق العباد میں یہ حکم نہیں ہے مثلاً کسی سے رقم قرض لے کر بھول گیا تو بھول کی وجہ سے اس رقم کی ادائیگی اس سے ساقط نہیں ہوگی' یا بیوی کو طلاق دے کر بھول گیا تو اس بھول کی وجہ سے وہ طلاق ساقط نہیں ہوگی یا کسی کی امانت رکھ کر بھول گیا تو اس امانت کی ادائیگی ساقط نہیں ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر وہ دونوں چل پڑے حتیٰ کہ جب ان کی ملاقات ایک لڑکے سے ہوئی پس اس (خضر) نے اس لڑکے کو قتل کر دیا (موسیٰ نے) کہا کیا آپ نے ایک بے قصور شخص کو بغیر کسی شخص کے بدلہ کے قتل کر دیا آپ نے یہ بہت معیوب کام کیا ہے ٥ (الکہف: ۷۴)

حضرت خضر نے جس لڑکے کو قتل کیا تھا وہ بالغ تھا یا نابالغ اور اس کے قتل کی کیفیت

سعید نے کہا وہ لڑکا لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا' وہ کافر تھا۔ حضرت خضر نے اس کو پکڑ کر زمین پر گرا دیا پھر اس کو چھری سے ذبح کر دیا' وہ لڑکا ابھی بالغ نہیں ہوا تھا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۲۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۸۰)

امام ترمذی نے روایت کیا ہے کہ وہ دونوں کشتی سے اترے جس وقت دونوں سمندر کے کنارے کنارے جا رہے تھے تو حضرت خضر نے دیکھا کہ ایک لڑکا لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا ہے۔ حضرت خضر نے اس کے سر کو اپنے ہاتھ سے پکڑا اور اپنے ہاتھ سے اس کی گردن اکھاڑ کر اس کو قتل کر ڈالا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۱۴۹)

بعض علماء نے کہا ہے کہ وہ لڑکا بالغ تھا اور وہ دو بستیوں کے درمیان ڈاکے ڈالتا تھا اور اس کا باپ ان میں سے ایک بستی کا رئیس تھا اور اس کی ماں دوسری بستی کی رئیسہ تھی۔ حضرت خضر نے اس کو پکڑ کر زمین پر گرا دیا اور اس کا سر دھڑ سے الگ کر دیا۔ کلبی نے کہا اس لڑکے کا نام شمعون تھا' ضحاک نے کہا اس کا نام حیسون تھا' سہیلی نے کہا اس کے باپ کا نام ازیر تھا اور اس کی ماں کا نام سھوی تھا۔ وھب نے کہا اس کے باپ کا نام سلاس تھا اور اس کی ماں کا نام رحمی تھا۔ جمہور نے کہا وہ نابالغ تھا اسی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا وہ بے قصور شخص تھا۔ قرآن مجید میں اس کے لیے غلام کا لفظ ہے اور غلام کا معنی ہے لڑکا۔ کیونکہ عرب مردوں میں غلام اسی کو کہتے ہیں جو نابالغ ہو' اور حضرت خضر علیہ السلام کو کشف سے معلوم ہو گیا تھا کہ اس کے دل پر کفر کی مہر لگ چکی ہے' اسی وجہ سے حدیث صحیح میں ہے اگر وہ زندہ رہتا تو اپنے ماں باپ کو کفر میں مبتلا کر دیتا۔ اور اللہ تعالیٰ کے اذن اور اس کے حکم کے بغیر نابالغ لڑکے کو قتل کرنا جائز نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور وہ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے۔

ابن جبیر نے یہ کہا کہ وہ لڑکا سن تکلیف کو پہنچ چکا تھا کیونکہ حضرت ابی بن کعب اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قرأت میں ہے: رہا وہ لڑکا تو وہ کافر تھا اور اس کے ماں باپ مومن تھے' اور کفر اور ایمان مکلفین بالغین کی صفات میں سے ہے اور غیر مکلف کا کافر یا مومن کا اطلاق اس کے ماں باپ کے اعتبار سے کیا جاتا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۰ ص ۳۹۶' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿٧٥﴾

(خضر نے) کہا کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ بیشک تم میرے ساتھ ہرگز صبر نہیں کر سکو گے ٥

قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍۭ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ ۚ قَدْ

موسیٰ نے کہا اگر اس کے بعد میں نے آپ سے کوئی سوال کیا تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیں، بے شک

بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا ﴿٧٦﴾ فَانْطَلَقَا ٚ حَتّٰٓى اِذَآ اَتَيَآ اَهْلَ

آپ میری طرف سے (حد) عذر کو پہنچ چکے ہیں ٥ پھر وہ دونوں چل پڑے حتیٰ کہ وہ دونوں ایک بستی والوں کے

قَرْيَةِ ۨاسْتَطْعَمَآ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا

پاس آئے اور ان دونوں نے ان بستی والوں سے کھانا مانگا، بستی والوں نے ان کی مہمان نوازی سے انکار کر دیا پھر ان دونوں نے اس

جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ۭ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ

بستی میں ایک دیوار کو دیکھا جو گرا ہی چاہتی تھی، تو اس نے اس دیوار کو سیدھا کر دیا موسیٰ نے کہا اگر آپ چاہتے تو

عَلَيْهِ اَجْرًا ﴿٧٧﴾ قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ ۚ سَاُنَبِّئُكَ

اس پر کچھ اجرت لے لیتے ٥ (خضر نے) کہا اب میرے اور آپ کے درمیان جدائی ہے، اب میں آپ کو ان کاموں کی

بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿٧٨﴾ اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ

حقیقت بتاتا ہوں جن پر آپ صبر نہ کر سکے تھے ٥ رہی وہ کشتی تو وہ چند

لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا وَكَانَ

مسکین لوگوں کی تھی جو سمندر میں کام کرتے تھے، اس لیے میں نے چاہا کہ اس میں عیب ڈال دوں (کیونکہ) ان کے

وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا ﴿٧٩﴾ وَاَمَّا الْغُلٰمُ

آگے ایک (ظالم) بادشاہ تھا جو ہر (صحیح و سالم) کشتی کو زبردستی چھین لیتا تھا ٥ اور رہا وہ لڑکا

فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّ

تو اس کے ماں باپ مومن تھے تو ہمیں یہ خطرہ تھا کہ وہ ان کو سرکشی اور کفر میں مبتلا کر دے

كُفْرًا ﴿۸۰﴾ فَاَرَدْنَاۤ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّاَقْرَبَ

گا ○ تو ہم نے یہ چاہا کہ ان کا رب ان دونوں کو اس کے بدلہ میں اس سے اچھا بچہ عطا فرمائے جو پاکیزہ اور زیادہ

رُحْمًا ﴿۸۱﴾ وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِى الْمَدِيْنَةِ

رحم دل ہو ○ اور رہی وہ دیوار تو وہ شہر میں رہنے والے دو یتیم لڑکوں کی تھی،

وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ

اور اس دیوار کے نیچے ان کا خزانہ تھا اور ان کا باپ ایک نیک آدمی تھا تو آپ کے رب نے یہ ارادہ کیا کہ

يَّبْلُغَاۤ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ وَمَا

وہ دونوں لڑکے اپنی جوانی کو پہنچ جائیں اور آپ کے رب کی رحمت سے اپنا خزانہ نکال لیں، اور میں نے

فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِىْ ؕ ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ

یہ کام اپنی رائے سے نہیں کیے، یہ ان کاموں کی حقیقت ہے جن پر آپ

صَبْرًا ﴿۸۲﴾ ؕ ع

صبر نہ کر سکے تھے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (خضر نے) کہا کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ بے شک تم میرے ساتھ ہرگز صبر نہیں کر سکو گے ○ موسیٰ نے کہا اگر اس کے بعد میں نے آپ سے کوئی سوال کیا تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیں، بے شک آپ میری طرف سے (حد) عذر کو پہنچ چکے ہیں۔ (الکہف: ۷۶-۷۵)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی انصاف پسندی اور استاذ کا ادب اور احترام

حضرت خضر علیہ السلام نے اپنے اس کلام میں اپنے پہلے کلام کی بہ نسبت لک کا اضافہ کیا ہے اور کلام میں الفاظ کی زیادتی معنی کی زیادتی پر دلالت کرتی ہے' گویا اس جملہ سے حضرت خضر نے حضرت موسیٰ کو نہایت سختی اور تاکید کے ساتھ تنبیہ کی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خضر علیہ السلام کے ساتھ رہنے کی بہت خواہش اور حصول علم کی بہت شدید حرص تھی لیکن انہوں نے جب یہ دیکھا کہ وہ دوبار حضرت خضر علیہ السلام کے مقرر کردہ ضابطہ اور ان کی نصیحت کی خلاف ورزی کر چکے ہیں تو وہ بہت نادم ہوئے اور انہوں نے خود یہ پیشکش کی اگر تیسری بار بھی انہوں نے حضرت خضر کے حکم کی خلاف ورزی کی تو بے شک حضرت خضر انہیں اپنے ساتھ نہ رکھیں اور اس معاملہ میں وہ حد عذر کو پہنچ چکے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بہت انصاف پسند تھے اور استاذ کا بہت زیادہ ادب اور احترام کرنے والے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر وہ دونوں چل پڑے حتیٰ کہ وہ دونوں ایک بستی والوں کے پاس آئے اور ان دونوں نے اس بستی والوں سے کھانا مانگا' بستی والوں نے ان کی مہمان نوازی سے انکار کر دیا۔ پھر ان دونوں نے اس بستی میں ایک دیوار کو دیکھا جو گرا ہی چاہتی تھی' تو اس نے اس دیوار کو سیدھا کر دیا' موسیٰ نے کہا اگر آپ چاہتے تو اس پر کچھ اجرت لے لیتے O خضر نے کہا اب میرے اور آپ کے درمیان جدائی ہے' اب میں آپ کو ان کاموں کی حقیقت بتاتا ہوں جن پر آپ صبر نہ کر سکے تھے O

(الکھف: ۷۸-۷۷)

کھانا مانگنے کے سوال کا ضابطہ

اس بستی کے متعلق کئی قول ہیں زیادہ مشہور یہ ہے کہ بستی انطاکیہ یا ایلہ تھی۔

اس جگہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت خضر نے اس بستی والوں سے کھانا مانگا' حالانکہ شرفاء اور معززین کسی سے کھانے کا سوال نہیں کرتے' تو حضرت موسیٰ اور حضرت خضر اتنے عظیم پیغمبر تھے پھر بھی انہوں نے کھانے کا سوال کیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جس شخص کو شدید بھوک لگی ہو اس کے لیے کھانے کا سوال کرنا جائز ہے اور اگر اس کی بھوک اضطرار تک پہنچ جائے تو اس پر واجب ہے کہ وہ کھانے کا سوال کرے۔

حضرت قبیصہ بن مخارق ہلالی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک بڑی رقم کا مقروض ہو گیا تھا۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تاکہ آپ سے اس کے متعلق سوال کروں۔ آپ نے فرمایا: جب تک صدقہ کا مال آئے اس وقت تک ہمارے پاس ٹھہرو ہم اس میں سے تمہیں مال دینے کا حکم کریں گے۔ پھر فرمایا: اے قبیصہ تین شخصوں کے علاوہ اور کسی شخص کے لئے سوال کرنا جائز نہیں ہے۔ ایک وہ شخص جو مقروض ہو اس کے لیے اتنی مقدار کا سوال کرنا جائز ہے جس سے اس کا قرض ادا ہو جائے' اس کے بعد وہ سوال کرنے سے رک جائے۔ دوسرا وہ شخص ہے جس کے مال پر کوئی ناگہانی آفت آئی ہو جس سے اس کا مال تباہ ہو جائے اس کے لیے اتنا سوال کرنا جائز ہے جس سے اس کا گزارہ ہو جائے۔ تیسرا وہ شخص ہے جو فاقہ زدہ ہو اور اس کے قبیلہ کے تین عقلمند آدمی یہ گواہی دیں کہ وہ فاقہ زدہ ہے تو اس کے لیے بھی اتنی مقدار کا سوال کرنا جائز ہے جس سے اس کا گزارہ ہو جائے' اور اے قبیصہ ان تینوں شخصوں کے علاوہ سوال کرنا حرام ہے اور جو (ان تین صورتوں کے علاوہ کسی اور صورت میں) سوال کر کے کھاتا ہے وہ حرام کھاتا ہے۔ (العیاذ باللہ)

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۴۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۴۰' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۵۷۹' ۲۵۹۱)

مقروض کے لیے قرض کی ادائیگی کے واسطے سوال کرنا اس وقت جائز ہے جب اس نے کسی جائز ضرورت کے لیے قرض لیا ہو اور اگر اس نے کسی گناہ کا کام کرنے کے لیے قرض لیا ہے مثلاً سودی کاروبار کرنے کے لیے یا سینما بنانے کے لیے تو اس قرض کی ادائیگی کے لیے لوگوں سے سوال کرنا جائز نہیں ہے۔ فاقہ زدہ شخص کے لیے تین گواہوں کی شرط بہ طور استحباب ہے ورنہ دو گواہ بھی کافی ہیں اور یہ شرط بھی اس سائل کے لیے ہے جو اپنے علاقے میں مال دار ہونے کی شہرت رکھتا ہو' اور جس شخص کا مال دار ہونا معروف اور مشہور نہیں ہے اس کو کوئی گواہ پیش کرنے کی ضرورت نہیں' اس کا اپنا کہہ دینا کافی ہے کہ اس کے پاس مال نہیں ہے اور وہ فاقہ زدہ ہے۔

اکثر احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کرنے کی مذمت فرمائی ہے اور مسلمانوں کو اس بات کی ترغیب دی ہے کہ وہ حتی الامکان سوال کرنے سے گریز کریں۔ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ بلاضرورت سوال کرنا حرام ہے اور جو شخص صحت

مند ہو اور کمانے پر قادر ہو اس کے متعلق دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ اس کا سوال کرنا حرام ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا سوال کرنا مکروہ ہے' بشرطیکہ اس میں تین شرطیں پائی جائیں (۱) وہ سوال کرتے وقت اپنے آپ کو ذلیل نہ کرے (۲) گڑگڑا کر سوال نہ کرے (۳) مسئول کو ایذا نہ دے۔ اور جو شخص بیمار ہو یا مسافر ہو اور سفر میں اس کے پاس کھانے پینے کی چیزیں یا خریدنے کی قوت نہ ہو تو پھر اس کے لیے مطلقاً سوال کرنا جائز ہے۔ شدید بھوک میں اس کے لیے سوال کرنا پسندیدہ ہے اور حضرت موسیٰ اور حضرت خضر نے اسی صورت میں سوال کیا تھا' اور اگر وہ اضطرار سے دوچار ہوتے تو پھر ان پر واجب تھا کہ وہ سوال کرتے اور لوگوں کے نہ دینے کی صورت میں ان پر واجب تھا کہ وہ ان سے چھین کر کھا لیتے۔

بعض احادیث میں ہے:

حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سائل کا تم پر حق ہے' خواہ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر آئے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۶۵' ۱۶۶۶' مسند احمد ج ۱ ص ۲۰۱' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱ ص ۲۰۱' مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۲۹۸۸' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۵۹۸۹' حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۳۷۹' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۱۱۳' مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۰۱)

اس حدیث سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ خوشحال اور سرمایہ دار شخص بھی سوال کر سکتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ محض گھوڑے پر سوار ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ شخص خوش حال اور مالدار ہو۔ ہو سکتا ہے کہ اس شخص پر اتنا زیادہ قرض ہو کہ وہ گھوڑا بھی قرض میں ڈوبا ہوا ہو' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اس کا اپنا گھوڑا نہ ہو' اس نے وہ گھوڑا کسی سے عاریۃً مانگ کر لیا ہو یا وہ کسی عذر کی وجہ سے گھوڑے پر سوار ہو۔ اس حدیث کا منشا یہ ہے کہ دینے والے کو سائل کی تفتیش اور چھان بین نہیں کرنی چاہیے اور اس کے ظاہری حال سے یہ تجسس نہیں کرنا چاہیے کہ آیا وہ سوال کرنے کا اہل ہے یا نہیں ہے' بلکہ اس سے جو شخص بھی سوال کرے تو وہ اس کو اپنی حیثیت کے مطابق ضرور کچھ نہ کچھ دے دے۔ حدیث میں ہے:

حضرت ام بجید رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! ایک مسکین میرے دروازے پر کھڑا ہو اور میرے پاس اس کو دینے کے لیے کچھ نہ ہو! تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تمہارے پاس اسے دینے کے بکری کے ایک بھنے ہوئے پائے کے سوا اور کچھ نہ ہو تو وہی اس کے ہاتھ پر رکھ دو۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۶۷' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۶۶۵' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۵۶۴' ۲۵۷۳)

اگر انسان کے پاس سائل کو دینے کے لیے کچھ بھی نہ ہو تو اس سے اچھی طرح معذرت کر لے۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہمیں سائل کے متعلق کچھ نہیں معلوم کہ سوال کرنے کا مستحق ہے یا نہیں ہے؟ ہمیں معلوم نہیں کہ وہ سوال کر کے اس رقم سے کھانا کھائے گا یا افیون کھائے گا' یا چرس اور ہیروئن تقسیم کرے گا' اور آج کل تو ہر چوراہے پر پیشہ ور گداگروں کا ہجوم ہوتا ہے اس لئے بہتر یہ ہے کہ ان مانگنے والوں کو دینے کے بجائے آپ اپنے محلہ کے کسی غریب اور مستحق شخص کو کچھ دے دیں۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ درست طریقہ نہیں ہے اگر ہم یہ معمول بنا لیں کہ ہم اسی سائل کو دیں گے جو سوال کا مستحق ہوگا اور اسی کی جزا میں اللہ بھی ہمارے ساتھ یہی معاملہ کرے کہ وہ اسی شخص کی دعا قبول کرے گا جو دعا کرنے کا مستحق ہوگا اور اسی کے سوال پر عطا کرے جو سوال کا مستحق ہوگا' تو ہم سے جس نے سوال کیا ہے اسے تو کوئی اور دینے والا مل جائے گا لیکن ہمارے مستحق نہ ہونے کی وجہ سے اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں نہ دیا تو پھر ہمارے لئے سوال کرنے کا کون سا دروازہ ہے اور اللہ کے مسترد کرنے کے بعد اس

کے سوا ہمیں کون دینے والا ہے۔

تاویل کا معنی

حضرت خضر اور حضرت موسیٰ علیہما السلام دونوں نے کھانا مانگا اس میں یہ دلیل ہے کہ حضرت خضر بھی انسان تھے اور فرشتے نہ تھے' جیسا کہ سید ابوالاعلیٰ مودودی نے لکھا ہے اور ان کے انسان ہونے کی نفی کی ہے۔

حضرت خضر علیہ السلام نے کہا یہ میرے اور آپ کے درمیان فراق ہے' حضرت خضر نے ھذا سے کس چیز کی طرف اشارہ کیا تھا اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اشارہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس قول کی طرف تھا اگر اس کے بعد میں آپ سے کسی چیز کے متعلق سوال کروں تو پھر آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیں' حضرت خضر نے ھذا کے لفظ سے اس فراق کی طرف اشارہ کیا تھا جس کا حضرت موسیٰ نے وعدہ کیا تھا' دوسرا جواب یہ ہے کہ ھذا کا اشارہ اس تیسرے سوال کی طرف ہے کیونکہ یہ تیسرا سوال ہی ان کے اور حضرت خضر کے درمیان فراق کا سبب بنا تھا۔

حضرت خضر نے کہا اب میں آپ کو ان کاموں کی حقیقت بتاتا ہوں جن پر آپ صبر نہ کر سکے تھے۔ قرآن مجید میں تاویل کا لفظ ہے۔ تاویل کا لفظ 'اول' سے بنا ہے جس کا معنی ہے لوٹنا' کسی لفظ کی تاویل کا مطلب یہ ہے کہ وہ لفظ اس معنی کی طرف رجوع کرتا ہے۔ حضرت خضر نے جو کام کئے تھے ان کاموں کی تاویل کا معنی ہے ان کاموں کی حکمت۔

بہ قدر ضرورت مال دنیا جمع کرنے کا جواز اور استحباب

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے کہا اگر آپ چاہتے تو اس پر اجرت لے لیتے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس ارشاد میں یہ دلیل ہے کہ محنت مزدوری کی اجرت لینا جائز ہے' اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حدیث میں ہے:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جائیداد نہ بناؤ ورنہ دنیا میں تم رغبت کرو گے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۳۱' مسند حمیدی رقم الحدیث: ۱۲۲' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۳ ص ۲۴۱' مسند احمد ج ۱ ص ۳۷۷' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۵۵۰۰' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۱۰' المستدرک ج ۴ ص ۳۲۲' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۴۰۳۵)

اس حدیث سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مال دنیا جمع کرنا جائز نہیں ہے اور کسی کام کی اجرت لینا بھی مال دنیا جمع کرنے کا سبب ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث ان لوگوں پر محمول ہے جو دنیا کا مال عیاشی کے لیے جمع کرتے ہیں' یا دنیا کی رنگینی اور چمک دمک کی وجہ سے مال دنیا جمع کرتے ہیں' یا گناہوں سے لذت اندوزی کے لیے مال دنیا جمع کرتے ہیں' لیکن جو آدمی باعزت اور باوقار طریقہ سے روزی حاصل کرنے کے لیے مال جمع کرے یا اپنی اولاد کی تعلیم' ان کی شادی اور ان کی دیگر ضروریات کے لیے مال جمع کرے اور اس مال میں اللہ کے حقوق نہ بھولے۔ زکوٰۃ اور فطرہ ادا کرے' قربانی کرے اس کا مال جمع کرنا جائز ہے' اسی طرح جو شخص حج اور عمرہ ادا کرنے کے لیے مال جمع کرے اس کا مال جمع کرنا پسندیدہ ہے۔

حضرت ایوب بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب نے ٹیلہ کی چوٹی سے قریش کے ایک آدمی کو آتے دیکھا۔ صحابہ نے کہا یہ شخص کتنا طاقتور ہے کاش اس کی طاقت اللہ کے راستہ میں خرچ ہوتی۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا صرف وہی شخص اللہ کے راستہ میں ہے جو قتل کر دیا جائے؟ پھر فرمایا جو شخص اپنے اہل کو سوال سے روکنے کے لیے (رزق) حلال کی طلب میں نکلے وہ بھی اللہ کے راستہ میں ہے' اور جو شخص اپنے آپ کو سوال سے روکنے کے لیے (رزق)

حلال کی طلب میں نکلے وہ بھی اللہ کے راستے میں ہے‘ جو شخص (صرف) مال کی کثرت کی طلب میں نکلے وہ شیطان کے راستہ میں ہے۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۵ ص ٢٧٢-٢٧١‘ مطبوعہ مکتبہ اسلامی بیروت‘ ١٣٩٠ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: رہی وہ کشتی تو وہ چند مسکین لوگوں کی تھی جو سمندر میں کام کرتے تھے‘ اس لئے میں نے چاہا کہ اس میں عیب ڈال دوں (کیونکہ) ان کے آگے ایک (ظالم) بادشاہ تھا جو ہر (صحیح وسالم) کشتی کو زبردستی چھین لیتا تھا O (الکھف: ٧٩)

سمندر میں کام کرنے والے مسکینوں کا بیان

امام ابن جوزی متوفی ٥٩٧ ھ لکھتے ہیں ان کی مسکینی کے متعلق دو قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ وہ کام نہیں کر سکتے تھے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ان کے بدنوں میں ضعف تھا۔ کعب نے کہا وہ دس بھائی تھے‘ پانچ اپاہج تھے اور پانچ سمندر میں کام کرتے تھے۔ (زاد المسیر ج ۵ ص ١٧٨‘ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت‘ ١٤٠٧ھ)

علامہ قرطبی متوفی ٦٦٨ ھ نے ان دس بھائیوں کے ضعف اور امراض کی بہت تفصیل لکھی ہے لیکن ان کا ماخذ صرف اسرائیلی روایات ہیں‘ دیگر ذرائع سے ان روایات کی تصدیق نہیں ہو سکی۔

امام رازی متوفی ٦٠٦ ھ نے لکھا ہے یہ کشتی چند محتاج لوگوں کی تھی جو سمندر میں کام کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو مساکین فرمایا ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ نے اسی آیت سے یہ استدلال فرمایا ہے کہ فقیر میں مسکین کی بہ نسبت زیادہ ضرر اور احتیاج ہوتی ہے‘ کیونکہ مسکینوں کے متعلق تو فرمایا ان کی کشتی تھی اور وہ سمندر میں کام کرتے تھے اور کشتی کے مالک تھے اور فقیر کسی مال کا مالک نہیں ہوتا۔ (تفسیر کبیر ج ٧ ص ٤٩٠‘ بیروت‘ ١٤١٥ھ)

امام ابو حنیفہ کا استدلال اس آیت سے ہے:

اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ (البلد: ١٦) یا خاک میں پڑے ہوئے مسکین کو

زیادہ نقصان سے بچنے کے لیے کم نقصان کو برداشت کرنا

حضرت خضر علیہ السلام کا اس کلام سے مقصود یہ تھا کہ اس کشتی کا تختہ اکھاڑنے سے میری غرض یہ نہیں تھی کہ اس میں بیٹھنے والے سواروں کو میں غرق کر دوں بلکہ اس سے میرا یہ مقصد تھا کہ جس راستہ پر یہ جا رہے ہیں اس میں آگے چل کر ایک ظالم بادشاہ آتا ہے جو ہر اس کشتی کو چھین لیتا ہے جو بے عیب ہو اس لئے میں نے اس کشتی کو عیب دار بنا دیا تاکہ یہ کشتی اس ظالم بادشاہ کے چھیننے سے محفوظ رہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ کیا کسی اجنبی شخص کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ کسی شخص کا مال بچانے کے لیے اس میں اس قسم کا تصرف کرے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے تو یہ کام اللہ تعالیٰ کے حکم سے کیا تھا اور ہماری شریعت میں بھی یہ جائز ہے مثلاً ہمارے پاس کسی شخص کا مال یا زیور رکھا ہوا ہو اور ڈاکا پڑ جائے تو ہم اس شخص کے مال کو ڈاکے سے بچانے کے لیے اس میں کوئی عیب ڈال دیں تاکہ وہ مال ڈاکے سے بچ جائے‘ اور اس مال کے مالک کے لیے بھی یہ بہتر ہوگا کہ سارا مال جانے کے بجائے کسی عیب کے ساتھ اس کا مال بچ جائے‘ جیسے انسان کسی بڑی مصیبت کے بجائے کسی چھوٹی مصیبت کو آسانی سے قبول کر لیتا ہے۔ حدیث میں ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو چیزوں کے درمیان اختیار دیا گیا تو آپ نے اسی پر عمل کیا جو زیادہ آسان تھی۔ بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہو‘ اور اگر وہ گناہ ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی بہ نسبت اس سے بہت زیادہ دور ہونے والے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اپنی ذات کا انتقام نہیں لیا ماسوا اس کے کہ اللہ

کی حرمت کو پامال کیا جائے۔ایسی صورت میں آپ اللہ کے لیے اس سے انتقام لیتے تھے۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۸۵۳، ۶۷۸۶، ۶۱۲۶، ۳۵۶۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۲۷، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۸۵، مسند احمد ج ۶ ص ۸۵، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۷۹۴۲، مسند ابویعلی رقم الحدیث: ۴۳۷۵، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۴۱۰)
اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ جب کسی معاملہ میں دو امر جائز ہوں مشکل اور آسان تو مشکل کام کو ترک کر کے آسان کام کو اختیار کرنا چاہئے جیسے قسم کے کفارہ میں اختیار ہے دس مسکینوں کو کھانا کھلائے یا دس مسکینوں کو کپڑے پہنائے، تو دس مسکینوں کو کھانا کھلانا دس مسکینوں کو کپڑے پہنانے کی بہ نسبت آسان ہے۔اسی طرح کفارۂ ظہار میں اور روزے کے کفارے میں ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے یا ساٹھ دن کے مسلسل روزے رکھے اور ساٹھ دن مسلسل روزے رکھنے کی بہ نسبت ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا آسان ہے تو آسان حکم پر عمل کرے۔اسی طرح حدیث میں ہے:
حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آسانی کرو اور مشکل میں نہ ڈالو، بشارت دو اور متنفر نہ کرو۔(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۲۵، ۶۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۳۴، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۵۸۹۰)
خلاصہ یہ ہے کہ زیادہ نقصان سے بچنے کے لیے کم نقصان کو برداشت کر لینا بہتر ہے اور زیادہ تکلیف اور مشقت سے بچنے کے لیے کم تکلیف اور مشقت کو برداشت کرنا سہل ہے۔جیسے شوگر اور بلڈ پریشر کی پیچیدگیوں سے بچنے کے لیے سوکھے اور پھیکے بے ذائقہ کھانوں پر قناعت کر لینا بہتر ہے۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور رہا وہ لڑکا تو اس کے ماں باپ مومن تھے تو ہمیں یہ خطرہ تھا کہ وہ ان کو سرکشی اور کفر میں مبتلا کر دے گا○ تو ہم نے یہ چاہا کہ ان کا رب ان دونوں کو اس کے بدلہ میں اس سے اچھا بچہ عطا فرمائے جو پاکیزہ اور زیادہ رحم دل ہو۔(الکہف: ۸۱-۸۰)

لڑکے کو قتل کرنے کی توجیہ

ایک قول یہ ہے کہ وہ لڑکا بالغ تھا، وہ ڈاکے ڈالتا تھا اور برے کام کرتا تھا اور اس کے ماں باپ لوگوں سے اس کے شر کو دور کرتے رہتے تھے، اور جو شخص اس لڑکے کی طرف برے کاموں کو منسوب کرتا تھا اس کی تکذیب کرتے رہتے تھے، اور یہ ان کے فسق کا سبب تھا اور خطرہ یہ تھا کہ یہ فسق ان کے کفر تک پہنچ جائے گا۔اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ نابالغ لڑکا تھا مگر اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ جب یہ بالغ ہو جائے گا تو اس میں یہ برائیاں پائی جائیں گی، اور اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر کو یہ حکم دیا تھا کہ جس کے متعلق اس قسم کا غلبۂ ظن ہو اس کو قتل کر دیا جائے، اس کی ایک اور توجیہ یہ ہے کہ وہ لڑکا کافروں اور بدمعاشوں کے ساتھ وقت گزارتا تھا اور اس کے متعلق یہ غلبۂ ظن تھا کہ وہ بھی ان کی طرح ہو جائے گا، اور اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا تھا کہ ایسے لڑکے کو قتل کر دیا جائے۔
حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس لڑکے کو حضرت خضر نے قتل کیا تھا اس پر کفر کی مہر لگا دی گئی تھی۔
(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۵۰، صحیح مسلم فضائل خضر رقم الحدیث: ۱۷۲، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۰۵، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۲۲۱)
حضرت خضر علیہ السلام نے کہا ہم نے یہ ارادہ کیا کہ اللہ تعالیٰ اس لڑکے کے ماں باپ کو اس سے بہتر لڑکا عطا فرمادے گا جو پاکیزہ سیرت کا حامل ہوگا اور رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا ہوگا۔
عطا نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ پھر ان کے ہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کے بطن سے ستر نبی پیدا ہوئے۔(زاد المسیر ج ۵ ص ۱۸۱، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۱۲ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور رہی وہ دیوار تو وہ شہر میں رہنے والے دو یتیم لڑکوں کی تھی اور اس دیوار کے نیچے ان کا خزانہ تھا اور ان کا باپ ایک نیک آدمی تھا' تو آپ کے رب نے یہ ارادہ کیا کہ وہ دونوں لڑکے اپنی جوانی کو پہنچ جائیں اور آپ کے رب کی رحمت سے اپنا خزانہ نکال لیں اور میں نے یہ کام اپنی رائے سے نہیں کیے' یہ ان کاموں کی حقیقت ہے جن پر آپ صبر نہ کر سکے تھے O (الکہف: ۸۲)

یتیم کا معنی اور اس کے شرعی احکام

اس آیت میں فرمایا ہے وہ دیوار دو یتیم لڑکوں کی تھی اس کا معنی ہے وہ لڑکے چھوٹے اور نابالغ تھے کیونکہ حدیث میں ہے:

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث یاد رکھی ہے کہ احتلام ہونے کے بعد کوئی یتیم نہیں رہتا اور صبح سے رات تک چپ رہنا کوئی عبادت نہیں ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۸۷۳' المسند الجامع رقم الحدیث: ۱۰۱۶۰)

اس حدیث کا ظاہر معنی ہے کہ جب کسی لڑکے کو احتلام ہو جاتا ہے تو پھر وہ مرفوع القلم نہیں رہتا اور اس پر بالغوں کے احکام نافذ ہو جاتے ہیں' اب وہ خرید و فروخت کر سکتا ہے اور اپنے مال میں تصرف کر سکتا ہے اور اپنا خود نکاح کر سکتا ہے' اور اگر وہ لڑکی ہو تو اس کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح نہیں ہو سکتا' لیکن اگر بالغ ہونے کے بعد بھی وہ سمجھدار اور ہوشیار نہ ہو تو اس کے تصرفات پر پابندی برقرار رہے گی اور کبھی ایک چیز دو سببوں سے ممنوع ہوتی ہے اور ایک مانع کے اٹھ جانے سے وہ ممانعت ساقط نہیں ہوتی' اور اللہ تعالیٰ نے بے عقل کے تصرفات پر بھی پابندی لگانے کا حکم دیا ہے فرمایا:

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِىْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا (النساء: ۵)

بے عقل لوگوں کو اپنے وہ اموال نہ دو جن کو اللہ نے تمہاری گزر اوقات قائم رکھنے کا ذریعہ بنایا ہے۔

فَاِنْ كَانَ الَّذِىْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ (البقرہ: ۲۸۲)

ہاں جس کے ذمہ حق ہے اگر وہ بے عقل ہو یا کمزور ہو یا وہ لکھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اس کا ولی عدل کے ساتھ لکھوا دے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جس طرح کم عقل کے لیے ولایت ثابت کی ہے اسی طرح کمزور کے لیے ولایت ثابت کی ہے اور اس آیت میں ضعیف اور کمزور سے مراد ہے کم عمر لڑکا' اور سفیہ سے مراد ہے وہ بالغ جو بے عقل یا کم عقل ہو' نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ (النساء: ۶)

اور یتیموں کی آزمائش کرتے رہو حتیٰ کہ جب وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں پس اگر تم ان میں ہوشیاری اور سمجھداری پاؤ تو پھر ان کے اموال ان کی طرف سونپ دو۔

لہٰذا یتیموں کی طرف ان کے اموال سونپنے کی دو شرطیں ہیں ایک یہ کہ وہ بالغ ہو جائیں اور دوسری یہ ہے کہ ان میں ہوشیاری اور سمجھ داری آ جائے' اور جب اس حکم کا وجوب دو چیزوں پر معلق ہے تو ان دونوں چیزوں کے بغیر اس کا وجوب متحقق نہیں ہوگا۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ صبح سے رات تک چپ رہنا کوئی عبادت نہیں ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں چپ رہنے کو بھی عبادت سمجھا جاتا تھا' اور ان میں سے کوئی شخص پورا دن اور رات بھر چپ رہتا تھا اور اس کو وہ چپ کا روزہ کہتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا اور انہیں ذکر کرنے اور نیکی کی باتیں کرنے کا حکم دیا۔

یتیم کے ساتھ نیکی کرنے والے کے اجر وثواب کے متعلق احادیث

حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے آپ نے انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کی طرف اشارہ کیا اور ان کے درمیان کشادگی رکھی۔ (کشادگی رکھنے میں یہ اشارہ ہے کہ دونوں درجوں میں فرق ہوگا۔)

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٦٠٠٥، صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢٩٨٣، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٥١٥٠، سنن الترمذی رقم الحدیث: 1918، مسند احمد ج ٥ ص ٣٣٣، جامع الاصول رقم الحدیث: ٢٢٢، ٢٢١)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمانوں میں سے جس شخص نے یتیم کو اپنے پاس رکھا اور اس کو کھلایا اور پلایا' اللہ تعالیٰ اس کو یقیناً جنت میں داخل کر دے گا الآیہ کہ اس نے کوئی ایسا گناہ کیا ہو جس کی بخشش نہ ہو۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ١٩١٧، جامع الاصول رقم الحدیث: ٢٢٣)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ اس کے دل میں سختی ہے آپ نے فرمایا: تم یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرو اور اس کو کھانا کھلاؤ' اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

(مسند احمد ج ٢ ص ٢٦٣، المسند الجامع رقم الحدیث: ١٤٠٥٧، مجمع الزوائد رقم الحدیث: ١٣٥٠٨)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے اپنے دل کی سختی کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا: کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ تمہارا دل نرم ہو جائے اور تمہاری حاجت پوری ہو جائے؟ تم یتیم پر رحم کرو' اس کے سر پر ہاتھ پھیرو اور اس کو اپنے طعام سے کھلاؤ' تمہارا دل نرم ہو جائے گا اور تمہاری حاجت پوری ہوگی۔

(اس حدیث کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔ مجمع الزوائد رقم الحدیث: ١٣٥٠٩)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ گھر وہ ہے جس میں یتیم کی عزت کی جاتی ہو۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ١٣٤٣٤، اس کی سند میں ایک راوی ضعیف ہے' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ١٣٥١٣)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا تو اس کا ہاتھ جتنے بالوں کے اوپر سے گزرے تو ہر بال کے عوض اس کو اللہ کے لیے ایک نیکی کا اجر ملے گا' اور جس شخص کے پاس کوئی یتیم لڑکا یا لڑکی تھی اور اس نے اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا تو میں اور وہ جنت میں ان دو انگلیوں کی طرح ہوں گے آپ نے انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کی طرف اشارہ کیا۔

(مسند احمد ج ٥ ص ٢٦٥، ٢٥٠، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ٧٨٢١، الزھد لابن المبارک رقم الحدیث: ٦٥٥، امام طبرانی کی سند میں علی بن یزید الالہانی ضعیف راوی ہے)

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ایک لڑکا اٹھ کر گیا۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اس کے پاس گئے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور کہا اللہ تمہاری یتیمی کے نقصان کو پورا کر دے اور اپنے باپ کا جانشین بنائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے معاذ! میں نے دیکھ لیا تم نے جو کچھ اس لڑکے کے ساتھ کیا۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! مجھے اس لڑکے پر رحم آیا! تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں محمد کی جان ہے مسلمانوں میں سے جو شخص بھی کسی یتیم کی سرپرستی کرے گا اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو ہر بال کے

بدلہ میں ایک درجہ عطا فرمائے گا' اور اس کو ہر بال کے بدلہ میں ایک نیکی عطا فرمائے گا اور ہر بال کے بدلہ میں اس کا ایک گناہ مٹا دے گا۔ (مسند البزار رقم الحدیث: ١٩١١' اس حدیث کا ایک راوی ابو الورقاء متروک ہے' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ١٣٥١٨)

ہم نے اس عنوان کے تحت آخر میں چار ایسی احادیث ذکر کی ہیں جو ضعیف الاسناد ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ فضائل اعمال میں احادیث ضعیفہ بھی معتبر ہوتی ہیں۔ نیز ان میں سے بعض احادیث متعدد اسانید سے مروی ہیں اور تعدد اسانید سے ضعیف حدیث حسن لغیرہ ہو جاتی ہے۔

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ٨٥٢ھ لکھتے ہیں:

امام ابو یعلیٰ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھولوں گا تو ایک عورت بھی میرے ساتھ داخل ہونا چاہے گی۔ میں پوچھوں گا تم کون ہو وہ کہے گی میں وہ عورت ہوں جس نے اپنے یتیم بچوں کی پرورش کی تھی۔ اس حدیث کے راویوں میں کوئی حرج نہیں ہے۔

امام ابو داؤد نے حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اور سیاہ رخساروں والی عورت جنت میں ان دو (انگلیوں) کی طرح ہوں گے' اور جو عورت بڑے عہدہ پر ہو اور خوبصورت ہو اور اس نے اپنے آپ کو اپنے یتیم بچوں کی پرورش پر وقف کر رکھا ہو حتیٰ کہ وہ بچے فوت ہو گئے یا اس سے الگ ہو گئے۔

امام طبرانی نے معجم صغیر میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ! میں یتیم بچوں کو کس وجہ سے مار سکتا ہوں' آپ نے فرمایا: جس وجہ سے تم اپنے بچوں کو مارتے ہو سوا اس کے کہ تم اپنے مال کو اس کے مال کے ذریعے بچانا چاہتے ہو حتیٰ کہ اس کے مال سے استغناء ہو جائے۔

ہمارے شیخ نے ترمذی کی شرح میں کہا یتیم کی پرورش کرنے والا جنت میں آپ کے درجہ کے ساتھ یا قریب اس لئے ہوگا کہ یتیم بچہ بھی کم فہم ہوتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی یہ شان ہے کہ آپ ان لوگوں کی طرف مبعوث کئے گئے جن کو اپنے دین کے معاملات کی فہم اور عقل نہیں تھی تو آپ ان لوگوں کے کفیل' معلم اور مرشد تھے' اور یتیم کا کفیل بھی ان بچوں کی کفالت کرتا ہے جن کو اپنے دین کے معاملات کی فہم نہیں ہوتی بلکہ دنیا کے معاملات کی بھی فہم نہیں ہوتی تو وہ ان کو رشد و ہدایت دیتا ہے اور ان کو تعلیم دیتا ہے اور ان کو حسن ادب سکھاتا ہے' سو اس کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ مناسبت ہوتی ہے اس وجہ سے اس کا جنت میں درجہ آپ کے درجہ کے ساتھ ہوگا۔ (فتح الباری ج ١٢ ص ٤٩۔٤٨' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ١٤٢٠ھ)

یتیم کے مزید احکام ہم نے النساء: ٦ میں بیان کئے ہیں وہاں مطالعہ فرمائیں۔

یتیم لڑکوں اور ان کے شہر کا نام

علامہ ابو عبد اللہ مالکی قرطبی نے لکھا ہے ان دو یتیم لڑکوں کا نام صریم اور اصرم تھا' انسانوں میں یتیم وہ ہوتا ہے جس کا باپ نہ ہو اور حیوانوں میں یتیم وہ ہوتا ہے جس کی ماں نہ ہو۔ اس آیت میں ہے رہی وہ دیوار تو وہ مدینہ میں رہنے والے دو یتیم لڑکوں کی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس شہر کا نام مدینہ تھا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے اس شہر کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا گیا ہے جو دوسرے شہروں کو کھا جائے گا (دوسرے شہروں پر غالب ہوگا) لوگ اس کو یثرب کہتے ہیں اور وہ مدینہ ہے وہ (برے) لوگوں کو اس طرح نکال دے گا جس طرح بھٹی لوہے کے زنگ کو نکال دیتی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ١٨٧١' صحیح مسلم رقم الحدیث: ١٣٨٢' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ٤٢٤١)

خزانہ کے مصداق میں اقوال

امام عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں۔
اس خزانے کے متعلق تین قول ہیں:

(۱) حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: وہ خزانہ سونے اور چاندی کا تھا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۵۲ الکامل لابن عدی ج ۷ ص ۲۸۲۳ المسند الجامع رقم الحدیث: ۱۱۰۴۹)

(۲) عطاء نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے وہ سونے کی ایک تختی تھی جس پر لکھا ہوا تھا اس شخص پر تعجب ہے جو تقدیر پر یقین رکھتا ہے پھر وہ رنج و غم کرتا ہے' اس شخص پر تعجب ہے جو دوزخ پر یقین رکھتا ہے پھر وہ ہنستا ہے' اس شخص پر تعجب ہے جو موت پر ایمان رکھتا ہے وہ کیسے خوش ہوتا ہے' اس شخص پر تعجب ہے جو رزق پر یقین رکھتا ہے وہ کیوں خود کو تھکاتا ہے' اس شخص پر تعجب ہے جو حساب پر یقین رکھتا ہے وہ کیوں غفلت کرتا ہے' اس شخص پر تعجب ہے جو دنیا کو الٹتے پلٹتے دیکھتا ہے وہ کیسے دنیا پر مطمئن ہوتا ہے' میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' محمد میرے بندے اور رسول ہیں۔ اور دوسری طرف لکھا ہوا تھا میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے میں واحد ہوں میرا کوئی شریک نہیں ہے' میں نے خیر اور شر کو پیدا کیا ہے' اس کے لئے خوشی ہو جس کو میں نے خیر کے لیے پیدا کیا اور اس خیر کو اس کے ہاتھوں سے جاری کیا اور اس کے لیے تباہی ہو جس کو میں نے شر کے لیے پیدا کیا اور اس شر کو اس کے ہاتھوں سے جاری کیا۔

(۳) العوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اس سے مراد علم کا خزانہ ہے۔ مجاہد اور سعید بن جبیر نے کہا اس سے مراد وہ صحائف ہیں جن میں علم ہو' ابن الانباری نے کہا اس تقدیر پر معنی یہ ہے اس دیوار کے نیچے خزانہ کی مثل تھی کیونکہ اموال کی بہ نسبت علم زیادہ نفع آور ہے۔

زجاج نے کہا لغت میں معروف یہ ہے کہ جب صرف خزانے کا ذکر کیا جائے تو اس سے مراد ہوتا ہے وہ مال جس کا ذخیرہ کر کے اس کو دفن کیا جاتا ہو' اور جب مال نہ ہو تو کہا جاتا ہے فلاں شخص کے پاس علم کا خزانہ ہے اور اس کے پاس علم کا خزانہ ہے' اور کنز کا لفظ مال کے زیادہ مشابہ ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ خزانہ مال ہو اور اس کے ساتھ علم بھی لکھا ہوا ہو' پس وہ مال ہو اور علم عظیم ہو۔ (زاد المسیر ج ۵ ص ۱۸۲-۱۸۱' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۱۲ھ)

میرے نزدیک کنز (خزانہ) کی وہی صحیح تفسیر ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے یعنی کنز سے مراد وہ سونا چاندی ہے جو مدفون تھا' اور میرے نزدیک رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر کے بعد اور کسی کی تفسیر دیکھنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔

یتیم بچوں کے باپ کا تعارف اور مرنے کے بعد بھی مرد صالح کا فیضان

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (خضر نے کہا) اور ان کا باپ ایک نیک آدمی تھا۔
امام عبدالرحمٰن بن محمد ابن ابی حاتم رازی متوفی ۳۲۷ھ لکھتے ہیں:

سعید بن جبیر نے کہا ان کا باپ لوگوں کی امانتوں کی حفاظت کرتا تھا اور ان کو ادا کرتا تھا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا ان کے باپ کی نیکیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان لڑکوں کے مال کی حفاظت کرائی کیونکہ ان کی کوئی نیکی ذکر نہیں فرمائی نیز حضرت ابن عباس نے فرمایا اللہ تعالیٰ باپ کی نیکی کی وجہ سے اس کے بیٹے اور بیٹے کے بیٹے کے ساتھ نیکی فرماتا ہے اور اس کی ذریت کی حفاظت فرماتا ہے اور وہ ہمیشہ اللہ کے ستر اور اس کی حفاظت میں رہتے ہیں۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۲۸۸۲' ۱۲۸۸۳' جامع البیان رقم الحدیث: ۱۷۵۴۳)

امام ابوالحسن علی بن احمد واحدی متوفی ٤٦٨ھ لکھتے ہیں:

جعفر بن محمد نے کہا ان لڑکوں کے درمیان اور اس نیک باپ کے درمیان سات آباء تھے اور محمد بن منکدر نے کہا کہ اللہ عزوجل کسی ایک بندے کی نیکی کی وجہ سے اس کی اولاد اس کی اولاد کی اولاد اور اس کے محلہ والوں کی حفاظت فرماتا ہے۔

(الوسیط ج ٣ ص ١٦٣' معالم التنزیل ج ٣ ص ١٤٧' النکت والعیون ج ٣ ص ٣٣٦' زاد المسیر ج ٥ ص ١٨٢' تفسیر ابن کثیر ج ٣ ص ١١٠' تفسیر کبیر ج ٧ ص ٤٩٢' روح المعانی جز ١٦ ص ٢٠-١٩)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی لکھتے ہیں:

وہ ان کی پشت کے اعتبار سے ساتویں باپ تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ دسویں باپ تھے' ان کے والد کا نام کاشح تھا اور ان کی والدہ کا نام دنیا تھا۔ اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی نیک شخص کی حفاظت بھی فرماتا ہے اور اس کی اولاد کی بھی حفاظت فرماتا ہے خواہ وہ اس سے نسبت میں بعید ہوں' اور یہ بھی روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نیک آدمی کی اولاد کی سات پشتوں تک حفاظت فرماتا ہے اور اس پر قرآن مجید کی یہ آیت دلالت کرتی ہے:

اِنَّ وَلِیِّیَ اللّٰہُ الَّذِیْ نَزَّلَ الْکِتٰبَ وَھُوَ یَتَوَلَّی الصّٰلِحِیْنَ (الاعراف: ١٩٦)

(آپ کہئے) بے شک میرا مددگار اللہ ہے جس نے مجھ پر کتاب نازل کی اور وہ صالحین کا ولی ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ١٠ ص ٣١١' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ١٤١٥ھ)

اگر یہ سوال کیا جائے کہ ان لڑکوں کے نیک باپ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس دیوار کو بنوا دیا لیکن وہ لڑکے اس دیوار کے نیچے سے خزانہ کیسے حاصل کر سکیں گے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے ان لڑکوں کو یا ان کے وصی کو معلوم ہو کہ اس دیوار کے نیچے ان کا خزانہ مدفون ہے۔

حضرت خضر کے نبی ہونے پر دلیل

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (خضر نے) کہا میں نے یہ کام اپنی رائے سے نہیں کیے۔

یعنی آپ نے جو دیکھا ہے کہ میں نے کشتی کا تختہ توڑ دیا اور ایک لڑکے کو قتل کر دیا اور ان کنجوس لوگوں کی بستی میں جو دیوار گرا چاہتی تھی اس کی مرمت کر کے اس کو سیدھا کر دیا تو یہ تمام کام میں نے اپنی رائے اور اپنے اجتہاد سے نہیں کیے بلکہ میں نے یہ تمام کام اللہ تعالیٰ کے حکم سے اور اس کی وحی سے کیے ہیں۔ کیونکہ لوگوں کے اموال کو نقصان پہنچانا اور ان میں عیب ڈالنا اور لوگوں کو قتل کرنا اللہ تعالیٰ کی وحی اور نص قطعی کے بغیر جائز نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو ناحق قتل کرنا اور کسی کا ناحق مال کھانا حرام فرما دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَقِّ (الانعام: ١٥١)

اور جس کا خون اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے اس کو ناحق قتل مت کرو۔

اسی طرح مال کے متعلق فرمایا:

وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْیَتِیْمِ اِلَّا بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ (الانعام: ١٥٢)

اور نیک طریقہ کے سوا یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ۔

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے دن خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: تمہاری

جانیں اور تمہارے اموال ایک دوسرے پر اس طرح حرام ہیں جیسے آج کے دن اس مہینہ میں اور اس شہر میں حرام ہیں۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث:١٧٤١'سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:٢٣٣'مسند احمد رقم الحدیث:٢٠٦٧٨'عالم الکتب)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: بے شک اللہ نے تم پر ایک دوسرے کی جانوں کو اور ایک دوسرے کے اموال کو اور ایک دوسرے کی عزتوں کو اس طرح حرام کر دیا ہے جیسے کہ آج کے دن' اس مہینہ میں اور اس شہر میں یہ چیزیں حرام ہیں۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث:١٧٤٢'صحیح مسلم رقم الحدیث:٦٦'سنن ابوداؤد رقم الحدیث:٤٦٨٦'سنن النسائی رقم الحدیث:٤١٢٥'سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:٣٩٤٣)

جب یہ واضح ہو گیا کہ نصوص قطعیہ سے کسی کو ناحق قتل کرنا اور کسی کا مال ضائع کرنا حرام ہے تو پھر یہ حرمت کسی نص قطعی سے ہی مرتفع ہو سکتی ہے اور حضرت خضر علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے یقیناً وحی نازل فرمائی تھی جس کی بنا پر انہوں نے مسکینوں کی کشتی کو عیب دار کیا اور ایک لڑکے کو قتل کیا۔

حضرت موسیٰ اور حضرت خضر کے واقعہ میں حضرت یوشع بن نون کا کردار

اس قصہ کے شروع میں ذکر کیا گیا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے ساتھ حضرت یوشع بن نون کو بھی لے گئے تھے اور وہ دونوں اپنے پیروں کے نشانات پر واپس گئے اور پھر اس چٹان پر حضرت موسیٰ کی حضرت خضر سے ملاقات ہوئی اس کے بعد حضرت یوشع کا ذکر نہیں آیا۔ جب عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ سوال کیا تو انہوں نے کہا حضرت یوشع بن نون نے آب حیات پی لیا تھا وہ قیامت تک زندہ رہیں گے۔ حضرت خضر نے ان کو ایک کشتی میں بٹھا کر چھوڑ دیا تھا اور قیامت تک وہ کشتی سمندر میں چلتی رہے گی۔ علامہ قشیری نے کہا اگر یہ روایت ثابت ہو تو پھر یہ نوجوان حضرت یوشع بن نون نہیں تھے' کیونکہ حضرت یوشع بن نون تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد زندہ رہے تھے اور ان کے خلیفہ بنے تھے' اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ کی حضرت خضر سے ملاقات ہوگئی تھی تو انہوں نے حضرت یوشع کو واپس بھیج دیا تھا' اور علامہ ابوعبداللہ قرطبی کے استاذ علامہ ابوالعباس قرطبی نے یہ کہا ہے کہ ہو سکتا ہے حضرت یوشع حضرت موسیٰ کے ساتھ ہی رہے ہوں لیکن اللہ تعالیٰ نے متبوع کے ذکر پر اکتفا کی اور تابع کا ذکر نہیں کیا۔ (الجامع لاحکام القرآن جز١٠ ص ٤١١' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ١٤١٥ھ)

حسن کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف اور عیب کی نسبت اپنی طرف کرنا

حضرت خضر علیہ السلام نے جب کشتی کو توڑا تو کہا **فاردت ان اعیبھا** میں نے اس میں عیب ڈالنے کا ارادہ کیا اور جب دو یتیم لڑکوں کی دیوار کو جوڑا تو کہا **فاراد ربک ان یبلغا اشدھما ویستخرجا کنزھما** تو آپ کے رب نے یہ ارادہ کیا کہ وہ دونوں لڑکے اپنی جوانی کو پہنچ جائیں اور آپ کے رب کی رحمت سے اپنا خزانہ نکال لیں۔

اب یہاں سوال یہ ہے کہ کشتی توڑنے کے متعلق حضرت خضر نے کہا میں نے ارادہ کیا اور دیوار جوڑنے کے متعلق فرمایا آپ کے رب نے ارادہ کیا' ظاہر کے اعتبار سے دونوں کام حضرت خضر نے کیے تھے تو دونوں کے متعلق کہتے میں نے ارادہ کیا اور حقیقت کے اعتبار سے دونوں کام اللہ تعالیٰ نے کیے تھے تو دونوں کے متعلق کہتے کہ آپ کے رب نے ارادہ کیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت خضر نے توڑنے کی نسبت اپنی طرف کی اور جوڑنے کی نسبت اللہ کی طرف کی اور یہی حسن ادب کا تقاضا ہے کہ عیب کی نسبت اپنی طرف کی جائے اور حسن کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی جائے۔ اسی طرح اس لڑکے کو قتل کرنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہا ہمیں یہ خطرہ ہوا کہ وہ اپنے ماں باپ کو سرکشی اور کفر میں مبتلا کر دے گا' اور جب اس کے ماں باپ کے

ہاں اس سے بہتر نیک لڑکے کے پیدا ہونے کا ذکر کیا تو کہا فاردنا ان یبدلھما ربھما خیرا منہ ہم نے یہ ارادہ کیا کہ ان کا رب اس کے بدلہ میں ان کو اس سے بہتر اور نیک لڑکا عطا کر دے گا' اس میں قتل کی نسبت اپنی طرف کی ہے اور اس کے بدلہ میں نیک بیٹا دینے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

مَآ اَصَابَکَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَآ اَصَابَکَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِکَ (النساء: ٧٩)

تمہیں جو بھلائی پہنچتی ہے وہ اللہ کی طرف سے ہوتی ہے اور تمہیں جو برائی پہنچتی ہے وہ تمہارے نفس کی وجہ سے ہوتی ہے۔

اسی اسلوب پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ (الشعراء: ٨٠)

اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہ مجھے شفا دیتا ہے۔

اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس طرح دعا کرنے کی تعلیم دی ہے:

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِي الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِکَ الْخَيْرُ (آل عمران: ٢٦)

آپ کہیے اے اللہ تمام جہان کے مالک! تو جس کو چاہے ملک عطا فرمائے اور جس سے چاہے ملک چھین لے اور تو جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے' تیرے ہی ہاتھ میں خیر ہے۔

خیر اور شر دونوں اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں اور اس کے قبضہ وقدرت میں ہیں' لیکن اللہ تعالیٰ نے یہاں صرف خیر کا ذکر فرمایا ہے اور شر کا ذکر نہیں کیا اس کی بھی یہی وجہ ہے کہ اللہ کی طرف حسن اور خیر کی نسبت کی جاتی ہے عیب اور شر کی نسبت نہیں کی جاتی۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف بیماری اور بھوک اور پیاس کی بھی نسبت کی ہے۔ حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ عزوجل قیامت کے دن ارشاد فرمائے گا اے ابن آدم! میں بیمار ہوا تو تو نے میری عیادت نہیں کی۔ وہ بندہ کہے گا اے میرے رب! میں تیری عیادت کیسے کرتا تو تو رب العالمین ہے' اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ میرا فلاں بندہ بیمار تھا تو نے اس کی عیادت نہیں کی اگر تو اس کی عیادت کرتا' تو تو مجھے اس کے پاس پاتا۔ اے ابن آدم! میں نے تجھ سے کھانا مانگا تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا۔ وہ کہے گا اے میرے رب! میں تجھ کو کیسے کھانا کھلاتا' تو تو رب العالمین ہے! اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا پس تو نے اس کو کھانا نہیں کھلایا' کیا تجھے معلوم نہیں کہ اگر تو اس کو کھانا کھلا دیتا تو تو اس کو میرے پاس پاتا' اے ابن آدم میں نے تجھ سے پانی طلب کیا تو تو نے مجھے پانی نہیں پلایا' وہ کہے گا اے میرے رب! میں تجھ کو کیسے پانی پلاتا حالانکہ تو رب العالمین ہے۔ اللہ فرمائے گا میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی مانگا تھا تو نے اس کو پانی نہیں پلایا اگر تو اس کو پانی پلا دیتا تو اس کو میرے پاس پاتا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢٥٦٩' الادب المفرد رقم الحدیث: ٥١٧' المسند الجامع رقم الحدیث: ١٤٠٠٣)

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیمار' بھوکے اور پیاسے بندے کی عزت افزائی کے لیے مرض' بھوک اور پیاس کی اپنی طرف نسبت کی اور اس میں ان لوگوں کی دل جوئی ہے اور ان کی زبوں حالی کی تلافی ہے اور یہ بتانا ہے کہ اگر تندرست اور امیر لوگ اپنے پیسے پر فخر کرتے ہیں تو تمہارے فخر کے لیے یہ کچھ کم تو نہیں ہے کہ تم بیمار ہو تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں بیمار ہوں اور تم بھوکے پیاسے ہو تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں بھوکا پیاسا ہوں' سو اس حدیث میں غریبوں کی تکریم ہے اور امیروں پر عتاب ہے' اور

اس حدیث میں جو فرمایا ہے تم مجھے وہاں پاتے اس کا معنی ہے تم میرے ثواب کو وہاں پاتے یا میری رضا کو وہاں پاتے۔

صفاء باطن کا دعویٰ کر کے احکام شرعیہ سے استغناء ظاہر کرنا زندیقی ہے

علامہ ابو العباس مالکی قرطبی نے کہا ہے کہ بعض زندیق یہ کہتے ہیں کہ یہ احکام شرعیہ عامہ تو انبیاء علیہم السلام اور عام لوگوں کے لیے ہیں' اور جو اولیاء اور خواص ہیں وہ نصوص ظاہرہ پر عمل کرنے کے محتاج نہیں ہیں بلکہ ان کے احکام وہ ہیں جو خود ان کے دلوں پر وارد ہوتے ہیں' وہ کہتے ہیں ان کے دل میل کچیل اور زنگ سے صاف ہوتے ہیں اس لئے ان کے دلوں میں علوم الٰہیہ کی تجلیات ہوتی ہیں اور ان پر حقائق ربانیہ منکشف ہوتے ہیں وہ اسرار کائنات سے واقف ہوتے ہیں اور ان کو جزئیات کے احکام کا علم ہوتا ہے' اس وجہ سے وہ قواعد شرعیہ کے احکام سے مستغنی ہوتے ہیں جیسا کہ حضرت خضر کے ساتھ معاملہ پیش آیا۔ ان پر جو علوم کی تجلیات تھیں وہ ان کی وجہ سے احکام شرعیہ سے مستغنی تھے' اور وہ کہتے ہیں کہ کسی بھی پیش آمدہ معاملہ میں اپنے دل سے فتویٰ لو خواہ مفتی کچھ بھی کہتے رہیں۔

ہمارے شیخ رضی اللہ عنہ نے کہا یہ قول کفر اور زندیقی ہے اور اس کے قائل کو فوراً قتل کر دیا جائے گا اور اس سے توبہ طلب نہیں کی جائے گی' کیونکہ اس قول میں ان چیزوں کا انکار ہے جو ہم کو شریعت سے معلوم ہوئیں اور اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام ہمیں ان رسولوں کے واسطے سے معلوم ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے درمیان سفیر ہیں وہی اللہ تعالیٰ کا کلام اور اس کا پیغام ہم تک پہنچاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ (البقرہ: ٢١٣)

تمام لوگ ایک گروہ تھے پھر اللہ نے نبیوں کو بشارت دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا۔

پس اس آیت سے اور مسلمانوں کے اجماع سے یہ ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کے احکام معلوم ہونے کا ذریعہ صرف انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات ہیں۔ پس جس شخص نے یہ کہا رسولوں کی تعلیم کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے احکام معلوم کرنے کا کوئی اور ذریعہ ہے یا جس شخص نے یہ کہا کہ وہ اپنے دل سے احکام حاصل کرتا ہے اور اس کے تقاضوں پر عمل کرتا ہے اور اس کو کتاب اور سنت کی کوئی ضرورت نہیں ہے وہ شخص اپنے لئے نبوت کا مدعی ہے سو وہ شخص کافر ہے اور واجب القتل ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ١٠ ص ٤١٣' ٤١٢' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ١٤١٥ھ)

تصوف کے جھوٹے مدعی

بعض تصوف کے جھوٹے مدعی خلاف شرع کام کرتے ہیں اور اگر ان کو کوئی عالم ان کاموں سے منع کرے تو وہ کہتے ہیں کہ یہ علم ظاہر کی باتیں ہیں اور ہم کو علم باطن کا علم ہے' یا کہتے ہیں کہ علماء شریعت کی بات کرتے ہیں اور ہم طریقت اور معرفت کی بات کرتے ہیں اور پھر حضرت موسیٰ اور خضر کی مثالیں پیش کرتے ہیں اور اپنے آپ کو حضرت خضر کے پائے کا شخص ثابت کرتے ہیں ان لوگوں کا زور اس پر ہوتا ہے کہ حضرت خضر ولی تھے اور وہ ولی کو نبی سے افضل بتاتے ہیں اور خلاف شرع کاموں پر حضرت خضر علیہ السلام کے کاموں سے سند لاتے ہیں۔

علماء باطن کی تعریف

علماء باطن سے مراد وہ لوگ ہیں جو عارف باللہ ہیں اور جن کو اللہ تعالیٰ نے سب سے افضل کاموں کی توفیق دی ہے اور ج

ہر حال میں اپنے آپ کو تمام ممنوع کاموں سے محفوظ رکھتے ہیں' اور اللہ تعالیٰ ان سے حجابات اٹھا دیتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرتے ہیں کہ گویا اس کو دیکھ رہے ہیں اور وہ اللہ کے ماسوا کی محبت کو ترک کر کے صرف اس کی محبت میں مشغول رہتے ہیں' اور اللہ تعالیٰ ان کو اپنے ملک کے عجائب اور اپنی حکمتوں کے غرائب پر مطلع فرماتا ہے اور ان کو اپنے حضرت قدس کے قریب کرتا ہے اور ان کے دلوں کو اپنے جمال اور جلال سے بھر دیتا ہے اور ان کے دلوں میں اپنے انوار اور اسرار اور معارف کے خزائن اور لطائف کے معادن رکھتا ہے' اور ان کی وجہ سے دین کے متروک طریقوں اور شعائر کو زندہ کرتا ہے۔ ان سے مریدین کو نفع پہنچتا ہے اور حاجت مندوں کی فریاد رسی ہوتی ہے اور شہر کے لوگوں کی اصلاح ہوتی ہے۔

علماء ظاہر کی تعریف

علماء ظاہر سے مراد وہ لوگ ہیں جو علوم کسبیہ کے ماہر ہوتے ہیں اور دلائل عقلیہ اور نقلیہ کے حافظ ہوتے ہیں تو علماء باطن علماء ظاہر سے افضل ہوتے ہیں۔ ہر چند کہ علماء ظاہر بھی بہت بڑی فضیلت کے حامل ہوتے ہیں بلکہ بعض بزوی اعتبار سے یہ علماء باطن سے افضل ہوتے ہیں بشرطیکہ علماء ظاہر صالح اور پاکباز ہوں اور کبائر سے مجتنب ہوں' کیونکہ جو علماء نیکی سے خالی ہوں وہ اللہ کے غضب اور اس کے عذاب کے خطرہ میں ہیں اور احادیث میں ان کے لیے سخت وعیدیں ہیں۔ اس پر حضرت موسیٰ اور حضرت خضر کے واقعہ سے معارضہ نہ کیا جائے کیونکہ تحقیق یہ ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نبی تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام ان سے اجماعاً افضل ہیں اور وہ بہت خصوصیات کی بنا پر حضرت خضر سے ممتاز ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام عالم غیب کی چند ایسی جزئیات پر مطلع تھے جن کی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اطلاع نہیں تھی' اس وجہ سے انہوں نے حضرت خضر علیہ السلام کی شاگردی اختیار کی اور ان کے سامنے بہت ادب اور تواضع کو اختیار کیا۔

علماء ظاہر کی علماء باطن پر فضیلت

علماء ظاہر کی علماء باطن پر فضیلت کی ایک وجہ یہ ہے کہ علم کا شرف معلوم کے شرف سے ہوتا ہے اور علم کا شرف اس کی غرض و غایت کے شرف کے اعتبار سے ہوتا ہے' سو جو علوم اللہ تعالیٰ کی ذات' اس کی صفات اور اس کے افعال سے متعلق ہوں وہ اشرف العلوم ہیں (جیسے علم کلام) اور ان علوم کے حاملین اشرف العلماء ہیں اور اس کے قریب علم فقہ ہے کیونکہ اس کی غرض و غایت اللہ تعالیٰ کے احکام کی معرفت ہے اور اس شرع کی معرفت ہے جس کے مطابق بندے اس کی عبادت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی عبادت کی معرفت میں تمام علوم ان دو علموں (علم کلام اور علم فقہ) کے لیے وسیلہ ہیں' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جنات اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون (الذاریات: ۵۶) سو جس نے ان علموں کو حاصل کیا اور ان کے تقاضوں پر عمل کیا وہ مقصود اعظم پر پہنچ گیا ورنہ وہ نقصان اٹھانے والا اور جاہل ہے خواہ وہ صورۃً عالم ہو۔

علماء باطن کی علماء ظاہر پر فضیلت

علماء باطن کی علماء ظاہر پر فضیلت کی وجہ یہ ہے کہ علم لدنی کے حاملین اولیاء اور صدیقین ہوتے ہیں' اور علم ظاہر کو ہر شخص حاصل کر لیتا ہے حتیٰ کہ فساق' فجار اور بدمذہب اور زندیق بھی علم ظاہر کو حاصل کر لیتے ہیں۔ شیخ سہروردی نے عوارف المعارف میں کہا دنیا کی محبت کے ساتھ اور حقائق تقویٰ کو ترک کر کے ہر علم کو حاصل کیا جا سکتا ہے' بلکہ بعض اوقات دنیا کی محبت ان علوم کی تحصیل میں معاون ہوتی ہے کیونکہ دنیا کے بڑے بڑے مراتب اور بڑے مناصب کا حصول ان علوم پر موقوف ہوتا ہے' اس لئے

انسان راتوں کو جاگ کر اور مشقت اور تکلیف برداشت کر کے ان علوم کو حاصل کرتا ہے اور ان میں کمال کو پہنچ جاتا ہے' اور علم لدنی اور علم باطن کو دنیا کی محبت کے ساتھ حاصل نہیں کیا جا سکتا اور یہ علم اس وقت تک حاصل نہیں ہوتا جب تک انسان اپنی خواہشات اور نفس امارہ کی مخالفت نہ کرے اور اس کے بغیر انسان مدارس تقویٰ میں داخل نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ (البقرہ:٢٨٢) تم اللہ سے ڈرو (متقی بنو) اور اللہ تم کو علم عطا فرمادے گا۔

علماء باطن کی علماء ظاہر پر فضیلت کی ایک اور وجہ یہ ہے کہ اس علم سے اس کے عالم کو کتنا فائدہ پہنچتا ہے اور دوسروں کو کتنا فائدہ پہنچتا ہے' اور عارفین ہی وہ لوگ ہیں جو اپنے علوم سے خود بھی فائدہ اٹھاتے ہیں اور دوسروں کو بھی نفع پہنچاتے ہیں۔ انہوں نے جو فائدہ اٹھایا وہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے دلوں کو ماسوی اللہ سے پاک کر لیا اور ان کے قلوب اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی معرفت سے معمور ہو گئے' اور انہوں نے مخلوق کو جو فائدہ پہنچایا وہ یہ ہے کہ ان کی برکت بندوں کی فریاد رسی کرتی ہے اور ان کی برکت سے زمین سے فساد دور ہوتا ہے۔

علماء باطن کی فیض آفرینی پر قرآن مجید' احادیث اور آثار سے دلائل

قرآن مجید میں ہے:

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ (البقرہ:٢٥١) اور اگر اللہ بعض لوگوں کو بعض سے دور نہ کرتا تو زمین میں فساد ہو جاتا۔

حافظ ابن کثیر دمشقی متوفی ٧٧٤ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں ہمیشہ سات شخص ایسے رہیں گے جن کی برکت سے تمہاری مدد کی جائے گی اور جن کے وسیلہ سے تم پر بارشیں نازل ہوں گی اور جن کی وجہ سے تم کو رزق دیا جائے گا حتیٰ کہ قیامت آ جائے گی۔

حضرت عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں تیس ابدال ہیں' ان کی وجہ سے تم کو رزق دیا جاتا ہے اور ان کی وجہ سے تم پر بارشیں ہوتی ہیں۔ قتادہ نے کہا میرا گمان ہے کہ حسن بصری بھی انہیں میں سے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر ج اص ٣٤٦' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ١٤١٩ھ)

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ ایک مومن صالح کی برکت سے اس کے پڑوس کے سو گھروں سے مصائب کو دور کر دیتا ہے۔ پھر حضرت ابن عمر نے یہ آیت پڑھی **ولولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لفسدت الارض۔**

(جامع البیان رقم الحدیث: ٤٤٨٩' کتاب الضعفاء للعقیلی ج ٤ص ٤٤' الکامل لابن عدی ج ٣ص ٢٧٤' مجمع الزوائد ج ٨ص ١٦٧' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ١٧٩٤)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد قرطبی مالکی متوفی ٦٦٨ھ لکھتے ہیں:

حکیم ترمذی متوفی ٣٢٩ھ نے نوادر الاصول میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انبیاء زمین کی میخیں ہیں اور جب نبوت منقطع ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی جگہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سے ایک قوم کو پیدا کر دیا جن کو ابدال کہا جاتا ہے' وہ زیادہ روزوں اور زیادہ نمازوں کی وجہ سے لوگوں پر فضیلت نہیں رکھتے لیکن وہ حسن اخلاق' خدا خوفی' حسن نیت' تمام مسلمانوں کے لیے دلوں میں خیر خواہی' اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی' صبر' حلم' عقلمندی اور تواضع کی وجہ سے فضیلت رکھتے

ہیں۔ وہی انبیاء علیہم السلام کے خلفاء ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے پسند کر لیا اور ان کو اپنے لئے خاص کر لیا۔ وہ چالیس صدیق ہیں' ان میں سے تیس ایسے اشخاص ہیں جن کا یقین حضرت ابراہیم خلیل الرحمٰن کی مثل ہے۔ ان کی برکت سے اللہ تعالیٰ زمین والوں سے آفتوں اور مصائب کو دور فرماتا ہے' ان ہی کی وجہ سے ان پر بارشیں ہوتی ہیں اور ان کو رزق دیا جاتا ہے۔ ان میں سے جو شخص بھی فوت ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی جگہ اس کا بدل پیدا فرما دیتا ہے۔

(نوادر الاصول ج ۱ ص ۲۶۲' مطبوعہ دار الجیل بیروت' ۱۴۱۲ھ)

اکثر مفسرین نے بیان کیا ہے کہ اگر اللہ نمازیوں کی وجہ سے بے نمازیوں سے عذاب دور نہ فرماتا اور متقین کی وجہ سے غیر متقین سے عذاب دور نہ فرماتا تو لوگ اپنے گناہوں کی وجہ سے ہلاک ہو جاتے' اور اگر اللہ نیک مومنوں کی وجہ سے فساق اور کفار سے عذاب دور نہ فرماتا تو زمین میں فساد ہو جاتا۔

حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ میری امت کے نمازیوں کی وجہ سے بے نمازیوں سے عذاب دور کر دیتا ہے' اور زکوٰۃ دینے والوں کی وجہ سے زکوٰۃ نہ دینے والوں سے عذاب دور فرما دیتا ہے' اور روزہ داروں کی برکت سے ان سے عذاب دور کر دیتا ہے جو روزہ نہیں رکھتے' اور حجاج کی وجہ سے ان لوگوں سے عذاب دور کر دیتا ہے جو حج نہیں کرتے اور مجاہدوں کی وجہ سے ان لوگوں سے عذاب دور کر دیتا ہے جو جہاد نہیں کرتے' اور اگر سب لوگ ان احکام کے ترک کرنے پر جمع ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ ان کو پلک جھپکنے کی بھی مہلت نہ دے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۳ ص ۲۳۵' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

ان احادیث اور آثار کی تائید اس صحیح حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب تک زمین میں اللہ اللہ کہا جاتا رہے گا قیامت قائم نہیں ہوگی۔

(صحیح مسلم الایمان: ۲۳۴ (۱۴۸) الرقم المسلسل: ۳۶۸' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۰۷' مسند احمد ج ۳ ص ۱۰۷' المستدرک ج ۴ ص ۴۹۴' المسند الجامع رقم الحدیث: ۱۶۱۷)

علماء باطن اور عارفین کی فیض آفرینی کے واقعات

علامہ احمد بن محمد بن علی بن حجر ہیتمی مکی متوفی ۹۷۴ھ لکھتے ہیں:

ایک عارف کے شاگرد نے کسی عورت سے بدکاری کا ارادہ کیا اچانک اس نے دور دراز کے ایک شہر سے اپنے شیخ کی آواز سنی یہ تم کیا کر رہے ہو! تو وہ شاگرد ڈر کر بھاگ گیا۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ ہوا ایک عارف کے کسی مرید نے بدکاری کا ارادہ کیا شیخ نے اس کو زور سے طمانچہ مارا جس سے اس کی آنکھ نکل گئی۔ وہ تائب ہو کر اپنے شیخ کے پاس حاضر ہوا اور کہا میں توبہ کرتا ہوں آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ میری آنکھ لوٹا دے شیخ نے کہا ٹھیک ہے لیکن تم مرتے وقت اندھے ہو جاؤ گے۔ شیخ نے دعا کی اس کی آنکھ لوٹ آئی لیکن موت سے تین دن پہلے وہ اندھا ہو گیا۔

اسی طرح شیخ ابو الغیث بن جمیل یمنی کے ساتھ ایسا واقعہ ہوا ان کا عجم میں ایک مرید تھا اس نے کسی عورت سے بدفعلی کا ارادہ کیا' انہوں نے غصہ میں آ کر وہیں سے اپنی کھڑاؤں کھینچ کر ماری اور فقراء کے سامنے بہت غیظ و غضب کا اظہار کیا۔ ان کو سمجھ نہیں آیا کہ کیا ہوا ہے حتیٰ کہ ایک ماہ بعد وہ عجمی شاگرد اس کھڑاؤں کو لے کر آیا اور اس نے اس گناہ سے توبہ کی۔

اسی طرح شیخ جیلانی نے وضو کرنے کے بعد اپنی دونوں کھڑاؤں زور سے پھینکیں' وہاں جو حاضر فقراء تھے ان کو پتا نہیں چلا کہ اس کا کیا سبب ہے حتیٰ کہ تئیس (۲۳) دن بعد ایک قافلہ آیا' ڈاکوؤں نے ان کے اموال کو لوٹ کر آپس میں تقسیم کر لیے

اور وہ قافلے والے سب ماجرا دیکھ رہے تھے۔ پھر انہوں نے یہ نذر مانی کہ اگر انہوں نے ان ڈاکوؤں سے نجات پالی تو وہ حضرت شیخ کی خدمت میں کوئی ہدیہ پیش کریں گے پھر اچانک انہوں نے چیخنے کی آوازیں سنیں اور وہی ڈاکو ان کے اموال لے کر آگئے اور بتایا کہ دو کھڑاؤں آئیں اور انہوں نے آ کر ان کے سردار کو قتل کر دیا جب انہوں نے ان کھڑاؤں کو پکڑا تو وہ گیلی تھی وہ ان کو لے کر حضرت شیخ کے پاس آ گئے۔ (فتاویٰ حدیثیہ ص ۴۰۸۔ ۴۰۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۹ھ)

واضح رہے کہ نذر ماننا عبادت ہے۔ علامہ ابن حجر مکی بہت بڑے عالم ہیں ملا علی قاری کے استاذ ہیں اور ان کی بہت تصانیف ہیں۔ انہوں نے یہ نہیں لکھا کہ قافلہ والوں نے حضرت شیخ سے یہ عرض کیا کہ اگر آپ نے ہمیں ان ڈاکوؤں سے نجات دے دی تو ہم آپ کی خدمت میں کچھ ہدیہ پیش کریں گے اگر وہ ایسا کہتے تو یہ صریح شرک ہوتا کیونکہ نذر ماننا عبادت ہے اور غیر اللہ کی نذر ماننی جائز نہیں ہے۔ اس عبارت کا صحیح محمل یہ ہے کہ انہوں نے اللہ سے نذر مانی کہ اگر اللہ نے ان کو ان ڈاکوؤں سے نجات دے دی تو وہ اللہ کی رضا کے لیے اللہ تعالیٰ کے ولی حضرت شیخ جیلانی کی خدمت میں ہدیہ پیش کریں گے، لیکن ان کی یہ نذر صحیح نہیں تھی کیونکہ اللہ کے ولی کو ہدیہ پیش کرنا ہر چند کہ مستحسن کام ہے لیکن یہ عبادت مقصودہ نہیں ہے تاہم اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندہ کی وجاہت اور کرامت کو ظاہر کرنے کے لیے حضرت شیخ کو یہ تصرف عطا کیا کہ ان کی کھڑاؤں سے ایک ڈاکو مارا گیا اور قافلہ والوں کو اپنا مال واپس مل گیا، ہمیں حضرت شیخ جیلانی کی عظمتوں کا احترام بھی ملحوظ ہے اور حدود شریعت کی رعایت بھی پیش نظر ہے۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ ۭ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ

اور آپ سے ذوالقرنین کے متعلق سوال کرتے ہیں، آپ کہیے کہ میں عنقریب تمہارے سامنے ان کا کچھ

ذِكْرًا ۝۸۳ؕ اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ

ذکر کروں گا ۝ بے شک ہم نے ان کو زمین میں اقتدار عطا کیا تھا اور بے شک ہم نے ان کو ہر چیز کا ساز و سامان

سَبَبًا ۝۸۴ۙ فَاَتْبَعَ سَبَبًا ۝۸۵ حَتّٰٓي اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِيْ

دیا تھا ۝ سو وہ ایک مہم کی تیاری کرنے لگے ۝ حتیٰ کہ جب وہ غروب آفتاب کی جگہ پہنچے تو انہوں نے اسے سیاہ

عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَّوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ڛ قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّآ

دلدل کے چشمے میں ڈوبتے ہوئے پایا، اور انہوں نے اس کے پاس ایک قوم کو پایا، ہم نے کہا اے ذوالقرنین! تم ان کو

اَنْ تُعَذِّبَ وَاِمَّآ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا ۝۸۶ قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ

عذاب پہنچاؤ یا ان کے ساتھ حسن سلوک کرو ۝ اس نے کہا جس شخص نے (اپنی جان پر) ظلم کیا تو عنقریب ہم

ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ۝۸۷ وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ

اس کو سزا دیں گے، پھر وہ اپنے رب کی طرف لوٹایا جائے گا تو وہ اس کو بدترین عذاب دے گا ۝ اور جو شخص ایمان لے آیا اور

وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ۨالْحُسْنٰی ۚ وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا

اس نے نیک عمل کیے تو ہم اس کو اچھا بدلہ دیں گے اور عنقریب ہم اس کو آسان کاموں کے احکام

یُسْرًا ﴿۸۸﴾ ؕ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۸۹﴾ حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا

دیں گے ○ پھر وہ ایک اور مہم کی تیاری کرنے لگے ○ حتی کہ جب وہ طلوع آفتاب کی جگہ پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ

تَطْلُعُ عَلٰی قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا ﴿۹۰﴾ ۙ كَذٰلِكَ ؕ

سورج ایک ایسی قوم پر طلوع ہو رہا ہے جن کے لیے ہم نے سورج سے کوئی حجاب نہیں بنایا ○ واقعہ اسی طرح ہے

وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَیْهِ خُبْرًا ﴿۹۱﴾ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۹۲﴾ حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ

اور ہمارے علم نے ان کے تمام واقعات کا احاطہ کیا ہوا ہے ○ پھر وہ ایک اور مہم پر چل پڑے ○ حتی کہ جب وہ

بَیْنَ السَّدَّیْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ لَّا یَكَادُوْنَ یَفْقَهُوْنَ

دو پہاڑوں کے درمیان پہنچے تو ان کے پار انہوں نے ایک ایسی قوم دیکھی جو (ان کی) کوئی بات نہیں

قَوْلًا ﴿۹۳﴾ قَالُوْا یٰذَا الْقَرْنَیْنِ اِنَّ یَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ

سمجھتی تھی ○ انہوں نے کہا اے ذوالقرنین ! بے شک یاجوج اور ماجوج زمین میں فساد کر

فِی الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰۤی اَنْ تَجْعَلَ بَیْنَنَا

رہے ہیں تو کیا ہم آپ کو کچھ سامان مہیا کر دیں کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک

وَبَیْنَهُمْ سَدًّا ﴿۹۴﴾ قَالَ مَا مَكَّنِّیْ فِیْهِ رَبِّیْ خَیْرٌ فَاَعِیْنُوْنِیْ بِقُوَّةٍ

مضبوط دیوار بنا دیں ○ انہوں نے کہا میرے رب نے مجھے جن چیزوں پر قدرت دی ہے وہ زیادہ بہتر ہیں، سو تم صرف محنت سے

اَجْعَلْ بَیْنَكُمْ وَبَیْنَهُمْ رَدْمًا ﴿۹۵﴾ ۙ اٰتُوْنِیْ زُبَرَ الْحَدِیْدِ ؕ حَتّٰۤی اِذَا

میری مدد کرو میں تمہارے اور ان کے درمیان بہت مضبوط دیوار بنا دوں گا ○ تم میرے پاس لوہے کی چادریں لاؤ، حتی کہ جب

سَاوٰی بَیْنَ الصَّدَفَیْنِ قَالَ انْفُخُوْا ؕ حَتّٰۤی اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ

اس دیوار کو ان دونوں پہاڑوں کے برابر کر دیا (تو) کہا آگ کو خوب دہکاؤ، یہاں تک کہ لوہے کی ان چادروں کو آگ بنا دیا

قَالَ اٰتُوۡنِیۡۤ اُفۡرِغۡ عَلَیۡہِ قِطۡرًا ﴿۹۶﴾ فَمَا اسۡطَاعُوۡۤا اَنۡ یَّظۡہَرُوۡہُ

(پھر) کہا میرے پاس پگھلا ہوا تانبا لاؤ جو میں اس پر انڈیل دوں ○ پھر یاجوج اور ماجوج اس دیوار پر چڑھ نہ سکے

وَ مَا اسۡتَطَاعُوۡا لَہٗ نَقۡبًا ﴿۹۷﴾ قَالَ ہٰذَا رَحۡمَۃٌ مِّنۡ رَّبِّیۡ ۚ فَاِذَا جَآءَ

اور نہ اس دیوار میں سوراخ کر سکے ○ انہوں نے کہا یہ میرے رب کی رحمت (سے بنی) ہے اور جب میرے رب کے

وَعۡدُ رَبِّیۡ جَعَلَہٗ دَکَّآءَ ۚ وَ کَانَ وَعۡدُ رَبِّیۡ حَقًّا ﴿ؕ۹۸﴾ وَ تَرَکۡنَا

وعدہ کا وقت آئے گا تو وہ اس (دیوار) کو ریزہ ریزہ کر دے گا اور میرے رب کا وعدہ برحق ہے ○ اور اس دن ہم

بَعۡضَہُمۡ یَوۡمَئِذٍ یَّمُوۡجُ فِیۡ بَعۡضٍ وَّ نُفِخَ فِی الصُّوۡرِ فَجَمَعۡنٰہُمۡ

ان کے بعضوں کو اس طرح چھوڑ دیں گے کہ وہ تیز موجوں کی طرح ایک دوسرے سے ٹکرا رہے ہوں گے، صور پھونک دیا جائے گا پھر ہم ان سب

جَمۡعًا ﴿ۙ۹۹﴾ وَّ عَرَضۡنَا جَہَنَّمَ یَوۡمَئِذٍ لِّلۡکٰفِرِیۡنَ عَرۡضَا ﴿ۙ۱۰۰﴾ الَّذِیۡنَ

کو جمع کر لیں گے ○ اور اس دن ہم دوزخ کو کافروں پر پیش کر دیں گے ○ جن کی

کَانَتۡ اَعۡیُنُہُمۡ فِیۡ غِطَآءٍ عَنۡ ذِکۡرِیۡ وَ کَانُوۡا لَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ

آنکھیں میری یاد سے پردے میں رہیں اور وہ (حق کو) سننے کی طاقت

سَمۡعًا ﴿۱۰۱﴾ ع

نہیں رکھتے تھے ○

ع ۱۱ / ۲

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ سے ذوالقرنین کے متعلق سوال کرتے ہیں، آپ کہیے کہ میں عنقریب تمہارے سامنے اس کا کچھ ذکر کروں گا ○ بے شک ہم نے ان کو زمین میں اقتدار عطا کیا تھا اور بے شک ہم نے ان کو ہر چیز کا ساز و سامان بھی عطا کیا تھا ○ (الکہف: ۸۴-۸۳)

رابط آیات

ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں کہ مشرکین نے یہود سے کہا ہمارے ہاں ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے، ہم ان پڑھ لوگ ہیں تم اہل کتاب ہو تم ہم کو کچھ سوالات بتاؤ جن کے ذریعہ ہم معلوم کر سکیں کہ وہ اپنے دعویٰ نبوت میں صادق ہیں یا کاذب ہیں۔ تب یہود نے کہا تم ان سے روح کے متعلق سوال کرو اور ان نوجوانوں کے متعلق سوال کرو جو غار میں جا کر سو گئے تھے اور ذوالقرنین کے متعلق سوال کرو۔ روح اور اصحاب کہف کے متعلق تفصیل گزر چکی ہے، اور ان آیات میں ذوالقرنین کا ذکر ہے۔ اس آیت میں فرمایا ہے میں عنقریب تمہارا سامنے اس کا کچھ ذکر کروں گا۔ یعنی قرآن مجید نے ذوالقرنین کی مکمل سوانح

نہیں بیان کی کیونکہ قرآن مجید تاریخ اور جغرافیہ کی کتاب نہیں ہے' بلکہ اس کی زندگی کے وہ اہم واقعات بیان فرمائے ہیں جن کے ضمن میں رشد و ہدایت کا پہلو ہے۔

ذوالقرنین کا مصداق اور اس کی وجہ تسمیہ

قرآن مجید نے ذوالقرنین کی جو صفات بیان کی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ ایسا بادشاہ تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے اسباب و وسائل کی فراوانی سے نوازا تھا۔ وہ مشرقی اور مغربی ممالک کو فتح کرتا ہوا ایک ایسے پہاڑی درے پر پہنچا جس کی دوسری طرف یاجوج اور ماجوج تھے' اس نے وہاں یاجوج اور ماجوج کا راستہ بند کرنے کے لیے نہایت مضبوط بند تعمیر کیا۔ وہ اللہ کو ماننے والا اور آخرت پر یقین رکھنے والا نہایت نیک شخص تھا وہ نفس پرست اور دولت کا حریص نہیں تھا' ان خصوصیات کا حامل صرف وہ شخص ہے جو فارس کا حکمران تھا۔ جسے یونانی سائرس' عبرانی خورس اور عرب کیخسرو کے نام سے پکارتے ہیں اس کا دور حکم رانی تقریباً ۵۳۹ قبل مسیح ہے۔

حافظ ابن کثیر دمشقی متوفی ۷۷۴ھ اس کے متعلق لکھتے ہیں امام ابن جریر نے اس کے متعلق لکھا ہے کہ یہی شخص سکندر رومی ہے یہ درست نہیں ہے۔ سکندر رومی ابن فیلیس المقدونی ہے اس کا ظہور بعد میں ہوا ہے' اور ذوالقرنین کے متعلق ازرقی وغیرہ نے لکھا ہے کہ اس نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے ساتھ کعبہ کا طواف کیا ہے اور یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لایا تھا اور اس نے آپ کی اتباع کی تھی اور اس کے وزیر حضرت خضر علیہ السلام تھے۔ اور سکندر بن فیلیس المقدونی الیونانی بعد کا ایک شخص تھا اور اس کا وزیر مشہور فلسفی ارسطا طالیس تھا' اور وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً تین سو سال پہلے گزرا ہے اور ذوالقرنین جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں گزرا۔ وھب بن منبہ نے لکھا ہے کہ یہ بادشاہ تھا اس کو ذوالقرنین اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کے سر کی دونوں جانبوں میں سینگ کے مشابہ کوئی چیز تھی۔ بعض نے کہا اس کو ذوالقرنین اس لئے کہتے ہیں کہ یہ روم اور فارس کا بادشاہ تھا' اور بعض نے کہا اس کو ذوالقرنین اس لئے کہتے تھے کہ یہ فتوحات کرتا ہوا مشارق اور مغارب میں پہنچ گیا تھا یعنی جہاں سے سورج کا قرن طلوع ہوتا ہے اور جہاں پر سورج کا قرن غروب ہوتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۱۱۲' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ ابو عبداللہ مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ نے لکھا ہے کہ اس کو ذوالقرنین اس لئے کہتے تھے کہ اس کے بالوں کی دو مینڈھیاں تھیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس نے اپنے ملک میں خواب دیکھا تھا کہ اس نے سورج کے دو سینگوں پر قبضہ کرلیا ہے اس نے اس خواب کو بیان کیا تو اس کی یہ تعبیر بیان کی گئی کہ وہ تمام دنیا کو ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک فتح کرے گا اسی وجہ سے اس کا نام ذوالقرنین پڑ گیا۔ وھب بن منبہ نے کہا اس کے عمامہ کے نیچے دو سینگ تھے۔ ابن الکواء نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ ذوالقرنین نبی تھا یا بادشاہ تھا؟ حضرت علی نے فرمایا وہ نبی تھا نہ بادشاہ تھا بلکہ وہ اللہ کا ایک نیک بندہ تھا۔ اس نے اپنی قوم کو اللہ کی طرف دعوت دی تو انہوں نے کنپٹی کے پاس سے اس کا سر پھاڑ دیا۔ اس نے دوبارہ قوم کو اللہ کی طرف دعوت دی تو انہوں نے دوسری طرف سے اس کا سر پھاڑ دیا تو اس کا نام ذوالقرنین پڑ گیا۔ اس میں بھی اختلاف ہے کہ ذوالقرنین کس زمانہ میں تھے؟ ایک قوم نے کہا وہ حضرت موسیٰ کے بعد تھے۔ دوسری قوم نے کہا وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد زمانہ فترت میں تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کے وقت میں تھے اور حضرت خضر علیہ السلام ان کے علم بردار تھے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اقتدار عطا کیا تھا اور بادشاہ بنا دیا تھا اور تمام بادشاہوں کو ان کا تابع کر دیا تھا۔ روایت ہے کہ ایسے چار شخص گذرے ہیں جو تمام دنیا کے بادشاہ بنے۔ دو مومن اور دو کافر تھے۔ جو دو مومن

تھے وہ حضرت سلیمان بن داؤد اور سکندر (ذوالقرنین) تھے اور جو دو کافر تھے وہ نمرود اور بخت نصر تھے اور پانچویں شخص اس امت سے ہوں گے وہ حضرت مہدی ہیں۔ (امام قرطبی کا یہ کہنا درایتاً صحیح نہیں ہے کہ یہ آدمی ساری دنیا کے بادشاہ تھے) سکندر کو جو ذوالقرنین کہا گیا اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے ماں اور باپ دونوں بہت نیک اور شریف تھے اور یہ کریم الطرفین تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ ان کی زندگی میں دو قرن یعنی دو صدیاں گزر گئیں اس لئے ان کو ذوالقرنین کہا جاتا ہے' اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب یہ قتال کرتے تھے تو دونوں ہاتھوں اور دونوں رکابوں سے قتال کرتے تھے' اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کو علم ظاہر اور علم باطن دو علم دیئے گئے تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ظلمت اور نور دونوں میں داخل ہوئے تھے یہ دنیا کی دو طرفوں تک پہنچ گئے تھے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ١٠ ص ٤١٩' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ١٤١٥ھ)

تورات میں ذوالقرنین کی طرف اشارے

ہم نے یہ بیان کیا ہے کہ ذوالقرنین وہی بادشاہ ہیں جن کو عبرانی میں خورس کہتے ہیں چنانچہ یہودی ان کو خورس کہتے ہیں اور تورات میں بھی اسی نام کا ذکر ہے۔

قرآن مجید میں دو بار بنی اسرائیل کے شر اور فساد کرنے اور دو بار ان کو اس فساد کی سزا دینے کا ذکر ہے:

وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِي الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا ۝ (بنی اسرائیل: ٤)

ہم نے بنی اسرائیل کے لیے ان کی کتاب میں صاف فیصلہ کر دیا تھا کہ تم ضرور زمین میں دو بار فساد کرو گے اور تم ضرور بہت بڑی سرکشی کرو گے۔

جب انہوں نے پہلی بار فساد اور سرکشی کی تو اللہ تعالیٰ نے تقریباً چھ سو سال قبل مسیح بابل کے حکمران بخت نصر کے ہاتھوں ان کو سزا دی جس نے بے دریغ یہودیوں کو قتل کیا اور ان کی بہت بڑی تعداد کو غلام بنا لیا۔ پھر بخت نصر کے قتل ہو جانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو دوبارہ عزت اور آزادی دی' اور انہوں نے پھر دوبارہ سرکشی کی پھر اللہ تعالیٰ نے رومی بادشاہ ٹیٹس کو ان پر مسلط کر دیا اور ان کے ہاتھوں دوبارہ ان پر ہلاکت اور ذلت مسلط کی گئی۔

ایک روایت یہ ہے کہ بخت نصر کو قتل کرنے والا اور بنو اسرائیل کو ان کی قید سے چھڑانے والا یہی بادشاہ ہے جس کو عرب کیخسرو اور یہودی خورس کہتے ہیں۔ یہود پر اس بادشاہ کا عظیم احسان ہے کہ اس نے ان کو بابل کی قید سے نجات دلائی اور اس کی مدد سے بیت المقدس اور ہیکل کی از سر نو تعمیر ہوئی۔ یہود کے انبیاء نے ان کی پیش گوئی بھی کی تھی بائبل میں مذکور ہے۔

خداوند اپنے ممسوح خورس کے حق میں یوں فرماتا ہے کہ میں نے اس کا دہنا ہاتھ پکڑا' کہ امتوں کو اس کے سامنے زیر کروں اور بادشاہوں کی کمریں کھلوا ڈالوں اور دروازوں کو اس کے لیے کھول دوں اور پھاٹک بند نہ کئے جائیں گے ۝ میں تیرے آگے آگے چلوں گا اور ناہموار جگہوں کو ہموار بنا دوں گا' میں پیتل کے دروازوں کو ٹکڑے ٹکڑے کروں گا اور لوہے کے بینڈوں کو کاٹ ڈالوں گا ۝ اور میں ظلمات کے خزانے اور پوشیدہ مکانوں کے دفینے تجھے دوں گا تاکہ تو جانے کہ میں خداوند اسرائیل کا خدا ہوں جس نے تجھے نام لے کر بلایا ہے ۝

(کتاب مقدس (پرانا عہد نامہ) یسعیاہ باب: ٤٥' آیت: ٣-١' بائبل ص ٦٩٧' مطبوعہ لاہور' ١٩٩٢ء)

اس پیش گوئی میں خورس سائرس کی بدلی ہوئی شکل ہے اور یہ کی خسرو نام کا یونانی تلفظ ہے۔

اسی طرح تورات میں دانیال نبی کے ایک خواب کا ذکر ہے:

تب میں نے آنکھ اٹھا کر نظر کی اور کیا دیکھتا ہوں کہ دریا کے پاس ایک مینڈھا کھڑا ہے جس کے دو سینگ ہیں۔ دونوں

سینگ اونچے تھے لیکن ایک دوسرے سے بڑا تھا اور بڑا دوسرے کے بعد نکلا تھاO میں نے اس مینڈھے کو دیکھا کہ مغرب وشمال وجنوب کی طرف سینگ مارتا ہے یہاں تک کہ نہ کوئی جانور اس کے سامنے کھڑا ہو سکا اور نہ کوئی اس سے چھڑا سکا پر وہ جو کچھ چاہتا تھا کرتا تھا یہاں تک کہ وہ بہت بڑا ہو گیا۔

(کتاب مقدس (پرانا عہد نامہ) دانی ایل باب:۸ آیت ۴-۳ بائبل ص ۸۴۱ مطبوعہ لاہور ۱۹۹۲)

اس خواب کی یہ تعبیر بتائی گئی کہ دو سینگوں سے مراد مادا (Media) اور فارس کی دو بادشاہتیں ہیں جن کو یہ بادشاہ فتح کرے گا اور یہ واقعہ ہے کہ خسرو نے یہ دونوں حکومتیں مسخر کر لیں۔

ذوالقرنین کا تصرف اور اس کا اقتدار

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک ہم نے اس کو زمین میں اقتدار عطا کیا تھا اور بے شک ہم نے اس کو ہر چیز کا ساز وسامان عطا کیا تھاO اس آیت کا معنی ہے ہم نے ان کو ملک عظیم عطا کیا تھا اور ایک بادشاہ کو اپنی سلطنت قائم کرنے کے لیے جس قدر چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے ہم نے وہ چیزیں اس کو عطا کی تھیں اور ہم نے اس کو تمام اطراف مملکت میں تصرف کرنے کی قدرت عطا کی تھی اور ہم نے اس کو ہر قسم کے آلات حرب' اسباب اور وسائل عطا کئے تھے جن کی وجہ سے وہ تمام مشارق اور مغارب کا حکمران ہو گیا تھا اور تمام ممالک اس کے تابع ہو گئے تھے اور عرب اور عجم کے تمام بادشاہ اس کے اطاعت گزار ہو گئے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو وہ ایک مہم کی تیاری کرنے لگےO حتیٰ کہ جب وہ غروب آفتاب کی جگہ پہنچے تو انہوں نے اسے سیاہ دلدل کے چشمے میں ڈوبتے ہوئے پایا اور انہوں نے اس کے پاس ایک قوم کو پایا' ہم نے کہا اے ذوالقرنین! تم ان کو عذاب پہنچاؤ یا ان کے ساتھ حسن سلوک کروO اس نے کہا جس شخص نے (اپنی جان پر) ظلم کیا تو عنقریب ہم اس کو سزا دیں گے' پھر وہ اپنے رب کی طرف لوٹایا جائے گا تو وہ اس کو بدترین عذاب دے گاO اور جو شخص ایمان لے آیا اور اس نے نیک عمل کئے تو ہم اس کو اچھا بدلہ دیں گے اور عنقریب ہم اس کو آسان کاموں کے احکام دیں گےO (الکھف: ۸۸-۸۵)

ذوالقرنین کا پہلا سفر بہ جانب مغرب

ذوالقرنین نے مغرب کی جانب سفر اختیار کیا حتیٰ کہ وہ ایسی جگہ پہنچ گیا جہاں پر زمین اور خشکی کی حد ختم ہو گئی اور اس کے بعد سمندر تھا وہ بحر الظلمات تھا وہ تیونس' الجزائر' مراکش اور مغربی ممالک کو فتح کرتا ہوا پہنچا تھا' اور اس نے وہاں سورج کو ایک سیاہ دلدل میں غروب ہوتے ہوئے دیکھا۔ عین کے معنی ہیں چشمہ اور حمئۃ کے معنی ہیں گارا' کیچڑ اور دلدل' اگر آپ شام کے وقت سمندر کے کنارے کھڑے ہوں اور دور جہاں آسمان اور سطح سمندر کے کنارے ملتے ہوئے نظر آئیں تو ایسا لگے گا جیسے سورج سمندر میں ڈوب رہا ہو ورنہ حقیقت میں سورج زمین اور سمندر سے بہت بڑا ہے۔

ذوالقرنین نے وہاں ایک قوم کو پایا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے ذوالقرنین! تم ان کو عذاب پہنچاؤ یا ان کے ساتھ حسن سلوک کرو۔ اس میں اختلاف ہے کہ ذوالقرنین نبی تھے یا ولی تھے اگر نبی تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر اس کلام کی وحی فرمائی اور اگر ولی تھے تو اللہ تعالیٰ نے اس زمانے کے نبی پر وحی نازل فرمائی اور اس نبی نے ذوالقرنین تک اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام پہنچایا' یا پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں اس طرح بات ڈال دی جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے دل میں بات ڈال دی تھی قرآن مجید میں ہے:

اِذْ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰۤی اُمِّکَ مَا یُوْحٰۤی ۝ اَنِ اقْذِفِیْهِ فِی التَّابُوْتِ فَاقْذِفِیْهِ فِی الْیَمِّ فَلْیُلْقِهِ الْیَمُّ بِالسَّاحِلِ یَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّیْ وَ عَدُوٌّ لَّهٗ ؕ (طٰہٰ: ۳۹-۳۸)	جب نے ہم آپ کی ماں کی طرف وہ الہام کیا جس کی وحی (اب) کی جا رہی ہے ۝ کہ تم اس (موسیٰ) کو صندوق میں بند کر کے دریا میں ڈال دو اور دریا اس صندوق کو ساحل پر ڈال دے گا اور اس کو میرا اور خود اس کا دشمن اٹھا لے گا۔

سو اس طریقہ سے ذوالقرنین کے دل میں یہ بات ڈالی گئی۔ ذوالقرنین کے اس سفر میں مغرب کی آخری جانب کافروں کی ایک قوم تھی یا بنی آدم کا ایک بہت بڑا گروہ تھا' تو اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنین کے دل میں یہ الہام کیا کہ اگر یہ لوگ کفر پر اصرار کریں تو ان کو قتل کر دو' یا تم صبر کرو اور ان کو حق اور سیدھے راستہ کی ہدایت دیتے رہو اور ان کو شرعی احکام کی تعلیم دیتے رہو' اور ذوالقرنین نے ان لوگوں سے کہا جس شخص نے میری دعوت کو قبول نہیں کیا اور کفر اور شرک پر اصرار کیا تو ہم دنیا میں اس کو قتل کر کے سزا دیں گے اور جب وہ آخرت میں اپنے رب کی طرف لوٹے گا تو پھر اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ میں بہت سخت عذاب دے گا' اور جس نے میری دعوت کو قبول کر لیا اور وہ اللہ پر ایمان لے آیا اور اس نے نیک اعمال کیے تو اس کی جزا آخرت میں جنت ہے اور ہم اس کو مشکل اور سخت احکام کا مکلف نہیں کریں گے اور اس کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کے آسان طریقے بتائیں گے۔

ذوالقرنین کے پہلے سفر کے متعلق شیخ ابوالکلام احمد لکھتے ہیں:

ہیروڈوٹس نے اس جنگ کی سرگزشت پوری تفصیل کے ساتھ بیان کی ہے اور اس کی بعض تفصیلات نہایت دلچسپ اور اہم ہیں لیکن یہ موقعہ اطناب کا نہیں۔ وہ کہتا ہے سائرس کی فتح مندی ایسی عجیب اور معجزانہ تھی کہ پٹیریا کے معرکہ کے بعد صرف چودہ دن کے اندر لیڈیا کا مستحکم دارالحکومت مسخر ہو گیا اور کروٹسس ایک جنگی قیدی کی حیثیت میں سائرس کے آگے سرنگوں کھڑا تھا۔

اب تمام ایشیائے کوچک بحر شام سے لے کر بحر اسود تک اس کے زیر نگین تھا وہ برابر بڑھتا گیا یہاں تک کہ مغربی ساحل تک پہنچ گیا۔ قدرتی طور پر اس کے قدم یہاں پہنچ کر اسی طرح رک گئے جس طرح بارہ سو سال بعد طارق کے قدم افریقہ کے شمالی ساحل پر رک جانے والے تھے۔ اس کے فتح مند قدموں کے لیے صحراؤں کی وسعتیں اور پہاڑیوں کی بلندیاں روک نہ ہو سکیں۔ اس نے فارس سے لے کر لیڈیا تک چودہ سو میل کا فاصلہ طے کر لیا تھا لیکن سمندر کی موجوں پر چلنے کے لیے اس کے پاس کوئی سواری نہ تھی۔ اس نے نظر اٹھا کر دیکھا تو حد نظر تک پانی ہی پانی دکھائی دیتا تھا اور سورج اس کی لہروں میں ڈوب رہا تھا۔

یہ لشکر کشی جو اسے پیش آئی صریح مغرب کی لشکر کشی تھی کیونکہ وہ ایران سے مغرب کی طرف چلا اور خشکی کے مغربی کنارے تک پہنچ گیا۔ یہ اس کے لیے مغرب الشمس کی آخری حد تھی۔

ایشیائے کوچک کا مغربی ساحل نقشہ میں نکالو تم دیکھو گے کہ تمام ساحل اس طرح کا واقع ہوا ہے کہ چھوٹے چھوٹے خلیج پیدا ہو گئے ہیں' اور سمرنا کے قریب اس طرح کے جزیرے نکل آئے ہیں جنہوں نے ساحل کو ایک جھیل یا حوض کی سی شکل دے دی ہے۔ لیڈیا کا دارالحکومت سارڈیس مغربی ساحل کے قریب تھا اور اس کا محل موجودہ سمرنا سے بہت زیادہ فاصلہ پر نہ تھا' پس جب سائرس سارڈیس کی تسخیر کے بعد آگے بڑھا ہو گا تو یقیناً بحر ایجین کے اسی ساحلی مقام پر پہنچا ہو گا جو سمرنا کے قرب و جوار میں واقع ہے۔ یہاں اس نے دیکھا ہو گا کہ سمندر نے ایک جھیل کی سی شکل اختیار کر لی ہے۔ ساحل کی کیچڑ سے پانی گدلا ہو رہا

ہے اور شام کے وقت اسی میں سورج ڈوبتا دکھائی دیتا ہے۔ اسی صورت حال کو قرآن نے ان لفظوں میں بیان کیا ہے کہ وجدھا تغرب فی عین حمئۃ (۸۶) اسے ایسا دکھائی دیا کہ سورج ایک گدلے حوض میں ڈوب رہا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ سورج کسی مقام میں بھی ڈوبتا نہیں لیکن ہم سمندر کے کنارے کھڑے ہو کر دیکھتے ہیں تو ایسا ہی دکھائی دیتا ہے کہ ایک سنہری تھالی آہستہ آہستہ سمندر میں ڈوب رہی ہے۔ (ترجمان القرآن ج ۲ ص ۴۰۶ مطبوعہ اسلامی اکادمی لاہور ۱۹۷۶ء)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر وہ ایک اور مہم کی تیاری کرنے لگے O حتیٰ کہ جب وہ طلوع آفتاب کی جگہ پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ سورج ایک ایسی قوم پر طلوع ہو رہا ہے جن کے لیے ہم نے سورج سے کوئی حجاب نہیں بنایا O واقعہ اسی طرح ہے اور ہمارے علم نے ان کے تمام واقعات کا احاطہ کیا ہوا ہے O (الکھف: ۹۱-۸۹)

ذوالقرنین کا دوسرا سفر بہ جانب مشرق

جانب مغرب کی فتوحات کرنے کے بعد ذوالقرنین مشرق کی جانب روانہ ہوا اور وہ ایسی جگہ پہنچ گیا جہاں سب سے پہلے سورج طلوع ہوتا ہے۔ وہاں اس نے ایسی قوم کو دیکھا جو برہنہ پاؤں اور برہنہ بدن تھی۔ وہ اپنے جسم کو کسی چیز سے نہیں چھپاتے تھے۔ سورج کی گرمی اور موسم کی سردی سے بچنے کے لیے ان کے پاس کوئی چیز نہ تھی۔ ان کے پاس لباس تھے نہ انہوں نے گھر بنائے ہوئے تھے وہ یونہی جانوروں کی طرح زندگی بسر کرتے تھے اور ان کا گزران مچھلی پر تھا۔

شیخ ابوالکلام احمد لکھتے ہیں:

دوسری لشکر کشی مشرق کی طرف تھی چنانچہ ہیروڈوٹس اور ٹی سیاز دونوں اس کی مشرقی لشکر کشی کا ذکر کرتے ہیں۔ جولیڈیا کی فتح کے بعد اور بابل کی فتح سے پہلے پیش آئی تھی اور دونوں نے تصریح کی ہے کہ "مشرق کے بعض وحشی اور صحرانشین قبائل کی سرکشی اس کا باعث ہوئی تھی" یہ ٹھیک ٹھیک قرآن کے اس اشارہ کی تصدیق ہے کہ حتی اذا بلغ مطلع الشمس وجدھا تطلع علی قوم لم نجعل لھم من دونھا سترا (۹۰) جب وہ مشرق کی طرف پہنچا تو اسے ایسی قوم ملی جو سورج کے لیے کوئی آڑ نہیں رکھتی تھی یعنی خانہ بدوش قبائل تھے۔

یہ خانہ بدوش قبائل کون تھے؟ ان مؤرخین کی صراحت کے مطابق بکٹریا یعنی بلخ کے علاقہ کے قبائل تھے۔ نقشہ پر اگر نظر ڈالو گے تو صاف نظر آ جائے گا کہ بکٹریا ٹھیک ٹھیک ایران کے لیے مشرق اقصیٰ کا حکم رکھتا ہے کیونکہ اس کے آگے پہاڑ ہیں اور انہوں نے راہ روک دی ہے۔ اس کا بھی اشارہ ملتا ہے کہ گیڈروسیا کے وحشی قبیلوں نے اس کی مشرقی سرحد میں بدامنی پھیلائی تھی اور ان کی گوشمالی کے لیے اسے نکلنا پڑا۔ گیڈروسیا سے مقصود وہی علاقہ ہے جو آج کل مکران کہلاتا ہے۔ اس سلسلہ میں ہندوستان کی طرف ہمیں کوئی اشارہ نہیں ملتا۔ اس لئے قیاس کہتا ہے کہ مکران سے نیچے اس کے قدم نہیں اترے ہوں گے اور اگر اترے ہوں گے تو دریائے سندھ سے آگے نہیں بڑھے ہوں گے۔ کیونکہ دارا کے زمانہ میں بھی اس کی جنوب مشرقی سرحد دریائے سندھ ہی تک معلوم ہوتی ہے۔

(شیخ احمد نے اس جگہ کا مصداق مکران بتایا ہے لیکن یہ وہ جگہ نہیں ہے جہاں روئے زمین پر سب سے پہلے سورج طلوع ہوتا ہے وہ جگہ جزائر فجی میں) (ترجمان القرآن ج ۲ ص ۴۰۷-۴۰۶ مطبوعہ اسلامی اکادمی لاہور ۱۹۷۶ء)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر وہ ایک اور مہم پر چل پڑے O حتیٰ کہ جب وہ دو پہاڑوں کے درمیان پہنچے تو ان کے پار انہوں نے ایک ایسی قوم دیکھی جو (ان کی) کوئی بات نہیں سمجھتی تھی O انہوں نے کہا اے ذوالقرنین! بے شک یاجوج اور ماجوج زمین میں فساد کر رہے ہیں تو کیا ہم آپ کو کچھ سامان مہیا کر دیں کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط دیوار بنا دیں O

انہوں نے کہا میرے رب نے مجھے جن چیزوں پر قدرت دی ہے وہ زیادہ بہتر ہیں سو تم صرف محنت سے میری مدد کرو میں تمہارے اور ان کے درمیان بہت مضبوط دیوار بنادوں گا O تم میرے پاس لوہے کی چادریں لاؤ حتیٰ کہ جب اس دیوار کو ان دو پہاڑوں کے برابر کر دیا (تو) کہا آگ کو خوب دہکاؤ یہاں تک کہ لوہے کی ان چادروں کو آگ بنا دیا (پھر) کہا میرے پاس پگھلا ہوا تانبا لاؤ جو میں اس پر انڈیل دوں O پھر یاجوج اور ماجوج اس دیوار پر نہ چڑھ سکے اور نہ اس دیوار میں سوراخ کر سکے O انہوں نے کہا یہ میرے رب کی رحمت (سے بنی) ہے اور جب میرے رب کے وعدہ کا وقت آئے گا تو وہ اس (دیوار) کو ریزہ ریزہ کر دے گا اور میرے رب کا وعدہ برحق ہے O اور اس دن ہم ان کے بعضوں کو اس طرح چھوڑ دیں گے کہ وہ تیز موجوں کی طرح ایک دوسرے سے ٹکرا رہے ہوں گے' صور پھونک دیا جائے گا پھر ہم ان سب کو جمع کر لیں گے O اور اس دن ہم دوزخ کو کافروں پر پیش کر دیں گے O جن کی آنکھیں میری یاد سے پردے میں رہیں اور وہ (حق کو) سننے کی طاقت نہیں رکھتے تھے O (الکھف :١٠١-٩٢)

ذوالقرنین کا تیسرا سفر بہ جانب شمال

شیخ ابوالکلام احمد لکھتے ہیں:

تیسری لشکر کشی اس نے اس علاقہ تک کی جہاں یاجوج ماجوج کے حملے ہوا کرتے تھے۔ یہ یقیناً اس کی شمالی مہم تھی جس میں وہ بحر خزر (کاسپین) کو دہنی طرف چھوڑتا ہوا کاکیشیا کے سلسلہ کوہ تک پہنچ گیا تھا اور وہاں اسے ایک درہ ملا تھا جو دو پہاڑی دیواروں کے درمیان تھا۔ اسی راہ سے یاجوج ماجوج آ کر اس طرف کے علاقہ میں تاخت و تاراج کیا کرتے تھے اور یہیں اس نے سد تعمیر کی۔

قرآن نے اس مہم کا حال ان لفظوں میں بیان کیا ہے کہ حتی اذا بلغ بین السدین وجد من دونهما قوما لایکادون یفقهون قولا (٩٣) یہاں تک وہ دو (پہاڑی) دیواروں کے درمیان پہنچ گیا ان کے اس طرف اسے ایک قوم ملی جو کوئی بات بھی سمجھ نہیں سکتی تھی۔ پس صاف معلوم ہوتا ہے "سدین" سے مقصود کاکیشیا کا پہاڑی درہ ہے کیونکہ اس کے دہنی طرف بحر خزر ہے جس نے شمال اور مشرق کی راہ روک رکھی ہے۔ بائیں جانب بحر اسود ہے جو شمال مغرب کے لیے قدرتی روک ہے۔ درمیانی علاقے میں اس کا سربہ فلک سلسلہ کوہ ایک قدرتی دیوار کا کام دے رہا ہے' پس اگر شمالی قبائل کے حملوں کے لیے کوئی راہ باقی رہی تھی تو وہ صرف اس سلسلہ کوہ کا ایک عریض درہ یا وسطی وادی تھی اور یقیناً وہیں سے یاجوج ماجوج کو دوسری طرف پہنچنے کا موقع ملتا تھا۔ اس راہ کے بند ہو جانے کے بعد نہ صرف بحر خزر سے لے کر بحر اسود تک کا علاقہ محفوظ ہو گیا بلکہ سمندروں اور پہاڑوں کی ایک ایسی دیوار قائم ہو گئی جس نے تمام مغربی ایشیا کو اپنی پاسبانی میں لے لیا اور شمال کی طرف سے حملے کا کوئی خطرہ باقی نہ رہا اب ایران' شام' عراق' عرب' ایشیائے کوچک' بلکہ مصر بھی شمال کی طرف سے بالکل محفوظ ہو گیا تھا۔

نقشہ میں یہ مقام دیکھو۔ تمام مغربی ایشیا نیچے ہے۔ اوپر شمال میں بحر خزر ہے۔ اس سے بائیں جانب شمال مغرب میں بحر اسود ہے۔ درمیان میں بحر خزر کے مغربی ساحل سے بحر اسود کے مشرقی ساحل تک کاکیشیا کا سلسلۂ کوہ چلا گیا ہے۔ ان دو سمندروں اور درمیان کے سلسلۂ کوہ نے مل کر سینکڑوں میلوں تک ایک قدرتی روک پیدا کر دی ہے' اب اس روک میں اگر کوئی شگاف رہ گیا تھا جہاں سے شمالی اقوام کے قدم اس روک کو پھلانگ سکتے تھے تو وہ صرف یہی دو پہاڑوں کے درمیان کی راہ تھی۔ ذوالقرنین نے اسے بھی بند کر دیا اور اس طرح شمال اور مغربی ایشیا کا یہ درمیانی پھاٹک پوری طرح مقفل ہو گیا۔

باقی رہا یہ سوال کہ وہاں جو قوم ذوالقرنین کو ملی تھی اور جو بالکل نا سمجھ تھی وہ کونسی قوم تھی؟ تو اس سلسلہ میں دو قومیں نمایاں ہوتی ہیں اور دونوں کا اس زمانہ میں وہاں قریب قریب آباد ہونا تاریخ کی روشنی میں آچکا ہے۔ پہلی قوم وہ ہے جو بحر خزر کے مشرقی ساحل پر آباد تھی۔ اسے یونانی مؤرخوں نے ''کاسپین'' کے نام سے پکارا ہے اور اسی کے نام سے بحر خزر کا نام بھی ''کاسپین'' پڑ گیا ہے۔ دوسری قوم وہ ہے جو اس مقام سے آگے بڑھ کر عین کا کیشیا کے دامن میں آباد تھی۔ یونانیوں نے اسے ''کولچی'' یا ''کول شی'' کے نام سے پکارا ہے۔

اور دارا کے کتبہ اسطخر میں اس کا نام ''کوشیہ'' آیا ہے' انہیں دو قوموں میں سے کسی نے یا دونوں قوموں نے ذوالقرنین سے یاجوج ماجوج کی شکایت کی ہوگی' اور چونکہ یہ غیر متمدن قومیں تھیں اس لئے ان کی نسبت فرمایا: لایکادون یفقھون قولا۔ (ترجمان القرآن ج ۲ ص ۴۰۸۔ ۴۰۷' مطبوعہ اسلامی اکادمی لاہور' ۱۹۷۶ء)

سورۃ الکھف: ۹۲' میں دو اہم چیزوں کا ذکر فرمایا ہے ایک یاجوج ماجوج کا ذکر ہے اور دوسرا ذکر سد ذوالقرنین کا ہے یعنی دو پہاڑوں کے درمیان جو ذوالقرنین نے دیوار بنائی تھی۔ اب ہم ان دو چیزوں کی تفصیل کریں گے۔ پہلے یاجوج اور ماجوج کے متعلق احادیث ذکر کریں گے اور پھر ان کے متعلق قدیم اور جدید علماء کی آراء کا ذکر کریں گے۔ اس کے بعد سد ذوالقرنین کے متعلق تحقیق کریں گے۔

یاجوج ماجوج کے متعلق احادیث

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک دن ان کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھبرائے ہوئے آئے اور آپ فرمارہے تھے عربوں کے لیے اس شر سے ہلاکت ہے جو قریب پہنچ چکا ہے۔ آج یاجوج ماجوج کے سد (بند) سے اتنا کھل گیا ہے آپ نے اپنے انگوٹھے اور اس کے ساتھ والی انگلی کو ملا کر دائرہ بنایا۔ حضرت زینب بنت جحش نے کہا یا رسول اللہ کیا ہم میں نیک آدمی ہوں گے اس کے باوجود ہم ہلاک ہو جائیں گے آپ نے فرمایا: ہاں! جب خبیث کام بہت ہو جائیں گے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۱۳۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۸۰' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۸۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۵۳)

حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ یاجوج اور ماجوج کو بھیجے گا اور وہ ہر بلندی سے بہ سرعت پھسلتے ہوئے آئیں گے ان کی پہلی جماعتیں بحیرہ طبرستان سے گزریں گی اور وہاں کا تمام پانی پی جائیں گی' پھر جب دوسری جماعتیں وہاں سے گزریں گی تو وہ کہیں گی یہاں پر کسی وقت پانی تھا' اللہ کے نبی حضرت عیسیٰ اور ان کے اصحاب محصور ہو جائیں گے حتیٰ کہ ان میں سے کسی ایک کے نزدیک بیل کی سری بھی تم میں سے ایک کے سو دینار سے افضل ہوگی۔ پھر اللہ کے نبی حضرت عیسیٰ اور ان کے اصحاب دعا کریں گے۔ تب اللہ تعالیٰ یاجوج اور ماجوج کی گردنوں میں ایک کیڑا پیدا کرے گا پھر صبح کو وہ سب دفعۃً مر جائیں گے۔ پھر اللہ کے نبی اور ان کے اصحاب زمین پر اتریں گے مگر زمین پر ایک بالشت برابر جگہ بھی ان کی گندگی اور بدبو سے خالی نہیں ہوگی۔ پھر اللہ کے نبی حضرت عیسیٰ اور ان کے اصحاب اللہ سے دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ بختی اونٹوں کی مانند پرندے بھیجے گا یہ پرندے ان لاشوں کو اٹھائیں گے اور جہاں اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا وہاں پھینک دیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ ایک بارش بھیجے گا جو زمین کو دھو دے گی اور ہر گھر خواہ وہ مٹی کا مکان ہو یا کھال کا خیمہ وہ آئینہ کی طرح صاف ہو جائے گا پھر زمین سے کہا جائے گا تم اپنے پھل اگاؤ اور اپنی برکتیں لوٹاؤ' سو اس دن ان کی ایک جماعت ایک انار کو (سیر ہو کر) کھالے گی' اور ایک دودھ دینے والی گائے لوگوں کے ایک قبیلہ کے لیے کافی ہوگی اور دودھ دینے والی بکری ایک گھر والوں کے لیے کافی ہوگی۔ اسی دوران اللہ تعالیٰ ایک پاکیزہ ہوا بھیجے گا جو لوگوں کی بغلوں کے نیچے لگے گی اور وہ ہر مومن اور ہر مسلم کی روح

قبض کرلے گی اور برے لوگ باقی رہ جائیں گے جو گدھوں کی طرح کھلے عام جنسی عمل کریں گے اور ان ہی پر قیامت قائم ہوگی۔
(صحیح مسلم' کتاب الفتن رقم الحدیث: ١١٠' رقم بلا تکرار: ٢٩٣٧' الرقم المسلسل: ٧٢٣٩' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٤٣٢١' سنن الترمذی رقم الحدیث: ٢٢٤٠' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٤٠٧٦۔ ٤٠٧٥)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی یہ حدیث مروی ہے اس میں یہ جملہ بھی ہے پھر یاجوج اور ماجوج خمر کے پہاڑ کے پاس پہنچیں گے یہ بیت المقدس کا پہاڑ ہے۔ وہ کہیں گے ہم نے زمین والوں کو تو قتل کر دیا۔ اب آسمان والوں کو قتل کریں پھر وہ آسمان کی طرف تیر پھینکیں گے اللہ تعالیٰ ان کے تیروں کو خون آلودہ کر کے لوٹا دے گا۔
(صحیح مسلم' کتاب الفتن' رقم الحدیث: ١١١' رقم الحدیث المسلسل: ٧٢٤٠)

یاجوج اور ماجوج کے متعلق قدیم علماء کی آراء

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ٨٥٢ ھ لکھتے ہیں۔

ضحاک نے کہا یاجوج اور ماجوج ترک میں سے ہیں۔ کعب سے روایت ہے کہ یاجوج ترک سے ہیں اور ماجوج دیلم سے ہیں۔ ان کی صفت کے متعلق امام ابن عدی' امام ابن ابی حاتم اور امام طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یاجوج ایک امت ہے اور ماجوج ایک اور امت ہے۔ ہر امت میں چار لاکھ نفر ہیں' ان میں سے ایک شخص فوت ہوتا ہے تو اس کی صلب سے ایک ہزار نر پیدا ہو جاتے ہیں اور وہ سب مسلح ہوتے ہیں۔ امام ابن عدی نے کہا یہ حدیث موضوع ہے۔ امام ابن ابی حاتم نے کہا اس حدیث میں ایک راوی العطار منکر الحدیث ہے۔ امام حاکم اور امام ابن مردویہ نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یاجوج اور ماجوج حضرت آدم علیہ السلام کی ذریت میں سے ہیں' اور امام ابن ابی حاتم نے حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت کیا ہے کہ جن اور انس دس میں سے ایک ہیں اور یاجوج اور ماجوج دس میں سے نو ہیں۔ کعب سے روایت ہے کہ ان کا قد بہت اونچے درخت کی مانند ہے اور حاکم کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یاجوج اور ماجوج ایک ایک بالشت کے اور دو دو بالشت کے ہیں اور ان میں سے طویل ترین تین تین بالشت کے ہیں' اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت نوح کے تین بیٹے پیدا ہوئے سام' حام اور یافث' سام سے عرب' روم اور فارس پیدا ہوئے اور حام سے قبطی' بربر اور حبشی پیدا ہوئے اور یافث سے یاجوج' ماجوج' ترک اور صقالبہ پیدا ہوئے۔ اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ اور سعید بن بشیر قتادہ سے روایت کرتے ہیں کہ یاجوج اور ماجوج بائیس قبیلے ہیں۔ ذوالقرنین نے ان میں سے اکیس قبیلوں پر سد بنائی ہے ان میں سے ایک قبیلہ اس وقت لڑنے کے لیے گیا ہوا تھا وہ ترک ہیں اور وہ اس سد سے باہر ہیں' اور علامہ نووی نے اپنے فتاوی میں یہ روایت ذکر کی ہے کہ یاجوج ماجوج حضرت آدم کی اولاد ہیں مگر وہ حوا سے پیدا نہیں ہوئے ہیں وہ ہمارے علاتی بھائی ہیں۔ سلف نے اس قول کو صرف کعب احبار سے روایت کیا ہے اور یہ قول اس حدیث مرفوع سے مردود ہے کہ یاجوج اور ماجوج حضرت نوح علیہ السلام کی ذریت ہیں اور حضرت نوح قطعی طور پر حضرت حوا کے بطن سے پیدا ہوئے۔ (فتح الباری ج ١٤ ص ٦٢١۔ ٦١٩' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ١٤٢٠ ھ' ٢٠٠٠ ء)

یاجوج اور ماجوج کے متعلق متاخرین کی آراء

(بعض لوگوں کی رائے میں) قرآن مجید نے ذوالقرنین کی فتوحات کے سلسلہ میں جو نشانیاں بتائی ہیں وہ اچھی خاصی حد تک سکندر یونانی کی فتوحات پر منطبق ہوتی ہیں: حتی اذا بلغ مغرب الشمس (١٨: الکھف: ٨٦) تاریخ کا بھی بیان ہے کہ

سکندر کی ابتدائی فوج کشی شمال و مغرب ہی کی جانب تھی۔ عین حمئۃ سے مراد جھیل Ocbrida ہوسکتی ہے جو مناستر سے پچاس میل جانب مغرب واقع ہے۔ یہ چشمہ اپنے سیاہی مائل گدلے پانی کے لیے مشہور ہے۔ یہاں تک کہ جو دریا اس سے نکلا ہے اس کا نام بھی دریائے سیاہ (Black Drin) ہے (اس سے بحر اسود بھی مراد لیا گیا ہے)۔

"مطلع الشمس" سکندر کی بعد کی فوجی مہمات مشرق کی سمت میں ہوئیں۔ (مراد ہے کہ اس کی مملکت کی انتہائی مشرقی حد) "یاجوج ماجوج" غالباً منگول قبیلے تھے جو پہاڑوں کی دوسری جانب آباد تھے اور کہیں کہیں موقع پا کر یلغار کرتے ہوئے ترکوں کے درمیان گھس آتے تھے۔ دربند میں ایک آہنی دیوار سد سکندر کے نام سے مشہور چلی آتی تھی اور اس کا پھاٹک باب الحدید کہلاتا تھا۔ یہ دربند وسط ایشیا کے مشرقی علاقے میں ضلع حصار میں بخارا سے ۱۵۰ میل جنوب و مشرق میں ۳۸ درجے عرض بلد شمالی اور ۶۷ درجے طول البلد مشرقی پر واقع ہے۔

بہر حال یہ امر ثبوت طلب ہے کہ سکندر یونانی کی فتوحات شمالی یورپی روس اور سائبیریا تک ہوئی تھیں۔ الادریسی نے سد سکندری انہیں اطراف میں دکھائی ہے اور اس کا نقشہ بھی دیا ہے۔ (اردو دائرۃ المعارف ج ۱ ص ۶۲ لاہور ۱۹۷۳ء)

شیخ ابوالکلام احمد لکھتے ہیں:

اب صرف ایک معاملہ کی تشریح باقی رہ گئی ہے یعنی یاجوج اور ماجوج سے کون سی قوم مراد ہے؟ اور جو سد سائرس نے بنائی تھی اس کی تاریخی نوعیت کیا ہے؟

قرآن مجید نے یاجوج اور ماجوج کا دو جگہ ذکر کیا ہے۔ ایک تو یہاں ہے دوسرا سورہ انبیاء میں ہے: حتی اذا فتحت یاجوج و ماجوج وھم من کل حدب ینسلون (۹۶:۲۱)

یاجوج اور ماجوج کا نام سب سے پہلے عہد عتیق میں آیا ہے۔ حزقیل نبی کی کتاب میں جنہیں بخت نصر اپنے آخری حملہ بیت المقدس میں گرفتار کر کے بابل لے گیا تھا اور جو سائرس کے ظہور تک زندہ رہے۔ یہ پیش گوئی ملتی ہے:

"اور خداوند کا کلام مجھ تک پہنچا۔ اس نے کہا اے آدم زاد! تو جوج کی طرف اپنا منہ کر کے اس کے برخلاف نبوت کر۔ جوج کی طرف، جو ماجوج کی سرزمین کا ہے اور روش، مسک اور توبال کا سردار ہے۔ خداوند یہوداہ یوں کہتا ہے کہ میں تیرا مخالف ہوں، میں تجھے پھرا دوں گا۔ تیرے جبڑوں میں بنسیاں ماروں گا، تیرے سارے لشکر اور گھوڑوں اور سواروں کو جو جنگی پوشاک پہنے چوپہریاں اور سپر لئے ہوئے ہیں اور سب شمشیر بکف ہیں، کھینچ نکالوں گا اور میں ان کے ساتھ فارس اور کوش اور فوط کو بھی کھینچ نکالوں گا جو سپر لئے ہوئے اور خود پہنے ہوں گے۔ نیز جومر اور شمال بعید کے اطراف کے باشندگان تجرمہ اور ان کا سارا لشکر"

اس کے بعد دور تک تفصیلات چلی گئی ہیں اور چار باتیں خصوصیت کے ساتھ کہی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ جوج شمال کی طرف سے آئے گا تاکہ لوٹ مار کرے۔ دوسری یہ کہ ماجوج پر اور ان پر جو جزیروں میں سکونت رکھتے ہیں تباہی آئے گی، تیسرے یہ کہ جو لوگ اسرائیل کے شہروں میں بسنے والے ہیں وہ بھی ماجوج کے مقابلہ میں حصہ لیں گے اور ان کے بے شمار ہتھیار ان کے ہاتھ آئیں گے۔ چوتھی یہ کہ ماجوج کی تباہی کا گورستان "مسافروں کی وادی" میں بنے گا جو "سمندر کے پورب میں ہے" ان کی لاشیں عرصہ تک وہاں پڑی رہیں گی۔ لوگ انہیں گاڑتے رہیں گے تاکہ رہگذر صاف ہو جائے۔ حزقی ایل۔ (باب ۳۸-۳۹)

یہ واضح رہے کہ اس پیشین گوئی سے پہلے سائرس کے ظہور اور یہودیوں کی آزادی و خوشحالی کی پیش گوئی بیان کی جا چکی ہے اور اس پیشین گوئی کا محل ٹھیک اس مکاشفہ کے بعد ہے۔ جس میں حزقیل نبی نے بنی اسرائیل کی سوکھی ہڈیوں کو زندہ ہوتے دیکھا تھا، اور جسے قرآن نے بھی سورہ بقرہ کی آیت او کالذی مر علی قریۃ وھی خاویۃ علی عروشھا (۲۵۹:۲)

میں بیان کیا ہے۔ پس ضروری ہے کہ جوج اور ماجوج کا معاملہ بھی اسی زمانے کے لگ بھگ پیش آنے والا ہو یعنی سائرس کے زمانہ میں۔ اور یہ سائرس کے ذوالقرنین ہونے کا ایک مزید ثبوت ہے کیونکہ قرآن صاف کہہ رہا ہے کہ اس نے یاجوج و ماجوج کے حملوں کی روک تھام کے لیے ایک سد تعمیر کی تھی۔

عہد عتیق کے بعد یہ نام ہمیں مکاشفات یوحنا میں بھی ملتا ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ "جب ہزار برس پورے ہو چکیں گے تو شیطان قید سے چھوڑ دیا جائے گا' اور وہ ان قوموں کو جو زمین کے چاروں طرف ہوں گی یعنی یاجوج اور ماجوج کو گمراہ کرنے اور لڑانے کے لیے جمع کرنے نکلے گا ان کا شمار سمندر کی ریت کے برابر ہوگا۔ وہ تمام زمین کی وسعتوں پر چڑھ جائیں گی۔ (۲۰:۷)

یاجوج اور ماجوج کے لیے یورپ کی زبانوں میں Gog اور Magog کے نام مشہور ہو گئے ہیں اور شارحین تورات کہتے ہیں کہ یہ نام سب سے پہلے تورات کے ترجمہ سبعینی میں اختیار کئے گئے تھے۔ لیکن کیا اس لئے اختیار کئے گئے کہ جوج اور ماجوج کا یونانی تلفظ یہی ہو سکتا تھا' یا خود یونانی میں پہلے سے یہ نام موجود تھے؟ اس بارے میں شارحین کی رائیں مختلف ہیں لیکن زیادہ قوی بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ یہ دونوں نام اسی طرح یا اس کے قریب قریب یونانیوں میں بھی مشہور تھے۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ کون قوم تھی؟ تمام تاریخی قرائن متفق طور پر شہادت دے رہے ہیں کہ اس سے مقصود صرف ایک ہی قوم ہو سکتی ہے اس کے سوا کوئی نہیں' یعنی شمال مشرقی میدانوں کے وہ وحشی مگر طاقتور قبائل جن کا سیلاب قبل از تاریخ عہد سے لے کر نویں صدی مسیحی تک برابر مغرب کی طرف امنڈتا رہا' جن کے مشرقی حملوں کی روک تھام کے لیے چینیوں کو سینکڑوں میل لمبی دیوار بنانی پڑی تھی' جن کی مختلف شاخیں تاریخ میں مختلف ناموں سے پکاری گئی ہیں اور جن کا آخری قبیلہ یورپ میں میگر کے نام سے روشناس ہوا اور ایشیا میں تاتاریوں کے نام سے۔ اسی قوم کی ایک شاخ تھی جسے یونانیوں نے سیتھین کے نام سے پکارا ہے اور اسی کے حملوں کی روک تھام کے لیے سائرس نے سد تعمیر کی تھی۔

شمال مشرق کے اس علاقہ کا بڑا حصہ اب منگولیا کہلاتا ہے لیکن منگول لفظ کی ابتدائی شکل کیا تھی؟ اس کے لیے جب ہم چین کے تاریخی مصادر کی طرف رجوع کرتے ہیں (اور ہمیں اسی طرف رجوع ہونا چاہئے کیونکہ وہ منگولیا کے ہم سایہ میں ہے) تو معلوم ہوتا ہے کہ قدیم نام موگ تھا۔ یقیناً یہی موگ ہے جو چھ سو برس قبل مسیح یونانیوں میں میگ اور مے گاگ پکارا جاتا ہو گا اور یہی عبرانی میں ماجوج ہو گیا۔ (ترجمان القرآن ص ۴۲۱، ۴۲۰، مطبوعہ لاہور، ۱۹۷۶ء)

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ لکھتے ہیں:

یاجوج اور ماجوج سے مراد ایشیا کے شمال مشرقی علاقے کی وہ قومیں ہیں جو قدیم زمانے سے متمدن ممالک پر غارت گرانہ حملے کرتی رہی ہیں اور جن کے سیلاب وقتاً فوقتاً اٹھ کر ایشیا اور یورپ دونوں طرف رخ کرتے رہے ہیں۔ بائبل کی کتاب پیدائش (باب:۱۰) میں ان کو حضرت نوح کے بیٹے یافث کی نسل میں شمار کیا گیا ہے اور یہی بیان مسلمان مؤرخین کا بھی ہے' حزقی ایل کے صحیفے (باب ۳۸-۳۹) میں ان کا علاقہ روس اور توبل (موجودہ توبالسک) اور مسک (موجودہ ماسکو) بتایا گیا ہے۔ اسرائیلی مؤرخ یوسیفوس ان سے مراد سیتھین قوم لیتا ہے جس کا علاقہ بحر اسود کے شمال اور مشرق میں واقع تھا۔ جیروم کے بیان کے مطابق ماجوج کاکیشیا کے شمال میں بحر خزر کے قریب آباد تھے۔ (تفہیم القرآن ج ۳ ص ۴۷۔ ۴۶، مطبوعہ لاہور، ۱۹۸۲ء)

شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ لکھتے ہیں:

یاجوج ماجوج کون ہیں؟ کس ملک میں رہتے ہیں؟ ذوالقرنین کی بنائی ہوئی سد (آہنی دیوار) کہاں ہے؟ یہ وہ سوالات

ہیں جن کے متعلق مفسرین ومؤرخین کے اقوال مختلف رہے ہیں۔ میرا خیال یہ ہے (واللہ اعلم) کہ یاجوج ماجوج کی قوم عام انسانوں اور جنات کے درمیان ایک برزخی مخلوق ہے اور جیسا کہ کعب احبار نے فرمایا اور نووی نے فتاوی میں جمہور علماء سے نقل کیا ہے ان کا سلسلۂ نسب باپ کی طرف سے آدم پر منتہی ہوتا ہے‘ مگر ماں کی طرف سے حوا تک نہیں پہنچتا گویا وہ عام آدمیوں کے محض باپ شریک بھائی ہوئے۔ کیا عجب ہے کہ دجال اکبر جسے تمیم داری نے کسی جزیرہ میں مقید دیکھا تھا اسی قوم میں کا ہو‘ جب حضرت مسیح علیہ السلام جو محض ایک آدم زاد خاتون (مریم صدیقہ) کے بطن سے بتوسط نفحہ ملکیہ پیدا ہوئے نزول من السماء کے بعد دجال کو ہلاک کردیں گے۔ اس وقت یہ قوم یاجوج ماجوج دنیا پر خروج کرے گی اور آخر کار حضرت مسیح کی دعا سے غیر معمولی موت مرے گی۔ اس وقت یہ قوم کہاں ہے اور ذوالقرنین کی دیوار آہنی کس جگہ واقع ہے؟ سو جو شخص ان سب اوصاف کو پیش نظر رکھے گا جن کا ثبوت اس قوم اور دیوار آہنی کے متعلق قرآن کریم اور احادیث صحیحہ میں ملتا ہے اس کو کہنا پڑے گا کہ جن قوموں‘ ملکوں اور دیواروں کا لوگوں نے رائے سے پتا دیا ہے یہ مجموعہ اوصاف ایک میں بھی پایا نہیں جاتا۔ لہٰذا وہ خیالات صحیح معلوم نہیں ہوتے اور احادیث صحیحہ کا انکار یا نصوص کی تاویلات بعیدہ دین کے خلاف ہے۔ رہا مخالفین کا یہ شبہ کہ ہم نے تمام زمین کو چھان ڈالا مگر کہیں اس کا پتا نہیں ملا‘ اور اسی شبہ کے جواب کے لیے ہمارے مولفین نے پتا بتلانے کی کوشش کی ہے اس کا صحیح جواب وہی ہے جو علامہ آلوسی بغدادی نے دیا ہے کہ ہم کو اس کا موقع معلوم نہیں‘ اور ممکن ہے کہ ہمارے اور اس کے درمیان بڑے بڑے سمندر حائل ہوں‘ اور یہ دعویٰ کرنا کہ ہم تمام خشکی اور تری پر محیط ہو چکے ہیں واجب التسلیم نہیں عقلاً جائز ہے کہ جس طرح اب سے پانچ سو برس پہلے ہم کو چوتھے براعظم (امریکہ) کے وجود کا پتہ نہ چلا اب بھی کوئی پانچواں براعظم ایسا موجود ہو جہاں تک ہم رسائی نہ حاصل کرسکے ہوں‘ اور تھوڑے دنوں بعد ہم وہاں تک یا وہ لوگ ہم تک پہنچ سکیں۔ سمندر کی دیوار اعظم جو آسٹریلیا کے شمال مشرقی ساحل پر واقع ہے آج کل برطانوی سائنسدان ڈاکٹر سی ایم ینگ کے زیر ہدایت اس کی تحقیقات جاری ہے۔ یہ دیوار ہزار میل سے زیادہ لمبی اور بعض بعض مقامات پر بارہ بارہ میل تک چوڑی اور ہزار فٹ اونچی ہے جس پر بے شمار مخلوق بستی ہے جو مہم اس کام کے لیے روانہ ہوئی تھی حال میں اس نے اپنی ایک سالہ تحقیق ختم کی ہے‘ جس سے سمندر کے عجیب وغریب اسرار منکشف ہوتے ہیں اور انسان کو حیرت واستعجاب کی ایک نئی دنیا معلوم ہو رہی ہے‘ پھر کیسے دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ ہم کو خشکی وتری کی تمام مخلوق کے مکمل انکشافات حاصل ہو چکے ہیں۔ بہرحال مخبر صادق نے جس کا صدق دلائل قطعیہ سے ثابت ہے جب اس دیوار کی مع اس کے اوصاف کے خبر دی تو ہم پر واجب ہے کہ ہم اس کی تصدیق کریں اور ان واقعات کے منتظر رہیں جو مشرکین ومنکرین کے علی الرغم پیش آکر رہیں گے۔ (حاشیہ قرآن برترجمہ شیخ محمود حسن‘ مطبوعہ مملکۃ عربیہ سعودیہ)

پیر محمد کرم شاہ الازہری متوفی ١٤١٨ھ لکھتے ہیں:

یاجوج اور ماجوج کا ذکر قرآن کریم میں دو بار آیا ہے ایک یہاں اور دوسرا سورۃ الانبیاء میں‘ یورپ کی زبانوں میں انہیں Gog And Magog کہا جاتا ہے یہ کون سی قوم تھی تمام تاریخی قرائن متفقہ طور پر شہادت دیتے ہیں کہ اس سے مقصود صرف ایک ہی قوم ہوسکتی ہے یعنی شمال مشرقی میدانوں کے وہ وحشی اور طاقتور قبائل جن کے مشرقی حملوں کی روک تھام کے لیے چین کے شہنشاہ شین ہوانگ ٹی کو وہ عظیم الشان دیوار بنانی پڑی جو پندرہ سو میل تک چلی گئی ہے اور جو دیوار چین کے نام سے مشہور ہے۔ اس کی تعمیر ٢١٣ ق م میں شروع ہوئی اور دس برس میں ختم ہوئی اس نے شمال اور مغرب کی طرف منگولین قبائل کے حملوں کی تمام راہیں مسدود کردیں۔ اس لئے ان کے حملوں کا رخ پھر وسط ایشیا کی طرف مڑ گیا۔ انہی کے حملوں کو روکنے کے لیے سائرس نے سد تعمیر کی‘ شمال مشرق کے اس علاقہ کا بڑا حصہ اب منگولیا کہلاتا ہے لیکن چینی ذرائع سے پتا چلتا ہے کہ اس کا اصلی قدیم نام

"موگ" ہے جو چھ سو برس ق م میں یونانیوں میں میگ اور میگاگ پکارا جاتا تھا اور یہی لفظ عبرانی میں ماجوج ہو گیا۔

(ضیاء القرآن ج ٣ ص ٥٠-٤٩ مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور ١٣٩٩ھ)

یاجوج اور ماجوج کے متعلق مصنف کا نظریہ

حاکم نے حضرت ابو ہریرہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ یاجوج اور ماجوج حضرت نوح کے بیٹے یافث کی اولاد سے ہیں۔ تورات میں بھی اس طرح مذکور ہے (حزقی ایل باب: ٣٩-٣٨) شیخ ابوالکلام نے کہا یہ وہی ہیں جن کو پہلے تاتاری اور اب منگول کہا جاتا ہے۔ سید مودودی نے لکھا ہے کہ یہ ایشیا کے شمال مشرقی علاقے کی وحشی قومیں ہیں۔ شیخ عثمانی نے لکھا ہے کہ یہ عام انسانوں اور جنات سے پیدا شدہ ایک برزخی قوم ہے۔ پیر محمد کرم شاہ الازہری نے لکھا ہے کہ یہ ایشیا کے شمال مشرقی علاقہ کے وحشی قبائل ہیں۔ بعض نے کہا یہ منگول ہیں۔ ہمارا اس پر ایمان ہے کہ یاجوج ماجوج پیدا ہو چکے ہیں اور قرب قیامت میں ان کا ظہور ہوگا۔ قرآن مجید اور احادیث میں ان کے مصداق کا تعین نہیں کیا اور نہ ان کی واضح اور حتمی صفات بیان کی ہیں۔ ان کی صفات اور مصداق کے متعلق جو کچھ بھی کہا گیا وہ سب ظن و تخمین اور اندازوں پر مبنی ہے اس کی نظیر یہ ہے کہ ہمارا اس پر ایمان ہے کہ جنت اور دوزخ موجود ہیں لیکن ہم قطعی طور پر یہ نہیں بتا سکتے کہ جنت اور دوزخ کس جگہ پر ہیں۔ (بعض اخبار احاد سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت سات آسمانوں کے اوپر اور عرش کے نیچے ہے لیکن یہ قطعی نہیں ہے)

ان آیات میں دوسری اہم چیز سد ذوالقرنین ہے اب ہم اس کی تحقیق کرتے ہیں:

سد ذوالقرنین کی تحقیق

شیخ ابوالکلام احمد لکھتے ہیں:

اب ایک سوال اور غور طلب ہے۔ ذوالقرنین نے جو سد تعمیر کی تھی وہ درۂ داریال کی سد ہے یا دربند کی دیوار؟ یا دونوں؟ قرآن میں ہے کہ ذوالقرنین دو پہاڑی دیواروں کے درمیان پہنچا' اس نے آہنی تختیوں سے کام لیا' اس نے درمیان کا حصہ پاٹ کے برابر کر دیا' اس نے پگھلا ہوا تانبا استعمال کیا۔ تعمیر کی یہ تمام خصوصیات کسی طرح بھی دربند کی دیوار پر صادق نہیں آتیں یہ پتھر کی بڑی بڑی سلوں کی دیوار ہے' اور دو پہاڑی دیواروں کے درمیان نہیں ہے بلکہ سمندر سے پہاڑ کے بلند حصہ تک چلی گئی ہے۔ اس میں آہنی تختیوں اور پگھلے ہوئے تانبے کا کوئی نشان نہیں ملتا۔ پس یہ قطعی ہے کہ ذوالقرنین والی سد کا اطلاق اس پر نہیں ہو سکتا۔

البتہ درۂ داریال کا مقام ٹھیک قرآن کی تصریحات کے مطابق ہے۔ یہ دو پہاڑی چوٹیوں کے درمیان ہے اور جو سد تعمیر کی گئی ہے اس نے درمیان کی راہ بالکل مسدود کر دی ہے چونکہ اس کی تعمیر میں آہنی سلوں سے کام لیا گیا تھا اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ جارجیا میں "آہنی دروازہ" کا نام قدیم سے مشہور چلا آتا ہے۔ اسی کا ترجمہ ترکی میں "دامر کپو" مشہور ہو گیا۔

بہرحال ذوالقرنین کی اصلی سد یہی سد ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کے بعد خود اس نے یا اس کے جانشینوں نے یہ دیکھ کر کہ کاکیشیا کا مشرقی ڈھلوان بھی خطرہ سے خالی نہیں دربند کی دیوار تعمیر کر دی ہو اور نوشیرواں نے اسے اور مضبوط کیا ہو۔ یا ممکن ہے کہ فی الحقیقت نوشیرواں ہی کی تعمیر ہو۔

دربند کی دہری دیوار ١٧٩٦ء تک موجود تھی جس کی تصویر ایک روسی سیاح کی بنائی ہوئی ایچ والڈ نے اپنی کتاب "کواکیسیس" میں نقل کی ہے' لیکن ١٩٠٤ء میں جب پروفیسر جیکسن نے اس کا معائنہ کیا تو گو آثار باقی تھے لیکن دیوار گر چکی تھی البتہ اکہری دیوار اکثر حصوں میں اب تک باقی ہے۔

موجودہ زمانہ کے شارحین تورات میں بھی ایک جماعت اسی طرف گئی ہے کہ یاجوج و ماجوج سے سیتھین قوم مراد تھی لیکن وہ حزقیل کی پیش گوئی کا محمل ان کا وہ حملہ قرار دیتے ہیں جو ہیروڈوٹس کے قول کے مطابق ۶۳۰ قبل مسیح میں ہوا تھا۔ لیکن اس صورت میں یہ مشکل پیدا ہو جاتی ہے کہ حزقیل کی کتاب بابل کی اسیری کے زمانہ میں لکھی گئی ہے کیونکہ وہ خود بھی بخت نصر کے اسیروں میں سے تھے اور سیتھین حملہ اس سے بہت پہلے ہو چکا تھا۔ اس باب میں مزید تفصیلات کے لیے انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا اور جیویش انسائیکلو پیڈیا میں لفظ Gog کا مقالہ دیکھنا چاہئے۔

ہم نے ذوالقرنین کے مبحث میں پوری تفصیل سے کام لیا ہے کیونکہ زمانہ حال کے معترضین قرآن نے اس مقام کو سب سے زیادہ اپنے معاندانہ استہزاء کا نشانہ بنایا ہے۔ وہ کہتے ہیں ذوالقرنین کی کوئی تاریخی اصلیت نہیں ہے۔ یہ محض عرب یہودیوں کی ایک کہانی تھی جو پیغمبر اسلام نے اپنی خوش اعتقادی سے صحیح سمجھ لی اور نقل کر دی۔ اس لئے ضروری تھا کہ ایک مرتبہ یہ مسئلہ اس طرح صاف کر دیا جائے کہ شک وتردد کا کوئی پہلو باقی نہ رہے۔ (ترجمان القرآن ج ۲ ص ۴۳۰۔۴۲۹، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء)

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ لکھتے ہیں:

ذوالقرنین کی تعمیر کردہ دیوار کے متعلق بعض لوگوں میں یہ غلط خیال پایا جاتا ہے کہ اس سے مراد مشہور دیوار چین ہے حالانکہ دراصل یہ دیوار قفقاز (Caucasus) کے علاقہ داغستان میں دربند اور داریال (Darial) کے درمیان بنائی گئی تھی۔ قفقاز اس ملک کو کہتے ہیں جو بحیرۂ اسود (Black Sea) اور بحیرہ خزر (Caspian Sea) کے درمیان واقع ہے۔ اس ملک میں بحیرۂ اسود سے داریال تک تو نہایت بلند پہاڑ ہیں اور ان کے درمیان اتنے تنگ درے ہیں کہ ان سے کوئی بڑی حملہ آور فوج نہیں گزر سکتی۔ البتہ دربند اور داریال کے درمیان جو علاقہ ہے اس میں پہاڑ بھی زیادہ بلند نہیں ہیں اور ان میں کوہستانی راستے بھی خاصے وسیع ہیں۔ قدیم زمانے میں شمال کی وحشی قومیں اس طرف سے جنوب کی طرف غارت گرانہ حملے کرتی تھیں اور ایرانی فرمانرواؤں کو اسی طرف سے اپنی مملکت پر شمالی حملوں کا خطرہ لاحق رہتا تھا۔ انہی حملوں کو روکنے کے لیے ایک نہایت مضبوط دیوار بنائی گئی تھی جو ۵۰ میل لمبی ۲۹۰ فیٹ بلند اور دس فیٹ چوڑی تھی۔ ابھی تک تاریخی طور پر یہ تحقیق نہیں ہو سکا ہے کہ یہ دیوار ابتداءً کب کس نے بنائی تھی۔ مگر مسلمان مؤرخین اور جغرافیہ نویس اسی کو سد ذوالقرنین قرار دیتے ہیں، اور اس کی تعمیر کی جو کیفیت قرآن مجید میں بیان کی گئی ہے اس کے آثار اب بھی وہاں پائے جاتے ہیں۔

ابن جریر طبری اور ابن کثیر نے اپنی تاریخوں میں یہ واقعہ لکھا ہے، اور یاقوت نے بھی معجم البلدان میں اس کا حوالہ دیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آذربائیجان کی فتح کے بعد ۲۲ھ میں سراقہ بن عمرو کو باب الابواب (دربند) کی مہم پر روانہ کیا اور سراقہ نے عبدالرحمٰن بن ربیعہ کو اپنے مقدمتہ الجیش کا افسر بنا کر آگے بھیجا۔ عبدالرحمٰن جب ارمینیہ کے علاقے میں داخل ہوئے تو وہاں کے فرمانروا شہر براز نے جنگ کے بغیر اطاعت قبول کر لی۔ اس کے بعد انہوں نے باب الابواب کی طرف پیش قدمی کا ارادہ کیا۔ اس موقع پر شہر براز نے ان سے کہا کہ میں نے اپنے ایک آدمی کو سد ذوالقرنین کا مشاہدہ اور اس علاقے کے حالات کا مطالعہ کرنے کے لیے بھیجا تھا وہ آپ کو تفصیلات سے آگاہ کر سکتا ہے۔ چنانچہ اس نے عبدالرحمٰن کے سامنے اس شخص کو پیش کر دیا۔ (طبری، ج ۳ ص ۲۳۵ تا ۲۳۹ - البدایہ والنہایہ ج ۷، ص ۱۲۲ تا ۱۲۵ - معجم البلدان، ذکر باب الابواب)۔

اس واقعہ کے دو سو برس بعد عباسی خلیفہ واثق (۲۲۷۔۲۳۲ھ) نے سد ذوالقرنین کا مشاہدہ کرنے کے لیے سلام الترجمان کی قیادت میں ۵۰ آدمیوں کی ایک مہم روانہ کی جس کے حالات یاقوت نے معجم البلدان میں اور ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں خاصی تفصیل کے ساتھ بیان کئے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ یہ وفد سامرہ (سُرَّ مَنْ رَاٰی) سے تفلیس، وہاں سے

الستریز وہاں سے الالان ہوتا ہوا فیلان شاہ کے علاقے میں پہنچا پھر خزر کے ملک میں داخل ہوا اور اس کے بعد دربند پہنچ کر اس نے سد کا مشاہدہ کیا۔ (البدایہ والنہایہ ج ۲، ص ۱۱۱- ج ۷، ص ۱۲۲ تا ۱۲۵- معجم البلدان باب الابواب) اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ تیسری صدی ہجری میں بھی مسلمان عام طور پر قفقاز کی اس دیوار ہی کو سد ذوالقرنین سمجھتے تھے۔

یاقوت نے معجم البلدان میں متعدد دوسرے مقامات پر بھی اس امر کی تصریح کی ہے۔ خزر کے زیر عنوان وہ لکھتا ہے کہ ھی بلاد الترک خلف باب الابواب المعروف بالدربند قریب من سد ذی القرنین "یہ ترکوں کا علاقہ ہے جو سد ذوالقرنین کے قریب باب الابواب کے پیچھے واقع ہے جسے دربند بھی کہتے ہیں"۔ اسی سلسلہ میں وہ خلیفہ المقتدر باللہ کے سفیر احمد بن فضلان کی ایک رپورٹ نقل کرتا ہے جس میں مملکت خزر کی تفصیلی کیفیت بیان کی گئی ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ خزر ایک مملکت کا نام ہے جس کا صدر مقام اتل ہے۔ دریائے اتل اس شہر کے درمیان سے گزرتا ہے اور یہ دریا روس اور بُلغار سے آ کر بحر خزر میں گرتا ہے۔

باب الابواب کے زیر عنوان لکھتا ہے کہ اس کو الباب اور دربند بھی کہتے ہیں۔ یہ بحر خزر کے کنارے واقع ہے۔ بلاد کفر سے بلاد مسلمین کی طرف آنے والوں کے لیے یہ راستہ انتہائی دشوار گزار ہے۔ ایک زمانہ میں یہ نوشیروان کی مملکت میں شامل تھا اور شاہان ایران اس سرحد کی حفاظت کو غایت درجہ اہمیت دیتے تھے۔ (تفہیم القرآن ج ۳ ص ۷۷-۷۱، مطبوعہ لاہور، ۱۹۸۲ء)

پیر محمد کرم شاہ الازہری متوفی ۱۴۱۸ھ لکھتے ہیں:

آخر میں ہمیں یہ تحقیق کرنا ہے کہ سائرس نے جو سد تعمیر کی تھی اس کا محل وقوع کہاں ہے۔ بحر خزر کے مغربی ساحل پر ایک قدیم شہر دربند آباد ہے یہ ٹھیک اس مقام پر واقع ہے جہاں کاکیشیا کا سلسلۂ کوہ ختم ہوتا ہے اور بحر خزر سے مل جاتا ہے، یہاں ایک دیوار ہے جس کا طول پچاس میل اور اونچائی انتیس فٹ اور موٹائی دس فٹ ہے (انسائیکلو پیڈیا) اس مقام سے مغرب کی طرف درہ دانیال ہے جو دو بلند پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے، یہاں بھی قدیم زمانے سے ایک دیوار ہے اور اسے آہنی دیوار کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ (ضیاء القرآن ج ۳ ص ۵۰، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، ۱۳۹۹ھ)

أَفَحَسِبَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَن يَتَّخِذُوا عِبَادِي مِن

کیا کافروں کا یہ گمان ہے کہ وہ مجھے چھوڑ کر میرے بندوں کو اپنا

دُونِي أَوْلِيَاءَ ۚ إِنَّا أَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ نُزُلًا ﴿١٠٢﴾ قُلْ هَلْ

دوست بنا لیں گے، بے شک ہم نے کافروں کی مہمانی کے لیے جہنم کو تیار کر رکھا ہے ○ آپ کہیے کیا

نُنَبِّئُكُم بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ﴿١٠٣﴾ الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ

ہم تم کو یہ خبر دیں کہ سب سے زیادہ نقصان دہ کام کن لوگوں کے ہیں! ○ یہ وہ لوگ ہیں جن کی تمام مساعی دنیا کی زندگی میں اکارت

الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ﴿١٠٤﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ

گئیں اور وہ یہ سمجھتے رہے کہ وہ نیک کام کر رہے ہیں ○ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے

كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ

اپنے رب کی آیتوں اور اس سے ملاقات کے ساتھ کفر کیا، سو ان کے اعمال ضائع ہو گئے اور ہم قیامت کے دن

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ﴿١٠٥﴾ ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا

ان کے لیے کوئی وزن قائم نہیں کریں گے ○ ان کی سزا جہنم ہے کیونکہ انہوں نے میری آیتوں اور میرے

اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا ﴿١٠٦﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ

رسولوں کو مذاق بنا لیا تھا ○ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے

لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ﴿١٠٧﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا

ان کے لیے فردوس کی جنتوں کی مہمانی ہے ○ وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں وہ اس جگہ کو تبدیل کرنا

حِوَلًا ﴿١٠٨﴾ قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ

نہیں چاہیں گے ○ آپ کہیے اگر میرے رب کے کلمات (کو لکھنے) کے لیے سمندر سیاہی بن جائے تو میرے رب کے کلمات

قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ﴿١٠٩﴾ قُلْ

کے ختم ہونے سے پہلے ضرور سمندر ختم ہو جائے گا، خواہ ہم اس کی مدد کے لیے اتنا ہی سمندر اور لے آئیں ○ آپ کہیے

اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ

میں (خدا نہ ہونے میں) تمہاری ہی مثل بشر ہوں، میری طرف یہی وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا خدا ایک خدا ہے، سو جو شخص

كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ

اپنے رب سے ملاقات کی توقع رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ وہ نیک عمل کرتا رہے، اور اپنے رب کی عبادت

بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ﴿١١٠﴾ ع

میں کسی کو شریک نہ بنائے ○

١٢ ع ٩ ٣

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا کافروں کا یہ گمان ہے کہ وہ مجھے چھوڑ کر میرے بندوں کو دوست بنا لیں گے بے شک ہم نے کافروں کی مہمانی کے لیے جہنم کو تیار کر رکھا ہے ○ آپ کہیے کہ کیا ہم تم کو یہ خبر دیں کہ سب سے زیادہ نقصان دہ کام کن لوگوں کے ہیں ○ یہ وہ لوگ جن کی تمام مساعی دنیا کی زندگی میں اکارت گئیں اور وہ یہ سمجھتے رہے کہ وہ نیک کام کر رہے ہیں ○ یہ وہ

لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی آیتوں اور اس سے ملاقات کے ساتھ کفر کیا سو ان کے اعمال ضائع ہو گئے اور ہم قیامت کے دن ان کے لیے کوئی وزن قائم نہیں کریں گے O ان کی سزا جہنم ہے کیونکہ انہوں نے میری آیتوں اور میرے رسولوں کو مذاق بنالیا تھا O (الکہف: ١٠٦-١٠٢)

جن لوگوں کے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا کافروں کا یہ گمان ہے کہ وہ مجھے چھوڑ کر میرے بندوں کو دوست بنالیں گے۔ میرے بندوں سے مراد ہیں ملائکہ' حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر' اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ کیا ان کا یہ گمان ہے کہ یہ مجھے چھوڑ کر میرے بندوں کو اپنا کارساز بنالیں گے اور میری عبادت کے بجائے ان کی عبادت کریں گے اور میں ان کو کوئی سزا نہیں دوں گا' یا ان کا یہ عمل ان کو نفع دے گا۔ جو لوگ ملنے کے لیے آئیں ان کی خاطر تواضع کے لیے جو سامان تیار کیا جائے اور ان کو پیش کیا جائے اس کو نُزُل کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہم نے کافروں کی مہمانی کے لیے جہنم کو تیار کر رکھا ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ کہیے کہ کیا ہم تم کو یہ خبر دیں کہ سب سے زیادہ نقصان دہ کام کن لوگوں کے ہیں O یہ وہ لوگ ہیں جن کی تمام مساعی دنیا کی زندگی میں اکارت گئیں اور وہ یہ سمجھتے رہے کہ وہ نیک کام کر رہے ہیں۔

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ بعض لوگ کسی کام کو اچھا سمجھ کر کرتے ہیں حالانکہ اس کی وجہ سے ان کے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ انسان کے اعمال کفر اور ارتداد کی وجہ سے ضائع ہوتے ہیں یا لوگوں کے دکھانے اور انہیں سنانے کے لیے عمل کرنے کی وجہ سے ان کے عمل ضائع ہو جاتے ہیں۔ اس آیت میں اس سے مراد کفر ہے۔

مصعب کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے پوچھا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کیا ہم تم کو یہ خبر دیں کہ سب سے زیادہ نقصان دہ کام کن لوگوں کے ہیں؟ کیا اس آیت کا مصداق الحروریہ (خوارج) ہیں؟ کہا نہیں' وہ یہود اور نصاریٰ ہیں۔ رہے یہود تو انہوں نے (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی اور رہے نصاریٰ تو انہوں نے جنت کی تکفیر کی اور جنت کے متعلق کہا نہ اس میں کوئی کھانے کی کوئی چیز ہوگی نہ پینے کی کوئی چیز ہوگی۔ اور جہاں تک الحروریہ کا تعلق ہے تو وہ اس آیت کے مصداق ہیں:

اَلَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۔ جو اللہ کے عہد کو پختہ کرنے کے بعد اس کو توڑ دیتے ہیں۔

(البقرہ: ٢٧)

اور حضرت سعد ان کو فاسقین کہتے ہیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ٤٧٢٨)

اور اس آیت سے ان کی زجر و توبیخ مراد ہے کہ جن کافروں نے اللہ کو چھوڑ کر اوروں کی عبادت کی ہے انہیں بتا دیں کہ تمہاری کوشش رائیگاں گئی اور تمہاری آرزوئیں ناکام ہوگئیں سو یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا اس سے کفار مکہ مراد ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس سے خوارج اہل حروراء مراد ہیں۔ مرہ نے کہا اس سے مراد گرجوں کے راہب ہیں۔ علامہ قرطبی نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ ان لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی آیتوں اور اس سے ملاقات کے ساتھ کفر کیا سو ان کے اعمال ضائع ہو گئے' اور خوارج اور گرجوں کے راہب وغیرہ پر یہ صادق نہیں آتا کہ انہوں نے اپنے رب کی آیتوں اور اس سے ملاقات کا انکار کیا' کیونکہ خوارج قرآن مجید کی آیتوں کو مانتے ہیں اور گرجوں کے راہب انجیل کو مانتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید کی ایک آیت کا انکار اس کی تمام آیتوں کے انکار کو مستلزم ہے۔ گرجوں کے راہب تو قرآن مجید کی کسی آیت کو مانتے ہی نہیں' اور رہے خوارج تو وہ قرآن مجید کی ان آیتوں کو نہیں مانتے جن میں اللہ تعالیٰ نے صغائر اور کبائر کے مرتکب کی

مغفرت کی تصریح کی ہے اور وہ شفاعت کی آیات کو بھی نہیں مانتے اور جن آیات میں مرتکب کبائر پر مومن کا اطلاق کیا گیا ہے وہ ان کو بھی نہیں مانتے۔

جن لوگوں کے اعمال کا وزن نہیں ہوگا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور ہم قیامت کے دن ان کے لیے کوئی وزن قائم نہیں کریں گے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن ایک بہت بڑا اور بہت موٹا شخص آئے گا اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا وزن ایک مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں ہوگا' اور فرمایا تم یہ آیت پڑھو فلا نقیم لھم یوم القیامۃ و زنا (الکھف: ١٠٥) اور ہم قیامت کے دن ان کے لیے کوئی وزن قائم نہیں کریں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٤٧٢٩' صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢٧٨٥)

اس کا معنی یہ ہے کہ قیامت کے دن انہیں ان کے اعمال پر کوئی ثواب نہیں ملے گا اور قیامت کے دن میزان میں ان کی کسی نیکی کا وزن نہیں کیا جائے گا اور جس کی کوئی نیکی نہیں ہوگی تو پھر وہ دوزخ میں ہوگا۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کفار تہامہ پہاڑ جتنے بڑے بڑے اعمال لے کر آئیں گے لیکن ان کا وزن نہیں کیا جائے گا' اور اس آیت کا معنی مجازاً یوں بھی ہوسکتا ہے کہ ان کے اعمال کا اس دن ہمارے نزدیک کوئی وزن نہیں ہوگا۔ یعنی ان کے اعمال کی کوئی قدر نہیں ہوگی۔

بسیار خوری کے دینی اور دنیوی نقصانات

اس حدیث میں موٹے آدمی کا خصوصیت کے ساتھ ذکر فرمایا ہے اس کی فقہ یہ ہے کہ جو شخص حرص اور تلذذ کی وجہ سے زیادہ کھاتا ہے قیامت کے دن اس کے نیک اعمال کا وزن نہیں ہوگا۔ بلکہ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ ضرورت سے زیادہ کھانا مکروہ تحریمی ہے۔ زیادہ مرغن اور چکنی چیزیں کھانا' مٹھائیاں کھانا' ثقیل اور دیر ہضم چیزیں کھانا جیسے پراٹھے' شیرمال' تافتان اور زردہ' بریانی وغیرہ' زیادہ گوشت کھانا جسم کو فربہ کرتا ہے' اور معیاری وزن سے جس کا وزن زائد ہو وہ جلد یا بدیر شوگر' ہائی بلڈ پریشر' انجائنا اور جوڑوں کے درد وغیرہ میں مبتلا ہو جاتا ہے کوئی شخص اپنے جسم کا مالک نہیں ہے اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے جسم کو نقصان پہنچائے۔ اس لئے زیادہ چٹپٹی اور چٹخارے دار چیزیں زیادہ مقدار میں کھانا جائز نہیں ہے اس لئے احادیث میں زیادہ کھانے اور موٹے آدمی کی مذمت کی گئی ہے۔

مشہور محدث شیخ اسماعیل بن محمد العجلونی المتوفی ١١٦٢ھ لکھتے ہیں:

الکشاف' البغوی اور دیگر مفسرین نے لکھا ہے کہ علماء یہود میں سے مالک بن صیف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا میں تمہیں اس ذات کی قسم دیتا ہوں جس نے تورات کو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل کیا ہے کیا تم نے تورات میں یہ پڑھا ہے کہ اللہ تعالیٰ موٹے عالم سے بغض رکھتا ہے' اور وہ موٹا آدمی تھا سو وہ غضب ناک ہو گیا اور کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بشر پر کوئی چیز نازل نہیں کی۔

بشر اعور بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب نے فرمایا تم زیادہ مقدار میں کھانے اور پینے سے احتراز کرو کیونکہ بسیار خوری جسم کو فاسد کرتی ہے اور بزدلی پیدا کرتی ہے اس سے نماز میں سستی پیدا ہوتی ہے' اور تم کھانے پینے میں درمیانہ روی کو لازم کرلو کیونکہ اس سے جسم کی زیادہ اصلاح ہوگی اور اس سے تم اسراف سے بچو گے' اور بے شک اللہ موٹے عالم سے بغض رکھتا ہے۔ حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو مرفوعاً روایت کیا ہے۔

امام احمد' حاکم اور امام بیہقی نے سند جید کے ساتھ حضرت جعدہ الجشمی سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک

موٹے آدمی کی طرف دیکھا تو اس کے پیٹ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا اگر یہ (کھانا) اس (پیٹ) کے علاوہ کسی اور چیز میں ہوتا تو یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر تھا۔ (حافظ زین نے لکھا ہے اس حدیث کی سند صحیح ہے' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۵۸۱۳' دار الحدیث قاہرہ' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۵۹۶۳' عالم الکتب بیروت' مسند احمد ج ۳ ص ۴۷۱ طبع قدیم' مسند الطیالسی رقم الحدیث: ۱۲۳۵)

(کشف الخفاء ج ۲ ص ۲۴۸' رقم الحدیث: ۷۶۱' مطبوعہ مکتبۃ الغزالی دمشق)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سب سے بہتر لوگ وہ ہیں جو میرے قرن (زمانہ یا صدی) میں ہیں' پھر وہ لوگ ہیں جو ان کے قریب ہیں۔ عمران نے کہا مجھے پتا نہیں آپ نے اپنے بعد دو قرن ذکر فرمائے یا تین' پھر تمہارے بعد ایک ایسی قوم آئے گی جو شہادت دے گی تو اس کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی وہ خیانت کرے گی اس کو امین نہیں سمجھا جائے گا وہ نذر مانیں گے اور نذر کو پورا نہیں کریں گے اور ان میں موٹاپا ظاہر ہو گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۵۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۳۵' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۲۲' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۸۰۹)

اس کی وجہ یہ ہے کہ جو شخص زیادہ کھا پی کر موٹا ہو جاتا ہے وہ عیش پرست اور آرام طلب ہو جاتا ہے' پھر وہ اپنی خواہشات اور اپنے نفس کی بندگی کرتا ہے اللہ کی بندگی نہیں کرتا' اور جس شخص کا یہ حال ہو وہ بالعموم مال حرام کھانے سے بھی گریز نہیں کرتا' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو گوشت مال حرام سے پیدا ہو دوزخ کی آگ اس کے زیادہ لائق ہے' اور اللہ تعالیٰ نے زیادہ کھانے کی وجہ سے کفار کی مذمت کی ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ (محمد: ۱۲)

اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ (دنیا کا) فائدہ اٹھا رہے ہیں اور اس طرح کھا رہے ہیں جس طرح جانور کھاتے ہیں اور ان کا ٹھکانا دوزخ کی آگ ہے۔

اور جب مومن کافروں کے ساتھ مشابہ ہو گا اور تمام اوقات اور احوال میں ان کی طرح دنیا سے لذت اندوز ہو گا تو پھر اس میں حقیقت ایمان کہاں رہے گی اور اسلام کے احکام پر عمل کب ہو گا' اور جو شخص بسیار خور ہو اس کی حرص بڑھ جاتی ہے اس پرستی' کاہلی اور نیند کا غلبہ رہتا ہے اس کا دن چرنے میں اور رات سونے میں گزرتی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص بہت زیادہ کھانا کھاتا تھا پھر وہ مسلمان ہو گیا تو وہ بہت کم کھانا کھانے لگا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا: کہ مومن ایک آنت میں کھاتا ہے اور کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۳۹۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۶۲' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۸۱۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۲۵۸' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۶۸۹۳)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک شخص نے ڈکار لی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی ڈکار کو ہم سے دور رکھو کیونکہ جو لوگ دنیا میں زیادہ سیر ہوں گے وہ قیامت کے دن زیادہ بھوکے ہوں گے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۷۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۵۰' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۴۱۲۱' المسند الجامع رقم الحدیث: ۸۲۴۶)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے ان کے لیے فردوس کی جنتوں کی مہمانی ہے O وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں وہ اس جگہ کو تبدیل کرنا نہیں چاہیں گے O (الکھف: ۱۰۸-۱۰۷)

جنت الفردوس کا مقام

قتادہ نے کہا فردوس سب سے بلند، متوسط، سب سے اعلیٰ اور افضل جنت ہے۔ حضرت ابوامامہ باہلی نے کہا فردوس جنت کی ناف ہے۔ کعب نے کہا جنتوں میں جنۃ الفردوس سے اعلیٰ کوئی جنت نہیں ہے۔ اس میں نیکی کا حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والے ہوں گے۔ حدیث میں ہے: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لایا اور اس نے نماز قائم کی اور رمضان کے روزے رکھے، اللہ پر حق ہے کہ اس کو جنت میں داخل کر دے، خواہ اس نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی ہو یا اپنے اس گھر میں بیٹھا رہا ہو جس گھر میں وہ پیدا ہوا ہے۔ صحابہ نے کہا یا رسول اللہ! کیا ہم لوگوں کو اس کی خبر نہ دیں؟ آپ نے فرمایا: جنت میں سو درجے ہیں جن کو اللہ نے اپنی راہ میں جہاد کرنے والے کے لیے تیار کیا ہے۔ ہر دو درجوں کے درمیان زمین اور آسمان جتنا فاصلہ ہے پس جب تم اللہ سے سوال کرو تو جنت الفردوس کا سوال کرو کیونکہ وہ جنت کا متوسط اور سب سے بلند درجہ ہے۔ اس کے اوپر رحمٰن کا عرش ہے اور اسی سے جنت کے دریا جاری ہوتے ہیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ٢٧٩٠، ٧٤٢٣، مسند احمد رقم الحدیث: ٨٤٠٠ عالم الکتب، سنن الترمذی رقم الحدیث: ٢٥٣٠)

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں سو درجے ہیں ہر دو درجوں کے درمیان آسمان اور زمین جتنا فاصلہ ہے اور فردوس جنت کا سب سے بلند درجہ ہے، اور اس کے اوپر عرش ہے پس جب تم اللہ سے سوال کرو تو فردوس کا سوال کرو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ٢٥٣١، مسند احمد ج ٥ ص ٣١٦، مسند عبد بن حمید رقم الحدیث: ١٨٢، المسند الجامع رقم الحدیث: ٥٦١٤)

جنت کے فضائل

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں سو درجے ہیں اور اس کے کسی ایک درجے میں تمام جہان سما سکتے ہیں۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ٢٥٣٢، مسند احمد ج ٣ ص ٢٩، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ١٣٩٨)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو گروہ سب سے پہلے جنت میں داخل ہوگا اس کی صورت چودھویں رات کے چاند کی طرح ہوگی۔ اس میں وہ نہ تھوکیں گے نہ ان کو رینٹ آئے گی اور نہ ہی وہ پاخانہ کریں گے۔ ان کے برتن سونے کے ہوں گے اور ان کی کنگھیاں سونے اور چاندی کی ہوں گی، ان کی انگیٹھیاں اگر کی ہوں گی ان کا پسینہ مشک (کی طرح) ہوگا۔ ان میں سے ہر ایک کی دو بیویاں ہوں گی ان کے حسن کے سبب سے ان کی ہڈیوں کا گودا گوشت کے پار سے دکھائی دے گا۔ ان میں کوئی اختلاف ہوگا نہ بغض ہوگا ان سب کے دل ایک طرح ہوں گے، وہ صبح اور شام اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں گے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ٢٥٣٧، مصنف عبدالرزاق ٢٠٨٦٦، صحیح البخاری رقم الحدیث: ٣٢٤٥، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ٧٤٣٦)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے ایسی نعمتیں تیار کی ہیں جن کو کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی بشر کے دل میں ان کا خیال آیا ہے اور اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھو:

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ (السجدۃ: ١٧) کوئی شخص نہیں جانتا کہ ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے کیا نعمتیں پوشیدہ رکھی گئی ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٣٢٤٤، صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢٨٢٤، سنن الترمذی رقم الحدیث: ٣١٩٧)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل جنت' جنت میں اس حال میں داخل ہوں گے کہ ان کے چہروں اور جسموں پر بال نہیں ہوں گے اور ان کی عمر تیس یا تینتیس سال ہوگی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۴۵' مسند احمد ج ۵ ص ۲۴۳)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل جنت کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی ان میں سے اسی صفیں اس امت کی ہوں گی اور چالیس صفیں باقی امتوں کی ہوں گی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۴٦' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۴۷۰' مسند احمد ج ۵ ص ۳۴۷' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۸۳۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۸۹' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۴۵۹)

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا:

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَ زِيَادَةٌ (یونس: ۲٦) جن لوگوں نے نیک کام کئے ان کے لیے اچھا اجر ہے اور (اس سے) زیادہ بھی ہے۔

آپ نے فرمایا: جب اہل جنت' جنت میں داخل ہو جائیں گے تو ایک منادی ندا کرے گا تمہارے لئے اللہ کے پاس ایک وعدہ ہے وہ کہیں گے کیا اللہ نے ہمارا چہرہ سفید نہیں کیا۔ کیا اس نے ہم کو دوزخ سے نجات نہیں دی' اور ہم کو جنت میں داخل نہیں کیا؟ وہ کہیں گے کیوں نہیں! پھر (اللہ اور ان کے درمیان سے) حجاب اٹھا دیا جائے گا۔ آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم! ان کو اس کی طرف دیکھنے کی بہ نسبت زیادہ محبوب کوئی چیز نہیں دی تھی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۵۲' سنن ابوداؤد الطیالسی: ۱۳۱۵' مسند احمد ج ۴ ص ۳۳۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۷' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۴۴۱' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۷۳۱۴' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۴۳۹۳' المسند الجامع رقم الحدیث: ۵۴۲۲)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل جنت میں سب سے کم درجہ اس شخص کا ہوگا جو ایک ہزار سال کی مسافت سے اپنی جنتوں' اپنی بیویوں' اپنی نعمتوں' اپنے خادموں اور اپنی باندیوں کو دیکھے گا' اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اہل جنت میں سب سے زیادہ مکرم شخص وہ ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے چہرے کا صبح اور شام دیدار کرے گا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی:

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝ اس دن بعض چہرے تروتازہ ہوں گے ۝ اپنے رب کی طرف دیکھنے والے ہوں گے۔ (القیامۃ: ۲۳-۲۲)

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۵۳' مسند احمد ج ۲ ص ۱۳' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۵۷۱۲' المستدرک ج ۲ ص ۵۰۹' حلیۃ الاولیاء ج ۵ ص ۸۷' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۴۳۹۵)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اہل جنت سے ارشاد فرمائے گا اے اہل جنت! وہ کہیں گے اے ہمارے رب! ہم حاضر ہیں اور تیری اطاعت پر کمربستہ ہیں۔ وہ فرمائے گا کیا تم راضی ہو گئے۔ وہ کہیں گے ہم کیوں راضی نہیں ہوں گے تو نے ہمیں وہ نعمتیں عطا فرمائی ہیں جو تو نے اپنی مخلوق میں سے اور کسی کو عطا نہیں فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں اب تم کو اس سے افضل نعمت عطا کروں گا وہ کہیں گے اس سے افضل کون سی نعمت ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں تمہارے اوپر اپنی رضا کو حلال کر دوں گا اور کبھی بھی ابد تک تم سے ناراض نہیں ہوں گا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۵۵' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۴۹' ۷۵۱۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۲۹' مسند احمد ج ۳ ص ۸۸' صحیح ابن حبان

رقم الحدیث: ۲۴۳۰ 'حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۳۴۲ 'شرح السنۃ رقم الحدیث: ۴۳۹۴)

ان جاہل شعراء اور جعلی صوفیا کا رد جو جنت کو کم تر کہتے ہیں

موخر الذکر ان تین حدیثوں سے معلوم ہوا کہ سب سے عظیم نعمت اللہ تعالیٰ کا دیدار اور اس کی رضا ہے لیکن یہ نعمت بھی جنت میں حاصل ہو گی۔ بعض جاہل شعراء اور جعلی اور بناوٹی صوفیاء جنت کی بہت تحقیر کرتے اور اللہ تعالیٰ کے دیدار اور اس کی رضا کی اہمیت بیان کر کے جنت کی طلب کو بہت گھٹیا اور بہت خسیس کہتے ہیں' حالانکہ قرآن اور حدیث میں جنت کی بہت فضیلت ذکر فرمائی ہے اور اس کی طلب کی ترغیب دی ہے' اور جنت کو طلب کرنے کا حکم دیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی جنت کا سوال کیا ہے اور ہمیں بھی جنت الفردوس کی دعا کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ لوگ کہتے ہیں دنیا کا طلب گار مؤنث ہے جنت کا طلب گار مخنث (ہیجڑا) ہے اور مولیٰ کا طلب گار مذکر ہے' اسی طرح یہ لوگ مدینہ منورہ کی طلب کے مقابلہ میں بھی جنت کی طلب کو گھٹیا اور خسیس کہتے ہیں ان کے اس قسم کے اشعار ہوتے ہیں:

تیری میری چاہ میں زاہد بس اتنا فرق ہے تجھ کو جنت چاہئے مجھ کو مدینہ چاہئے

حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس جگہ آرام فرما ہیں وہ بھی جنت کا ایک ٹکڑا ہے اور آخرت میں بھی آپ جنت میں ہوں گے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قیام گاہ اول آخر جنت ہی ہے تو پھر جنت کو مدینہ کے مقابلہ میں کیوں گھٹیا کہا جاتا ہے' اور مدینہ منورہ میں زمین کے جس ٹکڑے پر آپ اب تشریف فرما ہیں یہ آپ کی عارضی قیام گاہ ہے اور آپ کی دائمی قیام گاہ جنت ہے تو پھر آپ کی دائمی قیام گاہ کے درجہ میں کمی کرنا کیا یہی آپ سے عشق و محبت کا تقاضا ہے۔ اللہ کی رضا کے مقابلہ میں بھی جنت کو کم درجہ کا اور گھٹیا کہا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ ہم کو جنت نہیں اللہ تعالیٰ کی رضا چاہئے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ جس جنت کی اللہ تعالیٰ نے بہت تعریف کی ہے اور اس کو طلب کرنے اور اس کی طرف دوڑنے کا حکم دیا ہے تو اس کو معمولی اور گھٹیا کہنے سے اللہ تعالیٰ راضی ہو گا یا ناراض!

سب سے بلند درجہ اللہ تعالیٰ کا دیدار اور اس کی رضا کا ہے اور اس کے بعد جنت کا درجہ ہے لیکن یہ بلند درجات جنت میں ہی حاصل ہوں گے اس لئے جنت کی طرف رغبت کرنا چاہئے اور جنت کے حصول کی دعا کرنی چاہئے' حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ کمان کے ایک سرکے برابر جتنی جگہ ان تمام جگہوں سے بہتر ہے جن پر سورج طلوع ہوتا ہے یا غروب ہوتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۷۹۳ 'صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۸۲ 'سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۱۱۸)

حضرت سہل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جنت میں ایک چابک کے برابر جگہ بھی دنیا اور مافیہا سے بہتر ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۵۰ '۲۷۹۲ 'صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۸۱ 'سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۱۱۸ 'مسند احمد ج ۳ ص ۴۳۳ 'سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۴۰۳ 'المسند الجامع رقم الحدیث: ۵۱۲۱)

جنت کو کم تر قرار دینے والے جاہل شعراء اور جعلی صوفی حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کی خاک کے برابر بھی نہیں ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حصول جنت کی دعا کی ہے:

وَاجْعَلْنِىْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ (الشعراء: ۸۵) اور مجھے نعمتوں والی جنت کے وارثوں میں سے بنادے۔

اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جنت کے حصول کی دعا کی ہے:

واسئلک الدرجات العلی من الجنة آمین — اور میں تجھ سے جنت کے بلند درجات کا سوال کرتا ہوں۔ آمین

(المعجم الکبیر ج ۲۳ ص ۳۱٦، رقم الحدیث: ۱۷، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ٦۲۱۸، بیروت، حافظ الہیثمی نے لکھا ہے کہ المعجم الکبیر کی دو سندوں میں سے ایک سند اور المعجم الاوسط کی سند کے راوی ثقہ ہیں، مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۷۷)

اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حصول جنت کی دعا کی ہے تو پھر جنت کی دعا کرنے کو کم تر قرار دینے کی کیا گنجائش ہے اور ہمارے لئے یہ حدیث کافی ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے تین مرتبہ اللہ سے جنت کا سوال کیا تو جنت کہتی ہے اے اللہ! اس کو جنت میں داخل کر دے، اور جس نے تین مرتبہ دوزخ سے پناہ طلب کی تو دوزخ کہتی ہے اے اللہ! اس کو دوزخ سے پناہ میں رکھ۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۷۲، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۴۲۱، مسند احمد ج ۳ ص ۱۱۷، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۴۰، سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۵۳٦، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۳٦۸۲، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۰۱۴، المستدرک ج ۱ ص ۵۳۵)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے اگر میرے رب کے کلمات (کو لکھنے) کے لیے سمندر سیاہی بن جائے تو میرے رب کے کلمات ختم ہونے سے پہلے ضرور سمندر خشک ہو جائے گا۔ خواہ ہم اس کی مدد کے لیے اتنا ہی سمندر اور لے آئیں O (الکہف: ۱۰۹)

اللہ کے کلمات کا غیر متناہی ہونا

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے علم کے کلمات اور اس کے احکام کو لکھا جائے اور سمندر اس کے لیے سیاہی ہو تو اس کے تمام کلمات کو لکھا نہیں جا سکتا خواہ سمندر کتنا ہی وسیع و عریض کیوں نہ ہو، وہ بہر حال متناہی ہے اور اللہ تعالیٰ کے کلمات اور اللہ تعالیٰ کی معلومات غیر متناہی ہیں اور متناہی غیر متناہی کا احاطہ نہیں کر سکتا۔

یہود نے یہ اعتراض کیا تھا کہ تم یہ کہتے ہو کہ تمہارے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو حکمت دی گئی ہے اور تمہارے قرآن میں ہے:

وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا (البقرہ: ۲٦۹) — اور جس کو حکمت دی گئی اس کو خیر کثیر دی گئی۔

پھر تم یہ کیوں کہتے ہو کہ تم کو بہت کم علم دیا گیا ہے وما اوتیتم من العلم الا قلیلا (بنی اسرائیل: ۸۵) اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خیر کثیر دی گئی ہے اور آپ کا علم بہت عظیم ہے۔ تمام مخلوق کا علم آپ کے علم کے مقابلہ میں ایک قطرہ ہے اور آپ کا علم تمام مخلوق کے مقابلہ میں سمندر ہے، لیکن آپ کا علم اللہ کے مقابلہ میں اس طرح بھی نہیں ہے جیسے قطرہ سمندر کے سامنے ہو کیونکہ قطرہ کی نسبت سمندر کی طرف متناہی کی نسبت متناہی کی طرف ہے اور آپ کے علم کی نسبت اللہ کے علم کی طرف متناہی کی نسبت غیر متناہی کی طرف ہے۔ اس کی نظیر یہ آیت ہے:

وَلَوْ اَنَّمَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ یَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ کَلِمٰتُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ O (لقمان: ۲۷)

اگر روئے زمین کے تمام درخت قلم ہو جائیں اور سمندر اس کی سیاہی ہو اور ان کے بعد سات سمندر اور ہوں پھر بھی اللہ کے کلمات ختم نہیں ہوں گے۔ بے شک اللہ بہت غالب بڑی حکمت والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے کہ میں (خدا نہ ہونے میں) تمہاری ہی مثل بشر ہوں میری طرف یہی وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا خدا ایک خدا ہے سو جو شخص اپنے رب سے ملاقات کی توقع رکھتا ہے اس کو چاہئے کہ وہ نیک عمل کرتا رہے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے O (الکھف: ١١٠)

بشر کا معنی

امام خلیل بن احمد فراہیدی متوفی ١٧٥ھ لکھتے ہیں:

بشر کا معنی انسان ہے خواہ ایک مرد ہو یا ایک عورت ہو' اور چہرے' سر اور جسم کی اوپری کھال کو بشرۃ کہتے ہیں۔

(کتاب العین ج ١ ص ١٦٤' مطبوعہ انتشارات اسوہ' ایران' ١٤١٤ھ)

علامہ ابوالحسن علی بن اسماعیل بن سیدہ المرسی المتوفی ٤٥٨ھ لکھتے ہیں:

بشر کا مادہ ہے: ب ش ر' اس سے ایک لفظ بنا ہے الشرب جس کا معنی ہے پینا' اس کا مقلوب ہے الشبر اس کا معنی ہے بالشت' اور اس کا ایک مقلوب الاربش ہے اس کا معنی ہے مختلف رنگوں والا' اور اس کا ایک مقلوب ہے البرش اس کا معنی ہے سرخ اور سیاہ مخلوط رنگ۔ اور البشر کا معنی ہے انسان اس میں واحد' جمع اور مذکر اور مونث مساوی ہیں' اور انسان کے چہرے' سر اور جسم کی اوپر والی کھال کو البشرہ کہتے ہیں' جس چیز کی خوشخبری دی جائے اس کو بشارت کہتے ہیں اور جماع کو مباشرت کہتے ہیں' مسکراہٹ اور خوشی کے اظہار کو اَلْبِشر کہتے ہیں۔ بارش برسانے والی ہواؤں کو المبشرات کہتے ہیں۔ ہر چیز کے اوّل کو تباشیر کہتے ہیں خوبصورت چہرے والے کو البشیر کہتے ہیں۔ (المحکم والمحیط الاعظم ج ٨ ص ٦٠۔ ٥٢' ملخصاً' دار الکتب العلمیہ بیروت' ١٤٢١ھ)

علامہ حسین محمد بن راغب اصفہانی متوفی ٥٠٢ھ لکھتے ہیں:

انسان کے جسم کی کھال کے ظاہر کو البشرہ کہتے ہیں اور اس کھال کے باطن کو الادمۃ کہتے ہیں' انسان کو بشر اس لئے کہتے ہیں کہ اس کی کھال ظاہر ہوتی ہے اس کے برخلاف دیگر حیوانوں کی کھال کے اوپر بال ظاہر ہوتے ہیں اور عموماً کھال بالوں کے نیچے چھپی ہوئی ہوتی ہے۔ اس لفظ میں واحد' جمع' مذکر اور مونث برابر ہیں۔ قرآن مجید میں ہر جگہ انسان کے جثہ اور اس کے ظاہر کو بشر کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا (الفرقان: ٥٤) وہی ہے جس نے انسان کو پانی سے پیدا کیا۔

کفار انبیاء علیہم السلام کے مرتبہ کو کم اور پست کرنے کے لیے انہیں بشر کہتے تھے:

اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ (المدثر: ٢٥)	یہ صرف بشر کا قول ہے۔
اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗۤ (القمر: ٢٤)	کیا ہم اپنوں میں سے ایک بشر کی پیروی کریں۔
مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا (یٰسین: ١٥)	تم محض ہماری طرح بشر ہو۔
اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا (المؤمنون: ٤٧)	کیا ہم اپنی طرح دو بشروں پر ایمان لے آئیں۔
قَالُوْۤا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا (التغابن: ٦)	کافروں نے کہا کیا بشر ہم کو ہدایت دے گا۔

چونکہ لوگ بشریت میں ایک دوسرے کو مساوی سمجھتے تھے اور علوم و معارف اور غیر معمولی صلاحیتوں اور قابل تحسین کاموں کی وجہ سے ایک کی دوسرے پر فضیلت سمجھتے تھے اس لئے پہلے فرمایا: قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ پھر فرمایا: يُوْحٰۤى اِلَيَّ (الکھف: ١١٠' حٰم السجدۃ: ٦) یعنی پہلے فرمایا میں بشر ہونے میں تمہارے مساوی ہوں اور میری فضیلت اور تخصیص یہ ہے کہ مجھ پر وحی کی جاتی ہے اور میں وحی الٰہی کی وجہ سے تم سے ممیز اور ممتاز ہوں۔

مصر کی عورتوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق کہا:

حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ (یوسف:٣١)

حاشا اللہ! یہ بشر نہیں ہے' یہ معزز فرشتہ کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔

ان عورتوں نے حضرت یوسف کی عظمت اور جلال کو ظاہر کرتے ہوئے کہا یہ اس سے بلند اور برتر ہیں کہ یہ کوئی انسان ہوں ان کی حقیقت اور جوہر ذات بشر ہونے سے منزہ ہے۔ جب کسی شخص کو کوئی خوشی کی خبر سنائی جائے تو اس کے چہرے پر خون کی سرخی پھیل جاتی ہے اور اس کے چہرے کی کھال سرخ ہو جاتی ہے اس لئے خوشخبری سنانے کو تبشیر اور خوشخبری سن کر خوش ہونے کو استبشار کہتے ہیں قرآن مجید میں ہے:

قَالُوْا لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ (الحجر:٥٣)

(فرشتوں نے) کہا آپ ڈریں نہیں ہم آپ کو علم والے لڑکے کی بشارت دے رہے ہیں۔

يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ (آل عمران:١٧١)

وہ اللہ کی نعمت اور فضل سے خوش ہوتے ہیں۔

(المفردات ج ١ص ٦١-٦٠' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ١٤١٨ھ)

کفار انبیاء علیہم السلام کو کیوں بشر کہتے تھے اور ان کا رد

کفار انبیاء علیہم السلام کو بشر اس لئے کہتے تھے کہ وہ بشریت کو نبوت کے منافی سمجھتے تھے وہ کہتے تھے کہ نبی کے لیے فرشتہ ہونا ضروری ہے۔ قرآن مجید نے کفار کا قول نقل فرمایا ہے:

وَاَسَرُّوا النَّجْوَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ○ (الانبیاء:٣)

اور ان ظالموں نے چپکے چپکے سرگوشی کی کہ یہ تو تمہاری ہی مثل بشر ہے' کیا تم دیکھنے کے باوجود جادو میں جا رہے ہو۔

امام فخر الدین رازی متوفی ٦٠٦ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ان کافروں نے دو وجہوں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں طعن کیا تھا' ایک یہ کہ آپ ان کی مثل بشر ہیں۔ دوسری یہ کہ آپ نے جو دلیل پیش کی ہے وہ جادو ہے اور یہ دونوں وجہیں باطل ہیں۔ پہلی وجہ اس لئے باطل ہے کہ نبوت کا ثبوت دلائل اور معجزات پر موقوف ہے صورتوں پر موقوف نہیں۔ بالفرض اگر ان کے پاس فرشتہ کو نبی بنا کر بھیجا جاتا تو محض اس کی صورت دیکھ کر تو اس کے نبی ہونے پر یقین نہیں ہو سکتا تھا جب تک کہ اس کی نبوت پر دلائل نہ قائم ہو جاتے' اور جب یہ واضح ہو گیا تو اگر بشر اپنی نبوت پر معجزات اور دلائل قائم کر دے تو اس کا نبی ہونا بھی جائز ہے بلکہ واجب ہے' اور اولیٰ یہ ہے کہ بشر کی طرف بشر کو نبی بنا کر مبعوث کیا جائے کیونکہ انسان کے لیے اپنے ہم جنس اور ہم شکل کو نبی ماننا زیادہ قریب ہے کیونکہ ہر شخص اپنی جنس سے مانوس ہوتا ہے۔

اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کو جو جادو کہتے تھے یہ بھی باطل ہے کیونکہ آپ کا معجزہ قرآن ہے کیونکہ آپ اس میں کوئی تلبیس اور ملمع کاری نہیں کرتے تھے۔ آپ نے ان سب کو قرآن کریم کی ایک سورت کی مثل لانے کا چیلنج دیا اور وہ عرصہ دراز گزرنے کے بعد بھی اس کی مثل نہیں لا سکے اور اب تک نہیں لا سکے پس اس معجزہ کو جادو کہنا باطل ہے۔

(تفسیر کبیر ج ٨ص ١٢٠' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ١٤١٥ھ)

قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی متوفی ٦٨٥ھ لکھتے ہیں:

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر کہہ کر وہ آپ کے دعویٰ رسالت کی تکذیب کا قصد کرتے تھے کیونکہ ان کا قصد یہ تھا رسول

صرف فرشتہ ہی ہو سکتا ہے اور قرآن مجید اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر معجزات کو وہ جادو کہتے تھے۔

(تفسیر بیضاوی مع عنایۃ القاضی ج ۶ ص ۴۱۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۷ھ)

کفار بشر کے رسول اور نبی ہونے کو جو مستبعد سمجھتے تھے اور اس کا انکار کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے اس کا رد فرمایا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ○ (الانعام: ۹)

اور اگر ہم رسول کو فرشتہ بناتے تو اسے مرد ہی (کی صورت میں) بناتے اور ہم ان پر وہی شبہ ڈال دیتے جو شبہ وہ (اب) کر رہے ہیں۔

انبیاء کا بشر ہونا ہمارے لئے وجہ احسان ہے

بلکہ انسانوں کے لیے انسان کو رسول بنا کر بھیجنا ان کے لیے زیادہ مفید ہے اور اس سے استفادہ کے لیے زیادہ سہل اور آسان ہے کیونکہ اگر فرشتہ، جن یا کسی اور جنس سے ان کے لیے رسول بھیجا جاتا تو وہ اس کو دیکھ سکتے نہ اس کی بات سن سکتے۔ نہ اس کے اعمال کی اتباع اور اقتداء کر سکتے، یہ تو اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا امتنان اور احسان ہے کہ اس نے انسانوں کے لیے ان کی جنس سے انسان کو رسول بنا کر بھیجا اس لئے فرمایا:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ (آل عمران: ۱۶۴)

بے شک اللہ نے مومنین پر بہت بڑا احسان فرمایا کہ اس نے ان میں ان ہی میں سے ایک عظیم رسول بھیجا۔

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ (الجمعہ: ۲)

وہی ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں ان ہی میں سے ایک عظیم رسول بھیجا۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ (التوبہ: ۱۲۸)

بے شک تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک عظیم رسول آ گئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی اللہ تعالیٰ سے یہی دعا کی تھی کہ اہل مکہ میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیج دیا جائے:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ (البقرہ: ۱۲۹)

اے ہمارے رب! ان میں ان ہی میں سے ایک عظیم رسول بھیج دے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ (یوسف: ۱۰۹، النحل: ۴۳، الانبیاء: ۲۱)

اور ہم نے آپ سے پہلے صرف مردوں کو رسول بنا کر بھیجا ہے جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خود پر بشر کا اطلاق فرمانا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی ذات پر بشر کا اطلاق فرمایا ہے:

انما انا بشر مثلکم انسی کما تنسون فاذا نسیت فذکرونی۔

میں صرف تمہاری مثل بشر ہوں (خدا نہیں ہوں) میں اس طرح بھول جاتا ہوں جس طرح تم بھول جاتے ہو۔ پس جب میں بھول جاؤں تو مجھے یاد دلایا کرو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۰۱، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۷۲، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۰۲۰، سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۲۴۳، سنن ابن ماجہ رقم

الحدیث:۱۲۱۱)

انمـا انـا بشـر وانـه يـاتينـى الخصم فلعل بعضكـم ان يكـون ابلـغ من بعض فـاحسـب انـه صدق فـاقضـى لـه بـذالک فـمن قضيت لـه بـحق مسلم فانما هي قطعة مـن النـار فليـاخـذهـا او فليتـركـهـا۔

میں محض بشر ہوں (خدا نہیں ہوں) میرے پاس متخالف فریق آتے ہیں۔ ہوسکتا ہے تم میں سے بعض دوسروں سے زیادہ چرب زبان ہو اور میں (بظاہر) یہ گمان کرلوں کہ وہ سچا ہے اور میں اس کے حق میں فیصلہ کردوں پس (بالفرض) اگر میں کسی مسلمان کا حق اس کو (ظاہری حجت کی بنا پر) دے دوں تو وہ آگ کا ٹکڑا ہے' خواہ وہ اس کو لے لے یا ترک کردے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۹۶۷' ۲۶۸۰' ۲۴۵۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۱۱' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۵۸۳' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۳۳۹' سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۴۰۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۳۱۷)

نبی اور رسول کا بشر ہونا

متکلمین نے نبی اور رسول کی حسب ذیل تعریفیں کی ہیں:

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۳ھ لکھتے ہیں:

الـنـبـى انسـان بـعـثـه الـلـه لتبليغ مـا اوحـى اليـه وكـذا الـرسـول۔

نبی وہ انسان ہے جس کو اللہ تعالیٰ اس چیز کی تبلیغ کے لیے بھیجتا ہے جس کی اس کی طرف وحی کی جاتی ہے۔ اسی طرح رسول ہے

(شرح المقاصد ج ۵ ص ۵' مطبوعہ منشورات الرضی ایران' ۱۴۰۹ھ)

میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۱۶ھ لکھتے ہیں۔

الـرسـول انسـان بـعـثـه الـلـه الـى الخلق لتبـليـغ الاحـكـام۔

رسول وہ انسان ہے جسے اللہ احکام کی تبلیغ کے لیے مخلوق کی طرف بھیجتا ہے۔

(کتاب التعریفات ص ۸۱' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۸ھ)

علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ لکھتے ہیں:

الـنـبـى انسـان بـعـثـه لتبـليـغ مـا اوحـى اليـه وكـذا الرسـول۔

نبی وہ انسان ہے جس کو اللہ نے اس کی طرف کی ہوئی وحی کی تبلیغ کے لیے بھیجا ہو رسول کی بھی یہی تعریف ہے۔

(المسائرہ مع المسامرہ ص ۲۰۷' مطبوعہ دائرۃ المعارف الاسلامیہ مکران)

مولانا عبد العزیز پرہاروی نے علامہ تفتازانی سے یہ تعریف نقل کی ہے:

والـرسـول انسـان بـعـثـه الـلـه تعـالـى الى الـخـلـق لتبـليـغ الاحـكـام الشـرعـية۔

رسول وہ انسان ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی طرف احکام شرعیہ پہنچانے کے لیے بھیجا ہے۔

(النبراس ص ۷۹' مطبوعہ مکتبہ قادریہ لاہور' ۱۳۹۷ھ)

علامہ محمد السفارینی حنبلی متوفی ۱۱۸۸ھ لکھتے ہیں:

وهـو انسـان اوحـى اليـه بشـرع وان لم يـؤمـر بتبـليـغـه فـان امـر بتبليغه فهو رسول

نبی وہ انسان ہے جس پر شریعت کی وحی کی جائے خواہ اس کو شریعت کی تبلیغ کا حکم نہ دیا جائے' اور اگر اس کو شریعت کی تبلیغ کا حکم

ایضا علی المشهور. بھی دیا گیا ہو تو وہ مشہور مذہب کے مطابق رسول بھی ہے۔
(لوامع الانوار البہیہ ج ١ ص ٤٨ 'مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت' ١٤١١ھ)

صدر الشریعت علامہ امجد علی متوفی ١٣٧٦ھ لکھتے ہیں۔
عقیدہ: نبی اس بشر کو کہتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے لیے وحی بھیجی ہو' اور رسول بشر کے ساتھ ہی خاص نہیں بلکہ ملائکہ بھی رسول ہیں۔
عقیدہ: انبیاء سب بشر تھے اور مرد' نہ کوئی جن' نبی ہوا نہ عورت۔ (بہار شریعت ج ١ ص ٩ 'مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور)
صدر الافاضل علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ١٣٦٧ھ لکھتے ہیں:
انبیاء وہ بشر ہیں جن کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آتی ہے یہ وحی کبھی فرشتہ کی معرفت آتی ہے کبھی بے واسطہ۔
(کتاب العقائد ص ٨ 'مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بشر ہونے کے متعلق اعلیٰ حضرت کا نظریہ

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ١٣٤٠ھ سے سوال کیا گیا:
زید کا قول یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہماری مثل ایک بشر تھے کیونکہ قرآن عظیم میں ارشاد ہے کہ قل انما انا بشر مثلکم اور خصائص بشریت بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم میں بلاشبہ موجود تھے۔ کیا کھانا پینا' جماع کرنا' بیٹا ہونا' باپ ہونا' کفو ہونا' سونا وغیرہ امور خواص بشریت سے نہیں ہیں! جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم میں بلاشبہ موجود تھے' اگر کوئی بشریت کی بنا پر حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مساوات کا دعویٰ کرنے لگے تو یہ نالائق حرکت ہے جیسا کہ عارف بسطامی سے منقول ہے کہ لوائی ارفع من لواء محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (یعنی میرا جھنڈا' سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے سے بلند ہے) اعلیٰ حضرت امام الشاہ احمد رضا قدس سرہ اس سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

الجواب

مستفتی کو تعجیل اور فقیر بتیس روز سے علیل اور مسئلہ ظاہر و بین غیر محتاج دلیل' لہٰذا صرف ان اجمالی کلمات پر اقتصار ہوتا ہے عمرو کا قول مسلمانوں کا قول ہے اور زید نے وہی کہا جو کافر کہا کرتے تھے قالوا ما انتم الا بشر مثلنا کافر بولے! تم تو نہیں مگر ہم جیسے آدمی بلکہ زید مدعی اسلام کا قول ان کافروں کے قول سے بعید تر ہے' وہ جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اپنا سا بشر مانتے تھے اس لئے کہ ان کی رسالت سے منکر تھے کہ ما انتم الا بشر مثلنا وما انزل الرحمن من شئ ان انتم الا تکذبون تم تو نہیں مگر ہماری مثل بشر اور رحمٰن نے کچھ نہیں اتارا تم نرا جھوٹ کہتے ہو' واقعی جب ان خبثا کے نزدیک وحی نبوت باطل تھی تو انہیں اپنی سی بشریت کے سوا کیا نظر آتا لیکن ان سے زیادہ دل کے اندھے وہ کہ وحی و نبوت کا اقرار کریں اور پھر انہیں اپنا ہی سا بشر جانیں' زید کو قل انما انا بشر مثلکم سوجھا اور یوحی الی نہ سوجھا جو غیر متناہی فرق ظاہر کرتا' زید نے اتنا ہی ٹکڑا لیا جو کافر لیتے تھے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بشریت جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملکیت سے اعلیٰ ہے وہ ظاہری صورت میں ظاہر بینوں کی آنکھوں میں بشریت رکھتے ہیں جس سے مقصود خلق کا ان سے انس حاصل کرنا اور ان سے فیض پانا و لہٰذا ارشاد فرماتا ہے ولو جعلناه ملکا لجعلنه رجلا وللبسنا علیهم مایلبسون اور اگر ہم فرشتے کو رسول کر کے بھیجتے تو ضرور اسے مرد ہی کی شکل میں بھیجتے اور ضرور انہیں اسی شبہ میں رکھتے جس دھوکے میں اب ہیں' ظاہر ہوا کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ظاہری صورت دیکھ کر انہیں اوروں کی مثل بشر سمجھنا ان کی بشریت کو اپنا سا جاننا ظاہر بینوں کو رباطنوں کا دھوکہ ہے۔

شیطان کے دھوکے میں پڑے ہیں۔

ہمسری با اولیا برداشتند انبیاء را ہمچو خود پنداشتند

ان کا کھانا پینا سونا یہ افعال بشری اس لئے نہیں کہ وہ ان کے محتاج ہیں حاشا لست کاحد کم انی ابیت عندر بی یطعمنی و یسقینی ان کے یہ افعال بھی اقامت سنت و تعلیم امت کے لیے تھے کہ ہر بات میں طریقہ محمودہ لوگوں کو عملی طور سے دکھائیں سکھائیں جیسے ان کا سہو ونسیان' حدیث میں ہے انی لاانسی ولکن انسی لیستن بی میں بھولتا نہیں بھلایا جاتا ہوں تا کہ حالت سہو میں امت کو طریقہ سنت معلوم ہو' امام اجل محمد عبدری ابن الحاج مکی قدس سرہ مدخل میں فرماتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احوال بشری کھانا پینا سونا جماع اپنے نفس کریم کے لیے نہ فرماتے تھے بلکہ بشر کو انس دلانے کے لیے کہ ان افعال میں حضور کی اقتدا کریں' کیا نہیں دیکھتا ہے کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا میں عورتوں سے نکاح کرتا ہوں اور مجھے ان کی کچھ حاجت نہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے تمہاری دنیا میں سے خوشبو اور عورتوں کی محبت دلائی گئی۔ یہ نہ فرمایا کہ میں نے انہیں دوست رکھا اور فرمایا تمہاری دنیا میں سے تو اسے اوروں کی طرف اضافت فرمایا نہ اپنے نفس کریم کی طرف صلی اللہ علیہ وسلم' معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اپنے مولیٰ عزوجل کے ساتھ خاص ہے۔ جس پر یہ ارشاد کریم دلالت کرتا ہے کہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی۔ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہر صورت بشری اور باطن ملکی ہے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ افعال بشری محض اپنی امت کو انس دلانے اور ان کے لیے شریعت قائم فرمانے کے واسطے کرتے تھے نہ یہ کہ حضور کو ان میں سے کسی شے کی کچھ حاجت ہو جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے انہیں اوصاف جلیلہ و فضائل حمیدہ سے جہل کے باعث بے چارے جاہل یعنی کافر نے کہا اس رسول کو کیا ہوا کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے' عمرو نے سچ کہا کہ یہ قول حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے نہ فرمایا بلکہ اس کے فرمانے پر مامور ہوئے جس کی حکمت تعلیم تواضع و تانیس امت و سد غلو نصرانیت ہے۔ اول' دوم ظاہر اور سوم یہ کہ مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کی امت نے ان کے فضائل پر خدا اور خدا کا بیٹا کہا پھر فضائل محمد یہ علی صاحبہا افضل الصلوٰۃ والتحیۃ کی عظمت شان کی اندازہ کون کرسکتا ہے۔ یہاں اس غلو کے سد باب کے لیے تعلیم فرمائی گئی کہ کہو کہ میں تم جیسا بشر ہوں خدا یا خدا کا بیٹا نہیں' ہاں یوحی الی رسول ہوں' دفع افراط نصرانیت کے لیے پہلا کلمہ تھا اور دفع تفریط ابلیسیت کے لیے دوسرا کلمہ' اسی کی نظیر ہے جو دوسری جگہ ارشاد ہوا قل سبحن ربی هل كنت الا بشرا رسولا تم فرمادو پاکی ہے میرے رب کو میں خدا نہیں میں تو انسان رسول ہوں انہیں دونوں کے دفع کو کلمہ شہادت میں دونوں لفظ کریم جمع فرمائے گئے اشهد ان محمد اعبده و رسوله' بندے ہیں خدا نہیں رسول ہیں خدا سے جدا نہیں' شیطنت اس کی کہ دوسرا کلمہ امتیاز اعلیٰ چھوڑ کر پہلے کلمہ تواضع پر اقتصار کرے۔ اسی ضلالت کا اثر ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دعویٰ مساوات کو صرف نالائق حرکت کہا نالائق حرکت تو یہ بھی ہے کہ کوئی بلاوجہ زید کو طپانچہ مار دے یعنی اس زید کو جس نے کفر و ضلال نہ بکے ہوں پھر کہاں یہ اور کہاں وہ دعویٰ مساوات کہ کفر خالص ہے' اور اس کا اولیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرف معاذ اللہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ارفعیت کا ادعا نسبت کرنا محض افترا اور کج فہمی ہے حاشا کوئی ولی کیسے ہی مرتبہ عظیمہ پر ہو سرکار کے دائرہ غلامی سے باہر قدم نہیں رکھ سکتا۔ اکابر انبیاء تو دعویٰ مساوات کر نہیں سکتے۔ شیخ الانبیاء خلیل کبریا علیہ الصلوٰۃ والثنا نے شب معراج حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ فضائل سن کر تمام انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم سے فرمایا بهذا فضلكم محمد صلى الله تعالى عليه وسلم ان وجوہ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم سب سے افضل ہوئے۔ ولی کس منہ سے دعویٰ ارفعیت کرے گا اور جو کرے حاشا ولی نہ ہوگا' شیطان ہوگا۔ حضرت سیدنا بایزید

بسطامی اور ان کے امثال و نظائر رضی اللہ عنہ وقت ورود تجلی خاص شجرۂ موسیٰ ہوتے ہیں۔ سیدنا موسیٰ کلیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو درخت میں سے سنائی دیا یموسیٰ انی انا اللہ رب العلمین اے موسیٰ! بے شک میں اللہ ہوں رب سارے جہان کا' کیا یہ پیڑ نے کہا تھا حاشاللہ بلکہ واحد قہار نے جس نے درخت پر تجلی فرمائی اور وہ بات درخت سے سننے میں آئی۔ کیا رب العزت ایک درخت پر تجلی فرما سکتا ہے اور اپنے محبوب بایزید پر نہیں نہیں وہ ضرور تجلی ربانی تھی کلام بایزید کی زبان سے سنا جاتا تھا جیسے درخت سے سنا گیا اور متکلم اللہ عزوجل تھا' اسی نے وہاں فرمایا یموسی انی انا اللہ رب العلمین اسی نے یہاں بھی فرمایا سبحانی ما اعظم شانی اور ثابت ہو تو یہ بھی کہ لوائی ارفع من لواء محمد صلی اللہ تعالی علیه وسلم' بے شک لواء الٰہی لواء محمدی سے ارفع و اعلیٰ ہے۔

(اعلیٰ حضرت کا مطلب یہ ہے کہ جب حضرت بایزید نے یہ بظاہر لوائی ارفع من لواء محمد کہا تھا تو حقیقت میں یہ اللہ کا کلام تھا اور اللہ فرما رہا تھا میرا جھنڈا احمد کے جھنڈے سے بلند ہے۔ جیسے شجر موسیٰ سے اللہ کا کلام سنا گیا تھا اسی طرح یہاں بایزید سے اللہ کا کلام سنا گیا) فتاویٰ رضویہ ج ۶ ص ۱۴۵-۱۴۳' مطبوعہ دار العلوم امجدیہ کراچی' ۱۴۱۲ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بشر ہونے کے متعلق علماء دیوبند کا نظریہ

شیخ خلیل احمد سہارنپوری متوفی ۱۳۴۶ھ لکھتے ہیں:

کوئی ادنیٰ مسلمان بھی فخر عالم علیہ الصلوٰۃ کے تقرب و شرف کمالات میں کسی کو مماثل آپ کا نہیں جانتا البتہ نفس بشریت میں مماثل آپ کے جملہ بنی آدم ہیں کہ خود حق تعالیٰ فرماتا ہے قل انما انا بشر مثلکم اور بعد اس کے یوحی الی کی قید سے پھر وہی شرف تقرب بعد اثبات مماثلت بشریت فرمایا پس اگر کسی نے بوجہ بنی آدم ہونے کے آپ کو بھائی کہا تو کیا خلاف نص کے کہہ دیا وہ تو خود نص کے موافق ہی کہتا ہے۔

نیز لکھتے ہیں:

لاریب اخوت نفس بشریت میں اور اولاد آدم ہونے میں ہے اور اس میں مساوات بنص قرآن ثابت ہے اور کمالات تقرب میں نہ کوئی بھائی کہے نہ مثل جانے۔ (براہین قاطعہ ص ۳' مطبوعہ بلالی ڈھوک ہند)

علماء دیوبند کے نظریہ پر مصنف کا تبصرہ

شیخ سہارنپوری کے اس کلام کا حاصل یہ ہے کہ نفس بشریت میں تمام انسان آپ کے مماثل اور مساوی ہیں ہمارے نزدیک یہ کہنا صحیح نہیں ہے۔ انبیاء علیہم السلام میں عام انسانوں کی بہ نسبت ایک وصف زائد ہوتا ہے جو نبوت ہے وہ حامل وحی ہوتے ہیں' فرشتوں کو دیکھتے ہیں اور ان کا کلام سنتے ہیں اس لئے نبی کی بشریت اور عام انسانوں کی بشریت مماثل اور مساوی نہیں ہے' اور اگر یہ کہا جائے کہ نبوت سے قطع نظر تو نفس بشریت میں مساوات ہے تو میں کہوں گا کہ اس طرح تو نفس حیوانیت میں نطق سے قطع نظر انسان گدھوں' کتوں اور خنزیروں کے مماثل اور مساوی ہے اور ایسا کہنا انسان کی توہین ہے۔ اسی طرح نفس بشریت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انسانوں کے مماثل اور مساوی کہنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین ہے' اگر یہ کہا جائے کہ قرآن مجید میں ہے قل انما انا بشر مثلکم (الکھف: ۱۱۰) تو اس کے دو جواب ہیں ایک جواب یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَآئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّآ أُمَمٌ أَمْثَالُكُمْ (الانعام: ۳۸)

ہر وہ جاندار جو زمین پر چلتا ہے اور ہر وہ پرندہ جو اپنے پروں کے ساتھ اڑتا ہے وہ تمہاری ہی مثل گروہ ہیں۔

اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ زمین اور فضا کے تمام جاندار اور تمام پرندے انسانوں کی مثل ہیں تو اس طریقہ سے کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ انسان گدھ، چیل اور بندر اور خنزیر کی مثل ہے تو کیا یہ انسان کی توہین نہیں ہے۔ لہٰذا اگر یہ کہا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانوں کے مساوی اور ان کی مثل ہیں تو یہ بھی آپ کی توہین ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس چیز میں عام انسانوں کی مثل ہیں؟ کسی وجودی وصف میں کوئی انسان آپ کی مثل نہیں ہے بلکہ آپ کے ساتھ مماثلت عدمی وصف میں ہے نہ ہم خدا ہیں نہ آپ خدا ہیں نہ ہم واجب اور قدیم ہیں نہ آپ واجب اور قدیم ہیں نہ ہم مستحق عبادت ہیں نہ آپ مستحق عبادت ہیں اور یہ آیت اسی معنی پر دلالت کرتی ہے:

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (الکہف: ١١٠) آپ کہیے کہ میں (مستحق عبادت نہ ہونے میں) تمہاری ہی مثل بشر ہوں، میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔

اس بحث کی مزید وضاحت کے لیے شرح صحیح مسلم ج ٥ ص ١٠٨-٨٧ کا ضرور مطالعہ فرمائیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص کے ذکر کے بغیر آپ کو صرف بشر کہنا جائز نہیں

جس کسی معزز اور اہم شخص کا ذکر کیا جاتا ہے تو اس کے عام اوصاف کا ذکر نہیں کیا جاتا بلکہ اس کے ان خصوصی اوصاف کا ذکر کیا جاتا ہے جن کی وجہ سے وہ دوسروں سے ممیز اور ممتاز ہوتا ہے مثلاً آپ ملک کے صدر اور وزیر اعظم کا ذکر کریں تو یوں نہیں کہیں گے کہ یہ انسان اور بشر ہیں یا مرد ہیں۔ آپ یوں نہیں کہیں گے کہ یہ ایک پاکستانی ہیں بلکہ آپ کہیں گے یہ ملک کے صدر ہیں یا ملک کے وزیر اعظم ہیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہنا کس طرح درست ہوگا کہ آپ انسان اور بشر ہیں یا مرد ہیں کیونکہ ان الفاظ میں آپ کی کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ انسان اور بشر ہونے میں مسلمانوں کی بھی کوئی تخصیص نہیں ہیں یہ اوصاف تو مومن، کافر، مرتد سب میں مشترک ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم قبرستان میں گئے آپ نے فرمایا: **السلام علیکم دار قوم مومنین!** بے شک ہم تمہارے ساتھ ملنے والے ہیں، میں چاہتا ہوں کہ ہم اپنے بھائیوں کو دیکھیں! صحابہ نے کہا یا رسول اللہ! کیا ہم آپ کے بھائی نہیں ہیں آپ نے فرمایا: **انتم اصحابی** تم میرے صحابہ ہو اور ہمارے بھائی وہ ہیں جو ابھی تک نہیں آئے۔ الحدیث (صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢٤٩، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٤٣٠٦، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٤٧١٨، مسند احمد ج ٣ ص ١١٩)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا ہمارے بھائی وہ ہیں جو ابھی تک نہیں آئے، اس سے آپ کی مراد دینی بھائی تھے اور دینی بھائی تو صحابہ بھی تھے پھر کیا وجہ ہے کہ جب صحابہ نے کہا کیا ہم آپ کے بھائی نہیں ہیں تو آپ نے فرمایا: تم میرے اصحاب ہو اور ہمارے بھائی وہ ہیں جو ابھی تک نہیں آئے، اس کی وجہ یہی ہے کہ دینی بھائی ہونے میں صحابہ کا کوئی امتیاز اور ان کی کوئی خصوصیت نہیں تھی کیونکہ قیامت تک کے تمام مسلمان آپ کے دینی بھائی ہیں، صحابہ کا امتیاز اور ان کی خصوصیت یہ تھی کہ وہ آپ کے اصحاب ہیں۔ اس وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کا اس وصف کے ساتھ ذکر پسند نہیں کیا جو ان میں اور دوسرے مسلمانوں میں بھی مشترک تھا جس وصف میں صحابہ کی کوئی خصوصیت نہ تھی۔

قاضی عیاض مالکی متوفی ٥٤٤ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ باجی نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے دینی بھائی ہونے کی نفی نہیں کی بلکہ ان کا وہ مرتبہ ذکر کیا جو اس پر زائد ہے اور جو ان کے ساتھ مختص ہے اور جو بعد میں آنے والے مسلمانوں کو حاصل نہیں ہے۔ اس لئے ان کا ذکر دینی اخوت

کے ساتھ کیا۔ علامہ ابن عبدالبر نے کہا تمام اہل ایمان آپ کے دینی بھائی ہیں اور آپ کے صحابہ وہ ہیں جو آپ کی صحبت میں رہے ہوں۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ٢ ص ٢٨' مطبوعہ دار الوفاء بیروت' ١٤١٩ھ)

علامہ یحیٰی بن شرف نووی متوفی ٦٧٦ھ اور علامہ ابی مالکی متوفی ٨٢٨ھ اور علامہ السنوسی مالکی متوفی ٨٩٥ھ نے بھی یہی تقریر ذکر کی ہے۔

(شرح مسلم للنووی ج ٢ ص ١١٩٤' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' اکمال اکمال المعلم ج ٢ ص ٤٩' معلم اکمال الاکمال ج ٢ ص ٤٩' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ١٤١٥ھ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھو تو نہایت عمدہ طریقہ سے آپ پر صلوٰۃ پڑھو کیونکہ تم کو پتا نہیں ہے ہوسکتا ہے کہ یہ صلوٰۃ آپ پر پیش کی جائے تم یوں صلوٰۃ پڑھو اللھم اجعل صلوتک و رحمتک و برکاتک علی سید المرسلین و امام المتقین و خاتم النبیین محمد عبدک و رسولک امام الخیر و قائد الخیر و رسول الرحمۃ اللھم ابعثہ مقاما محمودا یغبطہ الاولون والاخرون۔ اے اللہ! اپنی صلوٰۃ اپنی رحمتیں اور برکتیں ان پر نازل فرما جو رسولوں کے سردار ہیں اور متقین کے امام ہیں' تمام نبیوں کے آخر ہیں سیدنا محمد جو تیرے بندے اور رسول ہیں خیر کے امام اور قائد ہیں' رسول رحمت ہیں اے اللہ! ان کو ایسے مقام محمود پر فائز فرما جس پر تمام اولین اور آخرین رشک کریں۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٩٠٦)

ان احادیث سے یہ واضح ہو گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ان اوصاف کے ساتھ کرنا چاہئے جو آپ کے ساتھ مخصوص ہوں اور جن کی وجہ سے آپ دوسروں سے ممتاز اور ممیز ہوں' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اپنے اصحاب کا ذکر ان اوصاف کے ساتھ بھی نہیں کیا (یعنی دینی بھائی) جن میں دوسرے مسلمان ان کے شریک ہیں تو پھر آپ کو صرف بشر کہنا کس طرح صحیح ہو گا جبکہ لفظ بشر میں تو مسلمانوں کی بھی تخصیص نہیں کیونکہ کافر' مومن اور منافق سب بشر ہیں' اور لفظ بشر میں کوئی تخصیص نہیں اس لفظ میں دینی بھائی سے بھی زیادہ عموم ہے' اس لئے اگر آپ کو خواہ مخواہ بشر کہنا ہی ہے تو آپ کو افضل البشر یا سید البشر کہا جائے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہلوانے کی توجیہ کہ میں تمہاری مثل بشر ہوں

قرآن مجید میں کہیں یہ مذکور نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بشر کہا ہو نہ کسی حدیث میں یہ ہے کہ کسی صحابی نے آپ کو صرف بشر کہا ہو اور سورہ کہف کی اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے خود آپ کو بشر نہیں کہا بلکہ یہ فرمایا ہے آپ کہیے کہ میں محض تمہاری طرح بشر ہوں (خدا نہیں ہوں) اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے علم اور قدرت کے چند معجزات دکھائے مثلاً یہ بتایا کہ تم کیا کھا کر آئے ہو اور گھر میں کیا رکھ کر آئے ہو' اور چند مردے زندہ کئے اور مٹی سے پرندے بنا کر اڑا دیئے تو لوگوں نے ان کو خدا اور خدا کا بیٹا کہہ دیا' اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ما کان و ما یکون کی خبریں دی تھیں اور آپ کی توجہ سے درخت میں جان پڑ گئی اور اس نے آپ کے پاس آکر آپ کی رسالت کی گواہی دی' اور کھجور کا ستون آپ کے فراق میں رویا اور مکہ کے ایک پتھر نے کہا السلام علیک یا رسول اللہ اور گوہ اور ہرنی نے آپ کا کلمہ پڑھا' اونٹ نے آپ سے کلام کیا اس طرح کے بے حد وحساب معجزات ہیں۔ اس لئے یہ خطرہ تھا کہ فرط عقیدت میں آپ کی امت بھی آپ کو خدا یا خدا کا بیٹا نہ کہہ دے اس لئے اللہ تعالیٰ نے کہا تم اپنی زبان سے خود کہہ دو کہ میں تو صرف تمہاری مثل بشر ہوں (خدا نہیں ہوں) اور اس کے بعد فرمایا: یوحی الی میری طرف وحی کی جاتی ہے یعنی نفس بشریت میں عموم اور اشتراک ہے لیکن آپ پر اللہ کی وحی کی جاتی ہے

آپ اس وصف کے لحاظ سے عالم بشریت میں ممتاز اور ممیز ہیں' جس طرح چوپائے' درندے اور پرندے حیوان ہونے میں انسان کے شریک ہیں اور انسان نطق' ادراک اور دریابندۂ معقولات ہونے کی وجہ سے ان سے ممتاز اور ممیز ہے اسی طرح دیگر انسان بشر ہونے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مثل ہیں اور آپ پر جو وحی الٰہی کی جاتی ہے اس وجہ سے آپ دیگر انسانوں سے ممتاز اور ممیز ہیں۔ انسان اپنی عقل کی وجہ سے دوسرے حیوانوں سے ممیز ہے اور نطق اس کے لیے فصل ممیز ہے جس طرح انسان اپنی آنکھوں سے حیوانات کو دیکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ فلاں حیوان ہے اور یہ فلاں حیوان ہے اور اپنی عقل سے معقولات اور کلیات کا ادراک کرتے ہیں اسی طرح نبی علیہ السلام خداداد قوت سے عالم غیب کا ادراک کرتے ہیں اور یہ جانتے ہیں کہ یہ جن ہے' یہ فرشتہ ہے' یہ جبریل ہیں یہ میکائیل ہیں اور فرشتہ سے وحی حاصل کرتے ہیں' سو جس طرح نطق ہمارے لئے حیوانوں سے فصل ممیز ہے اسی طرح نبی کے لیے حامل وحی ہونا عام انسانوں اور بشر سے بہ منزلہ فصل ممیز ہے' اور جس طرح عام کے بعد خاص کو ذکر کیا جاتا ہے اور انسان کو حیوان ناطق کہا جاتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے پہلے آپ کے بشر ہونے کا ذکر فرمایا پھر آپ کے حامل وحی ہونے کا ذکر فرمایا' اور جس طرح انسان کو صرف حیوان کہنا درست نہیں ہے اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف بشر کہنا صحیح نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو جو شخص اپنے رب سے ملاقات کی توقع رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ وہ نیک عمل کرتا رہے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے۔ (الکھف: ۱۱۰)

دکھانے اور سنانے کے لیے عبادت کرنے کی ممانعت میں احادیث اور آثار

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جو شخص اپنے رب سے ملاقات کے دن سے ڈرتا ہے' اپنے گناہوں سے خوفزدہ رہتا ہے اور اپنی عبادات پر ثواب کی امید رکھتا ہے' اس کو چاہیے کہ وہ اخلاص کے ساتھ اپنے رب عزوجل کی عبادت کرے اور اپنی عبادت میں شرک جلی کرے اور نہ شرک خفی کرے' دنیا کی کسی چیز کے عوض اللہ کی عبادت نہ کرے مثلاً اس نیت سے امامت' خطابت اور تعلیم دین نہ کرے کہ اس کے عوض اس کو مال دنیا حاصل ہوگا' نہ اس وجہ سے جہاد کرے کہ اس کے عوض اس کو مال دنیا حاصل ہوگا' صرف اللہ کی رضا کے لیے یہ عبادت کرے پھر اگر اس کو کچھ نذرانہ دیا جائے تو اس کو منع نہ کرے۔ پہلے سے معاوضہ مقرر نہ کرے اور اس کی گزر اوقات کے لیے اس کو جو محنتانہ دیا جائے اس کو مسترد نہ کرے۔ اسی طرح اپنی تعریف اور مدح سرائی کے لیے کوئی عبادت نہ کرے۔

اس آیت کے شان نزول میں امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے:

طاؤس بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص نے آکر کہا اے اللہ کے نبی! میں جہاد کرنے کی خواہش رکھتا ہوں اور میں یہ چاہتا ہوں کہ لوگوں کو میرے جہاد کا علم ہو تو یہ آیت نازل ہوئی: جو شخص اپنے رب سے ملاقات کی توقع رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ وہ نیک عمل کرتا رہے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو (کبھی بھی) شریک نہ بنائے۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۷۶۵۴' تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۳۰۱۴)

شہر بن حوشب بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور آپ سے سوال کیا کہ یہ بتائیے کہ ایک شخص اللہ کے لیے نماز پڑھتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ نماز پر اس کی تعریف کی جائے' اور ایک شخص اللہ کے لیے روزے رکھتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ اس کی تعریف کی جائے' حضرت عبادہ نے کہا اسے کسی چیز کا اجر نہیں ملے گا۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے میں سب سے اچھا شریک ہوں' جس نے میرے ساتھ کسی کو شریک بنایا تو وہ کام اس کے لیے ہے مجھے اس کی کوئی

حاجت نہیں۔(جامع البیان رقم الحدیث:۱۷۶۵۶' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مجھے اپنی امت پر شرک اور شہوت خفیہ کا خطرہ ہے میں نے عرض کیا: کیا آپ کے بعد آپ کی امت شرک کرے گی؟ آپ نے فرمایا: سنو! وہ سورج' چاند' پتھروں اور بتوں کی عبادت نہیں کریں گے لیکن وہ لوگوں کو دکھانے کے لیے عمل کریں گے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اور شہوت خفیہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ایک شخص روزے کی حالت میں صبح اٹھے گا پھر اس کو شہوت ہو گی اور وہ روزہ چھوڑ کر جنسی عمل کرے گا۔(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث:۱۳۰۲۰' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ کرمہ' ۱۴۱۷ھ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے میں سب سے بہتر شریک ہوں' جس شخص نے کوئی عمل کیا اور اس میں میرے غیر کو شریک کیا تو میں اس سے بری ہوں وہ اسی کا عمل ہے جس کو اس نے شریک کیا ہے۔(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث:۱۳۰۲۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت جندب بن زہیر عامری کے متعلق نازل ہوئی ہے اس نے کہا میں ایک عمل اللہ کے لیے کرتا ہوں پھر کوئی اس پر مطلع ہوتا ہے تو مجھے خوشی ہوتی ہے۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ طیب ہے' وہ طیب کے سوا کوئی عمل قبول نہیں کرتا اور جس عمل میں کسی کو شریک کیا گیا ہو وہ اس عمل کو قبول نہیں فرماتا۔

(اسباب النزول للواحدی رقم الحدیث:۶۰۴' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے دن جس شخص کا سب سے پہلے حساب لیا جائے گا وہ شخص شہید ہوگا' اس کو لایا جائے گا اور اس کو اللہ کی دی ہوئی نعمتیں بتائی جائیں گی وہ ان نعمتوں کو پہچان لے گا۔ اس سے پوچھا جائے گا تو نے ان نعمتوں کے مقابلہ میں کیا عمل کیا؟ وہ کہے گا میں نے تیری راہ میں جہاد کیا حتیٰ کہ میں شہید ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو نے جھوٹ بولا لیکن تو نے اس لئے جہاد کیا تھا کہ یہ کہا جائے کہ یہ بہت دلیر ہے سو یہ کہا گیا' پھر حکم دیا جائے گا اور اس کو منہ کے بل جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ پھر اس شخص کو لایا جائے گا جس نے علم پڑھا اور پڑھایا اور قرآن مجید پڑھا' اللہ اس کو اپنی نعمتیں یاد دلائے گا اور وہ ان کو پہچان لے گا۔ اللہ فرمائے گا تو نے ان نعمتوں کے لیے کیا عمل کیا وہ کہے گا میں نے علم حاصل کیا اور پڑھایا اور میں نے تیرے لئے قرآن پڑھا۔ اللہ فرمائے گا تو نے جھوٹ بولا لیکن تو نے اس لئے علم حاصل کیا کہ تجھے عالم کہا جائے اور تو نے اس لئے قرآن پڑھا کہ تجھے قاری کہا جائے سو یہ کہا گیا' پھر حکم دیا جائے گا اور اس کو منہ کے بل گھسیٹ کر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ ایک اور شخص کو لایا جائے گا جس پر اللہ تعالیٰ نے وسعت کی تھی اور اس کو تمام اقسام کے مال سے عطا کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی نعمتیں بتائے گا وہ ان کو پہچان لے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو نے ان نعمتوں کے لیے کیا عمل کیا وہ کہے گا تجھے جن راستوں میں مال خرچ کرنا پسند ہے میں نے ان راستوں میں سے ہر راستہ میں تیری رضا کے لیے اپنا مال خرچ کیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو نے جھوٹ بولا لیکن تو نے مال اس لئے خرچ کیا تھا کہ یہ کہا جائے یہ بہت سخی ہے سو یہ کہا گیا۔ پھر اس کو گھسیٹ کر منہ کے بل دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۹۰۵' سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۳۸۲' سنن النسائی رقم الحدیث:۳۱۳۷' خلق افعال العباد للبخاری رقم الحدیث:۴۲' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث:۲۴۸۲' صحیح ابن حبان رقم الحدیث:۴۰۸' شرح السنہ رقم الحدیث:۴۱۴۳' المسند الجامع رقم الحدیث:۱۵۲۸۸' مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۱' السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۱۶۸' الترغیب والترہیب رقم الحدیث:۲۶)

اخلاص کا لغوی اور اصطلاحی معنی

علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ ھ لکھتے ہیں:
جس چیز میں کسی دوسری چیز کی ملاوٹ نہ ہو اس کو خالص کہتے ہیں' مسلمانوں کا اخلاص یہ ہے کہ وہ اس تشبیہ سے بری ہیں جس کا یہود دعویٰ کرتے تھے اس طرح وہ اس تثلیث سے بری ہیں جس کا عیسائی دعویٰ کرتے ہیں۔ اخلاص کی حقیقت یہ ہے کہ انسان اللہ کے ماسوا ہر چیز سے بری ہو جائے۔ (المفردات ج۱ص ۲۰۶' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)
میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۱۶ ھ لکھتے ہیں:
لغت میں اخلاص کا معنی ہے عبادات میں ریا کاری کو ترک کرنا۔
اصطلاح میں اخلاص کا معنی ہے دل کو اس ملاوٹ کے شائبہ سے خالی کرنا جو دل کی صفاء کو مکدر کرتی ہے۔
اس کی تحقیق یہ ہے کہ ہر وہ چیز جس میں کسی چیز کی ملاوٹ متصور ہو سکتی ہے جب اس چیز کو اس ملاوٹ سے خالی کر لیا جائے تو اس چیز کو خالص کہتے ہیں اور اس فعل کو اخلاص کہتے ہیں۔
فضیل بن عیاض نے کہا لوگوں کی وجہ سے عمل ترک کرنا ریاء ہے اور لوگوں کی وجہ سے عمل کرنا شرک ہے' اور اخلاص یہ ہے کہ ان دونوں کی نفی کرے اور اپنے عمل پر کسی کو شاہد (دیکھنے والا) نہ بنائے۔
ایک قول یہ ہے کہ اعمال کو تکدرات اور زنگ سے خالی کرنا اخلاص ہے۔
ایک قول یہ ہے کہ اخلاص اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان پوشیدہ عمل ہے۔ جس کا علم فرشتہ کو نہیں ہوتا کہ وہ اس کو لکھ لے نہ شیطان کو اس کا علم ہوتا ہے کہ وہ اس کو فاسد کر دے' نہ خواہش کو اس کا پتا چلے کہ وہ اس کی طرف کسی کو مائل کرائے۔
صدق اور اخلاص میں یہ فرق ہے کہ صدق اصل ہے اور اخلاص فرع ہے' صدق متبوع ہے اور اخلاص تابع ہے' صدق مقدم ہے اور اخلاص موخر ہے۔ (التعریفات ص ۱۵' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۸ھ)

صوفیاء کرام کے نزدیک اخلاص کی تعریفات

امام ابو القاسم عبد الکریم بن ہوازن قشیری متوفی ۴۶۵ ھ لکھتے ہیں:
استاذ نے کہا عبادت میں صرف حق سبحانہ کا قصد کرنا اخلاص ہے' یعنی اپنی اطاعت سے صرف اللہ سبحانہ کے تقرب کا قصد کرے نہ کہ کسی اور چیز کا' مثلاً مخلوق کے لیے تصنع کا یا لوگوں کی تعریف حاصل کرنے کا' یا مخلوق کی مدح اور ان کی محبت کا یا اللہ کے تقرب کے سوا کسی اور معنی کا۔
فعل کو مخلوق کے ملاحظہ سے خالی کرنا اخلاص ہے اور یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ فعل کو مخلوق کے ملاحظہ سے بچانا۔
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت جبریل نے خبر دی کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اخلاص میرے اسرار میں سے ایک سر (راز) ہے میں اپنے بندوں میں سے جس کو محبوب رکھتا ہوں اس کے دل میں اس کو رکھ دیتا ہوں۔
حضرت حذیفہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا اخلاص کیا ہے؟ آپ نے حضرت جبریل سے سوال کیا' اخلاص کیا ہے؟ حضرت جبریل نے رب العزت سے اخلاص کے متعلق سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اخلاص میرے اسرار میں سے ایک سر ہے جسے میں اپنے محبوب بندے کے دل میں رکھ دیتا ہوں۔ ذوالنون نے کہا اخلاص کی تین علامتیں ہیں اس کے نزدیک عام لوگوں کی مدح اور مذمت برابر ہو' وہ اپنے اعمال کو بھول جائے' آخرت میں ثواب کی طلب کو بھول جائے۔
حذیفہ المرعشی نے کہا اخلاص یہ ہے کہ بندہ کے افعال ظاہر اور باطن میں برابر ہوں۔

ابوعثمان المغربی نے کہا عوام کا اخلاص یہ ہے کہ ان کے اعمال میں ان کے نفس کا کوئی حصہ نہ ہو اور خواص کا اخلاص یہ ہے کہ ان کے اعمال پر نہ کبھی ان کی نظر پڑے اور نہ کبھی وہ اپنے اعمال کا شمار کریں۔

رویم نے کہا عمل میں اخلاص یہ ہے کہ وہ اس کے عوض دارین میں کسی صلہ کا طالب ہو نہ فرشتوں سے کسی حصہ کا ارادہ کرے۔ (الرسالۃ القشیریہ ص ٢٤٤۔٢٤٢ ملخصا و ملتقطا' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ١٤١٨ھ)

اخلاص کے متعلق احادیث و آثار

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب انہیں یمن کی طرف بھیجا گیا تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے نصیحت کیجئے۔ آپ نے فرمایا: تم اخلاص کے ساتھ عبادت کرو' تمہیں عمل قلیل بھی کافی ہوگا۔ حاکم نے کہا یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔ (المستدرک ج ٤ ص ٣٠٦ قدیم۔ المستدرک رقم الحدیث: ٧٩١٤' جدید' الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ٤)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ اس شخص کو تر و تازہ رکھے جس نے میری حدیث کو سنا اور اس کو محفوظ اور یاد رکھا اور اس کو پہنچا دیا' کیونکہ بسا اوقات کوئی شخص اپنے سے زیادہ فقیہ تک حدیث پہنچاتا ہے۔ تین چیزوں پر مسلمان کے دل میں کھوٹ نہیں ہوتا' عمل میں اللہ کے لیے اخلاص ہو' ائمہ مسلمین کے لیے خیر خواہی کرے اور مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ لازم رہے کیونکہ ان کی دعا ان کے علاوہ دوسروں کو بھی شامل ہوتی ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ٢٦٥٨' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ٢٣٢' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ٦٦' ٦٨' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ٥١٢٦' مسند احمد ج ١ ص ٤٣٦)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا یہ بتائیے ایک شخص جہاد کرتا ہے اس میں اجرت بھی طلب کرتا ہے اور اپنی شہرت بھی' اس کو کیا ملے گا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا اس کو کچھ نہیں ملے گا۔ پھر فرمایا اللہ تعالیٰ اس عمل کو قبول فرماتا ہے جو خالص اس کے لیے کیا جائے اور اس عمل سے اس کی رضا کا ارادہ کیا جائے۔ (سنن النسائی رقم الحدیث: ٣١٤٠)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تمہارے جسموں کی طرف نہیں دیکھتا اور نہ تمہاری صورتوں کی طرف دیکھتا ہے لیکن وہ تمہارے دلوں کی طرف دیکھتا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢٥٦٤' مسند احمد ج ٢ ص ٢٨٤' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٤١٤٣' المسند الجامع رقم الحدیث: ١٥٠٨٠)

حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس امت کو دوسری امتوں پر اللہ کے نزدیک چند درجوں کی بشارت دے دو' پس جس شخص نے آخرت کا عمل دنیا کے لیے کیا اس کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا۔

(مسند احمد ج ٥ ص ١٤٣' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ٤٠٥' شعب الایمان رقم الحدیث: ٦٨٣٣' المستدرک ج ٤ ص ٣١٨' مجمع الزوائد ج ١٠ رقم الحدیث: ٢٢٠)

حضرت جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے سنایا اللہ تعالیٰ اس کو سنائے گا اور جس نے دکھایا اللہ تعالیٰ اس کو دکھائے گا۔ یعنی جس نے لوگوں کو دکھانے کے لیے عمل کیا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی رسوائی لوگوں کو دکھائے گا اور جس نے لوگوں کو سنانے کے لیے عمل کیا اللہ تعالیٰ اس کی فضیحت قیامت کے دن لوگوں کو سنائے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٦٤٩٩' صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢٩٨٧' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٤٢٠٧)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اس وقت ہم آپس میں مسیح الدجال کا ذکر کر رہے تھے آپ نے فرمایا: کیا میں تم کو یہ نہ بتاؤں کہ مسیح الدجال سے زیادہ مجھ کو تم پر کس چیز کا خطرہ ہے؟ ہم نے عرض کیا کیوں نہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: شرک خفی (ریاکاری) ایک شخص کھڑے ہو کر نماز پڑھتا ہے پھر وہ دیکھتا ہے کہ کوئی شخص اس کی نماز کو دیکھ رہا ہے تو وہ نماز کو زیادہ مزین کر کے پڑھتا ہے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٤٢٠٤ شعب الایمان رقم الحدیث: ٦٨٣٢ مسند الفردوس: ٨١٦٤)

زید بن اسلم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد کی طرف گئے تو دیکھا کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس بیٹھے ہوئے رو رہے ہیں ان سے پوچھا تمہیں کیا چیز رلا رہی ہے۔ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سنی ہے کہ تھوڑا سا ریا بھی شرک ہے اور جس نے اولیاء اللہ سے عداوت رکھی اس نے اللہ سے اعلان جنگ کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نیک اور متقی لوگوں سے محبت کرتا ہے جو چھپ کر رہتے ہیں اگر وہ غائب ہو جائیں تو ان کو تلاش نہیں کیا جاتا اور اگر وہ حاضر ہوں تو ان کو کوئی پہچانتا نہیں ہے ان کے دل ہدایت کے چراغ ہیں وہ ہر گرد آلود اندھیرے سے نکل جاتے ہیں۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٣٩٨٩ المستدرک ج ١ ص ٤ ج ٣ ص ٢٧٠ یہ حدیث صحیح ہے)

حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے تم پر شرک اصغر کا سب سے زیادہ خطرہ ہے۔ صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! شرک اصغر کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ریا جب لوگوں کو ان کے اعمال کی جزا دی جائے گی تو اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا جاؤ ان سے جا کر اپنے اعمال کی جزا لو جن کو دکھانے کے لیے تم عمل کرتے تھے۔ پس دیکھو کیا تم کو ان سے جزا ملے گی۔ (مسند احمد ج ٥ ص ٤٢٨ شعب الایمان رقم الحدیث: ٦٨٣١ مجمع الزوائد ج ١ ص ١٠٢)

حضرت ابوسعید بن ابی فضالہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے دن جب اللہ عزوجل اولین اور آخرین کو جمع کرے گا تو ایک منادی ندا کرے گا جس نے اللہ کے لیے عمل میں کسی کو شریک کیا تو وہ اسی سے اپنے ثواب کو طلب کرے کیونکہ اللہ شرکا کے شرک سے مستغنی ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ٣١٥٤ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٤٢٠٣ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ٧٣٠١ شعب الایمان رقم الحدیث: ٦٨١٧ مسند احمد ج ٣ ص ٤٦٦)

نیک کاموں کے ظہور پر خوش ہونے سے اجر ملنے اور اجر نہ ملنے کے محامل

حافظ سیوطی نے امام ابن مندہ امام ابونعیم اور امام ابن عساکر کے حوالوں سے یہ حدیث لکھی ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت جندب بن زہیر جب نماز پڑھتے یا روزہ رکھتے یا صدقہ کرتے تو ان کا نیکی کے ساتھ ذکر کیا جاتا وہ اس سے خوش ہوتے اور لوگوں کی تعریف کی وجہ سے ان نیک کاموں کو اور زیادہ کرتے تو اللہ عزوجل نے ان کو ملامت کی اور یہ آیت نازل فرمائی: فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ○ (الکہف: ١١٠) (الدر المنثور ج ٥ ص ٤٦٩ مطبوعہ دار الفکر بیروت ١٤١٤ھ)

بعض علماء نے یہ ذکر کیا ہے کہ جب کسی شخص کے نیک عمل پر لوگ مطلع ہوں اور وہ اس سے خوش ہو پھر بھی اس کو اجر و ثواب ملے گا۔ ان کا استدلال اس حدیث سے ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! ایک شخص کوئی نیک کام کرتا ہے جس کو وہ مخفی رکھتا ہے اور جب لوگ اس کام پر مطلع ہوتے ہیں تو وہ اس سے خوش ہوتا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو دو

اجر ملیں گے ایک اس کام کو مخفی رکھنے کا اجر اور ایک اس کام کے ظاہر ہونے کا اجر۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ٢٣٨٣، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٤٢٢٦، المسند الجامع رقم الحدیث: ١٥٠٩٨، مجمع الزوائد ج ١٠ ص ٢٩٠)

امام ابوعیسیٰ ترمذی متوفی ٢٧٩ھ لکھتے ہیں:

بعض اہل علم نے اس حدیث کی یہ تفسیر کی ہے کہ جب اس شخص کو یہ علم ہو کہ لوگ اس کی نیکیوں کی وجہ سے اس کو نیک کہہ رہے ہیں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: تم زمین پر اللہ کے گواہ ہو تو وہ اس وجہ سے خوش ہو کہ لوگ اس کے نیک ہونے کی گواہی دیں گے اور جس کو لوگ نیک کہیں اس کے لیے جنت واجب ہو جاتی ہے۔ ہاں اگر وہ اس وجہ سے خوش ہوتا ہو کہ جب لوگوں کو اس کی نیکیوں کا علم ہوگا تو وہ اس کی زیادہ تعظیم اور توقیر کریں گے اور وہ تعظیم و تکریم کی طلب کے لیے نیکیاں کرے تو پھر یہ ریا ہے، اور بعض اہل علم نے اس حدیث کی یہ توجیہ کی ہے کہ جب لوگوں کو اس کی نیکیوں کا علم ہو تو وہ اس وجہ سے خوش ہو کہ لوگ اب اس کی اقتداء میں اس کی طرح نیک عمل کریں گے تو اس کو اپنے نیک اعمال کا بھی اجر ملے گا اور لوگوں کے نیک اعمال کا بھی اجر ملے گا جو اس کی اقتداء میں نیک عمل کریں گے اور یہ بھی صحیح محمل ہے، علامہ آلوسی نے اضافہ کیا ہے یعنی اس کا خوش ہونا اپنے عمل کے ظہور کی وجہ سے نہ ہو بلکہ اس کا خوش ہونا اس وجہ سے ہو کہ اس کا نیک عمل دوسروں کے لیے نیک عمل کا باعث ہے اور اس کی اقتداء کرنے کا سبب ہے، اسی طرح اگر وہ اس لئے خوش ہو کہ جب لوگوں کو اس کے نیک عمل کا پتا چلے گا تو وہ اس کے متعلق بدگمانی اور غیبت نہیں کریں گے۔ اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ جس شخص کی اقتداء کی جاتی ہو اس کو چاہئے کہ وہ اپنے نیک اعمال کو ظاہر کرے۔ اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس شخص کی نیت کا علم تھا کہ وہ کس وجہ سے خوش ہوتا ہے اور حضرت جندب نے جو اپنے متعلق سوال کیا تھا آپ کو ان کی نیت کا بھی علم تھا اس لئے آپ نے ہر ایک کے حسب حال جواب دیا۔ (سنن ترمذی ج ٤ ص ١٩٣-١٩٢، مطبوعہ دار الجیل بیروت، روح المعانی ج ١٦ ص ٦٩، دار الفکر بیروت، ١٤١٧ھ)

قربانی کے عمل میں مسلمان بہت زیادہ دکھاوا کرتے ہیں

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک صاع (چار کلوگرام) طعام صدقہ فطر ادا کرتے تھے یا ایک صاع جو یا ایک صاع پنیر یا ایک صاع کشمش۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ١٥٠٦، صحیح مسلم رقم الحدیث: ٩٨٤)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا رمضان کے آخر میں اپنے روزوں کا صدقہ نکالو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ صدقہ ایک صاع کھجوریں، یا ایک صاع جو یا نصف صاع گندم ہر آزاد یا مملوک، مرد یا عورت یا چھوٹے اور بڑے پر فرض کیا ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ١٦٢٢، سنن النسائی رقم الحدیث: ٢٥٠٧)

اس زمانہ میں نصف صاع گندم تقریباً ٢٦ روپے کے ہیں اور ایک صاع کھجوریں تقریباً دو سو روپے کی اور ایک صاع کشمش تقریباً ٣٠٠ روپے کی ہیں، چونکہ مال و دولت کے حساب سے لوگ تقریباً تین طبقات پر منقسم ہیں، غریب، متوسط اور امیر، اس وجہ سے آپ نے صدقہ فطر کے بھی تین درجات رکھے غریب لوگ گندم کے حساب سے صدقہ فطر ادا کریں۔ متوسط لوگ کھجوروں کے حساب سے صدقہ فطر ادا کریں اور امیر لوگ کشمش کے حساب سے صدقہ فطر ادا کریں، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ جس کی آمدنی پانچ ہزار روپے مہینہ ہے وہ بھی گندم کے حساب سے صدقہ فطر ادا کرتا ہے اور جس کی آمدنی پانچ لاکھ روپے ماہانہ ہے وہ بھی گندم کے حساب سے صدقہ فطر ادا کرتا ہے اور جس کی آمدنی دس کروڑ روپے ماہانہ ہے وہ بھی گندم کے حساب سے صدقہ فطر ادا کرتا ہے۔

اسی طرح قربانی کے بھی تین درجات ہیں گائے کا ساتواں حصہ بھی قربانی ہے۔ سالم بکرے کی بھی قربانی ہے۔ سالم

گائے اور اونٹ کی بھی قربانی۔ لیکن یہاں ایسا نہیں ہوتا کہ سب لوگ گائے میں حصہ ڈالیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ اپنی حیثیت کے مطابق سالم بکرا بھی خریدتے ہیں بلکہ کئی کئی بکرے اور دنبے خریدتے ہیں اور سالم گائے بھی خریدتے ہیں بلکہ کئی کئی گائے خریدتے ہیں اور ڈھونڈ ڈھونڈ کر قیمتی سے قیمتی بیل خرید کر اس کی قربانی کرتے ہیں حتیٰ کہ لاکھوں روپے کے بیل خریدے جاتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مالیت کے اعتبار سے صدقہ فطر میں درجات رکھے ہیں اور قربانی میں بھی مالیت کے اعتبار سے درجات رکھے ہیں' لیکن صدقہ فطر میں غریب' امیر اور متوسط سب لوگ کم سے کم مالیت کا صدقہ فطر ادا کرتے ہیں اور قربانی میں لوگ حسب حیثیت زیادہ سے زیادہ مالیت کے جانور کی قربانی کرتے ہیں' اگر غور کیا جائے تو اس کی صرف یہ وجہ معلوم ہوتی ہے کہ صدقہ فطر کی ادائیگی میں لوگوں کو اس قدر نمود و نمائش کے مواقع نہیں ملتے جتنے نمود و نمائش کے مواقع قربانی میں ملتے ہیں لوگ مہنگے سے مہنگا' قیمتی سے قیمتی اور خوب صورت ترین جانور خرید کر اپنے دوستوں اور عزیزوں کو دکھاتے ہیں اور اس جانور کا محلہ میں گشت کراتے ہیں' ہر ایک کو اس جانور کی اہمیت اور قیمت بتاتے ہیں اور اس جانور پر فخر کرتے ہیں لوگ اس جانور کی تعریف کرتے ہیں اور وہ اس کی تعریف و تحسین سن کر پھولے نہیں سماتے۔ اب ان لوگوں کو خود فیصلہ کرنا چاہئے کہ ایسی قربانی میں للّٰہیت کا کتنا جذبہ کارفرما ہے اور دکھانے اور سنانے کا کتنا جذبہ ہے' اسی طرح ہماری دیگر مالی عبادتوں کا بھی یہی حال ہے کم ایسے لوگ ہیں جو صرف اللہ کی رضا کے لیے اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں' زیادہ تعداد ان ہی لوگوں کی ہے جو دکھانے اور سنانے کے لیے راہ خدا میں مال خرچ کرتے ہیں' اور ایسے کاموں کا اللہ کے ہاں کیا انجام ہوگا یہ آپ ان احادیث میں پڑھ چکے ہیں جن کا ذکر ہم نے ابھی کیا ہے۔ میں آٹھ ذوالحجہ کو یہ سطور لکھ رہا ہوں اور آج کل قربانی کے جانوروں کی گہما گہمی ہے اور صدقہ فطر کے ایام بھی ابھی گزرے ہیں اور مسلمانوں کے عمل کا یہ تضاد ابھی ابھی میرے سامنے سے گزرا ہے کہ صدقہ فطر کی ادائیگی میں بہت کم خرچ کیا جائے اور قربانی میں بہت زیادہ خرچ کیا جائے اس لئے میں نے ان دونوں کا تجزیہ کیا۔

اختتامی کلمات

الحمد للہ علی احسانہٖ آج بہ روز پیر مؤرخہ ۹ ذوالحجہ (یوم عرفہ) ۱۴۲۱ھ' ۵ مارچ ۲۰۰۱ء کو سورۃ الکھف کی تفسیر مکمل ہوگی۔ الٰہ العالمین! جس طرح آپ نے کرم فرمایا ہے اور یہاں تک قرآن کریم کی تفسیر مکمل کرادی ہے اسی طرح کرم فرماتے رہیں اور باقی قرآن مجید کی تفسیر بھی مکمل کرادیں۔

اس تفسیر کو اپنی بارگاہ میں اور اپنے محبوب رسول سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں مقبول بنادیں اور قیامت تک کے مسلمانوں کے دلوں میں اس تفسیر کو مرغوب بنادیں۔ اس تفسیر کو عقائد کی صحت اور اعمال کی صالحیت میں اور برے اعمال سے اجتناب کرنے میں مفید اور مؤثر بنادیں۔ موافقین کے لیے اس تفسیر کو موجب استقامت بنادیں اور مخالفین کے لیے اس کو ذریعۂ ہدایت بنادیں۔ منکرین اور معاندین کے شر سے اس کتاب کو محفوظ اور مامون رکھیں اور قیامت تک کے مسلمانوں کے درمیان اس کتاب کو پڑھی جانے والی اور معمول بہ رکھیں۔

اے میرے رب کریم! جس طرح آپ نے مجھے بہت نعمتوں سے نوازا ہے' بیماری اور بے چارگی سے نکال کر تصنیف اور تالیف کی راہ میں پھر سے لاکھڑا کیا ہے اسی طرح مجھے تاحین حیات اپنی نعمتوں کے سائے میں برقرار رکھیں۔ نیکی' عافیت اور تصنیف و تالیف کے ذریعے خدمت دین کے ساتھ اور ایمان پر میرا خاتمہ فرمائیں۔ مرتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور آپ کی شفاعت نصیب فرمائیں۔

میرے والدین کی میرے اساتذہ کی میرے اعزہ اور اقربا کی' احباب اور تلامذہ کی' اس تفسیر کے ناشر' اس کے کمپوزر' اس کے مصحح' اس کے معاونین اس کے قارئین اور جملہ مسلمین کی مغفرت فرمائیں۔ مجھے اور ان سب کو دنیا کی ہر بلا اور مصیبت اور آخرت کی ہر پریشانی اور عذاب سے محفوظ اور مامون رکھیں' دارین کی سب نعمتیں اور سعادتیں مرحمت فرمائیں' دوزخ کے عذاب سے نجات میں رکھیں اور جنت الفردوس' اپنا دیدار اور اپنی رضا عطا فرمائیں۔

واٰخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین والصلوة والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین سید المرسلین' قائد الغر المحجلین شفیع المذنبین و علی اله الطیبین واصحابه الراشدین وعلی ازواجه الطاهرات امهات المؤمنین و علی علماء ملته واولیاء امته و علی سائر المسلمین اجمعین۔

سُوْرَةُ مَرْيَمْ

(۱۹)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم

سورۃ مریم

سورہ مریم کی وجہ تسمیہ اور اس کے متعلق احادیث اور آثار

اس سورت کا نام مریم ہے۔ اس سورت کی درجِ ذیل آیت میں حضرت مریم کا ذکر ہے:

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ (مریم:۱۶) اور آپ اس کتاب میں مریم کا بھی ذکر کریں۔

یوں تو قرآن مجید کی کئی سورتوں میں سیدہ مریم کا ذکر ہے لیکن اس سورت میں تفصیل سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ کس طرح اور کہاں ان کے پاس حضرت جبریل آئے وہ ان کو دیکھ کر کس طرح گھبرا گئیں' پھر جبریل نے ان کو لڑکے کی بشارت دی' انہوں نے کہا میرے ہاں لڑکا کیسے پیدا ہوگا مجھے کسی مرد نے ہاتھ نہیں لگایا اور نہ میں بدکار ہوں۔ پھر ان کے حمل کی صفت بیان کی ہے اور ان سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تولد کی کیفیت بیان فرمائی ہے۔ پھر ان کی قوم کا انہیں مطعون کرنا اور حضرت عیسیٰ کا والدہ کی برأت بیان کرنے کا ذکر فرمایا ہے۔ غرض حضرت مریم کے متعلق اتنی تفصیل کسی اور سورت میں مذکور نہیں ہے اس لئے اس سورت کا نام مریم ہے۔

متعدد احادیث اور آثار میں بھی اس سورت کو مریم سے موسوم فرمایا ہے:

امام طبرانی' ابونعیم اور دیلمی نے ابوبکر بن عبداللہ بن ابی مریم الغسانی کے والد سے اور انہوں نے اپنے دادا سے روایت کیا ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے کہا آج رات میرے ہاں لڑکی پیدا ہوئی ہے۔ آپ نے فرمایا: آج رات کو مجھ پر سورہ مریم نازل ہوئی ہے۔

امام ابن ابی شیبہ نے مورق العجلی سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پیچھے ظہر کی نماز پڑھی تو انہوں نے سورہ مریم پڑھی۔

امام ابن سعد نے ہاشم بن عاصم الاسلمی سے انہوں نے اپنے والد سے روایت کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو آپ مقام غمیم پر پہنچے' آپ کے پاس بریدہ بن الخصیب آئے اور مسلمان ہو گئے۔ ہاشم بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے منذر بن جہضم نے یہ حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رات حضرت بریدہ کو سورہ مریم کی ابتدائی آیات سکھائیں۔

امام ابن سعد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں مدینہ آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت خیبر میں تھے' میں نے بنو غفار کے ایک شخص کو دیکھا وہ لوگوں کو صبح کی نماز پڑھا رہا تھا میں نے سنا اس نے صبح کی پہلی رکعت میں سورہ مریم پڑھی اور دوسری رکعت میں ویل للمطففین پڑھی۔ (الدر المنثور ج ۵ ص ۴۷۶-۴۷۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ)

سورہ مریم کا زمانہ نزول

جمہور کے نزدیک یہ سورت مکی ہے۔ یہ سورہ طٰہٰ سے پہلے اور سورہ فاطر کے بعد نازل ہوئی ہے۔ سورہ طٰہٰ حضرت عمر بن الخطاب کے اسلام لانے سے پہلے نازل ہو چکی تھی لہٰذا اس سورت کا نزول بعثت نبوی کے چوتھے سال میں ہوا ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ اس سورت کا نزول حبشہ کی طرف ہجرت سے پہلے ہوا ہے اور نجاشی کے دربار میں حضرت جعفر بن ابی طالب نے اسی سورت کی تلاوت کی تھی اس لئے ہم حبشہ کی طرف ہجرت کا کچھ حال لکھتے ہیں۔

حافظ ابن کثیر دمشقی متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

مکہ کے مشرکین کمزور مسلمانوں پر بہت ظلم وستم کرتے تھے ان کو مارتے پیٹتے تھے اور ان کی اہانت کرتے تھے۔ بعثت کے پانچویں سال رجب کے مہینہ میں مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی' سب سے پہلے جنہوں نے ہجرت کی وہ گیارہ مرد اور چار عورتیں تھیں۔ ان میں حضرت عثمان بن عفان' حضرت رقیہ' حضرت ابو حذیفہ بن عتبہ' حضرت زبیر بن عوام' حضرت مصعب بن عمیر' حضرت عبدالرحمٰن بن عوف' حضرت عثمان بن مظعون' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم اور دیگر صحابہ تھے۔

امام محمد بن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ مسلمان کس قدر شدید مصائب سے دوچار ہیں تو آپ نے فرمایا: کاش تم حبشہ کی سرزمین کی طرف نکل جاتے کیونکہ وہاں کا بادشاہ کسی پر ظلم نہیں کرتا اور وہ صدق کی جگہ ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے ان مصائب سے کشادگی کر دے۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب فتنہ کے خوف سے اپنے دین کو بچانے کے لیے حبشہ کی طرف نکل گئے اور یہ اسلام میں پہلی ہجرت تھی۔

امام ابن اسحاق نے کہا پھر دوسرے گروہ نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ حضرت جعفر بن ابی طالب اور ان کے ساتھ ان کی اہلیہ اسماء بنت عمیس تھیں پھر پے در پے مسلمان حبشہ کی طرف ہجرت کرنے لگے اور وہاں بہت مسلمان جمع ہو گئے۔

امام ابن اسحاق نے کہا جن مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی ان کے چھوٹے بچوں کے سوا اور جو بچے وہاں پیدا ہوئے ان کے علاوہ مسلمانوں کی تعداد ۸۳ مرد تھی۔ (البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۴۱۹' ۴۱۶' مختصراً' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

نجاشی کے سامنے حضرت جعفر کا تعارف اسلام پیش کرنا

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب ہم سرزمین حبشہ میں پہنچے تو انہوں نے ہمارے ساتھ اچھے پڑوسیوں کا سلوک کیا اور نجاشی نے ہمیں ہمارے دین کے اوپر پناہ دی۔ ہم نے اللہ کی عبادت کی اور ہمیں کوئی ایذا نہیں دی جاتی تھی اور نہ ہم کوئی ناپسندیدہ بات سنتے تھے۔ جب قریش کو ہماری خبر پہنچی تو انہوں نے یہ مشورہ کیا کہ نجاشی کے پاس دو چالاک اور قوی شخص بھیجے جائیں اور نجاشی کے پاس نایاب قسم کے تحفے بھیجے جائیں اور ان کے نزدیک جانوروں کی کھالیں بہت قیمتی تھیں سو انہوں نے بہت سی کھالیں جمع کیں اور انہوں نے وہ کھالیں حبشہ کے تمام پادریوں میں تقسیم کر دیں اور انہوں نے عبداللہ بن ابی ربیعہ بن مغیرہ مخزومی اور عمرو بن العاص بن وائل سہمی کے ہاتھ یہ کھالیں بھیجی تھیں اور ان سے کہا تھا کہ نجاشی سے بات کرنے سے پہلے تمام پادریوں میں یہ تحائف تقسیم کر دینا پھر نجاشی کے پاس جانا اور پہلے اس کو یہ تحائف دینا پھر اس سے یہ سوال کرنا کہ وہ

ان لوگوں کو تمہارے حوالے کر دے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ وہ دونوں نجاشی کے پاس گئے اور نجاشی سے ملاقات سے پہلے اس کے پادریوں کو تحائف پہنچا دیئے' اور ان سب سے کہا ہمارے شہر کے چند ناسمجھ نوجوان اپنے آبائی دین کو چھوڑ کر آپ کے ملک میں آ گئے ہیں۔ یہ نوجوان اپنے دین کو چھوڑ چکے ہیں اور آپ کے دین میں داخل نہیں ہوئے وہ ایک نئے دین میں داخل ہو گئے ہیں جس کو نہ ہم پہچانتے ہیں نہ آپ پہچانتے ہیں۔ ہم ان کو واپس لے جانے کے لیے آئے ہیں۔ جب ہم اس سلسلہ میں بادشاہ سے بات کریں تو آپ ہماری سفارش کریں کہ وہ ان سے بات نہ کرے اور ان کو ہمارے حوالے کر دے۔ پادریوں نے کہا ہم ایسا ہی کریں گے۔ پھر انہوں نے نجاشی کو بھی تحفے پیش کئے اس نے ان کے تحائف قبول کر لئے۔ پھر انہوں نے نجاشی سے کہا اے بادشاہ! ہمارے شہر کے چند نادان نوجوانوں نے اپنی قوم کا دین چھوڑ دیا ہے اور وہ آپ کے دین میں بھی داخل نہیں ہوئے۔ انہوں نے ایک نیا دین اختیار کر لیا ہے جس کو آپ پہچانتے ہیں نہ ہم' اور ہمیں آپ کے پاس ان کی قوم کے بزرگوں نے بھیجا ہے تاکہ آپ ہمارے ساتھ ان نوجوانوں کو بھیج دیں۔ حضرت ام سلمہ نے فرمایا عبداللہ بن ربیعہ اور عمرو بن العاص کو سب سے زیادہ یہ بات ناگوار تھی کہ نجاشی ان صحابہ سے کوئی گفتگو کرے اس کے دربار کے سرداروں نے کہا اے بادشاہ! یہ سچ کہہ رہے ہیں ان کی قوم ان کے حالات کو زیادہ اچھی طرح جانتی ہے۔ آپ ان لوگوں کو ان کے حوالے کر دیجئے۔ یہ سن کر نجاشی غضبناک ہو گیا اس نے کہا نہیں خدا کی قسم میں ان کو ان کے حوالے نہیں کروں گا جن لوگوں نے آ کر میرے ملک میں پناہ لی ہے اور دوسروں کی بہ نسبت مجھے ترجیح دی ہے' میں پہلے ان لوگوں سے پوچھوں گا کہ وہ اپنی صفائی میں کیا کہتے ہیں اگر واقعہ ایسا ہی ہے جیسے ان لوگوں نے بیان کیا ہے تو میں ان کو ان کے حوالے کر دوں گا اور اگر ایسا نہیں ہے تو میں ان کو واپس نہیں کروں گا اور جن لوگوں نے میرے ملک میں پناہ لی ہے میں ان کے ساتھ حسن سلوک برقرار رکھوں گا۔ حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں پھر بادشاہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو بلایا جب بادشاہ کا پیغام پہنچا تو اصحاب رسول نے آپس میں مشورہ کیا کہ جب تم اس شخص کے پاس جاؤ گے تو کیا کہو گے۔ انہوں نے کہا اللہ کی قسم! ہمیں کچھ معلوم نہیں اور نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس کے متعلق کوئی ہدایت دی ہے۔ اس معاملہ میں جو ہونا ہو گا وہ ہو جائے گا' جب یہ لوگ دربار میں گئے تو نجاشی نے اپنے سرداروں کو قریب بلایا اور انہوں نے اپنے صحائف کھول لئے۔ بادشاہ نے پوچھا وہ دین کیا ہے جس کی وجہ سے تم نے اپنی قوم کو چھوڑ دیا' اور نہ تم میرے دین میں داخل ہوئے ہو اور نہ ان امتوں میں سے کسی اور کے دین میں داخل ہوئے ہو۔ حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں تب حضرت جعفر بن ابی طالب نے بادشاہ سے کہا:

اے بادشاہ! ہم جاہل لوگ تھے' ہم بتوں کی عبادت کرتے تھے اور مردار کھاتے تھے' ہم بے حیائی کے کام کرتے تھے اور رشتوں کو منقطع کرتے تھے' ہم پڑوسیوں سے بدسلوکی کرتے تھے ہم میں سے طاقتور کمزور کو کھا جاتا تھا' ہم اسی حالت پر تھے کہ اللہ نے ہمارے پاس ایک رسول کو بھیج دیا ہم اس کے خاندان کو اور اس کے صدق کو پہچانتے تھے' اور اس کی امانتداری اور اس کی پاک دامنی کو جانتے تھے۔ اس نے ہمیں اللہ کو واحد ماننے اور اس کی عبادت کرنے کی دعوت دی اور کہا کہ ہم اور ہمارے باپ دادا اللہ کے سوا جن پتھروں اور بتوں کی عبادت کرتے رہے تھے اس کو ترک کر دیں' اور اس نے ہمیں سچ بولنے' امانت ادا کرنے' رشتہ جوڑنے' پڑوسیوں سے حسن سلوک کرنے' حرام کاموں سے بچنے اور خون ریزی کو ترک کرنے کا حکم دیا' اور اس نے ہمیں بے حیائی کے کام کرنے' جھوٹ بولنے' یتیم کا مال کھانے اور پاک دامن عورت کو بدکاری کی تہمت لگانے سے منع کیا' اور ہم کو یہ حکم دیا کہ ہم صرف ایک اللہ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں' اور اس نے ہمیں نماز پڑھنے' زکوٰۃ

دینے اور روزے رکھنے کا حکم دیا' پھر اس نے ہمیں اسلام کے احکام بتائے ہم نے ان کی تصدیق کی اور ان پر ایمان لائے اور جو دین وہ لے کر آئے تھے ہم نے اس کی اتباع کی' پھر ہم نے اللہ وحدہ کی عبادت کی' ہم نے اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا اور جو چیزیں انہوں نے ہم پر حرام کی تھیں ہم نے ان کو حرام قرار دیا اور جو چیزیں انہوں نے ہم پر حلال کی تھیں ہم نے ان کو حلال قرار دیا' پھر ہماری قوم ہم پر حملہ آور ہوئی' انہوں نے ہم کو اذیتیں دیں اور ہمارے دین کی وجہ سے ہم کو آزمائش میں ڈالا تاکہ وہ ہم کو اللہ کی عبادت سے بت پرستی کی طرف لوٹا دیں اور جن ناپاک چیزوں کو ہم پہلے حلال سمجھتے تھے ان کو پھر حلال کر ڈالیں۔ پھر جب انہوں نے ہم پر بہت قہر اور ظلم کیا اور وہ زیادتی کر کے ہمارے اور ہمارے دین کے درمیان حائل ہو گئے تو ہم آپ کے ملک کی طرف نکل کھڑے ہوئے اور ہم نے آپ کو آپ کے ماسوا پر ترجیح دی' اور ہم آپ کی پناہ میں راغب ہوئے اور اے بادشاہ! ہمیں آپ سے یہ امید ہے کہ آپ کے پاس ہم پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔

حضرت ام سلمہ نے فرمایا نجاشی نے کہا' کیا تمہارے پاس اس پیغام میں سے کوئی چیز ہے جس کو وہ اللہ کے پاس سے لے کر آئے ہیں' حضرت جعفر نے کہا ہاں! نجاشی نے کہا پھر آپ اس میں سے کچھ مجھے سنائیں۔ حضرت جعفر نے سورہ مریم کی ابتدائی آیات پڑھیں۔ نجاشی ان آیات کو سن کر رونے لگا۔ حتیٰ کہ اس کی داڑھی آنسوؤں سے بھیگ گئی اور اس کے درباری بھی رونے لگے حتیٰ کہ ان کے مصاحف بھیگ گئے۔ پھر نجاشی نے کہا یہ دین اور جس دین کو موسیٰ لے کر آئے تھے ایک ہی طاق سے نکلے ہیں' تم دونوں جاؤ پس اللہ کی قسم! ان لوگوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ حضرت ام سلمہ نے کہا جب وہ دونوں نجاشی کے پاس سے چلے گئے تو عمرو بن العاص نے کہا اللہ کی قسم کل میں نجاشی کے سامنے ان کے عیوب بیان کروں گا۔ عبداللہ بن ربیعہ نے کہا ایسا نہ کرو ہرچند کہ انہوں نے ہمارے دین کی مخالفت کی ہے لیکن بہر حال وہ ہمارے رشتہ دار ہیں۔ عمرو بن العاص نے کہا اللہ کی قسم! میں نجاشی کو ضرور بتاؤں گا کہ ان لوگوں کا یہ زعم ہے کہ عیسیٰ بن مریم اللہ کے بندے ہیں! حضرت ام سلمہ نے کہا پھر صبح کو عمرو بن العاص نے نجاشی سے کہا اے بادشاہ! یہ لوگ عیسیٰ بن مریم کے متعلق ایک سنگین بات کہتے ہیں۔ نجاشی نے اصحاب رسول کو بلایا اور ان سے پوچھا کہ تم عیسیٰ بن مریم کے متعلق کیا کہتے ہو؟ حضرت جعفر نے کہا ہم ان کے متعلق وہی کہتے ہیں جو ہم کو ہمارے نبی نے بتایا کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کی (پسندیدہ) روح ہیں اور اللہ کا کلمہ ہیں جو اس نے مقدس کنواری مریم کے سینہ میں ڈالا تھا۔ پھر نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھا کر کہا تم نے عیسیٰ بن مریم کے متعلق جو کچھ کہا ہے وہ اس سے اس تنکے کے برابر بھی زیادہ نہیں ہیں' جب نجاشی نے یہ کہا تو اس کے قریب کھڑے ہوئے درباری غضبناک ہو گئے تو نجاشی نے کہا اگرچہ تم کو ناگوار ہے' اور صحابہ سے کہا تم کو اس زمین میں امان ہے جو شخص تم کو برا کہے گا اس کو سزا دی جائے گی۔ یہ اس نے تین بار کہا مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ خواہ مجھ کو سونے کے پہاڑ دیئے جائیں اور اس کے بدلہ میں کوئی شخص تم کو ایذا دے۔ ان لوگوں نے جو ہدیے دیئے تھے وہ ان کو واپس کر دو۔ ہمیں ان کی ضرورت نہیں' خدا کی قسم! جب اللہ نے مجھے یہ ملک دیا تھا تو اس نے مجھ سے رشوت نہیں لی تھی تو میں کیسے رشوت لے سکتا ہوں۔ حضرت ام سلمہ نے کہا وہ دونوں نہایت ناکام اور نامراد ہو کر واپس چلے گئے اور ہم اس ملک میں بہت اچھی طرح رہتے رہے۔ پھر جب نجاشی پر اس کے دشمنوں نے حملہ کر دیا تو ہم اس کی کامیابی کے لیے دعا کرتے رہے حتیٰ کہ نجاشی اپنے دشمنوں پر غالب آ گیا۔ ہم اس کے ملک میں بہت حفظ و امان سے رہے حتیٰ کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ گئے اس وقت آپ مکہ میں تھے۔

(مسند احمد ج ا ص ۲۰۴-۲۰۲ طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۷۴۰' عالم الکتب' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۲۲۶۰)

الکھف اور مریم میں باہمی مناسبت

یہ دونوں سورتیں عجیب وغریب قصص پر مشتمل ہیں۔ سورۃ الکھف میں اصحاب کہف کا قصہ ہے اور ایک طویل مدت تک ان کے غار میں بغیر کھائے پیئے رہنے کا ذکر ہے' اور ذوالقرنین کا قصہ ہے اور اخیر میں حضرت موسیٰ اور خضر کا قصہ ہے' اور سورہ مریم میں دو عجیب وغریب واقعات ہیں حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام کی ولادت کا قصہ ہے۔ ان کے والد بہت بوڑھے تھے اور ان کی والدہ بانجھ تھیں اور ان سے اولاد کا پیدا ہونا بہت عجیب وغریب تھا' اور اس سورت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا ذکر ہے جو بغیر باپ کے حضرت مریم کے بطن سے پیدا ہوئے۔

سورہ مریم کے مشمولات

جس طرح دیگر مکی سورتوں کا موضوع اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت کا اثبات ہے اسی طرح اس سورت کا بھی موضوع ہے اور اس سورت کی مختلف آیتوں کے ضمن میں اسی موضوع کو دہرایا گیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے اور جزاء اور سزا کو بھی ثابت کیا گیا ہے۔

(۱) اس سورت کا افتتاح حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام کی ولادت سے کیا گیا ہے ان کے باپ حضرت زکریا شیخ فانی تھے اور ان کی والدہ بانجھ تھیں ان سے اولاد نہیں ہوتی تھی' لیکن اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے وہ عادت کے خلاف بھی چیزوں کو وجود میں لے آتا ہے' اور ان آیتوں میں یہ ذکر ہے کہ حضرت زکریا ایک نیک مرد تھے انہوں نے اولاد کی دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور ان آیات میں یہ ذکر بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بچپن میں حضرت یحییٰ کو نبوت عطا فرما دی۔ (مریم: ۱۵-۱)

(۲) اس کے بعد مقدس کنواری سیدہ مریم سے بغیر باپ کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا ذکر ہے تاکہ یہ خلاف عادت کاموں پر اللہ تعالیٰ کی قدرت کی دوسری دلیل ہو جائے' اور اس کے بعد سیدہ مریم کو جو طعن وتشنیع کا سامنا ہوا اور لوگوں نے ان کو ملامت کی اور حضرت مریم نے جھولے میں حضرت عیسیٰ کی طرف اشارہ کیا وہ نومولود تھے' پھر حضرت عیسیٰ نے جھولے میں کلام کیا اپنی ماں کی پاک دامنی بیان کی اور اپنی نبوت کا اعلان فرمایا اور اس ضمن میں عجیب وغریب واقعات ہیں۔ حضرت مریم کو ندا کی گئی کہ وہ کھجور کے درخت کو ہلائیں تو ان پر تروتازہ کھجوریں گریں گی۔ (مریم: ۳۶-۱۶)

(۳) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے یہود اور نصاریٰ میں اختلاف وجود میں آیا۔ (مریم: ۴۰-۳۷)

(۴) حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا اپنے عرفی باپ آزر سے مناقشہ کا ذکر ہے اور یہ ذکر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بہت بوڑھے تھے اور ان کی بیوی حضرت سارہ بانجھ تھیں اور اللہ تعالیٰ نے خلاف عادت ان کو اولاد عطا کی اور ان کے ہاں حضرت اسحاق پیدا ہوئے۔ اس سے پہلے حضرت ہاجرہ سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہو چکے تھے۔ (مریم: ۵۰-۴۱)

(۵) حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے۔ انہوں نے طور پر اپنے رب سے مناجات کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی درخواست پر حضرت ہارون علیہ السلام کو نبی بنایا۔ (مریم: ۵۳-۵۱)

(۶) حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذکر ہے وہ صادق الوعد تھے۔ نماز پڑھتے تھے اور زکوٰۃ ادا کرتے تھے' اور حضرت ادریس علیہ السلام کا ذکر ہے' اور اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی ذریت سے ان انبیاء علیہم السلام پر انعام فرمایا انہیں لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا کہ وہ انہیں توحید کی دعوت دیں اور شرک کو ترک کرنے کا حکم دیں۔ (مریم ۵۸-۵۴)

(۷) نیک لوگوں کے بعد میں آنے والے لوگوں نے نمازوں کو ضائع کر دیا اپنی باطل خواہشات کی پیروی کی' اور جو شخص اللہ

تعالیٰ کے احکام پر عمل کرے توبہ کرے اور نیک عمل کرے اللہ تعالیٰ نے اس سے دائمی جنات کا وعدہ کیا ہے اور یہ بیان کیا کہ جبریل اللہ کے اذن کے بغیر وحی نازل نہیں کرتے۔ (مریم: ۶۵-۵۹)

(۸) اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو ڈرایا کہ گزشتہ امتوں کی سرکشی اور ایمان لانے سے تکبر کی وجہ سے ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آچکا ہے' اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو ڈھیل دیتا ہے' اور مہلت دیتا ہے اور مسلمانوں کی ہدایت زیادہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بیٹے اور شریک سے منزہ ہے۔ (مریم ۸۴-۷۳)

(۹) حشر کے دن اللہ مومنین کو جنت میں داخل فرمائے گا اور مجرمین کو دوزخ کی طرف ہانک دے گا۔ (مریم: ۸۷-۸۵)

(۱۰) جو شخص اللہ کی طرف اولاد کو منسوب کرے اس کو عذاب سے ڈرانا اور مومنین صالحین سے راضی ہونا' اور یہ کہ قرآن مجید میں مومنین کے لیے بشارت ہے اور کفار معاندین کے لیے عذاب کی وعید ہے۔ (مریم ۹۸-۸۸)

اس تمہید کے بعد ہم سورہ مریم کا ترجمہ اور تفسیر اللہ تعالیٰ کی تائید اور توفیق سے شروع کرتے ہیں۔ الٰہ العالمین میری حق اور صواب کی طرف رہنمائی فرمانا اور نسیان اور خطا سے بچانا۔ آمین!

یا رب العلمین بحرمة نبینا سیدنا محمد رحمة للعلمین وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وازواجہ اجمعین.

غلام رسول سعیدی غفرلہ

۱۲ ذوالحجہ' ۱۴۲۱ھ/ ۸ مارچ ۲۰۰۱ء

سُوْرَةُ مَرْيَمَ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَمَانٌ وَتِسْعُوْنَ اٰيَةً وَسِتُّ رُكُوْعَاتٍ

سورہ مریم مکی ہے اس میں اٹھانوے آیات اور چھ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے ○

كٓهٰيٰعٓصٓ ﴿۱﴾ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ﴿۲﴾ اِذْ نَادٰى

کاف ھا یا عین صاد ○ یہ آپ کے رب کی رحمت کا ذکر ہے جو اس کے بندہ زکریا پر تھی ○ جب اس نے

رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ﴿۳﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ

اپنے رب کو چپکے سے پکارا ○ اس نے دعا کی اے میرے رب! بیشک میری ہڈیاں کمزور ہو گئیں ہیں اور سر

الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ﴿۴﴾ وَاِنِّيْ خِفْتُ

بڑھاپے سے بھڑک اٹھا ہے اور اے میرے رب! میں تجھ سے دعا کر کے کبھی محروم نہیں رہا ○ اور مجھے اپنے بعد اپنے

الْمَوَالِيَ مِنْ وَّرَآءِيْ وَكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا فَهَبْ لِيْ مِنْ

قرابت داروں سے خطرہ ہے، اور میری اہلیہ بانجھ ہے سو تو مجھے اپنے پاس سے

لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۝٥ يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ وَاجْعَلْهُ رَبِّ

وارث عطا فرما ۝ جو میرا اور آلِ یعقوب کا وارث ہو، اور اے میرے رب اس کو

رَضِيًّا ۝٦ يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ِۨ اسْمُهٗ يَحْيٰى لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ

پسندیدہ بنا دے ۝ اے زکریا! بے شک ہم تمہیں ایک لڑکے کی بشارت دیتے ہیں، اس کا نام یحییٰ ہوگا ہم نے اس سے پہلے اس کا

مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ۝٧ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ

کوئی ہم نام نہیں بنایا ۝ زکریا نے کہا اے میرے رب! میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا جب کہ میری

امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ۝٨ قَالَ كَذٰلِكَ

اہلیہ بانجھ ہے اور میں بڑھاپے کی وجہ سے انتہائی کمزور ہو چکا ہوں ۝ فرمایا اسی طرح ہو گا!

قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ

آپ کے رب نے فرمایا یہ میرے لیے آسان ہے اور میں اس سے پہلے تم کو پیدا کر چکا ہوں جب تم

تَكُ شَيْـًٔا ۝٩ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۭ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ

کچھ بھی نہ تھے ۝ زکریا نے کہا اے میرے رب! میرے لیے کوئی نشانی مقرر فرما دے فرمایا تمہارے لیے یہ نشانی ہے کہ تم

النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ۝١٠ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ

تندرست ہونے کے باوجود تین راتوں تک لوگوں سے بات نہ کر سکو گے ۝ پھر زکریا اپنے حجرے سے نکل کر اپنی قوم کے پاس آئے

فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ۝١١ يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ

اور ان کو اشارے سے کہا کہ تم صبح اور شام اللہ کی تسبیح کرتے رہو ۝ اے یحییٰ! پوری قوت سے

بِقُوَّةٍ ۭ وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ۝١٢ وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ۭ وَكَانَ

کتاب کو لے لو، اور ہم نے ان کو بچپن میں ہی نبوت عطا کر دی ۝ اور اپنے پاس سے ان کو نرم دلی اور پاکیزگی عطا کی اور وہ

تَقِيًّا ﴿١٣﴾ وَّ بَرًّا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ﴿١٤﴾ وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ

متقی شخص تھے ۝ اور وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے والے تھے اور سرکش نافرمان نہ تھے ۝ اور ان پر سلام ہو

يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ﴿١٥﴾

جس دن وہ پیدا ہوئے اور جس دن ان کی وفات ہوگی اور جس دن وہ زندہ اٹھائے جائیں گے ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کاف ھایا عین صاد ۝ یہ آپ کے رب کی رحمت کا ذکر ہے جو اس کے بندہ زکریا پر تھی ۝
(مریم:۲-۱)

کھیٰعص کی تفسیر

کھیٰعص حروف مقطعات میں سے ہے اور حروف مقطعات کی مکمل تفسیر سورۃ البقرہ:۱ میں گزر چکی ہے۔ مختصر یہ ہے کہ ک سے مراد ہے کافی' ہ سے مراد ہے ہادی' ی سے مراد ہے حکیم' عین سے مراد ہے علیم' اور ص سے مراد ہے صادق اس کو ابن عزیز قشیری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے یعنی وہ اپنی مخلوق کے لیے کافی ہے' اپنے بندوں کے لیے ہادی ہے' ان کے ہاتھوں پر اس کا ہاتھ ہے' وہ ان کا عالم ہے اور اپنے وعدہ میں صادق ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی روایت ہے کہ کھیٰعص' اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے' اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی یہی قول مروی ہے' حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے تھے یا کھیٰعص! اغفرلی اے کھیٰعص! مجھے بخش دے' امام عبدالرزاق نے معمر سے روایت کیا ہے کہ قتادہ نے کہا یہ قرآن مجید کے اسماء میں سے ایک اسم ہے' قشیری نے کہا سورت کے اوائل میں جو حروف مقطعات ہوتے ہیں وہ اس سورت کا اسم ہوتے ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۱ ص ۵-۴)

حضرت زکریا پر رحمت کی توجیہ

اس کے بعد فرمایا یہ آپ کے رب کی رحمت کا ذکر ہے جو اس کے بندہ زکریا پر تھی۔ اس کے معنی میں تین اقوال ہیں:
(ا) جس چیز کا تم پر بیان کیا جائے گا وہ تمہارے رب کی رحمت ہے۔ (ب) جو تم پر تلاوت کیا جائے گا وہ تمہارے رب کی رحمت ہے۔ (ج) یہ تمہارے رب کی رحمت کا ذکر ہے۔

یہ رحمت اللہ تعالیٰ نے اپنے بندہ زکریا پر کی تھی' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ حضرت زکریا کی امت پر رحمت ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایمان اور اعمال صالحہ کی ہدایت دی' ایک قول یہ ہے کہ یہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت پر رحمت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ حضرت زکریا نے کس طرح تواضع' عاجزی اور گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی سو اللہ تعالیٰ سے جو مراد بھی مانگنی ہو اس سے اسی طرح دعا مانگنا چاہئے اور دعا کا یہ طریقہ بتانا آپ پر اور آپ کی امت پر رحمت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جب اس نے اپنے رب کو چپکے سے پکارا ۝ (مریم:۳)

ذکر خفی کی فضیلت

حضرت زکریا نے آہستگی سے اور چپکے چپکے دعا کی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بلند آواز سے اور چپکے چپکے دعا کرنا دونوں برابر ہیں اور چپکے چپکے دعا کرنا اس لیے اولیٰ ہے کہ اس میں زیادہ اخلاص ہے اور یہ ریا سے دور ہے۔

ذکر خفی کی فضیلت میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا رہے تھے۔ لوگ بلند آواز سے اللہ اکبر' اللہ اکبر کہنے لگے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! اپنے اوپر نرمی کرو' تم کسی بہرے کو پکار رہے ہو نہ غائب کو تم سمیع اور قریب کو پکار رہے ہو اور وہ تمہارے ساتھ ہے۔ (الحدیث)

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٦٤٠٩ صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢٧٠٤' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ١٥٢٦' سنن الترمذی رقم الحدیث: ٣٤٧٢)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بہترین ذکر وہ ہے جو آہستہ ہو اور بہترین رزق وہ ہے جو بہ قدر کفایت ہو۔

(صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ٨٠٩' مصنف ابن ابی شیبہ ج ١٠ ص ٣٧٥' مسند احمد ج ١ ص ١٧٨' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ٧٣١' کتاب الدعاء للطبرانی رقم الحدیث: ١٨٨٣' شعب الایمان ج ١ ص ٣٣٠)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آہستگی کے ساتھ دعا کرنا ستر (٧٠) باآواز دعاؤں کے برابر ہے۔ (کتاب الفردوس رقم الحدیث ٢٨٦٩' الجامع الصغیر رقم الحدیث ٤٢٠٦' کنز العمال رقم الحدیث ٣١٩٦)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں جو نماز مسواک کے ساتھ پڑھی جائے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو اس نماز پر ستر (٧٠) درجہ فضیلت دیتے تھے جو بغیر مسواک کے پڑھی جائے' اور آپ فرماتے تھے جب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مخلوقات کو ان کے حساب کے لیے جمع فرمائے گا اور فرشتے ان اعمال کو لے کر آئیں گے جن کو انہوں نے لکھ کر محفوظ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا دیکھو کوئی چیز رہ تو نہیں گئی؟ فرشتے کہیں گے اے ہمارے رب! ہم نے ایسی کوئی چیز نہیں چھوڑی جس کا ہمیں علم ہو اور جس کی ہم نے حفاظت کی ہو ہم نے ہر چیز کا احاطہ کر لیا ہے اور اس کو لکھ لیا ہے۔ تب اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائے گا بے شک ہمارے پاس ایک چیز چھپی ہوئی ہے جس کو تم نہیں جانتے اور اس کی میں خود جزا دوں گا اور وہ ذکر خفی ہے۔

(اتحاف السادۃ المھرۃ بزوائد المسانید العشرۃ رقم الحدیث: ٦٨٠٩' المطالب العالیہ رقم الحدیث: ٣٤٢١' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ٤٧٣٨' مجمع الزوائد ج ١٠ ص ٨١' المقصد العلی رقم الحدیث: ١٦٣٠)

حضرت زکریا کے نداء خفی کرنے کی وجوہ

حضرت زکریا نے آہستہ آہستہ اور چپکے چپکے بیٹے کے طلب کی اس لیے دعا کی کہ ان کی اس پر مذمت نہ کی جائے کہ وہ بڑھاپے میں اولاد کے حصول کی دعا کر رہے ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اس دعا کو اپنے ان رشتہ داروں سے مخفی رکھا جن سے ان کو خطرہ تھا' تیسری وجہ یہ ہے کہ بڑھاپے کی وجہ سے ان کی آواز ہلکی اور پست تھی۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ نداء تو بلند آواز سے کی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے انہوں نے نداء خفی کی' اس کا جواب یہ ہے کہ ان کا قصد بلند آواز سے دعا کرنے کا تھا لیکن ان کے بڑھاپے کی وجہ سے ان کے منہ سے پست آواز نکلی لہٰذا نداء کا تعلق ان کے قصد سے ہے' اور پست یا خفی کا تعلق واقع کے اعتبار سے' پس کوئی تضاد نہیں ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اس نداء کے خفی ہونے کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے نماز میں دعا کی تھی اور نماز میں پست آواز کے ساتھ دعا کی جاتی ہے اور اس پر دلیل کہ انہوں نے نماز میں یہ دعا کی تھی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نماز کے دوران اس دعا کا جواب دیا تھا' فرمایا:

فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى

سو فرشتوں نے ان کو نداء کی جس وقت وہ حجرے میں نماز پڑھ رہے تھے کہ بے شک اللہ تمہیں یحییٰ کی بشارت دیتا ہے۔

(آل عمران: ۳۹)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اس نے دعا کی اے میرے رب! بے شک میری ہڈیاں کمزور ہو گئی ہیں اور سر بڑھاپے سے بھڑک اٹھا ہے اور اے میرے رب! میں تجھ سے دعا کر کے کبھی محروم نہیں رہا○ (مریم: ۴)

دعا کے آداب

حضرت زکریا نے فرمایا تھا واشتعل الراس شیبا 'اشتعال کا معنی ہے آگ کی شعاع کا پھیلنا اور بھڑکنا' انہوں نے سر میں بڑھاپے (سفید بالوں) کے پھیلنے کو آگ کے بھڑکنے سے تشبیہ دی اور یہ نہیں کہا کہ میرے سر میں بڑھاپا بھڑک اٹھا ہے کیونکہ سیاق کلام سے مخاطب کو اس کا علم ہو جائے گا۔ زمخشری نے کہا حضرت زکریا نے بالوں کی سفیدی کو آگ کی سفیدی کے ساتھ تشبیہ دی۔

دعا میں ایسے امور کا ذکر کرنا مستحب ہے جن سے دعا کرنے والے کی عاجزی اور تذلل کا اظہار ہو اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا بیان ہو۔ حضرت زکریا نے اپنی عاجزی اور تذلل کا اظہار کرنے کے لیے کہا میری ہڈیاں کمزور ہو گئی ہیں کیونکہ انسان کے جسم کے زیادہ مضبوط اور سخت اعضاء اس کے جسم کی ہڈیاں ہوتی ہیں جن کے مقابلہ میں گوشت اور خون کمزور ہوتا ہے' اور جب ہڈیاں کمزور ہو جائیں تو جسم کے باقی اعضاء نسبتاً زیادہ کمزور ہو جاتے ہیں' اعصاب ڈھیلے پڑ جاتے ہیں اور پورا جسم نرم اور کمزور ہو جاتا ہے' اور جب انہوں نے اللہ تعالیٰ سے یہ کہا تو معلوم ہوا کہ انہوں نے عاجزی اور تواضع کی اور اسباب ظاہر پر اعتماد کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی امداد اور اعانت پر بھروسا کیا۔

اس کے بعد انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا بیان کیا اور کہا اے میرے رب! میں تجھ سے دعا کر کے کبھی محروم نہیں رہا' گویا کہ حضرت زکریا نے یہ کہا کہ تو نے پہلے میری دعا کو رد نہیں کیا تھا حالانکہ اس وقت میرا جسم قوی اور توانا تھا اور مجھے اتنی شدید حاجت نہ تھی تو اب جب کہ میرا جسم کمزور اور لاغر ہو چکا ہے اور مجھے دعا کے قبول ہونے کی پہلے سے زیادہ احتیاج ہے تو میں تیرے کرم کا زیادہ محتاج ہوں اور مجھے قوی امید ہے کہ اب تو ضرور میری دعا کو قبول فرمائے گا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک سائل کسی سخی داتا کے پاس جا کر کہتا ہے کہ آپ نے پہلے بھی میرے سوال کو پورا کیا تھا اب میں پھر آپ کے پاس اسی امید اور اسی توقع پر آیا ہوں' تو وہ سخی داتا یہ کہتا ہے کہ اس شخص نے ہمارے کرم کو اپنا وسیلہ بنایا ہے ہم اس کو مایوس نہیں کریں گے' اور اگر کوئی شخص کسی کو ابتداءً کچھ نہ دے تو وہ اتنا تکلیف دہ نہیں ہوتا بہ نسبت اس کے کہ اس سے ملنے کی توقع ہو اور وہ نہ دے' تو سخی داتا اس شخص کا سوال رد نہیں کرتا تو وہ کیسے سوال کو رد کرے گا جو سب کریموں سے بڑا کریم ہے اور سب سے زیادہ فیاض اور سب سے بڑا داتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور مجھے اپنے بعد اپنے قرابت داروں سے خطرہ ہے اور میری اہلیہ بانجھ ہے سو تو مجھے اپنے پاس سے وارث عطا فرما○ جو میرا اور آل یعقوب کا وارث ہو' اور اے میرے رب اس کو پسندیدہ بنا دے○ (مریم: ۶-۵)

انبیاء کے علم کا وارث بنایا جاتا ہے ان کے مال کا وارث نہیں بنایا جاتا

زجاج نے کہا حضرت زکریا کے رشتہ دار دین دار نہیں تھے' ان کو خطرہ تھا کہ ان کی وفات کے بعد دین ضائع ہو جائے گا اس لیے انہوں نے اللہ سے ایسا وارث طلب کیا جو ان کے بعد دین کی حفاظت کرے اور دین کی اشاعت کرے اور یہی صحیح قول

...ہے۔ حضرت زکریا نے مال کے وارث کی دعا نہیں کی تھی کیونکہ انبیاء علیہم السلام کے مال کا وارث نہیں بنایا جاتا بلکہ ان کے علم ...ور نبوت کا وارث بنایا جاتا ہے' حدیث میں ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارا وارث نہیں بنایا جائے گا ہم نے جو چھوڑا ...ہے وہ صدقہ ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۷۲۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۵۷، سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۲۹۶۳، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۱۰، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۶۳۰۵، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۵۰۸۳، عالم الکتب بیروت)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص علم کی طلب میں کسی راستہ پر جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان کر دیتا ہے' اور طالب علم کی رضا کے لیے فرشتے اپنے پر رکھتے ہیں' اور عالم کے لیے وہ سب استغفار کرتے ہیں جو آسمانوں اور زمینوں میں ہیں اور مچھلیاں جو پانی کے اندر ہیں' اور عالم کی فضیلت عابد پر اس طرح ہے جس طرح چودھویں رات کے چاند کی فضیلت ستاروں پر ہے' اور انبیاء دینار اور درہم کے وارث نہیں بناتے وہ علم کا وارث بناتے ہیں سو جس نے علم کو حاصل کیا اس نے بہت بڑے حصے کو حاصل کیا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۴۱، سنن الترمذی رقم الحدیث ۲۶۸۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۲۳)

حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے حدیث میں ہے ہم گروہ انبیاء کا وارث نہیں بنایا جاتا ہم نے جو ترکہ چھوڑا وہ صدقہ ہے۔

(البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۴۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۸ھ)

تاہم **نحن معاشر الانبیاء** کے الفاظ کسی حدیث میں نہیں ہیں۔ یہ صرف شراح اور علماء کی زبان پر ہیں حدیث لا نورث سے شروع ہوتی ہے' دیکھئے صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۰۹۴' ۴۰۳۳' ۵۳۵۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۵۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۹۶۳' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۱۵۹' مسند احمد رقم الحدیث: ۳۳۳' البتہ فتح الباری' زاد المسیر' اللئالی المصنوعۃ اور البدایہ میں یہ الفاظ ہیں **نحن معاشر الانبیاء لا نورث**۔

ائمہ شیعہ میں سے شیخ ابوجعفر محمد بن یعقوب کلینی متوفی ۳۲۹ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عبداللہ بن جندب روایت کرتے ہیں کہ امام رضا علیہ السلام نے ان کو لکھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی مخلوق میں امین تھے اور جب آپ کا وصال ہو گیا تو ہم اہل بیت آپ کے وارث ہوئے' ہمیں علم دیا گیا اور ہم کو جب علم دیا گیا تھا اور جس علم کو ہمارے پاس امانت رکھا گیا تھا ہم نے وہ علم پہنچا دیا سو ہم اولوالعزم رسولوں کے وارث ہیں۔

ابوجعفر علیہ السلام بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک علی بن ابی طالب اللہ کی عطا ہیں اور وہ وصیوں کے علم کے وارث ہیں اور تمام پہلوں کے علم کے وارث ہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سابقین انبیاء اور مرسلین کے علم کے وارث تھے۔

مفضل بن عمر بیان کرتے ہیں کہ ابوعبداللہ علیہ السلام نے فرمایا: سلیمان' داؤد کے وارث تھے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سلیمان کے وارث تھے اور ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وارث ہیں۔

(الاصول من الکافی ج ۱ ص ۲۲۵۔۲۲۳، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ تہران' ۱۳۶۵ھ)

انبیاء علیہم السلام کی وراثت کے مسئلہ میں ایک معرکۃ الآراء موضوع مسئلہ فدک ہے اس پر ہم نے سیر حاصل بحث شرح ...صحیح مسلم ج ۵ ص ۴۴۲۔۳۸۸ میں کی ہے' اس بحث کا وہاں مطالعہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے زکریا! بے شک ہم تمہیں ایک لڑکے کی بشارت دیتے ہیں' اس کا نام یحییٰ ہوگا ہم نے اس سے پہلے اس کا کوئی ہم نام نہیں بنایا○ (مریم: ۷)

حضرت زکریا کو اللہ نے بشارت دی تھی یا فرشتوں نے

اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ حضرت زکریا کو یہ بشارت اللہ تعالیٰ نے دی تھی یا فرشتوں نے' اکثر علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت زکریا کو یہ بشارت اللہ تعالیٰ نے دی تھی کیونکہ اس سے پہلی آیت میں یہ بتایا ہے کہ حضرت زکریا نے اللہ تعالیٰ سے خطاب کیا تھا اور اس سے سوال کیا تھا' اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ اس دعا کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے انہیں بشارت دی ہو اور جو علماء یہ کہتے ہیں کہ حضرت یحییٰ کو یہ بشارت فرشتوں نے دی تھی ان کی دلیل یہ آیت ہے:

فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى

جب زکریا حجرے میں نماز پڑھ رہے تھے تو فرشتوں نے ان کو نداء کی کہ بے شک اللہ تمہیں یحییٰ کی بشارت دیتا ہے۔

(آل عمران: ۳۹)

امام رازی نے اس کے جواب میں یہ کہا ہے کہ ہوسکتا ہے دو مرتبہ بشارت دی گئی ہو' ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ نے بشارت دی ہو اور دوسری بار فرشتوں نے بشارت دی ہو۔

سمی کا معنی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ہم نے اس سے پہلے ان کا سمی نہیں بنایا۔ سمی کے دو معنی ہیں ہم نام اور مثل اور نظیر' یعنی ہم نے اس سے پہلے کسی کا نام یحییٰ نہیں رکھا یا ہم نے اس سے پہلے کوئی اس جیسی صفات کا نبی نہیں بنایا۔

اگر یہ معنی ہو کہ ان جیسی صفات کا پہلے کوئی نبی نہیں بنایا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے متعلق فرمایا سیدا و حصورا۔ (آل عمران: ۳۹)

حافظ ابن کثیر نے حصور کے معنی میں لکھا ہے ان میں عورتوں کی طرف رغبت اور شہوت رکھی گئی تھی لیکن وہ اپنی عفت اور پاکدامنی کی بنا پر عورتوں سے اجتناب کرتے تھے' اور یہ ان میں حضرت عیسیٰ کی طرح مجاہدہ تھا' اور اس کا معنی یہ ہے کہ وہ بے حیائی اور برائی کے کام بالکل نہیں کرتے تھے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۴۰۹' دار الفکر' ۱۴۱۹ھ) امام رازی نے لکھا ہے کہ نہ انہوں نے کبھی معصیت کی اور نہ کبھی معصیت کا ارادہ کیا کیونکہ حضرت زکریا نے دعا میں یہ درخواست کی تھی اے میرے رب اس کو پسندیدہ بنا دے۔ (مریم: ۶) حضرت یحییٰ کے عدیم النظیر ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ ہر شخص کا نام اس کے پیدا ہونے کے بعد رکھا جاتا ہے اور حضرت یحییٰ کا نام اللہ تعالیٰ نے ان کے پیدا ہونے سے پہلے رکھ دیا' فرمایا: ہم تمہیں ایک لڑکے کی بشارت دیتے ہیں اس کا نام یحییٰ ہوگا (مریم: ۷) تاہم زیادہ ظاہر یہی ہے کہ سمی کا معنی ہم نام ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے کسی شخص کو حضرت یحییٰ کا ہم نام نہیں بنایا اور یہ حضرت یحییٰ کی بہت بڑی فضیلت ہے۔ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی بھی آپ کی ولادت سے بہت پہلے رکھا گیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آپ کے نام احمد کی بشارت دی ومبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد (الصف: ۶)

حضرت یحییٰ کا نام یحییٰ رکھنے کی وجوہ

یحییٰ کا لفظ حیات سے بنا ہے' اور حضرت یحییٰ کا نام یحییٰ رکھنے کی حسب ذیل وجوہات ہیں:

(١) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ کی وجہ سے ان کی ماں کا بانجھ پن دور کر دیا گویا وہ مکمل خاتون ہو گئیں۔

(٢) قتادہ نے کہا اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ کا دل ایمان اور اطاعت سے زندہ کر دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ مومن اور اطاعت گزار کو زندہ اور کافر اور عاصی کو مردہ فرماتا ہے' اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ایمان اور اطاعت کو زندگی سے تعبیر فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ (الانفال: ٢٤)

اے ایمان والو! جب اللہ اور رسول تمہارے حیات آفریں کاموں کے لیے تمہیں بلائیں تو حاضر ہو جاؤ۔

اور کفار کو مردہ فرمایا:

اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى (النمل: ٨٠)

بے شک آپ مردوں کو نہیں سناتے۔

(٣) حضرت یحییٰ کو اللہ کی راہ میں ظلماً شہید کر دیا گیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے شہداء کو زندہ فرمایا ہے:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: زکریا نے کہا: اے میرے رب! میرے ہاں لڑکا کیسے ہو گا! جبکہ میری اہلیہ بانجھ ہے اور میں بڑھاپے کی وجہ سے انتہائی کمزور ہو چکا ہوں○ (مریم: ٨)

حضرت زکریا کے اس سوال کی توجیہ کہ میرے ہاں لڑکا کیسے ہو گا؟

غلام کا معنی ہے وہ انسان جو مذکر ہو اور اس میں ابتداءً جماع کی شہوت پیدا ہوئی ہو' اور ''عتیا'' کا معنی ہے وہ شخص جس کا جسم طویل بڑھاپے کی وجہ سے سوکھ گیا ہو۔

اس مقام پر یہ سوال ہے کہ حضرت زکریا نے خود لڑکے کا اللہ تعالیٰ سے سوال کیا تھا پھر جب اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کر لی تو پھر انہوں نے اس پر تعجب کا اظہار کیوں کیا کہ میرے ہاں لڑکا کیسے ہو گا جب کہ میں بہت بوڑھا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے تعجب کا اظہار نہیں کیا تھا بلکہ یہ جاننا چاہا تھا کہ ان کے ہاں بیٹا کیسے پیدا ہو گا آیا وہ میاں بیوی اسی طرح بڑھاپے کے حال میں ہوں گے اور ان کے ہاں بیٹا ہو گا یا اللہ تعالیٰ ان کے جسموں کو توانا اور مضبوط بنا دے گا اور ان کی بیوی سے بانجھ پن کے مرض کو زائل کر دے گا پھر ان کے ہاں بیٹا پیدا ہو گا' اور قرآن مجید کی ایک آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی کمزوری اور ان کی بیوی سے بانجھ پن کو دور کر کے ان کو بیٹا عطا فرمائے گا:

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَوَهَبْنَا لَهٗ یَحْیٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ

پس ہم نے اس کی دعا قبول کی اور اس کو یحییٰ عطا فرمایا اور ہم نے اس کی بیوی کو تندرست کر دیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت زکریا نے یہ جاننے کے لیے سوال کیا تھا کہ کس حال میں ان کے لیے بیٹا ہو گا' اور اللہ تعالیٰ نے ان کے بڑھاپے کے عوارض کو دور فرما کر اور ان کی بیوی کے مرض کو دور کر کے ان کے ہاں بیٹا پیدا کیا اور حضرت زکریا کے سوال کرنے کی یہ وجہ نہیں تھی کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی قدرت پر شک تھا یا ان کو اس پر تعجب تھا کہ ان کے ہاں بیٹا کیسے ہو گا!

اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ جب اچانک حضرت زکریا کو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کر لی ہے تو شدت فرح کی وجہ سے وہ غور و فکر نہ کر سکے کہ اللہ تعالیٰ تو ہر چیز پر قادر ہے اور جب وہ ان کو عدم سے وجود میں لا چکا ہے تو ان دونوں سے بیٹا پیدا کرنا کیا مشکل ہے اور کب مستبعد ہے۔ جیسا کہ جب حضرت ابراہیم کی زوجہ کو حضرت اسحاق کی ولادت کی بشارت دی گئی تو انہوں نے بھی شدت فرح سے غور و فکر کیے بغیر کہا:

قَالَتۡ يٰوَيۡلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوۡزٌ وَّهٰذَا بَعۡلِىۡ شَيۡخًا ؕ اِنَّ هٰذَا لَشَىۡءٌ عَجِيۡبٌ ○ (ھود: ۷۲)

وہ کہنے لگیں اے ہے! کیا مجھ سے بچہ ہوگا حالانکہ میں بڑھیا ہوں اور یہ میرا شوہر بوڑھا ہے' بے شک یہ تو عجیب بات ہے!

قَالُوۡۤا اَتَعۡجَبِيۡنَ مِنۡ اَمۡرِ اللّٰهِ رَحۡمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيۡكُمۡ اَهۡلَ الۡبَيۡتِ ؕ اِنَّهٗ حَمِيۡدٌ مَّجِيۡدٌ ○ (ھود: ۷۳)

فرشتوں نے کہا کیا تم اللہ کی قدرت پر تعجب کر رہی ہو؟ اے اہل بیت تم پر اللہ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں' بیشک اللہ حمد کیا ہوا بزرگ ہے۔

اور اس سوال کا تیسرا جواب یہ ہے کہ ہر چند کہ حضرت زکریا علیہ السلام کو علم تھا کہ اللہ تعالیٰ ایک بوڑھے شخص اور اس کی بوڑھی اور بانجھ بیوی کے بیٹا پیدا کر سکتا ہے لیکن انہوں نے اللہ تعالیٰ کے کلام اور اس کے جواب کی لذت حاصل کرنے کے لیے یہ سوال کیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فرمایا اسی طرح ہوگا! آپ کے رب نے فرمایا یہ میرے لیے آسان ہے اور میں اس سے پہلے تم کو پیدا کر چکا ہوں جب تم کچھ بھی نہ تھے ○ (مریم: ۹)

اس کا معنی یہ ہے کہ یہ پیدائش اسی طرح ہوگی' اللہ تعالیٰ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ غلط ہے نہ اس کے خلاف کچھ ہو سکتا ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس پر دلیل قائم فرمائی یہ میرے لیے آسان ہے' میں تم کو عدم سے وجود میں لا چکا ہوں اور اللہ تعالیٰ جو اب بوڑھے مرد اور عورت سے بچہ پیدا کرے گا تو اسے اس کی حاجت نہیں ہے کہ وہ ان پر جوانی لوٹا دے بلکہ وہ ان کے بڑھاپے کی حالت میں ہی ان میں جوانوں کی سی قوت اور توانائی پیدا کر دے گا اور ان کی بیوی سے بانجھ پن کے مرض کو زائل کر دے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: زکریا نے کہا: اے میرے رب! میرے لیے کوئی نشانی مقرر فرما دے' فرمایا تمہارے لیے یہ نشانی ہے کہ تم تندرست ہونے کے باوجود تین راتوں تک لوگوں سے بات نہ کر سکو گے ○ (مریم: ۱۰)

حضرت زکریا کا تین دن تک لوگوں سے بات نہ کر سکنا

اس پر مفسرین کا اتفاق ہے کہ حضرت زکریا کلام پر قادر ہونے کے باوجود لوگوں سے بات نہیں کر سکتے تھے اس طرح یہ اللہ کی طرف سے نشانی اور آپ کا معجزہ ہو گیا' اگر آپ مطلقاً کلام پر قادر نہ ہوتے تو یہ وہم ہوتا کہ آپ کو کوئی مرض لاحق ہو گیا ہے جس کی وجہ سے آپ بات نہیں کر سکتے' آپ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تھے' نماز پڑھتے تھے اور تورات کی تلاوت کرتے تھے لیکن لوگوں سے بالمشافہ بات نہیں کر سکتے تھے' ان سے اشاروں کے ساتھ بات کرتے تھے یا ان کو لکھ کر بھیج دیتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر زکریا اپنے حجرے سے نکل کر اپنی قوم کے پاس آئے اور ان کو اشارے سے کہا تم صبح اور شام اللہ کی تسبیح کرتے رہو ○ (مریم: ۱۱)

حضرت زکریا کی محراب کا مصداق

محراب کا لفظ حرب سے بنا ہے گویا وہ جس جگہ کھڑے ہو کر نماز پڑھتے تھے اس جگہ کھڑے ہو کر وہ اپنے نفس امارہ' شہوات اور شیطان سے جنگ کرتے تھے' محراب بلند جگہ کو کہتے ہیں' جو جگہ زمین سے بلند ہو وہ اس جگہ محراب بنایا کرتے تھے' اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اس جگہ کھڑے ہو کر انہوں نے جھانکا اور اشاروں کے ساتھ قوم سے کہا تم صبح اور شام تسبیح کیا کرو۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۱۱ ص ۱۳)

امام رازی نے کہا حضرت زکریا نے نماز پڑھنے اور عبادت کرنے کے لیے مخصوص جگہ بنائی ہوئی تھی' وہ اس جگہ سے نکل کر قوم کے پاس گئے اور ان سے اشاروں کے ساتھ بات کی۔ ایک قول یہ ہے کہ محراب کا معنی ہے عبادت گاہ جس میں حضرت زکریا اور ان کی قوم عبادت کرتی تھی اس میں وہ لوگ صرف نماز پڑھنے کے لیے جاتے تھے۔ قوم وہاں پر جمع ہو کر حضرت زکریا کا انتظار کر رہی تھی' حضرت زکریا وہاں گئے اس وقت وہ زبان سے بات نہیں کر سکتے تھے۔ انہوں نے ان سے اشاروں سے کہا صبح اور شام کے وقت تسبیح کرو۔ (تفسیر کبیر ج ۷ ص ۵۱۵)

محراب کا لغوی اور اصطلاحی معنی

علامہ محمد بن محمد زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں:

زجاج نے کہا ہے کہ گھر کی سب سے بلند جگہ کو محراب کہتے ہیں اور مسجد کی سب سے بلند جگہ کو محراب کہتے ہیں' گھر کے بالا خانہ (گیلری اور بالکونی) کو بھی محراب کہتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عروہ بن مسعود ثقفی کو طائف میں اپنی قوم کے پاس بھیجا وہ ان کے پاس گئے اور اپنی محراب (بالکونی) میں داخل ہوئے اور فجر کے وقت اپنی قوم کو جھانک کر دیکھا پھر نماز کے لیے اذان دی۔ زجاج نے کہا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ محراب وہ بالا خانہ (گیلری یا بالکونی) ہے جس پر سیڑھیوں سے چڑھ کر جاتے ہیں۔ ابوعبیدہ نے کہا محراب سے معزز جگہ مراد ہے۔ مصباح میں ہے محراب اشرف المجالس ہے۔ ازھری نے کہا عام لوگوں کے نزدیک محراب وہ جگہ ہے جس پر کھڑے ہو کر امام نماز پڑھاتا ہے' ابن الانباری نے کہا مسجد کی محراب کو محراب اس لیے کہتے ہیں کہ وہ امام کی مخصوص جگہ ہے اور قوم سے دور ہے' اور اس جگہ نماز پڑھتے وقت وہ شیطان سے حرب اور جنگ کرتا ہے اور اپنے دل کو اللہ کی بارگاہ میں حاضر رکھنے کے لیے اپنے نفس سے حرب کرتا ہے اور دوسرے خیالات کو ذہن سے دور کرتا ہے۔ بادشاہ کی مخصوص جگہ کو بھی محراب کہتے ہیں' اور مسجد کی محراب سے مراد ہے مسجد کا صدر مقام اور اشرف موضع' حدیث میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ محاریب کو مکروہ جانتے تھے' یعنی مجلس میں صدر مقام پر بیٹھنے کو مکروہ جانتے تھے' قرآن مجید میں محاریب اور تماثیل کا ذکر ہے فراء نے کہا اس سے مراد انبیاء اور ملائکہ کے مجسمے اور تصاویر ہیں جن کو مساجد میں عبرت اور نصیحت کے حصول کے لیے رکھا جاتا تھا۔ (تاج العروس ج ۱ ص ۲۰۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

قرآن مجید میں محراب سے مراد وہ ہیئت مخصوصہ ہے جس کو اب لوگ قبلہ کہتے ہیں کیونکہ مساجد کی یہ محرابیں ان چیزوں میں سے ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بنایا گیا ہے' اور اسی وجہ سے سلف کی ایک جماعت نے محراب بنانے کو مکروہ کہا ہے اور اس میں نماز پڑھنے کو بھی مکروہ کہا ہے۔ قضاعی نے کہا سب سے پہلے عمر بن عبدالعزیز نے محراب بنائی وہ اس وقت ولید بن عبدالملک کی طرف سے مدینہ میں گورنر تھے' جب انہوں نے مسجد نبوی کو منہدم کر کے دوبارہ تعمیر کی اور اس میں اضافہ کیا' اور مسجد میں امام کے کھڑا ہونے کی جگہ کو محراب کہتے ہیں کیونکہ وہ مسجد میں اشرف المجالس ہے۔

(مرقات ج ۱ ص ۲۲۴' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان' ۱۳۹۰ھ)

امام کے محراب میں کھڑے ہونے کی تحقیق

علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر المرغینانی الحنفی المتوفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں:

اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ امام کے پیر مسجد میں ہوں اور اس کا سجدہ محراب میں ہو اور اس کا محراب میں کھڑا ہونا مکروہ ہے کیونکہ یہ اہل کتاب کے طریقہ کے مشابہ ہے کہ ان کے ہاں امام کی مخصوص جگہ ہوتی ہے۔ بخلاف اس کے کہ اس کا سجدہ

محراب میں ہو۔(ھدایہ اولین ص ۱۴۱ مطبوعہ مکتبہ شرکتہ علمیہ ملتان)

علامہ کمال الدین محمد بن عبدالواحد ابن الہمام الحنفی المتوفی ۸۶۱ھ لکھتے ہیں:

محراب میں کھڑے ہونے کے دو طریقے ہیں ایک طریقہ یہ ہے کہ وہ لوگوں سے ممتاز ہوتا کہ اس کے دائیں اور بائیں کے لوگوں پر اس کا حال مشتبہ نہ ہو حتیٰ کہ محراب کی دونوں طرف دو ستون ہوں اور اس کے سامنے کشادہ جگہ ہو اور اس کی دونوں طرف والے اس کے حال پر مطلع ہوں تو اس کا محراب میں کھڑا ہونا مکروہ نہیں ہے' اور مکروہ ہونا عراق میں ہوتا ہے جن کی محرابیں کھوکھلی اور طاق کے اندر ہوتی ہیں۔اور یہ بات مخفی نہ رہے کہ جگہ کے اعتبار سے امام کا ممتاز ہونا شرع میں مطلوب ہے حتیٰ کہ امام کا صفوں پر مقدم ہونا واجب ہے' اور یہاں امام کی مخصوص جگہ کو مکروہ کہا ہے اور اس کی تائید میں کوئی اثر (حدیث) نہیں ہے' کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے مساجد میں محاریب بنائی گئی ہیں اور اگر محاریب نہ بنائی گئی ہوں تب بھی سنت یہ ہے کہ امام اس کی محاذات میں صف کے وسط میں سب سے آگے کھڑا ہو اور یہی مطلوب ہے کیونکہ محراب کی محاذات (سیدھ) کے بغیر امام کا کھڑا ہونا مکروہ ہے' اور امام کے محراب میں کھڑے ہونے سے زیادہ سے زیادہ یہ لازم آئے گا کہ دو ملتوں کے بعض احکام متفق ہو جائیں اور اس میں کوئی بدعت نہیں ہے۔علاوہ ازیں اہل کتاب امام کے لیے خصوصیت کے ساتھ بلند چبوترہ بناتے ہیں اور جب امام محراب میں فرش پر کھڑا ہو گا تو اس میں اہل کتاب کے ساتھ کوئی مشابہت نہیں ہے۔

(فتح القدیر ج ۱ ص ۴۲۵' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

نیز علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں کہ تشبہ اس وقت ہے جب امام بلند جگہ پر کھڑا ہو کیونکہ اہل کتاب امام کو چبوترے پر کھڑا کرتے ہیں' اس صورت میں امام کا محراب میں کھڑا ہونا مکروہ نہیں ہے کیونکہ کراہت کا مدار مشابہت پر ہے اور وہ امام کو نیچے (فرش پر) کھڑا نہیں کرتے۔چبوترہ کی اتنی اونچائی جس پر کراہت موقوف ہے وہ آدمی کے قد کے برابر ہے اور مختار قول یہ ہے وہ ایک ذراع اونچائی ہے یعنی ڈیڑھ فٹ۔(فتح القدیر ج ۱ ص ۴۴۵' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

امام کا غیر محراب میں کھڑے ہونا مکروہ ہے کیونکہ اس سے پہلے علامہ علائی نے یہ کہا ہے کہ سنت یہ ہے کہ امام محراب میں کھڑا ہو' اور ایک اور جگہ کہا ہے کہ سنت یہ ہے کہ امام وسط صف کے مقابل کھڑا ہو' کیا تم نہیں دیکھتے کہ محاریب کو مسجد کے وسط میں صرف اس لیے بنایا گیا ہے کہ امام کے کھڑے ہونے کی جگہ معین ہو۔اھ' اور ظاہر یہ ہے کہ یہ حکم اس امام کے لیے ہے جو امام راتب ہو یعنی جماعت اولیٰ کثیرہ کا امام ہو نہ کہ جماعت ثانیہ کا امام کیونکہ وہ محراب کے دائیں یا بائیں کھڑا ہوتا ہے۔

(رد المحتار ج ۲ ص ۲۶۶' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۹ھ)

بعض ناواقف لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ محراب مسجد سے خارج ہوتی ہے اس لیے امام کا محراب میں کھڑا ہونا مکروہ ہے' علامہ ابن ہمام کی تحقیق سے واضح ہو گیا ہے کہ امام کا محراب میں کھڑا ہونا اس وقت مکروہ ہے جب محراب میں امام کے لیے چبوترہ بنا گیا ہو' ورنہ امام کا محراب میں کھڑے ہونا مکروہ نہیں ہے' نیز مسجد سے خارج وہ چیز ہو گی جس کو مسجد بناتے وقت مسجد سے خارج رکھا جائے اور عرف اس پر شاہد ہے کہ مسجد بناتے وقت محراب کو مسجد سے خارج رکھنے کا قصد نہیں کیا جاتا۔

امام ابن ہمام نے جو یہ لکھا ہے کہ امام کا محراب میں کسی بلند جگہ یا چبوترہ پر کھڑے ہو کر نماز پڑھانا مکروہ ہے اس کی دلیل ان احادیث میں ہے:

ھمام بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو حذیفہ نے مدائن میں چبوترہ پر کھڑے ہو کر لوگوں کو نماز پڑھائی' حضرت ابو سعید رضی

اللہ عنہ نے ان کو قمیص سے پکڑ کر نیچے کھینچ لیا اور جب وہ نماز سے فارغ ہو گئے تو کہا کیا تم کو معلوم نہیں ہے کہ مسلمانوں کو اس سے منع کیا جاتا تھا! انہوں نے کہا ہاں! جب تم نے مجھے کھینچا تو مجھے یاد آ گیا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۹۷)

عدی بن ثابت انصاری بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے یہ حدیث بیان کی کہ وہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کے ساتھ مدائن میں تھے' حضرت عمار آگے بڑھ گئے اور ایک چبوترے پر کھڑے ہو کر لوگوں کو نماز پڑھانے لگے اور لوگ ان سے نیچے تھے۔ حضرت حذیفہ نے آگے بڑھ کر ان کے ہاتھوں کو پکڑ لیا۔ حضرت عمار نے ان کی اتباع کی' حتیٰ کہ حضرت حذیفہ نے ان کو نیچے اتار لیا۔ جب حضرت عمار نماز سے فارغ ہو گئے تو حضرت حذیفہ نے ان سے کہا کیا تم نے یہ نہیں سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے تھے کہ جب کوئی شخص لوگوں کا امام بنے تو لوگوں سے بلند جگہ پر کھڑا نہ ہو۔ حضرت عمار نے کہا اسی وجہ سے میں نے آپ کی اتباع کی تھی جب آپ نے میرا ہاتھ پکڑا تھا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۹۵۸' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۱۰۹)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے یحییٰ! پوری قوت سے کتاب کو لے لو اور ہم نے ان کو بچپن میں ہی نبوت عطا کر دی ○ اور اپنے پاس سے (ان کو) نرم دلی اور پاکیزگی عطا کی اور وہ متقی شخص تھے ○ اور وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے والے تھے اور سرکش نافرمان نہ تھے ○ اور ان پر سلام ہو جس دن وہ پیدا ہوئے اور جس دن ان کی وفات ہوگی اور جس دن وہ زندہ اٹھائے جائیں گے ○ (مریم: ۱۵-۱۲)

حضرت یحییٰ کو بچپن میں نبوت عطا فرمانا

آیت: ۱۲ سے پہلے یہ عبارت محذوف ہے' پس حضرت زکریا کے ہاں بیٹا پیدا ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے اس بیٹے سے فرمایا: اے یحییٰ پوری قوت سے کتاب کو لے لو' کتاب سے مراد تورات ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ پوری قوت سے تورات کو حفظ کرو' اس میں غور و فکر کرو اور اس کے احکام پر عمل کرو' پھر فرمایا ہم نے ان کو بچپن میں ہی نبوت دے دی تھی' معمر نے بیان کیا ہے کہ ان کے ہم عمر بچے کہتے تھے آؤ کھیلیں! تو حضرت یحییٰ فرماتے میں کھیلنے کے لیے پیدا نہیں ہوا۔ قتادہ نے کہا ان کو دو یا تین سال کی عمر میں نبوت دی گئی تھی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا ہوتے ہی نبوت دی گئی اور حضرت یحییٰ کو دو یا تین سال کی عمر میں نبوت دی گئی اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت بھی نبی تھے جب حضرت آدم روح اور جسد کے درمیان تھے' ہر نبی پیدائشی نبی ہوتا ہے یا اس کو بعد میں نبوت دی جاتی ہے اس کی تحقیق ہم نے تبیان القرآن ج ۱ ص ۴۱۸ میں کی ہے۔

حنان اور زکوٰۃ کا معنی

نیز فرمایا ہم نے اپنے پاس سے ان کو حنان اور زکوٰۃ عطا کر دی تھی' حنان کے معنی ہیں شفقت' رحمت اور محبت' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کی تفسیر میں دو قول ہیں' ایک یہ ہے کہ: اللہ عزوجل کا ان پر شفقت اور رحمت فرمانا اور دوسرا یہ ہے کہ ان کا لوگوں پر شفقت اور رحمت فرمانا اور ان کو کفر اور شرک سے نکالنا۔

زکوٰۃ کا معنی ہے پاک کرنا اور برکت دینا اور ان کی خیر اور نیکی کو بڑھانا یعنی ہم نے ان کو برکت والا بنا دیا وہ لوگوں کو ہدایت دیتے تھے' اور وہ متقی تھے یعنی اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزار تھے اس لیے کہا گیا ہے کہ انہوں نے کبھی گناہ کیا اور نہ گناہ کا ارادہ کیا۔

حضرت یحییٰ پر تین بار سلام کی خصوصیت

اس کے بعد فرمایا اور ان پر سلام ہو جس دن وہ پیدا ہوئے اور جس دن ان کی وفات ہو گی اور جس دن وہ زندہ اٹھائے جائیں گے۔ ان تین دنوں کی تخصیص کی وجہ یہ ہے:

امام ابن جریر طبری نے کہا یہاں سلام کا معنی ہے امان' ہر شخص جب پیدا ہوتا ہے تو شیطان اس کو ضرر پہنچاتا ہے لیکن وہ اس کے ضرر سے سلامت رہیں گے' اور جب وہ فوت ہوں گے تو عذاب قبر سے امان میں رہیں گے' اور جب وہ حشر کے دن اٹھیں گے تو عذاب قیامت سے مامون رہیں گے۔

سفیان بن عیینہ نے کہا مخلوق کو تین دنوں میں وحشت کا سامنا ہوتا ہے جب وہ پیدا ہوتا ہے تو وہ ماں کے پیٹ سے باہر آ کر ایک نئی دنیا کا سامنا کرتا ہے اور جب وہ مرتا ہے تو ان چیزوں کا سامنا کرتا ہے جن کو اس نے پہلے نہیں دیکھا تھا اور جب وہ دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا تو اپنے آپ کو عظیم محشر میں پائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان تینوں مقامات پر حضرت یحییٰ پر سلام بھیجا تاکہ وہ ان تینوں مقامات پر سلامتی کے ساتھ رہیں۔

عبداللہ بن نفطویہ نے کہا جب وہ پیدا ہوں اور پہلی بار دنیا کو دیکھیں تو ان پر سلامتی ہو اور جب وہ فوت ہوں اور پہلی بار امر آخرت کو دیکھیں تو ان پر سلامتی ہو اور جب ان کو اٹھایا جائے اور وہ پہلی بار جنت اور دوزخ کو دیکھیں تو ان پر سلامتی ہو۔

اللہ تعالیٰ نے اور انبیاء پر بھی سلام بھیجا ہے مثلاً فرمایا: سَلٰمٌ عَلٰى نُوۡحٍ فِى الۡعٰلَمِيۡنَ (الصّٰفّٰت: ٧٩) اور فرمایا: سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبۡرٰهِيۡمَ (الصّٰفّٰت: ١٠٩) لیکن ایک بار سلام بھیجا ہے اور حضرت یحییٰ علیہ السلام پر تین بار سلام بھیجا ہے۔ ہر چند کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر بھی تین بار سلام کا ذکر ہے "وَالسَّلٰمُ عَلَىَّ يَوۡمَ وُلِدْتُّ وَيَوۡمَ اَمُوۡتُ وَيَوۡمَ اُبۡعَثُ حَيًّا" (مریم: ٣٣) لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے اوپر خود سلام بھیجا ہے اگرچہ اللہ تعالیٰ کے امر سے بھیجا ہے اور حضرت یحییٰ پر اللہ تعالیٰ نے سلام بھیجا ہے۔

یوم میلاد پر خوشی منانے اور یوم وفات پر غم نہ منانے کا جواب

ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام پر کثرت سے سلام پڑھنا چاہئے خصوصاً ان کے میلاد کے دن۔ اس لیے اھل سنت بارہ ربیع الاول کو عید میلاد النبی مناتے ہیں اور خوشی کا اظہار کرتے ہیں۔ اس دن درود و سلام پڑھتے ہیں اور مجالس منعقد کرتے ہیں ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعتیں پڑھی جاتی ہیں اور آپ کے فضائل و مناقب بیان کیے جاتے ہیں۔ بعض اہل تنقیص اور مبتدعین یہ اعتراض کرتے ہیں حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ کے یوم وفات پر بھی سلام بھیجا گیا' پھر جس طرح تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یوم میلاد مناتے ہو اس طرح تم ان کا یوم وفات بھی منایا کرو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت میں ہمیں نعمت ملنے پر خوشی کے اظہار کا تو حکم دیا گیا ہے اور مصیبت پر غم منانے کا حکم نہیں دیا بلکہ اس سے منع فرمایا ہے' اور نعمت کے بیان کرنے اور اس پر اظہار خوشی کرنے کا ذکر ان آیتوں میں ہے:

وَاَمَّا بِنِعۡمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثۡ ○ (الضحیٰ: ١١) — اور آپ اپنے رب کی نعمتوں کو بیان کیجئے۔

قُلۡ بِفَضۡلِ اللّٰهِ وَبِرَحۡمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلۡيَفۡرَحُوۡا (یونس: ٥٨) — آپ کہئے لوگوں کو اللہ کے فضل اور اس کی رحمت پر خوشی منانا چاہئے۔

اور کسی مصیبت پر اللہ تعالیٰ نے غم منانے کا حکم نہیں دیا بلکہ صبر اور ضبط نفس کا حکم دیا ہے' اور رونے پیٹنے' ماتم کرنے اور چیخنے چلانے سے منع فرمایا ہے۔ جس طرح شیعہ کرتے ہیں' اور تحقیق یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ١٢ ربیع الاول کو

اور آپ کی وفات ٢ ربیع الاول کو ہوئی ہے۔ امام محمد بن سعد متوفی ٢٣٠ھ امام بیہقی متوفی ۴۵٨ھ علامہ سہیلی متوفی ۵٨١ھ حافظ ابن کثیر متوفی ٧٧۴ھ حافظ ابن حجر متوفی ٨۵٢ھ علامہ محمد بن یوسف الصالحی متوفی ٩۴٢ھ ملا علی قاری متوفی ١٠١۴ھ کی بھی یہی تحقیق ہے۔

(الطبقات الکبریٰ ج ٢ص ٢٠٨ دلائل النبوۃ ج ٧ص ٢٣۵ الروض الانف ج ۴ص ۴۴٠ البدایہ والنہایہ ج ۴ص ٢٢٨ فتح الباری ج ٨ص ۴٧۴ سبل الہدیٰ والرشاد ج ١٢ص ٣٠۵ مرقات ج ١١ص ٢٣٨)

اس مسئلہ کی زیادہ تفصیل اور تحقیق ہم نے الانبیاء ٣۴ میں کی ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ﴿١٦﴾

اس کتاب میں مریم کا ذکر کیجئے جب وہ اپنے گھر والوں سے دور مشرق میں ایک جگہ چلی گئیں ○

فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا ۫ فَاَرْسَلْنَاۤ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا

سو انہوں نے لوگوں کی طرف سے ایک آڑ بنالی، پس ہم نے ان کے پاس اپنے فرشتے کو بھیجا اس نے مریم کے سامنے ایک تندرست

سَوِيًّا ﴿١٧﴾ قَالَتْ اِنِّيْۤ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ﴿١٨﴾ قَالَ

بشری شکل اختیار کرلی ○ مریم نے کہا میں تجھ سے رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں اگر تو اللہ سے ڈرنے والا ہے ○ فرشتے نے کہا

اِنَّمَاۤ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ﴿١٩﴾ قَالَتْ اَنّٰى

میں تو صرف تمہارے رب کا بھیجا ہوا ہوں تاکہ میں تمہیں ایک پاکیزہ بیٹا دوں ○ مریم نے کہا میرے ہاں

يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا ﴿٢٠﴾ قَالَ كَذٰلِكِ ۚ

لڑکا کیسے ہو سکتا ہے! حالانکہ کسی بشر نے مجھے چھوا تک نہیں اور نہ میں بدکار ہوں ○ فرشتہ نے کہا اسی طرح ہوگا،

قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ وَلِنَجْعَلَهٗۤ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ

آپ کے رب نے فرمایا ہے یہ مجھ پر آسان ہے تاکہ ہم اسے لوگوں کے لیے نشانی اور اپنی طرف سے رحمت بنا دیں،

وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ﴿٢١﴾ فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ﴿٢٢﴾

اور اس کام کا فیصلہ ہو چکا ہے ○ پس مریم کو اس کا حمل ہو گیا اور وہ اس حمل کے ساتھ دور جگہ پر چلی گئیں ○

فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ

پھر دردِ زہ ان کو ایک کھجور کے درخت کی طرف لے گیا انہوں نے کہا کاش میں اس سے

قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ﴿٢٣﴾ فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِيْ

پہلے مر جاتی اور بھولی بسری ہو جاتی ○ پھر درخت کے نیچے سے فرشتہ نے ان کو آواز دی آپ پریشان

قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ﴿٢٤﴾ وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ

نہ ہوں آپ کے رب نے آپ کے نیچے سے ایک نہر جاری کر دی ہے ○ اور آپ اس کھجور کے درخت کو اپنی طرف ہلائیں

تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ﴿٢٥﴾ فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا ۚ فَاِمَّا

تو آپ کے اوپر تر و تازہ پکی کھجوریں گریں گی ○ سو کھاؤ اور پیو اور آنکھ ٹھنڈی رکھو، پس تم

تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوْلِيْٓ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا

جب بھی کسی انسان کو دیکھو تو اس سے اشارہ سے کہو کہ میں نے رحمٰن کے لیے یہ نذر مانی ہے کہ میں آج ہرگز

فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ﴿٢٦﴾ ۚ فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ۭ قَالُوْا يٰمَرْيَمُ

کسی انسان سے بات نہیں کروں گی ○ پھر وہ اس بچہ کو اٹھائے ہوئے لوگوں کے پاس گئیں تو انہوں نے کہا اے مریم!

لَقَدْ جِئْتِ شَيْـًٔا فَرِيًّا ﴿٢٧﴾ يٰٓاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ

تم نے تو بہت سنگین کام کیا ہے ○ اے ھارون کی بہن! نہ تمہارا باپ بدکردار تھا

سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا ﴿٢٨﴾ فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ ۭ قَالُوْا كَيْفَ

اور نہ تمہاری ماں بد چلن تھی ○ سو مریم نے اس بچہ کی طرف اشارہ کیا، ان لوگوں نے کہا ہم

نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ﴿٢٩﴾ قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ ۣ اٰتٰىنِيَ

گود کے بچے سے کیسے بات کریں! ○ اس بچہ نے کہا بے شک میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے

الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا ﴿٣٠﴾ ۙ وَّجَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ ۠ وَاَوْصٰنِيْ

کتاب دی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے ○ اور اس نے مجھے برکت والا بنایا ہے خواہ میں کہیں بھی ہوں اور میں جب

بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ﴿٣١﴾ وَّبَرًّۢا بِوَالِدَتِيْ ۡ وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ

تک زندہ رہوں اس نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کی وصیت کی ہے ○ اور مجھے اپنی والدہ کے ساتھ نیکی کرنے والا بنایا ہے اور مجھے

جَبَّارًا شَقِيًّا ﴿٣٢﴾

متکبر اور بدبخت نہیں بنایا O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اس کتاب میں مریم کا ذکر کیجئے۔ جب وہ اپنے گھر والوں سے دور مشرق میں ایک جگہ چلی گئیں O (مریم: ۱۶)

حضرت مریم کے مشرقی جگہ جانے کی وجوہ

انتبذت کا لفظ نبذ سے بنا ہے اور نبذ کا معنی ہے پھینکنا' قرآن مجید میں ہے:

فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ (آل عمران: ۱۸۷) انہوں نے اللہ کے عہد کو اپنی پیٹھوں کے پیچھے پھینک دیا۔

اسی سے بیع منابذہ بنی ہے یعنی مشتری کا مبیع پر کنکر پھینکنا یعنی جس چیز پر وہ کنکر پھینکے گا اس چیز کی بیع واجب ہو جائے گی' اور اس معنی کو دور ہونا لازم ہے اس وجہ سے انتبذت من اھلھا کا معنی ہے وہ اپنے گھر سے دور چلی گئیں اور گھر سے دور جانے کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) جب انہوں نے حیض دیکھا تو وہ گھر سے دور کسی جگہ غسل کرنے گئیں تاکہ پاک ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں' وہیں پر ان کے پاس حضرت جبریل آئے تھے۔

(۲) وہ تنہائی میں عبادت کرنے کے لیے کسی جگہ کی تلاش میں بیت المقدس کی مشرقی جانب گئی تھیں۔

(۳) ان کے خالو حضرت زکریا نے اپنے گھر میں ان کے لیے حجرہ بنا دیا تھا' جب وہ گھر سے باہر جاتے تو اس کو بند کر جاتے تھے ان کی یہ خواہش تھی ان کی کوئی الگ جگہ ایسی ہو جہاں وہ آزادی سے آ جا سکیں سو وہ بیت المقدس کی مشرقی جانب ایک جگہ چلی گئیں اور وہیں ان کے پاس حضرت جبریل آئے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو انہوں نے لوگوں کی طرف سے ایک آڑ بنالی' پس ہم نے ان کے پاس ایک فرشتے کو بھیجا اس نے مریم کے سامنے ایک تندرست بشر کی شکل اختیار کر لی O (مریم: ۱۷)

حضرت مریم کے پاس حضرت جبریل کا بشر کی صورت میں آنا

جب حضرت مریم بیت المقدس کی مشرقی جگہ جا کر بیٹھ گئیں تو انہوں نے وہاں لوگوں کے سامنے سے ایک آڑ بنالی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہم نے ان کے پاس اپنی روح کو بھیجا' اس روح سے مراد حضرت جبریل ہیں' اور قرآن مجید کی کئی آیتوں میں حضرت جبریل پر روح کا اطلاق کیا گیا ہے:

نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ O عَلٰى قَلْبِكَ (الشعراء: ۱۹۴-۱۹۳) اس قرآن کو الروح الامین (جبریل) نے آپ کے قلب پر نازل کیا۔

تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا (القدر: ۴) لیلۃ القدر میں فرشتے اور روح (جبریل) نازل ہوتے ہیں۔

مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ حضرت جبریل کس صورت میں ظاہر ہوئے تھے۔ بعض نے کہا وہ ایک خوب رو بے ریش جوان کی شکل میں ظاہر ہوئے تھے' اور بعض نے کہا کہ بیت المقدس میں یوسف نام کا ایک خادم تھا اس کی شکل میں ظاہر ہوئے تھے اور بشر کی شکل میں آنے کی وجہ یہ تھی کہ حضرت مریم اس کو دیکھ کر خوف زدہ نہ ہو جائیں اور گھبرا نہ جائیں اور ان سے

گفتگو کر سکیں۔

بعض علماء اس نظریہ کے قائل ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مادہ خلقت نور تھا اور بشریت آپ کا محض لباس تھا اور نور ہونا بشریت کے منافی نہیں ہے کیونکہ حضرت جبریل نور تھے اور حضرت مریم کے پاس بشری شکل میں آئے تھے' لیکن اس پر یہ کلام ہے کہ قرآن مجید کی متعدد آیات میں تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تم ہی میں سے مبعوث کیا گیا ہے اور ہم نوع انسان سے ہیں اور بشر ہیں' عقیدہ کا مدار قطعی دلیل پر ہوتا ہے اور قرآن مجید میں یا کسی حدیث صحیح متواتر میں یہ وارد نہیں ہے کہ آپ کا مادہ خلقت نور ہے' شرح صحیح مسلم ج ۵ ص ۱۰۴۔ ۹۵' تبیان القرآن المائدہ: ۱۵' الکھف: ۱۱۰ میں ہم نے اس کی مکمل تحقیق کی ہے' البتہ قرآن مجید میں آپ پر نور کا اطلاق کیا گیا ہے اس سے مراد نور ہدایت ہے اور نور حسی سے بھی آپ کو وافر حصہ دیا گیا ہے۔ بشری کثافتوں سے آپ منزہ تھے' آپ کے تمام فضلات طیب و طاہر تھے اور آپ کے دانتوں کی جھریوں سے نور کی طرح کوئی چیز نکلتی تھی۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ آپ نور حسی اور معنوی ہر ایک کی اصل ہیں۔ یہ بھی واضح رہے کہ نبی صرف مرد ہوتا ہے اور نور میں مرد اور عورت نہیں ہوتے' اور نور حسی سے نور علم اور نور ھدایت افضل ہے۔ نور حسی جیسے چراغ اور سورج اور چاند کا نور ہے جس سے دنیاوی اندھیرا دور ہوتا ہے اور نور ہدایت جیسے قرآن مجید اور انبیاء علیہم السلام کا نور ہے جس سے کفر کا اندھیرا دور ہوتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائق یہی نور ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مریم نے کہا میں تجھ سے رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں اگر تو اللہ سے ڈرنے والا ہے O فرشتہ نے کہا میں تو صرف تمہارے رب کا بھیجا ہوا ہوں تا کہ میں تمہیں ایک پاکیزہ بیٹا دوں O (مریم: ۱۹-۱۸)

فرشتہ سے ہم کلام ہونا حضرت مریم کی نبوت کو مستلزم نہیں

حضرت مریم کا منشا یہ تھا کہ اللہ کی پناہ میں آنا صرف اسی شخص کے متعلق متصور ہو سکتا ہے جو اللہ سے ڈرنے والا ہو اس لیے انہوں نے کہا میں تجھ سے رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں اگر تو اللہ سے ڈرنے والا ہے۔ اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ تو متقی شخص نہیں ہے ورنہ ایک اجنبی خاتون کے پاس ہرگز نہ آتا ایسے موقع پر آپ کے لیے یہی ممکن تھا کہ آپ اللہ کی پناہ طلب کریں۔

جب حضرت جبریل کو یہ علم ہوا کہ حضرت مریم انہیں اجنبی مرد سمجھ کر ان سے خوف زدہ ہیں تو انہوں نے کہا میں آپ کے رب کا بھیجا ہوا ہوں' امام رازی نے کہا صرف اتنا کہہ دینے سے حضرت مریم کا خوف زائل نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لیے لازم ہے کہ حضرت جبریل نے ان کو کوئی ایسی نشانی دکھائی ہو جس سے ان کو یقین آ گیا ہو کہ یہ فرشتہ ہیں' اور حضرت مریم کو کوئی نشانی دکھانے اور فرشتے کے ساتھ ہم کلام ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ نبیہ ہو جائیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى. (یوسف: ۱۰۹)

ہم نے آپ سے پہلے جتنی بستیوں میں بھی رسول بھیجے وہ سب مرد ہی تھے جن کی طرف ہم وحی نازل کرتے تھے۔

علامہ ابوعبداللہ قرطبی کا نظریہ ہے کہ حضرت مریم نبیہ تھیں کیونکہ ان کے پاس فرشتہ آیا اور ان سے ہم کلام ہوا اور اس نے اپنے فرشتہ ہونے پر ان کے سامنے کوئی نشانی بھی پیش کی' لیکن یہ قول صحیح نہیں ہے کیونکہ مذکور الصدر آیت میں یہ تصریح ہے کہ نبی اور رسول صرف مرد ہی ہوتا ہے۔ حضرت مریم کا فرشتہ سے ہم کلام ہونا ان کی کرامت تھی کیونکہ وہ ولیہ تھیں۔

حضرت جبریل نے کہا تا کہ میں تمہیں ایک غلام زکی دوں' زکی کا معنی ہے گناہوں سے پاک اور اس میں یہ دلیل ہے کہ اس لڑکے کو مقام نبوت پر فائز کیا جائے گا کیونکہ گناہوں سے پاک ہونا انبیاء علیہم السلام ہی کی شان ہے۔

اولیاء اللہ کے مزارات پر مرادیں مانگنا

بیٹا دینا حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی صفت ہے' حضرت جبریل نے جو کہا تاکہ میں تمہیں ایک پاکیزہ بیٹا دوں یہ اسناد مجازی ہے' بعض لوگ اولیاء اللہ کے مزارات پر جا کر دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس ولی کے وسیلہ سے یا اس کی دعا سے ان کو بیٹا دے دے یا ان کا کوئی اور کام بنا دے' اور جب ان کے ہاں بیٹا ہو جائے تو کہتے ہیں کہ یہ فلاں ولی نے بیٹا دیا ہے یہ بھی اسناد مجازی ہے اور حضرت جبریل کے قول کی طرح ہے۔ البتہ مزار پر جا کر یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ اے صاحب مزار! آپ ہمیں بیٹا دے دیں اگرچہ اس میں بھی اسناد مجازی کی تاویل ہو سکتی ہے کہ آپ ہمارے لیے بیٹے کی دعا کر دیں' لیکن یہ کلمات موہم شرک ہیں اس لیے صاف اور سیدھا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ اپنے اس مقرب بندہ کے وسیلہ سے ہماری دعا قبول کرے اور ہمارا فلاں کام کر دے' یہ دعا اپنے گھر میں بھی کی جا سکتی ہے' لیکن اللہ کے نیک بندوں کے پاس جا کر دعا کی جائے تو دعا کا قبول ہونا زیادہ متوقع ہے اور نیک بندوں پر جو برکتیں نازل ہوتی ہیں وہ بھی شامل حال ہوں گی' اور نذر صرف اللہ کی ہوتی ہے اولیاء اللہ کی نذر ماننا جائز نہیں ہے اور صدقہ و خیرات کر کے اس کا ثواب انہیں پہنچانا ایک الگ چیز ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مریم نے کہا میرے ہاں لڑکا کیسے ہو سکتا ہے! حالانکہ کسی بشر نے مجھے چھوا تک نہیں اور نہ میں بدکار ہوں O فرشتہ نے کہا اسی طرح ہوگا' آپ کے رب نے فرمایا ہے یہ مجھ پر آسان ہے تاکہ ہم اسے لوگوں کے لیے نشانی اور اپنی طرف سے رحمت بنا دیں اور اس کام کا فیصلہ ہو چکا ہے O (مریم: ٢١-٢٠)

عادت کے خلاف بیٹے کی پیدائش پر حضرت مریم کا تعجب فرمانا اور اس کا ازالہ

جب حضرت جبریل نے حضرت مریم کو بشارت دی کہ میں اللہ کا بھیجا ہوا ہوں تاکہ میں تم کو ایک پاکیزہ بیٹا دوں تو حضرت مریم کو تعجب ہوا کہ عادت کے خلاف بغیر نکاح اور بغیر شوہر کے ان کے ہاں بیٹا کیسے ہوگا! اس لیے انہوں نے کہا مجھ سے لڑکا کیسے ہوگا نہ تو کسی بشر نے مجھے مس کیا ہے یعنی نہ تو میرا نکاح ہوا ہے اور نہ میں بدکار ہوں۔

حضرت جبریل نے کہا اسی طرح ہوگا آپ کے رب نے فرمایا ہے وہ مجھ پر آسان ہے' سورہ آل عمران میں ہے:

كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (آل عمران: ٤٧)

اسی طرح اللہ جو چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے' جب بھی وہ کسی کام کو کرنا چاہتا ہے وہ فرماتا ہے ''ہو جا'' سو وہ کام ہو جاتا ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ کو کسی کام کے کرنے کے لیے مادہ اور آلات کی احتیاج نہیں ہوتی اور نہ اس کو کسی کام میں وقت لگتا ہے ادھر کسی کام کا ارادہ کیا ادھر وہ وجود میں آ گیا' اور اللہ تعالیٰ اس لڑکے کی ولادت کو اپنے وجود اور اپنی قدرت کی نشانی اور اپنی رحمت بنانا چاہتا ہے کہ اگر وہ چاہے تو بغیر باپ کے بیٹا پیدا کر دے' اور اس کام کا اللہ تعالیٰ فیصلہ فرما چکا ہے اور جس کام کا وہ فیصلہ فرما لے اس کا ٹلنا محال ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس مریم کو اس کا حمل ہو گیا اور وہ اس حمل کے ساتھ دور جگہ پر چلی گئیں O (مریم: ٢٢)

حضرت مریم کے حمل کا سبب

اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کے حمل کی وجہ بیان فرمائی ہے:

وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِىْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا (التحریم: ١٢)

اور عمران کی بیٹی مریم جس نے اپنی پاک دامنی کی حفاظت کی تھی سو ہم نے اس کے چاک گریبان میں اپنے پاس سے روح پھونک دی۔

جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق فرمایا: و نفخت فیه من روحی (الحجر: ٢٩) "اور میں نے آدم کے پتلے میں اپنے پاس سے روح پھونک دی" یہ روح خود اللہ تعالیٰ نے پھونکی تھی جیسا کہ اس آیت کا ظاہری معنی ہے یا حضرت جبریل نے کیونکہ انہوں نے کہا تھا تا کہ میں آپ کو پاکیزہ بیٹا دوں' وھب بن منبہ نے کہا حضرت جبریل نے حضرت مریم کے چاک گریبان میں پھونک ماری تو وہ پھونک ان کے چاک گریبان سے ان کے رحم تک پہنچ گئی۔ بہرحال حضرت آدم بھی نفخ روح سے پیدا ہوئے اور حضرت عیسیٰ بھی نفخ روح سے پیدا ہوئے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ مَثَلَ عِيسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ — عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی طرح ہے۔

(آل عمران: ٥٩)

حضرت مریم کے حمل کی مدت

حضرت مریم کے حمل اور وضع حمل کی مدت میں کئی اقوال ہیں اور اس کی مدت زیادہ طویل نہیں تھی' لیکن اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ اس وقت وضع حمل ہو گیا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وہ اس حمل کے ساتھ دور جگہ پر چلی گئیں۔ حسن بصری نے کہا اس میں ٩ گھنٹے لگے۔ سعید بن جبیر نے کہا اس میں ٩ ماہ لگے' زجاج نے کہا اس میں ٨ ماہ لگے' الماوردی نے کہا اس میں ٦ ماہ لگے۔ (زادالمسیر ج ٥ ص ٢١٩' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ١٤١٢ھ)

یوسف نجار کا تعاون

علامہ ثعلبی نے العرائس میں وھب بن منبہ سے نقل کیا ہے کہ جب حضرت مریم کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حمل ہوا تو ان دنوں ان کے ساتھ ان کا عم زاد یوسف نجار رہتا تھا وہ دونوں اس مسجد میں جاتے تھے جو صھیون پہاڑ کے پاس تھی' اور وہ دونوں اس مسجد کی خدمت کرتے تھے اور لوگوں کے نزدیک ان دونوں سے زیادہ مسجد کی خدمت اور مسجد میں عبادت کرنے والا اور کوئی نہیں تھا' اور سب سے پہلے یوسف حضرت مریم کے حمل پر مطلع ہوا' وہ بہت حیران ہوا کہ حضرت مریم تو کبھی اس سے اوجھل نہیں ہوئی تھیں یہ حمل کیسے ہو گیا۔ بالآخر اس نے حضرت مریم سے کہا: اے مریم یہ بتاؤ کیا بغیر بیج ڈالے فصل اگ سکتی ہے' کیا بغیر بارش کے درخت پیدا ہو سکتے ہیں اور کیا بغیر مرد کے بچہ پیدا ہو سکتا ہے۔ حضرت مریم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے پہلے درخت کو پیدا فرمایا تو کیا اس کو بغیر بیج کے پیدا نہیں کیا' کیا حضرت آدم کو بغیر مرد کے پیدا نہیں کیا۔ جب حضرت مریم نے یہ جواب دیا تو یوسف کے دل سے شک اور شبہ زائل ہو گیا اور چونکہ حمل کی وجہ سے حضرت مریم کمزور ہو گئی تھیں اور مشقت کے کام نہیں کر سکتی تھیں تو ان کے ذمہ جو کام تھے وہ بھی یوسف نجار کر دیا کرتا تھا۔ (جامع البیان جز ١٦ ص ٨١' ٨٢' تفسیر کبیر ج ٧ ص ٥٢٥-٥٢٤)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: : پھر دردِ زہ ان کو ایک کھجور کے درخت کی طرف لے گیا۔ انہوں نے کہا کاش میں اس سے پہلے مر جاتی اور بھولی بسری ہو جاتی ○ (مریم: ٢٣)

وضع حمل کے لیے حضرت مریم کے دور جانے کی وجوہ

(١) جب حضرت مریم کے وضع حمل کا زمانہ قریب آیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں ڈالا کہ وہ اپنی قوم کے علاقہ سے باہر چلی جائیں تا کہ لوگ ان کے بچہ کو قتل نہ کر دیں' تب یوسف نجار ان کو دراز گوش پر سوار کرا کے ارض مصر لے گئے' جب وہ اس شہر میں پہنچ گئیں تو وضع حمل کا وقت قریب آ گیا' وہ موسم خزاں اور سردیوں کا زمانہ تھا وہ کھجور کے ایک سوکھے ہوئے درخت کی پناہ میں گئیں اور اس کے پاس ان کے ہاں ولادت ہو گئی۔

(٢) اپنے علاقہ سے دور جانے کی دوسری وجہ یہ تھی کہ ان کو حضرت زکریا سے حیا آتی تھی وہ چاہتی تھیں کہ وضع حمل کا ان کو پتا نہ چلے۔

(٣) حضرت مریم بنی اسرائیل میں اپنے زہد و تقویٰ کی وجہ سے مشہور تھیں۔ کیونکہ ان کی والدہ نے ان کو بیت المقدس کی خدمت کے لیے وقف کرنے کی نذر مانی تھی' اور ان کی پرورش کرنے کے لیے کئی انبیاء خواہش مند تھے اور حضرت زکریا نے ان کی کفالت کی تھی' ان کے پاس اللہ کی طرف سے بے موسمی پھل آتے تھے اور جب ان کی اس قدر نیک شہرت تھی تو ان کو حیا آئی کہ اگر ان کو یہاں وضع حمل ہو گیا تو لوگوں کو بہت رنج بھی ہوگا اور وہ بہت باتیں بنائیں گے۔

یہ کہنے کی توجیہ کہ کاش میں اس سے پہلے مرجاتی

حضرت مریم وضع حمل کے لیے کھجور کے ایسے درخت کے پاس گئیں جو اجاڑ تھا اور سوکھا ہوا تھا۔ زمخشری نے کہا وہ سردیوں کا موسم تھا وہ صحرا میں اس درخت کے پاس گئیں اس کا سر تھا نہ اس میں پھل اور نہ وہ سرسبز تھا وہاں انہوں نے یہ کہا کاش میں اس سے پہلے مرجاتی اور بھولی بسری ہو جاتی۔ اس پر یہ اعتراض ہے کہ جب حضرت جبریل انہیں اس بچے کی بشارت دے چکے تھے تو پھر انہوں نے یہ کلمات کیوں کہے اور اس قدر حزن و ملال کا اظہار کیوں کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کو جو درد زہ لاحق ہوا تھا وہ اتنا شدید تھا کہ وہ حضرت جبریل کی بشارت کو بھول گئی تھیں' اور قیامت کی ہولناکی اور اللہ کے عذاب کا خوف جب حضرات صحابہ کرام پر طاری ہوتا تھا تو وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی بشارات کو بھول جاتے تھے اور خوف خدا کے غلبہ سے کہتے تھے:

مجاہد کہتے تھے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا کاش میں ایک درخت ہوتا جس کو کاٹ دیا جاتا۔ میری خواہش ہے کہ مجھ کو پیدا ہی نہ کیا جاتا۔ (کتاب الزھد للوکیع رقم الحدیث: ١٥٩' المستدرک ج ٤ ص ٥٧٩' مسند احمد ج ٥ ص ١٧٣)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کاش میں بھولی بسری ہوتی۔

(کتاب الزھد للوکیع رقم الحدیث: ١٦٠' مصنف عبدالرزاق ج ١١ ص ٣٠٧' حلیۃ الاولیاء ج ٢ ص ٤٥)

یعقوب بن زید کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر نے ایک پرندہ کو درخت پر بیٹھے ہوئے دیکھا تو کہا کاش میں اس پرندہ کی جگہ ہوتا۔ (کتاب الزھد للوکیع رقم الحدیث: ١٦٥' مسند الحمیدی ج ١ ص ٧٧' مسند احمد ج ٥ ص ١٥٧)

ضحاک بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر نے ایک پرندہ کو درخت پر بیٹھے ہوئے دیکھا تو فرمایا اے پرندہ تمہارے لیے خوشی ہو' خدا کی قسم! میری یہ خواہش ہے کہ میں تمہاری مثل ایک پرندہ ہوتا' درخت پر بیٹھتا اس کے پھل کھاتا' تجھ سے حساب لیا جائے گا نہ تجھے عذاب ہوگا۔ (کتاب الزھد للھناد رقم الحدیث: ٤٣٧)

حضرت عمر نے زمین سے ایک تنکا اٹھا کر کہا کاش میں اس طرح تنکا ہوتا' حضرت علی نے جنگ جمل کے دن کہا کاش میں اس دن کے آنے سے بیس سال پہلے فوت ہو چکا ہوتا' حضرت بلال نے کہا کاش بلال کو اس کی ماں نے نہ جنا ہوتا' اس سے معلوم ہوا کہ جب صالحین پر مصائب اور سختیاں آتی ہیں تو ان سے اس طرح کا کلام صادر ہوتا ہے۔ (تفسیر کبیر ج ٧ ص ٥٢٦)

حضرت مریم کی طرف سے ایک اور جواب یہ ہے کہ انہوں نے یہ کلمات اس لیے کہے کہ ان کے متعلق جو ناگفتنی باتیں کی جائیں گی ان کی وجہ سے وہ کسی گناہ میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر درخت کے نیچے سے (فرشتہ نے) ان کو آواز دی آپ پریشان نہ ہوں آپ کے رب نے آپ کے نیچے سے ایک نہر جاری کر دی ہے ○ اور آپ اس کھجور کے درخت کو اپنی طرف ہلائیں تو آپ کے اوپر تر و تازہ پکی کھجوریں

گریں گی ○ (٢٤-٢٥)

معاش کے حصول کے لیے کسب کرنا ضروری ہے

حسن اور سعید بن جبیر نے کہا یہ نداء کرنے والے حضرت عیسیٰ تھے۔ عمرو بن میمون عودی نے کہا ایک فرشتہ نے ندا کی اور حضرت ابن عباس نے فرمایا جبریل نے ندا کی اور یہی ظاہر ہے امام ابن جریر کا بھی یہی مختار ہے' کیونکہ حضرت عیسیٰ نے اس وقت تک کلام نہیں کیا تھا جب تک کہ وہ قوم کے پاس نہیں گئی تھیں۔ حسن اور عبدالرحمٰن بن زید کا مختار یہ ہے کہ 'سری' سے مراد نہر ہے کیونکہ اس میں پانی جاری رہتا ہے۔

اس سے پہلے ہم بتا چکے ہیں کہ وہ سردی کا موسم تھا اور وہ درخت سوکھا ہوا تھا۔ اس میں اختلاف ہے کہ اس درخت سے اسی حال میں تروتازہ پکی کھجوریں گرنے لگی تھیں یا پہلے وہ درخت سرسبز ہوا اور پھر اس سے کھجوریں گرنے لگیں۔ ہر حال میں یہ حضرت مریم کی کرامت ہے جیسے ان کے پاس بچپن میں بے موسمی پھل آتے تھے یہاں بھی ان پر بے موسمی کھجوریں گرنے لگیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم سے یہ فرمایا ہے کہ آپ اس کھجور کو اپنی طرف ہلائیں تو آپ کے اوپر تروتازہ پکی کھجوریں گریں گی۔ اللہ تعالیٰ نے اس سوکھے ہوئے درخت میں آناً فاناً کھجوریں پیدا کر دیں تو یہ بھی ہو سکتا تھا کہ حضرت مریم کے ہلائے بغیر وہ کھجوریں گر جاتیں لیکن اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ یہ ہے کہ بندہ اپنے لیے رزق کی تلاش میں سعی اور جدوجہد کرے۔ جو کام بندہ کی قدرت میں نہیں ہوتا وہ اللہ تعالیٰ کر دیتا ہے' لیکن جو کام بندہ کر سکتا ہے وہ اس کو کرنا پڑتا ہے۔ زمین سے پیداوار کے حصول میں ہل چلا کر زمین کو نرم کرنے اور اس میں بیج ڈالنے اور پانی دینے کی ضرورت ہے۔ سورج کی حرارت' بارش اور ہواؤں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان میں سے سورج کی حرارت' ہواؤں کو بھیجنا اور بارش برسانا انسان کی قدرت میں نہیں ہیں یہ کام اللہ تعالیٰ کر دیتا ہے' لیکن زمین کو ہل چلا کر نرم کرنا اور پانی دینا انسان کی قدرت میں ہے تو یہ کام اس کو کرنے ہوں گے۔ اسی طرح اس سوکھے ہوئے درخت میں تازہ پکی ہوئی کھجوریں آناً فاناً پیدا کر دینا حضرت مریم کے اختیار میں نہ تھا وہ اللہ تعالیٰ نے پیدا کر دیں' لیکن درخت ہلا کر کھجوریں گرانا تو ان کے اختیار میں تھا سو وہ کام ان کو کرنا پڑا۔

اسی طرح رزق کی تلاش میں سعی اور جدوجہد کرنا بندوں کے اختیار میں ہے تو وہ ان پر کرنا لازم ہے اور یہ توکل کے خلاف نہیں ہے۔

علامہ ابن العربی نے کہا پہلے ان کے پاس خود بخود بے موسمی پھل آتے تھے اور اب ان کو درخت کے ہلانے کا حکم دیا' اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلے ان کا دل اللہ کی یاد کے لیے فارغ تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اعضاء کو کام کرنے اور تھکنے سے فارغ رکھا' اور جب ان کا دل اپنے بچہ کی حفاظت' اس کی پرورش اور اس کی دیکھ بھال کی طرف متوجہ ہو گیا تو ان کو بھی عام لوگوں کی طرح کسب اور اسباب کے حصول کی طرف متوجہ کر دیا۔ بہرحال اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ معاش کو حاصل کرنے کے لیے کسب کرنا اور اسباب کا حصول ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو کھاؤ اور پیو اور آنکھ ٹھنڈی رکھو' پس تم جب بھی کسی انسان کو دیکھو تو اس سے (اشارہ سے) کہو کہ میں نے رحمٰن کے لیے یہ نذر مانی ہے کہ میں آج ہرگز کسی انسان سے بات نہیں کروں گی ○ (مریم: ٢٦)

خاموشی کا روزہ رکھنا غیر مشروع ہے

سابقہ شریعتوں میں خاموشی کا رکھنا جائز تھا' صوم کا معنی ہے کسی کام سے رکنا اور صمت کا معنی ہے بولنے سے رکنا' اس لیے صوم کو صمت سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ آیا ہماری شریعت میں بھی خاموشی کا روزہ رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ بعض علماء نے یہ کہا کہ لوگوں کے ساتھ کلام سے رکنا اور اللہ کو یاد کرنے کے لیے اپنے ذہن کو فارغ رکھنا یہ بھی ایک نوع کی عبادت ہے' لیکن صحیح یہ ہے کہ چپ کا روزہ رکھنا جائز نہیں ہے' کیونکہ اس میں نفس کو تنگی اور عذاب میں مبتلا کرنا ہے' جیسے کوئی آدمی دھوپ میں کھڑے رہنے کی نذر مان لے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے آپ نے ایک شخص کو کھڑے ہوئے دیکھا' آپ نے اس کے متعلق پوچھا' صحابہ نے کہا وہ ابواسرائیل ہے اس نے نذر مانی ہے کہ وہ کھڑا رہے گا اور بیٹھے گا نہیں اور نہ سایہ طلب کرے گا اور نہ کسی سے بات کرے گا اور روزہ سے رہے گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس سے کہو کہ وہ بات کرے' اور سایہ طلب کرے اور بیٹھے اور اپنا روزہ پورا کرے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۷۰۴)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر وہ اس بچہ کو اٹھائے ہوئے لوگوں کے پاس گئیں تو انہوں نے کہا اے مریم! تم نے تو بہت سنگین کام کیا ہے ○ اے ہارون کی بہن نہ تمہارا باپ بدکار تھا اور نہ تمہاری ماں بدچلن تھی ○ تو مریم نے اس بچہ کی طرف اشارہ کیا ان لوگوں نے کہا ہم گود کے بچے سے کیسے بات کریں ○ (مریم: ۲۹۔۲۷)

حضرت مریم کو لوگوں کا ملامت کرنا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے کہ یوسف نجار حضرت مریم کو غار تک پہنچا کر آیا وہ چالیس دن غار میں رہیں حتیٰ کہ نفاس سے پاک ہو گئیں پھر وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گود میں اٹھا کر قوم کے پاس جانے لگیں راستہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حضرت مریم سے کہا اے میری ماں آپ خوش ہو جائیں میں اللہ کا بندہ اور اس کا مسیح ہوں۔

"فری" کا معنی ہے کسی کی طرف جھوٹی بات منسوب کرنا' بہتان گھڑ کر کسی کے ذمہ لگانا' کسی سنگین بات کہنے کو بھی "فری" کہتے ہیں قرآن مجید میں ہے:

وَلَا يَأْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ (الممتحنۃ: ۱۲)

اور کوئی ایسا بہتان نہیں باندھیں گی جو خود اپنے ہاتھ پیروں کے سامنے گھڑ لیں۔

اور جو بچہ ولد الزنا ہو وہ بھی اس چیز کی طرح ہے جس کو گھڑ لیا گیا ہو۔ جب حضرت مریم بچہ کو لے کر لوگوں کے پاس گئیں تو انہوں نے کہا اے مریم تم نے تو بہت سنگین کام کیا ہے' یعنی تم ایک ولد الزنا لے آئی ہو۔ وھب بن منبہ نے کہا جب حضرت مریم بچہ کو قوم کے پاس لے کر آئیں تو بنو اسرائیل کے تمام مرد اور عورتیں جمع ہو گئیں' ایک عورت نے حضرت مریم کو مارنے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو اس کا آدھا دھڑ سوکھ گیا' پھر اس کو اسی طرح اٹھا کر لے جایا گیا۔ ایک اور شخص نے کہا مجھ یقین ہے اس نے زنا ہی کیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کی گویائی سلب کر لی اور وہ گونگا ہو گیا' پھر لوگ سہم گئے اور ان کو مارنے اور ان کو کوئی تکلیف دہ بات کہنے سے باز رہے اور خوف زدہ ہوئے' اور چپکے چپکے باتیں کرنے لگے اور کہنے لگے اے مریم تم نے بہت سنگین کام کیا ہے۔

اخت ہارون کی توجیہات

پھر انہوں نے کہا اے ہارون کی بہن! نہ تمہارا باپ بدکار تھا اور نہ تمہاری ماں بدچلن تھی۔ اس ہارون کے متعلق چار قول

ہیں:

(۱) یہ بنو اسرائیل کا ایک مرد صالح تھا جو نیکی کرنے میں بہت مشہور تھا' ان کا مطلب یہ تھا کہ تم تو زہد و تقویٰ میں ہارون کی بہن تھیں پھر کیا ہوا کہ تم نے اس قدر سنگین کام کیا کہ بغیر باپ کے بچہ لے آئیں۔

(۲) یہ ہارون وہی تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی تھے اور حضرت مریم ان ہی کی نسل سے تھیں اور اس طرح کہنا عربوں کا اسلوب ہے۔

(۳) ہارون نام کا ایک شخص فسق و فجور اور برے کاموں میں بہت مشہور تھا تو انہوں نے بطور تشبیہ کے کہا اے ہارون کی بہن!

(۴) حضرت مریم کے ایک صلبی (سگے) بھائی تھے جن کا نام ہارون تھا تو انہوں نے اس کو عار دلانے کے لیے کہا اے ہارون کی بہن!

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب میں نجران گیا تو وہاں کے لوگوں نے مجھ سے سوال کیا اور کہا تم قرآن میں پڑھتے ہو یا اخت ھارون! حالانکہ موسیٰ علیہ السلام تو عیسیٰ علیہ السلام سے اتنا عرصہ پہلے تھے' پھر جب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے آپ سے اس کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: وہ لوگ پہلے انبیاء اور صالحین کے ناموں پر نام رکھتے تھے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۳۵' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۵۵' مسند احمد ج ۲ ص ۴۲۳' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۳۱۵)

انبیاء علیہم السلام کے ناموں پر نام رکھنا مستحب ہے' خود ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صاحبزادہ کا نام ابراہیم رکھا' لیکن آج کل لوگوں کو یہ شوق ہے کہ ایسا نام رکھیں جو نیا اور انوکھا ہو خواہ اس کا کوئی معنی اور مطلب ہو یا نہ ہو۔ وہ نیلی' پیلی' گیلی اور ٹینا' شینا اور نینا ایسے نام رکھتے ہیں اور کئی ناموں کو غلط املاء اور تلفظ کرتے ہیں مثلاً شرح بیل کو شرجیل پڑھتے ہیں اور ثوبیہ کو ثوبیہ پڑھتے ہیں۔

زمخشری نے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ اور ہارون اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان ایک لمبا عرصہ ہے جو ایک ہزار سال سے زیادہ ہے اس لیے یہ وہم نہ کیا جائے کہ حضرت مریم حضرت ہارون علیہ السلام کی حقیقی بہن تھیں۔

حضرت مریم کا حضرت عیسیٰ کی طرف جواب کا اشارہ کرنا

ان لوگوں نے حضرت مریم کو جب بہت زیادہ ملامت کی تو انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اشارہ کیا کہ تمہاری تہمت اور تمہارے الزام کا جواب یہ بچہ دے گا۔ انہوں نے کہا ہم گود کے بچے سے کیسے کلام کریں گے۔ مھد کا معنی ہے بستر اور گہوارہ اور یہاں مراد ہے ماں کی گود۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت مریم کو کیسے معلوم ہوا تھا کہ حضرت عیسیٰ کلام کریں گے اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے پہلے خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا حضرت جبریل' حضرت مریم کو ندا کر چکے تھے کہ آپ غم نہ کریں اور اس معاملہ میں اور بچہ کے معاملہ میں پریشان نہ ہوں یا حضرت زکریا پر اللہ تعالیٰ نے وحی کی تھی اور انہوں نے حضرت مریم سے کہا تھا کہ تم بچہ کی طرف اشارہ کرو وہ جواب دے گا' یا اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کے دل میں یہ بات ڈال دی تھی اور یہ الہام ان کی کرامت تھی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اس بچہ نے کہا بے شک میں اللہ کا بندہ ہوں' اس نے مجھے کتاب دی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے ○ اور اس نے مجھے برکت والا بنایا ہے خواہ میں کہیں بھی ہوں' اور میں جب تک زندہ رہوں اس نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کی وصیت کی ہے ○ اور مجھے اپنی والدہ کے ساتھ نیکی کرنے والا بنایا ہے اور مجھے متکبر اور بد بخت نہیں بنایا ○ (مریم: ۳۲-۳۰)

حضرت عیسیٰ کا پیدا ہوتے ہی غالی نصاریٰ کا رد فرمانا

جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ سنا کہ وہ لوگ کہہ رہے ہیں کہ ہم اس بچہ سے کیسے بات کریں جو ماں کی گود میں ہے تو انہوں نے ان کی طرف منہ کیا اور سیدھے ہاتھ کی انگشت شہادت سے ان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:

انی عبد اللہ میں اللہ کا بندہ ہوں! ان کے منہ سے سب سے پہلی جو بات نکلی وہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور اپنے بندہ ہونے کا اعتراف تھی اور اس میں ان لوگوں کا رد ہے جنہوں نے بعد میں ان کی شان میں غلو کیا' اور فرمایا اس نے مجھے کتاب دی ہے' ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسی حال میں ان کو کتاب (انجیل) عطا فرمادی تھی اور اس کی فہم اور اس کا علم عطا فرمادیا تھا اور ان کو نبوت عطا فرمادی تھی۔ جس طرح حضرت آدم علیہ اسلام کو دفعتاً تمام اسماء کا علم دے دیا تھا' اور وہ اسی زمانہ میں نماز پڑھتے تھے اور زکوٰۃ ادا کرتے تھے' لیکن یہ قول بہت ضعیف ہے اور صحیح یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس قول کا مطلب یہ تھا کہ ازل میں ہی میرے متعلق یہ حکم کر دیا گیا تھا کہ مجھے کتاب اور نبوت دی جائے گی اگرچہ اس وقت کتاب نازل نہیں کی گئی تھی۔

حضرت عیسیٰ کے مبارک ہونے کا معنی

نیز فرمایا اور اس نے مجھے برکت والا بنایا ہے یعنی مجھے دین کی دعوت دینے والا اور دین کی تعلیم دینے والا بنا کر بھیجا ہے' اور میرے اندر دین کے منافع رکھے ہیں' مجھے نیکی کا حکم دینے والا اور برائی سے روکنے والا' گمراہوں کو ہدایت دینے والا' مظلوموں کی مدد کرنے والا اور ستم رسیدہ کی فریاد کو پہنچنے والا بنا کر بھیجا ہے۔

برکت کا لغت میں معنی ہے کسی چیز کا ثابت اور برقرار رہنا' یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے دین پر ثابت اور برقرار رکھا ہے۔

نیز برکت کا معنی ہے زیادتی اور بلندی' گویا کہ آپ نے کہا اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام احوال میں غالب' کامیاب اور سرخرو بنا کر بھیجا ہے' کیونکہ جب تک میں دنیا میں رہوں گا میں حجت اور دلیل کے اعتبار سے دوسروں پر غالب رہوں گا اور جب وقت معین آئے گا تو اللہ مجھے آسمانوں پر اٹھالے گا' اور اس کا معنی ہے میں لوگوں کے حق میں مبارک ہوں' کیونکہ میری دعا کے سبب سے مردے زندہ ہوں گے اور مادرزاد اندھے اور کوڑھی تندرست ہو جائیں گے۔ قتادہ بیان کرتے ہیں کہ آپ مردوں کو زندہ کر رہے تھے اور مادرزاد اندھوں اور کوڑھیوں کو تندرست کر رہے تھے تو ایک عورت نے آپ کو دیکھ کر کہا اس عورت کے لیے خوشی ہو جس نے آپ کو پیٹ میں رکھا اور آپ کو دودھ پلایا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس سے فرمایا اس شخص کے لیے خوشی ہو جس نے کتاب اللہ کی تلاوت کی اور اس میں جو کچھ لکھا ہوا تھا اس پر عمل کیا اور اس نے تکبر اور شقاوت سے کام نہیں لیا' اور یہ جو فرمایا میں جہاں کہیں بھی ہوں اس کا معنی یہ ہے کہ میرے اس حال میں اور میری اس صفت میں کوئی تغیر نہیں ہوگا میں جہاں کہیں بھی ہوں۔

حضرت عیسیٰ پر زکوٰۃ کی فرضیت کی تحقیق

نیز فرمایا اور میں جب تک زندہ رہوں اس نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کی وصیت کی ہے۔

امام رازی شافعی متوفی ٦٠٦ ھ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ آپ کو نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کا کیسے حکم دیا گیا جب کہ اس وقت آپ دودھ پیتے بچے تھے اور بچوں سے قلم تکلیف اٹھالیا گیا ہے کیونکہ حدیث میں ہے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین آدمیوں سے قلم اٹھالیا گیا ہے۔ بچے سے حتیٰ کہ وہ بالغ ہو جائے' سوئے ہوئے سے حتیٰ کہ وہ بیدار ہو جائے اور مجنون سے حتیٰ کہ وہ تندرست ہو جائے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٤٤٠٢' مسند احمد ج ٦ ص ١٠٠' المستدرک ج ٢ ص ٥٩' ج ٤ ص ٣٨٩' سنن کبریٰ للبیہقی ج ١ ص ٥٦' مجمع الزوائد ج ٦ ص ٢٥١' مصنف ابن ابی شیبہ ج ٥ ص ٢٦٨' مشکوٰۃ رقم الحدیث: ٣٢٨٧' کنز العمال رقم الحدیث: ١٠٣٢٢)

اس سوال کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ وصیت نہیں کی تھی کہ وہ اسی وقت نماز پڑھیں اور زکوٰۃ ادا کریں بلکہ یہ وصیت کی تھی کہ بالغ ہونے کے بعد جب نماز اور زکوٰۃ کا وقت آجائے تو دائماً پابندی کے ساتھ نماز اور زکوٰۃ ادا کرتے رہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ جیسے ہی حضرت عیسیٰ اپنی ماں کی گود سے الگ ہوئے ہوں تو اسی وقت وہ بالغ ہو گئے ہوں' ان کی عقل کامل ہو گئی ہو اور ان کی خلقت اور جسامت جوانوں کی طرح مکمل ہو گئی ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ — بے شک اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال آدم کی طرح ہے۔

(آل عمران: ٥٩)

پس جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو دفعتاً تام الخلقت اور کامل پیدا کیا' اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی ماں کی گود سے الگ ہوتے ہی تام الخلقت اور کامل بنا دیا اور یہ دوسرا قول مادمت حیا کے زیادہ مناسب ہے کیونکہ اس کا تقاضا یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ اپنی حیات کے تمام زمانوں میں نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کے مکلف ہوں۔ اگر اس پر یہ اعتراض کیا جائے کہ اگر ایسا ہوتا تو حضرت عیسیٰ کا کلام کرنا ان کے لیے باعث تعجب نہ ہوتا کیونکہ جو شخص بالغ ہو اور اس کی جسمانی ساخت کامل ہو اس کا کلام کرنا کب باعث حیرت ہو گا' مگر اس کا یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ ان کے کلام کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کی جسمانی حیثیت کو تمام و کمال تک پہنچایا ہو۔ (تفسیر کبیر ج ٧ ص ٥٣٦-٥٣٥' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ١٤١٥ھ)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ٦٦٨ ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب میں مکلف ہو جاؤں گا اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے پر قادر ہو جاؤں گا تو تمام زندگی نماز پڑھتا رہوں گا اور زکوٰۃ ادا کرتا رہوں گا' یہی صحیح قول ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ١١ ص ٣٠' مطبوعہ دار الفکر' بیروت ١٤١٥ھ)

علامہ عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ٥٩٧ ھ لکھتے ہیں:

زکوٰۃ میں دو قول ہیں ابن سائب نے کہا اس سے مراد مال کی زکوٰۃ ہے اور زجاج نے کہا اس سے مراد بدن کی زکوٰۃ ہے یعنی پاکیزگی۔ (زاد المسیر ج ٥ ص ٢٢٩' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ١٤٠٧ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ١٢٧٠ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ مجھے نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا تاکیداً حکم دیا ہے' اور بظاہر نماز سے مراد بدنی عبادت ہے اور زکوٰۃ سے مراد مالی عبادت ہے' جیسا کہ ان کا معروف معنی ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ زکوٰۃ سے مراد صدقہ فطر ہے' اور ایک قول یہ ہے کہ صلوٰۃ سے مراد دعا ہے اور زکوٰۃ سے مراد نفس کو رزائل سے پاک کرنا ہے' اور یہ معنی اس لیے متعین ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا سے منزہ رکھا ہے' ان کے پاس جو کچھ ہوتا ہے وہ اللہ کے لیے ہوتا ہے' اسی لیے ان کا کوئی وارث نہیں ہوتا' اور یا اس لیے کہ زکوٰۃ مال کی تطہیر کے لیے ہوتی ہے اور ان کا کسب پہلے ہی طاہر ہوتا ہے' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کو یہ حکم دیا گیا ہو کہ آپ اپنی امت پر زکوٰۃ کو واجب کریں' لیکن یہ معنی ظاہر کے خلاف ہے' اور اگر

[ز]کوٰۃ کو ظاہر اور معروف معنی پر محمول کیا جائے تو اس آیت کا یہ معنی ہوگا کہ اگر میں بقدر نصاب مال کا مالک ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے [مج]ھے مال کی زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔

مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا گیا ہے جب تک میں زندہ ہوں اس سے ظاہر اور متبادر یہ ہے کہ جب تک آپ اس متعارف [زمین] میں زندہ ہیں اور یہ مدت اس زمانہ کو شامل نہیں ہے جب آپ آسمان میں ہیں۔

(روح المعانی جز ۱۶ ص ۱۳۰ ' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

[ح]ضرت عیسیٰ کا اپنی والدہ کی برأت بیان کرنا

حضرت عیسیٰ نے فرمایا: اور مجھے اپنی والدہ کے ساتھ نیکی کرنے والا بنایا ہے اور مجھے متکبر اور بد بخت نہیں بنایا۔

اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ ان کی والدہ زنا کی تہمت سے بری ہیں کیونکہ اگر وہ زانیہ ہوتیں تو رسول معصوم کو ان کی تعظیم کا حکم نہ دیا جاتا۔ بار کا معنی ہے نیکی کرنے والا اور بر کا معنی ہے نیک' اس آیت میں حضرت عیسیٰ کو بار نہیں بلکہ بر فرمایا ہے یعنی وہ صرف نیکی کرنے والے نہیں ہیں بلکہ مجسم نیکی ہیں۔ نیز فرمایا وہ متکبر نہیں ہیں کیونکہ اگر وہ متکبر ہوتے تو اپنی ماں کے ساتھ نیکی کرنے والے نہ ہوتے اور اگر وہ متکبر ہوتے تو معصیت کرنے والے اور بد بخت ہوتے۔ روایت ہے کہ حضرت عیسیٰ نے فرمایا جب میں چھوٹا تھا اس وقت بھی میرے دل میں نرمی تھی' اور بعض علماء نے کہا ہے کہ جو شخص ماں باپ کا نافرمان ہوگا وہ متکبر اور بد بخت ہوگا پھر انہوں نے اس آیت کو پڑھا۔

ابن زید وغیرہ نے کہا ہے کہ جب ان لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ کلام سن لیا تو انہوں نے مان لیا کہ حضرت مریم پاک دامن ہیں اور اس تہمت سے بری ہیں۔ روایت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے بچپن میں یہ کلمات کہے تھے پھر وہ عام بچوں کی حالت کی طرف لوٹ گئے حتیٰ کہ جس طرح عام انسانوں کے بچے بتدریج نشو ونما پاتے ہیں اسی طرح وہ بھی نشو ونما پاتے رہے۔ ان کا بچپن میں کلام کرنا اپنی ماں کی برأت کے لیے تھا یہ بات نہیں تھی کہ وہ اس حالت میں عقل و شعور رکھتے تھے' اور ان کا ماں کی گود میں کلام کرنا ایسے تھا جیسے قیامت کے دن انسان کے اعضاء کلام کریں گے' اور یہ منقول نہیں ہے کہ وہ مسلسل کلام کرتے رہے اور نہ یہ منقول ہے کہ وہ ایک دن کی عمر میں یا ایک ماہ کی عمر میں نماز پڑھتے تھے' اور اگر وہ مسلسل باتیں کرتے رہتے اور تسبیح پڑھتے رہتے اور وعظ کرتے رہتے اور ولادت کے وقت سے لے کر نماز پڑھتے رہتے تو اس کی مثل چھپی نہ رہتی' اور اس سے یہ قول باطل ہو جاتا ہے کہ وہ ماں کی گود سے الگ ہوتے ہی جوان ہو گئے تھے اور نمازیں پڑھنے لگے تھے۔

یہ آیت اس پر بھی دلالت کرتی ہے کہ نماز پڑھنا' زکوٰۃ ادا کرنا اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنا گزشتہ امتوں پر بھی واجب تھا اور یہ احکام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں بھی ثابت تھے اور کسی نبی کی شریعت میں منسوخ نہیں ہوئے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بہت زیادہ تواضع کرنے والے تھے وہ درختوں کے پتے کھاتے تھے اور اون کا لباس پہنتے تھے۔ زمین پر بیٹھتے تھے اور جہاں رات آ جاتی تھی وہیں رہ جاتے تھے اور آپ علیہ السلام کا کوئی مسکن نہیں تھا۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۱ ص ۳۰' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَیَوْمَ اَمُوْتُ وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا ﴿۳۳﴾

[اور مجھ] پر سلام ہو جس دن میں پیدا کیا گیا اور جس دن میری وفات ہوگی۔ اور جس دن میں (دوبارہ) زندہ اٹھایا جاؤں گا ○

ذٰلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِي فِيهِ يَمْتَرُونَ ﴿٣٤﴾

یہ عیسیٰ بن مریم ہیں، یہی حق بات ہے جس میں یہ شک کرتے ہیں ○

مَا كَانَ لِلَّهِ أَنْ يَتَّخِذَ مِنْ وَلَدٍ ۖ سُبْحَانَهُ ۚ إِذَا قَضَىٰ أَمْرًا

اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ کسی کو اپنا بیٹا بنائے وہ پاک ہے، وہ جب کسی کام کا فیصلہ فرماتا ہے

فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿٣٥﴾ وَإِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ

تو اس سے صرف یہی فرماتا ہے کہ "ہو جا" سو وہ ہو جاتا ہے ○ اور بے شک اللہ میرا اور تمہارا رب ہے،

فَاعْبُدُوهُ ۚ هَٰذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ﴿٣٦﴾ فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِنْ

سو تم اسی کی عبادت کرو یہی سیدھا راستہ ہے ○ پھر نصاریٰ کی جماعتیں آپس میں مختلف ہو

بَيْنِهِمْ ۖ فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ مَشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿٣٧﴾ أَسْمِعْ

گئیں پس کافروں کے لیے عذاب ہو اس عظیم دن میں پیش ہونے پر ○ جس دن وہ

بِهِمْ وَأَبْصِرْ يَوْمَ يَأْتُونَنَا ۖ لَٰكِنِ الظَّالِمُونَ الْيَوْمَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ﴿٣٨﴾

ہمارے سامنے پیش ہوں گے تو کیسے سنتے ہوں گے اور کیسے دیکھتے ہوں گے! لیکن ظالم آج کے دن کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں ○

وَأَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ إِذْ قُضِيَ الْأَمْرُ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ وَهُمْ

اور آپ انہیں حسرت والے دن سے ڈرائیے، جب فیصلہ ہو چکا ہوگا اور وہ غفلت میں ہیں اور

لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٣٩﴾ إِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْأَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَإِلَيْنَا

ایمان نہیں لا رہے ○ بے شک ہم ہی زمین، اور ان کے وارث ہیں جو اس پر ہیں اور وہ سب ہماری ہی

يُرْجَعُونَ ﴿٤٠﴾ ع

طرف لوٹائے جائیں گے ○

وقف لازم ۲ ع ۵

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (عیسیٰ نے کہا) اور مجھ پر سلام ہو جس دن میں پیدا کیا گیا اور جس دن میری وفات ہوگی اور جس دن میں (دوبارہ) زندہ اٹھایا جاؤں گا ○ (مریم: ۳۳)

[illegible]اس شبہ کا جواب کہ یہود اور نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ کے بچپن میں کلام کرنے کو کیوں نقل نہیں کیا؟

اس سے پہلے حضرت یحییٰ پر سلام کا ذکر تھا وہ بغیر الف لام کے تھا و سلام علیہ اور اس کے بعد حضرت عیسیٰ پر سلام کا ذکر ہے اور یہ الف لام کے ساتھ ہے اور یہ لام عہد ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ جو سلام حضرت یحییٰ پر کیا گیا تھا وہی سلام حضرت عیسیٰ پر ہو۔

سلام کا معنی ہے نعمتیں سلامت رہیں اور آفات اور بلیات سے امان حاصل ہو گویا حضرت عیسیٰ نے یہ دعا کی کہ جو سلامتی اور امان حضرت یحییٰ پر نازل کی گئی تھیں وہی سلامتی اور امان ان پر نازل کی جائے۔ یوم ولادت' یوم وفات اور یوم بعث ان تین دنوں میں انسان اللہ تعالیٰ کی سلامتی کا بہت زیادہ محتاج ہوتا ہے اس لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خصوصیت کے ساتھ ان تین دنوں میں سلامتی کے حصول کی دعا کی۔

یہود اور نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بچپن میں کلام کرنے کے منکر ہیں' وہ کہتے ہیں کہ یہ بہت عجیب و غریب واقعہ تھا اگر ایسا ہوتا تو نصاریٰ کو اس کا علم ہوتا کیونکہ وہ سب سے زیادہ ان کے حالات سے بحث کرنے والے ہیں اور ان کے فضائل اور کمالات کو سب سے زیادہ بیان کرنے والے ہیں اور سب سے زیادہ ان سے محبت کرنے والے ہیں' اور جب انہوں نے اس واقعہ کو بیان نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ یہ واقعہ ثابت نہیں ہے' اسی طرح یہود اس وقت سے حضرت عیسیٰ سے عداوت رکھتے ہیں جس وقت سے حضرت عیسیٰ نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ اگر حضرت عیسیٰ نے ماں کی گود میں کلام کیا ہوتا تو اس وقت وہ ان کے قتل کرنے کے درپے ہو جاتے اور جب دونوں میں سے کوئی بات نہیں ہوئی تو معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ نے ماں کی گود میں کلام نہیں کیا۔ اور مسلمان یہ کہتے ہیں کہ اگر حضرت عیسیٰ نے ماں کی گود میں کلام نہ کیا ہوتا تو ان کی ماں کی زنا سے برأت ثابت نہ ہوتی اور پھر یہود ضرور ان کو رجم کر دیتے اور جب یہود نے ان کو سنگسار نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ اس تہمت سے ان کی برأت ثابت ہو گئی تھی اور اس تہمت سے ان کی برأت کا یہی طریقہ ہے' اور رہا یہ کہ نصاریٰ نے باوجود حضرت عیسیٰ سے شدید محبت کے اس واقعہ کو بیان نہیں کیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ نصاریٰ کا تو اس وقت وجود ہی نہ تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بڑے ہونے اور ان کی تعلیم اور تبلیغ کے بعد ان کے متبعین اور نصاریٰ وجود میں آئے تھے' اور یہود نے ان کو اس وقت اس لیے قتل نہیں کیا کہ وہ ماں کی گود میں بچے کے کلام کرنے سے بہت مبہوت اور خوف زدہ تھے اور حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ اس وقت حضرت زکریا کے سایہ عاطفت میں تھے اس لیے اس وقت وہ ان کے خلاف کوئی کارروائی کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ عیسیٰ بن مریم ہیں' یہی حق بات ہے' جس میں یہ شک کرتے ہیں ○ اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ کسی کو اپنا بیٹا بنائے وہ پاک ہے' وہ جب کسی کام کا فیصلہ فرماتا ہے تو اس سے صرف یہ فرماتا ہے کہ ''ہو جا'' سو وہ ہو جاتا ہے ○ (مریم: ۳۵-۳۴)

حضرت عیسیٰ کے متعلق عیسائیوں کا عقیدہ میں اختلاف

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہی حق بات ہے اس کے دو محمل ہیں ایک یہ کہ حضرت عیسیٰ کا مریم کا بیٹا ہونا ہی حق بات ہے' یعنی وہ ابن اللہ نہیں ہیں' اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ جس کی یہ صفات بیان کی ہیں یہی عیسیٰ بن مریم ہیں اور یہ بات برحق ہے۔

اس کے بعد فرمایا جس میں یہ شک کرتے ہیں' جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھایا گیا تھا تو اس وقت ان کے اکابر میں سے چار شخص موجود تھے' جب ان سے پوچھا گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کون تھے تو ان چار میں سے ایک نے کہا وہ خود اللہ تھے زمین پر اتر آئے تھے۔ انہوں نے جس کو زندہ رکھا اور جس کو مار دیا اس کو مار دیا' پھر وہ آسمان پر چڑھ گئے۔

اس عقیدہ کے پیروکاروں کا نام یعقوبیہ ہے' باقی تینوں نے اس کو جھوٹا کہا' پھر ان باقی ماندہ میں سے ایک نے کہا وہ ابن اللہ تھے اور اس عقیدہ کے پیروکار نسطوریہ ہیں' اور باقی دو نے اس کو جھوٹا کہا' پھر باقی دو میں سے ایک نے کہا وہ تین میں کا تیسرا ہے' اللہ معبود ہے' اور وہ یعنی عیسیٰ معبود ہے اور اس کی ماں معبود ہے اور اس کے پیروکاروں کا نام اسرائیلیہ ہے یہ نصاریٰ کے بادشاہ ہیں' پھر چوتھے نے اس کی تکذیب کی اور کہا بلکہ وہ اللہ کے بندے' اس کے رسول' اس کی روح اور اس کا کلمہ ہیں اور یہی مسلمان ہیں' ان میں سے ہر ایک مختلف عقائد کے پیروکار تھے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۱ ص ۳۴' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا بیٹا نہ ہونے پر دلائل

اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید پر اور اولاد سے اپنی برأت پر یہ دلیل قائم فرمائی کہ اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ کسی کو اپنا بیٹا بنائے' وہ پاک ہے' اللہ کے ولد سے پاک ہونے پر علماء نے جو دلائل قائم فرمائے ہیں ان میں سے بعض دلائل یہ ہیں:

(۱) اگر اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہو تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ وہ بیٹا ازلی اور قدیم ہوگا یا حادث اور ممکن ہوگا' اگر وہ ازلی اور قدیم ہو تو یہ دو وجہ سے باطل ہے ایک وجہ یہ ہے کہ بیٹا باپ سے موخر ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا بیٹا ازلی اور قدیم کیسے ہوسکتا ہے۔ ثانیاً اللہ تعالیٰ بھی قدیم ہو اور اس کا بیٹا بھی قدیم ہو تو اس سے تعدد قدماء اور تعدد وجباء لازم آئے گا اور یہ باطل ہے' اور اگر اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہو اور وہ حادث اور ممکن ہو تو یہ بھی دو وجہ سے باطل ہے ایک اس وجہ سے کہ جب وہ حادث اور ممکن ہوگا تو پھر خدا نہیں ہوگا اور فرض یہ کیا ہے کہ وہ خدا ہے' اور دوسری وجہ یہ ہے کہ بیٹا باپ کی جنس سے ہوتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ واجب اور قدیم ہے تو اس کا جو بیٹا فرض کیا گیا ہے وہ بھی واجب اور قدیم ہونا چاہیے اور جب بیٹے کو حادث اور ممکن فرض کیا تو پھر وہ باپ کی جنس سے نہ رہا۔

(۲) دوسری دلیل لوگوں کے عام عرف اور عادت کے اعتبار سے ہے کہ جس کا بیٹا ہوتا ہے اس کی بیوی ہوتی ہے اور پھر کم و بیش نو ماہ بعد بیوی کے بطن سے بیٹا پیدا ہوتا ہے تو اگر اللہ کا بیٹا ہوتا تو کچھ عرصہ گزرنے کے بعد اس کا بیٹا وجود میں آتا جب کہ اللہ کی شان یہ ہے کہ وہ جس چیز کا ارادہ فرماتا ہے اس کے وجود میں آنے میں کوئی دیر نہیں لگتی وہ اس چیز کے متعلق فرماتا ہے ''ہو جا'' اور وہ ہو جاتی ہے۔

(۳) کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی مملوک ہے اگر اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہوتا تو وہ بھی اللہ کا مملوک ہوتا حالانکہ بیٹا باپ کا مملوک اور غلام نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (حضرت عیسیٰ نے کہا) اور بے شک اللہ میرا اور تمہارا رب ہے سو تم اسی کی عبادت کرو یہی سیدھا راستہ ہے O پھر نصاریٰ کی جماعتیں آپس میں مختلف ہوگئیں' پس کافروں کے لیے عذاب ہو اس عظیم دن میں پیش ہونے پر O جس دن وہ ہمارے سامنے پیش ہوں گے تو کیسے سنتے ہوں گے اور کیسے دیکھتے ہوں گے! لیکن ظالم آج کے دن کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں O اور آپ انہیں حسرت والے دن سے ڈرائیے' جب فیصلہ ہو چکا ہوگا' اور وہ غفلت میں ہیں اور ایمان نہیں لا رہے O بے شک ہم ہی زمین اور ان کے وارث ہیں جو اس پر ہیں اور وہ سب ہماری ہی طرف لوٹائے جائیں گے O

(مریم: ۴۰۔ ۳۶)

اللہ ہمارا رب ہے' اس کے تقاضے

مریم: ۳۶ میں مذکور ہے اور بے شک اللہ میرا اور تمہارا رب ہے' اس پر یہ اشکال ہے کہ اس کلام کا قائل کون ہے' ظاہر ہے یوں تو نہیں کہا جاسکتا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور بے شک اللہ میرا اور تمہارا رب ہے! اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کلام حضرت عیسیٰ

[illegible]لیہ السلام کے اس کلام کے ساتھ متصل ہے بے شک میں اللہ کا بندہ ہوں' اس نے مجھے کتاب دی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے (الی [illegible]ولہ) اور مجھے متکبر اور بد بخت نہیں بنایا' اس کے بعد فرمایا اور بے شک اللہ میرا اور تمہارا رب ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں [illegible] یہ عبارت مقدر ہے! اے محمد! جب آپ نے دلائل سے واضح کر دیا کہ عیسیٰ اللہ کے بندہ ہیں تو آپ کہیے اور بے شک اللہ [illegible]میرا اور تمہارا رب ہے۔

اس آیت سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ اس جہان کا مدبر اور اس کا نظام بنانے والا اور چلانے والا اللہ تعالیٰ ہے اور نجومیوں کا [illegible]یہ کہنا باطل ہے کہ کواکب اس جہان کے مدبر ہیں اور جب فلاں ستارہ فلاں برج میں ہوتا ہے تو اس کی یہ تاثیر ہوتی ہے اور جس [illegible]کے نام کے عدد جس ستارے کے موافق ہوں اس پر اس کے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

اس آیت میں فرمایا ہے کہ بے شک اللہ میرا اور تمہارا رب ہے سو تم اس کی عبادت کرو' یہاں عبادت کرنے کا حکم دیا ہے اور اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا ذکر کیا ہے' اس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کی علت اس کا رب ہونا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہمارا رب ہے اور اس نے ہم پر ہر قسم کی نعمتیں انعام فرمائی ہیں اس نے ہم کو پیدا کیا اور ہمارے زندہ رہنے اور ہماری بقا کے اسباب پیدا کیے وہی ہماری پکار کو سنتا ہے اور ہمارا حاجت روا ہے' سو وہی ہماری عبادت کا مستحق ہے اسی وجہ سے حضرت ابراہیم نے آزر کو بتوں کی عبادت سے منع کیا تھا کہ جنہوں نے تم کو پیدا کیا نہ تم کو کوئی نعمت دی نہ تم سے کوئی مصیبت دور کی تم ان کی کیوں عبادت کرتے ہو!

لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنْكَ شَيْئًا (مریم: ۴۲)

آپ اس کی کیوں عبادت کر رہے ہیں جو نہ سنتا ہے نہ دیکھتا ہے نہ آپ کو کسی چیز سے مستغنی کر سکتا ہے!

پس اس آیت سے معلوم ہو گیا کہ عبادت کا وہی مستحق ہے جس نے پیدا کیا ہو اور تمام نعمتیں دی ہوں اور جو ایسا نہ ہو وہ عبادت کا مستحق نہیں ہے۔

اس کے بعد فرمایا یہی صراط مستقیم (سیدھا راستہ) ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو ایک ماننا اور اس کے لیے اولاد اور بیوی کو نہ ماننا یہی سیدھا راستہ ہے۔

روز قیامت کے مشاہدہ کا عظیم ہونا

آیت: ۳۷ میں فرمایا: پھر نصاریٰ کی جماعتیں آپس میں مختلف ہو گئیں' اس کی تفسیر میں کئی اقوال ہیں: (۱) اس سے مراد [illegible]نصاریٰ کے فرقے ہیں یعنی یعقوبیہ' نسطوریہ' اسرائیلیہ اور مسلمون۔ (۲) اس سے مراد یہود اور نصاریٰ ہیں جو ایک دوسرے کی [illegible]تکذیب کرتے تھے۔ (۳) اس سے مراد کفار ہیں جن میں یہود اور نصاریٰ بھی داخل ہیں اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے [illegible]زمانہ میں جو کفار تھے وہ بھی داخل ہیں۔ اس کے بعد فرمایا پس کافروں کے لیے عذاب ہو اس عظیم دن کے مشہد سے۔ مشہد کے [illegible]معنی ہیں حاضر ہونے کی جگہ یا جس سے شہادت متعلق ہو' یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مشہد سے مراد ہو خود ان کا حساب کے لیے پیش ہونا' [illegible]اور یہ بھی ہو سکتا ہے اس سے مراد ہو روز قیامت کی جزاء یا میدان قیامت مراد ہو یا شہادت کا وقت مراد ہو' اور شہادت سے انبیاء [illegible]اور ملائکہ کی شہادت مراد ہے یا خود ان کی زبانوں' ان کے ہاتھوں اور ان کے پیروں کی ان کی بداعمالیوں اور کفر پر شہادت مراد [illegible]ہے' یا انہوں نے حضرت عیسیٰ اور ان کی ماں کے متعلق جو شہادت دی تھی وہ مراد ہے۔ اس شہادت کو یا اس شہادت کے دن کو [illegible]عظیم فرمایا ہے کیونکہ اس دن جو حساب و کتاب کا مشاہدہ کیا جائے گا اس سے بڑھ کر کوئی عظیم چیز نہیں ہے' اور اس دن جو [illegible]مومنوں کو ثواب ہو گا اس سے بڑھ کر نفع دینے والی کوئی چیز نہیں ہے اور اس دن جو کفار کو عذاب ہو گا اس سے بڑھ کر کوئی

نقصان وہ چیز نہیں ہے۔

فعل تعجب کے صیغہ کا معنیٰ اور اللہ تعالیٰ کے اظہار تعجب کی توجیہات

آیت: ٣٨ میں فرمایا اسمع بھم وابصر یوم یاتوننا' یہ دونوں فعل تعجب کے صیغے ہیں یعنی جب کفار قیامت کے دن ہمارے سامنے پیش ہوں گے تو کس قدر زیادہ سنتے ہوں گے اور کس قدر زیادہ دیکھتے ہوں گے' کلبی نے کہا جب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمائے گا کیا آپ نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ اللہ کو چھوڑ کر مجھے اور میری ماں کو خدا بنالو۔ (المائدہ: ١١٦) تو قیامت کے دن ان سے زیادہ کوئی سننے والا نہیں ہوگا اور نہ کوئی ان سے زیادہ دیکھنے والا ہوگا!

اسمع بھم وابصر یہ دونوں صیغے اظہار تعجب کے لیے بولے جاتے ہیں یعنی وہ کس قدر زیادہ سنتے ہیں اور کس قدر زیادہ دیکھتے ہیں' تعجب کا معنی ہے کسی چیز کو بہت عظیم سمجھنا' جب کہ اس کے عظیم ہونے کا سبب معلوم نہ ہو یا اس کا سبب مخفی ہو' اور کبھی اخفاء سبب کے بغیر بھی اظہار تعجب کیا جاتا ہے اور کسی عجیب وغریب چیز کے ادراک پر بھی حیرت اور تعجب کا اظہار کیا جاتا ہے۔ اس جگہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ تعجب تو وہ شخص کرتا ہے جس کو کسی چیز کے عظیم یا غریب ہونے کا سبب معلوم نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کو تو ہر چیز کا علم ہے اور اس کے تعجب کرنے کی کیا توجیہ ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اظہار تعجب کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا فعل صادر کیا ہے کہ اگر مخلوق میں سے کسی سے وہ فعل صادر ہوتا تو ان کے دلوں میں تعجب ہوتا' اور اسی تاویل سے اللہ تعالیٰ کی طرف مکر اور استہزاء کی نسبت ہے۔ اس کی دوسری توجیہ یہ ہے کہ کفار دنیا میں ہمارا کلام سننے سے بہرے اور ہماری نشانیوں کو دیکھنے سے اندھے تھے اس کے باوجود جب وہ قیامت کے دن حساب کا عمل سننے اور دیکھنے کے لیے ہمارے پاس آئیں گے تو ان کا سننا اور دیکھنا اس لائق ہے کہ اس پر تعجب کیا جائے نہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کو ان پر تعجب ہوگا' اور اس کی تیسری توجیہ یہ ہے کہ اس میں وعید اور تہدید ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ عنقریب وہ اپنے متعلق ایسا فیصلہ سنیں گے جس سے ان کے دل دہل جائیں گے اور عنقریب یہ ایسا عذاب دیکھیں گے جس سے ان کے چہرے سیاہ پڑ جائیں گے' اور اس کی چوتھی توجیہ یہ ہے کہ اسمع بھم و ابصر فعل تعجب کے صیغے نہیں ہیں بلکہ یہ حقیقت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو امر اور حکم ہے کہ آپ ان کو اس عذاب کی وعید سنائیں اور دکھائیں جو قیامت کے دن ان کو دیا جائے گا تاکہ یہ ڈریں اور باز آئیں' اور اس کی پانچویں توجیہ یہ ہے کہ آپ لوگوں کو ان کا اخروی انجام سنائیں تاکہ لوگ اس سے عبرت حاصل کریں۔

ائمہ نحو نے یہ کہا ہے کہ فعل تعجب کا صیغہ صورۃً امر ہے اور حقیقتاً خبر ہے' اور اکرم بزید کا معنی یہ ہے کہ زید نے اس قدر زیادہ کرم کیا ہے کہ وہ مجسم کرم ہو گیا ہے۔

اس کے بعد فرمایا لیکن ظالم آج کے دن کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں اس کے دو محمل ہیں ایک یہ ہے کہ ظالم آج کے دن یعنی دنیا میں کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں اور قیامت کے دن ان کو حقیقت کا پتا چل جائے گا' اور اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ ظالم جنت کے راستہ سے قیامت کے دن کھلی ہوئی گمراہی میں ہوں گے یعنی ان کو جنت کا راستہ نہیں ملے گا اس کے برخلاف مومنین جنت کے راستہ پر جا رہے ہوں گے۔

روز قیامت کا یوم حسرت ہونا

آیت: ٣٩ میں فرمایا اور آپ انہیں حسرت والے دن سے ڈرائیے جب فیصلہ ہو چکا ہوگا۔ اس آیت میں ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا ہے کہ آپ اپنے زمانہ کے کافروں کو اس دن کے عذاب سے ڈرائیں تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی

عبادت کو ترک کرنے سے ڈریں اور یوم حسرت سے مراد قیامت کا دن ہے' کیونکہ کفار کو قیامت کے دن یہ علم ہوگا کہ ان کے لیے جنتیں بنائی گئی تھیں لیکن ان کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے وہ جنتیں مومنوں کو دے دی گئیں اور ان کو دوزخ میں ڈال دیا گیا پھر انہیں جنت کو دیکھ کر حسرت ہوگی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب سب اہل دوزخ جنت میں اپنا گھر دیکھیں گے تو کہیں گے کاش اللہ ہمیں ہدایت دیتا تو ان کو حسرت ہوگی' اور جب سب اہل جنت دوزخ میں اپنا ٹھکانا دیکھیں گے تو کہیں گے اگر اللہ ہمیں ہدایت نہ دیتا...... تو دیکھنا ان کے لیے باعث شکر ہوگا' اور ایک روایت میں ہے کوئی شخص دوزخ میں داخل نہیں ہوگا مگر جنت میں اپنا ٹھکانا دیکھ لے گا اگر وہ نیک کام کرتا تا کہ اس کو حسرت ہو' اور کوئی شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا مگر وہ دوزخ میں اپنا ٹھکانا دیکھ لے گا اگر وہ برے کام کرتا تا کہ اس کا شکر زیادہ ہو۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۵۴۱' ۵۱۲' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۸۶۶۱' ۱۸۶۶۰' حافظ الہیثمی نے کہا پہلی روایت کے تمام رجال صحیح ہیں)

اس دن کا مصداق جب فیصلہ ہو چکا ہوگا

نیز اس آیت میں ہے: جب فیصلہ ہو چکا ہوگا۔ اس کا ایک محمل یہ ہے کہ دنیا میں پوری تبلیغ ہو چکی ہوگی اور ثواب اور عذاب کے تمام دلائل بیان کیے جا چکے ہوں گے اور وہ غفلت میں پڑے رہے اور ایمان نہیں لائے۔

اور اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ جب دنیا کو فنا کرنے اور مکلف کرنے کے سلسلہ کو ختم کرنے کا فیصلہ ہو چکا ہوگا۔

اور اس کا تیسرا محمل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے متعلق سوال کیا گیا کہ ''جب فیصلہ ہو چکا ہوگا'' تو آپ نے فرمایا:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: موت کو سرمئی مینڈھے کی صورت میں لایا جائے گا پھر ایک منادی یہ ندا کرے گا اے اھل جنت! تو وہ گردن اٹھا کر دیکھیں گے تو وہ کہے گا تم اس کو پہچانتے ہو؟ وہ کہیں گے ہاں یہ موت ہے اور وہ سب اس کو دیکھ لیں گے۔ پھر وہ ندا کرے گا اے اہل دوزخ! تو وہ گردن اٹھا کر دیکھیں گے وہ کہے گا کیا تم اس کو پہچانتے ہو! وہ کہیں گے ہاں یہ موت ہے اور وہ سب اس کو دیکھ لیں گے' پھر اس مینڈھے کو ذبح کر دیا جائے گا پھر وہ منادی کہے گا: اے اہل جنت! اب دوام ہے پس موت نہیں ہے' اور کہے گا اے اہل دوزخ! اب دوام ہے اور موت نہیں ہے پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی: **وانذرھم یوم الحسرۃ اذ قضی الامر و ھم فی غفلۃ** (مریم: ۳۹) (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۳۰' صحیح مسلم رقم الحدیث ۲۸۴۹' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۵۶' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۳۱۶)

اللہ تعالیٰ پر وارث کے اطلاق کی توجیہ

آیت: ۴۰ میں فرمایا بے شک ہم ہی زمین اور ان کے وارث ہیں جو اس پر ہیں اور وہ سب ہماری ہی طرف لوٹائے جائیں گے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا اس دن کوئی مالک ہوگا نہ کوئی حاکم ہوگا' کسی کا کوئی ملک ہوگا نہ کوئی چیز کسی کی ملکیت ہوگی' اور ہر چیز ظاہر اور باطن کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہوگی۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ہم ہی وارث ہیں' وارث اس کو کہتے ہیں جو مرنے والے کے ترکہ کا پہلے مالک نہیں ہوتا اس کے مرنے کے بعد مالک ہوتا ہے' اور مورث کی ملکیت وارث کی طرف منتقل ہو جاتی ہے' اور اللہ تعالیٰ تو ہر چیز کا ہمیشہ سے مالک ہے تو اس پر وارث کا اطلاق کیسے جائز ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حقیقت میں ہر چیز کا اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے مالک ہے لیکن ظاہر میں دنیا اور زمین کی بہت سی چیزوں کے لوگ مالک ہیں اگرچہ ان کی یہ ملکیت عارضی اور فانی ہے اور بعد والوں

کی طرف منتقل ہوتی رہتی ہے' لیکن ظاہری اور مجازی طور پر ان کو زمین اور اس کی چیزوں کا مالک کہا جاتا ہے' لیکن قیامت آنے سے ان کی یہ ظاہری اور مجازی ملکیت بھی ختم ہو جائے گی اور ہر چیز کی ظاہری ملکیت بھی اللہ تعالیٰ کی طرف منتقل ہو جائے گی سو اللہ تعالیٰ پر وارث کا اطلاق ظاہری ملکیت کے اعتبار سے ہے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۬ؕ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿٤١﴾ اِذْ قَالَ

اور آپ اس کتاب میں ابراہیم کا ذکر کیجیے، بے شک وہ بہت سچے نبی تھے ○ جب انہوں نے

لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ

اپنے (عرفی) باپ سے کہا: اے میرے ابا! آپ اس کی کیوں عبادت کرتے ہیں جو نہ سنتا ہے اور نہ دیکھتا ہے' اور نہ آپ

شَيْئًا ﴿٤٢﴾ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْۤ

کے کسی کام آ سکتا ہے ○ اے میرے ابا! بے شک میرے پاس ایسا علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا آپ میری پیروی کیجیے

اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ﴿٤٣﴾ يٰۤاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ

میں آپ کو سیدھا راستہ دکھاؤں گا ○ اے میرے ابا! آپ شیطان کی پیروی نہ کریں، بے شک شیطان

كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ﴿٤٤﴾ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْۤ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ

رحمٰن کا نافرمان ہے ○ اے میرے ابا! مجھے خطرہ ہے کہ آپ کو رحمٰن کی طرف سے

مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ﴿٤٥﴾ قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ

عذاب پہنچے گا پس آپ شیطان کے ساتھی ہو جائیں گے ○ اس نے کہا اے ابراہیم! کیا تو میرے خداؤں

عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰۤاِبْرٰهِيْمُ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ

سے اعراض کرنے والا ہے، اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھے سنگسار کر دوں گا اور تو ہمیشہ کے لیے

مَلِيًّا ﴿٤٦﴾ قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ

مجھے چھوڑ دے ○ ابراہیم نے کہا تجھے سلام ہو میں عنقریب اپنے رب سے تیرے لیے استغفار کروں گا، بے شک وہ مجھ پر

حَفِيًّا ﴿٤٧﴾ وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّيْ ۬

بہت مہربان ہے ○ میں تم سب کو (بھی) چھوڑتا ہوں اور ان کو (بھی) جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو، اور میں اپنے رب کی عبادت کرتا

عَسٰۤى اَلَّاۤ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّیْ شَقِیًّا ﴿۴۸﴾ فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَ مَا یَعْبُدُوْنَ

ہوں' اور امید ہے کہ میں اپنے رب کی عبادت کر کے محروم نہیں ہوں گا ○ پھر جب ابراہیم ان سب سے الگ ہو گئے اور ان سے (بھی) جن کی وہ

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۙ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ ؕ وَ كُلًّا جَعَلْنَا نَبِیًّا ﴿۴۹﴾

لوگ اللہ کے سوا عبادت کرتے تھے تو ہم نے ان کو اسحٰق اور یعقوب عطا کیے اور ہم نے ہر ایک کو نبی بنایا ○

وَ وَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَ جَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِیًّا ﴿۵۰﴾ ع

اور ہم نے ان کو اپنی رحمت عطا کی اور ہم نے (دنیا میں) ان کا ذکر جمیل بلند کیا ○

ع ۶ / ۶

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ اس کتاب میں ابراہیم کا ذکر کیجئے' بے شک وہ بہت سچے نبی تھے ○ (مریم: ۴۱)

حضرت ابراہیم کا قصہ شروع کرنے کی وجوہ

اس سورت سے مقصود ہے توحید' رسالت' قیامت اور حشر کو بیان کرنا' اور منکرین توحید وہ تھے جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور معبود کو مانتے تھے۔ پھر ان کے دو گروہ تھے' ایک گروہ زندہ انسان کو معبود مانتا تھا اور دوسرا گروہ پتھروں کے تراشیدہ بتوں کو خدا مانتا تھا' ہر چند کہ یہ دونوں گروہ گم راہ تھے لیکن دوسرا فریق زیادہ گم راہ تھا' پہلے اللہ تعالیٰ نے کم گم راہ فریق کا رد کیا اور اب اس کے بعد زیادہ گم راہ فریق کا رد شروع فرمایا۔

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا' حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ کا قصہ بیان فرمایا تھا اور اب حضرت ابراہیم کا قصہ شروع فرمایا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ سب کو معلوم تھا کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم' آپ کی قوم اور آپ کے صحابہ کتابوں کے مطالعہ' مدرسہ اور پڑھنے لکھنے سے شغف نہیں رکھتے تھے' پھر جب آپ نے حضرت زکریا' حضرت یحییٰ' حضرت عیسیٰ اور حضرت ابراہیم کے واقعات ٹھیک ٹھیک بیان کر دیئے تو لامحالہ آپ نے غیب کی خبریں بیان کیں اور آپ کا غیب پر مطلع ہونا آپ کے نبی ہونے کی دلیل ہے۔ اور خصوصاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ بیان کرنے کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) عرب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا باپ کہتے تھے اور ان کے دین اور ان کی ملت کو برحق مانتے تھے قرآن مجید میں ہے:

مِلَّةَ اَبِیْكُمْ اِبْرٰهِیْمَ (الحج: ۷۸) — اپنے باپ ابراہیم کی ملت کو قائم رکھو

نیز عرب کہتے تھے:

بَلْ قَالُوْۤا اِنَّا وَجَدْنَاۤ اٰبَآءَنَا عَلٰۤى اُمَّةٍ وَّ اِنَّا عَلٰۤى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ (الزخرف: ۲۲) — بلکہ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک دین پر پایا اور ہم ان ہی کے نقش قدم پر چل کر ہدایت یافتہ ہوں گے۔

خلاصہ یہ ہے کہ تم حضرت ابراہیم کو اپنا باپ مانتے ہو اور تم اپنے باپ دادا کے دین کو برحق مانتے ہو تو تمہارے سامنے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے باپ ابراہیم کی ملت اور ان کا دین پیش کر رہے ہیں سو اس کو مانو اور قبول کرو۔

(۲) عرب کہتے تھے کہ ہمارے باپ دادا بت پرستی کرتے آئے تھے ہم ان کے طریقہ کو نہیں چھوڑ سکتے' اس کا رد فرمایا کہ حضرت ابراہیم کے عرفی باپ دادا بھی بت پرستی کرتے تھے لیکن انہوں نے اپنے عرفی باپ دادا کے طریقہ کو نہیں اپنایا بلکہ توحید کو مانا سو تم بھی حضرت ابراہیم کے نقش قدم پر چلو اور اگر باپ دادا کی اتباع کرنی ہے تو جو سب سے معظم اور مکرم

باپ ہیں اور سب کے نزدیک مسلم ہیں ان کی اتباع کرو۔
(۳) اکثر کفار اپنے باپ دادا کی تقلید کا دعویٰ کرتے تھے ان کو بتایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ تقلید نہیں تھا بلکہ دلائل میں غور وفکر کر کے توحید کو اپنانا تھا سو تم بھی دلائل میں غور وفکر کر کے توحید کو اختیار کرو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جب انہوں نے اپنے (عرفی) باپ سے کہا: اے میرے ابا! آپ اس کی کیوں عبادت کرتے ہیں جو نہ سنتا ہے اور نہ دیکھتا ہے اور نہ آپ کے کسی کام آ سکتا ہے○ (مریم: ۴۲)

بتوں کی عبادت کے بطلان کی وجوہ

اس آیت میں بتوں کی عبادت کے باطل ہونے کو بیان فرمایا ہے اور اس کی تفصیل حسب ذیل ہے:
(۱) عبادت سب سے زیادہ تعظیم کرنے کو کہتے ہیں اور سب سے زیادہ تعظیم کا وہی مستحق ہوگا جس نے سب سے زیادہ انعام کیے ہوں اور سب سے زیادہ انعام صرف اللہ تعالیٰ کے ہیں تو وہی عبادت کا مستحق ہے اور بتوں کا انسانوں پر کوئی انعام نہیں ہے تو بت کسی تعظیم کے مستحق نہیں ہیں۔
(۲) جب بت سنتے اور دیکھتے نہیں ہیں تو وہ عبادت گزار کو غیر عبادت گزار سے متمیز نہیں کر سکتے سو ان کی عبادت کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔
(۳) عبادت کا مغز دعا کرنا ہے اور جب بت دعا کو سن ہی نہیں سکتے تو ان کی عبادت کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے اور جب وہ دیکھ نہیں سکتے تو ان کا تقرب حاصل کرنے میں کوئی منفعت نہیں ہے۔
(۴) سننے والا' دیکھنے والا' نفع اور نقصان پہنچانے والا اس سے افضل ہے جو ان کاموں پر قادر نہ ہو' انسان میں سننے' دیکھنے' نفع اور نقصان پہنچانے کی صفات ہیں اور بتوں میں یہ صفات نہیں ہیں لہٰذا انسان بتوں سے افضل اور اعلیٰ ہے' پھر افضل اور اعلیٰ کا گھٹیا اور ادنیٰ کی عبادت کرنا کیسے صحیح ہوگا؟
(۵) جب بت خود اپنے آپ کو ٹوٹ پھوٹ اور نقصان سے نہیں بچا سکتے تو اپنی عبادت کرنے والوں کو نقصان اور ضرر سے کیسے بچا سکیں گے!

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا منشا یہ تھا کہ اس کی عبادت کرنی چاہیے جو دعاؤں کو سنتا ہو اور دعا کرنے والے کو دیکھتا ہو اور یہ اللہ تعالیٰ کی شان ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِیْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰی (طٰہٰ: ۴۶)

فرمایا تم دونوں (موسیٰ اور ہارون) مت ڈرو میں تم دونوں کے ساتھ ہوں سن رہا ہوں اور دیکھ رہا ہوں۔

اور اس کی عبادت کرنی چاہیے جو کسی کام آ سکے' کوئی حاجت پوری کر سکے' کوئی ضرر دور کر سکے اور کوئی نفع پہنچا سکے اور یہ اللہ تعالیٰ کی شان ہے:

اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَیَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَیَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قَلِیْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ○ (النمل: ۶۲)

جب بے بس پکارتا ہے تو اس کی پکار کو کون سنتا ہے اور اس سے مصیبت کو کون دور کرتا ہے؟ اور تمہیں زمین کا حاکم بناتا ہے' کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ تم بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہو!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (حضرت ابراہیم نے کہا) اے میرے ابا! بے شک میرے پاس ایسا علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا آپ میری پیروی کیجئے میں آپ کو سیدھا راستہ دکھاؤں گا (مریم: ۴۳)

نبی کی اتباع کو تقلید نہ کہنے کی وجہ

اس آیت سے مقلدین نے استدلال کیا ہے کہ حضرت ابراہیم نے ان کو خود غور وفکر کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ یہ حکم دیا ہے کہ وہ ان کی اتباع اور پیروی کریں' اس سے معلوم ہوا کہ جس شخص میں غور وفکر کرنے کی صلاحیت نہ ہو اور جس کے پاس علم کے ذرائع نہ ہوں اس پر علم والے کی تقلید کرنا لازم ہے' لیکن انبیاء علیہم السلام کی اتباع کو تقلید نہیں کہتے کیونکہ تقلید تشکیک مشکک سے زائل ہو جاتی ہے اور تقلید میں اس پر جزم ہوتا ہے کہ جس امام کی وہ تقلید کر رہا ہے اس کے متعلق یہی غالب ظن ہے کہ وہ برحق ہے' لیکن ہوسکتا ہے کہ اس کی رائے غلط ہو اور دوسرے امام کی رائے صحیح ہو' لیکن جو شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرتا ہے اس کے متعلق سو فیصد جزم ہوتا ہے کہ نبی کا حکم برحق اور صحیح ہے اس میں غلط ہونے کا امکان یا احتمال نہیں ہے اس لیے نبی کی اتباع کو تقلید نہیں کہتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (حضرت ابراہیم نے کہا) اے میرے ابا! آپ شیطان کی پیروی نہ کریں بے شک شیطان رحمٰن کا نافرمان ہے ○ (مریم: ۴۴)

آزر کو شیطان سے متنفر کرنے کی وجہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شیطان سے متنفر کرنے کے لیے آزر سے یہ کہا کہ شیطان اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہے' کیونکہ کسی شخص سے متنفر ہونے کی یہی سب سے بڑی وجہ ہے' اور جب شیطان اللہ تعالیٰ کا نافرمان تھا تو کسی چیز میں بھی اس کی اطاعت جائز نہیں ہے اور آزر کے جو عقائد تھے وہ شیطان کی اطاعت سے ہی مستفاد تھے اس لیے حضرت ابراہیم نے آزر کو شیطان سے متنفر کرنا چاہا' اس کے بعد کہا:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (حضرت ابراہیم نے کہا) اے میرے ابا! مجھے خطرہ ہے کہ آپ کو رحمٰن کی طرف سے عذاب پہنچے گا پس آپ شیطان کے ساتھی ہو جائیں گے ○ (مریم: ۴۵)

شیطان کی ولایت کا معنی

فراء نے کہا ''مجھے خطرہ ہے'' کا معنی ہے مجھے علم ہے کہ آپ کو عذاب پہنچے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ علم تھا کہ آزر کفر پر مرے گا' اور اکثر مفسرین نے یہ کہا کہ یہاں خوف اپنے معنی میں ہے۔ یعنی یہ بھی ہوسکتا تھا کہ آزر ایمان لے آتا اور اس کو دوزخ کے عذاب سے نجات مل جاتی اور یہ بھی ہوسکتا تھا کہ وہ ایمان نہ لاتا اور دوزخ میں چلا جاتا' اور ظاہر قرآن سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ کیونکہ اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ یقین ہوتا کہ آزر نے کفر پر ہی مرنا ہے تو ان کی تبلیغ میں اس قدر زور نہ ہوتا کیونکہ اگر انسان کو پہلے ہی یہ علم ہو کہ اس کی کوشش رائیگاں جائے گی تو پھر اس کی کوشش میں اس قدر جذبہ نہیں ہوتا' پھر حضرت ابراہیم نے کہا: پس آپ شیطان کے ساتھی ہو جائیں گے اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) کسی شخص کا کسی کا ولی ہونا اس کے ''مع'' ہونے کا سبب ہوتا ہے اور جب آزر بھی عذاب کا مستحق ہوگا تو وہ دوزخ میں شیطان کے ''مع'' ہوگا اس لیے فرمایا وہ شیطان کا ولی ہوگا۔

(۲) اس آیت میں عذاب سے مراد رسوا ہونا ہے اور جو آدمی شیطان کو اپنا ولی بناتا ہے وہ نقصان اٹھاتا ہے اور رسوا ہو جاتا ہے' اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا (النساء: ۱۱۹)

اور جو شخص اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو ولی بنائے گا تو وہ کھلا ہوا نقصان اٹھائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اس نے کہا اے ابراہیم! کیا تو میرے خداؤں سے اعراض کرنے والا ہے' اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھے سنگسار کردوں گا اور تو ہمیشہ کے لئے مجھے چھوڑ دے O (مریم: ۴۶)

لارجمنک اور واھجرنی کے معنی

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنے عرفی باپ کو توحید کی دعوت دی اور بتوں کی عبادت کے فساد اور بطلان پر دلائل قائم کیے اور اس کے ساتھ ساتھ نہایت نرمی اور ملائمت کے ساتھ ان کو سمجھایا' تو ان کے عرفی باپ آزر نے ان کی ہر بات کا جواب انتہائی سختی اور ناگواری کے ساتھ دیا اور ان کے دلائل کے مقابلہ میں صرف اپنے آباؤ اجداد کی تقلید پر اعتماد کیا۔

آزر نے حضرت ابراہیم سے کہا اگر تم باز نہ آئے تو میں تم کو رجم کردوں گا اس آیت میں رجم کے حسب ذیل معنی بیان کیے گئے ہیں:

(۱) اس سے رجم باللسان مراد ہے' یعنی گالیاں دینا اور مذمت کرنا۔ مجاہد نے کہا قرآن مجید میں جہاں بھی رجم کا لفظ آیا ہے اس سے مراد ہے گالی دینا' تاہم اس کا عموم اور اطلاق محل نظر ہے۔

(۲) اس سے مراد ہے ہاتھوں سے مارنا' یعنی میں لوگوں سے تمہاری شکایت کروں گا تو وہ تمہیں مار مار کر ادھ موا کردیں گے یا اس سے مراد ہے میں پتھر مار مار کر تمہیں سنگسار کردوں گا۔

(۳) لغت قریش میں اس کا معنی ہے میں تمہیں ہلاک کردوں گا' ابو مسلم نے کہا کسی شخص کو بھگانے اور دور کرنے کے لیے بھی اس لفظ کو استعمال کیا جاتا ہے۔

واھجرنی ملیا کا معنی ہے تم مجھ سے بات کرنا چھوڑ دو' اور اس کا دوسرا معنی ہے تم مجھے چھوڑ دو یعنی اس شہر اور اس ملک سے نکل جاؤ۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ابراہیم نے کہا تجھے سلام ہو! میں عنقریب تیرے لیے اپنے رب سے استغفار کروں گا بے شک وہ مجھ پر بہت مہربان ہے O (مریم: ۴۷)

سلام کی دو قسمیں سلام تحیت اور سلام متارکہ

اس مقام پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ کفار کو سلام کرنا جائز نہیں ہے پھر حضرت ابراہیم نے آزر کو کیوں سلام کیا' اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تعظیم اور تحیت کا سلام نہیں تھا بلکہ یہ متارکہ کا سلام تھا یعنی کسی کو چھوڑنے اور اس سے قطع تعلق کرنے کا سلام تھا' اللہ تعالیٰ نے مومنین اھل کتاب کی صفات میں فرمایا:

وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِى الْجٰهِلِيْنَ O (القصص: ۵۵)

اور جب وہ کوئی بے ہودہ بات سنتے ہیں تو اس سے اعراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارے اعمال ہمارے لیے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لیے ہیں' بس تمہیں سلام ہو ہم جاہلوں سے بحث کرنا نہیں چاہتے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کی صفات میں فرمایا:

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا O (الفرقان: ۶۳)

اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر نرمی اور عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں اور جب جاہل ان سے بحث کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں بس تمہیں سلام ہو۔

خلاصہ یہ ہے کہ سلام کا حقیقی معنی تو دعا ہے یعنی اللہ تم کو سلامت رکھے' یا اللہ تم کو ہر آفت اور ہر مصیبت سے محفوظ اور مامون رکھے' یا تم جس حال میں ہو اللہ تمہیں اس میں سلامت رکھے' اس معنی کے اعتبار سے کفار اور فساق کو سلام کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں کفر اور فسق پر سلامت رہنے کی دعا ہے اور کفار اور فساق کی تعظیم اور تحیت ہے اور یہ جائز نہیں ہے۔ حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہود اور نصاریٰ کو سلام میں پہل نہ کرو جب وہ تم سے راستہ میں ملیں تو تم ان کو تنگ راستہ میں چلنے پر مجبور کرو۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢١٦٧' سنن الترمذی رقم الحدیث: ٢٧٠٠' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٥٢٠٥)

حضرت ابراہیم بن میسرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:: جس شخص نے کسی بدعتی کی تعظیم کی اس نے اسلام کے منہدم ہونے پر اعانت کی۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ٩٤٦٤' مشکوٰۃ رقم الحدیث: ١٨٩)

ان احادیث کی بنا پر کفار اور فساق کو تعظیماً سلام کرنا جائز نہیں ہے' اور سلام کا التزامی اور مجازی معنی ہے کسی کو رخصت کرنا کیونکہ رخصت ہونے کے مقام پر سلام کیا جاتا ہے تو جب کفار اور فساق سے بحث کو ترک کرنا اور ان سے تعلق کو ترک کرنا مقصود ہو تو ان کو سلام کر دیا جاتا ہے جیسا کہ مذکورۃ الصدر آیتوں میں ہے۔

کفار اور فساق کو سلام کرنے کی تحقیق

ابراہیم نخعی نے کہا ہے کہ جب تمہیں یہود و نصاریٰ سے کوئی کام ہو تو ان کو ابتداءً سلام کرو' اور حضرت ابوہریرہ کی حدیث میں جو ہے یہود و نصاریٰ کو ابتداءً سلام نہ کرو وہ اس پر محمول ہے جب تمہیں ان سے کوئی کام یا غرض نہ ہو' لیکن جب تمہیں ان سے کوئی کام ہو یا کوئی ذمہ داری پوری کرنی ہو' یا صحبت یا سفر کا حق ادا کرنا ہو یا پڑوس کا حق ادا کرنا ہو تو پھر ان کو سلام کرلو۔ امام طبری نے کہا ہے کہ سلف سے منقول ہے کہ وہ اہل کتاب کو سلام کرتے تھے۔ ایک دہقان حضرت ابن مسعود کے راستہ میں ساتھ ہو گیا انہوں نے اس کو سلام کیا' علقمہ نے کہا اے ابوعبدالرحمان کیا ان کو ابتداءً سلام کرنا مکروہ نہیں ہے! فرمایا: ہاں! لیکن یہ صحبت کا حق ہے' اور ابواسامہ جب اپنے گھر واپس جاتے تو راستہ میں ان کو جو بھی ملتا خواہ مسلمان ہو یا عیسائی یا چھوٹا یا بڑا وہ اس کو سلام کرتے جب ان سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو انہوں نے کہا ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ سلام کو پھیلائیں' امام اوزاعی سے یہ پوچھا گیا کہ جب کوئی مسلمان کسی کافر کے پاس سے گزرے تو آیا اس کو سلام کرے؟ انہوں نے کہا اگر تم سلام کرو تو تم سے پہلے صالحین نے ان کو سلام کیا ہے اور اگر تم سلام نہ کرو تو تم سے پہلے صالحین نے ان کو سلام کرنا ترک کیا ہے' حسن بصری نے کہا جب تم ایسی مجلس کے پاس سے گزرو جس میں مسلمان اور کفار ہوں تو ان کو سلام کرو۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ١١ ص ٣٨۔ ٣٧' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ١٤١٥ھ)

علامہ محمد بن علی بن محمد حصکفی حنفی متوفی ١٠٨٨ھ لکھتے ہیں:

مسلمان کو اگر ذمی سے کوئی کام ہے تو وہ اس کو سلام کرے ورنہ اس کو سلام کرنا مکروہ ہے' یہی قول صحیح ہے' علامہ شامی لکھتے ہیں کہ تاتارخانیہ میں مذکور ہے کہ کفار کو سلام کرنے کی ممانعت ان کی تعظیم اور توقیر کی بنا پر ہے اور جب کسی کام یا کسی غرض کی بنا پر ان کو سلام کیا جائے گا تو وہ ان کی تعظیم اور توقیر کی بنا پر نہیں ہوگا' اور تاتارخانیہ میں مذکور ہے کہ جب اہل ذمہ سلام کریں تو ان کو جواب دینا چاہئے' ہم اسی قول پر عمل کرتے ہیں۔ علامہ حصکفی نے کہا اگر ذمی کو تعظیماً سلام کیا تو وہ کافر ہو جائے گا کیونکہ کافر کی تعظیم کفر ہے۔ علامہ شامی اس کی شرح میں فرماتے ہیں لیکن اگر کسی غرض صحیح کی بنا پر کافر کو سلام کیا ہے تو پھر کوئی حرج نہیں اور نہ کفر ہے' اور اگر بغیر کسی نیت کے سلام کیا ہے تو پھر یہ فعل مکروہ ہے' محیط میں اسی طرح مذکور ہے اور علامہ بیری نے کہا ہے کہ

یہ مکروہ بھی نہیں ہے۔ (ردالمحتار مع الدر المختار ج ۹ ص ۵۰۶ مطبوعہ احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۹ھ)

ہماری تحقیق یہ ہے کہ کسی کافر یا فاسق کو دعا کے معنی میں ابتداءً سلام کیا جائے یعنی اللہ تم کو اسلام کی ہدایت دے' یا اس کی تعظیم کی نیت نہ ہو اس کی پرورش کا حق ادا کرنے کی وجہ سے یا اس کے جوار کی وجہ سے یا اس کی مصاحبت کی وجہ سے اس کو سلام کرے' دیکھا گیا ہے کہ بعض لڑکے دیندار وضع اختیار کر لیتے ہیں اور ان کا باپ ڈاڑھی منڈواتا ہے تو وہ اپنے باپ کو فاسق معلن قرار دے کر اس کو سلام نہیں کرتے' یہ دین میں بہت تشدد اور افراط ہے کفار اور فساق کو ابتداءً سلام کرنے کی بہت وجوہ صحیحہ موجود ہیں' بس ان کے کفر کی وجہ سے ان کی تعظیم کرنا کفر اور ممنوع ہے' ان کی پرورش کا حق ادا کرنے کی وجہ سے ان کو سلام کرنا جائز ہے۔ سو اس اعتبار سے ان کو سلام کرے یا اس دعا کی نیت سے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اسلام کی سلامتی میں لے آئے۔

کفار کے لیے مغفرت کی دعا

کفار کے لیے مغفرت کی دعا کرنا جائز نہیں ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے عرفی باپ سے یہ کہا تھا کہ میں عنقریب تیرے لیے استغفار کروں گا یہ اس توقع کی بنا پر تھا کہ وہ اسلام لے آئے گا' اور جب وہ اسلام نہیں لایا تو وہ اس سے بیزار ہو گئے اور پھر اس کے لیے دعا نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ۭ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ○ (التوبۃ: ۱۱۴)

اور ابراہیم کا اپنے (عرفی) باپ کے لیے دعا کرنا صرف اس وعدہ کی وجہ سے تھا جو انہوں نے اس سے کر لیا تھا' جب ان پر منکشف ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے بیزار ہو گئے' بے شک ابراہیم بہت نرم دل اور بردبار تھے۔

اس آیت کی پوری تفسیر اور تحقیق التوبۃ: ۱۱۴ میں ملاحظہ فرمائیں۔ (تبیان القرآن ج ۵ ص ۲۷۶-۲۷۵)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر جب ابراہیم ان سے الگ ہو گئے اور ان سے (بھی) جن کی وہ لوگ اللہ کے سوا عبادت کرتے تھے تو ہم نے ان کو اسحاق اور یعقوب عطا کیے اور ہم نے ہر ایک کو نبی بنایا○ اور ہم نے ان کو اپنی رحمت عطا کی اور ہم نے (دنیا میں) ان کا ذکر جمیل بلند کیا○ (مریم: ۵۰-۴۹)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذکر جمیل کا جاری رہنا

جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے کسی کو چھوڑتا ہے اس کو کوئی خسارہ نہیں ہوتا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کی خاطر اپنے شہر اور اپنے عزیز و اقارب کو چھوڑا تو ان کو کوئی نقصان نہیں ہوا۔ دین میں نہ دنیا میں بلکہ اس ہجرت سے ان کو نفع ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسی اولاد عطا فرمائی جن کو اللہ تعالیٰ نے مقام نبوت پر سرفراز فرمایا اور کسی بشر اور انسان کے لیے اس سے بڑھ کر کیا سعادت اور فضیلت ہو گی کہ اللہ تعالیٰ اس کو مقام نبوت عطا فرمائے اور مخلوق پر اس کی اطاعت کو لازم کر دے اور آخرت میں اس کو اجر عظیم عطا فرمائے یہ اس کے لیے دنیا اور آخرت کی عظیم نعمتیں ہیں۔

نیز فرمایا ہم نے دنیا میں ان کا ذکر جمیل بلند کیا' اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ اس سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو دعا کی تھی اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو قبول فرما لیا ہے' وہ دعا یہ ہے:

وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ○ (الشعراء: ۸۴)

اور بعد میں آنے والے لوگوں میں میرا ذکر جمیل جاری رکھ۔

سو تمام قوموں نے حضرت ابراہیم کو اپنا مقتداء اور پیشوا مان لیا اور وہ ان کی طرف منسوب ہونے میں فخر کرتے تھے' اللہ

تعالیٰ نے ملت ابراہیم کی پیروی کا حکم دیا' جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قربانی سے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: یہ تمہارے باپ ابراہیم کی سنت ہیں۔ حج سارا کا سارا' حضرت ابراہیم' حضرت اسماعیل اور حضرت ھاجرہ کی پیروی ہے' ہم آج تک ہر نماز میں حضرت ابراہیم پر بھیجی جانے والی صلاۃ کا ذکر کرتے ہیں۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰٓى ۡ اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿۵۱﴾

اور آپ اس کتاب میں موسیٰ کا ذکر کیجیے جو برگزیدہ تھے اور رسول نبی تھے ○

وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ﴿۵۲﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ

ہم نے انہیں طور کی دائیں جانب سے ندا کی اور ہم نے انہیں قریب کرکے رازدار بنایا ○ اور ہم نے اپنی رحمت سے ان کو

رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ﴿۵۳﴾ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ ۡ اِنَّهٗ

ان کے بھائی ہارون نبی عطا فرمائے ○ اور آپ اس کتاب میں اسماعیل کا ذکر کیجیے، وہ

كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿۵۴﴾ وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ

سچے وعدہ والے اور رسول نبی تھے ○ اور وہ اپنے گھر والوں کو

بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ ۠ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ﴿۵۵﴾ وَاذْكُرْ فِي

نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے تھے اور وہ اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ تھے ○ اور آپ اس کتاب میں

الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ ۡ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿۵۶﴾ وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا

ادریس کا ذکر کیجیے بے شک وہ بہت سچے نبی تھے ○ اور ہم نے ان کو بلند جگہ پر

عَلِيًّا ﴿۵۷﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ

اٹھا لیا ○ یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے نبیوں میں سے انعام کیا جو آدم کی اولاد

ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ ۠ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۡ وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَ

سے ہیں اور ان لوگوں (کی نسل) سے ہیں جن کو ہم نے نوح کے ساتھ (کشتی میں) سوار کیا تھا اور جو ابراہیم

اِسْرَآءِيْلَ ۡ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا ۭ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ

اور یعقوب کی اولاد سے ہیں اور جو ان میں سے ہیں جن کو ہم نے ہدایت دی اور چن لیا، جب ان پر رحمٰن کی آیتیں تلاوت

الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا ﴿٥٨﴾ فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ

کی جاتیں ہیں تو وہ سجدہ کرتے ہوئے اور روتے ہوئے گر پڑتے ہیں ○ پھر ان کے بعد ایسے ناخلف آئے

اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ﴿٥٩﴾

جنہوں نے نمازیں ضائع کیں اور خواہشات کی پیروی کی تو عنقریب وہ غی (ہلاکت) میں جا گریں گے ○

اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ

سوا ان لوگوں کے جنہوں نے توبہ کی اور ایمان لائے اور نیک عمل کیے تو وہی لوگ جنت میں

الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ﴿٦٠﴾ جَنّٰتِ عَدْنِ ِۨالَّتِيْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ

داخل ہوں گے اور ان پر بالکل ظلم نہیں کیا جائے گا ○ ہمیشگی کی جنتیں ہیں جن کا رحمٰن نے اپنے بندوں کے ساتھ

عِبَادَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا ﴿٦١﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا

غیب سے وعدہ کیا ہے، بے شک اس کا وعدہ پورا ہونے والا ہے ○ وہ جنت میں سلام کے سوا

لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا ۭ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ﴿٦٢﴾ تِلْكَ

کوئی لغو بات نہیں سنیں گے، ان کے لیے اس میں صبح و شام ان کا رزق ہوگا ○ یہ ایسی

الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ﴿٦٣﴾ وَمَا

جنت ہے جس کا وارث ہم اپنے بندوں میں سے اس کو بنائیں گے جو متقی ہوگا ○ اور ہم (فرشتے)

نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ۚ لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا

صرف آپ کے رب کے حکم سے نازل ہوتے ہیں، ہمارے آگے اور ہمارے پیچھے اور جو اس کے درمیان ہے وہ سب

بَيْنَ ذٰلِكَ ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ﴿٦٤﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

اسی کی ملکیت ہے، اور آپ کا رب بھولنے والا نہیں ہے ○ آسمانوں کا اور زمینوں کا اور جو کچھ

وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ۭ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ﴿٦٥﴾ ع

ان کے درمیان ہے ان سب کا وہی رب ہے سو اسی کی عبادت کرو اور اس کی عبادت پر ثابت قدم رہو، کیا تم اس کے کسی ہم نام کو جانتے ہو؟ ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس کتاب میں موسیٰ کا ذکر کیجئے جو برگزیدہ تھے اور رسول نبی تھے ○ ہم نے انہیں طور کی دائیں جانب سے ندا کی اور ہم نے انہیں قریب کر کے رازدار بنایا ○ اور ہم نے اپنی رحمت سے ان کو ان کے بھائی ہارون نبی عطا فرمائے ○ (مریم: ۵۳-۵۱)

نبی اور رسول کے لغوی اور اصطلاحی معنی

آیت: ۵۱ میں مخلص کا لفظ ہے اور اس کی دو قرأتیں ہیں لام کی زبر کے ساتھ اور لام کی زیر کے ساتھ۔ اگر لام کی زبر کے ساتھ ہو تو اس کا معنی ہے برگزیدہ اور چنا ہوا اور اگر لام کی زیر کے ساتھ ہو تو اس کا معنی ہے جو اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہو یعنی اس میں ریا اور دکھاوا نہ ہو۔ اور جب قرآن مجید میں ایسا لفظ ہو جس کی دو قرأتیں ہوں تو دونوں کا معنی قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام برگزیدہ نبی بھی تھے اور صاحب اخلاص بھی تھے۔ نیز اس آیت میں فرمایا ہے وہ رسول نبی تھے' رسالت کا لغوی معنی ہے پیغام بھیجنا اور رسول کا معنی ہے بھیجا ہوا' اور نبأ کا لغوی معنی ہے خبر دینا اور نبی کا لغوی معنی ہے اللہ کی طرف سے خبر دینے والا۔ (مختار الصحاح) نیز لکھا ہے: اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام کی بنا پر غیب کی باتیں بتانے والا' پیشین گوئی کرنے والا' خدا تعالیٰ کے متعلق خبریں دینے والا (المنجد مترجم ص ۹۸۷) اور نبی اور رسول دونوں کا اصطلاحی معنی ہے وہ انسان اور بشر جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام کی تبلیغ کے لیے مخلوق کی طرف بھیجا ہو' اور ان دونوں میں یہ فرق بھی کیا جاتا ہے کہ نبی وہ انسان ہے جس پر وحی نازل کی گئی ہو عام ازیں کہ اس پر کتاب بھی نازل کی گئی ہو یا نہیں اور رسول وہ انسان ہے جس پر وحی بھی نازل کی گئی ہو اور اس پر کتاب بھی نازل کی گئی ہو' اس لیے حدیث میں ہے کہ تین سو تیرہ رسول ہیں اور ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی ہیں (حلیۃ الاولیاء ج ا ص ۱۶۷) مسند احمد کی روایت میں ہے تین سو پندرہ رسول ہیں۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۲۶۶)

حضرت موسیٰ کا مقرب ہونا

آیت: ۵۲ میں ہے ہم نے انہیں قریب کر کے راز دار بنایا' اس سے قرب مکانی بھی مراد ہو سکتا ہے اور قرب شرف اور قرب مرتبہ بھی' قرب مکانی پر یہ دلیل ہے کہ ابو العالیہ نے کہا کہ جب تورات لکھی جا رہی تھی تو حضرت موسیٰ اس پر قلم چلنے کی آواز سنتے تھے اور قرب شرف اور قرب مرتبہ پر یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قرب سے متعارف اور متبادر قرب مرتبہ ہوتا ہے اسی اعتبار سے ملائکہ کو مقربین کہا جاتا ہے۔

آیت: ۵۳ میں حضرت موسیٰ کے بھائی ہارون کا ذکر ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بڑے بھائی تھے' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی کو نبوت عطا کیے جانے کے متعلق دعا کی تھی سو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمالی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ اس کتاب میں اسماعیل کا ذکر کیجئے وہ سچے وعدہ والے اور رسول نبی تھے ○ اور وہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے تھے اور وہ اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ تھے ○ (مریم: ۵۵-۵۴)

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی صفات

ان آیتوں میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی کئی صفات ذکر کی گئی ہیں جن کا بیان حسب ذیل ہے:

(۱) حضرت اسماعیل علیہ السلام صادق الوعد تھے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہو' یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت میں وہ نہایت صادق تھے۔

(۲) وہ لوگوں سے جس بات کا وعدہ کرتے تھے اس کو پورا کرتے تھے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے ایک ساتھی سے ایک جگہ ملنے کا وعدہ کیا وہ وہاں پر نہیں آیا تو آپ نے ایک سال تک اس کا انتظار کیا۔
(تفسیر کبیر ج ۷ ص ۵۴۹)

عبداللہ بن ابی الحمساء بیان کرتے ہیں کہ میں نے بعثت سے پہلے کوئی چیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فروخت کی اور آپ کا کچھ بقایا میرے پاس رہ گیا میں نے آپ سے وعدہ کیا کہ میں آپ کے پاس اسی جگہ آؤں گا' پھر میں بھول گیا اور مجھے تین دن بعد یاد آیا' میں آیا تو آپ اسی جگہ میرا انتظار فرما رہے تھے' آپ نے فرمایا: اے شخص تم نے مجھے بہت مشکل میں ڈالا میں تین دن سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۹۹۶)

(۳) حضرت اسماعیل علیہ السلام کی تیسری صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ رسول نبی ہیں' رسول نبی کی تفسیر ہم کر چکے ہیں۔ حضرت اسماعیل قوم جرھم کی طرف رسول تھے۔

(۴) چوتھی صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے تھے۔ اہل سے مراد یا تو وہ لوگ ہیں جن کو تبلیغ کرنا ان پر واجب تھا تو اس میں ان کی امت بھی داخل ہے اور یہ اس صورت میں ہے جب نماز اور زکوٰۃ سے فرض نماز فرض زکوٰۃ کا ارادہ کیا جائے' اور ایک قول یہ ہے کہ اہل سے مراد ان کے اہل خانہ ہیں اور وہ ان کو نفلی نمازوں اور نفلی صدقات ادا کرنے کا حکم دیتے تھے' اور گھر والوں کا خصوصیت کے ساتھ اس لیے ذکر فرمایا کہ انسان پر لازم ہے کہ سب سے پہلے وہ اپنے گھر والوں کی اصلاح کرے پھر اس کے بعد پورے ملک اور قوم کی اصلاح کرے۔ جیسا کہ حسب ذیل آیات سے ظاہر ہوتا ہے۔

وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ (الشعراء: ۲۱۴) اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرایئے۔

وَاْمُرْ اَھْلَکَ بِالصَّلٰوۃِ وَاصْطَبِرْ عَلَیْھَا (طٰہٰ: ۱۳۲) اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیجئے اور خود بھی اس پر جمے رہیں۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا (التحریم: ۶) اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔

(۵) اور پانچویں صفت یہ بیان فرمائی: کہ اللہ ان سے راضی ہے اور یہ سب سے اعلیٰ درجہ کی صفت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اسی سے راضی ہوتا ہے جو تمام عبادات میں اعلیٰ درجہ پر پہنچ چکا ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ اس کتاب میں ادریس کا ذکر کیجئے' بے شک وہ بہت سچے نبی تھے○ اور ہم نے ان کو بلند جگہ پر اٹھا لیا○ (مریم: ۵۸-۵۷)

حضرت ادریس علیہ السلام کی سوانح

حضرت ادریس علیہ السلام کا نام اخنوخ ہے' حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں یہ پہلے شخص ہیں جن کو حضرت آدم اور شیث علیہما السلام کے بعد نبوت ملی۔ امام ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے قلم سے خط کھینچا' انہوں نے حضرت آدم علیہ السلام کی حیات سے تین سو اٹھارہ سال پائے۔

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے نبی ادریس' سفید رنگ کے طویل القامت تھے اس کا سینہ چوڑا تھا اور جسم پر بال کم تھے اور سر پر بڑے بڑے بال تھے' جب اللہ تعالیٰ نے زمین پر اہل زمین کا ظلم اور اللہ تعالیٰ کے احکام سے سرکشی دیکھی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو چھٹے آسمان کی طرف اٹھالیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے و رفعناہ مکانا علیا ○ (مریم: ۵۷) (المستدرک ج ۲ ص ۵۴۹' مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

حضرت ادریس' حضرت نوح سے پہلے نبی بنائے گئے تھے' المستدرک میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ان کے درمیان ایک ہزار سال کا عرصہ تھا' ان کا نام اخنوخ بن یرد بن مھلائیل بن انوش بن قینان بن شیث بن آدم علیہم السلام ہے۔ وھب بن منبہ سے روایت ہے کہ یہ حضرت نوح علیہ السلام کے دادا ہیں اور مشہور یہ ہے کہ یہ ان کے باپ کے دادا ہیں کیونکہ حضرت نوح لمک بن متوشلخ بن اخنوخ کے بیٹے ہیں۔ حضرت ادریس وہ پہلے شخص ہیں جس نے ستاروں اور حساب میں غور وفکر کیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کو ان کے معجزات میں رکھا' جیسا کہ البحر المحیط میں مذکور ہے اور وہ پہلے نبی ہیں جنہوں نے قلم کے ساتھ خط کھینچا۔ کپڑے سیئے اور سلے ہوئے کپڑے پہنے اور وہ درزی تھے' اور آپ سے پہلے لوگ جانوروں کی کھالوں سے جسم پوشی کرتے تھے اور حضرت آدم کے بعد ان کو سب سے پہلے نبی بنا کر بھیجا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر تیس صحیفے نازل کیے تھے اور وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے ناپنے اور تولنے کے آلات اور ہتھیار بنائے اور بنو قابیل سے قتال کیا' حضرت ابن مسعود سے ایک روایت ہے کہ وہ حضرت الیاس ہیں اور اعتماد پہلے قول پر ہے' اور ادریس کا لفظ سریانی ہے اور یہ درس سے مشتق نہیں ہے کیونکہ غیر عربی کو عربی سے مشتق کرنے کا کسی نے قول نہیں کیا اور اگر یہ عربی سے مشتق ہوتا تو پھر غیر منصرف نہ ہوتا حالانکہ یہ غیر منصرف ہے' البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ سریانی زبان میں اس کا معنی عربی کے قریب ہو اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ ان کا نام ادریس اس لیے ہے کہ یہ درس تدریس بہت کرتے تھے۔ (روح المعانی جز ۱۶ ص ۱۵۴-۱۵۳' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

معاویہ بن الحکم سلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رمل کے خط کھینچنے کے متعلق سوال کیا آپ نے فرمایا: ایک نبی خط کھینچتے تھے پس جس کا خط ان کے خط کے موافق ہو جائے سو وہ درست ہے۔

(مسند احمد رقم الحدیث: ۲۳۸۲۳' دار الفکر' ۲۴۱۶۴' عالم الکتب' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۳۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۹۳۰' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۲۱۸' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۱۵۰۲)

رمل (زائچہ بنانے) کی تعریف اور اس کا شرعی حکم

رمل ایک علم ہے' جس میں ہندسوں اور خطوط وغیرہ کے ذریعہ غیب کی بات دریافت کرتے ہیں۔ نجوم' جوتش (فیروز اللغات ص ۷۱۸) زائچہ بنانے کو بھی رمل کہتے ہیں: زائچہ اس کاغذ کو کہتے ہیں جس کو نجومی بچے کی پیدائش کے وقت تیار کرتے ہیں' اس میں ولادت کی تاریخ' وقت' ماہ وسال وغیرہ درج ہوتا ہے اور وقت پیدائش کے مطابق اس کی ساری عمر کے نیک و بد کا حال بتلایا جاتا ہے' کنڈلی' جنم پتر' رمل کی شکلیں جو رمال قرعہ ڈال کر بناتے ہیں' لگن کنڈلی کھینچنا' جنم پتری بنانا۔ (قائد اللغات ص ۵۵۱)

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں:

یہ وہ خطوط ہیں جن کو نجومی کھینچتے تھے اور اب لوگوں نے ان کو ترک کر دیا ہے' نجومی نرم زمین پر جلدی جلدی خطوط کھینچتا تا کہ ان کو گنا نہ جاسکے پھر واپس آ کر دو دو خط مٹاتا اگر دو خط باقی رہ جاتے تو یہ کامیابی کی علامت تھی اور اگر ایک خط باقی رہ جاتا تو یہ ناکامی کی علامت تھی۔ مکی نے اس کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ وہ نبی اپنی انگشت شہادت اور انگشت وسطیٰ سے ریت پر خط

کھینچتے تھے‘ اب ان کی نبوت منقطع ہو چکی ہے اس لیے اب یہ جائز نہیں ہے حضرت ابن عباس کے ظاہر قول کا معنی بھی یہ ہے کہ ہماری شریعت میں یہ منسوخ ہے۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۲ ص ۴۶۴‘ مطبوعہ دار الوفاء بیروت‘ ۱۴۱۹ھ)

علامہ ابو سلیمان خطابی متوفی ۳۸۸ھ لکھتے ہیں:

ابن الاعرابی نے اس کی یہ تفسیر کی ہے کہ ایک شخص نجومی کے پاس جاتا اس کے سامنے ایک لڑکا ہوتا وہ اس کو کہتا کہ ریت میں بہت سے خطوط کھینچو‘ پھر کچھ کلمات پڑھ کر اس سے کہتا کہ ان خطوط میں سے دو دو خط مٹاؤ‘ پھر دیکھتا اگر آخر میں دو خط بچ گئے تو وہ کامیابی کی علامت ہوتی اور اگر آخر میں ایک خط بچتا تو وہ ناکامی کی علامت ہوتی۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا ہے جس کا خط اس نبی کے خط کے موافق ہو گیا اس میں اس سے منع کرنے کی طرف اشارہ ہے کیونکہ اس نبی کی نبوت منقطع ہو چکی ہے‘ اور ان کے خط کھینچنے کے طریقہ کو جاننے کا اب کوئی ذریعہ نہیں ہے۔

(معالم السنن ج ۱ ص ۴۳۷ مع مختصر سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۴۳۷‘ دار المعرفۃ بیروت)

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی شافعی متوفی ۶۷۶ھ نے لکھا ہے کہ آپ کا مقصود یہ ہے کہ رمل حرام ہے کیونکہ موافقت کے یقین کے بغیر یہ جائز نہیں ہے اور ہمارے پاس اس یقین کے حصول کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔

(صحیح مسلم بشرح النواوی ج ۳ ص ۱۸۰۷‘ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ‘ ۱۴۱۷ھ)

ملا علی بن سلطان محمد القاری المتوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس نبی کا ذکر کیا ہے وہ حضرت ادریس یا دانیال علیہما السلام تھے۔

(المرقات ج ۳ ص ۴‘ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان‘ ۱۳۹۰ھ)

علامہ ابو السعادات المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں جس خط کی طرف حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے وہ مشہور و معروف علم ہے اور لوگوں کی اس میں بہت تصانیف ہیں اور اس علم پر اب بھی عمل کیا جاتا ہے۔ ان کی اس میں بہت سی اصطلاحات اور بہت سے نام ہیں اس علم سے وہ دل کے حالات وغیرہ معلوم کر لیتے ہیں اور بعض اوقات وہ صحیح بات معلوم کر لیتے ہیں۔

(النہایہ ج ۲ ص ۴۶-۴۵‘ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت‘ ۱۴۱۸ھ)

زائچہ اور رمل کی تعریف اور احکام بیان کرنے کے بعد ہم پھر حضرت ادریس علیہ السلام کی سوانح کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

حضرت ادریس کا چوتھے یا چھٹے آسمان پر فوت ہونا

اللہ تعالیٰ نے حضرت ادریس علیہ السلام کے متعلق فرمایا: ہم نے ان کو بلند جگہ پر اٹھا لیا (مریم: ۵۷) صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم چوتھے آسمان کے پاس سے گزرے تو وہاں حضرت ادریس علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ہلال بن یساف بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے میرے سامنے کعب سے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ نے جو حضرت ادریس کے متعلق فرمایا ہے و رفعناہ مکانا علیا ہم نے ان کو بلند جگہ پر اٹھا لیا اس کا کیا مطلب ہے؟ کعب نے کہا حضرت ادریس کی طرف اللہ نے یہ وحی کی کہ میں ہر روز تمہارے اتنے عمل بلند کروں گا جتنے تمام بنو آدم کے اعمال ہیں تو تم زیادہ عمل کرنے سے محبت رکھو‘ پھر فرشتوں میں سے حضرت ادریس کے ایک دوست ان کے پاس آئے تو حضرت ادریس

نے ان کو بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف اس طرح وحی کی ہے تو تم ملک الموت سے کہو کہ وہ میری روح قبض کرنے کو مؤخر کر دے تاکہ میں اور زیادہ عمل کروں' وہ فرشتہ حضرت ادریس کو اپنے پروں پر بٹھا کر آسمان پر چڑھ گیا' جب وہ چوتھے آسمان پر پہنچا تو ملک الموت نیچے اتر رہے تھے تو اس فرشتہ نے ملک الموت سے وہ بات کہی جو حضرت ادریس نے اس سے کہی تھی ملک الموت نے کہا ادریس کہاں ہیں؟ اس فرشتہ نے کہا وہ میری پیٹھ پر ہیں۔ ملک الموت نے کہا حیرت کی بات ہے مجھے ادریس کی روح قبض کرنے کے لیے چوتھے آسمان پر بھیجا گیا ہے اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ میں ان کی روح چوتھے آسمان پر کیسے قبض کروں گا وہ تو زمین پر ہیں' پھر انہوں نے چوتھے آسمان پر حضرت ادریس کی روح قبض کر لی۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۷۹۱۷' مطبوعہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حافظ ابن کثیر نے اس حدیث کو ذکر کر کے لکھا ہے کہ یہ حدیث اسرائیلیات سے ہے اور اس کی بعض عبارت میں نکارت ہے (یعنی ناقابل یقین باتیں ہیں) مجاہد سے اس آیت کی تفسیر پوچھی گئی تو انہوں نے کہا حضرت ادریس کو آسمان پر اٹھا لیا گیا اور ان کو موت نہیں آئی جیسے حضرت عیسیٰ کو اٹھا لیا گیا۔ اگر ان کی مراد یہ ہے کہ ان کو ابھی تک موت نہیں آئی تو یہ محل نظر ہے اور اگر اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ ان کو زندہ آسمان پر اٹھا لیا گیا اور پھر وہاں ان کی روح قبض کر لی گئی تو پھر یہ کعب کی روایت کے منافی نہیں ہے۔

عوفی نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ حضرت ادریس کو چھٹے آسمان کی طرف اٹھا لیا گیا اور وہیں ان کی روح قبض کر لی گئی اور جو حدیث متفق علیہ ہے وہ یہ ہے کہ وہ چوتھے آسمان میں ہیں' حسن بصری نے کہا وہ جنت میں ہیں۔

امام بخاری نے حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ الیاس ہی ادریس ہیں اور معراج کی حدیث میں بیان کیا ہے کہ جب آپ حضرت ادریس علیہ السلام کے پاس سے گزرے تو انہوں نے کہا نیک بھائی اور نیک نبی کو مرحبا ہو' اور جس طرح حضرت آدم اور حضرت ابراہیم نے کہا تھا نیک بیٹے کو مرحبا ہو اس طرح نہیں کہا اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ادریس آپ کے اجداد میں سے نہیں ہیں' لیکن یہ کوئی قطعی دلیل نہیں ہے ہو سکتا ہے انہوں نے تواضعاً آپ کو بھائی کہا ہو اور بیٹا نہ کہا ہو۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۱۶۰-۱۵۹' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۸ھ)

امام ابن جریر نے مجاہد اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ادریس چوتھے آسمان میں ہیں۔ حضرت انس اور قتادہ سے بھی یہی روایت ہے اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں بھی اسی طرح ہے۔

(جامع البیان جز ۱۶ ص ۱۲۲-۱۲۱ مطبوعہ دارالفکر' بیروت)

حضرت ادریس علیہ السلام کا جنت میں زندہ ہونا

امام عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

زید بن اسلم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے آپ نے فرمایا: جیسے اور بنو آدم کے اعمال اوپر چڑھائے جاتے ہیں اسی طرح حضرت ادریس کے اعمال بھی اوپر چڑھائے جاتے تھے۔ ملک الموت کو ان سے محبت ہو گئی۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے ان کی دوستی کی اجازت لی اور آدمی کی صورت میں زمین پر آ گئے اور ان کے ساتھ رہنے لگے' جب حضرت ادریس کو معلوم ہو گیا کہ یہ عزرائیل ہیں تو ایک دن ان سے کہا مجھے آپ سے ایک کام ہے' پوچھا کیا کام ہے' کہا مجھے موت کا ذائقہ چکھائیں' میں جاننا چاہتا ہوں کہ مجھے اس کی شدت کا پتا چلے تاکہ میں اس کی تیاری کروں' اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی کہ ان کی روح ایک ساعت کے لیے قبض کر لو پھر چھوڑ دینا۔ ملک الموت نے اسی طرح کیا' پھر ملک الموت نے پوچھا آپ نے موت کو کیسا پایا

تو انہوں نے کہا میں نے موت کے متعلق جتنا سنا تھا اس سے زیادہ سخت پایا۔ پھر ان سے کہا میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے دوزخ دکھائیں' ملک الموت ان کو لے کر گئے اور ان کو دوزخ دکھادی' پھر کہا میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے جنت دکھائیں' انہوں نے جنت دکھادی' حضرت ادریس جنت میں داخل ہو کر گھومنے لگے' پھر ملک الموت نے کہا اب آپ باہر نکلیں' حضرت ادریس نے کہا اللہ کی قسم! میں باہر نہیں نکلوں گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ مجھے باہر نکلنے کا حکم دے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان فیصلہ کرنے کے لیے ایک فرشتہ بھیجا اس نے ملک الموت سے پوچھا آپ کیا کہتے ہیں تو انہوں نے پورا قصہ بیان کیا۔ پھر حضرت ادریس سے کہا آپ کیا کہتے ہیں تو انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کل نفس ذائقة الموت (آل عمران: ۱۸۵) ''ہر نفس موت کو چکھنے والا ہے'' اور میں نے موت کو چکھ لیا ہے' اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: و ان منکم الاوار دھا (مریم: ۷۱) ''تم میں سے ہر شخص جہنم پر وارد ہوگا'' اور میں دوزخ پر وارد ہو چکا ہوں' اور اللہ تعالیٰ نے اہل جنت سے فرمایا ہے: و ما ھم منھا بمخرجین (الحجر: ۴۸) ''وہ جنت سے نکالے نہیں جائیں گے'' پس اللہ کی قسم میں جنت سے باہر نہیں نکلوں گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ مجھے جنت سے باہر نکلنے کا حکم دے۔ پھر اوپر سے ایک ہاتف کی آواز آئی یہ میرے اذن سے داخل ہوا ہے اور اس نے جو کچھ کیا ہے وہ میرے حکم سے کیا ہے اس کا راستہ چھوڑ دو۔

امام ابن جوزی فرماتے ہیں اگر یہ اعتراض ہو کہ حضرت ادریس کو ان آیات کا کیسے علم ہوا یہ تو ہماری کتاب میں ہیں' تو ابن الانباری نے بعض علماء سے اس کا یہ جواب ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ادریس کو ان باتوں کا علم دے دیا تھا جو قرآن میں ہیں کہ ہر شخص نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے اور ہر شخص کا دوزخ سے گزر ہوگا اور اہل جنت کو جنت سے نکالا نہیں جائے گا۔

(زاد المسیر ج ۵ ص ۲۴۲ - ۲۴۱' معالم التنزیل ج ۳ ص ۱۶۷' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۱ ص ۴۴- ۴۳' الدر المنثور ج ۵ ص ۵۲۱- ۵۱۹' روح المعانی جز ۱۱ ص ۱۵۶- ۱۵۵' تفسیر ابو السعود ج ۴ ص ۲۴۶)

حضرت ادریس کو اوپر اٹھانے اور ان کی زندگی میں علماء اور مفسرین کا اختلاف

قرآن مجید میں ہے و رفعناہ مکانا علیا (مریم: ۵۷) ''ہم نے ادریس کو بلند جگہ پر اٹھالیا'' بعض علماء نے کہا اس سے کسی جگہ پر اٹھانا مراد نہیں ہے حتیٰ کہ حضرت ادریس کا آسمان پر ہونا لازم آئے بلکہ اس سے مراتب کی بلندی مراد ہے یعنی ان کے درجات کو بلند کیا۔ سید ابو الاعلیٰ مودودی نے یہی معنی کیا ہے لیکن اس پر یہ اعتراض ہے کہ قرآن مجید میں ہے ہم نے ان کو بلند جگہ پر اٹھالیا اور یہ درجات کی بلندی کے منافی ہے۔

کعب کی روایت میں ہے کہ حضرت ادریس کی روح چھٹے آسمان پر قبض کر لی گئی۔ حضرت ابن عباس کا بھی یہی قول ہے' مجاہد اور حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ وہ چوتھے آسمان پر ہیں اور زید بن اسلم نے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ حضرت ادریس جنت میں زندہ ہیں۔

امام الحسین بن مسعود بغوی متوفی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں:

اس میں اختلاف ہے کہ حضرت ادریس آسمان پر زندہ ہیں یا فوت شدہ ہیں' بعض نے کہا وہ فوت شدہ ہیں اور بعض نے کہا وہ زندہ ہیں۔ انہوں نے کہا چار نبی زندہ ہیں دو زمین پر ہیں خضر اور الیاس اور دو آسمان میں ہیں ادریس اور عیسیٰ علیہم السلام۔ (معالم التنزیل ج ۳ ص ۱۶۷' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ)

امام رازی متوفی ۶۰۶ھ اور علامہ ابو الحیان اندلسی متوفی ۷۵۴ھ نے لکھا ہے کہ ایک فرشتہ ان کا دوست تھا وہ ان کو چوتھے

آسمان پر لے گیا وہاں ان کی روح قبض کر لی گئی۔ (تفسیر کبیر ج ۷ ص ۵۵۰' البحر المحیط ج ۷ ص ۲۷۶)

قاضی بیضاوی نے لکھا ہے کہ مکانا علیا سے مراد ہے ان کو شرف نبوت اور مقام قرب عطا کیا گیا' ایک قول یہ ہے کہ وہ جنت میں ہیں ایک قول یہ ہے کہ وہ چھٹے آسمان میں ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ وہ چوتھے آسمان میں ہیں۔

(تفسیر البیضاوی مع عنایۃ القاضی ج ۶ ص ۲۸۶۔۲۸۵' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ)

حضرت ادریس کے متعلق قول فیصل

ہمارے نزدیک یہ بات تو حتمی ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام کو بلند جگہ پر اٹھانے سے ان کے درجات کی بلندی مراد نہیں ہے۔ انہیں زمین سے اوپر اٹھا کر لے جایا گیا تھا اور صحیح بات یہی ہے کہ وہ اب زندہ نہیں ہیں' رہا یہ کہ ان کو موت کس جگہ آئی زمین پر یا آسمان پر' اور یہ کہ وہ اب جنت میں ہیں یا نہیں' سو اس بارے میں مختلف روایات ہیں اور اس سلسلہ میں ہمارے لیے فیصلہ کرنا بہت مشکل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے نبیوں میں سے انعام کیا جو آدم کی اولاد سے ہیں اور ان لوگوں (کی نسل) سے ہیں جن کو ہم نے نوح کے ساتھ (کشتی میں) سوار کیا تھا اور جو ابراہیم اور یعقوب کی اولاد سے ہیں اور جو ان میں سے ہیں جن کو ہم نے ہدایت دی اور چن لیا' جب ان پر رحمٰن کی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ سجدہ کرتے ہوئے اور روتے ہوئے گر پڑتے ہیں ○ (مریم: ۵۸)

سجدہ تلاوت کرنے کے آداب

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جتنے انبیاء علیہم السلام کا ذکر فرمایا تھا ان سب کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں جمع فرمایا اور ان سب کی تعریف اور تحسین فرمائی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو آدم کی اولاد سے ہیں اس سے مراد حضرت ادریس اور حضرت نوح ہیں' پھر فرمایا اور ان لوگوں (کی نسل) سے جن کو ہم نے نوح کے ساتھ (کشتی میں) سوار کیا تھا اس سے مراد حضرت ابراہیم ہیں کیونکہ وہ سام بن نوح کی اولاد سے ہیں' پھر فرمایا جو ابراہیم کی اولاد سے ہیں اس سے مراد حضرت اسماعیل' حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب ہیں' پھر فرمایا جو حضرت اسرائیل (یعقوب) کی اولاد سے ہیں اس سے مراد حضرت موسیٰ' حضرت ہارون' حضرت زکریا' حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام ہیں۔

پس حضرت ادریس علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے لیے حضرت آدم علیہ السلام کے قریب ہونے کا شرف ہے' اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے حضرت نوح علیہ السلام کے قریب ہونے کی فضیلت ہے' اور حضرت اسماعیل' حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قرب کی خصوصیت ہے۔

اس کے بعد ان انبیاء علیہم السلام کا خضوع اور خشوع اور خوف خدا بیان فرمایا کہ جب ان پر رحمٰن کی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ خوف خدا سے روتے ہیں اور سجدہ میں گر پڑتے ہیں۔ رحمٰن کی آیتوں سے مراد ان نبیوں کے صحائف کی آیتیں ہیں یا اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدت اور قدرت کی نشانیاں ہیں' الکیا نے کہا اس سے مراد قرآن مجید کی آیتیں ہیں اور اس میں یہ دلیل ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام پر قرآن مجید کی آیتیں تلاوت کی جاتی تھیں۔

یہ آیت سجدہ ہے اور جو شخص آیت سجدہ پر سجدہ کرے اس پر لازم ہے کہ اس آیت کے مناسب جو آیات ہوں ان کے ساتھ دعا کرے' مثلاً جو شخص الم السجدۃ کی آیت سجدہ پر سجدہ کرے وہ یہ دعا کرے اے اللہ! مجھے اپنی رضا کے لیے سجدہ ریز

ہونے والوں میں سے بنادے اوراپنی حمد کرنے والوں میں سے بنادے اور میں اس سے تیری پناہ میں آتا ہوں کہ میں تیرا حکم سن کر تکبر کروں' اور جب اس سورت کی آیت سجدہ کو پڑھے تو یہ دعا کرے اے اللہ! مجھے اپنے ان بندوں میں سے بنادے جن پر تو نے انعام کیا ہے جو تیری آیات کی تلاوت کرتے وقت روتے ہوئے سجدہ میں گر جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر ان کے بعد ایسے ناخلف آئے جنہوں نے نمازیں ضائع کیں اور خواہشات کی پیروی کی تو عنقریب وہ غَیّ (ہلاکت) میں جا گریں گے○ (مریم:۵۹)

تعدیل ارکان میں کمی کی وجہ سے نمازوں کو ضائع کرنا

نیک اولاد کو خلف (لام کی زبر) کہتے ہیں اور بری اولاد کو خلف (لام کی جزم) کہتے ہیں۔

(المحکم والمحیط الاعظم ج ۵ ص ۱۹۷' قاموس ج ۳ ص ۱۹۹)

نمازوں کو ضائع کرنے کا ایک معنی یہ ہے کہ نماز کے حقوق اور اس کے واجبات کی رعایت نہ کی جائے' مثلاً انسان نماز میں تعدیل ارکان نہ کرے جیسا کہ اس حدیث میں اس کی تصریح ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں داخل ہوئے آپ کے بعد ایک اور شخص مسجد میں داخل ہوا اور اس نے نماز پڑھی' پھر اس نے آ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا آپ نے اس کے سلام کا جواب دیا اور فرمایا واپس جاؤ اور پھر نماز پڑھو' کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی۔ وہ واپس گیا اور پہلے کی طرح نماز پڑھی' پھر آیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا آپ نے پھر فرمایا واپس جاؤ اور (دوبارہ) نماز پڑھو تم نے نماز نہیں پڑھی' تین بار اس طرح ہوا' پھر اس نے کہا اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں اس سے زیادہ اچھی نماز نہیں پڑھ سکتا' آپ مجھے تعلیم دیجئے' آپ نے فرمایا: جب تم نماز پڑھنے کھڑے ہو تو اللہ اکبر کہو' پھر تم جتنا قرآن آسانی کے ساتھ پڑھ سکتے ہو اتنا قرآن پڑھو' پھر رکوع کرو حتیٰ کہ اطمینان سے رکوع کرو' پھر رکوع سے اٹھ کر کھڑے ہو حتیٰ کہ سیدھے کھڑے ہو جاؤ' پھر سجدہ کرو حتیٰ کہ اطمینان سے سجدہ کرو' پھر سجدہ سے سر اٹھا کر بیٹھو حتیٰ کہ اطمینان سے بیٹھ جاؤ اور اپنی تمام نمازیں اس طرح پڑھو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۵۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۹۷' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۸۵۶' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۰۳' سنن النسائی رقم الحدیث: ۸۸۴)

ابو وائل بیان کرتے ہیں کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے دیکھا ایک شخص نماز میں رکوع اور سجدہ کامل طریقہ سے نہیں کر رہا تھا' جب وہ نماز پڑھ چکا تو انہوں نے اس شخص سے کہا تم نے نماز نہیں پڑھی اور اگر تم مر گئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف کرتے ہوئے مرو گے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۸۹' ۷۹۱' ۸۰۸)

زید بن وہب بیان کرتے ہیں کہ حضرت حذیفہ نے ایک شخص کو دیکھا وہ ارکان نماز میں کمی کرتے ہوئے نماز پڑھ رہا تھا' حضرت حذیفہ نے اس سے پوچھا تم کتنے عرصہ سے اس طرح نماز پڑھ رہے ہو اس نے کہا چالیس سال سے' حضرت حذیفہ نے کہا تم نے چالیس سال سے نماز نہیں پڑھی اور اگر تم اسی طرح نماز پڑھتے ہوئے مر گئے تو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف پر عمل کرتے ہوئے مرو گے' پھر فرمایا ایک آدمی نماز تخفیف سے پڑھتا ہے' لیکن رکوع و سجود مکمل کرتا ہے اور اچھی طرح نماز پڑھتا ہے۔ (مطلب یہ ہے کہ لمبی نمازیں پڑھنا مقصود نہیں ہے بلکہ تعدیل ارکان کے ساتھ نماز پڑھنا مقصود ہے۔)

(سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۳۱۱)

مستحب وقت کے بعد نماز پڑھ کر نمازوں کو ضائع کرنا

نماز کو بہت تاخیر سے پڑھنا یہ بھی نماز کو ضائع کرنا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ یہ منافق کی نماز ہے وہ بیٹھ کر سورج کا انتظار کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ جب سورج دو سینگوں کے درمیان ہوتا ہے تو وہ کھڑا ہو کر چار ٹھونگیں مار لیتا ہے اور اس میں وہ اللہ کا بہت کم ذکر کرتا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۲۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۱۳' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۰' سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۱۱)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تم پر ایسے حاکم ہوں گے جو نماز کو اس کے وقت سے مؤخر کر کے پڑھیں گے یا نماز کو اس کا وقت ضائع کر کے پڑھیں گے۔ میں نے عرض کیا پھر آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: تم نماز کو اس کے وقت پر پڑھ لو' پھر اگر تم ان کے ساتھ نماز کو پاؤ تو پڑھ لو وہ تمہاری نفلی نماز ہوگی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۳۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۴۸' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۷۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۲۵۶)

علامہ ابوسلیمان خطابی متوفی ۳۸۸ھ لکھتے ہیں:

اکثر وہ لوگ جو جلدی جلدی چند ٹھونگیں مار کر نماز پڑھتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو سستی کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں ان کو نماز پڑھنے میں کوئی ذوق آتا ہے نہ خوشی ہوتی ہے' یہ لوگ جب کسی دنیادار رئیس یا کسی مقتدر شخصیت کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں تو یہ خواہ کتنی دیر کھڑے رہیں ان کو تھکاوٹ اور اکتاہٹ نہیں ہوتی' لیکن اگر انہیں با جماعت نماز میں امام کے پیچھے کچھ دیر کھڑا ہونا پڑے تو ان کو سخت تھکاوٹ' اکتاہٹ اور بدمزگی ہوتی ہے اور یہ امام کو بہت برا کہتے ہیں۔

(معالم السنن ج ۱ ص ۲۱۶ مع مختصر سنن ابوداؤد' مطبوعہ دارالمعرفت بیروت)

نوافل سے فرائض میں کمی کی تلافی اور تدارک

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے دن بندہ کے اعمال سے جس چیز کا سب سے پہلے حساب لیا جائے گا وہ اس کی نماز ہے' اگر نماز صحیح ہے تو وہ کامیاب اور کامران ہو گیا اور اگر نماز فاسد ہے تو وہ ناکام اور نقصان زدہ ہو گیا۔ اگر اس کے فریضہ میں کوئی کمی ہو تو رب تبارک وتعالیٰ فرمائے گا دیکھو میرے بندہ کا کوئی نفل ہے' پھر فریضہ میں جو کمی ہو گی اس کو نفل سے پورا کیا جائے گا۔ پھر اس کے باقی اعمال کا حساب بھی اسی طرح ہوگا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۸۶۴' سنن الترمذی رقم الحدیث ۴۱۳' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۶۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۴۲۵' مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۰' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۴ ص ۱۴۶' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۳۱۷' المستدرک ج ۱ ص ۲۶۲)

علامہ محمد بن عبداللہ ابن العربی متوفی ۵۴۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ بھی احتمال ہے کہ اس کے فرائض کی تعداد میں جو کمی رہ گئی ہے وہ نوافل سے پوری کر دی جائے گی' اور یہ بھی احتمال ہے کہ فرائض کے خضوع اور خشوع میں جو کمی رہ گئی ہے وہ نوافل سے پوری کر دی جائے گی' اور میرے نزدیک پہلا احتمال راجح ہے۔ (عارضۃ الاحوذی ج ۲ ص ۱۵۰' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

شیخ محمد عبد الرحمن مبارک پوری متوفی ١٣٥٣ھ لکھتے ہیں:

علامہ عراقی نے شرح ترمذی میں کہا ہے کہ اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ نماز کی سنن' اس کے آداب' خشوع' اذکار اور دعاؤں میں جو کمی رہ گئی ہے اس کو نوافل سے پورا کر دیا جائے اور اس کو فریضہ میں اس کا ثواب مل جائے۔ خواہ اس نے یہ امور فرض میں نہ کیے ہوں بلکہ نفل میں کیے ہوں' اور یہ بھی احتمال ہے کہ نماز کے فرائض اور اس کی شروط میں جو کمی رہ گئی ہو اس کو نوافل سے پورا کر دیا جائے' اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس نے جو فرض نمازیں بالکل نہ پڑھی ہوں اس کی تلافی نفل نمازوں سے ہو جائے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرض نمازوں کے عوض نوافل صحیحہ کو قبول فرمالے گا۔

(تحفۃ الاحوذی ج ٢ ص ٤٧٧' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ١٤١٩ھ)

ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی ١٠١٤ھ لکھتے ہیں:

اس کے فرائض کی مقدار اور اس کی تعداد میں جو کمی ہو گئی اس کو نوافل سے پورا کر لیا جائے گا' اور جس حدیث میں یہ ہے کہ بندہ کے نوافل اس وقت تک قبول نہیں ہوتے جب تک فرائض ادا نہ کر لیے جائیں وہ حدیث ضعیف ہے۔

(المرقات ج ٣ ص ٢١٨' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان' ١٣٩٠ھ)

فرض نہ پڑھنے سے نفل نامقبول ہونے کی حدیث ضعیف ہے

ملا علی قاری نے جس حدیث کا حوالہ دیا ہے وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا قول ہے' اس کو حافظ ابو نعیم متوفی ٤٣٠ھ نے روایت کیا ہے۔ حلیۃ الاولیاء ج ١ ص ٣٦' مطبوعہ دار الکتاب العربی ١٤٠٧ھ' حلیۃ الاولیاء ج ١ رقم الحدیث: ٨٣' مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت' ١٤١٨ھ' جامع الاحادیث الکبیر ج ١٣ ص ٥٣' جمع الجوامع ج ١١ ص ٤٣' مسند ابوبکر رقم: ١٨٩' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ١٤٢٠ھ۔

اس حدیث کی سند میں ایک راوی ہے فطر بن خلیفہ' یہ ١٥٣ھ یا ١٥٥ھ میں فوت ہو گیا تھا ہر چند کہ بعض لوگوں نے اس کی تعدیل کی ہے لیکن اکثر ائمہ حدیث نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے' امام دار قطنی نے کہا اس کی حدیث سے استدلال نہیں کیا جاتا' امام ابن سعد نے کہا لوگ اس کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔ ابوبکر بن عیاش نے کہا میں نے اس کے بدمذہب ہونے کی وجہ سے اس سے حدیث کی روایت ترک کر دی۔ احمد بن یونس نے کہا میں اس کے پاس سے گزرتا تو اس کو کتے کی مثل ترک کر دیتا' ابن معین نے کہا یہ ثقہ شیعی ہے' عبداللہ بن احمد نے کہا یہ متشیع ہے' جوزجانی نے کہا یہ گمراہ غیر ثقہ ہے۔

(میزان الاعتدال ج ٥ ص ٤٤١' رقم: ٦٧٨٤' تہذیب الکمال ج ١٥ ص ١٢٣' طبع جدید ج ٢ ص ١١٠٥ طبع قدیم' تہذیب التہذیب ج ٨ ص ٢٦٢' رقم: ٥٦٥٧' طبع جدید ج ٨ ص ٣٠١ طبع قدیم' التاریخ الکبیر ج ٧ ص ١٣٩ رقم: ٦٢٥)

نوافل سے تدارک نہ ہونے کا رد قرآن' حدیث اور تصریحات علماء سے

خلاصہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص کے فرائض پورے نہ ہوں تو اس کے نوافل باطل نہیں ہوتے' اور جس اثر میں یہ مذکور ہے کہ بندہ کے نوافل قبول نہیں ہوتے حتیٰ کہ فرائض ادا کر لیے جائیں اس کی سند ضعیف ہے' اور درایت کا بھی یہی تقاضا ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝ (الزلزال: ٨-٧)

پس جس نے ایک ذرہ کے برابر بھی نیکی کی ہو گی وہ اس کی جزا پائے گا ۝ اور جس نے ایک ذرہ کے برابر بھی برائی کی ہو گی وہ اس کی سزا پائے گا ۝

سواس آیت کے موافق جس شخص کے جس قدر فرائض رہ گئے ہیں وہ ان کی سزا کا مستحق ہوگا اور جس شخص نے جتنے نوافل ادا کیے ہیں وہ ان کی جزا کا مستحق ہوگا' اللہ تعالیٰ کسی کی ایک ذرہ کے برابر نیکی کو بھی ضائع نہیں فرماتا وہ فرائض میں کمی کی وجہ سے کسی شخص کے ساری عمر کے پڑھے ہوئے نوافل کو کب ضائع فرمائے گا۔ علاوہ ازیں سنن اربعہ کی اس صحیح حدیث میں یہ تصریح ہے کہ جس شخص کے فرائض میں کمی ہو اس کے نوافل سے وہ کمی پوری ہو جاتی ہے' خواہ فرائض میں کمی خضوع اور خشوع کے اعتبار سے ہو یا اس نے کچھ فرائض بالکل پڑھے ہی نہ ہوں۔ اور علامہ ابن العربی' علامہ عراقی اور ملا علی قاری کا یہی نظریہ ہے کہ اگر اس کے فرائض کی تعداد اور مقدار میں کمی ہو تو وہ کمی نوافل کے پڑھنے سے پوری ہو جاتی ہے اور یہ اسی وقت ہوگا جب فرائض میں کمی ہونے کے باوجود اس کے نوافل مقبول ہوں۔

امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ ھ نے اس بحث میں تفصیل سے لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان کو نوافل بہت اخلاص سے پڑھنے چاہئیں کیونکہ اگر کسی وجہ سے اس کے فرائض ضائع ہو گئے تو نوافل سے فرائض کی کمی پوری ہو جائے گی' لیکن اگر اس نے نوافل دکھاوے اور ریاکاری سے پڑھے ہیں تو پھر اس کی نجات کی کوئی صورت نہیں ہے' اور انہوں نے انہی احادیث سے استدلال کیا ہے۔ (احیاء العلوم ج ۳ ص ۲۹۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ محمد بن محمد زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام حاکم نے الکنیٰ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت پر جو چیز سب سے پہلے فرض کی ہے وہ پانچ نمازیں ہیں' اور میری امت کے جو اعمال سب سے پہلے بلند کیے جائیں گے وہ پانچ نمازیں ہیں' اور سب سے پہلے میری امت سے جس چیز کا سوال کیا جائے گا وہ پانچ نمازیں ہیں' پس جس نے ان میں سے کوئی نماز ضائع کر دی تو اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائے گا: دیکھو میرے بندے کی کوئی نفلی نماز ہے جس کے ساتھ تم اس کے فرض کی کمی کو پورا کر دو اور میرے بندے کے رمضان کے روزے دیکھو اگر اس نے ان میں سے کوئی روزہ ضائع کر دیا تو دیکھو میرے بندہ کا کوئی نفلی روزہ ہے جس سے تم اس کے روزے کی کمی کو پورا کر دو' اور میرے بندہ کی زکوٰۃ کو دیکھو اگر اس میں سے کوئی زکوٰۃ ضائع ہو گئی ہے تو دیکھو میرے بندہ کا کوئی نفلی صدقہ ہے جس کے ساتھ تم زکوٰۃ کی کمی کو پورا کر دو' سو اس طرح اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے عدل سے اس کے فرائض قبول ہوں گے اگر اس کے زائد عمل مل گئے تو ان کو میزان میں رکھ دیا جائے گا اور اس بندہ سے کہا جائے گا تم خوشی خوشی جنت میں داخل ہو جاؤ' اور اگر اس کا کوئی زائد عمل نہیں ملے گا تو دوزخ کے فرشتوں سے کہا جائے گا کہ اس کے ہاتھ پاؤں کو باندھ کر دوزخ میں پھینک دو۔ (اتحاف السادۃ المتقین ج ۸ ص ۳۲۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

آیا نوافل سے فرائض کی مقدار میں کمی کا تدارک ہوتا ہے یا اس کی کیفیت میں کمی کا

فرائض میں کمی ہو تو اس کا تدارک نوافل سے ہو جاتا ہے' حدیث میں صرف اتنا ہے' لیکن اس سے کیا مراد ہے آیا فرائض کے خضوع اور خشوع اور اخلاص کی کیفیت میں کمی ہو تو اس کا تدارک نوافل سے ہوتا ہے یا فرائض کی تعداد اور مقدار میں کمی ہو تو اس کا تدارک نوافل سے ہو جاتا ہے' اس بحث میں سب سے عمدہ تقریر حافظ ابوعمر یوسف بن عبداللہ ابن عبدالبر مالکی متوفی ۴۶۳ھ نے کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

نفل سے فرض کی تلافی اس صورت میں ہوگی کہ ایک شخص پر فرض میں سجدۂ سہو تھا اور اس نے اس کو ادا نہیں کیا' یا اس نے رکوع اچھی طرح نہیں کیا اور اس کو اس کا پتا نہیں چلا' لیکن جس شخص نے عمداً نماز کو ترک کیا' یا جو نماز پڑھنا بھول گیا پھر اس کو یاد آیا اس کے باوجود اس نے عمداً نماز نہیں پڑھی' اور وہ فرض ادا کرنے کے بجائے نوافل میں مشغول رہا حالانکہ اس کو یاد تھا کہ اس

کے ذمہ فرض پڑھنا ہے تو اب نوافل اس کے فرائض کا تدارک نہیں ہوں گے۔

(التمہید ج ۱۰ ص ۳۳۱، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۹ھ)

حافظ ابن عبدالبر نے یہ لکھا ہے کہ موخرالذکر صورت میں نوافل فرائض کا تدارک نہیں ہوں گے یہ نہیں لکھا کہ فرض نہ پڑھنے سے نفل قبول ہی نہیں ہوں گے۔ کیونکہ فرض نہ پڑھنے سے بندہ سزا کا مستحق ہوگا اور نفل پڑھنے سے بندہ اس کی جزا کا مستحق ہوگا صرف کفر اور ارتداد ایسا جرم ہے جس کی وجہ سے بندہ کے نیک اعمال ضائع ہو جاتے ہیں یا نیک اعمال قبول نہیں ہوتے اس کے علاوہ اور کسی کام سے بندہ کے نیک اعمال ضائع نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اس نظریہ کا بطلان کہ فرض نہ پڑھنے سے نفل قبول نہیں ہوتے

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ (آل عمران: ۱۹۵)

پس ان (صالحین) کے رب نے ان کی دعا قبول فرمالی کہ میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کرتا خواہ وہ مرد ہو یا عورت، تم آپس میں ایک دوسرے کے ہم جنس ہو۔

نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وَ اِنْ تَكُ حَسَنَةً یُّضٰعِفْهَا وَ یُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِیْمًا ○ (النساء: ۴۰)

بے شک اللہ ایک ذرہ برابر (بھی) ظلم نہیں کرتا اور اگر کوئی نیکی ہو تو وہ اس کو دگنا کر دیتا ہے اور خاص اپنے پاس سے اجر عظیم عطا فرماتا ہے۔

مومن کا نفل نماز پڑھنا بہرحال ایک نیک کام ہے سو اس آیت کی رو سے اللہ تعالیٰ اس کو دگنا کر دے گا اور اپنے پاس سے اس پر اجر عظیم عطا فرمائے گا، اور یہ نہیں ہو سکتا کہ بغیر کفر اور ارتداد کے اس کے نوافل کو قبول نہ فرمائے یا ان کو ضائع فرما دے، اور سستی یا غفلت سے بعض فرائض کو ترک کر دینا کفر یا ارتداد نہیں ہے۔ ترک فرض کو کفر یا ارتداد قرار دینا خوارج کا مذہب ہے اہل سنت کا مذہب نہیں ہے۔

فرض اور نذرانے کی مثال کا جواب اور تحقیق مزید

بعض علماء نے لکھا ہے کہ پھر اس سے بڑھ کر احمق کون کہ اپنا مال جھوٹے سچے نام کی خیرات میں صرف کرے اور اللہ عزوجل کا فرض اور اس بادشاہ قہار کا وہ بھاری قرض گردن پر رہنے دے، شیطان کا بڑا دھوکا ہے کہ آدمی کو نیکی کے پردے میں ہلاک کرتا ہے، نادان سمجھتا ہی نہیں، نیک کام کر رہا ہوں اور یہ نہ جانا کہ نفل بے فرض نرے دھوکے کی ٹٹی ہے، اس کے قبول کی امید تو مفقود اور اس کے ترک کا عذاب گردن پر موجود۔ اے عزیز! فرض خاص سلطانی قرض ہے اور نفل گویا تحفہ و نذرانہ، قرض نہ دیجئے اور بالائی بے کار تحفے بھیجئے وہ قابل قبول ہوں گے! یوں یقین نہ آئے تو دنیا کے جھوٹے حاکموں کو ہی آزمائے۔

ہمارے نزدیک یہ عبارت وعظ اور نصیحت کے اعتبار سے تو درست ہے اور جو شخص سرے سے فرائض پڑھتا ہی نہ ہو اور نوافل پڑھنے پر کمربستہ ہو یا جیسے ان پڑھ عوام فرض نمازیں نہیں پڑھتے اور میلاد شریف اور گیارہویں شریف کی محافل کو قضا نہیں کرتے ان کو زجر و توبیخ کے لیے اس طرح کہنا صحیح ہو سکتا ہے لیکن تحقیق کے اعتبار سے یہ عبارت درست نہیں ہے کیونکہ فرض نہ پڑھنے کا بہرحال گناہ ہوگا اور نوافل پڑھنے اور میلاد شریف اور گیارہویں شریف کے صدقات کا ثواب ہوگا۔ قرآن مجید میں ہے فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ○ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ (زلزال: ۸-۷) اور یہ کہنا کہ نفل بے فرض کے قبول کی امید مفقود اس آیت کریمہ کے مقابلہ میں درست نہیں ہے۔ اور قرض اور تحفہ کی مثال بھی درست نہیں ہے کیونکہ جو قرض

[قرض خ]واہ شریف النفس اور کریم ہو وہ مقروض کے نذرانہ کو اصل قرض سے منہا کر لے گا اور اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کون کریم ہے! مثلاً ایک شخص نے کسی سے ایک ہزار روپے لینے ہیں مقروض اس کو سو روپے نذر کرتا ہے تو اگر قرض خواہ بد مزاج اور مغلوب الغضب ہو تو وہ سو روپے اس کے منہ پر مار دے گا اور کہے گا پہلے قرض ادا کرو تحفے بعد میں دینا' اور اگر قرض خواہ شریف اور کریم ہو تو اس کے سو روپے بھی قبول کر لے گا اور کہے گا میاں میں نے یہ سو روپے تمہارے قرض میں کاٹ لیے اب تمہارا قرض نو سو روپے ہے' اور اللہ تعالیٰ تو سب کریموں سے بڑھ کر کریم ہے اس لیے وہ فرائض کی تعداد میں کمی کی تلافی بندہ کے نوافل سے کر لیتا ہے' اور چونکہ وہ نیکی کو دگنا چوگنا کر دیتا ہے اس لیے کچھ عجب نہیں کہ کسی شخص کے ذمہ فرائض بہت زیادہ ہوں اور اس کے نوافل ان کے مقابلہ میں بہت کم ہوں تو وہ ان کم نوافل ہی کو دگنا چوگنا کر کے اس کے فرائض کا تدارک کر دے' آخر اسی نے تو فرمایا ہے:

وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا (النساء: ۴۰)

اور اگر کوئی نیکی ہو تو وہ اس کو دگنا کر دیتا ہے اور خاص اپنے پاس سے اجر عظیم عطا فرماتا ہے۔

سو اس کریموں کے کریم کا قیاس بد مزاج اور مغلوب الغضب لوگوں پر نہ کیجئے!

غَیّ کا معنی

مریم: ۵۹ میں فرمایا ہے پھر ان کے بعد ایسے ناخلف آئے جنہوں نے نمازیں ضائع کیں اور خواہشات کی پیروی کی تو عنقریب وہ غَیّ (ہلاکت) میں جا گریں گے۔

نمازیں ضائع کرنے کی تفسیر ابھی ہم کر چکے ہیں' غَیّ کا لغوی معنی ہے گمراہی اور ناکامی (مختار الصحاح ص ۲۸۷) اور یہاں اس سے مراد تین چیزیں ہیں (۱) وہ عنقریب گمراہی کی سزا پائیں گے جیسے قرآن مجید میں ہے یلق اثاما (الفرقان ۶۸) یعنی وہ گناہوں کی سزا پائیں گے (۲) وہ جنت کے راستہ سے گمراہ ہو جائیں گے۔ (۳) جہنم کی ایک وادی ہے جس کا نام غَیّ ہے وہ اس وادی میں جا گریں گے۔

لقمان بن عامر خزاعی بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابو امامہ صدی بن عجلان باہلی رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور میں نے کہا آپ مجھے کوئی حدیث سنائیں جو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو' انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر دس اواق وزنی پتھر جہنم کے کنارے سے جہنم کی گہرائی میں پھینکا جائے تو وہ پچاس سال بعد غی اور اثام تک پہنچے گا۔ میں نے پوچھا غَیّ اور اثام کیا چیزیں ہیں؟ آپ نے فرمایا: وہ جہنم کے نیچے دو کنویں ہیں جن میں دوزخیوں کی پیپ بہہ کر آتی ہے اور ان دونوں کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کیا ہے (غَیّ کا ذکر اس آیت میں ہے) اضاعوا الصلوة و اتبعوا الشهوات فسوف يلقون غيا' اور اثام کا ذکر اس آیت میں ہے: ومن يفعل ذالک یلق اثاما (الفرقان: ۶۸) جو زنا کریں گے ان کو اثام میں ڈال دیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو ان لوگوں کے جنہوں نے توبہ کی اور ایمان لائے اور نیک عمل کیے تو وہی لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر بالکل ظلم نہیں کیا جائے گا O (مریم: ۶۰)

گناہ کبیرہ کے مرتکب کی مغفرت

پہلے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی صفات بیان کیں تاکہ ہم ان کے طریقہ پر چلیں' اس کے بعد انبیاء علیہم السلام کے [بع]د کے لوگوں کی صفات بیان کیں تو ان میں پہلے ان لوگوں کا ذکر فرمایا جو انبیاء علیہم السلام کی سیرت کے برعکس تھے اور ان کے [اخر]وی انجام کو بیان کیا تاکہ ہم ان کے طریقہ سے بچیں' اور اب نیک لوگوں کا ذکر فرمایا جو توبہ کرتے ہیں اور ایمان لاتے ہیں

اور نیک عمل کرتے ہیں سو وہی لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔

اس آیت سے خوارج استدلال کرتے ہیں کہ اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ جنت میں صرف وہ لوگ داخل ہوں گے جو مومن اور صالح ہوں‘ اس سے معلوم ہوا کہ جو مومن ہے اور گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا‘ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید کی بہت آیات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ گناہ کبیرہ کے مرتکب کی بھی مغفرت فرمادے گا مثلاً یہ آیت ہے:

وَاِنَّ رَبَّکَ لَذُوْمَغْفِرَۃٍ لِّلنَّاسِ عَلٰی ظُلْمِهِمْ (الرعد:٦)

بے شک آپ کا رب لوگوں کے ظلم کے باوجود ان کو بخشنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہمیشگی کی جنتیں ہیں جن کا رحمٰن نے اپنے بندوں کے ساتھ غیب سے وعدہ کیا ہے، بے شک اس کا وعدہ پورا ہونے والا ہے ○ (مریم:٦١)

جنت اور جنتیوں کی صفات

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ نیک مسلمان جنت میں داخل ہوں گے اور اس آیت میں جنت کی صفات بیان فرمائی ہیں‘ ایک صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ جنات عدن ہیں، عدن کے معنی ہیں کسی شے کا دائمی ہونا، یعنی وہ ایسے باغ ہیں جو ہمیشہ قائم رہیں گے اس کے برخلاف دنیا کے باغات دائمی نہیں ہوتے اور خزاں کے موسم میں ان کے پتے جھڑ جاتے ہیں اور جنت ایسے باغات ہیں جن کے پتوں، پھلوں اور پھولوں میں کوئی تغیر نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ نے جنت کی دوسری صفت یہ ذکر فرمائی ہے کہ رحمٰن نے اس جنت کا اپنے بندوں کے ساتھ غیب سے وعدہ کیا ہے، اور اس کا معنی یہ ہے کہ وہ جنت ان بندوں سے غائب تھی، ان کے سامنے حاضر نہ تھی‘ اور اس کا دوسرا معنی یہ ہے وہ بندے اس جنت سے غائب تھے اور اس کا مشاہدہ نہیں کر رہے تھے‘ اور اس کا تیسرا معنی یہ ہے کہ رحمٰن نے ان بندوں سے جنت کا وعدہ کیا ہے جو غیب میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔ یعنی تنہائی میں بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں، منافقین کی طرح نہیں ہیں جو صرف لوگوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اور تنہائی میں اللہ تعالیٰ کو یاد نہیں کرتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ جنت میں سلام کے سوا کوئی لغو بات نہیں سنیں گے‘ ان کے لیے اس میں صبح و شام ان کا رزق ہو گا ○ (مریم:٦٢)

لغو اس کلام کو کہتے ہیں جو فضول، بے مقصد اور بے فائدہ ہو، فحش باتوں کو بھی لغو کلام کہتے ہیں، قرآن مجید میں ہے:

اللہ تعالیٰ مومنین اہل کتاب کی صفات میں فرماتا ہے:

وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَ قَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَ لَكُمْ اَعْمَالُكُمْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ ○ (القصص:٥٥)

اور جب وہ کوئی بے ہودہ بات سنتے ہیں تو اس سے اعراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال ہیں‘ تم کو سلام ہے، ہم جاہلوں سے بحث کرنا نہیں چاہتے ○

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم نے جمعہ کے دن امام کے خطبہ کے دوران اپنے صاحب سے کہا چپ رہو تو تم نے لغو کام کیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ٩٣٤، صحیح مسلم رقم الحدیث: ٨٥١) اس آیت میں فرمایا ہے وہ اس میں صرف سلام سنیں گے اس سے مراد ہے جنتیوں کا ایک دوسرے کو سلام کرنا، یا فرشتوں کا ان کو سلام کرنا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۝ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ۝ (الرعد: ۲۴-۲۳)

اوران کے پاس ہر دروازہ سے فرشتے آئیں گے ۝ وہ کہیں گے تم پر سلام ہو، تم کو صبر کے بدلہ میں کیسا اچھا دار آخرت ملا ہے ۝

اور یہ بھی ہوسکتا ہے اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا سلام ہو۔ قرآن مجید میں ہے:

سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ۝ (یٰسین: ۵۸) پروردگار رحیم کی طرف سے ان کو سلام کہا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ ایسی جنت ہے جس کا وارث ہم اپنے بندوں میں سے اس کو بنائیں گے جو متقی ہوگا ۝ (مریم: ۶۳)

میت کا ترکہ جو اس کے رشتہ داروں کو منتقل کیا جاتا ہے اس کو وراثت کہتے ہیں اور اس آیت میں جنت کا وارث بنانے سے مراد صرف جنت کو منتقل کرنا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے کافروں کی جنتیں مسلمانوں کو منتقل کردیں گے، اس آیت کی مکمل تفسیر الاعراف: ۴۳، تبیان القرآن ج ۴ ص ۱۴۰ میں ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم (فرشتے) صرف آپ کے رب کے حکم سے نازل ہوتے ہیں، ہمارے آگے اور ہمارے پیچھے اور جو اس کے درمیان ہے وہ سب اسی کی ملکیت ہے اور آپ کا رب بھولنے والا نہیں ہے ۝ (مریم: ۶۴)

جبریل کے زیادہ نہ آنے کی وجہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل سے فرمایا کہ آپ ہم سے ملاقات کے لیے جتنی بار آتے ہیں اس سے زیادہ کیوں نہیں آتے تو یہ آیت نازل ہوئی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۳۱، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۵۸، المستدرک ج ۲ ص ۶۱۱)

امام رازی نے لکھا ہے جب کفار نے آپ سے روح، اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے متعلق سوال کیے اور آپ نے نزول وحی کے اعتماد پر فرمادیا میں کل بتادوں گا اور وحی نازل نہیں ہوئی اس موقع پر آپ نے جبریل سے یہ کہا تھا، جب کفار یہ کہنے لگے تھے کہ (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے رب نے چھوڑ دیا اس موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

ہمارے آگے اور ہمارے پیچھے اور جو اس کے درمیان ہے سب اس کی ملکیت ہے۔ حضرت ابن عباس اور ابن جریج نے کہا دنیا کے جو معاملات ہم سے پہلے گزر چکے ہیں اور جو ہمارے بعد واقع ہوں گے اور آخر کے معاملات وہ سب اس کی ملکیت ہیں۔

اور آپ کا رب بھولنے والا نہیں ہے، یعنی جب آپ کا رب چاہتا ہے تو ہمیں آپ کی طرف بھیج دیتا ہے، اور خواہ وحی کا نزول کسی وجہ سے موخر ہو آپ کا رب آپ کو بھولنے والا نہیں ہے' اور اس کا ایک معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام اگلی اور تمام پچھلی چیزوں کا جاننے والا ہے اور وہ کسی چیز کو بھولنے والا نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آسمانوں کا اور زمینوں کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان سب کا وہی رب ہے سو اسی کی عبادت کرو اور اس کی عبادت پر ثابت قدم رہو' کیا تم اس کے کسی ہم نام کو جانتے ہو ۝ (مریم: ۶۵)

اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا نام اللہ نہیں ہے

اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے کا مالک اور مربی ہے، وہی ان سب چیزوں کا خالق ہے، وہی اس کائنات کو بنانے والا اور اس کو چلانے والا ہے اور وہی عبادت کے لائق ہے' سو تم سب اسی کی عبادت کرو، اور اس راہ میں اگر کچھ رکاوٹیں اور دشواریاں پیش آئیں تو ان سے گھبرانا مت اور اگر نزول وحی میں تاخیر ہو جائے تو آپ اس سے آزردہ

خاطر نہ ہوں اور دل جمعی سے پہلے کی طرح اس کی عبادت پر کمر بستہ رہیں اور اگر کفار طعنے دیں تو ان کی پروا نہ کریں۔
اس آیت کے آخر میں فرمایا: کیا تم اس کے کسی ہم نام کو جانتے ہو؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر میں فرمایا کیا تم اس کے کسی بیٹے کو جانتے ہو؟ یا اس کی کسی نظیر یا اس کے کسی مثیل کو جانتے ہو، حضرت ابن عباس کا دوسرا قول یہ ہے کہ کیا تم کسی ایسے شخص کو جانتے ہو جس کا نام رحمٰن ہو، بعض مفسرین نے کہا کیا تم کسی ایسے شخص کو جانتے ہو جس کا نام اللہ ہو، مشرکین اپنے بتوں کو الٰہ تو کہتے تھے لیکن انہوں نے اپنے کسی معبود یا کسی بت کا نام کبھی اللہ نہیں رکھا اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اس کائنات میں کسی کو کبھی اللہ نہیں کہا گیا۔

وَيَقُولُ الْإِنسَانُ أَإِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ أُخْرَجُ حَيًّا ﴿٦٦﴾ أَوَلَا

اور انسان کہتا ہے کہ جب میں مرجاؤں گا تو کیا میں ضرور عنقریب زندہ کر کے (قبر سے) نکالا جاؤں گا؟ ○ اور کیا

يَذْكُرُ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا ﴿٦٧﴾ فَوَرَبِّكَ

انسان یہ یاد نہیں کرتا کہ اس سے پہلے بے شک ہم نے اس کو پیدا کیا تھا حالانکہ وہ کچھ بھی نہ تھا ○ سو آپ کے رب کی قسم!

لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيَاطِينَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ﴿٦٨﴾

ہم ضرور ان سب کو اور شیطانوں کو جمع کریں گے، پھر ہم انہیں ضرور جہنم کے گرد گھٹنوں کے بل گرے ہوئے حاضر کریں گے ○

ثُمَّ لَنَنزِعَنَّ مِن كُلِّ شِيعَةٍ أَيُّهُمْ أَشَدُّ عَلَى الرَّحْمَٰنِ عِتِيًّا ﴿٦٩﴾

پھر ہم ہر گروہ سے اس کو ضرور باہر نکالیں گے جو رحمٰن پر سب سے زیادہ اکڑنے والا ہو گا ○

ثُمَّ لَنَحْنُ أَعْلَمُ بِالَّذِينَ هُمْ أَوْلَىٰ بِهَا صِلِيًّا ﴿٧٠﴾ وَإِن مِّنكُمْ

پھر بے شک ہم ان لوگوں کو خوب جانتے ہیں جو جہنم میں داخل ہونے کے زیادہ لائق ہیں ○ اور بے شک تم میں سے

إِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ﴿٧١﴾ ثُمَّ نُنَجِّي

ہر شخص ضرور دوزخ پر وارد ہو گا یہ آپ کے رب کے نزدیک قطعی فیصلہ کیا ہوا ہے ○ پھر ہم متقین کو

الَّذِينَ اتَّقَوا وَّنَذَرُ الظَّالِمِينَ فِيهَا جِثِيًّا ﴿٧٢﴾ وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ

دوزخ سے نکال لیں گے اور ظالموں کو اس میں گھٹنوں کے بل چھوڑ دیں گے ○ اور جب ان پر ہماری واضح آیات کی

آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا أَيُّ الْفَرِيقَيْنِ

تلاوت کی جاتی ہے، تو کفار مومنوں سے کہتے ہیں کہ دو فریقوں میں سے کس کا

خَيْرٌ مَّقَامًا وَّاَحْسَنُ نَدِيًّا ﴿٧٣﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ

مقام زیادہ اچھا ہے اور کس کی مجلس زیادہ بہتر ہے؟ ○ اور ہم ان سے پہلے کتنی بستیوں کو تباہ کر چکے ہیں

هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِءْيًا ﴿٧٤﴾ قُلْ مَنْ كَانَ فِى الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ

جن کا سامان اور آرائش ان سے زیادہ شاندار تھی ○ آپ کہیے جو لوگ گمراہی میں مبتلا ہوں، پھر ان کو

لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا ۚ حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ اِمَّا الْعَذَابَ

رحمٰن نے خوب ڈھیل بھی دی ہو، حتیٰ کہ وہ اس چیز کو دیکھ لیں جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے یا عذاب

وَاِمَّا السَّاعَةَ ؕ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضْعَفُ

یا قیامت ا پھر وہ عنقریب جان لیں گے کہ کس کا مقام زیادہ برا تھا اور کس کا لشکر

جُنْدًا ﴿٧٥﴾ وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى ؕ وَالْبٰقِيٰتُ

زیادہ کمزور تھا ○ اور اللہ ہدایت یافتہ لوگوں کی ہدایت کو زیادہ کرتا ہے اور باقی رہنے والی

الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ مَّرَدًّا ﴿٧٦﴾ اَفَرَءَيْتَ

نیکیاں آپ کے رب کے نزدیک ثواب کے لحاظ سے زیادہ بہتر ہیں اور انجام کے لحاظ سے (بھی) زیادہ اچھی ہیں ○ کیا آپ نے اس

الَّذِىْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿٧٧﴾ ؕ اَطَّلَعَ

شخص کو دیکھا جس نے ہماری آیتوں کے ساتھ کفر کیا اور کہا مجھے ضرور مال اور اولاد دی جائے گی ○ کیا وہ غیب پر

الْغَيْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿٧٨﴾ ۙ كَلَّا ؕ سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ

مطلع ہے یا اس نے رحمٰن سے کوئی عہد لیا ہوا ہے ○ ہر گز نہیں! ہم عنقریب اس کی باتوں کو لکھ لیں گے

وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ﴿٧٩﴾ ۙ وَّنَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ وَيَاْتِيْنَا

اور اس کے عذاب کو بڑھاتے رہیں گے ○ اور ہم ہی اس کی باتوں کے وارث ہیں اور وہ ہمارے پاس

فَرْدًا ﴿٨٠﴾ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ﴿٨١﴾ ۙ

تنہا آئے گا ○ اور انہوں نے اللہ کے سوا معبود بنا رکھے ہیں تاکہ وہ ان کے مددگار ہوں ○

كَلَّا ۚ سَيَكْفُرُونَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُونُونَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ﴿٨٢﴾

ہرگز نہیں! عنقریب وہ ان کی عبادتوں کا انکار کردیں گے اور وہ ان کے خلاف ہو جائیں گے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انسان کہتا ہے کہ جب میں مر جاؤں گا تو کیا میں ضرور عنقریب زندہ کر کے (قبر سے) نکالا جاؤں گا○ اور کیا انسان یہ یاد نہیں کرتا کہ اس سے پہلے بے شک ہم نے اس کو پیدا کیا تھا حالانکہ وہ کچھ بھی نہ تھا○ سو آپ کے رب کی قسم! ہم ضرور ان سب کو اور شیطانوں کو جمع کریں گے، پھر ہم انہیں ضرور جہنم کے گرد گھٹنوں کے بل گرے ہوئے حاضر کریں گے○ پھر ہم ہر گروہ سے اس کو ضرور باہر نکال لیں گے جو رحمٰن پر سب سے زیادہ اکڑنے والا ہوگا○ پھر بے شک ہم ان لوگوں کو خوب جانتے ہیں جو جہنم میں داخل ہونے کے زیادہ لائق ہیں○ (مریم ۶۶-۷۰)

قیامت کے دن کفار کے حشر کی کیفیت

انسان سے مراد وہ کافر ہے جو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جانے کی تصدیق نہیں کرتا، بعض مفسرین نے کہا اس سے مراد معین کافر ہے۔ پھر بعض نے کہا وہ ابوجہل ہے اور بعض نے کہا وہ ابی بن خلف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا رد کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ انسان مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے اور اٹھائے جانے پر اللہ تعالیٰ کی قدرت کا انکار کرتا ہے کیا اس کو یہ یاد نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو عدم سے وجود میں لایا تھا اور کسی چیز کو دوبارہ بنانا پہلی بار بنانے سے زیادہ آسان ہوتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا ہم ضرور ان سب کو اور شیطانوں کو جمع کریں گے، تمام لوگوں کا ایک ساتھ حشر کیا جائے گا اور کفار اور ان کو گمراہ کرنے والے شیاطین ایک ساتھ زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہوں گے اور مسلمانوں کا ان کے ساتھ ہی حشر ہوگا، لیکن ان کی یہ حالت نہیں ہوگی اور یہ اس لیے ہوگا کہ مسلمانوں کو کفار کی یہ رسوائی دیکھ کر خوشی ہو اور کافروں کو اور زیادہ غم ہو ایک غم اس لیے ہو کہ ان کا ذلت کے ساتھ حشر ہو رہا ہے اور دوسرا غم اس لیے ہو کہ ان کے دشمن اور مخالف مسلمانوں کا حشر عزت کے ساتھ ہو رہا ہے، جب کہ کفار جہنم کے گرد گھٹنوں کے بل گرے ہوئے حاضر ہوں گے، مجاہد اور قتادہ نے کہا وہ حشر کی ہولناکیوں اور شدت خوف کی وجہ سے سیدھے کھڑے نہ ہو سکیں گے اور گھٹنوں کے بل پڑے ہوں گے۔

اس کے بعد فرمایا: پھر ہم ہر گروہ سے اس کو ضرور باہر نکال لیں گے جو رحمٰن پر سب سے زیادہ اکڑنے والا ہوگا، اس آیت میں گروہ کے لیے شیعہ کا لفظ ہے، اور شیعہ سے مراد عموماً وہ فرقہ اور وہ گروہ ہوتا ہے جس کی گمراہی بہت زیادہ مشہور ہو چکی ہو، قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا (الانعام: ۱۵۹) بے شک جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور وہ گروہ در گروہ بن گئے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ پہلے تو اللہ تعالیٰ سب کافروں کو جہنم کے گرد جمع فرمائے گا پھر ان میں سے جو لوگ اپنے کفر میں زیادہ سرکش تھے ان کو دوسروں سے متمیز کر کے الگ کھڑا کر دے گا تاکہ ان کو ان کے تابعین اور مقلدین سے زیادہ عذاب دیا جائے، کیونکہ جو شخص لوگوں کے دلوں میں شبہات ڈال کر ان کو باطل پر اکساتا ہے اس کا عذاب ان لوگوں سے زیادہ ہوگا جو غفلت کی وجہ سے اس کی پیروی کرتے ہیں، قرآن مجید میں ہے:

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ ○ (النحل: ۸۸)

جن لوگوں نے کفر کیا اور دوسرے لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکا ہم ان کے عذاب پر مزید عذاب کو زیادہ کریں گے کیونکہ وہ فساد پھیلاتے تھے۔

اس لیے فرمایا کہ گمراہ لوگوں میں سے جو اللہ تعالیٰ کے خلاف زیادہ سرکشی کرتے تھے ہم ان کو دوسروں سے الگ اور ممتاز کرلیں گے تاکہ معلوم ہو کہ ان کا عذاب دوسروں سے زیادہ ہوگا۔ پھر متبوع اور تابع ہر ایک کے متعلق فرمایا: پھر بے شک ہم ان لوگوں کو خوب جانتے ہیں جو جہنم میں داخل ہونے کے زیادہ لائق ہیں۔ یعنی جو دوزخ میں داخل ہونے کے مستحق ہیں، اس آیت میں "صلیا" کا لفظ ہے اور "صلیا" کا معنی ہے گزرنا، جوہری نے کہا جب کسی شخص کو دوزخ میں پھینک کر اس میں داخل کیا جائے تو اس وقت یہ لفظ بولا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک تم میں سے ہر شخص ضرور دوزخ پر وارد ہوگا یہ آپ کے رب کے نزدیک قطعی فیصلہ کیا ہوا ہے ○ پھر ہم متقین کو دوزخ سے نکال لیں گے اور ظالموں کو اس میں گھٹنوں کے بل چھوڑ دیں گے ○ (مریم ۷۲-۷۱)

آیا دوزخ میں دخول کافروں کے ساتھ خاص ہے یا ہر شخص دوزخ میں داخل ہوگا

اس آیت کی تفسیر میں کئی وجوہ سے اختلاف ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت کفار کے ساتھ خاص ہے کیونکہ اس سے پہلی آیات کفار کے متعلق ہیں کہ ان کو دوبارہ زندہ کیے جانے کے متعلق شک ہے، اور ہم ضرور ان سب کو اور شیطانوں کو جمع کریں گے پھر ہم انہیں ضرور جہنم کے گرد گھٹنوں کے بل گرے ہوئے حاضر کریں گے اس کے بعد فرمایا اور بے شک تم میں سے ہر شخص ضرور دوزخ پر وارد ہوگا۔ اور ایک شاذ قراءت یہ ہے و ان منهم الا واردها اور ان (کافروں) میں سے ہر شخص دوزخ پر وارد ہوگا، عکرمہ اور سعید بن جبیر کا بھی یہی قول ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ مومنوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ جہنم سے دور رہیں گے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِیۡنَ سَبَقَتۡ لَہُمۡ مِّنَّا الۡحُسۡنٰۤی ۙ اُولٰٓئِکَ عَنۡہَا مُبۡعَدُوۡنَ ○ لَا یَسۡمَعُوۡنَ حَسِیۡسَہَا

بے شک جن لوگوں کے لیے ہماری طرف سے نیک انجام پہلے ہی مقدر ہو چکا ہے وہ سب جہنم سے دور ہی رکھے جائیں گے ○ وہ دوزخ کی آہٹ تک نہ سنیں گے۔ (الانبیاء: ۱۰۲-۱۰۱)

سو اگر مسلمانوں کا بھی جہنم میں ورود اور دخول ہو تو وہ اس آیت کے خلاف ہوگا' اور جو اس آیت کو عام مانتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ دوزخ کی آگ سے مسلمانوں کو دور رکھا جائے گا اور وہ آگ کی آہٹ نہیں سنیں گے اور جب وہ دوزخ میں داخل ہوں گے تو وہ ٹھنڈی ہو چکی ہوگی۔

اکثر مفسرین کا مختار یہ ہے کہ مومن اور کافر ہر شخص کا جہنم پر ورود ہوگا اور ورود کا معنی دخول ہے یعنی ہر شخص جہنم میں داخل ہوگا۔

ابوسمیہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارا ورود کے معنی میں اختلاف ہوا، ہم میں سے بعض نے کہا دوزخ میں مومن داخل نہیں ہوں گے اور بعض نے کہا سب لوگ دوزخ میں داخل ہوں گے، پھر اللہ تعالیٰ متقین کو دوزخ سے نجات دے دے گا۔ پھر میری حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے ملاقات ہوئی میں نے ان سے اس اختلاف کا ذکر کیا۔ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے ورود، دخول ہے اور ہر نیک اور بد دوزخ میں داخل ہوگا، پھر دوزخ مسلمانوں پر ٹھنڈی اور سلامتی والی بن جائے گی' جیسا کہ حضرت ابراہیم پر تھی حتیٰ کہ ان کی ٹھنڈک کی وجہ سے دوزخ چیخ و پکار کرے گی پھر اللہ تعالیٰ دوزخ سے متقین کو نجات دے دے گا اور ظالموں کو گھٹنوں کے بل دوزخ میں چھوڑ دے گا۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۳۲۹-۳۲۸ طبع قدیم، مسند احمد رقم الحدیث ۱۴۵۷۴، عالم الکتب بیروت، حافظ زین نے کہا اس کی سند حسن ہے، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۴۴۵۷ دارالحدیث قاہرہ، المستدرک ج ۴ ص ۵۸۷' مسند عبد بن حمید رقم الحدیث: ۱۱۰۷، حافظ ہیثمی نے کہا اس کے راوی ثقہ ہیں، مجمع الزوائد

ج ۷ص ۵۵، حافظ المنذری نے کہا اس کی سند صحیح ہے الترغیب ج ۴ص ۴۲۷)

خالد بن معدان نے کہا جب اہل جنت جنت میں داخل ہو جائیں گے تو آپس میں کہیں گے کیا ہمارے رب نے ہم سے یہ وعدہ نہیں کیا تھا کہ ہم دوزخ میں جائیں گے۔ ان سے کہا جائے گا کیوں نہیں! لیکن جب تم دوزخ سے گزرے تھے تو وہ ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ (زاد المسیر ج ۵ص ۲۵۵، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس مسلمان کے تین (نابالغ) بچے فوت ہو گئے ہوں (اور اس نے ان پر صبر کیا ہو) وہ دوزخ میں صرف قسم پوری کرنے کے لیے داخل ہو گا اور قسم سے مراد ہے **وان منکم الا واردھا۔**
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۲۵۱، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۳۲، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۰۶۰، سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۸۷۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۶۰۳، معالم التنزیل ج ۳ص ۱۴۰۹)

اس حدیث سے بھی یہ واضح ہوتا ہے کہ مسلمان بھی دوزخ میں داخل ہوں گے لیکن اللہ تعالیٰ ان کو دوزخ سے نجات دے دے گا۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگ دوزخ میں داخل ہوں گے پھر اپنے اعمال کی وجہ سے اس سے نکل جائیں گے بعض پلک جھپکنے کی طرح نکل جائیں گے بعض تیز رفتار گھوڑے کی طرح، بعض شتر سوار کی طرح اور بعض تیز رفتار چلنے والے شخص کی طرح۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۵۹، المستدرک رقم الحدیث: ۳۴۲۱)

اس مسئلہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی نافع بن ارزق خارجی سے بحث ہوئی۔ آپ نے فرمایا: میں اور تو دونوں دوزخ میں داخل ہوں گے، رہا میں تو مجھے اللہ تعالیٰ اس سے نجات دے دے گا اور رہا تو، تو میں یہ گمان نہیں کرتا کہ تجھے اللہ تعالیٰ دوزخ سے نجات دے گا کیونکہ تو اس آیت کی تکذیب کرتا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۱ص ۵۹)

دوزخ میں دخول پل صراط سے گزرنا ہے

حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، قتادہ اور کعب الاحبار وغیرہم سے یہ بھی مروی ہے کہ ورود سے مراد دوزخ میں دخول نہیں ہے بلکہ اس سے مراد پل صراط سے گزرنا ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے امام مسلم نے ایک طویل حدیث روایت کی ہے اس میں مذکور ہے کہ پھر دوزخ کے اوپر ایک پل بچھایا جائے گا اور شفاعت کی اجازت مل جائے گی اور انبیاء کرام کہیں گے اے اللہ سلامت رکھ، اے اللہ سلامت رکھ، آپ سے پوچھا گیا یا رسول اللہ! وہ پل کیا چیز ہے آپ نے فرمایا: وہ ایک پھسلواں جگہ ہوگی اور اس میں دندانے دار کانٹے ہوں گے، وہ لوہے کے کانٹے سعدان نامی جھاڑی کے کانٹوں کی طرح ہوں گے۔ بعض مسلمان اس پل سے پلک جھپکنے میں گزر جائیں گے بعض بجلی کی طرح، بعض آندھی کی طرح۔ بعض پرندوں کی طرح، بعض تیز رفتار اعلیٰ نسل کے گھوڑوں کی طرح اور بعض اونٹوں کی طرح، یہ سب صحیح سلامت پار پہنچ جائیں گے اور بعض مسلمان کانٹوں سے الجھتے ہوئے پار پہنچیں گے اور بعض مسلمان کانٹوں سے زخمی ہو کر جہنم میں گر جائیں گے' اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے جو مومن نجات پا کر جنت میں چلے جائیں گے وہ اپنے ان مسلمان بھائیوں کو جو جہنم میں پڑے ہوں گے جہنم سے چھڑانے کے لیے (بہ طور ناز) اللہ تعالیٰ سے ایسا جھگڑا کریں گے جیسے کوئی شخص اپنا حق مانگنے کے لیے بھی کسی سے جھگڑا نہیں کرتا' اور اللہ تعالیٰ کی جناب میں عرض کریں گے: اے ہمارے رب! یہ لوگ ہمارے ساتھ روزے رکھتے تھے، ہمارے ساتھ نمازیں پڑھتے تھے،

ہمارے ساتھ حج کرتے تھے، ان سے کہا جائے گا جن لوگوں کو تم پہچانتے ہو ان کو دوزخ سے نکال لو، ان لوگوں پر دوزخ کی آگ حرام کردی جائے گی پھر جنتی مسلمان کثیر تعداد میں ان لوگوں کو دوزخ سے نکال لائیں گے جن میں سے بعض کی نصف پنڈلیوں کو اور بعض کو گھٹنوں تک دوزخ کی آگ نے جلا ڈالا تھا، الحدیث۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۳، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۵۸۱)

اس حدیث سے پل صراط پر استدلال کیا گیا ہے اور یہ کہا گیا ہے کہ دوزخ میں داخل ہونے سے مراد پل صراط سے گزرنا ہے اور اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ مسلم اور کافر سب دوزخ میں داخل ہوں گے۔

بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ جہنم میں ورود سے مراد یہ ہے کہ لوگ جہنم کو جھانک کر دیکھیں گے اور اس پر مطلع ہوں گے' کیونکہ لوگ حساب و کتاب کی جگہ پر حاضر ہوں گے اور وہ جہنم کے قریب ہے، پس وہ حالت حساب میں جہنم کو دیکھیں گے پھر اللہ تعالیٰ متقین کو دوزخ سے نجات دے دے گا جس کو انہوں نے دیکھا تھا اور ان کو جنت میں بھیج دے گا' اور کافروں کو دوزخ میں بھیجنے کا حکم دے گا، یہ لوگ کہتے ہیں کہ ورود کا معنی دخول ضروری نہیں ہے بلکہ ورود کسی جگہ کے دیکھنے کو بھی کہتے ہیں جیسے قرآن مجید میں ہے:

وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ (القصص: ۲۳) جب موسیٰ مدین کے پانی پر وارد ہوئے۔

اس کا معنی ہے اس پانی کے نزدیک پہنچے نہ یہ کہ اس پانی میں داخل ہوئے۔

مسلمانوں کے دخول نار سے مراد ان پر بخار آنا ہے

بعض علماء کا یہ نظریہ ہے کہ مسلمانوں کو دنیا میں جو بخار آتا ہے وہی ان کے حق میں دوزخ میں داخل ہونا ہے، اور جن مسلمانوں کو دنیا میں بخار آ گیا وہ آخرت میں دوزخ میں داخل نہیں ہوں گے۔

حافظ ابو عمر ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں:

ایک جماعت نے کہا ہے کہ مومن کو دوزخ سے دور کر دیا جائے گا، وہ اس کو دیکھے گا نہ اس پر وارد ہوگا، اور دنیا میں اس کو جو بخار آیا تھا وہی اس کے حق میں دوزخ پر ورود ہوگا۔ عثمان بن اسود نے کہا دوزخ کی آگ سے مومن کا حصہ دنیا میں بخار آنا ہے۔ سو وہ آخرت میں دوزخ پر وارد نہیں ہوگا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بخار والے مریض کی عیادت کی میں بھی آپ کے ساتھ تھا' آپ نے اس سے فرمایا تمہیں خوش خبری ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ میری آگ ہے جس کو میں بندۂ مومن کے اوپر مسلط کرتا ہوں تا کہ یہ اس کے لیے آخرت کی آگ کا حصہ ہو جائے۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۷۰، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۲۹، مسند احمد ج ۲ ص ۴۴۰، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۸۸، المستدرک ج ۱ ص ۳۴۵، المسند الجامع رقم الحدیث: ۱۳۹۶۷)

ابو ریحانہ انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بخار دوزخ کی بھٹی ہے اور یہ مومن کا آگ سے حصہ ہے۔ (الترغیب والترہیب ج ۴ ص ۲۷۰، الاستذکار رقم الحدیث: ۱۱۷۵۲)

اس کی تائید میں وہ احادیث بھی ہیں جس کا تقاضا یہ ہے کہ مومن پر دنیا میں جو مصائب آتے ہیں وہ اس کے لیے آگ سے حجاب بن جاتے ہیں۔

ابو النظر اسلمی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس مسلمان کے تین بچے فوت ہوں اور وہ ان پر صبر کرے تو وہ اس کے لیے دوزخ سے ڈھال بن جائیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک خاتون تھیں انہوں

نے کہا یا رسول اللہ! یا دو ہوں! آپ نے فرمایا: یا دو ہوں۔ (مؤطا امام مالک رقم الحدیث: ۲۳۵، الاستذکار رقم الحدیث: ۵۱٦)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **مومن کی اولاد اور اس کے رشتہ داروں پر ہمیشہ مصائب آتے رہیں گے حتیٰ کہ وہ اللہ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اس کا کوئی گناہ نہیں ہوگا۔**

(مؤطا امام مالک رقم الحدیث: ۲۳٦، مسند احمد ج ۲ ص ۴۵۰، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۹۱۳، المستدرک ج ۱ ص ۳۴٦، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۹۹)

اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ انسان پر اس کی اپنی جان، اس کی اولاد اور اس کے قرابت داروں پر جو مصائب آتے ہیں ان کی وجہ سے اس کے گناہ مٹ جاتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **مومن کی جان، اس کے مال اور اس کی اولاد پر مصائب آتے رہیں گے حتیٰ کہ وہ اللہ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اس کا کوئی گناہ نہیں ہوگا۔**

(الاستذکار رقم الحدیث: ۱۱۷٦۱)

خلاصہ یہ ہے کہ اس مسئلہ میں متعدد اقوال ہیں، ایک قول یہ ہے کہ صرف کفار، دوزخ میں داخل ہوں گے مسلمان داخل نہیں ہوں گے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ مومن اور کافر سب دوزخ میں داخل ہوں گے، تیسرا قول یہ ہے کہ دوزخ میں دخول سے مراد سب کا پل صراط سے گزرنا ہے، چوتھا قول یہ ہے کہ سب دوزخ کے قریب سے دوزخ کو دیکھیں گے اور پانچواں قول یہ ہے کہ مسلمانوں پر جو دنیا میں بخار آتا ہے یا دیگر مصائب آتے ہیں وہ ان کے دوزخ میں داخل ہونے کے عوض ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب ان پر ہماری واضح آیات کی تلاوت کی جاتی ہے تو کفار مومنوں سے کہتے ہیں کہ دو فریقوں میں سے کس کا مقام زیادہ اچھا ہے اور کس کی مجلس زیادہ بہتر ہے ○ اور ہم ان سے پہلے کتنی بستیوں کو تباہ کر چکے ہیں جن کا سامان اور آرائش ان سے زیادہ شاندار تھی ○ (مریم: ۷۴-۷۳)

دنیاوی فراخ دستی اور تنگ دستی حق اور باطل کا معیار نہیں ہے

مشرکین قریش جو مرنے کے بعد زندہ کیے جانے کے منکر تھے جب ان کے سامنے قیامت اور حشر اجسام پر دلائل قائم کیے گئے تو انہوں نے اس پر معارضہ کرتے ہوئے مسلمانوں سے کہا کہ اگر تم حق پر ہوتے اور ہم باطل پر ہوتے تو تم دنیا میں بہت خوش حال اور ٹھاٹھ باٹھ سے رہتے اور کفار بہت زبوں حال ہوتے' حالانکہ واقعہ اس کے برعکس ہے تم بہت غربت اور پس ماندگی کی زندگی گزار رہے ہو اور کفار بہت کشادگی اور شادمانی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا تم جس طرح عیش و عشرت کی زندگی گزار رہے ہو پچھلی امتوں کے کفار اس سے زیادہ خوشحال اور فراخی کی زندگی گزار رہے تھے لیکن ان کے کفر اور ان کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے اچانک ان پر ہمارا عذاب آ گیا اور ان کا تمام سامان عیش و عشرت ملیامیٹ کر دیا گیا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ دنیا میں کسی کی پر تعیش زندگی اس کے برحق ہونے کی علامت نہیں ہے اور کسی کی پس ماندگی اور درماندگی اس کے باطل ہونے کی دلیل نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ جو لوگ گمراہی میں مبتلا ہوں پھر ان کو رحمٰن نے خوب ڈھیل بھی دی ہو، حتیٰ کہ وہ اس چیز کو دیکھ لیں جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے یا عذاب یا قیامت! پھر وہ عنقریب جان لیں گے کہ کس کا مقام زیادہ برا تھا اور کس کا لشکر زیادہ کمزور تھا ○ اور اللہ ہدایت یافتہ لوگوں کی ہدایت کو زیادہ کرتا ہے اور باقی رہنے والی نیکیاں آپ کے رب کے نزدیک ثواب کے لحاظ سے زیادہ بہتر ہیں اور انجام کے لحاظ سے (بھی) زیادہ اچھی ہیں ○ (مریم: ۷٦-۷۵)

کفار کے مقام کا زیادہ برا ہونا اور ان کے لشکر کا زیادہ کمزور ہونا

ان آیتوں میں کفار کے شبہ کا دوسرا جواب ہے اس کی تقریر یہ ہے کہ چلو مان لیا کہ کفار کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں زیادہ ڈھیل دی ہوئی ہے' لیکن دنیا کی زندگی فانی اور متناہی ہے آخر یہ زندگی ایک دن ختم ہوگی۔ پھر پہلے ان کو موت کی سختیوں کا سامنا ہوگا' پھر عذاب قبر کا پھر حشر کا عذاب ہوگا' اور بالآخر دوزخ کا عذاب ہوگا تو پھر ان دنیاوی زندگی کی نعمتوں پر فخر اور خوشی کا کیا موقع ہے!

کفار مومنوں سے کہتے تھے کہ کس کا مقام زیادہ اچھا ہے اور کس کی مجلس زیادہ بہتر ہے۔ سو جب وہ دیکھ لیں گے کہ ان کا مقام دوزخ ہے اور دنیا میں وہ اپنی جس جمعیت اور مددگاروں پر مان رکھتے تھے جب قیامت کے دن ان میں سے کوئی ان کے کام نہیں آسکے گا تو پھر وہ جان لیں گے کہ کس کا مقام زیادہ برا تھا اور کس کا لشکر زیادہ کمزور تھا۔

اور سب دن ایک سے نہیں رہتے جس قوت اور طاقت اور عیش و عشرت پر یہ فخر کر رہے ہیں' یہ دنیا میں بھی زائل ہو جاتی ہے' اور قوت اور طاقت کے بجائے ضعف اور لاچاری' صحت کے بعد مرض اور عیش و عشرت کے بعد تنگی اور فقر کے ایام آ جاتے ہیں' اور جب مسلمان جنگوں میں فتح یاب ہوں اور کفار شکست سے دوچار ہوں تو پھر ان کا فخر و غرور دھرے کا دھرا رہ جاتا ہے اور ایسے وقتوں میں ان پر منکشف ہوگا کہ کس کا مقام زیادہ برا ہے اور کس کا لشکر زیادہ کمزور ہے۔

الباقیات الصالحات کا معنی

نیز فرمایا اللہ تعالیٰ ہدایت یافتہ لوگوں کی ہدایت کو زیادہ کرتا ہے' یعنی جو شخص اللہ پر ایمان لے آتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کے اخلاص کے سبب سے اس کی ہدایت میں اور اضافہ فرماتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کے درجات غیر متناہی ہیں۔ پہلے اسے معرفت کے ایک مرتبہ کی طرف ہدایت دیتا ہے پھر اس کے اخلاص کی وجہ سے دوسرے مرتبہ کی طرف ہدایت دیتا ہے' و علیٰ ھذا القیاس یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کے قرب کے درجات غیر متناہی ہیں' پہلے اسے ایک درجہ کا قرب عطا فرماتا ہے پھر دوسرے درجہ کا اور یہ سلسلہ یونہی چلتا رہتا ہے۔

پھر فرمایا اور باقی رہنے والی نیکیاں ثواب کے لحاظ سے آپ کے رب کے نزدیک زیادہ اچھی اور زیادہ بہتر ہیں' کفار نے اپنے عیش و آرام اور قوت اور استحکام کا مقابلہ مسلمانوں کی تنگ دستی اور ان کے ضعف سے کیا تھا۔ سو مسلمانوں کی تنگی اور ان کا ضعف عارضی ہے اور اس کے بعد ان کو جو عظیم ثواب حاصل ہوگا وہ دائمی ہے' اور کفار کو جو دنیا میں نفع حاصل ہے وہ عارضی ہے اس کے بعد ان کو آخرت میں جو ضرر لاحق ہوگا وہ دائمی اور غیر متناہی ہے۔

اور باقیات صالحات سے مراد ایمان اور اعمال صالحہ ہیں کیونکہ ان کا نفع دائمی ہے اور باقی رہنے والا ہے' اور بعض علماء نے کہا باقیات صالحات سے مراد نمازیں ہیں اور بعض نے کہا اس سے مراد وہ نیک اعمال اور صدقہ و خیرات ہیں جس سے دوسرے مسلمانوں کو نفع پہنچے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَ اَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ (الرعد: ۱۷) اور جو چیز لوگوں کو نفع دیتی ہے وہ زمین میں برقرار رہتی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے ایک بکری ذبح کی' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا اس میں سے کچھ باقی ہے؟ حضرت عائشہ نے کہا ایک شانہ باقی ہے' آپ نے فرمایا: اس شانہ کے علاوہ سب باقی ہے' یہ حدیث صحیح ہے یعنی جو اللہ کی راہ میں دے دیا وہ باقی ہے جو اپنے لیے رکھ لیا وہ فانی ہے)

(سنن الترمذی رقم الحدیث ۲۴۷۰، مسند احمد ج ۶ ص ۵۰، المسند الجامع رقم الحدیث: ۱۷۲۷۹)

بعض مخصوص تسبیحات کو بھی آپ نے باقیات صالحات فرمایا ہے:

حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے، آپ نے ایک لاٹھی سے ایک درخت کے پتے گرائے پھر فرمایا لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر و الحمد للہ و سبحان اللہ کہنے سے گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں جس طرح اس درخت کے پتے جھڑ رہے ہیں، اے ابوالدرداء اس سے پہلے کہ تمہارے اور ان کلمات کے درمیان کوئی چیز (موت) حائل ہو ان کلمات کو یاد کرلو یہ الباقیات الصالحات ہیں اور یہ جنت کے خزانوں میں سے ہیں۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ١٨٠١١)

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ کفار تو اس وقت دنیا میں آرام اور مزے سے ہیں اور یہ عالم لوگ ہمیں آخرت کے وعدہ پر بہلاتے رہتے ہیں' اس کا جواب یہ ہے کہ ایمان نام ہی غیب پر یقین رکھنے اور اس کو ماننے کا ہے اور جس شخص کو جنت اور اس کی نعمتوں پر یقین نہیں اور وہ صرف ظاہر اور مادہ پرستی پر یقین رکھتا ہے اس سے ہمارا روئے سخن نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے ہماری آیتوں کے ساتھ کفر کیا اور کہا مجھے ضرور مال اور اولاد دی جائے گی○ کیا وہ غیب پر مطلع ہے یا اس نے رحمٰن سے کوئی عہد لیا ہوا ہے○ ہرگز نہیں! ہم عنقریب اس کی باتوں کو لکھ لیں گے اور اس کے عذاب کو بڑھاتے رہیں گے○ اور ہم ہی اس کی باتوں کے وارث ہیں اور وہ ہمارے پاس تنہا آئے گا○ (مریم: ٨٠-٧٧)

العاصی بن وائل کی مذمت

حضرت خباب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں العاصی بن وائل کے پاس اپنے قرض کا تقاضا کرنے گیا، اس نے کہا میں اس وقت تک تمہارا قرض واپس نہیں کروں گا جب تک کہ تم (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ کفر نہیں کرو گے، میں نے کہا (میں آپ کے ساتھ کفر نہیں کروں گا) حتیٰ کہ تو مر جائے اور پھر تجھ کو اٹھایا جائے (حضرت خباب نے یہ اس لیے کہا کیونکہ کفار کے نزدیک موت کے بعد زندہ کیا جانا محال تھا) العاصی نے کہا میں مر جاؤں گا، پھر زندہ کیا جاؤں گا؟ میں نے کہا ہاں! اس نے کہا میرا وہاں بھی مال ہوگا اور اولاد ہوگی تو میں تمہارا قرض وہاں ادا کردوں گا۔ تب یہ آیات نازل ہوئیں:

افرءیت الذی کفر بایتنا......

صحیح البخاری رقم الحدیث: ٤٧٣٢، مسند الطیالسی رقم الحدیث: ١٠٥٤، مسند احمد ج ٥ ص ١١٠، صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢٧٩٥، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ١١٣٢٢، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ٤٨٨٥، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ٣٦٥٠)

ان آیات میں فرمایا ہے کیا وہ غیب پر مطلع ہے؟ حضرت ابن عباس نے اس کی تفسیر میں فرمایا کیا اس نے لوح محفوظ میں پڑھ لیا ہے؟ مجاہد نے کہا کیا اس کو غیب کا علم ہوگیا ہے حتیٰ کہ اس نے جان لیا کہ وہ جنت میں ہوگا یا نہیں۔

پھر فرمایا: یا اس نے رحمٰن سے کوئی عہد لیا ہوا ہے؟ قتادہ اور ثوری نے اس کی تفسیر میں کہا اس نے کوئی عمل صالح کیا ہے یا وہ توحید پر ایمان لاچکا ہے' یا اس نے اللہ سے وعدہ لے رکھا ہے، کلبی نے کہا کیا اللہ نے اس سے وعدہ کرلیا ہے کہ وہ اس کو جنت میں داخل کردے گا! اس کے بعد فرمایا، کلا! ہرگز نہیں! یعنی ان میں سے کوئی بات نہیں ہے، وہ غیب پر مطلع ہے نہ اللہ نے اس سے کوئی وعدہ کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انہوں نے اللہ کے سوا معبود بنا رکھے ہیں تاکہ وہ ان کے مددگار ہوں○ ہرگز نہیں! عنقریب وہ ان کی عبادتوں کا انکار کردیں گے اور وہ ان کے خلاف ہوجائیں گے○ (مریم: ٨٢-٨١)

بت پرستی کا رد

مشرکین قریش حشر اور دوبارہ زندہ کیے جانے کا انکار کرتے تھے اور بتوں کی عبادت کرتے تھے، اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے حشر کے ثبوت میں دلائل دیئے اور اب بت پرستی کے رد میں آیات نازل فرمائیں۔

مشرکین بتوں کی اس لیے عبادت کرتے تھے تاکہ وہ بت ان کے لیے باعث عزت اور مددگار ہوں کیونکہ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ قیامت کے دن بت ان کی اللہ تعالیٰ سے شفاعت کریں گے اور ان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے چھڑا لیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا: کلّا! ایسا ہرگز نہیں ہوگا' بلکہ وہ بت خود اپنی عبادت کرنے والوں کا رد کریں گے۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان بتوں کو زندہ کردے گا، حتیٰ کہ وہ ان لوگوں کو زجر و توبیخ کریں گے جو دنیا میں ان کی عبادت کرتے رہے تھے جس سے مشرکین کی حسرت اور ان کی مایوسی اور زیادہ ہوگی۔ ایک تفسیر یہ ہے کہ مشرکین قیامت کے دن خود ان بتوں سے بےزاری کا اظہار کریں گے اور بتوں کی عبادت کی مذمت کریں گے۔

ضد کا معنی

نیز فرمایا وہ بت ان کی ضد (ان کے خلاف) ہو جائیں گے، علامہ راغب اصفہانی ضد کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

دو ضدیں وہ چیزیں ہیں جو ایک جنس کے تحت ہوتی ہیں، اور ہر ضد اپنے اوصاف خاصہ میں دوسری ضد کے خلاف ہوتی ہے اور دونوں کے درمیان سب سے زیادہ بُعد ہوتا ہے، جیسے سیاہ اور سفید' اور شر اور خیر، اور جب تک وہ ایک جنس کے تحت نہ ہوں تو ان کو ایک دوسرے کی ضد نہیں کہا جاتا۔ مثلاً مٹھاس اور حرکت ایک دوسرے کی ضد نہیں ہیں۔ مٹھاس کی ضد کڑواہٹ ہے اور حرکت کی ضد سکون ہے۔ علماء نے کہا ہے کہ ضد ان متقابلات میں سے ایک ہے، جو دو چیزیں اپنی ذات میں مختلف ہوں اور ہر ایک دوسرے کے متقابل ہو اور ایک چیز میں بیک وقت وہ دونوں جمع نہ ہوں وہ آپس میں متقابل ہوتی ہیں۔ مثلاً دو ضدیں جیسے سیاہ اور سفید اور دو نقیضیں جیسے وجود اور عدم اور عدم اور ملکہ جیسے عمی اور بصر' اور متضایف جیسے نصف اور ضعف۔ اور بہت سے متکلمین اور اہل لغت ہر متقابل کو ضد کہتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ دو ضدیں وہ ہیں جن کا ایک محل میں جمع ہونا صحیح نہ ہو۔

کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نہ کوئی ''ند'' ہے اور نہ کوئی ''ضد'' ہے کیونکہ ''ند'' اس کو کہتے ہیں جو جوہر اور ذات میں مشترک ہو اور ''ضد'' اس کو کہتے ہیں کہ ایک جنس کے تحت دو منافی چیزیں ہوں' اور اللہ تعالیٰ جوہر ہونے سے منزہ ہے پس اللہ تعالیٰ کی کوئی ''ضد'' ہے اور نہ کوئی ''ند'' ہے۔

اور اس آیت میں جو فرمایا ہے وہ ان کی ضد ہو جائیں گے اس کا معنی ہے وہ ان کے مخالف ہو جائیں گے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّآ اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا ﴿۸۳﴾

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ ہم نے شیاطین کو کافروں پر (مسلط کرکے) بھیجا جو انہیں (برائیوں پر) برانگیختہ کرتے رہتے ہیں ○

فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ﴿۸۴﴾ يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ

سو آپ ان کے متعلق جلدی نہ کریں ہم تو صرف ان کی میعاد پوری کر رہے ہیں ○ جس دن ہم متقین کو

إِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ﴿٨٥﴾ وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ إِلٰى جَهَنَّمَ

رحمن کی طرف سواریوں پر بھیجیں گے ○ اور ہم مجرموں کو پیاسا جہنم کی طرف

وِرْدًا ﴿٨٦﴾ لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ

ہانکیں گے ○ وہی شفاعت کے مالک ہوں گے جو رحمن سے عہد لے

عَهْدًا ﴿٨٧﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ﴿٨٨﴾ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا

چکے ہیں ○ اور کافروں نے کہا رحمن نے (اپنی) اولاد بنالی ہے ○ بے شک تم نے بہت سخت بات

إِدًّا ﴿٨٩﴾ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَ

کہی ہے ○ قریب ہے کہ اس بات سے آسمان پھٹ جائیں، اور زمین شق ہو جائے اور

تَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿٩٠﴾ أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴿٩١﴾ وَمَا

پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں ○ کہ انہوں نے رحمن کے لیے اولاد کا دعویٰ کیا ○ رحمن کے

يَنْبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ أَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ﴿٩٢﴾ إِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ

یہ لائق نہیں ہے کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے ○ آسمانوں اور زمینوں میں سے

وَالْأَرْضِ إِلَّا اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ﴿٩٣﴾ لَقَدْ أَحْصٰهُمْ وَعَدَّهُمْ

ہر ایک رحمن کے سامنے بطور بندہ حاضر ہو گا ○ اللہ نے ان سب کا احاطہ کر لیا ہے اور ان کو

عَدًّا ﴿٩٤﴾ وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ﴿٩٥﴾ إِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

گن لیا ہے ○ اور قیامت کے دن ان میں سے ہر ایک اس کے سامنے تنہا پیش ہوگا ○ بے شک جو لوگ ایمان لائے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴿٩٦﴾ فَإِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ

اور انہوں نے نیک کام کیے عنقریب رحمن ان کے لیے (لوگوں کے دلوں میں) محبت پیدا کر دے گا ○ ہم نے اس قرآن کو آپ کی

بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ﴿٩٧﴾ وَكَمْ أَهْلَكْنَا

زبان میں آسان کر دیا ہے تاکہ آپ اس سے متقین کو بشارت دیں اور جھگڑالو قوم کو اس سے ڈرائیں ○ اور ہم اس سے

قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ ؕ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ۹۸ ع

پہلے کتنی صدیوں کے لوگوں کو ہلاک کر چکے ہیں کیا آپ ان میں سے کسی کو دیکھتے ہیں یا ان میں سے کسی کی آہٹ سنتے ہیں ○

الربع ۹ ع ۶ النصف

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ ہم نے شیاطین کو کافروں پر (مسلط کر کے) بھیجا جو انہیں (برائیوں پر) برانگیختہ کرتے رہتے ہیں ○ سو آپ ان کے متعلق جلدی نہ کریں ہم تو صرف ان کی میعاد پوری کر رہے ہیں ○ جس دن ہم متقین کو رحمٰن کی طرف سواریوں پر بھیجیں گے ○ اور ہم مجرموں کو پیاسا جہنم کی طرف ہانکیں گے ○ وہی شفاعت کے مالک ہوں گے جو رحمٰن سے عہد لے چکے ہیں ○ (مریم: ۸۷-۸۳)

شیاطین کو کافروں پر مسلط کرنا اور ''از'' کا معنی

مریم: ۸۳ میں مذکور ہے ان ارسلنا الشياطين على الكافرين اس کا لفظی معنی ہے ہم نے شیاطین کو کافروں پر بھیجا، لیکن امام رازی، علامہ قرطبی اور علامہ آلوسی نے کہا ہے اس کا معنی ہے ہم نے شیاطین کو کافروں پر مسلط کر دیا، نیز مفسرین نے یہ بھی کہا ہے کہ ارسلنا تسلیط کے معنی کو متضمن ہے اب اس کا ترجمہ ہوگا ہم نے شیاطین کو کافروں پر مسلط کر کے بھیجا اور ہم نے یہی ترجمہ کیا ہے۔

زجاج نے کہا اس آیت کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ ہم نے شیطانوں کے لیے کافروں کا راستہ خالی چھوڑ دیا اور ان کے لیے شیطانوں کے وسوسوں سے کوئی حفاظت نہیں کی' اور دوسرا معنی یہ ہے کہ شیطانوں کو ان پر مسلط کر دیا اور ان کے کفر کی وجہ سے ان پر شیطانوں کو قادر کر دیا (زاد المسیر) نیز اس آیت میں فرمایا ہے ''تؤزهم ازا'' یعنی جو انہیں برائیوں پر ابھارتے ہیں اور اکساتے ہیں، ''از'' کا معنی ہے کسی کو کسی کام پر برانگیختہ کرنا، اس کو بھڑکانا اور جوش میں لانا' جب دیگچی میں پانی ابلتا ہے اور جوش میں آتا ہے تو اس کے ابلنے کی آواز کو ازیز کہتے ہیں۔ حدیث میں ثابت بن مطرف اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور آپ کے سینہ سے رونے کی ایسی آواز آ رہی تھی جیسے چکی چلنے کی آواز آتی ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۹۰۴، سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۲۱۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا شیطان کافروں کو اطاعت کے بجائے معصیت کی طرف لاتے تھے، نیز انہوں نے فرمایا وہ ان کو مسلسل برے کاموں کی طرف راغب کرتے رہتے تھے حتیٰ کہ انہیں دوزخ میں پہنچا دیتے ہیں۔

اس آیت سے مقصود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تسلی دینا ہے کہ کافر جو ایمان نہیں لا رہے اس کی وجہ یہ ہے کہ شیطان ان کو بھڑکا رہے ہیں نہ یہ کہ آپ کی تبلیغ میں کوئی کمی اور قصور ہے۔

مریم: ۸۴ میں مذکور ہے آپ ان کے متعلق جلدی نہ کریں یعنی ان کے عذاب کے متعلق جلدی نہ کریں ہم تو صرف ان کی میعاد پوری کر رہے ہیں' یعنی ان کی زندگی کے دنوں اور راتوں کو گن رہے ہیں' ایک قول یہ ہے کہ ان کی سانسوں کو گن رہے ہیں' ایک قول یہ ہے ہم ان کے اعمال کو گن رہے ہیں' ایک قول یہ ہے کہ آپ جلدی نہ کریں ہم ان کو اس لیے ڈھیل دے رہے ہیں تا کہ ان کے گناہ زیادہ ہوں۔ (الجامع لاحکام القرآن)

محشر میں مومنین کا سواریوں پر سوار ہو کر جنت کی طرف جانا

مریم: ۸۵ میں مذکور ہے: جس دن ہم متقین کو رحمٰن کی طرف یعنی رحمٰن کی جنتوں کی طرف سواریوں پر بھیجیں گے، وفد کا معنی ہے امیر کے پاس جانے والے لوگ (مختار الصحاح) جو لوگ بادشاہوں کے پاس اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے جائیں ان کو وفد کہتے ہیں (المفردات) ابن جریج نے کہا متقین رحمٰن کی جنتوں کی طرف سواریوں پر سوار ہو کر جائیں گے کیونکہ عموماً کسی کے پاس وفد سواریوں پر سوار ہو کر جاتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا سنو! اللہ کی قسم! یہ لوگ پیدل نہیں جائیں گے اور نہ ان کو ہنکایا جائے گا لیکن یہ ایسی اونٹنیوں پر سوار ہوں گے کہ مخلوق نے ان جیسی اونٹنیاں نہیں دیکھی ہوں گی' ان کے پالان سونے کے ہوں گے اور ان کی مہاریں زمرد کی ہوں گی وہ ان پر سواری کریں گے حتیٰ کہ جنت کے دروازوں تک پہنچ جائیں گے۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۸۰۳۶، مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۳۴۰۰۳، المستدرک رقم الحدیث: ۳۴۷۷، مجمع الزوائد ج ۷ ص ۵۵' تاریخ بغداد ج ۳ ص ۱۴۰، اس کی سند میں عبدالرحمٰن ضعیف ہے)

عمرو بن قیس ملائی بیان کرتے ہیں کہ مومن جب قبر سے نکلے گا تو ایک حسین اور خوشبودار صورت اس کا استقبال کرے گی اور مومن سے کہے گی کہ کیا تو مجھے پہچانتا ہے؟ مومن کہے گا نہیں بے شک اللہ نے تجھے بہت پاکیزہ خوشبو دی اور تیری بہت حسین صورت بنائی، تو وہ صورت کہے گی: تو بھی دنیا میں اسی طرح تھا میں تیرا نیک عمل ہوں، میں دنیا میں بہت عرصہ تک تجھ پر سوار رہا آج تو مجھ پر سوار ہو جا پھر انہوں نے یہ آیت تلاوت کی یوم نحشر المتقین الی الرحمن و فدا۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۸۰۳۹' تفسیر السمعانی ج ۳ ص ۳۱۴)

اور کافر کا استقبال اس کا عمل بدصورت اور بدبودار حالت میں کرتا ہے اور کہتا ہے تو مجھے پہچانتا ہے وہ کہتا ہے نہیں مگر یہ کہ تجھے اللہ نے بہت بدصورت اور بہت بدبودار بنایا ہے، وہ کہے گا تو بھی دنیا میں اسی طرح تھا، میں تیرا برا عمل ہوں، تو بہت عرصہ دنیا میں مجھ پر سوار رہا آج میں تجھ پر سواری کروں گا۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۱ ص ۱۴۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

مریم: ۸۶ میں ہے: اور ہم مجرموں کو پیاسا جہنم کی طرف ہانکیں گے۔ اس آیت میں ''وردا'' کا لفظ ہے ورد کا اصل معنی ہے پانی کا قصد کرنا، ابن عرفہ نے کہا ورد اس قوم کو کہتے ہیں جو پانی پر جاتی ہے، اس لیے جو لوگ پانی کی طلب میں پانی پر جاتے ہیں ان کو بھی ورد کہتے ہیں اس آیت کا معنی ہے مجرموں کو پیاسا ننگے پیر پیدل فوج در فوج جہنم کی طرف ہانکا جائے گا۔

مومنوں کا رحمٰن سے لیا ہوا عہد

مریم: ۸۷ میں ہے: وہی شفاعت کے مالک ہوں گے جو رحمٰن سے عہد لے چکے ہیں۔ امام ابن جریر نے کہا عہد سے مراد اللہ پر ایمان لانا، اس کے رسول کی تصدیق کرنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے پاس سے جو کچھ لے کر آئے اس کا اقرار کرنا اور جو کچھ آپ نے حکم دیا اس پر عمل کرنا ہے۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا عہد سے مراد ہے لا الہ الا اللہ کی شہادت دینا اور اللہ کے سوا گناہوں سے پھرنے اور نیکیوں کی طاقت سے اظہار برأت کرنا، اور اللہ کے سوا کسی سے امید نہ رکھنا، ابن جریج نے کہا عہد سے مراد اعمال صالحہ ہیں۔

(جامع البیان جز ۱۶ ص ۱۶۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا کیا تم میں سے کوئی شخص اس بات سے عاجز ہے کہ وہ ہر صبح اور شام اللہ تعالیٰ سے عہد لے، پوچھا گیا یا رسول اللہ! وہ کیسے

آپ نے فرمایا: وہ ہر صبح اور شام کو یہ کہے اے اللہ آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے والے، غیب اور شہادت کو جاننے والے میں تیری طرف اس دنیا کی زندگی میں یہ عہد کرتا ہوں کہ میں یہ شہادت دوں گا کہ تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' تو واحد ہے اور تیرا کوئی شریک نہیں ہے' اور بے شک محمد تیرے بندے اور تیرے رسول ہیں تو مجھے میرے نفس کی طرف نہ سونپ دینا، کیونکہ اگر تو نے مجھے میرے نفس کی طرف سونپ دیا تو وہ مجھے خیر سے دور اور شر سے قریب کر دے گا اور میں تیری رحمت کے سوا اور کسی چیز پر اعتماد نہیں کرتا' پس تو میرے لیے اپنے پاس عہد کر لے جس کو تو قیامت کے دن پورا کرے گا بے شک تو وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔ پس جب وہ یہ کلمات پڑھ لے گا تو اللہ ان کلمات پر مہر لگا کر ان کو عرش کے نیچے رکھ دے گا اور جب قیامت کا دن ہو گا تو ایک منادی یہ ندا کرے گا، کہاں ہیں وہ لوگ جن کا اللہ کے پاس عہد ہے پھر وہ لوگ کھڑے ہو جائیں گے اور جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۱ ص ۷۶، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۸۹۱۷، المستدرک رقم الحدیث: ۳۴۱۸)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور کافروں نے کہا رحمٰن نے (اپنی) اولاد بنالی ہے ○ بے شک تم نے بہت سخت بات کہی ہے ○ قریب ہے کہ اس بات سے آسمان پھٹ جائیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں ○ کہ انہوں نے رحمٰن کے لیے اولاد کا دعویٰ کیا ○ رحمٰن کے یہ لائق نہیں ہے کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے ○ آسمانوں اور زمینوں میں سے ہر ایک رحمٰن کے سامنے بطور بندہ حاضر ہو گا ○ اللہ نے ان سب کا احاطہ کر لیا ہے اور ان کو گن لیا ہے ○ اور قیامت کے دن ان میں سے ہر ایک اس کے سامنے تنہا پیش ہو گا ○ (مریم: ۹۵۔۸۸)

ان کافروں کی مذمت جنہوں نے رحمٰن کے لیے بیٹا گھڑ لیا

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے بتوں کی عبادت کرنے والوں کا رد فرمایا تھا اور ان آیات میں اب ان کافروں کا رد فرما رہا ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد مانتے تھے، یہود کہتے تھے عزیر اللہ کے بیٹے ہیں اور نصاریٰ کہتے تھے کہ المسیح اللہ کے بیٹے ہیں، (التوبہ: ۳۰) اور مشرکین عرب کہتے تھے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا لقد جئتم شیئا ادا، بے شک تم نے بہت سخت بات کہی ہے، علامہ راغب نے کہا ہے کہ ''ادا'' کا معنی ہے ایسا برا کام جس کے کرنے سے شور مچ جائے' اور ابن خالویہ نے کہا تعجب خیز بات، یعنی رحمٰن کا بیٹا کہنا ایسا برا کلمہ ہے جس کے کہنے سے شور مچ جائے یا جس پر لوگ بہت تعجب کریں۔

''ھدا'' کا معنی ہے دیوار گرنے کی آواز، تخر اور ھدا دونوں کا معنی گرنا ہے اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹے کا قول کرنا اللہ تعالیٰ کو سخت غضب میں لانے والی بات ہے' اگر اللہ تعالیٰ حلیم نہ ہوتا اور اس نے اپنے عذاب کو مؤخر نہ کیا ہوتا تو اس بات کے سبب وہ ایسا عذاب بھیجتا کہ آسمان پھٹ جاتا، زمین شق ہو جاتی اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جاتے۔

کہ انہوں نے رحمٰن کے لیے اولاد کا دعویٰ کیا الی آخر الایات۔ حافظ ابن کثیر نے اس کی تفسیر میں لکھا:

امام ابن ابی حاتم نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ اہل شام میں سے ایک شخص نے مسجد منیٰ میں مجھ سے بیان کیا مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا کیا اور زمین میں درختوں کو پیدا کیا تو بنو آدم جس درخت کے پاس بھی جاتے تھے تو اس سے کوئی فائدہ اٹھاتے تھے' اور وہ اسی طرح زمین اور درختوں سے فائدے اٹھاتے رہے حتیٰ کہ بنو آدم میں سے بعض فاجروں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے، اس کلمہ کو سن کر زمین کانپنے لگی اور درختوں میں کانٹے پیدا ہو گئے۔ کعب احبار نے کہا فرشتے غضب میں آ گئے اور جہنم بھڑکنے لگا۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۱۵۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اذیت

ناک باتوں کو سن کر اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی صبر کرنے والا نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا جاتا ہے اور اس کے لیے بیٹا لیا جاتا ہے اس کے باوجود وہ لوگوں کو عافیت کے ساتھ رکھتا ہے اور ان سے مصائب کو دور کرتا ہے اور ان کو رزق دیتا ہے۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۴۰۵، قدیم مسند احمد رقم الحدیث ۱۹۴۱۹ طبع دار الحدیث قاہرہ، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۳۷۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۰۴، مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۷۷۴)

رحمٰن کے یہ لائق نہیں ہے کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے یعنی اللہ کی عظمت اور جلال کے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ کسی کو اپنا بیٹا بنائے کیونکہ مخلوق میں سے کوئی اس کا کفو نہیں ہے، کیونکہ تمام مخلوق اس کی مملوک اور اس کی غلام ہے اسی لیے اس نے فرمایا: آسمانوں اور زمینوں میں سے ہر ایک رحمٰن کے سامنے بہ طور بندہ حاضر ہوگا ○ اللہ نے ان سب کا احاطہ کر لیا ہے اور ان کو گن لیا ہے ○ یعنی جب سے اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کیا ہے اور قیامت تک جن کو پیدا کرتا رہے گا وہ ان سب کی تعداد کو جانتا ہے اور یہ جانتا ہے کہ ان میں کتنے مذکر اور کتنے مونث ہیں، کتنے بچے ہیں اور کتنے بڑے، وہ ان کی زندگی کے تمام حالات اور واقعات اور مرنے کے بعد ان کی جزاء اور سزا سب کو تفصیل سے جانتا ہے اور قیامت کے دن ان میں سے ہر ایک اس کے سامنے تنہا پیش ہوگا ○ یعنی اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر اس کا کوئی مددگار نہیں ہوگا، اللہ تعالیٰ کے سوا اس کو کوئی پناہ دینے والا نہیں ہوگا، وہ اپنی مخلوق میں جو چاہے گا وہ حکم دے گا وہ عادل ہے کسی پر ایک ذرہ کے برابر ظلم نہیں کرتا، اور رحیم و کریم اور نہایت فضل کرنے والا ہے سو وہ اپنے رحم اور فضل سے اپنے بے حساب بندوں کو بخش دے گا جن کا دامن شرک سے آلودہ نہیں ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے عنقریب رحمٰن ان کے لیے (لوگوں کے دلوں میں) محبت پیدا کر دے گا ○ ہم نے اس قرآن کو آپ کی زبان میں آسان کر دیا ہے تا کہ آپ اس سے متقین کو بشارت دیں اور جھگڑالو قوم کو اس سے ڈرائیں ○ اور ہم اس سے پہلے کتنی صدیوں کے لوگوں کو ہلاک کر چکے ہیں، کیا آپ ان میں سے کسی کو دیکھتے ہیں یا ان میں سے کسی کی آہٹ سنتے ہیں ○ (مریم: ۹۸-۹۶)

اولیاء کرام کی ولایت کی دلیل

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ کسی بندہ سے محبت کرتا ہے تو جبریل کو ندا کر کے فرماتا ہے کہ بے شک اللہ فلاں بندہ سے محبت کرتا ہے سو تم اس سے محبت رکھو، پس جبریل اس سے محبت کرتا ہے، پھر جبریل آسمان والوں میں ندا کرتا ہے کہ اللہ فلاں بندہ سے محبت کرتا ہے سو تم اس سے محبت رکھو، تو اس بندہ سے آسمان والے محبت رکھتے ہیں۔ پھر زمین والوں کے لیے اس کی مقبولیت رکھ دی جاتی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۰۴۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۳۷، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۶۱، مؤطا امام مالک رقم الحدیث: ۲۰۰۶، مسند الطیالسی رقم الحدیث: ۲۴۳۶، مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۱۹۶۷۳، مسند احمد ج ۲ ص ۲۶۷، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۶۴، حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۲۵۸، الاسماء والصفات: ج ۲ ص ۲۶۰، المسند الجامع رقم الحدیث: ۱۴۱۴۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ نے صالحین اور ملائکہ مقربین کے دلوں میں مومن کی الفت، ملاحت اور محبت پیدا کر دی ہے۔

(نوادر الاصول ج ۴ ص ۸۰، مطبوعہ دار الجیل بیروت، ۱۴۱۲ھ)

انبیاء علیہم السلام، صحابہ کرام، اہل بیت عظام اور اولیاء کرام کی محبت اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں میں پیدا کر دی ہے حضرت علی ہجویری، حضرت غوث اعظم، حضرت معین الدین چشتی اور حضرت مجدد الف ثانی رحمہم اللہ ان سب اور دیگر اولیاء کرام

کی محبت اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں میں پیدا کر دی ہے اور ہم ان کی ولایت کو لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت سے پہچانتے ہیں اور ان کی ولایت کو مسلمانوں کی شہادت سے پہچانتے ہیں۔

''لُدّ'' کا معنی

مریم: ۹۷ میں فرمایا: ہم نے اس قرآن کو آپ کی زبان میں آسان کر دیا ہے یعنی ہم نے اس قرآن کو آپ کی عربی زبان میں نازل کیا ہے اور اس میں غور و فکر کرنے والوں کے لیے اس کی فہم کو آسان کر دیا ہے۔

اس آیت میں جھگڑالو کے لیے ''لُدّ'' کا لفظ ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا ''الالد'' وہ شخص ہے جو حق کو قبول نہیں کرتا اور باطل کا دعویٰ کرتا ہے، حسن نے کہا ''لُدّ'' وہ شخص ہے جو حق سننے سے بہرا ہو، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جو سخت جھگڑا کرتا ہو۔ ڈرانے کے لیے جھگڑالو کا خصوصیت کے ساتھ ذکر فرمایا ہے کیونکہ جو شخص معاند اور جھگڑالو نہ ہو اس کو سمجھانا آسان ہے۔

''رکز'' کا معنی

مریم: ۹۸ میں فرمایا: ہم اس سے پہلے کتنی صدیوں کے لوگوں کو ہلاک کر چکے ہیں یعنی لوگوں کے کتنے گروہوں کو اس آیت سے اہل مکہ کو ڈرانے کا قصد کیا گیا ہے۔

پھر فرمایا: کیا آپ ان میں سے کسی کو دیکھتے ہیں یا کسی کی آواز سنتے ہیں؟ اس آیت میں ''رکز'' کا لفظ ہے، حضرت ابن عباس نے فرمایا اس کا معنی آواز ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا جو آواز یا حرکت سمجھ نہ آئے اس کو ''رکز'' کہتے ہیں۔ پست اور مخفی آواز کو بھی ''رکز'' کہتے ہیں اور مدفون مال کو رکاز کہتے ہیں۔

اختتامی کلمات اور دعا

الحمد لله علی احسانه آج ۵ محرم الحرام ۱۴۲۲ھ، ۳۱ مارچ ۲۰۰۱ء بروز ہفتہ بعد نماز ظہر سورۂ مریم کی تفسیر مکمل ہو گئی۔ الٰہ العلمین! اے میرے رب جس طرح آپ نے اس سورت کو مکمل کرا دیا ہے باقی سورتوں کی تفسیر کو بھی مکمل کرا دیں، آپ نے مجھے اس کام کی تکمیل کے لیے بہت کتابیں عطا کیں، الٰہ العلمین! میری ضرورت کی دیگر کتابوں کو بھی عطا فرمائیں، آپ نے مجھے بہت صحت اور توانائی عطا فرمائی ہے اے میرے رب! آپ اس صحت اور توانائی کو برقرار رکھیں اور مجھے مزید صحت اور توانائی عطا فرمائیں، تادم مرگ چلتا پھرتا رکھیں بس اپنا محتاج رکھیں مخلوق میں سے کسی کا محتاج نہ کریں۔ ایمان پر قائم رکھیں۔

اے میرے رب! آپ نے مجھے ایمان دیا اور اعمال صالحہ دیئے یہ آپ کا بہت کرم ہے۔ آپ میرے ایمان کو اور مضبوط کر دیں اور مجھے مزید اعمال صالحہ عطا فرمائیں، آپ نے مجھے گناہوں سے بچایا اے میرے رب! مجھے بقیہ آخری عمر میں بھی گناہوں سے بچائے رکھیں، میں بیمار پڑ گیا کسی چیز کے لکھنے کی توقع نہ رہی آپ نے مجھ سے حدیث اور تفسیر کی بہت کتابیں لکھوالیں۔ میں اس کرم کے کہاں تھا لائق یہ سب آپ کی عنایت اور آپ کا احسان ہے۔ اے میرے رب اس احسان اور کرم کو برقرار اور جاری رکھیں اور اس میں یوماً فیوماً ترقی فرمائیں، میری لکھی ہوئی تمام کتابوں کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائیں، اپنے محبوب اور میرے آقا سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں مقبول بنا دیں تمام مسلمانوں کے نزدیک مقبول بنا دیں۔ ان کتابوں کو مفید، مفیض اور مؤثر بنا دیں، الٰہ العلمین اے میرے رب میری تمام کتابوں کو مخالفین کے شر اور فساد سے محفوظ اور مامون بنا دیں!

میں کیا ہوں اور میرا کام کیا ہے! آپ محض اپنے فضل سے میری مغفرت کر دیں میرے گناہوں کو بخش دیں، میرے آقا اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت عطا فرمائیں۔ دنیا کے مصائب، قبر اور حشر اور دوزخ کے عذاب سے محفوظ اور مامون

رکھیں۔ میری اس کتاب کے کمپوزر، اس کے مصحح، اس کے ناشر اور اس کتاب کے پڑھنے والوں کی مغفرت فرمائیں۔ میرے والدین، میرے اساتذہ، میرے احباب، میرے قرابت دار اور جملہ مسلمین کو بخش دیں۔ اے میرے رب! قیامت کے دن مجھے شرمندہ نہ کرنا، میری عزت رکھنا مجھے سرخرو اٹھانا اور علماء صالحین، مفسرین، محدثین اور فقراء مجتہدین کے زمرہ میں میرا حشر کرنا اور جنت الفردوس عطا کرنا اور مجھے اپنی رضا سے نوازنا!

و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین والصلوة والسلام علی سیدنا محمد خاتم الانبیاء و المرسلین قائد الغر المحجلین شفیع المذنبین و علی اصحابه الکاملین و اله الطاهرین و ازواجه الطاهرات امهات المؤمنین و علی علماء ملته و اولیاء امته والمسلمین اجمعین.

سُوْرَةُ طٰهٰ

(۲۰)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

سورۃ طٰہٰ

سورۃ کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام طٰہٰ ہے کیونکہ اس سورت کا پہلا کلمہ طٰہٰ ہے۔ جیسا کہ سورۃ ص اور ق ہیں ان سورتوں کا پہلا کلمہ بھی ص اور ق ہے۔ طٰہٰ کے معنی میں کئی اقوال ہیں' ایک قول یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا اسم ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کا معنی ہے اے آدمی! اور ایک قول یہ ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم ہے اور اس آیت میں آپ کو ندا فرمائی ہے کہ اے طٰہٰ۔

(البحر المحیط' ج ۷ص ۳۰۹' روح المعانی جز ۱۶ص ۷' ۲۱' تفسیر منیر ج ۱۶ص ۱۷۴)

اس سورت کا نام سورہ طٰہٰ رکھنے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم اور تکریم کو ظاہر کرنا ہے اور کفار کی طعن اور تشنیع آمیز باتوں سے آپ کو تسلی دینا ہے۔

مقاتل نے کہا جب ابوجہل' ولید بن مغیرہ' نضر بن حارث اور مطعم بن عدی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو لمبی لمبی نمازیں پڑھتے ہوئے دیکھا تو کہا کہ جب سے آپ نے اپنے آباء واجداد کے دین کو چھوڑا ہے آپ بہت سختی اور مصیبت میں مبتلا ہو گئے ہیں' تو اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی اور اس کی پیشانی پر یہ لکھوا دیا: اے طٰہٰ ہم نے آپ پر یہ قرآن اس لیے نازل نہیں کیا کہ آپ کو سختی اور مشقت میں مبتلا کریں۔ طٰهٰ ○ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ○ (طٰہٰ: ۲-۱)

سورہ مریم اور سورہ طٰہٰ کی باہمی مناسبت

اس سورت کی اس سے پہلی سورت مریم کے ساتھ حسب ذیل وجوہ سے مناسبت ہے:

(۱) سورہ مریم میں دس انبیاء علیہم السلام کا اجمال اور اختصار کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے' حضرت زکریا' حضرت یحییٰ' حضرت عیسیٰ' حضرت ابراہیم' حضرت اسحٰق' حضرت یعقوب' حضرت موسیٰ' حضرت ہارون' حضرت اسماعیل اور حضرت ادریس۔ اور اس سورت میں یعنی سورہ طٰہٰ میں ان میں سے بعض انبیاء علیہم السلام کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

(۲) سورہ مریم کے آخر میں فرمایا ہے کہ آسانی کے لیے قرآن مجید کو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان میں نازل فرمایا ہے' اور اس سورت کے شروع میں بھی یہ مضمون ہے کہ ہم نے آپ کو مشقت میں ڈالنے کے لیے قرآن کو نازل نہیں کیا' یعنی

آپ کی آسانی کے لیے قرآن کریم کو نازل فرمایا ہے۔

(۳) سورہ مریم کی انتہا بھی قرآن مجید کے ذکر پر ہوتی ہے اور سورہ طٰہٰ کی ابتدا بھی قرآن مجید کے ذکر سے ہوتی ہے۔

سورہ طٰہٰ کا زمانہ نزول

ترتیب نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۵۴ (چون) ہے یہ سورت سورہ مریم کے بعد اور سورہ واقعہ سے پہلے نازل ہوئی ہے اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۲۰ (بیس) ہے۔

یہ سورت اس وقت نازل ہوئی جب مشرکین مسلمانوں پر بہت مظالم ڈھا رہے تھے اور بہت کم تعداد میں لوگ مسلمان ہوئے تھے' اور ابھی تک مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت نہیں کی تھی اور نہ اس وقت تک حضرت عمر اسلام لائے تھے۔ حضرت عمر بعثت نبوی کے پانچ سال بعد اور حبشہ کی طرف ہجرت سے پہلے مسلمان ہوئے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

امام عبدالمالک بن ہشام المعافری المتوفی ۲۱۳ھ لکھتے ہیں:

امام ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ مجھ تک جو خبر پہنچی ہے اس کے مطابق حضرت عمر کے اسلام لانے کا واقعہ اس طرح ہے کہ حضرت عمر کی بہن فاطمہ بنت الخطاب رضی اللہ عنہا' حضرت سعید بن زید کے نکاح میں تھیں وہ اسلام لا چکی تھیں اور ان کے شوہر سعید بن زید بھی مسلمان ہو چکے تھے اور وہ دونوں اپنے اسلام کو حضرت عمر سے مخفی رکھتے تھے۔ بنو عدی کے ایک شخص نعیم بن عبداللہ بھی مسلمان ہو چکے تھے اور وہ بھی اپنی قوم کے خوف سے اپنے اسلام کو مخفی رکھتے تھے' اور حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ قرآن مجید پڑھانے کے لیے حضرت فاطمہ بنت الخطاب کے گھر جایا کرتے تھے' ایک دن حضرت عمر تلوار حمائل کیے ہوئے (العیاذ باللہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو قتل کرنے کے ارادہ سے گھر سے نکلے' اور حضرت عمر کو یہ بتایا گیا تھا کہ وہ سب صفا پہاڑ کے پاس ایک گھر میں ہیں اور اس وقت مسلمان مردوں اور عورتوں کی تعداد چالیس کے قریب تھی اور اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کے عم محترم سیدنا حضرت حمزہ بن عبدالمطلب' حضرت ابوبکر صدیق بن ابوقحافہ' حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم اور دیگر مسلمان تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ میں ہی مقیم تھے اور حبشہ نہیں گئے تھے۔ جب حضرت عمر سے نعیم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ملے تو ان سے پوچھا: اے عمر! تم کہاں جا رہے ہو؟ حضرت عمر نے کہا میں نے (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ارادہ کیا ہے جو دین بدلنے والے ہیں جنہوں نے قریش میں پھوٹ ڈال دی ہے اور ان کے نوجوان اور کم عقل لڑکوں کو بہکایا ہے' ان کے دین کی مذمت کی ہے اور ان کے خداؤں کو برا کہا ہے' سو میں ان کو قتل کروں گا۔ حضرت نعیم رضی اللہ عنہ نے کہا: اے عمر! تم دھوکے میں مبتلا ہو' کیا تم سمجھتے ہو کہ بنو عبد مناف تم کو زمین پر چلنے کے لیے چھوڑ دیں گے اور تم (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر چکے ہو گے! تم اپنے گھر کی خبر کیوں نہیں لیتے! حضرت عمر نے کہا میرے گھر میں کیا ہوا ہے؟ حضرت نعیم نے کہا تمہارے بہنوئی اور تمہارے عم زاد سعید بن زید اور تمہاری بہن فاطمہ بنت الخطاب' خدا کی قسم وہ دونوں مسلمان ہو چکے ہیں اور وہ دونوں (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دین کی پیروی کرتے ہیں تم پہلے ان سے نمٹو' حضرت عمر اپنی بہن اور بہنوئی کا قصد کر کے واپس ہوئے' اس وقت ان کے پاس حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ تھے اور ان کے پاس ایک صحیفہ تھا جس میں لکھا تھا طٰہٰ' وہ ان کو وہ صحیفہ پڑھا رہے تھے' جب ان دونوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آہٹ سنی تو انہوں نے حضرت خباب کو گھر میں کہیں چھپا دیا اور حضرت فاطمہ بنت الخطاب نے وہ صحیفہ بھی چھپا دیا۔ حضرت عمر نے حضرت خباب کے قرآن پڑھانے کی آواز سن لی تھی۔ جب وہ گھر میں داخل ہوئے تو پوچھا یہ کیسی آواز تھی؟ ان

دونوں نے کہا ہم نے تو کوئی آواز نہیں سنی' حضرت عمر نے کہا کیوں نہیں! خدا کی قسم! مجھے اطلاع مل چکی ہے کہ تم دونوں (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دین کی پیروی کر رہے ہو' پھر انہوں نے اپنے بہنوئی حضرت سعید بن زید کے ایک تھپڑ مارا' ان کی بہن اپنے شوہر کو بچانے کے لیے کھڑی ہوئی تو اس کو بھی مارا' اور ان کا سر پھاڑ دیا' جب انہوں نے بہت مارا تو ان کی بہن اور بہنوئی نے کہا ہاں ہم مسلمان ہو چکے ہیں' ہم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لا چکے ہیں' اب جو تمہارے جی میں آئے کرو' جب حضرت عمر نے اپنی بہن کا خون بہتے ہوئے دیکھا تو ان کو اپنے مارنے پر ندامت ہوئی اور وہ مارنے سے رک گئے اور اپنی بہن سے کہا اچھا مجھے اپنا وہ صحیفہ دکھاؤ جس کو تم ابھی پڑھ رہے تھے۔ میں بھی دیکھوں (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا پیغام لے کر آئے ہیں اور حضرت عمر پڑھے لکھے انسان تھے' جب حضرت عمر نے یہ کہا تو ان کی بہن نے کہا ہمیں خطرہ ہے کہ تم اس صحیفہ کی توہین نہ کرو' حضرت نے کہا تم مجھ سے مت ڈرو اور اپنے بتوں کی قسم کھا کر کہا وہ اس صحیفہ کو واپس کر دیں گے۔ (سنن دار قطنی رقم الحدیث: ۴۳۵' سنن کبریٰ ج ۱ ص ۸۸) جب حضرت عمر نے یہ کہا تو ان کی بہن کو امید ہوئی کہ شاید وہ اسلام لے آئیں۔ انہوں نے کہا اے بھائی تم ناپاک ہو اور مشرک ہو اور قرآن مجید کو پاک شخص کے سوا کوئی نہیں چھو سکتا' حضرت عمر نے غسل کیا اور ان کی بہن نے ان کو صحیفہ دے دیا جس میں لکھا ہوا تھا طٰہٰ جب انہوں نے اس کی ابتدائی آیات پڑھیں تو انہوں نے کہا یہ کس قدر حسین اور عظیم کلام ہے۔ جب حضرت خباب نے حضرت عمر کا یہ قول سنا تو وہ اپنی چھپی ہوئی جگہ سے باہر آ گئے اور انہوں نے کہا اے عمر! اللہ کی قسم! مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی دعا تیرے حق میں خصوصیت کے ساتھ قبول کر لی ہے کیونکہ میں نے آپ کو یوں دعا کرتے ہوئے سنا ہے کہ اے اللہ! اسلام کی ابوالحکم بن ہشام سے تائید فرمایا عمر بن الخطاب سے (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۸۱' الطبقات الکبریٰ ج ۳ ص ۲۶۷' مسند احمد ج ۲ ص ۹۵' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۸۸۱' المستدرک ج ۳ ص ۸۳' دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۲۱۵) اس وقت حضرت عمر نے کہا اے خباب! (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف میری رہنمائی کرو تا کہ میں اسلام لاؤں' حضرت خباب نے کہا وہ پہاڑ صفا کے پاس ایک گھر میں ہیں اور ان کے ساتھ ان کے اصحاب بھی ہیں' حضرت عمر نے اپنی تلوار لٹکائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کی طرف چل پڑے اور جا کر ان کا دروازہ کھٹکھٹایا' جب انہوں نے دستک کی آواز سنی تو اصحاب میں سے کسی نے اٹھ کر دروازہ کی جھری میں سے جھانک کر دیکھا اور گھبرا کر کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' یہ تو عمر ہے وہ تلوار لٹکائے ہوئے آیا ہے۔ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب نے کہا اس کو آنے دو اگر وہ کسی نیکی کے ارادہ سے آیا تو ہم اس کو خوش آمدید کہیں گے اور اگر وہ کسی برائی کے ارادہ سے آیا ہے تو ہم اس کو اسی کی تلوار سے قتل کر دیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو آنے کی اجازت دو' پھر اس نے اجازت دے دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا تہبند سنبھالتے ہوئے کھڑے ہوئے پھر حضرت عمر کو اپنی طرف زور سے کھینچا اور فرمایا اے عمر! تم کس لیے آئے ہو؟ پس اللہ کی قسم! میں دیکھ رہا ہوں کہ تم اس وقت تک باز نہیں آؤ گے حتیٰ کہ اللہ تم پر کوئی سخت عذاب بھیج دے۔ حضرت عمر نے کہا میں آپ کے پاس اس لیے آیا ہوں تا کہ میں اللہ پر' اس کے رسول پر اور اللہ کے پاس سے لائی ہوئی چیزوں پر ایمان لاؤں' یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ آواز بلند فرمایا اللہ اکبر' حتیٰ کہ گھر میں موجود تمام اصحاب نے جان لیا کہ عمر اسلام لے آئے ہیں۔

امام ابن ہشام لکھتے ہیں امام ابن اسحاق نے حضرت عمر کے اسلام لانے کا دوسرا واقعہ یہ بیان کیا ہے کہ حضرت عمر نے کہا میں اسلام سے بہت دور تھا میں زمانہ جاہلیت میں شراب پیتا تھا' ہماری ایک مجلس تھی جس میں ہمارے دوست احباب جمع ہوتے تھے اور شراب پیتے تھے' میں ایک دن وہاں گیا تو مجھے وہاں پر کوئی نہیں ملا' میں نے سوچا کہ میں فلاں شراب فروخت کرنے

والے کے پاس جاؤں تو اس سے شراب لے کر پیوں۔ میں اس کے پاس گیا تو مجھے وہ نہیں ملا' پھر میں نے سوچا کہ میں کعبہ میں چلا جاؤں اور اس کے سات طواف کر لوں' پھر میں مسجد میں پہنچا تا کہ میں کعبہ کا طواف کروں۔ اچانک میں نے دیکھا کہ وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے ہیں' جب آپ نماز پڑھتے تو شام (بیت المقدس) کی طرف منہ کرتے تھے اور کعبہ کو اپنے اور شام کے درمیان کر لیتے تھے اور حجر اسود اور رکن یمانی کے درمیان نماز پڑھتے تھے جب میں نے آپ کو دیکھا تو سوچا کہ دیکھوں تو سہی یہ نماز میں کیا پڑھتے ہیں۔ میں آپ کے قریب ہو گیا (علامہ سہیلی نے لکھا ہے کہ شریح بن عبید کی روایت میں ہے اس وقت آپ سورہ الحاقہ پڑھ رہے تھے) مجھے قرآن مجید کے الفاظ کی ترتیب سے بہت تعجب ہوا میں نے دل میں کہا خدا کی قسم یہ ضرور شاعر ہیں' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی انه لقول رسول كريم ○ و ما هو بقول شاعر قليلا ما تؤمنون ○ (الحاقہ: ٤١-٤٠) ''بے شک یہ قرآن بزرگ رسول کا قول ہے ○ یہ کسی شاعر کا قول نہیں ہے' تم بہت کم یقین کرتے ہو ○ پھر میں نے سوچا کہ یہ کاہن ہیں ان کو میرے دل کی بات کا پتا چل گیا ہے' پھر آپ نے یہ آیتیں پڑھیں ولا بقول كاهن قليلا ما تذكرون ○ تنزيل من رب العلمين ○ (الحاقہ: ٤٣-٤٢) ''اور نہ یہ کسی کاہن کا قول ہے' تم بہت کم نصیحت حاصل کر رہے ہو ○ یہ تو رب العالمین کا نازل کردہ ہے ○ (پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اخیر تک سورہ الحاقہ پڑھی) حضرت عمر نے کہا جب میں نے قرآن سنا تو میرا دل نرم ہو گیا میں آبدیدہ ہو گیا اور میرے دل میں اسلام داخل ہو گیا' میں اسی جگہ پر کھڑا رہا حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ کر واپس چلے گئے اور اپنے مقررہ راستے سے گزرتے ہوئے اپنے گھر جانے لگے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے آپ کا پیچھا کیا حتیٰ کہ جب آپ دار عباس اور دار ازھر میں پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری آہٹ سن لی اور مجھے پہچان لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ گمان کیا کہ میں نے آپ کو ضرر پہنچانے کے لیے آپ کا پیچھا کیا ہے' آپ نے پوچھا اے ابن الخطاب اس وقت کیوں آئے ہو؟ میں نے کہا میں اس لیے آیا ہوں کہ اللہ پر ایمان لاؤں اور اس کے رسول پر اور اس پر جو اللہ کی طرف سے آیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی حمد کی اور فرمایا: اے عمر! بے شک تمہیں اللہ نے ہدایت دے دی' پھر آپ نے میرے سینہ پر ہاتھ پھیرا اور میرے لیے ثابت قدم رہنے کی دعا کی' پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے چلا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر تشریف لے گئے۔ امام ابن اسحاق نے کہا اللہ ہی کو علم ہے کہ کون سا واقعہ درست ہے۔

(السیرۃ النبویہ ج ١ ص ٣٨٥-٣٨١' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ١٤١٥ھ' انسان العیون ج ٢ ص ١٢٦-١٢٠' دار الکتب العلمیہ بیروت' ١٤١٨ھ' دلائل النبوۃ ج ٢ ص ٥' الطبقات الکبریٰ ج ٩ ص ١٤١' الاستیعاب رقم: ١٨٩٩' اسد الغابہ رقم: ٣٨٣٠' الاصابہ رقم: ٥٧٥٢' سبل الھدیٰ والرشاد ج ٢ ص ٣٧٣-٣٧٠' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ١٤١٤ھ)

سورہ طٰہٰ کے مقاصد اور مسائل

سورہ طٰہٰ کے مضامین حسب ذیل ہیں:

(١) اس سورت کے شروع میں طٰہٰ حروف مقطعہ میں سے ہے' اس سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا ثبوت ہے کیونکہ ان حروف سے یہ تنبیہ کی ہے کہ یہ کلام ان ہی حروف سے مرکب ہے جن حروف سے تم اپنا کلام مرکب کرتے ہو اگر تمہارے نزدیک یہ اللہ کا کلام نہیں ہے تو تم بھی ان حروف سے کلام بنا کر لے آؤ' اور اگر نہیں لا سکتے تو مان لو کہ یہ اللہ کا کلام ہے جو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہے اور یہ آپ کی نبوت اور رسالت کی دلیل ہے' اور اس کے بعد یہ بتایا ہے کہ یہ قرآن آپ پر اس لیے نہیں نازل کیا گیا کہ آپ کو کسی مشقت اور دشواری میں مبتلا کیا جائے اور نہ آپ کے ذمہ یہ

لگایا گیا ہے کہ آپ ان کافروں کو مسلمان کر دیں' آپ کا کام تو صرف ان کو نصیحت کرنا اور اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچانا ہے' یہ قرآن آسمان وزمین کے خالق اور عرش وکرسی کے مالک کا فرمان ہے اس کو ان تک پہنچا دیجئے اور بس! (طٰہٰ: ۸-۱)

طٰہٰ: ۹۸-۹ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ تفصیل سے نازل فرمایا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح حضرت موسیٰ کا سابقہ فرعون کی متکبر اور ضدی قوم سے تھا اسی طرح ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا سابقہ کفار قریش سے تھا اور وہ بھی بہت متکبر اور ضدی تھے سو ہدایت کے لیے جس قسم کی آیات فرعون کی قوم کے حق میں ہیں اسی قسم کی آیات کفار قریش پر بھی منطبق ہوں گی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے میں جو خاص خاص باتیں بیان کی گئی ہیں وہ یہ ہیں: حضرت موسیٰ کا ہجرت کر کے مصر سے مدین کی طرف سفر کرنا اور مدین سے واپس ہوتے ہوئے مقام طویٰ میں نبوت سے سرفراز کیا جانا۔ حضرت موسیٰ کو عصا اور ید بیضا کے معجزات عطا کیا جانا' حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کو فرعون کے دربار میں تبلیغ کے لیے جانے کا حکم دینا' حضرت موسیٰ کے معجزات کے مقابلہ میں جادوگروں کا اپنے جادو سے معارضہ کرنا اور اپنی شکست کو تسلیم کر کے حضرت موسیٰ پر ایمان لانا' فرعون کا ان ایمان لانے والوں کو سولی پر چڑھانے کی دھمکی دینا' حضرت موسیٰ کا بنو اسرائیل کو ساتھ لے کر مصر سے روانہ ہونا' فرعون کا تعاقب کرنا' بنو اسرائیل کا نجات پانا اور فرعون کا غرق ہونا' حضرت موسیٰ کا طور پر تورات لینے جانا اور بنی اسرائیل کا سامری کے فتنہ میں مبتلا ہونا اور دیگر کئی امور۔

طٰہٰ: ۱۱۴-۹۹ میں قرآن مجید میں قصہ موسیٰ بیان کرنے کا فائدہ ہے' جو قرآن مجید کے مضامین سے اعراض کرے اس کی سزا کا ذکر ہے' قیامت اور حشر کے ہولناک امور کا ذکر ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسیان سے محفوظ ہونے کا ذکر ہے۔

طٰہٰ: ۱۲۳-۱۱۵ میں حضرت آدم علیہ السلام اور شیطان لعین کے قصہ کا ذکر ہے۔

طٰہٰ: ۱۲۹-۱۲۴ میں قرآن سے اعراض کرنے والوں کی دنیا اور آخرت میں سزا کا ذکر ہے۔ پچھلی امتوں پر عذاب بھیجنے کا بیان ہے تاکہ اس زمانہ کے مشرکین نصیحت حاصل کریں۔

طٰہٰ: ۱۳۵-۱۳۰ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کو کفار کی اذیتوں پر صبر کرنے کی تلقین ہے اور یہ حکم ہے کہ اپنے گھر والوں کو بھی نماز پڑھنے کی تاکید کی جائے' جو مشرکین فرمائشی معجزات کے طالب تھے ان کا رد ہے اور یہ بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ رسولوں کو بھیجنے سے پہلے عذاب نازل نہیں فرماتا اور یہ بتایا ہے کہ عنقریب مشرکوں کو معلوم ہو جائے گا کہ راہ راست پر کون ہے۔

سورہ طٰہٰ کے اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد اب ہم اس کا ترجمہ اور تفسیر شروع کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس ترجمہ اور تفسیر کے دوران مجھے ہدایت اور صراط مستقیم پر قائم رکھے اور وہی بات لکھوائے جو حق اور صواب ہو اور خطا اور ضلال سے بچائے۔

آمین یا رب العلمین بحرمة سید المرسلین سیدنا محمد صلی الله علیه وسلم وعلی آله و اصحابه اجمعین۔

غلام رسول سعیدی غفرلہ

۹ محرم الحرام ۱۴۲۲ھ/۴ اپریل ۲۰۰۱ء

سُوْرَةُ طٰهٰ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّخَمْسٌ وَّثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّثَمَانِيْ رُكُوْعَاتٍ

سورہ طٰہٰ مکّی ہے اور اس میں ایک سو پینتیس آیتیں اور آٹھ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے ○

طٰهٰ ① مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ② اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ

طاھا ○ ہم نے یہ قرآن آپ پر اس لیے نازل نہیں کیا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں ○ یہ صرف ان کے لیے نصیحت ہے جو (اللہ سے)

يَّخْشٰى ③ تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ④ اَلرَّحْمٰنُ

ڈرتے ہیں ○ اس کو نازل کرنا اس کی طرف سے ہے جس نے زمینوں کو اور بلند آسمانوں کو پیدا کیا ○ جو رحمٰن ہے

عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ⑤ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ

اور (اپنی شان کے لائق) عرش پر جلوہ فرما ہے ○ اسی کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے

وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى ⑥ وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ

اور ان کے درمیان میں ہے اور زمین کی تہہ میں ہے ○ اور اگر آپ بلند آواز سے بات کریں، تو بے شک وہ آہستہ اور

السِّرَّ وَاَخْفٰى ⑦ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَهُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى ⑧ وَهَلْ

اس سے بھی زیادہ پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے ○ اللہ معبود ہے اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، تمام اچھے نام اسی کے ہیں ○ کیا

اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ⑨ اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ

آپ کے پاس موسیٰ کی خبر پہنچی ہے ؟ ○ جب انہوں نے آگ کو دیکھا تو اپنی بیوی سے کہا ٹھیرو بے شک

اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ⑩

میں نے آگ دیکھی ہے شاید میں اس سے تمہارے پاس کوئی انگارہ لاؤں یا میں آگ سے راستہ کی کوئی نشانی پاؤں ○

فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ يٰمُوْسٰى ⑪ اِنِّيْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ

جب وہ آگ کے پاس پہنچے تو انہیں پکارا گیا اے موسیٰ ○ بے شک میں ہی آپ کا رب ہوں، سو آپ اپنے جوتے اتار دیجیے

وقف النبی

إِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ﴿١٢﴾ وَأَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا

بے شک آپ مقدس میدان طویٰ میں ہیں ○ اور میں نے آپ کو اپنی رسالت کے لیے چن لیا ہے پس جو وحی کی جائے

يُوحَىٰ ﴿١٣﴾ إِنَّنِي أَنَا اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي وَأَقِمِ الصَّلَاةَ

اس کو بغور سنیے ○ بے شک میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے تو آپ میری عبادت کیجیے اور میری یاد

لِذِكْرِي ﴿١٤﴾ إِنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ أَكَادُ أُخْفِيهَا لِتُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ

کے لیے نماز قائم کیجیے ○ بے شک قیامت آنے والی ہے جس کو میں مخفی رکھنا چاہتا ہوں تاکہ ہر شخص کو اس کی

بِمَا تَسْعَىٰ ﴿١٥﴾ فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ

سعی کا صلہ دیا جائے ○ پس آپ کو قیامت کے ماننے سے کوئی ایسا شخص نہ روک دے جو اس پر ایمان نہ رکھتا ہو اور وہ اپنی خواہش کی

هَوَاهُ فَتَرْدَىٰ ﴿١٦﴾ وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يَا مُوسَىٰ ﴿١٧﴾ قَالَ هِيَ عَصَايَ

پیروی کرتا ہو ورنہ آپ ہلاک ہو جائیں گے ○ اور اے موسیٰ! یہ آپ کے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟ ○ موسیٰ نے کہا یہ میرا عصا ہے،

أَتَوَكَّأُ عَلَيْهَا وَأَهُشُّ بِهَا عَلَىٰ غَنَمِي وَلِيَ فِيهَا مَآرِبُ أُخْرَىٰ ﴿١٨﴾

میں اس پر ٹیک لگاتا ہوں اور میں اس سے اپنی بکریوں کے لیے پتے جھاڑتا ہوں اور اس میں میرے اور بھی کئی فائدے ہیں ○

قَالَ أَلْقِهَا يَا مُوسَىٰ ﴿١٩﴾ فَأَلْقَاهَا فَإِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعَىٰ ﴿٢٠﴾ قَالَ

فرمایا اے موسیٰ اس کو ڈال دو ○ موسیٰ نے اس کو ڈال دیا تو اچانک وہ ایک دوڑتا ہوا سانپ تھا ○ فرمایا

خُذْهَا وَلَا تَخَفْ سَنُعِيدُهَا سِيرَتَهَا الْأُولَىٰ ﴿٢١﴾ وَاضْمُمْ

اس کو پکڑ لو اور ڈرو مت، ہم ابھی اس کو پہلی حالت کی طرف لوٹا دیں گے ○ اور اپنا ہاتھ

يَدَكَ إِلَىٰ جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ آيَةً أُخْرَىٰ ﴿٢٢﴾

اپنی بغل میں ملا لیں تو وہ بغیر کسی عیب کے سفید چمکتا ہوا نکلے گا، یہ دوسری نشانی ہے ○

لِنُرِيَكَ مِنْ آيَاتِنَا الْكُبْرَىٰ ﴿٢٣﴾ اذْهَبْ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ ﴿٢٤﴾

کہ ہم آپ کو اپنی بعض بڑی نشانیاں دکھائیں ○ آپ فرعون کی طرف جائیے اس نے بہت سرکشی کی ہے ○

ع ۱ ۲۴ ۱۰

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: طاھا○ ہم نے یہ قرآن آپ پر اس لیے نازل نہیں کیا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں○ (طٰہٰ: ۲-۱)

طٰہٰ الخ کا شان نزول

امام عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

''طٰہٰ'' کے شان نزول میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں تھک جاتے تو کبھی ایک پیر پر وزن ڈالتے تو کبھی دوسرے پر' تو یہ آیت نازل ہوئی۔

(۲) ضحاک نے کہا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کریم نازل ہوا تو آپ نے اور آپ کے اصحاب نے نماز پڑھی اور بہت لمبا قیام کیا تو قریش نے کہا اللہ تعالیٰ نے (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مشقت میں ڈالنے کے لیے ان پر قرآن نازل کیا ہے' تو یہ آیت نازل ہوئی۔

(۳) مقاتل نے کہا ابوجہل' نضر بن حارث اور المطعم بن عدی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا آپ ہمارے دین کو ترک کر کے مشقت اور مصیبت میں پڑ گئے ہیں' تو یہ آیت نازل ہوئی۔

(زاد المسیر ج ۵ ص ۲۶۸' اسباب النزول للواحدی ص ۱۷۴)

طٰہٰ کے معانی

طٰہٰ کے حسب ذیل معانی ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس' حسن بصری' سعید بن جبیر اور مجاہد وغیرھم نے کہا اس کا معنی ہے اے آدمی!

(۲) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور ابو العالیہ نے کہا یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے' طا سے طیب اور طاہر کی طرف اشارہ ہے اور ھا سے ہادی کی طرف اشارہ ہے۔

(۳) ابو سلیمان دمشقی نے کہا: طا سے مراد ہے طابہ اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ ہے اور ھا سے مراد ہے مکہ۔

(۴) ثعلبی نے کہا طا سے مراد ہے اہل جنت کی طرب (خوشی) اور ھا سے مراد ہے اہل دوزخ کی ھوان (ذلت)۔

(۵) ثعلبی کا دوسرا قول ہے حساب جمل کے اعتبار سے طا کے نو عدد ہیں اور ھا کے پانچ عدد ہیں سو یہ چودہ عدد ہوئے یعنی چودھویں کی رات کے چاند اور اس کا معنی ہے: اے بدر کامل! ہم نے آپ پر یہ قرآن اس لیے نازل نہیں کیا کہ آپ مشقت میں پڑیں۔

(۶) علی بن ابی طلحہ نے کہا طٰہٰ اللہ تعالیٰ کا نام ہے اور اس نے اپنے نام کی قسم کھائی ہے۔

(زاد المسیر ج ۵ ص ۲۷۰-۲۶۹' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم ہے' اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام طٰہٰ رکھا جیسے اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام محمد رکھا۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۱ ص ۸۸' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

ہم اس سے پہلے سورہ طٰہٰ کے مقدمہ میں بتا چکے ہیں کہ علامہ ابو الحیان اندلسی' علامہ آلوسی اور ڈاکٹر وھبہ زحیلی نے بھی اس قول کا ذکر کیا ہے' اور قاضی عیاض مالکی' علامہ خفاجی اور ملا علی قاری نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ اس کے علاوہ علامہ زبیدی نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ (الشفاء ج ۱ ص ۱۷۸' بیروت' نسیم الریاض وشرح الشفاء ج ۲ ص ۳۸۹' اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۶۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء مبارکہ

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں:

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پانچ اسماء ہیں: میں محمد ہوں اور احمد ہوں اور میں ماحی ہوں' میرے سبب سے اللہ تعالیٰ کفر کو مٹاتا ہے' اور میں حاشر ہوں' اللہ تعالیٰ میرے قدموں پر حشر کرے گا اور میں عاقب (سب نبیوں کے بعد آنے والا) ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۳۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۵۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۸۴۰' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۵۹۰)

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں آپ کا نام محمد اور احمد رکھا ہے' آپ لوگوں میں سب سے زیادہ اللہ کی حمد کرنے والے ہیں' اور آپ کی سب سے زیادہ حمد کی گئی ہے پس آپ احمد المحمودین اور احمد الحامدین ہیں۔ آپ نے یہ جو فرمایا ہے کہ میرے پانچ اسماء ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ پچھلی آسمانی کتابوں میں میرے پانچ اسماء ہیں' اور بعض روایات میں ہے کہ میرے دس اسماء ہیں (دلائل النبوۃ لابی نعیم وتفسیر ابن مردویہ) اور ان میں سے طٰہٰ اور یٰسین بھی ہیں' اور بعض تفاسیر میں ہے کہ طٰہٰ کا معنی ہے یا طاہر یا ہادی اور یٰسین کا معنی ہے یا سید' اور دوسروں نے ذکر کیا ہے کہ میرے دس اسماء ہیں' پانچ اسماء تو وہ ہیں جن کا ذکر پہلے کیا گیا ہے اور باقی پانچ اسماء یہ ہیں: میں رسول رحمت ہوں اور رسول راحت ہوں اور رسول ملاحم ہوں اور میں مقفی ہوں نبیوں کے بعد آیا ہوں۔ اور میں قیم ہوں۔ قیم کے معنی ہیں الجامع الکامل۔

اور نقاش نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ میرے قرآن میں سات اسماء ہیں: محمد' احمد' یٰسین' طٰہٰ' مدثر' مزمل اور عبداللہ۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے یہ اسماء بتائے: میں محمد اور احمد اور المقفی اور نبی التوبۃ اور نبی الملحمۃ اور نبی رحمت ہوں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۵۵)

نبی الملحمۃ میں یہ اشارہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قتال اور سیف کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے۔

قرآن مجید میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بہ کثرت القاب ہیں: نور' سراج منیر' منذر' نذیر' المبشر' البشیر' الشاہد' الشہید' الحق المبین' خاتم النبیین' الرؤف' الرحیم' الامین' قدم صدق' رحمۃ للعالمین' نعمۃ اللہ' العروۃ الوثقیٰ' الصراط المستقیم' النجم الثاقب' الکریم' النبی الامی' داعی الی اللہ۔

کتب سابقہ اور احادیث مبارکہ میں آپ کے اسماء حسب ذیل ہیں:

المصطفیٰ' المجتبیٰ' ابوالقاسم' الحبیب' رسول رب العلمین' الشفیع المشفع' المتقی' المصلح' الطاہر' المھیمن' الصادق' المصدوق' الہادی' سید ولد آدم' سید المرسلین' امام المتقین' قائد الغر المحجلین' حبیب اللہ' خلیل الرحمٰن' صاحب الحوض المورود والشفاعۃ' والمقام المحمود' صاحب الوسیلۃ والفضیلۃ' والدرجۃ الرفیعۃ' صاحب التاج والمعراج' واللواء' والقضیب' راکب البراق' والناقۃ' والنجیب' صاحب الحجۃ' السلطان' الخاتم' العلامۃ والبرہان' صاحب الھراوۃ والنعلین۔

کتب مقدسہ میں آپ کے بعض اسماء یہ ہیں: المتوکل' المختار' مقیم السنۃ' المقدس' روح الحق' انجیل میں الفارقلیط کا یہی معنی ہے' ثعلب نے کہا فارقلیط کا معنی ہے جو حق اور باطل میں فرق کرے۔

کتب سابقہ میں آپ کے بعض اسماء یہ ہیں: ماذ ماذ اس کا معنی ہے طیب طیب' حمطایا' الخاتم' الحاتم' اس کو کعب احبار نے بیان کیا ہے۔

صاحب القضیب کا معنی ہے صاحب تلوار اور الھراوۃ کا معنی ہے عصا' اور التاج سے مراد ہے عمامہ۔

(الشفاء ج ا ص ١٨٠-١٦٧ مطبوعہ دار الفکر بیروت' ١٣١٥ھ)

قرآن مجید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء مبارکہ جو اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ بھی ہیں

(١) اللہ تعالیٰ کا اسم رؤف رحیم ہے اور اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی رؤف رحیم فرمایا۔

وَبِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ (التوبۃ: ١٢٨) اور وہ مومنوں کے ساتھ رؤف رحیم ہیں۔

(٢) اللہ تعالیٰ کا نام الحق اور المبین ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو الحق اور المبین فرمایا:

حَتّٰى جَآءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُولٌ مُّبِينٌ (الزخرف: ٢٩) یہاں تک کہ ان کے پاس حق اور صاف صاف سنانے والا رسول آ گیا۔

اور آپ کا نام النذیر المبین رکھا:

وَقُلْ اِنِّيٓ اَنَا النَّذِيرُ الْمُبِينُ (الحجر: ٨٩) آپ کہئے بے شک میں ہی النذیر المبین (صاف صاف ڈرانے والا) ہوں۔

(٣) اللہ تعالیٰ کا اسم نور ہے یعنی خالق النور یا نور والا یا آسمانوں اور زمینوں کو منور کرنے والا یا مومنوں کے دلوں کو ہدایت سے منور کرنے والا' اور اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی نور فرمایا ہے:

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِينٌ (المائدۃ: ١٥) بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور آ گیا اور کتاب مبین۔

(٤) اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے شہید ہے اس کا معنی عالم ہے یا وہ قیامت کے دن اپنے بندوں پر شاہد ہوگا' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی شاہد اور شہید فرمایا:

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا (الاحزاب: ٤٥) بے شک ہم نے آپ کو شاہد بنا کر بھیجا۔

وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (البقرہ: ١٤٣) اور رسول تمہارے حق میں شہید (گواہ) ہوں گے۔

(٥) اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے کریم ہے اس کا معنی ہے بہت خیر والا' بہت معاف کرنے والا' اور اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی کریم فرمایا ہے:

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ (الحاقہ: ٦٩) بے شک یہ رسول کریم کا قول ہے۔

ایک تفسیر یہ ہے کہ اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد حضرت جبریل ہیں۔

(٦) اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے عظیم ہے' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی عظیم فرمایا:

اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (القلم: ٤) بے شک آپ بہت عظیم اخلاق پر ہیں۔

(٧) اللہ تعالیٰ کا اسم خبیر ہے اور اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی خبیر فرمایا ہے:

ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ اَلرَّحْمٰنُ فَسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا (الفرقان: ٥٩) پھر رحمٰن عرش پر جلوہ فرما ہوا' (اے مخاطب!) تو کسی خبر رکھنے والے سے پوچھ لے۔

قاضی ابوبکر بن العلاء نے کہا اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غیر کو سوال کرنے کا حکم دیا ہے اور خبیر سے مراد

آپ کی ذات گرامی ہے۔

(۸) اور اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے القوی اور ذی قوۃ ہے' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اللہ تعالیٰ نے ذی قوۃ فرمایا ہے:

اِنَّہٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ کَرِیْمٍ ○ ذِیْ قُوَّۃٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَکِیْنٍ ○ (التکویر: ۲۰-۱۹) یہ رسول کریم کا قول ہے ○ جو عرش والے کے نزدیک قوت والا بلند مرتبہ کا ہے۔

ایک تفسیر یہ ہے کہ اس آیت میں رسول کریم سے مراد حضرت جبریل ہیں' اور ایک تفسیر یہ ہے کہ اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

(۹) اللہ تعالیٰ کا ایک اسم ولی ہے اور اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ولی فرمایا ہے:

اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ (المائدہ ۵۵) اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ تمہارا ولی اللہ ہے اور اس کا رسول ہے۔

(۱۰) طٰہٰ کی تفسیر میں کہا گیا ہے اس کا معنی ہے یا طاہر یا ہادی اور اس سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' اور ایک تفسیر یہ ہے کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ ہے۔

(۱۱) اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے طٰہٰ اور یٰسین ہیں اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی اسماء ہیں۔

(الشفاء ج ا ص ۱۸۷-۱۸۱ ملخصاً' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

جو اسماء اللہ تعالیٰ کے ہیں اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی اسماء ہیں ان میں صرف ظاہری اور صوری طور پر اشتراک ہے اور معنی کے اعتبار سے ان میں زمین اور آسمان سے زیادہ فرق ہے' مثلاً رحیم اللہ تعالیٰ کا بھی اسم ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی اسم ہے' لیکن اللہ تعالیٰ از خود رحیم ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' اللہ تعالیٰ کے بنانے سے رحیم ہیں' اللہ تعالیٰ ازلی اور ابدی رحیم ہے اور آپ حادث اور فانی رحیم ہیں' اللہ تعالیٰ کی رحمت کے آثار غیر متناہی ہیں اور آپ کی رحمت کے آثار متناہی ہیں اس کے علاوہ اور بہت وجوہ سے فرق ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لیس کمثلہ شیء (الشوریٰ: ۱۱) کوئی چیز اس کی مثل نہیں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء کی تعداد

علامہ ابوبکر محمد بن عبداللہ' ابن العربی مالکی متوفی ۵۴۳ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد اسماء رکھے اور جب کوئی چیز بہت عظیم ہوتی ہے تو اس کے اسماء بھی بہت ہوتے ہیں۔ بعض صوفیاء نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ایک ہزار اسم ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی ایک ہزار اسم ہیں' رہے اللہ تعالیٰ کے اسماء تو ایک ہزار کا عدد ان کے لیے بہت کم ہے کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کے اسماء لکھنے کے لیے تمام سمندر بھی سیاہی بن جائیں بلکہ ان جیسے سات اور سمندر بھی سیاہی بن جائیں تب بھی اللہ تعالیٰ کے کل اسماء نہیں لکھے جا سکتے' اور رہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء تو یہ وہی ہیں جو احادیث معتبرہ میں صریح اسم کے ساتھ وارد ہو چکے ہیں اور وہ تمام اسماء میں نے محفوظ کر لیے ہیں اور اس وقت ان میں سے سرسٹھ (۶۷) اسم مستحضر ہیں اور وہ یہ ہیں۔

(۱) الرسول (۲) المرسل (۳) النبی (۴) الامی (۵) الشہید (۶) المصدق (۷) النور (۸) المسلم (۹) البشیر (۱۰) المبشر (۱۱) النذیر (۱۲) المنذر (۱۳) المبین (۱۴) الامین (۱۵) العبد (۱۶) الداعی (۱۷) السراج (۱۸) المنیر (۱۹) الامام (۲۰) الذاکر (۲۱) المذکر (۲۲) الہادی (۲۳) الشاہد (۲۴) المہاجر (۲۵) العامل (۲۶) المبارک (۲۷) الرحمت (۲۸) الامر

(۲۹) الناهی (۳۰) الطیب (۳۱) الکریم (۳۲) المحلل (۳۳) المحرم (۳۴) الواضع (۳۵) الرافع (۳۶) المجیر (۳۷) خاتم النبیین (۳۸) ثانی اثنین (۳۹) منصور (۴۰) اُذُن (۴۱) خیر (۴۲) مصطفیٰ (۴۳) امین (۴۴) مامون (۴۵) قاسم (۴۶) نقیب (۴۷) المزمل (۴۸) المدثر (۴۹) العلی (۵۰) الحکیم (۵۱) المومن (۵۲) الرؤف (۵۳) الرحیم (۵۴) الصاحب (۵۵) الشفیع (۵۶) المشفع (۵۷) المتوکل (۵۸) محمد (۵۹) احمد (۶۰) الماحی (۶۱) الحاشر (۶۲) المقفی (۶۳) العاقب (۶۴) نبی التوبۃ (۶۵) نبی الرحمۃ (۶۶) نبی الملحمۃ (۶۷) عبداللہ۔ ان کے علاوہ آپ کے اور بھی اسماء ہیں۔

(عارضۃ الاحوذی ج ۱۰ص ۲۱۲-۲۱۱ 'مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت '۱۴۱۸ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء کے معانی

علامہ ابن العربی نے ان تمام اسماء کے معنی بھی بیان کیے ہیں جو حسب ذیل ہیں:

رسول وہ ہے جس کی خبر پے درپے اللہ کی طرف سے آئے' اور وہی مرسل ہے اور وہ اس کا تقاضا نہیں کرتا کہ اس کی خبر پے درپے آئے' وہ بھیجنے والے کی بات سنتا ہے اور اس کی تبلیغ کرتا ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے تبلیغ کرتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا تم سنتے ہو اور تم سے سنا جائے گا اور جس نے تم سے سنا ہے اس سے بھی سنا جائے گا۔ نبی کے لفظ میں اگر ہمزہ ہو تو یہ نبأ سے بنا ہے اور اس کا معنی خبر دینا ہے' اور اگر اس میں ہمزہ نہ ہو تو نبوۃ سے بنا ہے اس کا معنی زمین کی بلند جگہ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی خبر دینے والے ہیں' اور اس کے نزدیک بلند مرتبہ والے ہیں سو آپ میں دو وصف اور دو شرف جمع ہو گئے۔

امی کے معنی میں کئی اقوال ہیں' سب سے صحیح قول یہ ہے کہ امی وہ شخص ہے جو نہ پڑھتا ہو نہ لکھتا ہو اسی کیفیت پر ہو جس طرح اپنی ماں کے بطن سے نکلا تھا' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا (النحل: ۷۸)

اللہ نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے اس حال میں نکالا کہ تم کچھ علم نہیں رکھتے تھے۔

پھر تم کو جو چاہا علم عطا فرمایا۔

اور آپ شہید ہیں کیونکہ آپ دنیا اور آخرت میں مخلوق کی شہادت دیں گے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (البقرہ: ۱۴۳)

ہم نے تم کو بہترین امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور رسول تم پر گواہ ہو جائیں۔

اور آپ اس وجہ سے بھی شہید ہیں کہ معجزہ آپ کے صدق کی شہادت دیتا ہے۔

آپ مصدق ہیں کیونکہ آپ اپنے سے پہلے تمام نبیوں کی تصدیق کرتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ (البقرہ: ۹۷)

بے شک جبریل نے آپ پر اللہ کا کلام نازل کیا ہے جو اس چیز کی تصدیق کرنے والا ہے جو ان کے پاس ہے۔

آپ نور ہیں' کیونکہ لوگ کفر اور جہالت کے اندھیروں میں تھے تو آپ نے لوگوں کے دلوں کو ایمان اور علم سے روشن کر دیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۙ بے شک آ گیا تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور کتاب مبین۔ (المائدہ: ۱۵)

آپ مسلم ہیں' کیونکہ آپ سب سے پہلے مسلم ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرمایا:

وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ (الانعام: ۱۶۳) آپ کہیے میں سب سے پہلا مسلم ہوں۔

اور آپ سب سے پہلے ہر حال میں اللہ کی اطاعت کرنے والے ہیں اور آپ جہل اور معاصی سے سلامتی میں ہیں۔

آپ بشیر ہیں کیونکہ آپ نے مخلوق کو ان کی اطاعت پر ثواب کی خبر دی اور ان کی نافرمانی پر سزا کی خبر دی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (آل عمران: ۲۱) پس آپ ان کو دردناک عذاب کی خبر دے دیجئے۔

اسی طرح مبشر کا معنی ہے اور آپ نذیر اور منذر ہیں کیونکہ آپ ان چیزوں کی خبر دیتے ہیں جن سے لوگ ڈریں اور عذاب کو دور کرنے والے کام کریں۔

آپ مبین ہیں' کیونکہ آپ نے اپنے رب کی وحی اور دین کو بیان کیا اور آیات اور معجزات کو ظاہر فرمایا۔

آپ امین ہیں کیونکہ آپ نے ان سب چیزوں کی حفاظت کی جن کی آپ کی طرف وحی کی گئی تھی' اور ان کی حفاظت کی جنہوں نے آپ کی دعوت پر لبیک کہا۔

آپ سید ہیں کیونکہ جو اللہ کے لیے عبادت کرے اور تواضع کرے اللہ اس کو سر بلند کرتا ہے' سو آپ نے فرمایا: میں تمام اولاد آدم کا سردار ہوں اور مجھے اس پر فخر نہیں اور میں مخلوق کو اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں جو حق ہے۔

آپ سراج ہیں یعنی نور ہیں' آپ کے سبب سے مخلوق رشد اور ہدایت کو دیکھتی ہے اور آپ منیر ہیں۔

آپ امام ہیں کیونکہ مخلوق آپ کی اقتداء کرتی ہے اور آپ کے اقوال اور افعال کی پیروی کرتی ہے۔

آپ ذکر ہیں کیونکہ آپ فی نفسہ شریف ہیں اور دوسروں کو شرف دینے والے ہیں' آپ میں ذکر اور سلامتی کی تمام وجوہ جمع ہیں آپ مذکِر ہیں کیونکہ آپ کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ ذکر کو پیدا کرتا ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَذَكِّرْ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ۞ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ۞ (الغاشیہ: ۲۲-۲۱) سو آپ نصیحت کیجئے آپ صرف نصیحت کرنے والے ہیں' آپ ان پر جبر کرنے والے نہیں ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو جبر کرنے پر قدرت عطا کی آپ کو سلطنت دی اور آپ کے دین کو روئے زمین پر غالب کر دیا۔

آپ ہادی ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی زبان سے خیر اور شر کے دونوں راستے واضح کر دیئے۔

آپ مہاجر ہیں کیونکہ آپ نے اللہ تعالیٰ کی منع کی ہوئی چیزوں سے ہجرت کی (ان کو ترک کر دیا) اور اللہ تعالیٰ کی ذات سے محبت کی وجہ سے مخلوق کو چھوڑ دیا اور اس کی اطاعت کی محبت میں ان سے الگ ہو گئے' یعنی ان سے شدید تعلق نہ رکھا۔

آپ مبارک ہیں کیونکہ آپ کی وجہ سے ثواب زیادہ ہوتا ہے اور آپ کے اصحاب کے اعمال کے فضائل زیادہ ہوتے ہیں اور آپ کی امت کا مرتبہ دوسری امتوں پر زیادہ ہے۔

آپ رحمت ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۞ (الانبیاء: ۱۰۷) ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے صرف رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کی وجہ سے مخلوق پر دنیا میں یہ رحمت کی کہ ان کو عذاب نہیں ہوگا اور آپ کی وجہ سے آخرت میں یہ رحمت ہوگی کہ ان کا جلد حساب ہوگا اور ان کا ثواب دگنا ہوگا' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِيهِمْ ۚ اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ وہ آپ کے ہوتے ہوئے ان پر عذاب بھیجے۔ (الانفال: ٣٣)

آپ آمر اور ناھی ہیں حقیقت میں اللہ تعالیٰ امر کرتا ہے اور نہی (منع) کرتا ہے اور آپ اس کے امر اور نہی کو پہنچاتے ہیں یا اس کی اجازت سے امر اور نہی کرتے ہیں۔ بعض چیزوں کا حکم دیتے ہیں اور بعض چیزوں سے منع فرماتے ہیں۔

آپ طیب ہیں' آپ سے بڑھ کر کوئی پاکیزہ نہیں ہے آپ کا دل زنگ کی آلودگی سے پاک اور صاف ہے' آپ کے اقوال قول کے خبث سے پاک اور صاف ہیں اور آپ کے تمام افعال فعل کے خبث سے پاک اور صاف ہیں اور آپ کا ہر فعل اطاعت اور عبادت ہے۔

آپ کریم ہیں' کیونکہ مخلوق میں آپ سب سے بڑھ کر معاف کرنے والے اور عطا کرنے والے ہیں۔

آپ محلل اور محرم ہیں کیونکہ آپ پاک چیزوں کو حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو حرام کرتے ہیں۔

آپ واضع ہیں کیونکہ آپ ہر چیز کو اس کے مقام پر رکھتے ہیں' نیکوں کو سربلند کرتے ہیں بروں کو سرنگوں کرتے ہیں۔

آپ خاتم النبیین ہیں کیونکہ آپ تمام نبیوں کے آخر ہیں اور یہ کنایہ ہے کیونکہ خاتم کا معنی مہر ہے اور کسی چیز کے آخر میں مہر لگا دی جاتی ہے (اور اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ آپ کی مہر لگا کر نبی بنائے جاتے ہیں) آپ کی شریعت اور آپ کی فضیلت قیامت تک باقی رہے گی۔

آپ ثانی اثنین ہیں کیونکہ آپ اللہ کی خبر کے ساتھ مقترن ہیں۔ آپ منصور ہیں کیونکہ اللہ کی طرف سے آپ کی مدد کی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ کے تمام رسول منصور ہیں' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ ۝ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُوْنَ ۝ (الصّٰفّٰت: ١٧٢-١٧١) اور بے شک اپنے ان بندوں کے لیے جو رسول ہیں ہمارا وعدہ پہلے ہی صادر ہو چکا ہے ۝ یقیناً ان ہی کی مدد کی جائے گی ۝

آپ اُذنِ خیر (خیر کے کان) ہیں کیونکہ آپ اسی بات کو غور سے سنتے ہیں جو خیر ہو۔

آپ مصطفیٰ ہیں کیونکہ آپ تمام مخلوق میں سے چنے ہوئے اور پسندیدہ ہیں جیسا کہ حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ نے ابراہیم کی اولاد میں سے اسماعیل کو چن لیا اور اسماعیل کی اولاد میں سے بنو کنانہ کو چن لیا اور بنو کنانہ میں سے قریش کو چن لیا اور قریش میں سے بنو ہاشم کو چن لیا اور بنو ہاشم میں سے مجھ کو چن لیا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ٣٦٠٦' ٣٦٠٥' صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢٢٧٦)

آپ امین ہیں کیونکہ آپ نے معانی کی چابیوں کی قیامت تک کے لیے حفاظت کی ہے' اور آپ مامون ہیں کیونکہ آپ سے شر کا خطرہ نہیں ہے۔ آپ قاسم ہیں کیونکہ آپ زکوٰۃ' خمس اور دیگر اموال سے مسلمانوں کے حقوق کو تقسیم کرتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عطا کرتا ہے اور میں تقسیم کرتا ہوں (صحیح البخاری رقم الحدیث: ٧١' صحیح مسلم رقم الحدیث: ١٠٣٧)

آپ نقیب ہیں کیونکہ آپ کے تمام صحابہ پر انصار کا فخر ہے' آپ نے ان کے متعلق فرمایا میں ان کا نقیب ہوں' کیونکہ ہر وہ جماعت جس کا کوئی نقیب ہوتا ہے وہ اس کے معاملات کا ولی اور سرپرست ہوتا ہے اور اس کی خبروں کی حفاظت کرتا ہے اور اس کی منتشر چیزوں کو جمع کرتا ہے' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو شرف عطا فرمانے کے لیے ان کو یہ عزت دی۔

آپ مُرسِل (سین پر زیر) ہیں کیونکہ آپ نے اطراف عالم میں اپنے نمائندے بھیجے تا کہ وہ آپ کے دین کی تبلیغ کریں۔

آپ علی ہیں کیونکہ آپ شرف' مقام' مرتبہ اور اپنے دعاوی پر دلائل کے لحاظ سے تمام مخلوق پر بلند ہیں۔

آپ حکیم ہیں کیونکہ آپ نے اپنے رب کی طرف سے قوانین بنائے اور ان کے تقاضوں پر عمل کیا۔

آپ مؤمَن (میم پر زبر) ہیں یعنی مصدق ہیں' آپ کے رب نے آپ کے اقوال اور افعال کی تصدیق کی ہے۔

آپ الرؤف الرحیم ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو لوگوں پر شفقت کرنے والا بنایا ہے' آپ نے فرمایا: ہر نبی کی ایک دعا مقبول ہوتی ہے۔ ہر نبی نے اس دعا کو دنیا میں خرچ کر لیا اور میں نے اپنی دعا کو قیامت کے دن اپنی امت کی شفاعت کرنے کے لیے چھپا کر رکھا ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۸) نیز آپ نے فرمایا اے اللہ! میری قوم کی مغفرت فرما کیونکہ وہ نہیں جانتے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۷۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۹۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۲۵' مسند احمد رقم الحدیث: ۳۶۱۱ عالم الکتب)

آپ صاحب ہیں کیونکہ آپ اس شخص کے ساتھ ہیں جو حسن معاملہ' نیکی' کرامت' مروت اور وفاداری میں آپ کی اتباع کرے۔

آپ الشفیع المشفع ہیں کیونکہ آپ مخلوق کے حساب میں جلدی کریں گے اور عذاب کو دور کرنے میں ان کی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شفاعت کریں گے' آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی اور آپ کی بہت تعظیم اور تکریم کی جائے گی۔

آپ متوکل ہیں یعنی آپ نے تمام معاملات کی چابیاں اللہ تعالیٰ کو سونپ دی ہیں خواہ علم کا معاملہ ہو یا عمل کا۔ مقفی کا معنی عاقب کی مثل ہے۔

آپ نبی التوبہ ہیں کیونکہ آپ نے اپنی امت کی زبانی توبہ قبول فرمائی اور ان کو قتل کرنے یا قید کرنے کا حکم نہیں دیا۔

آپ نبی الرحمۃ ہیں' اس کا معنی رحمت کی تفسیر میں گزر گیا ہے۔

آپ نبی الملحمۃ ہیں کیونکہ آپ کو اللہ کے دشمنوں کے ساتھ حرب اور جنگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

(عارضۃ الاحوذی ج ۱۰ ص ۲۱۴-۲۱۲' مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء کے متعلق دیگر علماء کی تحقیقات

علامہ ابو العباس احمد بن عمر مالکی قرطبی متوفی ۶۵۶ھ لکھتے ہیں:

قاضی ابو الفضل نے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں' کتب قدیمہ اور اطلاقات ائمہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بہ کثرت اسماء اور آپ کی صفات کا تتبع کیا ہے اور یہ ان کی کتاب الشفاء میں مذکور ہیں' اور قاضی ابو بکر بن العربی نے احکام القرآن میں آپ کے سرسٹھ (۶۷) اسماء کا ذکر کیا جو ان کو پڑھنا چاہے وہ اس کا مطالعہ کرے۔

(المفہم ج ۶ ص ۱۴۹' دار ابن کثیر بیروت' ۱۴۱۷ھ' شرح النواوی ج ۱۰ ص ۶۱۹۰' مطبوعہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ)

علامہ محمد بن محمد زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں:

بعض علماء نے سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء کی تعداد ننانوے (۹۹) تک پہنچائی ہے جو اللہ تعالیٰ کے اسماء حُسنٰی کی تعداد کے موافق ہے جو حدیث میں وارد ہے۔ قاضی عیاض نے کہا اللہ تعالیٰ نے اپنے اسماء حسنیٰ میں سے تینتیس (۳۳) اسماء کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خاص کیا ہے' ابن دحیہ نے المستوفی میں لکھا ہے کہ جب کتب متقدمہ' قرآن مجید سنت میں تتبع اور تلاش کی گئی تو آپ کے اسماء کی تعداد تین سو ہے' اور بعض صوفیاء نے کہا آپ کے اسماء کی تعداد اللہ تعالیٰ کے

اسماء کی طرح ایک ہزار ہے۔ علامہ بدر البلقینی نے ایک ضخیم جلد میں ان اسماء کو جمع کیا ہے' اسی طرح ابن دحیہ نے المستوفی م
ان اسماء سے مراد آپ کے اوصاف ہیں اور ہر وہ وصف جو آپ کے ساتھ مختص ہے اس سے آپ کا اسم بنالیا گیا ہے یا آ
کے اوصاف غالبہ سے یا ان اوصاف سے جو آپ میں اور دوسرے انبیاء میں مشترک ہیں' قاضی عیاض' ابن العربی اور ابن س
الناس نے ان اسماء کا عدد چار سو تک پہنچایا ہے۔

نقاش نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن میں میرے سات اسماء ہیں محمد' احمد' یٰسین' طٰہٰ'
مزمل' مدثر اور عبداللہ۔ (اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۶۳۔ ۱۶۱ ملخصاً مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۴ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جو اسماء قرآن مجید میں بالاتفاق مذکور ہیں وہ یہ ہیں: الشاھد' المبشر' النذیر' المبین' الداعی الی اللہ'
السراج المنیر' المذکر' الرحمۃ' النعمۃ' الھادی' الشہید' الامین' المزمل اور المدثر' حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کی حدیث میں آپ
کا اسم المتوکل بھی ہے۔ اور آپ کے مشہور اسماء یہ ہیں: المختار' المصطفیٰ' الشفیع' المشفع' الصادق المصدوق۔ ان کے علاوہ اور بھی
ہیں' علامہ ابن دحیہ نے الاسماء النبویہ میں ایک الگ مستقل کتاب لکھی ہے۔ بعض علماء نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء اللہ
تعالیٰ کے اسماء کے موافق ننانوے ہیں اور اگر کوئی شخص تتبع کرے تو ان کا عدد تین سو تک پہنچتا ہے۔ علامہ ابن دحیہ نے اپنی اس
تصنیف مذکور میں قرآن مجید اور احادیث سے ان اسماء کا ذکر کیا ہے اور ان آیات اور احادیث کا بھی ذکر کیا ہے اور ان اسماء کو
منضبط کیا ہے اور ان کے معانی کی شرح کی ہے اور اپنی عادت کے مطابق بہت زیادہ فوائد کا ذکر کیا ہے۔ انہوں نے زیادہ تر جن
اسماء کا ذکر کیا ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف ہیں اور ان میں سے اکثر بہ طور اسم کے وارد نہیں ہوئے مثلاً حدیث میں
ہے "میں وہ لبنۃ (اینٹ) ہوں جس سے قصر نبوت مکمل ہوا ہے" تو انہوں نے لبنۃ کو بھی آپ کا اسم قرار دیا ہے' اور علامہ ابن
العربی نے ترمذی کی شرح میں بعض صوفیاء سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ایک ہزار اسم ہیں اور اس کے رسول کے بھی ایک
ہزار اسم ہیں' اور حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پانچ اسم ہیں میں محمد ہوں اور میں احمد ہوں اور میں
الماحی ہوں میرے سبب سے اللہ کفر مٹادیتا ہے اور میں الحاشر ہوں میرے قدموں پر لوگوں کا حشر کیا جائے گا (یعنی میرے بعد
قیامت آجائے گی اور درمیان میں کوئی اور نبی نہیں آئے گا) اور میں العاقب ہوں (یعنی میں تمام انبیاء کے آخر میں ہوں)
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۳۲) اس حدیث میں صرف پانچ اسماء پر اقتصار کرنے کی حکمت یہ ہے کہ آپ کے دوسرے اسماء کی بہ
نسبت یہ اسماء زیادہ مشہور ہیں۔ یہ اسماء گزشتہ امتوں کے درمیان گزشتہ کتابوں میں بھی مذکور ہیں۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۲۵۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ صرف ان کے لیے نصیحت ہے جو (اللہ سے) ڈرتے ہیں ○ اس کو نازل کرنا اس کی طرف سے ہے
جس نے زمینوں کو اور بلند آسمانوں کو پیدا کیا ○ جو رحمٰن ہے اور (اپنی شان کے لائق) عرش پر جلوہ فرما ہے ○ اسی کی ملکیت میں
ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے اور ان کے درمیان ہے اور زمین کی تہہ میں ہے ○ اور اگر آپ بلند
آواز سے بات کریں تو بے شک وہ آہستہ اور اس سے بھی زیادہ پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے ○ اللہ معبود ہے اس کے سوا کوئی
عبادت کا مستحق نہیں تمام اچھے نام اسی کے ہیں ○ (طٰہٰ: ۸۔۳)

صرف ڈرنے والوں کے لیے قرآن کے نصیحت ہونے کی توجیہ

طٰہٰ: ۳ کا معنی ہے کہ ہم نے آپ پر قرآن اس لیے نازل نہیں کیا کہ آپ تبلیغ کے سلسلہ میں مشقت برداشت کری

[مش]قت کا وٹ اٹھائیں بلکہ ہم نے آپ پر یہ قرآن اس لیے نازل کیا ہے کہ آپ اس قرآن سے ان لوگوں کو نصیحت کریں جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں' اس پر یہ اعتراض کیا جائے گا کہ قرآن مجید کی نصیحت صرف ان لوگوں کے لیے کیوں خاص کی گئی ہے جو اللہ سے ڈرتے ہیں' اس کا جواب یہ ہے کہ فی نفسہٖ تو قرآن مجید سب کے لیے نصیحت ہے لیکن واقع میں اس قرآن سے نصیحت وہی لوگ حاصل کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں' جس طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے متعلق ایک جگہ فرمایا: ھدی للناس (البقرۃ: ۱۸۵) یہ قرآن تمام لوگوں کے لیے ہدایت ہے اور دوسری جگہ فرمایا ھدی للمتقین (البقرہ: ۲) یہ قرآن متقین کے لیے ہدایت ہے' اس کا بھی یہی معنی ہے کہ ہر چند کہ قرآن کریم فی نفسہٖ تمام لوگوں کے لیے ہدایت ہے لیکن واقع میں اس سے ہدایت صرف متقین حاصل کرتے ہیں' اسی طرح ایک جگہ فرمایا:

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرَا (الفرقان: ۱)

وہ برکت والا ہے جس نے اپنے (مقدس) بندے پر فرقان نازل کیا تاکہ وہ تمام جہانوں کے لیے ڈرانے والا ہو۔

اس آیت میں فرمایا ہے آپ تمام جہانوں کے لیے ڈرانے والے ہیں' اور ایک اور آیت میں فرمایا:

وَ ذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ (الذاریات: ۵۵)

اور نصیحت کرتے رہیے بے شک یہ نصیحت ایمان والوں کو نفع دے گی؟

نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام دنیا والوں کو نصیحت فرماتے تھے لیکن آپ کی نصیحت سے نفع ایمان والے ہی حاصل کرتے تھے اس لیے اس آیت میں بھی خصوصیت سے فرمایا کہ یہ قرآن صرف ان کے لیے نصیحت ہے جو (اللہ سے) ڈرتے ہیں۔

قرآن کریم کی عظمت

طٰہٰ: ۴ میں فرمایا اس کو نازل کرنا اس کی طرف سے ہے جس نے زمینوں کو اور بلند آسمانوں کو پیدا کیا ۝

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی عظمت بیان فرمائی ہے کہ اس کو نازل کرنے والا وہ عظیم ہے جس نے زمینوں اور بلند آسمانوں کو پیدا فرمایا ہے' جو رحمٰن ہے اور عرش پر جلوہ فرما ہے' اسی کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے اور ان کے درمیان میں ہے اور زمین کی تہہ میں ہے ۝ کیونکہ مخلوق اور نعمت کی عظمت سے اس کے خالق اور منعم کی عظمت ظاہر ہوگی کہ جو مخلوق اتنی عظیم ہے اس کا خالق کتنا عظیم ہوگا اور جو نعمت اس قدر عظیم ہے اس نعمت کا دینے والا کس قدر عظیم ہوگا' اور جب اس قدر عظیم ذات نے قرآن مجید کو نازل کیا ہے تو وہ قرآن مجید کس قدر عظیم ہوگا اور قرآن مجید کی عظمت اس لیے بیان فرمائی تاکہ لوگ اس کے معانی میں غور و فکر کریں اور اس کے حقائق میں تدبر کریں' کیونکہ یہ مشاہدہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی کے پاس اپنا نمائندہ یا سفیر بھیجتا ہے تو اگر وہ بھیجنے والا بہت عظیم اور صاحب اقتدار ہو تو اس سفیر اور نمائندہ کو بہت اہم اور قابل قدر قرار دیا جاتا ہے اور پوری تندہی سے اس کے احکام کی اطاعت کی جاتی ہے۔

طٰہٰ: ۵ میں فرمایا جو رحمٰن ہے اور عرش پر جلوہ فرما ہے' عرش پر جلوہ فرما ہونے کی تفسیر ہم الاعراف: ۵۴ میں بیان کر چکے ہیں۔

طٰہٰ: ۶ میں ماتحت الثری کا لفظ ہے' ثری کا معنی ہے گیلی مٹی' خاک (مختار الصحاح ص ۶۲) اس سے مراد وہ پتھر ہیں جن کے نیچے کیا ہے اس کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا' محمد بن کعب نے کہا اس سے مراد ساتویں زمین ہے۔

سر اور اخفٰی کا معنی

طٰہٰ: ۷ میں ہے اگر آپ بلند آواز سے بات کریں تو بے شک وہ آہستہ اور اس سے بھی زیادہ پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے ۝

اس آیت میں سِرّ اور اخفیٰ کے الفاظ ہیں' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: انسان دوسرے شخص سے پوشیدگی میں جو بات کرے وہ سِرّ ہے' اور انسان اپنے دل میں جو بات چھپالے اور کسی دوسرے شخص کو اس پر مطلع نہ کرے وہ اخفیٰ ہے۔ نیز حضرت ابن عباس نے فرمایا تمہارا دل میں کسی کام کا منصوبہ بنانا سر ہے اور جس کام کا تم عنقریب اپنے دل میں منصوبہ بناؤ گے وہ اخفیٰ ہے' تم یہ جانتے ہو کہ تم نے آج اپنے دل میں کیا پروگرام بنایا ہے اور تم یہ نہیں جانتے کہ تم کل اپنے دل میں کیا پروگرام بناؤ گے' اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ تم نے آج اپنے دل میں کیا چھپایا ہے اور تم کل اپنے دل میں کیا چھپاؤ گے اس لیے فرمایا وہ سِرّ کو بھی جانتا ہے اور اخفیٰ کو بھی جانتا ہے۔

اللہ کے واحد ہونے پر ایمان کے مدارج اور مراتب

طٰہٰ: ٨ میں ہے: اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں' پھر تمام اچھے نام اسی کے ہیں۔

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنے سے انسان مسلمان ہو جاتا ہے اس پر دوزخ کے عذاب کا دوام حرام ہو جاتا ہے اور وہ دخول جنت کا مستحق ہو جاتا ہے۔ اس آیت کے پہلے جز میں اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید کا بیان فرمایا ہے' امام رازی نے لکھا ہے کہ توحید کے چار مراتب ہیں: (١) زبان سے توحید کا اقرار کرنا (٢) دل میں توحید کا اعتقاد رکھنا (٣) دلائل سے اس اعتقاد کی تائید کرنا (۴) بندہ بحرِ توحید میں اس طرح غرق ہو جائے کہ اس کے دل میں ماسوا اللہ تعالیٰ کی معرفت کے اور کوئی خیال نہ آئے۔

اگر کوئی شخص زبان سے اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار کرے اور اس کا دل اس کے اعتقاد سے خالی ہو تو وہ منافق ہے' اور اگر اس کے دل میں توحید کا اعتقاد ہو اور اس نے زبان سے توحید کا اقرار نہ کیا ہو تو اس کی حسب ذیل صورتیں ہیں:

صورت اولیٰ: ایک شخص نے دلائل میں غور و فکر کیا اور اس کو اللہ تعالیٰ کی توحید کی معرفت ہو گئی لیکن اس سے پہلے کہ وہ توحید کا اقرار کرتا اس کو موت آ گئی۔ ایک قوم نے یہ کہا اس کا ایمان مکمل نہیں ہوا' اور حق یہ ہے کہ اس کا ایمان مکمل ہو گیا کیونکہ جس چیز کا وہ مکلف تھا اس کو اس نے ادا کر لیا اور وقت کی مہلت نہ ملنے کی وجہ سے وہ کلمہ پڑھنے سے عاجز رہا' اور میں نے بعض کتابوں میں یہ پڑھا ہے کہ ملک الموت کی پیشانی پر لا الٰہ الا اللہ لکھا ہوا ہے تاکہ جب مومن ملک الموت کی طرف دیکھے تو اس کو کلمہ پڑھنا یاد آ جائے۔

صورتِ ثانیہ: ایک شخص نے اللہ تعالیٰ کو پہچان لیا اور اس پر اتنا وقت گزر گیا جس میں وہ کلمہ پڑھ سکتا تھا' لیکن اس نے کوتاہی کی اس کے متعلق بھی اختلاف ہے۔ امام غزالی نے یہ کہا کہ زبان دل کی ترجمان ہے' جب اس کے دل میں ایمان آ چکا اور پھر اس نے زبان سے اقرار کرنے میں تقصیر کی تو یہ ایسا ہے جیسے کوئی شخص نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے میں کوتاہی کرے تو وہ کیسے اہل دوزخ میں سے ہوگا جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے: جس کے دل میں ایک ذرہ کے برابر بھی ایمان ہو گا اس کو دوزخ سے نکال لیا جائے گا (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۴) اور اس شخص کا دل تو ایمان سے بھرا ہوا ہے۔ اور بعض علماء نے یہ کہا کہ ایمان اور کفر امور شرعیہ ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ جو شخص کلمہ نہ پڑھے وہ کافر ہے۔

صورت ثالثہ: جس نے دلائل میں غور و فکر کیے بغیر زبان سے اللہ کے واحد ہونے کا اقرار کیا اور دل میں اس کا اعتقاد رکھا تو یہ مقلد کا ایمان ہے اور اس کے صحیح ہونے میں اختلاف مشہور ہے۔ (تفسیر کبیر ج ٨ ص ١٢' مطبوعہ ١۴١۵ھ)

مقلد کے ایمان کا صحیح ہونا

میں کہتا ہوں کہ اس ایمان کے صحیح ہونے میں کوئی شک نہیں ہے عہد صحابہ و تابعین سے لے کر آج تک کے نوے فیصد

...سے زیادہ مسلمان اس لیے مسلمان ہیں کہ ان کے ماں باپ مسلمان تھے' ان کے ماں باپ نے انہیں کلمہ پڑھایا اور اسلام کے بنیادی عقائد کی تعلیم دی اور اسلام کے احکام پر عمل کرایا' یہ اور بات ہے کہ بعد میں پڑھ لکھ کر ان میں سے بعض کو توحید و رسالت کے دلائل پر اطلاع ہو گئی لیکن ان میں بہ کثرت ایسے مسلمان ہیں کہ اگر آپ ان سے پوچھیں کہ اللہ تعالیٰ کے واحد لاشریک ہونے پر کیا دلیل ہے تو وہ کوئی دلیل نہیں بتا سکیں گے' یا آپ ان سے پوچھیں کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے کی کیا دلیل ہے تو وہ آپ کو کوئی دلیل نہیں بتا سکیں گے۔ اس لیے یہ کہنا کہ مقلد کا ایمان صحیح نہیں ہے دراصل بے شمار مسلمانوں کے ایمان کی نفی کرنا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جو شخص اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے کا اعتراف کرتا یا آپ کی نبوت کا اقرار کرتا آپ اس سے یہ سوال نہیں کرتے تھے کہ تم کس دلیل سے اللہ کو واحد مانتے ہو یا کس دلیل سے مجھ کو نبی مانتے ہو۔

حضرت معاویہ بن الحکم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا' اور میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میری ایک باندی تھی جو میری بکریاں چراتی تھی ایک دن میں اس کے پاس گیا اور میری بکریوں میں سے ایک بکری نہیں تھی' میں نے اس سے اس بکری کے متعلق سوال کیا اس نے بتایا کہ اس کو ایک بھیڑیا کھا گیا' اور میں بھی بنو آدم سے ہوں' میں نے اس کے چہرے پر ایک تھپڑ مارا' اور میرے ذمہ ایک غلام کو آزاد کرنا ہے کیا میں اس باندی کو آزاد کر دوں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس باندی سے پوچھا اللہ کہاں ہے اس نے کہا آسمان میں' پھر آپ نے پوچھا میں کون ہوں؟ اس نے کہا آپ رسول اللہ ہیں' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو آزاد کر دو۔

(مؤطا امام مالک رقم الحدیث: ۱۵۳۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۳۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۹۳۰' ۳۲۸۲' ۳۹۰۹' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۲۱۹' مسند احمد ج ۳ ص ۴۵۲' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۶۸۱۴' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۲۰' سنن کبریٰ ج ۱۰ ص ۵۷' شرح السنۃ ج ۹ ص ۲۳۶)

حضرت عتبہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انصار میں سے ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک سیاہ فام باندی لے کر آیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ! میرے ذمہ ایک مسلمان غلام کو آزاد کرنا ہے' اگر آپ کے نزدیک یہ باندی مومنہ ہو تو میں اس کو آزاد کر دوں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا تم یہ گواہی دیتی ہو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' اس نے کہا ہاں! آپ نے پوچھا کیا تم یہ گواہی دیتی ہو کہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں؟ اس نے کہا ہاں' آپ نے پوچھا کیا تم مرنے کے بعد اٹھنے پر یقین رکھتی ہو اس نے کہا ہاں' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو آزاد کر دو۔ (مؤطا امام مالک رقم الحدیث ۱۵۳۵' مسند احمد ج ۳ ص ۴۵۲-۴۵۱)

ان دونوں حدیثوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان باندیوں سے صرف کلمہ سن کر ان کو مومنہ قرار دیا' اور آپ نے یہ نہیں پوچھا کہ وہ کس دلیل سے اللہ کو واحد اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی مانتی ہیں اس سے معلوم ہوا کہ کسی شخص کے مومن ہونے کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ دلائل سے اللہ اور رسول کو مانے۔

حافظ ابو عمر ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ ھ لکھتے ہیں:

عطا بن ابی رباح نے کہا ہر وہ غلام جو اسلام میں پیدا ہوا ہو اس کو کفارہ میں آزاد کرنا درست ہے اوزاعی کہتے ہیں کہ میں نے زہری سے پوچھا آیا دودھ پیتے بچے کو کفارۂ قتل میں آزاد کرنا درست ہے' انہوں نے کہا ہاں! کیونکہ وہ فطرت پر پیدا ہوا ہے اور یہی اوزاعی کا قول ہے۔ امام ابوحنیفہ نے کہا جب کسی غلام کے ماں باپ میں سے ایک مومن ہو تو اس کو کفارۂ قتل میں آزاد کرنا جائز ہے' یہی امام شافعی کا بھی قول ہے مگر ان کے نزدیک مستحب یہ ہے کہ وہ ایمان کی تصریح کرے' امام مالک نے یہ

فرمایا کہ اس صورت میں اس کے باپ کا مسلمان ہونا ضروری ہے۔

حافظ ابو عمر کہتے ہیں کہ تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ جو شخص مسلمان والدین کے ہاں پیدا ہوا ہو اور وہ ابھی عقل اور تمیز کی حد کو نہ پہنچا ہو تو وہ وراثت میں مسلمان اور مومن کے حکم میں ہے اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا۔ (الاستذکار ج ٢٣ ص ١٧٣، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، ١٤١٤ھ)

نیز حافظ ابن عبد البر مالکی متوفی ٤٦٣ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جس شخص نے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت دی وہ مومن ہے جب کہ وہ اس کی دل سے تصدیق کرتا ہو اور زبان سے اس کا اظہار کرتا ہو خواہ وہ روزہ رکھتا ہو نہ نماز پڑھتا ہو، اور اسی طرح وہ بچہ جو مسلمان ماں باپ کے درمیان رہتا ہو، کیونکہ اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس باندی سے اس شہادت کے سوا اور کسی چیز کا سوال نہیں کیا۔ (التمہید ج ٤ ص ١١٩، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ١٤١٩ھ، فتح المالک ج ٨ ص ٤٤٢، مطبوعہ بیروت، ١٤١٨ھ)

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ٦٧٦ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ کافر اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے اقرار کے بغیر مومن نہیں ہوتا اور اس میں یہ دلیل بھی ہے کہ جس شخص نے ان دونوں شہادتوں کا اقرار کیا اور اس پر مضبوط یقین رکھا وہ اس کے ایمان کی صحت کے لیے کافی ہے، اور اس کے اہل قبلہ اور اہل جنت سے ہونے کے لیے بھی کافی ہے اور اس کو اس کا مکلف نہیں کیا جائے گا کہ وہ اس اعتقاد کو دلیل اور برہان سے بھی ثابت کرے اور نہ اس پر یہ لازم ہے کہ وہ اس کی دلیل کو جانے، اور یہی صحیح مذہب ہے جس پر جمہور ہیں۔ (صحیح مسلم بشرح النواوی ج ٣ ص ١٨١٠، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ، ١٤١٧ھ)

لا الٰہ الا اللہ پڑھنے کی فضیلت میں احادیث

طٰہٰ: ٨ میں ہے لا الٰہ الا ھو، اور ھو ضمیر اللہ کی طرف لوٹ رہی ہے سو اس کا معنی ہے لا الٰہ الا اللہ اس لیے ہم یہاں لا الٰہ الا اللہ پڑھنے کے فضائل کے متعلق احادیث کو بیان کر رہے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! قیامت کے دن آپ کی شفاعت کی زیادہ سعادت کون حاصل کرے گا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرا یہی گمان تھا اے ابو ہریرہ کہ اس کے متعلق تم سے پہلے مجھ سے کوئی سوال نہیں کرے گا، قیامت کے دن میری شفاعت کی سعادت وہ شخص حاصل کرے گا جس نے اخلاص قلب کے ساتھ کہا ہو لا الٰہ الا اللہ۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ٩٩، مسند احمد رقم الحدیث: ٨٨٤٥، عالم الکتب)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اخلاص کے ساتھ لا الٰہ الا اللہ کہا وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ پوچھا گیا اخلاص کیا ہے؟ فرمایا جن چیزوں کو اللہ نے حرام کیا ہے ان سے باز رہے۔ (المعجم الاوسط رقم الحدیث: ١٢٥٧، مکتبہ المعارف ریاض، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ٥٠٧٤، الترغیب والترہیب للمنذری رقم الحدیث: ٢٢٥٣، مجمع الزوائد رقم الحدیث: ١٨)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے ایمانوں کو تازہ کرو، کہا گیا یا رسول اللہ! ہم اپنے ایمانوں کو کیسے تازہ کریں آپ نے فرمایا: بہ کثرت لا الٰہ الا اللہ پڑھو۔

(مسند احمد ج ٢ ص ٣٥٩، الترغیب للمنذری رقم الحدیث: ٢٢٦٠، حافظ منذری نے کہا یہ حدیث حسن ہے، حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کو امام احمد اور امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور امام طبرانی کی سند کے راوی ثقہ ہیں مجمع الزوائد ج ١٠ ص ٨٢)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے مجھے ایک ایسے کلمہ کا علم ہے اس کو جو شخص بھی دل سے پڑھے گا اور تا دم مرگ اس پر قائم رہے گا اس کو دوزخ پر حرام کر دیا جائے گا وہ کلمہ ہے لا الٰہ الا اللہ۔ (المستدرک ج ۱ ص ۷۲) امام حاکم نے کہا اس حدیث کی سند امام بخاری اور امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت کی چابیاں لا الٰہ الا اللہ کی شہادت دینا ہے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۲۴۰' اس حدیث کی سند میں انقطاع ہے مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۶)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ افضل الذکر لا الٰہ الا اللہ ہے اور افضل الدعاء الحمد للہ ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۸۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۰۰' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۸۴۶' المستدرک ج ۱ ص ۵۰۳' ۴۹۸' الاسماء و الصفات ج ۱ ص ۱۷۹)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ ایک پالان پر آگے پیچھے سوار تھے' آپ نے فرمایا: اے معاذ بن جبل! میں نے کہا لبیک یا رسول اللہ! میں آپ کی اطاعت کے لیے حاضر ہوں۔ آپ نے اس طرح تین بار فرمایا تھا' پھر آپ نے فرمایا: جو شخص بھی صدق دل سے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دے گا اللہ اس کو دوزخ پر حرام کر دے گا' میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں لوگوں کو اس کی خبر نہ دے دوں تا کہ وہ خوش ہو جائیں؟ آپ نے فرمایا: پھر وہ اسی پر اعتماد کر لیں گے۔ حضرت معاذ نے موت کے وقت گناہ سے بچنے کے لیے اس حدیث کو بیان کیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۲۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۲' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۳۷۷۸)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حشر کے دن میری امت کے ایک شخص کو لوگوں کے درمیان سے بلایا جائے گا' اس کے سامنے اس کے گناہوں کے ننانوے رجسٹر کھولے جائیں گے اور ہر رجسٹر منتہاء نظر تک ہو گا' پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تم اس میں سے کسی چیز کا انکار کرتے ہو؟ کیا میرے لکھنے والے محافظ فرشتوں نے تم پر کوئی ظلم کیا ہے؟ وہ کہے گا نہیں اے میرے رب! اللہ تعالیٰ فرمائے گا تمہارے پاس کوئی عذر ہے؟ وہ کہے گا نہیں! اے میرے رب! اللہ فرمائے گا کیوں نہیں! ہمارے پاس تمہاری ایک نیکی ہے بے شک آج تم پر کوئی ظلم نہیں ہو گا پھر ایک پرچی نکالی جائے گی جس میں لکھا ہو گا: اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدا عبدہ و رسولہ' اللہ تعالیٰ فرمائے گا اس کو اپنے میزان میں رکھو' وہ بندہ کہے گا اے میرے رب! ان رجسٹروں کے سامنے اس پرچی کا کیا وزن ہو گا۔ پس اللہ فرمائے گا بے شک تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ پھر اس کے گناہوں کے رجسٹروں کو ایک پلڑے میں رکھا جائے گا اور اس پرچی کو دوسرے پلڑے میں رکھا جائے گا پھر وہ رجسٹر میزان میں ہلکے ہوں گے اور وہ پرچی بھاری ہو گی اور اللہ کے نام کے سامنے کوئی چیز بھاری نہیں ہو سکتی۔

(یہ حدیث صحیح ہے سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۳۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۰۰' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۲۵' المستدرک ج ۱ ص ۶)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ سفید چادر اوڑھے ہوئے سو رہے تھے' میں دوبارہ آیا تو آپ بیدار ہو چکے تھے' آپ نے فرمایا: جو بندہ بھی لا الٰہ الا اللہ کہے پھر اسی کلمہ پر مر جائے وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ میں نے عرض کیا اگر وہ زنا کرے' اگر وہ چوری کرے' آپ نے فرمایا: اگر وہ زنا کرے اور اگر وہ چوری کرے! میں نے کہا اگر وہ زنا کرے اور اگر وہ چوری کرے' فرمایا اگر وہ زنا کرے اور اگر وہ چوری کرے' میں نے

(تیسری بار) کہا اگر وہ زنا کرے اور اگر وہ چوری کرے آپ نے فرمایا: اگر وہ زنا کرے اور اگر وہ چوری کرے ابوذر کی ناک کو خاک میں رگڑتے ہوئے۔ حضرت ابوذر جب بھی یہ حدیث بیان کرتے تو یہ کلمات ضرور کہتے تھے' امام بخاری نے فرمایا یہ حدیث اس شخص پر محمول ہے جو مرتے وقت لا الٰہ الا اللہ پڑھے' یا موت سے پہلے جب بندہ توبہ کرے اور نادم ہو اور کہے لا الٰہ الا اللہ تو اس کی مغفرت کر دی جائے گی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۸۲۷' ۱۲۳۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۴' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۱۱۶۶' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۱۷۴۴)

جو شخص فرائض کا تارک ہو اور محرمات کا مرتکب ہو آیا صرف کلمہ پڑھنے سے اس کی نجات ہو جائے گی

حافظ زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری المتوفی ۶۵۶ ھ لکھتے ہیں:

اس قسم کی جو احادیث ہیں جن میں مذکور ہے جس نے لا الٰہ الا اللہ کہا وہ جنت میں داخل ہو جائے گا یا اس پر دوزخ کی آگ حرام ہو جائے گی۔ ان کے متعلق اساطین اہل علم نے یہ کہا ہے یہ ابتداء اسلام پر محمول ہیں جب اسلام کی دعوت صرف توحید کے اقرار کے لیے تھی پھر جب فرائض مقرر ہو گئے اور حدود متعین ہو گئیں تو یہ حکم منسوخ ہو گیا' اور اس پر بہت زیادہ دلائل ہیں جن میں نماز' روزہ' زکوٰۃ اور حج ادا کرنے والے اور حرام کام کرنے والوں پر عذاب کی وعید کی گئی ہے۔ ضحاک' سفیان ثوری اور زہری وغیرہ کا یہی قول ہے' اور ایک جماعت نے یہ کہا کہ نسخ کا دعویٰ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ارکان دین اور فرائض اسلام میں سے ہر چیز توحید اور رسالت کی شہادت کے لوازم میں سے ہے' سو جس شخص نے کسی فرض کا انکار کرتے ہوئے اس کو ادا نہیں کیا یا اس کو معمولی یا غیر اہم سمجھتے ہوئے اس کو ادا نہیں کیا ہم اس پر کفر کا حکم لگائیں گے اور یہ قول بھی صحت کے قریب ہے' اور ایک جماعت نے یہ کہا ہے کہ کلمہ توحید پڑھنا دخول جنت اور دوزخ سے نجات کا سبب ہے' بہ شرطیکہ وہ فرائض کو ادا کرے اور کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرے اور اگر وہ فرائض ادا نہ کرے اور کبائر سے اجتناب نہ کرے تو کلمہ توحید پڑھنا دوزخ میں دخول سے مانع نہیں ہے۔ (الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۳۹۱۔ ۳۹۰' مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت' ۱۴۱۴ھ)

جس شخص نے کلمہ توحید پڑھا' اور فرائض ادا نہیں کیے اور کبائر کا ارتکاب کیا اس کے متعلق میری تحقیق یہ ہے کہ قرآن مجید کی بہت سی آیات اور بہت سی احادیث کو سامنے رکھ کر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ایسا شخص خواہ ابتداءً جنت میں داخل نہ ہو لیکن وہ جنت میں بہر حال داخل ہو گا اور اس پر دوزخ کا خلود اور دوام نہیں ہو گا' رہا اس کا نیک عمل نہ کرنا اور برے کام کرنا تو ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل محض سے اس کے گناہوں کو بخش کر اس کو ابتداءً جنت میں داخل کر دے' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کی شفاعت فرما دیں کیونکہ آپ نے فرمایا: میری شفاعت میری امت کے کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لیے ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۳۹' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۳۶' مسند احمد ج ۳ ص ۲۱۳' سنن بیہقی ج ۸ ص ۱۷' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۷۸' مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۵۵۹۸' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۵۹۶' الترغیب والترہیب ج ۴ ص ۴۴۶' کنزالعمال رقم الحدیث: ۳۹۰۵۵) اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دیگر انبیاء' صلحاء یا علماء میں سے اسے کسی کی شفاعت نصیب ہو جائے' یا دنیا میں جو اس پر مصائب ڈالے گئے تھے وہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جائیں' اور اگر بالفرض وہ ان تمام مراحل سے محروم رہے تو بہر حال یہ یقینی امر ہے کہ وہ اپنے گناہوں کی سزا بھگت کر پھر جنت میں داخل ہو جائے گا لیکن وہ جنت میں داخل ضرور ہو گا اور دوام اور خلود کے ساتھ دوزخ میں نہیں رہے گا' اور یہی ان احادیث کا منشا اور محمل ہے اور امام بخاری نے جو فرمایا ہے کہ جو شخص گناہ کرنے کے بعد نادم اور تائب ہو یا جو مرتے وقت کلمہ پڑھ لے وہ بھی ان احادیث کا بہت عمدہ محمل ہے۔

اسماء حسنٰی

اس کے بعد فرمایا: تمام اچھے نام اسی کے ہیں: (طٰہٰ: ۸)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسماء ہیں جس نے ان کو شمار کرلیا وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۷۳۶، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۷۷)

ان اسماء کا تفصیل سے ذکر جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۵۱۸ میں ہے۔

ہم نے اس آیت کی مکمل اور جامع تفسیر الاعراف: ۱۸۰ میں کی ہے۔ دیکھئے تبیان القرآن ج ۴ ص ۴۳۲۔ ۴۲۴، وہاں ہم نے ان عنوانات پر بحث کی ہے: اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنٰی کا معنی، اسم مسمیٰ کا عین ہے یا غیر، اللہ تعالیٰ کے اسماء کے توقیفی ہونے کی تحقیق، اسم اعظم کی تحقیق، اللہ تعالیٰ کے اسماء میں الحاد کی تفصیل، اللہ تعالیٰ کے اسماء کے توقیفی ہونے پر مذاہب اربعہ۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا آپ کے پاس موسیٰ کی خبر پہنچی ہے؟ O جب انہوں نے آگ کو دیکھا تو اپنی بیوی سے کہا ٹھہرو، بے شک میں نے آگ دیکھی ہے شاید میں اس سے تمہارے پاس کوئی انگارہ لاؤں یا میں آگ سے راستہ کی کوئی نشانی پاؤں O (طٰہٰ: ۱۰۔۹)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ ذکر کرنے کی وجہ

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت بیان فرمائی تھی اب اس کے بعد انبیاء علیہم السلام کا ذکر فرما رہا ہے تاکہ انبیاء علیہم السلام کے احوال سن کر اور ان کو تبلیغ کی راہ میں جو مشکلات پیش آئیں اور انہوں نے جو سختیاں اٹھائیں اور کفار نے ان کو جو دل آزار باتیں کہیں ان سب پر مطلع ہو کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اطمینان اور تسلی ہوگی اور کفار کو تبلیغ کرنے کے لیے آپ کا دل مزید مضبوط ہوگا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ (ھود: ۱۲۰)

ہم آپ کے سامنے رسولوں کے تمام احوال بیان فرما رہے ہیں جن سے ہم آپ کے دل کو مضبوط کر رہے ہیں۔

اور انبیاء علیہم السلام کے احوال میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذکر سے ابتدا کی کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بہت فتنوں اور بہت آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا تھا تاکہ اس راہ میں سختیوں کے برداشت کرنے کے لیے آپ کے حق میں تسلی کا سبب فراہم ہو۔

حضرت موسیٰ کا حضرت شعیب کی اجازت سے مدین سے روانہ ہونا

یہ جو فرمایا ہے کیا آپ کے پاس موسیٰ کی خبر پہنچی ہے؟ اس کے دو محمل ہیں، ایک یہ کہ جب پہلی بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت موسیٰ کی خبر دی تو فرمایا کیا آپ کے پاس موسیٰ کی خبر پہنچی ہے؟ یعنی اب تک آپ کے پاس موسیٰ کی خبر نہیں پہنچی۔ ہم آپ کو اب موسیٰ کی خبر دے رہے ہیں اور اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ اس سے پہلے آپ کے پاس موسیٰ کی خبر پہنچ چکی ہے اور یہ فرما کر کہ کیا آپ کے پاس موسیٰ کی خبر پہنچی ہے ہم آپ کو اس خبر پر متنبہ کر رہے ہیں۔

وہب بن منبہ یمانی بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت شعیب علیہ السلام کی خدمت کرنے کی مدت پوری کر دی تو وہ ان سے اجازت لے کر مصر کی طرف واپس روانہ ہوئے، ان کے ساتھ ان کی اہلیہ بھی تھیں اور ایک بکری تھی اور عصا تھا جس سے وہ دن میں بکری کے لیے پتے جھاڑتے تھے، اور ایک چقماق تھا جس سے وہ رات کو آگ جلا کر حرارت حاصل کرتے کیونکہ وہ انتہائی سرد موسم تھا اور برفانی راتیں تھیں۔ جب وہ رات آئی جس میں اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ

السلام کو نبوت سے مشرف کرنا چاہتا تھا اور ان کو اپنے کلام سے سرفراز کرنا چاہتا تھا اس رات حضرت موسیٰ علیہ السلام راستہ بھول گئے حتیٰ کہ انہیں پتا نہیں چلا کہ وہ کس طرف متوجہ ہوں۔ انہوں نے چقماق نکالا تا کہ اپنے اھل کے ساتھ رات گزارنے کے لیے آگ روشن کریں' اس رات وہ چقماق نہ جل سکا اور وہ اس کو جلانے کی کوشش میں تھک گئے' حتیٰ کہ انہوں نے ایک جگہ آگ دیکھی۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۸۱۰۲' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۶ھ)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے اھل سے کہا تم لوگ ٹھہرو' یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اھل سے مراد ان کی زوجہ صفوراء ان کا بچہ اور ان کا خادم ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اھل سے مراد صرف ان کی زوجہ ہو کیونکہ اھل کا اطلاق دونوں پر ہوتا ہے۔ امام ابن جریر نے لکھا ہے کہ ان کی بیوی کا نام صفورا تھا (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۰۸۶۴) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا انی انست نارا' میں نے آگ کو دیکھا ہے' ایناس کا معنی ہے اس واضح چیز کو دیکھنا جس میں کوئی اشتباہ نہ ہو' اس لفظ سے انسان العین بنا ہے' جس کا معنی ہے آنکھ کی پتلی جس سے چیزیں دکھائی دیتی ہیں' اور اسی سے انس بنا ہے' جس کا معنی ہے انسان' کیونکہ وہ بھی ظاہر ہوتا ہے اس کے برخلاف جن کا معنی ہے چھپی ہوئی چیز اور جنات کو جن اس لیے کہتے ہیں کہ وہ مخفی ہوتے ہیں اور نظر نہیں آتے۔ سو انس کا معنی ظاہر اور جن کا معنی مخفی ہے اور یہ دونوں ایک دوسرے کے مقابل ہیں۔

حضرت موسیٰ نے اپنے اھل سے فرمایا شاید میں اس سے تمہارے پاس کوئی انگارہ لاؤں یا میں آگ سے راستہ کی کوئی نشانی پاؤں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ نہیں فرمایا کہ میں تمہارے پاس انگارہ لے کر آتا ہوں' کیونکہ ہوسکتا ہے ان کو جو آگ نظر آئی تھی وہ کوئی اور چیز ہوتی اور وہ اس سے اپنے وعدہ کے مطابق انگارہ نہ لاسکتے تو انہوں نے وعدہ کی خلاف ورزی سے بچنے کے لیے فرمایا شاید میں تمہارے پاس اس سے انگارہ لے آؤں!

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا آگ کو دیکھنا

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

وھب بن منبہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آگ کو دیکھا تو وہ تھوڑی دور چلے حتیٰ کہ آگ کے قریب پہنچ کر ٹھہر گئے۔ انہوں نے دیکھا وہ بہت عظیم الشان آگ تھی جو ایک سرسبز درخت کی شاخوں سے بھڑک رہی تھی اور آگ کے بھڑکنے سے درخت جلنے کے بجائے اور زیادہ سرسبز ہو رہا تھا اور اس کا حسن اور زیادہ نکھر رہا تھا' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سوچا یہ ایسی آگ ہے کہ اس سے انگارے حاصل نہیں کیے جاسکتے۔ وہ وہاں پر حیران کھڑے ہوئے تھے اور یہ سوچ رہے تھے کہ میں یہیں پر کھڑا رہوں یا واپس چلا جاؤں' وہ اسی کیفیت میں تھے کہ اس درخت سے عمودی شکل میں آسمان کی جانب ایک نور بلند ہوا جو سورج کی شعاع کی مثل تھا اور اس پر نظر نہیں ٹھہرتی تھی وہ اسی خوف اور دہشت کی حالت میں کھڑے ہوئے تھے کہ درخت سے ایک بلند آواز آئی یا موسیٰ!

(کتاب الزھد ص ۸۰-۷۹' ملخصاً' اس روایت کا امام رازی نے بھی ذکر کیا ہے تفسیر کبیر ج ۸ ص ۱۷-۱۶' بیروت' حافظ سیوطی نے اس روایت کو امام احمد کی کتاب الزھد' امام ابن ابی حاتم' امام عبد بن حمید اور امام ابن المنذر کے حوالوں سے تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ (الدر المنثور ج ۵ ص ۵۵۵-۵۵۴)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جب وہ آگ کے پاس پہنچے تو انہیں پکارا گیا اے موسیٰ ○ بے شک میں ہی آپ کا رب ہوں' سو آپ اپنے جوتے اتار دیجئے' بے شک آپ مقدس میدان طویٰ میں ہیں ○ اور میں نے آپ کو اپنی رسالت کے لیے چن لیا ہے پس جو وحی کی جائے اس کو بہ غور سنئے ○ بے شک میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے تو آپ میری عبادت

کیجئے اور میری یاد کے لیے نماز قائم کیجئے O (طٰہٰ: ۱۴-۱۱)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ندا کو سننا

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ نے وہب بن منبہ سے روایت کیا ہے:

جب درخت سے ندا کی گئی اے موسیٰ! تو حضرت موسیٰ نے فوراً جواب دیا لبیک' حالانکہ ان کو یہ پتا نہیں تھا کہ ان کو کس نے پکارا ہے' لیکن ان کو اس آواز سے انس ہو گیا اس لیے انہوں نے بار بار لبیک کہا انہوں نے کہا میں آپ کی آواز سن رہا ہوں اور میں آپ کی جگہ کو نہیں دیکھ رہا' آپ کہاں ہیں؟ فرمایا میں تمہارے اوپر ہوں اور تمہارے ساتھ ہوں اور تمہارے قریب ہوں' جب حضرت موسیٰ نے یہ کلام سنا تو ان کو یقین ہو گیا کہ یہ کلام ان کے رب عزوجل کے سوا اور کسی کا نہیں ہے' سو انہوں نے اپنے رب پر یقین کر لیا پس انہوں نے کہا اے میرے معبود! میں تیرا کلام سن رہا ہوں یا تیرے کسی رسول کا؟ اللہ عزوجل نے فرمایا بلکہ میں ہی تم سے کلام کر رہا ہوں' تم میرے قریب ہو جاؤ' حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی لاٹھی کو دونوں ہاتھوں میں پکڑ کر کھڑے ہو گئے ان کے کندھے کپکپا رہے تھے' ان کے قدم لڑکھڑا رہے تھے اور دل مضطرب تھا' حتیٰ کہ وہ اس درخت کے قریب کھڑے ہو گئے جس سے ندا آئی تھی۔ (کتاب الزہد ص ۸۰' مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ)

حضرت موسیٰ نے جس کلام کو سنا تھا اس کے سننے کی کیفیت

اس جگہ پر یہ بحث کی گئی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو کلام سنا تھا اس کی کیا کیفیت تھی' امام اشعری نے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کلام قدیم سنا تھا جس میں نہ کوئی حرف تھا نہ کوئی آواز تھی۔ اگر یہ شبہ ہو کہ بغیر آواز کے کلام کس طرح سنائی دے سکتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ہمیں اس وقت تک کوئی چیز دکھائی نہیں دیتی جب تک اس کا کوئی رنگ نہ ہو اور اللہ تعالیٰ بے رنگ ہے اور جنت میں اور حشر میں مومنوں کو دکھائی دے گا تو جس طرح وہ باوجود بے رنگ ہونے کے دکھائی دے سکتا ہے اسی طرح اس کا کلام بغیر کسی آواز کے سنائی دے سکتا ہے۔ اور ماوراء النہر کے علماء اہل سنت نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام قدیم ہے' لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو سنا تھا وہ کلام قدیم نہیں تھا وہ ایک آواز تھی جس کو اللہ تعالیٰ نے اس درخت میں پیدا کر دیا تھا اور انہوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کے آگ کے پاس آنے پر ندا کو مرتب کیا ہے اور جو چیز کسی حادث پر مرتب ہو وہ بھی حادث ہوتی ہے سو حضرت موسیٰ نے کلام قدیم نہیں سنا تھا کلام حادث سنا تھا' اور رہے معتزلہ تو وہ سرے سے اللہ تعالیٰ کے کلام کے قائل ہی نہیں ہیں وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ ندا کسی جسم میں پیدا کر دی تھی مثلاً درخت میں یا کسی اور چیز میں۔ ہمارے نزدیک اس بحث میں امام اشعری کا نظریہ حقیقت کے زیادہ قریب ہے۔

حضرت موسیٰ کو کیسے یقین ہوا کہ یہ اللہ کا کلام ہے

دوسری بحث یہ ہے کہ یہ ندا سن کر حضرت موسیٰ کو یہ کیسے یقین ہو گیا کہ یہ اللہ کا کلام ہے' امام رازی کے نزدیک راجح یہ ہے کہ کسی فرشتہ نے حضرت موسیٰ کے سامنے اس پر کوئی معجزہ پیش کیا تھا کہ یہ اللہ کا کلام ہے' لیکن میرے نزدیک امام رازی کی یہ رائے صحیح نہیں ہے کیونکہ درخت سے ایک آگ کا ظاہر ہونا اور اس آگ سے ایک ندا کا سنائی دینا بجائے خود ایک معجزہ ہے۔

امام غزالی کی تقریر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بداہۃً یہ علم عطا فرما دیا تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ عام انسانوں کو اللہ تعالیٰ ادراک کے لیے صرف حواس اور عقل عطا فرماتا ہے جس کے ذریعہ وہ جان لیتے ہیں کہ یہ مثلاً گائے ہے یہ بیل ہے یہ زید ہے اور ان کی آوازوں سے بھی ان کی شناخت کر لیتے ہیں' اور نبی کو اللہ تعالیٰ ان ذرائع ادراک کے علاوہ ایک اور قوت ادراک عطا فرماتا ہے جس سے وہ امور غیب کا ادراک کر لیتا ہے اور وہ پہچان لیتا ہے یہ انسان ہے یہ

فرشتہ ہے اور یہ جنت ہے اوران کی آوازوں سے بھی ان کی شناخت کر لیتا ہے سواس قوت ادراک سے حضرت موسیٰ نے جان لیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی آواز ہے امام رازی نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اگر حضرت موسیٰ نے دلائل میں غور وفکر کیے بغیر اللہ تعالیٰ کی ذات اوراس کی وحدانیت کو جان لیا اوران کو یہ علم اپنے وجدان سے بداھۃً حاصل ہو گیا تو پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی ذات کی معرفت اوراس کی وحدانیت کو ماننے کے مکلف نہ رہے اس لیے یہ ضروری ہے کہ یہ کہا جائے کہ حضرت موسیٰ کے سامنے اس پر معجزہ پیش کیا گیا اور وہ معجزہ دیکھ کر ایمان لائے میں کہتا ہوں کہ یہ اعتراض اس لیے صحیح نہیں ہے کہ تمام متقدمین اور متاخرین کا اس پر اجماع ہے کہ نبی پیدائشی مومن ہوتا ہے اوروہ ایک آن کے لیے بھی ایمان کے بغیر نہیں ہوتا۔

نیز امام رازی نے یہ روایت بھی نقل کی ہے جب حضرت موسیٰ نے یہ دیکھا کہ اس درخت سے آسمان کی طرف ایک نور جا رہا ہے اورانہوں نے فرشتوں کی تسبیح سنی تو انہوں نے اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیے پھر جب ان کو ندا کی گئی یا موسیٰ! تو انہوں نے کہا لبیک میں آپ کی آواز تو سن رہا ہوں لیکن آپ کو دیکھ نہیں رہا! آپ کہاں ہیں؟ فرمایا میں تمہارے ساتھ ہوں اور تمہارے آگے ہوں اور تمہارے پیچھے ہوں اور تم کو محیط ہوں اور تم سے زیادہ تمہارے قریب ہوں پھر ابلیس نے ان کے دل میں یہ شک ڈالا اور کہا تمہیں یہ یقین ہو گیا کہ تم اللہ کا کلام سن رہے ہو؟ حضرت موسیٰ نے فرمایا کیونکہ میں اس کلام کو اپنے اوپر سے اور اپنے نیچے سے اور اپنے دائیں سے اور اپنے بائیں سے سن رہا ہوں جیسا کہ میں اپنے سامنے سے سن رہا ہوں پس مجھے یقین ہو گیا کہ یہ کسی مخلوق کا کلام نہیں۔ حضرت موسیٰ کا منشا یہ تھا کہ میں اپنے جسم کے تمام اجزاء اور تمام اعضاء سے یہ کلام سن رہا ہوں گویا کہ میرے جسم کا ہر عضو کان ہو گیا ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۱۷-۱۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام رازی کے اس اقتباس سے بھی اس نظریہ کی تائید ہوتی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عام انسانوں سے زائد جو ایک قوت ادراک دی گئی تھی انہوں نے اس سے جان لیا کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔

نعلین (جوتیاں) اتارنے کے حکم کی توجیہات

طٰہٰ: ۱۲ میں ہے بے شک میں ہی آپ کا رب ہوں سو آپ اپنے جوتے اتار دیجئے۔ الآیۃ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نعلین کے متعلق یہ حدیث ہے:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس دن حضرت موسیٰ نے اپنے رب سے کلام کیا اس دن انہوں نے اون کی چادر اور اون کا جبہ پہنا ہوا تھا اوراس کی آستینیں بھی اون کی تھیں اور شلوار بھی اون کی تھی اوران کی نعلین مردہ گدھے کے اون کی تھیں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۷۳۴ مسند ابو یعلی رقم الحدیث: ۴۹۸۳ الکامل لابن عدی ج ۲ ص ۶۸۸ المستدرک ج ۱ ص ۲۸ ج ۲ ص ۲۳۹ المسند الجامع رقم الحدیث: ۹۳۵۵)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس وادی میں نعلین اتارنے کا حکم دیا اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ مقاتل ضحاک اور قتادہ وغیرہ نے کہا ہے وہ جوتیاں ایک مردار گدھے کی کھال کی بنی ہوئی تھیں اور مردار نجس ہوتا ہے اور وادی طویٰ مقدس سرزمین تھی جیسا کہ اس کے بعد والے جملہ میں تصریح ہے۔

(۲) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جوتیاں اتارنے کا حکم اس لیے دیا کہ آپ کے پیروں کو اس مقدس سرزمین کی مٹی لگے اوراس کی برکت آپ تک پہنچے۔

(۳) اس میں یہ تنبیہ کی ہے کہ مقدس جگہ پر جوتی اتار کر جاتے ہیں جیسے مسجد حرام مسجد نبوی میں اور دیگر مساجد میں اور یہ عمل

مقدس اور مبارک سرزمین کی عزت اور کرامت کو اور اس کے ادب اور احترام کو ظاہر کرنے کے لیے کیا جاتا ہے' اور خصوصاً اس لیے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے رب سے ہم کلام ہونے والے تھے تو یہاں پر زیادہ ادب اور احترام ملحوظ تھا۔

(۴) جب لوگ بادشاہوں کے پاس جاتے ہیں تو ادب کے تقاضے سے جوتے اتار دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری کے وقت یہ زیادہ چاہئے تھا کہ جوتے اتار دیئے جاتے۔

(۵) حضرت امام مالک رحمہ اللہ جب مدینہ منورہ میں چلتے تھے تو سواری پر سوار نہیں ہوتے تھے اور یہ مدینہ منورہ کی سرزمین کی تعظیم اور تکریم کی وجہ سے تھا۔ اسی وجہ سے حضرت موسیٰ کو بھی اس مقدس سرزمین میں نعلین اتارنے کا حکم دیا۔

(۶) نعلین سے بیوی اور بچوں کو بھی کنایہ کیا جاتا ہے' اگر کوئی شخص خواب میں نعلین کو دیکھ لے تو یہ اس سے کنایہ ہے کہ اس کی شادی ہوگی اور یہاں نعلین اتارنے کے حکم میں یہ اشارہ ہے کہ آپ اب اپنے رب کے سامنے حاضر ہو رہے ہیں تو اپنے ذہن سے بیوی اور بچوں کا خیال نکال دیں۔

(۷) اللہ تعالیٰ نے اس راستہ میں حضرت موسیٰ کے لیے نور اور ہدایت کا فرش بچھا دیا تھا اور اللہ تعالیٰ کے بچھائے ہوئے فرش کو جوتیوں سے روندنا نہیں چاہئے۔

(۸) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو پہلا حکم دیا گیا تھا وہ یہی تھا کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں نعلین اتار دو' جیسا کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جو ابتدائی احکام دیئے گئے تھے وہ یہ تھے:

قُمْ فَاَنْذِرْ ○ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ○ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ○ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ○ (المدثر: ۵-۲) اُٹھیے اور لوگوں کو اللہ سے ڈرایئے ○ اور اپنے رب کی کبریائی بیان کیجئے ○ اور اپنے لباس کو پاک رکھئے ○ اور بتوں کو چھوڑے رہئے ○

(۹) اب آپ وادی مقدس میں پہنچ گئے ہیں تو اپنے دل کو دنیا اور آخرت سے خالی کر کے صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کی معرفت میں مستغرق ہو جائیں۔

(۱۰) انسان خالق پر اس دلیل سے استدلال کرتا ہے کہ یہ جہان حادث اور ممکن ہے اور ہر حادث اور ممکن کا کوئی پیدا کرنے والا ہوتا ہے سو اس جہان کا بھی کوئی پیدا کرنے والا ہے' اور جب آپ خالق تک پہنچ گئے تو اب اس دلیل کو بھی ذہن سے نکال دیں اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف متوجہ ہوں۔

کلام الٰہی کے قدیم ہونے پر ایک اعتراض کا جواب

معتزلہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو قدیم نہیں مانتے انہوں نے کہا اگر اللہ تعالیٰ کا کلام قدیم ہو تو ازل میں بھی یہ کلام ہوگا اے موسیٰ اپنی نعلین اتار دیجئے حالانکہ حضرت موسیٰ ازل میں تھے نہ وادی مقدس تھی تو پھر ازل میں یہ کلام کس طرح معقول ہوگا' اس کا جواب یہ ہے کہ ہر چند کہ ازل میں اللہ تعالیٰ کا کلام تھا مگر اس کی تعبیر اس وقت امر اور نہی کے ساتھ نہیں تھی بلکہ اس کی تعبیر اس طرح تھی کہ موسیٰ کو یہ حکم دیا جائے گا کہ اپنی نعلین اتارو۔ اس کا نظیر یہ ہے کہ معتزلہ بھی اللہ تعالیٰ کے علم کو قدیم مانتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے و اغرقنا ال فرعون (البقرۃ: ۵۰) ہم نے آل فرعون کو غرق کر دیا' اب ازل میں اللہ تعالیٰ کو کیا علم تھا؟ آل فرعون کو غرق کر دیا! ازل میں تو نہ فرعون تھا نہ سمندر تھا سو یہ علم تو واقع کے خلاف ہے' اور اگر یہ علم تھا کہ ہم فرعون کو غرق کریں گے اور بعد میں یوں علم ہو گیا کہ ہم نے فرعون کو غرق کر دیا تو پھر یہ علم متغیر ہو گیا اور ہر متغیر حادث ہوتا ہے سو اللہ کا علم حادث ہو گیا۔ اس لیے کہنا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ کو فرعون کے غرق ہونے کا علم تھا اور ازل میں اس علم کی تعبیر تھی وہ غرق ہوگا' اور اب اس

کی تعبیر یوں ہے کہ وہ غرق ہو چکا یا ہم اس کو غرق کر چکے ہیں' اسی طرح اللہ تعالیٰ کے کلام کی تعبیر وقت کے ساتھ ساتھ بدلتی رہتی ہے اگرچہ نفس کلام میں کوئی تغیر نہیں ہوتا۔

جوتیوں کے ساتھ نماز پڑھنے کے متعلق احادیث

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وادی مقدس سے پہلے جوتیاں اتار دی تھیں' ابو الاحوص نے بیان کیا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی زیارت کرنے ان کے گھر گئے' اسی اثنا میں اذان ہوگئی حضرت ابوموسیٰ نے اقامت کہی اور حضرت عبداللہ سے کہا آپ نماز پڑھائیے' حضرت عبداللہ نے کہا نہیں یہ آپ کا گھر ہے آپ نماز پڑھائیں۔ حضرت ابوموسیٰ آگے بڑھے اور انہوں نے اپنی جوتیاں اتار دیں۔ حضرت عبداللہ نے کہا کیا یہ وادی مقدس ہے؟ حضرت ابوموسیٰ نے کہا ہاں! (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۱ ص ۹۴)

سعید بن یزید بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نعلین کے ساتھ نماز پڑھتے تھے؟ انہوں نے کہا ہاں!

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۵۵' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۸۶' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۴۰۰' سنن النسائی رقم الحدیث: ۷۷۵)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کو نماز پڑھا رہے تھے آپ نے اچانک اپنی نعلین اتار دیں اور اپنی بائیں جانب رکھ دیں۔ جب قوم نے یہ دیکھا تو انہوں نے بھی اپنی جوتیاں اتار دیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پوری کرنے کے بعد فرمایا تم کو جوتیاں اتارنے پر کس چیز نے برانگیختہ کیا۔ اصحاب نے کہا ہم نے آپ کو نعلین اتارتے دیکھا تو ہم نے بھی جوتیاں اتار دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس ابھی ابھی جبرائیل آئے تھے اور انہوں نے یہ بتایا کہ ان نعلین پر گندگی لگی ہوئی ہے۔ اور فرمایا تم میں سے کوئی شخص جب مسجد میں آئے تو جوتیوں کو دیکھ لے اگر ان میں کوئی گندگی ہو تو ان کو رگڑ لے اور پھر ان میں نماز پڑھ لے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۶۴۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۴۳۶)

جوتیوں کے ساتھ نماز پڑھنے کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس مسئلہ میں لکھتے ہیں:

جب جوتیوں پر نجاست نہ لگی ہو تو ان میں نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور اگر ان میں نجاست ہو تو اس کو رگڑ کر صاف کر لے اور پھر ان میں نماز پڑھ لے' ایک جماعت نے کہا ہے اگر جوتیوں پر گیلی نجاست لگی ہو تو اس کو مٹی سے رگڑ کر صاف کر لے' اور ان کے ساتھ نماز پڑھ لے۔ اور امام مالک اور امام ابوحنیفہ نے کہا گیلی نجاست بغیر دھونے کے پاک نہیں ہو گی اور اگر خشک ہو تو اس کو رگڑنا کافی ہے' اور امام شافعی نے کہا اگر جوتیوں پر نجاست لگی ہو تو خواہ وہ خشک ہو یا تر جوتیاں پانی سے دھوئے بغیر پاک نہیں ہوں گی۔

ابن دقیق العید نے کہا جوتیوں کے ساتھ نماز پڑھنا رخصت ہے مستحب نہیں ہے۔ (علامہ عینی فرماتے ہیں:) میں کہتا ہوں یہ مستحب کیوں نہیں ہے جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہے یہود کی مخالفت کرو کیونکہ وہ اپنی جوتیوں اور موزوں کے ساتھ نماز نہیں پڑھتے (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۶۵۲' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۵۳۴' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۱۸۶' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۷۱۶۴' سنن کبریٰ ج ۲ ص ۴۳۲' المستدرک رقم الحدیث: ۹۹۵' یہ حدیث حسن صحیح ہے) سو جوتیوں کے ساتھ نماز پڑھنا یہود کی مخالفت کے سبب سے مستحب ہے اور یہ سنت نہیں ہے کیونکہ جوتیوں میں نماز پڑھنا مقصود بالذات نہیں ہے۔ نیز امام ابوداؤد

نے عمرو بن شعیب کے والد اوران کے دادا سے روایت کیا ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ننگے پاؤں اور جوتیوں کے ساتھ نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۶۵۳) اوراس میں یہ دلیل ہے کہ جوتیوں کے ساتھ نماز پڑھنا بلاکراہت جائز ہے۔(عمدۃ القاری ج ۴ ص ۱۱۰ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیر یہ مصر ۱۳۴۸ھ)

حضرت صدر الشریعہ علامہ امجد علی اعظمی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں:

انگریزی بوٹ جوتے پر مسح جائز ہے جبکہ وہ ایسے ہوں کہ ان سے ٹخنے چھپے ہوں' کہ ان پر موزہ کی تعریف صادق آتی ہے' رہا یہ امر کہ ان کے ساتھ نماز جائز ہے یا نہیں' اگر ان کے پنجے اتنے نرم ہوں کہ سجدہ میں انگلیاں قبلہ رو ہو سکتی ہوں اور دبتی ہوں تو نماز ہو جائے گی' اور اگر انگلیاں بالکل کھڑی رہتی ہوں تو سجدہ نہ ہوگا اور نماز بھی نہ ہوگی کہ سجدہ میں ایک انگلی کا پیٹ لگنا شرط فرض ہے' اور اگر بعد مسح وہ جوتا اتار لیا تو مسح جاتا رہا پاؤں دھونا فرض ہوگا یہ حکم نفس نماز کا ہے مگر جوتا پہن کر مسجد میں جانا بہر حال مکروہ ہے کذا فی العالمگیر یہ۔(فتاویٰ امجد یہ ج ۱ ص ۱۸۹ مطبوعہ دار العلوم امجد یہ کراچی ۱۴۱۹ھ)

سجدہ کی تعریف ہے پیشانی کو زمین پر رکھنا' امام ابوحنیفہ کے نزدیک ناک کا بھی رکھنا ضروری نہیں ہے اور صاحبین کے نزدیک ناک کا رکھنا ضروری ہے (ھدایہ اولین ص ۹۸' مطبوعہ مکتبہ شرکت علمیہ ملتان) اور پیشانی کو سہولت کے ساتھ زمین پر رکھنا ہاتھوں اور گھٹنوں کو زمین پر رکھنے پر موقوف ہے' اور سجدہ کرنا فرض ہے اور فرض کی ادائیگی چونکہ ہاتھوں اور گھٹنوں کو زمین پر رکھنے پر موقوف ہے اس لیے ان کا زمین پر رکھنا بھی فرض ہے سجدہ کی ادائیگی میں پیروں کی انگلیوں کے قبلہ رو ہونے کا کوئی دخل نہیں ہے۔ البتہ پیروں کی انگلیوں کو قبلہ رو رکھنا ہمارے فقہاء کی تصریح کے مطابق سنت یا مستحب ہے' صرف صاحب الدر المختار نے زاہدی معتزلی کی اتباع میں اس کو فرض کہا ہے۔ الدر المختار کے متن تنویر الابصار میں علامہ محمد بن عبداللہ تمرتاشی متوفی ۱۰۰۴ھ نے بھی سجدہ میں انگلیوں کے قبلہ رو نہ رکھنے کو مکروہ کہا ہے' اور الدر المختار کے محشی علامہ شامی متوفی ۱۲۵۲ھ نے لکھا ہے: ہمارے نزدیک انگلیوں کو قبلہ کی طرف متوجہ کرنا سنت ہے اور یہی ایک قول ہے اس کے برخلاف صاحب ردالمختار علامہ الحصکفی التوفی ۱۰۸۸ھ نے اس کو فرض لکھا ہے۔(ردالمحتار ج ۲ ص ۱۸۶' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

اس مسئلہ کی مکمل تفصیل اور تحقیق ہم نے شرح صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۳۰۱-۱۲۹۹ میں کر دی ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

البتہ مسجد میں جوتی پہن کر جانا جائز نہیں ہے عالمگیری میں ہے مسجد میں جوتی پہن کر جانا جائز نہیں ہے' اسی طرح سراجیہ میں مذکور ہے۔(عالمگیری ج ۵ ص ۳۲۱' مطبوعہ مطبعہ بولاق مصر' ۱۳۱۰ھ)

نقش نعل پاک پر آیات اور اسماء مبارکہ لکھنے کا شرعی حکم

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعلین مبارکین پر قرآن مجید کی آیات' اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء اور الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ لکھنا جائز ہے بلکہ انہوں نے کہا کہ خود عین نعلین پر بھی یہ لکھنا جائز اور ثابت ہے تو نعلین کے عکس اور نقش پر یہ لکھنا تو بہ طریق اولیٰ جائز ہوگا' اور اس کے جواز پر انہوں نے دو دلیلیں قائم کی ہیں' مجوزین کی پہلی دلیل یہ ہے کہ بعض فقہاء نے یہ روایت نقل کی ہے:

وقد روی انہ کان مکتوبا علی افخاذ افراس فی اصطبل الفاروق رضی للہ عنہ حبیس فی سبیل اللہ.

روایت ہے کہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے اصطبل میں گھوڑوں کی رانوں پر حبیس (وقف) فی سبیل اللہ لکھا ہوا تھا۔

(البزازیہ علی ہامش الھندیہ ج ۶ ص ۳۸۰' ردالمحتار ج ۳ ص ۱۴۶' طبع جدید)

مجوزین کہتے ہیں کہ گھوڑوں کی رانیں سخت بے احتیاطی کے محل میں ہوتی ہیں' یعنی ان پر ان کے پیشاب اور لید کا لگ جانا

وقوع پذیر ہوتا ہے تو جب ایسی گندی جگہ پر اللہ تعالیٰ کا نام لکھنا جائز ہے تو پاک اور صاف جوتی پر اللہ تعالیٰ کا نام لکھنا بہ طریق اولیٰ جائز ہوگا۔

میں کہتا ہوں کہ یہ روایت ابن بزاز کردری متوفی ۸۲۷ھ نے ذکر کی ہے اور ان کے حوالہ سے علامہ شامی متوفی ۱۲۵۲ھ نے ذکر کی ہے اور کسی فقیہ کی کتاب میں یہ روایت مذکور نہیں ہے' اور نہ حدیث کی کسی کتاب میں اس کا وجود ہے' احادیث کا سب سے بڑا مجموعہ حافظ جلال الدین سیوطی کی جمع الجوامع ہے' اس میں کل پینتالیس ہزار پانچ سو پچاسی (۴۵۵۸۵) احادیث ہیں' اور اس میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی تین ہزار ایک سو بیانوے (۳۱۹۲) روایات ہیں' آپ کے اقوال' احوال' افعال' تقریرات اور معمولات' ان سب کے متعلق روایات ہیں' میں نے اس کو تفصیل سے پڑھا' اس میں یہ روایت نہیں ہے' نہ حدیث کی کسی اور کتاب میں ہے۔ نہ صرف یہ کہ یہ روایت ثابت نہیں بلکہ یہ روایت چونکہ اللہ تعالیٰ کے اسم جلالت کی اہانت کو مستلزم ہے اس لیے اس روایت کا رد کرنا واجب ہے' کوئی انسان یہ گوارہ نہیں کرے گا کہ اس کا نام گھوڑوں کی رانوں پر بلکہ نجس رانوں پر لکھا جائے اور نہ کوئی انسان یہ گوارا کرے گا کہ اس کے پیرو مرشد یا اس کے کسی اور معظم اور محترم بزرگ کا نام گھوڑوں کی رانوں پر لکھا جائے تو کوئی مسلمان یہ کیسے گوارہ کرے گا کہ اللہ تعالیٰ کے اسم معظم کو گھوڑوں کی رانوں پر لکھا جائے' جن لوگوں نے اس عمل کو جائز کہا ہے کیا ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی اتنی قدر و منزلت بھی نہیں ہے جتنی اپنے پیرو مرشد یا خود اپنی ہوتی ہے۔

مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ (الانعام: ۹۱) انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ایسی قدر نہیں کی جیسی اس کی قدر کا حق تھا۔

فقہاء کرام سے بعض اوقات احادیث کو نقل کرنے میں تسامح ہو جاتا ہے: علامہ علاء الدین الحصکفی الحنفی المتوفی ۱۰۸۸ھ نے امام اعظم کے فضائل میں ان احادیث کو ذکر کیا ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے: بے شک آدم کو مجھ پر فخر ہے اور میں اپنی اُمت کے اس شخص پر فخر کروں گا' جس کا نام نعمان ہے اور اس کی کنیت ابوحنیفہ ہے' اور وہ اس امت کا چراغ ہے' اور فرمایا تمام انبیاء مجھ پر فخر کریں گے اور میں ابوحنیفہ پر فخر کروں گا' (الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج ۱ ص ۱۳۵' بیروت) علامہ شامی نے حافظ سیوطی سے نقل کیا ہے کہ ان احادیث کی سند میں کذاب اور وضاع ہیں' (رد المحتار ج ۱ ص ۱۳۷)۔

خود علامہ شامی نے یہ حدیث نقل کی ہے: جس نے متقی عالم کی اقتداء میں نماز پڑھی گویا اس نے نبی کی اقتداء میں نماز پڑھی (رد المحتار ج ۲ ص ۲۵۸) ملا علی قاری نے لکھا ہے: اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے۔

(الاسرار المرفوعہ فی الاحادیث الموضوعہ رقم الحدیث: ۹۲۶' ص ۲۳۵' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۵ھ)

اس لئے جب فقہاء کسی حدیث کو بغیر کسی حوالے کے لکھ دیں اور کتب معروفہ میں اس کی شہادت نہ مل سکے تو صرف ان کا نقل کر دینا حدیث کے معاملہ میں سند اور حجت نہیں ہے۔

عالمگیری میں لکھا ہے:

كتابة القران على ما يفترش ويبسط مكروهة (فتاویٰ الہندیہ ج ۵ ص ۳۲۳' مطبوعہ مصر' ۱۳۱۰ھ) جو کپڑا بچھایا جائے یا پھیلایا جائے اس پر قرآن مجید لکھنا مکروہ ہے۔

زمین پر بچھائے جانے والے کپڑے پر قرآن مجید کی آیات لکھنا مکروہ ہے تو گھوڑوں کی غیر محتاط رانوں پر اللہ کا نام لکھنا کیسے جائز ہوگا جب کہ قرآن مجید کی آیات کا احترام بھی اللہ تعالیٰ کے کلام ہونے کی وجہ سے ہے۔

علامہ شہاب الدین احمد بن محمد بن عمر الخفاجی الحنفی المتوفی ۱۰۶۹ھ لکھتے ہیں:

جس شخص نے مصحف کو یعنی قرآن مجید کے الفاظ کی لکھی ہوئی صورتوں کو نجاست یا گندی جگہ میں پھینک دیا تو وہ تمام اہل علم کے نزدیک بالاجماع کافر ہے۔

(ملخصاً نسیم الریاض ج ۴ ص ۵۵۵-۵۵۴ مطبوعہ دارالفکر بیروت' نسیم الریاض ج ۶ ص ۴۱۸-۴۱۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

سو گھوڑوں کی رانوں پر حبیس فی سبیل اللہ لکھنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کب متصور ہو سکتا ہے' جب کہ گھوڑوں کی رانوں پر ان کی لید اور پیشاب کا گرنا وقوع پذیر ہوتا رہتا ہے تو گندگی کے محل میں اللہ کا نام لکھنا حضرت عمر ایسے عظیم صحابی سے متصور نہیں ہے۔ اور اس سے یہ استدلال کرنا کہ پھر جوتیوں پر بھی اللہ کا نام لکھنا جائز ہے' اللہ تعالیٰ کے اسم جلالت کی زیادہ توہین ہے اور ہم ایسے استدلال سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتے ہیں۔

ان مجوزین نے جوتیوں پر اللہ کا نام اور قرآن مجید کی آیات لکھنے کے جواز پر دوسری دلیل یہ پیش کی ہے:

امام دارمی متوفی ۲۴۴ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عن جعفر بن ابی المغیرة عن سعید بن جبیر قال کنت اکتب عند ابن عباس فی صحیفة واکتب فی نعلی. (سنن دارمی رقم الحدیث: ۵۰۴)

جعفر بن ابی المغیرہ روایت کرتے ہیں کہ سعید بن جبیر نے کہا' میں حضرت ابن عباس کے پاس ایک کاغذ میں لکھتا تھا اور اپنی جوتیوں میں لکھتا تھا۔

حدثنی جعفر بن ابی المغیرہ' عن سعید بن جبیر قال کنت اجلس الی ابن عباس فاکتب فی الصحیفة حتی تمتلئ ثم اقلب نعلی فاکتب فی ظهورهما. (سنن دارمی رقم الحدیث: ۵۰۵)

امام دارمی کہتے ہیں مجھے جعفر بن ابی المغیرہ نے سعید بن جبیر سے روایت کر کے یہ حدیث بیان کی کہ (سعید بن جبیر) حضرت ابن عباس کے پاس بیٹھ کے ایک کاغذ پر حدیث لکھتا تھا حتیٰ کہ وہ کاغذ بھر جاتا پھر میں اپنی جوتیوں کو الٹا کر کے ان کی پشت پر لکھتا تھا۔

مجوزین یہ کہتے ہیں کہ سعید بن جبیر' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے لکھوانے سے جوتیوں پر لکھتے تھے پس ثابت ہوا کہ جوتیوں پر قرآن مجید اور احادیث کا لکھنا جائز ہے۔

مجوزین کا یہ استدلال بھی باطل ہے اوّل تو یہ حدیث ضعیف ہے۔

حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ اور حافظ شہاب الدین ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۵ھ نے لکھا ہے کہ جعفر بن ابی المغیرہ' سعید بن جبیر سے روایت میں قوی نہیں ہے۔

(میزان الاعتدال ج ۲ ص ۱۴۸-۱۴۷' دار الکتب العلمیہ بیروت' تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۹۸' دار الکتب العلمیہ بیروت)

نیز حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ جعفر بن ابی المغیرہ سچا تھا لیکن وہمی تھا۔

(تقریب التہذیب ج ۱ ص ۱۶۴' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

لہٰذا اوّل تو یہ روایت ضعیف ہے اور ضعیف روایت سے کسی چیز کی حلت یا حرمت کو ثابت کرنا حرام ہے' ثانیاً ہمارا کلام اس میں ہے کہ جوتیوں پر قرآن مجید کی آیات اور اللہ اور اس کے رسول کا نام لکھنا ادب کے خلاف ہے اور جائز نہیں ہے اور اس ضعیف روایت میں بھی یہ تصریح نہیں ہے کہ سعید بن جبیر اپنی جوتیوں پر قرآن مجید کی آیات اور اللہ اور اس کے رسول کا نام لکھتے تھے' ہو سکتا ہے کہ حضرت ابن عباس کچھ دنیاوی امور لکھواتے ہوں' یا خریدنے کے لئے ساز و سامان لکھواتے ہوں' اور سعید بن جبیر ایسے جلیل القدر تابعی کے حال سے یہ بہت بعید ہے کہ وہ جوتیوں پر قرآن مجید کی آیات یا احادیث لکھتے ہوں' اور مجوزین کا مدعا اس وقت تک ثابت نہیں ہوگا جب تک یہ نہ ثابت ہو کہ سعید بن جبیر جوتیوں پر آیات اور احادیث لکھتے تھے اور یہ ثابت

نہیں ہے وبدونہ خرط القتاد۔

نیز فقہاء نے لکھا ہے کہ مسجد میں جوتیاں پہن کر جانا مکروہ ہے' عالمگیری میں ہے:

دخول المسجد متنعلا مکروہ — جوتی پہن کر مسجد میں داخل ہونا مکروہ ہے۔

(فتاویٰ الهندیہ ج ۵ ص ۳۲۱' مطبوعہ مصر' ۱۳۱۰ھ)

صدر الشریعہ مولانا امجد علی متوفی ۱۳۷۶ھ لکھتے ہیں:

جوتا پہن کر مسجد میں جانا بہر حال مکروہ ہے۔ (فتاویٰ امجدیہ ج ۱ ص ۱۸۹' مطبوعہ دار العلوم امجدیہ کراچی' ۱۴۱۹ھ)

اور مسجد کے فرش کی بہ نسبت قرآن مجید کی آیات اور اللہ تعالیٰ کے اسماء اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء کہیں زیادہ محترم اور مکرم ہیں اور جب مسجد کے فرش کے ساتھ جوتیوں کا الصاق اور اتصال مکروہ ہے تو جوتیوں کے اوپر ان مقدس اسماء اور آیات کا لکھنا کیوں کر جائز ہوگا اور کیونکر ادب کے خلاف نہیں ہوگا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعل مبارک کا نقش عین نعل تو نہیں ہے بلکہ اصل نعل کا عکس اور اس کا نقش ہے اس لیے اس پر لکھنا عین نعل پر لکھنے کی طرح نہیں ہوگا' ہم کہتے ہیں کہ تعظیم اور توقیر میں مثال بھی اصل کے حکم میں ہوتی ہے' قرآن مجید کی آیات جو مصحف میں اوراق پر چھپی ہوئی ہوتی ہیں بھی عین کلام اللہ نہیں ہیں بلکہ وہ نقوش ہیں جو کلام اللہ پر دلالت کرتے ہیں اور ان کے نقوش ہونے کی وجہ سے ان کی تعظیم اور توقیر میں کوئی کمی نہیں آتی' قائداعظم محمد علی جناح کی تصویر عزت و احترام کے ساتھ دفاتر میں آویزاں کی جاتی ہے اور اس کی بے حرمتی کو پاکستان کے ساتھ بے وفائی اور غداری کے مترادف قرار دیا جاتا ہے' مجوزین جن بزرگوں کا احترام کرتے ہیں ان بزرگوں کی تصاویر کو پاؤں تلے روندا جائے تو یقیناً اس فعل سے ان کی دل آزاری ہوگی اور وہ اس فعل کو ان بزرگوں کی توہین قرار دیں گے۔

اس تمہید کے بعد ہم کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعل مبارک یا اس کا نقش ہمارے سروں کا تاج ہے۔

جو سر پہ رکھنے کو مل جائے نعل پاک حضور — تو پھر کہیں گے کہ ہاں تاجدار ہم بھی ہیں

لیکن قرآن مجید کی آیات اگر اس نقش پر لکھی جائیں یا اس نقش پر اللہ اور اس کے رسول کا نام لکھا جائے تو بہر حال یہ نعل پاک کا نقش ہے اور وہ قرآن مجید کی آیات ہیں' اور یہ دونوں نقوش ہیں نہ وہ عین نعل ہے اور نہ یہ عین کلام اللہ ہے' ایک نعل کا نقش ہے اور دوسرا اللہ کے کلام کا نقش ہے اور اللہ کے کلام کے نقش کو نعل کے نقش پر لکھنا یا اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء کے نقش کو نعل کے نقش پر لکھنا بہر حال ادب کے خلاف ہے' اور اس میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول معظم کی ایک گونہ توہین ضرور ہے اور عامۃ المسلمین کی دل آزاری ہے۔

وادی طویٰ کا مصداق

اس کے بعد فرمایا بے شک آپ مقدس میدان طویٰ میں ہیں۔ ارض سیناء میں طور کے قریب ایک وادی کا نام طویٰ ہے' اللہ تعالیٰ نے اس وادی کو مقدس فرمایا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس سرزمین سے کفار کو نکال کر یہاں مومنوں کو آباد کر دیا تھا' حضرت ابن عباس اور مجاہد وغیرہ نے کہا طویٰ ایک وادی کا نام ہے' ضحاک نے کہا یہ پتھریلے کنویں کی طرح گہری اور گول وادی ہے' طویٰ' کا معنی پتھروں سے چنا ہوا کنواں ہے' جوہری نے کہا یہ وادی شام میں ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو منصب نبوت پر فائز کرنا اور آپ کو نماز پڑھنے کا حکم دینا

طٰہٰ: ۱۳ میں فرمایا اور میں نے آپ کو اپنی رسالت کے لیے چن لیا ہے' یعنی آپ کی قوم میں سے آپ کو نبی اور رسول

بنانے کے لیے منتخب فرمالیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ کسی شخص کے ذاتی استحقاق کی وجہ سے اس کو نبی نہیں بنایا جاتا یہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور احسان ہے وہ جس کو چاہے اپنا فضل عطا فرماتا ہے اللہ تعالیٰ کے علم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نبی تو پہلے سے تھے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبی بنانے کا اعلان فرمایا ہے اس کو بعثت کہتے ہیں۔

طٰہٰ ۱۳ میں فرمایا: پس جو وحی کی جائے اس کو بغور سنئے' ابوالفضل جوہری نے کہا جب حضرت موسیٰ سے کہا گیا جو وحی کی جائے اس کو بغور سنئے تو وہ ایک پتھر پر کھڑے ہو گئے اور انہوں نے ایک پتھر سے ٹیک لگائی' اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھ لیا اور ٹھوڑی سینہ پر نکالی اور اللہ تعالیٰ کا کلام سننے کے لیے بالکلیہ متوجہ ہو گئے۔ وھب بن منبہ نے کہا غور سے سننے کے آداب یہ ہیں کہ اعضاء پرسکون رہیں۔ نظر نیچی رہے' کان متوجہ ہوں' عقل حاضر ہو اور جو کچھ سنا جائے اس پر عمل کرنے کا عزم ہو۔

طٰہٰ ۱۴ میں فرمایا بے شک میں ہی اللہ ہوں' میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے تو آپ میری عبادت کیجئے اور میری یاد کے لیے نماز قائم کیجئے ○ اللہ تعالیٰ کے مستحق عبادت ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جائے' عبادت کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کے سامنے انتہائی ذلت اور عجز کو اختیار کرنا اور اللہ تعالیٰ کے تمام احکام پر عمل کرنے کے لیے تیار رہنا۔ اللہ تعالیٰ کی عبادات میں سے یہاں نماز کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا گیا کیونکہ تمام عبادات میں نماز سب سے افضل عبادت ہے' کیونکہ اس میں قیام' رکوع اور سجدہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے سامنے انتہائی ادب اور تذلل پر دلالت کرتے ہیں اور فرمایا میری یاد کے لیے نماز قائم کیجئے' یعنی آپ مجھے یاد کرنے والے ہوں بھولنے والے نہ ہوں جیسا کہ مخلصین کا طریقہ ہے کہ وہ اپنے رب کو یاد کرتے ہیں اور اس کی رضا پوری کرنے کی فکر میں رہتے ہیں اور ہر کام میں اسی پر توکل کرتے ہیں' خلاصہ یہ ہے کہ آپ دائماً نماز پڑھیں تاکہ آپ دائماً مجھے یاد کرتے رہیں۔ اور اس کا یہ معنی بھی ہے کہ آپ خاص میرے لیے نماز پڑھیں اور نماز میں میرے سوا کسی اور کو یاد نہ کریں اور اخلاص کے ساتھ میری یاد کے لیے اور میری رضا کی طلب کے لیے نماز پڑھیں اور میری یاد کے سوا نماز میں کوئی اور قصد نہ کریں۔

''لذکری'' کا ایک معنی یہ ہے کہ تم مجھے یاد کرنے کے لیے نماز پڑھو اور اس کا ایک معنی یہ ہے کہ تم اس لیے نماز پڑھو کہ میں تمہیں یاد کروں اور تمہارا ذکر کروں کیونکہ جب بندہ اللہ کا ذکر کرتا ہے تو اللہ اس سے بہتر مجلس میں اس کا ذکر فرماتا ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص نماز پڑھنا بھول گیا یا نماز کے وقت سویا رہا اس کا کفارہ یہ ہے کہ جب اس کو نماز یاد آ جائے اس وقت نماز پڑھ لے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: **اقم الصلوۃ لذکری** ' میری یاد کے لئے نماز قائم کیجئے۔ (صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ: ۳۱۵' رقم بلاتکرار ۶۸۴' رقم مسلسل: ۱۵۴۰)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص سونے کی وجہ سے نماز نہ پڑھے یا کسی کام میں مشغولیت کی وجہ سے نماز نہ پڑھے یا غفلت کی وجہ سے نماز نہ پڑھے اس پر اس نماز کی قضا کرنا واجب ہے۔

عمداً نماز ترک کرنے والے پر نماز کی قضاء کا واجب ہونا

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

جس شخص نے عمداً نماز کو ترک کر دیا جمہور فقہاء کے نزدیک اس پر بھی نماز کو قضا کرنا واجب ہے' اور وہ عمداً نماز قضا کرنے کی وجہ سے گنہگار ہوگا' اور داؤد ظاہری نے یہ کہا ہے کہ اس پر نماز قضا کرنا واجب نہیں ہے' عمداً نماز قضا کرنے والے' نماز کو بھولنے والے اور سوتے رہ جانے کی وجہ سے نماز قضا کرنے والوں کے درمیان یہ فرق ہے کہ جو نماز کو بھول جائے یا سوتا رہ جائے وہ گنہگار نہیں ہوگا اور جو عمداً نماز ترک کرے گا وہ گنہگار ہوگا' جمہور کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اقیموا الصلوۃ

(الانعام: ۷۲) اور اس میں کوئی فرق نہیں کیا کہ نماز اپنے وقت میں پڑھی جائے یا وقت گزرنے کے بعد پڑھی جائے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے جو وجوب کا تقاضا کرتا ہے۔ نیز حدیث میں سونے والے اور بھولنے والے کو بھی اس نماز کی قضا کرنے کا حکم دیا ہے جبکہ وہ گنہگار بھی نہیں ہیں تو عمداً نماز ترک کرنے والے پر بطریق اولیٰ نماز کو قضا کرنا واجب ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک قیامت آنے والی ہے جس کو میں مخفی رکھنا چاہتا ہوں تاکہ ہر شخص کو اس کی سعی کا صلہ دیا جائے ○ پس آپ کو قیامت کے ماننے سے کوئی ایسا شخص نہ روک دے جو اس پر ایمان نہ رکھتا ہو اور وہ اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہو ورنہ آپ ہلاک ہو جائیں گے ○ (طٰہٰ ۱۶-۱۵)

وقوع قیامت پر دلیل اور قیامت کو مخفی رکھنے کی حکمت

اللہ تعالیٰ نے قیامت کو بھی مخفی رکھا ہے اور موت کے وقت کو بھی مخفی رکھا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے توبہ قبول کرنے کا وعدہ فرمایا ہے' پس اگر بندوں کو اپنی موت کا وقت معلوم ہوتا تو وہ آخر وقت تک برے اور ناجائز کرتے رہتے اور موت سے پانچ دس منٹ پہلے توبہ کر لیتے اور اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمالیتا اور وہ سزا پانے سے بچ جاتے' پس بندوں کو موت کے وقت پر مطلع کرنا دراصل ان کو معصیت کرنے پر ابھارنا ہوتا' اور یہ جائز نہیں ہے۔

اس کے بعد فرمایا تاکہ ہر شخص کو اس کی سعی کا صلہ دیا جائے۔ آیت کا یہ حصہ قیامت کے وقوع کی دلیل ہے کیونکہ قیامت کے وقوع کے بعد جزا اور سزا کا نظام قائم ہوگا اگر قیامت واقع نہ ہوتی تو اطاعت گزار نافرمان سے اور نیکوکار بدکار سے ممتاز نہ ہوتا' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اَمْ نَجْعَلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِیْنَ فِی الْاَرْضِ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِیْنَ كَالْفُجَّارِ ○ (ص: ۲۸)

کیا جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے ہم ان کو ان لوگوں کے برابر کر دیں گے جو زمین میں فساد کرنے والے ہیں یا ہم پرہیز گاروں کو بدکاروں کی مثل کر دیں گے۔

طٰہٰ: ۱۶ کے دو محمل ہیں آپ کو نماز پڑھنے سے کوئی ایسا شخص نہ روکے جو نماز پر ایمان نہ رکھتا ہو' یہ اس صورت میں ہے جب عنھا کی ضمیر نماز کی طرف راجع ہو اور دوسرا محمل یہ ہے کہ آپ کو قیامت کے ماننے سے کوئی ایسا شخص نہ روک دے جو اس پر ایمان نہ رکھتا ہو' یہ اس صورت میں ہے جب کہ عنھا کی ضمیر قیامت کی طرف راجع ہو اور یہی صورت راجح ہے کیونکہ ضمیر کو اقرب کی طرف لوٹانا چاہیے' پھر یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا ایک محمل یہ ہے کہ اس آیت میں ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہو اور اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ اس آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خطاب ہو اور یہی راجح ہے کیونکہ ان آیتوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خطاب ہو رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اے موسیٰ یہ آپ کے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟ ○ موسیٰ نے کہا یہ میرا عصا ہے' میں اس پر ٹیک لگاتا ہوں اور میں اس سے اپنی بکریوں کے لیے پتے جھاڑتا ہوں اور اس میں میرے اور بھی کئی فائدے ہیں ○ (طٰہٰ ۱۸-۱۷)

اللہ تعالیٰ کے اس سوال کی حکمتیں کہ تمہارے دائیں ہاتھ میں کیا ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا ہے؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا علم ہے' تو پھر اس سوال کی کیا حکمت تھی' مفسرین نے اس سوال کی حسب ذیل حکمتیں بیان کی ہیں:

(۱) جو شخص کسی معمولی چیز کی بہت عظیم افادیت اور اس کے بہت زیادہ منافع بتانا چاہتا ہو وہ پہلے حاضرین سے پوچھتا ہے کہ بتاؤ اس کے کیا فوائد ہیں' اور جب وہ فوائد بتا چکتے ہیں تو وہ اس چیز کے اس سے بڑھ کر بہت عظیم اور کثیر فوائد بیان کرتا

ہے۔ اس نہج پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے ان کے عصا کے متعلق سوال کیا اور جب وہ اس کے فوائد بتا چکے تو اللہ تعالیٰ نے اس عصا کے غیر معمولی فوائد ظاہر کرنے کا ارادہ فرمایا کہ یہ عصا اژدھا بن جاتا ہے' اس کو سمندر پر مارو تو سمندر دو حصوں میں بٹ جاتا ہے' اور اس کو پتھر پر مارو تو اس میں سے پانی نکل آتا ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کیا تم اس لاٹھی کی حقیقت جانتے ہو جو تمہارے داہنے ہاتھ میں ہے۔ بظاہر یہ ایک لکڑی ہے جس میں کوئی غیر معمولی خواص نہیں ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس لاٹھی کو ایک عظیم اژدھا بنا دیا اور اس طریقہ سے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی عقلوں کو اپنی قدرت کاملہ اور عظمت بے نہایت پر متنبہ فرمایا' کیونکہ اس نے ایک معمولی چیز سے عظیم الشان کمالات کو ظاہر فرمایا۔

(۲) جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان انوار پر مطلع کیا جو درخت سے آسمان کی طرف جارہے تھے اور ان کو فرشتوں کی تسبیح سنائی پھر ان کو اپنا کلام سنایا' پھر پہلے ان کو اپنی رسالت کے لیے منتخب فرما کر ان پر لطف فرمایا پھر ان کو مشکل احکام کا مکلف فرمایا پھر ان پر یہ لازم کیا کہ وہ جزا اور سزا کے دن کو یاد رکھیں' اور یہ کہ ہر شخص نے بہر حال لوٹ کر اللہ تعالیٰ کے پاس جانا ہے جہاں اس سے اس زندگی کا حساب لیا جائے گا' پھر وعید سنائی کہ جس نے اس دن کو نہ مانا یا اس کو یاد نہ رکھا وہ ہلاک ہو جائے گا اس وعید اور تہدید کو سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام حیران اور دہشت زدہ ہو گئے۔ جیسے کوئی انسان بہت خوفناک دھمکی سن کر حواس باختہ ہو جاتا ہے تو حضرت موسیٰ کی حیرت اور ان کی دہشت کو دور کرنے کے لیے اور ان کو معمول پر لانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان سے ایک آسان سوال کیا کہ تمہارے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟ گویا کہ وہ اس قدر دہشت زدہ تھے کہ ان کو یہ بھی پتا نہیں چل رہا تھا کہ ان کا دایاں ہاتھ کون سا ہے اور بایاں ہاتھ کون سا ہے۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ سوال کیا تاکہ ان کی دہشت زائل ہو کیونکہ جو انسان دہشت زدہ ہو جب اس کی توجہ دوسری طرف پھیر دی جائے تو اس کی دہشت زائل ہو جاتی ہے۔

(۳) جب اللہ کی بارگاہ میں حضرت موسیٰ کی دہشت بہت زیادہ ہو گئی تو اس کو زائل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان سے عصا کے متعلق سوال کیا کیونکہ اس کے جواب میں وہ غلطی نہیں کر سکتے تھے' اسی طرح جب مومن اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے انوار جلال کو دیکھ کر دہشت زدہ ہو جاتا ہے تو اس سے دنیا کے اس کلام کے متعلق سوال کیا جاتا ہے جس میں وہ غلطی نہیں کر سکتا تھا اور وہ توحید کے متعلق سوال ہے۔

(۴) جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کمال الوہیت کی معرفت کرائی تو یہ ارادہ کیا کہ ان کو بشریت کی کمزوریوں پر مطلع کیا جائے' اس لیے ان سے لاٹھی کے متعلق سوال کیا اور جب حضرت موسیٰ نے اس لاٹھی کے بعض فوائد بتائے اور پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو اس لاٹھی کے اس سے کہیں زیادہ عظیم فوائد پر انہیں مطلع کیا تو اس میں یہ تنبیہ کی کہ انسان کی عقل تو جو چیز اس کے سامنے حاضر ہو اس کے فوائد کو بھی نہیں جان سکتی تو جو اس سے زیادہ اعلیٰ اور اشرف اشیاء ہیں ان کے فوائد کا وہ کیسے ادراک کر سکتی ہے ماسوا اس کے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کی توفیق اور عنایت حاصل ہو جائے۔

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کے ہم کلام ہونے کی افضلیت

اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بلاواسطہ خطاب فرمایا اور یہ شرف ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل نہیں ہوا' اس سے لازم آئے گا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہوں اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا ہے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى (النجم: ١٠) سو اس نے اپنے عبد مکرم کی طرف (بلاواسطہ) وحی فرمائی جو وحی فرمائی۔

شب معراج اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام فرمایا۔

فرق یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جو کلام فرمایا اس کو مخلوق پر ظاہر فرما دیا اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کلام فرمایا وہ ایک سر اور راز ہے جس پر کسی کو مطلع نہیں فرمایا حتیٰ کہ کراماً کاتبین کو بھی اس پر مطلع نہیں فرمایا' اور اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ نے اپنے رب سے کلام فرمایا لیکن یہ منقول نہیں ہے کہ ان کے کسی امتی نے بھی اللہ تعالیٰ سے کلام فرمایا ہو۔ جب کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی کو یہ شرف دنیا میں بھی حاصل ہوا ہے آخرت میں بھی حاصل ہو گا۔ دنیا میں اس کی مثال یہ ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھتا ہے تو وہ اپنے رب سے سرگوشی میں باتیں کرتا ہے' الحدیث۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٥٣١' ٢٤١' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٤٥٤' مسند احمد رقم الحدیث: ١١٩١٧' عالم الکتب)

اور آخرت میں اس کی مثال یہ ہے:

صفوان بن محرز بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کسی شخص نے سوال کیا کہ اے ابن عمر! کیا آپ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نجویٰ (سرگوشی کرنے) کے متعلق کچھ سنا ہے؟ انہوں نے کہا میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مومن کو اپنے رب کے نزدیک کیا جائے گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس کے اوپر اپنی رحمت کا پر رکھ دے گا اور اس سے اس کے گناہوں کا اقرار کرائے گا' آیا تم فلاں گناہ کو پہچانتے ہو وہ کہے گا: میں پہچانتا ہوں! وہ دوبار کہے گا میں پہچانتا ہوں' اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے دنیا میں تم پر پردہ رکھا تھا اور آج میں تم کو بخش دیتا ہوں پھر اس کی نیکیوں کا صحیفہ لپیٹ دیا جائے گا اور دوسروں کو یا کافروں کو لوگوں کے سامنے پکارا جائے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٤٦٨٥' صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢٧٦٨' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ١٨٣' السنن الکبریٰ رقم الحدیث: ١١٢٤٢)

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ○ (یٰسین: ٥٨) مہربان رب کی طرف سے انہیں سلام کیا جائے گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کلام کو طول دینے کی حکمتیں

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے صرف یہ سوال کیا تھا کہ آپ کے داہنے ہاتھ میں کیا ہے؟ حضرت موسیٰ نے اس کے جواب میں ان چیزوں کو بھی ذکر کیا جن کا سوال نہیں کیا گیا تھا اور کافی طویل جواب دیا وہ صرف یہ کہہ سکتے تھے لاٹھی' لیکن انہوں نے کہا یہ میری لاٹھی ہے' پھر اس کے فوائد بھی ذکر کیے اور کہا میں اس پر ٹیک لگاتا ہوں اور اس سے اپنی بکریوں کے لیے درخت کے پتے جھاڑتا ہوں اور اس میں میرے اور بھی فوائد ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی سوال کے جواب میں ان چیزوں کا ذکر کرنا بھی درست ہے جن کے متعلق سوال نہ کیا گیا ہو' احادیث میں اس کی مثال یہ ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: یارسول اللہ ہم سمندر میں سفر کرتے ہیں اور ہمارے پاس بہت تھوڑا پانی ہوتا ہے اگر ہم اس پانی سے وضو کر لیں تو پیاسے رہیں گے کیا ہم سمندر کے پانی سے وضو کر لیا کریں: آپ نے فرمایا: سمندر کا پانی پاک کرنے والا ہے اور اس کا مردار حلال ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۶۹ 'سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۸۳ 'سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۶ 'سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۹ 'مؤطا امام مالک رقم الحدیث: ۵۱۳ 'مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۴۸۵ 'مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۳۴۳ 'مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۱۲۰)

آپ سے صرف سمندر کے پانی کے پاک کرنے کے متعلق سوال کیا گیا تھا لیکن آپ نے اس کے پاک کرنے کا بھی ذکر فرمایا اور اس کے مردار کے حلال ہونے کا بھی ذکر فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ کسی سوال کا طویل جواب دینا جائز ہے۔

شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۴ھ اپنے شیخ حاجی امداد اللہ متوفی ۱۳۱۷ھ کا ایک ملفوظ نقل کرتے ہیں:

(۱۸۱) فرمایا منقول ہے کہ شب معراج کو جب آں حضرت' حضرت موسیٰ سے ملاقی ہوئے' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے استفسار فرمایا کہ علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل جو آپ نے کہا ہے کیسے صحیح ہو سکتا ہے' (یعنی میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی مانند ہیں) حضرت حجۃ الاسلام امام غزالی حاضر ہوئے اور سلام بہ اضافہ الفاظ برکاتہ ومغفرتہ وغیرہ عرض کیا' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ کیا طوالت بزرگوں کے سامنے کرتے ہو؟ آپ (امام غزالی) نے عرض کیا: آپ سے حق تعالیٰ نے صرف اس قدر پوچھا تھا ماتلک بیمینک یا موسی' تو آپ نے کیوں جواب میں اتنا طول دیا کہ ھی عصای اتوکؤا علیھا واھش بھا علی غنمی ولی فیھا مارب اخری۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ادب یا غزالی. (امداد المشتاق ص ۹۲' مکتبہ اسلامیہ لاہور)

بر تقدیر صحت امام غزالی کا یہ مطلب تھا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کے سوال کے جواب میں آپ نے اس لیے طویل کلام کیا تھا کہ جب تک آپ کلام کرتے رہیں گے اللہ تعالیٰ سنتا رہے گا اور آپ کو اس کی توجہ کے حصول کا شرف حاصل ہوگا۔ اسی طرح میں نے آپ کے سامنے طویل کلام اس لیے کیا ہے کہ جب تک میں کلام کرتا رہوں گا آپ سنتے رہیں گے اور مجھے آپ کی توجہ کا شرف حاصل رہے گا۔ آپ کے لیے بارگاہ الوہیت میں حاضر ہونا باعث فضیلت تھا اس لیے آپ نے کلام کو طول دیا اور میرے لیے بارگاہ کلیم اللہ میں حاضر ہونا باعث عزت ہے اس لیے میں نے اپنے کلام کو طول دیا۔

عصا رکھنے کے فوائد

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب تم کسی ایسے کنویں پر جاؤ جس کی رسی چھوٹی ہو تو تم اس کے ساتھ عصا جوڑ کر پانی نکال سکتے ہو' اور جب تم سفر میں اور سخت دھوپ اور گرمی ہو تو تم زمین میں عصا گاڑ کر اس پر کپڑا پھیلا کر سایہ حاصل کر سکتے ہو' اور جب تم کو حشرات الارض سے خطرہ ہو تو عصا کے ذریعہ تم ان کو مار سکتے ہو' اور تم اس کی مدد سے بکریوں سے درندوں کو دور کر سکتے ہو۔

میمون بن مہران نے بیان کیا کہ عصا رکھنا انبیاء کی سنت ہے اور مومن کی علامت ہے' اور حسن بصری نے کہا کہ عصا رکھنے میں چھ فضیلتیں ہیں' یہ انبیاء کی سنت ہے' صلحاء کی زینت ہے' دشمنوں کے خلاف ہتھیار ہے' کمزوروں کا مددگار ہے' منافقین کے لیے باعث پریشانی ہے' اور عبادات میں زیادتی کا باعث ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جب مومن کے پاس عصا ہو تو اس سے شیطان بھاگتا ہے' منافق اور بدکار اس سے ڈرتا ہے' اور جب وہ نماز پڑھے تو اس کے لیے سترہ ہے' اور جب وہ تھک جائے تو اس کے لیے قوت ہے۔ حجاج کی ایک اعرابی سے ملاقات ہوئی تو اس نے کہا اے اعرابی تم کہاں سے آ رہے ہو؟ اس نے کہا جنگل سے' کہا تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟ اس نے کہا یہ میری لاٹھی ہے اس کو میں نماز کے وقت گاڑ لیتا ہوں' اور اس کو میں اپنے دشمنوں کے لیے تیار رکھتا ہوں' اور اس سے میں اپنے جانوروں کو ہنکاتا ہوں' اور اس کی مدد سے میں اپنے سفر میں قوت حاصل کرتا ہوں' چلتے وقت اس پر اعتماد کرتا ہوں تاکہ لمبے لمبے قدم رکھ سکوں' اس کے ساتھ میں نہر میں داخل ہوں اور یہ مجھے پھسلنے سے محفوظ

رکھتا ہے اس پر میں اپنی چادر ڈال دیتا ہوں تو یہ مجھے دھوپ سے بچاتا ہے اس سے میں دروازہ کھٹکھٹاتا ہوں اور کتوں سے محفوظ رہتا ہوں اور یہ میرے لیے تلوار اور نیزے کا قائم مقام ہے اس سے میں درختوں کے پتے جھاڑتا ہوں اور میرے لیے اس میں اور بھی فوائد ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ١١ ص ١٠٨-١٠٧ مطبوعہ دارالفکر بیروت ١٤١٥ھ)

ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم صبح کے وقت عید گاہ جاتے اور آپ کے سامنے عصا اٹھایا جاتا اور عید گاہ میں آپ کے سامنے گاڑ دیا جاتا اور آپ اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ٤٩٤ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٦٨٧)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم قضاء حاجت کے لیے جاتے تو میں اور ایک نوجوان (حضرت ابن مسعود) آپ کے ساتھ جاتے تھے ہمارے ساتھ نیزہ یا عصا ہوتا تھا اور ہمارے ساتھ ایک مشکیزہ ہوتا تھا جب آپ قضاء حاجت سے فارغ ہو جاتے تو ہم آپ کو وہ مشکیزہ دیتے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٥٠٠ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٤٣ سنن النسائی رقم الحدیث: ٤٥)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فرمایا اے موسیٰ! اس کو ڈال دو ○ موسیٰ نے اس کو ڈال دیا تو اچانک وہ ایک دوڑتا ہوا سانپ تھا ○ فرمایا اس کو پکڑ لو اور ڈرو مت، ہم ابھی اس کو پہلی حالت کی طرف لوٹا دیں گے ○ اور اپنا ہاتھ اپنی بغل میں ملا لیں تو وہ بغیر کسی عیب کے سفید چمکتا ہوا نکلے گا یہ دوسری نشانی ہے ○ تاکہ ہم آپ کو اپنی بعض بڑی نشانیاں دکھائیں ○ آپ فرعون کی طرف جائیے اس نے (بہت) سرکشی کی ہے ○ (طٰہٰ: ٢٤-١٩)

عصائے موسیٰ کی تاریخی حیثیت

پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت سے سرفراز کیا پھر اللہ نے ان کو عصا اور ید بیضا کے دو معجزے عطا فرمائے تاکہ انہیں خود بھی اپنے نبی ہونے پر شرح صدر اور کامل بصیرت ہو اور جن کو وہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور اپنی نبوت پر ایمان لانے کی دعوت دیں وہ بھی ان دو دلیلوں سے آپ کی نبوت کو پہچان لیں اور آپ کی تصدیق کریں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کے سر پر دو شاخیں تھیں، اس عصا کے متعلق ایک قول یہ ہے کہ یہ جنت کے درخت کا تھا، ایک قول یہ ہے کہ یہ حضرت جبریل نے لا کر آپ کو دیا تھا، ایک قول یہ ہے کہ جب آپ حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس سے روانہ ہونے لگے تو حضرت شعیب نے آپ کو یہ عصا دیا تھا اور دراصل یہ حضرت آدم علیہ السلام کا عصا تھا جس کو وہ جنت سے لے کر آئے تھے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ١١ ص ١١٠ مطبوعہ دارالفکر بیروت ١٤١٥ھ)

عصا کو زمین پر ڈالنے کی وجوہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا اے موسیٰ اس عصا کو زمین پر ڈال دیں، اس حکم کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(١) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا اس عصا میں میرے اور بھی فائدے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بتایا اور دکھایا کہ ہم نے اس میں جو فوائد رکھے ہیں وہ تمہارے وہم و گمان میں بھی نہ تھے کیونکہ زمین پر ڈالنے کے بعد وہ عصا دوڑتا ہوا سانپ بن گیا اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو پکڑا تو وہ پھر اسی طرح لکڑی کا عصا بن گیا۔

(٢) حضرت موسیٰ کے پاؤں میں نعلین تھیں جن کی مدد سے وہ خطرہ کے وقت بھاگتے تھے اور ان کے ہاتھ میں عصا تھا جس کی مدد سے وہ کسی چیز کو حاصل کرتے تھے گویا نعلین خطرہ کو دور کرنے کے لیے اور عصا کسی چیز کی طلب کے لیے تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: نعلین اتار دو اور عصا زمین پر ڈال دو دنیا کی کسی چیز سے ڈرو نہ کسی چیز کی طرف رغبت کرو اور ہر چیز سے خالی الذہن ہو کر میری معرفت میں ڈوب جاؤ۔

(۳) حضرت موسیٰ نعلین اور عصا لے کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گئے تو ان کو بھی چھوڑنے کا حکم دیا' تو ہم جب اپنی خواہشات اور گناہوں کا بار لے کر اللہ کی بارگاہ میں نماز کے لیے کھڑے ہوں گے تو ہم کیوں کر اس کا قرب حاصل کر سکیں گے۔
(۴) حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کی بارگاہ میں پہنچے تو ہاتھ میں عصا تھا اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچے تو آپ کے پاس کچھ نہ تھا اور نہ کسی چیز کی طرف آپ کی نظر اور توجہ تھی حتیٰ کہ آپ کے متعلق فرمایا:

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى (النجم: ۱۷) نہ (آپ کی) نظر بہکی نہ حد سے بڑھی۔

عصا کے سانپ بن جانے کی حکمتیں

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کو اللہ تعالیٰ نے دوڑتا ہوا سانپ بنا دیا' اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:
(۱) جب غیب سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ندا کی گئی تو یہ بھی معجزہ تھا اور حضرت موسیٰ کو اپنے نبی ہونے کا یقین ہو گیا تھا لیکن اس میں یہ احتمال بھی تھا کہ ہو سکتا ہے یہ کسی جن یا فرشتہ کی آواز ہو اس لیے اللہ تعالیٰ نے لاٹھی کو سانپ بنا دیا تاکہ آپ کا معجزہ ہر قسم کے شک اور شبہ سے پاک ہو اور آپ پوری بصیرت کے ساتھ قوم کو اللہ تعالیٰ پر اور اپنی رسالت پر ایمان لانے کی دعوت دیں۔
(۲) اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ آپ فرعون کے پاس جانے سے پہلے عصا کے سانپ بن جانے کا مشاہدہ کر لیں تاکہ فرعون کے سامنے بے خوفی سے اپنا معجزہ پیش کر سکیں۔
(۳) حضرت موسیٰ اس سے پہلے تنگ دست تھے اور آپ کے پاس ظاہری عزت و وجاہت کی کوئی چیز نہ تھی اللہ تعالیٰ نے آپ کے عصا میں یہ معجزہ رکھا تاکہ معلوم ہو کہ آپ اللہ کے نزدیک وجیہ ہیں اور اللہ تعالیٰ آپ کی مدد اور نصرت فرمائے گا۔

حیۃ' ثعبان اور جانّ کے معانی اور ان میں تطبیق

اس آیت میں فرمایا ہے فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى اور ایک اور جگہ فرمایا ہے: فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ (الاعراف: ۱۰۷) اور ایک اور جگہ فرمایا ہے فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ (النمل: ۱۰) حیۃ کا معنی سانپ ہے یہ اسم جنس ہے اور اس کا اطلاق چھوٹے اور بڑے اور مذکر اور مونث سانپ پر ہوتا ہے' اور ثعبان کا اطلاق بہت بڑے سانپ یا اژدھے پر کیا جاتا ہے' اور جانّ کا اطلاق باریک سانپ پر کیا جاتا ہے۔ ثعبان اور جانّ میں منافات ہے اور ان میں تطبیق اس طرح کی گئی ہے کہ جب ابتداءً وہ لاٹھی سانپ بنی تو وہ چھوٹا اور باریک سانپ تھا پھر بتدریج اس کا جسم پھول کر بڑا ہو گیا اور وہ اژدھا بن گیا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے جسم کے اعتبار سے اژدھا تھا اور اپنی حرکت کے اعتبار سے جان تھا۔
اس سانپ کی گھوڑے کی طرح ایال تھی' اور اس کے دو جبڑوں میں چالیس ہاتھ کا فاصلہ تھا' وہ جس چیز کے پاس سے بھی گزرتا تھا اس کو کھا جاتا تھا حتیٰ کہ درختوں اور چٹانوں کو بھی کھا جاتا تھا' حتیٰ کہ حضرت موسیٰ نے اس کے منہ میں پتھر چبانے کی آواز سنی۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۲۷)

سانپ سے حضرت موسیٰ کے ڈرنے کی توجیہات

طٰہٰ: ۲۰ میں فرمایا اس کو پکڑ لو اور ڈرو مت' ہم ابھی اس کو پہلی حالت کی طرف لوٹا دیتے ہیں:
اس پر یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اتنی کرامات سے نوازا تھا اور انہوں نے یہ جان لیا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مخلوق کی طرف مبعوث کیے گئے ہیں تو پھر وہ سانپ سے کیوں ڈر گئے' اس کا جواب یہ ہے کہ انسان فطری طور پر حشرات الارض سے متنفر ہوتا ہے تو ان کا اژدھے سے بھاگنا فطری تقاضے کے اعتبار سے تھا۔ نیز

حضرت موسیٰ کی جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک عزت اور وجاہت تھی اور ان کی جو نبوت اور رسالت تھی یہ سب امور عقلیہ تھے اور بسا اوقات جب انسان پر خوف اور دہشت غالب ہو تو امور عقلیہ کی طرف توجہ نہیں ہوتی اور ہمیشہ وہم عقل پر غالب رہتا ہے۔ اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سانپ سے دہشت زدہ ہونا بشری تقاضے سے تھا۔ نیز اس سانپ سے آپ کا خوف زدہ ہونا آپ کی نبوت کی دلیل ہے کیونکہ اگر آپ ساحر ہوتے تو آپ کو معلوم ہوتا کہ آپ کے کسی عمل کی وجہ سے لاٹھی سانپ بن گئی ہے تو پھر آپ نہ ڈرتے جیسا کہ فرعون کے جادوگروں نے جب رسیوں اور لاٹھیوں کو سانپ بنا دیا تو وہ نہیں ڈرے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یہ ان کے عمل کا نتیجہ ہے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سانپ کا اژدھا بن جانا ان کے کسی عمل کا نتیجہ نہ تھا نہ آپ کو اس کے متعلق کوئی پیشگی علم تھا انہوں نے عصا کو زمین پر ڈالا تو وہ اژدھا بن گیا سو ان کا اس سے خوف زدہ ہونا ایک فطری عمل تھا۔ اس کا بعض علماء نے یہ جواب دیا ہے کہ حضرت موسیٰ کو علم تھا کہ سانپ نے حضرت آدم کے ساتھ کیا عداوت کی تھی تو ان کو خوف ہوا کہ کہیں یہ سانپ ان کے ساتھ بھی دشمنی نہ کرے' اور اس کا تیسرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے ڈرومت اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت موسیٰ سانپ سے ڈرے ہوں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ ○ (الاحزاب:۱) آپ کافروں کی اطاعت نہ کریں۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ نے کافروں کی اطاعت کی ہو' باقی رہا یہ سوال کہ جب آپ سانپ سے ڈرے نہیں تو اللہ تعالیٰ نے کیوں فرمایا اور ڈرومت' اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ حضرت موسیٰ ڈرے نہیں تھے لیکن یہ حال ایسا تھا کہ اس حال میں انسان ڈر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے مقتضائے حال کے اعتبار سے فرمایا ڈرومت اور مقتضائے حال کے اعتبار سے آپ کے نہ ڈرنے کو ڈرنے کے مرتبہ میں نازل کر کے کلام فرمایا' جیسے حضرت نوح علیہ السلام سے فرمایا:

وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ○ (ھود:۳۷)　　اور ظالموں کے متعلق ہم سے کوئی بات نہ کریں کیونکہ وہ ضرور غرق کیے جائیں گے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے ظالموں کے متعلق کوئی سفارش نہیں کی تھی لیکن حضرت نوح علیہ السلام کو معلوم تھا کہ ظالموں پر طوفان کا عذاب آنے والا ہے' اسی لیے حضرت نوح کو اللہ تعالیٰ نے کشتی بنانے کا حکم دیا تھا تاکہ وہ ایمان والوں کو اپنے ساتھ لے کر چلے جائیں' تو اس حال کا تقاضا یہ تھا کہ حضرت نوح علیہ السلام ان ظالموں کی سفارش کرتے کہ ان کو غرق ہونے سے بچا لیا جائے۔ پس ہرچند کہ حضرت نوح علیہ السلام نے سفارش نہیں کی تھی' لیکن چونکہ یہ موقع سفارش کرنے کا تھا اس لیے فرمایا تم ان ظالموں کے متعلق ہم سے کوئی بات نہ کرنا۔ اسی طرح ہرچند کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اژدھے کو دیکھ کر ڈرے نہیں تھے لیکن چونکہ یہ موقع ڈرنے کا تھا اس لیے فرمایا اور ڈرومت۔ اور اس کا چوتھا جواب یہ ہے کہ سانپ اور اژدھا زہریلا جانور ہے اور یہ اپنے زہر سے لوگوں کو ہلاک کر دیتا ہے اس لیے سانپ اور اژدھا اللہ تعالیٰ کی صفت قہر اور صفت غضب کے مظہر ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سانپ سے نہیں ڈرے تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کی صفت قہر اور غضب سے ڈرے تھے۔

ید بیضا اور عصا میں کون سا معجزہ زیادہ عظیم ہے

طٰهٰ: ۲۲: میں فرمایا اور اپنا ہاتھ اپنی بغل میں ملا لیں تو وہ بغیر کسی عیب کے چمکتا ہوا نکلے گا' یہ دوسری نشانی ہے۔

قرآن مجید میں عیب کے لیے سوء کا لفظ ہے' سوء کا معنی ہے کسی چیز میں ردی چیز ہو جو اس میں قبح پیدا کر دے' لیکن یہاں اس سے مراد برص ہے اور عرب برص کو بہت برا جانتے تھے اس لیے اس کو کنایہ کے ساتھ تعبیر کیا' حضرت موسیٰ علیہ السلام بہت گندم گوں رنگ کے تھے۔ جب انہوں نے اپنے دائیں ہاتھ کو بغل کے نیچے سے نکالا تو وہ بجلی کی طرح چمکتا ہوا تھا یا آفتاب کی

طرح روشن تھا اور وہ برص کی طرح سفید نہ تھا' اور جب وہ اس ہاتھ کو دوبارہ اپنی بغل کے ساتھ ملاتے تو وہ پھر اسی طرح گندم گوں ہو جاتا۔

اس کے بعد فرمایا: تاکہ ہم آپ کو اپنی بعض بڑی بڑی نشانیاں دکھائیں یعنی تم ہماری ان دو نشانیوں کو لے جاؤ تاکہ ہم تم کو اپنی اور بڑی نشانیاں دکھائیں۔ امام رازی نے فرمایا ہے کہ ید بیضا کی بہ نسبت عصا کا معجزہ زیادہ بڑا ہے کیونکہ ید بیضا کے معجزہ میں تو صرف رنگ کا تغیر ہے اور عصا کے معجزہ میں رنگ کا تغیر ہے اور جسم کا بڑا ہونا ہے' اور اس میں حیات' قدرت اور مختلف اعضاء کا پیدا کرنا ہے اور پتھروں اور درختوں کو نگلنا ہے اور پھر اس کا اسی طرح عصا بن جانا ہے لہٰذا عصا ان کا بہت عظیم معجزہ تھا۔

فرعون کی طرف جانے کا حکم دینا

اس کے بعد فرمایا آپ فرعون کی طرف جائیے اس نے (بہت) سرکشی کی ہے۔ فرعون کی طرف بھیجنے کی علت یہ بیان فرمائی کہ اس نے بہت سرکشی کی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان سب کی طرف مبعوث تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے خصوصیت کے ساتھ فرعون کی طرف بھیجنے کا ذکر فرمایا کیونکہ اس نے الوہیت کا دعویٰ کیا تھا اور وہ بہت متکبر تھا اور سب لوگ اس کی پیروی کرتے تھے اس لیے اس کا ذکر کرنا زیادہ لائق تھا۔

وھب بن منبہ نے کہا اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تم میرا کلام سنو اور میری وصیت کو یاد رکھو اور میرا پیغام لے کر جاؤ۔ تم میری آنکھوں اور کانوں کے سامنے ہو' میں تمہیں اپنی اس مخلوق کے پاس بھیج رہا ہوں جو میری نعمتوں پر اترا رہی ہے اور میرے عذاب سے بے خوف ہے اس کو دنیا نے مغرور کر دیا ہے حتیٰ کہ وہ میرے حق کو بھول گیا اور اس نے خدائی کا دعویٰ کر دیا اور مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم اگر مجھے اپنے عہد کا پاس نہ ہوتا تو میں اس کو فوراً اپنے عذاب میں جکڑ لیتا' لیکن میں نے نرمی کی تم اس کے پاس میرا پیغام لے کر جاؤ اس کو میری عبادت کی دعوت دو اور اس کو میرے عذاب سے ڈراؤ اور اس کے ساتھ نرمی سے بات کرنا' پھر حضرت موسیٰ سات دن تک خاموش رہے اور کسی سے بات نہیں کرتے تھے حتیٰ کہ ان کے پاس فرشتہ آیا اور اس نے کہا آپ کے رب نے جو حکم دیا ہے اس کا جواب دیں تو حضرت موسیٰ نے عرض کیا:

قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ ﴿۲۵﴾ وَیَسِّرْ لِیْ اَمْرِیْ ﴿۲۶﴾ وَاحْلُلْ

موسیٰ نے کہا اے میرے رب! میرے لیے میرا سینہ کھول دے ○ اور میرے لیے میرا کام آسان کر دے ○ اور

عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ ﴿۲۷﴾ یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ ﴿۲۸﴾ وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا

میری زبان کی گرہ کھول دے ○ کہ وہ لوگ میری بات سمجھیں ○ اور میرے لیے میرے اہل میں سے ایک

مِّنْ اَهْلِیْ ﴿۲۹﴾ هٰرُوْنَ اَخِی ﴿۳۰﴾ اشْدُدْ بِهٖۤ اَزْرِیْ ﴿۳۱﴾ وَاَشْرِكْهُ

وزیر بنا دے ○ میرے بھائی ہارون کو ○ اس سے میری کمر کو مضبوط کر دے ○ اور میرے مشن میں اس

فِیْۤ اَمْرِیْ ﴿۳۲﴾ كَیْ نُسَبِّحَكَ كَثِیْرًا ﴿۳۳﴾ وَّنَذْكُرَكَ كَثِیْرًا ﴿۳۴﴾ اِنَّكَ

کو میرا شریک کر دے ○ تاکہ ہم تیری بہت تسبیح کریں ○ اور تجھے بہت یاد کریں ○ بے شک تو

كُنتَ بِنَا بَصِيرًا ﴿٣٥﴾ قَالَ قَدْ أُوتِيتَ سُؤْلَكَ يَا مُوسَىٰ ﴿٣٦﴾ وَلَقَدْ

ہیں خوب دیکھنے والا ہے ○ فرمایا اے موسیٰ! تمہارا سوال پورا کر دیا گیا ○ بے شک اس

مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرَىٰ ﴿٣٧﴾ إِذْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّكَ مَا يُوحَىٰ ﴿٣٨﴾

سے پہلے بھی ہم نے ایک بار اور آپ پر احسان فرمایا تھا ○ جب ہم نے آپ کی ماں کی طرف وہ وحی کی تھی جو وحی آپ کی طرف

أَنِ اقْذِفِيهِ فِي التَّابُوتِ فَاقْذِفِيهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ

کی جارہی ہے ○ کہ اس بچے کو صندوق میں رکھ کر دریا میں ڈال دو، پھر دریا کو حکم دیا کہ وہ اس کو کنارے پر لے آئے،

يَأْخُذْهُ عَدُوٌّ لِي وَعَدُوٌّ لَهُ ۚ وَأَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِنِّي ۚ وَلِتُصْنَعَ

اس کو میرا دشمن اور اس کا دشمن لے لے گا، اور میں نے آپ کے اوپر اپنی طرف سے محبت ڈال دی اور تاکہ میری نظر کے

عَلَىٰ عَيْنِي ﴿٣٩﴾ إِذْ تَمْشِي أُخْتُكَ فَتَقُولُ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ مَنْ يَكْفُلُهُ ۖ

وقف لازم

سامنے آپ کی پرورش کی جائے ○ جب آپ کی بہن جارہی تھی وہ (آل فرعون سے) کہہ رہی تھی کیا میں تمہاری اس کی طرف رہنمائی کروں جو اس بچے کی

فَرَجَعْنَاكَ إِلَىٰ أُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ۚ وَقَتَلْتَ نَفْسًا

پرورش کرے، پھر ہم نے آپ کو آپ کی ماں کی طرف لوٹا دیا تاکہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غم نہ کریں، اور آپ نے ایک شخص کو قتل کر دیا

فَنَجَّيْنَاكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنَّاكَ فُتُونًا ۚ فَلَبِثْتَ سِنِينَ فِي أَهْلِ

تو ہم نے آپ کو اس غم سے نجات دی، اور ہم نے آپ کی کئی طرح آزمائش کی، سو آپ کئی سال اہل مدین میں

مَدْيَنَ ثُمَّ جِئْتَ عَلَىٰ قَدَرٍ يَا مُوسَىٰ ﴿٤٠﴾ وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِي ﴿٤١﴾

رہے، پھر اے موسیٰ آپ اللہ کے مقرر کردہ وقت پر آ گئے ○ اور میں نے آپ کو خاص اپنے لیے چن لیا ○

اذْهَبْ أَنْتَ وَأَخُوكَ بِآيَاتِي وَلَا تَنِيَا فِي ذِكْرِي ﴿٤٢﴾ اذْهَبَا إِلَىٰ

آپ اور آپ کے بھائی دونوں میری نشانیاں لے کر جائیں اور میری یاد میں سستی نہ کریں ○ آپ دونوں فرعون کے

فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ ﴿٤٣﴾ فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَيِّنًا لَعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ

پاس جائیں بے شک اس نے سر اٹھا رکھا ہے ○ آپ دونوں اس سے نرمی سے بات کریں اس امید پر کہ وہ نصیحت حاصل کرے یا

يَخْشٰى ﴿٤٤﴾ قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى ﴿٤٥﴾

ڈرے ○ ان دونوں نے کہا اے ہمارے رب! ہمیں خطرہ ہے کہ وہ ہم پر زیادتی کرے گا یا سرکشی کرے گا ○

قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى ﴿٤٦﴾ فَاْتِيٰهُ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا

فرمایا تم دونوں مت ڈرو بے شک میں تم دونوں کے ساتھ ہوں میں سن رہا ہوں اور دیکھ رہا ہوں ○ سو اس کے پاس جاؤ پھر اس سے کہو کہ ہم

رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ۭ قَدْ جِئْنٰكَ

تیرے رب کے رسول ہیں تو ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے اور ان کو ایذاء نہ دے، بے شک ہم تیرے

بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ۭ وَالسَّلٰمُ عَلٰي مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ﴿٤٧﴾ اِنَّا قَدْ اُوْحِيَ

رب کی طرف سے تیرے پاس نشانی لے کر آئے ہیں اور اس پر سلام ہو جس نے ہدایت کی پیروی کی ○ بے شک ہماری طرف

اِلَيْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰي مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿٤٨﴾ قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا

وحی کی گئی ہے کہ اسی پر عذاب ہوگا جس نے جھٹلایا اور پیٹھ پھیری ○ اس نے کہا پھر تم دونوں کا رب کون ہے؟

يٰمُوْسٰى ﴿٤٩﴾ قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ

اے موسیٰ! ○ موسیٰ نے کہا ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی مخصوص ساخت عطا کی پھر

هَدٰى ﴿٥٠﴾ قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى ﴿٥١﴾ قَالَ عِلْمُهَا

ہدایت دی ○ فرعون نے کہا تو پہلی قوموں کا کیا حال ہوا؟ ○ موسیٰ نے کہا اس کا علم

عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى ﴿٥٢﴾ الَّذِيْ جَعَلَ

میرے رب کے پاس لوح محفوظ میں ہے، میرا رب نہ غلطی کرتا ہے نہ بھولتا ہے ○ جس نے تمہارے لیے

لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّسَلَكَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ

زمین کو فرش بنایا اور تمہارے چلنے کے لیے زمین میں مختلف راستے بنائے اور آسمان سے

مَاۗءً ۭ فَاَخْرَجْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى ﴿٥٣﴾ كُلُوْا وَارْعَوْا

پانی اتارا، پھر ہم نے اس سے مختلف نباتات کے جوڑے پیدا کیے ○ کھاؤ اور اپنے مویشیوں کو

اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّہٰی ﴿۵۴﴾

چراؤ، بے شک اس میں عقل والوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: موسیٰ نے کہا: اے میرے رب! میرے لیے میرا سینہ کھول دے ○ اور میرے لیے میرا کام آسان کر دے ○ اور میری زبان کی گرہ کھول دے ○ کہ وہ لوگ میری بات سمجھیں ○ اور میرے لیے میرے اہل میں سے ایک وزیر بنا دے ○ میرے بھائی ہارون کو ○ اس سے میری کمر کو مضبوط کر دے ○ اور میرے مشن میں اس کو میرا شریک کر دے ○ تا کہ ہم تیری بہت تسبیح کریں ○ اور تجھے بہت یاد کریں ○ بے شک تو ہمیں خوب دیکھنے والا ہے ○ (طٰہٰ: ۳۵-۲۵)

شرح صدر کی دعا کی حکمت

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی طرف جانے کا حکم دیا اور ایک سخت اور مشکل کام کرنے کا حکم دیا تو حضرت موسیٰ نے اپنے رب سے آٹھ چیزوں کا سوال کیا اور اخیر میں یہ عرض کیا کہ میں نے ان آٹھ چیزوں کا اس لیے سوال کیا تاکہ میں تیری تسبیح اور تیرا ذکر زیادہ سے زیادہ کرسکوں۔ پہلا سوال یہ کیا کہ میرا سینہ کھول کر وسیع کر دے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایک اور جگہ فرمایا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

وَیَضِیۡقُ صَدۡرِیۡ وَلَا یَنۡطَلِقُ لِسَانِیۡ (الشعراء: ۱۳) میرا سینہ تنگ ہے اور میری زبان نہیں چل رہی۔

سو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ ان کے سینہ کی تنگی کو فراخی اور وسعت سے تبدیل کر دے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کا منشاء یہ تھا ان کو جرأت، ہمت اور حوصلہ عطا فرما۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ نہیں فرمایا کہ میرا سینہ کھول دے بلکہ یہ فرمایا میرے لیے میرا سینہ کھول دے تا کہ یہ معلوم ہو کہ اس شرح صدر کا فائدہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پہنچے گا نہ کہ اللہ تعالیٰ کو۔

دوسرا سوال یہ کیا اور میرے لیے میرا کام (مشن) آسان کر دے۔ یعنی اس مشن میں جو رکاوٹیں ہیں ان کو دور فرما دے اور اس مشن کی تکمیل کے جو اسباب اور وسائل ہیں وہ مہیا فرما دے۔

حضرت موسیٰ کی زبان میں گرہ کی وجوہ

تیسرا سوال یہ کیا کہ میرے لیے میری زبان کی گرہ کھول دے۔ ان کی زبان میں جو گرہ تھی اس کی دو وجہیں ہیں ایک یہ کہ ان کی زبان میں پیدائشی گرہ تھی تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی کہ وہ اس گرہ کو زائل کر دے دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بچپن میں فرعون کی داڑھی نوچ لی تھی تو فرعون نے کہا یہ میرا دشمن بنے گا اور ان کو قتل کرنے کا ارادہ کر لیا، تب اس کی بیوی آسیہ نے کہا یہ بے عقل بچہ ہے اور ایک تھال میں یاقوت اور انگارہ رکھا اور کہا اگر اس نے یاقوت کو اٹھا لیا تو اس کو ذبح کر دینا اور اگر اس نے انگارہ اٹھایا تو پھر یہ اس کے بچپن کا تقاضا ہے اس کو چھوڑ دینا، پھر حضرت جبریل آئے اور انہوں نے حضرت موسیٰ کا ہاتھ انگارے پر رکھ دیا حضرت موسیٰ نے اس انگارے کو اٹھا کر منہ میں ڈال لیا اس وجہ سے ان کی زبان جل گئی اور ان کی زبان میں گرہ پڑ گئی اور ان کی زبان میں لکنت پیدا ہو گئی۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۸۱۷۳) اس روایت پر یہ اشکال ہے کہ اگر بچہ بالفرض انگارے کو پکڑ بھی لے تو اس کا ہاتھ فوراً جل جائے گا اور وہ انگارے کو چھوڑ دے گا اور اس کا انگارے کو منہ میں رکھ لینا عادۃً بہت بعید ہے، اسی لئے صحیح وجہ پہلی ہی معلوم ہوتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس گرہ کو کھولنے کا سوال ان وجوہ سے کیا تھا (۱) تا کہ فرائض رسالت کی ادائیگی میں خلل نہ ہو۔ (۲) جس شخص کی زبان میں لکنت ہو لوگ اس کی بات کو توجہ سے نہیں سنتے اور اس کو اچھا نہیں جانتے اور رسول کے لیے ضروری ہے کہ لوگ اس کی بات

توجہ سے سنیں اور اس کو اچھا جانیں۔ (۳) اس لکنت کا دور ہونا ان کا معجزہ ہو جائے کیونکہ مصر والوں کو پتا تھا کہ ان کی زبان میں لکنت ہے اور یہ روانی سے بات نہیں کر سکتے' پھر جب وہ روانی سے بات کریں گے تو حضرت موسیٰ کا معجزہ ہوگا۔ (۴) اس سے حضرت موسیٰ کا مشن آسان ہوگا کیونکہ فرعون جو غرور اور تکبر کی وجہ سے خدا بنا ہوا تھا اگر اس کے سامنے حضرت موسیٰ اٹک اٹک کر اور لکنت سے اللہ تعالیٰ کا پیغام سناتے تو وہ متاثر ہونے کے بجائے الٹا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مذاق اڑاتا۔

فقہ کا لغوی اور اصطلاحی معنی

حضرت موسیٰ نے عرض کیا کہ لوگ میری بات سمجھیں۔ قرآن مجید میں ہے یفقھوا قولی' یعنی لوگ جان لیں کہ میں کیا کہہ رہا ہوں اور میری بات سمجھیں' لغت میں فقہ کا معنی ہے فہم اور عرف میں اس سے علم شریعت مراد ہوتا ہے اور جس کو اس کا علم ہو اس کو فقیہ کہتے ہیں۔

امام ابوحنیفہ نے فرمایا فقہ کی تعریف یہ ہے کہ نفس کو اپنے نفع اور ضرر کی چیزوں کی معرفت ہو جائے اور اس کی مشہور تعریف یہ ہے: احکام شرعیہ عملیہ کا جو علم ان احکام کے دلائل سے ہو وہ فقہ ہے۔

وزیر کا معنی اور اس کے متعلق احادیث

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چوتھا سوال یہ کیا کہ میرے لیے ایک وزیر بنا دے۔ وزیر کا لفظ وزر سے ماخوذ ہے اور وزر کا معنی ہے بوجھ' وزیر کو وزیر اس لیے کہتے ہیں کہ وہ سلطان کی ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھاتا ہے' وزیر کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

قاسم بن محمد بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنی پھوپھی سے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جو شخص کسی منصب پر فائز ہوا پھر اللہ نے اس کے ساتھ خیر کا ارادہ کیا تو اس کے لیے ایک نیک وزیر دیتا ہے۔ اگر وہ بھول جائے تو وہ اس کو یاد دلا دیتا ہے اور اگر کو یاد ہو تو اس کی مدد کرتا ہے۔ (اس حدیث کی سند صحیح ہے) (سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۲۱۵)

حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ جس کو بھی خلیفہ بناتا ہے اس کے دو راز دار ہوتے ہیں ایک راز دار اس کی نیکی کا حکم دیتا ہے اور اس پر ابھارتا ہے' اور دوسرا راز دار اس کی برائی کا حکم دیتا ہے اور اس پر ابھارتا ہے اور معصوم وہ ہے جس کو اللہ معصوم رکھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۶۱۱' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۱۹۲' مسند احمد رقم الحدیث ۱۱۳۶۲' عالم الکتب)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آسمان والوں میں سے بھی میرے دو وزیر ہیں اور زمین والوں میں سے بھی میرے دو وزیر ہیں' آسمان والوں میں سے میرے جو دو وزیر ہیں' وہ جبریل اور میکائیل ہیں اور زمین والوں میں سے جو میرے دو وزیر ہیں وہ ابوبکر اور عمر ہیں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۸۰' المستدرک رقم الحدیث ۳۱۰۱' طبع جدید' المستدرک ج ۲ ص ۲۶۴' طبع قدیم' حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۱۶۰' تاریخ بغداد ج ۳ ص ۲۹۸' کنز العمال رقم الحدیث ۳۲۶۶۱)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ وزیر کی ضرورت تو بادشاہوں کو ہوتی ہے' اور رسول جو اللہ تعالیٰ کی وحی اور اس کے احکام پہنچانے کا مکلف ہوتا ہے اس کو وزیر کی کیا ضرورت ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ نیکی اور خیر کے کاموں میں جو شخص اخلاص کے ساتھ تعاون کرے اس کی اللہ سے دعا کرنے میں بھی بڑی تاثیر ہوتی ہے' اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے بھائی پر پورا اعتماد تھا کہ وہ نیکی اور خیر کے کاموں میں اور فرائض نبوت کی ادائیگی میں ان کے ساتھ بھرپور تعاون کریں گے۔

وزارت کے لیے بھائی کی تخصیص کی وجہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پانچواں سوال یہ تھا کہ وہ وزیر ان کے اھل سے ہو یعنی ان کے اقارب سے ہو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چھٹا سوال یہ تھا کہ ان کے بھائی ہارون کو ان کا وزیر بنا دیا جائے اور اس کے دو سبب تھے
(۱) دین کے کاموں میں تعاون کرنا بہت قابل تعریف اور لائق تحسین منصب ہے تو حضرت موسیٰ نے چاہا کہ یہ عظیم منصب ان کے بھائی کو حاصل ہو یا اس وجہ سے کہ دونوں بھائی ایک دوسرے سے بہت محبت کرتے تھے اور ایک دوسرے کے ساتھ بہت تعاون کرتے تھے۔ (۲) دوسرا سبب یہ تھا کہ حضرت ہارون کی زبان حضرت موسیٰ سے بہت زیادہ فصیح تھی اور وہ اپنا موقف اور مافی الضمیر بہت آسانی کے ساتھ بیان کر سکتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے متعلق فرمایا تھا:

وَاَخِیْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِیَ رِدْاً یُّصَدِّقُنِیْۤ اِنِّیْۤ اَخَافُ اَنْ یُّكَذِّبُوْنِ ۝ (القصص: ۳۴)

اور میرا بھائی ہارون مجھ سے زیادہ فصیح زبان والا ہے پس اس کو بھی میرا مددگار بنا کر میرے ساتھ بھیج دے کہ وہ میری تصدیق کریں گے مجھے خطرہ ہے کہ وہ سب میری تکذیب کریں گے۔

ازر کا معنی

حضرت موسیٰ کا ساتواں سوال یہ تھا کہ میرے بھائی سے میری کمر مضبوط کر دے' ازر کے معنی ہیں قوت' فازرہ کے معنی ہیں اس کی اعانت کی' ابوعبیدہ اور خلیل نے کہا ازر کے معنی ہیں پشت' خلاصہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کیا وہ ان کے بھائی حضرت ہارون کو ان کا وزیر بنا دے تاکہ وہ ان کی مدد کریں اور ان کی کمر کو مضبوط رکھیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا آٹھواں سوال یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ حضرت ہارون کو ان کے مشن میں شریک کر دے اور مشن سے مراد نبوت ہے۔ کیونکہ حضرت موسیٰ کو علم تھا کہ حضرت ہارون عمر میں ان سے بڑے ہیں اور ان کی زبان صاف اور زیادہ فصیح ہے۔

حضرت موسیٰ کی ان دعاؤں کا سبب

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ عرض کیا کہ میں نے یہ دعائیں اس لیے کی ہیں کہ ہم تیری بہت تسبیح کریں اور تجھے بہت یاد کریں۔ تسبیح کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات' صفات اور اس کے افعال کی ان چیزوں سے برأت بیان کی جائے جو اس کی شان کے لائق نہیں ہیں' خواہ دل میں اس برأت کا اعتقاد رکھا جائے یا زبان سے اس کی برأت کو بیان کیا جائے' اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے اور اس کو یاد کرنے کا بھی ذکر ہے' ذکر کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کی صفات کمالیہ اور اس کی صفات جمال اور اس کی صفات جلال کو بیان کرنا' پس تسبیح کرنے کا معنی ہے نامناسب صفات کی اس سے نفی کرنا اور ذکر کا معنی ہے اس کی شان کے لائق صفات کا ذکر کرنا۔

اس کے بعد فرمایا بے شک تو ہمیں خوب دیکھنے والا ہے۔ اس کے حسب ذیل محامل ہیں:

(۱) بے شک تو خوب جاننے والا ہے کہ ہم اپنی دعاؤں اور عبادتوں سے محض تیری رضا جوئی کا ارادہ کرتے ہیں اور تیرے سوا اور کسی سے دعا نہیں کرتے۔

(۲) تجھ کو خوب معلوم ہے کہ میں نے جو یہ دعائیں کیں یہ صرف کار نبوت کی تکمیل کے لیے کیں ہیں۔

(۳) بے شک تو ہماری مصلحتوں کو خوب جاننے والا ہے تو ہمیں وہ چیزیں عطا فرما جو ہمارے حق میں مفید اور بہتر ہوں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعائیں کرنے کے بعد یہ کلمات اس لیے کہے تاکہ ظاہر ہو کہ انہوں نے اپنے تمام معاملات اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فرمایا اے موسیٰ تمہارا سوال پورا کر دیا گیا ۝ بے شک (اس سے پہلے بھی) ہم نے ایک بار اور آپ پر احسان فرمایا تھا ۝ جب ہم نے آپ کی ماں کی طرف وہ وحی کی تھی جو وحی آپ کی طرف کی جا رہی ہے ۝ کہ اس بچے کو صندوق

میں رکھ کر دریا میں ڈال دو' پھر دریا کو حکم دیا کہ وہ اس کو کنارے پر لے آئے اس کو میرا دشمن اور اس کا دشمن لے لے گا' اور میں نے آپ کے اوپر اپنی طرف سے محبت ڈال دی اور تاکہ میری نظر کے سامنے آپ کی پرورش کی جائے○ جب آپ کی بہن جارہی تھی وہ (آل فرعون سے) کہہ رہی تھی کیا میں تمہاری اس کی طرف رہ نمائی کروں جو اس بچہ کی پرورش کرے' پھر ہم نے آپ کو آپ کی ماں کی طرف لوٹا دیا تاکہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں' اور وہ غم نہ کریں' اور آپ نے ایک شخص کو قتل کر دیا تو ہم نے آپ کو اس غم سے نجات دی' اور ہم نے آپ کی کئی طرح سے آزمائش کی' سو آپ کئی سال اہل مدین میں رہے' پھر اے موسیٰ! آپ اللہ کے مقرر کردہ وقت پر آ گئے○ اور میں نے آپ کو خاص اپنے لیے چن لیا○ آپ اور آپ کے بھائی دونوں میری نشانیاں لے کر جائیں اور میری یاد میں سستی نہ کریں○ آپ دونوں فرعون کے پاس جائیں بے شک اس نے سر اٹھا رکھا ہے○ آپ دونوں اس سے نرمی سے بات کریں اس امید پر کہ وہ نصیحت حاصل کرے یا ڈرے○ (طٰہٰ: ۴۴-۳۶)

حضرت موسیٰ کی دعاؤں کو باریاب کرنے کی وجوہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کہے ہوئے آٹھ سوالات کو پورا فرمایا اور ان کی دعاؤں کو باریاب فرمایا تاکہ وہ وسعت قلب اور فرحت کے ساتھ کار نبوت کو پورا کرنے کے لیے روانہ ہوں' اس لیے فرمایا اے موسیٰ! تمہارا سوال پورا کر دیا گیا' اس کے بعد فرمایا۔ بے شک (اس سے پہلے بھی) ہم نے ایک بار اور آپ پر احسان فرمایا تھا○ اس میں حسب ذیل وجوہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعاؤں کے قبول کرنے کی وجوہ پر متنبہ فرمایا ہے:

(۱) اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ میں تمہارے ان سوالوں سے پہلے بھی تمہاری مصلحت کے تقاضوں کو پورا کر چکا ہوں تو اب تمہاری دعاؤں کو کیوں قبول نہیں کروں گا۔

(۲) میں اس سے پہلے تمہاری پرورش کر چکا ہوں اگر اب میں تمہاری مراد پوری نہ کروں تو یہ قبول کرنے کے بعد رد کرنا ہوگا اور احسان کرنے کے بعد محروم کرنا ہوگا اور یہ فعل میرے کرم کے کب لائق ہے۔

(۳) جب ہم ماضی میں تمہاری ہر ضرورت کو پورا کر چکے ہیں اور تمہیں نچلے درجہ سے درجہ عالیہ میں پہنچا چکے ہیں تو اب اس مرتبہ پر پہنچا کر تمہاری درخواست کو رد کر دینا ہماری شان کے کب لائق ہوگا!

حضرت موسیٰ کی ماں پر وحی کرنے کا احسان اور عورت کے نبی نہ ہونے پر دلائل

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اوپر اپنے آٹھ احسانات کا ذکر فرمایا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر پہلا احسان' جب ہم نے آپ کی ماں کی طرف وہ وحی کی تھی جو وحی آپ کی طرف کی جارہی ہے' کہ اس بچہ کو صندوق میں رکھ کر دریا میں ڈال دو پھر دریا کو حکم دیا کہ وہ اس کو کنارے پر لے آئے' اس کو میرا دشمن اور اس کا دشمن لے لے گا۔

علامہ قرطبی مالکی اور بعض دیگر علماء کی یہ رائے ہے کہ عورت بھی نبی بن سکتی ہے اور وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ کی ماں کی طرف وحی کی گئی ہے اور وحی صرف انبیاء اور رسل کی طرف کی جاتی ہے' اور جمہور علماء اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت موسیٰ کی ماں انبیاء اور رسل میں سے نہ تھیں' اس لیے اس آیت میں وحی سے وہ وحی مراد نہیں ہے جو انبیاء کی طرف کی جاتی ہے' اور یہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے جب کہ عورت قاضی اور امام بننے کی بھی صلاحیت نہیں رکھتی بلکہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک وہ اپنا نکاح بھی خود نہیں کر سکتی تو وہ نبی بننے کی کب صلاحیت رکھ سکتی ہے۔ اور اس پر قوی دلیل یہ آیت ہے:

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا قَبۡلَکَ اِلَّا رِجَالًا نُّوۡحِیۡۤ اِلَیۡہِمۡ (الانبیاء: ۷) آپ سے پہلے ہم نے جتنے بھی رسول بھیجے وہ سب مرد تھے جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے۔

اور قرآن مجید میں غیر انبیاء کے لیے بھی وحی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے:

وَاَوۡحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحۡلِ (النحل: ۶۸) اور آپ کے رب نے شہد کی مکھی کی طرف وحی کی۔

وَاِذۡ اَوۡحَیۡتُ اِلَی الۡحَوَارِیّٖنَ (المائدہ: ۱۱۱) اور جب میں نے حواریین کی طرف وحی کی۔

باقی رہا یہ امر کہ حضرت موسیٰ کی ماں کی طرف جو وحی کی گئی تھی اس وحی سے کیا مراد ہے؟ اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) اس وحی سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں کا دیکھا ہوا خواب ہے' انہوں نے خواب دیکھا کہ انہوں نے حضرت موسیٰ کو تابوت میں رکھا پھر اس تابوت کو دریا میں ڈال دیا' اور اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو پھر ان کی طرف لوٹا دیا۔

(۲) اس وحی سے مراد یہ ہے کہ ان کے دل میں ایک بات آ کر جم گئی تھی اور ہر شخص کو ایسا سابقہ پیش آتا ہے۔

(۳) اس وحی سے مراد الہام ہے' اور الہام سے مراد ہے دل میں کسی نیک بات کا آ کر ٹھہر جانا۔

حضرت موسیٰ پر ان کے صندوق کو دریا میں سلامت رکھنے کا احسان (۲)

فرعون ایک سال بچوں کو قتل کرتا پھر دوسرے یا تیسرے سال بچوں کو چھوڑ دیتا تھا حضرت ہارون علیہ السلام اس سال پیدا ہوئے تھے جس سال وہ بچوں کو چھوڑ دیتا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے ایک سال بعد پیدا ہوئے جو بچوں کو قتل کرنے کا سال تھا' تو حضرت موسیٰ کی ماں نے ایک صندوق کے اندر روئی رکھی اور اس میں حضرت موسیٰ کو رکھا پھر اس صندوق کو دریائے نیل میں ڈال دیا' اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جس طرح حضرت موسیٰ کی ماں کو یہ خطرہ تھا کہ فرعون ان کو قتل کر دے گا تو صندوق میں حضرت موسیٰ کو رکھ کر اس صندوق کو دریا میں ڈال دینا اس سے کم خطرناک تو نہیں تھا یہ بھی تو ایک طرح سے ان کو موت کے حوالے کر دینا تھا' اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ کی والدہ کو اپنے خواب یا الہام پر کامل اعتماد تھا۔

اس آیت میں اقذفیہ کا لفظ ہے یہ واحد مونث مخاطب کا لفظ ہے' اور قذف کا معنی ہے ڈالنا قرآن مجید میں ہے:

وَقَذَفَ فِیۡ قُلُوۡبِہِمُ الرُّعۡبَ. (الاحزاب: ۲۶) ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔

سو اقذفیہ کا معنی ہے اس کو ڈال دو' اور ''الیم'' کا معنی ہے سمندر' اس کا اطلاق سمندر اور دریا دونوں پر ہوتا ہے اور یہاں اس سے مراد دریائے نیل ہے' اور ساحل سحل کا اسم فاعل ہے اور یہ مفعول یعنی مسحول کے معنی میں ہے۔ سحل کا معنی بھی پھینکنا اور ڈالنا ہے اور چونکہ سمندر اور دریا کے کنارے پانی سمندر اور دریا کی چیزیں لا کر پھینک دیتا ہے اس لیے اس کو ساحل کہتے ہیں۔

فرعون کے گھر حضرت موسیٰ کو پہنچانے کا احسان (۳)

فرعون کی بیوی آسیہ دریا سے اپنی باندیوں کے ذریعہ پانی منگوا رہی تھی تو اچانک اس کی نظر اس صندوق پر پڑی' اس نے باندیوں سے کہا اس صندوق کو اٹھا لو۔ جب اس صندوق کو اٹھایا تو اس میں حضرت موسیٰ تھے۔ حضرت موسیٰ کی دل لبھانے والی صورت تھی جو دیکھتا تھا اس کو آپ پر پیار آتا تھا تو فرعون نے بھی آپ کو پالنے اور پرورش کرنے کا ارادہ کر لیا' اس کی دوسری وجہ یہ بیان کی گئی ہے:

دریا نے اس صندوق کو ساحل پر لا پھینکا' ساحل سے پانی کی ایک چھوٹی سی نہر فرعون کے گھر کے باغ میں جاتی تھی اس طرح حضرت موسیٰ فرعون کے گھر میں پہنچ گئے اور فرعون نے جب حضرت موسیٰ کو دیکھا تو اٹھا لیا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اس کو میرا اور اس کا دشمن لے لے گا۔

اس آیت پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ فرعون کا اللہ کا دشمن ہونا تو ظاہر ہے کیونکہ وہ کفر اور سرکشی میں بہت بڑھ چکا تھا' لیکن اس وقت تک اس کا حضرت موسیٰ کا دشمن ہونا تو ظاہر نہیں ہوا تھا بلکہ اس وقت تو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کرنے والا تھا' اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ مستقبل میں اس نے حضرت موسیٰ سے دشمنی کرنی تھی ان کی مخالفت کرنی تھی اور ان کے قتل کے درپے ہونا تھا تو آئندہ کے اعتبار سے اس کو بھی مجازاً ان کا دشمن فرمایا۔

فرعون کے دل میں حضرت موسیٰ کی محبت ڈالنے اور ان کی پرورش کا احسان (۴)

پھر فرمایا اور میں نے آپ کے اوپر اپنی طرف سے محبت ڈال دی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چہرہ بہت حسین تھا اور آپ کی آنکھیں بہت خوب صورت تھیں' جو بھی آپ کو دیکھتا تھا اس کو آپ پر محبت آتی تھی اور یہ بھی آپ کے اوپر اللہ تعالیٰ کا انعام اور احسان تھا' اسی وجہ سے فرعون اور اس کی بیوی دونوں آپ سے محبت کرنے لگے اور آپ کی پرورش میں لگ گئے۔

اس کے بعد فرمایا: اور تاکہ میری نظر کے سامنے آپ کی پرورش کی جائے' اس کا معنی یہ ہے تاکہ میرے ارادہ کے موافق آپ کی پرورش کی جائے' اور اس کے دو محمل میں ایک یہ ہے کہ عین سے مراد علم ہے اور جب کوئی شخص کسی چیز کا عالم ہوتا ہے تو اس چیز کی آفات اور بلیات سے اس طرح حفاظت کرتا ہے جس طرح اس کو دیکھنے والا اس کی حفاظت کرتا ہے' اور اس کا دوسرا محمل یہ ہے عین سے مراد ہے حفاظت کرنا' کیونکہ جو شخص کسی چیز کو دیکھ رہا ہو وہ اس چیز کی ایذا دینے والی چیزوں سے حفاظت کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی آنکھ کا معنی

عین کے معنی آنکھ ہیں' اس آیت کا ترجمہ یہ ہے تاکہ میری آنکھ کے سامنے آپ کی پرورش کی جائے۔ اللہ تعالیٰ کی آنکھ کے متعلق امام ابوحنیفہ اور دیگر متقدمین کا یہ نظریہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آنکھ ہے لیکن وہ ہماری آنکھ کی طرح نہیں ہے' بلکہ اس کی آنکھ کی کوئی مثال نہیں ہے' یہ اس کی صفت بلا کیف ہے۔ اس کی صفت کی نفی کی جائے نہ اس کی کسی مخلوق کے ساتھ کوئی مثال دی جائے اور نہ اس کی کوئی تاویل کی جائے' لہٰذا یہاں آنکھ کی تاویل رویت یا نظر سے کرنا درست نہیں ہے۔ اور متاخرین نے جب دیکھا کہ اسلام کے معاندین اس قسم کی آیات کی وجہ سے اسلام پر طعن کررہے ہیں اور یہ کہہ رہے ہیں کہ مسلمانوں کے خدا کے جسمانی اعضاء ہیں تو انہوں نے اس قسم کی آیات کی تاویل کی اور کہا عین کا معنی رویت' نظر اور علم ہے۔ اس کی پوری تفصیل اور تحقیق ہم نے الاعراف: ۵۴ میں کی ہے۔

حضرت موسیٰ کی ماں پر ان کی آنکھیں ٹھنڈی کرنے کا احسان (۵)

جب آپ کی بہن جارہی تھی وہ (آل فرعون سے) کہہ رہی تھی کیا میں اس کی طرف رہنمائی کروں جو اس بچہ کی پرورش کرے۔ الآیۃ (طٰہٰ: ۴۰)

جب فرعون نے حضرت موسیٰ کو اپنی بیوی کے حوالے کردیا تو اس نے دودھ پلانے والیوں کو طلب کیا' حضرت موسیٰ کسی عورت کا دودھ نہیں پی رہے تھے' حتیٰ کہ ان کی بہن آگے بڑھی اور حضرت موسیٰ کو اٹھا کر اپنی گود میں رکھ لیا' اور اپنا پستان ان کے منہ میں دے دیا حضرت موسیٰ نے اس کے پستان کو چوسنا شروع کردیا اور خوش ہوگئے' فرعون کے گھر والوں نے اس سے کہا تم ہمارے گھر میں رہو' اس نے کہا میرا دودھ نہیں اترا' لیکن میں اس عورت کی طرف تمہاری رہنمائی کروں گی جو اس کو دودھ پلائے گی' وہ لوگ حضرت موسیٰ کے خیر خواہ تھے' انہوں نے پوچھا وہ عورت کون ہے؟ اس نے کہا وہ میری ماں ہے' انہوں نے پوچھا اس کا دودھ اتر رہا ہے؟ اس نے کہا میرا بھائی اس کا دودھ پی رہا ہے' حضرت ہارون علیہ السلام' حضرت موسیٰ علیہ السلام

سے ایک سال بڑے تھے' اور ایک قول یہ ہے کہ تین یا چار سال بڑے تھے کیونکہ فرعون نے اپنی قوم کی آسانی کے لئے بنو اسرائیل پر رحم کیا تھا اور چار سال تک ان کے قتل کو موقوف کر دیا تھا اور اسی اثناء میں حضرت ہارون پیدا ہوئے تھے' پھر جب حضرت موسیٰ کی ماں آ گئیں تو حضرت موسیٰ نے ان کا دودھ پی لیا اور یوں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں کی آنکھیں ٹھنڈی کر دیں۔

حضرت موسیٰ پر فرعون سے نجات دینے کا احسان (٦)

اس کے بعد فرمایا اور آپ نے ایک شخص کو قتل کر دیا تو ہم نے آپ کو اس غم سے نجات دی۔

امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں:

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام جوانی کی عمر کو پہنچ گئے تو ایک دن وہ شہر کی طرف جا رہے تھے' انہوں نے دو آدمیوں کو لڑتے ہوئے دیکھا ان میں سے ایک بنو اسرائیل میں سے تھا اور دوسرا آل فرعون سے تھا' اسرائیلی نے فرعونی کے خلاف حضرت موسیٰ سے مدد طلب کی' حضرت موسیٰ نے غضب میں آ کر فرعونی کے ایک گھونسا مارا جس سے وہ ہلاک ہو گیا' اس وقت سوا اس اسرائیلی کے ان کو اور کوئی دیکھنے والا نہیں تھا' جب حضرت موسیٰ نے گھونسا مار کر اس فرعونی کو قتل کر دیا تو انہوں نے کہا:

هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ○ (القصص: ۱۵)

یہ کام شیطان کے بہکانے سے سرزد ہوا' بے شک وہ دشمن ہے کھلا گمراہ کرنے والا۔

پھر فرمایا:

قَالَ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ فَغَفَرَ لَهٗ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ○ (القصص: ۱٦)

موسیٰ نے عرض کیا اے میرے رب بے شک میں نے اپنی جان پر زیادتی کی تو مجھے معاف فرما دے' تو اللہ نے انہیں معاف فرما دیا۔ بے شک وہی بہت مغفرت فرمانے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

اس کے بعد فرمایا: موسیٰ نے عرض کیا: اے میرے رب! جس طرح تو نے اب مجھ پر احسان فرمایا ہے سو اب میں ہرگز مجرموں کا مددگار نہیں بنوں گا ○ پس اس شہر میں انہوں نے ڈرتے ہوئے صبح کی اور انتظار کرتے رہے کہ (اب کیا ہوگا) پس اچانک وہی شخص جس نے کل ان سے مدد مانگی تھی (آج پھر) انہیں مدد کے لیے پکار رہا تھا' موسیٰ نے اس سے کہا یقیناً تو کھلا ہوا گمراہ ہے ○ پھر جب موسیٰ نے ارادہ کیا کہ اس شخص کو پکڑ لیں جو ان دونوں کا دشمن تھا تو (فریاد کرنے والے اسرائیلی نے غلط فہمی سے) کہا: اے موسیٰ آپ مجھے (بھی) اسی طرح قتل کرنا چاہتے ہیں جیسے کل آپ نے ایک آدمی کو قتل کر دیا تھا' آپ یہی چاہتے ہیں کہ آپ زمین میں زبردستی کرنے والے بن جائیں اور آپ یہ نہیں چاہتے کہ آپ اصلاح کرنے والوں میں سے ہوں ○ اور ایک آدمی شہر کے پرلے کنارے سے دوڑتا ہوا آیا' اس نے کہا اے موسیٰ بے شک (فرعون کے) درباری آپ کو قتل کرنے کے متعلق مشورہ کر رہے ہیں' سو آپ یہاں سے نکل جائیے' بے شک میں آپ کے خیر خواہوں میں سے ہوں ○ سو موسیٰ اس شہر سے خوف زدہ ہو کر نکلے وہ انتظار کر رہے تھے (کہ اب کیا ہوگا) انہوں نے دعا کی اے میرے رب! مجھے ظالم قوم سے نجات دے دے۔ (القصص: ۲۱۔۱۷)

امام ابن جریر نے لکھا ہے کہ جب حضرت موسیٰ اس اسرائیلی کو ڈانٹ رہے تھے اور وہ اسرائیلی غلط فہمی سے یہ سمجھا تھا کہ حضرت موسیٰ اس کو قتل کرنا چاہتے ہیں جس طرح انہوں نے کل ایک فرعونی کو قتل کر دیا تھا تو وہ بھاگ کر فرعون کے دربار میں

پہنچا اور وہاں جا کر فرعون کو بتایا کہ موسیٰ نے ایک فرعونی کو قتل کر دیا ہے اور جو کچھ دیکھا تھا اس کا ماجرا سنا دیا۔ تب فرعون نے ذبح کرنے والوں کو بلایا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کرنے کے لیے کارندے بھیج دیے۔ ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک حمایتی آ کر ان سے ملا اور ان کو بتایا کہ ان کے خلاف کیا سازش ہو رہی ہے' تب حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے بھاگ کر مدین کی طرف چلے گئے اور وہاں حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس ایک عرصہ گزارا جس کی تفصیل انشاء اللہ آگے آئے گی۔

(جامع البیان ج ۱۶ص ۲۰۹۔۲۰۸ ملخصاً' مطبوعہ دار الفکر بیروت۔۱۴۱۵ھ)

حضرت موسیٰ کو آزمائشوں سے گزارنا

نیز طٰہٰ: ۴۰ میں فرمایا اور ہم نے آپ کی کئی طرح سے آزمائش کی۔

سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ فتون کا معنی ہے ایک آزمائش کے بعد دوسری آزمائش میں واقع ہونا' اور اللہ تعالیٰ کا آپ کو ان سے نجات دینا۔ پہلی آزمائش یہ تھی کہ آپ کی ماں کو آپ کا اس سال حمل ہوا جس سال فرعون نومولود بچوں کو ذبح کرتا تھا۔ پھر دوسری آزمائش وہ تھی جب آپ کو دریائے نیل میں ڈالا گیا' تیسری آزمائش وہ تھی جب آپ نے اپنی ماں کے علاوہ کسی عورت کا دودھ نہیں پیا' چوتھی آزمائش وہ تھی جب آپ نے بچپن میں فرعون کی داڑھی نوچ لی اور فرعون نے آپ کو قتل کرنے کا ارادہ کر لیا' پھر آپ نے ایک قبطی کو تادیباً گھونسا مارا جس سے وہ ہلاک ہو گیا' پھر آپ خوف زدہ ہو کر مدین کی طرف بھاگ گئے۔

(زاد المسیر ج ۵ص ۲۸۶۔۲۸۵' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت۔۱۴۰۷ھ)

حضرت موسیٰ کو مدین میں پناہ دینے کا احسان (۷)

اس کے بعد فرمایا سو آپ کئی سال اہل مدین میں رہے' پھر آپ اے موسیٰ! اللہ کے مقرر کردہ وقت پر آ گئے۔ (طٰہٰ: ۴۰)

اس سے مراد یہ ہے کہ آپ حضرت شعیب کے شہر مدین میں گئے حضرت موسیٰ کی وہاں مدت قیام کے متعلق دو قول ہیں۔ حضرت ابن عباس اور مقاتل نے کہا آپ وہاں دس سال رہے تھے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ آپ وہاں اٹھائیس سال رہے تھے۔ دس سال اپنی بیوی صفورا کے مہر میں رہے اور اٹھارہ سال اس کے بعد رہے حتیٰ کہ آپ کا وھب نام کا بیٹا پیدا ہوا۔

(زاد المسیر ج ۵ص ۲۸۶)

وھب نے بیان کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس بائیس سال رہے تھے۔ دس سال وہ اپنی بیوی صفورا بنت شعیب کے مہر کے عوض رہے اور بارہ سال اپنی بیوی کے پاس رہے حتیٰ کہ ان کا ایک بیٹا پیدا ہوا۔

اس کے بعد فرمایا: پھر آپ اے موسیٰ اللہ کے مقرر کردہ وقت پر آ گئے۔ (طٰہٰ: ۴۰)

انبیاء علیہم السلام کو چالیس سال کی عمر میں مبعوث کیا جانا

علامہ ابو عبد اللہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' قتادہ اور عبد الرحمٰن بن کیسان نے کہا کہ آپ نبوت اور رسالت کی مدت کے موافق وہاں رہے' کیونکہ انبیاء علیہم السلام چالیس سال کی عمر میں مبعوث کیے جاتے ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۱ص ۱۱۷)

امام رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ نے اس آیت کے حسب ذیل محامل بیان کیے ہیں:

(۱) میری لکھی ہوئی قضاء اور قدر میں یہ پہلے مقرر ہو چکا تھا کہ میں تم کو اس معین وقت میں رسول بناؤں گا جس کو میں پہلے تمہارے لیے معین کر چکا ہوں' سو تم اسی معین وقت پر آئے ہو نہ اس سے پہلے نہ اس کے بعد۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اِنَّا کُلَّ شَیۡءٍ خَلَقۡنٰہُ بِقَدَرٍ ○ (القمر:۴۹) بے شک ہم نے ہر چیز کو ایک اندازے کے موافق پیدا کیا ہے۔

(۲) تم اس مقرر وقت آئے ہو جس وقت میں انبیاء علیہم السلام پر وحی کی ابتداء کی جاتی ہے۔

(۳) ہوسکتا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے یا کسی اور نبی نے حضرت موسیٰ کے آنے کے لیے یہ وقت مقرر کر دیا ہو اور حضرت موسیٰ اس وقت پر آئے ہوں' اور حضرت موسیٰ پر یہ اس لیے احسان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس وقت پر پہنچنے کی توفیق دی۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۵۰' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابوالحیان محمد بن یوسف اندلسی متوفی ۷۵۴ ھ لکھتے ہیں:

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین کی طرف گئے تو ان کی عمر بارہ سال تھی۔ پھر دس سال وہ حضرت شعیب علیہ السلام کی بکریاں چراتے رہے۔ پھر اس کے بعد وہ اٹھارہ سال اپنی بیوی صفورا بنت شعیب کے ساتھ رہے اور ان سے ان کا ایک بیٹا ہوا پھر ان کی عمر مکمل چالیس سال ہوگئی اور یہ وہ مدت ہے جس کے پورے ہونے پر انبیاء علیہم السلام کو مبعوث کرنے کی اللہ تعالیٰ کی عادت جاریہ ہے۔ (البحر المحیط ج ۷' ص ۳۳۳' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ)

علامہ شہاب الدین احمد بن محمد خفاجی متوفی ۱۰۶۸ھ لکھتے ہیں:

سن نبوت چالیس سال مکمل ہونے کے بعد ہے۔ (عنایۃ القاضی ج ۲' ص ۳۴۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ)

قاضی ابوالسعود محمد بن محمد عمادی حنفی متوفی ۹۸۲ ھ لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام اس مقرر وقت پر آئے جس وقت میں انبیاء علیہم السلام پر وحی کی جاتی ہے اور یہ وہ وقت ہے جب چالیس سال مکمل ہو جائیں۔ (تفسیر ابوالسعود ج ۴ ص ۲۸۱' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ)

شیخ زادہ محمد بن مصلح الدین المصطفیٰ القوجوی التوفی ۹۵۱ ھ وھب کے حوالے سے لکھتے ہیں:

انبیاء علیہم السلام کی بعثت کے لیے چالیس سال کی مدت مقرر ہے۔

(حاشیہ شیخ زادہ ج ۵ ص ۲۸۱' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

انبیاء علیہم السلام پر چالیس سال پورے ہونے کے بعد وحی کی جاتی ہے۔

(روح المعانی جز ۱۶ ص ۲۸۲' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ اعلیٰ حضرت کے ترجمہ کے ساتھ مزج کر کے لکھتے ہیں:

پھر تو ایک ٹھہرائے وعدہ پر حاضر ہوا اے موسیٰ! یعنی اپنی عمر کے چالیسویں سال اور یہ وہ سن ہے کہ انبیاء کی طرف اس سن میں وحی کی جاتی ہے۔ (کنز الایمان وخزائن العرفان ص ۵۰۳' مطبوعہ تاج کمپنی لاہور)

علامہ قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ' امام رازی شافعی متوفی ۶۰۶ ھ' علامہ ابوالحیان اندلسی متوفی ۷۵۴ ھ' علامہ خفاجی متوفی ۱۰۶۸ھ' علامہ ابوالسعود متوفی ۹۵۱ ھ' علامہ آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ اور صدر الافاضل مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ سب نے یہ تصریح کی ہے کہ انبیاء علیہم السلام جب چالیس سال کی عمر کو پہنچ جاتے ہیں تب ان پر وحی کی جاتی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو منصب رسالت پر فائز کرنے کا احسان (۸)

طٰہٰ: ۴۱ میں فرمایا اور میں نے آپ کو خاص اپنے لیے چن لیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رسالت کے لیے چننے کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنا قرب عطا کیا' آپ کی عزت افزائی کی اور آپ کو شرف کلام عطا کیا اور یہ اوصاف اس لیے عطا کیے کہ آپ کو منصب رسالت پر فائز کرنا تھا۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے آپ پر ایسے الطاف اور عنایات کیے جن کا تقاضا آپ کو منصب رسالت سے نوازنا تھا۔

(۳) میں نے آپ کو رسالت کے لیے اس وجہ سے چنا ہے کہ آپ میرے احکام کی اطاعت میں مشغول رہیں۔ میری الوہیت اور میری توحید پر دلائل قائم کریں اور آپ کی تمام حرکات اور سکنات صرف میرے لیے ہوں کسی اور کے لیے نہ ہوں۔

عصا اور ید بیضاء دو نشانیوں پر آیات کے اطلاق کی توجیہ

طٰہٰ: ۴۲ میں فرمایا: آپ اور آپ کے بھائی دونوں میری نشانیاں لے کر جائیں اور میری یاد میں سستی نہ کریں۔

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے بایاتی میری نشانیاں' حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو صرف دو نشانیاں دیں تھیں اور عربی میں دو پر جمع کا اطلاق نہیں ہوتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا ہر چند کہ ایک نشانی تھا لیکن وہ متعدد نشانیوں کا جامع تھا کیونکہ اس لاٹھی کا دوڑتا ہوا سانپ بن جانا اللہ تعالیٰ کے علم اور قدرت پر اور حضرت موسیٰ کی نبوت پر دلیل تھا۔ اس عصا کو پتھر پر مارنے سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے یہ اللہ تعالیٰ کی رزاقی اور اس کی حکمت پر دلیل ہے' سمندر پر عصا مارنے سے بارہ راستوں کا بن جانا اور بعد ازاں فرعون کو غرق کر دینا' یہ اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب پر دلیل تھا' خلاصہ یہ ہے کہ ایک عصا متعدد نشانیوں پر مشتمل تھا۔ اس سوال کا دوسرا جواب یہ ہے کہ اصول فقہ میں مقرر ہے کہ جمع کے کم از کم افراد دو ہوتے ہیں لہٰذا ان دو نشانیوں پر جمع کا اطلاق درست ہے' اور اس کا تیسرا جواب یہ ہے کہ ید بیضا اور عصا کے علاوہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک تیسری نشانی بھی عطا فرمائی تھی اور وہ ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لکنت کو دور کر دینا سو اب بغیر کسی تاویل کے ان نشانیوں پر جمع کا اطلاق درست ہے۔

ذکر میں سستی سے منع کرنے کے محامل

اور تم دونوں میری یاد میں سستی نہ کرنا۔ اس کے معنی یہ ہے کہ اپنے مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے مجھے یاد کرتے رہنا اور یہ یاد رکھنا کہ اس دنیا کا کوئی اہم اور نیک کام میرے ذکر کے بغیر پورا نہیں ہو سکتا۔ ذکر کا دوسرا محمل یہ ہے کہ میرے پیغام کو پہنچانے میں کوئی سستی نہ کرنا کیونکہ ذکر کا اطلاق ہر قسم کی عبادت پر ہوتا ہے اور تبلیغ رسالت تو سب سے عظیم عبادت ہے تو یہ اس بات کے زیادہ لائق ہے کہ اس پر ذکر کا اطلاق کیا جائے' اور اس کا تیسرا محمل یہ ہے کہ فرعون کے سامنے تم میرا ذکر کرنے میں سستی نہ کرنا اور اس ذکر کی کیفیت یہ ہے کہ تم فرعون اور اس کی قوم سے کہنا کہ اللہ تعالیٰ ان کے کفر سے راضی نہیں ہے اور ان کے سامنے ثواب اور عذاب کا ذکر کرنا' اور اس کا چوتھا محمل یہ ہے کہ فرعون کے سامنے اللہ تعالیٰ کی ظاہری اور باطنی نعمتوں کا ذکر کرنا اور اس کے احسانات کا ذکر کرنا۔

فرعون کے ساتھ نرمی سے کلام کرنے کی وجوہ اور نرم کلام کے محامل

طٰہٰ: ۴۳ میں فرمایا: آپ دونوں فرعون کے پاس جائیں بے شک اس نے سر اٹھا رکھا ہے۔

یہ خطاب صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھا کیونکہ اس وقت اس جگہ حضرت ہارون علیہ السلام حاضر نہ تھے' لیکن چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام متبوع تھے اور حضرت ہارون علیہ السلام ان کے تابع تھے اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ خطاب کو ان کے ساتھ خطاب قرار دیا۔

طٰہٰ: ٤٤ میں فرمایا: آپ دونوں اس سے نرمی سے بات کریں اس امید پر کہ وہ نصیحت حاصل کرے یا ڈرے۔
فرعون اپنی الوہیت کا مدعی تھا اور اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور توحید کا منکر اور مخالف تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ نرمی سے بات کرنے کا کیوں حکم دیا؟ اس کی دو وجہیں ہیں: (١) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فرعون نے پرورش کی تھی' اس حق کی رعایت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ نرمی سے بات کرنے کا حکم دیا۔ اس میں یہ تنبیہ ہے کہ ماں باپ کا حق کس قدر عظیم ہے۔ (٢) جابر اور مقتدر لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ جب ان کو سختی کے ساتھ نصیحت کی جائے تو وہ مزید اکڑ جاتے ہیں اور ان کے غرور اور تکبر میں اور اضافہ ہو جاتا ہے اور ان کی انانیت ان کو حق قبول کرنے سے باز رکھتی ہے۔
حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے ساتھ جو نرمی کے ساتھ کلام کیا تھا اس کی ایک مثال تو عنقریب طٰہٰ: ٤٧ میں آ رہی ہے اور دوسری مثال یہ آیت ہے:

هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى ○ وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى ○ (النازعات: ١٩-١٨)

کیا تم پاکیزہ ہونا چاہتے ہو؟○ (اور یہ چاہتے ہو کہ) میں تمہارے رب کی طرف تمہاری راہنمائی کروں سو تم (اس سے) ڈرو؟

اس کی تیسری مثال کے متعلق حضرت ابن عباس نے فرمایا اس کو اس کی کنیت کے ساتھ مخاطب کرنا۔ اس کی کنیت کے متعلق چار قول ہیں: (١) ابومرہ (٢) ابومصعب (٣) ابوالعباس (٤) ابوالولید۔
اور اس کو چوتھی مثال یہ ہے کہ حسن بصری نے کہا اس سے کہنا اس کا رب ہے اور اس کے لوٹنے کی جگہ ہے اور اس کے آگے جنت اور دوزخ ہے' اور اس کی پانچویں مثال یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے پاس جا کر کہا: میں جو پیغام لے کر آیا ہوں تم اس پر ایمان لے آؤ اور رب العالمین کی عبادت کرو' پھر تمہارا شباب قائم رہے گا اور تم بوڑھے نہیں ہو گے' اور تم تاحیات بادشاہ رہو گے یہ ملک تم سے کوئی چھین نہیں سکے گا اور جب تم فوت ہو گے تو جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ فرعون کو یہ کلام اچھا لگا پھر جب ہامان آیا تو اس نے ہامان کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی باتوں کی خبر دی۔ اس نے کہا میرا خیال ہے کہ تم خود دانش مند ہو تم رب ہو کیا تم مربوب (مخلوق) بننا چاہتے ہو؟ اور اس نے فرعون کی رائے بدل دی۔
یحییٰ بن معاذ رازی نے کہا: جو شخص خدائی کا دعویٰ کرتا ہو اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی نرمی کی یہ شان ہے تو جو شخص اللہ تعالیٰ کو خدا مانتا ہو اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی نرمی کا کیا حال ہو گا!
خالد بن معدان نے معاذ سے روایت کیا ہے کہ اللہ کی قسم! فرعون اس وقت تک نہیں مر سکتا تھا حتیٰ کہ وہ یا نصیحت حاصل کر لیتا یا اللہ تعالیٰ سے ڈر جاتا' کیونکہ اس آیت میں فرمایا ہے: اس امید پر کہ وہ نصیحت حاصل کرے یا ڈرے۔ اور جب وہ سمندر میں غرق ہونے لگا تھا تو اس نے نصیحت بھی حاصل کر لی تھی اور ڈرا بھی تھا۔

(زاد المسیر ج ٥ ص ٢٨٩-٢٨٧ ملخصاً' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ١٤٠٧ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان دونوں نے کہا اے ہمارے رب! ہمیں خطرہ ہے کہ وہ ہم پر زیادتی کرے گا یا سرکشی کرے گا○ فرمایا تم دونوں مت ڈرو' بے شک میں تم دونوں کے ساتھ ہوں میں سن رہا ہوں اور دیکھ رہا ہوں○ سو اس کے پاس جاؤ پھر اس سے کہو کہ ہم تیرے رب کے رسول ہیں تو ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے اور ان کو ایذاء نہ دے' بے شک ہم تیرے رب کی طرف سے تیرے پاس نشانی لے کر آئے ہیں اور اس پر سلام ہو جس نے ہدایت کی پیروی کی○ بے شک ہماری طرف وحی کی گئی ہے کہ اسی پر عذاب ہو گا جس نے جھٹلایا اور پیٹھ پھیری○ (طٰہٰ: ٤٨-٤٥)

فرعون سے حضرت موسیٰ کے خوف کی توجیہ اور فرط کا معنی

طٰہٰ: ۴۵ پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ نے یہ دعا کی تھی کہ اے رب میرا سینہ کھول دے اور میرا کام مجھ پر آسان کر دے' پھر ان کو یہ خوف کیوں ہوا کہ فرعون ان پر زیادتی یا سرکشی کرے گا' اس کا جواب یہ ہے کہ شرح صدر اور سینہ کھولنے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو منضبط کرنے پر ان کے سینہ کو قوی کر دے' اور کام آسان ہونے کے معنی یہ ہے کہ وہ احکام شرعیہ کی اس طرح تبلیغ کریں کہ اس میں سہو اور نسیان نہ آسکے اور تبلیغ کرنے میں کوئی خوف اور خطرہ نہ ہو یہ الگ چیز ہے۔

قرآن مجید میں ان یفرط کا لفظ ہے جس کا ترجمہ ہم نے زیادتی کرنا کیا ہے۔ فرط کا ایک معنی سبقت ہے جو پانی پلانے والا حوض پر پہلے پہنچ جائے اس کو فارط کہتے ہیں اور جو گھوڑا دوسرے گھوڑوں پر سبقت کرے اس کو فرط کہتے ہیں' اس صورت میں معنی یہ ہے کہ ہم کو خطرہ ہے کہ وہ ہم کو سزا دینے میں سبقت کرے گا' دوسرا معنی یہ ہے کہ یہ افرط غیرہ سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے کسی کو کسی کام پر ابھارنا' اس صورت میں معنی یہ ہے کہ کوئی ابھارنے والا فرعون کو ہمیں سزا دینے پر ابھارے گا اور وہ ابھارنے والا شیطان ہوگا یا اس کا خدائی کا دعویٰ ہوگا یا سلطنت کی خواہش ہوگی یا اس کی قوم کے متکبرین ہوں گے' اور یہ فرط افراط سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے وہ ہم پر زیادتی کرے گا اور وہ ہم پر سرکشی کرے گا اس کا معنی یہ ہے کہ وہ ہم کو قتل کر ڈالے گا۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۵۴' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کے خوف کو زائل کرنے کے لیے فرمایا: بے شک میں تم دونوں کے ساتھ ہوں' میں سن رہا ہوں اور میں دیکھ رہا ہوں۔ تمہارے دلوں میں جو یہ خوف ہے کہ وہ تمہارے ساتھ زیادتی یا سرکشی کرے گا سو تم اس سے مت ڈرو میں تمہاری حفاظت کروں گا تم اس سے جو بات کرو گے میں اس کو سن رہا ہوں گا' میں اس کو تمہارا کلام سننے کے لیے مسخر کر دوں گا اور میں اس کی حرکتوں کو دیکھ رہا ہوں گا وہ تمہیں ضرر پہنچانے پر قادر نہیں ہو سکے گا۔ میں تمہاری مدد کے لیے فرعون پر گرفت کرنے کے لیے تمہارے ساتھ ہوں۔

طٰہٰ: ۴۷ میں فرمایا اس پر سلام ہو جس نے ہدایت کی پیروی کی۔

سلام کا معنی سلامتی ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ جو شخص ہدایت کی پیروی کرے گا وہ سلامت رہے گا' اور عارف باللہ ہدایت کی پیروی کرتا ہے سو وہ سلامتی والا ہے۔ زجاج نے کہا یہ خبر ہے' سلام تحیت نہیں ہے اور اس میں خبر دی گئی ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی ہدایت کی پیروی کرے گا وہ اس کی ناراضگی اور اس کے عذاب سے محفوظ رہے گا۔

اللہ کے دشمنوں سے ڈرنا انبیاء علیہم السلام اور صحابہ کی سنت ہے

ان آیتوں میں یہ ذکر ہے کہ فرعون کے دربار میں تبلیغ کے لیے جانے سے پہلے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے دل میں خوف ہوا کہ وہ ان کے ساتھ کوئی زیادتی کرے گا یا ان کو قتل کر دے گا۔ اس آیت میں ان جاہل صوفیا کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ والوں کو اللہ کے سوا کسی کا ڈر نہیں ہوتا۔ ان کا یہ قول اس لیے باطل ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی معرفت ہوتی ہے اور ان کو اللہ تعالیٰ کی نصرت پر سب سے زیادہ اعتماد ہوتا ہے اس کے باوجود ان کو اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے ڈر اور خوف ہوتا ہے۔

کسی شخص نے حسن بصری سے یہ کہا کہ عامر بن عبداللہ شام کی طرف جا رہے تھے وہ پانی پینے کے لیے ایک جگہ جانا چاہتے تھے تو ان کے اور پانی کے درمیان ایک شیر حائل ہو گیا۔ عامر پانی کی طرف گئے اور پانی پی کر اپنی حاجت پوری کی۔ ان سے یہ کہا گیا کہ آپ نے اپنی جان کو خطرہ میں ڈال دیا تھا۔ عامر نے کہا اگر میرے پیٹ میں نیزے گھونپ دیئے جائیں تو وہ

مجھے اس سے زیادہ محبوب ہیں کہ میں اللہ کے علاوہ کسی اور سے ڈروں۔

حسن بصری نے اس شخص کو جواب دیا کہ جو شخص عامر بن عبداللہ سے بہت افضل تھے وہ اللہ کے غیر سے ڈرے تھے اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ قرآن مجید میں ان کے متعلق ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک قبطی کو تادیباً گھونسا مارا اور وہ ہلاک ہو گیا:

فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِىْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ (القصص: ۲۱) سو موسیٰ اس شہر سے ڈرتے ہوئے نکلے وہ انتظار کر رہے تھے (کہ اب کیا ہوگا) انہوں نے دعا کی اے میرے رب مجھے ظالم قوم سے نجات دے دے۔

اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جادوگروں سے مقابلہ ہوا اور انہوں نے لاٹھیاں اور رسیاں پھینکیں تو اچانک حضرت موسیٰ کو خیال ہوا کہ ان کے جادو سے ان کی رسیاں اور لاٹھیاں دوڑ رہی ہیں:

فَاَوْجَسَ فِىْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى ○ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ○ (طٰہٰ: ۶۸-۶۷) تو موسیٰ نے اپنے دل میں یہ خوف پایا (کہ لوگ اس سے متاثر نہ ہوں) ہم نے فرمایا تم ڈرو نہیں بے شک تم ہی غالب رہو گے۔

علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی جانوں اور مالوں کی حفاظت کے لیے مدینہ کے گرد جو خندق کھودی تھی وہ بھی اسی قبیل سے تھی۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ پر توکل اور اعتماد کرنے میں جو آپ کا مقام تھا اس مقام تک کوئی نہیں پہنچ سکتا' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے متعلق سب کو علم ہے کہ انہوں نے کفار مکہ کے خوف سے اپنے گھروں کو چھوڑا۔ پہلی بار انہوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی اور دوسری بار مدینہ کی طرف ہجرت کی تاکہ مشرکین مکہ سے اپنی جانوں کو بچائیں اور دین اسلام کی وجہ سے کفار ان کو جس قسم کے فتنوں اور عذاب میں مبتلا کرتے تھے اس سے اپنے آپ کو محفوظ رکھیں۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے متعلق خبر ملی تو اس وقت ہم یمن میں تھے' سو ہم بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کرنے کی نیت سے نکل پڑے۔ میں اور میرے دو بھائی ابوبردہ اور ابورہم تھے اور میں ان سے چھوٹا تھا۔ ہمارے ساتھ اور بھی مسلمان تھے جو پچاس سے زائد تھے۔ ہم (مدینہ پہنچنے کے لیے) کشتی میں سوار ہوئے لیکن ہماری کشتی ہمیں نجاشی کے ملک حبشہ میں لے گئی وہاں ہماری ملاقات حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ ہم بھی وہیں ٹھہر گئے حتیٰ کہ ہم سب اکٹھے وہاں سے مدینہ پہنچے۔ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت آپ خیبر فتح کر چکے تھے۔ کچھ مسلمان ہم سے یعنی کشتی کے ذریعے آنے والوں سے کہنے لگے کہ ہم نے تم سے پہلے ہجرت کی ہے' حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا جو ہمارے ساتھ ہی مدینہ آئیں تھیں وہ حضرت ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئیں وہ بھی نجاشی کے ملک میں ہجرت کرنے والوں کے ساتھ ہجرت کر کے چلی گئیں تھیں۔ اسی اثناء میں حضرت عمر بھی حضرت حفصہ کے گھر آ گئے حضرت اسماء بنت عمیس وہیں تھیں۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں دیکھا تو پوچھا یہ کون ہیں' حضرت حفصہ نے بتایا کہ یہ اسماء بنت عمیس ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ وہی ہیں جو حبشہ سے آئیں ہیں اور سمندری سفر کر کے آئیں ہیں۔ حضرت اسماء نے کہا جی ہاں! حضرت عمر نے فرمایا ہم ہجرت میں تم سے سابق ہیں اور ہم تمہاری بہ نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ حق دار ہیں۔ یہ سن کر حضرت اسماء غصہ میں آ گئیں انہوں نے کہا ہرگز نہیں! تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے ہو تم میں سے جو بھوکا ہوتا تھا

اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھلاتے تھے اور جو دین سے ناواقف ہوتا تھا اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نصیحت کرتے تھے اور ہم بہت دور دراز علاقے میں دشمنوں کے ساتھ رہتے تھے اور ہماری یہ ہجرت اللہ کے راستے میں اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے راستہ میں تھی' اور اللہ کی قسم! میں اس وقت تک کچھ کھاؤں گی نہ کچھ پیوں گی حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کروں جو کچھ تم نے کہا ہے' اور ہم لوگوں کو اذیت دی جاتی تھی اور ہم کو ڈرایا جاتا تھا اور میں ابھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کا ذکر کروں گی اور آپ سے اس کے متعلق سوال کروں گی' اور اللہ کی قسم! میں جھوٹ بولوں گی' نہ کج روی اختیار کروں گی اور نہ اس بات میں کوئی اضافہ کروں گی۔ سو جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو حضرت اسماء نے کہا: یا نبی اللہ! بے شک عمر نے اس طرح کہا ہے آپ نے پوچھا پھر تم نے اس سے کیا کہا؟ تو میں نے کہا میں نے اس اس طرح کہا۔ آپ نے فرمایا ان کا مجھ پر تم سے زیادہ حق نہیں ہے۔ ان کے لیے اور ان کے اصحاب کے لیے ایک ہجرت ہے اور تمہارے لیے تم جو کشتی کے ذریعہ آنے والے ہو دو ہجرتیں ہیں۔ اس واقعہ کے بعد میں نے دیکھا کہ ابوموسیٰ اور کشتی والے فوج در فوج میرے پاس آنے لگے وہ مجھ سے اس حدیث کے متعلق سوال کرتے تھے' اور ان کے نزدیک دنیا کی چیزوں میں سے کوئی چیز اتنی عظیم اور خوشی کا باعث نہیں تھی جتنی خوشی کا باعث ان کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۲۳۰' صحیح مسلم رقم الحدیث ۲۵۰۲-۲۵۰۳)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ اللہ کے دشمنوں کے خوف کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے اپنے گھروں سے ہجرت کی۔ بعض نے ایک بار اور بعض نے دو بار ہجرت کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعریف اور تحسین فرمائی' اور اللہ تعالیٰ نے بنو آدم کے دلوں میں یہ ڈر اور خوف مرکوز کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں اور ان کی طبائع میں یہ چیز رکھی ہے کہ وہ ضرر دینے والی اور تکلیف پہنچانے والی اور تلف اور ضائع کر دینے والی چیزوں سے ڈر کر بھاگتے ہیں اور جنگل میں پھاڑنے والے درندوں سے بڑھ کر نقصان پہنچانے والی اور کون سی چیز ہوگی جبکہ انسان کے پاس مدافعت کے لیے کوئی آلہ اور ہتھیار بھی نہ ہو' سو جو شخص اس کے خلاف کہتا ہے وہ جھوٹا ہے اور بڑھانکتا ہے۔

دائمی عذاب صرف کفار کو ہوگا

طٰہٰ: ۴۸ میں فرمایا بے شک ہماری طرف وحی کی گئی ہے کہ اسی پر عذاب ہوگا جس نے جھٹلایا اور پیٹھ پھیری۔

اس آیت میں اس پر قوی دلیل ہے کہ مومن کو دائمی عذاب نہیں ہوگا' کیونکہ العذاب میں الف لام استغراق کا ہے یا جنس کا ہے اور ہر تقدیر پر معنی یہ ہے کہ جنس عذاب اسی پر ہوگا جو اللہ تعالیٰ کا مکذب ہو اور اس سے روگردانی کرنے والا ہو' اور جو اس طرح نہیں ہوگا اس پر بالکل عذاب نہیں ہوگا اور آیت کے ظاہر کا تقاضا یہ ہے کہ جو مومن بعض اوقات عمل ترک کر دیتا ہے اس کو بھی عذاب نہ ہو کیونکہ عذاب صرف مکذب اور پیٹھ پھیرنے والے پر ہوتا ہے' لیکن چونکہ دوسری آیتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ترک عمل پر بھی عذاب ہوتا ہے جیسے فرمایا:

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝ (الماعون: ۵-۴)

ان نمازیوں کے لیے عذاب ہے ۝ جو اپنی نمازوں سے غفلت کرنے والے ہیں۔

اسی طرح بعض آیتوں سے یہ بھی ثابت ہے کہ برے عمل کرنے والوں کو بھی عذاب ہوگا:

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ ۝ (الھمزہ: ۱)

ہر عیب تلاش کرنے والے اور غیبت کرنے والے کے لیے عذاب ہے۔

اس لیے زیر بحث آیت کا معنی یہ ہے کہ دائمی عذاب صرف ان لوگوں کو ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی تکذیب کرتے ہوں اور اس سے پیٹھ پھیرتے ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اس نے کہا پھر تم دونوں کا رب کون ہے؟ اے موسیٰ!O موسیٰ نے کہا ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی مخصوص ساخت عطا کی پھر ہدایت دیO فرعون نے کہا تو پہلی قوموں کا کیا حال ہوا؟O موسیٰ نے کہا اس کا علم میرے رب کے پاس لوح محفوظ میں ہے' میرا رب نہ غلطی کرتا ہے نہ بھولتا ہےO جس نے تمہارے لیے زمین کو فرش بنایا اور تمہارے چلنے کے لیے زمین میں مختلف راستے بنائے اور آسمان سے پانی اتارا' پھر ہم نے اس سے مختلف نباتات کے جوڑے پیدا کیےO کھاؤ اور اپنے مویشیوں کو چراؤ' بے شک اس میں عقل والوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیںO (طٰہٰ: ۵۴-۴۹)

مباحثہ میں فریق مخالف پر سختی کرنے کے بجائے نرمی سے دلائل پیش کرنا

فرعون بہت طاقت ور بادشاہ تھا اور اس کا بہت بڑا لشکر تھا اور وہ اپنے خدا ہونے کا مدعی تھا۔ اس کے باوجود جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف دعوت دی تو اس نے صبر اور ضبط سے کام لیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر سختی کرنے اور ان کو ایذا پہنچانے کا کوئی اقدام نہیں کیا اور اس کے بجائے حضرت موسیٰ سے دلائل کے ساتھ بحث کرنی شروع کر دی کیونکہ اگر وہ اپنے خلاف بات سن کر بھڑک جاتا اور حضرت موسیٰ کو اذیت دینا شروع کر دیتا تو لوگ اس کی مذمت کرتے اور کہتے کہ جس کے پاس دلائل نہیں ہوتے یا جو لاجواب ہو جاتا ہے وہ اپنے مقابل کے ساتھ اسی طرح کا معاملہ کرتا ہے' سو یہ وہ طریقہ ہے جس کو فرعون نے اپنے کفر اور اپنی جہالت کے باوجود پسند نہیں کیا سو جو شخص علم اور اسلام کا مدعی ہو اس کو یہ لائق نہیں کہ وہ دلائل سے بات کرنے کے بجائے سختی کرنے اور ہاتھا پائی پر اتر آئے۔

پھر جب فرعون نے حضرت موسیٰ سے سوال کیا کہ تم دونوں کا رب کون ہے؟ تو حضرت موسیٰ نے اس کے سوال کو قبول کیا اور اللہ تعالیٰ کے وجود پر دلائل قائم کرنے شروع کر دیئے' اس سے معلوم ہوا کہ عقائد کے باب میں کسی کی تقلید کرنا جائز نہیں ہے' اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت پر مقدم ہے کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پہلے اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید پر دلائل قائم کیے اور اپنی نبوت اور رسالت پر پہلے دلائل قائم نہیں کیے۔

ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مخالف کافر کے قول اور اس کے شبہات کو بھی نقل کرنا جائز ہے کیونکہ ان آیات میں فرعون کے اقوال اور اس کے شبہات کو نقل فرمایا ہے' البتہ یہ ضروری ہے کہ اس کے شبہات کے جوابات بھی پیش کیے جائیں تا کہ کسی عام آدمی کے ذہن میں اسلام کے خلاف شکوک اور شبہات پیدا نہ ہوں۔ نیز تبلیغ کرنے میں مخالف کی بات صبر وسکون سے سنی جائے پھر طیش اور غضب میں آئے بغیر اطمینان اور تسلی سے اس کے جوابات دیئے جائیں جیسا کہ حضرت موسیٰ نے فرعون کے ساتھ یہی طریقہ اختیار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ۔ (النحل: ۱۲۵)

اپنے رب کی طرف لوگوں کو حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ بلایئے اور بہترین طریقہ سے ان سے گفتگو کیجئے۔

اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور توحید پر دلیل

جب فرعون نے یہ کہا کہ تم دونوں کا رب کون ہے تو حضرت موسیٰ نے نہ صرف یہ بتایا کہ ہمارا رب اللہ عزوجل ہے بلکہ اس پر ایک سادہ اور پر مغز دلیل بھی قائم کی کہ ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر ہدایت دی۔

اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو اس کی مخصوص ساخت پر پیدا کیا اور ہر چیز میں یہ شعور اور ہدایت رکھی کہ وہ کس طریقہ سے اپنا رزق

تلاش کریں کس طریقہ سے اپنے گھونسلے اور ٹھکانے بنائیں۔ آپ جنگل کے درختوں کو دیکھیں اس میں پرندے کس طرح ایک ایک تنکا اکٹھا کر کے کئی کئی منزلہ گھر بنا لیتے ہیں پھر بعض پرندے دانہ دنکا چگ کر اپنا رزق حاصل کرتے اور بعض پرندے شکار کر کے اپنا رزق حاصل کرتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ ہدایت دی ہے کہ وہ اپنی نسل بڑھانے اور بچوں کو پالنے کے لیے کیا کارروائی کرتے ہیں۔ کس طرح ان کو دودھ پلا کر ان کی نشوونما کرتے ہیں' ان کو دانے دنکے کا چوگا دیتے ہیں' مرغی کو دیکھیے وہ کس طرح انڈوں کو سیتی ہے' اس کو یہ عمل کس نے بتایا' یہ صرف اللہ تعالیٰ نے ان کی فطرت میں ہدایت رکھی ہے جس کے مطابق وہ یہ سب کام انجام دے رہے ہیں۔ شہد کی مکھی اپنا مسدس گھر بناتی ہے' اس کا گھر نہایت باریک باریک خانوں پر حکمت اور تدبیر کے ساتھ بنا ہوا ہوتا ہے جیسے کسی ماہر سول انجینئر نے اس کو بنایا ہے' چیونٹی گرمیوں میں سردیوں کے لیے خوراک کا ذخیرہ کرتی ہے۔ ان ننھے منے جانوروں کو ایسی حکمت اور دانائی کی باتیں کس نے سکھائی ہیں۔ تمام دنیا کے ہر قسم کے جانوروں کو دیکھو زمین پر رینگنے والے کیڑوں کو درندوں اور چرندوں کو فضا میں اڑنے والے پرندوں کو اور پانی کے جانوروں کو ان سب کو اپنی اپنی زندگی گزارنے کے طریقوں کی فطری ہدایت کس نے دی' فرعون ہو یا کوئی اور خدائی کا دعویٰ دار انسان کیا وہ زمین کے چپے چپے پر' فضاء بسیط میں اور دریاؤں اور سمندروں کی تمام تہوں میں پہنچ گیا ہے۔ اس نے اپنی' زمین اور فضا کے تمام جانداروں کو دیکھ بھی لیا ہے؟ ان سب کو فطری ہدایت دینا تو دور کی بات ہے' آخر اللہ کے سوا وہ کون ہے جس نے ہر جان دار کو اپنی زندگی گزارنے کے طریقے بتائے ہیں' وہ سورج ہے' چاند ہے' ستارے ہیں' کوئی انسان ہے' کوئی دیوی یا دیوتا ہے' پتھر کی مورتی ہے؟ ہم کہتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی چیز بھی ان تمام جانداروں کے حالات اور کوائف کے علم کو محیط نہیں ہے' تو پھر وہ کون ہے جو ان تمام مخلوقات کو اپنے اپنے نظام حیات بنانے کی ہدایت دے رہا ہے کیا اللہ کے سوا کوئی اور ہے جس نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس نے تمام جانداروں کے اندر اپنی زندگی گزارنے اور اپنی ضروریات کو پورا کرنے کی ہدایت رکھی ہے۔ ہم اس سے اس کے دلائل پوچھنے کی بات تو بعد میں کریں گے پہلے یہ تو معلوم ہو کہ وہ کون ہے جس کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ تمام جانداروں کو فطری ہدایت دیتا ہے' اور جب کسی کا یہ دعویٰ نہیں ہے تو مان لو کہ اللہ تعالیٰ ہی واحد لاشریک ہے جو سب کو پیدا کرنے والا ہے اور ان کو ان کی معیشت کی ہدایت دینے والا ہے۔

نیز اس آیت کا ایک معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو ہر وہ چیز عطا کی ہے جس کی اس کو ضرورت پیش آ سکتی ہے' اور اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ ہر مخلوق کو اپنے منفعت کے لحاظ سے جس قسم کی شکل وصورت کی ضرورت پیش آ سکتی تھی اللہ تعالیٰ نے اس کو اس قسم کی شکل وصورت عطا فرمائی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دلیل سے فرعون کا پریشان ہونا

طٰہٰ: ۵۱ میں ہے: فرعون نے کہا تو پہلی قوموں کا کیا حال ہوا؟ سابقہ آیات کے ساتھ اس آیت کے ربط کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) جب اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور توحید پر اس قدر واضح دلائل ہیں تو پہلی قوموں نے اس کی توحید اور الوہیت کو کیوں نہیں مانا' گویا فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مضبوط اور قوی عقلی دلائل کا تقلید کے ساتھ معارضہ کیا۔

(۲) اس سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا جو اللہ تعالیٰ کی تکذیب کرے گا اور اس سے پیٹھ پھیرے گا اس کو عذاب ہوگا تو اس پر فرعون نے کہا گزشتہ قوموں نے اللہ تعالیٰ کی تکذیب کی تھی ان پر عذاب کیوں نہیں آیا؟ اس کا جواب واضح تھا کہ جو قومیں حجت پوری ہونے کے بعد بھی اپنی تکذیب پر برقرار رہیں ان پر ایسا عذاب آیا جس نے ان

قوموں کو ملیامیٹ کر کے رکھ دیا۔

(٣) جب حضرت موسیٰ نے اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی الوہیت پر واضح دلیل قائم کر دی تو فرعون کو خطرہ ہوا کہ یہ اگر اس طرح دلائل قائم کرتے رہے تو لوگوں پر اس کی خدائی کا جھوٹ کھل جائے گا اور لوگ اس سے منحرف ہو جائیں گے' اس لیے اس نے گفتگو کا رخ بدلنے کے لیے کہا اچھا بتاؤ کہ سابقہ قوموں میں سے جو ایمان نہیں لائے ان کا کیا حال ہوا تھا!

نہ وہ غلطی کرتا ہے نہ وہ بھولتا ہے کے محامل

جب فرعون نے یہ پوچھا کہ پچھلی قوموں کا کیا حال ہوا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا: اس کا علم میرے رب کے پاس لوح محفوظ میں ہے' میرا رب نہ غلطی کرتا ہے نہ بھولتا ہے۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اس دنیا میں جو کچھ ہوا ہے یا ہونے والا ہے اس کو اللہ تعالیٰ نے ایک کتاب میں لکھ دیا ہے اور وہ کتاب یعنی لوح محفوظ فرشتوں پر ظاہر کر دی گئی ہے تا کہ وہ اس پر زیادہ استدلال کر سکیں کہ اللہ تعالیٰ تمام معلومات کا عالم ہے اور وہ سہو اور غفلت سے منزہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے ''وہ نہ غلطی کرتا ہے نہ بھولتا ہے'' اس کے علماء نے حسب ذیل محامل بیان کیے ہیں:

(١) قفال نے کہا وہ غلطی نہیں کرتا اس میں یہ اشارہ ہے کہ وہ تمام معلومات کا عالم ہے اور وہ بھولتا نہیں ہے اس میں یہ اشارہ ہے کہ اس کا علم دائمی ہے۔ ابد الآباد تک باقی رہنے والا ہے۔ اس میں کوئی تغیر نہیں ہے۔

(٢) مقاتل نے کہا اس کتاب میں میرا رب کوئی خطاء نہیں کرتا اور نہ اس میں لکھے ہوئے کو بھولتا ہے۔

(٣) حسن بصری نے کہا وہ حشر کے وقت میں کوئی خطا نہیں کرتا اور نہ اس کو بھولتا ہے۔

(٤) ابو عمرو نے کہا نہ وہ کسی چیز سے غائب ہوتا ہے' نہ اس سے کوئی چیز غائب ہوتی ہے۔

(٥) ابن جریر نے کہا وہ تدبیر میں خطا نہیں کرتا کہ نادرست کو درست اعتقاد کر لے اور وہ تمام اشیاء کو جانتا ہے اور ان کو بھولتا نہیں ہے۔

لکھنے کے جواز کے متعلق قرآن مجید کی آیات

اس آیت میں مذکور ہے کہ اس کا علم میرے رب کے پاس ایک کتاب میں ہے۔ اس آیت میں لکھنے کا ثبوت ہے اور اس کی تائید میں حسب ذیل آیات ہیں:

وَكَتَبْنَا لَهٗ فِى الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ مَّوْعِظَةً (الاعراف: ١٤٥)
اور ہم نے موسیٰ کو تختیوں پر ہر چیز کی نصیحت لکھ کر دی۔

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِى الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِىَ الصّٰلِحُوْنَ (الانبیاء: ١٠٥)
اور ہم زبور میں نصیحت کے بعد یہ لکھ چکے ہیں کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہی ہوں گے۔

وَاكْتُبْ لَنَا فِىْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِى الْاٰخِرَةِ (الاعراف: ١٥٦)
اور ہمارے لیے اس دنیا میں بھی بھلائی لکھ دے اور آخرت میں بھی۔

وَكُلُّ شَیْءٍ فَعَلُوْهُ فِى الزُّبُرِ ○ وَكُلُّ صَغِيْرٍ وَّكَبِيْرٍ مُّسْتَطَرٌ ○ (القمر: ٥٣-٥٢)
ہر وہ کام جو انہوں نے کیا ہے وہ لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے ○ ہر چھوٹی اور بڑی چیز لکھی ہوئی ہے۔

الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ○ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ○ جس نے قلم کے ذریعہ سکھایا ○ جس نے انسان کو وہ سب سکھایا جس کو وہ نہیں جانتا تھا۔

علم کی باتوں اور احادیث کے لکھنے کے جواز کے متعلق احادیث

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے اور آپ کے ہاتھ میں دو کتابیں تھیں' آپ نے فرمایا کیا تم جانتے ہو یہ کیسی دو کتابیں ہیں؟ ہم نے عرض کیا نہیں یارسول اللہ الا یہ کہ آپ ہمیں خبر دیں! آپ کے دائیں ہاتھ میں جو کتاب تھی' اس کے متعلق آپ نے فرمایا یہ کتاب رب العلمین کی طرف سے ہے اس میں اھل جنت کے اسماء ہیں اور ان کے آباء کے اسماء ہیں اور ان کے قبائل کے اسماء ہیں پھر آخر میں ان کا میزان کر دیا گیا ہے۔ ان میں کوئی اضافہ کیا جائے گا نہ کوئی کمی کی جائے گی۔ پھر اس کتاب کے متعلق فرمایا جو آپ کے بائیں ہاتھ میں تھی یہ کتاب رب العالمین کی طرف سے ہے اس میں اہل دوزخ کے اسماء ہیں اور ان کے آباء کے اسماء ہیں اور ان کے قبائل کے اسماء ہیں پھر آخر میں ان کا میزان کر دیا گیا ہے' اس میں کوئی اضافہ کیا جائے گا نہ کوئی کمی کی جائے گی کبھی بھی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۴۱' مسند احمد ج ۲ ص ۱۶۷' المسند الجامع رقم الحدیث: ۸۷۲۶)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا تو اس کتاب میں لکھ دیا جو اس کے پاس عرش کے اوپر تھی بے شک میری رحمت میرے غضب کے اوپر غالب ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۱۹۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۵۱' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۷۵۰)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انصار سے ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھتا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سنتا تھا۔ اس کو وہ حدیث اچھی لگتی تھی اور یاد نہیں رہتی تھی۔ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی اور کہا یارسول اللہ! میں آپ کی حدیث سنتا ہوں وہ مجھے اچھی لگتی ہے اور میں اس کو یاد نہیں رکھ سکتا' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے دائیں ہاتھ سے مدد لو' اور آپ نے ہاتھ سے لکھنے کا اشارہ کیا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۶۶' الکامل لابن عدی ج ۳ ص ۹۲۸' مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۵۲' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۹۳۰۵)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے دن جو خطبہ دیا تھا آپ نے فرمایا یہ خطبہ ابوشاہ کے لیے لکھ دو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۲' ۲۴۳۴' ۶۸۸۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۵۵' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۴۹)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں مجھ سے زیادہ کسی کے پاس احادیث نہیں تھیں ماسوا حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کے کیونکہ وہ احادیث لکھتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۱۱۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۶۸' مسند احمد ج ۲ ص ۲۳۸' سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۶۰۳)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں ہر اس بات کو لکھ لیتا تھا جس کو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتا تھا' میں اس کو محفوظ کرنے کا ارادہ کرتا تھا' پھر مجھے قریش نے منع کیا اور کہا تم ہر اس بات کو لکھ لیتے ہو جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتے ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں آپ غصہ میں بھی بات کرتے ہیں اور خوشی میں بھی۔ پھر میں نے لکھنا چھوڑ دیا' پھر میں نے اس بات کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے منہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: تم لکھتے رہو' اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے اس (منہ) سے حق کے سوا اور کوئی بات نہیں نکلتی۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۴۶' مسند احمد ج ۲ ص ۱۶۲' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۴۸۴)

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ نے فرمایا تم حدیث بیان کرو اور جس نے مجھ پر جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے' میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم آپ سے بہت سی چیزیں سن کر لکھ لیتے ہیں آپ نے فرمایا لکھو اور کوئی حرج نہیں ہے۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۴۴۱۰' مسند الشامیین رقم الحدیث: ۲۲۷' مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۵۱' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۹۳۴۷)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آپ کے اصحاب بیٹھے ہوئے تھے اور میں بھی ان کے ساتھ تھا اور میں ان میں سب سے کم عمر تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے مجھ پر عمداً جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے۔ جب وہ لوگ آپ کے پاس سے اٹھ کر آئے تو میں نے کہا آپ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث بیان کرنے میں منہمک رہتے ہیں' وہ سب ہنسنے لگے اور کہنے لگے اے بھتیجے! ہم جو کچھ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتے ہیں وہ ہمارے پاس لکھا ہوا ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۵۲' حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کو امام طبرانی نے المعجم الکبیر میں روایت کیا ہے اس کی سند میں اسحاق بن یحییٰ متروک ہے)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آیا میں علم کو مقید کروں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! میں نے پوچھا کیسے قید کروں؟ فرمایا: لکھ کر۔ (المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۸۵۲' المستدرک ج ۱ ص ۱۰۶)

ثمامہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا علم کو لکھنے کے ساتھ مقید کرو۔ (سنن دارمی رقم الحدیث: ۴۹۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے حافظہ میں کمی کی شکایت کی آپ نے فرمایا تم اپنے دائیں ہاتھ سے مدد لو۔ (المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۲۸۴۶)

ابوالملیح نے کہا یہ لوگ ہمارے لکھنے کی مذمت کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **علمها عند ربی فی کتاب**۔ (طٰہٰ: ۵۲) اس کا علم میرے رب کے پاس ایک کتاب میں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں آپ کی احادیث کو یاد کرنے سے محبت رکھتا ہوں لیکن میرے دل میں یاد نہیں رہتیں کیا میں اپنے دائیں ہاتھ سے مدد لوں؟ آپ نے فرمایا اگر تم چاہو' اس حدیث کو امام ابن ابی شیبہ نے سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے۔

(اتحاف السادۃ المہرۃ رقم الحدیث: ۴۰۲' المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۳۰۱۴)

لکھنے کی ممانعت کی احادیث اور ان کے جوابات

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لکھنے کی اجازت طلب کی تو آپ نے ہم کو اجازت نہیں دی۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۶۵' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۴۵۷)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن کے علاوہ مجھ سے کچھ مت لکھو اور جس نے قرآن کے علاوہ مجھ سے کچھ لکھا ہے وہ اس کو مٹا دے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۰۰۴' مسند احمد ج ۱ ص ۱۲' ۲۱' ۳۹' ۵۶' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۴' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۱۲۸۸' المستدرک ج ۱ ص ۲۷-۲۶)

ہم اس سے پہلے لکھنے کے جواز میں احادیث بیان کر چکے ہیں اور یہ حدیثیں لکھنے کے خلاف ہیں علماء نے ان میں تطبیق کی حسب ذیل وجوہ بیان کیں ہیں۔

(۱) یہ ممانعت نزول قرآن کے وقت کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ اگر نزول قرآن کے وقت کچھ اور بھی لکھا گیا تو قرآن کے ساتھ غیر قرآن کے التباس کا خطرہ ہے اور اس وقت کے بعد لکھنا جائز ہے۔

(۲) یہ ممانعت قرآن کے ساتھ ملا کر لکھنے کے ساتھ مخصوص ہے اور اگر الگ الگ لکھا جائے تو جائز ہے۔

(۳) ابتداء میں آپ نے لکھنے سے منع فرمایا تھا بعد میں لکھنے کی اجازت دے دی سو ممانعت کی احادیث منسوخ ہیں۔

(۴) لکھنے کی ممانعت ان لوگوں کے ساتھ خاص ہے جو صرف لکھنے پر اعتماد کرتے تھے اور احادیث کو یاد نہیں کرتے تھے۔

(۵) قاضی عیاض نے کہا ہے کہ متقدمین صحابہ اور تابعین کا علم کی باتوں کے لکھنے میں اختلاف تھا' بعض نے لکھنے کو مکروہ کہا اور بعض نے بلا کراہت اجازت دی' پھر مسلمانوں کا لکھنے کے جواز پر اجماع ہو گیا اور یہ اختلاف زائل ہو گیا' کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرو کو لکھنے کی اجازت دی تھی۔

(اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۸' ص ۵۵۳' مطبوعہ دار الوفاء بیروت' ۱۴۱۹ھ)

(۶) خطیب بغدادی نے کہا صدر اول میں لکھنے کو مکروہ کہا گیا تھا کیونکہ یہ خدشہ تھا کہ کوئی چیز کتاب اللہ کے مشابہ نہ ہو جائے یا قرآن مجید کے علاوہ دوسری چیزوں کے ساتھ لکھنے میں لوگ مشغول ہو جائیں یا لوگ کتب قدیمہ کے لکھنے میں مشغول ہو جائیں اور صحیح اور غلط میں تمیز نہ کر سکیں' جب کہ ان کے لیے قرآن مجید کو ہی لکھنا کافی تھا' اور یہ خطرہ تھا کہ ناواقف لوگ دوسری کتابوں کی باتیں قرآن مجید میں لکھ دیں گے کیونکہ اس وقت فقہاء اور علماء کی مجلس میں بیٹھنے والے کم تھے۔ (تقیید العلم ص ۶۵-۶۴)

(۷) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھنے کی اجازت دے دی ہے تو احادیث کا لکھنا ضروری ہے کیونکہ قرآن مجید کے مجمل احکام کی احادیث سے وضاحت ہوتی ہے' اگر احادیث نہ ہوں تو ہم نماز' روزے اور دیگر ارکان اور عبادات کی معرفت حاصل نہیں کر سکتے اور جس چیز پر واجب موقوف ہو وہ بھی واجب ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور توحید پر ایک اور دلیل

اس کے بعد حضرت موسیٰ نے اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور اس کی توحید پر ایک اور دلیل قائم فرمائی اور فرمایا: جس نے تمہارے لیے زمین کو فرش بنایا اور تمہارے چلنے کے لیے مختلف راستے بنائے۔

آیت کے اس حصہ میں اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور توحید پر اس طرح دلیل ہے کہ فرعون کے پیدا ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اس زمین کو بنا دیا تھا۔ اسی طرح جن نیک انسانوں کی صورت پر بت بنائے گئے اور ان کی پوجا کی جاتی ہے ان کے بھی پیدا ہونے سے پہلے یہ زمین بنا دی گئی تھی۔ لہٰذا ان میں سے کوئی بھی اس زمین کا خالق نہیں ہو سکتا۔ سورج' چاند اور ستارے خود ایک لگے بندھے نظام کے تحت گردش کر رہے ہیں سو وہ بھی اس زمین کے خالق نہیں ہو سکتے' اور اللہ تعالیٰ کے سوا اس زمین کے پیدا کرنے کا کوئی دعویٰ دار نہیں ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کے سوا اس زمین کا کوئی پیدا کرنے والا نہیں ہے۔

نیز فرمایا اور آسمان سے پانی اتارا' پھر ہم نے اس سے مختلف نباتات کے جوڑے پیدا کیے' کھاؤ اور اپنے مویشیوں کو چراؤ بے شک اس میں عقل والوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں۔

آیت کے اس حصہ میں بھی مذکور الصدر نہج پر اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور توحید پر دلیل ہے' اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کو بھی یاد دلایا ہے کہ اس نے تمہارے رہنے کے لیے اس زمین کو ہموار بنایا' تمہارے چلنے کے لیے پہاڑوں' وادیوں اور جنگلوں میں راستے بنائے اور تمہارے پینے اور تمہاری دیگر ضروریات کے لیے آسمان سے پانی اتارا' اور تمہارے مویشیوں کے کھانے کے لیے انواع و اقسام کی سبزیاں اور پھل پیدا کیے۔ اس نے تم کو پیدا کیا اور تمہاری بقاء کے لیے زمین و

آسمان کی یہ تمام چیزیں پیدا کیں کہ جب تم اس کی نعمتوں سے استفادہ کرو تو اس کا شکر بجالاؤ پھر کتنا افسوس ہے کہ بجائے اس کا شکر ادا کرنے کے تم یہ بھی نہیں مانتے کہ یہ تمام نعمتیں دینے والا وہ ہے جو اس جہان کا خالق اور واحد لاشریک ہے اور تم ان نعمتوں کو ان کی طرف منسوب کردیتے ہو جو تمہاری طرح اس کی مخلوق ہیں۔

مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ﴿٥٥﴾

اسی زمین سے ہم نے تم کو پیدا کیا ہے، اور اسی میں تم کو لوٹائیں گے اور اسی سے دوبارہ تم کو باہر نکالیں گے ٥

وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى ﴿٥٦﴾ قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ

اور بے شک ہم نے فرعون کو سب نشانیاں دکھائیں اس نے پھر بھی جھٹلایا اور انکار کیا ٥ اس نے کہا اے موسیٰ کیا تم اسی لیے ہمارے

اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى ﴿٥٧﴾ فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ

پاس آئے ہو کہ تم کو اپنے جادو کے ذریعہ ہمارے ملک سے نکال دو ٥ پس ہم بھی تمہارے مقابلہ میں ضرور ایسا ہی جادو لائیں گے، لہٰذا تم

بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَآ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى ﴿٥٨﴾

اپنے اور ہمارے درمیان ایک مدت مقرر کرلو نہ ہم اس کی خلاف ورزی کریں گے اور نہ تم کرنا، یہ مقابلہ کھلے میدان میں ہوگا ٥

قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ﴿٥٩﴾ فَتَوَلّٰى

موسیٰ نے کہا تمہارے ساتھ جشن کے دن کا وعدہ ہے اور دن چڑھے لوگ جمع ہو جائیں ٥ پھر فرعون چلا گیا

فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى ﴿٦٠﴾ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا

اور اپنے ہتھکنڈے جمع کرکے آگیا ٥ موسیٰ نے ان سے کہا تم پر افسوس ہے تم جھوٹ بول کر

عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۚ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى ﴿٦١﴾

اللہ پر بہتان نہ باندھو وہ تم کو عذاب سے ملیامیٹ کردے گا، اور بے شک جس نے بہتان باندھا وہ نامراد رہا ٥

فَتَنَازَعُوْا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى ﴿٦٢﴾ قَالُوْا اِنْ هٰذٰنِ

پھر وہ لوگ اپنے معاملہ میں مختلف ہوگئے اور آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے ٥ وہ کہنے لگے بے شک یہ دونوں ضرور

لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا

جادوگر ہیں جو اپنے جادو سے تمہارے ملک سے نکالنا چاہتے ہیں اور تمہارے بہترین

بِطَرِيقَتِكُمُ الْمُثْلَى ﴿٦٣﴾ فَأَجْمِعُوا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوا صَفًّا ۚ وَقَدْ

مذہب کو مٹانا چاہتے ہیں ۝ تم اپنے سارے داؤ پیچ جمع کر لو، پھر صف باندھ کر آؤ، بے شک

أَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلَى ﴿٦٤﴾ قَالُوا يَا مُوسَى إِمَّا أَنْ تُلْقِيَ وَإِمَّا

آج وہی کامیاب ہوگا جو غالب رہے گا ۝ انہوں نے کہا اے موسیٰ آیا تم پہلے ڈالو گے یا ہم

أَنْ نَكُونَ أَوَّلَ مَنْ أَلْقَى ﴿٦٥﴾ قَالَ بَلْ أَلْقُوا ۖ فَإِذَا حِبَالُهُمْ وَ

پہلے ڈالنے والے ہو جائیں ۝ موسیٰ نے کہا بلکہ تم پہلے ڈالو، پس اچانک

عِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ إِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ أَنَّهَا تَسْعَى ﴿٦٦﴾ فَأَوْجَسَ

موسیٰ کو خیال ہوا کہ ان کے جادو سے ان کی رسیاں اور لاٹھیاں دوڑ رہی ہیں ۝ پس موسیٰ نے

فِي نَفْسِهِ خِيفَةً مُوسَى ﴿٦٧﴾ قُلْنَا لَا تَخَفْ إِنَّكَ أَنْتَ الْأَعْلَى ﴿٦٨﴾

اپنے دل میں خوف پایا ۝ ہم نے کہا آپ نہ ڈریں بے شک آپ ہی غالب رہیں گے ۝

وَأَلْقِ مَا فِي يَمِينِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوا ۖ إِنَّمَا صَنَعُوا كَيْدُ سَاحِرٍ ۖ

اور جو آپ کے دائیں ہاتھ میں ہے اس کو ڈال دیجئے وہ ان کی تمام کاری گری کو نگل جائے گا، انہوں نے جو کچھ بنایا ہے وہ

وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ أَتَى ﴿٦٩﴾ فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوا

جادو کا فریب ہے، اور جادوگر جہاں بھی جائے کامیاب نہیں ہوتا ۝ پس سب جادوگر سجدے میں گر گئے انہوں نے کہا

آمَنَّا بِرَبِّ هَارُونَ وَمُوسَى ﴿٧٠﴾ قَالَ آمَنْتُمْ لَهُ قَبْلَ أَنْ آذَنَ

ہم ہارون اور موسیٰ کے رب پر ایمان لے آئے ۝ فرعون نے کہا تم میری اجازت دینے سے پہلے اس پر

لَكُمْ ۖ إِنَّهُ لَكَبِيرُكُمُ الَّذِي عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۖ فَلَأُقَطِّعَنَّ أَيْدِيَكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ

ایمان لے آئے، بے شک یہی تمہارا وہ بڑا بزرگ ہے جس نے تم کو جادو سکھایا ہے سو میں ضرور تمہارے ہاتھ پاؤں

مِنْ خِلَافٍ وَلَأُصَلِّبَنَّكُمْ فِي جُذُوعِ النَّخْلِ وَلَتَعْلَمُنَّ أَيُّنَا

مخالف جانب سے کاٹوں گا اور تم کو ضرور کھجور کے تنوں پر سولی چڑھاؤں گا اور تم ضرور جان لوگے کہ ہم میں سے کس کا

أَشَدُّ عَذَابًا وَّأَبْقٰى ﴿٧١﴾ قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ

عذاب زیادہ سخت اور زیادہ دیرپا ہے ○ انہوں نے کہا ہم تجھ کو ہرگز ان واضح دلیلوں پر ترجیح نہیں دیں گے جو ہمارے

الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِيْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ أَنْتَ قَاضٍ ۖ إِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ

سامنے آچکی ہیں اور اس ذات پر (ترجیح نہیں دیں گے) جس نے ہم کو پیدا کیا ہے، پس تو جو کچھ کرنا چاہتا ہے وہ کر گزر تو صرف اس دنیا کی

الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿٧٢﴾ إِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَمَآ أَكْرَهْتَنَا

زندگی میں ہی فیصلہ کرسکتا ہے ○ بے شک ہم اپنے رب پر ایمان لاچکے ہیں تاکہ وہ ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہمارے جادو کرنے

عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ۗ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّأَبْقٰى ﴿٧٣﴾ إِنَّهٗ مَنْ يَّأْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا

کے اس گناہ کو بھی جس پر تو نے ہمیں مجبور کیا تھا اور اللہ بہت بہتر ہے اور ہمیشہ باقی رہنے والا ○ اور بے شک جو اپنے رب کے پاس

فَإِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ۖ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ﴿٧٤﴾ وَمَنْ يَّأْتِهٖ مُؤْمِنًا

جرم کرتا ہوا آئے گا تو یقیناً اس کے لیے جہنم ہے، جس میں وہ نہ مرے گا نہ جیے گا ○ اور جو اس کے پاس ایمان کے ساتھ حاضر ہو

قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَأُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ﴿٧٥﴾ جَنّٰتُ

اور اس کے اعمال نیک ہوئے، تو ان ہی لوگوں کے لیے بلند درجات ہیں ○ دائمی

عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۗ وَذٰلِكَ جَزَآؤُا

جنتیں جن کے نیچے سے دریا جاری ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، اور یہی ان لوگوں کی جزا ہے

مَنْ تَزَكّٰى ﴿٧٦﴾

جو گناہوں سے پاک رہتے ہیں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اسی زمین سے ہم نے تم کو پیدا کیا ہے اور اسی میں تم کو لوٹائیں گے اور اسی سے دوبارہ تم کو باہر نکالیں گے ○ (طٰہٰ: ۵۵)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کا ایک ہی مٹی سے مخلوق ہونا

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے' ہم نے تم کو اسی زمین سے پیدا کیا ہے' حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو نطفہ سے پیدا کیا ہے اور قرآن مجید میں بھی یہی فرمایا ہے:

خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ (النحل: ۴) انسان کو نطفہ سے پیدا کیا۔

إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ أَمْشَاجٍ (الدھر: ۲) بے شک ہم نے انسان کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ہمارے جد امجد حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور وہ ہماری اصل ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا ہے تو چونکہ اصل انسان کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا ہے تو اس وجہ سے فرمایا ہم نے تم کو اس زمین سے پیدا کیا ہے ایک اور سورت میں اللہ تعالیٰ نے ہماری خلقت کو تفصیل سے بیان فرمایا ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ○ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ○ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۗ ثُمَّ أَنْشَأْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ۗ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ أَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ○ (المومنون: ۱۴-۱۲)

اور بے شک ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ سے پیدا فرمایا○ پھر ہم نے اس کو مضبوط جائے قرار میں نطفہ بنا کر رکھا○ پھر ہم نے نطفہ کو جما ہوا خون بنا دیا' پھر جمے ہوئے خون کو گوشت کی بوٹی بنا دیا' پھر گوشت کی بوٹی سے ہڈیاں بنائیں پھر ہڈیوں کو گوشت پہنا دیا۔ پھر ہم نے (اس میں روح ڈال کر) ایک اور مخلوق بنایا' سو اللہ بڑی برکت والا ہے جو سب سے بہتر بنانے والا ہے۔

اس اعتراض کا دوسرا جواب یہ ہے کہ انسان کی پیدائش نطفہ اور حیض کے خون سے ہوتی ہے' اور نطفہ اور حیض کا خون دونوں غذا سے بنتے ہیں اور غذا گوشت اور سبزیوں سے حاصل ہوتی ہے اور گوشت بھی حیوانوں کے سبزہ کھانے سے بنتا ہے تو غذا کا رجوع اور مآل سبزیوں کی طرف ہے' اور سبزیاں پانی اور مٹی کے امتزاج سے پیدا ہوتی ہیں تو خلاصہ یہ ہے کہ نطفہ اور حیض کا خون زمین کی مٹی سے پیدا ہوتا ہے لہٰذا یہ کہنا صحیح ہے کہ ہر انسان مٹی سے پیدا ہوا ہے۔

اس اعتراض کا تیسرا جواب یہ ہے کہ حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بچہ بھی پیدا ہوتا ہے اس کے اوپر اس کی قبر کی مٹی چھڑکی جاتی ہے' ابوعاصم نے کہا تم حضرت ابوبکر اور عمر کے لیے اس جیسی فضیلت نہیں پاسکو گے' کیونکہ ان دونوں کی مٹی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مٹی سے ہے۔

(حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۳۱۸' رقم الحدیث: ۲۳۸۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت: ۱۴۱۸ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہر انسان کو اس مٹی میں دفن کیا جاتا ہے جس سے وہ پیدا کیا گیا ہے۔

(مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۶۵۳۱' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت: ۱۴۰۳ھ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا جو بچہ بھی پیدا ہوتا ہے' فرشتہ زمین سے مٹی لے کر اس کی ناف کاٹنے کی جگہ پر رکھتا ہے' اس مٹی میں اس کی شفاء ہوتی ہے اور اسی میں اس کی قبر ہوتی ہے۔ (مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۶۵۳۳' مطبوعہ بیروت)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر بچہ جو پیدا ہوتا ہے اس کی ناف میں وہ مٹی ہوتی ہے جس سے وہ پیدا کیا جاتا ہے' اور جب وہ ارذل عمر کی طرف لوٹایا جاتا ہے تو وہ اس مٹی کی طرف لوٹایا جاتا ہے جس سے وہ پیدا کیا جاتا ہے' حتیٰ کہ اس مٹی میں اس کو دفن کیا جاتا ہے اور میں اور ابوبکر اور عمر ایک ہی مٹی سے پیدا کیے گئے ہیں اور اسی مٹی سے ہم اٹھائے جائیں گے۔ (فردوس الاخبار ج ۴ ص ۲۳۵' اللآلی المصنوعہ ج ۱ ص ۲۸۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اور ابوبکر اور عمر ایک مٹی سے پیدا کیے گئے ہیں۔ (فردوس الاخبار ج ۲ ص ۳۰۵' رقم الحدیث: ۲۷۷۵' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۶۸۳' تنزیہ الشریعۃ ج ۱ ص ۳۴۹)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو فرشتہ ارحام کے ساتھ موکل ہے وہ رحم سے نطفہ لے کر اپنی ہتھیلی پر رکھتا ہے'

اور کہتا ہے اے رب یہ پیدا کیا جائے گا یا پیدا نہیں کیا جائے گا' اے رب اس کا رزق کتنا ہے' اے رب اس کے اعمال کیسے ہیں' اے رب اس کی مدت حیات کتنی ہے' پھر جس جگہ اس کو دفن کیا جائے گا وہاں کی مٹی لے کر اس کو نطفہ کے ساتھ گوندھتا ہے۔
قرآن مجید میں ہے: مِنۡهَا خَلَقۡنٰكُمۡ وَفِيۡهَا نُعِيۡدُكُمۡ. (طٰہٰ:۵۵)

(نوادر الاصول ج ۱ ص ۶۷' دار الجیل' اللئالی المصنوعۃ ج ۱ ص ۱۸۵' ۱۸۴)

امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:
خطیب نے کتاب المتفق والمفترق میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر بچہ کی ناف میں اس مٹی کا حصہ ہوتا ہے جس سے وہ بنایا گیا یہاں تک کہ اسی میں دفن کیا جائے گا اور میں اور ابوبکر و عمر ایک مٹی سے بنے' اسی میں دفن ہوں گے۔ (فتاویٰ افریقیہ ص ۱۰۰' ۹۹' مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی)

توحید اور رسالت کے وہ دلائل جن کا فرعون نے انکار کیا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے فرعون کو سب نشانیاں دکھائیں اس نے پھر بھی جھٹلایا اور انکار کیا ○ (طٰہٰ:۵۶)
سب نشانیوں سے مراد توحید اور رسالت پر دلائل ہیں' توحید پر یہ دلیل قائم کی کہ اللہ تعالیٰ نے جانداروں میں سے ہر چیز کو اس کی مخصوص ساخت پر پیدا کیا پھر ہر چیز میں اس کی خوراک کے حصول اور افزائش نسل کے طریقوں کی فطری ہدایت رکھی' اور اللہ تعالیٰ کے سوا اس پوری کائنات میں کوئی بھی اس بات کا دعویٰ دار نہیں ہے کہ یہ کارنامہ اس نے انجام دیا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی الوہیت اور توحید پر ایک اور دلیل قائم کی کہ اسی نے تمہارے لیے زمین کو فرش بنایا' اور اس میں تمہارے چلنے کے لیے راستے بنائے اور آسمان سے پانی نازل کیا' پھر اس پانی سے مختلف قسم کی زمینی پیداوار کے جوڑے پیدا کیے' کھاؤ اور اپنے مویشیوں کو بھی چراؤ' بے شک اس میں عقل مندوں کے لیے ہماری نشانیاں ہیں۔ یہ زمین اور اس کی پیداوار فرعون کے پیدا ہونے سے پہلے بھی موجود تھی لہٰذا فرعون کا خدائی کا دعویٰ جھوٹا ہو گیا' اسی طرح فرعون کے علاوہ جن انسانوں اور مورتیوں کو خدا کہا گیا ان سب سے پہلے یہ زمین موجود تھی اور اس کی روئیدگی بھی تھی۔ جس کے متعلق بھی خدائی کا دعویٰ کیا گیا وہ دعویٰ جھوٹا تھا اور صرف اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا سچا ہے کہ اس زمین کو اور اس کی روئیدگی کو اس نے پیدا فرمایا ہے۔
اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر بھی نشانیاں اور معجزات دکھائے لیکن فرعون نے اس سب کی تکذیب کی اور انکار کیا۔
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر جو معجزات دکھائے گئے وہ یہ ہیں: (۱) عصا (۲) ید بیضاء (۳) سمندر کو چیرنا (۴) پتھر سے پانی نکالنا (۵) فرعونیوں پر ٹڈیوں کو بھیجنا (۶) ان پر جوؤں کو بھیجنا (۷) ان پر مینڈکوں کو بھیجنا (۸) ان پر خون کی بارش کرنا (۹) ان پر پہاڑ اٹھا کر معلق کر دینا۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اس نے کہا: اے موسیٰ! کیا تم اسی لیے ہمارے پاس آئے ہو کہ ہم کو اپنے جادو کے ذریعہ ہمارے ملک سے نکال دو ○ پس ہم بھی تمہارے مقابلہ میں ضرور ایسا ہی جادو لائیں گے لہٰذا تم اپنے اور ہمارے درمیان ایک مدت مقرر کر لو نہ ہم اس کی خلاف ورزی کریں گے اور نہ تم کرنا' یہ مقابلہ کھلے میدان میں ہو گا ○ (طٰہٰ:۵۸-۵۷)
جب فرعون نے وہ معجزات دیکھے جن کو حضرت موسیٰ علیہ السلام لائے تھے تو اس نے کہا یہ جادو ہے' تم نے یہ جادو اس لیے کیا ہے کہ تم لوگوں کے دلوں میں یہ وہم ڈال دو کہ تم نے ایسی نشانی پیش کی ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ تم پر ایمان لایا جائے اور تمہاری پیروی کی جائے' تاکہ تم ہم پر اور ہمارے ملک پر غالب آ جاؤ۔ لہٰذا ہم بھی تمہارا مقابلہ کریں گے اور جس طرح تم نے

جادو کر کے دکھایا ہے ہم بھی ایسا ہی جادو کر کے دکھائیں گے تا کہ لوگوں کو پتا چل جائے کہ تم نے جو کچھ کر کے دکھایا ہے وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہے' پس اب تم اپنے اور ہمارے درمیان مقابلہ کے لیے ایک جگہ مقرر کرلو' اور ایک تفسیر یہ کی گئی ہے کہ تم اپنے اور ہمارے درمیان مقابلہ کا ایک دن مقرر کرلو' ہم اس کی خلاف ورزی کریں اور نہ تم کرنا۔

مکانا سوی کا معنی ہے ہموار جگہ یا کھلا میدان' یا ایک ایسی جگہ ہو جس میں تمام لوگوں کے سامنے ہمارا مقابلہ پیش کیا جاسکے' مجاہد نے کہا اس سے مراد منصف ہے' قتادہ نے کہا اس سے مراد ہمارے درمیان عادل ہے' یہ بھی کہا گیا ہے کہ سوی سے مراد وسط ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: موسیٰ نے کہا تمہارے ساتھ جشن کے دن کا وعدہ ہے اور دن چڑھے لوگ جمع ہو جائیں ○ پھر فرعون چلا گیا اور اپنے ہتھکنڈے جمع کر کے آ گیا ○ موسیٰ نے ان سے کہا تم پر افسوس ہے تم جھوٹ بول کر اللہ پر بہتان نہ باندھو وہ تم کو عذاب سے ملیامیٹ کر دے گا اور بے شک جس نے بہتان باندھا وہ نامراد رہا ○ (طٰہٰ: ۶۱-۵۹)

یوم الزینۃ کا مصداق

اس آیت میں یوم الزینۃ کا لفظ ہے اور اس کی تفسیر میں چار اقوال ہیں:

(۱) ابوصالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اس سے مراد ان کی عید کا دن ہے۔

(۲) سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے اس سے مراد عاشورا (دس محرم) کا دن ہے۔

(۳) ضحاک نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے اس سے مراد یوم النیروز ہے اور وہ اس سال کے پہلے دن ہفتہ کے روز تھا۔

(۴) سعید بن جبیر کا قول ہے وہ ان کے بازار جانے کا دن تھا۔

ضحیٰ سے مراد ہے جب دن چڑھ جائے اور سورج کی روشنی خوب پھیل جائے' اور دن چڑھنے پر اس مقابلہ کو اس لیے معلق کیا تا کہ سورج کی روشنی کامل ہو اور لوگ آسانی سے جمع ہو جائیں اور حجت خوب واضح ہو جائے اور شک وشبہ سے بالاتر ہو۔

(زاد المسیر ج ۵ ص ۲۹۵۔ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

جادوگروں کی تعداد

فرعون نے اپنے ہتھکنڈے جمع کر لیے' اس سے مراد ہے فرعون نے اپنے جادوگر جمع کر لیے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا وہ بہتر (۷۲) جادوگر تھے اور ان میں سے ہر جادوگر کے پاس رسیاں اور لاٹھیاں تھیں' جادوگروں کی تعداد کے متعلق مختلف اقوال ہیں' ایک قول یہ ہے کہ وہ چار سو تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ بارہ ہزار تھے اور ایک قول یہ ہے کہ وہ چودہ ہزار تھے۔ ان جادوگروں کے رئیس کا نام شمعون تھا۔ نیز فرمایا تم پر افسوس ہے تم جھوٹ بول کر اللہ پر بہتان نہ باندھو' اس کا معنی ہے تم اللہ کے متعلق جھوٹی باتیں نہ کہو' اور اس کے ساتھ شرک نہ کرو اور معجزات کے متعلق یہ نہ کہو کہ یہ جادو ہے' ورنہ وہ تم کو ملیامیٹ کردے گا۔ قرآن مجید میں فیسحتکم کا لفظ ہے اس کا معنی ہے کسی کو ہلاک کر کے جڑ سے اکھاڑ دینا۔ اور فرمایا جس نے اللہ پر افتراء باندھا یعنی اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر اس کے متعلق کوئی بات کہی وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے ثواب کے حصول میں ناکام ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر وہ لوگ اپنے معاملہ میں مختلف ہو گئے اور آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے ○ وہ کہنے لگے بے شک یہ دونوں ضرور جادوگر ہیں جو اپنے جادو سے تمہیں تمہارے ملک سے نکالنا چاہتے ہیں اور تمہارے بہترین مذہب کو مٹانا چاہتے

ہیں○ تم اپنے سارے داؤ پیچ جمع کرلو' پھر صف باندھ کر آؤ' بے شک آج وہی کامیاب ہوگا جو غالب رہے گا○ (طٰہٰ: ٦٣-٦٤)

سرگوشیاں کرنے والوں اور ان کی سرگوشیوں کا بیان

پھر وہ لوگ مختلف ہو گئے یعنی انہوں نے ایک دوسرے سے مشورہ کیا تا کہ ایک رائے پر متفق ہو جائیں' اور یہ مشورہ کرنے والے جادوگر تھے۔ انہوں نے جو سرگوشیاں کی تھیں اس کے متعلق ایک قول یہ ہے کہ وہ اپنی باتوں کو فرعون سے مخفی رکھنا چاہتے تھے' اور ان کی باتوں کے متعلق درج ذیل اقوال ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا انہوں نے یہ سرگوشی کی تھی کہ اگر موسیٰ ان پر غالب آ گئے تو وہ ان کی پیروی کریں گے۔

(۲) قتادہ نے کہا ان کی سرگوشی یہ تھی کہ اگر موسیٰ جادوگر ہیں تو ہم ان پر غالب آ جائیں گے' اور اگر ان کا تعلق آسمانوں سے ہے تو پھر وہی کامیاب ہوں گے۔

(۳) وہب بن منبہ نے کہا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا تم پر افسوس ہے تم جھوٹ بول کر اللہ پر بہتان نہ باندھو وہ تم کو عذاب سے ملیامیٹ کر دے گا' یہ سن کر جادوگروں نے کہا یہ کسی جادوگر کا کلام نہیں ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ جادوگروں نے اپنی باتوں کو حضرت موسیٰ اور فرعون سے مخفی رکھا اور فرعون کی قوم سے بھی مخفی رکھا اور ان کی سرگوشی یہ تھی: سدی نے کہا یہ دونوں جادوگر ہیں جو اپنے جادو سے تمہیں تمہارے ملک سے نکالنا چاہتے ہیں اور تمہارے بہترین مذہب کو مٹانا چاہتے ہیں' اور ضحاک نے کہا وہ یہ سرگوشی کر رہے تھے رسیوں اور لاٹھیوں کے ساتھ کس طرح کی تدبیر اختیار کی جائے کہ ہم کو غلبہ حاصل ہو اور ہماری شعبدہ بازی کا کسی کو پتا نہ چلے۔

بعض مشکل الفاظ کے معانی اور اعراب کا بیان

ان ھذان لسحران' اس کی حرکات اور اعراب پر اعتراض کیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ نحوی قاعدہ کے اعتبار سے ان ھذین لساحران ہونا چاہیے تھا' امام رازی نے اس پر بہت طویل بحث کی لیکن وہ چونکہ خالص علمی اور دقیق بحث ہے اور اس کا تعلق عربی گرائمر سے ہے اور اردو قارئین کے لیے اس میں کوئی دلچسپی نہیں ہے اس لیے ہم نے اس کو ترک کر دیا' امام رازی نے لکھا ہے کہ اس آیت کی بہترین توجیہ یہ ہے کہ یہ بعض عرب کی لغت کے موافق ہے اور یہ بلحارث بن کعب کی لغت ہے' اور الزجاج نے کہا یہ کنانہ کی لغت ہے اور ابن جنی نے ان کو بنی ربیعہ کی طرف منسوب کیا۔ جو حضرات اس بحث سے استفادہ کرنا چاہیں وہ تفسیر کبیر ج ۸ ص ۶۷-۶۵' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ کا مطالعہ فرمائیں۔

جادوگروں نے کہا تھا یہ دونوں جادوگر ہیں۔ اس سے ان کا مقصد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات پر طعن کرنا تھا کیونکہ جو چیز جادو کے زور پر بنائی گئی ہو اس کو قرار اور ثبات نہیں ہوتا۔ ان کا مطلب یہ تھا کہ حضرت موسیٰ جس دین کی دعوت دے رہے ہیں اس کو بھی قرار اور ثبات نہیں ہے۔

پھر انہوں نے کہا یہ اپنے جادو سے تم کو تمہارے وطن سے نکالنا چاہتے ہیں۔ جادوگروں نے یہ شبہ فرعون سے حاصل کیا تھا اور اس کا منشا بھی لوگوں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت سے منحرف کرنا تھا۔ جادوگروں نے مزید یہ کہا کہ یہ تمہارے بہترین مذہب کو مٹانا چاہتے ہیں' انہوں نے یہ جملہ بھی لوگوں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے شدید متنفر کرنے کے لیے کہا تھا' کیونکہ ان لوگوں کے نزدیک ان کا مذہب اور ان کا طریقہ بہت عمدہ تھا اور ان کے نزدیک جب لوگوں کو یہ معلوم ہوگا کہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون ان کو اس عمدہ طریقہ سے برگشتہ کرنا چاہ رہے ہیں تو لوگ ان سے سخت متنفر ہوں گے۔

اس آیت میں بطریقتکم المثلی کے الفاظ ہیں' فراء نے بیان کیا ہے کہ طریقہ کا معنی ہے وہ عزت دار لوگ جو دوسرے لوگوں کے لیے نمونہ ہوتے ہیں کہا جاتا ہے وہ لوگ اپنی قوم کے لیے طریقہ ہیں۔ زجاج نے کہا طریقہ سے پہلے مضاف محذوف ہے اور اصل عبارت یوں ہے باھل طریقتکم المثلی یعنی تمہاری قوم میں جو مشرف' مکرم اور اکابر لوگ ہیں یہ ان کو لے جائیں گے۔ اس سے مراد بنی اسرائیل ہیں جیسا کہ حضرت موسیٰ نے فرعون سے فرمایا تھا ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دو' اور مفسرین نے یہ بھی کہا ہے کہ الطریقۃ المثلی سے ان کی مراد تھی پسندیدہ اور بہترین دین' کیونکہ ہر شخص اپنے دین کو سب سے اچھا سمجھتا ہے قرآن مجید میں ہے:

كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ (الروم: ۳۲) ہر گروہ اسی پر خوش ہوتا ہے جو اس کے پاس ہوتا ہے۔

المثلیٰ' الامثل کی تانیث ہے' اس کا معنی ہے جو حق کے زیادہ مشابہ ہو یا جو زیادہ واضح اور زیادہ ظاہر ہو۔ اس کے بعد فرمایا تم سب اپنے داؤ پیچ جمع کرلو پھر صف باندھ کر آؤ آج وہی کامیاب ہوگا جو غالب رہے گا۔

اس آیت میں ہے اجمعوا امرکم' فراء نے کہا اجماع کا معنی ہے کسی کام کا پختہ ارادہ کرنا۔ زجاج نے کہا تم سب کا ارادہ ایک ہونا چاہیے اور ایک دوسرے سے الگ نہ ہونا اکٹھے ہو کر صف باندھ کر آنا۔ اس کا معنی ہے تم سب اس جگہ جمع ہونا جہاں تم سب اپنی عبادت اور اپنی عید کے لیے جمع ہوتے ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: انہوں نے کہا اے موسیٰ! آیا تم پہلے ڈالو گے یا ہم پہلے ڈالنے والے ہو جائیں ○ موسیٰ نے کہا بلکہ تم پہلے ڈالو پس اچانک موسیٰ کو خیال ہوا کہ ان کے جادو سے ان کی رسیاں اور لاٹھیاں دوڑ رہی ہیں ○ پس موسیٰ نے اپنے دل میں خوف پایا○ ہم نے کہا آپ نہ ڈریں بے شک آپ ہی غالب رہیں گے ○ اور جو آپ کے دائیں ہاتھ میں ہے اس کو ڈال دیجئے وہ ان کی تمام کاری گری کو نگل جائے گا' انہوں نے جو کچھ بنایا ہے وہ جادو کا فریب ہے اور جادوگر جہاں بھی جائے کامیاب نہیں ہوتا○ (طٰہٰ: ۶۹-۶۵)

جادوگروں کو لاٹھیاں ڈالنے کا حکم دینا کیا کفر کا حکم دینے کو مستلزم ہے؟

اس سے پہلے یہ بیان گزر چکا ہے کہ تم یوم زینت کو آنا' اور یہ بھی گزر چکا ہے کہ تم سب مجتمع ہو کر آنا۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ وہ سب مقابلہ کے دن جمع ہو گئے۔ پھر انہوں نے کہا: اے موسیٰ! آیا تم پہلے ڈالو گے یا ہم پہلے ڈالنے والے ہو جائیں یہ ان کی طرف سے انتہائی حسن ادب اور تواضع کا اظہار تھا' اور انہوں نے اللہ کے نبی کے سامنے جو تواضع کی تھی اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ایمان ڈال دیا۔ پھر جب انہوں نے تواضع کی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی اس کے مقابلہ میں تواضع کی اور فرمایا بلکہ تم پہلے ڈالو۔

اس مقام پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جادوگروں کا اپنی لاٹھیاں وغیرہ ڈالنا جادو اور کفر تھا' کیونکہ اس جادو سے انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کا قصد کیا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کفر ہے تو گویا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو کفر اور تکذیب کا حکم دیا' اس اعتراض کا جواب چند وجوہ سے ہے:

(۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو لاٹھیاں وغیرہ ڈالنے کا حکم دیا تھا وہ اس جہت سے تھا کہ معجزہ اور جادو کا فرق ظاہر ہو جائے اور سب لوگوں کے سامنے فرعون کا خدائی کا دعویٰ جھوٹا ہو جائے۔

(۲) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو ان کو لاٹھیاں وغیرہ ڈالنے کا حکم دیا تھا وہ ایک شرط کے ساتھ مشروط تھا یعنی اگر تم حق پر ہو تو لاٹھیوں کو ڈالو اور اس کی نظیر یہ آیت ہے:

فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ اگر تم سچے ہو تو اس قرآن کی مثل کوئی سورت بنا کر لے آؤ۔
(البقرہ: ۲۳)

(۳) ان جادوگروں کا اور دوسرے لوگوں کا یہ خیال تھا کہ حضرت موسیٰ بھی ان کی طرح جادوگر ہیں پس جب تک وہ اپنی لاٹھیاں نہ ڈالتے اور حضرت موسیٰ کا عصا ان پر حاوی اور غالب نہ ہوتا' ان جادوگروں اور لوگوں کا یہ شبہ زائل نہ ہوتا۔ سو موسیٰ علیہ السلام نے ان کو لاٹھیاں وغیرہ ڈالنے کا جو حکم دیا تھا وہ اس وجہ سے تھا کہ ان کے معجزہ کا ظہور ہو نہ اس لیے کہ جادو کی بڑائی ظاہر ہو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ڈرنے کی توجیہات

ان لوگوں نے اپنی لاٹھیوں اور رسیوں میں پارہ بھرا ہوا تھا جب ان لاٹھیوں اور رسیوں پر سورج کی دھوپ پڑی تو یوں معلوم ہوا کہ وہ رینگ رہی ہیں اور دیکھنے والے ان کو سانپ گمان کر رہے تھے۔

قرآن مجید میں ہے "فاوجس" الایجاس کا معنی ہے خوف محسوس کرنا' اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خوف دور کرنے کے لیے پہلے ان سے کلام کیا۔ پھر ان کو عصا اور ید بیضاء کے بہت عظیم معجزات عطا کیے۔ پھر ان کی آٹھ دعاؤں کو قبول فرمایا پھر فرمایا میں تمہارے ساتھ ہوں تمہارا کلام سن رہا ہوں اور تم کو دیکھ رہا ہوں (طٰہٰ: ۴۶) سو اتنے کثیر مبادی اور مقدمات کے باوجود حضرت موسیٰ علیہ السلام ان لاٹھیوں اور رسیوں کو دیکھ کر کیوں ڈرے تھے؟ اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) حسن بصری نے کہا اللہ تعالیٰ نے انسان کے دل اور اس کی طبیعت میں نامانوس چیز کو دیکھ کر توحش اور خوف پیدا ہونے کی کیفیت رکھی ہے۔ بشری تقاضے سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں بھی ان لاٹھیوں اور رسیوں کو دیکھ کر خوف پیدا ہوا ہر چند ان کو یقین تھا کہ وہ لاٹھیاں اور رسیاں ان تک نہیں پہنچ سکتیں اور اللہ تعالیٰ ان کا حامی و ناصر ہے۔

(۲) پہلے جادوگروں نے لاٹھیاں اور رسیاں ڈالیں تھیں حضرت موسیٰ کو یہ خطرہ ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کر ان کے عصا ڈالنے سے پہلے دیکھنے والے عام لوگوں کے دلوں اور دماغوں میں جادو کی تاثیر بیٹھ جائے اور وہ جادوگروں سے متاثر ہو جائیں۔

(۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ خوف ہوا کہ عام لوگ جب لاٹھیوں اور رسیوں کو سانپ بنتا دیکھیں گے تو وہ یہ سمجھیں گے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی اسی طرح اپنی لاٹھی کو سانپ بنایا ہوگا۔

(۴) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ بغیر وحی کے ازخود کوئی اقدام نہ کریں۔ جب اس موقع پر وحی مؤخر ہوگی تو موسیٰ علیہ السلام کو یہ خوف ہوا کہ اگر وحی نازل نہ ہوئی تو ان کو شرمندگی اٹھانی پڑے گی۔

(۵) علامہ قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ نے لکھا ہے کہ بعض اہل حقائق نے یہ کہا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جادوگروں سے یہ کہا تھا: تم پر افسوس ہے تم جھوٹ بول کر اللہ تعالیٰ پر افتراء نہ باندھو' پس وہ تم کو عذاب سے ملیامیٹ کر دے گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مڑ کر دیکھا تو ان کی دائیں جانب حضرت جبریل کھڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا اے موسیٰ! آپ اللہ کے دوستوں کے ساتھ نرمی کریں' حضرت موسیٰ نے کہا: اے جبریل یہ لوگ تو معجزہ کو باطل کرنے کے لیے بہت بڑے جادو کا سامان لے کر آئے ہیں یہ فرعون کے دین کی مدد کر رہے ہیں اور اللہ کے دین کو رد کر رہے ہیں اور آپ ان کے متعلق کہہ رہے ہیں: اللہ کے دوستوں کے ساتھ نرمی کریں! جبریل نے کہا اس وقت سے لے کر عصر کے وقت تک یہ آپ کے ساتھ ہیں اور عصر کے بعد یہ جنت میں ہوں گے۔ جب حضرت جبریل نے یہ بتایا تو حضرت موسیٰ

اپنے دل میں ڈرے اور ان کے دل میں خیال آیا کہ مجھے کون بتائے گا کہ میرے متعلق اللہ تعالیٰ کا کیا علم ہے؟ ہوسکتا ہے کہ اس ساعت میں، میں جس حال میں ہوں اگلی ساعت میں میرا حال اللہ کے علم میں اس کے برعکس ہو۔ جس طرح یہ جادوگر اس حال میں کفر پر ہیں اور اس کے بعد ایمان سے مشرف ہو کر جنت میں ہوں گے، جب اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں یہ حالت دیکھی تو ان کو وحی فرمائی تم ڈرو مت دنیا میں بھی تم ہی غالب رہو گے اور جنت میں بھی تم ہی بلند درجات میں ہو گے کیونکہ میں نے تم کو نبی بنایا ہے اور تم کو فضیلت دے کر چن لیا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۱ ص ۱۳۹)

حضرت موسیٰ کی لاٹھی کا جادوگروں کی لاٹھیوں پر غالب آنا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور جو آپ کے دائیں ہاتھ میں ہے اس کو ڈال دیجئے وہ ان کی تمام کاری گری کو نگل جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ اپنی لاٹھی کو زمین پر ڈال دیجئے ہوسکتا ہے اس کی وجہ اس لاٹھی کی تصغیر ہو۔ یعنی ہر چند کہ ان جادوگروں کی لاٹھیاں بہت بڑی بڑی اور تعداد میں بہت زیادہ ہیں' آپ اس کی پرواہ نہ کریں۔ آپ کے ہاتھ میں چھوٹی سی ایک لاٹھی ہے اس کو زمین پر ڈال دیجیے وہ ان کی اس سب بڑی لاٹھیوں کو نگل جائے گی' اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ اس عصا کی تعظیم کے لیے ہو کہ آپ ان بہت بڑی بڑی لاٹھیوں سے خوف زدہ نہ ہوں آپ کے ہاتھ میں بہت عظیم عصا ہے اور یہ سب لاٹھیاں اس کے مقابلہ میں حقیر ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا جادوگروں کی تمام لاٹھیوں اور رسیوں کو نگل گیا تھا' اور یہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب اس عصا کا بہت بڑا جسم ہو اور اس میں بہت شدید قوت ہو' اور یہ نقل کیا گیا ہے کہ جب اس وقت جادوگروں نے یہ دیکھا کہ اس عصا نے ان کی تمام لاٹھیوں اور رسیوں کو نگل لیا تو ان کو یقین ہو گیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو معجزہ پیش کیا ہے وہ کسی بشر کی طاقت میں نہیں ہے اور اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) عصا کا اس قدر تیزی سے دوڑنا کسی حیلہ' یا کسی شعبدہ اور کسی تکنیک کی وجہ سے نہیں تھا۔

(۲) کسی تکنیک اور کسی تدبیر کی وجہ سے ایک چھوٹی سی لاٹھی کو اتنے عظیم جسم کا نہیں بنایا جاسکتا تھا۔

(۳) یہ عصا اژدھے کی صورت اختیار کر گیا تھا اس کی آنکھیں بھی تھیں' اس کے نتھنے بھی تھے اور اس کا دہانہ بھی تھا اور چشم زدن میں اس کا لاٹھی سے اس اژدھے کی صورت بن جانا اور پلک جھپکنے سے پہلے لاٹھی بن جانا کسی تدبیر اور حیلہ کے ذریعہ ممکن نہ تھا۔

(۴) اس اژدھے نے ان کی تمام لاٹھیوں اور رسیوں کو نگل لیا تھا اور اس کے باوجود وہ ایک چھوٹی سی لاٹھی ہو گیا یہ بھی عادۃً ممکن نہ تھا۔

اس کے بعد فرمایا: انہوں نے جو کچھ بنایا وہ جادو کا فریب ہے اور جادوگر جہاں بھی جائے کامیاب نہیں ہوتا۔ یعنی جادو سے جادوگر کی غرض کہیں پوری نہیں ہوتی دنیا میں نہ آخرت میں' یا دنیاوی امور میں اس کا مطلوب حاصل ہوتا ہے نہ اخروی امور میں۔

ساحر کے کہیں کامیاب نہ ہونے کی توجیہ

اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے اور جادوگر جہاں بھی جائے کامیاب نہیں ہوتا (طٰہٰ: ۶۹) اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جادو پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا دنیا میں نہ آخرت میں' لیکن ایسا نہیں ہے قرآن مجید کی دوسری آیات اور احادیث سے یہ معلوم ہے کہ جادو کا اثر ہوتا ہے۔

قَالَ اَلْقُوْا فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ○ (الاعراف: ١١٦)

موسیٰ نے کہا تم ڈالو سو جب انہوں نے (لاٹھیاں) ڈالیں انہوں نے لوگوں کی آنکھوں پر سحر کر دیا اور ان پر ہیبت طاری کر دی اور انہوں نے سحر عظیم پیش کیا۔

اس لیے یہ کہنا صحیح نہیں ہے' اور ہمارے نزدیک طٰہٰ: ٦٩ کا محمل یہ ہے کہ معجزہ کے مقابلہ میں سحر کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔

ہر چند کہ ہم سورہ بقرہ: ١٠٢' سورہ بنی اسرائیل: ٤٧ اور الاعراف: ١٠٩ میں سحر پر گفتگو کر چکے ہیں لیکن یہاں پر بھی مختصراً سحر پر گفتگو کر رہے ہیں:

سحر کی تعریف

سحر کی حقیقت مختلف حیلوں اور تدبیروں سے ملمع کاری اور شعبدہ بازی اور نظر بندی ہے یعنی ساحر اپنی قوت تخیلہ کو لوگوں کے ذہنوں پر اثر انداز کر دیتا ہے اور جو کچھ وہ لوگوں کے دماغوں پر اثر ڈالتا ہے ان کو وہی نظر آنے لگتا ہے جیسے سراب' کوئی شخص دور سے چمکتی ہوئی ریت کو دیکھے تو وہ اس کو پانی دکھائی دیتا ہے یا کسی تیز رفتار گاڑی میں بیٹھے ہوئے شخص کو درخت دوڑتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔

اس میں اختلاف ہے کہ سحر کی کوئی حقیقت ہے یا نہیں۔ معتزلہ کے نزدیک یہ محض ایک دھوکا ہے اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ امام شافعی کے نزدیک یہ وسوسہ اور مرض ہے۔ علامہ غزنوی حنفی نے کہا یہ ایک طلسم ہے اور یہ ستاروں کے خواص اور ان کی تاثیرات پر مبنی ہے۔ جیسے فرعون کی لاٹھیوں میں پارے کی تاثیر ہوئی تھی' یا شیطان کی تعظیم کرنے سے ان کے لیے کوئی مشکل کام آسان ہو جاتا ہے۔ علامہ قرطبی فرماتے ہیں سحر برحق ہے اور اس کی حقیقت ہے اللہ تعالیٰ جس کے پاس چاہتا ہے اس کو پیدا کر دیتا ہے' سحر کی بعض اقسام شعبدہ اور ملمع کاری پر مبنی ہیں' اور بعض اقسام وہ ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کے اسماء سے دم کیا جاتا ہے اور بعض اقسام وہ ہیں جو شیطان کے عہود سے حاصل ہوتی ہیں اور بعض اقسام دواؤں اور دھوئیں وغیرہ سے حاصل ہوتی ہیں۔

سحر کا شرعی حکم

سحر کی بعض انواع وہ ہیں جن کا فاعل کافر ہو جائے گا۔ مثلاً جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ وہ جادو سے انسان کو جانور بنا دے گا یا ایک رات میں ایک ماہ کی مسافت کو طے کرے گا یا ہوا میں اڑے گا۔ سو جس شخص نے یہ افعال کیے تاکہ اپنے آپ کو برحق ثابت کرے تو یہ اس کا کفر ہے' ابو عمرو نے کہا جس شخص نے یہ گمان کیا کہ جادوگر ایک صورت کو دوسری صورت میں بدل دیتا ہے مثلاً انسان کو گدھا بنا دیتا ہے تو وہ انبیاء علیہم السلام کے معجزات کی طرح کا دعویٰ کرتا ہے سو ایسے شخص کو قتل کر دینا چاہیے' اور جس نے یہ زعم کیا کہ سحر میں دھوکا' شعبدہ بازی اور نظر بندی ہے وہ درست ہے۔

ہمارے علماء نے یہ کہا ہے کہ اس کا انکار نہیں کیا جائے گا کہ جادوگر کے ہاتھ سے خلاف عادت کام ظاہر ہو جاتے ہیں جن پر عام لوگ قادر نہیں ہوتے مثلاً وہ کسی کو بیماری میں مبتلا کر دیتے ہیں' لوگوں میں تفرقہ ڈال دیتے ہیں' کسی کی عقل زائل کر دیتے ہیں کسی کا عضو ٹیڑھا کر دیتے ہیں۔ جادوگر اپنا جسم پتلا کر کے کھڑکیوں اور روشن دانوں سے گزر سکتا ہے۔ ہوا میں اڑ سکتا ہے اور پانی پر چل سکتا ہے لیکن جادوگر ان افعال میں مستقل موثر نہیں ہوتا۔ البتہ ان کے جادو کے وقت اللہ تعالیٰ ان افعال کو پیدا کر دیتا ہے جیسے کھانے پینے کے بعد اللہ تعالیٰ سیر ہونے کو پیدا کر دیتا ہے۔

اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے کہ جو کام اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے لیے بطور معجزہ ظاہر فرمائے ہیں ان پر جادوگروں کو قدرت نہیں ہوتی۔ مثلاً ٹڈیوں' جوؤں اور مینڈکوں کو نازل کرنا اور سمندر کو چیرنا اور لاٹھی کو اژدھا بنا دینا اور مردوں

سجدہ کرنا اور اس قسم کے دیگر اور معجزات جو اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو عطا فرمائے تھے۔ قاضی ابوبکر بن الطیب نے کہا ہم نے ان افعال کے صدور کو اجماع کی وجہ سے منع کیا ہے اور اگر اجماع نہ ہوتا تو جادوگر سے ان افعال کا صدور بھی جائز تھا۔

سحر اور معجزہ میں یہ فرق ہے کہ جو کام سحر سے ہوا ہے وہ ساحر کے علاوہ کسی شخص سے بھی ہو سکتا ہے اور ساحر کے سحر کا معارضہ کیا جا سکتا ہے۔ اور نبی جس فعل کو بطور معجزہ کرتا ہے کوئی اور شخص اس پر قادر نہیں ہوتا اور نہ کوئی شخص اس کا معارضہ کر سکتا ہے۔

سحر کے حکم میں فقہاء کا اختلاف ہے امام مالک کا یہ مذہب ہے کہ جب کوئی مسلمان یا ذمی اپنے کلام سے جادو کرے تو یہ کفر ہے اس کو قتل کر دیا جائے گا اور اس سے توبہ طلب نہیں کی جائے گی' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جادو کو کفر فرمایا ہے:

وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ. (البقرہ:۱۰۲) اور وہ دونوں بھی اس وقت تک کسی کو (جادو) نہیں سکھاتے تھے جب تک یہ نہیں کہتے تھے ہم تو ایک آزمائش ہیں تم کفر نہ کرو۔

امام احمد بن حنبل' امام شافعی اور امام ابوحنیفہ کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت عمر' حضرت عثمان' حضرت ابن عمر' حضرت حفصہ' اور حضرت ابو موسیٰ وغیرہم رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ ساحر کو قتل کر دیا جائے۔

حضرت جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سحر کی حد یہ ہے کہ اس کو تلوار سے مار دیا جائے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۴۶۰' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۶۶۵' الکامل لابن عدی ج ۱ ص ۲۸۲' سنن الدارقطنی ج ۳ ص ۱۱۴' المستدرک ج ۴ ص ۳۶۰' السنن الکبریٰ ج ۸ ص ۱۳۶)

امام ترمذی اس حدیث کو درج کر کے لکھتے ہیں کہ امام شافعی نے فرمایا ساحر کو اس وقت قتل کیا جائے گا جب اس کے سحر میں کوئی ایسی چیز ہو جو اس کو کفر تک پہنچا دے۔

امام ابن المنذر نے کہا یہ حدیث ہم نے روایت کی ہے کہ ایک ساحرہ نے جادو کیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کو بیچ دیا اور اس کی قیمت غلاموں کے آزاد کرنے میں صرف کر دی۔ امام ابن المنذر نے کہا ان میں تطبیق اس طرح ہے کہ اگر ساحر کا سحر کفر تک پہنچ جائے تو اس کو قتل کر دیا جائے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے' اور اگر اس کا سحر کفر تک نہ پہنچے تو پھر اس کو قتل نہ کیا جائے گا جیسا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا فعل ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۲ ص ۴۷-۴۲ ملخصاً مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

آیا جادو سے کسی چیز کی حقیقت بدل سکتی ہے یا نہیں؟

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

علامہ ابن حجر مکی نے کتاب التحفہ کے باب الانجاس میں لکھا ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ کسی شے کی حقیقت مختلف ہو جاتی ہے جیسے پیتل سونا بن جائے یا نہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ ہاں! کیونکہ حضرت موسیٰ کا عصا حقیقت میں اژدہا بن گیا تھا' ورنہ معجزہ باطل ہو جاتا' اور ایک قول یہ ہے کہ نہیں کیونکہ حقائق کا منقلب ہونا محال ہے' اور حق پہلا قول ہے پھر انہوں نے کہا کہ علم کیمیا کے متعلق اکثر سوال کیا جاتا ہے کہ آیا اس کا سیکھنا جائز ہے یا نہیں' اور ہم نے نہیں دیکھا کہ کسی نے اس مسئلہ پر بحث کی ہو' اور جو چیز ظاہر ہے وہ یہ ہے کہ وہ بھی اسی اختلاف پر مبنی ہے اور پہلے قول کی بناء پر جس نے ایسے علم کو سیکھا جس سے یقینی طور پر حقائق کے منقلب ہونے کا علم ہو جاتا ہے تو اس کے لیے اس علم کو سیکھنا اور اس کی تعلیم دینا جائز ہے' کیونکہ اس میں کسی وجہ سے

کوئی خرابی نہیں ہے' اور اگر یہ کہا جائے کہ حقائق کا منقلب ہونا محال ہے یا انسان کو اس کا یقینی علم حاصل نہ ہو اور یہ محض دھوکا دینے کا وسیلہ ہو تو پھر اس علم کا حاصل کرنا حرام ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب ہم کہیں کہ حقائق منقلب ہو جاتے ہیں اور یہی حق ہے تو اس کا عمل کرنا اور اس کا سیکھنا جائز ہے کیونکہ یہ دھوکا نہیں ہے' کیونکہ پیتل حقیقۃً سونا یا چاندی بن جاتا ہے۔ اور اگر ہم یہ کہیں کہ حقائق کا منقلب ہونا ثابت نہیں ہے تو پھر یہ جائز نہیں ہے۔ جیسا کہ یہ عمل اس کے لیے جائز نہیں ہے جو اس کی حقیقت کو نہ جانتا ہو کیونکہ پھر یہ مال کو ضائع کرنا ہے اور مسلمانوں کو دھوکا دینا ہے' اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ ہمارا مذہب یہ ہے کہ حقائق کا منقلب ہونا ثابت ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ نجاست منقلب ہو جاتی ہے مثلاً شراب سرکہ بن جاتی ہے اور خون مشک بن جاتا ہے۔

(ردالمحتار ج ۱ ص ۱۲۷۔۱۲۶' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت۔ ۱۴۱۹ھ)

فقہاء احناف کے نزدیک سحر کی تعریف اور اس کا شرعی حکم

علامہ شامی سحر کی تعریف میں لکھتے ہیں:

یہ وہ علم ہے جس سے کسی شخص کو ایسی مہارت حاصل ہو جاتی ہے جس سے وہ ایسے عجیب و غریب افعال پر قادر ہو جاتا ہے جس کے اسباب مخفی ہوتے ہیں۔

اور سحر کا حکم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ہمارے نزدیک سحر کا وجود' اس کا تصور اور اس کا اثر برحق ہے اور ذخیرۃ الناظر میں مذکور ہے اہل حرب کے ساحر کا رد کرنے کے لیے سحر کا سیکھنا فرض ہے' اور عورت اور اس کے خاوند کے درمیان تفرقہ ڈالنے کے لیے سحر کا سیکھنا حرام ہے اور ان میں موافقت پیدا کرنے کے لیے سحر کا سیکھنا جائز ہے۔ علامہ طحطاوی نے المحیط سے نقل کیا ہے کہ حدیث میں التولۃ سے منع کیا ہے اور یہ وہ عمل ہے جو عورت کو اس کے خاوند کے نزدیک محبوب بنانے کے لیے کیا جاتا ہے۔

(ردالمحتار ج ۱ ص ۱۲۴' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

تعویذات کے بعض احکام

''التولہ'' اس وقت ممنوع ہے جب اس میں شرکیہ کلمات ہوں ورنہ وہ جائز ہے' کیونکہ علامہ شامی لکھتے ہیں:

التمیمہ اس وقت مکروہ ہے جب اس میں غیر قرآن کے کلمات ہوں اور ایک قول یہ ہے کہ تمیمہ ان سیپیوں کو کہتے ہیں جو زمانہ جاہلیت میں لٹکائی جاتی تھیں۔ بعض لوگوں کا یہ وہم ہے کہ تعویذات بھی تمائم ہیں اور یہ غلط ہے کیونکہ تمیمہ سیپیوں کو کہتے ہیں اور تعویذات میں کوئی حرج نہیں ہے جب ان میں قرآن کو لکھا جائے یا اللہ تعالیٰ کے اسماء لکھے جائیں' اور تعویذات اس وقت مکروہ ہیں جب وہ عربی زبان میں نہ ہوں' یا پتا نہ ہو کہ اس میں کیا لکھا ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس میں سحر ہو یا کفر ہو یا اور کوئی چیز ہو' اور جن تعویذات میں قرآن مجید لکھا ہو یا دعائیں لکھی ہوں تو ان میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ایک حدیث میں ہے جس نے تمیمہ (سیپی) کو لٹکایا اللہ اس کا کام پورا نہ کرے۔ (المستدرک ج ۴ ص ۲۱۷۔۲۱۶)

کیونکہ ان کے اعتقاد میں تمیمہ مکمل دواء اور شفاء تھی' بلکہ وہ اس میں شرک کے مرتکب ہوتے تھے کیونکہ ان کا عقیدہ تھا کہ اس سے لکھی ہوئی تقدیر ٹل جائے گی اور وہ غیر اللہ سے مصیبت دور کرنے کا اعتقاد رکھتے تھے' اور مجتبیٰ میں لکھا ہے کہ قرآن مجید سے شفا طلب کرنے میں اختلاف ہے' بایں طور کہ مریض پر قرآن پڑھا جائے یا ڈسے ہوئے پر سورہ فاتحہ پڑھی جائے یا کسی ورق میں قرآن کی آیات کو لکھا جائے اور اس کو گلے میں لٹکایا جائے یا کسی طشتری میں لکھ کر اس کو دھویا جائے اور اس کا دھوون

یا جائے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اوپر معوذات پڑھ کر دم فرماتے تھے (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۱۹) اور آج کل اس کے جواز پر لوگوں کا عمل ہے اور اس کے ثبوت میں آثار وارد ہیں۔ جب تعویذ کسی چیز میں لپٹا ہوا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ جنبی یا حائضہ اس کو اپنے بازو پر باندھ لے۔ (ردالمحتار ج ۹ ص ۴۴۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت '۱۴۱۹ھ)

التولۃ التمیمہ' اور دم کرنے اور تعویذ لٹکانے کی بحث ہم نے زیادہ تفصیل اور تحقیق سے یونس: ۵۷ میں کی ہے' تبیان القرآن ج ۵ ص ۴۰۸۔۳۸۷' مزید شرح صدر کے لیے اس بحث کو وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس سب جادوگر سجدہ میں گر گئے' انہوں نے کہا ہم ہارون اور موسیٰ کے رب پر ایمان لے آئے ○ فرعون نے کہا تم میری اجازت دینے سے پہلے اس پر ایمان لے آئے' بے شک یہی وہ تمہارا بڑا بزرگ ہے جس نے تم کو جادو سکھایا ہے' سو میں ضرور تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف جانب سے کاٹوں گا اور تم کو ضرور کھجور کے تنوں پر سولی چڑھاؤں گا اور تم ضرور جان لو گے کہ ہم میں سے کس کا عذاب زیادہ سخت اور زیادہ دیرپا ہے ○ (طٰہٰ: ۷۱۔۷۲)

فرعون کے جادوگروں کا ایمان لانا

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا زمین پر ڈالا اور وہ جادوگروں کی تمام لاٹھیوں اور رسیوں کو نگل گیا اور وہ پھر دوبارہ اپنی جسامت میں واپس آ گیا تو جادوگروں نے سمجھ لیا کہ یہ جادو کا کام نہیں ہے کیونکہ وہ بہت ماہر جادوگر تھے اور وہ جانتے تھے کہ کیا چیز جادو ہوتی ہے اور کیا چیز جادو نہیں ہوتی' ان جادوگروں کے رئیس نے کہا ہم لوگوں پر اپنے سحر سے غلبہ پاتے تھے اور ہمارے آلات باقی رہتے تھے۔ اگر موسیٰ نے جو کچھ کیا تھا وہ جادو تھا تو ہماری ڈالی ہوئی لاٹھیاں اور رسیاں کہاں گئیں' اور لاٹھیوں کے متغیر اور فانی ہونے سے انہوں نے یہ استدلال کیا کہ جس طرح یہ لاٹھیاں متغیر اور فنا ہو گئیں اسی طرح یہ سارا جہان متغیر ہوتا ہے اور ہر متغیر حادث ہوتا ہے اور ہر حادث کا کوئی صانع اور خالق ہوتا ہے پس اس جہان کا بھی کوئی صانع اور خالق ہے' اور چونکہ اس جہان کا حادث اور فانی ہونا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ سے ظاہر ہوا تو وہ ضرور اللہ کے برحق رسول ہیں' اس لیے وہ یہ کہتے ہوئے بے ساختہ سجدہ میں گر گئے کہ ہم ہارون اور موسیٰ کے رب پر ایمان لے آئے۔

علامہ زمخشری نے کہا پہلے ان جادوگروں نے اپنی لاٹھیوں کو زمین پر گرایا اور بعد میں خود زمین پر گر گئے۔ جب لاٹھیوں کو زمین پر گرایا تھا اس وقت وہ کفر کے حامی اور توحید کے مخالف تھے اور جب انہوں نے اللہ کو سجدہ کر کے خود کو زمین پر گرایا تو وہ توحید کے حامی اور کفر کے مخالف بن چکے تھے۔ روایت ہے کہ انہوں نے اس وقت تک سجدہ سے سر نہیں اٹھایا جب تک کہ انہوں نے جنت اور دوزخ کو اور جنت کے ثواب کو دیکھ نہیں لیا۔

رب العالمین کے بجائے رب ہارون وموسیٰ کہنے کی وجوہ

جادوگروں نے یہ کہا کہ ہم ہارون اور موسیٰ کے رب پر ایمان لے آئے اور یہ نہیں کہا کہ ہم رب العٰلمین پر ایمان لے آئے' اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ وہ حضرت ہارون اور حضرت موسیٰ کے دکھائے ہوئے معجزات کی وجہ سے ایمان لائے تھے اور ان نبیوں کی تبلیغ کی وجہ سے دولت ایمان سے مالا مال ہوئے تھے تو ان کا شکر ادا کرنے کے لیے ان کا ذکر کیا اور کہا ہم ہارون اور موسیٰ کے رب پر ایمان لے آئے' اور اس کی دوسری وجہ یہ تھی کہ اگر وہ کہتے کہ ہم رب العٰلمین پر ایمان لے آئے تو فرعون کہتا کہ یہ مجھ پر ایمان لائے ہیں کیونکہ وہ بھی رب العٰلمین کا دعویٰ رکھتا تھا:

فَحَشَرَ فَنَادٰى ○ فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ○ (النازعات: ۲۳-۲۴)

فرعون سب کو جمع کر کے پکارا ○ اس نے کہا میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔

اور اس پر واضح دلیل یہ ہے کہ انہوں نے حضرت ہارون کے ذکر کو حضرت موسیٰ کے ذکر پر مقدم کیا۔ کیونکہ اگر وہ پہلے حضرت موسیٰ کا ذکر کرتے تو وہ کہتا یہ مجھ پر ایمان لائے ہیں کیونکہ موسیٰ کی پرورش تو میں نے کی ہے جیسا کہ اس نے حضرت موسیٰ سے کہا تھا:

قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا وَّلَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ ۝ (الشعراء: ١٨)

فرعون نے (موسیٰ سے) کہا: کیا ہم نے بچپن میں تمہاری پرورش نہیں کی تھی! اور کیا تم نے اپنی عمر کے کئی سال ہم میں نہیں گزارے تھے۔

اس لیے انہوں نے پہلے حضرت ہارون کا نام لیا تا کہ فرعون کو کوئی غلط فہمی ہو نہ وہ لوگوں کو کسی غلط فہمی میں مبتلا کر سکے۔ اس لیے انہوں نے کہا ہم ہارون اور موسیٰ کے رب پر ایمان لے آئے۔

اور اس کی تیسری وجہ یہ ہے کہ انہوں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت سی خصوصیات سے نوازا ہے اور ان کو بہت عظیم معجزات عطا فرمائے ہیں اس لیے کہا ہم ہارون اور موسیٰ کے رب پر ایمان لائے ہیں' اور چوتھی وجہ یہ ہے کہ اس قول سے انہوں نے یہ تنبیہ کی ہے کہ ہمارے ایمان لانے کا باعث اور محرک العلمین نہیں ہیں بلکہ ہمارے ایمان لانے کا باعث اور محرک حضرت ہارون اور حضرت موسیٰ ہیں' اور ہماری عقیدت اور محبت کا مرکز العلمین نہیں حضرت ہارون اور حضرت موسیٰ ہیں۔ اور اس میں یہ نکتہ بھی ہے کہ اللہ کی جناب میں اس کا ذکر اس وقت مقبول ہوتا ہے جب ان کے ساتھ اس کے نبی کا ذکر بھی کیا جائے اور اللہ پر ایمان لانے کا اسی وقت اعتبار ہوتا ہے جب اس کے ساتھ اس کے نبی پر بھی ایمان لایا جائے جیسا کہ ہمارے کلمہ میں ہے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

فرعون کی لاف وگزاف کی توجیہ

فرعون نے کہا تم میری اجازت دینے سے پہلے اس پر ایمان لے آئے!

فرعون کا اس کلام سے منشاء یہ تھا کہ تم سرسری طور پر بغیر بصیرت کے ایمان لے آئے ہو اور وہ لوگوں کو یہ تاثر دینا چاہتا تھا کہ ان کے ایمان لانے کی وجہ سے تم کسی دھوکے میں نہ آنا۔ اس کے بعد اس نے کہا بے شک یہی وہ تمہارا بڑا بزرگ ہے جس نے تم کو جادو سکھایا ہے۔

اس سے فرعون کا منشاء یہ تھا یہ جادوگر جو حضرت موسیٰ سے مقابلہ کرنے کے لیے آئے تھے دراصل حضرت موسیٰ کے شاگرد تھے اور یہ صرف دکھاوے کا مقابلہ تھا درحقیقت یہ نورا کشتی تھی اور ان کے درمیان پہلے سے طے شدہ معاہدہ کے مطابق نتیجہ برآمد ہوا ہے۔ اس لیے ان کے حضرت موسیٰ پر ایمان لانے سے تم دھوکا نہ کھانا' اور یہ کلام بھی فرعون نے لوگوں سے سنانے کے لیے کیا تھا تا کہ ان جادوگروں کے ایمان لانے سے لوگ فرعون کے ساتھ اپنی وابستگی کو ختم نہ کر دیں۔ حالانکہ فرعون خود بھی جانتا تھا کہ یہ بات جھوٹ ہے وہ جادوگر تو حضرت موسیٰ کی آمد سے پہلے جادو سیکھ چکے تھے۔

پھر فرعون نے کہا سو میں ضرور تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف جانب سے کاٹوں گا اور تم کو ضرور کھجور کے تنوں پر سولی چڑھاؤں گا اور تم ضرور جان لو گے کہ ہم میں سے کس کا عذاب زیادہ سخت اور زیادہ دیرپا ہے۔

امام ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ پھر فرعون نے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے اور ان کو قتل کر دیا اور اس وقت انہوں نے یہ دعا کی تھی۔

رَبَّنَآ اَفۡرِغۡ عَلَیۡنَا صَبۡرًا وَّتَوَفَّنَا مُسۡلِمِیۡنَ۔ اے ہمارے رب! ہم پر صبر انڈیل دے اور حالت اسلام میں ہماری روح قبض فرما۔ (الاعراف: ۱۲۶)

حضرت ابن عباس نے فرمایا وہ دن کے اول وقت میں کافر جادوگر تھے اور دن کے آخر وقت میں مسلمان شہداء تھے۔
(جامع البیان رقم الحدیث ۱۸۲۶۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ فرعون نے بہت قریب سے دیکھا تھا کہ حضرت موسیٰ کا عصا اژدھا بن گیا تھا اور وہ فرعون سمیت اس کے پورے محل کو نگلنے لگا تھا حتیٰ کہ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کی کہ اس کو اس اژدھے سے بچائیں اور وہ خود کو اس اژدھے سے بچانے سے عاجز اور قاصر تھا' اور جب فرعون' حضرت موسیٰ اور ان کے اژدھے سے اس قدر مرعوب اور خوف زدہ تھا تو یہ بات کس طرح معقول ہے کہ اس نے ان جادوگروں کو دھمکیاں دیں جو حضرت موسیٰ پر ایمان لے آئے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شان میں بھی ہتک آمیز کلام کہا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب انسان بہت زیادہ خوف زدہ ہوتا ہے تو وہ اپنی عزت کو بچانے کے لیے اور اپنے گرتے ہوئے اقتدار کو سہارا دینے کے لیے اس طرح کی بڑک مارتا ہے اور دھمکیاں دیتا ہے' اور فرعون کی اس لاف و گزاف سے اس کا منشاء یہ تھا کہ اس کی ساکھ قائم رہے اور لوگوں کا اس پر اعتماد قائم رہے جیسے کوئی ڈھیٹ شخص کشتی میں ہار کر بھی ڈینگیں مارنے اور شیخی بگھارنے سے باز نہیں آتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: انہوں نے کہا ہم تجھ کو ہرگز ان واضح دلیلوں پر ترجیح نہیں دیں گے جو ہمارے سامنے آ چکی ہیں اور اس ذات پر (ترجیح نہیں دیں گے) جس نے ہم کو پیدا کیا ہے' پس تو جو کچھ کرنا چاہتا ہے وہ کر گزر تو صرف اس دنیا کی زندگی میں ہی فیصلہ کر سکتا ہے ○ بے شک ہم اپنے رب پر ایمان لا چکے ہیں تاکہ وہ ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہمارے جادو کرنے کے اس گناہ کو بھی جس پر تو نے ہمیں مجبور کیا تھا اور اللہ بہت بہتر ہے اور ہمیشہ باقی رہنے والا ○ اور بے شک جو اپنے رب کے پاس جرم کرتا ہوا آئے گا تو یقیناً اس کے لیے جہنم ہے جس میں وہ نہ مرے گا نہ جیے گا ○ اور جو اس کے پاس ایمان کے ساتھ حاضر ہو اور اس کے اعمال نیک ہوئے تو ان ہی لوگوں کے لیے بلند درجات ہیں ○ دائمی جنتیں جن کے نیچے سے دریا جاری ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور یہی ان لوگوں کو جزا ہے جو گناہوں سے پاک رہتے ہیں ○ (طٰہٰ: ۷۶-۷۲)

جادوگروں کے اس قول کی توجیہ کہ فرعون نے ان کو جادو کرنے پر مجبور کیا تھا

جب فرعون کے جادوگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئے تو فرعون نے ان کو ڈرایا اور دھمکایا اور ان کو دوبارہ فرعون پر ایمان لانے کے لیے کہا۔ انہوں نے جواب دیا کہ اے فرعون ہم جو دلائل اور معجزات دیکھ چکے ہیں ہم ان پر تجھے کبھی ترجیح نہیں دیں گے اور نہ تجھ کو اس ذات پر ترجیح دیں گے جس نے ہم کو پیدا کیا ہے اور نہ تیری اطاعت کو اس کی عبادت پر ترجیح دیں گے۔ اب تجھے جو کرنا ہو وہ کر لے تو جو کچھ کر سکتا ہے وہ اسی دنیا میں کر سکتا ہے۔ یعنی تو صرف اسی دنیا میں ہم کو عذاب دینے پر قادر ہے' اس کے بعد تیری کوئی سلطنت اور تیرا کوئی اختیار نہیں ہوگا۔

اس کے بعد انہوں نے کہا: ہم اپنے رب پر ایمان لا چکے ہیں تاکہ وہ ہمارے سارے گناہوں کو بخش دے اور ہمارے جادو کرنے کے اس گناہ کو بھی جس پر تو نے ہمیں مجبور کیا تھا۔

حضرت ابن عباس نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا جب وہ بچے تھے تو فرعون نے انہیں جادوگروں کے حوالے کیا اور کہا کہ ان کو جادو سکھاؤ۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۸۲۶۸-۱۸۲۶۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ انہوں نے یہ کیسے کہا کہ تو نے ہمیں جادو کرنے پر مجبور کیا تھا حالانکہ انہوں نے اپنی خوشی سے

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جادو کے مقابلہ میں حصہ لیا تھا۔ قرآن مجید میں ہے:

وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ○ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ○ (الاعراف: ۱۱۴-۱۱۳)

اور جادوگر فرعون کے پاس آئے اور کہا اگر ہم غالب ہو گئے تو یقیناً ہمارے لیے انعام ہوگا؟○ فرعون نے کہا ہاں! اور بے شک تم یقیناً مقربین میں سے ہو جاؤ گے۔

امام عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ھ نے اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات دیئے ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ فرعون لوگوں کو جادو سیکھنے پر مجبور کرتا تھا' ابن الانباری نے کہا کہ فرعون اپنی سلطنت کے لوگوں کو بلاتا اور ان کو یہ حکم دیتا کہ وہ اپنی اولاد کو جادو سکھائیں اور وہ اس کو ناپسند کرتے تھے' اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کا شغف جادو کے ساتھ تھا اور اس کے دل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خوف جاگزین ہو گیا' پس جادو پر مجبور کرنے سے ان کی مراد فرعون کا ان کو ابتداء میں جادو پر مجبور کرنا تھا۔

(۲) ان جادوگروں نے پہلے فرعون سے یہ کہا تھا کہ اگر ہم غالب ہو گئے تو کیا ہم کو اجر ملے گا' لیکن اس کے بعد جب انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا اور یہ دیکھا کہ وہ اللہ کا ذکر کرنے والے ہیں اور اللہ سے ڈرنے والے ہیں تو وہ حضرت موسیٰ کے ساتھ جادو کا مقابلہ کرنے سے ڈرے' اور ان کو یہ خوف ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام ان پر غالب آ جائیں گے اور ان کی جادو کرنے کی صنعت ماند پڑ جائے گی اور ان کا کاروبار ٹھپ ہو جائے گا۔ لیکن فرعون اس کے سوا نہیں مانا کہ وہ حضرت موسیٰ سے مقابلہ کریں اور فرعون کے مجبور کرنے سے ان کی یہی مراد تھی۔

(۳) ان کو یہ خوف تھا کہ اس عظیم مجمع میں مغلوب ہو جائیں گے اور اس سے ان کے کاروبار پر اثر پڑے گا لیکن فرعون نے ان کو جادو کرنے پر مجبور کیا۔

(۴) فرعون نے ان جادوگروں کو ان کے وطنوں سے آنے پر مجبور کیا تھا اور یہی ان کے جادو کرنے کا سبب تھا۔

یہ چاروں اقوال ابن الانباری نے نقل کیے ہیں۔ (زاد المسیر ج ۵ ص ۳۱۸ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت۔ ۱۴۰۷ھ)

فرعون کی بیوی کا ایمان لانا

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

فرعون کی بیوی لوگوں سے پوچھ رہی تھی اس معرکہ میں کون غالب رہا۔ اس کو بتایا گیا کہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون غالب رہے تو اس نے کہا میں موسیٰ اور ہارون کے رب پر ایمان لے آئی۔ فرعون نے کسی شخص کو اس کے پاس بھیجا کہ اگر وہ اپنے ایمان سے رجوع نہ کرے تو اس کے اوپر پتھر کی ایک بھاری چٹان گرا دو' جب وہ لوگ اس کے پاس گئے تو اس نے آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو اس کو جنت میں اپنا مکان نظر آیا' وہ اپنے ایمان پر قائم رہی اور اسی حال میں اس کی روح قبض کر لی گئی اور اس وقت اس کے جسم پر وہ بھاری چٹان گرائی گئی تو اس کے جسم میں روح نہیں تھی۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۱ ص ۱۴۱' بیروت۔ ۱۴۱۵ھ)

ایمان لانے کے بعد جادوگروں کا فرعون اور اس کے حواریوں کو نصیحت کرنا

اس کے بعد جو آیات ہیں ہو سکتا ہے کہ وہ ایمان لانے والے جادوگروں کا قول ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہو' وہ آیات یہ ہیں:

اور بے شک جو اپنے رب کے پاس جرم کرتا ہوا آئے گا تو یقیناً اس کے لیے جہنم ہے جس میں وہ نہ مرے گا نہ جیئے گا○

اور جو اس کے پاس ایمان کے ساتھ حاضر ہوا اور اس کے اعمال نیک ہوئے تو ان ہی لوگوں کے لیے بلند درجات ہیں ○ دائمی جنتیں جن کے نیچے سے دریا جاری ہیں' وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور یہی ان لوگوں کی جزا ہے جو گناہوں سے پاک رہتے ہیں ○

وہ جادوگر جو ایمان لا چکے تھے وہ فرعون اور اس کے حواریوں کو برابر نصیحت کرتے رہے۔ عذاب آخرت سے ڈراتے رہے اور جنت کی طرف راغب کرتے رہے۔ انہوں نے بتایا کہ مجرم دوزخ میں داخل ہوگا اور مومن جنت میں داخل ہوگا۔ اس آیت میں مجرم سے مراد کافر ہے کیونکہ دوسری آیت میں اس کے مقابلہ میں مومن کا لفظ ہے' اس لیے اس آیت سے معتزلہ کا یہ استدلال کرنا درست نہیں ہے کہ جو مومن مرتکب کبیرہ ہو وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا نہ مرے گا نہ جیئے گا' کیونکہ جیسا کہ ہم نے ذکر کیا یہاں مجرم سے مراد کافر ہے۔

اگر ان آیتوں میں جادوگروں کا کلام ہو تو اس کی توجیہ یہ ہے کہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ کلمات سن لیے تھے کہ آخرت میں مومن کا کیا حال ہوگا اور کافر کا کیا انجام ہوگا' یا بنو اسرائیل میں جو مومنین تھے ان سے انہوں نے یہ کلام سن لیا تھا' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب وہ جادوگر ایمان لے آئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ان کلمات کا الہام کر دیا۔

ان آیات میں یہ بتایا ہے کہ جس شخص کا خاتمہ ایمان پر ہو اور وہ ان کاموں کو کرتا رہا ہو جن کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا اور ان کاموں سے باز رہا ہو جن سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا تو وہ شخص دائمی جنتوں میں رہے گا اور اس کے درجات بلند ہوں گے' اور جو شخص اپنے آپ کو کفر سے اور کبیرہ گناہوں سے بچائے رکھے اور پاکیزہ زندگی گزارے اللہ تعالیٰ اس کو ایسی ہی جزا عطا فرماتا ہے۔

یہ مضامین الاعراف: ۱۲۲-۱۰۹ میں بھی گزر چکے ہیں۔ وہاں ہم نے ان عنوانوں پر بحث کی ہے: ہر نبی کا معجزہ اس چیز کی جنس سے ہوتا ہے جس چیز کا اس زمانہ میں چرچا ہو' سحر کی تعریف اور سحر اور معجزہ میں فرق' سحر اور ساحر کا شرعی حکم' سحر کے سیکھنے اور سکھانے کا حکم' حضرت موسیٰ اور فرعون کے جادوگروں کا مقابلہ' رب موسیٰ و ہارون کہنے کی وجہ' فرعون کا عوام کو شبہات میں ڈالنا' آیا فرعون اپنی دھمکی پر عمل کر سکا یا نہیں؟ راہ حق میں قربانی دینے کے لیے تیار رہنا۔ (تبیان القرآن ج ۴ ص ۲۶۴-۲۵۷)

وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰىۤ ۙ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ فَاضْرِبْ لَهُمْ

اور بے شک ہم نے موسیٰ کی طرف وحی فرمائی کہ آپ راتوں رات میرے بندوں کو لے جائیں پھر ان کے لیے سمندر

طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۙ لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى ﴿۷۷﴾ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ

میں سے خشک راستہ نکالیں' آپ کو کسی کے پکڑنے کا خوف ہوگا نہ ڈر ہوگا ○ پس فرعون نے اپنے لشکر کے ساتھ

بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ؕ ﴿۷۸﴾ وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ

ان کا پیچھا کیا' پھر سمندر نے ان کو ڈھانپ لیا جو ڈھانپ لیا ○ اور فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کر دیا'

وَمَا هَدٰى ﴿۷۹﴾ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَوٰعَدْنٰكُمْ

اور سیدھا راستہ نہ دکھایا ○ اے بنی اسرائیل بے شک ہم نے تم کو تمہارے دشمن سے نجات دی اور تم سے

جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ﴿٨٠﴾ كُلُوْا مِنْ

(اکو) طور کی دائیں جانب کا وعدہ کیا اور تم پر من اور سلوٰی نازل کیا ○ ان پاک چیزوں

طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ ۚ وَمَنْ

کھاؤ جو ہم نے تم کو دی ہیں اور ان میں حد سے نہ بڑھو ورنہ تم پر میرا غضب نازل ہوگا اور جس پر

يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى ﴿٨١﴾ وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ

میرا غضب نازل ہوا وہ یقیناً تباہ ہو گیا ○ اور بے شک میں اس کو ضرور بہت زیادہ معاف فرمانے والا

وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ﴿٨٢﴾ وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى ﴿٨٣﴾

ہوں جو توبہ کرتا ہے، ایمان لاتا ہے اور نیک عمل کرتا ہے پھر ہدایت پر جم جاتا ہے ○ اے موسیٰ! آپ نے اپنی قوم کو چھوڑ کر آنے میں کیوں جلدی کی؟ ○

قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِيْ وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى ﴿٨٤﴾ قَالَ

موسیٰ نے کہا وہ لوگ میرے پیچھے آرہے ہیں، اور اے رب! میں نے تجھے راضی کرنے کے لیے جلدی کی ○ فرمایا

فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْ بَعْدِكَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ﴿٨٥﴾ فَرَجَعَ

پس ہم نے آپ کے بعد آپ کی قوم کو فتنہ میں مبتلا کر دیا اور ان کو سامری نے گمراہ کر دیا ○ پس موسیٰ غم

مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ

اور غصہ کے ساتھ اپنی قوم کی طرف لوٹے، موسیٰ نے کہا اے میری قوم! کیا تم سے تمہارے رب نے

وَعْدًا حَسَنًا ۥ اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ

اچھا وعدہ نہیں کیا تھا؟ پھر کیا تم پر بہت مدت گزر گئی تھی! یا تمہارا یہ ارادہ تھا کہ تم پر تمہارے

غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِيْ ﴿٨٦﴾ قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ

رب کا غضب نازل ہو، سو اس لیے تم نے مجھ سے کیے ہوئے وعدہ کی خلاف ورزی کی ○ انہوں نے کہا ہم نے دانستہ آپ سے کیے ہوئے وعدہ کی

بِمَلْكِنَا وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ

خلاف ورزی نہیں کی، لیکن قوم (فرعون) کے زیورات کا بوجھ ہم پر لاد دیا گیا تھا تو ہم نے ان کو (آگ میں) ڈال دیا، سو اسی طرح

أَلْقَى السَّامِرِيُّ ﴿٨٧﴾ فَأَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهُ خُوَارٌ فَقَالُوا هَٰذَا

سامری نے (ان کو آگ میں) ڈال دیا تھا o پس اس نے ان کے لیے بچھڑے کا مجسمہ بنایا جس کی بیل کی طرح آواز تھی تو لوگوں نے

إِلَٰهُكُمْ وَإِلَٰهُ مُوسَىٰ فَنَسِيَ ﴿٨٨﴾ أَفَلَا يَرَوْنَ أَلَّا يَرْجِعُ إِلَيْهِمْ قَوْلًا

کہا یہ ہے تمہارا معبود اور موسیٰ کا معبود (موسیٰ تو) بھول رہا تھا o تو کیا یہ لوگ یہ بھی نہیں دیکھ سکتے تھے کہ وہ ان کی کسی بات کا جواب نہیں دے

وَلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا ﴿٨٩﴾ ع

سکتا تھا اور نہ ان کے کسی نقصان اور نفع کا مالک تھا o

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے موسیٰ کی طرف وحی فرمائی کہ آپ راتوں رات میرے بندوں کو لے جائیں پھر ان کے لیے سمندر میں سے خشک راستہ نکالیں آپ کو کسی کے پکڑنے کا خوف ہوگا نہ ڈر ہوگا o پس فرعون نے اپنے لشکر کے ساتھ ان کا پیچھا کیا' پھر سمندر نے ان کو ڈھانپ لیا جو ڈھانپ لیا o اور فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کر دیا اور سیدھا راستہ نہ دکھایا o

(طٰہٰ: ۷۹-۷۷)

حضرت موسیٰ کا رات کے وقت بنی اسرائیل کو لے کر روانہ ہونا

جب فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیجنے سے انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ حکم دیا کہ وہ بنی اسرائیل کو اپنے ساتھ لے کر راتوں رات وہاں سے نکل جائیں اور ان کو فرعون کے قبضہ سے چھڑا لیں۔ سورۃ الشعراء میں اللہ تعالیٰ نے اس کو زیادہ تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ حضرت موسیٰ' بنو اسرائیل کو اپنے ساتھ لے کر روانہ ہوئے' جب صبح ہوئی اور فرعون کو پتا چلا کہ بنو اسرائیل راتوں رات یہاں سے نکل گئے ہیں تو صبح ہوتے ہی فرعون اپنے لشکر کے ساتھ ان کے تعاقب میں نکلا' جب دونوں جماعتوں نے ایک دوسرے کو دیکھ لیا تو حضرت موسیٰ کے اصحاب نے کہا ہم تو اب یقیناً پکڑ لیے جائیں گے' اب بنی اسرائیل گھبرا گئے کہ آگے سمندر ہے اور پیچھے فرعون کا لشکر ہے اگر پکڑے گئے تو پھر فرعون کی غلامی اور اس کا ظلم و ستم ہوگا' اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے فرمایا پھر ان کے لیے سمندر سے خشک راستہ نکالیں یہ سمندر' بحر قلزم تھا' آپ کو فرعون کے پکڑنے کا خوف ہوگا اور نہ سمندر میں ڈوبنے کا خطرہ ہوگا' اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کی طرف یہ وحی کی کہ اپنے عصا کو سمندر پر ماریں' جب حضرت موسیٰ نے اپنے عصا کو سمندر پر مارا تو وہ بارہ حصوں میں منقسم ہو کر پھٹ گیا' پانی کا ہر حصہ ایک بڑے پہاڑ کی طرح کھڑا ہو گیا اور بنو اسرائیل کے بارہ قبیلے ان بارہ راستوں سے گزرنے لگے' پھر بنی اسرائیل نے کہا ہم کو اپنے ساتھیوں کی کچھ خبر نہیں اللہ جانے وہ صحیح و سلامت گزر رہے ہیں یا نہیں' تو پھر ان راستوں کی دیواروں میں کھڑکیاں اور روشن دان بن گئے وہ وہاں سے گزرتے جاتے تھے اور ایک دوسرے کو دیکھتے جاتے تھے اور باتیں کرتے جاتے تھے۔

حضرت موسیٰ بنو اسرائیل کے بارہ گروہوں کے ساتھ اس سمندر سے پار گزر گئے بعد میں جب فرعون اور اس کا لشکر اس راستے سے گزرنے لگا تو سمندر آپس میں مل گیا اور فرعون اور قبطیوں پر مشتمل اس کا لشکر غرق ہو گیا' قتادہ نے کہا ہے کہ بنو اسرائیل چھ لاکھ تھے اور قبطی بارہ لاکھ تھے۔

بنی اسرائیل کو رات کے وقت لے جانے کی حکمتیں

بنو اسرائیل کو رات میں لے جانے کی یہ حکمتیں ہیں:

(١) جب بنو اسرائیل روانہ ہونے کے لیے جمع ہوں تو کسی کو ان کا پتا نہ چل سکے اور کسی کو ان کی تیاریوں کا علم نہ ہو۔

(٢) فرعون اور اس کے حواری ان کے منصوبہ میں کوئی رکاوٹ نہ ڈال سکیں اور راستہ میں ان کے مزاحم نہ ہوں۔

(٣) اور اگر بالفرض دونوں لشکر ایک دوسرے کے قریب آ جائیں تو حضرت موسیٰ کے اصحاب فرعون کے لشکر کو نہ دیکھ پائیں ورنہ وہ ڈر جاتے۔

سمندر میں بنائے ہوئے خشک راستہ پر فرعون کے جانے کی توجیہ مفسرین کی طرف سے

فرعون جو بنی اسرائیل کا پیچھا کرنے کے لیے سمندر کے ان خشک راستوں پر چل پڑا تھا اس کی وجہ مفسرین نے یہ ذکر کی ہے کہ فرعون کے لشکر نے فرعون سے کہا کہ تم دیکھ رہے ہو کہ موسیٰ نے سمندر پر جادو کر دیا ہے فرعون ایک گھوڑے پر سوار تھا' اس وقت حضرت جبریل ایک گھوڑی پر سوار ہو کر فرعون کے آگے سے اس راستہ پر گئے۔ فرعون کے گھوڑے کو جب گھوڑی کی خوشبو آئی تو وہ فرعون کو لے کر اس راستہ پر دوڑا اور دوسرے فرشتوں نے چلا کر لشکریوں سے کہا بادشاہ سے مل جاؤ سو وہ سب ان راستوں میں داخل ہوئے' سمندر آپس میں مل گیا اور وہ سب غرق ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کے لشکر کو غرق کر دیا اور بنو اسرائیل کھڑے ہوئے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے حضرت موسیٰ سے کہا آپ اللہ سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کو سمندر سے نکالے تاکہ ہم ان کو اچھی طرح دیکھ لیں' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تو سمندر نے ان سب کو لا کر ساحل پر پھینک دیا اور بنو اسرائیل نے ان کے تمام ہتھیار لے لیے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ جبریل نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا یا محمد! کاش آپ وہ منظر دیکھتے جب میں فرعون کو پانی اور مٹی میں چھپا رہا تھا اس خطرہ سے کہ وہ کہیں توبہ نہ کر لے۔

سمندر میں بنائے ہوئے خشک راستہ پر فرعون کے جانے کی توجیہ امام رازی کی طرف سے

امام رازی نے یہ لکھا ہے کہ فرعون بہت عقلمند شخص تھا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ سمندر میں جو خشک راستے حضرت موسیٰ کے معجزے کی وجہ سے بن گئے تھے وہ ان پر چل پڑا ہو' اور یہ جو مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت جبریل نے اس کے آگے گھوڑی دوڑائی اس کے پیچھے اس کا گھوڑا دوڑ پڑا یہ بھی ناقابل فہم ہے۔ حضرت جبریل کو اس حیلہ کی کیا ضرورت تھی وہ ویسے ہی فرعون کو پورے لشکر سمیت اٹھا کر ان راستوں پر ڈال دیتے یا سمندر میں پھینک دیتے۔ پھر امام رازی لکھتے ہیں دراصل یوں ہوا ہوگا کہ فرعون لشکر کے درمیان ہوگا' کیونکہ بادشاہ خطرات سے بچنے کے لیے لشکر کے درمیان میں چلتے ہیں تاکہ اچانک جو مصیبت پیش آئے وہ آگے چلنے والوں کو پیش آئے۔ پھر جب حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل ان راستوں سے سلامتی کے ساتھ پار گزر گئے تو اس نے آزمائش کے لیے فوج کے چند دستوں کو روانہ کیا جب اس نے دیکھا کہ وہ سلامتی کے ساتھ ان راستوں سے گزر رہے ہیں تو پھر لشکر کے ساتھ وہ بھی اس راستہ سے گزرنے لگا اور جب پورا لشکر ان راستوں میں پہنچ گیا تو پھر وہ راستے پھٹ گئے اور سمندر آپس میں مل گیا اور فرعون اپنے لشکر سمیت غرق ہو گیا۔

فرعون کو کلمہ پڑھنے سے روکنے پر امام رازی کے اعتراض کا جواب

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے فرعون کو غرق کیا تو اس نے کہا میں اس پر ایمان لایا جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں (یونس: ٩٠) تو جبریل نے کہا اے محمد! کاش آپ اس وقت

مجھے دیکھتے جب میں سمندر کی کیچڑ اس کے منہ میں ڈال رہا تھا اس خوف سے کہ اس کے اوپر رحمت ہو جائے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۰۷ 'مسند احمد ج ۱ ص ۲۴۵ 'المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۲۹۳۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر فرمایا کہ جبریل فرعون کے منہ میں اس خوف سے کیچڑ ڈال رہے تھے کہ وہ کہے گا لا الہ الا اللہ تو اللہ اس پر رحم فرمائے گا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۰۸ 'مسند احمد ج ۱ ص ۳۴۰ 'صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۲۱۵ 'المستدرک ج ۲ ص ۳۴۰ 'شعب الایمان رقم الحدیث: ۹۳۹۱)

امام رازی نے ان احادیث پر یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ جو نقل کیا گیا ہے کہ جبریل اس کے منہ میں اس خوف سے کیچڑ ڈال رہے تھے کہ وہ ایمان لے آئے گا' یہ بعید ہے کیونکہ ایمان لانے سے منع کرنا فرشتوں اور نبیوں کی شان کے لائق نہیں ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۸ ص ۸۲ 'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت: ۱۴۱۵ھ)

امام رازی کا ان احادیث پر یہ بہت قوی اعتراض ہے لیکن میں نے چونکہ اپنی زندگی احادیث کے پڑھنے' پڑھانے اور احادیث کی خدمت کرنے میں گزار دی ہے اس لیے میں اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی توفیق سے یہ کہتا ہوں کہ فرعون اللہ تعالیٰ کی متعدد آیتوں کا انکار کر کے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے مسلسل تکبر اور سرکشی کر کے' لوگوں پر ناحق بے دریغ ظلم کر کے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شان میں شدید گستاخیاں کر کے اس سزا کا مستحق ہو چکا تھا کہ اب اگر وہ ایمان لاتا پھر بھی اس کا ایمان قبول نہ کیا جاتا' اس کی نظیر وہ آیتیں ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ہم نے کافروں کے دلوں پر مہر لگا دی ہے:

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ (البقرہ: ۷) اللہ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دی ہے۔

بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا (النساء: ۱۵۵) بلکہ ان کے کفر کی وجہ سے اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی پس وہ بہت کم ایمان لائیں گے۔

اسی طرح النحل: ۱۰۸ 'محمد: ۱۶ 'الاعراف: ۱۰۰-۱۰۱ 'یونس: ۷۴ 'الروم: ۵۹ 'المومن: ۳۵ 'التوبۃ: ۸۷ اور المنافقون: ۳ میں کفار' منافقین اور جاہلوں اور معاندوں کے دلوں پر مہر لگانے کا ذکر ہے۔ اسی نہج پر جبریل کو اس وقت فرعون کے منہ میں مٹی ڈالنے کے لیے بھیجا تاکہ اس پر یہ واضح کر دیا جائے کہ تو اب راندۂ درگاہ ہو چکا ہے اور اب تیرا ایمان لانا مقبول نہیں ہے۔

امام رازی نے یونس: ۹۲ میں بھی اس اعتراض کا ذکر کیا ہے اور وہاں بھی میں نے اس اعتراض کا جواب لکھا ہے۔ (تبیان القرآن ج ۵ ص ۴۶۳) لیکن یہاں پر میں نے زیادہ تحقیق کی ہے۔

حضرت موسیٰ کا ایک بڑھیا کی رہنمائی سے حضرت یوسف کا تابوت نکالنا

امام عبدالرحمٰن بن محمد ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

سعید بن عبدالعزیز بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام پر وفات کا وقت آیا تو انہوں نے اپنے بھائیوں کو بلا کر کہا: اے میرے بھائیو! میں نے دنیا میں کسی سے بھی اپنے اوپر کیے جانے والے ظلم کا بدلہ نہیں لیا اور مجھے یہ پسند تھا کہ میں لوگوں کی نیکیاں ظاہر کروں اور ان کی برائیاں چھپاؤں اور دنیا سے میرا یہی آخرت کے لیے زادِ راہ ہے' اے میرے بھائیو! میں نے اپنے باپ دادا جیسے عمل کیے ہیں تو تم مجھے ان کی قبروں کے ساتھ ملا دینا' اور ان سے اس بات کا پکا وعدہ لیا' لیکن انہوں نے

اپنے وعدہ کو پورا نہیں کیا' حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث کیا' انہوں نے حضرت یوسف کے متعلق معلوم کیا کہ ان کا صندوق کہاں دفن ہے تو صرف ایک بوڑھی عورت کو اس کا پتا تھا' اس کا نام شارح بنت شیر بن یعقوب تھا اس نے حضرت موسیٰ سے کہا میں دو شرطوں پر تم کو اس کا پتا بتاؤں گی۔ اس نے کہا ایک شرط تو یہ ہے کہ میں بوڑھی ہوں میں جوان ہو جاؤں۔ حضرت موسیٰ نے فرمایا: منظور ہے۔ اس نے کہا دوسری شرط یہ ہے کہ میں جنت میں آپ کے درجہ میں آپ کے ساتھ رہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس سے گریز کر رہے تھے کہ آپ پر وحی ہوئی کہ اس شرط کو بھی مان لو تو آپ نے مان لیا۔ پھر اس بڑھیا نے اس صندوق کی رہنمائی کی تو حضرت موسیٰ نے اس صندوق کو نکال لیا۔ وہ عورت جب ۵۲ سال کی عمر کو پہنچتی تو اس کی جسامت ۳۲ سال کی ہو جاتی' اس نے ۱۶۰۰ یا ۱۴۰۰ سال کی عمر پائی اور حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام نے اس سے شادی کی۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۷' ص ۲۲۰۵' رقم الحدیث: 12019' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

حافظ جلال الدین السیوطی متوفی ۹۱۱ ھ نے بھی اس حدیث کو امام ابن اسحٰق اور امام ابن ابی حاتم کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔ (الدر المنثور ج ۴' ص ۵۹۲۔۵۹۱' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ)

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جنت عطا کرنے کا اختیار تھا

امام حافظ احمد بن علی تمیمی متوفی ۳۱۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک اعرابی آیا' آپ نے اس کی عزت افزائی کی اور فرمایا: ہمارے پاس آؤ' وہ آیا آپ نے اس سے فرمایا: تم اپنی حاجت بیان کرو۔ اس نے کہا: مجھے سواری کے لیے ایک اونٹنی چاہیے اور بکریاں چاہئیں جن کا ہم دودھ دوہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم بنو اسرائیل کی بڑھیا کی طرح ہونے سے بھی عاجز ہو؟ آپ نے فرمایا: جب حضرت موسیٰ بنو اسرائیل کو لے کر مصر سے روانہ ہوئے تو وہ راستہ بھول گئے۔ حضرت موسیٰ نے پوچھا: اس کی کیا وجہ ہے؟ ان کے علماء نے کہا کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات قریب ہوئی تو انہوں نے ہم سے (یعنی ہمارے آباء واجداد سے) یہ پختہ وعدہ لیا تھا اور اس پر قسم لی تھی کہ ہم مصر سے اس وقت تک روانہ نہیں ہوں گے جب تک ان کی نعش کو ساتھ نہیں لے جائیں گے۔ حضرت موسیٰ نے پوچھا: ان کی قبر کی جگہ کس کو معلوم ہے؟ انہوں نے کہا: بنو اسرائیل کی ایک بڑھیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو بلوایا پس وہ آئی' حضرت موسیٰ نے فرمایا: مجھے حضرت یوسف کی قبر بتاؤ۔ اس نے کہا اس وقت تک اس کا پتا نہیں بتاؤں گی حتیٰ کہ آپ میری ایک درخواست منظور نہ کریں۔ آپ نے پوچھا: تمہاری کیا درخواست ہے؟ اس نے کہا: میں جنت میں آپ کے ساتھ رہوں! حضرت موسیٰ کو یہ ماننا ناگوار ہوا' تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی کہ آپ اس کی درخواست منظور کر لیں! تو وہ آپ کو دریائے نیل کی اس جگہ پر لے گئی جہاں کا پانی متغیر ہو چکا تھا' اس نے کہا: یہاں سے پانی نکالو' انہوں نے وہاں سے پانی نکالا۔ اس نے کہا: یہاں کھدائی کرو' کھدائی کے بعد وہاں سے حضرت یوسف علیہ السلام کی نعش برآمد کی' جب انہوں نے حضرت یوسف کی نعش اوپر اٹھائی تو ان کو گمشدہ راستہ روز روشن کی طرح مل گیا۔ (مسند ابو یعلیٰ ج ۱۳' ص ۲۳۷۔۲۳۶' رقم الحدیث: ۷۲۵۴' مطبوعہ دار الثقافت العربیہ' ۱۴۱۳ھ)۔

حافظ نور الدین الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ نے لکھا ہے کہ مسند ابو یعلیٰ کی حدیث کے راوی صحیح ہیں اور اسی وجہ سے میں نے اس حدیث کو درج کیا ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۱۰' ص ۱۷۱۔۱۷۰' مطبوعہ دار الکتب العربی بیروت ۱۴۰۲ھ موارد الظمآن ج ۲' رقم الحدیث: ۲۴۳۵' مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت' ۱۴۱۴ھ)

امام ابوعبداللہ حاکم نیشاپوری نے اس حدیث کو اپنی سند کے ساتھ روایت کر کے لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔
(المستدرک ج ۲ ص ۵۷۲-۵۷۱' علامہ ذہبی نے حاکم کی موافقت کی ہے' حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے اس حدیث کا ذکر کیا ہے: المطالب العالیہ ج ۳' رقم الحدیث: ۳۴۶۲)

امام ابوحاتم محمد بن حبان متوفی ۳۵۴ھ نے اس حدیث کو اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔
(صحیح ابن حبان ج ۲ ص ۵۰۱-۵۰۰' رقم الحدیث: ۷۲۳)

خاتم الحفاظ حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ نے اس حدیث کو متعدد ائمہ حدیث کے حوالوں کے ساتھ ذکر کیا ہے۔
(الدرالمنثور ج ۶' ص ۳۰۳-۳۰۲' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ)

امام ابوبکر محمد بن جعفر الخرائطی التوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:
حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جب کسی کام کے متعلق سوال کیا جاتا' اگر آپ کا ارادہ اسے کرنے کا ہوتا تو فرماتے ہاں! اور اگر آپ کا ارادہ نہ کرنے کا ہوتا تو آپ خاموش رہتے' اور آپ کسی کام کے متعلق "نہ" نہیں فرماتے تھے۔ آپ کے پاس ایک اعرابی آیا اور اس نے کچھ سوال کیا' آپ خاموش رہے' اس نے پھر سوال کیا آپ خاموش رہے' پھر اس نے تیسری بار سوال کیا تو آپ نے گویا اسے جھڑکنے کے انداز میں فرمایا: اے اعرابی مانگ کیا چاہتا ہے؟ ہمیں اس پر رشک آیا اور ہم نے گمان کیا کہ اب وہ جنت کا سوال کرے گا' اس نے کہا میں آپ سے ایک سواری کا سوال کرتا ہوں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ تمہیں مل جائے گی' پھر فرمایا: سوال کرو' اس نے کہا: میں اس کے پالان کا سوال کرتا ہوں' آپ نے فرمایا: یہ تمہیں مل جائے گا' پھر فرمایا: سوال کرو' اس نے کہا: میں آپ سے سفر خرچ کا سوال کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: یہ تمہیں مل جائے گا۔ حضرت علی نے کہا: ہمیں اس پر بہت تعجب ہوا' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس اعرابی نے جن چیزوں کا سوال کیا وہ اس کو دے دو۔ پھر اس کو وہ چیزیں دے دی گئیں۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس اعرابی کے سوال میں اور بنی اسرائیل کی بڑھیا کے سوال میں کتنا فرق ہے۔ پھر آپ نے فرمایا: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سمندر پار جانے کا حکم ہوا تو آپ کے پاس سواری کے لیے جانور لائے گئے' وہ جانور سمندر کے کنارے تک پہنچے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے منہ پھیر دیئے اور خود بخود واپس پلٹ آئے۔ حضرت موسیٰ نے کہا: اے رب! یہ کیا ماجرا ہے؟ حکم ہوا کہ تم یوسف کی قبر کے پاس ہو' اس کی نعش کو اپنے ساتھ لے جاؤ' وہ قبر ہموار ہو چکی تھی اور حضرت موسیٰ کو پتا نہیں تھا کہ وہ قبر کہاں ہے؟ پھر حضرت موسیٰ نے لوگوں سے سوال کیا کہ تم میں سے کسی کو پتا ہے' وہ قبر کہاں ہے؟ لوگوں نے کہا: اگر کوئی جاننے والا ہے تو وہ بنی اسرائیل کی ایک بڑھیا ہے' اس کو معلوم ہے کہ وہ قبر کہاں ہے۔ حضرت موسیٰ نے اس بڑھیا کو بلوایا' جب وہ پہنچ گئی تو حضرت موسیٰ نے کہا: کیا تم کو حضرت یوسف کی قبر کا علم ہے؟ اس نے کہا: ہاں! حضرت موسیٰ نے کہا: ہمیں بتاؤ۔ اس نے کہا نہیں! اللہ کی قسم! جب تک تم میرا سوال پورا نہیں کرو گے! حضرت موسیٰ نے کہا: بتاؤ تمہارا کیا سوال ہے؟ اس بڑھیا نے کہا: میں یہ سوال کرتی ہوں کہ جنت کے جس درجہ میں تم رہو گے' اسی درجہ میں' میں رہوں! حضرت موسیٰ نے کہا: صرف جنت کا سوال کرو۔ اس نے کہا: نہیں! اللہ کی قسم! میں اس وقت تک راضی نہیں ہوں گی جب تک کہ میں تمہارے ساتھ جنت میں تمہارے درجہ میں نہ رہوں! حضرت موسیٰ اس کو ٹالتے رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی: اس کو وہ درجہ دے دو' اس سے تم کو کوئی کمی نہیں ہوگی! حضرت موسیٰ نے اس کو جنت کا وہ درجہ دے دیا' اس نے قبر بتائی اور وہ حضرت یوسف کی نعش لے کر سمندر کے پار گئے۔
(مکارم الاخلاق ج ۲ ص ۶۲۶' رقم الحدیث: ۶۶۹' مطبوعہ مطبع المدنی مصر' ۱۴۱۱ھ)

امام سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ٣٦٠ ھ نے بھی اس حدیث کو اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔
(المعجم الاوسط ج ٨ ص ٣٧٧۔ ٣٧٦ رقم الحدیث: ٧٧٦٣ مطبوعہ مکتبۃ المعارف ریاض ١٤١٥ھ)
حافظ الہیثمی نے اس کا ذکر کیا ہے۔ (مجمع الزوائد ج ١٠ ص ١٧١) امام علی متقی ہندی متوفی ٩٧٥ ھ نے بھی اس حدیث کا ذکر کیا ہے۔ (کنز العمال ج ١١ ص ٥١٦ رقم الحدیث: ٣٢٤١٢ مطبوعہ موسسۃ الرسالہ بیروت)
ان حدیثوں کے اہم اور نمایاں فوائد میں سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اختیار دیا ہے کہ جس شخص کو جو چاہیں عطا کر دیں، کیونکہ آپ نے فرمایا: مانگ اے اعرابی جو چاہتا ہے، اور یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کے سوال کرنے کی ترغیب دی، کیونکہ آپ نے فرمایا کہ تم میں اور بنی اسرائیل کی بڑھیا میں کتنا فرق ہے! اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ اختیار دیا تھا کہ وہ بنی اسرائیل کی اس پیرزن کو جنت میں اپنا درجہ عطا فرما دیں، اور اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کی طرف جنت عطا کرنے کی نسبت فرمائی اور یہی صحابہ کرام کا اعتقاد تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جنت تک عطا کرنے کا اختیار تھا، اسی طرح بنی اسرائیل کی اس پیرزن کا یہ اعتقاد تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نہ صرف جنت بلکہ جنت میں اپنا درجہ بھی عطا فرما سکتے ہیں، اور یہ کہ دنیا اور آخرت کی نعمتیں خواہ جنت ہو ان کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرنا شرک نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے بنی اسرائیل بے شک ہم نے تم کو تمہارے دشمن سے نجات دی اور تم سے (کوہ) طور کی دائیں جانب کا وعدہ کیا، اور تم پر من وسلویٰ نازل کیا○ ان پاک چیزوں سے کھاؤ جو ہم نے تم کو دی ہیں، اور ان میں حد سے نہ بڑھو ورنہ تم پر میرا غضب نازل ہوگا اور جس پر میرا غضب نازل ہوا وہ یقیناً تباہ ہوگیا○ اور بے شک میں اس کو ضرور بہت زیادہ معاف فرمانے والا ہوں جو توبہ کرتا ہے، ایمان لاتا ہے اور نیک عمل کرتا ہے پھر ہدایت پر جم جاتا ہے○ (طٰہٰ: ٨٢-٨٠)

بنی اسرائیل کو نعمتیں یاد دلانا

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ان انواع واقسام کی نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے جو اس نے بنی اسرائیل پر انعام فرمائیں تا کہ وہ ان نعمتوں کو یاد کر کے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں اور اس کی زیادہ سے زیادہ عبادت کریں، یہ نعمتیں دو قسم کی تھیں ایک قسم یہ تھی کہ ان سے آلام اور مصائب کو دور کیا، اور دوسری قسم یہ تھی کہ ان کو خوش حالی اور راحتیں عطا فرمائیں، اور چونکہ ضرر کو زائل کرنا نفع پہنچانے پر مقدم ہوتا ہے، اس لیے پہلے ان نعمتوں کا ذکر فرمایا جو ازالہ ضرر کے قبیل سے تھیں، اس لیے فرمایا اے بنی اسرائیل ہم نے تم کو تمہارے دشمن سے نجات دی، کیونکہ فرعون ان پر انواع واقسام کے مظالم ڈھایا کرتا تھا، وہ ان کے نوزائیدہ بچوں کو قتل کر دیتا تھا اور ان سے گھٹیا اور خسیس قسم کی مشقت لیتا تھا اور ان سے بے گار لیتا تھا۔ پھر اس کے بعد ان کو جو نفع پہنچایا ان نعمتوں کا ذکر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس وقت ان پر کتاب نازل فرمائی جس میں ان کے اصول اور عقائد کا بیان اور فروع اور احکام شرعیہ کا ذکر تھا۔ یہ ان کے حق میں دینی نعمت تھی اور ان کے حق میں دنیاوی نعمت یہ تھی کہ میدان تیہ میں ان پر من اور سلویٰ نازل فرمایا اور کھانے کے لیے ان کو پاکیزہ چیزیں عطا فرمائیں، اور ان احکام کی نافرمانی کرنے سے ان کو ڈرایا اور فرمایا اگر تم نے میری نافرمانی کی تو تم پر میرا غضب نازل ہوگا اور جس پر میرا غضب نازل ہوا وہ بے شک تباہ ہوگیا، اور جو لوگ کسی غلطی اور لغزش سے معصیت کے مرتکب ہوں اور پھر اس غلطی پر نادم اور تائب ہوں ان کو بخشش کی نوید سنائی۔

طور کی دائیں جانب جانے کا بیان

مفسرین نے ذکر کیا ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر سمندر کے پار گئے تو بنو اسرائیل نے حضرت

موسیٰ علیہ السلام سے کہا کیا آپ نے ہم سے وعدہ نہیں کیا تھا کہ ہمارے پاس ہمارے رب کی طرف سے فرائض اور احکام پر مشتمل ایک کتاب آئے گی! حضرت موسیٰ نے فرمایا ہاں' پھر حضرت موسیٰ نے اپنے رب کے پاس جانے کی جلدی کی تا کہ بنی اسرائیل کے پاس کتاب لے کر آئیں اور ان سے یہ وعدہ کیا کہ وہ اپنے جانے کے بعد ان کے پاس کتاب لے کر آ جائیں گے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے یہ وعدہ فرمایا تھا کہ وہ ان کو بنی اسرائیل کے لیے تورات عطا فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے فرمایا ہم نے تم سے (کوہ) طور کی دائیں جانب کا وعدہ کیا تھا' ہر چند کہ یہ وعدہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کیا تھا لیکن چونکہ یہ وعدہ بنو اسرائیل کی وجہ سے کیا تھا اس لیے فرمایا ہم نے تم سے وعدہ کیا تھا۔

اس آیت میں فرمایا ہے طور کی دائیں جانب کا وعدہ کیا تھا۔ فی نفسہٖ طور کی کوئی دائیں یا بائیں جانب نہیں ہے۔ البتہ اس سے مراد یہ ہے کہ جب کوئی شخص مصر سے شام کی طرف جائے تو پہاڑ طور اس کی دائیں جانب ہوتا ہے۔

کھانے میں حد سے بڑھنے کا معنی

طٰہٰ: ۸۱ میں فرمایا ان پاک چیزوں سے کھاؤ جو ہم نے تم کو دی ہیں اور ان میں حد سے نہ بڑھو۔

پاک چیزوں کو کھانے کا حکم وجوب کے لیے نہیں ہے بلکہ استحباب کے لیے ہے' اور پاک چیزوں کے متعلق دو قول ہیں ایک قول ہے اس سے مراد لذیذ کھانے ہیں کیونکہ من اور سلویٰ لذیذ کھانے تھے' اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد حلال کھانے ہیں۔ کیونکہ یہ وہ کھانا ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف نازل کیا تھا اور اس کھانے کو کسی آدمی کے ہاتھ نے مس نہیں کیا تھا۔

اور فرمایا اور ان میں حد سے نہ بڑھو اس کے تین محمل ہیں: (۱) کوئی شخص دوسرے پر زیادتی نہ کرے کہ اس کا حصہ خود چھین کر کھا لے۔ (۲) کوئی شخص اپنے اوپر زیادتی نہ کرے کہ اباحت کی حد سے زیادہ کھائے' یعنی کسی شخص کا ضرورت سے زیادہ کھانا اپنے اوپر زیادتی کرنا ہے اور حد سے بڑھنا ہے۔ (۳) اللہ کی نعمت کا کفر نہ کرو' یعنی اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو اس کے احکام کی مخالفت میں صرف نہ کرو' مثلاً کسی شخص کو زیادہ بدنی طاقت حاصل ہو تو وہ لوگوں پر ظلم کرے' عیاشی اور بدکاری کرے' اور حلال سے حرام کی طرف تجاوز کرے۔

اس آیت میں فرمایا ہے اور جس پر میرا غضب نازل ہوا وہ تباہ ہو گیا یہ مرادی معنی ہے۔ آیت میں لفظ ہے "ھویٰ" اس کا ایک معنی ہے وہ شخص ہاویہ یعنی دوزخ میں گر گیا اور اس کا دوسرا معنی ہے وہ شخص اوپر سے نیچے گر گیا۔

بندہ کا بہت زیادہ گناہ کرنا اور اللہ تعالیٰ کا بہت زیادہ معاف فرمانا

طٰہٰ: ۸۲ میں فرمایا: اور بے شک میں اس کو ضرور بہت زیادہ معاف فرمانے والا ہوں جو توبہ کرتا ہے' ایمان لاتا ہے' نیک عمل کرتا ہے پھر ہدایت پر جم جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی صفت غافر' غفور اور غفّار سے کی ہے: غافر الذنب (المومن: ۳) گناہوں کو بخشنے والا اور غفور اور غفار مبالغے کے صیغے ہیں: وربک الغفور ذوالرحمۃ (الکھف: ۵۸) آپ کا رب بہت زیادہ بخشنے والا ہے۔ رحمت والا ہے۔ وانی لغفار لمن تاب (طٰہٰ: ۸۲) اور جو توبہ کرے میں اس کو بہت زیادہ بخشنے والا ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے افعال میں غفر اور یغفر ماضی اور مستقبل کے صیغے استعمال فرمائے ہیں اور مغفرت کا ذکر فرمایا ہے۔ مغفرت کا ذکر اس آیت میں ہے: وان ربک لذو مغفرۃ للناس (الرعد: ۶) اور بے شک آپ کا رب ضرور لوگوں کی مغفرت کرنے والا ہے' اور غفر کا ذکر اس آیت میں ہے: حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق فرمایا فغفرنا لہ ذالک (ص: ۲۵) سو ہم

نے ان کا یہ کام معاف فرما دیا' اور یغفر کا ذکر اس آیت میں ہے: ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا (الزمر: ۵۳) بے شک اللہ تمام گناہوں کو بخش دے گا۔ پہلا ماضی کا اور دوسرا مستقبل کا صیغہ ہے۔

انسان کے گناہ صغیرہ ہوتے ہیں یا کبیرہ' صغیرہ گناہوں کو اللہ تعالیٰ کبیرہ گناہوں سے اجتناب کی وجہ سے معاف فرما دیتا ہے:

اِنۡ تَجۡتَنِبُوۡا كَبَآئِرَ مَا تُنۡهَوۡنَ عَنۡهُ نُكَفِّرۡ عَنۡكُمۡ سَيِّاٰتِكُمۡ. (النساء: ۳۱)

اگر تم ان کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرتے رہو گے جن سے تم کو منع کیا جاتا ہے تو ہم تمہارے صغیرہ گناہوں کو مٹا دیں گے۔

نیز صغیرہ گناہوں کو نیک اعمال کرنے کی وجہ سے بھی معاف فرما دیتا ہے:

اِنَّ الۡحَسَنٰتِ يُذۡهِبۡنَ السَّيِّاٰتِ (ھود: ۱۱۴)

بے شک نیک اعمال گناہوں کو دور کر دیتے ہیں۔

واضح رہے کہ اولیٰ اور مستحب کا ترک اور مکروہ تنزیہی کا ارتکاب سرے سے گناہ ہی نہیں ہے' اور واجب کا ترک اور مکروہ تحریمی کا ارتکاب گناہ صغیرہ ہے اور فرض کا ترک اور حرام کا ارتکاب گناہ کبیرہ ہے' اور گناہ کبیرہ کو اللہ تعالیٰ توبہ سے بھی معاف فرماتا ہے جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے: بے شک میں اس کو بہت زیادہ معاف فرمانے والا ہوں جو توبہ کرتا ہے' ایمان لاتا ہے نیک عمل کرتا ہے پھر ہدایت پر جم جاتا ہے۔ نیز فرمایا:

وَهُوَ الَّذِىۡ يَقۡبَلُ التَّوۡبَةَ عَنۡ عِبَادِهٖ وَيَعۡفُوۡا عَنِ السَّيِّاٰتِ (الشوریٰ: ۲۵)

وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے بغیر توبہ کے عین عالم معصیت میں بھی گناہوں کو بخش دیتا ہے!

اِنَّ رَبَّكَ لَذُوۡ مَغۡفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلۡمِهِمۡ (الرعد: ٦)

بے شک آپ کا رب لوگوں کے گناہوں کے باوجود ان کو ضرور بخشنے والا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغۡفِرُ اَنۡ يُّشۡرَكَ بِهٖ وَيَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰلِكَ لِمَنۡ يَّشَآءُ (النساء: ۴۸)

بے شک اللہ اس کو نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس سے کم کو بخش دیتا ہے جس کے لیے چاہے۔

یعنی وہ شرک کے ماسوا تمام گناہوں کو بخش دیتا ہے خواہ ان پر توبہ کی ہو یا نہ کی ہو۔

زیر تفسیر آیت میں اللہ تعالیٰ نے گناہوں کے بخشنے کو چار چیزوں پر مرتب فرمایا ہے' توبہ' ایمان' نیک عمل کرنا پھر ہدایت پر جم جانا' گناہ کرنے کے اعتبار سے بندہ کی تین صفات ہیں وہ ظالم ہے' ظلوم اور ظلّام ہے' فمنھم ظالم لنفسہ (فاطر: ۳۲) سو ان میں سے بعض اپنے نفس پر ظلم کرنے والے ہیں' انہ کان ظلوما جھولا (الاحزاب: ۷۲) بے شک انسان بہت ظلم کرنے والا جاہل ہے۔ اور بندہ کی ہر صفت کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے' اگر بندہ ظالم ہے تو اللہ تعالیٰ غافر ہے' اگر بندہ ظلوم ہے تو اللہ تعالیٰ غفور ہے' اور اگر بندہ ظلّام ہے تو اللہ تعالیٰ غفّار ہے' بندہ بہت زیادہ ظلم اور گناہ کرنے والا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت زیادہ گناہوں کو بخشنے والا ہے۔

بار بار گناہ بخشنے کی وضاحت

علامہ عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

غفّار کا معنی جو بار بار بندہ کے گناہوں کو بخش دے۔ جب بندہ کے گناہ بہت زیادہ ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی مغفرت بہت زیادہ ہوتی ہے' غفر کا لغوی معنی ہے ستر کرنا چھپانا پس غفّار وہ ہے جو اپنے بندوں کے گناہوں کو چھپا لے اور اپنے کرم سے

...ن پر ثواب اخروی دے۔ (زاد المسیر ج ۵ ص ۳۱۲-۳۱۱ مطبوعہ کتب اسلامی بیروت ۱۴۰۷ھ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب عزوجل سے روایت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: میرا بندہ کوئی گناہ کرتا ہے پھر کہتا ہے اے اللہ! میرے گناہ کو بخش دے تو اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے میرے بندہ نے گناہ کیا اور اس کا یقین ہے کہ اس کا رب ہے جو گناہوں کو بخشتا ہے اور وہ گناہوں پر گرفت بھی فرماتا ہے۔ وہ پھر دوبارہ گناہ کرتا ہے اور پھر کہتا ہے کہ اے رب میرے گناہ کو بخش دے۔ پس اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندہ نے گناہ کیا اور اس کا یقین ہے کہ اس کا رب ہے جو گناہوں کو بخشتا ہے اور وہ گناہوں پر گرفت بھی فرماتا ہے وہ پھر گناہ کرتا ہے اور کہتا ہے اے میرے رب میرے گناہ کو بخش دے تو اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندہ نے گناہ کیا اور اس کو یقین ہے کہ اس کا رب ہے جو گناہ کو بخشتا ہے اور گناہوں پر گرفت بھی فرماتا ہے۔ تو جو چاہے عمل کر میں نے تجھ کو بخش دیا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۵۰۷ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۵۸ مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۶ عمل الیوم واللیلۃ للنسائی رقم الحدیث: ۴۱۹)

علامہ ابوالعباس قرطبی مالکی متوفی ۶۵۶ھ المفہم میں لکھتے ہیں بندہ کا یہ استغفار توبہ سے کنایہ ہے لیکن اگر اس نے صرف زبان سے استغفار کیا اور وہ اس گناہ پر برابر اصرار کرتا رہا تو یہ وہ استغفار ہے جو خود استغفار کا محتاج ہے اور اس حدیث کا مفاد یہ ہے کہ دوبارہ گناہ کرنا ہر چند کہ پہلی بار گناہ کرنے سے زیادہ برا ہے۔ کیونکہ اب اس گناہ کے ساتھ پہلی توبہ کو توڑنے کا گناہ بھی شامل ہو گیا لیکن اب دوبارہ توبہ کرنا پہلی توبہ سے زیادہ بہتر ہے کیونکہ اب وہ کریم کے دروازہ پر زیادہ شدت کے ساتھ اور گڑگڑا کر دستک دے گا۔

علامہ ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ نے علامہ قرطبی کی اس عبارت پر یہ اعتراض کیا ہے کہ بندہ کا گناہ پر استغفار کرنا لازماً توبہ سے کنایہ نہیں ہے بلکہ یہ ایک مغفرت کی دعا ہے جیسے اور مغفرت کی دعائیں ہوتی ہیں لہٰذا اگر اس نے دوبارہ گناہ کیا تو اس سے یہ لازم نہیں آئے گا کہ اس نے پہلے جو استغفار کیا تھا اب اس استغفار پر بھی استغفار کرنا ضروری ہے اور اس نے جس گناہ پر پہلے توبہ کی تھی اس گناہ کو دوبارہ کرنے سے پہلی توبہ نہیں ٹوٹتی بلکہ اہل حق کے نزدیک پہلی توبہ صحیح ہے۔

کیا توبہ کرنے کے بعد دوبارہ گناہ کرنا توبہ کو کھیل بنانا ہے؟

علامہ ابی مالکی کے شاگرد علامہ السنوسی مالکی متوفی ۸۹۵ھ اپنے استاذ کا رد کرتے ہوئے علامہ قرطبی کے دفاع میں لکھتے ہیں: جب اس نے دوبارہ گناہ کیا تو وہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس نے پہلے استغفار کو ختم کر دیا اور یہ بالکل واضح ہے کہ گناہ پر اصرار کرنے کے باوجود اس گناہ پر استغفار کرنا بجائے خود معصیت ہے کیونکہ یہ استغفار اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس نے توبہ کو کھیل اور مشغلہ بنالیا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ استہزاء کر رہا ہے اور اس سے یہ مطالبہ کر رہا ہے کہ وہ اس گناہ کو اس کے لیے مباح کر دے اور علامہ قرطبی نے یہ نہیں کہا کہ دوبارہ گناہ کرنے سے اس کی پہلی توبہ ٹوٹ جائے گی بلکہ انہوں نے یہ کہا ہے کہ اس نے پہلے یہ توبہ کی تھی کہ وہ آئندہ مستقبل میں وہ گناہ نہیں کرے گا اور جب اس نے وہ گناہ پھر کر لیا تو اس کی پہلی توبہ کا خلاف ثابت ہو گیا۔ (اکمال اکمال المعلم مع مکمل اکمال الاکمال ج ۹ ص ۱۷۱-۱۷۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

میں کہتا ہوں کہ علامہ قرطبی اور علامہ السنوسی کی عبارت کا محمل یہ ہے کہ جب آدمی کو دوبارہ گناہ کرتے وقت یہ یاد ہو کہ وہ اس گناہ سے پہلے توبہ کر چکا ہے لیکن وہ اس گناہ سے ممانعت کو غیر اہم اور معمولی سمجھ کر پھر دوبارہ وہ گناہ کرے اور یہ سوچے کہ اگر دوبارہ گناہ کر بھی لیا تو کیا ہوا پھر توبہ کر لیں گے تو یہ ایسی توبہ ہے جو کھیل اور مشغلہ کے مشابہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ استہزاء کرنے کے مترادف ہے اور حدیث میں یہ صورت نہیں ہے بلکہ حدیث میں یہ صورت ہے کہ ایک شخص نے کسی گناہ کے

ارتکاب کے بعد اخلاص کے ساتھ پکی توبہ کی لیکن شامت نفس' اغواء شیطان اور نفسانیت کے غلبہ سے اس نے پھر وہی گناہ کیا پھر اس کے بعد وہ نادم ہوا اور تائب ہوا اور پھر پکی توبہ کی تو اللہ تعالیٰ اس کو بخش دے گا خواہ وہ بار بار گناہ میں مبتلا ہو اور بار بار توبہ کرتا رہے۔

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ٦٧٦ ھ لکھتے ہیں:

اگر وہ سو یا ہزار بار یا اس سے بھی زیادہ بار گناہ کرے اور ہر بار توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول ہو جائے گی اور اس کے گناہ ساقط ہو جائیں گے اور اگر تمام گناہوں سے ایک ہی بار توبہ کرے تب بھی اس کی توبہ صحیح ہے۔

اور یہ جو فرمایا ہے تو جو چاہے عمل کر میں نے تجھ کو بخش دیا ہے' اس کا معنی یہ ہے کہ جب تک تو گناہ کرنے کے بعد توبہ کرتا رہے گا میں تجھ کو بخشتا رہوں گا۔ (صحیح مسلم مع الشرح النووی ج ١١ ص ٦٨٨١' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ١٤١٧ھ)

علامہ ابو العباس قرطبی مالکی متوفی ٦٥٦ ھ نے لکھا ہے اس قول میں اس شخص کے متعلق یہ خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے پچھلے گناہوں کو بخش دیا اور آئندہ کے لیے اس کو گناہوں سے محفوظ کر دیا ہے' اور اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کے لیے ہر کام کو مباح کر دیا ہے وہ جو چاہے کرے۔ علامہ تورپشتی نے کہا ہے اس قسم کا کلام کبھی بطور غیظ و غضب کیا جاتا ہے اور کبھی بطور لطف و کرم کے کیا جاتا ہے' غیظ و غضب کی مثال یہ آیت ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا لَا یَخْفَوْنَ عَلَیْنَا ؕ اَفَمَنْ یُّلْقٰی فِی النَّارِ خَیْرٌ اَمْ مَّنْ یَّاْتِیْٓ اٰمِنًا یَّوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۙ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ○ (حٰمٓ السجدہ: ٤٠)

بے شک جو لوگ ہماری آیتوں میں کج بحثی کرتے ہیں وہ ہم سے پوشیدہ نہیں ہیں' (بتاؤ!) جو آگ میں ڈال دیا جائے وہ بہتر ہے یا وہ جو امن و سلامتی کے ساتھ قیامت کے دن پیش ہو' تم جو چاہو کرتے رہو' وہ تمہارے کرتوتوں کو خوب دیکھنے والا ہے۔

اور لطف و کرم کے ساتھ فرمانے کی یہ مثال ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حاطب بن ابی بلتعہ کے متعلق فرمایا شاید کہ اللہ اہل بدر کی طرف متوجہ ہوا اور فرمایا تم جو چاہو کرو میں نے تم کو بخش دیا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ٣٩٨٣' صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢٤٩٤)

(مکمل اکمال الاکمال ج ٩ ص ١٧٢-١٧١' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ١٤١٥ھ)

توبہ کرنے' ایمان لانے اور اعمال صالحہ کرنے کے بعد ہدایت کے حصول کی توجیہ

اس آیت میں فرمایا ہے اور بے شک میں اس کو ضرور بہت زیادہ معاف فرمانے والا ہوں جو توبہ کرتا ہے ایمان لاتا ہے نیک عمل کرتا ہے پھر ہدایت پر جم جاتا ہے۔ آیت میں یہ الفاظ ہیں ثم اھتدی پھر وہ ہدایت حاصل کرتا ہے یا ہدایت پاتا ہے۔ اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس کا توبہ کرنا' ایمان لانا اور نیک عمل کرنا ہدایت پر ہونے کی وجہ سے تو ہیں' پھر ان کے بعد یہ کیوں فرمایا پھر وہ ہدایت حاصل کرتا ہے' اس کی حسب ذیل توجیہات ہیں:

(١) ابو صالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا اس کو یہ یقین ہو جاتا ہے کہ اس کو ان اعمال پر ثواب ملے گا۔ (٢) ابن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا اس کو اس میں شک نہیں ہوتا۔ (٣) عطاء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا اس کو یہ یقین ہوتا ہے کہ یہ امور اللہ کی توفیق سے ہیں۔ (٤) سعید بن جبیر نے کہا وہ سنت اور جماعت پر لازم رہتا ہے۔ (٥) ضحاک نے کہا وہ ان امور پر جم جاتا ہے۔ (٦) قتادہ نے کہا وہ تادم مرگ اسلام پر قائم رہتا ہے۔ (٧) زید بن اسلم نے کہا اس کو یہ ہدایت حاصل ہو جاتی ہے کہ اس کو کس طرح عمل کرنا چاہیے۔ (٨) ثابت بنانی نے کہا اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کی ہدایت حاصل ہو جاتی ہے۔ (زاد المسیر ج ٥ ص ٣١٢' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ١٤٠٧ھ)

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ توبہ ایمان لانے اور اعمال صالحہ کرنے سے مراد یہ ہو کہ اس کو ان امور کا علم دلائل سے حاصل ہو اور ان امور کے مجموعہ کو شریعت سے تعبیر کرتے ہیں اور شریعت پر عمل کرنے کے بعد وہ اپنے ذہن کو فاسد خیالات سے اور اپنے قلب کو اخلاق مذمومہ سے پاک کرے اور صفاء باطن کے اس مرتبہ کو طریقت کہتے ہیں۔ اس مرتبہ کے بعد اس پر حقائق الاشیاء منکشف ہو جاتے ہیں اور اس کا قلب تجلیات ربانیہ کی جلوہ گاہ بن جاتا ہے اور اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضری نصیب ہو جاتی ہے اور اس مرتبہ کو لسان تصوف میں حقیقت سے تعبیر کرتے ہیں' خلاصہ یہ ہے کہ توبہ' ایمان اور اعمال صالحہ سے مراد شریعت ہے اور "ثم اھتدی" سے مراد طریقت اور حقیقت ہے یعنی شریعت پر عمل کرنے کے بعد طریقت اور حقیقت حاصل ہو جاتی ہیں۔

کلمہ پڑھنے سے پہلے کفریہ عقائد سے اظہار براءت ضروری ہے

اس آیت میں پہلے توبہ کا ذکر ہے پھر ایمان لانے کا ذکر ہے اس میں یہ دلیل ہے کہ ایمان لانے سے پہلے ضروری ہے کہ انسان کفر سے توبہ کرے' اگر انسان کوئی کلمۂ کفریہ کہہ دے تو صرف کلمہ پڑھنے سے وہ مسلمان نہیں ہوگا جب تک وہ اس کلمۂ کفریہ سے توبہ نہیں کرے گا۔ اسی طرح اگر کوئی بدمذہب مثلاً شیعہ یا رافضی' اہل سنت ہونا چاہیے یا کوئی عیسائی مسلمان ہونا چاہے تو صرف کلمہ پڑھنے سے وہ اہل سنت میں داخل نہیں ہوگا جب تک عقائد شیعہ سے توبہ اور براءت کا اظہار نہیں کرے گا' اور نہ عیسائی صرف کلمہ پڑھنے سے مسلمان ہوگا جب تک عیسائی عقائد سے تائب نہیں ہوگا اور براءت کا اظہار نہیں کرے گا۔ سو یہ لوگ پہلے کفریہ عقائد سے توبہ کریں پھر کلمہ پڑھ کر ایمان لائیں پھر نیک اعمال کریں پھر اسی دین پر تادم مرگ قائم رہیں اور جمے رہیں اور ڈٹے رہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے موسیٰ! آپ نے اپنی قوم کو چھوڑ کر آنے میں کیوں جلدی کی؟ ○ موسیٰ نے کہا وہ لوگ میرے پیچھے آ رہے ہیں اور اے رب! میں نے تجھے راضی کرنے کے لیے جلدی کی ○ فرمایا پس ہم نے آپ کے بعد آپ کی قوم کو فتنہ میں مبتلا کر دیا اور ان کو سامری نے گم راہ کر دیا ○ (طٰہٰ: ۸۵-۸۳)

حضرت موسیٰ کے عجلت کے ساتھ جانے کی توجیہ

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی دمشقی متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

فرعون اور اس کی قوم کے ہلاک ہونے کے بعد جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سمندر کے پار اترے تو وہاں انہوں نے ایک قوم کو دیکھا جو بتوں کی پرستش کر رہی تھی۔ بنو اسرائیل نے کہا اے موسیٰ! ہمارے لیے بھی اسی طرح کا ایک معبود بنا دیجئے جس طرح ان لوگوں کے معبود ہیں' حضرت موسیٰ نے فرمایا تم لوگ کیسی جہالت کی باتیں کر رہے ہو' یہ تو برباد شدہ لوگ ہیں اور ان کی عبادت بھی باطل ہے' اور حضرت موسیٰ کے رب نے ان سے تیس راتوں کا وعدہ فرمایا تھا پھر ان میں دس راتوں کا اور اضافہ فرما دیا۔ یعنی ان چالیس دنوں میں دن اور رات روزے رکھیں۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے ملاقات اور اس کا کلام سننے کے شوق میں جلدی جلدی روانہ ہوئے اور بنو اسرائیل کی دیکھ بھال اور ان کو ہدایت پر قائم رکھنے کے لیے اپنے بھائی ہارون کو خلیفہ مقرر کر دیا اور خود طور کی طرف چل پڑے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے پوچھا اے موسیٰ! آپ نے اپنی قوم کو چھوڑ کر آنے میں کیوں جلدی کی؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ خوب عالم ہے لیکن اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل کو تسکین دینے کے لیے اور ان کی عزت افزائی کے لیے یہ سوال کیا تھا۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۱۸۰' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ ابو عبداللہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے یہ سوال کیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے

کلام کے جلال سے متحیر ہو گئے اور بجائے اس کے کہ عجلت کا سبب بیان کرتے یہ کہا وہ لوگ میرے پیچھے آ رہے ہیں پھر
تعالیٰ کے سوال کی طرف متوجہ ہوئے اور عجلت کا سبب بیان کرتے ہوئے کہا اے میرے رب! میں نے تیرے پاس آنے میں
اس لیے جلدی کی تا کہ تو راضی ہو جائے۔

حضرت موسیٰ نے جو یہ کہا تھا کہ وہ لوگ میرے پیچھے ہیں۔ اس سے ان کی یہ مراد نہیں تھی کہ وہ لوگ ان کے پیچھے پیچھے آ
رہے ہیں یعنی وہ بھی طور کی طرف آ رہے ہیں' بلکہ ان کی مراد یہ تھی کہ وہ بھی یہاں پر قریب ہیں اور میری واپسی کا انتظار کر رہے
ہیں' اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت موسیٰ نے حضرت ہارون کو یہ حکم دیا تھا کہ ان کے روانہ ہونے کے بعد وہ بھی بنی اسرائیل کو
لے کر روانہ ہوں اور ان کے ساتھ آ کر مل جائیں' اور بعض مفسرین نے یہ کہا ہے کہ اس آیت میں قوم سے مراد وہ ستر نفوس ہیں
جن کو حضرت موسیٰ نے چن لیا تھا وہ بھی حضرت موسیٰ کے ساتھ روانہ ہوئے تھے لیکن جب حضرت موسیٰ علیہ السلام طور کے قریب
پہنچے تو اللہ تعالیٰ کا کلام سننے کے شوق میں ان سے آگے نکل گئے اس لیے اللہ تعالیٰ نے پوچھا آپ نے اپنی قوم سے پہلے پہنچنے
میں کیوں عجلت کی۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت موسیٰ اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے مطابق طور سینا کی طرف روانہ ہوئے تو اپنے رب کی
طرف مشتاق ہوئے اور اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے شوق کی شدت کی وجہ سے یہ مسافت ان پر طویل ہو گئی' پھر وہ صبر نہ کر سکے اور
ان لوگوں کو چھوڑ کر اکیلے ہی چل پڑے پھر جب اپنے مقام پر ٹھہرے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ نے اپنی قوم کو چھوڑ کر آنے
میں کیوں جلدی کی؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے رب! میں نے اس لیے جلدی کی تا کہ تو راضی ہو جائے۔ قتادہ نے اس
کی تفسیر میں کہا یعنی تیری ملاقات کے شوق میں جلدی کی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ بارش ہونے لگی۔ رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم نے اپنی قمیص اتار دی حتیٰ کہ بارش آپ کے جسم مبارک پر پڑنے لگی' ہم نے پوچھا: یارسول اللہ! آپ نے ایسا
کیوں کیا؟ آپ نے فرمایا یہ بارش ابھی ابھی اپنے رب کے پاس سے آئی ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۹۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد کے لوگ اس طرح اللہ تعالیٰ کا شوق رکھتے تھے۔

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا
شوق رکھتا ہے' اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملاقات کا شوق رکھتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس سے
ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یا آپ کی کسی اور زوجہ نے کہا یا رسول اللہ! ہم تو موت کو ناپسند کرتے ہیں
آپ نے فرمایا: یہ بات نہیں ہے لیکن جب مومن کے پاس موت کا وقت آتا ہے تو اس کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی کرامت کی
بشارت دی جاتی ہے۔ اس وقت اس کو اس سے زیادہ اور کوئی چیز محبوب نہیں ہوتی جو اس کے سامنے آنے والی ہے۔ پس جو اللہ
کی ملاقات سے محبت کرتا ہے اللہ بھی اس کی ملاقات سے محبت رکھتا ہے اور کافر کے پاس جب موت کا وقت آتا ہے تو اس کو اللہ
کے عذاب اور اس کی سزا کی بشارت دی جاتی ہے پس اس وقت اس کو اس سے زیادہ کوئی چیز ناپسند نہیں ہوتی جو اس کے سامنے
آنے والی ہے۔ وہ اللہ سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے اور اللہ اس سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۰۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۸۴۔۲۶۸۳' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۸۴۰' سنن دارمی رقم الحدیث
۲۷۵۹' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۰۶۶' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۸۳۶)

بنواسرائیل کو آزمائش میں ڈالنا

اس کے بعد فرمایا: پس ہم نے آپ کے بعد آپ کی قوم کو فتنہ میں مبتلا کر دیا وران کو سامری نے گمراہ کر دیا۔

یعنی ہم نے ان کو آزمائش اور امتحان میں مبتلا کیا تا کہ یہ ظاہر ہو کہ ان میں کون الوہیت اور توحید کے عقیدہ میں راسخ ہے اور کس کا عقیدہ کمزور ہے۔ بنواسرائیل اس وقت چھ لاکھ تھے ان میں سے بارہ ہزار توحید پر قائم رہے اور باقی گوسالہ پرستی میں مشغول ہو گئے' اس کی تفصیل اس کے بعد کی آیتوں میں آ رہی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بنواسرائیل نے قبطیوں سے عاریۃً سونے کے زیورات لیے تھے وہ ان کے پاس تھے' بنواسرائیل نے ان زیورات سے براءت حاصل کرنے کے لیے وہ سامری کو دے دیئے اس نے ان زیورات کو جمع کر کے ان کو آگ لگا دی پھر اس پگھلے ہوئے سونے سے بچھڑا ڈھال لیا۔ حضرت جبریل جس گھوڑی پر سوار تھے سامری نے اس کے پیر کے نیچے سے خاک کی ایک مٹھی اٹھالی تھی اس نے بچھڑے کے منہ کے اندر وہ خاک ڈال دی جس کے اثر سے وہ آواز نکالنے لگا۔ سامری نے بنواسرائیل سے کہا موسیٰ بھول گئے ہیں اصل میں یہی ان کا خدا ہے۔ سو بارہ ہزار کے سوا باقی چھ لاکھ نے اس گوسالہ کی پرستش شروع کر دی۔ یہ وہ آزمائش ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے۔ آیا وہ یہ سمجھتے ہیں یا نہیں کہ جس بچھڑے کو خود انہوں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے وہ ان کا خالق اور ان کا رب کیسے ہو سکتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا سامری اس قوم سے تھا جو گائے کی عبادت کرتی تھی۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ قبطیوں میں سے ایک شخص تھا۔ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پڑوسی تھا اور آپ پر ایمان لے آیا تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ بنواسرائیل میں سامرہ نام کا ایک قبیلہ تھا اور سامری کا تعلق اسی قبیلہ سے تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس موسیٰ غم اور غصہ کے ساتھ اپنی قوم کی طرف لوٹے' موسیٰ نے کہا اے میری قوم! کیا تم سے تمہارے رب نے اچھا وعدہ نہیں کیا تھا پھر کیا تم پر بہت مدت گزر گئی تھی! یا تمہارا یہ ارادہ تھا کہ تم پر تمہارے رب کا غضب نازل ہو' سو اس لیے تم نے مجھ سے کیے ہوئے وعدہ کی خلاف ورزی کی ○ انہوں نے کہا ہم نے دانستہ آپ سے کیے ہوئے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کی' لیکن قوم (فرعون) کے زیورات کا بوجھ ہم پر لاد دیا گیا تھا تو ہم نے ان کو (آگ میں) ڈال دیا سو اسی طرح سامری نے (ان کو آگ میں) ڈالا تھا ○ پس اس نے ان کے لیے بچھڑے کا مجسمہ بنایا جس کی بیل کی (طرح) آواز تھی تو لوگوں نے کہا یہ ہے تمہارا معبود اور موسیٰ کا معبود' موسیٰ تو بھولا رہا تھا ○ تو کیا یہ لوگ یہ بھی نہیں دیکھ سکتے تھے کہ وہ ان کی کسی بات کا جواب نہیں دے سکتا تھا اور نہ ان کے کسی نقصان اور نفع کا مالک تھا ○ (طٰہٰ: ۸۹-۸۶)

حضرت موسیٰ کا اپنی قوم کو بچھڑے کی عبادت پر زجر و توبیخ کرنا

طٰہٰ: ۸۶ میں ''غضبان'' اور ''اسف'' کے الفاظ ہیں۔ غضب کے معنی غصہ ہیں اور اسف کے معنی غم اور افسوس ہیں۔ غیظ اور غضب میں فرق ہے اللہ تعالیٰ غضب کے ساتھ متصف ہوتا ہے اور غیظ کے ساتھ متصف نہیں ہوتا۔ غضب کا معنی ہے جس پر غصہ ہو اس کو ضرر پہنچانا اور غیظ کا معنی ہے غصہ میں شکل متغیر ہو جائے مثلاً چہرہ سرخ ہو اور اس پر کرختگی کے آثار ہوں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے جس وعدہ کا ذکر فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے وعدہ کیا تھا کہ وہ ان پر تورات نازل فرمائے گا' تا کہ انہیں احکام شرعیہ کا علم ہو اور وہ ان احکام پر عمل کر کے دنیا اور آخرت کی سرفرازی حاصل کریں اور اس کا ذکر اس آیت میں ہے: ووعدنکم جانب الطور الایمن (طٰہٰ: ۸۰) دوسرا قول یہ ہے کہ اس وعدہ سے مراد ہے عبادات پر اجر و ثواب کا وعدہ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: پھر کیا تم پر بہت مدت گزر گئی تھی؟ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابھی ابھی تو تم پر اتنی نعمتیں عطا فرمائیں تھیں تم کو فرعون سے نجات دی ہے جس نے تم کو غلام بنا رکھا تھا' اور تم پر ظلم کرنے والے فرعون کو تمہاری آنکھوں کے سامنے غرق کر دیا اور اس کے تمام حواریوں کو بھی غرق کیا۔ تمہارے لیے سمندر میں خشکی کا راستہ بنا دیا۔ بارہ قبیلوں کے لیے بارہ راستے بنائے اور تمہاری فرمائش پر ان میں کھڑکیاں اور روشن دان بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو گزرتے ہوئے دیکھ سکو اور باتیں کر سکو۔ ابھی ان نعمتوں کو دیے ہوئے کوئی زیادہ عرصہ تو نہیں گزرا کہ تم اللہ کی ان نعمتوں کو بھول جاتے اور اس کی ناشکری پر اتر آتے اور اس کے ساتھ شرک کرنے لگتے!

نیز حضرت موسیٰ نے فرمایا تم نے میرے ساتھ کیے ہوئے وعدہ کی خلاف ورزی کی ہے' اس وعدہ کے دو محمل ہیں ایک یہ کہ انہوں نے حضرت موسیٰ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ بھی ان کے پیچھے پیچھے آ رہے ہیں اور ان کے ساتھ مل جائیں گے مگر انہوں نے حضرت موسیٰ کے پیچھے بچھڑے کی پرستش کرنی شروع کر دی' دوسرا محمل یہ ہے کہ انہوں نے وعدہ کیا تھا کہ وہ حضرت موسیٰ کے واپس آنے تک دین کے ان احکام پر عمل کرتے رہیں گے جو حضرت موسیٰ نے انہیں بتائے تھے۔ نیز ان کو معلوم تھا کہ فرعون کے ساتھ حضرت موسیٰ کا یہی اختلاف تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت کے بجائے اپنی خدائی کا دعویٰ دار تھا۔ پھر انہوں نے قبطیوں سے بھی بدتر عمل کیا کیونکہ وہ فرعون کو خدا مانتے تھے جو بولتا تھا' سنتا تھا' ہاتھ پیروں سے تصرف کر سکتا تھا' صاحب اقتدار تھا لوگوں کو نفع نقصان پہنچانے پر قادر تھا' اور انہوں نے تو سونے کا ایک بچھڑا بنا کر اس کی پرستش شروع کر دی جو ان میں سے کسی چیز پر بھی قادر نہ تھا بلکہ خود ان کے ہاتھوں سے بنایا ہوا تھا۔

بنی اسرائیل کا بچھڑے کی عبادت پر عذر پیش کرنا

طٰہٰ: ٨٧ میں بنی اسرائیل کا جواب ذکر فرمایا ہے انہوں نے کہا انہوں نے یہ کام اپنی ملک سے نہیں کیا۔ یعنی انہوں نے یہ کام ایسی چیز کی وجہ سے کیا ہے جس کے وہ مالک نہیں تھے۔ یہ ان لوگوں کا جواب ہے جنہوں نے بچھڑے کے مجسمہ کی پرستش نہیں کی تھی گویا کہ انہوں نے یہ کہا کہ یہ کام ہمارے لوگوں نے کیا ہے اور چونکہ ہم ان کو روک نہیں سکے اس لیے ہم اس کام کو اپنا ہی کام قرار دیتے ہیں۔ لیکن ہمارا ان لوگوں پر بس نہیں چل سکا اور ان کے کاموں کی باگ دوڑ ہمارے اختیار میں نہ تھی' اور اس کی دوسری توجیہ یہ ہے کہ یہ ان لوگوں کا جواب ہے جنہوں نے گوسالہ کے مجسمے کی پرستش کی تھی لیکن انہوں نے یہ عذر پیش کیا کہ گوسالہ کے معاملہ میں ہم پر ایسا شبہ پیش کر دیا گیا تھا جس کی وجہ سے ہم اس کی پرستش کرنے پر مجبور ہو گئے تھے' اور وہ شبہ یہ تھا کہ بغیر کسی خارجی تحریک اور سبب کے وہ بیل کی سی آواز نکالتا تھا ہم کو سامری نے یہ بتایا کہ چونکہ یہ خدا ہے اس لیے آواز نکال رہا ہے۔

پھر انہوں نے کہا ہم پر قبطیوں کے زیورات لاد دیے گئے تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت موسیٰ نے ان سے فرمایا تھا کہ تم ان سے عاریۃً زیورات لے لو۔ (یہ قول صحیح نہیں ہے) پھر فرمایا ان زیورات کو ساتھ لے چلو' اور انہوں نے حضرت موسیٰ پر حجت پیش کرنے کے لیے اور الزام قائم کرنے کے لیے یہ کہا تھا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ زیورات بہ منزلہ مال غنیمت تھے اور مال غنیمت کھانا ان کے لیے حلال نہ تھا اس لیے وہ ان کو ٹھکانے لگانا چاہتے تھے۔

زیورات سے بچھڑا بنانے کی تفصیل

مفسرین نے یہ ذکر کیا ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام نے ان سے کہا تھا یہ زیورات نجس ہیں تم ان سے پاکیزگی حاصل کرو' اور سامری نے کہا حضرت موسیٰ کو جو دیر ہو گئی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان زیورات کی سزا میں ان کو روک لیا گیا ہے۔

قرآن مجید میں اوزار کا لفظ ہے اس کا معنی ہے گناہ' اور چونکہ قبطی ان زیورات کو اپنی کفریہ مجالس میں پہن کر جاتے اس لیے ان کو گناہ فرمایا۔

پھر بنی اسرائیل نے کہا ہم نے ان کو آگ میں ڈال دیا اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام نے ان کو حکم دیا کہ حضرت موسیٰ کے آنے تک ان زیورات کو ایک گڑھے میں ڈال دو اور سامری کے کہنے سے انہوں نے ان کو آگ میں ڈال دیا۔ سامری نے ان زیورات کو پگھلا کر بچھڑے کا مجسمہ بنالیا۔ اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ وہ سونے کا بے جان مجسمہ تھا یا وہ گوشت پوست کا چلتا پھرتا جاندار بچھڑا بن گیا تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ بے جان مجسمہ تھا کیونکہ یہ جائز نہیں ہے کہ ایک گمراہ شخص کے ہاتھ پر کسی خلاف عادت کام کو ظاہر کر دیا جائے۔ سامری نے اس کی بچھڑے جیسی شکل وصورت بنائی تھی اور اس مجسمہ میں سوراخ اور جھریاں رکھیں ان سے ہوا گزرتی تھی' اس مجسمہ میں ایک طرف سے ہوا داخل ہوتی اور دوسری طرف سے نکل جاتی اور ہوا کے گزرنے سے اس میں آواز پیدا ہوتی تھی جو بچھڑے کی سی آواز کے مشابہ تھی۔

دوسرا قول یہ ہے کہ وہ زندہ بچھڑا بن گیا تھا اور بیل کی طرح آواز نکالتا تھا اور اس کی دلیل یہ ہے کہ سامری نے کہا:

(۱) فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ. (طٰہٰ: ۹۶) میں نے تو اللہ کے رسول (جبریل) کے نقش قدم سے ایک مٹھی بھر لی تھی۔

اگر وہ زندہ بچھڑا نہیں تھا تو پھر سامری کے اس قول کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے اس کو العجل فرمایا ہے اور العجل حقیقت میں زندہ اور جاندار بچھڑے کو کہتے ہیں۔

(۳) اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے خوار یعنی بیل کی سی آواز کو ثابت کیا ہے' اور جو شخص الوہیت کا مدعی ہو اس کے ہاتھ پر خلاف عادت کام کو ظاہر کرنا جائز ہے کیونکہ اس سے کوئی اشتباہ پیدا نہیں ہوتا۔ سامری اس مجسمہ کے لیے الوہیت کا مدعی تھا اور عقل کے نزدیک اس کے رد پر بہت شواہد تھے جس کو زیورات سے ڈھالا گیا ہو وہ کیسے بنانے والوں کا خدا ہو سکتا ہے۔ ہاں جو نبوت کا مدعی ہو اس کے ہاتھ پر اس کے دعویٰ کے موافق خلاف عادت کام کا ظاہر ہونا جائز نہیں ہے ورنہ سچے نبی اور جھوٹے نبی میں امتیاز کا دروازہ بند ہو جائے گا۔

(۴) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جس وقت سامری وہ بچھڑا ڈھال کر بنا رہا تھا تو وہاں سے حضرت ہارون علیہ السلام کا گزر ہوا۔ انہوں نے پوچھا یہ تم کیا بنا رہے ہو اس نے کہا میں ایسی چیز بنا رہا ہوں جو نفع تو پہنچائے گی لیکن کسی کو نقصان نہیں دے گی۔ آپ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ میرا مقصد پورا کر دے تو حضرت ہارون نے دعا کی: اے اللہ! اس نے جو سوال کیا ہے اس کو پورا کر دے' جب حضرت ہارون چلے گئے تو سامری نے کہا اے اللہ میرا یہ سوال ہے یہ بیل کی طرح آواز نکالے سو ایسا ہی ہوا۔ (جامع البیان جز ۱۶ ص ۲۵۰۔ ۲۴۹ ملخصاً) اس تقدیر پر یہ حضرت ہارون کا معجزہ تھا۔

بچھڑے کو معبود قرار دینے کا بطلان

اس مقام پر امام رازی نے یہ اعتراض کیا ہے کہ سامری نے کہا یہ تمہارا معبود ہے اور موسیٰ کا معبود ہے' اور بارہ ہزار کے سوا چھ لاکھ بنی اسرائیل نے اس کو مان لیا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جس کو انہوں نے خود ڈھال کر بنایا ہو اس کو وہ اپنا اور تمام آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا مان لیں۔ ایسا تو کوئی مجنون اور پاگل ہی کہہ سکتا ہے اور وہ پاگل اور مجنون تو نہ تھے' پھر اس کا یہ جواب دیا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے متعلق حلول کا عقیدہ رکھتے ہوں یعنی اللہ تعالیٰ نے اس بچھڑے میں حلول کر لیا ہے' "اور وہ بھول گئے" کا معنی یہ نہیں ہے کہ حضرت موسیٰ بھول گئے بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ سامری یہ بھول گیا کہ وہ اس

بچھڑے کے حادث ہونے سے اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور توحید پر استدلال کرتا اور وہ یہ بھول گیا کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز میں حلول نہیں کرتا۔ اس کی دوسری تقریر یہ ہے کہ سامری نے کہا یہ تمہارا خدا ہے اور موسیٰ کا خدا ہے اور موسیٰ اس خدا کو بھول گئے تھے۔ اس لیے وہ خدا کو ڈھونڈنے کے لیے کہیں اور چلے گئے ہیں اکثر مفسرین نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا وہ یہ نہیں دیکھ سکتے تھے کہ وہ ان کی کسی بات کا جواب نہیں دے سکتا تھا اور ان کے کسی ضرر اور نفع کا مالک نہیں تھا۔ اس آیت سے اللہ تعالیٰ نے اس کی الوہیت کے بطلان پر دلیل قائم کی ہے۔

اس آیت کا یہ معنی نہیں ہے کہ اگر وہ بچھڑا ان کی کسی بات کا جواب دے سکتا تو پھر اس کو خدا ماننا صحیح تھا' کیونکہ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے وہ ان کے کسی ضرر اور نفع کا (بالذات) مالک نہیں تھا' اور معبود اور خدا ہونے کی شان یہ ہے کہ وہ لوگوں کو بالذات ضرر اور نفع پہنچانے پر قادر ہو۔

امام رازی نے لکھا ہے کہ بعض یہودیوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا تم اپنے نبی کو دفن کرنے سے پہلے ہی آپس میں (مسئلہ خلافت میں) اختلاف کرنے لگے تھے۔ حضرت علی نے فرمایا ہمارا اس میں اختلاف تھا کہ نبی کا خلیفہ کس کو ہونا چاہیے نبی کی ذات میں ہمارا اختلاف نہیں تھا اور تمہارے پاؤں تو ابھی سمندر کے پانی سے خشک نہیں ہوئے تھے کہ تم نے کہا ہمارے لیے بھی ایک ایسا معبود بنا دیں جیسا ان کا معبود ہے۔ (تفسیر کبیر ج ٨ص ٩'مطبوعہ دار الفکر بیروت-١٤١٥ھ)

وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَاِنَّ

اور ہارون ان سے پہلے ہی یہ کہہ چکے تھے کہ اے میری قوم! اس بچھڑے کی وجہ سے تم کو صرف آزمائش میں ڈالا گیا ہے' اور بے شک

رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ ﴿٩٠﴾ قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ

تمہارا رب رحمٰن (ہی) ہے' سو تم میری پیروی کرو اور میرا حکم مانو ○ انہوں نے جواب دیا کہ موسیٰ کے واپس آنے تک

عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى ﴿٩١﴾ قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ

ہم اسی کی عبادت پر جمے رہیں گے ○ موسیٰ نے کہا اے ہارون! جب آپ نے دیکھا کہ یہ گمراہ ہو

اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ﴿٩٢﴾ اَلَّا تَتَّبِعَنِ ۭ اَفَعَصَيْتَ اَمْرِيْ ﴿٩٣﴾ قَالَ يَبْنَؤُمَّ

گئے تو آپ کو کس چیز نے منع کیا؟ ○ جو آپ نے میری پیروی نہ کی؟ کیا آپ نے میرے حکم کی نافرمانی کی ○ ہارون نے کہا: اے میری

لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ ۚ اِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ

ماں کے بیٹے، آپ میری ڈاڑھی نہ پکڑیں اور نہ میرے سر کو، بے شک مجھے یہ خطرہ تھا کہ آپ کہیں گے کہ تم نے بنی اسرائیل میں

بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ ﴿٩٤﴾ قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ ﴿٩٥﴾ قَالَ

تفرقہ ڈال دیا اور میرے حکم کا انتظار نہیں کیا ○ موسیٰ نے کہا اے سامری! تیرا کیا معاملہ ہے! ○ سامری نے کہا

بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ

میں نے وہ چیز دیکھی جو دوسروں نے نہیں دیکھی تو میں نے اللہ کے رسول (جبریل) کے نقش قدم سے ایک مٹھی بھر لی،

فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِىْ نَفْسِىْ ﴿۹۶﴾ قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ

پھر میں نے اس مٹھی بھر خاک کو (بچھڑے کے مجسمہ میں) ڈال دیا، میرے دل نے یہی بات بنائی تھی ○ موسیٰ نے کہا اب تو یہاں سے چلا جا، اب

فِى الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ ۚ

تو زندگی بھر یہی کہے گا کہ "مجھے مت چھونا" اور تجھ سے (آخرت میں) سزا کا وعدہ ہے جس سے تو ہرگز نہیں بچ سکے گا،

وَانْظُرْ اِلٰٓى اِلٰهِكَ الَّذِىْ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا ؕ لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ

اور تو اپنے اس (خود ساختہ) معبود کو دیکھ جس کی عبادت پر تو جما بیٹھا تھا، ہم اس کو ضرور جلا دیں گے پھر اس کی راکھ کو

فِى الْيَمِّ نَسْفًا ﴿۹۷﴾ اِنَّمَآ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِىْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَسِعَ كُلَّ

اڑا کر سمندر میں پھینک دیں گے ○ تمہارا معبود تو صرف اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، اس کے علم نے ہر چیز کا

شَىْءٍ عِلْمًا ﴿۹۸﴾ كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ

احاطہ کر لیا ہے ○ ہم اسی طرح آپ پر گزشتہ خبروں کا بیان فرماتے ہیں، اور بے شک ہم

اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ۚۖ ﴿۹۹﴾ مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ يَحْمِلُ

اپنے پاس سے آپ کو ذکر (قرآن) عطا فرما چکے ہیں ○ اور جس شخص نے اس سے منہ موڑا وہ یقیناً قیامت کے دن

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا ۙ ﴿۱۰۰﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهِ ؕ وَسَآءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا ۙ ﴿۱۰۱﴾

(بہت وزنی) بوجھ اٹھائے گا ○ وہ ہمیشہ اسی بوجھ میں رہے گا، اور قیامت کے دن ان کے لیے وہ کیسا برا بوجھ ہوگا ○

يَّوْمَ يُنْفَخُ فِى الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا ۚۖ ﴿۱۰۲﴾

جس دن صور میں پھونکا جائے گا اور ہم مجرموں کو اٹھائیں گے اس دن ان کی آنکھیں نیلگوں ہوں گی ○

يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ﴿۱۰۳﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا

وہ آپس میں چپکے چپکے کہیں گے تم صرف دس دن ٹھہرے تھے ○ ہم کو خوب معلوم ہے کہ وہ

يَقُولُونَ اِذْ يَقُولُ اَمْثَلُهُمْ طَرِيقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا ﴿١٠٤﴾

کیا کہیں گے، جب کہ ان کے نزدیک سب سے اچھے طریقہ والا یہ کہے گا کہ تم تو صرف ایک دن ٹھہرے تھے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہارون ان سے پہلے ہی یہ کہہ چکے تھے کہ اے میری قوم اس بچھڑے کی وجہ سے تم کو صرف آزمائش میں ڈالا گیا ہے اور بے شک تمہارا رب رحمٰن ہی ہے سو تم میری پیروی کرو اور میرا حکم مانو ○ انہوں نے جواب دیا کہ موسیٰ کے واپس آنے تک ہم اسی کی عبادت پر جمے رہیں گے ○ (طٰہٰ: ٩١-٩٠)

ان آیتوں کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ کی طور سے واپسی سے پہلے ہارون علیہ السلام نے بچھڑے کی پرستش کرنے والوں کو سرزنش کی اور ان کو سمجھایا کہ اس بچھڑے سے جو خلاف عادت آواز آ رہی ہے یہ صرف تمہاری آزمائش ہے کہ تم اپنے ایمان اور عقیدۂ توحید پر قائم رہتے ہو یا اس آواز سے دھوکا کھا کر اور سامری کے کہنے میں آ کر اس بچھڑے کو خدا بنا لیتے ہو۔ تمہارا رب یہ بچھڑا نہیں ہے رحمٰن ہے۔ جس کا فضل اور اس کی رحمت' اس بچھڑے کو بنانے سے پہلے بھی ہر نیک اور بد پر عام تھی اور سب کو شامل تھی اور اس کے فنا ہونے کے بعد اس کی رحمت سب کو شامل رہے گی سو تم پوری توجہ اور کوشش کے ساتھ میری پیروی کرو اور میرے حکم کو مانو اور پوری لگن کے ساتھ صرف اللہ کی عبادت کرتے رہو وہی تم سے نقصان اور ضرر کو دور کرنے والا ہے اور تم کو خیر اور نفع پہنچانے والا ہے' یا تم میرے ساتھ حضرت موسیٰ کے پاس چلو اور اس بچھڑے کی عبادت چھوڑ دو۔ انہوں نے کہا جب تک حضرت موسیٰ واپس نہیں آتے ہم اس بچھڑے کی پرستش پر ڈٹے رہیں گے۔ پھر ہم دیکھیں گے کہ وہ بھی ہمارے ساتھ اس بچھڑے کی عبادت کرتے ہیں یا نہیں۔ ان کا یہ زعم تھا کہ حضرت موسیٰ بھی ان کے ساتھ بچھڑے کی عبادت کریں گے۔

بارہ ہزار بنی اسرائیل کو چھوڑ کر چھ لاکھ میں سے باقی بنی اسرائیل بچھڑے کی عبادت اختیار کر چکے تھے۔ حضرت ہارون علیہ السلام کا قوت سے ساتھ دینے والا کوئی تھا نہیں۔ اگر انہوں نے اس سے قتال اور جہاد کیا تو دوسرے اپنی رشتہ داری کی وجہ سے ان کا ساتھ دیں گے اور اس طرح بنی اسرائیل میں دو فرقے ہو جائیں گے' جب کہ حضرت موسیٰ' حضرت ہارون کو ان کے خلاف جہاد کرنے کا حکم دے کر نہیں گئے تھے۔ اس لیے حضرت ہارون ان سے علیحدہ ہو گئے اور بارہ ہزار ساتھیوں کے ساتھ رہے جو اس فتنہ سے محفوظ تھے اور انہوں نے بچھڑے کی عبادت نہیں کی تھی۔

نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کے متعلق احادیث

حضرت ہارون علیہ السلام نے اپنی قوم کو نیکی کا حکم دیا اور ان کو برائی سے روکا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ نیکی کی تلقین کرو اور برائی سے روکو اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی ان کو یہ کہہ کر گئے تھے کہ:

وَقَالَ مُوسٰى لِاَخِيهِ هٰرُونَ اخْلُفْنِي فِي قَوْمِي وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيلَ الْمُفْسِدِينَ ○ (الاعراف: ١٤٢)

اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا میرے بعد میری قوم میں میری نیابت کرنا اور ان کی اصلاح کرتے رہنا اور فساد کرنے والوں کے راستہ کی پیروی نہ کرنا۔

نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کے سلسلہ میں بہت احادیث ہیں:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جو شخص کسی برائی کو دیکھے وہ اس کو اپنے ہاتھ سے مٹا دے' اور اگر اس کی طاقت نہ رکھے تو زبان سے اس کو بدلنے کی کوشش کرے اور اگر اس کی بھی

طاقت نہ رکھے تو دل سے اس کو برا جانے اور یہ سب سے کمزور درجہ کا ایمان ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۹)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے تم ضرور نیکی کا حکم دیتے رہنا اور تم ضرور برائی سے روکتے رہنا ورنہ اللہ عنقریب تم پر اپنے پاس سے عذاب نازل فرمائے گا۔ پھر تم ضرور اللہ سے دعائیں کرو گے اور تمہاری دعا قبول نہیں ہوگی۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۶۹)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب لوگ کسی برائی کو دیکھیں اور اس کو نہ مٹائیں تو عنقریب اللہ ان سب پر عذاب نازل فرمائے گا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۳۳۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۰۹)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل نے جبریل علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ فلاں شہر اور اس میں رہنے والوں کو الٹ دو۔ حضرت جبریل نے کہا اے رب! اس میں تیرا فلاں بندہ ہے جس نے پلک جھپکنے میں بھی تیری نافرمانی نہیں کی۔ اللہ عزوجل نے فرمایا اس شہر کو اور شہر والوں پلٹ دو اس شخص کا چہرہ ایک ساعت کے لیے بھی میری نافرمانی سے متغیر نہیں ہوا۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۷۵۹۵)

بے عمل عالم اور واعظ کے متعلق احادیث

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن ایک شخص کو بلایا جائے گا اور اس کو آگ میں ڈال دیا جائے گا اس کی انتڑیاں بکھر جائیں گی وہ دوزخ میں اس طرح چکر کھائے گا جس طرح گدھا چکی کے گرد چکر کاٹتا ہے۔ دوزخ والے اس کے گرد جمع ہو کر کہیں گے: اے فلاں شخص تجھے کیا ہوا؟ کیا تو ہم کو نیکی کا حکم نہیں دیتا تھا اور ہم کو برائی سے نہیں روکتا تھا! وہ کہے گا ہاں! میں تم کو نیکی کا حکم دیتا تھا اور خود نیک کام نہیں کرتا تھا اور میں تم کو برے کاموں سے منع کرتا تھا اور خود برے کام کرتا تھا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۶۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۸۹)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے تم پر ہر اس شخص کا خطرہ ہے جو منافق عالم ہو وہ حکمت کی باتیں کرے گا اور گناہ کے کام کرے گا۔

(کنز العمال رقم الحدیث: ۲۹۰۴۴، اتحاف السادۃ المھرۃ رقم الحدیث: ۷۹۶۳)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اپنے بعد تم پر کسی یقین کرنے والے مومن سے خطرہ نہیں ہے اور نہ کسی ظاہر کافر سے خطرہ ہے۔ رہا یقین کرنے والا مومن تو اس کو اس کا ایمان روکے گا اور رہا ظاہر کافر تو اس کو اس کا کفر روکے گا' مجھے اپنے بعد اس شخص سے خطرہ ہے جس کی زبان عالم ہوگی اور اس کا دل جاہل ہوگا۔ وہ باتیں نیکی کی کرے گا اور عمل جاہلوں کے کرے گا۔ (المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۲۹۶۸، اتحاف السادۃ المھرۃ رقم الحدیث: ۷۹۶۴)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس رات مجھے معراج کرائی گئی میں نے کچھ لوگ دیکھے جن کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے' میں نے پوچھا اے جبریل یہ کون لوگ ہیں کہا یہ آپ کی امت کے وہ خطباء ہیں جو لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے تھے اور خود کو بھول جاتے تھے۔ ایک اور روایت ہے کہ یہ آپ کی امت کے وہ خطباء ہیں جو وہ کہتے تھے کرتے نہیں تھے اور اللہ کی کتاب پڑھتے تھے اس پر عمل نہیں کرتے تھے۔

(شرح السنۃ رقم الحدیث: ۴۱۵۹، شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۷۷۳)

حضرت علی مظہر ہارون تھے اور تقیہ نہیں کرتے تھے

شیعہ اور روافض حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں اس حدیث کا ذکر کرتے ہیں:

ابراہیم بن سعد اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تم میرے لیے ایسے ہو جیسے ہارون موسیٰ کے لیے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٣٧٠٦' صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢٤٠٤' سنن الترمذی رقم الحدیث: ٣٧٣١' مسند احمد رقم الحدیث: ١١٢٩٢' عالم الکتب' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ٨٤٣٥)

پس معلوم ہوا کہ حضرت علی حضرت ہارون کی صفات کے مظہر تھے' جب کہ شیعہ یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت علی نے تقیہ کیا اور خلفاء ثلاثہ کے ہاتھ پر تقیہ سے بیعت کی اور تقیہ سے ان کی اقتداء میں نمازیں پڑھتے رہے' اور صحیح قرآن مجید انہوں نے لکھا اور تقیہ کی وجہ سے اس کو چھپا لیا اور تقیہ کی وجہ سے اپنی خلافت کا استحقاق ظاہر نہیں کیا۔ جب کہ حضرت ہارون علیہ السلام کی صفات کا مظہر ہونے کی وجہ سے ان پر لازم تھا کہ وہ تقیہ نہ کرتے۔ کیونکہ حضرت ہارون علیہ السلام کے سامنے چھ لاکھ کے قریب بنی اسرائیل تھے جو بچھڑے کی پرستش کر رہے تھے اور حضرت ہارون علیہ السلام کی مخالفت کر رہے تھے لیکن حضرت ہارون علیہ السلام نے تقیہ نہیں کیا اور بہ بانگ دہل ان کو بچھڑے کی پرستش سے روکا اور فرمایا اے میری قوم اس بچھڑے کی وجہ سے تم کو صرف آزمائش میں مبتلا کیا گیا ہے۔ بے شک تمہارا رب رحمان ہی ہے سو تم میری پیروی کرو اور میرا حکم مانو۔ سو اگر خلفاء ثلاثہ اور مسلمانوں کی جماعت خطا پر تھی تو حضرت علی پر لازم تھا کہ وہ منبر پر چڑھ کر حق کا اعلان کرتے اور واشگاف الفاظ میں اپنے خلیفہ بلافصل ہونے کا اعلان کرتے اور خلفاء ثلاثہ کی اطاعت سے روکتے اور منع کرتے' سو اگر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت خطاء پر تھی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر واجب تھا کہ وہ اس طرح کرتے جس طرح حضرت ہارون علیہ السلام نے کیا تھا اور بغیر تقیہ اور خوف کے یہ کہتے کہ میری اطاعت کرو اور میرا حکم مانو' اور جب حضرت علی نے ایسا نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ مسلمان خطا پر نہ تھے اور خلفاء ثلاثہ کی خلافت برحق تھی کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی بیعت کی' ان کی اطاعت کی' ان کے احکام سنے اور مانے اور مسلسل ان سے تعاون کرتے رہے۔

ہم نے نیکی کا حکم دینے کے سلسلہ میں جو احادیث بیان کیں ہیں ان میں یہ حدیث بھی ہے:

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے تم میں سے جس شخص نے کوئی برائی دیکھی تو وہ اپنے ہاتھ سے اس کا انکار کرے اور جو اس کی طاقت نہ رکھے وہ اپنی زبان سے اس کا انکار کرے اور جو اس کی طاقت نہ رکھے وہ اس کو دل سے برا جانے اور یہ سب سے کمزور درجے کا ایمان ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ٢١٧٢' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ١١٤٠' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ١٢٧٥' سنن النسائی رقم الحدیث: ٥٠٢٤' مسند احمد ج ٣ ص ١٠)

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ جو برائی کو اپنے ہاتھ سے بدلے وہ ایمان کے پہلے درجہ میں ہے اور جو اس کی طاقت نہ رکھے برائی کو صرف دل سے برا جانے اس کا ایمان سب سے کمزور ہے۔ شیعہ کہتے ہیں کہ خلفاء ثلاثہ کی خلافت باطل تھی لیکن حضرت علی نے تقیہ کیا اور اس کو صرف دل سے برا جانا لہٰذا وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے سب سے کمزور درجہ کا ایمان ثابت کرتے ہیں' اور ہم کہتے ہیں کہ حضرت علی تقیہ نہیں کرتے تھے وہ برے کام کو اپنے ہاتھ اور اپنی طاقت سے مٹاتے تھے جیسا کہ انہوں نے خوارج سے قتال کیا سو ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے ایمان کا پہلا درجہ ثابت کرتے ہیں اور شیعہ حضرت علی کے

لیے ایمان کا تیسرا درجہ ثابت کرتے ہیں جو سب سے کمزور درجہ کا ایمان ہے اب بتائیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے محب وہ ہیں یا ہم ہیں۔

حضرت ہارون علیہ السلام کی تبلیغ کا بہترین طریقہ

حضرت ہارون علیہ السلام نے اپنی قوم کو بہترین طریقہ سے وعظ فرمایا تھا' کیونکہ انہوں نے سب سے پہلے ان کو شرک اور کفر سے منع کیا اور فرمایا تم بچھڑے کی وجہ سے آزمائش میں مبتلا کیے گئے ہو۔ پھر دوسری بار ان کو اللہ تعالیٰ کی معرفت کی طرف دعوت دی اور فرمایا تمہارا رب تو صرف رحمٰن ہی ہے۔ پھر تیسری بار ان کو نبوت اور رسالت کی معرفت کی دعوت دی پس تم میری اتباع کرو' اور چوتھی مرتبہ احکام شرعیہ پر عمل کرنے کی دعوت دی اور فرمایا میرے احکام کی اطاعت کرو' اور یہ بہت عمدہ ترتیب ہے کیونکہ سب سے پہلے راستہ سے گندگی اور تکلیف دہ چیز دور کرنی چاہیے اور آخرت کے راستہ میں گندگی اور تکلیف دہ چیز توحید کے متعلق شکوک وشبہات ہیں سو پہلے حضرت ہارون نے ان کے شکوک زائل کیے اور فرمایا: گوسالہ کے منہ سے جو بیل کی سی آواز آرہی ہے اس سے تم دھوکا نہیں کھاؤ' یہ تو صرف تمہاری آزمائش کے لیے ہے اور تمہارا امتحان ہے کہ تم عقیدہ توحید پر کتنے راسخ ہو۔ پھر ان کو اللہ تعالیٰ کی معرفت کرائی۔ پھر نبوت اور شریعت کی معرفت کرائی' اللہ تعالیٰ کے اوصاف میں سے خصوصیت کے ساتھ صفت رحمٰن کا ذکر کیا کیونکہ رحمٰن ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ وہ مومن اور کافر اور نیک اور بدسب پر رحم فرماتا ہے اور تمہارے بچھڑے کو معبود بنانے سے پہلے بھی اس نے تم پر رحم فرمایا تھا جب اس نے تم کو فرعون سے نجات دی تھی اور اگر تم نے توبہ کرلی تو بعد میں بھی وہی رحم فرمائے گا' اور جب اول آخر تمہاری ضروریات کو پورا کرنے والا اور تم پر رحم فرمانے والا وہی ہے تو پھر یہ بچھڑا تمہاری عبادت کا مستحق کیسے ہوگیا! سو یہ وہ عمدہ اور بہترین طریقہ ہے جس سے حضرت ہارون علیہ السلام نے بنو اسرائیل کو تبلیغ فرمائی تھی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: موسیٰ نے کہا اے ہارون! جب آپ نے دیکھا کہ یہ گمراہ ہوگئے تو آپ کو کس چیز نے منع کیا؟○ جو آپ نے میری پیروی نہ کی؟ کیا آپ نے میرے حکم کی نافرمانی کی ○ ہارون نے کہا: اے میری ماں کے بیٹے! آپ میری داڑھی نہ پکڑیں اور نہ میرے سر کو بے شک مجھے یہ خطرہ تھا کہ آپ کہیں گے کہ تم نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا اور میرے حکم کا انتظار نہیں کیا ○ (طٰہٰ: ۹۴-۹۲)

حضرت موسیٰ کا حضرت ہارون پر ناراض ہونا

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

جب حضرت موسیٰ طور سے واپس آئے تو انہوں نے لوگوں کے شور وشغب اور چلانے کی آوازیں سنیں اس وقت بنی اسرائیل بچھڑے کے گرد خوشی سے ناچ رہے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ستر (۷۰) اسرائیلی تھے۔ آپ نے ان سے فرمایا یہ فتنہ کی آوازیں ہیں۔ پھر جب انہوں نے حضرت ہارون کو دیکھا تو غضب میں آکر دائیں ہاتھ سے ان کے سر کے بال پکڑے اور بائیں ہاتھ سے ان کی داڑھی پکڑی اور کہا اے ہارون جب آپ نے دیکھا کہ یہ گمراہ ہوگئے تو آپ کو کس چیز نے منع کیا؟ جو آپ نے میری پیروی نہ کی اور میرے حکم کی نافرمانی کی۔ یعنی آپ نے میری اتباع میں ان پر انکار کیوں نہیں کیا۔ ایک تفسیر یہ ہے کہ آپ کو علم تھا کہ اگر میں ان میں ہوتا تو میں ان کے کفر کی بناء پر ان سے قتال کرتا تو پھر آپ نے ان سے قتال کیوں نہیں کیا؟ جب یہ غیر اللہ کی عبادت کر رہے تھے تو پھر آپ کا ان کے درمیان ٹھہرے رہنا میری نافرمانی تھی' آپ ان سے اس وقت الگ کیوں نہیں ہوئے؟

حمد وثنا کے بعد ڈھول بجانے' رقص کرنے اور اظہار وجد کرنے کا شرعی حکم

یہ تمام آیات نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کی اصل ہیں اور جب کوئی شخص کچھ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہوئے دیکھے تو اس پر واجب ہے کہ وہ ان کو اس برائی سے روکے اور اگر یہ نہ کر سکے تو ان کے درمیان سے اٹھ کر چلا جائے اور جو شخص ان کے درمیان بیٹھا رہے گا خصوصاً اس وقت جب وہ ان کے کام سے راضی ہو تو اس کا بھی وہی حکم ہوگا جو ان نافرمانی کرنے والوں کا حکم ہوگا۔

امام ابوبکر الطرطوشی رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ مذہب صوفیہ کے متعلق آپ کا کیا ارشاد ہے؟ انہیں بتایا گیا کہ کچھ لوگ اللہ تعالیٰ اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک مجلس میں ذکر کرتے ہیں پھر وہ ڈھول پر چھڑیاں مارتے ہیں اور کچھ لوگ کھڑے ہو کر رقص کرتے ہیں اور وجد کا اظہار کرتے ہیں حتیٰ کہ ان میں ایک شخص بے ہوش ہو کر گر پڑتا ہے' پھر وہ مل کر کھانا کھاتے ہیں۔ کیا ان لوگوں کی مجلس میں بیٹھنا جائز ہے یا نہیں؟ انہوں نے جواب میں کہا کہ صوفیہ کا مذہب بطالت' جہالت اور ضلالت ہے' اور اسلام تو صرف کتاب اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ رہا رقص کرنا اور وجد کا اظہار کرنا تو سب سے پہلے اس کو سامری اور اس کے اصحاب نے اختراع کیا تھا اور اس کا احداث کیا تھا جب انہوں نے سونا پگھلا کر اس کا بچھڑا بنا لیا اور اس میں سے بیل کی سی آواز نکلنے لگی تو وہ اس کے گرد رقص کرنے لگے اور وجد کا اظہار کرنے لگے' سو یہ کفار اور بچھڑے کی عبادت کرنے والوں کا دین ہے اور رہا ڈھول بجانا تو سب سے پہلے اس کو زندیقوں نے ایجاد کیا تھا تا کہ مسلمانوں کو اللہ کی کتاب سے دور کر دیں' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ اس طرح وقار کے ساتھ بیٹھتے تھے گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہوں' پس سلطان اور دیگر حکام پر لازم ہے کہ ان لوگوں کو مساجد وغیرہ میں ایسی مجلس منعقد نہ کرنے دیں اور جو شخص بھی اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کے لیے ان کی مجلس میں بیٹھنا جائز نہیں ہے اور نہ ان کے مشغلہ میں تعاون کرنا جائز ہے۔ امام مالک' امام ابوحنیفہ' امام شافعی' امام احمد بن حنبل اور دیگر ائمہ مسلمین کا یہی مذہب ہے اور اللہ تعالیٰ سے ہی توفیق مطلوب ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۱ ص ۱۵۲۔۱۵۱' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت ہارون کے سر کے بال اور داڑھی پکڑنے کے اعتراض کے جوابات

حضرت ہارون علیہ السلام نے کہا اے میری ماں جائے! میری داڑھی اور میرے سر کے بالوں کو نہ پکڑیں۔ حضرت ابن عباس نے کہا حضرت موسیٰ نے اپنے دائیں ہاتھ سے حضرت ہارون کے سر کے بال پکڑ لیے تھے اور بائیں ہاتھ سے ان کی داڑھی پکڑ لی تھی۔ حضرت ہارون نے یہ اس لیے کہا تھا کہ لوگ یہ وہم کریں گے کہ حضرت موسیٰ ان کی توہین کر رہے ہیں اور ان کو سزا دے رہے ہیں۔

عصمت انبیاء کے منکرین نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام اللہ کے نبی اور رسول تھے اور ان کے سر کے بالوں اور ان کی داڑھی کو پکڑنا اور جوش غضب کے ساتھ ان سے کلام کرنا ان کی توہین ہے اور اللہ کے نبی کی توہین کرنا کفر ہے ورنہ کم از کم گناہ کبیرہ ضرور ہے' اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام معصوم نہیں ہوتے اور ان سے گناہ صادر ہو جاتے ہیں۔ اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) کسی کے سر کو پکڑ کر کھینچنا ان کے زمانہ میں متعارف تھا جیسا کہ اب عرب کسی شخص کے اکرام اور اس کی تعظیم کے لیے اس کی داڑھی پکڑتے ہیں' سو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ان کے سر کو پکڑ کر کھینچنا بطور اہانت نہ تھا۔

(۲) حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کو قریب کر کے ان سے رازدارانہ بات کرنا چاہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر تورات کی

الواح نازل کی ہیں اور انہوں نے اللہ تعالیٰ سے مناجات کی ہے اور ان کو اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے کہا میرے سر اور میری داڑھی کو نہ پکڑو ورنہ آپ کے اس طرح بات کرنے سے بنی اسرائیل کو یہ غلط فہمی ہوگی کہ آپ میری اہانت کر رہے ہیں۔

(۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شدت غضب سے حضرت ہارون علیہ السلام کا سر پکڑ کر اپنی طرف کھینچا کیونکہ ان کا گمان یہ تھا کہ حضرت ہارون نے بنو اسرائیل کو گوسالہ پرستی سے روکنے میں قرار واقعی سختی نہیں کی اور چونکہ ان کا غضب اللہ کے لیے تھا اس لیے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔

(۴) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے احوال سنانے کے لیے ان کو اپنے قریب کیا تھا۔ حضرت ہارون کو یہ ناگوار ہوا کیونکہ اس سے بنو اسرائیل کو یہ غلط فہمی ہو سکتی تھی کہ حضرت موسیٰ حضرت ہارون سے مواخذہ کر رہے ہیں' اس لیے انہوں نے اس سلسلہ میں اپنی معذرت پیش کی۔

(۵) حضرت ہارون علیہ السلام نے کہا تھا اے میری ماں جائے! میرے سر کے بالوں اور داڑھی کو نہ پکڑیں۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کے سر کے بالوں اور داڑھی کو پکڑا ہو کیونکہ کسی شخص کو کسی فعل سے منع کرنا اس کو لازم نہیں کرتا کہ اس شخص نے اس فعل کو کیا ہو' دیکھئے اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کئی کاموں سے منع فرمایا تھا حالانکہ آپ نے ان کاموں کو پہلے نہیں کیا تھا' قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَالْمُنَافِقِينَ. (الاحزاب: ۴۸) اور آپ کافروں اور منافقوں کی اطاعت نہ کریں۔

وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ○ (المدثر: ۶) اور زیادہ لینے کے لیے کسی پر احسان نہ کیجئے۔

فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ ○ وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ ○ (الضحیٰ: ۱۰-۹) سو آپ یتیم پر سختی نہ کریں ○ اور سوال کرنے والے کو جھڑکا نہ کریں۔

ان آیتوں میں آپ کو کافروں او منافقوں کی اطاعت سے' زیادہ لینے کے لیے احسان کرنے سے' یتیم پر سختی کرنے اور سائل کو جھڑکنے سے منع فرمایا ہے حالانکہ آپ نے کبھی کافروں اور منافقوں کی اطاعت کی نہ ہی دوسرے منع کیے ہوئے کام کیے' اس سے معلوم ہوا کہ کسی شخص کو کسی کام سے منع کرنا اس کو مستلزم نہیں ہوتا کہ اس شخص نے وہ کام کیے ہوں۔ اسی طرح حضرت ہارون علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سر کے بال پکڑنے اور داڑھی پکڑنے سے منع کیا تھا اس سے یہ لازم نہیں آیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے سر کے بالوں اور داڑھی کو پکڑا ہو' رہا یہ کہ جب حضرت موسیٰ نے ان کے سر اور داڑھی کو پکڑا نہیں تھا تو پھر حضرت ہارون کو اس سے منع کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ حضرت موسیٰ سخت غیظ و غضب میں تھے اور یہ خطرہ تھا کہ وہ ان کے سر اور داڑھی کو بطریق اہانت پکڑیں گے اس لیے انہوں نے اس کا سد باب کرنے کے لیے پہلے ہی سر اور داڑھی کو پکڑنے سے منع کیا اور اپنا عذر بیان کر دیا۔

حضرت ہارون کے جواب کی وضاحت

حضرت موسیٰ نے تو یہ کہا تھا کہ اے ہارون! جب آپ نے دیکھا کہ یہ گمراہ ہو گئے تو آپ کو کس چیز نے منع کیا جو آپ نے میری پیروی نہ کی۔ کیا آپ نے میرے حکم کی نافرمانی کی؟ حضرت ہارون کو چاہیے تھا کہ یہ کہتے کہ میں نے آپ کی نافرمانی نہیں کی' لیکن انہوں نے جواب میں کہا: بے شک مجھے یہ خطرہ تھا کہ آپ کہیں گے تم نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا اور میرے حکم کا انتظار نہیں کیا۔ بظاہر یہ جواب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اعتراض سے مربوط اور منطبق نہیں ہے اس کی

وضاحت اس طرح ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ کہا تھا کہ میرے بعد میری نیابت کرنا اور قوم کی اصلاح کرنا اور ایسا کوئی کام نہ کرنا جس سے قوم میں تفرقہ ہو اور پھوٹ پڑ جائے۔ قرآن مجید میں ہے:

اخْلُفْنِي فِي قَوْمِي وَأَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيلَ الْمُفْسِدِينَ. (الاعراف: ۱۴۲)　تم میری قوم میں میری جانشینی کرنا اور اصلاح کرنا اور فساد کرنے والوں کے طریقہ کی پیروی نہ کرنا۔

پس حضرت ہارون کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ نے مجھے قوم میں پھوٹ ڈالنے سے منع کیا تھا اور جب میں نے یہ دیکھا کہ ان کو شرک سے روکنے کے لیے اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ ان سے قتال کیا جائے تو پھر میں ان سے الگ ہو گیا۔

ایمان دلائل سے نہیں اللہ کی توفیق اور عنایت سے ملتا ہے

معجزہ کی دلالت بھی ایمان لانے کا سبب ہے اور دین کی تبلیغ بھی لوگوں کے ایمان لانے کا سبب ہے' لیکن اصل اور حقیقی سبب اللہ تعالیٰ کی توفیق ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے جادوگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے نہ تھے وہ آپ کے مخالف تھے اور آپ سے مقابلہ کرنے کے لیے آئے تھے اور انہوں نے صرف ایک معجزہ دیکھا اور ایمان لے آئے۔ انہیں اس ایمان کی خاطر دنیا میں بہت سخت سزا برداشت کرنی پڑی جانب مخالف سے ان کے ہاتھ پیر کاٹے گئے۔ ان کو سولی پر لٹکایا گیا لیکن کوئی چیز ان کو ایمان سے متزلزل نہ کر سکی۔ اس کے برعکس یہ بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اژدہا بن گیا اور جادوگروں کی رسیوں اور لاٹھیوں کو نگل گیا' پھر دوبارہ اسی طرح عصا بن گیا' اور انہوں نے دیکھا کہ جادوگروں نے اعتراف کیا کہ یہ جادو نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نشانی ہے۔ پھر ایک بڑے عرصہ میں انہوں نے مزید نشانیاں دیکھیں۔ قبطیوں کے گھروں پر خون کی' مینڈکوں کی' اور ٹڈیوں کی بارش ہوتی اور بنی اسرائیل کے گھر محفوظ رہتے۔ اسی طرح کی انہوں نے نو نشانیاں دیکھیں پھر انہوں نے دیکھا کہ ان کے لیے سمندر میں بارہ خشک راستے بنا دیئے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو غرق سے محفوظ رکھا اور ان کے دشمن کو غرق کر دیا۔ انہوں نے اتنے کثیر معجزات دیکھے تھے پھر جیسے ہی وہ سمندر سے نکلے تو انہوں نے ساحل پر کچھ لوگوں کو بتوں کی عبادت کرتے ہوئے دیکھا' ابھی ان کے گیلے پاؤں خشک بھی نہیں ہوئے تھے کہ انہوں نے حضرت موسیٰ سے کہا ہمارے لیے بھی ایسا خدا بنا دیں جیسا ان کا خدا ہے۔ پھر جیسے ہی انہوں نے سونے کے مجسمہ سے بیل کی سی آواز سنی تو اس کی پوجا کے لیے آسن جما کر بیٹھ گئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہدایت دلائل اور معجزات سے حاصل نہیں ہوتی اللہ تعالیٰ کی توفیق سے حاصل ہوتی ہے اور ایمان کی دولت اللہ تعالیٰ کی عنایت سے ملتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: موسیٰ نے کہا اے سامری! تیرا کیا معاملہ ہے؟○ سامری نے کہا میں نے وہ چیز دیکھی جو دوسروں نے نہیں دیکھی تو میں نے اللہ کے رسول (جبریل) کے نقش قدم سے ایک مٹھی بھر لی' پھر میں نے اس مٹھی بھر خاک کو (بچھڑے کے مجسمہ میں) ڈال دیا میرے دل نے یہی بات بنائی تھی○ موسیٰ نے کہا اب تو یہاں سے چلا جا اب تو زندگی بھر یہی کہے گا کہ ''مجھے مت چھونا'' اور تجھ سے (آخرت میں) سزا کا وعدہ ہے' جس سے تو ہرگز نہیں بچ سکے گا اور تو اپنے اس (خود ساختہ) معبود کو دیکھ جس کی عبادت پر تو جما بیٹھا تھا' ہم اس کو ضرور جلا دیں گے پھر اس کی راکھ کو اڑا کر سمندر میں پھینک دیں گے○ تمہارا معبود تو صرف اللہ ہی ہے' جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' اس کے علم نے ہر چیز کا احاطہ کر لیا ہے○

(طٰہٰ: ۹۸-۹۵)

حضرت موسیٰ کا سامری کو ملامت کرنا

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت ہارون علیہ السلام کے ساتھ مکالمہ سے فارغ ہو گئے اور بنو اسرائیل کو سرزنش نہ کرنے کے متعلق ان کا عذر قبول کر لیا تو اب سامری کی طرف متوجہ ہوئے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ سامری اس وقت وہیں موجود ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ کہیں اور ہو اور اس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بلایا ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کے پاس حضرت موسیٰ خود گئے ہوں تا کہ اس سے خطاب کریں۔ بہرحال حضرت موسیٰ نے اس سے پوچھا تیرا کیا معاملہ ہے؟ یعنی تو نے اس بچھڑے کو معبود کیوں بنایا تھا؟ سامری نے کہا میں نے وہ چیز دیکھی جو دوسروں نے نہیں دیکھی تو میں نے اللہ کے رسول کے نقش قدم سے ایک مٹھی بھر لی پھر اس مٹھی بھر خاک کو بچھڑے کے مجسمہ میں ڈال دیا' میرے دل نے یہی بات بنائی تھی۔

اثر رسول کے متعلق مفسرین کی توجیہ

جمہور مفسرین نے یہ کہا ہے کہ اس آیت میں رسول سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں اور اثر سے مراد حضرت جبریل کی سواری کے پاؤں کے نیچے کی مٹی ہے۔ پھر اس میں اختلاف ہے کہ سامری نے حضرت جبریل کو کب دیکھا تھا؟ اکثر نے یہ کہا ہے کہ جس دن سمندر کو چیرا گیا تھا اس دن سامری نے حضرت جبریل کو دیکھا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضرت جبریل علیہ السلام نازل ہوئے تا کہ حضرت موسیٰ کو طور پر لے جائیں تو سامری نے حضرت جبریل کو لوگوں کے درمیان دیکھ لیا تھا' اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت ہے کہ اس نے حضرت جبریل کو اس لیے پہچان لیا تھا کہ سامری نے حضرت جبریل کو بچپن میں دیکھا تھا کیونکہ جب فرعون نے بنی اسرائیل کی اولاد کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا اس سال سامری پیدا ہوا اس کی ماں سامری کو ایک غار میں ڈال آئی تھی وہاں حضرت جبریل آتے اور اپنا ہاتھ سامری کے منہ میں ڈالتے وہ اس کو چوستا تو اس کو غذا حاصل ہو جاتی۔ اس وقت سے سامری کے ذہن میں حضرت جبریل کی صورت نقش تھی اب اس نے ان کو دیکھا تو پہچان لیا۔ اس نے ان کی سواری کے پاؤں کے نیچے سے مٹی اٹھا لی اور اپنے پاس محفوظ رکھ لی اور اس نے جب بچھڑے کو بنایا تو اس کے اندر وہ مٹی ڈال دی جس کے اثر سے اس میں حیات آ گئی اور وہ بیل کی سی آواز نکالنے لگا۔

اثر رسول کے متعلق ابو مسلم کی توجیہ

امام رازی متوفی ۶۰۶ھ نے لکھا ہے کہ ابو مسلم اصفہانی نے یہ کہا ہے کہ قرآن مجید میں یہ تصریح نہیں ہے کہ طٰہٰ: ۹۶ میں رسول سے مراد جبریل ہیں یہ صرف مفسرین کا قول ہے' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس آیت میں رسول سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام ہوں اور ان کے اثر سے مراد ان کی سنت اور ان کا وہ طریقہ ہو جس کا انہوں نے حکم دیا تھا' اور مفہوم یہ ہو کہ جب حضرت موسیٰ نے سامری کو بچھڑے کی عبادت پر ملامت کی تو اس نے یوں کہا مجھے اس چیز کی بصیرت حاصل ہوئی جس کی اور لوگوں کو بصیرت حاصل نہیں ہوئی۔ یعنی میں نے جان لیا آپ لوگ حق پر نہیں ہیں اور اے رسول میں نے آپ کی سنت اور آپ کے دین کا کچھ حصہ حاصل کیا تھا پھر میں نے اس کو پھینک دیا اور ترک کر دیا' اور اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو خبر دی کہ اس کو دنیا اور آخرت کا عذاب ہو گا۔

ابو مسلم کی یہ تقریر ہر چند کہ عام مفسرین کی تفسیر کے خلاف ہے لیکن یہ تقریر حسب ذیل وجوہ سے راجح ہے اور تحقیق کے قریب ہے:

(۱) حضرت جبریل کے لیے رسول کا لفظ مشہور نہیں ہے اور نہ طٰہٰ: ۹۶ سے پہلی آیتوں میں حضرت جبریل کا ذکر ہے حتیٰ کہ یہ کہا جائے کہ الرسول میں لام عہد ہے اور اس سے مراد حضرت جبریل ہیں۔

(۲) مفسرین کی تفسیر میں قبضۃ من اثر الرسول میں دو لفظ محذوف ماننے ہوں گے اور عبارت یوں بنے گی قبضۃ من اثر حافر فرس الرسول 'میں نے رسول یعنی جبریل کی گھوڑی کے پیر کی خاک سے ایک مٹھی بھر لی اور حذف خلاف اصل ہے۔

(۳) اس کی وجہ بتانی پڑے گی کہ تمام لوگوں میں سے صرف سامری نے کیسے جبریل کو دیکھا اور پہچان لیا اور یہ کیسے جان لیا کہ ان کی گھوڑی کے پاؤں کی خاک میں یہ اثر ہے کہ اس سے بے جان چیز زندہ ہو جائے گی۔ اور مفسرین نے جو یہ بیان کیا ہے کہ حضرت جبریل نے سامری کی اس کے بچپن میں تربیت اور پرورش کی تھی اول تو یہ بہت بعید ہے' ثانیاً سامری نے جوان ہونے اور عقل و شعور کے کامل ہونے کے بعد جبریل کو دیکھ کر یہ کیسے پہچان لیا کہ یہ وہی شخص ہے جس نے میری پیدائش کے بعد میری پرورش کی تھی۔

(۴) اگر اس تفسیر کو مان لیا جائے تو پھر کوئی شخص یہ اعتراض کر سکتا ہے کہ سامری کافر تھا اور جب اس کو یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ ایک خاک کی چٹکی بے جان چیز کو زندہ کر سکتی ہے اور سامری کے ایک عمل سے بے جان مجسمہ بیل کی سی آواز نکال سکتا ہے تو ہو سکتا ہے کہ حضرت موسیٰ کو بھی اس طرح کی کسی چیز کا علم ہو گیا ہو جس کی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ معجزات دکھائے ہوں اور پھر معجزات کے ثبوت کا دروازہ بند ہو جائے گا۔

(تفسیر کبیر ج ۸ ص ۹۲' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

سامری کی دنیا میں سزا

طٰہٰ: ۹۷ میں ہے موسیٰ نے کہا اب تو یہاں سے چلا جا اب تو زندگی بھر یہی کہے گا "مجھے مت چھونا" اور تجھ سے آخرت میں سزا کا وعدہ ہے جس سے تو ہرگز نہیں بچ سکے گا۔ حضرت موسیٰ نے جو فرمایا تھا کہ اب تو زندگی بھر یہی کہے گا "مجھے مت چھونا" اس کی حسب ذیل تفسیریں ہیں:

(۱) جب کوئی شخص اس کو چھوتا تو اس کو اور چھونے والے کو' دونوں کو بخار چڑھ جاتا اس لیے جب کوئی شخص اس کو چھونے کا ارادہ کرتا تو وہ خوف سے چلاتا مجھے مت چھونا۔

(۲) حضرت موسیٰ نے اس کو محلہ سے نکال دیا تھا اور اس کو کسی آبادی میں رہنے سے منع کر دیا تھا اور تمام لوگوں کو اس سے ملنے جلنے سے منع کر دیا تھا وہ جنگلوں اور پہاڑوں میں پڑا رہتا تھا اور افسوس سے یہ کہتا رہتا تھا مجھ سے کوئی ملتا جلتا نہیں ہے اور یہی لامساس کا معنی ہے یعنی مجھے کوئی مس نہیں کرتا کوئی چھوتا نہیں ہے۔

(۳) لامساس کا معنی یہ ہے کہ اس کو عورتوں کے مس سے محروم کر دیا گیا تھا اور اس کی نسل منقطع کر دی گئی اور جسمانی فطرت کے تقاضوں کی لذت اس سے سلب کر لی گئی تھی۔

سامری کے بچھڑے کو جلا کر راکھ کرنا

جس بچھڑے کو اس نے معبود بنایا تھا حضرت موسیٰ نے اس کا انجام بیان کرتے ہوئے فرمایا: اور تو اپنے اس (خود ساختہ) معبود کو دیکھ جس کی عبادت پر تو جما بیٹھا تھا ہم اس کو ضرور جلا دیں گے پھر اس کی راکھ کو اڑا کر سمندر میں پھینک دیں گے (طٰہٰ: ۹۷)

سامری کے اس بچھڑے کے متعلق ہم نے دو قول ذکر کیے تھے ایک یہ کہ وہ سونے کا مجسمہ تھا اور جب اس میں حضرت جبریل کی سواری کے پاؤں کے نیچے کی خاک ڈالی تو وہ اس خاک کی برکت سے بیل کی سی آواز نکالنے لگا' اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ گوشت پوست اور خون کے ساتھ زندہ ہو گیا تھا' اس آیت میں ان مفسرین کی تائید ہے جو یہ کہتے ہیں کہ وہ سونے کا مجسمہ

اس خاک کی برکت سے گوشت پوست کے ساتھ زندہ ہو گیا تھا' کیونکہ اس آیت میں فرمایا ہے حضرت موسیٰ نے اس کو جلا کر راکھ کر دیا' اور سونا جل کر راکھ نہیں ہوتا' اس کا معنی یہ ہے کہ وہ مجسمہ گوشت' پوست اور خون کے ساتھ زندہ ہو گیا تھا' پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو ذبح کیا اور جلا کر رکھ کر دیا' اور جو مفسرین یہ کہتے ہیں کہ وہ سونے کا مجسمہ ہی تھا اور خاک ڈالنے کی برکت کی وجہ سے صرف بیل کی سی آواز نکالنے لگا تھا وہ اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ بے شک سونا جل کر راکھ نہیں ہوتا' لیکن یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا کہ وہ جل کر راکھ ہو گیا۔

سامری کو ملامت کرنے اور اس کو سزا دینے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دین حق کا بیان فرمایا: تمہارا معبود تو صرف اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' اس کے علم نے ہر چیز کا احاطہ کر لیا ہے (طٰہٰ: ۹۸) یعنی وہ جانتا ہے کہ کون اس کی عبادت کرے گا اور کون اس کی عبادت نہیں کرے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہم اسی طرح آپ پر گزشتہ خبروں کا بیان فرماتے ہیں اور بے شک ہم اپنے پاس سے آپ کو ذکر (قرآن) عطا فرما چکے ہیں ○ اور جس شخص نے اس سے منہ موڑا وہ یقیناً قیامت کے دن (بہت وزنی) بوجھ اٹھائے گا ○ وہ ہمیشہ اسی بوجھ میں رہے گا اور قیامت کے دن اس کے لیے وہ کیسا برا بوجھ ہوگا ○ جس دن میں صور میں پھونکا جائے گا اور ہم مجرموں کو اٹھائیں گے اس دن ان کی آنکھیں نیلگوں ہوں گی ○ وہ آپس میں چپکے چپکے کہیں گے تم صرف دس دن ٹھہرے تھے ○ ہم کو خوب معلوم ہے کہ وہ کیا کہیں گے' جب ان کے نزدیک سب سے اچھے طریقہ والا یہ کہے گا کہ تم تو صرف ایک دن ٹھہرے تھے ○ (طٰہٰ: ۱۰۴-۹۹)

قرآن مجید پر ذکر کا اطلاق

اللہ تعالیٰ نے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سامری کے ساتھ تفصیل سے قصہ بیان فرمایا' پھر اس کے بعد دوسری امتوں کی خبریں اور ان کے احوال بیان فرمائے۔ سو ارشاد فرمایا ہم اسی طرح آپ پر گزشتہ خبروں کا بیان فرماتے ہیں تاکہ آپ کا علم اور آپ کی شان زیادہ ہو اور آپ کے معجزات کی کثرت ہو' کیونکہ ہر آیت کئی وجوہ سے معجزہ ہوتی ہے اور آپ کی امت کے لیے عبرت پکڑنے اور نصیحت حاصل کرنے کے زیادہ مواقع ہوں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو ذکر فرمایا ہے اسی طرح اور بھی کئی آیات میں قرآن مجید کو ذکر فرمایا ہے: وھذا ذکر مبارک انزلنہ (الانبیاء: ۵۰) یہ ذکر مبارک ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے۔ وانہ لذکر لک (الزخرف: ۴۴) اور یہ قرآن آپ کے لیے ذکر ہے۔ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحفظون (الحجر: ۹) بے شک ہم نے الذکر کو نازل کیا ہے اور بے شک ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔ وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس مانزل الیھم (النحل: ۴۴) اور ہم نے آپ کی طرف الذکر کو نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کو بیان کریں کہ ان کی طرف کیا نازل کیا گیا ہے۔

قرآن مجید پر ذکر کے اطلاق کی وجوہ

قرآن مجید کو الذکر فرمانے کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) لوگوں کو دین اور دنیا کے تمام شعبوں اور تمام چیزوں میں جس ہدایت اور رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے اس سب کا تفصیل سے قرآن مجید میں ذکر ہے۔

(۲) اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی قوم کے شرف اور فضیلت کا ذکر ہے انہ لذکر لک و لقومک۔ (الزخرف: ۴۴)

(۳) اس میں اللہ تعالیٰ کی ظاہری اور باطنی نعمتوں کا ذکر ہے اور اس میں تذکیر اور مواعظ ہیں۔
(۴) اس میں اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کا ذکر ہے پچھلی اقوام کا' ان کے ایمان لانے والوں کا' ان کے کافروں کا اور ان پر نازل ہونے والے عذاب کا ذکر ہے جس سے عبرت اور نصیحت حاصل ہوتی ہے۔

روز حشر کی سختیاں اور اس دن کفار کے احوال اور اھوال

طٰہٰ: ۱۰۰ میں فرمایا: جس شخص نے اس سے منہ موڑا وہ یقیناً قیامت کے دن (بہت وزنی) بوجھ اٹھائے گا۔

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ جس طرح قرآن مجید ان لوگوں کے لیے نعمت ہے جو اس پر ایمان لاتے ہیں اور اس کے احکام پر عمل کرتے ہیں' اسی طرح یہ ان لوگوں کے لیے زحمت اور ہلاکت کا باعث ہے جو اس پر ایمان نہیں لاتے اور اس سے منہ موڑتے ہیں اور اعراض کرتے ہیں۔ جو لوگ قرآن مجید سے اعراض کرتے ہیں' ان کے گناہوں کا بوجھ قیامت کے دن ان کی کمر پر لاد دیا جائے گا' جیسے کسی شخص کی پشت پر وزنی بوجھ ہو جس سے اس کی کمر ٹوٹ رہی ہو۔

طٰہٰ: ۱۰۱ میں فرمایا: وہ ہمیشہ اسی بوجھ میں رہیں گے اور قیامت کے دن ان کے لیے وہ کیسا برا بوجھ ہوگا۔ یعنی قرآن مجید سے اعراض کرنے کی سزا میں وہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔

طٰہٰ: ۱۰۲ میں فرمایا: جس دن میں صور پھونکا جائے گا اور مجرموں کو اکٹھا کیا جائے گا اس دن ان کی آنکھیں نیلگوں ہوں گیں۔ صور سے مراد وہ نرسنگا ہے جس میں حضرت اسرافیل اللہ تعالیٰ کے حکم سے پھونک ماریں گے تو قیامت واقع ہوگی (مسند احمد ج ۲ ص ۱۹۱) ایک اور حدیث میں ارشاد ہے اسرافیل قرن کو منہ لگائے کھڑا ہے۔ پیشانی جھکائی یا موڑی ہوئی ہے اور رب کے حکم کا منتظر ہے کہ کب اسے حکم دیا جائے اور وہ اس میں پھونک مارے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۳۳) دو مرتبہ صور پھونکا جائے گا۔ پہلی بار صور پھونکنے سے قیامت آ جائے گی اور ساری مخلوق فنا ہو جائے گی اور دوسری بار صور پھونکنے سے تمام مردے زندہ ہو جائیں گے اور سب لوگوں کو میدان حشر کی طرف لے جایا جائے گا' اور اس آیت میں یہی صور مراد ہے کیونکہ اس کے بعد فرمایا ہے اور مجرموں کو اکٹھا کیا جائے گا اس دن ان کی آنکھیں نیلگوں ہوں گی۔

مجرموں کے چہرے سیاہ ہوں گے اور ان کی آنکھیں پتھرا کر نیلگوں ہو جائیں گی' ازہری نے کہا پیاس کی شدت سے ان کی آنکھیں نیلگوں ہو جائیں گی۔ زجاج نے کہا پیاس کی شدت سے ان کی آنکھوں کی پتلیوں کی سیاہی متغیر ہو کر نیلگوں ہو جائے گی۔

اس آیت میں فرمایا ہے کہ ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی۔ ایک اور جگہ فرمایا ہے وہ اندھے ہو کر اٹھیں گے:

وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا (بنی اسرائیل: ۹۷)

ہم ان لوگوں کو قیامت کے دن اوندھے منہ اٹھائیں گے اس حال میں کہ وہ اندھے' گونگے اور بہرے ہوں گے۔

ایک اور آیت میں فرمایا ہے:

اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ ○ (ابراہیم: ۴۲)

اللہ انہیں صرف اس دن کے لیے ڈھیل دے رہا ہے جس میں ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی۔

بہ ظاہر ان آیتوں میں تعارض ہے۔ کسی آیت میں فرمایا ہے ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی' کسی آیت میں فرمایا ہے وہ اندھے ہوں گے اور کسی آیت میں فرمایا ہے ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی' یہ دراصل قیامت کے مختلف احوال ہوں گے۔

طٰہٰ: ۱۰۳ میں فرمایا: وہ آپس میں چپکے چپکے کہیں گے تم صرف دس دن ٹھہرے تھے۔ وہ چپکے چپکے اس لیے باتیں کریں گے کہ رعب اور دہشت سے ان کے دل بہت خوف زدہ ہوں گے یا اس لیے کہ وہ خوف اور دہشت سے بہت کم زور ہو چکے ہوں گے اور ان میں بلند آواز سے بولنے کی طاقت نہیں رہے گی۔

انہوں نے جو کہا تھا کہ تم صرف دس دن ٹھہرے تھے آیا اس سے مراد یہ تھی کہ تم دنیا میں صرف دس دن ٹھہرے تھے۔ یا ان کی مراد یہ تھی کہ تم قبر میں صرف دس دن ٹھہرے تھے۔ حسن' قتادہ اور ضحاک نے یہ کہا ان کی مراد یہ ہوگی کہ تم دنیا میں صرف دس دن ٹھہرے تھے۔ انہوں نے اس مراد پر اس آیت سے استدلال کیا ہے:

قَالَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْأَرْضِ عَدَدَ سِنِينَ ○ قَالُوا لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَاسْأَلِ الْعَادِّينَ ○ (المومنون: ۱۱۳-۱۱۲)

اللہ دریافت فرمائے گا تم زمین میں کتنے برس شمار کر کے رہے تھے ○ وہ کہیں گے ہم ایک دن یا ایک دن سے کم رہے تھے آپ شمار کرنے والوں سے پوچھ لیجیے۔

قیامت کے ہولناک واقعات اور اس دن کی سختیوں سے ان کے حافظہ پر اثر پڑے گا اور ان کو یاد نہیں رہے گا کہ وہ کتنا عرصہ دنیا میں رہے تھے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جب انسان تکلیف اور پریشانی میں وقت گزارتا ہے تو خوشی کے گزارے ہوئے دن اس کو بہت کم معلوم ہوتے ہیں۔ ایک اور وجہ یہ ہے کہ ان کو علم ہوگا کہ انہوں نے دنیا میں کتنا وقت گزارا ہے۔ لیکن جب وہ دنیا میں اپنی گزاری ہوئی عمروں کا آخرت کے تکلیف دہ اور عذاب والے ایام سے مقابلہ کریں گے تو ان کو دنیا کی زندگی بہت کم معلوم ہوگی اس لیے وہ کہیں گے دنیا میں تو ہم نے صرف دس دن گزارے تھے۔ اور جو ان میں زیادہ عقل مند ہوگا وہ کہے گا ہم نے تو دنیا میں صرف ایک ہی دن گزارا تھا' تیسری وجہ یہ ہے کہ جب وہ آخرت کی سختیوں کو دیکھیں گے تو وہ دنیا میں راحت اور خوشی میں گزارے ہوئے ایام یاد کریں گے اور ان گزرے ہوئے دنوں پر افسوس کریں گے اور ان دنوں کو کم شمار کریں گے کیونکہ خوشی کے ایام جلد گزر جاتے ہیں اور کم ہوتے ہیں۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد قبر میں ٹھہرنے کی مدت ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو قبر میں زندہ کیا اور عذاب دیا پھر ان کو روز قیامت میں فنا کر دیا پھر ان کو روز حشر میں پھر زندہ کر کے اٹھایا تو پھر ان کو یاد نہیں رہے گا کہ وہ قبر میں کتنی مدت رہے تھے۔ پھر بعض کافروں کے دل میں آئے گا کہ وہ دس دن رہے تھے اور بعض کے دل میں آئے گا کہ وہ صرف ایک دن رہے تھے۔

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّي نَسْفًا ﴿١٠٥﴾ فَيَذَرُهَا

اور لوگ آپ سے پہاڑوں کے متعلق سوال کرتے ہیں آپ کہیے میرا رب انہیں ریزہ ریزہ کر کے اڑا دے گا ○ اور زمین کو کھلے

قَاعًا صَفْصَفًا ﴿١٠٦﴾ لَا تَرَىٰ فِيهَا عِوَجًا وَلَا أَمْتًا ﴿١٠٧﴾ يَوْمَئِذٍ يَتَّبِعُونَ

ہوئے ہموار میدان کی حالت میں چھوڑ دے گا ○ آپ اس زمین میں نہ کوئی کجی دیکھیں گے نہ اونچ نیچ ○ اس دن سب لوگ پکارنے والے کے

الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهُ ۖ وَخَشَعَتِ الْأَصْوَاتُ لِلرَّحْمَٰنِ فَلَا تَسْمَعُ إِلَّا هَمْسًا ﴿١٠٨﴾

پیچھے جائیں گے' اس میں کوئی کجی نہیں ہوگی اور رحمٰن کے خوف سے سب کی آوازیں پست ہوں گی' سو (اے مخاطب!) تو معمولی سی آہٹ کے سوا کچھ

يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ

نہ سکے گا ۞ اس دن اس کے سوا کسی کی شفاعت نفع نہیں پہنچائے گی جس کے لیے رحمٰن نے اجازت دی ہو اور جس کے قول سے وہ

قَوْلًا ﴿١٠٩﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ﴿١١٠﴾

راضی ہو ۞ اس کو وہ سب معلوم ہے جو لوگوں کے آگے ہے اور لوگوں کے پیچھے ہے اور لوگ اس کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتے ۞

وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ ۭ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ﴿١١١﴾

اس ہمیشہ سے زندہ اور ہمیشہ قائم رہنے والے کے سامنے سب ذلت سے اطاعت کر رہے ہیں اور بے شک وہ شخص ناکام اور نامراد ہوگا جو ظلم کا بوجھ لاد کر

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا

لائے گا ۞ اور جو شخص ایمان کی حالت میں نیک اعمال کرے گا اسے نہ کسی ظلم کا خوف ہوگا اور نہ کسی

هَضْمًا ﴿١١٢﴾ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ

نقصان کا ۞ اور اسی طرح ہم نے اس کو عربی قرآن نازل کیا ہے اور اس میں کئی قسم کی سزاؤں کی خبر سنائی

الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ﴿١١٣﴾ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ

ہے تاکہ لوگ ڈریں یا وہ (سزا کی خبر) ان کے دلوں میں نصیحت پیدا کردے ۞ پس بلند شان والا ہے اللہ جو سچا

الْحَقُّ ۚ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۡ

بادشاہ ہے اور اس سے پہلے کہ آپ کی طرف پوری وحی کی جائے آپ قرآن پڑھنے میں جلدی نہ کیجیے

وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ﴿١١٤﴾ وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ

اور آپ دعا کیجیے کہ اے میرے رب! میرے علم کو زیادہ کردے ۞ اور بے شک ہم نے اس سے پہلے آدم سے عہد لیا تھا،

فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴿١١٥﴾ ع

پس وہ بھول گئے اور ہم نے ان کا (نافرمانی کرنے کا) قصد نہیں پایا ۞

١٥ ع ١١ ٦

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور لوگ آپ سے پہاڑوں کے متعلق سوال کرتے ہیں' آپ کہیے میرا رب انہیں ریزہ ریزہ کرکے اڑا دے گا ۞ اور زمین کو کھلے ہوئے ہموار میدان کی حالت میں چھوڑ دے گا ۞ آپ اس زمین میں نہ کوئی کجی دیکھیں گے نہ اونچ نیچ ۞ اس دن سب لوگ پکارنے والے کے پیچھے جائیں گے' اس میں کوئی کجی نہیں ہوگی اور رحمٰن کے خوف سے سب کی آوازیں

ت ہوں گی سو (اے مخاطب!) تو معمولی سی آہٹ کے سوا کچھ نہ سن سکے گاo (طٰہٰ: ۱۰۸-۱۰۵)

قیامت کے وقوع پر کفار کا شبہ

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ جو لوگ الذکر یعنی قرآن مجید سے اعراض کرتے ہیں قیامت کے دن ان کا کیا حال ہوگا' اور قیامت کی ہولناکیوں کی وجہ سے ان کا ذہن متاثر ہو جائے گا اور قیامت کی سختیوں کے مقابلہ میں وہ دنیا میں اپنے قیام کی مدت کو کم سمجھیں گے۔ اور ان آیتوں میں بھی اللہ تعالیٰ نے قیامت اور آخرت کے منکروں کے احوال بیان فرمائے ہیں۔ وہ لوگ کہتے تھے کہ اتنے بڑے بڑے' بلند و بالا اور ہیبت ناک پہاڑ زمین پر قائم ہیں' ان کے ہوتے ہوئے زمین کیسے تباہ ہوگی؟ نیز وہ کہتے تھے کہ اگر واقعی دنیا فنا ہوگی تو چاہیے کہ دنیا بہ تدریج کم ہوتی چلی جائے پھر آخر میں فنا ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ ان سے کہیے جن پہاڑوں کو تم وقوع قیامت سے مانع اور اس کی رکاوٹ سمجھتے ہوئے ان کو میرا رب ریزہ ریزہ کر کے اڑا دے گا اور زمین کو کھلے ہوئے ہموار میدان کی حالت میں چھوڑ دے گا۔

نسف کا معنی

اس آیت میں ہے "ینسفھا ربی نسفا" نسف کا معنی ہے بکھیر کر اڑا دینا' نسفۃ کا معنی ہے جلا ہوا سیاہ پتھر۔ نسیف کا معنی ہے پیشانی اور ہتھیلی کی شکن' نسوف کا معنی ہے گھاس کو جڑ سے اکھاڑ دینے والا اونٹ۔ فرس نسوف کا معنی ہے سم سے زمین کو اکھاڑ کر غبار اڑانے والا گھوڑا۔ عقبۃ نسوف: دشوار گزار گھاٹی' نسف اور نسوف نَصَرَ کے باب سے ہو تو اس کا معنی ہے کاٹنا اور ضَرَبَ کے باب سے ہو تو اس کا معنی ہے بنیاد اکھاڑنا۔ پہاڑ کھودنا' پہاڑ کھود کر برابر کرنا' ریزہ ریزہ کر کے اڑا دینا۔ خاک اڑانا۔

(المفردات ج ۲ ص ۶۳۴' مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ' القاموس المحیط ج ۳ ص ۲۸۸۔ ۲۸۷۔ بیروت' ۱۴۱۲ھ)

طٰہٰ: ۱۰۶ میں ہے قاعا صفصفا. قاعا کا معنی ہے نرم ہموار نشیبی میدان' جو پہاڑوں اور ٹیلوں سے دور واقع ہو' اس کی جمع قیعان ہے قیامت کے دن پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر زمین پر پھیل جائیں گے اور سب چٹیل میدان کی طرح ہو جائیں گے۔ (القاموس المحیط ج ۳ ص ۱۰۹' المفردات ج ۲ ص ۵۳۶) صفصفا: چٹیل میدان ایسی ہموار زمین گویا اس کے تمام اجزاء ایک ہی صف میں ہیں۔

(المفردات ج ۲ ص ۳۷۰۔ مطبوعہ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

زمینوں اور لوگوں کی قسمیں

حسب ذیل حدیث میں قیعان کا لفظ ہے:

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے مجھے جو ہدایت اور علم دے کر بھیجا ہے اس کی مثال اس موسلا دھار بارش کی طرح ہے جو (مختلف قسم کی) زمینوں پر برسے' ان میں سے بعض زمینیں صاف اور زرخیز ہوتی ہیں جو پانی کو جذب کر لیتی ہیں اور بہت زیادہ سبزہ اور گھاس کو اگاتی ہیں' اور ان میں سے بعض زمینیں بنجر ہوتی ہیں وہ پانی روک لیتی ہیں' اللہ ان زمینوں سے لوگوں کو نفع دیتا ہے' وہ خود بھی پانی لیتے ہیں اپنے مویشیوں کو بھی پانی پلاتے ہیں اور کھیتی باڑی کرتے ہیں' اور زمین کی ایک قسم پر بارش ہوتی ہے اور وہ زمین محض قیعان (چٹیل میدان) ہے' پانی کو روکتی ہے نہ سبزہ اگاتی ہے۔ اور (پہلی دو زمینیں) اس شخص کی مثال ہیں جو دین میں فہم حاصل کرے اور اللہ تعالیٰ نے مجھے جو ہدایت دے کر بھیجا ہے وہ اس سے نفع پہنچائے سو وہ علم دین حاصل کرے اور لوگوں کو تعلیم دے اور (تیسری زمین) اس شخص کی مثال ہے جو اس کے ساتھ بالکل سر نہ اٹھائے اور اللہ کی اس ہدایت کو بالکل قبول نہ کرے جسے دے کر مجھے بھیجا گیا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۸۲' السنن الکبریٰ رقم الحدیث: ۵۸۴۳)

زمینوں اور لوگوں کی قسموں کی وضاحت

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی ہدایت کی بارش کے ساتھ مثال دی ہے۔اس کا معنی ہے کہ زمین کی قسمیں ہیں اور اسی طرح لوگوں کی بھی تین قسمیں ہیں۔زمین کی پہلی قسم وہ ہے جو بارش سے سیراب ہوتی ہے اور مردہ ہو کے بعد بارش سے زندہ ہوجاتی ہے اور سبزہ اور گھاس اگاتی ہے' جس سے انسان اور مویشی اور کھیتیاں نفع حاصل کرتی ہیں طرح لوگوں کی پہلی قسم وہ ہے جن کے پاس ہدایت اور علم پہنچتا ہے تو وہ اس کی حفاظت کرتے ہیں اس سے ان کا قلب زندہ ہے وہ خود بھی اس علم کے مطابق عمل کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی تعلیم دیتے ہیں وہ خود بھی نفع حاصل کرتے ہیں اور دوسروں بھی نفع پہنچاتے ہیں۔

زمین کی دوسری قسم وہ ہے جو خود تو بارش سے کوئی نفع حاصل نہیں کرتی لیکن اس میں دوسروں کے لیے فائدہ ہے' وہ پانی دوسروں کے لیے روک لیتی ہے پھر اس پانی سے انسان اور مویشی نفع اٹھاتے ہیں' اسی طرح انسانوں کی دوسری قسم وہ ہے جن کی قوت حافظہ تیز ہوتی ہے لیکن ان میں مسائل کے استنباط کا ملکہ اور اجتہاد کی صلاحیت نہیں ہوتی اور ان کی عقل اس قدر را نہیں ہوتی کہ وہ معانی اور احکام کو حاصل کرسکیں' لیکن وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو محفوظ رکھتے ہیں حتیٰ کہ ان کے پاس جو علم کا پیاسا اور متلاشی آتا ہے اس تک وہ اس علم اور ان احادیث کو پہنچا دیتے ہیں' وہ اس علم سے فائدہ اٹھاتا ہے پس یہ لوگوں کی وہ قسم ہے جو اس علم سے نفع پہنچاتے ہیں جو ان تک پہنچایا گیا ہے۔

زمین کی تیسری قسم وہ ہے جو شور والی (نمکین اور کھاری) اور دلدلی زمین ہوتی ہے جو نہ کوئی چیز اگا سکتی ہے اور نہ اپنے اندر پانی کو جمع کرسکتی ہے تاکہ دوسرے اس پانی سے فائدہ حاصل کرلیں اس طرح لوگوں کی تیسری قسم وہ ہے جن کی قوت حافظہ ہوتی ہے نہ ان میں مسائل نکالنے اور احکام مستنبط کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے' جب وہ کسی حدیث کو یا کسی علم کی بات کو سنتے ہیں تو وہ خود اس پر عمل کرتے ہیں اور نہ اس کو یاد رکھتے ہیں تاکہ وہ دوسروں تک اس علم کی بات کو پہنچا سکیں۔

اس حدیث میں علم حاصل کرنے اور علم پڑھانے کی فضیلت ہے اور علم سے اعراض کرنے کی مذمت ہے۔

طٰہٰ: ١٠٦ میں اللہ تعالیٰ نے زمین کی کئی صفات بیان کی ہیں' ایک صفت قاعاً بیان کی ہے اس کا معنی ہے نشیب والی جگہ' اور ایک قول ہے جس جگہ پانی جمع ہو' اور دوسری صفت الصفصف بیان کی ہے' اس کا معنی ہے جس زمین میں روئیدگی نہ ہو' اور ابومسلم نے کہا قاعاً اور صفصفاً دونوں کا معنی ہے ہموار زمین۔

اَلْعِوَج اور اَمت کے معنی

طٰہٰ: ١٠٧ میں ہے آپ اس زمین میں نہ کوئی کجی دیکھیں گے اور نہ کوئی اونچ نیچ' اس آیت میں عِوَج اور اَمْت کے الفاظ ہیں العوج (عین پر زبر) کا معنی ہے کسی نصب شدہ چیز کو موڑنا' عرب کہتے ہیں عجت البعیر بزمامه میں نے مہار کے ساتھ اونٹ کو موڑ دیا' جس کا ٹیڑھا پن آنکھ سے دیکھا جائے اس کو (زبر کے ساتھ) عوج کہتے ہیں۔جیسے زمین میں کوئی ٹیڑھی لکڑی گاڑی ہوئی ہو اور جس چیز کی کجی اور ٹیڑھے پن کو فکر اور بصیرت سے معلوم کیا جائے اس کو عوج (عین کی زیر) کہتے ہیں جیسے کسی کے دین اور اس کے ذریعہ معاش میں کجی ہو۔قرآن مجید میں ہے:

قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِىْ عِوَجٍ (الزمر: ٢٨) قرآن عربی زبان میں بغیر کجی کے۔

اَلَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا (الاعراف: ٤٥) جو اللہ کے راستہ سے اعراض کرتے ہیں اور اس میں کجی تلاش کرتے ہیں۔

اور جو شخص بداخلاق ہو اس کو اعوج کہتے ہیں۔ (المفردات ج ۲ ص ۴۵۶ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ ' مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

اَمتًا کا معنی ہے ٹیلہ' بلندی' نشیب و فراز' کسی چیز کا مختلف ہونا۔ (القاموس ج ۱ ص ۳۶۳' بیروت' ۱۴۱۲ھ)

اس آیت میں فرمایا ہے آپ زمین میں نہ کوئی کجی دیکھیں گے نہ کوئی اونچ نیچ' اور کجی کے لیے عِوج (عین کی زیر) کا لفظ ذکر فرمایا ہے۔ حالانکہ عِوَج اس کجی کو کہتے ہیں جس کا فکر اور بصیرت سے ادراک ہو نہ کہ آنکھ سے' اور زمین میں جو کجی اور ٹیڑھ پن ہوتا ہے' اس کا آنکھ سے ادراک کیا جا سکتا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں زمین کے ہموار ہونے کو بہت مبالغہ کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ یعنی وہ زمین اس قدر ہموار ہو گی کہ اس میں کوئی باریک سی کجی بھی نہیں ہو گی جس کو بہت غور و فکر کے ساتھ جانا جا سکے۔

قیامت کے دن پکارنے والے کی تفسیر

طٰهٰ: ۱۰۸ میں فرمایا ہے: اس دن سب پکارنے والے کے پیچھے جائیں گے اس میں کوئی کجی نہیں ہو گی' اور رحمٰن کے خوف سے سب کی آوازیں پست ہوں گی۔ سو (اے مخاطب!) تو معمولی سی آہٹ کے سوا کچھ نہیں سن سکے گا۔

اس پکارنے والے کی تفسیر میں دو قول ہیں (۱) اس داعی سے مراد صور میں پھونکنا ہے اور اس میں کجی نہ ہونے سے یہ مراد ہے کہ وہ پکارنے والا کسی کو نہیں چھوڑے گا بلکہ سب کو محشر میں حاضر کرے گا۔ (۲) وہ ایک فرشتہ ہے جو بیت المقدس کی ایک چٹان پر کھڑے ہو کر یہ ندا کرے گا: اے بوسیدہ ہڈیو! اور اے متفرق اعضاء اور اے پارہ پارہ گوشت! اپنے رب کے سامنے حساب اور جزاء کے لیے کھڑے ہو جاؤ! لوگ اس بلانے والے کی آواز سن کر اس کے پیچھے چل پڑیں گے' کہا جاتا ہے کہ یہ حضرت اسرافیل علیہ السلام ہوں گے جو اپنا قدم چٹان پر رکھیں گے' اور حضرت اسرافیل کی یہ پکار مردوں کو زندہ کرنے کے بعد ہو گی۔

اس کے بعد فرمایا: اور رحمٰن کے خوف سے سب کی آوازیں پست ہوں گی' سو (اے مخاطب!) تو معمولی سی آہٹ کے سوا کچھ نہیں سن سکے گا۔

اس کی ایک تفسیر یہ ہے کہ خوف اور گھبراہٹ کی وجہ سے سب کی آوازیں پست ہوں گی' پس تم آہٹ کے سوا اور کچھ نہیں سن سکو گے اور اس سے مراد ذکر خفی ہے' تمام انسانوں اور جنوں کو یہ معلوم ہو چکا ہو گا کہ اللہ کے سوا ان کا کوئی مالک نہیں ہے اس لیے کھسر پھسر سے زیادہ ان کی کوئی آواز نہیں سنائی دے گی' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ صرف ایسا کلام ہو جس کا صرف ہونٹوں کے ہلنے سے اندازہ ہو' اور جس شخص کا اللہ تعالیٰ حساب لینے والا ہو اس کو خوف میں ڈوبا ہوا ہونا چاہیے اور اس کی آواز بہت پست ہونی چاہیے اور اس کا غم بہت زیادہ ہونا چاہیے' اس کی دوسری تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' حسن' عکرمہ اور ابن زید سے منقول ہے انہوں نے کہا "همس" معنی ہے قدموں کی آہٹ' اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ میدان حشر میں سوا قدموں کی آہٹ کے اور کوئی آواز سنائی نہیں دے گی۔

همس کا معنی ہے پست آواز' اور قدموں کی آہٹ قدموں کے چلنے کی آواز سے بہت پست ہوتی ہے۔

(مختار الصحاح ص ۴۰۲' دار احیاء التراث العربی بیروت: ۱۴۱۲ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اس دن اس کے سوا کسی کی شفاعت نفع نہیں پہنچائے گی جس کے لیے رحمٰن نے اجازت دی ہو اور جس کے قول سے وہ راضی ہو ○ اس کو وہ سب معلوم ہے جو لوگوں کے آگے ہے اور لوگوں کے پیچھے ہے اور لوگ اس کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتے ○ اس ہمیشہ سے زندہ اور ہمیشہ قائم رہنے والے کے سامنے سب ذلت سے اطاعت کر رہے ہیں اور بے شک

وہ شخص ناکام اور نامراد ہوگا جو ظلم کا بوجھ لاد کر لائے گا ○ اور جو شخص ایمان کی حالت میں نیک اعمال کرے گا اسے نہ کسی ظلم کا خوف ہوگا اور نہ کسی نقصان کا ○ (طٰہٰ: ١١٢: ١٠٩)

شفاعت کی تحقیق

علامہ زمخشری متوفی ٥٣٨ ھ نے کہا ہے کہ اس آیت میں الشفاعۃ پر رفع علی البدلیت ہے اور مضاف مقدر ہے اور اس آیت کا معنی اس طرح ہے کہ کوئی شفاعت فائدہ نہیں پہنچائے گی مگر اس کی شفاعت جس کو رحمٰن نے اذن دیا ہو اور اس کے قول سے راضی ہو خلاصہ یہ ہے کہ اس شخص کی شفاعت نفع دے گی جس کو رحمٰن نے شفاعت کی اجازت دی ہو اور وہ اس کے قول سے راضی بھی ہو۔ (الکشاف ج ٣ ص ٨٩ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ١٤١٧ ھ)

معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی شخص کو شفاعت فائدہ نہیں پہنچائے گی مگر اس شخص کو جس کے لیے اللہ تعالیٰ شفاعت کا اذن دے گا اور جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہوگا' اور فاسق اور گناہ کبیرہ کے مرتکب سے اللہ راضی نہیں ہے اور اللہ اس کے لیے شفاعت کا اذن نہیں دے گا لہٰذا اس کو شفاعت فائدہ نہیں پہنچائے گی۔

امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں کہ فاسق اور مرتکب کبیرہ کی شفاعت کے ثبوت میں یہ آیت بہت قوی ہے کیونکہ یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ شفاعت اسی کو فائدہ دے گی جس کے کسی قول سے اللہ راضی ہو اور جس کے ایک قول سے بھی اللہ راضی ہو اس کو شفاعت فائدہ دے گی اور فاسق کے کم از کم اس قول سے اللہ راضی ہے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلَا يَشْفَعُونَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى. (الانبیاء: ٢٨) وہ اسی کی شفاعت کرتے ہیں جس سے اللہ راضی ہو۔

اور جس سے اللہ راضی ہوگا اس کے لیے شفاعت کرنے کا اذن بھی دے گا۔ سو اس آیت سے واضح ہو گیا کہ فاسق اور گناہ کبیرہ کے مرتکب کے لیے اللہ تعالیٰ شفاعت کا اذن بھی دے گا اور وہ اس کے لیے شفاعت کرنے پر راضی بھی ہے۔

(تفسیر کبیر ج ٨ ص ١٠٢۔١٠١ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ١٤١٥ ھ)

ہم نے البقرہ: ٤٨ (تبیان القرآن ج ١ ص ٤١٥-٤١٠) کی تفسیر میں شفاعت میں مذاہب' شفاعت کے ثبوت میں قرآن مجید کی پچاس سے زیادہ آیات اور پندرہ حدیثیں ذکر کیں ہیں۔ اس جگہ ہم تفصیل سے شفاعت پر بحث کرنا چاہتے ہیں' ہم شفاعت کا لغوی اور اصطلاحی معنی بیان کریں گے۔ شفاعت میں مذاہب کا ذکر کریں گے۔ شفاعت کے ثبوت میں قرآن مجید کی آیات پیش کریں گے اور شفاعت کے ثبوت میں تفصیل سے احادیث کا ذکر کریں گے' فنقول و باللہ التوفیق و بہ الاستعانۃ یلیق۔

شفاعت کا لغوی معنی

امام خلیل بن احمد الفراہیدی المتوفی ١٧٥ ھ لکھتے ہیں:

شفاعت کا لفظ شفع سے بنا ہے' شفع کا معنی ہے جفت' کہا جاتا ہے کہ فلاں چیز طاق تھی میں نے اس کے ساتھ دوسری چیز ملا کر اس کو جفت کر دیا۔ قرآن مجید میں ہے والشفع والوتر (الفجر: ٣) اور قسم ہے جفت اور طاق کی۔ الشفع یوم اضحیٰ کو کہتے ہیں الوتر یوم عرفہ کو کہتے ہیں۔ میں نے فلاں کی شفاعت طلب کی۔ اس نے میری اس کی طرف شفاعت کی۔ اس کا اسم شفاعت ہے اور شفاعت کرنے والے کو شافع اور شفیع کہتے ہیں۔ (کتاب العین ج ٢ ص ٩٢٨۔٩٢٧ مطبوعہ تیز ہوش قم' ایران' ١٤١٤ ھ)

امام ابوالحسن علی بن اسماعیل بن سیدہ المتوفی ٤٥٨ ھ لکھتے ہیں:

کسی فرد عدد کو زوج بنانا شفع ہے، شفع کا معنی ہے طلب کیا یا حاجت پوری کی۔

(المحکم والمحیط الاعظم ج ۱ ص ۲۷۹، مطبوعہ دارالکتب العربیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ جمال الدین محمد بن مکرم افریقی مصری متوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں:

کسی دوسرے کی حاجت پوری کرنے کے لیے بادشاہ سے کلام کرنا شفاعت ہے، شفع الیہ کا معنی ہے اس سے طلب کیا، شافع اس شخص کو کہتے ہیں جو دوسرے کے لیے کسی چیز کو طلب کرے۔ استشفعتہ الی فلان کا معنی ہے میں نے اس سے یہ سوال کیا کہ وہ فلاں شخص سے میری شفاعت کرے، اور حدود کی حدیث میں ہے جب حد سلطان کے پاس پہنچ جائے تو شفاعت کرنے والے اور جس کی شفاعت کی گئی ہو ان پر اللہ کی لعنت ہو۔ (لسان العرب ج ۸ ص ۱۸۴، مطبوعہ نشر ادب الحوزۃ ایران، ۱۴۰۵ھ)

میں کہتا ہوں اصل میں حدیث اس طرح ہے:

عروہ بن الزبیر اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت زبیر سے ایک چور ملا، ان سے کہا گیا کہ جب ہم اس کو امام کے پاس پہنچا دیں تو پھر آپ اس کی شفاعت کریں، انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب (مجرم) امام کے پاس پہنچ جائے پھر شفاعت کرنے والے پر اور جس کی شفاعت کی گئی ہے۔ اس پر اللہ کی لعنت ہو۔

(المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۱۵۸، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۲۳۰۵، مطبوعہ ریاض، مجمع الزوائد ج ۶ ص ۲۵۹)

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

شفع کا معنی ہے ایک چیز کو اس کی مثل کی طرف ملانا، کہا جاتا ہے کہ تمام مخلوقات شفع ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز سے زوج (جوڑے) پیدا کیے ہیں: ومن کل شیء خلقنا زوجین (الذاریات: ۴۹) اور اللہ تعالیٰ وتر ہے کیونکہ وہ ہر جہت سے واحد ہے، اور تمام اولاد آدم شفع ہیں اور حضرت آدم وتر ہیں، اور شفاعت کا معنی ہے ایک شخص کا دوسرے کے ساتھ ملنا، بایں طور کہ وہ اس کا ناصر ہو اور اس کے متعلق سائل ہو، اس کا اکثر استعمال اس صورت میں ہوتا ہے کہ کم رتبہ اور کم حیثیت والا شخص زیادہ مرتبہ اور زیادہ حیثیت والے شخص سے سوال کرے اور مدد کرنے کے لیے کہے۔ قیامت میں جو شفاعت ہوگی وہ بھی اسی معنی میں ہے، قرآن مجید میں شفاعت کے متعلق حسب ذیل آیات ہیں:

لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا (مریم: ۸۷) — ان کے سوا کسی کو شفاعت کرنے کا اختیار نہیں ہوگا مگر جنہوں نے اللہ سے کوئی عہد لے رکھا ہے۔

يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا (طٰہٰ: ۱۰۹) — اس دن اس کے سوا کسی کی شفاعت نفع نہیں پہنچائے گی جس کو رحمٰن نے اجازت دی ہو اور اس کی بات سے وہ راضی ہو۔

وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى۔ (الانبیاء: ۲۸) — اور وہ صرف اسی کی شفاعت کریں گے جس سے وہ راضی ہے۔

فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ (المدثر: ۴۸) — سو ان (مجرموں) کو شفاعت کرنے والوں کی شفاعت نفع نہ پہنچائے گی۔

وَلَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ (الزخرف: ۸۶) — اور جن کی یہ لوگ اللہ کے سوا عبادت کرتے ہیں وہ شفاعت کرنے کا اختیار نہیں رکھتے۔

مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ (یونس:٣) اس کی اجازت کے بغیر کوئی اس کے پاس شفاعت کرنے والا نہیں۔

یعنی اللہ واحد تمام امور کی تدبیر فرماتا ہے اور کسی چیز کے فیصلہ میں اس کا کوئی ثانی نہیں ہے' ہاں اگر وہ تدبیر اور تقسیم کرنے والے فرشتوں کو اجازت دے تو وہ اس کی اجازت کے بعد کرتے ہیں جو کچھ وہ کرتے ہیں۔

اور الشفعة کا معنی یہ ہے کہ ایک شخص کسی مکان یا زمین کو فروخت کر رہا ہو تو اس کا شریک یا اس کا پڑوسی اس مکان یا زمین کو اپنے مکان یا زمین کے ساتھ ملائے اور اس سے کہے کہ تم کسی اور کو فروخت کرنے کے بجائے مجھے فروخت کرو۔ ہر وہ مال جو تقسیم نہیں کیا گیا اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شفعہ کرنے کا فیصلہ فرمایا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ٢٢١٣' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٣٥١٤)

(المفردات ج ا ص ٣٤٧-٣٤٦' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ' ١٤١٨ھ)

شفاعت کا اصطلاحی معنی

علامہ مجد الدین المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری المتوفی ٦٠٦ھ لکھتے ہیں:

دنیا اور آخرت سے متعلق امور میں شفاعت کا ذکر احادیث میں بار بار آیا ہے اور شفاعت کی تعریف یہ ہے کہ گناہوں اور بندوں کے آپس کے جرائم کے بارہ میں تجاوز اور درگزر کرنے کا سوال کرنا۔

(النہایہ ج ٢ ص ٤٣٤' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ١٤١٨ھ)

علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ٨١٦ھ لکھتے ہیں:

جس شخص کا جرم کیا ہے اس سے اس جرم کے معاف کرنے کا سوال کرنا شفاعت ہے۔

(التعریفات ص ٩٢' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ١٤١٨ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ٨٥٥ھ لکھتے ہیں:

شفاعت کی تعریف یہ ہے: کسی دوسرے کے لیے گڑگڑا کر اس دوسرے سے ضرر کو ترک کرنے یا اس کے لیے فعل خیر کرنے کا سوال کرنا۔ مبرد اور ثعلب نے کہا ہے کہ شفاعت دعا ہے اور دوسرے کی حاجت پوری کرنے کے لیے شفیع کا بادشاہ سے کلام کرنا شفاعت ہے' اور الجامع میں مذکور ہے شفیع کے ذریعے جرم کی معافی طلب کرنا شفاعت ہے' اور جب کوئی شخص تم سے وسیلہ پکڑے اور تم اس کی شفاعت کرو تو تم اس کے لیے شافع اور شفیع ہو' حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے پانچ ایسی چیزیں دی گئیں ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں' (چوتھی چیز یہ فرمائی) اور مجھے الشفاعة دی گئی ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ٣٣٥) ابن دقیق العید نے کہا ہے کہ الشفاعة میں الف لام عہد کا ہے اور اس سے مراد الشفاعة العظمیٰ ہے جو میدان محشر میں لوگوں کو خوف سے راحت دلانے کے لیے کی جائے گی اور اس کے وقوع میں کسی کا اختلاف نہیں ہے' اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ شفاعت ہے جو آپ کے ساتھ مختص ہے اور یہ وہ ہے جس میں آپ کا سوال مسترد نہیں ہوگا' اور تیسرا قول یہ ہے کہ جس شخص کے دل میں ایک ذرہ کے برابر بھی ایمان ہو اس کو دوزخ سے خارج کرنے کے لیے جو آپ شفاعت کریں گے اس سے وہ شفاعت مراد ہے' چوتھا قول یہ ہے کہ اس سے جنت میں درجات بلند کرنے کے لیے شفاعت مراد ہے' پانچواں قول یہ ہے کہ جو لوگ دوزخ کے مستحق ہو چکے تھے ان کو دوزخ میں داخل نہ کرنے کی شفاعت مراد ہے' چھٹا قول یہ ہے بعض مسلمانوں کو بغیر حساب کے جنت میں داخل کرنے کی شفاعت مراد ہے اور یہ شفاعت بھی ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے۔ (عمدۃ القاری جز ٤ ص ١٠' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر' ١٣٤٨ھ)

علامہ محمد طاہر پٹنی گجراتی متوفی ۹۸۶ھ لکھتے ہیں:

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جنت میں سب سے پہلے شفاعت کرنے والے ہیں۔ علامہ طیبی نے اس کی شرح میں کہا یعنی گنہ گاروں کو جنت میں داخل کرنے کے لیے یا جنت میں بلند درجات کے لیے' علامہ نووی نے کہا آپ کو شفاعت کی اجازت دی جائے گی اور یہی مقام محمود ہے یعنی اہل محشر کو خوف اور گھبراہٹ سے راحت پہنچانے کے لیے آپ کو شفاعت کی اجازت دی جائے گی اور حساب کو جلد شروع کرنے کے لیے' اس شفاعت کا معتزلہ انکار نہیں کرتے اور نہ وہ بلند درجات کے لیے شفاعت کا انکار کرتے ہیں۔ پھر آپ کی امت میں شفاعت شروع ہوگی اور انبیاء اور ملائکہ صراط پر شفاعت کریں گے' پھر دوزخ میں داخل ہونے والے گنہ گاروں کی شفاعت کریں گے' اور ابوطالب کی حدیث میں ہے اس کو میری شفاعت نفع پہنچائے گی یعنی اس کے عذاب میں تخفیف کی جائے گی کیونکہ اس نے نیک عمل کیے تھے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کیا تھا اور آپ کی حفاظت کی تھی اور آپ کی حمایت کی تھی' جیسا کہ پیر کی رات کو ابولہب کے عذاب میں تخفیف کی جائے گی کیونکہ جب اس کی باندی ثویبہ نے اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی بشارت دی تھی تو ابولہب نے اس کو آزاد کر دیا تھا۔ اور جو علماء کافر کے عذاب میں تخفیف کا انکار کرتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ اس کو آپ کی صحبت سے یہ نفع پہنچا کہ وہ بہت سارے گناہوں سے بچ گیا نیز حدیث میں ہے جو شخص مدینہ کے مصائب کے باوجود مدینہ میں ثابت قدم رہے گا میں اس کی شفاعت کروں گا۔ یہ شفاعت درجات کی بلندی کے علاوہ ہے اور یہ بھی فرمایا یا میں ان کی شہادت دوں گا یعنی بعض کی شفاعت فرمائیں گے اور بعض کی شہادت دیں گے یا گنہ گاروں کی شفاعت فرمائیں گے اور نیکوکاروں کی شہادت دیں گے' یا جو آپ کے بعد فوت ہوئے ان کی شفاعت کریں گے اور جو آپ کی حیات مبارکہ میں فوت ہوئے ان کی شہادت دیں گے۔

(مجمع بحار الانوار ج ۳ ص ۲۳۷۔۲۳۶۔ مطبوعہ مکتبۃ دار الایمان المدینۃ المنورہ' ۱۴۱۵ھ)

شفاعت کے متعلق معتزلہ کا نظریہ

مشہور معتزلی عالم محمود بن عمر زمخشری الخوارزمی متوفی ۵۳۸ھ البقرہ: ۴۸ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اگر تم یہ پوچھو کہ آیا اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ گنہ گاروں کے لیے شفاعت کو قبول نہیں کیا جائے گا؟ تو میں کہوں گا کہ ہاں! کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے لَا یُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ (البقرہ: ۴۸) اور کسی کی طرف سے کوئی شفاعت قبول نہیں کی جائے گی' کیونکہ جس شخص نے بھی کسی فعل یا ترک میں کوئی تقصیر کی ہو تو کوئی دوسرا شخص اس کی طرف سے کسی قسم کی کوئی تلافی نہیں کر سکتا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی شفاعت کے قبول کرنے کی نفی کی اس سے معلوم ہوا کہ گنہگار مسلمانوں کے لیے شفاعت قبول نہیں کی جائے گی۔ (الکشاف ج ۱ ص ۱۶۵' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۷ھ)

جس آیت سے علامہ زمخشری نے استدلال کیا ہے وہ بنی اسرائیل کے کافروں کے ساتھ مخصوص ہے۔

شفاعت کے متعلق شیخ ابن تیمیہ کا نظریہ

شیخ تقی الدین احمد بن تیمیہ الحرانی المتوفی ۷۲۸ھ لکھتے ہیں:

تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن تمام مخلوق کی شفاعت کریں گے' جب لوگ آپ سے اس کا سوال کریں گے تو اللہ تعالیٰ سے شفاعت کا اذن حاصل کرنے کے بعد آپ شفاعت کریں گے۔ پھر اہل سنت شفاعت اس پر متفق ہیں' جس پر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین متفق تھے اور اسی کے موافق احادیث مشہور ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ اپنی امت کے کبیرہ گناہ کرنے والے مسلمانوں کے لیے شفاعت کریں گے اور عام مخلوق کے لیے بھی شفاعت کریں گے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کئی ایسی شفاعتیں ہیں جو آپ کے ساتھ مخصوص ہیں اور جن میں آپ کا کوئی شریک نہیں ہے' اور کئی ایسی شفاعات ہیں جن میں دوسرے انبیاء اور صالحین بھی آپ کے شریک ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم افضل الخلق ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے اکرم ہیں' ان خصوصی شفاعات میں سے ایک مقام محمود ہے جس پر تمام اولین اور آخرین رشک کریں گے' اور شفاعت کی احادیث بہ کثرت ہیں اور متواتر ہیں' صحیحین' سنن اور مسانید میں ان کی تعداد بہت زیادہ ہے' اور خوارج اور معتزلہ کا یہ زعم ہے کہ شفاعت صرف مومنین کے درجات بلند کرنے کے لیے ہوگی اور ان میں سے بعض نے مطلقاً شفاعت کا انکار کیا ہے۔ (مجموعۃ الفتاویٰ ج ١ص ٢١٩' مطبوعہ دار الجیل' ١٤١٨ھ)

شفاعت کے متعلق غیر مقلدین کا نظریہ

مشہور غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خاں بھوپالی متوفی ١٣٠٧ھ طٰہٰ: ١٠٩ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت کا معنی یہ ہے شفاعت صرف اس شخص کو نفع دے گی جس کی شفاعت کرنے کے لیے رحمٰن نے اذن دیا ہو اور اس کے قول سے وہ راضی ہو' اس قسم کی اور آیات بھی ہیں اور ان میں یہ دلیل ہے کہ کوئی شخص کسی کے لیے اس وقت تک شفاعت نہیں کرسکتا جب تک اللہ اس کی اجازت نہ دے' اور یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ مومنین کے سوا اور کسی کے لیے شفاعت نہیں ہے' اور یہ آیت فاسقوں کے حق میں شفاعت کے ثبوت پر قوی ترین دلیل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ورضی لہ قولا اللہ اس کے قول سے راضی ہو' اور اس کے صدق کے لیے یہ کافی ہے کہ اللہ اس کے اقوال میں سے کسی ایک قول سے راضی ہو جائے' اور فاسق جب لا الہ الا اللہ کی شہادت دیتا ہے تو اللہ اس کے اس قول سے راضی ہے پس واجب ہے کہ اذن کے بعد اس کے لیے شفاعت نفع دینے والی ہو۔ (فتح البیان ج ٤ص ٣٧٣' دار الکتب العلمیہ بیروت' ١٤٢٠ھ)

شفاعت کے متعلق شیعہ کا نظریہ

شیخ الطائفہ ابوجعفر محمد بن الحسن الطوسی متوفی ٤٦٠ھ لکھتے ہیں:

البقرہ: ٤٨ میں ہے کسی نفس کے لیے شفاعت قبول نہیں کی جائے گی ہمارے نزدیک یہ آیت کفار کے ساتھ مخصوص ہے' کیونکہ ہمارے نزدیک شفاعت کی حقیقت یہ ہے کہ اس سے ضرر ساقط کیا جائے بجائے اس کے کہ اس کے منافع زیادہ کیے جائیں اور ہمارے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم مومنین کے لیے شفاعت کریں گے اور جو مسلمان عذاب کے متعلق ہوں گے ان کی شفاعت کرکے ان سے عذاب کو ساقط کریں گے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے گناہ کبیرہ کے مرتکبین کے لیے اپنی شفاعت کو ذخیرہ کر رکھا ہے۔ (التبیان فی تفسیر القرآن ج ١ص ٢١٣' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

شیخ ابوالفضل بن الحسن الطبرسی لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کسی نفس کے لیے شفاعت قبول نہیں کی جائے گی مفسرین نے کہا ہے کہ یہ حکم یہود کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ اس پر اجماع ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ اگرچہ اس کی کیفیت میں اختلاف ہے۔ ہمارے نزدیک اس کی کیفیت عذاب کو ساقط کرنے کے ساتھ مخصوص ہے یعنی ان مومنین سے جو عذاب کے مستحق ہیں' معتزلہ نے کہا شفاعت اطاعت گزاروں اور توبہ کرنے والوں کو زیادہ ثواب پہنچانے کے لیے کی جاتی ہے۔ گنہ گاروں کے لیے شفاعت نہیں کی جاتی اور ہمارے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم' آپ کے اصحاب' ائمہ اہل بیت اور نیک مسلمانوں کی گنہگار مسلمانوں کے لیے شفاعت ثابت ہے اور ان کی شفاعت سے بہت خطا کاروں کو اللہ تعالیٰ نجات دے گا اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس کو تمام امت نے قبول کرلیا ہے کہ میں نے اپنی شفاعت کو کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لیے محفوظ رکھا

ہے اور ہمارے اصحاب نے یہ حدیث روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں شفاعت کروں گا سو میری شفاعت قبول کی جائے گی اور علی شفاعت کریں گے سو ان کی شفاعت قبول کی جائے گی اور اہل بیت شفاعت کریں گے سو ان کی شفاعت قبول کی جائے گی اور مومنین میں سے ادنیٰ شخص اپنے ایسے چالیس بھائیوں کی شفاعت کرے گا جن پر دوزخ واجب ہو چکی ہوگی۔ (مجمع البیان ج ۱ ص ۲۲۴-۲۲۳ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۶ھ)

شیخ محمد بن عبدالوہاب کا شفاعت کے متعلق نظریہ

شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی متوفی ۱۲۰۶ھ لکھتے ہیں:

تم کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ ان کا توحید ربوبیت کا اقرار کرنا ان کو اسلام میں داخل نہیں کرتا اور وہ جو ملائکہ اور انبیاء کا قصد کرتے ہیں اور ان کی شفاعت کا ارادہ کرتے ہیں اور اس سے اللہ کا تقرب چاہتے ہیں یہی وہ چیز ہے جس نے ان کی جانوں اور مالوں کو حلال کر دیا ہے اور اب تم نے اس توحید کو جان لیا ہوگا جس کی رسولوں نے دعوت دی ہے خواہ اس کا انکار کرنے سے مشرکوں نے انکار کیا ہو۔ (کشف الشبہات ص ۹ مطبوعہ مکتبہ سلفیہ مدینہ منورہ ۱۳۸۹ھ)

اس جارحانہ عبارت کا باطل ہونا کسی دلیل اور تبصرہ کا محتاج نہیں ہے۔

شفاعت کے متعلق شیخ اسماعیل دہلوی کا نظریہ

شیخ اسماعیل دہلوی متوفی ۱۲۴۶ھ لکھتے ہیں:

پھر بات الٹنے کا تو کیا ذکر اور کسی کی وکالت اور حمایت کرنے کی کیا طاقت اس جگہ ایک بات بڑے کام کی ہے اس کو کان رکھ کر سن لینا چاہیے کہ اگر لوگ انبیاء اولیا کی شفاعت پر پھول رہے ہیں اور اس کے معنی غلط سمجھ کر اللہ کو بھول گئے ہیں سو شفاعت کی حقیقت سمجھ لینا چاہیے۔ سو سننا چاہیے کہ شفاعت کہتے ہیں سفارش کو اور دنیا میں سفارش کئی طرح کی ہوتی ہے جیسے ظاہر کے بادشاہ کے یہاں کسی شخص کی چوری ثابت ہو جاوے اور کوئی امیر وزیر اس کو اپنی سفارش سے بچا لیوے تو ایک تو یہ صورت ہے کہ بادشاہ کا جی تو اس چور کر پکڑنے ہی کو چاہتا ہے اور اس کے آئین کے موافق اس کو سزا پہنچتی ہے مگر اس امیر سے دب کر اس کی سفارش مان لیتا ہے اور اس چور کی تقصیر معاف کر دیتا ہے کیونکہ وہ امیر اس سلطنت کا بڑا رکن ہے اور اس کی بادشاہت کو بڑی رونق دے رہا ہے سو بادشاہ یہ سمجھ رہا ہے کہ ایک جگہ اپنے غصہ کو تھام لینا اور ایک چور سے درگزر جانا بہتر ہے اس سے کہ اتنے بڑے امیر کو ناخوش کر دیجئے کہ بڑے بڑے کام خراب ہو جائیں اور سلطنت کی رونق گھٹ جائے اس کو شفاعت وجاہت کہتے ہیں یعنی اس امیر کی وجاہت کے سبب سے اس کی سفارش قبول کی سو اس قسم کی سفارش اللہ کی جناب میں ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتی اور جو کوئی کسی نبی و ولی کو یا امام و شہید کو یا کسی فرشتے کو یا کسی پیر کو اللہ کی جناب میں اس قسم کا شفیع سمجھے سو وہ اصل مشرک ہے اور بڑا جاہل ہے کہ اس نے خدا کے معنی کچھ بھی نہیں سمجھے اور اس مالک الملک کی قدر کچھ بھی نہ پہچانی اس شہنشاہ کی تو یہ شان ہے کہ ایک آن میں ایک حکم کن سے چاہے تو کروڑوں نبی اور ولی اور جن و فرشتہ جبرئیل اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر پیدا کر ڈالے اور ایک دم میں سارا عالم عرش تک الٹ پلٹ کر ڈالے اور ایک اور ہی عالم اس جگہ قائم کرے کہ اس کے تو محض ارادے ہی سے ہر چیز ہو جاتی ہے کسی کام کے واسطے کچھ اسباب اور سامان جمع کرنے کی حاجت نہیں اور جو سب اگلے پچھلے اور آدمی اور جن بھی سب مل کر جبرئیل اور پیغمبر ہی سے ہو جاویں تو اس مالک الملک کی سلطنت میں ان کے سبب سے کچھ رونق بڑھ نہ جائے گی اور جو سب شیطان اور دجال ہی سے ہو جاویں تو اس کی کچھ رونق گھٹنے کی نہیں وہ ہر صورت بڑوں کا بڑا ہے اور بادشاہوں کا بادشاہ اس کا نہ کوئی کچھ بگاڑ سکے نہ کچھ سنوار سکے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی بادشاہ

زادوں میں سے یا بیگماتوں میں سے یا کوئی بادشاہ کا معشوق اس چور کا سفارشی ہو کر کھڑا ہو جاوے اور چوری کی سزا نہ دینے دیوے اور بادشاہ اس کی محبت سے لاچار ہو کر اس چور کی تقصیر معاف کر دے تو اس کو شفاعت محبت کہتے ہیں یعنی بادشاہ نے محبت کے سبب سے سفارش قبول کر لی اور یہ بات سمجھی کہ ایک بار غصہ پی جانا اور ایک چور کو معاف کر دینا بہتر ہے اس رنج سے کہ جو اس محبوب کے روٹھ جانے سے مجھ کو ہوگا اس قسم کی شفاعت بھی اس دربار میں کسی طرح ممکن نہیں اور جو کوئی کسی کو اس جناب میں اس قسم کا شفیع سمجھے وہ بھی ویسا ہی مشرک ہے اور جاہل جیسا کہ مذکور اول ہو چکا وہ مالک الملک اپنے بندوں کو بہتیرا ہی نوازے اور کسی کو حبیب کا اور کسی کو خلیل اور کسی کو کلیم کا اور کسی کو روح اللہ وجیہہ کا خطاب بخشے اور کسی کو رسول کریم اور مکین اور روح القدس اور روح الامین فرماوے مگر پھر مالک مالک ہے اور غلام غلام کوئی بندگی کے رتبے سے قدم باہر نہیں رکھ سکتا اور غلامی کی حد سے زیادہ بڑھ نہیں سکتا جیسا اس کی رحمت سے ہر دم خوشی سے جھکتا ہے ویسا ہی اس کی ہیبت سے رات دن زہرہ پھٹتا ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ چور پر چوری ثابت ہو گئی مگر وہ ہمیشہ کا چور نہیں اور چوری کو اس نے کچھ اپنا پیشہ نہیں ٹھہرایا مگر نفس کی شامت سے قصور ہو گیا اس پر شرمندہ ہے اور رات دن ڈرتا ہے اور بادشاہ کی آئین کو سر و آنکھوں پر رکھ کر اپنے تئیں تقصیر دار سمجھتا ہے اور لائق سزا کے جانتا ہے اور بادشاہ سے بھاگ کر کسی امیر و وزیر کی پناہ نہیں ڈھونڈھتا اور اس کے مقابلہ میں کسی کی حمایت نہیں جتاتا اور رات دن اسی کا منہ دیکھ رہا ہے کہ دیکھئے میرے حق میں کیا حکم فرماوے سو اس کا یہ حال دیکھ کر بادشاہ کے دل میں اس پر ترس آتا ہے مگر آئین بادشاہت کا خیال کر کے بے سبب درگزر نہیں کرتا کہ کہیں لوگوں کے دلوں میں اس آئین کی قدر گھٹ نہ جاوے سو کوئی امیر وزیر اس کی مرضی پا کر اس تقصیر دار کی سفارش کرتا ہے اور بادشاہ اس امیر کی عزت بڑھانے کو ظاہر میں اس کی سفارش کا نام کر کے اس چور کی تقصیر معاف کر دیتا ہے سو اس امیر نے اس چور کی سفارش اس لیے نہیں کی کہ اس کا قرابتی ہے یا آشنا یا اس کی حمایت اس نے اٹھائی بلکہ محض بادشاہ کی مرضی سمجھ کر کیونکہ وہ تو بادشاہ کا امیر ہے نہ چوروں کا تھانگی جو چور کا حمایتی بن کر اس کی سفارش کرتا ہے تو آپ بھی چور ہو جاتا ہے اس کو شفاعت بالاذن کہتے ہیں یعنی یہ سفارش خود مالک کی پروانگی سے ہوتی ہے سو اللہ کی جناب میں ایسی قسم کی شفاعت ہو سکتی ہے اور جس نبی و ولی کی شفاعت کا قرآن و حدیث میں مذکور ہے سو اس کے معنی یہی ہیں۔ (تقویت الایمان کلاں ص ۲۲۔۲۱ مطبوعہ مطبع علیمی لاہور)

شفاعت بالوجاہت کا صحیح معنی

علامہ فضل حق خیر آبادی متوفی ۱۸۶۱ء لکھتے ہیں:

جس کے پاس سفارش کی گئی ہے اس نے سفارش کرنے والے کو اپنی بارگاہ میں قرب عطا کیا ہے اور اپنے متعلقین میں اسے عزت و امتیاز بخشا ہے' ان عزتوں میں سے ایک یہ ہے کہ دیگر ماتحت افراد کے مراتب کی بلندی اور گنہگاروں کی معافی کے لیے اسے بات کرنے کی اجازت ہے' اس کی عرض قبول کی جاتی ہے اور اس کی سفارش مانی جاتی ہے اگر اس معزز شخصیت کی عرض اور سفارش کو نہ مانا جائے تو اس کے رنجیدہ ہونے سے اس شخص کو (جس کی بارگاہ میں سفارش کی گئی ہے) کوئی رنج یا نقصان نہیں پہنچے گا لیکن اس کی عرض کو نہ ماننا اور اس کی بات کو اہمیت نہ دینا اس عزت افزائی اور بندہ نوازی کے خلاف ہے جو اس شخص کو دی گئی ہے' یہ شفاعت وجاہت ہے۔ اس میں یہ شرط نہیں ہے کہ جس کے پاس سفارش کی گئی ہے' اسے شفاعت کرنے والے کی ناخوشی سے خطرہ ہو اور سفارش قبول نہ کرنے کی صورت میں نقصان کا خوف ہو کیونکہ شفاعت کا معنی سفارش ہے اور وجاہت کے معنی لحاظ اور عزت ہے' کسی لفظ سے ڈر اور فکر نہیں سمجھا جاتا۔

بایں ہمہ ہر شخص جانتا ہے کہ شفاعت اور سینہ زوری الگ الگ ہیں۔ سفارش میں سینہ زوری نہیں ہوتی' اگر کوئی شخص کسی

کی بات نقصان یا ضرر کے ڈر سے مانتا ہے تو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس نے سفارش مان لی' یہ سفارش کا ماننا نہیں بلکہ اپنے نقصان اور ضرر کو دور کرنا ہے' اسے اطاعت کہا جاسکتا ہے کیونکہ نافرمانی کی صورت میں نقصان کا خوف ہوتا ہے' سفارش قبول کرنے میں کوئی خوف شامل نہیں ہوتا مثلاً ایک صاحب اقتدار بادشاہ اپنے ہم نشینوں میں سے کسی کو اتنا مقام و مرتبہ عطا کرتا ہے کہ اسے حاجت مندوں کی حاجتیں پیش کرنے اور مجرموں کے لیے معافی چاہنے کی اجازت ہے' اسے دوسروں کی نسبت یہ خصوصیت حاصل ہے' وہ شخص بادشاہ سے کسی ایسے گناہ کے بخشنے کی درخواست کرتا ہے جسے بخش دینا بادشاہ سے بعید نہیں ہے' بادشاہ اس کے جاہ و منزلت کا لحاظ کرتے ہوئے وہ گناہ معاف کر دیتا ہے اور اس مقرب کی سفارش قبول کر کے اس کی عزت افزائی کرتا ہے تو نہیں کہا جاسکتا کہ بادشاہ نے اپنے کارخانہ سلطنت میں خلل کے خوف سے سفارش قبول کی ہے' بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ بادشاہ نے اپنے مقرب ترین خادم کے مقام کی رعایت اور اس کی دلداری کے لیے اس کی سفارش قبول کی ہے اور مجرموں کے گناہ معاف کر دیئے ہیں اور اگر کوئی شخص برائے نام بادشاہ ہو اور امور مملکت کے بست و کشاد اور قوانین سلطنت کے نفاذ کی صلاحیت نہ رکھتا ہو' دوسرے لوگ حکومت کے تمام شعبوں پر مسلط ہوں' ملک کے بست و کشاد اور نظم و ضبط پر مکمل اختیار رکھتے ہوں۔ ان ارباب اقتدار میں سے کوئی شخص برائے نام بادشاہ سے کسی جرم کی معافی کا مطالبہ کرتا ہے اور بادشاہ اس خوف سے کہ اگر اس کے کہنے پر عمل نہ کیا تو اس سے ضرر پہنچے گا یعنی ظاہری حکومت بھی جاتی رہے گی' اس کے کہنے پر عمل کرتا ہے اور مجرم کا گناہ معاف کر دیتا ہے تو نہیں کہا جاسکتا کہ بادشاہ نے اس کی شفاعت قبول کر لی ہے بلکہ بادشاہ فی الواقع ان لوگوں کا تابع اور پابند ہے اور ان کی بات ماننے پر مجبور ہے۔ اسے فرمانبرداری اور اطاعت تو کہا جاسکتا ہے قبول شفاعت نہیں کہا جاسکتا۔

اس تقریر سے واضح ہو گیا کہ وجاہت و عزت' خوف اور اندیشہ کے بغیر قبول شفاعت کا سبب بن سکتی ہے۔

یہ تو ہوئی عقلی دلیل اب سنئے نقلی دلیل۔ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں فرماتا ہے اور دنیا و آخرت کی وجاہت سے ان کی تعریف فرماتا ہے:

وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ○ دنیا اور آخرت میں وجاہت (عزت) والے اور مقربین میں سے ہیں۔ (آل عمران: ۴۵)

مفسرین اخروی وجاہت کو شفاعت پر محمول فرماتے ہیں۔ علامہ بیضاوی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

الوجاهة في الدنيا النبوة وفي الاخرة الشفاعة یعنی وجاہت دنیا میں نبوت ہے اور آخرت میں شفاعت۔

(تفسیر بیضاوی مع عنایت القاضی ج ۳ ص ۵۱' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ)

(۲) شفاعت محبت

جس کے پاس سفارش کی گئی ہے اسے سفارشی سے محبت ہو' محبت کا تقاضا یہ ہے کہ محبوب کی رضا جوئی اور ہر طرح اس کے دل کو خوش کرنا منظور ہوتا ہے۔ دل شکنی اور رنج کے اسباب اس سے دور رکھے جاتے ہیں کیونکہ محب' محبوب کی دل شکنی بلکہ دوست دوستوں کا دل دکھانے کے روادار نہیں ہوتے۔ اہل محبت محبوبوں کی دل آزاری گوارا نہیں کرتے' ان کی فرمائش قبول کرتے ہیں اور ان کی سفارش قبول کرتے ہیں اور اکثر ان کی سفارش قبول کرنے میں یہ امر ملحوظ نہیں ہوتا کہ اگر ان کی سفارش قبول نہ کی گئی تو غیظ و غضب میں آ کر ان کو رنجیدہ کر سکتے ہیں یا غصہ میں آ کر ان کے دلوں کو صدمہ پہنچا سکتے ہیں' کیونکہ دلداری' محبت کا تقاضا ہے اور محبوب کی بات مان لینا اس صفت کو لازم ہے۔ یہ حال اس شخص سے پوچھا جاسکتا ہے جو محبت رکھتا

ہو' یہ حقیقت عقلاً اور نقلاً ثابت ہے۔
عقلی ثبوت تو بیان ہو چکا۔ نقلی ثبوت ملاحظہ ہو' حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

کم اشعث اغبر ذی طمرین لا یؤبہ لہ لو اقسم علی اللہ لابرہ۔

بہت سے گرد آلود بالوں والے' خاکسار' جن کے پاس دو پرانی چادروں کے علاوہ کچھ نہ ہو اور جنہیں کوئی اہمیت نہ دی جاتی ہو ایسے ہوتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کے حق میں قسم کھائیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم پوری کر دے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ٣٨٥٤' مسند احمد ج ٣ ص ١٤٥' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ٣٩٨٧' المستدرک ج ٣ ص ٢٩١)

یعنی اللہ تعالیٰ ان کی دلداری کرے گا اور جس بات کی انہوں نے قسم کھائی ہے اسے پورا کر دے گا اور ان کی خواہش رد نہیں فرمائے گا۔

غور کیجئے! یہ تمام تقاضائے محبت ہے ورنہ یہ خاکسار اللہ تعالیٰ کو کونسا رنج یا نقصان پہنچا سکتے ہیں؟

ہاں بارگاہ ایزدی کے محبوبوں کی شان وہ ہے جو حدیث قدسی میں وارد ہوئی ہے:

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ''جب میں اس بندے کو محبوب بنالیتا ہوں تو اس کا کان ہوتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے' اس کی آنکھ ہوتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے' اس کا ہاتھ ہوتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے' اس کا پاؤں ہوتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے (اور ایک روایت میں ہے) اس کی زبان ہوتا ہوں جس سے وہ بولتا ہے (یعنی ان کے اعضاء میری قدرت کے مظہر اور میری رضا کے پابند ہوتے ہیں) اور اگر وہ بندہ مجھ سے سوال کرے تو میں اس کو ضرور عطا کرتا ہوں اور اگر وہ مجھ سے پناہ طلب کرے تو میں اس کو ضرور پناہ دیتا ہوں اور میں جس کام کو کرنے والا ہوں اس میں کبھی اتنی تاخیر نہیں کرتا جتنی بندہ مومن کی روح قبض کرنے میں تاخیر کرتا ہوں کیونکہ وہ (بشری تقاضے سے) موت کو ناپسند کرتا ہے اور میں اسے رنجیدہ کرنا' ناپسند کرتا ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٦٥٠٢' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٣٩٨٩' سنن بیہقی ج ٣ ص ٣٦٤' کنز العمال رقم الحدیث: ١١٦١)

اس حدیث قدسی کی بنا کر محبوبان الٰہی کے قرب' عزت اور ان کی محبوبیت کے آثار پر ایمان لانا چاہیے۔ شفاعت کی مقبولیت کی دیگر وجوہ بھی ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ سفارش کرنے والے کو مستشفع الیہ (جس کے سامنے سفارش کی گئی) کے نزدیک عزت اور امتیازی مقام حاصل ہوتا ہے چونکہ ان وجوہ کا تعلق اس مقام سے نہیں ہے اس لیے اسی بیان پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

اس تمہید کے بعد سنیے!

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تمام مخلوق انسان ہوں یا فرشتے' نبی ہوں یا امتی' بادشاہ ہوں یا خدام' جہاں تک بندگی کا تعلق ہے یکساں نسبت رکھتی ہے کسی کو کسی لحاظ سے اس کے ملک و اقتدار میں شرکت یا اس کے ارادہ و اختیار میں مزاحمت یا اس کے حکم اور فعل میں تاب مقابلہ نہیں ہے' وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے جو چاہتا ہے اس کے مطابق فیصلہ فرماتا ہے اور جس طرح اس کا ارادہ ہوتا ہے' کائنات میں تصرف فرماتا ہے۔ اس کا نہ کوئی شریک ہے نہ ہمسر' نہ مددگار ہے نہ کارساز' اسے کسی وزیر کی امداد اور مددگار کے تعاون کی حاجت نہیں ہے' کسی کی رضا اور خوشنودی سے اس کی مملکت میں رونق کا اضافہ نہیں ہوتا' نہ ہی کسی کی ناراضگی سے اس کے کارخانہ حکمت میں خلل پیدا ہوتا ہے۔

ہاں اس نے اپنی مخلوق کو مختلف مراتب اور مقامات دے کر پیدا کیا ہے۔ ان کے مراتب و درجات میں بہت فرق رکھا

ہے۔ بعض کو برگزیدہ اور بارگاہ قدس کا مقرب بنایا اور بعض کو مردود' ذلیل اور گمراہ کیا' دونوں قسموں میں مختلف مراتب اور متفرق درجات رکھے اور اپنی بارگاہ کے مقربین کو ان کے درجات کے مطابق مقام و مرتبہ عطا فرمایا ان میں سے ہر ایک کو اس کے مرتبہ کے مطابق عزت و کرامت عطا فرمائی۔ ان میں سے ہر ایک کو بارگاہ الٰہی میں جتنی عزت اور خداوندی محبت ہے' اس کے مطابق ان کے وابستگان اور متوسلین کی دینی اور دنیاوی حاجتوں کے بارے میں ان کی سفارش قبول فرماتا ہے اور اپنی بارگاہ کے مقربین کو ان کے مراتب کے مطابق اجازت عطا فرماتا ہے کہ اپنے متعلقین اور متوسلین کے لئے دنیا و آخرت میں مصیبت اور عذاب کے دفع کرنے اور منافع کے حصول کے لیے سفارش کریں' اس عزت افزائی کے ذریعے انہیں مخلوق میں ممتاز فرماتا ہے۔

اسی لیے اکثر لوگ ہر دو جہان کی حاجتوں میں ان سے شفاعت اور سفارش کے طلب گار ہوتے ہیں اور ان مقربین کی شفاعت کے فیض سے اپنے مقاصد میں کامیاب ہوئے اور ہوتے ہیں اور ہوں گے' ان کی شفاعت اکثر مقبول ہوتی ہے' اور قول و فعل سے ان کی ایذاء رسانی اور بے ادبی کے درپے ہونے والے اکثر لوگ اللہ تعالیٰ کے غضب میں گرفتار ہو کر دین و دنیا کو برباد کر چکے اور کرتے ہیں اور کریں گے' چونکہ بارگاہ الٰہی میں مقربین کی عزت و وجاہت ان کی شفاعت اور ان کے سوال کی قبولیت کا سبب ہے اسی لئے دوسروں کی نسبت صالحین کی دعائیں زیادہ مقبول ہوتی ہیں۔ اگر کوئی شخص از راہ عناد یہ بات نہ مانے یا بدعقیدگی کی بنا پر اسے شک لاحق ہو تو اسے کتب صحاح میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ کرنا چاہئے تاکہ اسے معلوم ہو کہ جن حضرات نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دعا کی گزارش کی یا شفاعت کی درخواست کی وہ دنیا و آخرت میں خیرات و برکات سے مالا مال ہوئے' اور جو لوگ درپے ایذاء اور بے ادبی ہوئے وہ ہلاکتوں میں گرفتار ہوئے اور جہنم کے نچلے طبقوں میں داخل ہوئے۔

جب شفاعت کا معنی سفارش ہے اور بارگاہ الٰہی میں شفاعت کے منظور ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کسی کو اس کے کارخانہ تقدیر پر تسلط حاصل ہو' یا سفارش کرنے والے کی دل شکنی کے سبب اس کی مملکت میں خلل کا احتمال ہو یا اسے ضرر کے لاحق ہونے' منافع کے فوت ہونے یا رنج و ملال عارض ہونے کا اندیشہ ہو (حاشا و کلا یہ کسی کا عقیدہ نہیں ہے) بلکہ شفاعت کے مقبول ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل محبت و اطاعت کو بیش از بیش انعام و اکرام سے نوازا ہے اور ان کے درجات دوسری مخلوق سے بلند فرما کر انہیں اپنی بارگاہ کا مقرب بنایا ہے۔

شفاعت اور دعا

اب شفاعت کے ثبوت اور بارگاہ الٰہی میں مقبول ہونے کی دلیل سنیے:

بارگاہ الٰہی میں ایک شخص کے دوسرے شخص کے لئے شفاعت کرنے اور دعا کرنے میں کوئی فرق نہیں۔ یہ دو لفظ ہیں جن کا معنی ایک ہے' اور دعا دو حال سے خالی نہیں' یا تو کہا جائے کہ دعا لغو اور بے فائدہ فعل ہے۔ کارخانہ قضاء و قدر میں کسی انسان کی دعا کسی نفع کے حصول یا کسی نقصان کے دور کرنے میں اثر نہیں رکھتی' دعا کرنا اور نہ کرنا برابر ہے' یا کہا جائے کہ دعا کرنے سے اللہ تعالیٰ مقصد پورا کر دیتا ہے۔ مطالب عطا کر دیئے جاتے ہیں اور مصیبتیں دور کر دی جاتی ہیں' پہلی صورت باطل اور کتاب و سنت کی نصوص کے مخالف ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرماتا ہے:

وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ (التوبہ: ۱۰۳)

اے حبیب! ان کے لئے دعا کیجئے بے شک تمہاری دعا ان کے اطمینان و سکون کا سبب ہے۔

اس کے علاوہ بے شمار آیات ہیں۔

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

لا یرد القضاء الا الدعاء — قضا کو صرف دعا لوٹا سکتی ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ٢١٣٩ المعجم الکبیر رقم الحدیث: ٦١٢٨)

اس کے علاوہ بہت سی حدیثیں وارد ہیں۔ علماء دین کی تصانیف' حصن حصین وغیرہ جو ہر جگہ اہل علم کے پاس موجود ہیں۔ انہیں دعاؤں کے جمع کرنے کے لئے لکھی گئی ہیں۔ دعا کی فضیلت' اللہ تعالیٰ کی عبادت ہونے اور بارگاہ الٰہی میں اس کی مقبولیت کا انکار صریح کفر ہے جس سے نصوص قرآن وحدیث کا انکار لازم آتا ہے۔ ثابت ہوا کہ دعا حصول مقصد کا ذریعہ ہے اور یہ بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہوتی ہے۔

انبیاء واولیاء کی دعاؤں کی قبولیت

اب غور فرمایئے! (١) کہ کیا انبیاء اور عوام الناس اور اشقیاء' نیکوں اور بدکاروں' مقربانِ حضرتِ باری تعالیٰ اور مردودانِ بارگاہ' مومنین صالحین اور بدبخت کافروں کی دعائیں مقبولیت کی کمی اور زیادتی میں برابر ہیں یا (٢) انبیاء واولیاء' ابرار اور مومنین صالحین کی دعائیں عوام' اشقیاء' اشرار وکفار کی دعاؤں سے زیادہ مقبول ہوتی ہیں اور اکثر طور پر حصولِ مراد کا ذریعہ ہوتی ہیں۔

پہلی شق باطل ہے چند دلیلیں ملاحظہ ہوں:

(١) دلیل عقلی کہ دعا اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مقبول ہوتی ہے اور اس کی رحمت نیکوں کے قریب اور بدکاروں سے بعید ہوتی ہے۔ انبیاء واولیاء' ابرار وصالحین کو رحمت الٰہیہ کے قرب وبعد میں عوام الناس' اشقیاء' اشرار اور مفسدہ پردازوں کے برابر جاننا کفر اور الحاد ہے۔

(٢) دلیل سمعی: احادیث کثیرہ سے ثابت ہے کہ انبیاء وصالحین کی دعائیں' عامۃ الناس اور خطا کاروں کی نسبت زیادہ قبول ہوتی ہیں اور حصول مدعا کا اکثر سبب بنتی ہیں اس امر کی حقیقت کا انکار بھی کفر اور زندقہ کی طرف لے جائے گا اور درحقیقت نبوت وولایت کے انکار تک پہنچا دے گا۔

لہٰذا دوسری شق متعین ہوگئی اور واضح ہوگیا کہ دعا کی قبولیت' قرب اور نیکی کی علامت ہے۔ ہر شخص کو اجازت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے اپنی ذات کے لئے اپنوں اور بیگانوں کے لئے دعا کرسکتا ہے مگر شرط یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور مومنوں کو اس کے لئے دعا سے منع نہ فرمایا ہو جیسے کہ مشرکین کے لئے دعا کرنے سے ممانعت فرمائی ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ. (التوبۃ: ١١٣)

اور نبی اور مسلمانوں کو جائز نہیں کہ وہ مشرکوں کے لئے مغفرت کی دعا کریں اگرچہ وہ قریبی رشتہ دار ہوں جبکہ ان پر ظاہر ہو چکا کہ وہ جہنمی ہیں۔

اس بیان سے ظاہر ہوگیا کہ قبول شفاعت کی دو شرطیں ہیں:

(١) ایسے شخص کی سفارش کی گئی ہو جس کے لئے سفارش کرنے سے اللہ تعالیٰ نے ممانعت نہ فرمائی۔

(٢) سفارش کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کا قرب حاصل ہو لہٰذا اگر مقرب دربار الٰہی کسی ایسے شخص کی شفاعت کرے جس کی شفاعت سے ممانعت وارد نہ ہو تو اس کی شفاعت مقبول ہوگی جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا. (طٰہٰ: ۱۰۹) قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں صرف اس شخص شفاعت فائدہ دے گی جس کے لئے اس نے اجازت دی ہوگی اور جس کا قول اس کو پسند ہوگا۔

(یعنی بلند مقام اور پسندیدہ گفتگو والے کی شفاعت ہی فائدہ دے گی)

(۳) شفاعت بالاذن

شفاعت بالاذن کا معنی اس طرح سمجھنا چاہئے کہ مثلاً اگر بادشاہ کے دربار میں ایسے مجرم کو پکڑ کر پیش کیا جائے کہ اس جیسے کئی جرائم بادشاہ نے معاف کر دیئے ہیں۔ کچھ مقرب جو بادشاہ کے سامنے بات کر سکتے ہیں اور اپنے ہم مرتبہ افراد میں عزت و مرتبہ کی زیادتی کے اعتبار سے ممتاز ہیں اس مجرم کی شفاعت کرنا چاہتے ہیں۔ ممکن ہے کہ اس کے دربار میں شفاعت کے لئے لب کشائی کریں کیونکہ انہیں بادشاہ کے سامنے ایسے جرائم کی معافی طلب کرنے کی اجازت ہوتی ہے اور جرم ایسا نہیں ہے کہ بادشاہ نے عہد کیا ہو کہ اس جرم کے مرتکب کو ضرور سزا دے گا۔ ہو سکتا ہے کہ بادشاہ ان مقربین کے مقام اور مرتبہ کے پیش نظر جو اسی کا عطا کردہ ہے سفارش قبول کرلے اور اس مجرم کو سزا نہ دے۔

ہاں ہر کس و ناکس جو بادشاہ کے سامنے بات کرنا تو کجا اونچا سانس تک نہیں لے سکتا' اس کی یہ مجال نہیں کہ مجرم کی طرف دیکھے وہ خود کسی حیثیت کا مالک نہیں اس کی بات کی کیا وقعت ہوگی شفاعت تو دور کی بات ہے۔

اگر جرم ایسا ہے کہ بادشاہ کی عادت ہے کہ اس کے بدلے ضرور سزا دیتا ہے تو کسی کو ہمت نہیں پڑے گی کہ اس کی معافی کی درخواست کرے اور اس کی بخشش چاہے کیونکہ ہر شخص جانتا ہے کہ بادشاہ نے عہد کر رکھا ہے کہ اس جرم پر ضرور سزا دی جائے گی لہٰذا کسی کی طاقت نہیں کہ سر اٹھا کر بادشاہ کو دیکھے اور اس مجرم کو چھڑا لے۔

شفاعت بالاذن کی صورت میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ بادشاہ خود بخود از راہ مہربانی اس مجرم کے گناہ بخشنا چاہتا تھا۔ مقربین کی سفارش لغو اور بے فائدہ ہے کیونکہ بادشاہ نے خود رحم نہیں کیا بلکہ سفارشی کی سفارش بخشش کا سبب بنی ہے لہٰذا اگر مجرم کہے کہ بادشاہ نے از خود رحم فرما کر مجھے بخش دیا ہے اور شفاعت کا کوئی دخل نہیں ہے تو وہ نعمت شفاعت کا ناشکرا ہوگا۔

(تحقیق الفتویٰ ص ۸۳۔۷۲' مطبوعہ بندیال' ۱۳۹۹ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجاہت کے متعلق قرآن مجید کی آیات

ہم اس سے پہلے علامہ فضل حق خیر آبادی سے شفاعت بالوجاہت کا معنی نقل کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو عموماً اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خصوصاً بہت عزت اور فضیلت عطا فرمائی ہے' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دی ہوئی عزت اور فضیلت کو ظاہر کرنے کے لیے ہم یہاں چند آیات پیش کر رہے ہیں:

(۱) وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ○ (الانبیاء: ۱۰۷) اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے۔

(۲) مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ. (الانفال: ۳۳) اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ وہ کفار پر عذاب نازل کرے درآں حالیکہ آپ ان کے درمیان ہوں۔

(۳) فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا. (البقرة: ۱۴۴) ہم آپ کا قبلہ وہی بنا دیں گے جس پر آپ راضی ہیں۔

(۴) فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ○ (طٰہٰ: ١٣٠)
آپ دن کے اطراف میں نماز پڑھیے تاکہ آپ (اللہ ...) راضی ہوں۔

(۵) وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ○ (الضحیٰ: ۵)
آپ کا رب آپ کو عنقریب اس قدر دے گا کہ آپ را... ہو جائیں گے۔

(۶) عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ○ (بنی اسرائیل: ۷۹)
اللہ تعالیٰ آپ کو عنقریب مقام محمود پر فائز فرمائے گا۔

(۷) اَلَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ○ وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ ○ (الشعراء: ۲۱۹-۲۱۸)
وہ جو آپ کو دیکھتا رہتا ہے خواہ آپ قیام میں ہوں' یا سجد... کرنے والوں میں پلٹ رہے ہوں۔

(۸) وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ (سبا: ۲۸)
ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے بشارت دینے والا او... عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

(۹) قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ (آل عمران: ۳۱)
آپ کہیے اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو ... اللہ خود تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا او... اللہ بہت بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے۔

(۱۰) اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۙ○ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۙ○ وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا ○ (الفتح: ۳-۱)
بے شک ہم نے آپ کو روشن فتح عطا فرمائی ○ تاکہ اللہ ... آپ کے اگلے اور پچھلے بہ ظاہر خلاف اولیٰ سب کام معاف فرما... دے اور آپ پر اپنی نعمت پوری کر دے اور آپ کو صراط مستقیم پر ... برقرار رکھے ○ اور اللہ آپ کی غالب مدد فرمائے ○

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجاہت کے متعلق احادیث

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجاہت کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

(۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں میں ان عورتوں پر غیرت کرتی تھی جنہوں نے اپنا نفس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کر دیا تھا اور میں کہتی تھی کیا عورت بھی اپنا نفس ہبہ کر سکتی ہے؟ پھر جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِيْۤ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ ؕ وَمَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ (الاحزاب: ۵۱)
آپ کو اپنی ازواج کے متعلق اختیار ہے کہ آپ ان میں ... سے جس کو چاہیں مؤخر کر دیں اور جس کو چاہیں اپنے پاس جگہ دیں ... اور جس زوجہ کو آپ نے مؤخر کیا تھا اگر آپ اس کو (پھر) طلب کر ... لیں تو آپ پر کوئی حرج نہیں ہے۔

(یعنی آپ پر ازواج کے پاس باری باری جانا واجب نہیں ہے۔ آپ جس کے پاس چاہیں پہلے جائیں اور جس کے ... پاس چاہیں بعد میں جائیں اور چاہیں تو بعد والی کے پاس پہلے چلے جائیں۔) تو میں نے کہا میں اس کے سوا کچھ نہیں دیکھتی ک... آپ کا رب آپ کی خواہش پوری کرنے میں بہت جلدی فرماتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۸۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۶۴' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۱۹۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۰۰' صحیح ابن حبان ...)

دیث: ۶۳۶۷' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۰۹۶۵' عالم الکتب)

۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں قیامت کے دن تمام اولاد آدم کا سردار ہوں گا' سب سے پہلے میری قبر شق ہوگی اور میں سب سے پہلے شفاعت کروں گا اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول کی جائے گی۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۷۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۷۳)

۳) حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کی اولاد میں سے حضرت اسماعیل کو چن لیا اور حضرت اسماعیل کی اولاد میں سے بنوکنانہ کو چن لیا' اور بنوکنانہ میں سے قریش کو چن لیا اور قریش میں سے بنوہاشم کو چن لیا اور بنوہاشم میں سے مجھ کو چن لیا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۷۶' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۰۵' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۷۴۸۵' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۲۴۲' المعجم الکبیر ج ۲۲ رقم الحدیث: ۱۶۱' دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۱۶۶' شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۶۱۳)

۴) المطلب بن ابی وداعۃ نے کہا کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا: میں کون ہوں' صحابہ نے کہا آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ نے فرمایا میں محمد بن عبداللہ بن المطلب ہوں' اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا اور مجھے ان کے بہتر گروہ میں رکھا' پھر ان کے دو گروہ کیے اور مجھے سب سے اچھے گروہ میں رکھا' پھر اس گروہ کے قبائل بنائے اور مجھے سب سے اچھے قبیلہ میں رکھا' پھر ان کے گھر بنائے اور مجھے سب سے اچھے گھر میں رکھا اور میں ان میں سے سب سے اچھا شخص ہوں۔ یہ حدیث حسن ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۰۸' مسند احمد ج ۱ ص ۱۰۱' دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۱۷۱)

(۵) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب لوگوں کو قبروں سے اٹھایا جائے گا تو میں سب سے پہلے نکلوں گا' اور جب وہ وفد بنائیں گے تو میں ان کا خطیب ہوں گا' اور جب وہ مایوس ہوں گے تو میں ان کو بشارت دوں گا' اس دن حمد کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا اور میں اللہ کے نزدیک اولاد آدم میں سب سے مکرم ہوں گا' اور فخر نہیں ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۱۰' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۴۹' دلائل النبوۃ ج ۵ ص ۴۸۴' شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۶۲۴)

(۶) حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن میں اولاد آدم کا سردار ہوں گا اور فخر نہیں' اور حمد کا جھنڈا میرے ہی ہاتھ میں ہوگا اور فخر نہیں' حضرت آدم ہوں یا ان کے سوا جو نبی بھی ہو وہ اس دن میرے جھنڈے کے نیچے ہوگا اور میں سب سے پہلے (قبر کی) زمین سے نکلوں گا اور فخر نہیں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۱۵)

۷) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب آپ کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ باہر نکلے حتیٰ کہ ان کے قریب پہنچ کر ان کی باتیں سننے لگے۔ ان میں سے بعض نے کہا تعجب ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے خلیل بنایا تو حضرت ابراہیم کو خلیل بنایا۔ دوسرے نے کہا اس سے زیادہ کیا تعجب ہوگا کہ حضرت موسیٰ کو کلیم بنایا۔ ایک اور نے کہا حضرت عیسیٰ اللہ کا کلمہ اور اس کی روح ہیں' ایک اور نے کہا حضرت آدم کو اللہ نے چن لیا' پھر ان کے پاس آپ آئے اور ان کو سلام کر کے فرمایا: میں نے تمہاری باتیں اور تمہارا تعجب سنا کہ ابراہیم اللہ کے خلیل ہیں اور وہ اسی طرح ہیں' اور موسیٰ اللہ سے کلام کرنے والے ہیں وہ اسی طرح ہیں' اور عیسیٰ اللہ تعالیٰ کا کلمہ اور اس کی روح ہیں

وہ اسی طرح ہیں' اور آدم کو اللہ نے چن لیا ہے وہ اسی طرح ہیں۔ سنو! میں اللہ کا حبیب ہوں اور فخر نہیں ہے' اور میں ہی قیامت کے دن حمد کا جھنڈا اٹھانے والا ہوں اور فخر نہیں ہے' اور قیامت کے دن میں ہی سب سے پہلے شفاعت کروں گا اور میری ہی شفاعت سب سے پہلے قبول ہوگی اور فخر نہیں ہے' اور میں ہی سب سے پہلے جنت کی کنڈی کھٹکھٹانے والا ہوں پس جنت کو میرے لیے کھول دیا جائے گا اور مجھ کو اس میں داخل کیا جائے گا اور میرے ساتھ فقراء مومنین ہوں گے اور فخر نہیں ہے' اور میں تمام اولین اور آخرین سے زیادہ مکرم ہوں اور فخر نہیں ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ٣٦١٦)

(٨) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمام رسولوں کا قائد ہوں اور فخر نہیں' اور میں خاتم النبیین ہوں اور فخر نہیں' اور میں سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول کی جائے گی اور فخر نہیں۔

(سنن دارمی رقم الحدیث: ٤٩' مشکوٰۃ رقم الحدیث: ٥٧٦٤' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ١٧٢' مجمع الزوائد ج ٨' ص ٢٥٤' کنز العمال رقم الحدیث: ٣١٨٨٣' ٣٢٠٥٥)

(٩) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں قیامت کے دن جنت کے دروازہ کے پاس آکر اس کو کھلواؤں گا جنت کا محافظ کہے گا آپ کون ہیں میں کہوں گا (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ کہے گا مجھے آپ ہی کے لیے حکم دیا گیا تھا کہ آپ سے پہلے میں کسی کے لیے دروازہ نہیں کھولوں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ١٩٧)

(١٠) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قول کی تلاوت کی:

رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ (ابراہیم: ٣٦)

اے میرے رب! ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گم راہ کر دیا ہے سو جس شخص نے میری پیروی کی وہ میرے طریقہ (محمودہ) پر ہے' اور جس نے میری نافرمانی کی تو' تو بہت بخشنے والا' بہت رحم فرمانے والا ہے۔

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا:

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (المائدہ: ١١٨)

اگر تو ان کو عذاب دے تو بے شک وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو بخش دے تو بے شک تو بہت غالب بہت حکمت والا ہے۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی: اے اللہ! میری امت' میری امت' اور آپ رو پڑے' پھر اللہ عزوجل نے فرمایا: اے جبریل! محمد کے پاس جاؤ' اور آپ کا رب خوب جاننے والا ہے' سو ان سے سوال کرو کہ ان کو کیا چیز رلاتی ہے؟ پس آپ کے پاس جبریل علیہ السلام گئے اور آپ سے سوال کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بتایا جو انہوں نے دعا کی تھی' تب اللہ عزوجل نے فرمایا: اے جبریل! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جاؤ اور کہو ہم آپ کو آپ کی امت کے متعلق راضی کر دیں گے اور ہم آپ کو رنجیدہ نہیں کریں گے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢٠٢' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ١١٢٦٩)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجاہت کے متعلق علامہ نووی' علامہ آلوسی اور شیخ ابن تیمیہ کی تصریحات

علامہ نووی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے اس حدیث میں آپ کی امت کے لیے عظیم بشارت ہے اور آپ کی

امت کے لیے اس حدیث میں تمام احادیث سے زیادہ امید افزا کلمات ہیں' اور اس حدیث میں یہ بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت بڑا رتبہ ہے اور اللہ سبحانہ کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت لطف و کرم ہے' اور جبریل علیہ السلام کو بھیج کر سوال کرنے کی حکمت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف کا اظہار ہے اور یہ بتانا ہے کہ آپ بہت بلند مقام پر ہیں آپ کو راضی کیا جاتا ہے اور آپ کی وہ تکریم کی جاتی ہے جس سے آپ راضی ہوں اور یہ حدیث اللہ عزوجل کے اس قول کے موافق ہے:

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰىO اور ضرور عنقریب آپ کا رب آپ کو (اتنا) عطا فرمائے گا (الضحیٰ:۵) کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔

اور اللہ تعالیٰ نے یہ جو فرمایا ہے: اور ہم آپ کو رنجیدہ نہیں کریں گے اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ بعض گنہگار مسلمانوں کو معاف کر دیتا اور باقی مسلمانوں کو دوزخ میں ڈال دیتا تو بعض کو معاف کر دینے سے آپ راضی تو ہو جاتے لیکن باقی مسلمانوں کو دوزخ میں داخل کرنے سے آپ رنجیدہ ہوتے اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم آپ کو رنجیدہ نہیں کریں گے بلکہ تمام مسلمانوں کو نجات دے دیں گے۔ واللہ اعلم۔

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ ''ولسوف يعطيك ربك فترضٰى'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہ اللہ تعالیٰ کا آپ سے وعدہ کریمہ ہے جو ان چیزوں کو شامل ہے جو اس نے آپ کو دنیا میں عطا فرمائی ہیں کہ آپ کی ذات کو کامل بنایا ہے' اور آپ کو اولین اور آخرین کے علوم عطا فرمائے ہیں آپ کے زمانہ اور آپ کے خلفاء کے زمانہ کی فتوحات سے آپ کے دین کو ظہور اور غلبہ عطا فرمایا ہے اور آپ کی دعوت کو زمین کے مشارق اور مغارب میں پھیلا دیا ہے' اور آخرت میں اللہ عزوجل نے آپ کے لیے ان عزتوں اور کرامتوں کو ذخیرہ کیا ہوا ہے جن کی تفصیل کو وہ خود ہی جانتا ہے۔

امام ابن المنذر' امام ابن مردویہ اور امام ابونعیم روایت کرتے ہیں کہ حرب بن شریح نے امام ابوجعفر محمد بن علی بن الحسن علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ بتائیے شفاعت کی جو حدیث اہل عراق بیان کرتے ہیں کیا وہ برحق ہے؟ انہوں نے کہا ہاں خدا کی قسم! مجھے محمد بن حنفیہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے یہ حدیث بیان کی ہے: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اپنی امت کے لیے شفاعت کروں گا حتیٰ کہ میرا رب ندا کرے گا اے محمد! کیا آپ راضی ہو گئے میں کہوں گا ہاں اے میرے رب! میں راضی ہو گیا۔

علامہ ابوالحیان اندلسی متوفی ۷۵۴ھ نے کہا ہے کہ اس آیت میں دنیا اور آخرت کی رضا کا عموم مراد لینا زیادہ بہتر ہے' ہرچند کہ آخرت کی نعمتوں کا مرتبہ دنیا کی نعمتوں سے بہت زیادہ ہے۔

امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ نے حضرت ابن عباس سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا یہ ہے کہ آپ کے اہل بیت میں سے کوئی دوزخ میں داخل نہیں ہو ۔ (جامع البیان رقم الحدیث:۲۹۰۵۳)

امام بیہقی نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا یہ ہے کہ آپ کی کل امت جنت میں داخل ہو۔ (شعب الایمان ج ۲ ص ۱۶۴' رقم الحدیث: ۱۴۴۵)

خطیب بغدادی نے تلخیص المتشابہ میں ایک اور سند سے روایت کیا ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم راضی نہیں ہوں گے اگر آپ کا ایک امتی بھی دوزخ میں ہو۔

یہ وہ احادیث ہیں جن سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی امت پر عظیم شفقت' رحمت اور ان کی مغفرت کی حرص معلوم ہوتی

ہے۔ (روح المعانی جز ٣٠ ص ٢٨٩۔ ٢٨٧ ملخصاً' البحر المحیط ج ١٠ ص ٤٩٦' الدر المنثور ج ٨ ص ٥٤٣-٥٤٢)

شیخ تقی الدین احمد بن تیمیہ الحرانی المتوفی ٧٢٨ ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا:

وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا (الاحزاب: ٦٩) وہ اللہ کے نزدیک وجاہت اور عزت والے تھے۔

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا:

وَجِيْهًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۝ (آل عمران: ٤٥) وہ دنیا اور آخرت میں وجاہت والے اور مقربین میں سے تھے۔

اور جب حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام اللہ تعالیٰ کے نزدیک وجاہت والے تھے تو وہ صاحب وجاہت کیوں نہ ہوں گے جو تمام اولاد آدم کے سردار ہیں اور مقام محمود والے ہیں' جن پر اولین اور آخرین رشک کریں گے' حوض کوثر کے وارث ہیں' وہ قیامت کے دن اس وقت شفاعت کریں گے جب حضرت آدم اور اولوالعزم نبی' حضرت نوح' حضرت ابراہیم' حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ شفاعت سے پیچھے ہٹ جائیں گے اور آپ آگے بڑھ کر شفاعت کریں گے' اور آپ ہی صاحب اللواء ہیں۔ حضرت آدم اور ان کے ماسوا سب آپ کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور آپ ہی تمام انبیاء کے امام ہیں اور ان کے وفد کے خطیب ہیں۔ (مجموعۃ الفتاویٰ ج ١ ص ٢٢٣' مطبوعہ دار الجیل' ١٤١٨ھ)

شفاعت کے متعلق سید ابوالاعلیٰ مودودی کا نظریہ

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ١٣٩٩ھ لکھتے ہیں:

یہاں وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ شفاعت پر یہ پابندی کیوں ہے فرشتے ہوں یا انبیاء یا اولیاء' کسی کو بھی یہ معلوم نہیں ہے اور نہیں ہوسکتا کہ کس کا ریکارڈ کیسا ہے۔ کون دنیا میں کیا کرتا رہا ہے اور اللہ کی عدالت میں کس سیرت و کردار اور کیسی کیسی ذمہ داریوں کے بارلے کر آیا ہے۔ اس کے برعکس اللہ کو ہر ایک کے پچھلے کارناموں اور کرتوتوں کا بھی علم ہے اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ اب اس کا موقف کیا ہے۔ نیک ہے تو کیسا نیک ہے اور مجرم ہے تو کس درجے کا مجرم ہے۔ معافی کے قابل ہے یا نہیں۔ پوری سزا کا مستحق ہے یا تخفیف اور رعایت بھی اس کے ساتھ کی جاسکتی ہے۔ ایسی حالت میں یہ کیونکر صحیح ہوسکتا ہے کہ ملائکہ اور انبیاء اور صلحاء کو سفارش کی کھلی چھٹی دے دی جائے اور ہر ایک جس کے حق میں جو سفارش چاہے کر دے۔ ایک معمولی افسر اپنے ذرا سے محکمے میں اگر اپنے ہر دوست یا عزیز کی سفارشیں سننے لگے تو چار دن میں سارے محکمے کا ستیاناس کر کے رکھ دے گا۔ پھر بھلا زمین و آسمان کے فرمانروا سے یہ کیسے توقع کی جاسکتی ہے کہ اس کے ہاں سفارشوں کا بازار گرم ہوگا' اور ہر بزرگ جا جا کر جس کو چاہیں گے بخشوا لائیں گے' درآنحالیکہ ان میں سے کسی بزرگ کو بھی یہ معلوم نہیں ہے کہ جن لوگوں کی سفارش وہ کر رہے ہیں ان کے نامۂ اعمال کیسے ہیں۔ دنیا میں جو افسر کچھ بھی احساس ذمہ داری رکھتا ہے اس کی روش یہ ہوتی ہے کہ اگر اس کا کوئی دوست اس کے کسی قصور وار ماتحت کی سفارش لے کر جاتا ہے تو اس سے کہتا ہے کہ آپ کو خبر نہیں ہے کہ یہ شخص کتنا کام چور' نافرض شناس' رشوت خوار اور خلق خدا کو تنگ کرنے والا ہے' میں اس کے کرتوتوں سے واقف ہوں۔ اس لیے آپ براہِ کرم مجھ سے اس کی سفارش نہ فرمائیں۔ اسی چھوٹی سی مثال پر قیاس کر کے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس آیت میں شفاعت کے متعلق جو قاعدہ بیان کیا گیا ہے وہ کس قدر صحیح' معقول اور مبنی بر انصاف ہے۔ خدا کے ہاں شفاعت کا دروازہ بند نہ ہوگا۔ نیک بندے جو دنیا میں خلق خدا کے ساتھ ہمدردی کا برتاؤ کرنے کے عادی تھے انہیں آخرت میں بھی ہمدردی کا حق ادا کرنے کا موقع دیا جائے گا۔

لیکن وہ سفارش کرنے سے پہلے اجازت طلب کریں گے اور جس کے حق میں اللہ تعالیٰ انہیں بولنے کی اجازت دے گا صرف اسی کے حق میں وہ سفارش کر سکیں گے۔ پھر سفارش کے لیے بھی شرط یہ ہوگی کہ وہ مناسب اور مبنی برحق ہو۔ جیسا کہ وقال صوابا (اور بات ٹھیک کہے) کا ارشاد ربانی صاف بتا رہا ہے بونگی سفارشیں کرنے کی وہاں اجازت نہ ہوگی کہ ایک شخص دنیا میں سینکڑوں، ہزاروں بندگان خدا کے حقوق مار آیا ہو اور کوئی بزرگ اٹھ کر سفارش کر دیں کہ حضور اسے انعام سے سرفراز فرمائیں یہ میرا خاص آدمی ہے۔ (تفہیم القرآن ج ۳ ص ۱۲۸۔۱۲۶، مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن لاہور، ۱۹۸۳ء)

سید ابوالاعلیٰ مودودی کے نظریۂ شفاعت پر بحث ونظر اور قیامت کے دن انبیاء علیہم السلام کا علم

قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں سید ابوالاعلیٰ مودودی نے شفاعت کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کے خلاف ہے، اس اقتباس میں سید مودودی نے تین باتیں غلط لکھی ہیں ایک یہ کہ انبیاء علیہم السلام جن کی شفاعت کریں گے انہیں ان کے ایمان اور اعمال کا علم نہیں ہوگا۔ دوسری یہ کہ انہوں نے فرض کر لیا ہے کہ ہر شخص کی شفاعت کے لیے اس کے متعلق اذن مخصوص لینا ضروری ہے، اور تیسری یہ کہ جو شخص غلط کار، بدکار اور گنہگار ہوگا اس کی شفاعت نہیں کی جائے گی۔

سید مودودی نے اللہ تعالیٰ کو سرکاری افسر پر اور انبیاء کرام کو اس کے دوستوں پر قیاس کیا ہے اور یہ فرض کر لیا ہے کہ انبیاء کرام اور خصوصاً سید الانبیاء وسیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ علم نہیں ہوگا کہ جن کی وہ شفاعت کر رہے ہیں انہوں نے کیسی زندگی گزاری تھی اور ان کا کیا عقیدہ تھا اور یہ عقیدہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں باطل ہے۔ قرآن مجید میں یہ تصریح ہے کہ قیامت کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے نیک ہونے اور ان کی شہادت کے برحق اور صادق ہونے کی شہادت دیں گے اور ظاہر ہے کہ بغیر علم کے شہادت دینا صحیح نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ (البقرہ: ۱۴۳)

اور اسی طرح ہم نے تمہیں بہترین امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور یہ رسول تمہارے حق میں گواہ ہو جائیں۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن نوح کو بلایا جائے گا وہ کہیں گے اے میرے رب! میں حاضر ہوں، اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم نے تبلیغ کی تھی وہ کہیں گے ہاں، پھر ان کی امت سے پوچھا جائے گا آیا انہوں نے تم کو تبلیغ کی تھی؟ وہ کہیں گے ہمارے پاس کوئی عذاب سے ڈرانے والا نہیں آیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نوح سے فرمائے گا تمہارے حق میں کون گواہی دے گا وہ کہیں گے (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ کی امت۔ پھر وہ گواہی دیں گے کہ نوح نے تبلیغ کی تھی اور اس کی تصدیق اس آیت میں ہے: وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ (البقرہ: ۱۴۳)

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۴۸۷، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۹۶۱، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۸۴، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۴۵۴، مسند احمد ج ۳ ص ۹، مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۱۱۷۳، کتاب الاسماء والصفات ص ۲۱۶)

مشہور مفسر قاضی عبد اللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۶ھ اس اشکال کا جواب دیتے ہیں کہ جب شہادت کے بعد ''علیٰ'' کا ذکر ہو تو اس کا معنی عربی قواعد کے مطابق کسی کے خلاف گواہی دینا ہوتا ہے اور یہاں مقصود یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امت کے حق میں ان کے نیک ہونے اور ان کی شہادت کے صادق اور برحق ہونے کی شہادت دیں۔ پس قاضی بیضاوی لکھتے ہیں:

اس آیت میں شہید کا لفظ رقیب اور مہیمن (نگہبان) کے معنی کو متضمن ہے اور ''علیٰ'' کا لفظ شہادت کا صلہ نہیں ہے بلکہ

رقیب کا صلہ ہے اور اس کا معنی ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت پر نگہبان اور ان کے احوال پر مطلع ہیں۔

علامہ احمد بن محمد خفاجی حنفی متوفی ١٠٦٩ھ قاضی بیضاوی کی اس عبارت کی شرح میں لکھتے ہیں:

جب شہادت کا صلہ "علی" ہو تو اس کا معنی کسی کے خلاف شہادت دینا ہوتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت امت کے حق میں ہو گی کیونکہ آپ ان کی شہادت کا تزکیہ کریں گے یعنی ان کی شہادت کو برحق قرار دیں گے۔ علامہ بیضاوی نے اس کا یہ جواب دیا کہ یہاں شہید کا لفظ رقیب اور مہیمن کے معنی کو متضمن ہے کیونکہ جو شخص کسی کا تزکیہ کرتا ہے وہ اس کے احوال کو جاننے والا ہوتا ہے۔ (عنایۃ القاضی علی تفسیر البیضاوی ج ٢ ص ٣١٢، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ١٤١٧ھ)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی متوفی ١٢٣٩ھ اس آیت کی تفسیر لکھتے ہیں:

یعنی تمہارے رسول تمہارے اوپر گواہ ہیں کیونکہ وہ نور نبوت سے ہر دیندار کے دین پر مطلع ہیں کہ وہ میرے دین کے کس درجہ پر پہنچا ہوا ہے اور اس کے ایمان کی حقیقت کیا ہے اور جس حجاب کی وجہ سے وہ دین میں ترقی نہ کر سکا وہ کون سا ہے پس وہ تمہارے گناہوں اور ایمان کے درجات اور تمہارے اچھے اور برے اعمال اور اخلاص و نفاق کو پہچانتے ہیں اس لیے امت کے دنیاوی امور میں آپ کی گواہی بہ حق شرع مقبول اور واجب العمل ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اپنے زمانہ کے حاضرین مثلاً اصحاب و ازواج و اہل بیت رضی اللہ عنہم اجمعین یا غائبین مثلاً اویس و مہدی اور مفتون دجال کے فضائل و مناقب بیان فرمائے ہیں یا اپنے زمانہ کے حاضر و غائب لوگوں کے عیوب و قبائح بیان فرمائے ہیں، ان پر اعتقاد رکھنا واجب ہے۔ اور اسی قبیل سے ہے جو روایات میں آیا ہے کہ ہر نبی کو اپنی امت کے اعمال پر مطلع کیا جاتا ہے کہ فلاں آج یہ کرتا ہے اور فلاں یہ تا کہ قیامت کے دن ان پر گواہی دے سکیں۔ (تفسیر عزیزی (فارسی) ج ١ ص ٦٣٦، مطبوعہ ہند)

قرآن مجید کی اس آیت کریمہ اور مستند اور مسلم مفسرین نے جو اس کی تفسیر کی ہے اس سے یہ واضح ہو گیا کہ قیامت کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت کے ایمان اور اس کے درجات کا اور ان کے اعمال کا علم ہو گا۔ اس کے علاوہ بہ کثرت احادیث میں بھی اس پر دلیل ہے:

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ پر میری امت کے اعمال پیش کیے گئے نیک اور بد، میں نے نیک اعمال میں یہ (عمل) پایا کہ راستہ سے کوئی تکلیف دہ چیز ہٹا دی جائے اور برے اعمال میں یہ پایا کہ مسجد میں ناک کی رینٹ ڈال دی جائے اور اس کو دفن نہ کیا جائے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ٥٥٣، سنن ابی ماجہ رقم الحدیث: ٣٦٨٣، مسند احمد ج ٥ ص ١٨٠۔ ١٧٨، صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ١٣٠٨)

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک جب اللہ اپنے بندوں میں سے کسی امت پر رحمت کا ارادہ فرماتا ہے تو اس امت سے پہلے اس کے نبی کی روح کو قبض فرما لیتا ہے، اور اس کو ان کے لیے صالح پیش رو اور ان کی خیر اور فلاح کا منتظم بنا دیتا ہے اور وہ ان کے حق میں نیکی کی گواہی دیتا ہے، اور جب اللہ کسی امت کی ہلاکت کا ارادہ فرماتا ہے تو نبی کی زندگی میں اس امت کو عذاب میں مبتلا کر کے ہلاک کر دیتا ہے اور اس کو ہلاک کر کے نبی کی آنکھیں ٹھنڈی کر دیتا ہے کیونکہ انہوں نے نبی کی تکذیب کی تھی اور اس کی نافرمانی کی تھی۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢٢٨٨، المسند الجامع رقم الحدیث: ٨٩٢٨، البدایہ والنہایہ ج ٤ ص ٢٥٧-٢٥٦)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری حیات تمہارے لیے بہتر ہے تم باتیں کرتے ہو اور تمہارے لیے احادیث بیان کی جاتی ہیں، اور میری وفات (بھی) تمہارے لیے بہتر ہے، تمہارے

اعمال مجھ پر پیش کیے جاتے ہیں میں جو نیک عمل دیکھتا ہوں اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں اور میں جو برا عمل دیکھتا ہوں اس پر تمہارے لیے استغفار کرتا ہوں۔

(الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۱۴۹ 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ' مسند البزار رقم الحدیث: ۸۴۵' الوفاص ۸۱۰' مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۴' البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۲۵۷' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۳۷۷۱)

ان کے علاوہ بعض دیگر احادیث میں ایسے واقعات مذکور ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ آپ کو امت کے احوال اور اعمال کا علم ہوتا ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ یا مکہ کے باغات میں سے ایک باغ میں سے گزرے۔ آپ نے دو ایسے انسانوں کی آواز سنی جن کو ان کی قبروں میں عذاب دیا جا رہا تھا آپ نے فرمایا ان دونوں کو عذاب دیا جا رہا ہے اور کسی ایسے گناہ کی وجہ سے عذاب نہیں دیا جا رہا جس سے بچنا بہت دشوار ہو' پھر فرمایا کیوں نہیں! ان میں ایک پیشاب کے قطروں سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغلی کرتا تھا۔ پھر آپ نے درخت کی ایک شاخ منگائی پھر اس کے دو ٹکڑے کیے اور ہر قبر پر ایک ٹکڑا نصب کر دیا۔ آپ سے کہا گیا: یا رسول اللہ! آپ نے ایسا کیوں کیا؟ آپ نے فرمایا جب تک یہ ٹہنیاں خشک نہیں ہوں گی ان کے عذاب میں تخفیف رہے گی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۱۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۰' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۷۰' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۷)

ہر شخص کی شفاعت کے لیے مخصوص اذن لینا ضروری نہیں

یہ دونوں قبر والے مسلمان تھے اور اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو علم تھا کہ ان کے کیا گناہ ہیں اور ان کو کس وجہ سے عذاب ہو رہا ہے' اور آپ نے اپنے عمل سے ان کی شفاعت کی اور آپ کی اس شفاعت سے ان کے عذاب میں تخفیف ہوئی اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس طرح عذاب کو بالکلیہ ساقط کرنے کے لیے شفاعت کی جاتی ہے اسی طرح عذاب میں تخفیف کے لیے بھی شفاعت کی جاتی ہے' اور اس حدیث سے نہایت اہم چیز یہ معلوم ہوئی کہ ہر شخص کی شفاعت کے لیے مخصوص اذن لینا ضروری نہیں ہے۔

علامہ ابوالحیان محمد بن یوسف اندلسی متوفی ۷۵۴ھ من ذا الذی یشفع عندہ الا باذنہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اذن سے یہاں مراد شفاعت کرنے کا حکم دینا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا اشفع تشفع آپ شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی' یا علم ہے (یعنی اللہ تعالیٰ کے علم کے بغیر کوئی شفاعت نہیں کرے گا) یا شفاعت پر قدرت دینا ہے خواہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر شفاعت کریں (یعنی اللہ تعالیٰ نے انبیاء' اولیاء اور صلحاء کو گنہگار کی شفاعت پر قادر کر دیا ہے)۔ (البحر المحیط ج ۲ ص ۶۱۰' مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شفاعت کرنے کا حکم دیا ہے اس کی مثال قرآن مجید کی ان آیات میں ہے:

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ (محمد: ۱۹) اور آپ اپنے بہ ظاہر خلاف اولیٰ کاموں کی بخشش طلب کریں اور مسلمان مردوں اور عورتوں کے گناہوں کے لیے استغفار کریں۔

جنگ اُحد میں جو صحابہ آپ کے منع کرنے کے باوجود احد پہاڑ کے درہ سے ہٹ گئے تھے ان کے متعلق عمومی حکم فرمایا:

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ (آل عمران: ۱۵۹) سو آپ انہیں معاف کر دیں اور ان کے لیے بخشش طلب کریں۔

وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ؕ (النور: ۶۲) اور ان مسلمانوں کے لیے اللہ سے بخشش طلب کیجئے۔

وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ (الممتحنہ:۱۲) اور ان مسلمان عورتوں کے لیے اللہ سے بخشش طلب کیجئے۔

اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلمان گنہگاروں کی شفاعت کرنے کا حکم دیا ہے اس لیے ہر ایک کے لیے مخصوص اذن کی ضرورت نہیں ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ پر امتیں پیش کی گئیں۔ پھر نبی اپنی امتوں کے ساتھ گزر رہے تھے ایک نبی کے ساتھ ایک گروہ تھا۔ ایک نبی کے ساتھ دس نفر تھے۔ ایک نبی کے ساتھ پانچ تھے اور ایک نبی کے ساتھ صرف ایک امتی تھا۔ پھر میں نے دیکھا تو بہت لوگ نظر آئے میں نے کہا اے جبریل یہ میری امت ہے؟ انہوں نے کہا لیکن آپ آسمان کے کناروں کو دیکھئے۔ میں نے دیکھا تو بہت بڑی جماعت تھی۔ جبریل نے کہا یہ آپ کی امت ہے اور ان کے آگے ستر ہزار ایسے لوگ ہیں جن پر نہ حساب ہوگا نہ عذاب ہوگا' میں نے پوچھا کیوں تو کہا یہ وہ لوگ ہیں جو نہ داغ لگوائیں گے نہ دم کرائیں گے نہ فال نکالیں گے یہ صرف اپنے رب پر ہی توکل کریں گے۔ پھر آپ کی طرف عکاشہ بن محصن کھڑے ہوئے اور کہا آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ اللہ مجھے ان میں سے کر دے آپ نے کہا اے اللہ اس کو ان میں سے کر دے۔ الحدیث (صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۵۴۱' صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۲۰' مسند احمد رقم الحدیث:۳۸۱۹' عالم الکتب)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر اذن مخصوص کے حضرت عکاشہ کی شفاعت کی۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما یہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے جب تم مؤذن (کی اذان) کو سنو تو اس کی مثل (کلمات اذان) کہو' پھر مجھ پر صلوٰۃ پڑھو۔ کیونکہ جو مجھ پر ایک صلوٰۃ پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس صلاتیں پڑھتا ہے۔ پھر میرے لیے اللہ سے وسیلہ کا سوال کرو کیونکہ وسیلہ جنت میں ایک بلند مقام ہے جو اللہ کے بندوں میں سے کسی ایک بندہ کو ملے گا اور مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہوں' سو جس نے میرے لیے وسیلہ کا سوال کیا اس کے لیے میری شفاعت حلال ہو جائے گی۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۳۸۴' سنن ابو داؤد رقم الحدیث:۵۲۳' سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۶۱۴' سنن النسائی رقم الحدیث:۶۷۸)

اس حدیث میں شفاعت کا استحقاق بیان فرمایا ہے اور اس میں بھی اذن مخصوص کا ذکر نہیں ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن میری شفاعت کے ساتھ سب سے زیادہ کامیاب وہ شخص ہوگا جس نے اخلاص قلب کے ساتھ لا الہ الا اللہ کہا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۹۹' مسند احمد رقم الحدیث:۸۸۴۵)

اس حدیث میں یہ بیان فرمایا ہے کہ انسان کلمہ پڑھتے ہی شفاعت کا مستحق ہو جاتا ہے۔ اس میں بھی اذن مخصوص حاصل کرنے کا ذکر نہیں ہے۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ نے کلمہ پڑھنے والوں اور موحدین کے لیے انبیاء علیہم السلام کو شفاعت کا اذن بلکہ حکم دیا ہے اور کسی کلمہ پڑھنے والے موحد کے لیے الگ سے اذن شفاعت حاصل کرنا ضروری نہیں ہے تاہم بعض احادیث میں اذن لینے کا بھی ذکر ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث کے آخر میں ہے' قیامت کے دن سب نبیوں کے پاس جانے کے بعد لوگ میرے پاس آئیں گے سو میں اپنے رب سے اذن طلب کروں گا پھر میں سجدہ میں گر جاؤں گا اللہ جب تک چاہے گا مجھے سجدہ میں چھوڑے رکھے گا پھر فرمائے گا اپنا سر اٹھائیے' سوال کیجئے عطا کیا جائے گا کہیے سنا جائے گا شفاعت کیجئے' شفاعت قبول کی جائے گی۔ الحدیث

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۵۶۵' صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۹۳)

گناہ کبیرہ کی شفاعت کے جواز اور وقوع پر قرآن اور حدیث سے دلائل

اس میں تو سب کا اتفاق ہے کہ کافر اور مشرک کی شفاعت نہیں کی جائے گی لیکن گناہ کبیرہ کرنے والوں کی شفاعت میں اختلاف ہے۔ معتزلہ اور خوارج کے نزدیک ان کی شفاعت نہیں کی جائے گی اور اہل سنت کے نزدیک ان کی شفاعت کی جائے گی۔ سید ابوالاعلیٰ نے لکھا ہے:

دنیا میں جو افسر کچھ بھی احساس ذمہ داری رکھتا ہے اس کی یہ روش ہوتی ہے کہ اگر اس کا کوئی دوست اس کے کسی قصور وار ماتحت کی سفارش لے کر جاتا ہے تو وہ اس سے کہتا ہے کہ آپ کو خبر نہیں ہے کہ یہ شخص کتنا کام چور' نا فرض شناس' رشوت خور اور خلق خدا کو تنگ کرنے والا ہے میں اس کے کرتوتوں سے واقف ہوں اس لیے آپ براہ کرم مجھ سے اس کی سفارش نہ فرمائیں۔ الخ (تفہیم القرآن ج ۳ ص ۱۲۷)

سید ابوالاعلیٰ مودودی نے جتنے گناہ گنوائے ہیں وہ سب گناہ کبیرہ ہیں اور اللہ تعالیٰ نے کبیرہ کی شفاعت سے منع نہیں فرمایا بلکہ گناہ کبیرہ کی شفاعت قبول کرنے کی بشارت دی ہے' فرمایا:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ○ (النساء: ۶۴)

اور اگر وہ کبھی اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے تو آپ کے پاس آ جاتے پھر وہ اللہ سے بخشش طلب کرتے اور رسول بھی ان کے لیے بخشش طلب کرتے تو وہ ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا بہت رحم فرمانے والا پاتے۔

واضح رہے کہ اپنی جان پر ظلم کرنا گناہ کبیرہ ہے جیسے نماز نہ پڑھنا' رشوت لینا اور دیگر حرام کام کرنا' اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کی شفاعت قبول کرنے کی بشارت دی ہے۔ اور حدیث میں ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری شفاعت میری امت کے اہل کبائر (کبیرہ گناہ کرنے والوں) کے لیے ہوگی۔ امام ترمذی نے کہا اس سند سے یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔ (صغائر نیک کام کرنے اور کبائر سے بچنے کی وجہ سے بغیر شفاعت کے محض اللہ کے فضل سے معاف ہو جاتے ہیں)

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۴۳۵' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۳۹' مسند البزار رقم الحدیث: ۳۴۶۹' مسند احمد ج ۳ ص ۲۱۳)

گناہ کبیرہ کے مرتکب کی شفاعت کی نفی پر سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اس آیت سے بھی استدلال کیا ہے:

يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ○ (النبا: ۳۸)

جس دن جبریل کھڑے ہوں گے اور فرشتے صف باندھے ہوئے اس دن صرف وہی بات کر سکے گا جسے رحمٰن نے اذن دیا ہو اور اس نے درست بات کہی ہو۔

سید مودودی لکھتے ہیں:

پھر سفارش کے لیے بھی یہ شرط ہوگی کہ وہ مناسب اور مبنی برحق ہو جیسا کہ وقال صوابا (اور بات ٹھیک کہے) کا ارشاد ربانی صاف بتا رہا ہے بونگی سفارشیں کرنے کی وہاں اجازت نہ ہوگی' کہ ایک شخص دنیا میں ہزاروں بندگان خدا کے حقوق مار آیا ہو اور کوئی بزرگ اٹھ کر سفارش کر دیں کہ حضور اسے انعام سے سرفراز فرمائیں یہ میرا خاص آدمی ہے۔ (تفہیم القرآن ج ۳ ص ۱۲۷)

سفارش کی صرف ایک ہی شرط ہے اور وہ یہ ہے کہ کافر اور مشرک کی سفارش نہیں ہوگی اور جو شخص دنیا میں ہزاروں بندگان خدا کے حقوق مار آیا ہو وہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے اس کی سفارش ہو سکتی ہے۔ امام رازی اور علامہ آلوسی اس آیت کی تفسیر میں

لکھتے ہیں:

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ وہ صرف اس کی شفاعت کریں گے جس کی رحمٰن نے اجازت دی ہو اور اس نے درست بات کہی ہو۔ اس آیت سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ وہ گنہ گاروں کی شفاعت کریں گے کیونکہ انہوں نے درست بات کہی ہے اور وہ ہے لا الٰہ الا اللہ کی شہادت دینا اور یہ سب سے زیادہ درست اور سب سے زیادہ سچی بات ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۲۵' علامہ آلوسی نے یہی تقریر حضرت ابن عباس اور عکرمہ کے حوالہ سے کی ہے' روح المعانی جز ۳۰' ص ۳۵)

جو شخص ہزاروں آدمیوں کے حقوق مار آیا ہو اس کی شفاعت کو سید ابوالاعلیٰ نے بونگی شفاعت کہا ہے' ان کے اس قول کے خلاف یہ حدیث ہے:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم سے پہلی امتوں میں سے ایک شخص نے ننانوے قتل کیے' پھر اس نے زمین والوں سے پوچھا کہ سب سے بڑا عالم کون ہے؟ اسے ایک بڑا راہب (عیسائیوں میں تارک الدنیا عبادت گزار) کا پتا بتایا گیا وہ شخص اس راہب کے پاس گیا اور یہ کہا کہ اس نے ننانوے قتل کیے ہیں۔ کیا اس کی توبہ ہو سکتی ہے؟ اس نے کہا نہیں' اس شخص نے اس راہب کو بھی قتل کر کے پورے سو قتل کر دیئے' پھر اس نے سوال کیا کہ روئے زمین پر سب سے بڑا عالم کون ہے؟ تو اس کو ایک عالم کا پتا دیا گیا۔ اس شخص نے کہا کہ اس نے سو قتل کیے ہیں کیا اس کی توبہ ہو سکتی ہے؟ عالم نے کہا: ہاں! توبہ کی قبولیت میں کیا چیز حائل ہو سکتی ہے! جاؤ' فلاں' فلاں جگہ پر جاؤ' وہاں کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت کر رہے ہیں' تم ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو' اور اپنی زمین کی طرف واپس نہ جاؤ کیونکہ وہ بری جگہ ہے' وہ شخص روانہ ہوا' جب وہ آدھے راستہ پر پہنچا تو اس کو موت نے آلیا' اور اس کے متعلق رحمت اور عذاب کے فرشتوں میں اختلاف ہو گیا' رحمت کے فرشتوں نے کہا یہ شخص توبہ کرتا ہوا اور دل سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہوا آیا تھا' اور عذاب کے فرشتوں نے کہا اس نے بالکل کوئی نیک عمل نہیں کیا' پھر ان کے پاس آدمی کی صورت میں ایک فرشتہ آیا' انہوں نے اس کو اپنے درمیان حکم بنا لیا' اس نے کہا دونوں زمینوں کی پیائش کرو' وہ جس زمین کے زیادہ قریب ہو اسی کے مطابق اس کا حکم ہو گا۔ جب انہوں نے پیائش کی تو وہ اس زمین کے زیادہ قریب تھا جہاں اس نے جانے کا ارادہ کیا تھا' پھر رحمت کے فرشتوں نے اس پر قبضہ کر لیا' حسن نے بیان کیا ہے کہ جب اس پر موت آئی تو اس نے اپنا سینہ پہلی جگہ سے دور کر لیا تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۷۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۶۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۶۲۲)

اور جب سو آدمیوں کے قاتل کی مغفرت ہو سکتی ہے تو سو آدمیوں کے قاتل کی شفاعت بھی ہو سکتی ہے اور اس شفاعت کو بونگی شہادت کہنا قرآن مجید کی آیات اور احادیث صحیحہ کا مذاق اڑانے کے مترادف ہے۔

امام مسلم نے اس حدیث کی ایک اور سند بیان کی ہے اس میں مذکور ہے اللہ تعالیٰ نے اس زمین سے (جہاں سے وہ روانہ ہوا تھا) فرمایا "تو دور ہو جا" اور اس زمین سے (جہاں اللہ تعالیٰ کے عبادت گزاروں کی بستی تھی) فرمایا "تو قریب ہو جا۔"

(صحیح مسلم' کتاب التوبۃ باب: ۸' رقم حدیث الباب: ۴۸' الرقم المسلسل: ۶۸۷۷)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ اولیاء اللہ کا خود شفاعت کرنا تو بڑی چیز ہے' اگر سو آدمیوں کا قاتل صرف ان کی بستی کا رخ بھی کرے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان اولیاء اللہ کی اس قدر وجاہت ہے کہ وہ اس قاتل کو معاف فرما دیتا ہے' اللہ تعالیٰ نے بستی کی جانب کی زمین کو قریب ہونے اور اس کے مقابل زمین کو دور ہونے کا حکم دیا تا کہ یہ ظاہر ہو جائے کہ زمین کی واقعی پیائش اور فاصلوں کو تبدیل کیا جا سکتا ہے لیکن اولیاء اللہ کی طرف جانے والوں کو محروم نہیں کیا جا سکتا' ابھی تو سو آدمیوں کے

قاتل نے اللہ کے دوستوں کی شفاعت بالفعل حاصل نہیں کی تھی صرف ان کی شفاعت کے حصول کا قصد کیا تھا تو بخش دیا گیا اگر وہ عبادت گزار نیک بندے اس کی شفاعت کر دیتے تو اس کی بخشش کا کیا ٹھکانا ہوتا' اور جب سو آدمیوں کے قاتل کی مغفرت کی شفاعت ہو سکتی ہے تو ہزار آدمیوں کے قاتل کی مغفرت کی بھی شفاعت ہو سکتی ہے اور یہی وہ شفاعت ہے جس کو سید مودودی نے لکھا ہے کہ یہ بونگی شفاعت ہے' اور اس شفاعت کو بونگی شفاعت کہنا قرآن مجید کی آیات اور احادیث صحیحہ کا مذاق اڑانا ہے' بہرحال آفتاب سے زیادہ روشن ہو گیا کہ شفاعت کے متعلق سید ابوالاعلیٰ مودودی کا نظریہ وہی ہے جو خوارج اور معتزلہ کا نظریہ تھا اور یہ نظریہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کے خلاف ہے اور باطل اور مردود نظریہ ہے۔

شفاعت کے متعلق علماء اہل سنت کا نظریہ

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۳ھ لکھتے ہیں:

ہمارے نزدیک گناہ کبیرہ کے مرتکب کی شفاعت کرنا جائز ہے کیونکہ دلائل سے ثابت ہے کہ گناہ کبیرہ معاف ہو جاتے ہیں' نیز تواتر سے منقول ہے کہ اہل کبائر کی شفاعت ہو گی اور شفاعت کے عموم پر اس آیت سے استدلال کیا جاتا ہے:

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ. (محمد: ۱۹)

اور آپ اپنے بہ ظاہر خلاف اولیٰ کاموں کی بخشش چاہیں اور ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کے گناہوں کی معافی طلب کریں۔

اور اصل شفاعت نص اور اجماع سے ثابت ہے اور معتزلہ کے نزدیک توبہ کے بعد عذاب نہیں ہوتا' اور کبیرہ سے اجتناب کے بعد کوئی صغیرہ نہیں رہتا پس متعین ہو گیا کہ شفاعت کبائر کو ساقط کرنے کے لیے ہوتی ہے' معتزلہ نے شفاعت کی نفی پر اس قسم کی آیات سے استدلال کیا ہے:

لَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ (البقرۃ: ۴۸)

اس دن کسی نفس سے شفاعت قبول نہیں کی جائے گی۔

وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ (المومن: ۱۸)

ظالموں کا نہ کوئی دوست ہو گا نہ کوئی سفارشی جس کی بات مانی جائے۔

وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ (آل عمران: ۱۹۲)

اور ظالموں کا کوئی دوست نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ان آیات میں کفار کی شفاعت کی نفی کی گئی ہے' ثانیاً اگر ان کو مرتکب کبیرہ کے لیے بھی فرض کیا جائے تو ہو سکتا ہے کہ دنیا میں ان کی شفاعت قبول نہ ہو اور آخرت میں قبول ہو' اور محشر میں کئی احوال ہوں گے ہو سکتا ہے جس وقت اللہ تعالیٰ جلال میں ہو اس وقت ان کی شفاعت قبول نہ ہو اور بعد میں قبول ہو جائے۔

معتزلہ نے کہا خصوصیت کے ساتھ مرتکب کبیرہ کے لیے شفاعت نہ ہونے پر یہ آیت دلیل ہے:

وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى. (الانبیاء: ۲۸)

وہ صرف ان کی شفاعت کریں گے جن سے اللہ راضی ہے۔

اور اللہ گناہ کبیرہ کرنے والے سے راضی نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے بھی ایمان اور کلمہ سے اللہ تعالیٰ راضی ہے۔

مرتکب کبیرہ کے لئے شفاعت نہ ہونے پر دوسری دلیل یہ ہے:

فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا (المومن: ۷)

ان کے لیے بخشش کی دعا کیجئے جنہوں نے توبہ کی ہے۔

اور جو فاسق بغیر توبہ کے مر گیا' اس آیت میں اس کے لیے شفاعت کی نفی کی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا معنی ہے کہ ان کے لیے شفاعت کیجئے جنہوں نے شرک اور کفر سے توبہ کی ہے' اور اس آیت میں گناہ کبیرہ سے توبہ مراد نہیں ہے'

کیونکہ دوسری آیات سے ان کے لیے شفاعت ثابت ہے۔

معتزلہ کے نزدیک شفاعت کے ثبوت کی جو آیات ہیں وہ اطاعت کرنے والوں اور توبہ کرنے والوں کے درجات بلند کرنے کے ساتھ مخصوص ہیں' اور ہمارے نزدیک گناہ کبیرہ کے مرتکبین کے گناہ ساقط کرنے کے لیے شفاعت کرنا جائز ہے۔ خواہ یہ شفاعت میدان محشر میں ہو یا دوزخ میں دخول کے بعد ہو' کیونکہ مشہور بلکہ متواتر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مرتکبین کبیرہ کی شفاعت فرمائیں گے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری شفاعت میری امت کے اہل کبائر (کبیرہ گناہ کرنے والوں) کے لیے ہوگی۔ امام ترمذی نے کہا اس سند سے یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۳۵' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۳۹' مسند البزار رقم الحدیث: ۳۴۶۹' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۳۲۸۴' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۴۶۸' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۸۵۱۳' المستدرک ج ۱ ص ۶۹' مسند احمد ج ۳ ص ۲۱۳)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری شفاعت میری امت کے اہل کبائر کے لیے ہے (اس حدیث کے راوی) محمد بن علی بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے حضرت جابر نے کہا اے محمد! جو شخص اہل کبائر سے نہ ہو اس کا شفاعت سے کیا تعلق ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۳۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۱۰' مسند ابوداؤد الطیالسی رقم الحدیث: ۱۶۶۹' الشریعۃ للآجری ص ۳۳۸' حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۲۰۰)

اور توبہ کے بعد عذاب کو ترک کر دینا معتزلہ کے نزدیک واجب ہے' پھر جن آیات میں شفاعت کا ذکر کیا ہے ان کا کوئی زیادہ فائدہ نہیں ہوگا' کیونکہ درجات کی بلندی کوئی خاص فائدہ نہیں ہے اور صغائر ویسے ہی معاف ہو جاتے ہیں اس لیے شفاعت کی آیات کو کبائر کی معافی پر محمول کرنا ہی لائق ہے۔

ہر چند کہ ہم تبیان القرآن کی اسی جلد میں الکہف: ۴۹ کی تفسیر میں گناہ کبیرہ کے متعلق تفصیل سے لکھ چکے ہیں' لیکن علامہ تفتازانی نے اس بحث میں کبائر کا بھی ذکر کیا ہے اس لیے ہم اس کو بھی نقل کر رہے ہیں۔

گناہ کبیرہ اس معصیت کو کہتے ہیں جو دین کے ساتھ بے پرواہی برتنے کی خبر دیتی ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ جس معصیت پر شارع نے خصوصیت کے ساتھ وعید سنائی ہو وہ گناہ کبیرہ ہے' دوسرا قول یہ ہے کہ شرک' قتل ناحق' پاک دامن کو تہمت لگانا' زنا' میدان جہاد سے بھاگنا' جادو کرنا' یتیم کا مال کھانا' ماں باپ کی نافرمانی کرنا' حرم میں کوئی گناہ کرنا' سود کھانا' چوری کرنا اور شراب پینا یہ تمام کام گناہ کبیرہ ہیں۔ (ہمارے نزدیک مختار تعریف یہ ہے کہ فرض کو ترک کرنا اور حرام کا ارتکاب کرنا گناہ کبیرہ ہے اور واجب کو ترک کرنا اور مکروہ تحریمی کا ارتکاب کرنا گناہ صغیرہ ہے۔)

(شرح المقاصد ج ۵ ص ۱۶۱-۱۵۷' ملخصاً و موضحاً' مطبوعہ منشورات الشریف' قم' ایران' ۱۴۰۹ھ)

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ شفاعت کرنا عقلاً جائز ہے اور دلائل سمعیہ کے اعتبار سے شفاعت کا عقیدہ رکھنا واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

يَوْمَئِذٍ لَّا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا ۝ (طٰہٰ: ۱۰۹)

اس دن اس کے سوا کسی کی شفاعت نفع نہیں پہنچائے گی جس کو رحمٰن نے اجازت دی ہو اور اس کے قول سے وہ راضی ہو۔

وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى اور وہ صرف اس کی شفاعت کریں گے جس سے وہ راضی ہوگا۔ (الانبیاء: ۲۸)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شفاعت کے متعلق اس کثرت سے احادیث فرمائی ہیں جو معنی متواتر ہیں' اور آثار صحابہ اور ان کے بعد تمام متقدمین اور متاخرین کا اس پر اجماع ہے کہ میدان حشر میں مسلمان گنہ گاروں کی شفاعت کی جائے گی۔ خوارج اور معتزلہ نے شفاعت کا انکار کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ مسلمان گنہ گار دائماً دوزخ میں رہیں گے' اور ان کا استدلال ان آیات سے ہے: فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ (المدثر: ۴۸) مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ (المؤمن: ۱۸) حالانکہ یہ آیات کفار کے متعلق ہیں۔ وہ شفاعت کی احادیث کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ شفاعت درجات میں بلندی کے لیے ہوگی لیکن ان کی یہ تاویل باطل ہے اور شفاعت کی آیات اور احادیث میں یہ صراحت ہے کہ جو مسلمان دوزخ کا مستحق ہو چکا ہوگا اس کے لیے شفاعت کی جائے گی۔ تاہم شفاعت کی پانچ اقسام ہیں:

(۱) ایک شفاعت ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے اور یہ میدان محشر کے خوف اور دہشت سے راحت پہنچانے اور حساب اور کتاب جلد شروع کرانے کے لیے ہوگی۔

(۲) مسلمانوں کے ایک گروہ کو بغیر حساب و کتاب کے جنت میں داخل کرنے کے لیے آپ شفاعت کریں گے اور یہ شفاعت بھی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے۔

(۳) جو مسلمان دوزخ کے مستحق ہو چکے ہوں گے ان کے لیے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی شفاعت کریں گے' اور دیگر انبیاء اور صلحاء بھی۔

(۴) جو گنہگار مسلمان دوزخ میں داخل کر دیئے گئے ہوں گے' ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے ان کو دوزخ سے نکالا جائے گا اور ملائکہ کی شفاعت سے اور ان کے مسلمان بھائیوں کی شفاعت سے' پھر اللہ تعالیٰ ہر اس شخص کو دوزخ سے نکال لے گا جس نے لا الہ الا اللہ کہا ہو' حدیث میں ہے کفار کے سوا دوزخ میں کوئی نہیں رہے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۴)

(۵) اہل جنت کے درجات کی بلندی کے لیے شفاعت کی جائے گی۔ معتزلہ اس قسم کا اور پہلی قسم کا انکار نہیں کرتے۔

قاضی عیاض نے کہا ہے کہ نقل متواتر سے یہ ثابت ہے کہ سلف صالحین رضی اللہ عنہم ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا سوال کرتے تھے اور آپ کی شفاعت کے حصول میں رغبت کرتے تھے' اس لیے ان لوگوں کے قول کی طرف توجہ نہ کی جائے جو شفاعت کا سوال کرنے سے منع کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ شفاعت تو گناہگاروں کے لیے کی جائے گی سو جو شخص اپنے لیے شفاعت کا سوال کرتا ہے وہ درحقیقت اپنے آپ کو گناہگار قرار دیتا ہے' ان لوگوں کا اس دلیل سے شفاعت کے سوال کو منع کرنا اس لیے صحیح نہیں ہے کہ جس طرح شفاعت گناہگاروں کے لیے کی جائے گی اسی طرح شفاعت تخفیف حساب کے لیے بھی کی جائے گی اور درجات کی بلندی کے لیے بھی کی جائے گی' پھر ہر صاحب عقل اپنی تقصیر کا اعتراف کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی مغفرت کا محتاج ہوتا ہے اور اپنے اعمال پر مغرور نہیں ہوتا اور ان کو لائق شمار نہیں گردانتا' اور اس سے ڈرتا ہے کہ وہ عذاب میں مبتلا ہو جائے' اور جو شخص اس وجہ سے شفاعت کے حصول کی دعا سے منع کرتا ہے کہ جب وہ کہے گا: اے اللہ! مجھے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت عطا فرما تو اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو گناہگار قرار دے رہا ہے تو پھر اس شخص کو چاہیے کہ وہ اپنے لیے مغفرت اور رحمت کی دعا بھی نہ کیا کرے۔ (صحیح مسلم بشرح النواوی ج ۱ ص ۱۰۲۵۔۱۰۲۳' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

شفاعت کے متعلق قرآن مجید کی آیات

انبیاء علیہم السلام کی شفاعت

حضرت نوح علیہ السلام

(۱) رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَیْتِیَ مُؤْمِنًا (نوح: ۲۸)

اے میرے رب! میری' میرے والدین کی اور جو مومن میرے گھر میں داخل ہوں ان کی مغفرت فرما۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام

(۲) رَبَّنَا اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ ○ (ابراہیم: ۴۱)

اے ہمارے رب! روز حشر میری' میرے والدین کی اور تمام مومنوں کی مغفرت فرما۔

(۳) سَاَسْتَغْفِرُلَکَ رَبِّیْ اِنَّهٗ کَانَ بِیْ حَفِیًّا ○ (مریم: ۴۷)

میں عنقریب اپنے رب سے تیری شفاعت کروں گا' وہ مجھ پر مہربان ہے۔

(۴) اِلَّا قَوْلَ اِبْرَاهِیْمَ لِاَبِیْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَکَ (الممتحنہ: ۴)

مگر ابراہیم کا قول اپنے باپ کے لیے کہ میں تیری شفاعت کروں گا۔

(۵) فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ وَمَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّکَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○ (ابراہیم: ۳۶)

جو میرا پیروکار ہے' وہ میرا ہے' اور جس نے میرے کہنے پر عمل نہیں کیا تو اس کے لیے تو بخشنے والا اور مہربان ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام

(٦) رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَلِاَخِیْ وَاَدْخِلْنَا فِیْ رَحْمَتِکَ (الاعراف: ۱۵۱)

اے میرے رب! مجھے اور میرے بھائی کو معاف فرما اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل کر دے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام

(۷) سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَکُمْ رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ (یوسف: ۹۸)

میں عنقریب اپنے رب سے تمہاری شفاعت کروں گا' لاریب وہ بخشنے والا مہربان ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام

(۸) لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ ؕ یَغْفِرُ اللّٰهُ لَکُمْ (یوسف: ۹۲)

آج تم پر کوئی ملامت نہیں اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرمائے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام

(۹) اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُکَ وَاِنْ تَغْفِرْلَهُمْ فَاِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ○ (المائدہ: ۱۱۸)

اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو بخش دے تو' تو غالب اور حکمت والا ہے۔

حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے طلب شفاعت

(۱۰) وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْکَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ

اگر یہ لوگ گناہ کر کے اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں تو آپ کی بارگاہ میں حاضری دیں' اپنے گناہوں پر اللہ تعالیٰ سے توبہ کریں اور

لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا ○ (النساء: ۶۴)
آپ ان کی شفاعت کر دیں تو یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے۔

(۱۱) وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ (محمد: ۱۹)
اپنے (بظاہر) خلاف اولیٰ کاموں اور مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کے لیے مغفرت طلب کیجیے۔

(۱۲) فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ (آل عمران: ۱۵۹)
ان کو معاف کر دیجئے اور ان کے لیے شفاعت کیجئے۔

صالحین کی شفاعت مومنین کے لیے

(۱۳) رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ (الحشر: ۱۰)
اے ہمارے رب! ہماری مغفرت فرما اور ہم سے پہلے گزرے ہوئے مسلمان بھائیوں کی۔

فرشتوں کی شفاعت

(۱۴) اَلَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُونَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِينَ اٰمَنُوْا (المومن: ۷)
وہ فرشتے جو عرش الٰہی کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو اس کے اردگرد ہیں وہ اپنے رب کی حمد اور تسبیح کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ایمان رکھتے ہیں اور مسلمانوں کے لیے بخشش طلب کرتے ہیں۔

(۱۵) يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۙ لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ○ (النباء: ۳۸)
جس دن جبرئیل اور عام فرشتے صف باندھے کھڑے ہوں گے اس دن اللہ تعالیٰ کے حضور وہی بات کر سکے گا جس کو اللہ تعالیٰ اجازت دے گا اور وہ صحیح بات کرے گا۔

(۱۶) وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى (الانبیاء: ۲۸)
اور فرشتے اسی کی شفاعت کریں گے جس کی شفاعت پر اللہ تعالیٰ راضی ہوگا۔

(۱۷) فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ○ (المومن: ۷)
اے اللہ! ان لوگوں کو معاف کر جنہوں نے توبہ کی اور تیری راہ پر چلے اور ان کو جہنم کے عذاب سے بچا۔

(۱۸) رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِۨ الَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ (المومن: ۸)
اے ہمارے رب! مسلمانوں کو دائمی جنت میں داخل فرما جس کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے اور جو ان کے آباء ازواج اور اولاد میں سے صالح ہوں ان کو بھی جنت میں داخل فرما' لاریب تو غالب اور حکمت والا ہے۔

(۱۹) وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ ۭ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ۭ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ○ (المومن: ۹)
اے اللہ! ان لوگوں کو گناہوں کے عذاب سے بچا اور جس شخص کو تو نے اس دن گناہوں کے عذاب سے بچا لیا اس پر تو نے رحم کیا اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔

کفار کا شفاعت سے محروم ہونا' شفاعت کا ان کے لیے نفع آور نہ ہونا اور ان کا کوئی مددگار نہ ہونا اور اس محرومی پر ان کی حسرت (اگر مسلمانوں کو بھی کسی کی نصرت اور شفاعت حاصل نہ ہو تو کفار کے لیے محرومی باعث حسرت نہ ہوگی کیوں کہ وہ کہیں گے کہ مسلمان بھی اس محرومی میں ان کے ساتھ ہیں۔)

(٢٠) فَمَا تَنفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ ○ (المدثر:٤٨)
کفار کو شفاعت کرنے والوں کی شفاعت نفع نہ دے گی۔

(٢١) فَهَل لَّنَا مِن شُفَعَاءَ فَيَشْفَعُوا لَنَا. (الاعراف:٥٣)
تو کیا ہماری شفاعت کرنے والے کوئی ہیں؟ جو ہماری شفاعت کریں۔

(٢٢) فَهَل لَّنَا مِن شَافِعِينَ ○ (الشعراء:١٠٠)
تو کیا ہمارے لیے شفاعت کرنے والے ہیں؟

(٢٣) لَيْسَ لَهُم مِّن دُونِهِ وَلِيٌّ وَلَا شَفِيعٌ (الانعام:٥١)
تو اللہ سے ہٹ کر کفار کا کوئی مددگار ہے نہ کوئی شفاعت کرنے والا۔

(٢٤) مَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ حَمِيمٍ وَلَا شَفِيعٍ يُطَاعُ ○ (الغافر:١٨)
کفار کے لیے کوئی ایسا مددگار اور شفاعت کرنے والا نہ ہوگا جس کی بات مانی جائے۔

شفاعت کے متعلق چالیس احادیث

(١) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا کہ قیامت کے دن آپ میرے لیے شفاعت کریں' آپ نے فرمایا میں کرنے والا ہوں' میں نے عرض کیا یارسول اللہ! میں آپ کو کہاں تلاش کروں؟ آپ نے فرمایا تم سب سے پہلے مجھے صراط پر تلاش کرنا' میں نے عرض کیا اگر میں صراط پر آپ سے ملاقات نہ کرسکوں! آپ نے فرمایا: پھر تم مجھے میزان کے پاس طلب کرنا' میں نے عرض کیا اگر میں میزان کے پاس آپ سے ملاقات نہ کرسکوں' فرمایا پھر تم مجھے حوض کے پاس طلب کرنا کیونکہ میں ان تین مقامات سے تجاوز نہیں کروں گا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث:٢٤٣٣' مسند احمد ج ٣ ص ١٧٨)

(٢) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر نبی کی ایک دعا قبول ہوتی ہے۔ پس ہر نبی نے وہ دعا جلد مانگ لی اور میں نے اس دعا کو قیامت کے دن اپنی امت کی شفاعت کے لیے چھپا کر رکھا ہوا ہے اور یہ ان شاء اللہ میری امت میں سے ہر اس شخص کو حاصل ہوگی جو اس حال میں مرا کہ اس نے اللہ کے ساتھ شرک نہ کیا ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:٦٣٠٤' صحیح مسلم رقم الحدیث:١٩٩' مسند احمد ج ٢ ص ٤٨٦' موطا امام مالک رقم الحدیث:١٤٩' سنن دارمی رقم الحدیث: ٢٨٠٩' سنن الترمذی رقم الحدیث:٣٦٠٢' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:٤٣٠٧)

(٣) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری شفاعت میری امت کے اہل کبائر (کبیرہ گناہ کرنے والوں) کے لیے ہوگی (صغائر کی مغفرت' کبائر سے اجتناب اور نیک کام کرنے کی وجہ سے بغیر شفاعت کے محض اللہ کے فضل سے ہوجائے گی)۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:٤٧٣٩' سنن الترمذی رقم الحدیث:٢٤٣٥' مسند احمد ج ٣ ص ٢١٣)

(٤) حضرت جابر نے کہا جس شخص کے کبیرہ گناہ نہ ہوں اس کا شفاعت سے کیا تعلق ہے!

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:٤٣١' سنن الترمذی رقم الحدیث:٢٤٣٦)

(٥) حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے رب کی طرف سے میرے پاس ایک آنے والا آیا اور اس نے مجھے شفاعت کے درمیان اور اس میں اختیار دیا کہ میری نصف امت جنت میں داخل کردی جائے' تو میں نے شفاعت کو اختیار کرلیا' اور یہ ہر اس شخص کو حاصل ہوگی جو اس حال میں مرا ہو کہ اس

نے شرک نہ کیا ہو۔ (مسند احمد ج ٦ ص ۲۳ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۴۱)

(٦) حضرت عمران بن الحصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری شفاعت کی وجہ سے ایک قوم کو جہنم سے نکالا جائے گا ان کا نام جہنمیین رکھا جائے گا۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۱۵ مسند احمد ج ۴ ص ۴۳۴ صحیح البخاری رقم الحدیث: ٦۵۵۹ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۴۰ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲٦۰۰)

(۷) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن میرے پیروکار تمام انبیاء سے زیادہ ہوں گے اور میں سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٦۳۰۵ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹٦ سنن الدارمی رقم الحدیث: ۵۱)

(۸) حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں قیامت کے دن تمام اولاد آدم کا سردار ہوں گا اور فخر نہیں' اور میرے ہی ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا اور فخر نہیں' اور اس دن ہر نبی خواہ آدم ہوں یا کوئی اور سب میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے' اور میں سب سے پہلے (قبر کی) زمین سے اٹھوں گا اور فخر نہیں' فرمایا اس دن لوگ تین بار خوف زدہ ہوں گے پھر وہ حضرت آدم کے پاس جائیں گے اور کہیں گے آپ ہمارے باپ آدم ہیں آپ اپنے رب کے پاس ہماری شفاعت کیجئے' وہ کہیں گے میں نے ایک (ظاہری) گناہ کیا ہے' میں اس کی وجہ سے زمین پر اتار دیا گیا۔ لیکن تم نوح کے پاس جاؤ' پھر لوگ حضرت نوح کے پاس جائیں گے' پس وہ کہیں گے میں نے زمین والوں کے خلاف ایک دعا کی تھی جس کے نتیجہ میں وہ ہلاک کردیئے گئے' لیکن تم ابراہیم کے پاس جاؤ' پھر لوگ حضرت ابراہیم کے پاس جائیں گے' وہ کہیں گے بے شک میں نے تین (ظاہری) جھوٹ بولے تھے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان میں سے ہر جھوٹ ایسا تھا جس کی وجہ سے انہوں نے دین کی کسی رخصت کو حلال کیا' لیکن تم موسیٰ کے پاس جاؤ۔ پھر لوگ حضرت موسیٰ کے پاس جائیں گے وہ کہیں گے بے شک میں نے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا' لیکن تم عیسیٰ کے پاس جاؤ' پھر وہ لوگ حضرت عیسیٰ کے پاس جائیں گے، وہ کہیں گے بے شک میری اللہ کے سوا عبادت کی گئی ہے لیکن تم (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جاؤ۔ آپ نے فرمایا پھر لوگ میرے پاس آئیں گے۔ پس میں ان کے ساتھ چل پڑوں گا۔ حضرت انس نے کہا گویا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھ رہا ہوں' آپ نے فرمایا میں جنت کے دروازہ کی کنڈی کو پکڑ کر کھٹکھٹاؤں گا۔ پس کہا جائے گا' یہ کون ہے؟ پھر کہا جائے گا یہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں' وہ مجھے مرحبا مرحبا کہیں گے' پھر میں سجدہ میں گر جاؤں گا' پس اللہ مجھے حمد اور ثنا الہام فرمائے گا' مجھ سے کہا جائے گا اپنا سر اٹھائیے' آپ سوال کیجئے آپ کو عطا کیا جائے گا' آپ شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی' اور آپ کہئے آپ کی بات سنی جائے گی اور یہی وہ مقام محمود ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

عَسٰۤی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ○ عنقریب آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر فائز فرمائے گا۔

(بنی اسرائیل: ۷۹)

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۴۸ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۰۸ مسند احمد ج ۳ ص ۲)

فائدہ: اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ عذر پیش کیا کہ ان کی اللہ کے سوا عبادت کی گئی ہے۔ اگر ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی اللہ کے سوا عبادت کی جاتی تو آپ بھی یہ عذر پیش کرتے اور شفاعت نہ کرتے'

لیکن آپ نے ایسا نہیں فرمایا اور شفاعت فرمائی' اس سے معلوم ہوا کہ قیامت تک آپ کی عبادت نہیں کی جائے گی اور اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ آپ سے مدد طلب کرنا' دور سے آپ کو پکارنا' یا رسول اللہ کہنا' ان میں سے کوئی چیز بھی آپ کی عبادت نہیں ہے' اسی طرح آپ کو صفاتی نور ماننا' آپ کے لیے علم غیب ماننا' آپ کو شافی الامراض اور دافع البلاء ماننا اور آپ کو مختار ماننا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی طاقت سے آپ تمام روئے زمین کو دیکھتے ہیں اور ہر جگہ سے سنتے ہیں ان میں سے کوئی چیز بھی شرک نہیں ہے' ورنہ یہ لازم آئے گا کہ آپ کو بھی حضرت عیسیٰ کی طرح اللہ تعالیٰ کا شریک بنایا گیا ہو اور اللہ کو چھوڑ کر آپ کی عبادت کی گئی ہو' اور اگر ایسا ہوتا تو آپ بھی لوگوں کی شفاعت نہ کرتے اور حضرت عیسیٰ کی طرح عذر فرما دیتے لیکن ایسا نہیں ہوا پس واضح ہو گیا کہ ان میں سے کوئی چیز شرک نہیں ہے۔

(۹) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن میں جن کی سب سے پہلے شفاعت کروں گا وہ میرے اہل بیت ہیں' پھر قریش اور انصار میں سے جو سب سے زیادہ قریب ہوں' پھر اہل یمن میں سے جو لوگ مجھ پر ایمان لائے اور انہوں نے میری اتباع کی' پھر باقی عرب' پھر عجم اور جو اولوالفضل ہیں میں ان کی پہلے شفاعت کروں گا۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۳۵۵۰' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۸۵۳۸)

(۱۰) عبدالملک بن عباد بن جعفر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اپنی امت میں پہلے اہل مدینہ' اہل مکہ اور اہل طائف کی شفاعت کروں گا۔

(مسند البزار رقم الحدیث: ۳۴۷۰' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۱۸۴۸' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۸۵۳۹)

(۱۱) حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن سب سے پہلے انبیاء شفاعت کریں گے پھر شہداء شفاعت کریں گے' پھر مؤذنین شفاعت کریں گے۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۱۷۴' مسند البزار رقم الحدیث: ۳۴۷۱' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۸۵۴۳)

(۱۲) حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مجھ سے میرے رب نے یہ وعدہ کیا ہے کہ میری امت سے ستر ہزار کو جنت میں داخل فرمائے گا جن سے کوئی حساب ہوگا نہ ان کو عذاب ہوگا اور ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار ہوں گے اور تین بار دونوں ہاتھوں سے بھر بھر کر جنت میں ڈال دے گا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۳۷' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۴۷۱' مسند احمد ج ۵ ص ۲۶۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۸۶' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۷۵۲۰' مسند الشامیین رقم الحدیث: ۸۲۰' الاسماء والصفات جز ۲ ص ۶۲)

(۱۳) حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں سے بعض وہ ہیں جو ایک جماعت کے لیے شفاعت کریں گے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۴۰' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۴۶۴-۴۶۳' مسند احمد ج ۳ ص ۲۰' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۱۰۱۳)

(۱۴) حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رہے دوزخ والے تو یہ وہ لوگ ہیں جو دوزخ کے مستحق ہیں' یہ لوگ دوزخ میں نہ مریں گے نہ جئیں گے لیکن کچھ لوگ ایسے ہوں گے جن کو ان کے گناہوں کی وجہ سے دوزخ میں ڈالا جائے گا' پس اللہ ان پر موت طاری کر دے گا۔ (یعنی ان کو بے ہوش کر دے گا گویا ان کو صورۃً عذاب ہوگا' حقیقۃً عذاب نہیں ہوگا) حتیٰ کہ جب وہ کوئلہ ہو جائیں گے' تو شفاعت کی اجازت دی جائے گی' پھر ان کو گروہ در گروہ لایا جائے گا۔ پھر ان کو جنت کے دریاؤں میں ڈال دیا جائے گا۔ پھر کہا جائے گا اے اہل جنت ان پر پانی ڈالو'

پھر جس طرح کیچڑ میں پڑے ہوئے بیج سے سبزہ اگتا ہے وہ اس طرح اُگنے لگیں گے' مسلمانوں میں سے ایک شخص نے کہا گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھیتی باڑی کرتے رہے ہیں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۰۹' مسند احمد ج ۳ ص ۵' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۸۲۰' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۱۰۹۷' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۴۶۹' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۸۴)

(۱۵) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے پانچ ایسی چیزیں دی گئیں ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں' مجھے گوروں اور کالوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے' اور مجھ سے پہلے صرف ایک قوم کی طرف نبی مبعوث کیا جاتا تھا' اور میرے لیے تمام روئے زمین کو مسجد اور آلہ تیمم بنا دیا گیا' اور ایک ماہ کی مسافت کے رعب سے میری مدد کی گئی ہے اور میرے لیے غنیموں کو حلال کر دیا گیا ہے اور مجھ سے پہلے وہ کسی کے لیے حلال نہیں تھیں' اور مجھے شفاعت دی گئی تو میں نے اس کو اپنی امت کے لیے مؤخر کر دیا سو وہ ہر اس شخص کو حاصل ہوگی جو اللہ کے ساتھ بالکل شرک نہیں کرے گا۔ (مسند البزار رقم الحدیث: ۳۴۶۰' اس کی سند حسن ہے' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۸۵۰۰)

(۱۶) حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اپنی امت کی شفاعت کروں گا حتیٰ کہ میرا رب مجھے ندا کرے گا اے محمد! کیا آپ راضی ہو گئے؟ میں کہوں گا اے رب! بے شک میں راضی ہو گیا۔

(مسند البزار رقم الحدیث: ۳۴۶۶' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۲۰۸۳' حافظ الہیثمی نے کہا اس کی سند کے ایک راوی کو میں نہیں پہچانتا باقی تمام راویوں کی توثیق کی گئی ہے۔ مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۸۵۱۶)

(۱۷) حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحن میں بیٹھے ہوئے تھے اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے آپ کا چہرہ پھول کی طرح چمک رہا تھا' ہم نے پوچھا یا رسول اللہ آپ کس وجہ سے اس قدر خوش ہو رہے ہیں' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابھی ابھی میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے تھے انہوں نے مجھے یہ بشارت دی ہے کہ اللہ عزوجل نے مجھے شفاعت عطا فرمائی ہے۔ ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا وہ صرف بنوہاشم کے لیے ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں! ہم نے عرض کیا' کیا وہ صرف قریش کے لیے ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں ہم نے عرض کیا' کیا وہ آپ کی (پوری) امت کے لیے ہے؟ آپ نے فرمایا یہ میری امت کے گناہگاروں کے لیے ہے جو گناہوں سے بوجھل ہوں۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۵۳۰۸' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۸۲۳' حافظ الہیثمی نے کہا اس کی سند کے ایک راوی کو میں نہیں پہچانتا باقی تمام راوی ثقہ ہیں' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۸۵۱۷)

(۱۸) حضرت ابی امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا ہی خوب ہے وہ شخص! میں اپنی امت کے بدکار لوگوں کے لیے ہوں! آپ کی مجلس میں سے ایک شخص نے کہا: یارسول اللہ! پھر آپ اپنی امت کے نیک لوگوں کے لیے کس طرح ہوں گے۔ آپ نے فرمایا میری امت کے جو بدکار لوگ ہوں گے ان کو اللہ تعالیٰ میری شفاعت کی وجہ سے جنت میں داخل کرے گا اور جو میری امت کے نیک لوگ ہوں گے ان کو اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کی وجہ سے جنت میں داخل کرے گا۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۷۴۸۳' اس کی سند کا ایک راوی ضعیف ہے باقی راوی صحیح ہیں' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۸۵۱۸)

(۱۹) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عمل کرو اور (عمل پر) اعتماد نہ کرو' میری

شفاعت میری امت کے ان لوگوں کے لیے ہے جو گناہوں میں ہلاک ہو چکے ہوں گے۔

(المعجم الکبیر ج ٢٣ ص ٣٦٩ 'اس کی سند کا صرف ایک راوی ضعیف ہے' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ١٨٥٢٣)

(٢٠) حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں روئے زمین کے تمام درختوں اور پتھروں کی تعداد کے برابر شفاعت کروں گا۔ (مسند احمد ج ٥ ص ٣٤٧' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ١٨٥٢٥)

(٢١) حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل جنت ان لوگوں کو نہیں پائیں گے جن کو وہ دنیا میں پہچانتے تھے۔ وہ انبیاء علیہم السلام کے پاس جا کر ان کا ذکر کریں گے وہ ان کی شفاعت کریں گے ان کی شفاعت قبول کی جائے گی ان کو طلقاء کہا جائے گا۔ ان پر آب حیات ڈالا جائے گا۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ٣٠٦٨' اس حدیث کی سند حسن ہے' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ١٨٥٢٩)

(٢١) حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کے کچھ لوگوں کو ان کے گناہوں پر عذاب دیا جائے گا جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا وہ دوزخ میں رہیں گے' پھر مشرکین ان کو عار دلائیں گے اور کہیں گے تم نے جو نبی کی تصدیق کی تھی اور یمان لائے تھے اس نے تم کو نفع نہیں دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ دوزخ میں کسی موحد کو نہیں چھوڑے گا' سب کو دوزخ سے نکال دے گا' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو پڑھا:

رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ كَانُوا مُسْلِمِينَ ○ بسا اوقات کافر یہ تمنا کریں گے کاش وہ مسلمان ہوتے۔

(الحجر: ٢) (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ١٠٥٠٩' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ١٨٥٣٢)

(٢٢) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انبیاء علیہم السلام کے لیے ایسے نور کے منبر بچھائے جائیں گے جن پر وہ بیٹھیں گے' میں ان پر نہیں بیٹھوں گا' میں اپنے رب کے سامنے کھڑا رہوں گا' اس خوف سے کہ مجھے جنت میں بھیج دیا جائے گا اور میری امت رہ جائے گی' پس میں کہوں گا اے میرے رب! میری امت! میری امت! پس اللہ عزوجل فرمائے گا: یا محمد! آپ کیا چاہتے ہیں کہ میں آپ کی امت کے ساتھ کیا کروں؟ پس میں کہوں گا: اے میرے رب! ان کا حساب لے لے' پس ان کو بلایا جائے گا اور ان کا حساب لیا جائے گا' پس ان میں سے بعض اللہ کی رحمت سے جنت میں داخل ہو جائیں گے اور ان میں سے بعض میری شفاعت سے جنت میں داخل ہوں گے' میں ان کی مسلسل شفاعت کرتا رہوں گا' حتیٰ کہ جن لوگوں کو دوزخ میں داخل کیا ہو گا ان کو بھی رہائی کا پروانہ لکھ دیا جائے گا' اور دوزخ کا داروغہ مالک یہ کہے گا یا محمد! آپ نے اپنے رب کے غضب کا نشانہ بننے کے لیے اپنی امت کے کسی فرد کو نہیں چھوڑا۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ١١٠٧١' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ٢٩٥٨' المعجم الاوسط کا ایک راوی ضعیف ہے' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ١٨٥٣٦)

(٢٣) حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن روزہ اور قرآن بندہ کی شفاعت کریں گے' روزہ کہے گا: اے میرے رب اس کو کھانے اور شہوت پوری کرنے سے میں نے منع کر دیا تھا اس کے لیے میری شفاعت قبول فرما اور قرآن کہے گا اس کو رات کی نیند سے میں نے منع کر دیا تھا' اس کے لیے میری شفاعت قبول فرما' پس ان دونوں کی شفاعت قبول کی جائے گی۔

(مسند احمد ج ٢ ص ١٧٤' اس حدیث کی سند حسن ہے' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ١٨٥٤٣)

(٢٤) حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص جو نبی نہیں ہو گا اس کی شفاعت سے ربیعہ اور مضر دو قبیلوں جتنے

لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۲۵۷'المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۷۶۳۸' یہ حدیث متعدد اسانید سے مروی ہے' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۸۵۴۴)

(۲۵) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن دوزخ والوں کی صفیں بنائی جائیں گی ان کے پاس سے مومنین گزریں گے' پھر دوزخ کی صفوں میں سے ایک شخص کسی کامل مومن کو دیکھے گا جس کو وہ دنیا میں پہچانتا تھا وہ اس سے کہے گا: اے شخص کیا تجھے یاد ہے کہ تو نے فلاں فلاں کام میں مجھ سے مدد طلب کی تھی' پھر اس کو مومن کامل یاد کرے گا اور اس کو پہچان لے گا' پھر اس کی اپنے رب کے حضور شفاعت کرے گا اور اللہ اس کی شفاعت قبول فرمالے گا۔

(مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۳۴۷۳'المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۶۵۰۷'اس کی سند ضعیف ہے' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۸۵۴۷)

(۲۶) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک جنگل میں دو آدمی سفر کر رہے تھے ایک عبادت گزار تھا اور دوسرا بدکار تھا' عبادت گزار کو پیاس لگی حتیٰ کہ وہ شدت پیاس سے گر گیا' بدکار اس کو دیکھ رہا تھا اس کے پاس پانی تھا اور عابد بے ہوش پڑا تھا اس نے سوچا اگر میرے پاس پانی ہونے کے باوجود یہ نیک بندہ پیاس سے مر گیا تو مجھے اللہ کی طرف سے کبھی خیر نہیں پہنچے گی' اور اگر میں نے اپنا پانی اس کو پلا دیا تو میں پیاس سے مر جاؤں گا وہ اللہ پر توکل کر کے اٹھا اور اس پر پانی کے چھینٹے ڈالے اور اس کو اپنا فاضل پانی پلا دیا' پھر اس نے اپنا سفر طے کر لیا' قیامت کے دن وہ بدکار حساب کے لیے پیش کیا گیا' اس کو دوزخ میں ڈالنے کا حکم دیا گیا' فرشتے اس کو دوزخ میں لے جا رہے تھے' اس نے اس عابد کو دیکھ کر کہا: اے فلاں شخص کیا تم مجھ کو پہچانتے ہو' عابد نے کہا تم کون ہو؟ اس نے کہا میں وہ شخص ہوں جس نے جنگل میں اپنے اوپر تم کو ترجیح دی تھی' عابد نے کہا ٹھیک ہے! میں تم کو پہچانتا ہوں' پھر فرشتوں سے کہا ٹھہرو! فرشتوں کو ٹھہرایا گیا اس عابد نے اپنے رب سے دعا کی' اے میرے رب! تو جانتا ہے اس شخص نے مجھ پر احسان کیا تھا اور کس طرح اس نے اپنے اوپر مجھے ترجیح دی تھی! اے میرے رب اس کو میرے لیے ہبہ کر دے' اللہ فرمائے گا وہ تمہارے لیے ہے پھر وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کو جنت میں داخل کر دے گا! (مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۴۲۱۲' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۸۲' المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۴۶۵۸)

(۲۷) شرحبیل بن شفعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے دن بچوں سے کہا جائے گا کہ جنت میں داخل ہو جاؤ' وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب! حتیٰ کہ ہمارے آباء اور امہات داخل ہو جائیں' اللہ عزوجل فرمائے گا کیا سبب ہے کہ میں ان کو انکار کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں؟ چلو جنت میں داخل ہو جاؤ! وہ کہیں گے اے ہمارے رب! ہمارے آباء اور امہات! اللہ عزوجل فرمائے گا تم بھی جنت میں داخل ہو جاؤ اور تمہارے آباء بھی!

(مسند احمد ج ۴ ص ۱۰۵'اس حدیث کے تمام راوی صحیح اور ثقہ ہیں' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۸۵۵۱)

(۲۸) حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ناتمام بچہ اپنے رب سے جھگڑا کرے گا جب اس کے ماں باپ کو دوزخ میں داخل کیا جائے گا' اس سے کہا جائے گا: اے ناتمام بچے اپنے رب سے جھگڑنے والے! اپنے ماں باپ کو جنت میں داخل کر لے پھر وہ اپنے ماں باپ کو گھسیٹتا ہوا لائے گا اور ان کو جنت میں داخل کرے گا۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۶۰۸' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۴۶۸' اس کی سند ضعیف ہے)

(۲۹) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے میری

امت میں سے جس کے دو کم سن بچے پیش رو ہوں' اللہ تعالیٰ اس کو ان کی وجہ سے جنت میں داخل کر دے گا' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا اور جس کا آپ کی امت میں سے ایک کم سن بچہ پیش رو ہو؟ آپ نے فرمایا جس کا ایک کم سن بچہ پیش رو ہو! اے خیر کی توفیق یافتہ! حضرت عائشہ نے کہا اور جس کا آپ کی امت میں سے کوئی کم سن بچہ پیش رو نہ ہو؟ آپ نے فرمایا تو میں اپنی امت کا پیش رو ہوں! میرے فراق سے بڑھ کر ان کے لیے کون سی مصیبت ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۰۶۲' مسند احمد ج ۱ ص ۳۳۴' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۲۷۵۲' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۲۸۸۰' سنن کبریٰ بیہقی ج ۴ ص ۶۸' تاریخ بغداد ج ۱۲' ص ۲۰۸)

(۳۰) حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے قرآن مجید پڑھا اور حفظ کیا اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کر دے گا' اور اس کو اپنے گھر کے ایسے دس افراد کے لیے شفاعت کرنے والا بنا دے گا جو سب دوزخ کے مستحق ہو چکے ہوں گے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۱۶' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۹۰۵)

(۳۱) حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے دکھایا گیا کہ میری امت کو میرے بعد کیا حالات پیش آئیں گے' اور وہ ایک دوسرے کا خون بہائیں گے' سو اس نے مجھے غم زدہ کر دیا' اور یہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے پچھلی امتوں میں بھی مقدر کر دیا تھا تو میں نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی کہ وہ مجھے قیامت کے دن ان کی شفاعت کا والی بنا دے تو اللہ تعالیٰ نے یہ دعا قبول فرمائی۔

(المستدرک ج ۱ ص ۶۸' ذہبی نے اس حدیث کی موافقت کی ہے' الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۵۳۱۸)

(۳۲) حضرت عبدالرحمان بن ابی عقیل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں ایک وفد کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا' ہم میں سے ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! آپ نے اپنے رب سے سلیمان کے ملک کی طرح کسی ملک کا سوال کیوں نہیں کیا؟ آپ نے ہنس کر فرمایا: تمہارے پیغمبر کے لیے اللہ کے پاس حضرت سلیمان کے ملک سے افضل چیز ہے' اللہ تعالیٰ نے جس نبی کو بھیجا اس کو ایک دعا عطا فرمائی' بعض نبیوں نے اس دعا سے دنیا مانگ لی تو وہ ان کو دے دی گئی' اور بعض نبیوں کی امت نے جب ان کی نافرمانی کی تو انہوں نے اس دعا کو خرچ کر کے ان کے لیے ہلاکت کی دعا کی تو ان کی امت کو ہلاک کر دیا گیا' اور مجھے وہ دعا دی گئی تو میں نے قیامت کے دن اپنی امت کی شفاعت کرنے کے لیے اس دعا کو چھپا کر رکھا۔ (مجمع الزوائد ج ۱۰' ص ۳۷۱' مسند البزار رقم الحدیث: ۳۴۵۹)

(۳۳) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس قبلہ کے اہل سے بے شمار لوگ دوزخ میں داخل ہوں گے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی' اور جنہوں نے اس کی نافرمانی کی جرأت کی اور اس کی اطاعت کی مخالفت کی' ان کی تعداد کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے' پس مجھے شفاعت کا اذن دیا جائے گا' میں جس طرح کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتا ہوں اسی طرح سجدہ میں اس کی حمد و ثنا کروں گا' مجھ سے کہا جائے گا اپنا سر اٹھایئے' سوال کیجئے آپ کو عطا کیا جائے گا اور شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔

(المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۱۰۳' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۸۵۱۱' الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۵۳۲۵)

(۳۴) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت واجب ہو گئی۔

سنن دارقطنی رقم الحدیث: ۲۶۶۹' مسند البزار ج ۲ ص ۵۷' مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۲۵۸۳' حضرت عمر رضی اللہ عنہ

بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے میری قبر کی زیارت کی میں اس کی شفاعت کرنے والا اور شہادت دینے والا ہوں گا۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۵ ص ۲۴۵، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۲۳۷۱، الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۲۲۴)

(۳۵) حضرت عبداللہ بن ابی الجدعا رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے میری امت کے ایک شخص کی شفاعت سے ضرور بنوتمیم سے زیادہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کے علاوہ؟ آپ نے فرمایا: میرے علاوہ!

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۱۶، مسند احمد ج ۳ ص ۴۶۹، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۳۸، مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۶۸۶۶، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۳۷۶، المستدرک ج ۱ ص ۷۱-۷۰)

(۳۶) حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ رب نے مجھے آج رات کس چیز کا اختیار دیا ہے' ہم نے عرض کیا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو ہی زیادہ علم ہے' فرمایا اس نے مجھے میری نصف امت کو جنت میں داخل کیے جانے اور شفاعت کے درمیان اختیار دیا ہے تو میں نے شفاعت کو اختیار کر لیا' ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اللہ سے دعا کیجئے کہ ہمیں بھی شفاعت (کے حصول) کا اہل کر دے' آپ نے فرمایا وہ ہر مسلمان کو حاصل ہو گی۔ (اس حدیث کی سند صحیح ہے)

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۱۷، مسند ابوداؤد الطیالسی رقم الحدیث: ۹۹۸، مسند احمد ج ۶ ص ۲۸، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۴۱، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۱۱، المعجم الکبیر ج ۱۸ ص ۱۳۴)

(۳۷) حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے کہا یا رسول اللہ! ابوطالب آپ کا دفاع کرتے تھے اور آپ کی مدد کرتے تھے' اور آپ کے لیے غضب ناک ہوتے تھے' آپ نے ان کو کوئی نفع پہنچایا؟ آپ نے فرمایا وہ ٹخنوں تک آگ میں ہے اور اگر میں نہ ہوتا تو وہ دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوتا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۹، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۸۸۳)

(۳۸) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن لوگوں کو جمع کرے گا ان کے دل میں ایک خیال ڈالا جائے گا پس وہ کہیں گے کاش ہم اپنے رب کے پاس کسی کی شفاعت طلب کرتے حتیٰ کہ وہ ہمیں اس جگہ سے رہائی دلاتا! پھر وہ حضرت آدم کے پاس جائیں گے اور کہیں گے آپ آدم ہیں اور تمام مخلوق کے باپ ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا اور آپ میں اپنی (پسندیدہ) روح پھونکی اور فرشتوں کو حکم دیا کہ آپ کو سجدہ کریں' آپ ہمارے لیے اپنے رب سے شفاعت کیجئے تاکہ وہ ہم کو اس جگہ سے رہائی دے' پس وہ کہیں گے میں اس کام کا اہل نہیں ہوں' وہ اپنی (اجتہادی) خطا کو یاد کریں گے اور اپنے رب سے حیا کریں گے' وہ کہیں گے لیکن تم نوح کے پاس جاؤ وہ پہلے رسول ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے بھیجا' پھر لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جائیں گے وہ (بھی) کہیں گے میں اس کا اہل نہیں ہوں' وہ اپنی اس (اجتہادی) خطا کو یاد کریں گے۔ (امام بخاری نے کتاب التفسیر میں روایت کیا ہے کہ حضرت نوح نے یہ دعا کی تھی: اے میرے رب! بے شک میرا بیٹا میرے اہل سے ہے اور بے شک تیرا وعدہ برحق ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا: اے نوح! وہ تمہارے اہل سے نہیں ہے اس کے عمل نیک نہیں ہیں سو تم اس چیز کا سوال نہ کرو جس کا تمہیں علم نہیں ہے۔ (ھود: ۴۶-۴۵) صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۴۷۶' اور امام بخاری نے کتاب التوحید میں روایت کیا ہے کہ حضرت نوح نے کہا کہ میں نے اپنی

قوم کے خلاف انہیں ہلاک کرنے کی دعا کی تھی' (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۱۲) وہ دعا یہ تھی: اے میرے رب زمین پر کوئی بسنے والا کافر نہ چھوڑ اگر تو نے انہیں چھوڑا تو وہ تیرے بندوں کو گمراہ کر دیں گے اور ان کی اولاد بھی بدکار کافر ہو گی۔ (نوح: ۲۷۔۲۶) حضرت نوح نے ان دو باتوں کی وجہ سے ان سے شفاعت نہ کرنے کا عذر کیا اور فرمایا مجھے اپنے رب سے حیا آتی ہے لیکن تم ابراہیم کے پاس جاؤ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیل بنایا تھا' پھر لوگ حضرت ابراہیم کے پاس جائیں گے تو وہ کہیں گے میں اس کا اہل نہیں ہوں' وہ اپنی (اجتہادی) خطا کو یاد کریں گے (وہ خطا یہ تھی کہ انہوں نے تین (ظاہری) جھوٹ بولے تھے صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۱۲) وہ اپنے رب سے حیا کریں گے اور کہیں گے لیکن تم موسیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام سے نوازا اور ان کو تورات عطا کی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام یاد کریں گے کہ انہوں نے ایک شخص کو (تادیباً) قتل کر دیا تھا (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۴۷۶) اور وہ اپنے رب سے حیا کریں گے اور کہیں گے لیکن تم عیسیٰ روح اللہ اور کلمۃ اللہ کے پاس جاؤ' پھر لوگ حضرت عیسیٰ روح اللہ اور کلمۃ اللہ کے پاس جائیں گے وہ کہیں گے میں اس کا اہل نہیں ہوں لیکن تم (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جاؤ' ان کے اگلے اور پچھلے ذنب (یعنی بہ ظاہر خلاف اولیٰ کاموں) کی مغفرت کر دی گئی ہے (باقی انبیاء علیہم السلام اپنی اجتہادی خطاؤں کی وجہ سے خوف زدہ تھے اور آپ خوف زدہ نہیں تھے ورنہ آپ بھی عذر پیش کرتے اس سے معلوم ہوا کہ آپ کی کسی قسم کی کوئی خطا نہیں تھی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر لوگ میرے پاس آئیں گے' پھر میں دیکھوں گا کہ میں سجدہ میں ہوں' پس اللہ جب تک چاہے گا مجھے سجدہ میں رہنے دے گا' پھر کہا جائے گا یا محمد! اپنا سر اٹھائیے' آپ کہیے آپ کی بات سنی جائے گی' آپ سوال کیجئے آپ کو عطا کیا جائے گا' آپ شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی' پس میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور اپنے رب کی ان کلمات کے ساتھ حمد کروں گا جو مجھے میرا رب اسی وقت سکھائے گا' پھر میں شفاعت کروں گا تو میرے لیے ایک حد مقرر کی جائے گی۔ (حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے یعنی میرے لیے ہر بار کی شفاعت کے لیے ایک حد مقرر کی جائے گی جس سے میں تجاوز نہ کروں مثلاً اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے تمہیں ان کے لیے شفیع بنایا ہے جن کی نمازوں کی جماعت میں کوتاہی ہو' پھر ان کے لیے شفیع بنایا جن کی نمازوں میں کوتاہی ہو' پھر ان کے لیے شفیع بنایا جنہوں نے شراب نوشی کی ہو' پھر ان کے لیے شفیع بنایا جنہوں نے زنا کیا ہو اسی اسلوب پر باقی گناہوں کے لیے شفیع بنایا (فتح الباری ج ۱۳ ص ۲۶۲' دار الفکر' شرح الطیبی ج ۱۰ ص ۱۹۴' مطبوعہ کراچی' التوشیح ج ۵ ص ۱۴۰' مطبوعہ بیروت' ۱۴۲۰ھ) پس میں ان کو دوزخ سے نکالوں گا اور جنت میں داخل کر دوں گا' پھر میں دوبارہ سجدہ کروں گا' پھر اللہ تعالیٰ جب تک چاہے گا مجھے سجدہ میں رہنے دے گا' پھر کہا جائے گا یا محمد! اپنا سر اٹھائیے' آپ کہیے آپ کی بات سنی جائے گی آپ سوال کیجئے آپ کو عطا کیا جائے گا' آپ شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی' پھر میں اپنا سر اٹھاؤں گا' اور اپنے رب کی ان کلمات کے ساتھ حمد کروں گا جو وہ مجھ کو اسی وقت تعلیم فرمائے گا' پھر میں شفاعت کروں گا تو میرے لیے ایک حد مقرر کی جائے گی سو میں ان کو دوزخ سے نکالوں گا اور جنت میں داخل کروں گا' پھر آپ تیسری یا چوتھی بار میں فرمائیں گے' پس میں کہوں گا اے میرے رب! اب دوزخ میں صرف وہ رہ گئے جن کو قرآن نے دوزخ میں بند کر دیا ہے یعنی ان پر خلود اور دوام واجب ہو گیا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۳' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۶۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۱۲' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۲۴۳)

(۳۹) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گوشت لایا گیا' آپ کو اس

کی دستی دی گئی جو آپ کو پسند تھی' آپ نے اس میں سے کچھ گوشت کھایا' پھر آپ نے فرمایا میں قیامت کے دن تمام لوگوں کا سردار ہوں گا' پھر فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ ایسا کیوں ہو گا؟ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمام اولین اور آخرین کو ایک میدان میں جمع کرے گا' پھر ان کو منادی کی آواز سنائے گا' وہ سب لوگ دکھائی دیں گے' سورج قریب ہو گا اور لوگوں کو ناقابل برداشت پریشانی اور گھبراہٹ کا سامنا ہو گا' اس وقت لوگ ایک دوسرے سے کہیں گے کیا تم نہیں دیکھتے کہ تمہارا کیا حال ہے' اور کیا تم یہ نہیں سوچتے کہ تم کس قسم کی پریشانی میں مبتلا ہو چکے ہو' آؤ ایسے شخص کو تلاش کریں جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہماری سفارش کرے' پس لوگ ایک دوسرے سے مشورہ کر کے کہیں گے' چلو حضرت آدم کے پاس چلیں اور ان سے عرض کریں کہ اے آدم! علیک السلام آپ تمام انسانوں کے باپ ہیں' اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے دست قدرت سے پیدا کیا ہے اور آپ میں اپنی پسندیدہ روح پھونکی ہے اور تمام فرشتوں کو آپ کی تعظیم کے لیے سجدہ کرنے کا حکم دیا ہے' آپ اللہ کے سامنے ہماری شفاعت کیجئے' کیا آپ نہیں دیکھ رہے کہ ہم کیسی پریشانی میں ہیں' کیا آپ نہیں دیکھ رہے کہ ہمارا کیا حال ہو چکا ہے! حضرت آدم فرمائیں گے: آج میرا رب بہت غضب میں ہے' اس سے پہلے کبھی اتنے غضب میں تھا نہ اس کے بعد کبھی ہو گا' اس نے مجھے درخت سے منع کیا تھا میں نے اس کی (بہ ظاہر) نافرمانی کی' مجھے صرف اپنی فکر ہے' تم میرے علاوہ کسی اور شخص کے پاس جاؤ' نوح کے پاس جاؤ' لوگ حضرت نوح کے پاس جائیں گے' اور کہیں گے اے نوح! آپ زمین پر بھیجے جانے والے سب سے پہلے رسول ہیں' اللہ تعالیٰ نے آپ کو عبد شکور (شکر گزار بندہ) فرمایا ہے' آپ اپنے رب کے پاس ہماری شفاعت کیجئے' کیا آپ نہیں دیکھ رہے کہ ہم کیسی پریشانی میں ہیں! کیا آپ نہیں دیکھ رہے کہ ہمارا کیا حال ہو چکا ہے! حضرت نوح ان سے فرمائیں گے میرا رب آج سخت غضب میں ہے' اس سے پہلے کبھی اتنے غضب میں تھا نہ اس کے بعد کبھی اتنے غضب میں ہو گا' اور میں نے اپنی قوم کے خلاف ایک دعا کی تھی' مجھے اپنی فکر ہے' تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ' پھر لوگ حضرت ابراہیم کے پاس جائیں گے' اور کہیں گے آپ اللہ کے نبی ہیں! اور زمین کے لوگوں میں سے اللہ کے خلیل ہیں! آپ ہمارے لیے اپنے رب کے پاس شفاعت کیجئے' کیا آپ نہیں دیکھ رہے کہ ہم کس پریشانی میں ہیں! کیا آپ نہیں دیکھ رہے کہ ہمارا کیا حال ہے! حضرت ابراہیم ان سے کہیں گے کہ میرا رب آج بہت غصہ میں ہے اور اس سے پہلے اتنے غصہ میں تھا نہ اس کے بعد کبھی اتنے غصہ میں ہو گا' اور وہ اپنے (ظاہری) جھوٹ یاد کریں گے اور کہیں گے مجھے اپنی فکر ہے' مجھے اپنی فکر ہے تم کسی اور کے پاس جاؤ حضرت موسیٰ کے پاس جاؤ' پس لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور کہیں گے اے موسیٰ! آپ اللہ کے رسول ہیں! اللہ تعالیٰ نے آپ کو رسالت اور کلام سے لوگوں پر فضیلت دی ہے' آپ اپنے رب کے پاس ہماری شفاعت کیجئے' کیا آپ نہیں دیکھ رہے کہ ہم کس پریشانی میں ہیں' کیا آپ نہیں دیکھ رہے کہ ہمارا کیا حال ہے! پس ان سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کہیں گے: میرا رب آج سخت غضب میں ہے' اس سے پہلے کبھی اتنے غضب میں تھا نہ اس کے بعد کبھی اتنے غضب میں ہو گا' اور میں نے ایک ایسے شخص کو قتل کر دیا تھا جس کو قتل کرنے کا مجھے حکم نہیں دیا گیا تھا' مجھے اپنی فکر ہے' تم کسی اور کے پاس جاؤ حضرت عیسیٰ کے پاس جاؤ' پس وہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور کہیں گے اے عیسیٰ! آپ اللہ کے رسول ہیں! آپ نے لوگوں سے پنگھوڑے میں کلام کیا تھا' اور آپ اللہ کا وہ کلمہ ہیں جو اس نے مریم کی طرف القا کیا تھا اور اس کی پسندیدہ روح ہیں' آپ اپنے رب کے پاس ہماری شفاعت کیجئے' کیا آپ نہیں دیکھ رہے کہ ہم کس پریشانی میں ہیں' کیا

آپ نہیں دیکھ رہے کہ ہمارا کیا حال ہے! پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان سے کہیں گے: میرا رب آج سخت غضب میں ہے' اس سے پہلے کبھی اتنے غضب میں تھا نہ اس کے بعد کبھی اتنے غضب میں ہوگا' اور وہ اپنے کسی گناہ کا ذکر نہیں کریں گے' مجھے اپنی فکر ہے' مجھے اپنی فکر ہے' میرے علاوہ کس اور کے پاس جاؤ' (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جاؤ' پھر لوگ میرے پاس آ کر کہیں گے: یا محمد! آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور آخری نبی ہیں اللہ تعالیٰ نے دنیا میں آپ کو مغفرت کی نوید سنا دی ہے' آپ اپنے رب کے سامنے ہماری شفاعت کیجئے! کیا آپ نہیں دیکھ رہے ہم کس پریشانی میں ہیں کیا آپ نہیں دیکھ رہے کہ ہم کس حال میں ہیں! پھر میں عرش کے نیچے اپنے رب کے لیے سجدہ کروں گا' پھر اللہ تعالیٰ میرا سینہ کھول دے گا' اور میرے دل میں حمد و ثنا کے ایسے کلمات القاء فرمائے گا جو اس سے پہلے کسی کے دل میں القاء نہیں فرمائے تھے' پھر کہا جائے گا یا محمد! اپنا سر اٹھائیے' سوال کیجئے' آپ کو عطا کیا جائے گا' شفاعت کیجئے' آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی' میں کہوں گا: اے میرے رب! میری امت' میری امت' کہا جائے گا یا محمد! آپ کی امت میں سے جن لوگوں کا حساب نہیں لیا گیا ہے ان کو جنت کے دائیں دروازہ سے داخل کر دو' اور یہ لوگ جنت کے باقی دروازوں سے بھی داخل ہو سکتے ہیں اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے' جنت کے دروازوں کے کواڑوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا فاصلہ مکہ اور مقام ہجر میں یا مکہ اور مقام بصریٰ میں ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ١٩٤' صحیح البخاری رقم الحدیث: ٤٧١٢' سنن الترمذی رقم الحدیث: ٢٤٣٤' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٣٣٠٧' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ١١٢٨٦)

(٤٠) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمام مسلمانوں کو جمع فرمائے گا اور جنت ان کے نزدیک کر دی جائے گی' پھر تمام مسلمان حضرت آدم علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور عرض کریں گے: اے ہمارے والد! ہمارے لیے جنت کا دروازہ کھلوائیے وہ فرمائیں گے تمہارے باپ کی ایک (اجتہادی) خطا نے ہی تم کو جنت سے نکالا تھا میں اس کا اہل نہیں ہوں۔ جاؤ میرے بیٹے حضرت ابراہیم کے پاس جاؤ جو اللہ تعالیٰ کے خلیل ہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم فرمائیں گے میں اس کا اہل نہیں ہوں' میرے خلیل ہونے کا مقام' مقام شفاعت سے بہت پیچھے ہے' حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ' جن کو اللہ تعالیٰ نے شرف کلام سے نوازا ہے' پھر لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے' حضرت موسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے میں اس کا اہل نہیں ہوں جاؤ عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جو اللہ کا کلمہ اور اس کی پسندیدہ روح ہیں' اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے میں اس کا اہل نہیں ہوں' جاؤ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جاؤ پھر لوگ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جائیں گے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوں گے اور آپ کو شفاعت کی اجازت دے دی جائے گی' اس کے علاوہ امانت اور رحم کو چھوڑ دیا جائے گا اور وہ دونوں صراط کے دائیں بائیں کھڑے ہو جائیں گے' تم میں سے پہلا شخص صراط سے بجلی کی طرح گزرے گا' (راوی نے کہا) میرے ماں اور باپ آپ پر فدا ہوں' بجلی کی طرح کون سی چیز گزرتی ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم نے بجلی کی طرف نہیں دیکھا وہ کس طرح گزرتی ہے اور پلک جھپکنے سے پہلے لوٹ آتی ہے' اس کے بعد وہ لوگ صراط سے گزریں گے جو آندھی کی طرح گزر جائیں گے' اس کے بعد پرندوں کی رفتار سے گزر جائیں گے' پھر آدمیوں کے دوڑنے کی رفتار سے گزریں گے' ہر شخص کی رفتار اس کے اعمال کے مطابق ہوگی' اور تمہارے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) صراط پر کھڑے ہوئے یہ دعا کر رہے ہوں گے "اے میرے رب ان کو

سلامتی سے گزار دے'' ''ان کو سلامتی سے گزار دے'' پھر ایک وقت وہ آئے گا کہ گزرنے والوں کے اعمال ان کو عاجز کر دیں گے اور ان میں چلنے کی طاقت نہیں ہوگی' اور وہ اپنے آپ کو گھسیٹتے ہوئے صراط سے گزریں گے' اور صراط کی دونوں جانب لوہے کے کنڈے لٹکے ہوئے ہوں گے اور جس شخص کے متعلق حکم ہوگا وہ اس کو پکڑ لیں گے' بعض ان کی وجہ سے زخمی ہونے کے باوجود نجات پا جائیں گے' اور بعض ان سے الجھ کر دوزخ میں گر جائیں گے' حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے دوزخ کی گہرائی ستر سال کی مسافت کے برابر ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۵' المسند الجامع رقم الحدیث: ۳۴۰۱)

شفاعت بالوجاہت کی حدیث پر تعجیل حساب کی شفاعت اور مسلمانوں کو دوزخ سے نکالنے کی شفاعت کو خلط ملط کرنے کا اشکال

علامہ داؤدی نے کہا گویا کہ حضرت انس اور حضرت ابوہریرہ کی حدیثوں کے راوی نے ان حدیثوں کی اصل کو ملحوظ نہیں رکھا' کیونکہ ان حدیثوں کا ابتدائی حصہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ شفاعت میدان محشر میں پریشان لوگوں کو محشر سے رہائی دلانے اور ان کے حساب میں تعجیل کے لیے ہے' اور یہ شفاعت بالوجاہت ہے' اور ان حدیثوں کا آخری حصہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ شفاعت گنہگاروں کو دوزخ سے نکالنے کے لیے ہے اور یہ شفاعت اس وقت ہوگی جب لوگ میدان محشر سے صراط کی طرف منتقل ہو جائیں گے اور گناہ گار صراط سے گزرتے ہوئے دوزخ میں گر جائیں گے' شفاعت بالوجاہت موقف (محشر) میں ہوگی اور دوزخ سے نکالنے کے لیے شفاعت صراط پر ہوگی اور اس حدیث میں ان دونوں شفاعتوں کا ملا دیا ہے' حافظ ابن حجر نے کہا یہ بہت قوی اشکال ہے۔ (التوشیح ج ۵ ص ۱۴۰-۱۳۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ)

تعجیل حساب اور دوزخ سے نکالنے کی شفاعت کو خلط ملط کرنے کے اشکال کا جواب

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ اس اشکال کے جواب میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اپنے رب سے اذن طلب کروں گا تو مجھے اذن دیا جائے گا' اس کا معنی یہ ہے کہ میں اس شفاعت کا اذن طلب کروں گا جس کا اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا اور وہی مقام محمود ہے جس کا آپ کے لیے ذخیرہ کیا ہے اور آپ کو بتایا ہے کہ آپ کو اس پر فائز کیا جائے گا' اور حضرت انس اور حضرت ابوہریرہ کی حدیث میں ہے کہ آپ کے سجدہ کرنے اور آپ کے حمد کرنے کے بعد آپ کو شفاعت کا اذن دیا جائے گا اور آپ فرمائیں گے میری امت' میری امت' اور اس کے بعد حضرت حذیفہ کی حدیث میں ہے پھر لوگ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں گے پھر آپ کھڑے ہوں گے اور آپ کو اذن دیا جائے گا اور امانت اور رحم کو بھیجا جائے گا اور وہ صراط کی دائیں بائیں جانب کھڑے ہو جائیں' پھر پہلا شخص صراط سے بجلی کی طرح سے گزرے گا پھر آندھی کی طرح گزرے گا' پھر پرندوں کی طرح' پھر دوڑنے والے لوگوں کی طرح' لوگ اپنے اعمال کے اعتبار سے گزریں گے' اور تمہارے نبی صراط پر کھڑے ہوں گے اور وہ کہہ رہے ہوں گے رب سلم رب سلم اے رب! سلامتی سے گزار اے رب! سلامتی سے گزار' حتیٰ کہ بندوں کے اعمال کم ہو جائیں گے' حتیٰ ایک شخص گھسٹتا ہوا گزرے گا' اور صراط کے دونوں کناروں پر لوہے کے کنڈے (ہک) لٹکے ہوئے ہوں گے اور جس کے متعلق حکم ہوگا اس کو پکڑ لیں گے' پس بعض چھلے ہوئے نجات پائیں گے اور بعض دوزخ میں گر جائیں گے (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۵) اس توجیہ سے حدیث متصل ہو جاتی ہے (گویا حضرت انس کی حدیث کے راوی نے دوزخیوں کو دوزخ سے نکالنے سے پہلے والا حدیث کا حصہ ساقط کر دیا جس میں تعجیل حساب کی شفاعت اور اس کے قبول ہونے کا ذکر تھا)۔

کیونکہ یہی وہ شفاعت ہے جس کی خاطر لوگ آپ کے پاس آئے تھے اور یہ محشر سے راحت پہنچانے اور لوگوں کے درمیان فیصلے کے لیے تھی' پھر اس شفاعت کے بعد آپ کی امت اور گنہگاروں کے لیے شفاعت شروع ہوگی' اور انبیاء علیہم السلام وغیرہم اور فرشتوں کی شفاعت ہوگی' جیسا کہ دوسری احادیث میں ہے' اور رویت باری اور لوگوں کے حشر کی حدیث میں یہ آیا ہے کہ ہر امت اس چیز کی اتباع کرے گی جس کی وہ پرستش کرتی تھی' پھر مومنوں کو منافقوں سے ممتاز اور متمیز کیا جائے گا' پھر شفاعت شروع ہوگی' اور صراط کو رکھا جائے گا پس یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پہلے مومنوں کو منافقوں سے متمیز کیا جائے اور محشر کے خوف سے رہائی دلائی جائے اور یہی مقام محمود ہے' اور جس شفاعت کا احادیث میں ذکر ہے یہ صراط پر گنہگاروں کی شفاعت ہے' اور یہی احادیث کا ظاہر معنی ہے اور یہ شفاعت ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسروں کے لیے ہوگی' اس کے بعد ان لوگوں کے لیے شفاعت ہوگی جو دوزخ میں داخل ہو گئے اور اس طریقہ سے احادیث کے متون مجتمع ہو گئے اور ان کے معانی مترتب ہو گئے اور مختلف نہیں ہوئے۔ (اکمال المعلم وفوائد مسلم ج ۱ ص ۵۷۸' مطبوعہ دار الوفاء بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی شافعی متوفی ۶۷۶ھ نے بھی اس جواب کو نقل کیا ہے۔

(صحیح مسلم بشرح النواوی ج ۲ ص ۱۰۵۸' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکۃ المکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

حافظ شہاب الدین ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس اشکال کے جواب میں لکھتے ہیں:

گویا بعض راویوں نے اس چیز کو محفوظ رکھا جس کو دوسروں نے محفوظ نہیں رکھا' اس سے متصل باب میں یہ حدیث آئے گی کہ بعض لوگ صراط سے گھسٹتے ہوئے گزریں گے اور صراط کی دونوں جانب لوہے کے کنڈے ہوں گے جن سے بعض لوگ چھل جائیں گے اور بعض لوگ آگ میں گر جائیں گے' اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے اس لیے شفاعت کریں گے تاکہ مخلوق کے درمیان فیصلہ کیا جائے اس کے بعد ان لوگوں کو دوزخ سے نکالنے کے لیے شفاعت کی جائے گی جو صراط سے دوزخ میں گر جائیں گے' ایک حدیث میں اس کی تصریح ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ قیامت کے دن سورج قریب ہو گا حتیٰ کہ نصف کانوں تک پسینہ پہنچ جائے گا وہ اسی حال میں ہوں گے' پھر حضرت آدم سے فریاد کریں گے' پھر حضرت موسیٰ سے' پھر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے' پھر آپ شفاعت کریں گے تاکہ مخلوق کے درمیان فیصلہ کیا جائے' پس آپ جائیں گے حتیٰ کہ جنت کے دروازہ کی کنڈی پکڑ لیں گے اس دن اللہ آپ کو مقام محمود پر فائز فرمائے گا جس کی تمام اہل محشر مدح کریں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۷۵' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۶۹۴۹)

اور امام ابو یعلیٰ نے حضرت ابی بن کعب سے روایت کیا ہے پھر میں اللہ تعالیٰ کی ایسی مدح کروں گا جس سے اللہ مجھ سے راضی ہو جائے گا' پھر مجھے کلام کرنے کی اجازت دی جائے گی پھر میری امت صراط سے گزرے گی' جو جہنم کی پشتوں پر نصب کیا ہوا ہو گا سو وہ گزریں گے' اور مسند احمد میں ہے اے محمد آپ کیا چاہتے ہیں میں آپ کی اُمت کے معاملے میں کیا کروں؟ میں عرض کروں گا: اے رب ان کا حساب جلد لے لے۔ (فتح الباری ج ۱۳ ص ۲۶۳' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ)

اشکال مذکور کا جواب مصنف کی جانب سے

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے جو شفاعت کی حدیث مروی ہے اس کی ابتداء میں تعجیل حساب کی شفاعت طلب کرنے کا ذکر ہے لیکن پھر اس کے بعد تعجیل حساب کی شفاعت کے بجائے دوزخ سے نکالنے اور جنت میں داخل کرنے کی شفاعت کا ذکر ہے (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی اسی طرح ہے (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۴) گویا کہ ان

دونوں حدیثوں کے راویوں نے حدیث کے اس حصہ کو ترک کر دیا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعجیل حساب کے لیے شفاعت کی ہے اور اس کے بعد والا حصہ ذکر کر دیا' اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں صرف اوپر والے حصہ کا ذکر ہے جب مومنین سب نبیوں کے بعد آپ سے دخول جنت کی شفاعت طلب کریں گے اور آپ ان کے لیے وہ شفاعت فرمائیں گے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۵) لیکن میرا گمان ہے کہ اس حدیث میں بھی راوی سے کچھ سہو ہو گیا ہے کیونکہ دخول جنت کی شفاعت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مختص نہیں ہے یہ شفاعت دوسرے انبیاء علیہم السلام بلکہ ملائکہ اور مومنین صالحین بھی کریں گے جیسا کہ ہم شفاعت کی احادیث میں بیان کر چکے ہیں۔

درحقیقت اس باب میں مکمل اور جامع حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ میدان محشر میں تمام لوگ تمام نبیوں سے تعجیل حساب کی شفاعت طلب کریں گے اور ان کی معذرت کے بعد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شفاعت کو طلب کریں گے' پھر میدان محشر میں اس شفاعت کو کرنے کے بعد آپ صراط پر جائیں گے اور لوگوں کو دوزخ سے نکالنے اور جنت میں داخل کرنے کی شفاعت کریں گے اور اس حدیث پر کوئی اشکال نہیں ہے۔ ہر چند کہ شفاعت کی بحث کافی طویل ہو گئی ہے لیکن ہم اس اشکال کو دور کرنے کے لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث پیش کر رہے ہیں۔ فنقول و باللہ التوفیق وبہ الاستعانۃ یلیق۔

ابونضرہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بصرہ میں منبر پر خطبہ دیتے ہوئے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نبی کے پاس ایک دعا تھی جس کو اس نے دنیا میں خرچ کر لیا' اور میں نے اپنی دعا کو اپنی امت کی شفاعت کے لیے چھپا کر رکھا ہے' اور میں قیامت کے دن اولاد آدم کا سردار ہوں اور فخر نہیں' اور میں سب سے پہلے (قبر کی) زمین سے اٹھوں گا اور فخر نہیں اور میرے ہی ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہو گا اور فخر نہیں' آدم اور ان کے ماسوا سب میرے جھنڈے تلے ہوں گے اور فخر نہیں' قیامت کا دن لوگوں پر بہت طویل ہو گا۔ پس بعض بعض سے کہیں گے' چلو آدم کے پاس جو ہر بشر کے باپ ہیں' وہ ہمارے رب عزوجل کے پاس ہماری شفاعت کریں تاکہ اللہ تعالیٰ ہمارا فیصلہ کرے' پس وہ کہیں گے میں اس کا اہل نہیں ہوں' میں اپنی (اجتہادی) خطا کی وجہ سے جنت سے نکال دیا گیا تھا اور آج کے دن مجھے صرف اپنے نفس کی فکر ہے' لیکن تم نوح کے پاس جاؤ جو تمام انبیاء کے سردار ہیں پھر لوگ حضرت نوح کے پاس جائیں گے اور ان سے کہیں گے اے نوح! آپ ہمارے رب کے پاس ہماری شفاعت کیجئے تاکہ وہ ہمارا فیصلہ کرے' وہ کہیں گے میں اس کا اہل نہیں ہوں' میں نے یہ دعا کی تھی کہ تمام روئے زمین کے لوگوں کو غرق کر دیا جائے اور آج مجھے صرف اپنی ذات کی فکر ہے' لیکن تم ابراہیم خلیل اللہ کے پاس جاؤ' پھر لوگ حضرت ابراہیم کے پاس جائیں گے اور کہیں گے اے ابراہیم! اپنے رب کے پاس ہماری شفاعت کیجئے تاکہ وہ ہمارا فیصلہ کرے' سو وہ کہیں گے میں اس کا اہل نہیں ہوں' میں نے اسلام میں تین (ظاہری) جھوٹ بولے تھے' اور اللہ کی قسم میں نے ان سے اللہ کے دین کی مدافعت اور حفاظت کی تھی وہ حضرت ابراہیم کا قول ہے اِنِّیْ سَقِیْمٌ (الصافات: ۸۹) میں بیمار ہوں' اور ان کا یہ قول ہے: بَلْ کَبِیْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ کَانُوْا یَنْطِقُوْنَ (الانبیاء: ۶۳) بلکہ ان میں سب سے بڑا یہ ہے' سو اس سے پوچھ لو اگر یہ بات کر سکتے ہوں۔ اور جب وہ بادشاہ کے پاس گئے تو انہوں نے اپنی بیوی کے متعلق کہا یہ میری (دینی) بہن ہے' اور آج کے دن مجھے صرف اپنی ذات کی فکر ہے لیکن تم موسیٰ کے پاس جاؤ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت اور اپنے کلام سے فضیلت دی ہے' سو وہ ان کے پاس جائیں گے اور کہیں گے اے موسیٰ! آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت اور اپنے کلام کی فضیلت دی ہے آپ اپنے رب کے پاس ہماری شفاعت کیجئے تاکہ وہ ہمارا فیصلہ کر دے' پس وہ کہیں گے میں اس کا اہل نہیں

ہوں' میں نے ایک شخص کو بغیر قصاص کے قتل کر دیا تھا اور آج مجھے صرف اپنی ذات کی فکر ہے' لیکن تم عیسیٰ روح اللہ اور کلمۃ اللہ کے پاس جاؤ' تو وہ حضرت عیسیٰ کے پاس جائیں گے اور کہیں گے اے عیسیٰ! آپ روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں تو آپ اپنے رب کے پاس ہماری شفاعت کیجئے تا کہ وہ ہمارا فیصلہ کر دے' وہ کہیں گے میں اس کا اہل نہیں ہوں' مجھے اللہ کے سوا معبود بنالیا گیا تھا اور مجھے صرف اپنی ذات کی فکر ہے' لیکن تم یہ بتاؤ کہ اگر کسی برتن کے اندر کوئی قیمتی چیز رکھی ہوئی ہو اور اس پر مہر لگی ہوئی ہو تو کیا کوئی شخص اس برتن کی مہر توڑے بغیر اس قیمتی چیز کو حاصل کر سکتا ہے؟ لوگوں نے کہا نہیں۔ حضرت عیسیٰ نے کہا (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خاتم النبیین ہیں اور آج وہ موجود ہیں' اللہ نے ان کے تمام اگلے اور پچھلے بہ ظاہر خلاف اولیٰ کاموں کی مغفرت کر دی ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر لوگ میرے پاس آ کر کہیں گے یا محمد! اپنے رب کے پاس ہماری شفاعت کیجئے تا کہ وہ ہمارا فیصلہ کر دے۔ پس میں کہوں گا کہ میں ہی اس شفاعت کے لیے ہوں حتیٰ کہ اللہ عزوجل اجازت دے' جس کے لیے وہ چاہے اور جس سے وہ راضی ہو۔ پس جب اللہ تبارک وتعالیٰ مخلوق میں اعلان کرنے کا ارادہ فرمائے گا تو ایک منادی ندا کرے گا' احمد اور ان کی امت کہاں ہے؟ پس ہم ہی آخر اور اول ہیں' ہم آخری امت ہیں اور ہم ہی پہلے وہ ہیں جن کا حساب لیا جائے گا۔ پھر ہمارے راستے سے تمام امتوں کو ایک طرف کر دیا جائے گا اور ہم اس کیفیت کے ساتھ گزریں گے کہ ہمارے چہرے اور ہمارے ہاتھ اور پیر وضو کے آثار سے سفید اور چمکدار ہوں گے' اور ہمیں دیکھ کر تمام امتیں یہ کہیں گی لگتا ہے اس ساری امت میں نبی ہیں' (یہاں تک یہ ذکر ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تعجیل حساب کی شفاعت کی اور سب سے پہلے آپ کی امت کا حساب لیا گیا اور اس کے بعد دوسری شفاعت کا ذکر ہے جو آپ گناہگاروں کو دوزخ سے نکالنے کے لیے کریں گے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر میں جنت کے دروازہ پر آؤں گا اور دروازہ کی کنڈی کو پکڑوں گا' پس دروازہ کھٹکھٹاؤں گا۔ سو پوچھا جائے گا آپ کون ہیں؟ میں کہوں گا محمد۔ سو میرے لیے دروازہ کھول دیا جائے گا۔ پھر میں اپنے رب عزوجل کو دیکھوں گا وہ کرسی یا عرش پر ہوگا' میں اس کے سامنے سجدہ میں گر جاؤں گا اور ایسے کلمات حمد کے ساتھ اس کی حمد کروں گا جن کلمات حمد کے ساتھ مجھ سے پہلے کسی نے اس کی حمد کی تھی اور نہ میرے بعد کرے گا' مجھ سے کہا جائے گا اپنا سر اٹھایئے اور کہیے آپ کی بات سنی جائے گی' اور سوال کیجئے آپ کو عطا کیا جائے گا' اور شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ آپ نے فرمایا: پس میں اپنا سر اٹھاؤں گا' پس میں کہوں گا: اے میرے رب! میری امت' میری امت' پس مجھ سے کہا جائے گا آپ دوزخ سے ان تمام (مسلمانوں) کو نکال دیجئے جن کے دل میں اتنا اتنا ایمان ہو' پس میں ان کو دوزخ سے نکالوں گا' اور سجدہ میں گر جاؤں گا اور اس کی ان کلمات حمد کے ساتھ حمد کروں گا جن کلمات حمد سے مجھ سے پہلے کسی نے حمد کی تھی اور نہ میرے بعد کرے گا' پھر مجھ سے کہا جائے گا اپنا سر اٹھایئے اور کہیے آپ کی بات سنی جائے گی' سوال کیجئے آپ کو عطا کیا جائے گا' اور شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ میں کہوں گا اے میرے رب میری امت' میری امت! پس کہا جائے گا ان تمام کو دوزخ سے نکال لیجئے' جن کے دل میں اتنا اتنا ایمان ہو' سو میں ان کو نکالوں گا۔ آپ نے فرمایا پھر تیسری بار بھی اسی طرح ہوگا۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۲۹۵' ۲۸۲' طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۶۹۲' ۲۵۴۶' طبع جدید عالم الکتب بیروت' حافظ احمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے' حاشیہ مسند احمد رقم الحدیث: ۲۵۴۶' دار الحدیث قاہرہ' مسند الطیالسی رقم الحدیث: ۲۷۱۱' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۴ ص ۱۳۵' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۲۳۲۸' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۷۳-۳۷۲)

شفاعت کی اور بھی بہت احادیث ہیں لیکن میں شفاعت کی صرف چالیس حدیثیں ذکر کرنا چاہتا تھا' تا کہ میرا شمار بھی ان

محدثین میں ہو جائے جنہوں نے اس امید پر چالیس حدیثیں جمع کیں ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت کے مطابق قیامت کے دن ان کا حشر فقہاء کے گروہ میں ہو جائے اور ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب ہو۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے میری امت کو ان کے دین سے متعلق چالیس حدیثیں پہنچائیں اللہ اس کو اس حال میں اٹھائے گا کہ وہ فقیہ ہوگا اور میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں گا۔ (شعب الایمان ج ۲ رقم الحدیث: ۱۷۲۵'مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۲۵۸' المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۳۰۷۶)

اس بشارت کی دیگر احادیث ہم نے تبیان القرآن ج ۴ ص ۱۸۵-۱۸۳ میں ذکر کی ہیں' ہر چند کہ میں گناہوں میں ڈوبا ہوا ہوں اور فقہاء کی صف میں کھڑے ہونے کا ہرگز مستحق نہیں ہوں لیکن اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم جب عطا فرماتے ہیں تو وہ کسی استحقاق کی بنا پر عطا نہیں فرماتے' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گناہگاروں کی شفاعت فرمائیں گے سو آپ میری ایسی شفاعت فرمادیں کہ میں قبض روح کے وقت' قبر' حشر اور دوزخ میں ہر قسم کے عذاب سے محفوظ اور مامون کردیا جاؤں' میں شفاعت کے اس باب کو حضرت سواد بن قارب رضی اللہ عنہ کے اس شعر پر ختم کرتا ہوں۔

فکن لی شفیعا یوم لا ذو شفاعة — سواک بمغن عن سواد بن قارب

(الاستیعاب ج ۲ ص ۲۳۴' رقم: ۱۱۱۴' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اس کو وہ سب معلوم ہے جو لوگوں کے آگے ہے اور لوگوں کے پیچھے ہے اور لوگ اس کے علم کا احاطہ نہیں کرسکتے۔ (طٰہٰ: ۱۱۰)

لوگوں کے آگے اور لوگوں کے پیچھے کی تفسیر

لوگوں کے آگے اور لوگوں کے پیچھے کی تفسیر میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) کلبی نے کہا لوگوں کے آگے سے مراد آخرت کے احوال اور لوگوں کے پیچھے سے مراد ہے دنیا کے احوال' یعنی اللہ تعالیٰ کو وہ سب معلوم ہے جو وہ دنیا میں کرتے رہے تھے اور اللہ تعالیٰ کو وہ سب بھی معلوم ہے جو آخرت میں انہیں ان کے اعمال کی جزا ملے گی۔

(۲) مجاہد نے کہا ان کے آگے سے مراد ہے ان کے دنیاوی معاملات اور ان کے اعمال اور ان کے پیچھے سے مراد ہے ان کا ثواب یا عتاب۔

(۳) ضحاک نے کہا اس سے مراد ہے جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہونے والا ہے اور یہ کہ قیامت کب آئے گی۔

اور لوگ اس کا احاطہ نہیں کرسکتے اس کی بھی حسب ذیل تفسیریں ہیں:

(۱) بندے نہیں جانتے کہ ان کے آگے کیا پیش ہونے والا ہے اور وہ اپنے پیچھے کیا احوال اور کیا اعمال چھوڑ آئے ہیں۔

(۲) بندے اللہ کے علم کا احاطہ نہیں کرسکتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اس ہمیشہ سے زندہ اور ہمیشہ قائم رہنے والے کے سامنے سب ذلت سے اطاعت کر رہے ہیں' اور بے شک وہ شخص ناکام اور نامراد ہوگا جو ظلم کا بوجھ لاد کر لائے گا۔ (طٰہٰ: ۱۱۱)

عَنَتِ الْوُجُوْہُ اور القیوم کے معانی

اس آیت میں عنت کا لفظ ہے' عَنیٰ کا معنی ہے عاجزی کرنا اور ذلیل ہونا' العانی کا معنی ہے الاسیر' یعنی قیدی' الماوردی نے کہا ذلت اور خشوع میں فرق ہے۔ ذلیل اس کو کہتے ہیں جو فی نفسہٖ ذلیل ہو اور جو اطاعت کی وجہ سے ذلیل ہو اس کو خشوع

کرنے والا کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے عنت الوجوہ فرمایا ہے اس کا لفظی معنی ہے اس کے لیے سب چہرے ذلیل ہیں' چہروں سے مراد چہروں والے ہیں' اس سے مراد انسان ہیں اور چہروں کا ذکر اس لیے فرمایا کہ انسان کے احوال اور اعمال کا اظہار اس کے چہرے سے ہوتا ہے۔ جو شخص کسی کے سامنے عاجزی کرے اور ذلت اختیار کرے اس کا پتا اس کے چہرے سے چل جاتا ہے اور جو کسی کے سامنے رعونت اور تکبر کرے اس کا اظہار بھی اس کے چہرے سے ہو جاتا ہے اس لیے اس آیت میں انسانوں کو چہروں سے تعبیر فرمایا ہے' اس آیت کا معنی ہے اس کو سجدہ کرتے ہیں اور اس کے لیے اپنے چہروں اور پیشانی کو زمین پر رکھتے ہیں۔

القیوم کے تین معنی ہیں۔ (۱) جو مخلوق کی تدبیر کرنے کے ساتھ قائم ہو (۲) جو انسان کے ہر کسب پر قائم ہو (۳) وہ ذات جو ازلی' ابدی' سرمدی ہو' اس کو حدوث ہو نہ اس کو فنا ہو۔

اسم اعظم کے متعلق احادیث

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم وہ ہے کہ جب اس کو پکارا جائے تو وہ جواب دے۔ وہ قرآن مجید کی تین سورتوں میں ہے: البقرہ' آل عمران اور طٰہٰ۔ (یہ حدیث صحیح ہے)

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۷۷۵۸' المستدرک ج ۱ ص ۵۰۵' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۵۶' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۲۹۷۸)

اور ان تینوں سورتوں میں جو اللہ تعالیٰ کا اسم مشترک ہے وہ ہے الحی القیوم (البقرہ: ۲۵۵' آل عمران: ۲' طٰہٰ: ۱۱۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کا وہ اسم اعظم جب اس کے ساتھ دعا کی جائے تو وہ اس کو قبول فرمائے یہ ہے: قل اللھم مالک الملک الایۃ (اس کی سند ضعیف ہے)

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۲۷۹۲' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۲۹۷۹' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۱۰۳۳)

حضرت اسماء بنت زید رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کا اسم اعظم ان دو آیتوں میں ہے: والھکم الہ واحد لا الہ الا ھو الرحمٰن الرحیم اور اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم۔ (اس کی سند صحیح ہے)

(مسند احمد ج ۶ ص ۴۶۱' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۴۹۶' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۷۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۵۵' المشکوٰۃ رقم الحدیث: ۲۲۹۱' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۲۹۸۱' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۱۰۳۲)

حضرت سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کا وہ اسم اعظم جب اس کے ساتھ دعا کی جائے تو دعا قبول ہو اور جب اس کے ساتھ سوال کیا جائے تو عطا کیا جائے وہ حضرت یونس بن متیٰ کی دعا ہے۔ لاالہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین (الانبیاء: ۸۷) اس کی سند ضعیف ہے۔

(البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۳۲۴' طبع جدید' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۲۹۸۲' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۱۰۳۴)

نیز اس آیت میں فرمایا: وہ شخص ناکام اور نامراد ہوگا اس سے مراد ہے وہ شخص ثواب سے محروم رہے گا' جو ظلم کا بوجھ لاد کر لائے گا یعنی جو شخص گناہ کبیرہ کرے گا اور اس پر توبہ نہیں کرے گا' لیکن اس آیت میں یہ قید ملحوظ ہے کہ اگر اللہ اس کو معاف نہ فرمائے' کیونکہ دوسری آیات میں اللہ تعالیٰ نے گناہ کبیرہ کو بلکہ شرک کے سوا ہر گناہ کو معاف فرمانے کی بشارت بھی دی ہے' اس لیے اس آیت کا معنی اس طرح ہے' اگر کوئی شخص قیامت کے دن گناہ کا بوجھ لاد کر لایا اور اللہ تعالیٰ نے اس کو معاف نہیں کیا اور وہ شفاعت سے بھی محروم رہا' تو وہ ثواب سے محروم رہے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو شخص ایمان کی حالت میں نیک اعمال کرے گا اسے نہ کسی ظلم کا خوف ہوگا نہ کسی نقصان کا O (طٰہٰ: ۱۱۲)

اس سے پہلی آیتوں میں قیامت کے دن کافروں کا حال بیان فرمایا تھا اور اس آیت میں قیامت کے دن مومنوں کا حال بیان فرمایا ہے' ظلم کا معنی ہے کسی چیز کو اس جگہ رکھنا جو اس کا محل نہ ہو' مثلاً کسی شخص کو بغیر جرم کے سزا دینا' اور هضم کا معنی ہے نقص اور کمی یعنی قیامت کے دن مومنوں کو نہ بغیر جرم کے سزا دی جائے گی اور نہ ان کے ثواب میں کمی کی جائے گی۔ اس کی نظیر یہ آیت ہے:

فَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا ۝ (الجن: ۱۳) اور جو شخص اپنے رب پر ایمان لائے گا اسے کسی نقصان کا خطرہ ہوگا نہ کسی ظلم کا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اسی طرح ہم نے اس کو عربی قرآن نازل کیا ہے اور اس میں کئی قسم کی سزاؤں کی خبر سنائی ہے تاکہ لوگ ڈریں یا وہ (سزا کی خبر) ان کے دلوں میں نصیحت پیدا کردے ۝ (طٰہٰ: ۱۱۳)

قرآن مجید کی صفات

اس آیت میں قرآن مجید کی دو صفتیں بیان فرمائی ہیں ایک یہ کہ یہ عربی زبان میں ہے اور دوسری یہ کہ اس میں کئی قسم کی سزاؤں کی خبر ہے۔ قرآن مجید کو عربی زبان میں اس لیے نازل فرمایا کہ عرب اس کو سمجھ سکیں اور وہ قرآن مجید کے معجز ہونے کی وجوہ کو جان سکیں' تاکہ ان پر یہ منکشف ہو جائے کہ یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہے۔ دوسری صفت یہ ہے کہ اس میں کئی قسم کی سزاؤں کی خبر ہے۔ یعنی ہم نے ان خبروں کو بار بار بیان فرمایا ہے اور ان کی تفصیل کی ہے اور ہم نے وہ احکام بیان فرمائے جن کو ہم نے فرض کیا ہے اور ان احکام کی تعمیل نہ کرنے پر ہم نے سزاؤں کو بیان فرمایا ہے اسی طرح جن کاموں کو ہم نے حرام کیا ہے ان کے کرنے پر ہم نے سزاؤں کو بیان کیا ہے تاکہ لوگ فرائض اور واجبات کو ترک کرنے اور محرمات کا ارتکاب کرنے سے ڈریں یا ان کے دلوں میں نصیحت اور خوف خدا پیدا ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس بلند شان والا ہے اللہ جو سچا بادشاہ ہے' اور اس سے پہلے کہ آپ کی طرف پوری وحی کی جائے آپ قرآن پڑھنے میں جلدی نہ کیجئے اور آپ دعا کیجئے کہ اے میرے رب! میرے علم کو زیادہ کردے ۝ (طٰہٰ: ۱۱۴)

اللہ تعالیٰ کی تعظیم پر تنبیہ

اس آیت میں یہ تنبیہ کی ہے کہ مخلوق پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم کرے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سچا بادشاہ ہے کیونکہ اس کی بادشاہی ذاتی ہے' کسی سے مستفاد نہیں ہے' اس کی بادشاہی کو زوال ہے نہ اس میں تغیر ہے' اور نہ اس کے علاوہ کوئی اور اس کی بادشاہی کے لائق ہے۔ وہ بلند اور برتر ہے' وہم اور عقل اس کی بلندی کا تصور نہیں کر سکتے۔ وہ اپنی ذات کے لیے نفع کے حصول اور اپنی ذات سے ضرر کو دور کرنے سے منزہ ہے' اس نے قرآن مجید کو اس لیے نازل کیا ہے کہ لوگ وہ کام نہ کریں جو نامناسب ہیں اور وہ کام کریں جو کرنے چاہئیں' کسی کی اطاعت اور عبادت سے اللہ تعالیٰ کو کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا اور کسی کی معصیت اور حکم عدولی سے اس کو کوئی ضرر نہیں ہوتا۔ جو اطاعت کرتا ہے وہ اپنے فائدہ کے لیے کرتا ہے اور جو نافرمانی کرتا ہے وہ اپنا ہی نقصان کرتا ہے' اس کی توفیق سے بندہ اطاعت کرتا ہے اور اپنے نفس کی شامت اور شیطان کے بہکانے سے انسان گناہ کرتا ہے۔

قرآن کی تلاوت میں عجلت سے ممانعت کی وجوہ

اور اس سے پہلے کہ آپ کی طرف وحی کی جائے آپ قرآن پڑھنے میں جلدی نہ کیجئے۔ اس کی حسب ذیل تفسیریں ہیں:

(۱) ابوصالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ حضرت جبریل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی سورت یا آیت لے کر نازل ہوتے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کی تلاوت کرتے' ابھی جبریل وہ پوری سورت یا آیت ختم نہ

کرتے تھے کہ آپ ابتداء سے پڑھنا شروع کر دیتے اس خوف سے کہ آپ اس کا کچھ حصہ بھول جائیں گے۔

(٢) مجاہد اور قتادہ نے کہا آپ پر جو سورت یا آیت نازل کی گئی آپ اس کی تلاوت اپنے اصحاب پر اس وقت تک نہ کریں جب تک کہ آپ کو اس کے معانی نہ بتا دیئے جائیں۔

(٣) جب تک اللہ تعالیٰ از خود آپ پر کوئی سورت یا آیت نازل نہ کرے آپ اس کو نازل کرنے کا سوال نہ کریں۔

اور فرمایا آپ دعا کریں اے میرے رب میرے علم کو زیادہ کر یعنی زیادہ قرآن نازل فرما' یا اس کی فہم زیادہ فرما یا اس کا حفظ زیادہ فرما۔ (زاد المسیر ج ۵ ص ٣٢٧-٣٢٦' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ١٤٠٧ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے اس سے پہلے آدم سے عہد لیا تھا' پس وہ بھول گئے اور ہم نے ان کا (نافرمانی کرنے کا) قصد نہیں پایا۔ (طٰہٰ: ١١٥)

نسیان کے باوجود حضرت آدم پر عتاب کیوں ہوا

عہد لینے سے مراد یہ ہے کہ ہم نے آدم کو اس درخت کے قریب جانے یا اس کے پھل کھانے سے منع کیا تھا' اور فرمایا ''اس سے پہلے'' اس سے مراد یہ ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے یا قرآن مجید کو نازل کرنے سے پہلے اور فرمایا وہ بھول گئے' یعنی انہوں نے دانستہ اور عمداً اور نافرمانی کرنے کے قصد سے اس درخت سے نہیں کھایا' اس پر سوال ہے کہ جب وہ بھول گئے تھے تو ان پر عتاب کیوں کیا گیا اس کا جواب یہ ہے کہ عتاب اس وجہ سے کیا گیا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے منع کرنے کو ہر وقت ذہن میں مستحضر کیوں نہیں رکھا اور ایسے امور میں کیوں مشغول ہوئے جن کی وجہ سے ان پر نسیان طاری ہوا۔

حضرت آدم کا اولوالعزم رسول نہ ہونا

اس سورت میں چھٹی بار حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ بیان فرمایا ہے۔ پہلی بار یہ قصہ سورۃ البقرہ میں بیان فرمایا۔ دوسری بار سورۃ الاعراف میں تیسری بار سورۃ الحجر میں' چوتھی بار سورۂ بنی اسرائیل میں پانچویں بار سورۃ الکہف میں اور چھٹی بار سورۂ طٰہٰ میں یہاں پر۔

اس قصہ کی اس سورت سے مناسبت یہ ہے کہ اس سورت میں فرمایا تھا:

كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ. (طٰہٰ: ٩٩) — اور اسی طرح ہم آپ کے اوپر گذرے ہوئے واقعات کے قصے بیان کر رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے اس وعدہ کو پورا کرنے کے لیے حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ بیان فرمایا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ لوگ شیطان کے بہکانے میں آ جاتے ہیں حالانکہ ان کو معلوم ہے کہ شیطان ان کا کھلا دشمن ہے۔ اس کے باوجود وہ احتیاط نہیں کرتے اور اپنے آپ کو شیطان سے محفوظ رکھنے کے اسباب کو اختیار نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس قصہ میں یہ بتایا ہے کہ یہ امر قدیم ہے حضرت آدم کو بھی بتا دیا گیا تھا کہ شیطان ان کا کھلا دشمن ہے اس کے باوجود انہوں نے احتیاط نہیں کی اور ان اسباب کو اختیار نہیں کیا جن سے وہ شیطان کے بہکانے میں نہ آتے' وہ بھول گئے اس طرح ان کی اولاد بھی بھول جاتی ہے اور شیطان کے بہکانے میں آ جاتی ہے۔

علامہ ابن عطیہ اندلسی نے اس مناسبت کو رد کر دیا ہے اور کہا ہے کہ اس میں حضرت آدم علیہ السلام کی تخفیف ہے اور ان کے معاملہ کو کفار اور نافرمانوں کے ساتھ تشبیہ دینا ہے۔

قرآن مجید میں جو فرمایا ہے ''ولم نجدلہ عزما'' ہم نے (حضرت) آدم کا کوئی عزم نہیں پایا' اس کی ایک تقریر تو وہ ہے جو ہم

بیان کر چکے ہیں کہ وہ بھول گئے تھے اور ہم نے معصیت اور نافرمانی کرنے کا ان کا کوئی ارادہ نہیں پایا۔ اور اس آیت کی دوسری تقریر یہ ہے:

علامہ ابوعبداللہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے حضرت آدم کو بتا دیا تھا کہ آپ اس درخت سے نہ کھائیں لیکن جب شیطان نے ان کو بہکایا تو اس نصیحت پر کاربند رہنے کے لیے ہم نے ان کا عزم نہیں پایا جب کہ ان کو بتا دیا گیا تھا کہ شیطان ان کا دشمن ہے' حضرت ابن عباس اور قتادہ نے کہا اس کا معنی ہے اس درخت کو کھانے سے رکنے پر ہم نے ان کا صبر نہیں پایا اور ہماری ممانعت پر قائم رہنے کا عزم نہیں پایا' النحاس نے کہا عزم کا لغت میں بھی یہی معنی ہے کہا جاتا ہے فلاں نے عزم کیا یعنی خود کو معصیت سے بچانے پر ثابت قدم رہا اور صبر کیا' اسی اعتبار سے فرمایا:

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ پس آپ صبر کیجئے جس طرح عالی ہمت رسولوں نے صبر کیا۔

(الاحقاف: ۳۵)

حضرت ابن عباس سے یہ بھی مروی ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے: میں نے جس چیز سے منع کیا تھا انہوں نے اس ممانعت کی حفاظت نہیں کی' جب ابلیس نے ان سے کہا اگر آپ نے اس معین درخت سے کھالیا تو آپ کو جنت میں خلود اور دوام حاصل ہو جائے گا تو انہوں نے اس کی بات نہیں مانی اور جب ابلیس نے اسی نوع کے دوسرے درخت سے کھانے کے لیے کہا تو انہوں نے تاویل کر کے اس درخت سے کھالیا اور یہ بھول گئے کہ یہ درخت بھی ممانعت کے عموم میں داخل ہے' ابن زید نے کہا حضرت آدم نے اللہ تعالیٰ کے امر کی حفاظت نہیں اسی لیے علماء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ وہ اولوالعزم رسولوں میں سے نہ تھے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۱ ص ۲۶۴' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ ھ)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت ابراہیم بھی اولوالعزم رسول نہ تھے کیونکہ انہوں نے تین مواقع پر ظاہری جھوٹ بول کر رخصت پر عمل کیا اور عزیمت پر عمل نہ کیا' جب کہ حضرت غوث اعظم نے ڈاکوؤں کے سامنے سچ بول کر عزیمت پر عمل کیا اور مال بچانے کے لیے جھوٹ بول کر رخصت پر عمل نہیں کیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بعض مواقع پر رخصت پر عمل مطلوب ہوتا ہے اور عزیمت پر عمل مطلوب نہیں ہوتا اگر روزہ دار کی جان کو خطرہ ہو اور وہ جان بچانے کے لیے رخصت پر عمل نہ کرے اور عزیمت پر عمل کرتے ہوئے روزہ برقرار رکھے تو وہ گنہگار ہوگا اور مر گیا تو حرام موت مرے گا۔ ایک سفر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں مکہ جا رہے تھے آپ نے کراع الغمیم پہنچ کر روزہ رکھا اور لوگوں نے بھی روزہ رکھا' پھر بعد میں سب کے سامنے پانی پی کر روزہ افطار کر لیا۔ آپ کو بتایا گیا کہ بعض لوگ روزے پر برقرار رہے آپ نے فرمایا وہ نافرمان ہیں' وہ نافرمان ہیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۱۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۷۱۰' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۲۶۳) حضرت ابراہیم نے جن تین مواقع پر رخصت پر عمل کیا تھا وہاں وہی عمل اولیٰ تھا۔ رہا یہ کہ آپ نے اپنے اس عمل کی وجہ سے شفاعت نہیں کی تو وہ آپ کی تواضع اور آپ کا انکسار ہے۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى ﴿۱۱۶﴾

اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا اس نے انکار کر دیا ○

فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ

پس ہم نے آدم سے فرمایا: اے آدم! یہ آپ کا اور آپ کی بیوی کا دشمن ہے ایسا نہ ہو کہ یہ آپ دونوں کو جنت سے نکلوا دے'

فَتَشْقٰى ﴿١١٧﴾ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ﴿١١٨﴾ وَاَنَّكَ لَا

تو آپ مشقت میں پڑ جائیں گے ○ بے شک آپ جنت میں نہ بھوکے رہیں گے اور نہ برہنہ ○ اور نہ آپ جنت میں

تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى ﴿١١٩﴾ فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰٓاٰدَمُ

پیاسے رہیں گے اور نہ دھوپ کی تپش محسوس کریں گے ○ شیطان نے ان کی طرف وسوسہ ڈالا اور کہا : اے آدم!

هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ﴿١٢٠﴾ فَاَكَلَا مِنْهَا

کیا میں دائمی حیات کے درخت کی طرف آپ کی رہنمائی کروں اور اس بادشاہت کی طرف جس کو کبھی زوال نہ ہو ○ پس ان دونوں نے اس

فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ز

درخت میں سے کھا لیا سو ان دونوں کے ستر کھل گئے اور وہ دونوں جنت کے پتوں سے اپنے ستر کو ڈھانپنے لگے

وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ﴿١٢١﴾ صلے ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَ

اور آدم نے (بہ ظاہر) اپنے رب کی نافرمانی کی تو وہ لغزش میں مبتلا ہو گئے ○ پھر ان کے رب نے انہیں برگزیدہ فرمایا، اور ان کی توبہ قبول

هَدٰى ﴿١٢٢﴾ قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا

فرمائی اور ان کو (بلند درجات کی) ہدایت دی ○ فرمایا تم دونوں اکٹھے جنت سے اتر جاؤ، تم میں سے بعض، دوسرے بعض کے دشمن ہوں گے، پھر اگر

يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى ۙ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ﴿١٢٣﴾

تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت آئے تو جس نے میری ہدایت کی پیروی کی وہ نہ گمراہ ہو گا اور نہ مشقت میں مبتلا ہو گا ○

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ

اور جس نے میرے ذکر سے اعراض کیا تو یقیناً اس کی زندگی بہت تنگی میں گزرے گی اور قیامت کے دن

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ﴿١٢٤﴾ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ

ہم اسے اندھا اٹھائیں گے ○ وہ کہے گا اے میرے رب! تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا؟ حالانکہ میں (دنیا میں)

بَصِيْرًا ﴿١٢٥﴾ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى ﴿١٢٦﴾

دیکھنے والا تھا! ○ اللہ فرمائے گا اسی طرح تیرے پاس میری نشانیاں آئیں تھیں تو تو نے ان کو فراموش کر دیا تھا اور اسی طرح آج

وَكَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ؕ وَلَعَذَابُ

تجھے بھی فراموش کر دیا جائے گا ○ اور جو شخص اپنے رب کی آیتوں پر ایمان نہ لائے اور حد سے تجاوز کرے ہم اسی طرح اس کو سزا دیتے ہیں، اور بے شک

الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰى ﴿۱۲۷﴾ اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ

آخرت کا عذاب زیادہ سخت اور بہت باقی رہنے والا ہے ○ کیا انہوں نے اس سے ہدایت نہیں پائی کہ ہم ان سے پہلے کتنی بستیوں کو ہلاک کر چکے ہیں

يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ﴿۱۲۸﴾ ع

جن کے رہنے کی جگہوں میں یہ لوگ چل پھر رہے ہیں، بے شک اس میں عقل والوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا' اس نے انکار کر دیا ○ پس ہم نے آدم سے فرمایا: یہ آپ کا اور آپ کی بیوی کا دشمن ہے' ایسا نہ ہو کہ یہ آپ دونوں کو جنت سے نکلوا دے' تو آپ مشقت میں پڑ جائیں گے ○ بے شک آپ جنت میں نہ بھوکے رہیں گے اور نہ برہنہ ○ اور نہ آپ جنت میں پیاسے رہیں گے اور نہ دھوپ کی تپش محسوس کریں گے ○ (طٰہٰ: ۱۱۹۔۱۱۶)

ابلیس کی حضرت آدم سے عداوت کی وجوہ

ان آیات میں یہ سوالات پیدا ہوتے ہیں: (۱) سجدہ کرنے کا حکم سب فرشتوں کو دیا گیا تھا یا بعض کو (۲) سجدہ کی کیا تعریف ہے (۳) آیا ابلیس فرشتوں میں سے تھا یا جنات میں سے تھا (۴) آیا ابلیس حضرت آدم کو سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے کافر ہوا یا پہلے سے کافر تھا۔ ان امور پر ہم البقرہ ۳۹۔ ۳۴ میں تفصیل سے بحث کر چکے ہیں۔

ایک سوال یہ ہے کہ ابلیس جو حضرت آدم علیہ السلام سے عداوت رکھتا تھا اس کی عداوت کا کیا سبب ہے' مفسرین نے اس کے حسب ذیل جوابات ذکر کیے ہیں:

(۱) ابلیس بہت زیادہ حسد کرنے والا تھا' جب اس نے حضرت آدم علیہ السلام کے اوپر اللہ تعالیٰ کی بہت زیادہ نعمتیں دیکھیں تو وہ ان سے حسد کرنے لگا اور یہی اس کی عداوت کا سبب تھا۔

(۲) حضرت آدم علیہ السلام نوجوان عالم تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور آدم کو کل اسماء سکھا دیئے' اور ابلیس بوڑھا ہونے کے باوجود جاہل تھا کیونکہ اس نے صرف مادۂ خلقت دیکھ کر خود کو حضرت آدم سے افضل قرار دیا اور جو بوڑھا جاہل ہو وہ ہمیشہ نوجوان عالم سے دشمنی رکھتا ہے۔

(۳) ابلیس کو آگ سے پیدا کیا گیا اور حضرت آدم کو پانی اور مٹی سے پیدا کیا گیا اور پانی اور مٹی اور آگ میں اپنی اصل کے اعتبار سے عداوت ہے۔

جنت کی نعمتوں کی قدر دلانا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ایسا نہ ہو کہ یہ آپ کو جنت سے نکلوا دے تو آپ مشقت میں پڑ جائیں گے۔

مشقت سے مراد ہے تلاش معاش اور روزی کی طلب میں جدوجہد اور محنت اور مشقت کرنا جس کے نتیجہ میں انسان تھکاوٹ میں مبتلا ہوتا ہے' اور یہ محنت اور مشقت صرف مرد کرتا ہے عورتیں نہیں کرتیں اس لیے اس آیت میں صرف حضرت آدم

کے متعلق فرمایا ہے ورنہ آپ مشقت میں مبتلا ہو جائیں گے۔ امام ابن جوزی نے لکھا ہے کہ کھیتی باڑی کرنے ہل چلانے اور دیگر اسباب معیشت سے جو مشقت اور تھکاوٹ حاصل ہوتی ہے اس سے وہ مراد ہے سعید بن جبیر نے بیان کیا ہے کہ حضرت آدم ایک سرخ بیل کے ساتھ ہل چلاتے تھے اور اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھتے تھے اور یہ ان کی مشقت تھی۔

نیز فرمایا آپ جنت میں نہ بھوکے رہیں گے اور نہ برہنہ ○ اور نہ آپ جنت میں پیاسے رہیں گے اور نہ دھوپ کی تپش محسوس کریں گے۔

انسان کو پیٹ بھر کر کھانا مل جائے' پھر سیر ہو کر پینے کیلئے پانی مل جائے' تن ڈھانپنے کے لیے کپڑا مل جائے اور درختوں کا سایہ میسر ہو جائے تو یہ اس کے لیے بہت اہم اور بڑی نعمتیں ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں یہ نعمتیں بغیر کسی محنت اور مشقت کے حاصل تھیں اور ان نعمتوں کی انسان کو اس وقت قدر ہوتی ہے جب یہ نعمتیں اس کو میسر نہ ہوں' اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں ان نعمتوں کی اضداد کا ذکر فرمایا کہ جنت میں آپ نہ بھوکے رہتے ہیں نہ پیاسے نہ برہنہ ہوتے ہیں اور نہ آپ کو دھوپ کی تپش محسوس ہوتی ہے اور جب آپ جنت سے چلے جائیں گے تو آپ کو ان تمام نعمتوں کے حصول کے لیے محنت اور مشقت کرنا ہوگی اس لیے آپ شیطان کے بہکانے میں نہ آئیں تاکہ آپ کو جنت سے جانا نہ پڑے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: شیطان نے ان کی طرف وسوسہ ڈالا اور کہا: اے آدم! کیا میں دائمی حیات کے درخت کی طرف آپ کی رہنمائی کروں! اور اس بادشاہت کی طرف جس کو کبھی زوال نہ ہو ○ پس ان دونوں نے اس درخت سے کھالیا سو ان دونوں کے ستر کھل گئے اور وہ دونوں جنت کے پتوں سے اپنے ستر کو ڈھانپنے لگے اور آدم نے (بہ ظاہر) اپنے رب کی نافرمانی کی تو وہ لغزش میں مبتلا ہو گئے ○ پھر ان کے رب نے انہیں برگزیدہ فرمایا اور ان کی توبہ قبول فرمائی اور ان کو (بلند درجات کی) ہدایت دی ○ (طٰہٰ: ۱۲۲-۱۲۰)

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو بہت عظیم مقام عطا فرمایا ان کو مسجود ملائکہ بنایا اور ان کو تمام چیزوں کا علم عطا فرمایا اور ان کو یہ بتا دیا کہ ان سے اور ان کی بیوی سے ابلیس سخت عداوت رکھتا ہے اور وہ ان کو بہکائے گا اور ان سے معصیت صادر کرا کر ان کو جنت سے نکلوانے کی کوشش کرے گا' اور ابلیس نے حضرت آدم کو اور ان کی بیوی کو لغزش میں مبتلا کرا دیا' اور عجیب بات یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا علم بہت کامل تھا اور ان کی عقل بہت روشن تھی اور ان کو معلوم تھا کہ ابلیس ان کا دشمن ہے اور اس نے ان کو سجدہ نہیں کیا اور وہ اسی وجہ سے دائمی لعنت کا مصداق اور مستحق بن گیا اس کے باوجود انہوں نے اس کے فریب میں آ کر اس درخت سے کھالیا اس سے معلوم ہوا کہ کوئی چیز اللہ تعالیٰ کی قضا اور اس کی تقدیر کو روک نہیں سکتی۔

رہا یہ کہ ابلیس نے کیا وسوسہ کیا اور کس طرح کیا اس کی تفصیل ہم البقرہ میں بیان کر چکے ہیں اور الاعراف میں بھی اس کا ذکر کیا ہے اور حضرت آدم اور ان کی بیوی کا ستر کھل جانا اور پتوں سے ان کا اپنے جسموں کو ڈھانپنا اس کی تفسیر بھی ہم سورۃ الاعراف میں بیان کر چکے ہیں۔

"عصی ادم ربه فغوی" سے حضرت آدم کی عصمت پر اعتراض اور امام رازی کی طرف سے اس کا جواب

اس آیت: ۱۲۱ میں ہے فعصی ادم ربہ اس کا لفظی معنی ہے پس آدم نے اپنے رب کی معصیت (نافرمانی) کی۔

علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ ھ لکھتے ہیں عصا کا معنی ہے لاٹھی' عصیان کی اصل ہے اپنی لاٹھی کے سبب سے کسی کام سے منع کرنا' اور اس کا معنی ہے اطاعت سے باہر نکلنا۔ (المفردات: ج ۲ ص ۴۳۸' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ ھ)

امام رازی لکھتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی عصمت کے منکرین کہتے ہیں کہ عاصی اس شخص کو کہتے ہیں جو گناہ کبیرہ کا

ارتکاب کرے اور جو اپنے فعل کی وجہ سے سزا کا مستحق ہو اور عصیان کی مذمت کی جاتی ہے اور اس پر وعید ہے قرآن مجید میں ہے:

وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَیَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ یُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِیْهَا (النساء:۱۴)

اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے اور اس کی حدود سے تجاوز کرے اللہ اس کو دوزخ میں داخل کر دے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔

اور غویٰ کا مصدر ہے غوایت' اور غوایت اور ضلالت دونوں مترادف ہیں اور غی' رشد اور ہدایت کی ضد ہے اور اس قسم کے لفظ کا اطلاق اسی شخص پر کیا جاتا ہے جو فاسق ہو اور اپنے فسق میں مستغرق ہو۔

پھر علماء نے اس استدلال کے جواب میں کہا معصیت کا معنی ہے امر کی مخالفت کرنا اور امر کبھی وجوب کے لیے ہوتا ہے اور کبھی استحباب کے لیے ہوتا ہے' اور حضرت آدم پر جو معصیت کا اطلاق ہے اس کا معنی ہے انہوں نے ایک مستحب کام کو ترک کر دیا نہ یہ کہ انہوں نے کسی واجب کو ترک کیا' لیکن اس آیت سے استدلال کرنے والوں نے اس جواب کو رد کر دیا اور کہا ہے کہ ظاہر قرآن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ معصیت کا مرتکب عتاب اور سزا کا مستحق ہوتا ہے اور عرف میں بھی عاصی کا لفظ بہ طور مذمت کے استعمال ہوتا ہے' اور بعض علماء نے اس کے جواب میں یہ کہا اس آیت کا معنی یہ ہے کہ حضرت آدم نے معصیت صغیرہ کا ارتکاب کیا نہ یہ کہ معصیت کبیرہ کا ارتکاب کیا' اور ابو مسلم اصفہانی نے یہ جواب دیا کہ حضرت آدم نے مصالح دنیا میں حکم کی مخالفت کی نہ کہ تکلیف شرعی میں' اور دنیاوی مصلحتوں میں حکم کی مخالفت کرنا مباح ہے' اور غویٰ کے لفظ کا یہ جواب دیا ہے کہ وہ جنت کی نعمتوں سے محروم ہو گئے کیونکہ جب انہوں نے اپنے ملک کو دائماً برقرار رکھنے کے لیے اس درخت سے کھایا تو ان کا ملک زائل ہو گیا اور ان کی کوشش ناکام ہو گئی اور وہ کامیاب نہ ہو سکے تو کہا گیا غویٰ' غویٰ' رشد کی ضد ہے اور رشد کا معنی یہ ہے کہ کسی چیز کے وسیلہ سے مقصود تک پہنچا جائے اور جب مقصود کے بجائے اس کی ضد حاصل ہو تو کہا جاتا ہے غویٰ یعنی وہ ناکام اور نامراد ہو گیا' اور بعض لوگوں نے یہ جواب دیا ہے کہ غویٰ کا معنی ہے بدہضمی یعنی بہ کثرت گندم کھانے سے انہیں بدہضمی ہو گئی' ان تمام جوابات کو ذکر کرنے اور ان پر بحث تمحیص کرنے کے بعد امام رازی نے یہ جواب دیا ہے کہ میرے نزدیک سب سے اولیٰ اور مادۂ اعتراض کو جڑ سے اکھاڑنے والا جواب یہ ہے کہ حضرت آدم سے یہ فعل اس وقت سرزد ہوا جب وہ نبی نہیں تھے اس کی تفصیل ہم نے البقرہ میں کی ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۱۰۹۔۱۰۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

سورہ بقرہ کی تفسیر میں امام رازی نے پہلے عصمت انبیاء میں حسب ذیل مذاہب بیان فرمائے ہیں:

عصمت انبیاء میں مذاہب

(۱) حشویہ کے نزدیک انبیاء علیہم السلام کا عمداً گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرنا جائز ہے۔

(۲) اکثر معتزلہ کے نزدیک انبیاء علیہم السلام سے کبائر کا صدور جائز نہیں ہے لیکن عمداً صغائر کا صدور جائز ہے' سوا ان صغائر کے جن سے لوگ متنفر ہوں۔

(۳) جبائی معتزلی کے نزدیک انبیاء علیہم السلام سے صغائر اور کبائر کا عمداً صدور ناجائز ہے' ہاں ان سے تاویل کے ساتھ صدور ہو سکتا ہے۔

(۴) انبیاء علیہم السلام سے بغیر سہو اور خطا کے گناہ کا صدور نہیں ہو سکتا' سہو اور خطا کے ساتھ ان سے گناہ کا صدور ہو سکتا ہے' لیکن ان سے ان پر مواخذہ ہوتا ہے' اس کے برخلاف ان کی امتوں سے اگر سہو اور خطاء سے گناہ ہو تو ان سے مواخذہ

نہیں ہوتا' کیونکہ انبیاء علیہم السلام کے پاس معرفت کے دلائل بہت قوی اور بہت زیادہ ہیں اور دوسروں کی بہ نسبت وہ گناہوں سے اجتناب پر زیادہ قادر ہیں۔

(۵) روافض کے نزدیک انبیاء علیہم السلام سے صغیرہ یا کبیرہ گناہ صادر نہیں ہوتا نہ قصداً نہ سہواً نہ تاویلاً نہ خطاءً۔

عصمت کے وقت میں علماء کے تین قول ہیں:

(۱) معتزلہ کے نزدیک ان کی عصمت کا وقت بالغ ہونے کے بعد ہے اور نبوت سے پہلے ان سے کفر اور کبیرہ کا ارتکاب جائز نہیں ہے۔

(۲) روافض کا مذہب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی ولادت کے وقت سے گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں۔

(۳) ہمارے اکثر اصحاب کا مذہب اور ابوالھذیل اور ابوعلی معتزلی کا مذہب اور ہمارا مختار یہ ہے کہ حال نبوت میں انبیاء علیہم السلام سے کوئی گناہ صادر نہیں ہوتا نہ کبیرہ نہ صغیرہ۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۴۵۵ 'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اس تمہید کے بعد امام رازی "عصی ادم ربہ فغوی" کے جواب میں منکرین عصمت کو مخاطب کر کے لکھتے ہیں:

ہم یہ کہتے ہیں کہ تمہارا کلام اس وقت مکمل ہوگا جب تم دلیل سے یہ ثابت کر دو کہ حضرت آدم نے حال نبوت میں اس درخت سے کھایا تھا اور یہ ثابت نہیں ہے' یہ کیوں جائز نہیں ہے کہ حضرت آدم سے اس زلت (لغزش) کا صدور اس وقت ہوا ہو جب وہ نبی نہیں تھے اور اس زلت کے بعد ان کو نبی بنایا گیا۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۴۵۹ 'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

عصی ادم ربہ فغوی کے متعلق علامہ قرطبی مالکی کی تفسیر

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

اس میں علماء کا اتفاق ہے کہ انبیاء علیہم السلام گناہ کبیرہ کا ارتکاب نہیں کرتے' اور اس میں ان کا اختلاف ہے کہ آیا وہ گناہ صغیرہ کرتے ہیں جن سے ان کا مواخذہ ہوتا ہے اور ان پر عتاب ہوتا ہے یا نہیں' اسی طرح اس پر بھی علماء کا اتفاق ہے وہ ایسا ذلیل کام نہیں کرتے جس سے ان کی ذات پر نقص یا عیب لگے یا جس کی وجہ سے ان کی مذمت کی جائے اور لوگ ان سے متنفر ہوں' ہمارے نزدیک اس کی دلیل معجزہ ہے' اور معتزلہ کے نزدیک اس کی دلیل عقل ہے۔ امام طبری اور دیگر فقہاء' متکلمین اور محدثین نے کہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے صغائر واقع ہوتے ہیں اس میں رافضیوں کا اختلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام تمام گناہوں سے معصوم ہیں۔

امام مالک' امام ابوحنیفہ' امام شافعی' ان کے اصحاب اور جمہور فقہاء اور محدثین کا یہ مذہب ہے کہ انبیاء علیہم السلام جس طرح کبائر سے معصوم ہوتے ہیں اسی طرح صغائر سے بھی معصوم ہوتے ہیں' کیونکہ ہم کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم ان کے افعال' ان کے آثار اور ان کی سیرتوں کی اتباع کریں اور یہ حکم مطلق دیا گیا ہے اس میں کوئی استثناء نہیں ہے اور نہ کسی قرینہ کے التزام کا ذکر ہے' اگر ہم انبیاء علیہم السلام سے صغائر کے وقوع کو جائز قرار دیں تو ان کی اقتداء کرنا ممکن نہیں ہوگی' کیونکہ ان کے افعال میں سے ہر فعل اس سے متمیز نہیں ہے کہ وہ عبادت ہے یا اباحت ہے یا ممنوع ہے یا معصیت ہے' اور نہ کسی شخص کو یہ حکم دینا صحیح ہوگا کہ وہ ان کے کسی حکم پر عمل کرے کیونکہ ہوسکتا ہے ان کا وہ حکم معصیت ہو۔

قاضی ابواسحاق اسفرائنی نے کہا کہ صغائر کے ارتکاب میں اختلاف ہے اور اکثر کا مختار یہ ہے کہ ان سے صغائر کا صدور جائز نہیں ہے اور بعض نے جائز کہا ہے اور اس قول کی کوئی اصل نہیں ہے۔

بعض متاخرین نے پہلے قول کو اختیار کیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے بعض گناہوں کے وقوع کی خبر دی ہے اور ان کو انبیاء علیہم

السلام کی طرف منسوب کیا ہے اور ان کی وجہ سے انبیاء علیہم السلام پر عتاب کیا ہے' اور خود انبیاء علیہم السلام نے بھی ان گناہوں کے وقوع کی خبر دی اور ان سے ڈرے اور ان پر توبہ کی اور یہ تمام امور بہت جگہ وارد ہیں اور یہ مجموعی طور پر تاویل کو قبول نہیں کرتے اگرچہ فرداً فرداً تاویل کو قبول کرتے ہیں' اور ان تمام امور سے ان کے مناصب میں کمی نہیں ہوتی اور یہ کام ان سے شاذ اور نادر طور پر خطا اور نسیان سے واقع ہوئے ہیں یا انہوں نے یہ کام کسی تاویل سے کیے ہیں کیونکہ کبھی وزیر سے اس کام پر گرفت کی جاتی ہے جس کام پر سائیس کو انعام دیا جاتا ہے' اس وجہ سے وہ میدان حشر میں امن امان اور سلامتی ملنے کے باوجود ان کاموں کے ارتکاب سے ڈرتے رہیں گے اور یہ قول حق ہے اور جنید نے کیا خوب کہا ہے کہ ابرار کی نیکیاں بھی مقربین کے نزدیک گناہ ہوتی ہیں' اور ہر چند کہ بعض نصوص ان سے گناہوں کے وقوع پر شاہد ہیں لیکن اس سے ان کے مناصب پر طعن نہیں ہوگا اور نہ ان کے مراتب میں کوئی کمی ہوگی بلکہ انہوں نے ان گناہوں کی تلافی کر لی' اور اللہ تعالیٰ نے ان کو بزرگی دی اور ان کو ہدایت دی اور ان کی مدح کی اور ان کا تزکیہ کیا اور ان کو پسند کیا اور ان کو فضیلت دی۔ صلوٰت اللہ علیھم و سلامہ۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۱ ص ۲۹۲-۲۹۱' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اور علامہ قرطبی وعصی ادم ربہ فغوی کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

فغوی کا معنی ہے ان کی زندگی کا عیش و آرام جاتا رہا اور ان کی زندگی خراب ہوگئی' غی کا ایک معنی ضلالت اور گمراہی ہوتا ہے اور دوسرا معنی فساد ہے اور یہاں پر یہی معنی مراد ہے' نقاش' قشیری اور استاذ ابوجعفر نے بھی یہی مراد لیا۔ یعنی جب وہ جنت سے باہر آ گئے تو جنت کے عیش و آرام کے بجائے ان کو محنت اور مشقت کی زندگی گزارنی پڑی اور وہ مشقت میں پڑ گئے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۱ ص ۱۶۸' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

عصی ادم ربہ فغوی کے متعلق علامہ آلوسی کی تفسیر

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

حضرت آدم نے اس درخت سے کھانے کی ممانعت میں اپنے رب کی معصیت کی اور ان کا جو مطلوب تھا کہ ان کو دائمی زندگی اور لازوال سلطنت حاصل ہو اس سے بھٹک گئے یعنی اس کو نہ پا سکے۔ یہ اس صورت میں ہے جب غوی کا معنی ضلالت کیا جائے اور غوی کا معنی فساد بھی ہے یعنی ان کی زندگی میں جنت سے آنے کے بعد محنت' مشقت اور تھکاوٹ ہوگئی عیش و آرام جاتا رہا اور وہ مشقت میں پڑ گئے۔

علامہ تفتازانی نے شرح المقاصد میں ذکر کیا ہے کہ حضرت آدم سے جو یہ کام صادر ہوا یہ نبوت سے پہلے تھا اور اس کا صدور سہو یا تاویل سے ہوا' اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان پر گرفت فرمائی کیونکہ ان کا مقام بہت بلند تھا اور ان پر اللہ تعالیٰ کا بہت فضل اور احسان تھا اور ان جیسے شخص کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہر وقت یاد رکھنا چاہیے تھا تاکہ سہو اور نسیان کی نوبت نہ آتی اور مشہور ہے کہ نیک لوگوں کی نیکیاں بھی مقربین کے نزدیک گناہ ہوتی ہیں۔ (روح المعانی جز ۱۶ ص ۴۰۲-۴۰۱' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

عصی ادم ربہ فغوی کے متعلق سید مودودی کی تفسیر

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہاں اس بشری کمزوری کی حقیقت کو سمجھ لینا چاہیے جو آدم علیہ السلام سے ظہور میں آئی (الی ان قال) بس ایک فوری جذبہ نے جو شیطانی تحریص کے زیر اثر ابھر آیا تھا' ان پر ذہول طاری کر دیا اور ضبط نفس کی گرفت ڈھیلی ہوتے ہی وہ طاعت کے مقام بلند سے معصیت کی پستی میں جا گرے' یہی وہ ''بھول'' اور ''فقدان عزم'' ہے جس کا ذکر قصہ کے آغاز میں کیا گیا تھا

اور اسی چیز کا نتیجہ وہ نافرمانی اور بھٹک ہے جس کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے۔ (تفہیم القرآن ج ٣ ص ١٣٣ مطبوعہ لاہور ۱۹۸۳ء)

سید مودودی کی تفسیر پر مصنف کا تبصرہ

سید مودودی نے اپنی اس عبارت میں حضرت آدم علیہ السلام کی طرف معصیت کی پستی میں جا گرنے' نافرمانی اور بھٹکنے کی نسبت کی ہے' جب کہ علماء اور مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ قرآن مجید کی آیت یا کسی حدیث کے ترجمہ کے بغیر از خود حضرت آدم کی طرف معصیت اور بھٹکنے کی نسبت کرنا جائز نہیں ہے۔

علامہ ابوبکر محمد بن عبداللہ المعروف بابن العربی المتوفی ٥٤٣ ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

مولیٰ اور مالک کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے بندہ اور غلام کے متعلق کہے ''عصٰی'' اس نے میری نافرمانی کی' اور پھر اس پر اپنے فضل سے رجوع کرے اور کہے وہ تنزیہہ کو بھول گئے اور ہم میں سے کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کے واقعہ کی خبر بیان کرتے ہوئے کہے انہوں نے معصیت اور نافرمانی کی ماسوا اس صورت کے کہ وہ اس آیت یا حدیث کا ترجمہ بیان کرے' اور رہا یہ کہ ہم اپنی طرف سے اس واقعہ کا بیان کریں' تو جب ہمارے لیے یہ جائز نہیں کہ ہم اپنے آباء کو گناہ گار کہیں حالانکہ وہ حضرت آدم کی بہ نسبت بہت ادنیٰ درجہ کے ہیں تو ہمارے لیے یہ کس طرح جائز ہوگا کہ ہم حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق ایسا کہیں جو ہمارے سب سے مقدم باپ ہیں اور اللہ تعالیٰ کے مکرم نبی ہیں۔ جن کی اللہ توبہ قبول فرما چکا ہے اور ان کی مغفرت کر چکا ہے۔ (احکام القرآن ج ٣ ص ٢٥٩' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ١٤٠٨ھ)

علامہ ابوعبداللہ قرطبی مالکی متوفی ٦٦٨ ھ' علامہ ابوالحیان اندلسی متوفی ٧٥٤ ھ اور علامہ آلوسی حنفی متوفی ١٢٧٠ھ نے بھی اس عبارت کو نقل کر کے اس پر اعتماد کیا ہے اور اس سے استدلال کیا ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ١١ ص ١٦٨۔ ١٦٧' مطبوعہ بیروت' البحر المحیط ج ٧ ص ٣٩٢' بیروت' روح المعانی جز ١٦ ص ٤٠٢' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ١٤١٧ھ)

علامہ ابن الحاج مالکی متوفی ٧٣٧ ھ لکھتے ہیں:

ہمارے علماء رحمۃ اللہ علیہم نے کہا ہے کہ جس شخص نے قرآن مجید کی تلاوت کے بغیر یا کسی حدیث کے بغیر' انبیاء میں سے کسی نبی کے متعلق یہ کہا کہ اس نے معصیت کی (اللہ کی نافرمانی کی) یا اللہ کی مخالفت کی تو وہ کافر ہو گیا' **نعوذ باللہ من ذالک**۔ اس کے بعد انہوں نے علامہ ابن العربی کی مذکور الصدر عبارت نقل کر کے اس سے استدلال کیا ہے۔

(المدخل ج ٢ ص ١٤' مطبوعہ دار الفکر بیروت)

ایک اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ باقی مفسرین نے **وعصی ادم ربہ فغوی** کی تفسیر میں اس آیت کی توجیہ کی ہے اور حضرت آدم علیہ السلام کی عصمت کو ثابت کیا اور ان کی گناہ سے برأت کو بیان کیا ہے' اور سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اس آیت سے حضرت آدم علیہ السلام پر تنقید کی ہے اور لکھا ہے کہ ''وہ طاعت کے مقام بلند سے معصیت کی پستی میں جا گرے'' **انا للہ وانا الیہ راجعون!**

وعصی ادم ربہ فغوی کے متعلق مصنف کی تفسیر

ہمارے نزدیک انبیاء علیہم السلام سے اعلان نبوت سے پہلے اور اعلان نبوت کے بعد عمداً گناہ کبیرہ صادر نہیں ہوتا' ہاں نسیان اور اجتہادی خطاء سے صغائر کا ارتکاب ہو سکتا ہے خواہ نبوت سے پہلے ہو یا نبوت کے بعد۔ اور سورہ طٰہٰ کی زیر تفسیر آیت میں جو وارد ہے **وعصی ادم ربہ**: آدم نے اپنے رب کی معصیت (نافرمانی) کی' سو یہ اطلاق ظاہری اور صوری اعتبار سے

ہے اور یہ حقیقتاً گناہ نہیں ہے نہ صغیرہ اور نہ کبیرہ' کیونکہ گناہ کی تعریف یہ ہے کہ اپنے قصد اور اختیار سے اللہ تعالیٰ کے امر اور حکم کے خلاف کوئی کام کیا جائے اور اگر بھولے سے کوئی کام اللہ کے حکم کے خلاف کیا جائے تو وہ گناہ نہیں ہے' جیسے انسان رمضان کے روزہ میں بھول کر کھا پی لے تو یہ گناہ نہیں ہے بلکہ اس کا روزہ بھی نہیں ٹوٹتا' اب دیکھنا یہ ہے کہ حضرت آدم نے بھول کر اس درخت سے کھایا تھا یا قصداً اور عمداً کھایا تھا' قرآن مجید میں ہے:

وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِىَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا (طٰہٰ: ۱۱۵)

اور بے شک اس سے پہلے ہم نے آدم سے عہد لیا تھا (کہ وہ اس درخت کے قریب نہ جائیں) پس وہ بھول گئے اور ہم نے ان کا (نافرمانی کرنے کا) قصد نہیں پایا۔

اور اس کو ظاہری اور صوری اعتبار سے معصیت اس لیے فرمایا کہ انہوں نے بہرحال اس درخت سے کھایا تھا خواہ ان کا قصد معصیت کا نہیں تھا' اور انہوں نے چونکہ بھولے سے یہ فعل کیا تھا اس لیے یہ گناہ نہیں ہے اور نہ عصمت کے خلاف ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ۝ فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ (طٰہٰ: ۱۲۱۔۱۲۰)

پھر شیطان نے آدم کی طرف وسوسہ کیا کہا اے آدم کیا تمہیں (جنت میں) ہمیشہ رہنے کا درخت بتادوں اور ایسی بادشاہت جو کبھی کمزور نہ ہو' تو (آدم وحوا) دونوں نے اس درخت سے کھالیا سو ان کی ستر گاہیں کھل گئیں اور وہ دونوں جنت کے پتوں سے اپنا جسم چھپانے لگے۔

وَقَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ۝ وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّىْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ۝ (الاعراف: ۲۱۔۲۰)

اور شیطان نے کہا تم دونوں کو تمہارے رب نے اس درخت سے صرف اس لیے روکا ہے کہ کہیں تم فرشتے بن جاؤ یا ہمیشہ رہنے والوں میں سے ہو جاؤ۔ اور ان دونوں سے قسم کھا کر کہا کہ میں تم دونوں کا خیر خواہ ہوں۔

حضرت آدم نے اجتہاد کیا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم کوئی جھوٹی نہیں کھا سکتا اور انہوں نے یہ اجتہاد کیا کہ اللہ تعالیٰ نے تنزیہاً منع کیا ہے اور یہ بھول گئے کہ اللہ تعالیٰ نے تحریماً منع فرمایا تھا' یا انہوں نے یہ اجتہاد کیا کہ اللہ تعالیٰ نے خاص اس درخت سے منع فرمایا ہے میں اس نوع کے کسی اور درخت سے کھالیتا ہوں' دونوں صورتوں میں ان کے اجتہاد کو خطاء لاحق ہوئی اور وہ یہ بھول گئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس نوع شجر سے منع کیا تھا' اور یہ واضح رہے کہ اجتہادی خطاء اور نسیان عصمت کے منافی نہیں ہے اور باقی رہا ان کا عرصہ دراز تک توبہ اور استغفار کرنا تو یہ ان کا کمال تواضع اور انکسار ہے۔ اور رہا یہ سوال کہ پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر عتاب کیوں فرمایا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ نیک انسانوں کی بعض نیکیاں بھی مقربین کے نزدیک گناہ ہوتی ہیں۔ اور اس لیے کہ اگرچہ یہ فعل حقیقت میں گناہ نہیں تھا لیکن حضرت آدم علیہ السلام کا مقام اور مرتبہ بہت بلند تھا اس لیے ان کو اپنے مرتبہ کے لحاظ سے چاہئے تھا کہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کے حکم کو یاد رکھتے تا کہ بھولنے کی نوبت نہ آتی' اور رہا یہ کہ وہ بے لباس کیوں ہو گئے تو ہو سکتا ہے اس کی وجہ یہ ہو کہ اس درخت سے کھانا بے لباس ہونے کا سبب ہو جیسے آگ جلانے کا سبب ہے اور زہر ہلاکت کا سبب ہے' اور "فغوی" کے معنی ہم بیان کر چکے ہیں کہ اس کا معنی گمراہ ہونا بھی ہے اور خراب اور فاسد ہونا بھی ہے اور یہاں یہی دوسرا معنی مراد ہے کہ جنت سے آنے کے بعد ان کی زندگی کا عیش و آرام خراب ہو گیا اور ان کو کھانے پینے اور لباس پہننے کے لیے

محنت اور مشقت کرنی پڑی۔

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت آدم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کا اپنے رب کے سامنے مباحثہ ہوا۔ پس حضرت آدم' حضرت موسیٰ پر غالب آ گئے' حضرت موسیٰ نے کہا آپ وہ آدم ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے پیدا کیا اور آپ میں اپنی پسندیدہ روح پھونکی اور فرشتوں سے آپ کو سجدہ کرایا اور آپ کو اپنی جنت میں رکھا' پھر آپ نے اپنی خطا سے لوگوں کو زمین پر اتار دیا' حضرت آدم نے کہا آپ وہ موسیٰ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت اور اپنے کلام کی فضیلت دی اور آپ کو الواح عطا کیں جن میں ہر چیز کا بیان تھا' اور آپ کو قریب کر کے سرگوشی کی' آپ یہ بتایئے کہ میری تخلیق سے کتنا عرصہ پہلے اللہ تعالیٰ نے تورات کو لکھا تھا؟ حضرت موسیٰ نے کہا چالیس سال پہلے! حضرت آدم نے کہا کیا آپ نے تورات میں یہ لکھا ہوا دیکھا تھا **عصی ادم ربہ فغوی** (طٰہٰ: ۱۲۱) اور آدم نے اپنے رب کی معصیت کی تو وہ مشقت میں پڑ گئے' حضرت موسیٰ نے کہا ہاں! حضرت آدم نے کہا تو کیا آپ مجھے اس کام پر ملامت کر رہے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے میرے پیدا کرنے سے چالیس سال پہلے لکھ دیا تھا' پھر حضرت آدم حضرت موسیٰ پر غالب آ گئے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۵۲' الرقم المسلسل: ۶۶۲۰' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۰۹)

حضرت آدم علیہ السلام کے کلام کی تشریح یہ ہے کہ اے موسیٰ! آپ جانتے ہیں کہ میرے پیدا کئے جانے سے پہلے یہ لکھ دیا گیا تھا اور مقدر کر دیا گیا تھا۔ اس لیے اس کا واقع ہونا واجب تھا اور اگر میں' بلکہ ساری مخلوق مل کر بھی اللہ کے لکھے ہوئے سے ایک نقطہ کو بھی مٹانا چاہیں تو اس پر قادر نہیں ہیں' پھر آپ مجھے اس پر کیوں ملامت کر رہے ہیں اور اس لیے کہ گناہ پر ملامت کرنا شرعی امر ہے عقلی امر نہیں ہے' اور جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی توبہ قبول فرمالی اور ان کی مغفرت فرمادی تو ان سے ملامت زائل ہو گئی' اور اب ان کو جو ملامت کرے گا وہ شرعاً مغلوب ہو گا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اگر اب کوئی شخص گناہ کر کے یہ عذر پیش کرے کہ یہ گناہ تو میری تقدیر میں لکھ دیا گیا تھا تو کیا اس کا عذر مقبول ہو گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا عذر مقبول نہیں ہو گا کیونکہ وہ دارالتکلیف میں ہے اور اس پر لازم ہے کہ وہ اس گناہ پر توبہ کرے اور اس کی تلافی کرے ورنہ وہ اس گناہ کی سزا کا مستحق ہو گا' اور حضرت آدم بھی جب تک دارالتکلیف میں رہے اپنی اس ظاہری معصیت پر توبہ کرتے رہے اور اشک ندامت بہاتے رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمالی۔ اور یہ گناہ کرنے والا دارالتکلیف میں باقی ہے اور اس پر مکلفین کے احکام جاری ہوں گے اس کو زجر و توبیخ اور ملامت کی جائے گی اور اس پر حد یا تعزیر ہو گی اور اس پر توبہ کرنا لازم ہے' اور حضرت آدم نے تقدیر کا عذر اس وقت پیش کیا تھا جب وہ اس دارالتکلیف سے جا چکے تھے' اس لیے اب ان کو ملامت کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی اور سوا ان کو ایذاء پہنچانے اور شرمندہ کرنے کے ان کو ملامت کرنے کا کوئی فائدہ نہ تھا' اور جب انسان کسی گناہ سے توبہ کر لے تو اس کا گناہ باقی نہیں رہتا۔ حضرت آدم علیہ السلام کا تو حقیقت میں کوئی گناہ بھی نہ تھا اور اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمالی اور ان کو عزت اور کرامت سے سرفراز فرمایا۔ اس لیے اب ان کو ملامت کرنے کی کیا وجہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فرمایا تم دونوں اکٹھے جنت سے اتر جاؤ' تم میں سے بعض دوسرے بعض کے دشمن ہوں گے' پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت آئے تو جس نے میری ہدایت کی پیروی کی وہ نہ گمراہ ہو گا اور نہ مشقت میں مبتلا ہو گا○ (طٰہٰ: ۱۲۳)

اس کی تفسیر البقرہ: ۳۸ میں گزر چکی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جس نے میرے ذکر سے اعراض کیا تو یقیناً اس کی زندگی بہت تنگی میں گزرے گی' اور قیامت کے دن ہم اسے اندھا اٹھائیں گے ○ وہ کہے گا اے میرے رب! تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا؟ حالانکہ میں (تو دنیا میں) دیکھنے والا تھا! ○ اللہ فرمائے گا اسی طرح تیرے پاس دنیا میں میری نشانیاں آئیں تھیں تو تو نے ان کو فراموش کر دیا تھا اور اسی طرح آج تجھے بھی فراموش کر دیا جائے گا ○ اور جو شخص اپنے رب کی آیتوں پر ایمان نہ لائے اور حد سے تجاوز کرے ہم اسی طرح اس کو سزا دیتے ہیں اور بے شک آخرت کا عذاب زیادہ سخت اور بہت باقی رہنے والا ہے ○ (طٰہٰ: ۱۲۷۔۱۲۴)

ذکر سے مراد اور ''ضنک'' کا معنی

میرے ذکر سے مراد ہے میرا دین اور میری کتاب کی تلاوت' اور اس کے تقاضوں پر عمل کرنا' اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد ہے اسلام کے دین برحق ہونے پر جو دلائل نازل کیے گئے ہیں' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ذکر سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہو' کیونکہ ذکر آپ ہی سے حاصل ہوتا ہے۔

''ضنکا'': ضنک کا معنی ہے تنگی اور اس کا معنی زکام بھی ہے۔ (المفردات ج ۲ ص ۳۹۰) ابو عبیدہ نے کہا اس کا معنی ہے تنگی میں بسر ہونے والی زندگی۔ ہر زندگی جو تنگی میں بسر ہو' یا تنگ جگہ ہو یا تنگ منزل ہو اس کو ضنک کہتے ہیں۔ زجاج نے کہا ضنک کی لغت میں اصل ہے: تنگی اور سختی۔ (زاد المسیر ج ۵ ص ۳۳۱۔۳۳۰)

مفسرین نے کہا تنگی میں زندگی گزرنے کے تین محمل ہیں دنیا میں' قبر میں' آخرت میں' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان سب جگہوں پر اس کی زندگی تنگی سے گزرے یا اکثر جگہوں پر اس کی زندگی تنگی سے گزرے۔

کافر کی تنگ زندگی کا محمل دنیا میں

اکثر مفسرین نے یہ کہا ہے کہ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ کافر کی زندگی دنیا میں تنگی کے ساتھ گزرے گی اس لیے کہ مسلمان کو اللہ پر توکل اور اعتماد ہوتا ہے اور وہ جس حال میں بھی ہو وہ پر سکون اور خوش رہتا ہے قرآن مجید میں ہے:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً (النحل: ۹۷)

جو شخص نیک عمل کرے خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو' تو ہم اس کو ضرور اچھی اور پر سکون زندگی کے ساتھ زندہ رکھیں گے۔

اور جو شخص کافر ہوتا ہے وہ دنیا کے جمع کرنے پر حریص ہوتا ہے اور ہر وقت دنیا کے مال میں زیادتی کا طالب ہوتا ہے اور چونکہ اس کی نظر صرف دنیا پر ہوتی ہے آخرت پر نہیں ہوتی تو اس کو ہر وقت یہ فکر رہتی ہے کہ کہیں اس کا یہ مال اور دولت اور اس کی سلطنت اس سے زائل نہ ہو جائے' آپ امریکا' روس اور چین کو دیکھ لیں ان کے پاس نئے اور مہلک ہتھیاروں کی کمی نہیں ہے اس کے باوجود وہ اپنے ملک کے وسائل ہتھیار بنانے پر خرچ کر رہے ہیں' روس معاشی طور پر دیوالیہ ہو چکا ہے اس کے خزانے میں سرکاری ملازموں کو تنخواہیں دینے کے لیے رقم نہیں ہے کھانے کے لیے گندم نہیں ہے وہ عالمی بینک سے قرض لے کر ملازموں کی تنخواہوں اور عوام کے لیے روٹی کا بندوبست کر رہا ہے اس کے باوجود اس کو مخالف طاقتوں سے خطرہ ہے اور وہ اسلحہ بنانے کی دوڑ میں پیچھے نہیں رہنا چاہتا' امریکہ کو بھی اپنی بقا کا خطرہ لگا رہتا ہے اور وہ اپنے دفاع کے لیے مہلک سے مہلک ہتھیار بنا رہا ہے روس معاشی طور پر تباہ ہو چکا ہے اور کوئی دن جاتا ہے کہ امریکا میں بھی روٹیوں کے لالے پڑ جائیں گے اس وقت امریکا کی جس قدر ساکھ بنی ہوئی ہے وہ سب عالمی بینک سے قرضوں کی بنیاد پر ہے۔ غرض کافر ملک بہ ظاہر کتنے طاقتور اور خوش حال ہوں ان کی بنیادیں کھوکھلی ہو چکی ہیں آج ہم روس کے ہاتھوں میں کشکول دیکھ رہے ہیں لیکن بیس پچیس

سال پہلے کوئی اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا سو ان شاء اللہ چند سال بعد امریکہ کا بھی یہی حال ہو گا حقیقی پرسکون اور خوشحال زندگی صرف اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے حاصل ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَاءُوْا بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ (البقرہ:٦١)

اور ان پر ذلت اور مسکینی مسلط کر دی گئی اور وہ اللہ کے غضب کے ساتھ لوٹے' کیونکہ وہ اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر کرتے تھے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ (المائدۃ:٦٦)

اور اگر یہ لوگ تورات اور انجیل اور جو کچھ ان کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے (اس) پر پورا پورا عمل کرتے تو یہ اپنے اوپر سے اور اپنے نیچے سے روزیاں پاتے اور کھاتے۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَاۤءِ وَالْاَرْضِ (الاعراف:٩٦)

اور اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکتیں کھول دیتے۔

اس سوال کا جواب کہ کفار دنیا میں عیش و آرام سے ہیں اور مسلمان تنگ دستی میں مبتلا ہیں

اس مقام پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی ان آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کفار دنیا میں تنگی اور تنگ دستی کی زندگی گزاریں گے اور مسلمان کشادگی اور خوشحالی کی زندگی گزاریں گے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں معاملہ اس کے برعکس ہے' کفار دنیا میں کشادگی اور خوشحالی کی زندگی گزار رہے ہیں اور مسلمان معاشی تنگی اور تنگ دستی کا شکار ہیں اور حدیث میں بھی یہی ہے کہ نیک لوگ دنیا میں مصائب کا شکار ہوں گے۔

مصعب بن سعد رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کون سے لوگ زیادہ مصائب میں مبتلا ہوں گے؟ آپ نے فرمایا انبیاء پھر جو ان کے زیادہ قریب ہو اور پھر جو ان کے زیادہ قریب ہو' انسان اپنے دین کے اعتبار سے مصائب میں مبتلا ہوتا ہے اگر اس کے دین میں صلابت (سختی اور جماؤ) ہو تو اس کی مصیبت زیادہ سخت ہو گی اور اگر اس کی دین میں نرمی ہو تو وہ اس کے اعتبار سے مصائب میں مبتلا ہو گا' بندہ پر اس طرح مصائب آتے رہیں گے حتیٰ کہ وہ اس حال میں زمین پر چلے گا کہ اس پر کوئی گناہ نہیں ہو گا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ٢٣٩٨' مصنف ابن ابی شیبہ ج ٣ ص ٢٣٣' مسند احمد ج ١ ص ١٧٢' سنن الدارمی رقم الحدیث: ٢٧٨٦' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٤٠٢٣' مسند البزار رقم الحدیث: ١١٥٠' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ٢٩٠١' حلیۃ الاولیاء ج ١ ص ٣٦٨)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے زیادہ مصائب میں انبیاء مبتلا ہوتے ہیں پھر علماء پھر وہ جو ان کے زیادہ قریب ہوں' پھر وہ جو ان کے زیادہ قریب ہوں۔

(المستدرک رقم الحدیث: ٥٥١٤' کنز العمال رقم الحدیث: ٦٧٨٢' المستدرک ج ٣ ص ٣٤٣ قدیم)

اس کا جواب یہ ہے کہ "ضنکا" کا مطلب تنگ دستی نہیں ہے بلکہ زندگی کی تنگ گزران ہے' یہ درست ہے کہ کفار اور مشرکین نے مال و دولت کے انبار جمع کر لیے مگر ان کو طمانیت قلب اور ذہنی سکون حاصل نہیں ہے وہ بہ ظاہر عیش و عشرت میں ہیں لیکن ان کا دل غمگین اور پریشان رہتا ہے' وہ شب و روز مال و دولت اور منصب اور اقتدار کے حصول میں سرگرداں رہتے ہیں پھر ان کو اس کی حفاظت کی فکر رہتی ہے' وہ جو دنیاوی مال و متاع حاصل کرتے ہیں اس کے لیے ہزاروں قسم کے ناجائز

ہتکنڈے استعمال کرتے ہیں جس کی وجہ سے ان کا ضمیر مجرم ہوتا ہے اور وہ اطمینان اور سکون سے محروم رہتے ہیں۔

حافظ سیوطی متوفی ۹۱۱ ھ لکھتے ہیں:

امام ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ''معیشۃ ضنکا'' کی تفسیر میں روایت کیا ہے ہر وہ مال جو میں اپنے بندوں میں سے کسی بندہ کو دیتا ہوں خواہ وہ کم ہو یا زیادہ وہ اس میں میری اطاعت نہ کرے تو اس میں کوئی خیر نہیں اور وہی معیشت میں ضنک (تنگی) ہے۔

امام ابن ابی حاتم نے عکرمہ سے ''معیشۃ ضنکا'' کی تفسیر میں روایت کیا ہے جب اللہ کسی بندہ کو رزق میں وسعت دے اور وہ اپنی معیشت کو حرام کر لیتا ہے تو اللہ اس کے لیے دوزخ کی آگ میں تنگی کر دیتا ہے۔ امام ابن جریر نے روایت کیا ہے یہ وہ معیشت ہے جس میں حرام کی وسعت ہو۔

امام ابن ابی حاتم نے مالک بن دینار سے ''معیشۃ ضنکا'' کی تفسیر میں روایت کیا' اللہ اس کا رزق حرام میں کر دیتا ہے اور اس کو تا دم مرگ حرام کھلاتا ہے حتیٰ کہ وہ مر جاتا ہے پھر اس کو عذاب میں مبتلا کرتا ہے۔

امام عبد بن حمید اور امام ابن ابی حاتم نے ''معیشۃ ضنکا'' کی تفسیر میں روایت کیا ہے اس سے مراد برے عمل اور رزق خبیث ہے۔ الدر المنثور ج ۵ ص ۶۰۹' (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۷ ص ۲۴۳۰)

امام ابن جریر نے ابو حازم سے اس کی تفسیر میں روایت کیا ہے یہ وہ معیشت ہے جس میں معصیت کا رزق ہو۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۸۴۱۶)

امام ابن جریر نے ضحاک سے اس کی تفسیر میں روایت کیا ہے اس سے مراد کسب خبیث ہے' ایک اور سند سے روایت کیا ہے اس سے مراد عمل خبیث اور برا رزق ہے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۸۴۱۷)

کافر کی تنگ زندگی کا محمل قبر میں

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم یہ جانتے ہو کہ یہ آیت کن لوگوں کے متعلق نازل ہوئی ہے: فان لہ معیشۃ ضنکا اور کیا تم جانتے ہو کہ معیشت ضنک کیا ہے؟ صحابہ نے کہا اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں' آپ نے فرمایا یہ قبر میں کافر کا عذاب ہے' اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے کافر پر ننانوے تنین مسلط کیے جائیں گے' کیا تم جانتے ہو کہ تنین کیا ہیں؟ وہ ننانوے سانپ ہیں' ہر سانپ کے ننانوے پھن ہیں' وہ اس کے جسم میں پھونکیں ماریں گے اور قیامت تک اس کو ڈستے اور نوچتے رہیں گے۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۸۴۲۴' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۱۳۳۴' مطبوعہ دار الفکر' تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۳۵۶۴)

(حافظ ابن کثیر نے اس حدیث کو متعدد سندوں کے ساتھ ذکر کیا ہے تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۱۸۸' دار الفکر' ۱۴۱۹ھ)

حافظ سیوطی نے امام عبد الرزاق کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ کافر کی قبر اس پر تنگ ہو جائے گی حتیٰ کہ اس کی پسلیاں ایک دوسرے میں گھس جائیں گی۔ (الدر المنثور ج ۵ ص ۶۰۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ)

کافر کی تنگ زندگی کا محمل آخرت میں

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا ہے کہ کافر کی زندگی دوزخ میں بڑی سختی سے گزرے گی ان کو کھانے کے لیے کانٹے والے بدبودار درخت اور تھوہر کے درخت ملیں گے۔ (زاد المسیر ج ۵ ص ۱۳۳)

نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ معیشت ضنک یہ ہے کہ کافر پر خیر کے دروازے تنگ کر دیئے جائیں

گے وہ کسی خیر کے دروازہ کی راہ نہیں پائے گا۔ امام رازی فرماتے ہیں کہ شبلی سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا کیا مطلب ہے کہ جب تم اہل بلاء کو دیکھو تو اللہ تعالیٰ سے عافیت طلب کرو تو شبلی نے کہا اہل بلا سے مراد اہل غفلت ہیں' ان کی سزا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو ان کے نفسوں کی طرف لوٹا دے گا اور اس سے زیادہ اور کون سی معیشت تنگ اور سخت ہوگی کہ انسان کو اس کے نفس کے سپرد کر دیا جائے' عطا نے کہا معیشت ضنک کافر کی معیشت ہے کیونکہ اس کا ثواب پر یقین ہوتا ہے نہ عذاب پر۔

اور اگر یہ مراد ہو کہ کافر دنیا' قبر اور آخرت میں تنگی کی زندگی گزارتا ہے تو اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گناہ کی سزا کی تین قسمیں ہیں' معیشت کا تنگ ہونا' بہت زیادہ مشکلات کا شکار ہونا اور بغیر اللہ کی معصیت کے روزی کا حاصل نہ ہونا۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۱۱۱' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اس کے بعد فرمایا اور قیامت کے دن ہم اسے اندھا اٹھائیں گے۔ ابو صالح نے اس کی تفسیر میں کہا وہ اعمی الحجت ہوگا' یعنی قیامت کے دن اس کے پاس اپنے کفر اور فسق پر کوئی عذر اور کوئی حجت نہیں ہوگی۔

وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا؟ حالانکہ میں دنیا میں دیکھنے والا تھا! اللہ فرمائے گا اسی طرح تیرے پاس دنیا میں میری نشانیاں آئیں تھیں تو تو نے ان کو فراموش کر دیا تھا اور اسی طرح آج تجھے بھی فراموش کر دیا جائے گا۔ (طٰہٰ: ۱۲۶-۱۲۵)

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ وہ یہ کیسے کہے گا کہ تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا؟ حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کی عظیم سلطنت کو دیکھ رہا ہوگا' اس کا جواب یہ ہے کہ وہ یہ جاننے کے لیے سوال کرے گا کہ اس کو کس جرم میں اندھا اٹھایا گیا ہے حالانکہ وہ دنیا میں دیکھنے والا تھا اور اللہ تعالیٰ کسی شخص کو بغیر جرم کے سزا نہیں دیتا۔

بعض آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر میدان حشر میں دیکھنے والا ہوگا وہ اپنے اعمال نامہ کو پڑھے گا اور جنتیوں اور دوزخیوں کو دیکھے گا اس کا جواب یہ ہے کہ اعمی سے مراد اعمی البصر نہیں ہے بلکہ اعمی الحجت ہے' یعنی دنیا میں تو اس نے اپنے کفر اور فسق پر حجتیں بنا رکھیں تھیں لیکن آخرت میں اس کے پاس کوئی حجت نہیں ہوگی اور وہ بالکل خالی ہاتھ ہوگا' اور اگر اس سے مراد اعمی البصر ہو تو پھر اس کا معنی یہ ہے کہ قیامت کے بعض احوال میں اس کی بینائی نہیں ہوگی اور وہ اندھا ہوگا اور بعض دوسرے احوال میں وہ بینا ہوگا اور قیامت کے ہولناک مناظر کو دیکھنے کے لیے اس کو بینائی عطا کر دی جائے گی۔ پھر فرمایا:

اور جو شخص اپنے رب کی آیتوں پر ایمان نہ لائے اور حد سے تجاوز کرے ہم اسی طرح اس کو سزا دیتے ہیں اور بے شک آخرت کا عذاب زیادہ سخت اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔ (طٰہٰ: ۱۲۷)

یعنی جو اپنے رب کی نافرمانی کرے اور اس کے رسولوں اور اس کی کتابوں پر ایمان نہ لائے تو ہم دنیا' یا برزخ میں اس کی زندگی تنگ کر دیتے ہیں اور آخرت کا عذاب دنیا اور قبر کے عذاب سے بہت زیادہ سخت ہے' کیونکہ دنیا اور قبر کے عذاب کی ایک انتہا ہے اور آخرت کا عذاب غیر متناہی مدت تک جاری رہے گا' آخرت کا عذاب کیفیت اور کمیت دونوں اعتبار سے دنیا اور برزخ کے عذاب سے زیادہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا انہوں نے اس سے ہدایت نہیں پائی کہ ہم ان سے پہلے کتنی بستیوں کو ہلاک کر چکے ہیں' جن کی رہنے کی جگہوں میں یہ لوگ چل پھر رہے ہیں' بے شک اس میں عقل والوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں۔ (طٰہٰ: ۱۲۸)

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا تھا جو شخص اللہ عزوجل کے ذکر اور اس کے دین سے اعراض کرتا ہے اس کا

قیامت کے دن کس طرح حشر کیا جائے گا' اب اس کے بعد یہ بتایا کہ دنیا میں ہونے والے واقعات سے انسانوں کو یہ سبق حاصل کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی تکذیب کرنے والوں کا کیا انجام ہوتا ہے۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ کیا اہل مکہ کو ان کی خبر معلوم نہیں ہوئی جو ان سے صدیوں پہلے اپنے گھروں میں رہتے تھے، یعنی جب اہل مکہ تجارت کرنے اور اپنی روزی طلب کرنے کے لیے سفر پر نکلتے ہیں اور پچھلی امتوں کے شہروں کے کھنڈرات دیکھتے ہیں اور ان بستیوں کو دیکھتے ہیں جو اپنی بنیادوں پر گری پڑی ہیں تو کیا ان کو یہ خوف لاحق نہیں ہوتا کہ اگر وہ اسی طرح اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرتے رہے تو ان پر بھی وہ عذاب آسکتا ہے جو پچھلی امتوں پر آچکا ہے۔

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى ﴿١٢٩﴾

اور اگر آپ کے رب کی طرف سے ایک بات پہلے ہی مقدر نہ ہو چکی ہوتی اور ایک میعاد مقرر نہ ہو چکی ہوتی تو ان کو اسی وقت عذاب آ چمٹتا ○

فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ

سو آپ ان کی باتوں پر صبر کیجئے اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح پڑھتے رہیئے، طلوع آفتاب سے پہلے

وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ

اور غروب آفتاب سے پہلے اور رات کے بعض اوقات میں، اور دن کے حصوں میں بھی تسبیح پڑھیے تاکہ آپ

تَرْضٰى ﴿١٣٠﴾ وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ

راضی ہو جائیں ○ اور ہم نے ان میں سے مختلف لوگوں کو آزمانے کے لیے دنیا کی آرائش اور زیبائش کی جو چیزیں دے

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ۭ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿١٣١﴾ وَاْمُرْ

رکھی ہیں آپ ان کی طرف ہرگز آنکھیں نہ پھیلائیں، آپ کے رب کا دیا ہوا ہی بہت بہتر اور بہت باقی رہنے والا ہے ○ اور آپ

اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۭ لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ۭ

اپنے اہل خانہ کو نماز کا حکم دیں اور خود بھی نماز پر جمے رہیں، ہم آپ سے (آپ کے) رزق کا سوال نہیں کرتے، ہم خود آپ کو رزق

وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ﴿١٣٢﴾ وَقَالُوْا لَوْلَا يَاْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ اَوَلَمْ

دیتے ہیں اور نیک انجام صرف تقویٰ کا ہے ○ اور انہوں نے کہا یہ اپنے رب کی طرف سے ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں لاتے، کیا ان کے

تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ﴿١٣٣﴾ وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ

پاس وہ واضح دلیل نہیں آچکی جو پہلی کتابوں میں ہے؟ ○ اور اگر ہم رسول کو بھیجنے سے پہلے انہیں عذاب سے

مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ

ہلاک کردیتے تو یہ ضرور کہتے کہ اے ہمارے رب! تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا کہ ہم (عذاب میں) ذلیل اور رسوا

مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى ﴿١٣٤﴾ قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا

ہونے سے پہلے تیری آیتوں کی اتباع کر لیتے ○ آپ کہیے سب انتظار کر رہے ہیں سو تم بھی انتظار کرو،

فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدٰى ﴿١٣٥﴾

عنقریب تم جان لو گے کہ سیدھے راستے والے اور ہدایت یافتہ کون لوگ ہیں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر آپ کے رب کی طرف سے ایک بات پہلے ہی مقدر نہ ہو چکی ہوتی اور ایک میعاد مقرر نہ ہو چکی ہوتی تو ان کو اسی وقت عذاب آ چمٹتا○ سو آپ ان کی باتوں پر صبر کیجئے اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح پڑھتے رہیے طلوع آفتاب سے پہلے اور غروب آفتاب سے پہلے اور رات کے بعض اوقات میں اور دن کے حصوں میں بھی تسبیح پڑھیے تاکہ آپ راضی ہو جائیں○ (طٰہٰ: ١٢٩)

آپ کی تکذیب کرنے کے باوجود کفار کو عذاب نہ دینے کی وجوہ

اس بات سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کا فرشتوں کو خبر دینا اور لوح محفوظ میں یہ لکھ دینا کہ (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت خواہ اپنے رسول کی تکذیب کریں ان کے اوپر پچھلی امتوں کی مثل عذاب نہیں بھیجا جائے گا جو ان سب کو ہلاک کر دے اور ان کو جڑ سے اکھاڑ کر رکھ دے اس کی متعدد وجوہ ہیں: (١) کیونکہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ ان مکذبین میں سے بعض ایمان لے آئیں گے۔ (٢) ان مکذبین کی نسل میں سے بعض ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو مسلمان ہو جائیں گے اگر ان سب پر عذاب نازل کر دیا جاتا تو وہ لوگ بھی ہلاک ہو جاتے۔ (٣) اللہ تعالیٰ یہ فرما چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ آپ کے ہوتے ہوئے ان پر کوئی عذاب دے (الانفال: ٣٣)۔ (٤) اللہ تعالیٰ یہ فرما چکا ہے: ہم نے آپ کو تمام جہان والوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ (الانبیاء: ١٠٧) اور عذاب بھیجنا رحمت کے منافی ہے، پہلے انبیاء اپنی امتوں کے لیے عذاب کا مقدمہ بن کر آتے تھے اگر ان کی امت ان کی تکذیب کرتی تو ان کی امتوں سے عذاب ٹل نہیں سکتا تھا اور آپ اپنی امت کے لیے رحمت کا مقدمہ بن کر آئے آپ کے ہوتے ہوئے ان پر عذاب آ نہیں سکتا تھا۔ (٥) اللہ تعالیٰ مالک ہے وہ جس کو چاہے عذاب دے اور جس کو چاہے اپنے فضل کی بنا پر عذاب سے مستثنیٰ کر دے۔

نزول عذاب کی میعاد

اس آیت میں جس میعاد کا ذکر کیا گیا ہے ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد جنگ بدر کا دن ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد آخرت کا عذاب ہے۔ قرآن مجید میں ان دونوں میعادوں کا ذکر ہے:

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ○ (القمر: ٤٥) عنقریب (جنگ بدر میں) اس جماعت کو شکست دی جائے گی اور یہ پیٹھ پھیر کر بھاگے گی۔

بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ○ (القمر: ٤٦) بلکہ ان کے وعدہ کا وقت قیامت ہے اور قیامت بہت سخت اور بہت تلخ ہے۔

اگر یہ میعاد مقرر نہ ہو چکی ہوتی تو ان پر اسی وقت عذاب لازم ہو جاتا' کیونکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرتے تھے اور آپ کو ایذاء پہنچاتے تھے' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو یہ خبر دی کہ وہ کسی قوم کو یا کسی فرد کو اس کا وقت پورا ہونے سے پہلے ہلاک نہیں کرتا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر کا حکم دینے کا محمل

اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ حکم دیا کہ آپ صبر کیجئے یعنی ان کی دل آزار باتوں پر صبر کیجئے' بعض آپ کو ساحر کہتے تھے' بعض آپ کو شاعر یا مجنون کہتے تھے' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ مراد ہو کہ یہ آپ کے دعویٰ نبوت کی جو تکذیب کرتے ہیں آپ اس پر صبر کیجئے اور یہ بھی ہو سکتا ہے مراد یہ ہو کہ یہ لوگ جو آپ پر ایمان نہیں لاتے اور بسیار دلائل اور معجزات دیکھنے کے باوجود آپ کی رسالت کا انکار کرتے ہیں اس سے آپ کو بہت رنج اور غم ہوتا ہے آپ اس پر صبر کیجئے' آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہیے اور فرائض رسالت کو ادا کرتے رہیے۔

کلبی اور مقاتل نے یہ کہا کہ یہ آیت جہاد کی آیتوں سے منسوخ ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں کیونکہ جہاد کا حکم تو دو ہجری میں نازل ہو گیا تھا لیکن اس وقت بھی فی الفور تمام کافروں کو ملیا میٹ نہیں کر دیا گیا تھا۔ ۷ ہجری میں خیبر فتح ہوا تھا اور ۸ ہجری میں مکہ مکرمہ فتح ہوا تھا غرض کفار کی باتوں اور ان کی ایذاؤں پر صبر کرنے کے مواقع کافی عرصہ تک باقی رہے تھے اور اب بھی ہیں اس لیے اس آیت کو منسوخ قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

نماز کے اوقات اور رات کو نماز پڑھنے کی فضیلت

صبر کا حکم دینے کے بعد فرمایا آپ ان اوقات میں اللہ تعالیٰ کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح پڑھیے' اس میں یہ بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کی تسبیح پڑھنے سے رنج اور غم زائل ہو جاتا ہے اور صبر کرنے میں تقویت حاصل ہوتی ہے ان اوقات میں حمد اور تسبیح پڑھنے سے مراد پانچ وقتوں کی نماز پڑھنا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ان اوقات میں پانچ نمازیں داخل ہیں۔ طلوع شمس سے پہلے حمد اور تسبیح پڑھنے سے مراد فجر کی نماز ہے اور غروب شمس سے پہلے تسبیح اور حمد پڑھنے سے مراد ظہر اور عصر کی نمازیں ہیں' کیونکہ یہ دونوں نمازیں غروب آفتاب سے پہلے پڑھی جاتی ہیں اور رات کے اوقات میں تسبیح پڑھنے سے مراد مغرب اور عشاء کی نمازیں ہیں اور دن کے حصوں میں جو تسبیح پڑھنے کا ذکر ہے اس سے مراد ظہر اور عصر کی نمازوں کی تاکید ہے۔ حمد اور تسبیح کرنے اور نماز پڑھنے کا سب سے افضل وقت رات کا وقت ہے' کیونکہ اس وقت لوگوں پر سکون ہوتے ہیں اور ان کے ظاہری اعضا کام کاج سے فارغ ہو چکے ہوتے ہیں۔ رات کا وقت انسان کے سکون اور آرام کا وقت ہے اور اس وقت عبادت کے لیے اٹھنا نفس پر بہت شاق اور بہت دشوار ہوتا ہے اور بدن کے لیے بہت تھکاوٹ کا باعث ہوتا ہے تو جو شخص اس وقت اٹھ کر عبادت کرتا ہے تو اس کو اللہ تعالیٰ بہت زیادہ اجر و ثواب عطا فرماتا ہے' سو اس وقت عبادت کرنے کی زیادہ کوشش کرنی چاہیے۔ قرآن مجید میں رات کے وقت عبادت کرنے کا خصوصیت کے ساتھ ذکر ہے۔

اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِيْلًا ۝ (المزمل: ۶)

بے شک رات کو اٹھنے میں (نفس کو) سخت دباتا ہے اور بات کو زیادہ صحیح کہنا ہے۔

اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَاءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ (الزمر: ۹)

کیا وہ جو رات کے اوقات سجدہ اور قیام میں گزارتا ہے آخرت سے ڈرتا ہے اور اپنے رب کی رحمت کی امید رکھتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ۝ (الفرقان: ۶۴)

اور جو لوگ اپنے رب کے لیے سجدہ اور قیام میں رات گزار دیتے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کے محامل

اس آیت کے آخر میں فرمایا آپ دن کے حصوں میں بھی نماز پڑھیے تا کہ آپ راضی ہو جائیں' اس سے مقصود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بلند مقام اور بلند مرتبہ کی خبر دینا ہے کہ ساری کائنات اللہ تعالیٰ کو راضی کرتی ہے اور اللہ عزوجل آپ کو راضی کرتا ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ○ (الضحیٰ: ۵)
اور عنقریب آپ کا رب آپ کو اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔

عَسٰى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ○ (بنی اسرائیل: ۷۹)
عنقریب آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر فائز فرمائے گا۔

فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا (البقرہ: ۱۴۴)
ہم آپ کو ضرور اس قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جس سے آپ راضی ہوں گے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

ما اری ربک الا یسارع فی ھواک
میں صرف یہی دیکھتی ہوں کہ آپ کا رب آپ کی خواہش پوری کرنے میں بہت جلدی فرماتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۸۸' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۱۹۹' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۴۱۴)

اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ اللہ آپ کو اتنا ثواب عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے' اور اس کا تیسرا محمل یہ ہے کہ آپ کا رب آپ کی شفاعت اس قدر زیادہ قبول فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے' اس کا چوتھا محمل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں آپ کو اس قدر فتوحات عطا فرمائے گا اور آپ کے دین کو اس قدر غلبہ عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے' اور پانچواں محمل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی امت کے افراد کو باقی تمام امتوں سے اس قدر زیادہ کر دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے' اور چھٹا محمل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی امت کے اس قدر زیادہ گناہ گاروں کی مغفرت فرمائے گا اور آپ کی امت کے اس قدر زیادہ افراد کو جنت میں داخل فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔ اور اس کا ساتواں محمل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو وہ تمام چیزیں عطا فرمائے گا جو آپ کو پسند ہیں اور جن سے آپ راضی ہوتے ہیں۔ اور اس کا آٹھواں محمل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنا دیدار عطا فرمائے گا تو آپ راضی ہو جائیں گے کیونکہ آپ نماز اس کیفیت سے پڑھتے تھے کہ گویا آپ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہیں۔ واضح رہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا اور اللہ تعالیٰ کی رضا الگ الگ نہیں ہیں۔ آپ ان ہی چیزوں سے راضی ہوتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے۔ آپ کی رضا اللہ کی رضا اور اللہ کی رضا آپ کی رضا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے ان میں سے مختلف لوگوں کو آزمانے کے لیے دنیا کی آرائش اور زیبائش کی جو چیزیں دے رکھی ہیں' آپ ان کی طرف ہرگز آنکھیں نہ پھیلائیں' آپ کے رب کا دیا ہوا ہی بہت بہتر اور بہت باقی رہنے والا ہے○ اور آپ اپنے اہل خانہ کو نماز کا حکم دیں اور خود بھی نماز پر جمے رہیں' ہم آپ سے (آپ کے) رزق کا سوال نہیں کرتے' ہم خود آپ کو رزق دیتے ہیں' اور نیک انجام صرف تقویٰ کا ہے○ اور انہوں نے کہا یہ اپنے رب کی طرف سے ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں لاتے کیا ان کے پاس وہ واضح دلیل نہیں آچکی جو پہلی کتابوں میں ہے○ (طٰہٰ: ۱۳۳-۱۳۱)

مشکل الفاظ کے معانی

ولاتمدن عینیک: اصل میں مد کا معنی ہے کھینچنا' جو وقت دراز ہو اس کو مدت کہتے ہیں' مددت عینی الی کذا میں نے فلاں چیز کی طرف آنکھیں پھاڑ کر آنکھیں پھیلا کر دیکھا' امداد کا لفظ پسندیدہ چیز کیلئے استعمال ہوتا ہے اور مد کا لفظ ناپسندیدہ چیز کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَاَمْدَدْنٰهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَّلَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ. (الطور: ۲۲) ہم ان کو ان کے پسندیدہ میوے اور گوشت بہت زیادہ دیں گے۔

اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّ بَنِيْنَ ○ (المومنون: ۵۵) کیا انہوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم ان کے مال اور اولاد کو بڑھا رہے ہیں۔

(المفردات ج ۲ ص ۶۰۰' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

یعنی دوسروں کے پاس جو مال و متاع ہے اور دنیا کی زیب و زینت کی چیزیں ہیں آپ ان کو اچھا سمجھتے ہوئے رغبت سے اس کی طرف لمبی نظر نہ کریں اور یہ تمنا نہ کریں کہ آپ کو بھی ان جیسی چیزیں مل جائیں۔

ازواجا: اس کا معنی ہے اصنافا و اشکالا یعنی مختلف اقسام اور مختلف شکل و صورت کی چیزیں۔

زھرۃ الحیوۃ الدنیا: دنیاوی زندگی کی آرائش اور زیبائش کی پر رونق اور چمکتی دمکتی چیزیں۔

ورزق ربک: یعنی آخرت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے جو اجر و ثواب کا ذخیرہ کر رکھا ہے' یا دنیا میں آپ کو جو نبوت سے سرفراز فرمایا ہے اور ہدایت پر آپ کو برقرار اور ثابت قدم رکھا ہے۔

نماز پڑھنے کی تاکید

طٰہٰ: ۱۳۲ میں فرمایا آپ اپنے اہل خانہ کو نماز کا حکم دیں' اس سے مراد ہے آپ اپنے اقارب کو نماز پڑھنے کا حکم دیں' اس آیت کے نازل ہونے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر روز حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر جاتے تھے اور ان کو نماز کے لیے اٹھاتے تھے۔ حضرت عروہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ جب بادشاہوں کے محلات میں آرائش اور زیبائش کی چیزیں دیکھتے تو یہ آیت پڑھتے ولا تمدن عینیک .. الایۃ پھر ان کو نماز پڑھنے کا حکم دیتے اور کہتے نماز پڑھو اللہ تم پر رحم فرمائے' اور خود نماز پڑھتے' اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے گھر والوں کو تہجد کی نماز کے لیے اٹھاتے اور خود بھی نماز پڑھتے اور اس آیت پر عمل کرتے۔

اس کے بعد فرمایا ہم آپ سے آپ کے رزق کا سوال کرتے ہیں اور نہ ان کے رزق کا سوال کرتے ہیں کہ آپ رزق کی فراہمی میں مشغولیت کی وجہ سے نماز نہ پڑھیں بلکہ آپ کے اور ان کے رزق کے کفیل اور ذمہ دار ہم ہیں۔ پھر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل و عیال کو تنگی کا سامنا ہوتا تو آپ ان کو نماز پڑھنے کا حکم دیتے۔ اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ○ مَاۤ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَاۤ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ○ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ○ (الذاریات: ۵۶-۵۸)

میں نے جن اور انسان کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں ○ میں ان سے نہ روزی چاہتا ہوں اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں ○ بے شک اللہ خود ہی سب کو روزی پہنچانے والا' طاقت والا' زبردست ہے۔

ان آیتوں کا یہ معنی نہیں ہے کہ مسلمانوں کو دن رات نمازیں پڑھنی چاہئیں اور روزی حاصل کرنے کے لیے کسب نہیں کرنا

چاہئے کیونکہ جس طرح نماز پڑھنا فرض ہے روزی حاصل کرنا بھی فرض ہے۔قرآن مجید میں ہے:

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ (الجمعہ: ۱۰) جب نماز پڑھ لی جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے اہل کو سوال سے روکنے کے لیے حلال کی طلب میں نکلے وہ بھی اللہ کے راستہ میں ہے اور جو شخص اپنے آپ کو سوال سے روکنے کے لیے حلال کی طلب سے نکلے وہ بھی اللہ کے راستہ میں ہے البتہ جو شخص مال کی کثرت کی طلب میں نکلے وہ شیطان کے راستے میں ہے۔(مصنف عبدالرزاق ج ۵ ص ۲۷۲۔۲۷۱ مطبوعہ بیروت ۱۳۹۰ھ)

طٰہٰ: ۱۳۳ میں فرمایا اور انہوں نے کہا یہ اپنے رب کی طرف سے ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں لائے' کیا ان کے پاس وہ واضح دلیل نہیں آ چکی جو پہلی کتابوں میں ہے؟

کفار نے اپنے اس کلام سے یہ وہم پیدا کیا کہ ان کو بغیر کسی دلیل اور معجزہ کے ایمان لانے کا مکلف کیا گیا ہے' اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا کیا پہلے صحائف میں ان کے پاس واضح دلائل نہیں آ چکے تھے اور اس میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر کئی وجوہ سے دلیل ہے:

(۱) قرآن مجید کی متعدد آیات سابقہ آسمانی کتابوں کے موافق ہیں حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی درس میں جا کر پڑھنا لکھنا نہیں سیکھا تھا اور نہ کسی استاذ سے استفادہ کیا تھا اور یہ اس کی دلیل ہے کہ یہ تمام امور آپ کو غیب سے حاصل ہوئے تھے یہ آپ کا معجزہ ہے۔

(۲) سابقہ آسمانی کتابوں میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور بعثت کی بشارت ہے۔

(۳) کیا ان کو سابقہ آسمانی کتابوں سے یہ نہیں معلوم ہو چکا کہ ہم ان قوموں کو عذاب بھیج کر ہلاک کر چکے ہیں جنہوں نے نشانیوں اور معجزات کا مطالبہ کیا اور جب ان کو ان کے فرمائشی معجزات دے دیئے گئے اور وہ پھر بھی ایمان نہیں لائے تو ہم نے ان قوموں پر عذاب بھیج کر ان کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر ہم رسول کو بھیجنے سے پہلے انہیں عذاب سے ہلاک کر دیتے تو یہ ضرور کہتے کہ اے ہمارے رب! تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا کہ ہم (عذاب میں) ذلیل اور رسوا ہونے سے پہلے تیری آیتوں کی اتباع کر لیتے ○ آپ کہئے کہ سب انتظار کر رہے ہیں سو تم بھی انتظار کرو عنقریب تم جان لو گے کہ سیدھے راستے والے اور ہدایت یافتہ کون لوگ ہیں ○ (طٰہٰ: ۱۳۵۔۱۳۴)

اشیاء میں اصل اباحت ہے

اس آیت سے مراد یہ ہے کہ اگر بالفرض ہم رسول کے بھیجنے سے پہلے ان کو عذاب سے ہلاک کر دیتے تو پھر ان کے لیے یہ کہنے کی گنجائش تھی کہ تو نے ہماری طرف رسول کیوں نہیں بھیجا' لیکن اب جب کہ ہم نے آپ کو پیغام دے کر ان کی طرف بھیج دیا ہے اور ان کی زبان میں ان کو بتا دیا ہے کہ ان کے اوپر کیا فرائض اور واجبات ہیں تو اب ان کے لیے کوئی عذر نہیں ہے بلکہ ان کے خلاف حجت قائم ہو چکی ہے۔

ہمارے علماء نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ کسی چیز کا وجوب حکم شرعی سے ثابت ہوتا ہے' کیونکہ اگر حکم شرعی کے بغیر وجوب ثابت ہو جاتا تو رسول کو بھیجنے سے پہلے بھی کفار پر عذاب آ سکتا تھا' اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے' یعنی احکام شرعیہ کے وارد ہونے سے پہلے ہر کام کا کرنا یا نہ کرنا مباح اور جائز تھا اور جب احکام شرعیہ آ گئے اور اللہ

تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کام کے کرنے کا حکم دے دیا تو وہ واجب ہو گیا اور جس کام کے کرنے سے منع فرما دیا وہ حرام ہو گیا۔

پھر اللہ سبحانہ نے اس سورت کو وعید پر ختم فرمایا آپ کہیے ہم بھی انتظار کر رہے ہیں اور تم بھی انتظار کرو جب موت آئے گی تو تم کو معلوم ہو جائے گا کہ ہم حق پر تھے یا تم حق پر تھے' یا مراد یہ ہے کہ قیامت کا انتظار کرو جب قیامت آئے گی تو سب کو معلوم ہو جائے گا کہ کون حق پر ہے اور کون حق پر نہیں ہے۔

سورت کا اختتام

الحمد للہ علیٰ احسانہ آج بہ روز جمعہ ۲۳ صفر ۱۴۲۲ھ / ۱۷ مئی ۲۰۰۱ء بعد نماز عصر سورہ طٰہٰ کی تفسیر ختم ہو گئی اور اس کے ساتھ ہی قرآن مجید کے سولہ پاروں کی تفسیر بھی مکمل ہو گئی۔ الٰہ العلمین جس طرح آپ نے محض اپنے کرم سے اتنی تفسیر مکمل کرا دی ہے باقی پاروں اور سورتوں کی تفسیر بھی مکمل کرا دیں۔ اس تفسیر کو موافقین کے لیے موجب استقامت اور مخالفین کے لیے ذریعہ ہدایت بنا دیں' اس کتاب کو اعتقاد اور عمل میں موثر بنا دیں اور اس کو تا قیام قیامت باقی اور مفیض رکھیں' اور میری اس کتاب کو اور اسی طرح باقی کتابوں کو مخالفین کے شر سے محفوظ رکھیں' اور محض اپنے لطف و کرم اور اپنے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ اور شفاعت سے میری اور میرے تمام متعلقین کی مغفرت فرمائیں۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین و الصلاۃ و السلام علیٰ سیدنا محمد خاتم النبیین و علیٰ آلہ الطیبین و اصحابہ المعظمین و علی اولیاء امتہ و علماء ملتہ اجمعین.

سُورَةُ الاَنۡبِيَاءِ

(۲۱)

بسم الله الرحمٰن الرحیم

نحمده و نصلی ونسلم علی رسوله الکریم

سورة الانبیاء

سورة کا نام:

اس سورت کا نام الانبیاء ہے اس کے علاوہ اس سورت کا اور کوئی نام معروف نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس سورت کو الانبیاء کہا ہے۔

عبدالرحمٰن بن یزید بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بنی اسرائیل الکہف مریم طٰہٰ اور الانبیاء قدیم سورتوں میں سے ہیں اور ان کو ابتداء اسلام سے حفظ کیا جاتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۳۹ مطبوعہ بیروت)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے پانچ مسلسل اور ایک دوسرے کے بعد آنے والی سورتوں کے نام ذکر کیے ہیں اور یہ سب سورتیں مکہ میں نازل ہوئی ہیں جمہور علماء کا یہی موقف ہے اس کے خلاف جو قول ہے وہ شاذ ہے۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۳۶۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۲۰ھ)

اس سورت کا نام الانبیاء رکھنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سورت میں اٹھارہ انبیاء علیہم السلام کا ذکر ہے۔ اکثر انبیاء علیہم السلام کے اسماء کی تصریح ہے اور بعض کی صفات اور القاب کا ذکر ہے ان کی تفصیل یہ ہے:

(۱) حضرت موسیٰ (۲) حضرت ہارون (۳) حضرت ابراہیم (۴) حضرت لوط (۵) حضرت اسحٰق (۶) حضرت یعقوب (۷) حضرت نوح (۸) حضرت داؤد (۹) حضرت سلیمان (۱۰) حضرت ایوب (۱۱) حضرت اسماعیل (۱۲) حضرت ادریس (۱۳) حضرت ذی الکفل (۱۴) حضرت ذوالنون (۱۵) حضرت زکریا (۱۶) حضرت یحییٰ (۱۷) حضرت عیسیٰ کا بھی ذکر ہے مگر ان کا نام ذکر نہیں انہیں مریم کا بیٹا فرمایا ہے (۱۸) اور ہمارے نبی کو رحمۃ للعلمین فرمایا خلاصہ یہ ہے کہ ذکر تو اٹھارہ انبیاء علیہم السلام کا ہے مگر نام پندرہ کے مذکور ہیں۔

سورۃ الانعام میں اٹھارہ انبیاء علیہم السلام کے ناموں کا ذکر ہے (الانعام: ۸۶-۸۳) اور وہ سورۃ الانبیاء سے پہلے نازل ہوئی ہے کیونکہ اس کے نزول کا نمبر ہے ۵۵ اور الانبیاء کے نزول کا نمبر ہے ۷۱ اس لیے الانعام کا نام الانبیاء ہونا چاہیے تھا لیکن چونکہ اس میں مویشیوں کا ذکر ہے اور اس سورت میں الانعام (مویشیوں) کا لفظ چھ بار آیا ہے۔ اس لیے اس سورت کا نام الانعام رکھا۔ اور اس سورت کا نام الانبیاء رکھا۔ اس کے علاوہ ہم یہ کئی بار بیان کر چکے ہیں کہ وجہ تسمیہ جامع مانع نہیں ہوتی۔

سورۃ طٰہٰ اور سورۃ الانبیاء میں باہمی مناسبت

سورۃ طٰہٰ کے آخر میں قیامت کے آنے سے خبردار کیا گیا تھا:

قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدٰى ○ (طٰہٰ: ۱۳۵)

آپ کہئے سب انتظار کر رہے ہیں سو تم بھی انتظار کرو عنقریب تم جان لو گے کہ کون سیدھے راستے والے ہیں اور کون ہدایت یافتہ ہیں۔

اور سورۃ الانبیاء کی ابتدا میں قیامت کے آنے سے خبردار فرمایا ہے:

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ○ (الانبیاء: ۱)

لوگوں کے حساب کا وقت قریب آ چکا ہے اور وہ پھر بھی غفلت میں پڑے ہوئے اعراض کرنے والے ہیں۔

نیز سورۃ طٰہٰ کے آخر میں یہ تنبیہ فرمائی تھی کہ دنیا کی آرائش اور زیبائش سے فریب نہیں کھانا چاہئے کیونکہ یہ سب چیزیں زائل ہونے والی ہیں:

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ۭ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ○ (طٰہٰ: ۱۳۱)

اور ہم نے دنیا کی آرائش اور زیبائش کی چیزیں جو ان میں سے مختلف لوگوں کو آزمانے کے لیے دے رکھی ہیں آپ ہرگز ان کی طرف آنکھیں نہ پھیلائیں اور آپ کے رب کا دیا ہوا بہت اچھا ہے اور بہت باقی رہنے والا ہے۔

اور الانبیاء کی پہلی آیت میں یہ فرمایا ہے کہ قیامت کا وقوع قریب آ چکا ہے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ دنیا کی رنگینیوں اور دلچسپیوں سے دل نہ لگایا جائے اور عبادت اور ریاضت میں دل لگایا جائے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جن چیزوں کا حساب پیش کرنا ہے ان میں دل لگایا جائے اور ان کی تیاری کی جائے' اور اس طرح سورۃ طٰہٰ کا آخر اور سورۃ انبیاء کا اوّل دونوں قیامت کے قرب کی خبر دے رہے ہیں اور اس کی تیاری کرنے پر برانگیختہ کر رہے ہیں۔

سورۃ الانبیاء کے مقاصد اور مسائل

☆ اس سورت کا موضوع عقائد اسلام ہیں' اور خصوصیت کے ساتھ توحید' رسالت' قیامت' مرنے کے بعد اٹھنا اور جزاء اور سزا کا بیان ہے' اس کی ابتداء ہی قیامت کے ذکر سے کی گئی ہے اور اس میں انبیاء علیہم السلام کے قصص بیان کئے گئے ہیں۔

☆ اس سورت کی ابتدا قیامت کی ہولناکیوں سے ڈرانے والی ہے تاکہ لوگ لہو و لعب اور یاد الٰہی سے غافل کرنے والی جن چیزوں میں مشغول ہیں ان کو ترک کر کے آخرت کی تیاری کرنے میں منہمک ہو جائیں۔

☆ کفار مکہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت کا اس لیے انکار کرتے تھے کہ آپ نوع بشر سے مبعوث کئے گئے تھے وہ کہتے تھے یہ تو ہماری جنس سے ہیں۔ ہماری طرح کھاتے پیتے ہیں اور بازاروں میں چلتے ہیں۔ یہ اللہ کے نبی کیسے ہو سکتے ہیں! اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جو رسول بھیجے گئے تھے وہ بھی بشر تھے کھاتے پیتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے اور بشر ہونا نبی ہونے کے منافی نہیں ہے' کفار کہتے تھے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کی طرح معجزات پیش نہیں کئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا رد کیا کہ ہم نے آپ پر قرآن مجید نازل کیا ہے' وہ ہمارا کلام ہے تم اس کی کسی ایک سورت یا کسی آیت کی بھی مثل لانے سے عاجز رہے اور یہ ہمارے نبی کا معجزہ ہے جو قیامت تک باقی رہنے والا ہے' حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کے معجزات تو وقتی اور عارضی

تھے جو ان کے ساتھ چلے گئے اور ہمارے نبی علیہ السلام کا معجزہ قیامت تک باقی رہے گا۔ وہ دنیا سے چلے جائیں گے تو پھر بھی ان کی نبوت کی دلیل قائم رہے گی تو تم ایسے کامل اور پائیدار معجزہ کے ہوتے ہوئے دوسرے معجزات کی طلب کیوں کرتے ہو! تم سے پہلے پچھلی قوموں کو ان کے فرمائشی معجزات دیئے گئے اور جب وہ ایمان نہیں لائے تو ان کو عذاب بھیج کر ہلاک کر دیا گیا۔

☆ کفار کہتے تھے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں ان کے اس قول کا رد فرمایا اور یہ بتایا کہ فرشتے تو اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزار بندے ہیں۔

☆ اللہ تعالیٰ نے اپنی الوہیت پر دلائل قائم کیے اس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا دن اور رات کا سلسلہ قائم کیا زمین کو قائم رکھنے کے لیے اس کے اوپر پہاڑوں کو نصب کیا' اور اپنی توحید پر یہ دلیل قائم کی کہ اگر متعدد خدا ہوتے تو زمین اور آسمان اور پوری کائنات وجود میں نہیں آ سکتی تھی۔ اور جب قیامت آئے گی تو ہر چیز فنا ہو جائے گی صرف اللہ تعالیٰ کی ذات باقی رہے گی۔

☆ ان آیات کے ضمن میں اللہ تعالیٰ نے بعض انبیاء علیہم السلام کے قصص بیان فرمائے اور وہ یہ انبیاء ہیں: حضرت موسیٰ' حضرت ھارون' حضرت ابراہیم' حضرت لوط' حضرت اسحاق' حضرت یعقوب' حضرت نوح' حضرت داؤد' حضرت سلیمان' حضرت ایوب' حضرت اسماعیل' حضرت ادریس' حضرت ذی الکفل' حضرت یونس' حضرت زکریا' حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام۔

☆ انبیاء علیہم السلام کے قصص کو ذکر کرنے کے بعد یہ بیان کیا کہ تمام انبیاء علیہم السلام کا مقصد وحید یہ تھا کہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کی دعوت دی جائے اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں ان کو آخرت میں ثواب اور اچھی جزا کی بشارت دی جائے اور جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے اور اس کی نافرمانی کرتے ہیں ان کو آخرت کے عذاب کی وعید سنائی جائے۔

☆ یہ بتایا ہے کہ قیامت کی علامتوں میں سے یہ ہے کہ یاجوج اور ماجوج کے باہر نکلنے میں جو سد اور رکاوٹ ہے اس کو دور کر دیا جائے گا۔

☆ قیامت کے دن شدید عذاب ہوگا اور بہت ہولناک مناظر ہوں گے اس زمین کو کسی اور زمین سے تبدیل کر دیا جائے گا اور آسمان کو وثیقہ کی طرح لپیٹ دیا جائے گا۔

☆ اس سورت کو اس بیان پر ختم کیا ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین ہیں' آپ کی طرف یہ وحی کی گئی کہ عبادت کا مستحق واحد لاشریک ہے اور اس کے احکام پر عمل کرنا فرض ہے۔ آپ لوگوں کو جلد آنے والے عذاب سے ڈراتے ہیں اور قیامت کا آنا حتمی اور یقینی ہے اور اس میں جو مہلت دی گئی ہے وہ صرف لوگوں کی آزمائش کے لیے ہے۔

اس مختصر تمہید کے بعد اب ہم اللہ تعالیٰ پر توکل کر کے سورۃ الانبیاء کا ترجمہ اور اس کی تفسیر اس دعا کے ساتھ شروع کرتے ہیں کہ اے بار الٰہ! مجھ کو ہر آیت کی تفسیر میں حق بات بتانا اور اسی کو لکھنے کی توفیق دینا اور جو بات باطل ہو اس کا بطلان مجھ پر آشکار کرنا اور اس کے رد کی توفیق دینا۔

غلام رسول سعیدی غفرلہ

۲۸-صفر ۱۴۲۲ھ / ۲۳ مئی ۲۰۰۱ء

سُوْرَةُ الْاَنْبِيَآءِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّاثْنَتَا عَشْرَةَ اٰيَةً وَّسَبْعُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ الانبیاء مکی ہے اس میں ایک سو بارہ آیتیں ہیں اور سات رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ

لوگوں کے حساب کا وقت قریب آگیا اور وہ پھر بھی غفلت میں پڑے ہوئے

مُّعْرِضُوْنَ ۚ ① مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ اِلَّا

اعراض کر رہے ہیں ○ ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے جو بھی نئی نصیحت آتی ہے وہ اس کو

اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ ۙ ② لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاَسَرُّوا النَّجْوَى ۖ ق

کھیل کود کے مشغلہ میں ہی سنتے ہیں ○ ان کے دل کھیل کود میں ہیں، اور ظالموں نے آپس میں یہ سرگوشی کی

الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖ ق هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ

کہ یہ شخص تو تمہاری ہی مثل بشر ہے کیا تم جانتے بوجھتے جادو کے

وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ③ قٰلَ رَبِّيْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ز

پاس جا رہے ہو! ○ (رسول اللہ) نے کہا میرا رب آسمان اور زمین میں ہر بات کو خوب جانتا ہے

وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ④ بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ بَلِ افْتَرٰىهُ

اور وہ بہت سننے والا بے حد علم والا ہے ○ (کافروں نے) کہا یہ (قرآن) پریشان خوابوں کا بیان ہے بلکہ اس کو انہوں نے خود گھڑ لیا ہے

بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ۚ ۖ فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ⑤ مَآ اٰمَنَتْ

بلکہ یہ شاعر ہیں، ان کو کوئی نشانی لانی چاہیے، جیسے پہلے رسول لائے تھے ○ ان سے پہلے جس

قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا ۚ اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ ⑥ وَمَآ اَرْسَلْنَا

بستی والوں کو ہم ہلاک کر چکے ہیں کیا وہ ایمان لے آئے تھے؟ تو کیا یہ ایمان لے آئیں گے! ○ اور ہم نے آپ سے

قَبْلَكَ إِلَّا رِجَالًا نُوحِيٓ إِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوٓا أَهْلَ الذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا

پہلے صرف مردوں کو رسول بنایا تھا جن کی طرف ہم وحی فرماتے تھے، سو اگر تم کو علم نہیں ہے تو علم والوں سے

تَعْلَمُونَ ۝ وَمَا جَعَلْنَٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوا

پوچھ لو ۝ ہم نے ان (رسولوں) کو ایسے جسم نہیں بنائے تھے کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں اور نہ وہ (دنیا میں) ہمیشہ

خَٰلِدِينَ ۝ ثُمَّ صَدَقْنَٰهُمُ الْوَعْدَ فَأَنجَيْنَٰهُمْ وَمَن نَّشَآءُ وَأَهْلَكْنَا

رہنے والے تھے ۝ پھر ہم نے ان کے سامنے (اپنا) وعدہ سچا کر دکھایا تو ہم نے ان کو اور جن کو ہم نے چاہا نجات دے دی اور حد سے

الْمُسْرِفِينَ ۝ لَقَدْ أَنزَلْنَآ إِلَيْكُمْ كِتَٰبًا فِيهِ ذِكْرُكُمْ ۖ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝

تجاوز کرنے والوں کو ہلاک کر دیا ۝ بے شک ہم نے تمہاری طرف ایسی کتاب نازل کی ہے جس میں تمہاری نصیحت ہے، سو کیا تم نہیں سمجھتے؟ ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لوگوں کے حساب کا وقت قریب آ گیا اور وہ پھر بھی غفلت میں پڑے ہوئے اعراض کر رہے ہیں ۝ ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے جو بھی نئی نصیحت آتی ہے وہ اس کو کھیل کود کے مشغلہ ہی میں سنتے ہیں ۝ ان کے دل کھیل کود میں ہیں' اور ظالموں نے آپس میں یہ سرگوشی کی کہ یہ شخص تو تمہاری ہی مثل بشر ہے کیا تم جانتے بوجھتے جادو کے پاس جا رہے ہو ۝ (الانبیاء: ۳-۱)

موت یا قیامت آنے سے پہلے نیکیاں کرنے کے متعلق احادیث

لوگوں نے دنیا میں جو کچھ بھی عمل کیے ہیں' ان کے حساب کا وقت آ پہنچا ہے' اور اللہ تعالیٰ نے ان کے جسموں' ان کے بدنوں' ان کے کھانے پینے کی چیزوں' ان کے لباس اور ان کی دیگر ضروریات پوری کرنے کے لیے جو نعمتیں ان کو عطا فرمائی ہیں' ان نعمتوں کے مقابلہ میں عبادات پیش کرنے کا وقت آ پہنچا ہے' ان سے یہ سوال کیا جائے گا کہ ان نعمتوں کے بدلہ میں انہوں نے کیا عبادتیں کی ہیں' آیا جن چیزوں کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا وہ ان کو بجا لائے اور جن کاموں سے ان کو منع کیا تھا ان سے باز رہے؟ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان سے جو معاملہ کرنے والا تھا اس کی انہوں نے کوئی تیاری کی تھی یا وہ دنیا کے عیش و آرام میں منہمک رہے اور اس دن کے متعلق انہوں نے بالکل غور و فکر نہیں کیا۔

علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے ایک شخص ایک دیوار بنا رہا تھا' جس دن یہ سورت نازل ہوئی اس دن اس کے پاس سے ایک شخص گزرا' دیوار بنانے والے شخص نے پوچھا آج قرآن میں کیا نازل ہوا ہے' اس نے بتایا یہ آیت نازل ہوئی ہے: لوگوں کے حساب کا وقت آ گیا اور وہ پھر بھی غفلت میں پڑے ہوئے اعراض کر رہے ہیں' اس شخص نے اس دیوار سے اسی وقت ہاتھ جھاڑ لیے اور کہا اللہ کی قسم! جب حساب کا وقت قریب آ گیا ہے تو پھر یہ دیوار نہیں بنے گی۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۱ ص ۱۷۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس سے گزرے اس وقت ہم اپنی جھونپڑی کو درست کر رہے تھے' آپ نے پوچھا یہ کیا کر رہے ہو؟ ہم نے عرض کیا یہ جھونپڑی ٹوٹ پھوٹ رہی تھی تو ہم اس

کو بنا رہے ہیں' (اس خدشہ سے کہ اس کی چھت گر نہ جائے) آپ نے فرمایا اجل اس سے بھی پہلے آنے والی ہے۔
(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۳۵' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۳ ص ۲۱۸' مسند احمد ج ۲ ص ۱۶۱' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۲۳۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۶۰' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۹۹۶' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۴۰۳۰)
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء یہ ہے کہ گھر کی مرمت اور اصلاح سے پہلے اپنے نفس کی اصلاح کرلو تم گھر کی اصلاح کرتے رہو اور کیا پتا گھر تیار ہونے سے پہلے موت آ جائے۔
اس معنی میں یہ حدیث ہے: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے تو آپ نے ایک اونچا گنبد دیکھا' آپ نے پوچھا: یہ کس کا ہے؟ آپ کے اصحاب نے کہا یہ انصار میں سے فلاں شخص کا ہے! آپ خاموش ہو گئے اور اس کو دل میں رکھ لیا' حتیٰ کہ جب وہ گنبد بنانے والا شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے لوگوں کے درمیان آپ کو سلام کیا تو آپ نے اس سے منہ موڑ لیا' ایسا کئی بار ہوا حتیٰ کہ اس شخص نے آپ پر غضب اور اعراض کرنے کے آثار دیکھے' اس نے اپنے اصحاب سے اس کی شکایت کی اور کہا اللہ کی قسم! میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بدلا ہوا پا رہا ہوں' اس کے اصحاب نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے تو آپ نے تمہارا بنایا ہوا گنبد دیکھا تھا' وہ شخص واپس اپنے گنبد کی طرف گیا اور اس کو گرا دیا حتیٰ کہ اس کو زمین کے برابر کر دیا۔ پھر ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے تو اس گنبد کو نہیں دیکھا پوچھا وہ گنبد کہاں گیا؟ صحابہ نے کہا اس شخص نے ہم سے آپ کے منہ موڑنے کی شکایت کی تھی' ہم نے اس کو اس کی خبر دی تو اس نے اس گنبد کو گرا دیا تو آپ نے فرمایا ہر عمارت اس کے بنانے والے پر وبال ہے سوا اتنی مقدار کے جس کے سوا کوئی چارہ کار نہ ہو۔
(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۲۳۷' اتحاف ج ۹ ص ۳۶۲' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۲۰۷۲' تاریخ کبیر ج ۱ ص ۸۷' ج ۹ ص ۴۵)
اس حدیث کا منشاء یہ ہے کہ جب لوگ بڑی بڑی اور بلند عمارتیں بنانا شروع کر دیں گے تو ان کا دل دنیا کی زیب و زینت اور دنیا کی چمک دمک میں لگا رہے گا اور وہ اللہ کی عبادت کرنے اور اس کی یاد سے غافل ہو جائیں گے' انسان دنیا کی جتنی زیادہ نعمتوں سے فائدہ اٹھائے گا قیامت کے دن ان نعمتوں کے مقابلہ میں اتنی زیادہ عبادتیں پیش کرنی ہوں گی۔
حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری اور دنیا کی مثال اس طرح ہے جس طرح کوئی سوار ہو وہ کسی گرم دن میں ایک درخت کے نیچے تھوڑی دیر قیلولہ کر کے آرام کرے اور پھر اس کو چھوڑ دے۔
(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۳ ص ۲۱۷' مسند احمد ج ۱ ص ۱۹۱' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۷۷' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۴۹۹۸' المستدرک ج ۱ ص ۳۱۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۰۹) اس حدیث کی سند صحیح ہے۔
حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا کندھا پکڑ کر فرمایا: دنیا میں ایک مسافر کی طرح رہو یا اس طرح جیسے کوئی شخص کوئی راستہ عبور کر رہا ہو' اور حضرت ابن عمر کہتے تھے کہ جب تم شام کو پاؤ تو صبح کا انتظار نہ کرو اور جب صبح کو پاؤ تو شام کا انتظار نہ کرو (کیا پتا کس وقت موت آ جائے) اور اپنی صحت کے ایام میں بیماری کے ایام کے لیے نیک عمل کرلو' اور اپنی زندگی میں موت کے لیے نیک عمل کرلو (تاکہ جب تم مرض کی وجہ سے عمل نہ کرسکو تو صحت میں کیے ہوئے عمل تم کو نفع دیں)
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۱۶' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۳۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۱۴' مسند احمد ج ۲ ص ۲۴' مصنف ابن ابی شیبہ

ج ۱۳ ص ۲۱۷، صحیح ابن حبان رقم الحدیث ۶۹۸، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۳۶۹)

اس حدیث کا منشا یہ ہے کہ دنیا کی طرف میلان اور رغبت نہ کرو اور اس کو اپنے رہنے کے لیے وطن نہ بناؤ، اور اپنے دل میں یہ منصوبہ نہ بناؤ کہ تم نے یہاں پر ہمیشہ رہنا ہے اور دنیا سے صرف اتنا تعلق رکھو جتنا مسافر دوران سفر کسی جگہ سے اپنا تعلق رکھتا ہے، یہ حدیث دنیا سے فراغت حاصل کرنے اور دنیا میں زھد اور بے رغبتی اور دنیا کو حقیر جاننے اور جو کچھ تمہارے پاس ہے اسی پر قناعت کرنے کی اصل ہے، جس طرح مسافر راستے میں کسی جگہ دل نہیں لگاتا اور اس کو وطن پہنچنے کی لگن ہوتی ہے تم بھی دنیا میں کسی جگہ دل نہ لگاؤ اور آخرت کی لگن رکھو۔

ابن جعدہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے حضرت خباب رضی اللہ عنہ کی عیادت کی اور کہا آپ کو خوش خبری ہو، اے ابوعبداللہ! آپ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حوض پر حاضر ہوں گے۔ حضرت خباب نے کہا یہ کیسے ہوگا؟ حالانکہ یہ اس گھر کی نچلی منزل ہے اور اس کے اوپر بھی ایک منزل ہے! حالانکہ ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا کہ تمہارے لیے دنیا کی صرف اتنی چیز کافی ہے جتنی مسافر کے پاس سفر میں خرچ کرنے کے لیے کوئی چیز ہوتی ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۳ ص ۲۱۹، حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۱۴۵، مسند الحمیدی ج ۱ ص ۸۳)

حضرت معاویہ اپنے ماموں ابوہاشم بن عتبہ کی عیادت کرنے گئے تو وہ رو رہے تھے، حضرت معاویہ نے ان سے کہا: اے میرے ماموں آپ کیوں رو رہے ہیں؟ کیا آپ کو درد کی وجہ سے تکلیف ہو رہی ہے یا دنیا پر حرص کی وجہ سے رو رہے ہیں؟ انہوں نے کہا اس میں سے کوئی بات نہیں ہے، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو یہ نصیحت کی تھی اے ابوہاشم! شاید تمہارے پاس وہ مال آئے گا جو دوسری قوموں کو دیا گیا ہے، تمہارے پاس اس مال میں سے اتنا کافی ہے کہ ایک خادم ہو اور اللہ کی راہ میں سفر کرنے کے لیے ایک سواری ہو، اور اب میں اپنا حال دیکھتا ہوں کہ میں نے مال جمع کر لیا ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۳ ص ۲۱۹، مسند احمد ج ۳ ص ۴۴۳)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، حضرت سلمان کی عیادت کرنے کے لیے گئے تو وہ رونے لگے، حضرت سعد نے کہا اے عبداللہ! آپ کو کیا چیز رلا رہی ہے؟ حالانکہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو وہ آپ سے راضی تھے! آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کریں گے اور ان کے پاس حوض پر حاضر ہوں گے، انہوں نے کہا میں موت سے گھبرا کر نہیں رو رہا اور نہ دنیا کی حرص پر رو رہا ہوں، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو یہ نصیحت کی تھی: کہ تمہارے پاس فقط اتنا مال ہونا چاہیے جتنا ایک مسافر کے پاس سفر خرچ ہوتا ہے اور اب میرے اردگرد یہ تکیے لگے ہوئے ہیں، ان کے اردگرد تکیہ تھا، ٹب تھا اور وضو کا سامان تھا، حضرت سعد نے کہا اے ابوعبداللہ! آپ ہم کو نصیحت کیجئے، جس پر ہم آپ کے بعد عمل کریں حضرت سلمان نے کہا جب تم کو کوئی پریشانی ہو، اور جب تم کوئی فیصلہ کرو اور جب تم مال تقسیم کرو تو اللہ کو یاد کرو۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۳ ص ۲۲۰، المستدرک ج ۴ ص ۳۱۷، حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۱۹۵)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر علماء اپنے علم کی حفاظت کرتے اور جو علم کا اہل ہو اسی کو تعلیم دیتے تو وہ اپنے زمانہ والوں کے سردار ہوتے، لیکن انہوں نے اپنے علم کو دنیا کے حصول کے لیے دنیاداروں پر خرچ کیا تو وہ دنیاداروں کی نظر میں بے وقعت ہو گئے اور میں نے تمہارے نبی کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس نے تمام تفکرات کو صرف ایک فکر بنا دیا اللہ اس کی آخرت کی فکر کے لیے کافی ہوگا، اور جس شخص نے بہت سے تفکرات میں اور دنیا کے احوال میں اپنے آپ کو مبتلا کر لیا تو اللہ تعالیٰ کو اس کی پرواہ نہیں ہے کہ وہ کون سی وادی میں جا گرتا ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۳ ص ۲۲۱، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۵۷)

ام الولید بنت عمر بیان کرتی ہیں کہ ایک شام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لوگو! تم حیا نہیں کرتے! ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! کس چیز سے؟ آپ نے فرمایا تم اس چیز کو جمع کرتے ہو جن کو تم کھاتے نہیں ہو اور ان مکانوں کو بناتے ہو جن میں تم رہتے نہیں ہو اور تم ان چیزوں کی امید رکھتے ہو جن کو تم حاصل نہیں کر سکتے۔

(المعجم الکبیر ج ۲۵ ص ۱۷۲' حافظ الہیثمی نے کہا اس کی سند میں الوازع بن نافع متروک ہے' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۸۰۴۳)

ابراہیم بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ روزہ دار تھے' ان کے پاس (افطار کے وقت) کھانا لایا گیا انہوں نے کہا حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے وہ مجھ سے بہتر تھے' ان کو صرف ایک چادر میں کفن دیا گیا' اگر ان کا سر ڈھانپا جاتا تو ان کے پیر کھل جاتے اور اگر ان کے پیر ڈھانپے جاتے تو سر کھل جاتا' اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے وہ مجھ سے افضل تھے' پھر ہم پر دنیا بہت کشادہ کر دی گئی اور ہم کو دنیا کا وہ مال و متاع ملا جو ملا' اور ہم ڈر رہے ہیں کہ ہماری نیکیوں کا اجر ہم کو دنیا میں ہی دے دیا گیا ہے' پھر انہوں نے رونا شروع کر دیا اور کھانا چھوڑ دیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۲۷۵' المسند الجامع رقم الحدیث: ۹۵۷۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں کے آنے سے پہلے غنیمت جانو' جوانی کو بڑھاپا آنے سے پہلے' صحت کو بیماری آنے سے پہلے' خوشحالی کو فقر آنے سے پہلے' فرصت کو مشغول ہونے سے پہلے اور زندگی کو موت آنے سے پہلے۔

حاکم نے کہا یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کی شرط کے موافق صحیح ہے لیکن انہوں نے اس کو روایت نہیں کیا۔

(المستدرک رقم الحدیث: ۷۹۱۶)

ان احادیث کا یہ معنی نہیں ہے کہ دنیا کی نعمتوں اور مال و دولت کو بالکل حاصل نہیں کرنا چاہیے اگر انسان کے پاس مال و دولت نہ ہو تو اس پر زکوٰۃ اور عشر کیسے فرض ہو گا۔ قربانی کس طرح واجب ہو گی اور حج کیونکر فرض ہو گا۔ ان احادیث کا منشاء یہ ہے کہ انسان مال و دولت کے حصول میں اس طرح مستغرق نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو بھول جائے' انسان اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت میں مال کو خرچ کرتا رہے اور حقوق العباد کو ادا کرتا رہے تو دنیاوی مال و متاع بھی اس کے لیے باعث اجر و ثواب ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بہت عظیم تاجر تھے ان کے پاس بہت مال تھا ایک دن وہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور کہا اے میری ماں! مجھے ڈر ہے کہ مال کی کثرت کہیں مجھے ہلاک نہ کر دے' حضرت ام سلمہ نے فرمایا اے میرے بیٹے مال کو خرچ کرو۔

زہری بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اپنے مال میں سے چار ہزار دینار صدقہ کیے' پھر چالیس ہزار دینار صدقہ کیے' پھر چالیس ہزار دینار صدقہ کیے' پھر پانچ سو گھوڑے سامان لاد کر اللہ کی راہ میں دیئے' پھر دوبارہ پانچ سو اونٹنیاں اللہ کی راہ میں دیں اور ان کا عام مال تجارت کے ذریعہ سے تھا۔

زہری نے بیان کیا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے وصیت کی تھی کہ شہداء بدر میں سے جو صحابہ باقی ہیں ان میں سے ہر ایک کو چار سو دینار دیئے جائیں وہ تعداد میں سو صحابہ تھے ان میں سے ہر ایک کو چار سو دینار دیئے گئے' حضرت عثمان بھی ان میں تھے اور انہوں نے ایک ہزار گھوڑے اللہ کی راہ میں دینے کی وصیت کی تھی۔

(اسد الغابہ ج ۳ ص ۴۷۹-۴۷۸' رقم: ۳۳۷۰' مطبوعہ دار الکتب العربیہ' بیروت)

یوم حساب اگر قریب ہے تو اب تک آ چکا ہوتا

اس آیت پر ایک یہ اشکال ہوتا ہے کہ اس آیت میں فرمایا ہے یوم حساب قریب ہے حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کو بھی چودہ صدیاں گزر چکی ہیں ابھی تک تو قیامت آئی نہیں اس اشکال کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے اپنے اعتبار سے یوم حساب کو قریب فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو ایک دن بھی ایک ہزار سال کا ہوتا ہے:

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ۭ وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ○ (الحج: ۴۷)

اور یہ آپ سے عذاب کو جلد طلب کر رہے ہیں اور اللہ اپنی وعید کے خلاف ہرگز نہیں کرے گا اور بے شک آپ کے رب کے نزدیک ایک دن تمہاری گنتی کے اعتبار سے ایک ہزار سال کا ہے۔

(۲) ہر وہ چیز جس کا آنا یقینی اور حتمی ہو اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ قریب ہے۔

(۳) جب کسی چیز کی میعاد کا اکثر حصہ گزر جائے تو پھر کہا جاتا ہے کہ وہ قریب ہے تمام انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتوں کے گزر جانے کے بعد قیامت آنی تھی اور ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء علیہم السلام اب تک گزر چکے ہیں اور اب صرف ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت رہ گئی ہے اس لیے آپ اور آپ کی امت کے لحاظ سے اب یوم حساب قریب آ چکا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو انگلیوں کو ملا کر فرمایا میں اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح (ساتھ ساتھ) بھیجے گئے ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۶۵۰۴، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۵۱، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۱۴، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۴۰، ۴۵، سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۵۷۷، مسند احمد ج ۳ ص ۱۲۴، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۲۰۶، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۸۳۴۸، تہذیب تاریخ دمشق ج ۴ ص ۱۹۹، مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۱۴۰۷)

اللہ تعالیٰ نے موت کا وقت معین فرمایا ہے اور نہ قیامت کا وقت معین فرمایا ہے تاکہ انسان ہر وقت گناہ سے بچتا رہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ گناہ کر رہا ہو اور اسی وقت موت آ جائے اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہے تاکہ اگر اس کو موت آئے تو اس وقت آئے جب وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کر رہا ہو۔ قیامت کے دن کو اللہ تعالیٰ نے یوم حساب سے اس لیے تعبیر فرمایا ہے تاکہ انسان روز قیامت سے ڈرتا رہے کہ اس دن اس کا حساب لیا جائے گا۔

قرآن مجید کے حادث ہونے کے اشکال کا جواب

الانبیاء: ۲ میں فرمایا: ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے جو بھی نئی نصیحت آتی ہے وہ اس کو کھیل کود کے مشغلہ میں ہی سنتے ہیں۔ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی نصیحت کے لیے وقتاً فوقتاً آیات نازل فرماتا رہتا ہے قرآن مجید میں اس کے لیے ذکر محدث کا لفظ ہے۔ معتزلہ نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ اس آیت میں یہ واضح تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام حادث ہے ہم کہتے ہیں اس کا تعلق کلام لفظی کے ساتھ ہے اور کلام لفظی کو ہم بھی حادث کہتے ہیں ہم قدیم کلام نفسی کو کہتے ہیں۔

نیز فرمایا وہ نصیحت کو کھیل کود کے مشغلہ میں سنتے ہیں اس کے دو معنی ہیں ایک یہ ہے کہ وہ اس نصیحت کو غفلت اور بے پرواہی سے سنتے ہیں اور اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ وہ اس نصیحت کا مذاق اڑاتے ہوئے اس کو سنتے ہیں۔

آپ کا بشر ہونا آپ کی نبوت کے خلاف نہیں

الانبیاء: ۳ میں فرمایا: اور ظالموں نے آپس میں یہ سرگوشی کی کہ یہ شخص تو تمہاری ہی مثل بشر ہے۔

کفار مکہ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر یہ اعتراض کیا کہ یہ شخص تو تمہاری ہی مثل بشر ہے' ان کا یہ اعتراض باطل تھا' کیونکہ نبوت کسی شخص کی صورت اور شکل پر موقوف نہیں ہے' نبوت کا ثبوت دلائل اور معجزات پر ہے' اور جب سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نبوت پر دلائل اور معجزات پیش کر دیئے اور خصوصاً قرآن مجید کو اس چیلنج کے ساتھ پیش کیا کہ تم اس کی نظیر نہیں لا سکتے اور وہ نہیں لا سکے تو آپ کی نبوت اور رسالت ثابت ہو گئی' اور ان کا اعتراض ساقط ہو گیا' ان کا کہنا یہ تھا کہ نبی کو فرشتہ ہونا چاہیے لیکن ان کا یہ قول بداہۃً باطل تھا کیونکہ اگر فرشتہ اپنی اصل شکل و صورت میں آتا تو وہ اس کو دیکھ سکتے اور نہ اس کا کلام سن سکتے کیونکہ فرشتے تو دنیا میں ہر جگہ ہیں لیکن وہ کسی کو نظر نہیں آتے نہ کوئی ان کا کلام سنتا ہے۔ ہمارے دائیں بائیں کراماً کاتبین ہیں لیکن ہم ان کو نہیں دیکھتے تو اگر فرشتے اپنی شکل و صورت میں آتے تب بھی کفار ان سے استفادہ نہیں کر سکتے تھے اور اگر وہ انسان اور بشر کی صورت میں آتے تو وہ کہتے یہ تو ہماری ہی طرح انسان اور بشر ہے ہم اس کو نبی کیوں مانیں؟ دراصل ان کا یہ اعتراض ان کی نہایت کم عقل پر مبنی ہے کیونکہ یہ ضروری تھا کہ انسانوں کے پاس انسان ہی کو رسول بنا کر بھیجا جاتا تاکہ وہ اس کو دیکھ سکتے' اس کی باتیں سن سکتے اس کے افعال ان کے لیے نمونہ اور حجت ہوتے' اگر کسی اور جنس کا رسول ان کی طرف بھیج دیا جاتا تو وہ یہ کہہ سکتے تھے کہ اس کی عبادت ہم پر حجت نہیں ہے اور اس کے افعال ہمارے لیے نمونہ نہیں ہیں کیونکہ یہ اور جنس سے ہے اور ہم اور جنس سے ہیں' ہو سکتا ہے کہ اس کی حقیقت میں ایسا عنصر ہو جس کی وجہ سے یہ اس قدر کٹھن عبادات کر سکتا ہو اور ہماری حقیقت میں یہ عنصر نہیں ہے اس لیے ہم ایسی عبادات نہیں کر سکتے اور ایسے کام نہیں کر سکتے' اس لیے ضروری تھا کہ انسانوں کے لیے کسی انسان اور بشر کو ہی رسول بنا کر بھیجا جاتا ہاں اگر زمین میں فرشتوں کی آبادی ہوتی تو ان کے لیے کسی فرشتہ کو رسول بنا کر بھیج دیا جاتا' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ○ (بنی اسرائیل: ۹۵)

آپ کہیے اگر زمین میں فرشتے اطمینان سے چلتے پھرتے ہوتے تو ہم ضرور ان پر آسمان سے کوئی فرشتہ ہی رسول بنا کر بھیجتے۔

اگر کسی اور جنس کا رسول ان کے پاس بھیج دیا جاتا تو اس کی اتباع کرنا اور اس کے نقش قدم پر چلنا ان کے لیے بہت مشکل اور بے حد دشوار ہوتا' یہ اللہ تعالیٰ کا ان پر بے حد کرم اور بہت بڑا احسان ہے کہ وہ انسان اور بشر تھے' تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف انسان اور بشر ہی کو رسول بنا کر بھیجا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○ (آل عمران: ۱۶۴)

بے شک اللہ کا مومنین پر یہ احسان ہے کہ اس نے ان میں ان ہی میں سے ایک عظیم رسول بھیج دیا جو ان پر اس کی آیتوں کی تلاوت کرتا ہے' ان کے باطن کو پاک اور صاف کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے بے شک اس (کو بھیجنے) سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں تھے۔

قرآن مجید کو جادو قرار دینے کا جواب

نیز کفار کہتے تھے: کیا تم جانتے بوجھتے جادو کے پاس جا رہے ہو' یہ کفار کا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر دوسرا اعتراض تھا' وہ کہتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ پیش کیا ہے وہ جادو ہے' اور یہ اعتراض بھی ان کی جہالت پر مبنی تھا' کیونکہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نبوت کے ثبوت پر قرآن مجید کو پیش کیا تھا اور اس میں کوئی ملمع کاری' شعبدہ بازی اور

[ق]ر بندی نہیں تھی۔ عرب میں لوگ فصیح اور بلیغ تھے آپ نے ان کے سامنے یہ کلام پڑھا اور فرمایا یہ اللہ کا کلام ہے اگر تم یہ سمجھتے [ہ]و کہ یہ انسان کا کلام ہے تو تم بھی ایسا کلام بنا کر لے آؤ' آپ متواتر اور مسلسل ان کو اس جیسا کلام لانے کے لیے للکارتے [رہے] وہ آپ کی نبوت کو باطل کرنے پر بہت حریص تھے اور فصاحت اور بلاغت میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ اگر وہ اس کلام کی [نظ]یر لانے پر قادر ہوتے تو ضرور اس کی نظیر لے آتے لیکن جب وہ پیہم مطالبوں کے باوجود ایسا کلام نہیں لا سکے تو واضح ہو گیا کہ [ی]ہ قرآن عظیم آپ کا معجزہ ہے اور آپ کے دعویٰ نبوت کا صدق ظاہر ہو گیا اور یہ معلوم ہو گیا کہ یہ جادو نہیں ہے اور ان کا قرآن [م]جید کو جادو کہنا باطل ہے وہ صرف جان چھڑانے اور اپنے چیلوں چانٹوں کو مطمئن کرنے کے لیے قرآن مجید کو جادو کہتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (رسول اللہ نے) کہا: میرا رب آسمان اور زمین میں ہر بات کو خوب جانتا ہے اور وہ بہت سننے والا بے حد علم والا ہے○ (کافروں نے) کہا یہ (قرآن) پریشان خوابوں کا بیان ہے' بلکہ اس کو انہوں نے خود گھڑ لیا ہے' بلکہ یہ شاعر ہیں' ان کو کوئی نشانی لانی چاہئے جیسے پہلے رسول لائے تھے○ ان سے پہلے جس بستی والوں کو ہم ہلاک کر چکے ہیں کیا وہ ایمان لے آئے تھے؟ جو یہ ایمان لے آئیں گے○ (الانبیاء: ۶-۴)

شعر کا معنی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم شعر کی تحقیق

کافروں نے آپس میں جو چپکے چپکے سرگوشی کی تھی' اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سرگوشی سے مطلع فرما دیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بتا دیا کہ تم نے یہ سرگوشی کی ہے اور آپ نے ان کو یہ غیب کی خبر دی اور یہ آپ کا معجزہ ہے' پھر فرمایا کہ تم چھپ کر جو سرگوشیاں کرتے ہو ان کی میرے رب کو خبر ہے کیونکہ وہ آسمان اور زمین میں ہونے والی ہر بات کو جانتا ہے اور وہ ہر بات کو سننے والا اور ہر چیز کو جاننے والا ہے' کفار نے کہا آپ جو قرآن پیش کرتے ہیں یہ آپ کے دیکھے ہوئے پریشان خواب ہیں' پھر کہا یہ قرآن آپ کا من گھڑت کلام ہے' پھر کہا بلکہ آپ شاعر ہیں۔

شعر کے دو معنی ہیں ایک شعر کا معنی ہے جس کلام میں قافیہ اور ردیف کی موافقت کا قصد کیا گیا ہو۔ جیسا کہ نظم اور غزل میں ہوتا ہے اور شعر کا دوسرا معنی ہے جس کلام میں خیالی باتوں کو پیش کیا جائے جیسے غالب کا یہ شعر ہے:

تصویر یار بہر نکیرین ساتھ ہے
رکھنا میری قبر پہ شیشہ گلاب کا

اس کا معنی ہے میں اپنے کفن میں اپنے محبوب کی تصویر رکھ کر لے جاؤں گا جب منکر نکیر مجھ سے میرے اعمال کے متعلق سوال کریں گے تو میں ان کو یہ تصویر دکھاؤں گا کہ بتاؤ اتنے حسین شخص کو دیکھ کر انسان کوئی عمل کرنے کے قابل رہ سکتا ہے اور جب وہ اس تصویر کو دیکھیں گے تو بے ہوش ہو جائیں گے سو تم میری قبر پر عرق گلاب کی بوتل رکھنا تاکہ میں ان بے ہوش فرشتوں پر عرق گلاب چھڑک کر ان کو ہوش میں لا سکوں۔ اور ظاہر ہے کہ یہ سب غالب کی خیال آرائی ہے واقع میں اس طرح نہیں ہو گا پس شعر کا معنی اپنے تصورات اور خیال آرائیوں کو پیش کرنا بھی ہے اور کفار عرب اسی معنی میں آپ کو شاعر کہتے تھے' کہ آپ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے اور لوگوں کے حساب و کتاب اور میزان پر وزن کرنے اور مومنوں کے لیے جنت کی بشارت اور جنت میں دودھ' شہد اور شراب کے دریاؤں کا' حوروں کا غلمان اور محلات کا ذکر کرتے ہیں اور کافروں کے لیے دوزخ کے عذاب کی خبر دیتے ہیں اور دوزخ کی ہولناکیوں کا بیان کرتے ہیں یہ سب آپ کے تصورات ہیں اور آپ کی خیال آرائیاں ہیں۔ حقیقت اور واقعہ سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ شعر کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

شعر کا معنی بال ہے اور بال بہت باریک اور دقیق ہوتا ہے شعر کو بھی شعر اس لیے کہتے ہیں کہ اس کا معنی بہت باریک اور دقیق ہوتا ہے اور عرف میں شعر اس کلام کو کہتے ہیں جو ایک ردیف اور قافیہ پر ہو بعض محققین نے کہا ہے کہ کفار عرب آپ کو اس معنی کے لحاظ سے شاعر نہیں کہتے تھے بلکہ بعض اوقات جھوٹ کو شعر سے اور جھوٹے شخص کو شاعر سے تعبیر کرتے ہیں اسی وجہ سے قرآن مجید میں عام شعراء کے متعلق فرمایا ہے:

وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ (الشعراء: ٢٢٤) اور شعراء کی پیروی گمراہ لوگ کرتے ہیں۔

اور چونکہ شعر جھوٹ کی قرارگاہ ہوتا ہے اس لیے عرب کہتے ہیں کہ سب سے اچھا شعر وہ ہے جس میں سب سے زیادہ جھوٹ ہو اور کفار قریش اس معنی کے لحاظ سے آپ کو شاعر اور قرآن مجید کو شعر کہتے تھے۔

(المفردات ج ١ ص ٣٤٥ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ ١٤١٨ھ)

علامہ شہاب الدین احمد بن محمد خفاجی متوفی ١٠٦٩ھ لکھتے ہیں:

کفار قریش نے کہا بلکہ یہ شاعر ہیں اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ یہ جو کلام پیش کر رہے ہیں یہ اشعار ہیں یعنی محض خیالی باتیں ہیں ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے کیونکہ اکثر اشعار میں خیالی باتیں ہوتی ہیں ان کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی اس لیے عموماً جھوٹے شخص کو شاعر کہا جاتا ہے اور قرآن مجید میں شعر کے اسی معنی کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نفی کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنۢبَغِیْ لَهٗ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ (یٰسین: ٦٩) اور ہم نے آپ کو شعر نہیں سکھائے اور نہ وہ آپ کی شان کے لائق ہیں وہ تو صرف نصیحت اور واضح قرآن ہے۔

(عنایۃ القاضی ج ٦ ص ٤١٩-٤١٨ ملخصاً مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ١٤١٧ھ)

قرآن مجید نے آپ کے شاعر ہونے اور قرآن کریم کے شعری مجموعہ ہونے کی نفی کی ہے قرآن مجید تو صرف ہدایت اور نصیحت ہے شاعری میں بالعموم مبالغہ افراط اور تفریط اور محض تخیلات کی تصویر کشی ہوتی ہے اور اس طرح اس کی بنیاد جھوٹ پر ہوتی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم نے آپ کو شعر کہنا نہیں سکھایا اور نہ آپ پر اشعار کی وحی کی ہے اور نہ شعر گوئی آپ کی شان کے لائق ہے۔ بعض اوقات آپ سے بلاقصد کلام موزون صادر ہوا مثلاً جنگ حنین کے دن آپ نے فرمایا:

انا النبی لاکذب- انا ابن عبدالمطلب میں نبی ہوں یہ جھوٹ نہیں ہے میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٤٣١٧ سنن الترمذی رقم الحدیث: ١٦٨٨ مسند احمد رقم الحدیث: ١٨٩١٣ عالم الکتب)

بعض غزوات میں آپ کی انگلی زخمی ہوگئی تو آپ نے فرمایا:

هل انت الا اصبع دميت وفی سبيل الله ما لقيت وفی سبيل الله مالقيت. تم صرف ایک انگلی ہو جو زخمی ہوگئی ہے اور تم کو جو کچھ ملا ہے اللہ کی راہ میں ملا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٢٨٠٢ صحیح مسلم رقم الحدیث ١٧٩٦ سنن الترمذی رقم الحدیث: ٣٣٤٥)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی کی تعمیر کرتے ہوئے فرمایا:

اللهم لا خير الا خير الاخرة فاغفر الانصار والمهاجره. اے اللہ اچھائی تو صرف آخرت کی اچھائی ہے انصار اور مہاجرین کی مغفرت فرما۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٤٢٨ صحیح مسلم رقم الحدیث: ٥٢٤ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٤٥٣ سنن النسائی رقم الحدیث: ٧٠٢ سنن ابن ماجہ رقم

(الحدیث: ۲۴۴)

آپ سے یہ کلام موزون بلاقصد صادر ہوا ہے یہ کلام اس معنی میں شعر نہیں ہے جس معنی میں اللہ تعالیٰ نے آپ سے شعر کے علم کی اور قرآن مجید کے شعر ہونے کی نفی کی ہے' اور اس طرح کلام موزون تو قرآن مجید میں بہ کثرت ہے۔ مثلاً سورہ بروج' سورہ اعلیٰ' سورہ غاشیہ اور سورہ کوثر وغیرہ۔ نیز اس کلام کو منظم اور مقفٰی لانے کا قصد نہیں کیا گیا اور شعر وہ ہوتا ہے جس میں وزن کی موافقت کا قصد کیا جائے۔

حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بعض شعر حکمت ہوتے ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۴۵' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۰۱۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۵۵' سنن داری رقم الحدیث: ۲۷۰۷)

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ جس شعر اور رجز میں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو اور اس کی تعظیم ہو اور اس کی وحدانیت کا بیان ہو اور اس کی اطاعت کرنے کی ترغیب ہو وہ اچھے شعر ہیں اور مرغوب ہیں اور حدیث میں جن اشعار کو حکمت فرمایا ہے اس سے مراد ایسے ہی اشعار ہیں اور جن اشعار میں جھوٹ اور بے حیائی کی باتیں ہوں وہ مذموم ہیں۔

اس میں اختلاف ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شاعر کے اشعار پڑھے ہیں یا نہیں' صحیح یہ ہے کہ آپ نے ایسے اشعار پڑھے ہیں آپ نے حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے اشعار پڑھے ہیں آپ نے خود بھی کلام منظوم پڑھا ہے۔ جیسے غزوہ حنین میں آپ نے پڑھا: انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب' لیکن آپ نے اس کلام کو ایک نظم اور ایک وزن پر لانے کا قصد نہیں کیا تھا لہٰذا یہ شعر نہیں ہے اور اس طرح کا کلام تو قرآن مجید میں بھی بہ کثرت ہے۔

(فتح الباری ج ۱۲ص ۱۷۶۔ ۱۷۴ ملخصاً ملتقطاً' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ)

کفار مکہ کے آپ کی نبوت پر چھ اعتراضات اور ان کے جوابات

کفار مکہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر چھ اعتراضات کئے' پہلے یہ کہا کہ آپ بشر ہیں اور بشر ہونا رسول ہونے کے منافی ہے' دوسرا اعتراض یہ کیا کہ اگر بشر ہونا رسالت کے منافی نہ بھی ہو تب بھی یہ قرآن معجز کلام نہیں ہے' تیسرا اعتراض یہ کیا کہ اگر یہ مان لیا جائے کہ اس قرآن کی مثال بنا کر لانا طاقت بشر سے خارج ہے تو پھر یہ کلام سحر اور جادو ہے' چوتھا اعتراض یہ کیا کہ یہ قرآن اگر جادو نہیں ہے تو پھر یہ آپ کے پریشان خواب ہیں جن کو آپ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں' پھر پانچواں اعتراض یہ کیا کہ یہ کلام آپ نے خود گھڑ لیا ہے اور اس کو اللہ کی طرف منسوب کر دیا ہے' اور چھٹا اعتراض یہ کیا کہ بلکہ یہ آپ کی شاعری ہے۔

ان کے پہلے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ بشر ہونا رسالت کے منافی نہیں ہے بلکہ جب انسانوں اور بشر کے پاس رسول بھیجا جائے تو اس کا بشر ہونا ضروری ہے ورنہ اس سے استفادہ نہیں ہو سکتا۔ دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ قرآن آپ کی نبوت پر دلیل اور معجزہ ہے اور کفار قریش بلکہ کوئی بھی اس کی مثال نہیں لاسکتا ورنہ جو لوگ آپ کی تکذیب کے در پے تھے وہ اب تک اس قرآن کی مثال لا چکے ہوتے' تیسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ یہ قرآن سحر اور جادو نہیں ہے کیونکہ سحر اور جادو شعبدہ اور نظر بندی پر مبنی ہوتا ہے اور قرآن مجید کے معجز کلام ہونے میں کسی شعبدہ' تلبیس اور نظر بندی کا دخل نہیں ہے' چوتھے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ یہ قرآن خواب پریشان نہیں ہے' پریشان خواب ان خوابوں کو کہتے ہیں جو بے ربط' خلط ملط اور غیر منضبط باتوں پر مشتمل ہوں اور قرآن مجید ایک مربوط اور منضبط کلام ہے' اس میں انسانی معیشت کا ایک جامع ضابطۂ حیات بیان کیا گیا ہے

اور دنیا اور آخرت کی فلاح اور کامیابی کے حصول کا ایک مکمل طریقہ بیان کیا گیا ہے یہ بے ربط خلط ملط اور غیر منضبط کلام نہیں ہے اور نہ بے تکی باتوں کا مجموعہ ہے' پانچویں اعتراض کا جواب یہ ہے کہ یہ کلام جھوٹ اور من گھڑت نہیں ہے کیونکہ کفار مکہ اس بات کو مانتے تھے کہ آپ صادق اور امین ہیں اور جس نے کبھی بندوں پر جھوٹ نہ باندھا ہو وہ اللہ پر کیسے جھوٹ باندھ سکتا ہے' اور چھٹے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ آپ شاعر ہیں نہ یہ قرآن شاعری ہے کیونکہ شعر میں خیال آرائی ہوتی ہے' افراط اور مبالغہ ہوتا ہے اور واقع اور حقائق کے خلاف باتیں ہوتی ہیں اور قرآن مجید تو صرف ذکر اور نصیحت ہے اور آپ صادق اور امین ہیں آپ کا کلام جھوٹ نہیں ہے' اور نہ آپ نے قافیہ اور ردیف کی موافقت کے قصد سے یہ کلام بنایا ہے اس لیے شعر کی کسی تعریف کے اعتبار سے آپ شاعر ہیں نہ قرآن مجید شعری مجموعہ ہے۔

کفار عرب کے فرمائشی معجزات نہ بھیجنے کی وجوہ

کفار مکہ نے کہا ان کو کوئی نشانی لانی چاہیے جیسے پہلے رسول لائے تھے۔ ان کا مطلب یہ تھا کہ جیسے حضرت صالح علیہ السلام نے پتھر کی چٹان سے اونٹنی نکالی تھی اس طرح اونٹنی نکال کر دکھائیں یا جس طرح حضرت موسیٰ نے لاٹھی کو اژدھا بنا دیا تھا اس طرح لاٹھی کو اژدھا بنا کر دکھائیں' یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح مردے زندہ کر کے دکھائیں' اس کا جواب یہ ہے کہ ان انبیاء علیہم السلام کے معجزے بہت عظیم تھے لیکن وہ محدود وقت کے لیے تھے' جب تک وہ نبی اس دنیا میں رہے ان کے معجزے بھی رہے اور جب وہ نبی دنیا سے چلے گئے تو ان کے معجزے بھی ان کے ساتھ جاتے رہے' اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت قیامت تک رہے گی اس لیے آپ کو ایسا معجزہ دیا ہے جو قیامت تک قائم اور باقی رہے گا' قرآن کا معجزہ یہ ہے کہ اس کی کوئی نظیر اور مثال نہیں لا سکے گا اور قیامت تک کوئی ایسا نہیں کر سکے گا' اور قرآن مجید کا معجزہ یہ ہے کہ اس کا دعویٰ ہے کہ اس میں کوئی کمی یا زیادتی نہیں ہو سکے گی اور قیامت تک کوئی قرآن مجید میں کمی یا زیادتی نہیں کر سکے گا۔

دوسرا جواب یہ ہے اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ یہ ہے جب کوئی قوم کسی معجزہ کی فرمائش کرے اور اس کی فرمائش پوری کر دی جائے اور وہ پھر بھی ایمان نہ لائے تو اللہ تعالیٰ ایک ہمہ گیر عذاب بھیج کر اس قوم کو ملیا میٹ کر دیتا ہے اور صفحہ ہستی سے مٹا دیتا ہے' اور کفار مکہ کو اللہ تعالیٰ صفحہ ہستی سے مٹانا نہیں چاہتا تھا کیونکہ اس کو علم تھا کہ ان میں سے کچھ لوگ مسلمان ہو جائیں گے یا ان سے ایسی اولاد پیدا ہو گی جو مسلمان ہو جائے گی اور تیسری وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا تھا اور آپ کے ہوتے ہوئے ان پر عذاب نازل کرنا اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہ تھا۔

فرمایا ان سے پہلے جس بستی والوں کو ہم ہلاک کر چکے تھے کیا وہ ایمان لے آئے تھے؟ جو یہ ایمان لے آئیں گے۔

اس کا معنی یہ ہے کہ ان سے پہلے کئی قوموں نے فرمائشی معجزات طلب کیے اور جب وہ ان معجزات کو دیکھنے کے باوجود ان پر ایمان نہیں لائے تو ہم نے ان کو ہلاک کر دیا' تو اگر اب ہم نے ان کی فرمائش پوری کر دی تو ہم کو علم ہے یہ پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے اور ان کا ایمان نہ لانا ان پر عذاب نازل کرنے کا مقتضی ہو گا اور آپ کے ہوتے ہوئے ہم ان پر عذاب نازل کرنا نہیں چاہتے اس لیے ان کے فرمائشی معجزات بھی نہیں بھیجے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے آپ سے پہلے صرف مردوں کو رسول بنایا تھا جن کی طرف ہم وحی فرماتے تھے۔ سو اگر تم کو علم نہیں ہے تو علم والوں سے پوچھ لو○ ہم نے ان (رسولوں) کے ایسے جسم نہیں بنائے تھے کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں اور نہ وہ (دنیا میں) ہمیشہ رہنے والے تھے○ پھر ہم نے ان کے سامنے (اپنا) وعدہ سچا کر دکھایا تو ہم نے ان کو اور جن کو ہم نے چاہا نجات دے دی' اور حد سے تجاوز کرنے والوں کو ہلاک کر دیا○ بے شک ہم نے تمہاری طرف ایسی کتاب نازل کی ہے جس میں

تمہاری نصیحت ہے' سو کیا تم نہیں سمجھتے؟ O (الانبیاء: ۱۰-۷)

رسول صرف انسانوں اور اور مردوں کو بنایا جاتا ہے

الانبیاء: ۷ میں کفار کے پہلے اعتراض کا جواب ہے کہ یہ شخص تو تمہاری مثل بشر ہے یہ نبی کس طرح ہو سکتا ہے' اللہ تعالیٰ نے اس کا یہ جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کی ہمیشہ سے عادت جاریہ رہی ہے کہ وہ مردکو انسانوں کی طرف رسول بنا کر بھیجتا رہا ہے' اس سے پہلے جس قدر رسول آئے وہ سب مرد ہی تھے اسی عادت کے مطابق (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ سو آپ کا مرد ہونا آپ کے رسول ہونے کے منافی نہیں ہے' رسول کے لیے دلیل اور معجزہ کا ہونا ضروری ہے سو ہم نے (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دلائل اور معجزات دے کر بھیجا ہے' لہٰذا آپ کا بشر ہونا آپ کے نبی اور رسول ہونے کے خلاف نہیں ہے اگر تم کو اس پر یقین نہیں ہے تو تم اہل ذکر یعنی علماء سے پوچھ لو۔ اس زمانہ میں علماء اہل کتاب تھے' یہودی اور عیسائی علماء' اور یہودیوں کو بھی یہ اعتراف تھا کہ حضرت موسیٰ بشر تھے اور جب حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام بشر اور انسان ہونے کے باوجود نبی ہو سکتے تھے تو (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہونے کے باوجود نبی کیوں نہیں ہو سکتے!

اس آیت میں یہ دلیل بھی ہے کہ رسول صرف مرد ہی کو بنایا جاتا ہے' عورت کو رسول نہیں بنایا جاتا' اس آیت میں علامہ قرطبی وغیرہ کے اس نظریہ کا رد ہے کہ عورت بھی نبی ہو سکتی ہے۔

مسئلہ تقلید

اس میں علماء کا اختلاف نہیں ہے کہ عام شخص پر علماء کی تقلید کرنا واجب ہے اور اس آیت میں اہل ذکر سے مراد علماء ہیں' اور اس پر اجماع ہے کہ جب نابینا شخص کو قبلہ کا علم نہ ہو تو اس پر اس شخص کی تقلید کرنا واجب ہے جس کو قبلہ کا علم ہو' اسی طرح جس شخص کو دینی مسائل میں علم اور بصیرت نہ ہو' اس پر اس شخص کی تقلید کرنا واجب ہے جس کو ان مسائل کا علم ہو اور جس کو ان مسائل پر بصیرت حاصل ہو' اسی طرح اس میں بھی کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ عام آدمی کو فتویٰ دینا جائز نہیں ہے کیونکہ اس کو ان دلائل کا علم نہیں ہے جن کے ساتھ تحلیل اور تحریم کا تعلق ہوتا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۱ ص ۱۸۲' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

شیخ محمد بن علی بن محمد الشوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ لکھتے ہیں:

اس آیت سے تقلید کے جواز پر استدلال کیا گیا ہے اور یہ استدلال خطا ہے' اور اگر اس استدلال کو مان لیا جائے تو اس کا معنی ہے کہ علماء سے کتاب اور سنت کی نصوص کا سوال کیا جائے نہ کہ علماء کی رائے کے متعلق سوال کیا جائے' اور تقلید کا معنی ہے کہ کسی شخص کے قول کو بغیر دلیل کے قبول کیا جائے۔ (فتح القدیر ج ۳ ص ۵۴۶' مطبوعہ دار الوفاء' ۱۴۱۸ھ)

نواب صدیق حسن بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ لکھتے ہیں:

اس آیت سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ تقلید جائز ہے اور یہ استدلال خطاء ہے اور اگر یہ استدلال مان لیا جائے تو اس کا معنی ہے کتاب اور سنت کی نصوص اور تصریحات کے متعلق سوال کرنا نہ کہ محض رائے کے متعلق سوال کرنا' اور تقلید کا معنی ہے بغیر دلیل کے غیر کے قول کو قبول کرنا' اور مقلد جب اہل الذکر سے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے متعلق سوال کرے گا تو وہ مقلد نہیں رہے گا۔ اکثر فقہاء نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ عام آدمی کے لیے علماء کے فتویٰ کی طرف رجوع کرنا جائز ہے' اور ایک مجتہد کے لیے دوسرے مجتہد کے قول پر عمل کرنا جائز ہے لیکن یہ قول بعید ہے کیونکہ اس آیت میں خصوصیت کے ساتھ یہ بتایا ہے کہ علماء یہود اور علماء نصاریٰ سے یہ معلوم کر لو کہ بشر کو رسول بنا کر بھیجنا جائز ہے یا نہیں' آیات کے سیاق اور سباق سے یہی معنی متعین ہے۔ (فتح البیان ج ۸ ص ۳۰۹' مطبوعہ المکتبۃ العصریہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

ہر چند کے اس آیت کا شان نزول خاص ہے لیکن اس کے الفاظ عام ہیں اور اعتبار عموم الفاظ کا ہوتا ہے نہ کہ خصوصیت مورد کا' اس کی وضاحت ہم النحل: ۴۳ میں کر چکے ہیں۔

علامہ محمد بن احمد السفارینی الحنبلی المتوفی ۱۱۸۸ھ لکھتے ہیں:

ہر وہ مکلف جس میں اجتہاد مطلق کی صلاحیت نہ ہو اس کے لیے ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک امام کی تقلید کرنا جائز ہے' ان ائمہ کے مذاہب اور ان کے اقوال ہر زمانہ میں محفوظ اور منضبط ہیں اور ان کی شرائط اور ان کے ارکان تواتر سے معلوم ہیں۔

تقلید کا لغت میں معنی ہے کسی چیز کو گلے میں اس طرح ڈالنا کہ وہ گلے کا احاطہ کرلے' اسی لیے ہار اور پٹے کو قلادہ کہتے ہیں۔ اور عرف میں اس کا معنی ہے کسی دوسرے کے مذہب کو صحیح اعتقاد کر کے قبول کرنا اور اس کی اتباع کرنا بغیر اس کی دلیل کی معرفت کے' لہٰذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی طرف رجوع کرنا' یا مفتی' یا اجماع یا قاضی کی طرف رجوع کرنا تقلید نہیں ہے ہر چند کے لغوی اعتبار سے اس کو تقلید کہنا جائز ہے' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول اور اجماع دلیل ہے' اس طرح صحابی کا قول بھی دلیل ہے لہٰذا ان کی طرف رجوع کرنا تقلید نہیں ہے' تقلید کے جواز پر قرآن مجید کی اس آیت سے استدلال کیا گیا ہے:

فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ○ (الانبیاء: ۷) پس اگر تم کو معلوم نہیں ہے تو اہل ذکر (علماء) سے معلوم کر لو۔

یہ آیت عام ہے اور سوال کرنے کی علت جہل ہے' اور اس پر اجماع ہے کہ ہمیشہ سے عام لوگ علماء کی تقلید کرتے رہے ہیں' نیز اگر یہ کہا جائے کہ ہر آدمی کے لیے اتنا علم حاصل کرنا فرض ہے کہ وہ کتاب' سنت' آثار صحابہ اور اجماع سے براہ راست مسائل نکال سکے تو اس سے لازم آئے گا کہ لوگ ذریعہ معاش اور صنعت اور حرفت سے معطل ہو جائیں' اور توحید و رسالت اور آخرت کے عقائد میں یہ لازم نہیں آتا' اس لیے امام مالک نے یہ کہا ہے کہ عوام پر واجب ہے کہ وہ احکام شرعیہ میں مجتہدین کے اقوال پر عمل کریں۔ (لوامع الانوار البہیة: ج ۲ ص ۴۶۴-۴۶۳' مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت' ۱۴۱۱ھ)

اس مسئلہ کی مکمل بحث اور تفصیل ہم النحل: ۴۳ میں کر چکے ہیں وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

بشری تقاضوں کی وجہ سے آپ کی رسالت پر اعتراض کا جواب

الانبیاء: ۸ میں ہے: ہم نے ان رسولوں کے ایسے جسم نہیں بنائے تھے کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں اور نہ وہ (دنیا میں) ہمیشہ رہنے والے تھے' کفار مکہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ طعن کرتے تھے:

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ۭ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ○ (الفرقان: ۷)

اور کافروں نے کہا یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے' اس کی طرف کوئی فرشتہ کیوں نہیں نازل کیا گیا جو اس کے ساتھ (عذاب سے) ڈراتا۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کفار کے اس اعتراض کا جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان رسولوں کے ایسے جسم نہیں بنائے کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں تو اگر ہمارے رسول (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کھانا کھاتے ہوں تو ان کی نبوت پر اعتراض کی کیا وجہ ہے! اس طرح رسول دنیا میں ہمیشہ نہیں رہتے اور اپنا وقت پورا ہونے پر دوسرے انسانوں کی طرح فوت ہو جاتے ہیں اور ان کے رسول ہونے کی بناء اور نبی ہونے کا سبب کھانے پینے سے بری ہونا اور ہمیشہ زندہ رہنا نہیں ہے بلکہ ان کے رسول ہونے کا سبب ان کے ہاتھوں پر معجزات کا ظہور ہے' اور ان کا گناہوں سے اور برے کاموں سے بری ہونا اور ان کی معصوم اور پاکیزہ سیرت ہے اور امور تبلیغیہ میں ان سے جھوٹ کے صدور کا محال ہونا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد والی آیت میں فرمایا:

پھر ہم نے ان کے سامنے (اپنا) وعدہ سچا کر دکھایا تو ہم نے ان کو اور جن کو ہم نے چاہا نجات دی اور حد سے تجاوز کرنے والوں کو ہلاک کر دیا۔ (الانبیاء: ۹)

یعنی جن کافروں نے انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی تھی ان پر آسمان سے عذاب بھیجا جس نے ان کو جڑ سے اکھاڑ دیا اور ملیامیٹ کر دیا اور انبیاء علیہم السلام اور مومنوں کو اس عذاب سے محفوظ رکھا' اس کے بعد فرمایا:

بے شک ہم نے تمہاری طرف ایسی کتاب نازل کی ہے جس میں تمہاری نصیحت ہے' سو کیا تم نہیں سمجھتے؟ ○ (الانبیاء: ۱۰)

اس آیت میں فرمایا ہے ہم نے تمہاری طرف ایسی کتاب نازل کی ہے جس میں تمہارا ذکر ہے۔ اس میں ذکر کے تین محامل ہیں:

(۱) اس کتاب میں تمہارے شرف اور تمہارے مرتبہ کا ذکر ہے اور دوسری امتوں پر تمہاری افضلیت کا بیان ہے۔

(۲) اس کتاب میں تمہیں نصیحت کی گئی ہے تاکہ جو کام تمہارے لیے ناجائز ہیں تم ان سے بچو اور جو کام تمہارے لیے ضروری ہیں تم ان کو انجام دو اور ذکر سے مراد نیک کاموں پر تمہارے لیے بشارت ہے اور برے کاموں پر تمہاری سزا کی وعید ہے۔

(۳) ذکر سے مراد تمہارے دین اور تمہارے احکام شرعیہ کا بیان ہے' جن پر عمل کر کے تم دین اور دنیا کی فلاح حاصل کر سکتے ہو۔

پھر فرمایا کیا تم نہیں سمجھتے؟ یعنی کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے' یعنی تم قرآن مجید میں غور و فکر کر کے اپنی دین اور دنیا کو بہتر بنانے کی کوشش کیوں نہیں کرتے۔

وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا

اور کتنی ہی (ایسی) بستیاں ہم نے تباہ کر دیں جو ظلم کرتی تھیں اور ان کے بعد ہم نے دوسرے لوگوں کو

اٰخَرِيْنَ ⑪ فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ ⑫ لَا تَرْكُضُوْا

پیدا کر دیا ○ سو جب انہوں نے ہمارے عذاب کو محسوس کیا تو فوراً اس سے بھاگنے لگے ○ (ان سے کہا گیا) اب بھاگو

وَارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْـَٔلُوْنَ ⑬ قَالُوْا

مت اور اسی جگہ لوٹ جہاں تمہیں آسودگی دی گئی تھی اور اپنی رہائش گاہوں میں تاکہ تم سے پوچھ گچھ کی جائے ○ انہوں نے کہا

يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ⑭ فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ

ہائے افسوس بے شک ہم ظلم کرنے والے تھے ○ ان کا مسلسل یہی پکارنا تھی کہ ہم نے ان کو کاٹی ہوئی فصل کی طرح کر دیا

حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ ⑮ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا

(آگ) کی حرارت سے بجھا ہوا ○ اور ہم نے آسمان اور زمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کو کھیل کود کے مشغلہ میں

لٰعِبِیْنَ ﴿۱۶﴾ لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ ۖ اِنْ

نہیں بنایا ○ اگر ہم کوئی کھلونا بنانا چاہتے تو ہم اسے اپنے پاس سے ہی بنا لیتے اگر ہم

كُنَّا فٰعِلِیْنَ ﴿۱۷﴾ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَیَدْمَغُهٗ

(اس کو واقعی) بنانے والے ہوتے ○ بلکہ ہم حق سے باطل پر ضرب لگاتے ہیں تو وہ (حق) اس (باطل) کا سر کچل دیتا ہے

فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ؕ وَلَكُمُ الْوَیْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَلَهٗ مَنْ فِی

اور وہ (باطل) اسی وقت ملیامیٹ ہو جاتا ہے، اور تمہارے لیے ان باتوں کی وجہ سے تباہی ہو جو تم بناتے ہو ○ اور جو آسمانوں

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ

اور زمینوں میں ہیں وہ سب اسی کی ملکیت میں ہیں، اور جو اس کے پاس (فرشتے) ہیں وہ اس کی عبادت سے نہ تکبر

وَلَا یَسْتَحْسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ ۚ یُسَبِّحُوْنَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ لَا یَفْتُرُوْنَ ﴿۲۰﴾ اَمِ

کرتے ہیں نہ تھکتے ہیں ○ وہ رات اور دن اسی کی تسبیح کرتے ہیں اور سستی نہیں کرتے ○ کیا

اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ یُنْشِرُوْنَ ﴿۲۱﴾ لَوْ كَانَ فِیْهِمَآ

ان لوگوں نے جن کو زمین میں معبود قرار دیا ہوا ہے وہ امردہ کو زندہ کر سکتے ہیں ○ اگر آسمان اور زمین میں اللہ کے سوا

اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ﴿۲۲﴾

معبود ہوتے تو وہ ضرور درہم برہم ہو جاتے، سو اللہ جو رب العرش ہے وہ ان چیزوں سے پاک ہے جو یہ مشرکین بیان کرتے ہیں ○

لَا یُسْـَٔلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَهُمْ یُسْـَٔلُوْنَ ﴿۲۳﴾ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ

اس سے ان کاموں کا سوال نہیں کیا جائے گا جو وہ کرتا ہے، اور ان سب سے بازپرس کی جائے گی ○ کیا انہوں نے اللہ کے سوا اور معبود

اٰلِهَةً ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ۚ هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِیَ وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِیْ ؕ

قرار دے رکھے ہیں؟ آپ کہیے تم اپنی دلیل لاؤ، یہ میرے عہد کے لوگوں کے لیے نصیحت ہے اور مجھ سے پہلوں کی نصیحت بھی موجود

بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۙ الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا

بلکہ ان میں سے اکثر حق کو نہیں جانتے، اس لیے وہ منہ موڑ رہے ہیں ○ اور ہم نے آپ سے پہلے

مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا

جس کو بھی رسول بنا کر بھیجا اس کی طرف ہم یہ وحی کرتے تھے کہ بے شک میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں سو تم

فَاعْبُدُوْنِ ﴿۲۵﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ عِبَادٌ

میری عبادت کرو ○ اور انہوں نے کہا رحمن نے اولاد بنالی ہے، وہ اس سے پاک ہے، وہ سب اس کے

مُّكْرَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۷﴾

باعزت بندے ہیں ○ وہ کسی بات میں اس پر سبقت نہیں کرتے اور وہ اسی کے حکم پر ہی عمل کرتے ہیں ○

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ

وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے اور وہ اسی کی شفاعت کریں گے جس کی شفاعت سے

ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ

وہ راضی ہو اور وہ اس کی ہیبت سے لرزہ براندام ہیں ○ اور ان میں سے جس نے یہ کہا کہ

اِنِّيْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي

میں اللہ کے سوا عبادت کا مستحق ہوں تو اس کو ہم دوزخ کی سزا دیں گے اور ہم ظالموں کو اسی طرح سزا

الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾ ع

دیتے ہیں ○

ع ۲ — ۱۹ — ۲

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور کتنی ہی (ایسی) بستیاں ہم نے تباہ کر دیں جو ظلم کرتی تھیں اور ان کے بعد ہم نے دوسرے لوگوں کو پیدا کر دیا ○ سو جب انہوں نے ہمارے عذاب کو محسوس کیا تو فوراً اس سے بھاگنے لگے ○ (ان سے کہا گیا) اب بھاگو مت! اور اسی جگہ لوٹو جہاں تمہیں آسودگی دی گئی تھی، اور اپنی رہائش گاہوں میں، تاکہ تم سے پوچھ گچھ کی جائے ○ انہوں نے کہا: ہائے افسوس! بے شک ہم ظلم کرنے والے تھے ○ ان کا مسلسل یہی کہنا رہا حتیٰ کہ ہم نے ان کو کاٹی ہوئی فصل کی طرح کر دیا، زندگی کی حرارت سے بجھا ہوا ○ (الانبیاء: ۱۵-۱۱)

مشکل الفاظ کے معانی:

کم قصمنا: کم کے بعد جو لفظ ذکر ہوتا ہے اس سے اس کی کثرت مراد ہوتی ہے۔ کم قصمنا کے معنی ہیں ہم نے کتنی ہی بستیوں کو ہلاک کر دیا۔ قصم کے معنی ہیں کسی مرکب کو توڑ کر اس کے اجزاء الگ الگ کر دینا، اس کو توڑ کر ریزہ ریزہ کر دینا۔ قاصمة الظهر کمر توڑنے والی مصیبت کو کہتے ہیں، اور فصم کے معنی ہیں کسی چیز کے اجزاء الگ الگ کیے بغیر اس کو کاٹنا

یا اس کے ٹکڑے کر دینا۔
وانشأنا بعدها قوما اخرین: اس بستی والوں کو ہلاک کرنے کے بعد ہم نے ان کی جگہ دوسرے لوگوں کو پیدا کر دیا۔
فلما احسوا بأسنا: جب انہوں نے ہمارے عذاب کی شدت اور سختی کا اس طرح ادراک کر لیا جس طرح کسی محسوس چیز کا ادراک کیا جاتا ہے' یعنی انہوں نے اپنی آنکھوں سے عذاب کو دیکھ لیا' یا اس کی آواز کو سن لیا۔
یرکضون: وہ تیزی سے بھاگنے لگے' رکض کے معنی ہیں سواری کا اچھلنا اور کودنا' قرآن مجید میں ہے: ارکض برجلک ص: ۴۲' اپنے پیر کو زمین پر مارو۔
اترفتم: تم عیش و عشرت میں لذت اندوز تھے' اتراف کا معنی ہے کسی نعمت اور عیش و عشرت سے لذت حاصل کرنا۔
حصیدا: جڑ سے کاٹی ہوئی کوئی چیز' کٹی ہوئی کھیتی' کھلیان' یعنی اس قوم کو عذاب سے ہلاک کر کے اس طرح نیست و نابود کر دیا تھا جس طرح درانتی سے کسی فصل کو کاٹ دیا جائے۔
خامدین: خمود کا معنی ہے بجھنا' یعنی ان لوگوں میں زندگی کی کوئی چنگاری باقی نہیں رہی تھی اور وہ مردہ ہو چکے تھے۔

کفار مکہ کو پچھلی قوموں کا عذاب سنانا

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر کفار کے اعتراضات اور ان کے جوابات کا ذکر فرمایا تھا' اور ان آیتوں میں ان کو ان سے پہلی امتوں کے احوال سے ڈرایا ہے' جس طرح یہ کفار سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے پیغام توحید کو قبول نہیں کر رہے اور اپنے آباء و اجداد کی تقلید میں بت پرستی اور کفر اور شرک پر اصرار کر رہے ہیں' اس طرح ماضی میں بھی ایسا ہوتا رہا ہے لوگوں کی اصلاح کے لیے اللہ تعالیٰ ایک نبی کو پیغام توحید دے کر بھیجتا وہ اس پیغام کو قبول نہ کرتے اور پیہم اس کا انکار کرتے اور جب اللہ کا نبی ان کو ڈراتا اور یہ کہتا کہ اگر تم نے میرا پیغام قبول نہ کیا تو تم پر اللہ کا عذاب آئے گا جو تم سب کو ملیا میٹ کر دے گا اور تمہاری پوری آبادی تباہ اور برباد کر دی جائے گی تو پھر وہ اس نبی کا مذاق اڑاتے اور اس سے عذاب کا مطالبہ کرتے' اور جب وہ اس عذاب کے آثار کو دیکھتے تو خوف زدہ ہو کر بھاگتے' پھر ان سے کہا جاتا اب بھاگو مت! اپنی ان ہی آرام گاہوں اور عشرت کدوں کی طرف واپس جاؤ' تاکہ تم سے یہ سوال کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ان نعمتوں کے مقابلہ میں تم نے کیا عبادتیں کی ہیں اور اس کے دیئے ہوئے ان انعامات کا کس طرح شکر یہ ادا کیا ہے! اس وقت انہوں نے اعتراف کیا کہ ہائے افسوس! بے شک ہم ظلم کرنے والے تھے' پھر ان قوموں پر ایسا عذاب آیا جس نے ان سب کو جڑ سے اکھاڑ دیا۔ ان آیات میں کفار مکہ کو عذاب کی وعید سنائی گئی ہے کہ اگر وہ ایمان نہ لائے تو وہ اس طرح کے عذاب کے مستحق ہیں یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی حکمت کی وجہ سے ان پر ایسا عذاب نازل نہیں فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے آسمان اور زمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کو کھیل کود کے مشغلہ میں نہیں بنایا○ اگر ہم کوئی کھلونا بنانا چاہتے تو ہم اسے اپنے پاس سے ہی بنا لیتے' اگر ہم (اس کو واقعی) بنانے والے ہوتے○ بلکہ ہم حق سے باطل پر ضرب لگاتے ہیں تو وہ (حق) اس (باطل) کا سر کچل دیتا ہے اور وہ (باطل) اسی وقت ملیا میٹ ہو جاتا ہے' اور تمہارے لیے ان باتوں کی وجہ سے تباہی ہو جو تم بناتے ہو○ (الانبیاء: ۱۸-۱۶)

مشکل الفاظ کے معانی

لعبین: جو کام بے مقصد اور عبث ہو اس کو لعب کہتے ہیں' اور ہر وہ کام جو انسان کو اس کے مقصد سے غافل کر دے اس کو لھو کہتے ہیں' مقصد یہ ہے کہ ہم نے زمین اور انسان کو عبث اور بے مقصد نہیں بنایا بلکہ ہم نے ان کو اس لیے بنایا ہے کہ وہ ہماری

قدرت پر دلالت کریں اور ہماری الوہیت اور توحید پر دلالت کریں‘ لعب اور لھو میں یہ فرق بھی کیا جاتا ہے کہ لعب سے کسی غرض صحیح کا ارادہ نہیں کیا جاتا اور لھو سے نفس کو راحت پہنچانا مقصود ہوتا ہے۔

نقذف : قذف کا معنی ہے کسی چیز کو دور پھینکنا۔

فیدمغہ : دمغ کا معنی ہے کسی نرم چیز کو توڑ دینا‘ دماغ پر ضرب لگانے اور اس کا بھیجا نکال دینے کو بھی دمغ کہتے ہیں۔

زاھق: جانے والا‘ ھلاک ہونے والا‘ زائل ہونے والا۔

آسمان اور زمین بنانے کی حکمتیں

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ہم نے آسمان کی یہ بلند چھت اور زمین کا یہ فرش اور ان کے درمیان یہ عجیب و غریب چیزیں بطور لھو و لعب اور فضول نہیں بنائیں۔ ان کو ہم نے دینی اور دنیاوی فوائد کے لیے بنایا ہے‘ دینی فائدہ یہ ہے کہ غور و فکر کرنے والے آسمان اور زمین کی خلقت اور بناوٹ میں غور و فکر کریں اور ان کے اسرار کو معلوم کر کے صاحب اسرار تک اور صنعت سے صانع اور خلقت سے خالق تک پہنچیں‘ اور دنیاوی فوائد بے شمار ہیں‘ زمین کے اندر اللہ تعالیٰ نے معدنیات کی دولت رکھی ہے‘ سونا‘ چاندی‘ تانبا اور پیتل ہے‘ کوئلہ‘ تیل اور قدرتی گیس ہے‘ جن سے انسان اپنی انواع و اقسام کی ضروریات کو پورا کرتے ہیں۔ اور زمین میں زرعی پیداوار کی صلاحیت رکھی ہے جس سے انسان اپنی غذا فراہم کرتے ہیں اور زمین کے اوپر انسانوں‘ مویشیوں اور پرندوں درندوں کی آبادی ہے‘ اور آسمان میں ثوابت اور سیارے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے عجیب و غریب حکمتیں اور فوائد رکھے ہیں۔ نیز ان آیات میں یہ بھی اشارہ ہے کہ ہم نے (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر معجزات کو ظاہر کیا ہے اور ان کو نبی بنا کر بھیجا ہے اگر بالفرض آپ کا پیغام جھوٹا ہو تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ ہم نے آپ کے ہاتھ پر جو معجزات ظاہر کئے ہیں وہ عبث اور بے فائدہ ہیں اور محض کھیل کود کے مشغلہ کے طور پر آپ کو نبی بنا کر بھیجا ہے‘ حالانکہ ہمارا کوئی کام لغو اور عبث نہیں ہوتا‘ اور اگر ہم کو کھیل کود کا مشغلہ کرنا ہی ہوتا تو ہم انسانوں کو کیوں پیدا کرتے ہم فرشتوں سے اپنا شوق پورا کر لیتے‘ بلکہ ہمارا طریقہ تو باطل پر ضرب لگانا ہے‘ ہم کھیل کود پر سنجیدگی کو مسلط کرتے ہیں‘ تم جو ہمارے نبی اور رسول کی تکذیب کرتے ہو اور قرآن مجید کو پراگندہ خواب اور جادو سے تعبیر کرتے ہو اور اسی طرح ان پر اور اعتراضات کرتے ہو اور حق سے روگردانی کرتے ہو تو اس طرح تم اپنے آپ کو عذاب اور ہلاکت میں مبتلا کر رہے ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو آسمانوں اور زمینوں میں ہیں وہ سب اسی کی ملکیت میں ہیں اور جو اس کے پاس (فرشتے) ہیں وہ اس کی عبادت سے نہ تکبر کرتے ہیں نہ تھکتے ہیں○ وہ رات اور دن اسی کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اور سستی نہیں کرتے○ کیا ان لوگوں نے جن کو زمین میں معبود قرار دیا ہوا ہے وہ (مردہ کو) زندہ کر سکتے ہیں○ (الانبیاء: ۲۱-۱۹)

اگر فرشتے ہر وقت تسبیح کرتے ہیں تو باقی کام وہ کس وقت کرتے ہیں؟

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ ہم نے انبیاء علیہم السلام کو زمین پر اپنا پیغام دے کر بھیجا تو کافروں اور مشرکوں نے سرکشی کی اور ان کی اطاعت اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے سے انکار کیا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ان کی عبادت کی کیا ضرورت ہے‘ یہ زمین اور آسمان بلکہ یہ پوری کائنات اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے ہر چیز اللہ تعالیٰ کی مملوک اور غلام ہے‘ انسانوں کی بہ نسبت فرشتے بہت طاقت ور ہیں اور بہت عظیم مخلوق ہیں وہ ہر وقت اس کی عبادت کرتے رہتے ہیں اور اس کی عبادت سے نہیں تھکتے۔

ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَمَاتُوۡا وَهُمۡ کُفَّارٌ اُولٰٓئِکَ عَلَیۡهِمۡ لَعۡنَةُ اللّٰهِ وَالۡمَلٰٓئِکَةِ وَالنَّاسِ اَجۡمَعِیۡنَ ○ (البقرہ: ۱۶۱)

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور وہ کفر کی حالت میں مر گئے ان پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔

پس اگر فرشتے ہر وقت تسبیح کرتے رہتے ہیں تو وہ لعنت کس وقت کرتے ہیں' کعب احبار نے اس کے جواب میں کہا فرشتوں کا تسبیح کرنا ایسا ہے جیسے ہم سانس لیتے ہیں پس جس طرح ہمیں سانس لینا دوسرے کاموں سے مانع نہیں ہے اسی طرح فرشتوں کا تسبیح کرنا ان کو لعنت کرنے سے مانع نہیں ہے۔ امام رازی نے اس کے جواب میں یہ کہا ہے کہ ہوسکتا ہے ان کی کئی زبانیں ہوں' ایک زبان سے وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے ہوں اور دوسری زبانوں سے وہ کافروں پر لعنت کرتے ہوں۔ اسی طرح یہ اعتراض بھی وارد نہیں ہوتا' کہ فرشتوں کے ذمہ اور بھی کئی کام ہیں مثلاً وہ عورت کے رحم میں انسان کی صورت بناتے ہیں' اس کا مذکر ہونا یا مونث ہونا لکھتے ہیں' اس کا رزق' اس کی موت حیات اور اس کا سعید یا شقی ہونا لکھتے ہیں' اسی طرح فرشتے روح قبض کرنے پر بھی مامور ہیں' کئی فرشتے بادلوں اور بارش نازل کرنے پر مامور ہیں' کئی فرشتے زمین میں گھوم پھر کر ذکر کی مجالس تلاش کرنے پر مامور ہیں' کئی فرشتے انسان کے نیک اور بداعمال لکھنے پر مامور ہیں' کئی فرشتے قبر میں سوالات کرنے پر مامور ہیں' اسی طرح اور بہت قسم کے فرشتے ہیں جن کی الگ الگ ڈیوٹیاں لگی ہوئی ہیں تو وہ فرشتے ہر وقت تسبیح پڑھتے رہتے ہیں یا اپنے ان فرائض کو ادا کرتے رہتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہمیں یہ معلوم نہیں کہ فرشتوں کی بناوٹ اور ساخت کس قسم کی ہے ہوسکتا ہے کہ فرشتوں کی ساخت اس قسم کی ہو کہ وہ اپنے اپنے فرائض بھی ادا کرتے رہتے ہوں اور ہر وقت تسبیح بھی پڑھتے رہتے ہوں اور اس میں ان کے لیے کوئی مشکل نہ ہو۔

کافر تو حیات بعد الموت کے قائل نہیں پھر ان پر بتوں کے زندہ نہ کرسکنے کا اعتراض کیوں ہے؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا ان لوگوں نے جن کو زمین میں معبود قرار دیا ہوا ہے وہ (مردہ کو) زندہ کرسکتے ہیں؟ اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ کفار اور مشرکین نے تو اپنے معبودوں کے متعلق یہ دعویٰ نہیں کیا تھا کہ وہ مردوں کو زندہ کرسکتے ہیں بلکہ ان کے نزدیک تو مردوں کو زندہ کرنا بہت بعید تھا' کیونکہ وہ یہ مانتے تھے کہ آسمان اور زمینوں کو پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے اس کے باوجود وہ مردوں کو دوبارہ زندہ کیے جانے کا انکار کرتے تھے وہ یہ کہتے تھے:

مَنۡ یُّحۡیِ الۡعِظَامَ وَهِیَ رَمِیۡمٌ (یٰسٓ: ۷۸)

ان ہڈیوں کو بوسیدہ ہونے کے بعد کون زندہ کرے گا؟

تو جب وہ اللہ تعالیٰ کو خالق ماننے کے باوجود یہ نہیں مانتے کہ وہ مردوں کو زندہ کرسکتا ہے تو اپنے بتوں کے لیے مردوں کو زندہ کرنے کی طاقت کیا مانیں گے۔

اس اعتراض کا ایک جواب یہ ہے کہ جب وہ بتوں کی عبادت میں مشغول ہوگئے اور عبادت کا فائدہ ثواب کی صورت میں مترتب ہونا ضروری ہے پس ان کا بتوں کی عبادت کرنا اس بات کو واجب کرتا ہے کہ وہ بتوں کو عبادت کا اجر و ثواب عطا کرنے والا مانیں' اور بہت سے لوگوں کو اس زندگی میں اپنے کاموں پر اجر و ثواب نہیں ملتا اس لیے لازم آئے گا کہ وہ اپنے بتوں کے لیے یہ مانتے ہوں کہ وہ اس زندگی کے بعد انہیں دوسری زندگی دینے پر قادر ہوں اور ان کا بتوں کو معبود ماننا اس بات کو واجب کرتا ہے کہ وہ بتوں کو حیات آفرینی اور زندگی دینے پر قادر مانیں۔

اس اعتراض کا دوسرا جواب یہ ہے کہ ہر چند کے ینشرون کا معنی موت کے بعد زندگی دینا ہے لیکن مجازاً اس سے ابتداءً زندگی دینا بھی مراد ہوسکتا ہے یعنی کسی کو پیدا کرنا' مطلب یہ ہے کہ یہ کافر جن بتوں کو معبود مانتے ہیں کیا وہ کسی چیز کو پیدا کرسکتے

ہیں؟ اور جب وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے تو پھر ان کو معبود ماننا صحیح اور درست نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اگر آسمان اور زمین میں اللہ کے سوا معبود ہوتے تو وہ ضرور درہم برہم ہو جاتے' سو اللہ جو رب العرش ہے وہ ان چیزوں سے پاک ہے جو یہ مشرکین بیان کرتے ہیں ○ اس سے ان کاموں کا سوال نہیں کیا جائے گا جو وہ کرتا ہے اور ان سب سے باز پرس کی جائے گی ○ (الانبیاء: ۲۳۔۲۲)

اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے پر عقلی دلائل

الانبیاء: ۲۲ میں اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلیل قائم کی گئی ہے اس کو برہان تمانع کہتے ہیں یہ بہت مشہور دلیل ہے اس کی بہت تقریریں ہیں ہم سطور ذیل میں اس کی چند تقریریں پیش کر رہے ہیں۔

(۱) اگر دو خدا فرض کیے جائیں اور ان میں سے ہر خدا ایک معین وقت میں زید کے حرکت کرنے کا ارادہ کرے اور دوسرا خدا اسی وقت میں زید کے سکون کا ارادہ کرے تو یا تو دونوں خداؤں کا ارادہ پورا ہوگا اور اس سے لازم آئے گا کہ زید اسی وقت میں حرکت بھی کرے اور ساکن بھی ہو اور یہ اجتماع ضدین ہونے کی وجہ سے محال ہے' اور یا وہ صرف حرکت کرے گا تو جس خدا نے اس کے ساکن ہونے کا ارادہ کیا تھا اس کا ارادہ پورا نہیں ہوگا سو وہ خدا نہیں ہوگا' اور یا وہ صرف ساکن ہو گا تو جس خدا نے اس کے حرکت کرنے کا ارادہ کیا تھا اس کا ارادہ پورا نہیں ہوگا سو وہ خدا نہیں ہوگا' غرض یہ کہ جب دو خدا فرض کیے جائیں تو ان میں سے ایک خدا ہوگا اور دوسرا خدا نہیں ہوگا۔

(۲) اگر یہ کہا جائے کہ دونوں خدا اتفاق سے کام کرتے ہیں اور ایک دوسرے سے اختلاف نہیں کرتے تو ہم کہیں گے کہ ان کا ایک دوسرے سے اختلاف کرنا ممکن تو ہے اور اس تقدیر پر کس کا ارادہ پورا ہوگا؟ جس کا ارادہ پورا ہوگا وہی خدا ہوگا دوسرا خدا نہیں ہوگا۔

(۳) اگر وہ دونوں ایک دوسرے سے اختلاف نہیں کرتے تو ضرور ان میں سے ایک دوسرے کی موافقت کرے گا تو جو موافقت کرے گا وہ تابع ہوگا اور دوسرا متبوع ہوگا اور تابع خدا نہیں ہو سکتا۔

(۴) اگر دو خدا ہوں تو ضروری ہوگا ان میں سے ہر ایک تمام مقدورات کو وجود میں لانے پر قادر ہو اور ایک معلول کے لیے دو مستقل علتوں کا ہونا محال ہے' اوّل تو اس لیے کہ علت تامہ کا اپنے معلول سے تخلف محال ہے اور جب معلول ایک علت سے حاصل ہو گیا تو دوسری علت کا ہونا عبث ہوا' اور ثانیاً اس لیے کہ جب ایک علت کے لیے دو مساوی مستقل علتیں ہوں تو اس معلول کو ایک علت سے صادر ماننا نہ کہ دوسری علت سے یہ ترجیح بلا مرجح ہے' اور اگر وہ دونوں علتیں مل کر معلول کو صادر کرتی ہیں تو ان میں سے کوئی علت بھی مستقل نہیں ہوگی ان میں سے ہر ایک علت ناتمام اور دوسرے کی محتاج ہوگی۔

(۵) جب ہم دو خدا فرض کرتے ہیں تو اس عالم کو خلق کرنے اور اس کی تدبیر کے لیے ان میں سے ایک اکیلا خدا کافی ہے یا نہیں اگر وہ اکیلا اس عالم کی خلق اور تدبیر کے لیے کافی ہے تو دوسرے کو ماننا عبث ہے اور اگر ان میں سے ایک اکیلا اس عالم کی خلق اور تدبیر کے لیے کافی نہیں ہے تو پھر وہ ناقص ہے اور ناقص خدا نہیں ہو سکتا۔

(۶) اگر فرض کیا جائے ایک خدا اس عالم کے خلق اور اس کی تدبیر کے لیے کافی نہیں ہے اور اس کو دوسرے کی بھی ضرورت پڑتی ہے تو کیا ضروری ہے کہ دو مل کر کافی ہو جائیں ان کو تیسرے کی بھی ضرورت پڑ سکتی ہے' چوتھے کی بھی ضرورت پڑ سکتی ہے اور یہ ضرورت کسی ایک عدد پر موقوف نہیں ہوگی اور اس طرح غیر متناہی خداؤں کی ضرورت ہوگی۔

(۷) اگر دو خدا فرض کیے جائیں تو ان میں سے ایک خدا اس پر قادر ہوگا کہ اس کی مخلوق صرف اس کی خدائی پر دلالت کرے نہ کہ دوسرے خدا کی خدائی پر' اگر وہ اس پر قادر نہ ہو تو یہ اس کا عجز ہوگا اور عاجز خدا نہیں ہو سکتا اور اگر وہ اس پر قادر ہو تو یہ محال ہے کیونکہ مخلوق اور مصنوع تو صرف اس پر دلالت کرتی ہے کہ اس کا کوئی خالق اور صانع ہے نہ کہ اس پر کہ اس کا فلاں صانع اور خالق ہے فلاں اس کا صانع اور خالق نہیں ہے۔

(۸) اگر دو خدا فرض کیے جائیں تو دونوں میں سے کوئی ایک اپنی مخلوق کو دوسرے خدا سے چھپانے پر قادر ہوگا یا نہیں' اگر ایک خدا اپنی مخلوق کو دوسرے خدا سے چھپانے پر قادر نہیں ہے تو اس کا عاجز ہونا لازم آئے گا ورنہ دوسرے خدا کا جاہل ہونا لازم آئے گا کیونکہ اس سے ایک خدا کی مخلوق مخفی ہوگی اور اسے اس کا علم نہیں ہوگا۔

(۹) اگر دو خدا ہوں تو دونوں خداؤں کی قوت کا مجموعہ ہر ایک کی قوت سے دگنا ہوگا' پس ہر ایک کی قوت متناہی ہوگی کیونکہ وہ مجموعہ سے کم ہوگی اور جس کی قوت متناہی ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا۔

(۱۰) اگر دو خدا فرض کیے جائیں اور ایک ممکن کو موجود کرنا ہو تو یا تو دونوں مل کر اس کو موجود کریں گے تو دونوں میں سے کوئی بھی خدا نہیں ہوگا کیونکہ ہر ایک دوسرے کا محتاج ہوگا' اور یا ان میں سے ہر ایک اس کو مستقل طور پر دوسرے سے مستغنی ہو کر اس کو موجود کر سکے گا اس صورت میں جب ایک نے اس کو موجود کر دیا تو دوسرے کی قدرت باقی رہے گی یا نہیں اگر اس کی قدرت باقی ہے تو موجود کو ایجاد کرنا لازم آئے گا اور یہ محال ہے کیونکہ ایجاد تو معدوم کو کیا جاتا ہے نہ کہ موجود کو' اور اگر اس کی قدرت باقی نہیں رہی تو وہ عاجز ہوگا اور عاجز خدا نہیں ہو سکتا۔

(۱۱) اگر دو خدا فرض کیے جائیں تو ایک خدا کسی جسم کو دائماً متحرک کر سکتا ہے یا نہیں' وہ اگر اس کو دائماً متحرک نہیں کر سکتا تو یہ اس کا عجز ہوگا اور عاجز خدا نہیں ہو سکتا' اور اگر اس نے ایک جسم کو دائماً متحرک کر دیا تو دوسرا خدا اس متحرک جسم کو ساکن کر سکتا ہے یا نہیں اگر اس نے متحرک جسم کو ساکن کر دیا تو پہلے خدا کی قدرت زائل ہو گئی اور وہ خدا نہیں رہا اور اگر وہ اس متحرک جسم کو ساکن نہیں کر سکتا تو یہ اس کا عجز ہے اور وہ خدا نہیں رہا۔

(۱۲) شرکت عیب ہے' ہر شخص یہ چاہتا ہے وہ جس چیز کا مالک ہو وہ بلا شرکت غیر مالک ہو' وہ اس چیز میں آزادانہ' دوسرے کے عمل دخل کے بغیر مالک ہو' اگر دو آدمی مل کر مکان خریدیں تو ان میں سے ہر ایک کی خواہش ہوتی ہے وہ اس مکان کا اکیلا مالک ہو جائے اور دوسرے کو اس کے حصہ کی قیمت دے کر اس کو الگ کر دے اور اگر وہ اس کا تنہا مالک نہیں ہوگا تو ان میں سے ہر ایک منقبض اور تنگ ہوگا اور ہر ایک دوسرے کا پابند اور تابع ہوگا اور پابند ہونا' تابع ہونا اور منقبض ہونا الوہیت کے منافی ہے پس ضروری ہوگا کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کی شرکت کو ختم کرے' اگر ان میں سے کوئی بھی دوسرے کی شرکت کو ختم نہ کر سکے تو دونوں عاجز ہوں گے اور عاجز خدا نہیں ہو سکتا اور اگر ان میں سے ایک دوسرے پر غالب آ گیا اور دوسرا مغلوب ہو گیا تو وہ خدا نہیں رہے گا کیونکہ مغلوب خدا نہیں ہو سکتا۔

اس دلیل کی طرف اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اشارہ فرمایا ہے:

وَمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۭ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ (المؤمنون: ۹۱)

اور اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود نہیں ہے' ورنہ ہر معبود اپنی مخلوق کو الگ کر لیتا اور ہر ایک دوسرے پر غالب آنے کی کوشش کرتا' اللہ کے لیے یہ لوگ جو شریک بیان کرتے ہیں اللہ ان سے پاک ہے۔

(۱۳) خدا کے لیے ضروری ہے کہ وہ واجب الوجود ہو یعنی اس کے لیے ہونا ضروری ہو اور نہ ہونا محال ہو' پس اگر دو خدا فرض کیے جائیں تو ان میں سے ہر ایک واجب الوجود ہو گا اور وجوب وجود ان میں امر مشترک ہو گا پھر ان میں کوئی امر ایسا بھی ہونا ضروری ہے جس کی وجہ سے وہ دونوں ایک دوسرے سے ممتاز ہوں' پس ان میں سے ہر ایک دو چیزوں سے مرکب ہو گا ایک امر مشترک ہو گا یعنی وجوب وجود اور ایک امر ممیز ہو گا اور جو مرکب ہو وہ حادث ہوتا ہے کیونکہ وہ اپنے اجزاء کا محتاج ہوتا ہے اور حادث اور محتاج خدا نہیں ہو سکتا۔ یہ دلیل سب سے قوی ہے۔

(۱۴) اگر دو خدا فرض کیے جائیں تو الوہیت میں وہ دونوں مشترک ہوں گے' پھر ان میں کوئی امر ممیز بھی ضرور ہو گا پس ہر دو مرکب ہوں گے اور جو دو چیزوں سے مرکب ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا۔

(۱۵) ہم دنیا میں دیکھتے ہیں کہ ہر کثرت کسی وحدت کے تابع ہوتی ہے اور جو کثرت کسی وحدت کے تابع نہ ہو اس کا نظام فاسد ہو جاتا ہے چند کانسٹیبل ہوں تو ان کے اوپر ایک ہیڈ کانسٹیبل ہو گا' چند ہیڈ کانسٹیبل ہوں تو ان کے اوپر ایک سب انسپکٹر ہو گا چند سب انسپکٹر ہوں تو ان کے اوپر ایک انسپکٹر ہو گا' چند انسپکٹر ہوں تو ان کے اوپر ایک ڈی ایس پی ہو گا' چند ڈی ایس پی ہوں تو ان کے اوپر ایک ایس پی ہو گا' چند ایس پی ہوں تو ان کے اوپر ایک ڈی آئی جی ہو گا اور چند ڈی آئی جی ہوں تو ان کے اوپر ایک آئی جی ہوتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس چند وزراء پر ایک وزیر اعلیٰ ہوتا ہے' چند وزراء اعلیٰ ہوں تو پھر صدر مملکت ایک ہوتا ہے' کسی ملک کے دو صدر نہیں ہوتے دو وزیر اعظم نہیں ہوتے تو پھر اس دنیا کے دو خدا کیسے ہو سکتے ہیں۔

(۱۶) ہم دیکھتے ہیں کہ نظام کی وحدت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اس کا ناظم واحد ہے' کسی نظام کے دو ناظم نہیں ہوتے' اس دنیا میں تکوینی اور طبعی نظام واحد ہے' سورج' چاند اور ستاروں کے طلوع اور غروب کا نظام واحد ہے' انسانوں' حیوانوں' چرندوں اور پرندوں کے پیدا ہونے اور مرنے کا نظام واحد ہے' کھیتوں اور باغوں کی روئیدگی کا نظام واحد ہے' بارش اور بادلوں کا نظام واحد ہے' غرض اس وسیع و عریض کائنات کے ہر شعبہ کا نظام واحد ہے اور ان نظاموں کی وحدت اس پر دلالت کرتی ہے کہ ان نظاموں کا ناظم بھی واحد ہے۔

عرش عظیم کا رب کہنے کی وجہ

اس کے بعد فرمایا: سو اللہ جو رب العرش ہے وہ ان چیزوں سے پاک ہے جو یہ مشرکین بیان کرتے ہیں۔

عرش کا ذکر اس لیے فرمایا کہ مشرکین بتوں کو خدا کہتے تھے' اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش عظیم کا رب ہے' آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا ہے' نور' ظلمت' لوح' قلم' اجسام' عناصر' موالید' جمادات' نباتات' حیوانات' انسانوں اور فرشتوں کا خالق ہے اس کو چھوڑ کر بے جان جامد چیزوں کی پرستش کرنا اور ان کو معبود کہنا جن کو ان کے ہاتھوں نے بنایا ہے کیسی بے عقلی کی بات ہے!

اللہ تعالیٰ کے افعال کی حکمتیں ہونا اور اغراض نہ ہونا

مجوسی یہ کہتے ہیں کہ اس جہان میں خیر ہے اور شر ہے' لذت ہے اور تکلیف ہے' حیات ہے اور موت ہے' صحت ہے اور بیماری ہے' خوشحالی ہے اور تنگ دستی ہے' اچھائی ہے اور برائی ہے' خیر اور اچھائی کا فاعل اچھا ہوتا ہے اور شر اور برائی کا فاعل برا ہوتا ہے اور یہ ہو نہیں سکتا کہ فاعل واحد خیر بھی ہو اور شر بھی ہو' پس اس جہان کے دو خالق ہیں' خیر اور اچھائی کا فاعل یزدان ہے اور شر اور برائی کا فاعل اہرمن ہے' ہم یہ کہتے ہیں کہ خیر اور شر ہر چیز کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور شر کے خلق کرنے میں کوئی برائی

نہیں ہے شر کے ساتھ متصف ہونا برا ہے۔

بعض اوقات شر کا حصول بھی ناگزیر ہوتا ہے' جسم کو کاٹنا اور چیرنا برا ہے لیکن جسم سے کسی فاسد مواد یا فاسد جز کو نکالنے کے لیے اس کو کاٹنا اور چیرنا ناگزیر ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کسی فعل کے متعلق یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ اس نے فلاں کام کیوں کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی کے سامنے جواب دہ نہیں ہے' اللہ تعالیٰ سب کا خالق اور سب کا مولیٰ ہے۔ سب اس کی مخلوق اور اس کے بندے ہیں' اسے یہ پوچھنے کا حق ہے کہ فلاں بندے نے فلاں کام کیوں کیا اور کسی بندہ کو اپنے مالک سے اور کسی مخلوق کو اپنے خالق سے یہ پوچھنے کا حق نہیں ہے کہ اس نے فلاں کام کیوں کیا۔ ہاں اللہ تعالیٰ کے افعال کی حکمتیں ہوتی ہیں' بعض افعال کی حکمتوں سے اللہ تعالیٰ خود اپنے بندوں کو مطلع فرما دیتا ہے اور بعض حکمتوں سے اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مطلع فرما دیتے ہیں' لیکن اس کے افعال کی تمام حکمتوں کا احصاء اور احاطہ کرنا ممکن نہیں ہے اور نہ ہی یہ انسان کے محدود علم اور اس کی قدرت میں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے جن بعض کاموں کی حکمتوں پر مطلع فرمایا ان کی بعض مثالیں یہ ہیں:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ○ (الذاریات: ۵۶)

اور میں نے جن اور انسان کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری (ہی) عبادت کریں۔

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ. (النساء: ۱۶۵)

ہم نے بشارت دینے والے اور عذاب سے ڈرانے والے رسول بھیجے تاکہ رسولوں کو بھیجنے کے بعد لوگوں کے لیے اللہ کے سامنے (پیش کرنے کے لیے) کوئی عذر باقی نہ رہے اور اتمام حجت ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنا نائب اور خلیفہ بنایا تو فرشتوں نے اس کی حکمت کو جاننا چاہا' اللہ تعالیٰ نے ان کو حکمت بتائی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ خلیفہ اور نائب کے لیے ضروری ہے کہ اس کا علم زیادہ ہو اور (حضرت) آدم کا علم تم سب سے زیادہ ہے' (فرشتے ان چیزوں کے نام نہ بتا سکے جن چیزوں کے نام حضرت آدم نے بتا دیئے تھے)

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بعض احکام شرعیہ کی بھی حکمتیں اور مصلحتیں بیان فرمائی ہیں' مثلاً اللہ تعالیٰ نے قصاص کی مصلحت بیان فرمائی:

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا ۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِى الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ (المائدہ: ۳۲)

اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر لکھ دیا جس نے کسی ایسے شخص کو قتل کیا جس نے نہ کسی کو قتل کیا ہو نہ زمین میں فساد کیا ہو تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کر دیا اور جس نے کسی شخص کی جان بچائی تو اس نے گویا تمام لوگوں کو زندہ کر دیا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت زید بن حارثہ کی مطلقہ سے آپ کا نکاح کر دیا تھا تاکہ آپ کی زندگی میں یہ نمونہ قائم ہو کہ منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹا نہیں ہوتا اور اگر وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو اس سے نکاح کرنا جائز ہے' سو ارشاد فرمایا:

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَىْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِىْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ؕ

پس جب زید نے اس عورت سے اپنی حاجت پوری کر لی تو ہم نے اس سے آپ کا نکاح کر دیا تاکہ مسلمانوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں (سے نکاح) کے معاملہ میں کوئی تنگی نہ رہے'

وَكَانَ أَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُولًا ۝ (الاحزاب: ۳۷) جب وہ ان سے اپنی حاجت پوری کر چکے ہوں' اور اللہ کا حکم پورا ہونے والا تھا۔

اس طرح اللہ تعالیٰ کے احکام اور افعال کی حکمتیں ہوتی ہیں مثلاً مومنوں کو ان کی عبادتوں پر اجر عطا فرمانے کی حکمت اللہ تعالیٰ کے فضل کا اظہار ہے' اور کفار کو دائمی عذاب دینے کی حکمت اللہ تعالیٰ کے عدل کا اظہار ہے اور گناہ گار مسلمانوں کے حق میں انبیاء علیہم السلام اور دیگر مقربین کی شفاعت قبول کرنے میں اپنے نیک بندوں کا اعزاز' اکرام اور ان کی وجاہت کو ظاہر کرنا ہے' دنیا میں کفار کو عیش و آرام اور نعمتوں کے ساتھ رکھنے میں ان کا استدراج ہے اور ان کو ڈھیل دینا ہے' اور چونکہ آخرت میں ان کے لیے کوئی نفع اور عیش نہیں ہے تو ان کو دنیا میں ہی نواز دیتا ہے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بالکلیہ محروم نہ ہوں' اور مسلمانوں پر دنیا میں مصائب نازل کرنے میں دنیا میں ہی ان کو ان کے گناہوں کی سزا دینا ہے اور ان کے اخروی درجات کو بلند کرنا ہے۔ غرض اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں بے شمار حکمتیں اور مصلحتیں ہیں اور ہمارا ان تمام یا بعض حکمتوں کو جاننا ضروری نہیں ہے' وہ مالک علی الاطلاق ہے وہ اپنے بندوں کے ساتھ جو معاملہ چاہے کرے کسی کو سوال کرنے یا اعتراض کرنے کا حق نہیں ہے۔ اور یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کوئی کام کسی غرض سے نہیں کرتا' کیونکہ جو شخص کوئی کام کسی غرض سے کرتا ہے اس غرض کے پوری ہونے سے اس کی تکمیل ہوتی ہے' اللہ تعالیٰ جو کام کرتا ہے بے غرض کرتا ہے اس کی کوئی غرض نہیں ہے' اور وہ کسی بات پر جواب دہ نہیں ہے اور لوگوں سے ہر چیز کے متعلق سوال کیا جائے گا۔

میمون بن عمران حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ جب اللہ عزوجل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھیجا اور ان پر تورات کو نازل کیا تو حضرت موسیٰ نے کہا: اے اللہ! بے شک تو رب عظیم ہے' اگر تو چاہے کہ تیری اطاعت کی جائے تو تیری اطاعت کی جائے گی اور تو چاہے کہ تیری نافرمانی کی جائے تو تیری نافرمانی کی جائے گی اور تو یہ پسند کرتا ہے کہ تیری اطاعت کی جائے اس کے باوجود تیری نافرمانی کی جاتی ہے! اے میرے رب یہ کیوں کر ہوتا ہے؟ تب اللہ عزوجل نے ان کی طرف یہ وحی فرمائی میں جو کچھ کرتا ہوں اس کے متعلق سوال نہیں کیا جاتا اور لوگوں سے سوال کیا جائے گا! اس کے بعد حضرت عزیر اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام نے بھی اللہ تعالیٰ سے یہی سوال کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی یہی جواب دیا۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث ۱۰۶۰۶' مجمع الزوائد ج ۷ ص ۲۰۰)

علامہ ابو عبد اللہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

ابن جریج نے کہا اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں جو قضاء اور فیصلہ کرتا ہے اس کے متعلق اس سے سوال نہیں کیا جائے گا اور مخلوق سے ان کے اعمال کے متعلق سوال کیا جائے گا' کیونکہ وہ اس کے غلام ہیں' کل حضرت مسیح اور ملائکہ سے سوال کیا جائے گا کیونکہ وہ معبود ہونے کے لائق اور قابل نہ تھے' ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کسی قول اور فعل پر گرفت نہیں ہوگی اور مخلوق کے اقوال اور افعال پر گرفت ہوگی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے کہا اے امیر المومنین! کیا ہمارا رب یہ پسند کرتا ہے کہ ہم اس کی نافرمانی کریں؟ حضرت علی نے فرمایا کیا ہمارے رب کی زبردستی نافرمانی کی جاتی ہے! اس شخص نے کہا یہ بتائیں اگر اللہ مجھے ہدایت پر عمل کرنے سے روک دے اور مجھے برے کاموں پر لگا دے تو کیا اس نے اچھا کیا یا برا کیا؟ حضرت علی نے فرمایا اگر اللہ تم کو (بالفرض) تمہارا حق نہ دے تو اس نے (معاذ اللہ) برا کیا (ہم نے بالفرض اس لیے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر کسی کا کوئی حق نہیں ہے) اور اگر وہ تم پر فضل اور احسان نہ کرے تو وہ مالک ہے جس پر ہے اپنا فضل فرمائے۔ پھر حضرت علی نے یہ آیت پڑھی:

لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَهُمْ یُسْئَلُوْنَ ○ (الانبیاء: ۲۳) اس سے ان کاموں کا سوال نہیں کیا جائے گا جو وہ کرتا ہے اور ان سب سے باز پرس کی جائے گی۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۱ ص ۱۸۹۔ ۱۸۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں جو کچھ تصرف فرماتا ہے کسی کو زندگی دیتا ہے کسی کو موت دیتا ہے' کسی کو درجنوں بچے دیتا ہے کسی کو لاولد رکھتا ہے' کسی کو مال و دولت عطا کرتا ہے کسی کو فقر و فاقہ میں مبتلا کرتا ہے' کسی کو صحت اور قوت عطا فرماتا ہے اور کسی کو بیمار اور کمزور رکھتا ہے' کسی کو عزت دیتا ہے اور کسی کو ذلت میں مبتلا رکھتا ہے' اس سے کسی بات کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا کیونکہ سب اسی کی مخلوق' مملوک اور غلام ہیں' سب اس کے زیر سلطنت اور زیر حکم ہیں' سب پر اس کی قضا نافذ ہے' اس کے اوپر کوئی ہستی نہیں ہے جو اس سے سوال کر سکے' اور آسمان اور زمین میں جو بھی مخلوق ہے وہ سب اس کے بندے ہیں اور ان سب سے ان کے اعمال کے متعلق سوال کیا جائے گا اور ان کے اعمال کا حساب لیا جائے گا کیونکہ وہ سب کا مالک اور معبود ہے۔

(جامع البیان جز ۱۷ ص ۲۰' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا انہوں نے اللہ کے سوا اور معبود قرار دے رکھے ہیں؟ آپ کہیے کہ تم اپنی دلیل لاؤ' یہ میرے عہد کے لوگوں کے لیے نصیحت ہے اور مجھ سے پہلوں کی نصیحت بھی موجود ہے' بلکہ ان میں سے اکثر حق کو نہیں جانتے اس لیے وہ منہ موڑ رہے ہیں ○ اور ہم نے آپ سے پہلے جس کو بھی رسول بنا کر بھیجا اس کی طرف یہ وحی کرتے تھے کہ بے شک میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں سو تم میری عبادت کرو ○ (الانبیاء: ۲۵۔ ۲۴)

اللہ تعالیٰ کے شریک نہ ہونے پر دلیل

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ ان مشرکوں کا' اللہ تعالیٰ کے سوا اور معبود قرار دینا بہت سنگین جرم ہے' ان کے پاس اللہ تعالیٰ کے شریک ہونے پر کوئی عقلی یا نقلی دلیل موجود نہیں ہے' پچھلے زمانوں میں جنہوں نے خدائی کا دعویٰ کیا تھا انہوں نے بھی اپنی خدائی پر یا اللہ تعالیٰ کے شریک ہونے پر کوئی دلیل قائم نہیں کی تھی' اور جن کو مشرکین اللہ تعالیٰ کے سوا اب معبود مانتے ہیں انہوں نے خدائی کا دعویٰ کیا ہے نہ اس دعویٰ کی ان کے پاس کوئی دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دعویٰ کیا کہ وہ واحد لاشریک ہے اس نے اس دعویٰ کو ثابت کرنے کے لیے انبیاء اور رسل بھیجے' کتابیں اور صحائف نازل کیے' اگر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور بھی اس جہان کا پیدا کرنے والا تھا اور اللہ عزوجل کا کوئی شریک تھا تو اس نے اللہ تعالیٰ کی توحید کے رد میں کوئی اپنا نمائندہ بھیجا؟ کوئی کتاب نازل کی؟ کوئی دلیل پیش کی؟ تو ہم بغیر ثبوت کے کیسے مان لیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا بھی اس جہان کا کوئی پیدا کرنے والا ہے اور وہ اس کا شریک ہے؟

قرآن مجید اور کتب سابقہ کے تین محامل

نیز اس آیت میں فرمایا: یہ میرے عہد کے لوگوں کے لیے نصیحت ہے اور مجھ سے پہلوں کی بھی نصیحت موجود ہے۔ آیت کے اس حصہ کے متعدد محامل ہیں:

(۱) یہ وہ کتاب ہے جو مجھ پر نازل کی گئی ہے' اور جو کتابیں مجھ سے پہلے انبیاء پر نازل کی گئی ہیں' یعنی تورات' انجیل اور زبور وہ بھی موجود ہیں' اور ان میں سے کسی کتاب میں یہ مذکور نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہو کہ میرے سوا کسی اور کو خدا قرار دے لو' بلکہ سب کتابوں میں یہی لکھا ہوا ہے کہ میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں سو تم صرف میری عبادت کرو۔

(۲) میرے پاس جو قرآن مجید ہے اس میں جس طرح اس امت کے احوال ہیں اسی طرح اس میں مجھ سے پہلی امتوں کے بھی احوال ہیں۔

(۳) آپ ان سے کہئے کہ میں تمہارے پاس جو کتاب لے کر آیا ہوں اس میں میرے دور کے موافقین اور مخالفین کے بھی احوال ہیں اور مجھ سے پہلے موافقین اور مخالفین کے بھی احوال ہیں' تم ان میں سے جس کے طریقہ کو اختیار کرنا چاہتے ہو کرلو۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید کی دلیل کو ذکر کیا پھر ان سے یہ مطالبہ کیا کہ تم جو یہ دعویٰ کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا شریک ہے تم اس دعویٰ پر کوئی دلیل پیش کرو' پھر فرمایا ان کے پاس اپنے شرک پر کوئی عقلی دلیل ہے نہ نقلی دلیل ہے بلکہ ان کا دعویٰ بے بنیاد ہے' اور ان کے عقائد محض جہالت اور اپنے آباء واجداد کی اندھی تقلید پر مبنی ہیں اسی وجہ سے یہ لوگ آپ کی دعوت سے منہ موڑ رہے ہیں' اور آپ نے ان کے سامنے جو دعوت پیش کی ہے وہ کوئی نئی دعوت نہیں ہے آپ سے پہلے ہم نے جتنے رسول بھیجے تھے سب کی طرف یہی وحی کی تھی کہ صرف میں عبادت کا مستحق ہوں سو تم صرف میری عبادت کرو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انہوں نے کہا رحمٰن نے اولاد بنالی ہے' وہ اس سے پاک ہے' وہ سب اس کے باعزت بندے ہیںO وہ کسی بات میں اس پر سبقت نہیں کرتے اور وہ اسی کے حکم پر ہی عمل کرتے ہیںO (الانبیاء: ۲۷-۲۶)

مشرکین کے اس قول کا رد کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید پر دلائل قائم فرمائے تھے اور یہ بیان فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ شریک سے پاک ہے اور ان آیتوں میں یہ بیان فرما رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے کہ اس کی اولاد ہو یا اس کا بیٹا یا بیٹیاں ہوں۔ ان کافروں نے یہ کہا تھا کہ اللہ عزوجل نے فرشتوں کو اولاد بنالیا ہے' اللہ تعالیٰ نے ان کے اس قول کو بہت سنگین قرار دیتے ہوئے اور ان کے اس الزام سے اظہار برأت کرتے ہوئے فرمایا وہ اس سے پاک ہے وہ سب اس کے باعزت بندے ہیں۔

قتادہ نے کہا کہ یہود کہتے تھے جنات اللہ تعالیٰ کی سسرال ہیں کیونکہ فرشتے بھی ان ہی میں سے ہیں' اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا:

وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ۭ وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ O سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ O (الصّٰفّٰت: ۱۵۹-۱۵۸)

اور ان مشرکوں نے اللہ اور جنات کے درمیان نسب کا رشتہ قرار دیا حالانکہ ان جنات کو خوب علم ہے کہ وہ اللہ کے سامنے پیش کئے جائیں گےO اللہ ان کے بیان کردہ اوصاف سے پاک اور منزہ ہے۔

مشرکین کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے جنات سے رشتۂ ازدواج قائم کیا جس سے بیٹیاں پیدا ہوئیں اور وہ بیٹیاں یہی فرشتے ہیں' اگر ان کا یہ قول صحیح ہوتا تو اللہ تعالیٰ جنات کو عذاب میں کیوں دیتا' کیا وہ اپنی قرابت داری کا لحاظ نہ کرتا! حالانکہ خود جنات کو بھی علم ہے کہ ان کو اللہ کا عذاب بھگتنے کے لیے دوزخ میں جانا ہوگا' اللہ تعالیٰ ان کے اس افتراء سے پاک ہے۔ اور زیر تفسیر آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے ان کے اس قول کا رد فرمایا ہے۔

اولاد والد کے مشابہ ہوتی ہے' اللہ تعالیٰ واجب اور قدیم ہے اگر فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہوتے تو وہ بھی واجب اور قدیم ہوتے جب کہ وہ ممکن اور حادث ہیں' اس سے معلوم ہوا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں نہیں ہیں' نیز اولاد غلام نہیں ہوتی' فرشتے اللہ تعالیٰ کے بندے اور غلام ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی اولاد کس طرح ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو جو حکم دیتا ہے وہ اس کے سامنے چون

وجہ انہیں کرتے' اس کے حکم کو ماننے میں پس وپیش نہیں کرتے وہ اس کی کامل اتباع کرتے ہیں وہ اس کی اولاد کیونکر ہو سکتے ہیں کیونکہ کوئی شخص اپنی اولاد کو اپنا غلام نہیں بناتا!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے اور وہ اسی کی شفاعت کریں گے جس کی شفاعت سے وہ راضی ہو اور وہ اس کی ہیبت سے لرزہ براندام ہیں○ اور ان میں سے جس نے یہ کہا کہ میں اللہ کے سوا عبادت کا مستحق ہوں تو اس کو ہم دوزخ کی سزا دیں گے اور ہم ظالموں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں○ (الانبیاء: ۲۹-۲۸)

وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہیں' حضرت ابن عباس نے اس کی تفسیر میں فرمایا وہ ان کے پہلے کیے ہوئے اعمال کو بھی جانتا ہے اور ان کے بعد کے کئے ہوئے اعمال کو بھی جانتا ہے' اور ایک قول یہ ہے کہ وہ ان کی دنیا کے احوال کو بھی جانتا ہے اور ان کی آخرت کے احوال کو بھی جانتا ہے' مقاتل نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ وہ جانتا ہے کہ ان کی تخلیق سے پہلے کیا تھا اور ان کی تخلیق کے بعد کیا ہوگا اور حقیقت میں اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کو محیط ہے اور وہ اس کے ملک اور اس کی سلطنت میں اس کے محکوم ہیں' اور جب ان کی یہ کیفیت ہے تو وہ لوگوں کی عبادت کے کس طرح مستحق ہوں گے وہ تو خود اللہ تعالیٰ کے احکام کے آگے ہاتھ باندھے غلام ہیں' اور جب وہ اس کے سامنے لب کشائی نہیں کر سکتے تو وہ اس کی اجازت کے بغیر اس سے کسی کی شفاعت کیونکر کر سکتے ہیں! اس معنی کی وضاحت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور وہ اسی کی شفاعت کریں گے جس کی شفاعت سے وہ راضی ہو اور وہ اس کی ہیبت سے لرزہ براندام ہیں۔ فرشتے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں' اس کی نظیر یہ آیت ہے:

يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلَائِكَةُ صَفًّا لَا يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا○ (النباء: ۳۸)	جس دن جبریل اور فرشتے صف باندھے کھڑے ہوں گے اور جس دن وہی شفاعت کریں گے جن کو رحمٰن اجازت دے گا اور وہ درست بات کہیں گے۔

پھر فرمایا: اور ان میں سے جس نے یہ کہا کہ میں اللہ کے سوا عبادت کا مستحق ہوں تو اس کو ہم دوزخ کی سزا دیں گے۔

امام محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابن جریج نے اس کی تفسیر میں کہا کہ فرشتوں میں سے جس نے یہ کہا' اور ابلیس کے سوا کسی نے یہ نہیں کہا تھا اس نے لوگوں کو اپنی عبادت اور اطاعت کی دعوت دی تھی سو یہ آیت ابلیس کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

قتادہ نے کہا خصوصیت کے ساتھ یہ آیت اللہ کے دشمن ابلیس کے متعلق نازل ہوئی ہے جب اس لعین نے وہ کہا جو اس نے کہا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اس کو مردود قرار دے دیا تھا۔ (جامع البیان جز ۱۷ص ۲۴' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

فرشتوں کا مکلف ہونا

علامہ ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

اس آیت سے ابلیس مراد ہے' کیونکہ اس نے اللہ کا شریک ہونے کا دعویٰ کیا اور لوگوں کو اپنی عبادت کرنے کی دعوت دی' اور وہ فرشتوں میں سے تھا (حقیقت میں وہ جنات میں سے تھا لیکن چونکہ وہ فرشتوں کے ساتھ رہتا تھا اس لیے حکماً ان ہی میں سے تھا) اور فرشتوں میں سے کسی نے یہ نہیں کہا تھا کہ وہ اللہ کے سوا معبود ہے' اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ فرشتے معصوم ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں' اور فرشتے مجبوراً اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کرتے جیسا کہ بعض جاہلوں کا گمان ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۱۱ص ۱۹۱' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

یہ آیت تین چیزوں پر دلالت کرتی ہے: (۱) یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ فرشتے مکلف ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ کسی بات میں اس پر سبقت نہیں کرتے اور وہ اس کے حکم پر ہی عمل کرتے ہیں (الانبیاء: ۲۷) اور فرمایا وہ اس کے خوف سے لرزہ براندام ہیں (الانبیاء: ۲۸) اس میں ان کو وعید سنائی ہے' (۲) یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ فرشتے معصوم ہیں' کیونکہ فرمایا وہ اس کے حکم پر ہی عمل کرتے ہیں (۳) اس آیت میں وعید کا عموم ہے کیونکہ فرمایا ہم اسی طرح ظالموں کو سزا دیتے ہیں لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ گناہ گار مسلمانوں کو اپنے فضل سے معاف فرمادے گا' اس لیے اس آیت میں ظالم سے مراد کافر ہیں۔

(تفسیر کبیر ج ۸ ص ۱۳۶' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام فرشتوں اور نبیوں پر فضیلت

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا بے شک اللہ عزوجل نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام آسمان والوں پر بھی فضیلت دی ہے اور تمام انبیاء پر بھی فضیلت دی ہے' لوگوں نے کہا اے ابن عباس! ہمارے نبی کی آسمان والوں پر کیا فضیلت ہے! حضرت ابن عباس نے کہا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان والوں سے فرمایا:

مَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّىْٓ اِلٰـهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِى الظّٰلِمِيْنَ (الانبیاء: ۲۹)

ان میں سے جس نے یہ کہا کہ میں اللہ کے سوا عبادت کا مستحق ہوں' تو اس کو ہم دوزخ کی سزا دیں گے اور ہم ظالموں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۙ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ (الفتح: ۲-۱)

(اے نبی مکرم!) بے شک ہم نے آپ کو روشن فتح عطا فرمائی تاکہ اللہ آپ کے تمام اگلے اور پچھلے بہ ظاہر خلاف اولیٰ کام معاف فرمادے۔

لوگوں نے کہا اے ابن عباس! ہمارے نبی کی دیگر انبیاء پر کیا فضیلت ہے؟ حضرت ابن عباس نے کہا اللہ فرماتا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ (ابراہیم: ۴)

ہم نے ہر رسول کو اس کی قوم کی زبان میں بھیجا۔

اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَاۗفَّةً لِّلنَّاسِ (سبا: ۲۸)

ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے ہی رسول بنایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام جن اور انس کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔

(دلائل النبوۃ ج ۵ ص ۴۸۷-۴۸۶' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۰ھ)

مرتکب کبیرہ کے لیے شفاعت کا جواز

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے: اور وہ (فرشتے) اس کی شفاعت کریں گے جس کی شفاعت سے وہ راضی ہوگا۔ (الانبیاء: ۲۸)

معتزلہ نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لیے شفاعت نہیں ہوگی کیونکہ اہل کبائر کے

متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ ھ ان کے رد میں فرماتے ہیں:
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ضحاک نے لمن ارتضی (جس سے اللہ راضی ہو) کی تفسیر میں کہا ہے یعنی جس نے لا الہ الا اللہ کہا ہو۔
یہ آیت اہل کبائر کے لیے شفاعت کو ثابت کرنے کے لیے ہماری انتہائی قوی دلیل ہے' اور اس کی تقریر اس طرح ہے کہ جس شخص نے لا الہ الا اللہ کہا اس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو گیا اور جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو گیا وہ اس آیت کے عموم میں داخل ہو گیا اور اس کے لیے فرشتوں کی شفاعت جائز ہو گئی' اسی طرح اس کے لیے نبیوں اور دیگر مقربین کی شفاعت بھی جائز ہو گئی۔
(تفسیر کبیر ج ۸ ص ۱۳۶۔ ۱۳۵' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ ھ)
علامہ ابو عبد اللہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:
حضرت ابن عباس نے فرمایا یہ وہ مسلمان ہیں جنہوں نے لا الہ الا اللہ کی شہادت دی ہو' مجاہد نے کہا اس سے مراد ہر وہ مسلمان ہے جس سے اللہ راضی ہو اور فرشتے کل آخرت میں بھی شفاعت کریں گے اور دنیا میں بھی' کیونکہ وہ مومنین کے لیے استغفار کرتے ہیں' اور زمین والوں کے لیے بھی' جیسا کہ قرآن مجید میں اس کی تصریح ہے۔
(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۱ ص ۱۹۱۔ ۱۹۰' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ ھ)
علامہ آلوسی نے بھی اس آیت سے اہل کبائر کے لیے شفاعت کے جواز پر استدلال کیا ہے اور حضرت ابن عباس کی روایت سے ثابت کیا ہے کہ لا الہ الا اللہ کہنے والوں سے اللہ تعالیٰ راضی ہے' علامہ ابو الحیان اندلسی نے بھی حضرت ابن عباس کی روایت سے استدلال کیا ہے۔ (روح المعانی جز ۱۷ ص ۴۹' دار الفکر' ۱۴۱۷ ھ' البحر المحیط ج ۷ ص ۴۲۳' دار الفکر' ۱۴۱۲ ھ)

مسئلہ شفاعت میں سید مودودی کی تفسیر پر تبصرہ

سید ابو الاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:
خواہ فرشتے ہوں یا انبیاء و صالحین ہر ایک کا اختیار شفاعت لازماً اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو کسی کے حق میں شفاعت کی اجازت دے بطور خود ہر کس و ناکس کی شفاعت کر دینے کا کوئی بھی مجاز نہیں ہے۔
(تفہیم القرآن ج ۳ ص ۱۵۶' مطبوعہ لاہور' ۱۹۸۳ء)
سید ابو الاعلیٰ نے یہ صحیح نہیں لکھا' ہر فرد کی شفاعت کرنے کے لیے خصوصی اجازت لینی ضروری نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شفاعت کرنے کے جواز کا عام قاعدہ بیان فرما دیا ہے' کہ کفار اور مشرکین کے لیے شفاعت نہیں کی جائے گی اور گناہ گار مسلمانوں کے لیے شفاعت کرنے کی عام اجازت دی ہے بلکہ ان کی شفاعت کرنے کا حکم دیا ہے' شفاعت تو مغفرت کے حصول کی دعا ہے اور استغفار ہے اور کسی کے لیے استغفار کرنے کے لیے اس کے لیے خصوصی اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ گناہ گار مسلمانوں کے لیے استغفار کرنا' اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنا ہے۔ اظہار بندگی ہے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے۔
قرآن مجید میں متعدد جگہ جو اس پر زور دیا ہے کہ اللہ کی اجازت اور اس کے اذن کے بغیر کوئی کسی کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور شفاعت نہیں کر سکتا اس میں کفار اور مشرکین کا رد ہے جو اپنے بتوں کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں ان کی شفاعت کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے حضور اس کے اذن کے بغیر کوئی شفاعت نہیں کر سکتا' اور اللہ تعالیٰ نے بتوں کو شفاعت کرنے کی اجازت نہیں دی اس کو انبیاء اور اولیاء پر چسپاں کرنا جیسا کہ سید ابو الاعلیٰ مودودی نے کیا ہے نہ صرف غلط ہے بلکہ انبیاء علیہم السلام کی سخت بے ادبی ہے' خوارج کفار کے متعلق نازل ہونے والی آیات کو مسلمانوں پر

چسپاں کرتے تھے۔ حضرت ابن عمر ان کو بدترین مخلوق کہتے تھے اور فرماتے تھے کہ جو آیات کفار کے متعلق نازل ہوئی ہیں انہوں نے ان کو مومنوں پر چسپاں کر دیا۔ (صحیح البخاری کتاب استتابۃ المرتدین باب قتل الخوارج والملحدین: ۶)

سید مودودی نے کفار کی آیات کو انبیاء اور اولیاء پر چسپاں کر دیا۔

کفار اور مشرکین کے لیے استغفار اور شفاعت کا عدم جواز اور مسلمانوں کے لیے شفاعت کا جواز

ہم نے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار اور مشرکین کے لیے استغفار اور شفاعت کرنے سے منع فرمایا ہے اس کی دلیل یہ آیت ہے:

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ (التوبہ: ۱۱۳) نبی اور مومنین کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ مشرکین کے لیے استغفار اور شفاعت کریں۔

اور مسلمانوں کے لیے استغفار کرنے کے حکم کی دلیل یہ آیت ہے:

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ (محمد: ۱۹) اور آپ اپنے بظاہر خلاف اولیٰ کاموں کے لیے استغفار کریں اور ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کے گناہوں کے لیے مغفرت طلب کریں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بغیر شفاعت کا اذن طلب کیے ہوئے اپنے والدین اور عام مومنوں کے لیے استغفار کیا اور شفاعت کی۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ۝ (ابراہیم: ۴۱) اے ہمارے رب! میری مغفرت کر اور میرے والدین کی اور مومنوں کی جس دن حساب قائم ہو۔

نیز بغیر طلب اذن کے اہل کبائر کے لیے شفاعت کی:

فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (ابراہیم: ۳۶) سو جس نے میری پیروی کی وہ میرا ہے اور جس نے میری نافرمانی کی تو بیشک تو بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے گناہ گار مسلمانوں کے لیے بغیر طلب اذن کے شفاعت کی:

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ (المائدہ: ۱۱۸) اگر تو ان کو سزا دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو معاف فرما دے تو تو زبردست ہے، بہت حکمت والا ہے۔

فرشتے بغیر طلب اذن کے اللہ سے مومنین کے لیے شفاعت کرتے ہیں:

اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝ (المومن: ۷) حاملین عرش اور جو اس کے نزدیک (فرشتے) ہیں اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے ہیں اور اس پر ایمان لاتے ہیں اور مومنوں کے لیے استغفار کرتے ہیں اور یہ دعا کرتے ہیں اے ہمارے رب! تیری رحمت اور تیرا علم ہر چیز کو شامل اور محیط ہے، جن لوگوں نے توبہ کی ہے اور تیرے راستہ کی اتباع کی ہے ان کو معاف فرما اور ان کو دوزخ کے عذاب سے بچا لے۔

وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ (الشوریٰ: ۵)
اور فرشتے اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور زمین والوں کے لیے استغفار کرتے ہیں۔

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فرشتے تمہارے لیے اس وقت تک استغفار کرتے رہتے ہیں جب تک کہ تم اپنی نماز کی جگہ بیٹھے رہو جب تک تم بے وضو نہ ہو فرشتے دعا کرتے ہیں: اے اللہ! اس کو معاف فرما' اے اللہ! اس پر رحم فرما۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۹' ۶۴۷' مسند احمد رقم الحدیث: ۹۳۶۳)

اسی طرح قرآن مجید میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مسلمانوں کے لیے استغفار کرنے کا ذکر ہے اور یہ ذکر نہیں ہے کہ آپ نے اس سے پہلے گناہ گار مسلمانوں کے لیے شفاعت کرنے کی خصوصیت سے اجازت طلب کی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ○ (النساء: ۶۴)
اور جب یہ اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے تو یہ آپ کے پاس آ جاتے پھر اللہ سے مغفرت طلب کرتے اور رسول بھی ان کے لیے استغفار کرتے تو یہ ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا بے حد رحم فرمانے والا پاتے۔

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں عاصیوں اور گناہ گاروں کو یہ ہدایت دی ہے کہ جب ان سے خطا اور گناہ ہو جائے تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور آپ کے پاس آ کر استغفار کریں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ درخواست کریں کہ آپ بھی ان کے لیے اللہ سے درخواست کریں اور جب وہ ایسا کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وہ ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا اور بہت مہربان پائیں گے' مفسرین کی ایک جماعت نے ذکر کیا ہے ان میں شیخ ابو منصور الصباغ بھی ہیں' انہوں نے اپنی کتاب الشامل میں عتبی کی یہ مشہور حکایت لکھی ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر بیٹھا ہوا تھا کہ ایک اعرابی نے آ کر کہا السلام علیک یا رسول اللہ' میں نے اللہ عزوجل کا یہ ارشاد سنا ہے: ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاء وک - الایہ اور میں آپ کے پاس آ گیا ہوں اور اپنے گناہ پر اللہ سے استغفار کرتا ہوں اور اپنے رب کی بارگاہ میں آپ سے شفاعت طلب کرنے والا ہوں' پھر اس نے دو شعر پڑھے:

جو زمین کے مدفونین میں سب سے بہتر ہیں — جن کی خوشبو سے زمین اور ٹیلے خوشبودار ہو گئے
میری جان اس قبر پر فدا ہو جس میں آپ ساکن ہیں — اس میں عفو ہے اس میں سخاوت ہے اور لطف و کرم ہے

پھر وہ اعرابی چلا گیا عتبی بیان کرتے ہیں کہ مجھ پر نیند غالب آ گئی' میں نے خواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی اور آپ نے فرمایا: اے عتبی! اس اعرابی کے پاس جا کر اس کو خوشخبری دو کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت کر دی ہے۔
(تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۲۹-۳۲۸' الجامع لاحکام القرآن ج ۵ ص ۲۶۵' البحر المحیط ج ۳ ص ۶۹۴' مدارک التنزیل علی ہامش الخازن ج ۱ ص ۳۹۹)

مفتی محمد شفیع متوفی ۱۳۹۶ھ لکھتے ہیں:

یہ آیت اگرچہ خاص واقعہ منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہے' لیکن اس کے الفاظ سے ایک عام ضابطہ نکل آیا کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو جائے اور آپ اس کے لیے دعائے مغفرت کر دیں اس کی مغفرت ضرور ہو جائے گی' اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری جیسے آپ کی دنیاوی حیات کے زمانہ میں ہو سکتی تھی اسی طرح آج بھی روضہء اقدس پر حاضری اسی حکم میں ہے۔ (اس کے بعد مفتی صاحب نے بھی عتبی کی مذکور الصدر حکایت بیان کی)

ہے)۔(معارف القرآن ج ۴ ص ۴۶۰۔۴۵۹ مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی)

اس آیت کی تفسیر میں کسی مفسر نے بھی یہ نہیں لکھا کہ جب گناہ گار مسلمان آپ سے شفاعت کی درخواست کریں تو آپ ان کے لیے مغفرت کی دعا کرنے اور ان کی شفاعت کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ سے اس کی اجازت طلب کریں۔

قرآن مجید میں یہ بھی ذکر ہے کہ مسلمانوں نے اپنے فوت شدہ مسلمان بھائیوں کے لیے مغفرت کی دعا اور ان کی شفاعت کی' اور یہ ذکر نہیں ہے کہ انہوں نے اس سے پہلے اللہ سے اس شفاعت کی خصوصی اجازت طلب کی' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ (الحشر: ۱۰)

اور جو مسلمان ان کے بعد (ہجرت کر کے) آئے وہ کہتے تھے کہ اے ہمارے رب ہماری مغفرت فرما اور ہمارے ان بھائیوں کی بھی مغفرت فرما جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (البقرہ: ۲۵۵)

کون ہے جو اس کے اذن کے بغیر اس کی بارگاہ میں شفاعت کرے؟

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

جب اللہ اپنے مملوکوں کو سزا دینے کا ارادہ کرے تو کون ہے جو ان کو اللہ کی اجازت کے بغیر اس سے چھڑا سکے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ اس لیے فرمایا ہے کہ مشرکین نے یہ کہا تھا کہ ہم بتوں کی اس لیے عبادت کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تمام آسمان اور زمین میری ملکیت ہیں اس لیے میرے سوا کسی اور کی عبادت نہیں کرنی چاہیے۔ اس لیے تم بتوں کی عبادت نہ کرو' جن کے متعلق تمہارا یہ زعم ہے کہ وہ تم کو میرے قریب کر دیں گے' کیونکہ وہ تم سے کسی عذاب کو دور نہیں کر سکتے' شفاعت تو رسولوں' میرے اولیاء اور میرے اطاعت گزاروں کے لیے ہے۔

(جامع البیان ج ۳ ص ۱۳' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے بھی لکھا ہے اس آیت سے مشرکین کو مایوس کرنا ہے جو بتوں کے متعلق شفاعت کا عقیدہ رکھتے تھے۔ (روح المعانی جز ۳ ص ۱۴' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابوالحیان محمد بن یوسف اندلسی متوفی ۷۵۴ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں اذن سے مراد اللہ تعالیٰ کا حکم ہے جیسا کہ حدیث میں ہے آپ شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی یا علم ہے (یعنی اللہ تعالیٰ کے علم کے بغیر کون شفاعت کر سکتا ہے) یا مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قدرت دینے کے بغیر کون شفاعت کر سکتا ہے خواہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر شفاعت کرے۔ (البحر المحیط ج ۲ ص ۶۱۰' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ)

قرآن مجید کی آیات' احادیث اور مفسرین کی عبارات سے واضح ہو گیا کہ گناہ گار مسلمانوں کے لیے انبیاء اور مقربین کی شفاعت کے لیے اذن لینا لازمی شرط نہیں ہے اور سید ابوالاعلیٰ مودودی کا اذن کو شفاعت کے لیے لازمی شرط قرار دینا صحیح نہیں۔ البتہ بعض احادیث میں شفاعت کے لیے اذن حاصل کرنے کا بھی ذکر ہے لیکن اذن کے بغیر بھی شفاعت کی گئی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی شفاعت کرنے کا حکم دیا ہے اس لیے یہ شفاعت کرنے کی لازمی شرط نہیں ہے۔

أَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا

کیا کافروں نے یہ نہیں دیکھا کہ (بارش نازل ہونے سے) آسمان اور (سبزہ اگانے سے) زمین بند تھے تو ہم

فَفَتَقْنٰهُمَا ۖ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۖ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ ﴿٣٠﴾

نے دونوں کو کھول دیا اور ہم نے پانی سے ہر جاندار چیز بنائی تو کیا وہ ایمان نہیں لاتے ○

وَجَعَلْنَا فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِهِمْ ۠ وَجَعَلْنَا فِيهَا

اور ہم نے زمین میں اونچے پہاڑ بنا دیے تاکہ لوگوں کے بوجھ سے زمین ایک طرف ڈھلک نہ جائے اور ہم

فِجَاجًا سُبُلًا لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ﴿٣١﴾ وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَحْفُوظًا ۚ

نے اس زمین میں کشادہ راستے بنائے تاکہ لوگ ہدایت حاصل کریں ○ اور ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنا دیا،

وَهُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُونَ ﴿٣٢﴾ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ

اور وہ اس (آسمان) کی نشانیوں سے اعراض کرنے والے ہیں ○ اور وہی ہے جس نے رات اور دن کو

وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ﴿٣٣﴾ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِنْ

اور سورج اور چاند کو پیدا کیا ہر ایک اپنے مدار میں تیر رہا ہے ○ اور ہم نے آپ سے پہلے کسی بشر کے لیے (دنیا

قَبْلِكَ الْخُلْدَ ۖ أَفَإِنْ مِتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُونَ ﴿٣٤﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۗ

میں) دوام کو مقدر نہیں کیا، سو اگر آپ کی وفات ہو جائے تو کیا یہ لوگ (یہاں) ہمیشہ رہنے والے ہیں؟ ○ ہر نفس موت کو چکھنے والا ہے،

وَنَبْلُوكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ۖ وَإِلَيْنَا تُرْجَعُونَ ﴿٣٥﴾ وَإِذَا رَاٰكَ الَّذِينَ

اور ہم تم کو بری اور اچھی حالت میں مبتلا کر کے آزماتے ہیں، اور تم سب لوگ ہماری ہی طرف لوٹائے جاؤ گے ○ اور یہ کفار جب بھی

كَفَرُوا إِنْ يَتَّخِذُونَكَ إِلَّا هُزُوًا ۖ أَهٰذَا الَّذِي يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ ۚ وَهُمْ

آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ کا مذاق اڑاتے ہیں (کہتے ہیں) کیا یہ ہے وہ شخص جو تمہارے خداؤں کا برائی سے ذکر کرتا ہے! حالانکہ وہ خود

بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُونَ ﴿٣٦﴾ خُلِقَ الْإِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ۚ سَأُورِيكُمْ

رحمٰن کے ذکر کا انکار کرتے ہیں ○ انسان جلد باز پیدا کیا گیا ہے، عنقریب میں تم لوگوں کو

اٰیٰتِیْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿۳۷﴾ وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ

اپنی نشانیاں دکھاؤں گا سو تم مجھ سے جلد بازی نہ کرو ○ وہ کہتے ہیں کہ یہ قیامت کا وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم

صٰدِقِیْنَ ﴿۳۸﴾ لَوْ یَعْلَمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا حِیْنَ لَا یَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ

سچے ہو؟ ○ کاش ان کافروں کو اس وقت کا علم ہوتا جب یہ اپنے چہروں سے اور اپنی پیٹھوں سے

النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ وَلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ﴿۳۹﴾ بَلْ تَاْتِیْهِمْ

آگ کو دور نہ کر سکیں گے اور نہ ان کی مدد کی جائے گی ○ بلکہ وہ (قیامت) ان کے پاس اچانک

بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ ﴿۴۰﴾

ہی آجائے گی اور وہ اس کو مسترد کرنے کی طاقت نہیں رکھیں گے اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی ○

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِیْنَ سَخِرُوْا

اور بے شک آپ سے پہلے رسولوں کا (بھی) مذاق اڑایا گیا تھا سو مذاق اڑانے والوں کو اس عذاب نے

مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۴۱﴾ ع

گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے ○

ع ۳ / ۲ / ۴

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا کافروں نے یہ نہیں دیکھا کہ (بارش نازل ہونے سے) آسمان اور (سبزہ اگانے سے) زمین بند تھے تو ہم نے دونوں کو کھول دیا' اور ہم نے پانی سے ہر جاندار چیز بنائی تو کیا وہ ایمان نہیں لاتے!○ اور ہم نے زمین میں اونچے اونچے پہاڑ بنا دیئے تا کہ لوگوں کے بوجھ سے زمین ایک طرف ڈھلک نہ جائے' اور ہم نے اس زمین میں کشادہ راستے بنائے تا کہ لوگ ہدایت حاصل کریں○ اور ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنا دیا اور وہ اس (آسمان) کی نشانیوں سے اعراض کرنے والے ہیں○ اور وہی ہے جس نے رات اور دن اور سورج اور چاند کو پیدا کیا ہر ایک اپنے مدار میں تیر رہا ہے○

(الانبیاء: ۳۳-۳۰)

زمین اور آسمان کے فتق اور رتق کا معنی

اولم یر الذین کفروا: اس سے مراد حاسہ بصر سے دیکھنا نہیں ہے' بلکہ اس سے مراد علم اور جاننا ہے' یعنی کیا کافروں نے یہ نہیں جانا۔

رتقا: دو چیزوں کا ملا ہوا ہونا' خواہ وہ قدرتی اور پیدائشی طور پر ملی ہوئی ہوں' یا صنعت اور کاری گری سے دو چیزوں کو ملا دیا ہو یا دو چیزیں چپک کر ایک ہو گئی ہوں' اور اس کا معنی بند ہونا بھی ہے۔

ففتقنھما: الفتق کا معنی ہے دو متصل چیزوں کو الگ الگ کرنا' یہ رتق کی ضد ہے' دو جڑی ہوئی چیزوں کو الگ الگ کر کے

ایک دوسرے سے متمیز کر دینا۔

آسمان اور زمین کے رتق اور فتق کی مفسرین نے حسب ذیل تفسیریں کی ہیں:

(۱) عبداللہ بن دینار نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے آسمان بند تھے۔ ان سے بارش نہیں ہوتی تھی اور زمین بند تھی اس سے سبزہ نہیں اگتا تھا' پھر آسمان کو بارش سے کھول دیا گیا اور زمین کو سبزہ اگانے کے ذریعہ کھول دیا گیا' عطا' عکرمہ اور مجاہد اور ضحاک سے بھی یہی مروی ہے۔

(۲) العوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آسمان اور زمین پہلے ملے ہوئے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو کھول کر الگ الگ اور متمیز کر دیا' حسن' سعید بن جبیر اور قتادہ سے بھی یہی روایت ہے۔

(۳) ابونجیح نے مجاہد سے روایت کیا ہے' اللہ تعالیٰ نے زمین سے چھ زمینیں اور نکالیں تو وہ سات زمینیں ہو گئیں اور آسمان سے چھ آسمان اور نکالے تو وہ سات آسمان ہو گئے۔ (زاد المسیر ج ۵ ص ۳۴۸' مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت' ۱۴۰۵ھ)

اس اشکال کا جواب کہ بعض چیزوں کو پانی سے نہیں بنایا گیا

نیز اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور ہم نے پانی سے ہر جاندار چیز بنائی۔

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مختلف اشیاء کو مختلف چیزوں سے پیدا کرنے کے متعلق فرمایا ہے مثلاً ارشاد ہے:

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ (النور: ۴۵)
تمام چلنے پھرنے والوں کو اللہ نے پانی سے پیدا کیا ہے۔

وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ○ (الحجر: ۲۷)
اور اس سے پہلے ہم نے جنات کو بغیر دھوئیں کی آگ سے پیدا کیا۔

اور حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق فرمایا:

خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ (آل عمران: ۵۹)
ہم نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا۔

اور حضرت حواء کے متعلق فرمایا:

هُوَ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا (الاعراف: ۱۸۹)
وہی ہے جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کی بیوی کو پیدا کیا۔

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا: ہم نے ان کو پھونک سے پیدا کیا:

وَالَّتِىْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ○ (الانبیاء: ۹۱)
اور جس (مریم) نے اپنی عفت کی حفاظت کی تو ہم نے اس میں اپنی روح پھونکی اور ہم نے اسے اور اس کے بیٹے کو تمام جہانوں کے لیے (اپنی قدرت کی) نشانی بنا دیا۔

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود بھی اللہ عزوجل کے اذن سے پھونک مار کر پرندے پیدا کر دیتے تھے:

وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِىْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًاۢ بِاِذْنِىْ (المائدۃ: ۱۱۰)
اور جب تم میرے اذن سے مٹی سے پرندے کی طرح صورت بناتے تھے' پھر تم اس میں پھونک مارتے تو وہ میرے حکم سے پرندہ ہو جاتی تھی۔

اور احادیث میں ہے کہ فرشتوں کو نور سے پیدا کیا گیا ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ فرشتوں کو نور سے پیدا کیا گیا ہے اور جنات کو بغیر دھوئیں کی آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور حضرت آدم کو اس چیز سے پیدا کیا گیا ہے جو تم کو بتائی گئی ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۹۶)

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو مٹی سے پیدا کیا' حضرت حواء کو خود حضرت آدم سے پیدا کیا' حضرت عیسیٰ کو پھونک سے پیدا کیا' اور حضرت عیسیٰ نے بھی بعض پرندوں کو اپنی پھونک سے پیدا کیا' فرشتوں کو نور سے پیدا کیا اور جنات کو بغیر دھوئیں کی آگ سے پیدا کیا' تو پھر علی العموم یہ کہنا کس طرح درست ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کو پانی سے بنایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ سوال میں جو صورتیں ذکر کی گئی ہیں وہ اس قاعدہ کلیہ سے مستثنیٰ ہیں اور اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے' ہر قاعدہ سے کچھ افراد مستثنیٰ ہوتے ہیں۔

ہر حیوان کو اللہ تعالیٰ نے نطفہ سے پیدا کیا ہے اور وہ پانی ہے اور درختوں' سبزہ زاروں اور نباتات میں بھی ایک نوع کی حیات ہوتی ہے اور اس کو بھی اللہ تعالیٰ نے پانی سے پیدا کیا ہے فرمایا:

فَانْظُرْ اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا (الروم: ۵۰)

پس آپ اللہ کی رحمت کے آثار دیکھیں کہ وہ کس طرح زمین کے مردہ ہونے کے بعد اس کو زندہ کر دیتا ہے۔

غرض حیوانات اور نباتات اور ہر زندہ چیز کو پانی سے پیدا کیا گیا ہے۔

پانی سے ہر چیز کی حیات کے متعلق سائنس کا نظریہ

زندگی اور قوت میں ایک باریک فرق ہوتا ہے زندگی ایک طرح سے عضویاتی ڈھانچہ ہوتا ہے جبکہ قوت حیات کو اس ڈھانچے کا مقرر کردہ کام سرانجام دینا ہوتا ہے۔ یہ نظریہ جو کسی حد تک مشکل سے سمجھ میں آتا ہے ایک مثال کے ذریعے باآسانی سمجھا جا سکتا ہے۔

زمین میں کچھ وائرس اور کچھ بیکٹیریا اپنے اردگرد کے حالات کی وجہ سے اپنی کارگزاری ظاہر نہیں کر سکتے یعنی وہ نہ ہی حرکت کر سکتے ہیں اور نہ ہی مزید تخلیق کر سکتے ہیں۔ جیسے ایک طرح سے جامد زندگی۔ مخصوص حالات میں یہ اپنی حرکت کی صلاحیت حاصل کر لیتے ہیں اور تخلیقی عمل بھی شروع کر دیتے ہیں۔ یہاں یہ سمجھ لینا چاہئے کہ زندگی عبارت ہے وائرس اور بیکٹیریا کی ساکت اور متحرک حالت سے جبکہ قوت حیات (VITALITY) کا مطلب صرف ان کی محرک حالت ہی ہے۔

آیت کریمہ میں جو لفظ استعمال ہوا ہے وہ زندہ ہونا جو قوت حیات (VITALITY) کے مترادف ہے۔ جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ قرآنی آیات میں لفظ انتہائی اہم رازوں کے حامل ہوتے ہیں۔

آیئے اب دوبارہ آیت کریمہ کی طرف لوٹیں۔ اس کے اصل معنی اس طرح ہیں ''ہم نے تمام زندہ چیزوں کو پانی سے پیدا کیا ہے'' آیئے اب اس آیت میں اہم نکات کی نشاندہی کریں۔

(الف) پندرہ صدیاں قبل زندگی کا تصور جانوروں تک محدود تھا۔ بعض حلقوں میں نباتات پودوں کو بھی اس زمرے میں شامل سمجھا جاتا تھا جبکہ دوسری طرف یہ آیت انتہائی صراحت سے جانوروں اور نباتات سے ماورا نظریہ پیش کرتی ہے۔ ''تمام چیزوں'' کی تعریف میں ''چیز'' کے نظریہ سے قوت حیات (VITALITY) بہت سی نوع کی چیزوں کا احاطہ کرتی ہے۔ قرآن کے اس ایک بیان سے قوت حیات کے نظریہ کو اتنی وسعت مل جاتی ہے کہ یہ وائرس اور (DNA) مالیکیول وغیرہ کا مکمل احاطہ کر لیتی ہے اس طرح ایک سائنسی حقیقت کو چودہ صدیاں قبل ہی انسانیت کو بطور پیشگی بتا دیا گیا۔

(ب) قوت حیات پانی ہی سے نکلتی ہے اور پانی ہی سے توانائی حاصل کرتی ہے آیت مبارکہ تخلیق ''(خلقنا)'' نہیں کہتی بلکہ

کھتی ہے قوت دی ''(وجعلنا)''۔

(ج) اس کے بعد آیت اس اعلان پر ختم ہوتی ہے کہ ''پھر وہ کیوں نہیں مانتے؟'' اس کا اشارہ کفار کی طرف ہے یہ بات بطور خاص ہمارے موجودہ دور کے کفار کے لیے ہے اس لیے کہ ابھی صرف تیس سال قبل ہی تو قوت حیات کے لیے پانی کے ناگزیر ہونے کی حقیقت کو تسلیم کیا گیا ہے۔

آئیے اب غور کریں کہ ابھی حال ہی میں علم حیاتیات کے قوانین کی دریافت کے مطابق قوت حیات کے لیے پانی ہی کیوں ناگزیر سمجھا گیا ہے؟

ہم پہلے ہی دیکھ چکے ہیں کہ حیات کی بنیادی اکائی یعنی اس کا نمائندہ ایک سالیہ ہے جسے (DNA) کہتے ہیں قوت حیات صرف اسی سالیے میں ہوتی ہے اگر یہ سالمہ صرف پانی ہی کے سالیے سے پیدا ہوتا تو یہ آیت اس طرح سے ہوتی ''ہم نے تمام زندہ چیزوں کو پانی سے پیدا کیا''۔ جبکہ قوت حیات ایک نئے اور ایک ہی جیسے سالیے کی بناوٹ ہے جس نے نامیاتی کیمیا (CHEMICALS) اصلی یا ابتدائی سالیے سے حاصل کئے ہوتے ہیں۔

جدید علم حیاتیات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ پانی کے سالیوں کے +H اور آئن -OH(ION) (رواں برقی پارہ کے جوہر یا جواہر) کے ذریعے پیدا ہو سکتے ہیں۔ خاص طور پر (ATP) جو فاسفورس' امینو ایسڈ اور شکر کا مرکب ہوتا ہے کے آمیزش کے عمل میں پانی +H آئن ہی استعمال ہوتا ہے' تابکار ہائیڈروجن (TRITIUM) کے ساتھ تجربات نے یہ ظاہر کیا ہے کہ ڈی این اے سالیے ہائیڈروجن آئن (ION) صرف پانی ہی سے حاصل کرتے ہیں۔ اسی تجربے نے یہ بھی ظاہر کیا ہے کہ ہائیڈروجن آئن جسے ''حرکت پذیر ہائیڈروجن'' کہتے ہیں رائبوز شکر اور امینو ایسڈ نکلائیڈ کے درمیان ایک مسلسل برقی میدان پیدا کرتا ہے اس طرح وہ بنیاد تیار ہوتی ہے جس پر قوت حیات برقرار رہتی ہے جیسا کہ میں نے بارش کے موضوع پر پہلے ہی بیان کیا ہے' کہ قوت حیات اس وقت حرکت پذیر ہو جاتی ہے جبکہ یہ برقی میدان بیکٹیریا یا ایک زندہ مگر خوابیدہ حالت میں ہوتا ہے یعنی بیکٹیریا حرکت پذیر ہو کر مزید پیدائش کے عمل میں لگ جاتا ہے۔

یہ اصول تمام قسم کے جسمیوں (ORGANISMS) کے متعلق بھی اسی طرح ہے۔ یعنی خلیے (CELLS) صرف ہائیڈروجن کی مدد سے ہی اپنی مصروفیات یا حرکت جاری رکھ سکتے ہیں۔ خلیوں کی کیمسٹری پر تحقیق نے یہ ظاہر کیا ہے کہ تمام برقی سلسلے خلیے میں لائسوسوم (LYSOSOME) اور پانی کے برقی چارج (IONS) کی مدد سے قائم رہتے ہیں۔ مزید یہ کہ تمام کیمیائی سلسلے' خلیاتی لیبارٹری جسے ہم مٹوکونڈریا (MITOCHONDRIA) کہتے ہیں پانی کے آئن کی وساطت سے ہی کارگر ہوتے ہیں۔

''بھاری پانی'' کے ساتھ تجربات میں جہاں ہائیڈروجن کو آئسوٹوپس سے تبدیل کر دیا جائے یہ ثابت ہوا ہے کہ پانی کا سالمہ جسم میں سات سے چودہ دن تک رہتا ہے پھر خارج ہوتا ہے' اور پانی کے نئے آئن اس کی جگہ لے لیتے ہیں اس طرح پانی نئی اور تازہ قوت حیات مہیا کرنے کا باعث ہے یہی وجہ ہے کہ جسمیے پانی کے ختم ہونے (شدید پیاس) کو برداشت نہیں کر سکتے۔

پانی اور قوت حیات کا تعلق اسی پر ختم نہیں ہو جاتا۔ عام معنی میں قوت حیات کے لیے توانائی کی ضرورت مسلسل طور پر رہتی ہے یہ توانائی آئن کے تبادلہ سے حاصل ہوتی ہے خوراک کے کھانے کا عمل کیمیائی ربط اور بعض سالموں کے تحلیل ہونے سے پیدا ہونے والی برق سے متشابہ عمل پیدا کرتا ہے' ان تمام پھرتیلے اعمال میں خلیہ +H اور OH آئن تبادلے کی بنیاد مہیا کرتے ہیں' جیسے بین الاقوامی تجارت میں زر یا تبادلہ زر کی اصطلاح ہوتی ہے۔ ایک خلیہ اس وقت صحت مند ہوتا ہے جب پانی کے وہ

ئن جو اسے گھیرے میں لیے ہوتے ہیں خود توازن میں ہوں ورنہ یا تو بیماری آجاتی ہے یا موت واقع ہو جاتی ہے۔
چنانچہ پانی' زندگی کی جین (GENESIS) اور قوت حیات کی بنیاد ہے اور یہ آیت کریمہ اس لطیف موشگافی کو اس خوب صورتی سے بیان کرتی ہے کہ اس سلسلے میں قرآنی معجزہ کو کبھی بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا یہ اس حقیقت کو دوبارہ پرزور طریقہ سے بیان کرتی ہے کہ "کس طرح وہ ایمان نہیں لاتے"۔
خلیے کا تنفس یعنی طاقت بخش چیزوں کا خرچ' آئن کے تبادلے کا ایک خاص عجوبہ ہے جو پانی کے آئن سے تعلق رکھتا ہے' پانی اور قوت حیات کے درمیان عظیم تعلق کو ابھی تک تسلی بخش طریقہ سے ظاہر نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً الیکٹرو کیمسٹری (ELECTROCHEMISTRY) اور بائیو کیمسٹری (BIOCHEMISTRY) یہ پوری طرح نہیں بتا سکتے کہ ایک خاص وقت کے بعد پانی کے سالمے کیوں ضائع ہو جاتے ہیں۔ مزید یہ امر کہ ایک خلیہ کس طرح پانی کا ذخیرہ کرتا ہے ابھی تک صحیح طور پر دریافت نہیں ہو سکا۔ ہم صرف یہ جانتے ہیں کہ خلیہ میں کھانے والے نمک یا سوڈیم کلورائیڈ کے استعمال کا مقصد سالموں میں پانی کے خرچ اور اس کے جمع ہونے سے متعلق ہے۔
درحقیقت ہر جسیمہ اپنی مختصر لیبارٹری میں پانی کو نقدی کی طرح خرچ کرتا ہے اسی وجہ سے ہمارے جسم میں گلینڈز (غدودوں) میں خاص قسم کے ہارمون پیدا ہوتے رہتے ہیں جو خلیوں کے اپنے اندر اور ایک دوسرے کے درمیان پانی کا تبادلہ کرتے رہتے ہیں۔ جسم میں موجود بہت سے مراکز بدن کی رطوبت کو جدا کرنے والے گلینڈز سے ایک کمپیوٹر جیسے نظام کے ذریعے منسلک ہیں۔ مثلاً بخار سے پہلے فالتو پانی نکل جاتا ہے جو یہ ظاہر کرتا ہے کہ جسم اس قسم کی مدافعتی جنگ میں مصروف ہے جس میں بیکٹیریا کی موجودگی یا حملہ مشکل ہو جائے۔ ہمارے جسم نقصان دہ جراثیم کو زندہ رہنے کی مہلت نہیں دیتے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمل اس آیت کریمہ کے راز کے احساس کے تحت ہی وقوع پذیر ہے۔
چنانچہ یہ عظیم معنی اللہ کے اس کلام میں پوشیدہ ہیں کہ "ہم نے تمام چیزوں کو پانی کے توسط سے پیدا کیا"۔
(قرآنی آیات اور سائنسی حقائق ص ۸۵۔ ۸۲' مطبوعہ کراچی' ۲۰۰۰ء)

زمین کا اپنے مدار میں گردش کرنا

رواسی: اس کا استعمال ٹھہرے ہوئے پہاڑوں کے لیے ہوتا ہے' اس کا مادہ رسو ہے اس کا معنی ہے کسی جگہ پر قائم رہنے والی چیز۔
ان تمید بھم: ان پہاڑوں کی وجہ سے زمین اپنے مرکز پر قائم ہے اپنے مدار پر گردش کر رہی ہے اور اس سے ادھر ادھر نہیں ہٹتی۔
فجاجا: دو پہاڑوں کے درمیان جو گھاٹی یا راستہ ہوتا ہے اس کو فج کہتے ہیں' اس کا استعمال کشادہ راستہ کے لیے ہوتا ہے۔
لعلھم یھتدون: تاکہ وہ اپنی مصلحت کی چیزوں' سفر میں اپنے مقاصد اور کھیتی باڑی میں کام آنے والی چیزوں کی طرف راہ پا سکیں۔
اس آیت کا معنی یہ ہے کہ زمین کے اوپر بڑے بڑے اور اونچے اونچے پہاڑ پیدا کیے تاکہ ان کے بوجھ کی وجہ سے زمین اپنی جگہ پر قائم اور برقرار رہے اور لوگوں کے چلنے کی وجہ سے اس میں جنبش اور اضطراب نہ ہو اور وہ اپنے مرکز سے ہٹ نہ سکے۔
زمین اپنی جگہ پر بھی گردش کرتی ہے اور سورج کے گرد بھی گردش کرتی ہے' سائنس دان کہتے ہیں پہلے زمین آگ کا ایک

گولہ تھی پھر یہ ٹھنڈی ہوگئی پھر یہ سخت جامد ہوگئی اور یہ سہا برس تک اسی طرح رہی۔

اس کائنات کی پیدائش کے متعلق سائنس کی تحقیق

(1) تمام آسمان اور کائناتیں زمین کے ساتھ جڑی ہوئی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے انتہائی خوش اسلوب طریقے سے آسمانوں اور زمین کو ایک دوسرے سے علیحدہ کر دیا۔

(2) کائناتیں (HEAVENS) جنہیں جنتیں بھی کہا جاتا ہے اور جو آسمان کے مخصوص حصے ہیں ایک کے بعد ایک تہہ در تہہ موجود ہیں۔ یہ ایک بے پناہ کھچاؤ (تناؤ) یا ممکنہ اختلاف (POTENTIAL DIFFERENCE) سے وجود میں لائی گئی ہیں۔ مگر یہی مضبوط نظام یا تناؤ ہی ہے جس کی وجہ سے یہ کائناتیں اپنی جگہ موجود اور قائم ہیں۔ اس تناؤ کو اللہ تعالیٰ کی قدرت نے ہی خلائی وقت کے تسلسل میں برقرار رکھ کر قائم کیا ہوا ہے۔

ان آیات کریمہ سے متعلق دیگر حقائق اب ذیل میں بیان کئے جائیں گے۔ ہم مزید مطالعہ کے ذریعے یہ بھی دیکھیں گے کہ ایک دھماکے سے الگ کرنے کا عمل، کہ جس کے ذریعے یہ کائنات تشکیل پذیر ہوئی یا موجودہ صورت میں وجود میں آئی، دراصل اس حقیقت کو ظاہر کرتا ہے کہ اس سلسلے میں صرف ایک ہی تناؤ (TENSION) یا نظم نہیں، بلکہ مزید کئی تناؤ یا نظام بھی ہیں۔

(الف) کئی عشروں کے غور وخوض اور تحقیقات کے بعد ماہرین علم طبیعیات اور کائناتی فزکس کے ماہرین نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ کائنات کی تشکیل کو سب سے بہتر طور پر صرف ''عظیم دھماکہ'' (BIG-BANG THEORY) کے نظریئے نے ہی بیان کیا ہے یہ نظریہ دو سائنس دانوں مارٹن رائیل اور ایلن سینڈیج نے دنیا کے سامنے پیش کیا تھا۔ اس نظریئے کی رو سے کائنات ایک ناقابل یقین کثیف دھوئیں دار نکتے یا مقام سے پھٹ کر وجود میں آ گئی۔ اس مقام یا نکتہ کو اکائی (SINGULARITY) کا نام دیا گیا۔ کائنات کی تشکیل کے پہلے مرحلہ میں یہ اکائی یا ''سنگولیرٹی'' اتنی شدید گرم حالت میں تھی کہ اس کی حدت کے متعلق قیاس آرائی کرنا بھی عبث ہے۔ ایک سیکنڈ کے سویں حصہ میں یہ اکائی ایک ابتدائی آگ کے گولے کی صورت میں پھیل گئی اور اس کا درجہ حرارت تقریباً ایک سو ارب ڈگری کیلون (KELVIN) تک تھا۔ اس کے گاڑھے شوربے جیسے وجود سے اس وقت تک پروٹون (PROTON) اور نیوٹرون (NEUTRON) نکل کر پھیل نہیں گئے تھے۔ اور نہ ہی مشہور چاروں اندرونی مادی باہمی عمل (PHYSICAL INTERACTIONS) برآمد ہوئے تھے۔ تب اس گاڑھے شوربہ جیسی چیزیں یعنی مادہ اور توانائی متواتر ایک دوسرے میں تحلیل ہو رہے تھے اور چاروں اندرونی باہمی عمل (INTERACTIONS) ایک مضبوطی سے جڑے ہوئے تھے۔

جیسے جیسے یہ انتہائی گرم اور دھوئیں سے اٹی ہوئی آتشی گیند پھیلنا شروع ہوئی، یہ بتدریج ٹھنڈی بھی ہونے لگی۔ چنانچہ ایک مکمل ترتیب کی صورت پیدا ہونا شروع ہو گئی۔ پہلے پہلے کشش ثقل کی قوت یا مخالف باہمی عمل (INTERACTION) سے علیحدہ شکل میں الگ ہوئی۔ اور اس کے بعد طاقت ور اور کمزور برقی کشش کے مخالف باہمی عمل (ELECTROMAGNETIC INTERACTION) خود اسی میں ترتیب سے پیدا ہوئے۔ آسمانوں اور زمین کا دھماکے سے علیحدہ ہونا (فتق) وقوع پذیر ہوا۔ اور ترتیب کے ٹوٹ جانے اور ابتدائی ترتیب دیئے گئے مخالف باہمی عمل (SYMMETRICAL INTERACTIONS) کے علیحدہ (چاک) ہونے کی وجہ سے فزکس کے علم کے چار جانے

پیدا نے "مخالف باہمی عمل" پیدا ہوئے دوسرے لفظوں میں نہ صرف ابتدائی اکائی کائنات سے ٹوٹ کر علیحدہ ہوئی بلکہ اس کے قوانین کی علیحدہ پہچان بھی اسی قسم کے عمل کی وجہ سے ظاہر ہوئی۔

پھر اللہ نے اپنی بے پناہ اور لامحدود شان کے طفیل کائنات کو ایک نکتے یا مقام سے پوری طرح پھیلا دیا۔ جس کھچاؤ یا تناؤ کے ذریعے یہ عمل وقوع پذیر ہوا وہ سورۃ شوریٰ کی آیت نمبر پانچ میں بیان کیا گیا ہے۔ اللہ نے آسمانوں کو ترتیب دیا پھر اس تناؤ کے ذریعے زمین کو قائم کیا اس طرح موجودہ نظر آنے والی کائنات اور اس کے قوانین کو پیدا اور جاری کیا۔

اس سلسلے میں ایک اور اہم نکتہ آسمانوں اور زمین کے ابتدائی ملاپ یا یکجان ہونے سے متعلق ہے جو سورۃ الانبیاء کی آیت نمبر تیس میں بیان کیا گیا ہے۔ مشہور سائنسدان آئن سٹائن کا شہرہ آفاق نظریہ یعنی نظریہ اضافیت (THEORY OF RELATIVITY) اس بات کا ثبوت فراہم کرتا ہے کہ مادہ اور توانائی ایک موقع پر ایک ہی چیز تھیں۔

مادہ بجائے خود توانائی کی تکثیفی (CONDENSED) صورت ہے۔ اور توانائی اپنی جگہ ایک آزاد شدہ مادہ ہے۔ وہ یہ ثابت کرنے میں بھی کامیاب ہو گیا کہ آسمانی کرہ اور وقت ایک دوسرے سے الگ نہیں کئے جا سکتے۔ یہ دونوں ایک خلا (کرہ آسمان) اور وقت کے تسلسل میں بندھے ہوئے ہیں۔ مزید برآں اس کی دریافتوں نے بھی بتایا کہ کشش ثقل اور اسی لیے حجم بھی اس تسلسل میں محض ایک خم (CURVATURE) ہے۔ دوسرے لفظوں میں مادہ کی تشکیل خلائی وقت کے تسلسل کو موڑنے یا جھکانے سے ہوئی۔ اس عمل کے ہونے میں ایک ایسے تناؤ کا کھچاؤ کو دخل ہے' جس نے درحقیقت آسمانوں اور زمین کو دھماکے سے الگ "فتق" کر دیا۔

(ب) اب جبکہ کائنات وجود میں آ گئی تو یہ اسی تناؤ کی مدد سے قائم رہی ہے جو اس کے وجود میں آنے کے سلسلہ میں مددگار رہا تھا۔ ایک طریقے سے یہ تناؤ بطور خود بھی اپنی طرف کھچاؤ یا میلانیت (ATTRACTION) اور دور کرنے یا پھینکنے (REPULSION) کے باہمی عمل سے ظاہر اور ثابت ہوتا ہے۔ بجلی کے معاملے میں یہ ایک مانی ہوئی حقیقت ہے کہ مخالف چارج ایک دوسرے کو اپنی طرف کھینچتے ہیں اور ایک ہی قسم کے چارج ایک دوسرے کو دور دھکیلتے ہیں۔ یہ ایسی حقیقت ہے جس کے توسط سے جوہر (ایٹم) اور دیگر مادہ کی موجودگی ثابت ہوتی ہے۔ مزید برآں کشش ثقل کی تمام قوت اس مرکز گریز قوت کی مدد سے توازن پذیر ہے جسے لوکس (LOCUS) کہتے ہیں۔ جو سیاروں اور ستاروں کے نظام کو قائم رکھتی ہے۔ چنانچہ ہر چیز کی بقاء' یعنی چھوٹے سے چھوٹے جوہر (ایٹم) سے لے کر ستاروں کے نظام تک کی بقا کی ضمانت بھی اسی تناؤ یا کھچاؤ کے ذریعے مہیا کر دی گئی ہے۔

جہاں اللہ تعالیٰ نے سورۃ کے شروع میں اپنی قدرت کاملہ کے ذریعے کائنات کی مادی اور ریاضیاتی تشکیل کا اعلان کیا ہے اس کے فوراً بعد کے بیان میں ہی اللہ کے رحیم اور مہربان ہونے کی خصوصیت بیان کی گئی ہے۔ اللہ کا رحم سے دیکھنا' اس کی تمام مخلوق اور پوری کائنات پر کمال مہربانی کا اظہار ہے۔ اس رحم اور مہربانی کی خصوصیات میں' ان تمام کے لیے اللہ کی شفقت' حفاظت اور پناہ کا تصور موجود ہے۔

ثقل کی قوت جس سے تمام چیزیں ایک دوسرے کو اپنی طرف کھینچتی ہیں' اللہ کی پاک شفقت کی نشانی کا اظہار ہے۔

دوسری طرف تمام چیزوں کا چکر کی صورت میں گھومنا یعنی موشن (ROTATIONAL MOTION) ہے' جو چاہے وہ سورج کے گرد گھومنے والے ستارے ہوں یا ایک نوات یعنی مرکزہ (NUCLEUS) کے گرد گھومنے والے الیکٹرون ہوں' کائنات میں پورے مادے کو کائنات میں کشش ثقل کی قوت کے ذریعے مرتکز یا یکجان ہو کر فنا ہو جانے کے عمل سے روکے ہوئے ہے۔

اور یہ گھومنے والی حرکت اس کے سوا کچھ نہیں کہ یہ تمام موجودات اپنے رب کی شان اور عظمت بیان کرتی ہیں۔ اس کا شکریہ ادا کرتی ہیں اور اس کی تعریف کی تسبیح کرتی ہیں۔ چنانچہ مادی کائنات میں اللہ کی شفقت اور محبت کا ایک اظہار کشش ثقل کی قوت کی موجودگی ہے جبکہ اس کا رحم اور ترس کا عمل اس کی پیدا کردہ چھوٹی سے چھوٹی کائنات (MICROCOSMOS) اور بڑی سے بڑی کائنات (MACROCOSMOS) میں موجود گھومتی ہوئی رفتار (روٹیشنل موشن) میں نظر آتا ہے۔

(ج) جیسا کہ نظریہ اضافیت کے متعلق اوپر اشارہ کیا گیا تھا' خالی جگہ یا کرہ بالکل خلا (یا ویکوم) نہیں ہوتا۔ بلکہ اسے جدید فزکس میں پلینم (PLENUM) کہا جاتا ہے۔ سائنس دان ہائزن برگ کے ''اصول غیر یقینی کے نظریئے'' کے مطابق خالی جگہ یا خلا وقت کے اندر گھٹتا بڑھتا یا ڈگمگاتا رہتا ہے۔ ہائزن برگ کے بیان کردہ اس اصول کے تناظر میں جو حدود مقرر کی جاسکتی ہیں' اس میں مادہ اور توانائی (انرجی) کا تحفظ اس حد سے گزر جاتا ہے' جو عقل و بیان سے ماورا ہوتا ہے اور توانائی کی واضح اکائیوں کو انتا کو غیر وجود سے وجود میں لایا جاسکتا ہے۔ اور اس سے پہلے کہ وہ محفوظ ہو جائیں یا وجود حاصل کریں وہ فوراً دوسرے ہی لمحے میں فنا ہو جاتی ہیں۔ ایسا ذرہ جو حقیقت میں نمودار ہوتا ہے پھر اسی لمحے غیر وجود میں غائب ہو جاتا ہے۔ وہ مجازی ذرّہ (VIRTUAL PARTICLE) کہلاتا ہے۔ دوسری طرف اگر ان بھوتوں کی خصلت والے ذرّوں تک مناسب مقدار میں توانائی پہنچادی جائے تو ان کو فعل میں لایا جاسکتا ہے یعنی ان میں جان ڈالی جاسکتی ہے محض کوانٹا سے وجود میں لانے کے عمل کا تو اب سائنسی لیبارٹریوں میں بھی مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔

مشہور سائنسدان ڈیراک کے ابتدائی نظریہ خالی سمندر ویکیوم سی (VACUUM SEA) کا خیال' جس میں ایک غائب ذرّے (ANTIPARTICLE) کو ایک ذرّے کا چھوڑا ہوا شگاف سمجھا جاتا ہے قرآن میں بتائے گئے ''فتق'' کی صاف طور پر نشاندہی کرتا ہے یا اس کی مخصوص جگہ سے اس کا ایسا عمل یعنی موجودہ مثال میں' خلا (یا ویکوم) میں اس کی وہ ہیئت جو دور سے ایک ہی جیسی اور بغیر کسی کونے کے نظر آئے جبکہ اگر مائیکروسکوپ سے دیکھا جائے تو وہ ذرّوں کے اور غیر ذرّوں (ANTIPARTICLES) کے ابلتے ہوئے تیز چکر کھاتے ہوئے ایک سمندر کی طرح اسی ہی لمحے جوڑوں میں بننے والے غیر ذرّوں کی صورت اختیار کر کے ایک دم سے فنا ہو جاتے ہیں۔ یہ ناقابل یقین خیال اس وقت مادی طور پر ثابت کیا گیا جب سائنسدان ولس لیمب نے اس حقیقت کو دریافت کیا جسے آج کل فزکس میں لیمب شفٹ (LAMB SHIFT) کہا جاتا ہے۔

لیمب' ہائیڈروجن جواہر (ایٹوں) کی بھوت یا روح کی طرح سے مختصر تبدیلی مکان (SHIFT) کی پیمائش حاصل کرنے کے قابل ہو گیا تھا۔ یہ بھی ظاہر ہوا کہ اس تبدیلی مکان (شفٹ) کا عمل مجازی ذرّوں کے جوڑوں کی مرکزہ اور منفی برقی پارہ (الیکٹرون) کے درمیانی خالی مقام یا خلا میں مسلسل پیدائش اور مسلسل فنا ہو جانے کے عمل کی وجہ سے تھا۔ وہ برقی میدان جو منفی برقی پارہ (الیکٹرون) کو مدار میں باندھے رکھتا ہے کبھی کبھی خالی جگہ (ویکوم) کے سمندر سے منفی برقی پارہ اور مثبت برقی پارہ (یعنی الیکٹرون اور پوزی ٹران) کا جوڑا بناتا ہے اور پھر فوراً ہی یہ جوڑا فنا ہو جاتا ہے۔ یہ عمل جسے ویکوم پولارائزیشن (VACUUM POLA-RISATION) کہتے ہیں اتنے عرصے کے لیے باقی رہتا ہے جس میں وہ منفی برقی پارہ (الیکٹرون) کی مدار میں چکر کھاتی ہوئی توانائی میں تبدیلی مکان (شفٹ) پیدا کر دے۔ اس طرح یہ برقی میدان کے تناؤ (ٹینشن) کا وجود ہی ہے کہ جو اس صورت میں مجازی ذرّوں کے جوڑوں کو اپنی طرف کھینچ کر قائم رکھتا ہے۔

آسمانی طبیعیات کے عجیب و غریب سیاہ شگافوں (BLACK HOLES) کے ضمن میں انگریز ماہر طبیعیات اسٹیفن

ہاکنگ نے دریافت کیا کہ سیاہ شگاف غیر مستحکم ہوتا ہے اور اشعاع (RADIATION) کے بالواسطہ اخراج کا ذریعہ بنتا ہے۔ سیاہ شگاف کے واقعاتی دائرہ افق کے نزدیک شدید ثقلی میدان، مجازی ذرّوں کے جوڑوں کی پیدائش کا سبب بنتے ہیں۔ اور ان کا فنا ہو جانا برقی مقناطیسی اشعاع (ELECTROMAGNETIC RADIATION) کے نکلنے کی وجہ سے ہے۔ ان کا نظر آ جانا ممکن ہے اور ان کا بالواسطہ مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ موجودہ زیرِ مطالعہ مسئلہ میں یہ ثقلی میدان کا شدید کھچاؤ یا تناؤ ہی ہے جس کی وجہ سے خالی جگہ یعنی ویکوم کے تقسیم ہو جانے کے عمل سے مادہ اور توانائی کی تشکیل ہوتی ہے۔ یونیورسٹی آف نیو کاسل کے ماہرِ طبیعیات پال ڈیویز نے اپنی تازہ کتاب جس کا نام ''خدا اور نئی طبیعیات'' (COD AND NEW PHYSICS) ہے، میں کہا ہے کہ آزاد خلا (ویکوم) یا بالکل نہ ہونے سے ہو جانے کی صورت، اللہ کی دخل اندازی (مرضی) کے بغیر ناممکن ہے۔

اوپر بیان کئے گئے حقائق کی روشنی میں، میں یہ بھی تجویز کرنا چاہوں گا کہ برقی اور ثقلی میدانوں کے علاوہ ایک شدید مقناطیسی میدان کا تناؤ بھی ذرّوں کے اچانک وجود میں آ جانے کا باعث ہو سکتا ہے۔ یہی وہ میدان ہے جو کائنات کے ہر مقام پر موجود ہے۔ جو آخر الذکر کے لیے حکم کرتا ہے اس کی شکل و صورت کی تشکیل کرتا ہے۔ اس کی پرت پر پرت جماتا ہے اور اس کو قائم رکھتا ہے، جیسا کہ ہم آئندہ موضوع میں دیکھیں گے۔ میرے ذہن میں جو بات ہے وہ تو بطور خاص آسمان کے طبقوں سے متعلق ہے۔ دوسرے لفظوں میں سات آسمان اسی میدانی تناؤ کا سہارا لئے ہوئے قائم ہیں۔

(د) سیاہ شگاف وہ نکتے یا مقام ہیں جن کے متعلق سورۃ الشوریٰ آیت نمبر پانچ اور سورۃ الانبیاء آیت نمبر تیس میں اس تناؤ کی نشاندہی اور اصلیت کو ثابت کرتی ہے۔ کششِ ثقل کا میدان اس طرح مرکوز ہے اور ہر مقام پر اس کثرت سے موجود ہے کہ اس سے بچ کر نکل جانا ناممکن ہو جاتا ہے ایک کم خطرناک مگر زیادہ خوش کن سطح پر پروٹونز اور الیکٹرونز اس مقناطیسی آندھی میں بہے جاتے ہیں جو سورج پر برپا (شمسی آندھی) ہے۔ زمین پر پہنچنے پر یہ ایک حیران کن خوب صورت انداز میں قطبین پر چکر کھاتے ہوئے اترتے ہیں۔ اس عجوبے کو ''ارورا بوریلس'' (AURORA-BOREALIS) کہتے ہیں چنانچہ اس عجوبے کی ابتدا اور اس کا اختتام مقناطیسی میدانوں کے تناؤ میں ہی مضمر ہے۔

سورۃ الانبیاء کی آیت نمبر تیس میں حقیقتاً صحیح طور پر پوچھا گیا ہے کہ ان بے پناہ نشانیوں کی موجودگی میں کس طرح ایک شخص کافر اور منکر رہ سکتا ہے۔

ایک لمبے عرصے سے بے دین ملحد لوگ، افراتفری اور درہم برہم چیزوں کو ہی کائنات کی تشکیل کا ذریعہ بتاتے رہے ہیں مگر وہ یہ نہیں سمجھ سکے کہ ان سب کو ترتیب دینے والی ایک عظیم ہستی کے بغیر افراتفری کو ایک کائنات کی شکل نہیں دی جا سکتی۔ ورنہ تو یہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے افراتفری ہی کی صورت میں ہوتی۔

مزید برآں اگر عظیم منتظم (اللہ) کا وجود کائناتوں کو ہر وقت اور ہر مقام پر سنبھالے نہ ہوتا تو یہ پراگندہ ہو کر افراتفری کا شکار ہو جاتیں۔ اور یہ افراتفری ایک سیکنڈ کے ایک ارب ویں حصے کے وقت ہو جاتی۔ مگر اللہ کے قائم کردہ تناؤ چستی (ٹینشن) ہی کی وجہ سے کائنات کے ہر مقام پر ایک ناقابلِ یقین ترتیب اور ڈسپلن موجود ہے، اور سورۃ الشوریٰ کی آیت نمبر پانچ اللہ جل شانہ کی اس قوت کو ظاہر کرتی ہے جو فضاؤں کے ہر مقام کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اس عظیم الشان ڈسپلن اور قوت کو جو ساری کائنات میں جاری و ساری ہے کو سورۃ الملک میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے۔ آیت نمبر چار میں پھر اس طرح فرمایا گیا ''پھر پلٹ کر دیکھو، کہیں تمہیں کوئی خلل نظر آتا ہے؟ بار بار نگاہ دوڑاؤ، تمہاری نگاہ تھک کر نامراد پلٹ آئے گی''۔

سورۃ الانبیاء میں پھر کس طرح یہ سوال کر کے "پھر بھی وہ ایمان نہ لائیں گے؟" اللہ تعالیٰ یہ واضح اعلان کر رہا ہے کہ کفر ایک معمولی سے معمولی علم سے بھی مطابقت نہیں رکھتا اور یہ نامطابقت ملحدوں کی مکمل لاعلمی کا نتیجہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے زمانے میں فزکس اور کائناتی فزکس نے قرآن کی نفی کے تمام ممکنات کو ختم کر دیا ہے۔ اسی طرح اللہ کے وجود سے انکار کو بھی ناممکن بنا دیا ہے چنانچہ ایک ملحد شخص کا تو "سائنس کے شہر" میں داخلہ ہی ممنوع ہے۔

(قرآنی آیات اور سائنسی حقائق ص ١٢٨۔ ١٢٣ مطبوعہ کراچی ٢٠٠٠ء)

آسمان کی حفاظت کے دو محمل

الانبیاء: ٣٢ میں فرمایا: اور ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنا دیا۔

آسمان کو محفوظ چھت بنانے کے دو محمل ہیں ایک یہ ہے کہ جس طرح دوسری چھتیں گر جاتی ہیں اس طرح آسمان کو گرنے سے محفوظ بنا دیا۔ جیسا کہ ان آیات سے ظاہر ہوتا ہے:

وَيُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (الحج: ٦٥)
وہی آسمان کو روکے ہوئے ہے کہ اس کی اجازت کے بغیر زمین پر گر نہ پڑے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ (الروم: ٢٥)
اس کی ایک نشانی یہ ہے کہ آسمان اور زمین اس کے حکم سے قائم ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا وَلَئِنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْ بَعْدِهٖ (فاطر: ٤١)
بے شک اللہ آسمانوں اور زمینوں کو برقرار رکھے ہوئے ہے کہ وہ اپنی جگہ سے ہٹ نہ جائیں اور اگر وہ (اپنی جگہ سے) ہٹ جائیں تو اللہ کے سوا کوئی ان کو روک نہیں سکتا۔

وَلَا يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا (البقرہ: ٢٥٥)
اور آسمان اور زمین کی حفاظت اس کو تھکاتی نہیں ہے۔

زیر تفسیر آیت کا دوسرا محمل یہ ہے کہ آسمان کو فرشتوں یا ستاروں کے ذریعہ شیطان سے محفوظ رکھا گیا ہے۔

اس کے بعد فرمایا اور وہ اس (آسمان) کی نشانیوں سے اعراض کرنے والے ہیں ○ اس کا معنی یہ ہے کہ آسمانوں کی حرکات میں اور اس کی حرکات اور کیفیات اور جہات میں اور اس کے ستاروں اور خود آسمانوں کے اتصال اور انفصال میں اور اس کے ستاروں کی گردش میں جو اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور توحید کی نشانیاں ہیں یہ مشرکین ان پر غور و فکر نہیں کرتے۔

ہر سیارہ کا اپنے مدار میں گردش کرنا

الانبیاء: ٣٣ میں فرمایا: اور وہی ہے جس نے رات اور دن اور سورج اور چاند کو پیدا کیا ہر ایک اپنے مدار میں تیر رہا ہے○

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ایک اور نعمت کا بیان فرمایا ہے کہ اس نے رات بنائی جس میں وہ آرام کریں اور دن بنایا جس میں وہ حصول معاش کے لیے جدوجہد کریں اور سورج اور چاند کو بنایا' سورج کو دن کی علامت بنایا اور چاند کو رات کی علامت بنایا تاکہ لوگ مہینوں اور سالوں کا حساب کر سکیں۔

پھر فرمایا: ہر ایک اپنے مدار میں تیر رہا ہے۔ اصل میں فلک ہر دائرہ اور گول چیز کو کہتے ہیں' اسی وجہ سے چرخے میں جو گول چمڑا لگا ہوتا ہے اس کو فلکۃ المغزل کہتے ہیں اور اسی وجہ سے آسمان کو بھی فلک کہہ دیا جاتا ہے' یہاں فلک سے مراد سورج اور چاند کے وہ مدار ہیں جس پر وہ گردش کرتے ہیں' قرآن اور حدیث میں اس کی کوئی تصریح نہیں ہے کہ یہ مدار آسمان کے اندر ہیں یا خلا میں ہیں۔ قدیم فلاسفہ یہ کہتے تھے کہ یہ مدار آسمانوں میں ہیں وہ کہتے تھے کہ پہلے آسمان میں قمر کی مدار ہے اور دوسرے

آسمان میں عطارد کی مدار ہے' تیسرے آسمان میں زہرہ کی مدار ہے' اور چوتھے آسمان میں سورج کی مدار ہے' پانچوں آسمان میں مریخ کی مدار ہے اور چھٹے آسمان میں مشتری کی مدار ہے اور ساتویں آسمان میں زحل کی مدار ہے' یہ سات کواکب سیارہ (گردش کرنے والے ستارے) ہیں۔ ان کے بعد آٹھواں آسمان ہے جس کو فلک اطلس اور فلک البروج کہتے ہیں۔ فلک اطلس میں وہ ستارے ہیں جو ثوابت ہیں اور گردش نہیں کرتے۔ یہ وہ ستارے ہیں جو ہم کو یہاں پر زمین سے نظر آتے ہیں۔ ان ستاروں کی ہیئتِ اجتماعیہ سے مختلف شکلیں بن جاتی ہیں جس کے نام پر بارہ برج فرض کیے گئے ہیں وہ یہ ہیں: حمل' ثور' جوزا' سرطان' سنبلہ' میزان' عقرب' قوس' جدی' دلو اور حوت۔ اس وجہ سے اس آسمان کو فلک البروج بھی کہتے ہیں اور نواں آسمان فلک اعظم ہے۔ علماء شرع کے نزدیک سات آسمان ہیں۔ وہ فلاسفہ کے اقوال میں تطبیق کے لیے آٹھویں آسمان کو کرسی اور نویں آسمان کو عرش کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں۔

یہ تفصیل قدیم فلسفہ کے مطابق ہے۔ اب حالیہ جدید تحقیق سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ چاند اور سورج افلاک میں مرکوز نہیں ہیں۔ چاند زمین سے پونے دو لاکھ میل کی مسافت پر ہے اور کوئی سیارہ کسی آسمان میں مرکوز نہیں ہے اور زمین سمیت تمام سیارے خلا کے اندر اپنے اپنے مدار میں گردش کر رہے ہیں اور جب خلا نورد چاند پر پہنچے تو ان کو زمین بھی چاند کی طرح ایک روشن گولے کی طرح نظر آئی۔

ہر سیارے کی اپنی گردش کے متعلق سائنس کی تحقیق

ہماری زمین کے گرد چاند گردش کر رہا ہے اور زمین سورج کے گرد گردش کر رہی ہے۔ یہ دراصل بڑے سیارے یا ستارے کی کشش ثقل (Gravitational Force) کی وجہ سے ہے۔ دوسرے لفظوں میں چاند کی گردش کا مرکز زمین ہے اور زمین کی گردش کا مرکز سورج ہے اسی طرح سورج کسی اور بڑے مرکز کے گرد مصروف گردش ہے۔ جب ہم زمین پر کوئی چیز پھینکتے ہیں تو وہ تھوڑی دور جا کر گر جاتی ہے اور اگر زور سے پھینکی جائے تو وہ اور دور جا کر گرے گی۔ اس کی مثال پانی کے فوارہ کی ہے اگر ٹیوب کے ذریعے اسے زمین کے متوازی چھوڑا جائے تو وہ ایک گولائی کی سی شکل اختیار کر لیتا ہے اگر پانی کو اور زیادہ دباؤ سے چھوڑا جائے تو گولائی لمبائی میں زیادہ نظر آنے لگے گی۔

پانی کی یہ خود بخود گولائی کا بن جانا دراصل زمین کی کشش ثقل (Gravitational Force) کی وجہ ہے کیونکہ زمین اپنی کشش ثقل کی وجہ سے ہر چیز کو اپنے مرکز کی طرف کھینچتی ہے۔ زمین چونکہ گول ہے اس لیے اگر کسی پتھر یا چیز کو زمین کے متوازی (Horizontly) اس رفتار سے پھینکا جائے کہ اس پتھر کے گرنے کا عمل زمین کی گولائی کے مطابق بن جائے تو وہ پتھر زمین پر نہیں گرے گا بلکہ زمین کے اردگرد گردش کرنے لگے گا۔ دراصل پتھر ہر لحہ زمین پر گرے گا مگر زمین گول ہونے کی وجہ سے اور پتھر بھی خاص رفتار کی وجہ سے زمین کی گولائی کے متوازی ہر لحے جھکے گا' آج کل کے سائنس دانوں نے زمین کے گرد جو سیارے (Satellites) بلندی پر چھوڑے ہیں وہ اسی اصول کو مدنظر رکھ کر چھوڑے ہیں تاکہ زمین کے اوپر بلندی پر ہوا ان کی رفتار پر اثر انداز نہ ہو بلکہ ایک ہی رفتار (Orbital Velocity) برقرار رہے جس رفتار سے ان کو راکٹ کے ذریعے چھوڑا گیا۔

چاند بھی زمین کی کشش ثقل (Gravitational Force) کی وجہ سے ہر لحہ اس کے مرکز کی طرف گر رہا ہے مگر چاند کی خاص رفتار (Orbital Velocity) کی وجہ سے زمین کی بلندی پر اس کی خاص کشش ثقل کی وجہ سے زمین کے گرد اس کا مدار (Orbit) بن جاتا ہے۔ جو کہ تقریباً گول ہے اس گولائی پر ہر دوسرا نقطہ پہلے نقطہ سے نیچا ہوتا ہے۔ دائرے پر ایک نقطہ سے

دوسرے نقطہ کا فرق یا جھکاؤ (Fall Of Curve) زمین کی کشش ثقل (Gravitational Force) کی وجہ سے ہے۔ کشش ثقل بلندی پر کم ہوتی جاتی ہے جس کی وجہ سے رفتار (Orbital Velocity) بھی سطح زمین سے قریب کی نسبت کم درکار ہوتی ہے۔

کسی چیز کو سورج کے کسی سیارے (Planet) کے گرد چلانے (Orbiting) کے لیے خاص بلندی (Particular Height) پر خاص رفتار (Particular Orbital Velocity) اور خاص سمت (Particular Direction) اس بلندی پر بڑے سیارہ کی نسبتاً کشش ثقل (Proportionate Gravitational Force) کے پیش نظر درکار ہوتی ہے۔ اسی اصول سے سورج کے گرد سیارے گردش کر رہے ہیں' دوسرے لفظوں میں یہ سیارے سورج کے مرکز کی طرف ہر لحہ گرتے ہیں یا جھکتے ہیں مگر خاص بلندی پر خاص رفتار (Orbital Velocity) کی وجہ سے اور اس بلندی پر اثر انداز سورج کی نسبتاً کشش ثقل (Proportionate Gravitational Force) کی وجہ سے اپنے دائرے (Orbit) میں جھکتے چلے جاتے ہیں اور دائرہ برقرار رکھتے ہیں۔ لہٰذا ان سیاروں کو جو سورج کے گرد متحرک ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں خلا میں خاص حساب سے بنایا ہے یہ بغیر حساب کے نہیں بن گئے یا خود بخود نہیں بن گئے۔ اگر ان کی رفتار مقررہ حساب سے بہت زیادہ ہوتی تو یہ سورج کی کشش ثقل سے آزاد ہو جاتے یعنی (Escspe Velocity) اختیار کر لیتے اور کسی دیگر ستارے سے منسلک ہو جاتے۔ لہٰذا یہ سیارے خلا میں مختلف بلندیوں پر بڑے حساب سے بنائے گئے ہیں اور یہ آج سے چودہ سو سال پہلے اس کے نازل کردہ قرآن مجید کی حقانیت کا واضح ثبوت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ یُکَوِّرُ الَّیْلَ عَلَی النَّهَارِ وَیُکَوِّرُ النَّهَارَ عَلَی الَّیْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ کُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی اَلَا هُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفَّارُ ○ (الزمر: ۵)

اس نے آسمانوں اور زمینوں کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا اور وہی رات کو دن پر لپیٹتا ہے اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے اور اسی نے سورج اور چاند کو کام پر لگا رکھا ہے' سب ایک مقرر وقت تک چلتے رہیں گے' سنو وہی بہت غالب اور بہت بخشنے والا ہے۔

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ (الرحمٰن: ۵)

سورج اور چاند ایک مقرر حساب سے چل رہے ہیں۔

فلکیاتی سائنس کی اصطلاح میں ان کو گرتے ہوئے اجسام یعنی (Falling Bodies) کہا جاتا ہے۔ اسی طرح کائنات میں جو اور سیارے یا ستارے متحرک ہیں وہ بھی ایک مرکز کے گرد مصروف گردش ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ اپنے مرکز کی طرف جھکتے ہیں' یہ ستارے یا تمام کائنات اللہ تعالیٰ کے عرش (مرکز) کے گرد متحرک ہیں جس کا قطر یا وسعت تقریباً ۳۲ ارب میل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ یُمْسِکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ۚ وَلَئِنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَکَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ اِنَّهٗ کَانَ حَلِیْمًا غَفُوْرًا ○ (فاطر: ۴۱)

بے شک اللہ آسمانوں اور زمینوں کو تھامے رکھتا ہے کہ وہ ٹل نہ جائیں (اپنے محور سے ہٹ نہ جائیں) اگر وہ ٹل جائیں تو اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے جو ان کو تھام سکے۔ بے شک وہ بہت بردبار بہت بخشنے والا ہے۔

زمین کی کشش ثقل (Gravitational Force) نے چاند کو پکڑے رکھا ہے کہ چاند زمین کی طرف گرتا ہے مگر اس

کی خاص رفتار کی وجہ سے اس کا ہر لمحہ جھکاؤ زمین کے چاند کی اونچائی پر دائرے کے مطابق ہے۔ لہٰذا وہ زمین پر نہیں گرتا بلکہ اس کے گرد گردش میں مصروف ہے۔ اسی طرح زمین یا دیگر سیارے سورج کی کشش ثقل (Gravitational Force) کی وجہ سے اس کے گرد مصروف گردش ہیں۔ سورج ایک اور مرکز کے گرد اس مرکز کی کشش ثقل کی وجہ سے چکر لگا رہا ہے اور ایک ستارہ کسی اور دوسرے طاقتور ستارے کے گرد حتیٰ کہ آخری ستارہ یا ستارے اللہ تعالیٰ کے زبردست طاقت والے عرش یا مرکز نور کے گرد مصروف گردش ہیں۔ اب آپ اندازہ کیجئے کہ مرکز نور یا اللہ تعالیٰ کا عرش کس قدر طاقت سے بھرپور ہے کہ وہ تمام کائنات کو تھامے ہوئے ہے۔ لہٰذا مندرجہ بالا آیت کی وضاحت پوری طرح ہو جاتی ہے کہ ''اللہ ہی آسمانوں اور زمین کو تھامے ہوئے ہے کہ وہ ٹل نہ جائیں''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ؇ (یٰسین: ۳۸)

اور سورج اپنے مقرر راستہ پر چلتا رہتا ہے یہ اللہ کا مقرر کیا ہوا اندازہ ہے جو بہت غالب اور بہت علم والا ہے۔

وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ ؇ (الانبیاء: ۳۳)

اور وہی ہے جس نے رات اور دن اور سورج اور چاند کو پیدا کیا۔ یہ سب اپنے اپنے مدار میں تیر رہے ہیں۔

ان آیات سے یہ بات اخذ کی جا سکتی ہے کہ سورج کی طرح دوسرے ستارے بھی ایک مرکز کے گرد متحرک ہیں۔ جو ستارے مرکز سے دور ہیں ان کی رفتار مشاہدہ میں بہت زیادہ ہوگی اور جوں جوں ستارے مرکز (عرش) کے نزدیک آتے جائیں گے ان کی رفتار کم نظر آئے گی۔ یہ زاویہ نما رفتار Angular Velocity کی وجہ سے ہوگی۔ اس کی مثال سائیکل کے پہیے کی سی ہے کہ اس کے ایکسل کی رفتار کم ہوگی جبکہ ایکسل (مرکز) سے باہر کی طرف رم کی رفتار بہت زیادہ ہوگی۔ ماہرین فلکیات کے مشاہدہ کے مطابق جو کہکشائیں بہت دور ہیں وہ بہت تیزی سے حرکت کر رہی ہیں اور جو نزدیک ہیں ان کی رفتار کم ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تمام کائنات اللہ تعالیٰ کے عرش یعنی مرکز نور کے گرد متحرک ہے۔ (قرآن اور کائنات ص ۱۲۳-۱۱۶ ملخصاً)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے آپ سے پہلے کسی بشر کے لیے (دنیا میں) دوام کو مقدر نہیں کیا' سو اگر آپ کی وفات ہو جائے تو کیا یہ لوگ (یہاں) ہمیشہ رہنے والے ہیں؟ ؇ ہر نفس موت کو چکھنے والا ہے' اور ہم تم کو بری اور اچھی حالت میں مبتلا کر کے آزماتے ہیں اور تم سب لوگ ہماری ہی طرف لوٹائے جاؤ گے ؇ (الانبیاء: ۳۵-۳۴)

ربط آیات اور شان نزول

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے زمین اور آسمان کی چیزوں سے اپنی الوہیت اور اپنی توحید پر استدلال فرمایا تھا' اب ان آیتوں میں یہ بتایا ہے کہ زمین اور آسمان کی یہ عظیم الشان چیزیں' اس لیے نہیں بنائی گئیں کہ ان کو بقا اور دوام ہو' اور نہ ان چیزوں کے لیے بقا اور دوام ہے جن کے لیے یہ چیزیں بنائی گئیں ہیں یہ دنیا بھی فنا ہو جائے گی اور اس میں رہنے والے بھی سب فنا ہو جائیں گے۔

یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب مشرکین نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا رد کرنے کے لیے کہا یہ عنقریب فوت ہو جائیں گے۔ جیسے فلاں' فلاں شاعر فوت ہو گیا تھا پھر ان کا دین اور ان کی تحریک بھی ختم ہو جائے گی اور ان کے پیروکاروں کا جوش و خروش بھی ٹھنڈا پڑ جائے گا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ اگر آپ فوت ہو گئے تو یہ کوئی نئی بات تو نہیں اس سے پہلے بھی انبیاء علیہم السلام فوت ہوتے رہے ہیں آپ سے پہلے کوئی بشر ہمیشہ نہیں رہا' اور تم خوشی سے کیوں بغلیں بجا رہے ہو؟

آپ کے فوت ہو جانے سے کیا ہوگا؟ تم بھی تو اس دنیا میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے نہیں ہو۔

امام رازی نے کہا ہے کہ یہ بھی احتمال ہے چونکہ آپ خاتم النبیین ہیں تو شاید آپ ہمیشہ زندہ رہیں گے اس لیے فرمایا کہ آپ کا حال بھی دوسرے انبیاء علیہم السلام کی مثل ہے جس طرح وہ دائماً نہیں رہے آپ بھی اس دنیا میں ہمیشہ نہیں رہیں گے اور وقت مقرر پر آپ کی وفات ہو جائے گی۔

ہر نفس کے موت کو چکھنے پر اعتراضات کے جوابات

نیز اس آیت میں فرمایا ہے ہر نفس نے موت کو چکھنا ہے' اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے اوپر نفس کا اطلاق فرمایا ہے تو کیا اللہ تعالیٰ نے بھی موت کو چکھنا ہے' قرآن مجید میں ہے:

كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ (الانعام: ١٢) اللہ نے اپنے نفس پر رحم کرنے کو لازم کر لیا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں نفس سے مراد ہر نفس ممکن یا ہر نفس مخلوق ہے' اس لیے نفس کے عموم میں اللہ تعالیٰ کی ذات داخل نہیں ہے۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ موت آنے کے بعد تو کسی چیز کو چکھنا متصور نہیں ہے' اور تیسرا اعتراض یہ ہے کہ موت تو اس قسم کی چیز نہیں ہے جس کو کھایا یا چکھا جائے' اس کا جواب یہ ہے کہ چکھنے سے مراد ہے ادراک کرنا' اور موت سے مراد ہے موت کے مقدمات اور وہ کیفیات جو موت سے پہلے وارد ہوتیں ہیں یعنی ہر نفس کو موت سے پہلے آنے والے امراض اور ان کے آلام کا سامنا کرنا ہے اور جن تکلیفوں میں مبتلا ہو کر جان نکلتی ہے ان کا ہر شخص کو سامنا کرنا ہے اور ان کا ادراک کرنا ہے۔

اچھی اور بری حالت اور اس میں آزمانے کا معنی

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور ہم تم کو بری اور اچھی حالت میں مبتلا کر کے آزماتے ہیں۔ اس آیت میں بری حالت سے مراد دنیا کی وہ تکالیف اور مصائب ہیں جو مسلمانوں پر وارد ہوتی ہیں جیسے فقر' تنگ دستی' بیماریاں اور ناگہانی افتاد اور اچھی حالت سے مراد صحت' خوشحالی اور دیگر دنیاوی نعمتیں ہیں' اور آزمانے سے مراد یہ ہے کہ یہ دکھایا جائے کہ مسلمان خوش حالی میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں اور تنگ دستی میں صبر کرتے ہیں اور اپنی بیماریوں اور بدحالیوں پر اللہ تعالیٰ سے کوئی شکوہ اور شکایت نہیں کرتے۔

ان آیات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا ذکر آ گیا ہے' اس لیے ہم یہاں پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پہلے کے اہم امور' آپ کی وفات کی کیفیت اور آپ کی وفات کے بعد پیش آنے والے واقعات کا تفصیل سے ذکر کر رہے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی وفات کی خبر دینا

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ایک بندے کو دنیا کے درمیان اور جو اس کے پاس اجر ہے اس کے درمیان اختیار دیا تو اس بندے نے اس کو اختیار کر لیا جو اس کے پاس ہے' پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ رونے لگے' اور ہمیں ان کے رونے پر تعجب ہوا' کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے ایک بندہ کو اختیار دیا ہے (تو اس میں رونے کی کیا بات ہے!) دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اختیار دیا گیا تھا' اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہم میں سب سے زیادہ علم والے تھے' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اپنی صحبت میں اور اپنے مال میں سب سے زیادہ مجھ پر احسان کیا ہے وہ ابو بکر ہیں' اور اگر میں اپنے رب کے سوا کسی کو خلیل بناتا تو ابو بکر کو بناتا لیکن ان کے ساتھ اسلام کی اخوت اور دوستی ہے مسجد کے ہر دروازہ کو بند کر دیا

جائے سوائے ابوبکر کے دروازے کے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۵۴، ۳۶۶۰، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۶۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۹۳، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۵۹۴، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۱۱۵۱، عالم الکتب، بیروت)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی وفات کا پہلے سے علم تھا، اور آپ کی موت اختیاری تھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو دنیا اور آخرت میں سے کسی ایک کا اختیار دے دیا تھا۔

حافظ احمد بن محمد القسطلانی المتوفی ۹۲۳ھ لکھتے ہیں:

جب آخر عمر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اجل قریب آ گئی تو آپ اس کا مسلسل بیان فرماتے رہے جب آپ نے حجۃ الوداع کا خطبہ دیا تو آپ نے لوگوں سے فرمایا مجھ سے حج کے احکام حاصل کر لو شاید کہ اس سال کے بعد میں تم سے ملاقات نہیں کروں گا اور آپ لوگوں سے الوداع ہونے لگے تو لوگ اس حج کو حجۃ الوداع کہنے لگے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے بعد مدینہ لوٹے تو مکہ اور مدینہ کے درمیان لوگوں کو مقام خم پر جمع کیا اور آپ نے ان سے خطبہ میں فرمایا: اے لوگو! میں تمہاری مثل بشر ہوں، عنقریب میرے پاس میرے رب کا پیغام آئے گا تو میں لبیک کہوں گا، پھر آپ نے لوگوں کو یہ نصیحت کی کہ وہ اللہ کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑ کر رکھیں اور آپ کے اہل بیت کے ساتھ خیر خواہی کریں۔

حافظ ابن رجب نے کہا آپ کے مرض کی ابتداء ماہ صفر کے اواخر میں ہوئی اور مشہور قول کے مطابق آپ تیرہ دن بیمار رہے، اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جس خطبہ کا ذکر ہے وہ آپ نے اس مرض کی ابتدا میں دیا تھا پھر آپ فوت ہو گئے۔ جیسا کہ امام دارمی نے روایت کیا ہے آپ کے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی پھر آپ منبر پر جا کر بیٹھ گئے پھر آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے میں اپنے اس مقام سے حوض کی طرف دیکھ رہا ہوں پھر آپ نے فرمایا ایک بندہ کو دنیا، اس کی زینت اور آخرت کے درمیان اختیار دیا گیا تو اس نے آخرت کو اختیار کر لیا، اس بات کو حضرت ابوبکر کے سوا اور کوئی نہیں سمجھا، ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور وہ رونے لگے پھر انہوں نے کہا بلکہ یا رسول اللہ! ہم آپ پر اپنے ماں باپ، اپنی جانوں اور اپنے مالوں کو قربان کرتے ہیں پھر آپ اس منبر سے اتر آئے پھر زندگی میں اس پر نہیں بیٹھے۔ (سنن الدارمی رقم الحدیث: ۷۷) (المواہب اللدنیہ ج ۳ ص ۳۷۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخر عمر میں سبحان اللہ وبحمدہ استغفر اللہ واتوب الیہ بکثرت پڑھتے تھے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس سے پہلے آپ سبحان اللہ وبحمدہ استغفر اللہ و اتوب الیہ اتنی کثرت کے ساتھ نہیں پڑھتے تھے آپ نے فرمایا میرے رب نے مجھے ایک علامت بتائی تھی جب میں اپنی امت میں وہ علامت دیکھوں تو اپنے رب کی حمد اس کی تسبیح کے ساتھ کروں اور اس سے استغفار کروں میں نے اپنی امت میں وہ علامت دیکھ لی وہ یہ ہے:

اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ وَالۡفَتۡحُ ۝ وَرَاَيۡتَ النَّاسَ يَدۡخُلُوۡنَ فِىۡ دِيۡنِ اللّٰهِ اَفۡوَاجًا ۝ فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ وَاسۡتَغۡفِرۡهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝ (النصر: ۳-۱)	جب اللہ کی مدد اور فتح آ جائے ۝ اور آپ دیکھیں کہ لوگ فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں ۝ تو اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کریں اور اس سے استغفار کریں۔ بے شک وہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے ۝

(الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۱۴۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں جب سورۃ النصر نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور فرمایا مجھے اپنی اجل (موت) کی خبر دے دی گئی ہے حضرت فاطمہ رونے لگیں تو آپ نے فرمایا رؤو مت' میرے اہل میں سے تم سب سے پہلے مجھ سے ملوگی' پھر حضرت فاطمہ ہنسنے لگیں۔

(الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۱۴۹' مطبوعہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے حضرت (سیدتنا) فاطمہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے قریب کسی کو نہیں دیکھا جو اپنی نشست برخواست اور زندگی کے عام معمولات میں آپ کے سب سے زیادہ مشابہ ہو' جب وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتیں تو آپ کھڑے ہو جاتے' ان کو بوسہ دیتے اور ان کو اپنے پاس بٹھاتے' جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہو گئے تو حضرت فاطمہ آئیں اور جھک کر آپ کو بوسہ دیا اور سر اٹھا کر رونے لگیں' پھر دوبارہ آپ پر جھکیں اور سر اٹھا کر ہنسنے لگیں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے تو میں نے ان سے کہا جب آپ پہلی بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جھکی تھیں تو رونے لگیں تھیں پھر جب آپ دوبارہ جھکیں اور سر اٹھایا تو آپ ہنسنے لگیں تھیں۔ اس کا کیا سبب تھا؟ حضرت فاطمہ نے فرمایا میں آپ کا راز بتا رہی ہوں پہلی بار آپ نے یہ بتایا تھا کہ آپ اس درد اور اس بیماری سے فوت ہو جائیں گے تو میں رونے لگی' پھر دوسری بار آپ نے یہ بتایا کہ آپ کے اہل میں سے سب سے پہلے میں آپ کے ساتھ ملوں گی تو میں ہنسنے لگی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۸۷۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۲۱۷' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۹۵۳' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۰۳۸' المستدرک ج ۴ ص ۲۷۲' دلائل النبوۃ ج ۷ ص ۱۰۱)

حضرت عقبہ بن عامر الجہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ سال بعد شہداء احد پر نماز جنازہ پڑھی' جیسے کوئی شخص زندوں اور مردوں سے الوداع ہو رہا ہو' پھر آپ منبر کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا میں تمہارا پیش رو ہوں' اور میں تم پر گواہ ہوں اور میرا تم سے حوض پر ملاقات کا وعدہ ہے اور میں اپنی اس جگہ سے اب بھی اس کی طرف دیکھ رہا ہوں' اور مجھے یہ خوف نہیں ہے کہ تم سب مشرک ہو جاؤ گے لیکن مجھے تم پر یہ خوف ہے کہ تم دنیا میں رغبت کرو گے۔ حضرت عقبہ نے کہا یہ میرا آخری بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنا تھا۔ (الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۱۵۸' مطبوعہ بیروت' ۱۴۱۹ھ)

محمد بن عمر بن علی اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض کی ابتداء بدھ کے روز سے ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روح قبض ہونے تک تیرہ روز بیمار رہے۔

(الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۱۵۹' مطبوعہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

یہ صفر کا آخری بدھ ہے۔ جس دن جاہل مسلمان خوشی مناتے ہیں مٹھائیاں بانٹتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل صحت کیا تھا' غالباً یہ دشمنان اسلام کی پھیلائی ہوئی خبر ہے کیونکہ اس دن سے آپ کی اس بیماری کی ابتدا ہوئی تھی جس میں آپ کی روح قبض کر لی گئی تھی۔

آخری ایام میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازیں اور آپ کی بیماری کی کیفیت

عبداللہ بن عتبہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا اور میں نے عرض کیا کیا آپ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض کے متعلق نہیں بیان کریں گی۔ حضرت عائشہ نے کہا کیوں نہیں! نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مرض زیادہ

ہوگیا تو آپ نے پوچھا کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی؟ ہم نے کہا نہیں' وہ آپ کا انتظار کر رہے ہیں' آپ نے فرمایا میرے لیے مخضب (لگن' ناند یا ٹب) میں پانی رکھو ہم نے اس میں پانی رکھ دیا' آپ نے غسل کیا' پھر آپ اٹھ کر جانے لگے تو آپ پر بے ہوشی طاری ہوگئی' پھر جب آپ ہوش میں آئے تو آپ نے فرمایا میرے لیے مخضب میں پانی رکھ دو' حضرت عائشہ نے فرمایا آپ نے بیٹھ کر غسل کیا پھر آپ اٹھ کر جانے لگے تو پھر آپ پر بے ہوشی طاری ہوگئی۔ آپ نے پوچھا کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے ہم نے کہا نہیں وہ آپ کا انتظار کر رہے ہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا میرے لیے مخضب میں پانی رکھ دو' آپ بیٹھ گئے آپ نے غسل کیا' پھر آپ اٹھ کر جانے لگے تو آپ پر بے ہوشی طاری ہوگئی' پھر آپ ہوش میں آئے تو آپ نے پوچھا کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے؟ ہم نے کہا نہیں وہ آپ کا انتظار کر رہے ہیں یا رسول اللہ! اور لوگ مسجد میں بیٹھے ہوئے عشاء کی نماز کے لیے آپ کا انتظار کر رہے تھے۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر کو بلایا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ پھر حضرت ابوبکر کے پاس پیغام دینے والا گیا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو نماز پڑھانے کا حکم دے رہے ہیں۔ حضرت ابوبکر نرم دل شخص تھے انہوں نے حضرت عمر سے کہا: اے عمر! تم لوگوں کو نماز پڑھا دو' حضرت عمر نے ان سے کہا آپ اس کے زیادہ حق دار ہیں' سو ان ایام میں حضرت ابوبکر نے نماز پڑھائی۔ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی طبیعت میں افاقہ محسوس ہوا تو آپ دو آدمیوں کے سہارے سے ظہر کی نماز کے لیے نکلے۔ ان میں سے ایک حضرت عباس رضی اللہ عنہ تھے' حضرت ابوبکر لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے جب حضرت ابوبکر نے آپ کو آتے ہوئے دیکھا تو وہ پیچھے ہٹنے لگے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اشارہ کیا کہ وہ پیچھے نہ ہٹیں۔ آپ نے فرمایا ان دونوں نے آپ کو حضرت ابوبکر کے پہلو میں بٹھا دیا۔ حضرت ابوبکر اپنی نماز میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی اقتداء کر رہے تھے اور لوگ حضرت ابوبکر صدیق کی نماز کی اقتداء کر رہے تھے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے' عبید اللہ نے کہا میں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کیا میں آپ کو وہ حدیث نہ سناؤں جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض کے متعلق بیان کی ہے! انہوں نے کہا سناؤ! میں نے ان کو یہ حدیث سنائی تو انہوں نے اس میں سے اور کسی چیز سے اختلاف نہیں کیا سوا اس کے کہ انہوں نے پوچھا کیا حضرت عائشہ نے اس شخص کا نام لیا تھا جو حضرت عباس کے ساتھ تھے؟ میں نے کہا نہیں فرمایا: وہ حضرت علی تھے! (حضرت عائشہ نے حضرت علی کا نام اس لئے نہیں لیا تھا کہ ایک جانب تو مستقل حضرت عباس تھے اور دوسری جانب کبھی حضرت علی ہوتے کبھی حضرت فضل بن عباس اور کبھی حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم' یہ وجہ نہیں تھی کہ آپ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کچھ رنج تھا)۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۸۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۱۸' سنن النسائی رقم الحدیث: ۸۳۴' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۰۸۴)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع' آپ کے خادم اور صحابی تھے وہ بیان کرتے ہیں کہ جس درد اور مرض میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوگئے اس میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کو نماز (فجر) پڑھا رہے تھے حتیٰ کہ جب پیر کا دن آیا اور مسلمان صف باندھے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حجرہ کا پردہ کھولا' آپ کھڑے ہوکر ہماری طرف دیکھ رہے تھے آپ کا چہرہ قرآن کے ورق کی طرح لگ رہا تھا' پھر آپ ہنستے ہوئے مسکرائے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر ہم کو اس قدر خوشی ہوئی کہ لگتا تھا کہ ہم نماز توڑ دیں گے' حضرت ابوبکر نے یہ گمان کیا کہ آپ حجرہ سے باہر آ کر نماز میں شامل ہوں گے وہ الٹے پاؤں پھرے تاکہ آپ صف میں آ جائیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کیا کہ تم اپنی نماز پوری کرو' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم حجرہ میں گئے اور پردہ گرا دیا اور آپ اسی دن فوت ہوگئے' امام بخاری کی ایک اور روایت میں ہے آپ اس دن کے آخر میں فوت ہوئے اور اس روایت میں یہ تصریح بھی ہے کہ یہ صبح کی نماز کا واقعہ تھا۔ (رقم الحدیث: ۷۵۴)

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٤٤٤٨، ١٢٠٥، ٧٥٤، ٦٨١، ٦٨٠، صحیح مسلم رقم الحدیث: ٤١٩، سنن النسائی رقم الحدیث: ١٨٣١، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ١٩٥٧)

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ٤٥٨ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ہشام نے کہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار تھے، آپ نے حضرت ابوبکر کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ تخفیف محسوس کی تو آپ آئے اور حضرت ابوبکر کے پہلو میں بیٹھ گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھ کر حضرت ابوبکر کو نماز پڑھائی اور حضرت ابوبکر نے (وہ نماز) لوگوں کو کھڑے ہو کر پڑھائی۔ (یعنی حضرت ابوبکر مکبر تھے)

زیادہ روایات اس پر متفق ہیں کہ اس نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امام تھے اور حضرت ابوبکر اور باقی مسلمانوں نے آپ کی اقتداء میں نماز پڑھی، اور یہ بھی روایت ہے کہ اس نماز میں حضرت ابوبکر امام تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر کی اقتداء میں نماز پڑھی۔

مسروق نے کہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جس مرض میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے، اس مرض میں آپ نے حضرت ابوبکر کے پیچھے بیٹھ کر نماز پڑھی۔

ہمیں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر کے پیچھے نماز پڑھی ہے۔

امام شافعی نے کہا اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار حضرت ابوبکر کی اقتداء میں نماز پڑھی ہے تو یہ اس سے مانع نہیں ہے کہ آپ نے دوسری بار بھی حضرت ابوبکر کی اقتداء میں نماز پڑھی ہو۔

موسیٰ بن عقبہ نے اپنے مغازی میں یہ حدیث روایت کی ہے کہ پیر کے دن حضرت ابوبکر ایک رکعت نماز پڑھا چکے تھے یہ وہی دن ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تھی، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طبیعت میں کچھ تخفیف محسوس کی تھی آپ باہر آئے اور آپ نے حضرت ابوبکر کے ساتھ ایک رکعت نماز پڑھی اور جب حضرت ابوبکر نے سلام پھیر دیا تو آپ نے کھڑے ہو کر دوسری رکعت پڑھی، پس ہو سکتا ہے جنہوں نے یہ روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض میں حضرت ابوبکر کی اقتداء میں نماز پڑھی اس سے مراد یہی نماز ہو، اور رہی وہ نماز جو ہفتہ یا اتوار کے دن حضرت ابوبکر نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض میں آپ کی اقتداء میں پڑھی تھی تو وہ ظہر کی نماز تھی جیسا کہ ہم نے حضرت عائشہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، پس ان دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ (السنن الکبریٰ ج ٣ ص ٨٣-٨٢، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان)

خلاصہ یہ ہے حضرت عائشہ یا حضرت ابن عباس کی روایت میں جو مذکور ہے کہ آپ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی اور حضرت ابوبکر نے آپ کی اقتداء میں نماز پڑھی وہ ظہر کی نماز ہے، اور جس حدیث میں ہے کہ آپ نے مرض میں حضرت ابوبکر کی اقتداء میں نماز پڑھی اس سے مراد پیر کے دن نماز فجر کی دوسری رکعت ہے جیسا کہ موسیٰ بن عقبہ کی روایت ہے، اور بخاری میں جو حضرت انس سے روایت ہے کہ آپ پیر کے دن مسلمانوں کو نماز فجر پڑھتا دیکھ کر خوش ہوئے اور پھر حجرہ میں چلے گئے اور اسی دن آپ فوت ہو گئے تھے اس سے مراد پیر کے دن کی نماز فجر کی پہلی رکعت ہے۔

ایام مرض میں آپ نے حضرت ابوبکر کی اقتداء میں ظہر کی نماز پڑھی تھی یا آپ خود امام تھے

صحیح بخاری رقم الحدیث: ٦٨٧ اور صحیح مسلم رقم الحدیث: ٤١٨ میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عباس اور ایک صحابی کے ساتھ ظہر کی نماز کے لیے گئے اس وقت حضرت ابوبکر نماز پڑھا رہے تھے آپ ان کی بائیں جانب بیٹھ گئے اور آپ نے بیٹھ

کرنماز پڑھی، اب اس میں ائمہ حدیث اور شارحین کا اختلاف ہے کہ یہ نماز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر اور دوسرے صحابہ کو پڑھائی تھی اور حضرت ابوبکر صرف مبلغ اور مکبر تھے، یا یہ نماز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے باقی صحابہ کی طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں پڑھی تھی۔

قاضی عیاض بن موسیٰ اندلسی متوفی ۵۴۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بعض علماء نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر کو ایام مرض میں نمازوں کا امام بنایا تھا، اور حضرت ابوبکر نے مسلمانوں کو بہ کثرت نمازیں پڑھائیں، صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر پیر کے دن تک مسلمانوں کو نمازیں پڑھاتے رہے، اور حضرت عائشہ نے کہا کہ حضرت ابوبکر نے ان ایام میں نمازیں پڑھائیں۔ اس میں یہ دلیل ہے کہ یہ صرف ایک نماز کا واقعہ نہیں ہے، ایک قول یہ ہے کہ حضرت ابوبکر بارہ دن تک نماز پڑھاتے رہے تھے الا یہ کہ بعض اوقات نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طبیعت میں تخفیف محسوس کرتے اور آپ میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی طاقت ہوتی تو آپ مسجد میں آ کر مسلمانوں کو نماز پڑھاتے جیسا کہ حضرت عائشہ کی بعض روایات میں ہے، اور حضرت انس سے ایک روایت میں ہے آپ آئے اور مسلمانوں کے ساتھ نماز نہیں پڑھی اور حجرہ کا پردہ گرا دیا، یہ اور حدیث ہے اور حضرت عائشہ کی حدیث میں دوسرا قصہ ہے پس کوئی بعید نہیں ہے کہ ایک نماز میں آپ امام ہوں اور دوسری نماز میں آپ مقتدی ہوں اور زیادہ صحیح اور مشہور یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی امام تھے۔

حضرت ابوبکر نے مسلمانوں کو جو پہلی نماز پڑھائی تھی وہ عشاء کی نماز تھی، اور امام مالک نے موطا کے علاوہ ایک حدیث میں روایت کیا ہے کہ حضرت ابوبکر امام تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے تھے اور آپ نے فرمایا کوئی نبی اس وقت تک فوت نہیں ہوتا جب تک کہ وہ اپنے کسی امتی کی اقتداء میں نماز نہ پڑھے۔

(اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۲ ص ۳۲۳، مطبوعہ دار الوفاء بیروت، ۱۴۱۹ھ)

علامہ ابو العباس احمد بن عمر القرطبی المالکی المتوفی ۶۵۶ھ لکھتے ہیں:

علماء کا اختلاف ہے آیا اس نماز میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم امام تھے اور اس کا سبب یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم امام تھے اور حضرت ابوبکر نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کر رہے تھے اور لوگ حضرت ابوبکر کی اقتداء کر رہے تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۸۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۱۸)

اور امام ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے جو آخری نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی ہے اس میں آپ ایک کپڑے میں لپٹے ہوئے تھے اور آپ نے وہ نماز حضرت ابوبکر کی اقتداء میں پڑھی تھی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۳، مسند احمد ج ۳ ص ۱۵۹، سنن النسائی ج ۲ ص ۷۹، دلائل النبوۃ ج ۷ ص ۱۹۲، امام ترمذی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ رقم الحدیث: ۳۶۲، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۶ ص ۱۵۹، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۱۱۸، سنن کبریٰ ج ۳ ص ۸۳ علامہ قرطبی نے جو لکھا ہے کہ آخری نماز (حضرت ابوبکر کے پیچھے پڑھی) تو یہ الفاظ سنن ترمذی میں نہیں ہیں البتہ مسند احمد ج ۳ ص ۱۵۹ اور سنن النسائی ج ۲ ص ۷۹ میں ہیں۔)

علماء نے ان احادیث میں یہ تطبیق دی ہے کہ جس نماز میں آپ امام تھے وہ اور نماز تھی اور جس نماز میں آپ مقتدی تھے وہ اور نماز تھی، لیکن اس کی تائید میں کوئی صحیح نقل وارد نہیں ہے۔ (المفہم ج ۲ ص ۵۱، مطبوعہ دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا بعض لوگ یہ کہتے ہیں حضرت ابوبکر صف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے تھے اور بعض یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آگے تھے' امام ابن المنذر نے شعبہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر کے پیچھے نماز پڑھی' اور امام ابن حبان نے شقیق سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوبکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے تھے اور لوگ حضرت ابوبکر کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے تھے یعنی ابوبکر مبلغ اور مکبر تھے۔

اس مسئلہ میں شدید اختلاف ہے' بعض علماء نے ترجیح کا طریقہ اختیار کیا اور اس کو ترجیح دی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم امام تھے جیسا کہ بخاری اور مسلم میں ہے' بعض علماء نے تطبیق کا طریقہ اختیار کیا اور کہا کہ یہ متعدد واقعات ہیں۔ حضرت ابن عباس کی حدیث میں یہ ہے کہ حضرت ابوبکر مقتدی تھے اور حضرت انس کی حدیث میں یہ ہے کہ حضرت ابوبکر امام تھے اور یہ آخری نماز تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر کی اقتداء میں پڑھی تھی' اس حدیث کو امام ترمذی اور امام نسائی نے روایت کیا ہے۔ (فتح الباری' ج ۲ ص ۲۷۷-۳۷۶' ملخصاً' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ)

حافظ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

اس میں روایات مختلف ہیں کہ آیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم امام تھے یا حضرت ابوبکر صدیق امام تھے' ایک جماعت نے یہ کہا کہ بخاری اور مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں یہ تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم امام تھے' اور ایک جماعت نے یہ کہا کہ حضرت ابوبکر امام تھے کیونکہ شعبہ نے از ابراہیم از اسود از عائشہ روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر کے پیچھے نماز پڑھی تھی' امام بیہقی نے کہا ان احادیث میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ جن احادیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے امام ہونے کا ذکر ہے ان میں ہفتہ یا اتوار کے دن کی ظہر کی نماز مراد ہے اور جن احادیث میں ذکر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر کی اقتداء میں نماز پڑھی ان میں پیر کے دن فجر کی نماز کی دوسری رکعت مراد ہے اور یہ آپ کی آخری نماز تھی' جیسا کہ سنن ترمذی اور سنن نسائی میں ہے' امام نعیم بن ابی ہند نے بھی یہی کہا ہے کہ ان احادیث میں تعارض نہیں ہے ایک نماز میں آپ امام تھے اور ایک نماز میں آپ مقتدی تھے' اور امام ضیاء المقدسی اور ابن ناصر نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایام مرض میں تین مرتبہ حضرت ابوبکر کی اقتداء میں نماز پڑھی ہے اور اس کا انکار وہی شخص کر سکتا ہے جو جاہل ہو اور اس کو روایات کا علم نہ ہو' امام ابن حبان نے کہا ایسا دو مرتبہ ہوا ہے اور امام ابن عبد البر نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی امام تھے۔

(عمدۃ القاری جز ۵ ص ۱۶۱' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر' ۱۳۴۸ھ)

حافظ ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں:

ابن القاسم نے کہا مجھے امام مالک نے ربیعہ بن عبد الرحمٰن سے یہ حدیث روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیماری کی حالت میں باہر نکلے' اس وقت حضرت ابوبکر مسلمانوں کو نماز پڑھا رہے تھے' آپ حضرت ابوبکر کے پہلو میں بیٹھ گئے' امام حضرت ابوبکر تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے تھے اور آپ نے فرمایا کوئی نبی اس وقت تک فوت نہیں ہوا جب تک کہ اس کی امت کے کسی شخص نے اس کو نماز نہ پڑھائی ہو۔

امام مالک نے کہا ہمارے نزدیک اس حدیث پر عمل ہے اور ربیعہ ہمارے نزدیک پسندیدہ ہے۔

(الاستذکار ج ۵ ص ۳۹۳-۳۹۲' مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت' ۱۴۱۳ھ)

اس تصریح سے واضح ہو گیا کہ علامہ عینی نے جو امام ابن عبد البر سے نقل کیا ہے کہ امام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے وہ نقل صحیح نہیں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرض الموت

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض الموت میں فرمایا: اے عائشہ مجھے ہمیشہ اس کھانے سے درد ہوتا رہا ہے جو میں نے خیبر میں کھایا تھا اور اب وقت آ گیا ہے کہ اس زہر کے اثر سے میری ابہر (وہ رگ جو پشت سے لے کر دل تک متصل ہے' موت کے وقت یہ رگ منقطع ہو جاتی ہے) منقطع ہو جائے گی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٤٤٢٨)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں یہ سنتی تھی کہ کوئی نبی اس وقت تک فوت نہیں ہوتا جب تک کہ اسے دنیا اور آخرت کے درمیان اختیار نہ دیا جائے اور میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مرض الموت میں سنا آپ کی آواز بھاری ہو چکی تھی اس وقت آپ فرما رہے تھے: مع الذین انعم اللہ علیھم تو میں نے جان لیا کہ اب آپ کو اختیار دیا گیا ہے۔

(صحیح البخاری رقم لحدیث: ٤٤٣٥' صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢٤٤٤ سنن الترمذی رقم الحدیث: ٣٤٩٩' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ٧١٠٥)

فی الرفیق الاعلیٰ کے متعلق احادیث

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس مرض میں مبتلا ہوئے جس میں آپ کی وفات ہوگئی تو آپ یہ کہہ رہے تھے فی الرفیق الاعلی.

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٤٤٣٦' صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢٤٤٤' سنن الترمذی رقم الحدیث: ٣٤٩٩)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تندرستی کی حالت میں فرمایا اس وقت تک کوئی نبی فوت نہیں ہوا جب تک کہ اس کو جنت میں اس کا مقام دکھا نہیں دیا گیا پھر اس کو زندہ رکھا جاتا یا اس کو اختیار دیا جاتا' پھر جب آپ بیمار ہو گئے اور قبض روح کا وقت آیا اور اس وقت آپ کا سر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے زانو پر تھا آپ پر غشی طاری تھی' جب آپ کو ہوش آتا تو آپ کی نظر گھر کی چھت کی طرف اٹھی ہوئی ہوتی اور آپ یہ کہتے تھے "اے اللہ رفیق اعلیٰ میں" اس وقت میں نے دل میں کہا اب آپ ہمارے ساتھ نہیں رہیں گے اور اس وقت وہ حدیث یاد آ گئی جو آپ نے حالت صحت میں ارشاد فرمائی تھی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ٤٤٣٧' صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢٤٤٤' سنن الترمذی رقم الحدیث: ٣٤٩٩)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ قبض روح سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پیٹھ میرے ساتھ لگائی ہوئی تھی میں نے آپ کی طرف کان لگا کر سنا تو آپ یہ دعا کر رہے تھے: اے اللہ! مجھے معاف کر دے' مجھ پر رحم فرما اور مجھے رفیق (اعلیٰ) سے ملا دے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ٤٤٤٠)

الرفیق الاعلیٰ کا معنی

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ٨٥٢ھ لکھتے ہیں:

رفیق اعلیٰ سے مراد وہ حضرات قدس ہیں جن کا اس آیت کریمہ میں ذکر ہے:

مِنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ○ (النساء: ٦٩)

انبیاء' صدیقین' شہداء' صالحین اور یہ بہترین رفیق ہیں۔

علامہ سہیلی نے لکھا ہے کہ ان سب لوگوں کو رفیق اعلیٰ سے تعبیر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ تمام نفوس قدسیہ کا قلب ایک جیسا ہو گا اور بعض مغاربہ کا یہ زعم ہے کہ الرفیق الاعلی سے مراد اللہ عزوجل کی ذات ہے کیونکہ الرفیق اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے' صحیح مسلم اور سنن ابوداؤد میں ہے کہ اللہ رفیق ہے اور رفق (نرمی اور ملائمت) کو پسند فرماتا ہے' اور یہ ہو سکتا ہے کہ حکیم کی طرح

رفیق اللہ تعالیٰ کی صفت ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ رفیق اللہ تعالیٰ کی صفت فعل ہو یعنی اللہ تعالیٰ نرمی سے کام کرتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے حضرت القدس مراد ہو' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے وہ نفوس قدسیہ مراد ہوں جن کا النساء: ۶۹ میں ذکر ہے اور ان کے رفیق ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرتے ہیں' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ لطف اور ملائمت کے ساتھ پیش آتے ہیں' اور یہی تیسرا معنی معتمد ہے اور اکثر شارحین نے اس کا ذکر کیا ہے۔ علامہ سہیلی نے لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اپنے کلام کو ختم کیا ہے اس میں حکمت یہ ہے کہ یہ کلمہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور ذکر بالقلب کو متضمن ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ یہ ضروری نہیں کہ انسان مرتے وقت اللہ تعالیٰ کو زیادہ سے زیادہ یاد کرے بلکہ اس کو دل سے بھی یاد کر لینا کافی ہے۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۴۸۴' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ)

علامہ المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

حدیث میں یہ دعا ہے اے اللہ! مجھے رفیق اعلیٰ سے ملا دے۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۴۵) رفیق سے مراد ہے انبیاء علیہم السلام کی جماعت جو اعلیٰ علیین میں سکونت پذیر ہیں' رفیق کا اطلاق واحد اور جمع دونوں پر ہوتا ہے' اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ اے اللہ! مجھے اللہ تعالیٰ سے ملا دے کیونکہ وہ اپنے بندوں پر رفیق ہے یعنی ان پر نرمی فرماتا ہے۔

(النہایہ ج ۲ ص ۲۲۴' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

علامہ احمد بن محمد القسطلانی المتوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

سنن نسائی میں اور صحیح ابن حبان میں ہے اے اللہ میں الرفیق الاعلی الاسعد کا جبریل' میکائیل اور اسرافیل کے ساتھ کا سوال کرتا ہوں' اور ظاہر یہ ہے کہ رفیق اعلیٰ سے مراد وہ مقام ہے جہاں ان کی رفاقت حاصل ہو' ابن الاثیر نے کہا اس سے مراد جماعت انبیاء ہے جو اعلیٰ علیین میں ہیں' ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد حظیرۃ القدس ہے۔ (المواہب اللدنیہ ج ۳ ص ۸۸۴' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ)

نزع روح کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شدید تکلیف ہونا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جو نعمتیں عطا کی ہیں ان میں سے ایک نعمت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے حجرے میں فوت ہوئے اور میری باری میں فوت ہوئے' اس وقت آپ میرے سینے سے ٹیک لگائے ہوئے تھے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی وفات کے وقت میرے اور آپ کے لعاب دہن کو جمع کر دیا۔ اس وقت میرے پاس عبدالرحمٰن (بن ابی بکر) آئے اور ان کے ہاتھ میں مسواک تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مجھ سے ٹیک لگائے ہوئے تھے میں نے دیکھا کہ آپ اس کی طرف دیکھ رہے ہیں' میں سمجھ گئی کہ آپ مسواک کو پسند فرما رہے ہیں' میں نے پوچھا کیا میں اس کو لے لوں! آپ نے سر کے اشارہ سے فرمایا: ہاں! میں نے آپ کو مسواک دی آپ نے اس کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ میں نے پوچھا کیا میں اس کو آپ کے لیے نرم کر دوں؟ آپ نے سر کے اشارہ سے فرمایا: ہاں! پھر میں نے اس کو آپ کے لیے نرم کیا' آپ کے سامنے پانی کا برتن تھا آپ اس برتن میں ہاتھ ڈال کر دونوں ہاتھ چہرے پر پھیرتے اور فرماتے لا الہ الا اللہ بے شک موت کے لیے سکرات ہے (سختیاں اور شدتیں ہیں) پھر آپ اپنا ہاتھ اٹھا کر فرمانے لگے ''الرفیق الاعلی'' میں' حتیٰ کہ آپ کی روح قبض کر لی گئی اور آپ کا ہاتھ ڈھلک گیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۴۴۹)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حال میں روح قبض کی گئی کہ آپ میری

ہنسلی اور ٹھوڑی کے درمیان تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد میں کسی پر موت کی شدت اور سختی کو برا نہیں جانتی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۴۴۶)

نزع روح کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شدید تکلیف کی توجیہات

ان حدیثوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر موت کی شدت اور سختی کا ذکر کیا گیا ہے اس کی حسب ذیل وجوہات ہیں:

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج مبارک عام لوگوں سے بہت لطیف تھا اس لیے آپ کو معمولی سی تکلیف بھی سخت معلوم ہوتی تھی۔

(۲) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے زیادہ مصائب انبیاء پر نازل ہوتے ہیں پھر جوان کے مماثل ہوں۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۹۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۴۰۲۳، المستدرک: ۵۵۱۴، جمع الجوامع رقم الحدیث: ۳۱۴۰، کنز العمال رقم الحدیث: ۶۷۸۰) اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر موت کی سختی نازل کی گئی۔

(۳) عام آدمیوں کو کسی چیز سے جتنی تکلیف ہوتی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے دگنی تکلیف ہوتی ہے۔

جن کا رتبہ ہے سوا ان کو سوا مشکل ہے

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت آپ کو بخار ہو رہا تھا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کو تو بہت شدید بخار ہو رہا ہے! آپ نے فرمایا: ہاں! مجھے اتنا بخار ہوتا ہے جتنا تم میں سے دو آدمیوں کو ہوتا ہے، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! پھر آپ کو اس کا دگنا اجر ملے گا؟ آپ نے فرمایا ہاں اسی طرح ہوگا۔ مسلمان کو جو بھی تکلیف پہنچے خواہ کانٹا چبھنے کی ہو یا اس سے زیادہ ہو اللہ تعالیٰ اس کے سبب سے اس کے گناہ مٹا دیتا ہے جیسے درخت کے پتے گرا دیئے جاتے ہیں۔ (اور جب گناہ نہ ہوں تو ان کے درجات بلند کر دیئے جاتے ہیں جیسے انبیاء علیہم السلام) (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۴۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۷۱)

اس کی وجہ یہ ہے کہ مصیبت بقدر نعمت نازل ہوتی ہے جس پر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بہت زیادہ ہوتی ہیں ان پر مصائب بھی زیادہ سخت نازل ہوتے ہیں۔ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ قوی انسان پر سخت بلائیں نازل کی جاتی ہیں اور ضعیف انسان کے ساتھ نرمی کی جاتی ہے کیونکہ مصیبت زدہ کی جب معرفت قوی ہوتی ہے تو اس پر مصیبت ہلکی ہو جاتی ہے۔ ان میں سے بعض افراد مصیبت کے اجر پر نظر رکھتے ہیں تو ان کو وہ مصیبت معمولی معلوم ہوتی ہے، اور اس کا سب سے اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ مصیبت زدہ خیال کرتا ہے کہ یہ مالک کا اپنی ملکیت میں تصرف ہے تو وہ اس بلا اور مصیبت کو تسلیم کرتا ہے اور اس پر اعتراض نہیں کرتا، اور اس سے بھی بلند درجہ یہ ہے کہ جو اپنے مولیٰ کی محبت میں مشغول اور مستغرق ہوتا ہے اس کو مصیبت کا احساس نہیں ہوتا جیسے حسن یوسف کے جلوؤں میں کھو کر مصر کی عورتوں کو انگلیاں کاٹنے کا درد اور احساس نہیں ہوا، اور اس سے بھی بڑا درجہ یہ ہے کہ جس طرح عام لوگ نعمت سے لذت حاصل کرتے ہیں خواص اس طرح مصائب سے لذت حاصل کرتے ہیں کیونکہ ان کی نظر مصائب کی طرف نہیں مصائب نازل کرنے والے کی طرف ہوتی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی کو درد میں مبتلا نہیں دیکھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۴۶، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۷۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۶۲۲)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہاتھ رکھ کر کہا: اللہ کی قسم میں

آپ کے بخار کی شدت وجہ سے آپ کے اوپر اپنا ہاتھ نہیں رکھ سکتا' تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم انبیاء کے گروہ پر اسی طرح مصائب کو دگنا کیا جاتا ہے جس طرح ہمارے اجر کو دگنا کیا جاتا ہے' بیشک انبیاء سابقین کو جوؤں کے ساتھ مبتلا کیا جاتا حتیٰ کہ وہ جوؤں کو مار دیتے اور ان کو فقر کے ساتھ مبتلا کیا جاتا حتیٰ کہ وہ ستر پوشی کے لیے اپنے گرد چادر لپیٹ لیتے اور بے شک وہ مصائب میں اسی طرح فرحت محسوس کرتے تھے جس طرح تم خوش حالی میں فرحت محسوس کرتے ہو۔

(مسند احمد ج ۳ص ۹۴ طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث : ۱۱۹۱۵' عالم الکتب' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث : ۲۰۶۲۶' مسند عبد بن حمید رقم الحدیث: ۹۶۱' البدایہ والنہایہ ج ۴ص ۲۰۴)

(۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نزع روح کے وقت جو زیادہ سختی اور شدت کی گئی اس کی ایک حکمت یہ بھی تھی کہ اگر امت کے کسی فرد پر نزع روح کے وقت سختی اور شدت ہو تو وہ گھبرائے نہیں اور یہ نہ سمجھے کہ اس پر ظلم ہو رہا ہے بلکہ یہ سمجھ کر اپنے آپ کو تسلی دے کہ وہ کیا چیز ہے تمام انبیاء کے قائد اور سردار پر بھی سکرات موت کی شدت کی گئی تھی' اسی طرح اس میں یہ بھی حکمت ہے کہ کوئی مسلمان کسی دوسرے مسلمان پر سکرات کی سختی دیکھ کر اس کے متعلق یہ بدگمانی نہ کرے کہ اس کا انجام اچھا نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی سکرات موت کی شدت کی گئی تھی۔

(۵) روح معصیت کی آلودگی سے منزہ ہوتی ہے' اور جب جسم معصیت میں ڈوبا ہوا ہو تو روح اور جسم میں اتصال اور چسپید گی نہیں ہوتی سو جو لوگ بدکار اور گناہ گار ہوتے ہیں تو نزع روح کے وقت حضرت عزرائیل کے ایک جھٹکے سے روح جسم سے اکھڑ کر الگ ہو جاتی ہے اور اگر جسم عبادت اور اطاعت میں ڈوبا ہوا ہو تو روح سختی کے ساتھ جسم سے چمٹ جاتی ہے پس حضرت عزرائیل جب نیک لوگوں کی روحوں کو قبض کرتے ہیں تو روح جسم سے الگ ہونے میں سخت مزاحمت کرتی ہے اس لیے نیک لوگوں کو نزع روح کے وقت سخت تکلیف ہوتی ہے۔

(۶) روح کو جسم سے الگ کرتے وقت تکلیف کا ایک یہ سبب ہوتا ہے کہ اس شخص کا چند لوگوں سے تعلق ہوتا ہے اور وہ ان سے جدا ہونا نہیں چاہتا' عام انسانوں کا چند لوگوں سے تعلق ہوتا ہے اور ان کو چند لوگوں سے جدا ہونے کی تکلیف ہوتی ہے اور انبیاء علیہم السلام کا پوری امت سے تعلق ہوتا ہے اور ان کی روح پوری امت سے جدا ہوتی ہے سو ان کو پوری امت سے جدا ہونے کی تکلیف ہوتی ہے۔ اس لیے عام انسانوں کی بہ نسبت انبیاء علیہم السلام کو نزع روح کے وقت زیادہ تکلیف ہوتی ہے۔

(۷) آپ کے درجات کو بلند کرنے کے لیے آپ کو شدت سکرات میں مبتلا کیا گیا۔

(۸) سکرات کی سختی شدت کرب کی وجہ سے ہوتی ہے اور شدت فرح کی وجہ سے بھی ہوتی ہے۔ حضرت بلال پر جب نزع روح کی کیفیت طاری تھی تو ان کے گھر والوں نے کہا ہائے ان کی تکلیف' حضرت بلال نے آنکھیں کھول کر کہا ہائے اس کی خوشی! کل میں اپنے دوستوں سے ملوں گا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اور آپ کے اصحاب سے' اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب سے ملاقات میں خوشی کی یہ کیفیت ہے تو اللہ عزوجل سے ملاقات کی خوشی کا کیا عالم ہوگا اور جب وہ نعمتیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَلَا تَعۡلَمُ نَفۡسٌ مَّاۤ اُخۡفِیَ لَهُمۡ مِّنۡ قُرَّةِ اَعۡیُنٍ ۚ (السجدہ: ۱۷)

کوئی نفس ان نعمتوں کو نہیں جانتا جو ہم نے ان کی آنکھوں کو ٹھنڈا کرنے کے لیے پوشیدہ کر رکھی ہیں۔

تو ان کی خوشی کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔ (المواہب اللدنیہ ج ۳ص ۳۸۵' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ)

(۹) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نزع روح اور شدت سکرات کو اس لیے طاری کیا گیا تا کہ اس حال میں بھی آپ کی امت کے لیے نمونہ ہو۔

(۱۰) نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر شدت سکرات کو امت کی تعلیم کے لیے طاری کیا گیا تا کہ آپ نے اس موقع پر جو دعائیں پڑھی تھیں وہ بھی ان دعاؤں کو پڑھیں۔ وہ دعائیں یہ ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو موت کے وقت دیکھا' آپ کے پاس ایک پیالہ میں پانی تھا آپ اس پیالہ میں ہاتھ ڈال کر اپنے ہاتھ سے چہرے پر پانی لگاتے اور یہ دعا کرتے: اے اللہ سکرات الموت پر میری مدد فرما۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۹۷۸' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۲۵۸' مسند احمد ج ۶ ص ۶۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۱۶۲۳' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۴۵۱۰' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۳۲۶۸' المستدرک رقم الحدیث ۴۴۴۲' ۳۷۸۳' طبع جدید)

امام ابن ابی الدنیا نے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرما رہے تھے: اے اللہ: تو روح کو پٹھوں' ہڈیوں اور انگلیوں کی پوروں کے درمیان سے قبض کرتا ہے سو تو موت پر میری مدد فرما اور اس کو مجھ پر آسان کر دے۔

(احیاء علوم الدین ج ۴ ص ۵۰۲' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ)

(۱۱) عام لوگوں کا جسم عناصر اربعہ سے مرکب ہوتا ہے تو روح کو صرف ان چار عناصر سے منفصل ہونے کی تکلیف ہوتی ہے' صوفیا کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم تمام حقائق کونیہ سے مرکب تھا اس لیے نزع روح کے وقت آپ کی روح کو تمام حقائق کونیہ سے منفصل ہونے کی تکلیف ہوئی اور صرف عناصر اربعہ کی بہ نسبت تمام حقائق کونیہ سے انفصال کی تکلیف بہت زیادہ ہے۔

(۱۲) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر مرض کی شدت ہوئی تو آپ پر بار بار بے ہوشی طاری ہو رہی تھی' حضرت فاطمہ علیہا السلام نے کہا واکرب اباہ "آہ! میرے والد کا کرب اور بے چینی" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج کے دن کے بعد تمہارے والد پر کرب اور بے چینی نہیں ہوگی' جب آپ فوت ہو گئے تو حضرت فاطمہ نے کہا: ہائے میرے والد نے رب کی دعوت پر لبیک کہا! ہائے میرے والد نے جنت الفردوس کو اپنا ٹھکانا بنا لیا' ہائے ہم جبریل کو اپنے والد کی خبر سناتے ہیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کر دیا گیا تو حضرت فاطمہ نے کہا اے انس! اب تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مٹی ڈال کر خوش ہو گئے ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۴۶۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۶۳۰' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۸۴۳' مسند احمد ج ۳ ص ۱۹۷' سنن داری رقم الحدیث: ۸۸' مسند عبد بن حمید رقم الحدیث: ۱۳۶۴' المسند الجامع رقم الحدیث: ۶۰۳)

اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ آپ کی تکلیف کی شدت کو دیکھ کر سیدہ فاطمہ زہرا نے رنج اور پریشانی کا اظہار کرتے ہوئے کہا: آہ میرے والد کا کرب اور بے چینی! تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تسلی دی اور فرمایا آج کے بعد تمہارے والد کو بے چینی نہیں ہوگی۔ اس میں یہ تعلیم دی ہے کہ کسی شخص کو نزع روح کی تکلیف میں دیکھ کر اس کے اقرباء گھبرائیں تو وہ ان کو تسلی دے۔

(۱۳) نزع روح کے وقت آپ نے پانی کے پیالہ میں ہاتھ ڈال کر اس پانی کو اپنے ہاتھ سے چہرے پر لگایا اس میں یہ تعلیم دی کہ جو شخص نزع روح کی کیفیت میں مبتلا ہو اس کو اپنے چہرے پر پانی مل کر اپنے جسم کو تسکین پہنچانی چاہیے۔

(۱۴) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نزع روح کی اس شدید تکلیف کے باوجود کوئی جزع فزع اور آہ وزاری نہیں کی اور صبر و اطمینان کے ساتھ اپنی جان' جان آفرین کے سپرد کر دی' سو اسی طرح امت کو بھی صبر و اطمینان کے ساتھ جان دینی چاہیے۔

(۱۵) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا وقت آیا اور آپ کا سانس اکھڑ رہا تھا' اس وقت آپ فرمارہے تھے الصلاۃ و ما ملکت ایمانکم : نماز اور زکوٰۃ کو لازم رکھنا یا نماز اور اپنے خادموں کا خیال رکھنا۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۱۱۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۶۹۷' الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۱۹۵' المسند الجامع رقم الحدیث: ۲۹۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت وصیت کی جب آپ کی زبان بڑی مشکل سے چل رہی تھی آپ نے فرمایا الصلاۃ و ماملکت ایمانکم (یہ حدیث صحیح ہے)

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۶۹۷' صحیح ابن حبان رقم الحدیث ۶۶۰۵' مسند عبد بن حمید رقم الحدیث: ۱۲۱۴' الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۱۹۵' مسند احمد ج ۳ ص ۱۱۷)

اس سے معلوم ہوا کہ نزع روح کی شدت کے وقت بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خیال تھا کہ آپ کی امت نماز میں کوئی کمی اور کوتاہی نہ کرے اور زکوٰۃ کی ادائیگی میں سستی نہ کرے' نزع روح کی شدت میں بھی آپ کو اپنی امت کی فکر دامن گیر تھی تو ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کس قدر یاد رکھنا چاہیے اور نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی کی کتنی فکر کرنی چاہیے۔

(۱۶) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس آخری کلمہ کے ساتھ کلام کیا وہ یہ تھا اللھم الرفیق الاعلیٰ ''اے اللہ سب سے اعلیٰ رفیق''۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۴۶۳' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۹۹' السنن الکبریٰ رقم الحدیث: ۷۱۰۵)

جب انسان کسی تکلیف میں مبتلا ہو تو اس کے دل و دماغ میں سوا اپنی تکلیف اور اس سے نجات کے اور کوئی فکر نہیں ہوتی' اللہ تعالیٰ نے یہ دکھایا کہ نزع روح کی اس شدید تکلیف میں بھی آپ نہ اپنی امت کو بھولے تھے اور نہ اپنے مولیٰ کو اور آپ کی زبان سے جو آخری کلمہ نکلا وہ اپنے مولیٰ کا نام تھا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عیادت اور تعزیت

حضرت جعفر بن محمد اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجل میں تین روز رہ گئے تو آپ پر حضرت جبریل علیہ السلام نازل ہوئے اور کہا یا احمد! اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کی خصوصی تعظیم اور تکریم کے لیے بھیجا ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کا حال پوچھا ہے حالانکہ اس کو آپ سے زیادہ آپ کے حال کا علم ہے' آپ نے فرمایا: اے جبریل! مجھے سخت بے چینی اور تکلیف ہے' دوسرے دن پھر جبریل آئے اور کہا یا احمد! اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کی خصوصی تعظیم اور تکریم کے لیے بھیجا ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کا حال پوچھا ہے حالانکہ اس کو آپ سے زیادہ آپ کے حال کا علم ہے۔ آپ نے فرمایا: اے جبریل! مجھے سخت بے چینی اور تکلیف ہے' تیسرے دن حضرت جبریل آئے اور ان کے ساتھ ملک الموت اور ایک اور فرشتہ بھی آیا جس کا نام اسماعیل تھا وہ خلا میں رہتا تھا وہ کبھی آسمان پر چڑھا اور نہ کبھی زمین پر اترا تھا' پھر جبریل نے آپ سے کہا یا احمد! اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کی خصوصی تعظیم اور تکریم کے لیے بھیجا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کا حال پوچھا ہے حالانکہ اس کو آپ سے زیادہ آپ کا حال معلوم ہے آپ نے فرمایا: اے جبریل مجھے سخت بے چینی اور تکلیف ہے' پھر ملک الموت نے اجازت طلب کی اور جبریل نے کہا یا احمد! یہ ملک الموت ہے جو آپ سے آنے کی اجازت طلب کر رہا ہے' اس نے

آپ سے پہلے کسی آدمی سے اجازت طلب کی تھی اور نہ آپ کے بعد کسی آدمی سے اجازت طلب کرے گا' آپ نے فرمایا اس کو اجازت دو' پھر ملک الموت آئے اور آپ کے سامنے کھڑے ہو گئے پس کہا یا رسول اللہ! یا احمد! بے شک اللہ نے مجھے آپ کی طرف بھیجا ہے اور مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں آپ کے ہر حکم کی اطاعت کروں۔ اگر آپ حکم دیں گے تو میں آپ کی روح قبض کروں گا اور اگر آپ اس کو ترک کرنے کا حکم دیں گے تو میں اس کو ترک کر دوں گا۔ آپ نے فرمایا: اے ملک الموت! تم ایسا کرو گے! انہوں نے کہا مجھے یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں آپ کے ہر حکم کی تعمیل کروں۔ پھر جبریل نے کہا اے احمد! اللہ تعالیٰ آپ کی ملاقات کا مشتاق ہے پھر آپ نے فرمایا اے ملک الموت! تم کو جو حکم دیا گیا ہے تم اس کو بجالاؤ' جبریل نے کہا السلام علیک یا رسول اللہ! یہ میرا دنیا میں آخری بار آنا ہے میں تو صرف آپ کی وجہ سے دنیا میں آیا کرتا تھا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی۔ پھر تعزیتی کلمات کی آواز آئی' کوئی دکھائی نہیں دے رہا تھا مگر یہ آواز آ رہی تھی: السلام علیکم یا اھل البیت ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ وَإِنَّمَا تُوَفَّوْنَ أُجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (آل عمران: ۱۸۵)

ہر نفس موت کو چکھنے والا ہے اور تمہارے اجور قیامت کے دن ہی پورے کیے جائیں گے۔

بے شک اللہ تعالیٰ کی ذات میں ہر مصیبت سے تعزیت ہے اور ہر ہلاک ہونے والے کی خلافت ہے اور ہر جانے والی چیز کی تلافی ہے' سو تم اللہ پر ہی اعتماد کرو اور اسی سے امید رکھو اصل میں مصیبت زدہ وہ ہے جو ثواب سے محروم ہو والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

(الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۱۹۹۔۱۹۸' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ' المنتظم ج ۱ ص ۴۷۶۔۴۷۵' دلائل النبوۃ ج ۷ ص ۲۶۸۔۲۶۷' مشکوۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۹۷۲' المواہب اللدنیہ ج ۳ ص ۳۸۷' البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۲۵۹۔۲۵۸' مطبوعہ دار الفکر' ۱۴۱۸ھ' سبل الھدیٰ والرشاد ج ۱۲ ص ۲۶۴۔۲۶۳' اتحاف السادۃ المتقین ج ۱۰ ص ۲۹۶' الوفا رقم الحدیث: ۱۵۶۱ ص ۸۶۵' بیروت' ۱۴۰۸ھ' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۸۸۶۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پہلے اور وفات کے بعد کے مفصل احوال

وھب بن منبہ نے حضرت جابر بن عبد اللہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے اذا جاء نصر اللہ و الفتح -الایۃ (النصر) کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا اے جبریل مجھے اس آیت میں اپنی موت کی خبر دی گئی ہے۔ جبریل علیہ السلام نے کہا آپ کے لیے آخرت دنیا سے بہتر ہے' اور عنقریب آپ کا رب آپ کو اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال کو حکم دیا کہ وہ نماز کی جماعت کے لیے اذان دیں پھر تمام مہاجرین اور انصار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں جمع ہو گئے' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر چڑھے اور اللہ عزوجل کی حمد وثناء کے بعد ایسا خطبہ دیا جس سے دل خوف زدہ ہو گئے اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے' پھر آپ نے فرمایا اے لوگو! میں تم میں کیسا بطور نبی رہا؟ لوگوں نے کہا جزاک اللہ آپ رحیم باپ اور خیر خواہ بھائی کی طرح تھے آپ نے اللہ عزوجل کے پیغامات ادا کیے اور ہم تک وحی پہنچائی اور اپنے رب کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ دعوت دی' اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری طرف سے نبیوں کو دینے والی سب سے اچھی جزا دے! آپ نے فرمایا: اے مسلمانو! میں تم کو قسم دیتا ہوں میں نے جس شخص کے ساتھ کوئی زیادتی کی ہو وہ اس کا بدلہ لے لے کوئی کھڑا نہیں ہوا جب آپ نے تیسری بار اس کو دہرایا تو عکاشہ نام کا ایک بوڑھا شخص کھڑا ہوا اس نے کہا آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں! اگر آپ بار بار قسم نہ دیتے تو میں نہ آتا' میں اور آپ ایک غزوہ میں تھے' جب اللہ تعالیٰ نے ہم کو فتح دی اور ہم واپس جا رہے تھے تو میری اونٹنی آپ کی اونٹنی کے

برابر آ گئی میں اونٹنی سے اتر کر آپ کے قریب آیا تا کہ آپ کی ران کو بوسہ دوں آپ نے ایک چری ہوئی لاٹھی اٹھا کر میری کوکھ میں ماری مجھے پتا نہیں کہ آپ نے دانستہ مجھے مارا تھا یا آپ نے اونٹنی کو مارنے کا ارادہ کیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تم کو دانستہ مارنے سے اللہ کے جلال کی پناہ میں دیتا ہوں' اے بلال تم فاطمہ کے گھر جاؤ اور میری لاٹھی لے کر آؤ' حضرت بلال مسجد سے گئے اور وہ چلا رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا بدلہ دے رہے ہیں' اور جا کر کہا اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی! مجھے چری ہوئی لاٹھی دو حضرت فاطمہ نے کہا یہ حج کا موقع ہے نہ جہاد کا لاٹھی کی کیا ضرورت پڑ گئی' حضرت بلال نے کہا آپ کو پتا نہیں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا قرض ادا کر رہے ہیں۔ دنیا سے رخصت ہو رہے ہیں اور اپنا بدلہ دے رہے ہیں۔ حضرت فاطمہ نے کہا اے بلال! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بدلہ لے کر کس کا دل خوش ہو رہا ہے؟ اے بلال! تم حسن اور حسین سے کہو وہ اس شخص کو بدلہ دیں گے۔ حضرت بلال مسجد میں گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لاٹھی دے دی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ لاٹھی عکاشہ کو دے دی' جب حضرت ابوبکر اور حضرت عمر نے یہ منظر دیکھا تو کہا اے عکاشہ تم ہم سے بدلہ لے لو' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوبکر! اور اے عمر! تمہارا مرتبہ اللہ کو معلوم ہے تم یہ کام ہونے دو' پھر حضرت علی کھڑے ہوئے اور کہا اے عکاشہ! میرا دل یہ گوارہ نہیں کرتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لاٹھی ماری جائے یہ میری پیٹھ اور میرا پیٹ حاضر ہے تم اس پر سو بار مارو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بدلہ نہ لو' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے علی! بیٹھ جاؤ' اللہ تعالیٰ کو تمہارا مقام اور تمہاری نیت معلوم ہے' پھر حضرت حسن اور حضرت حسین کھڑے ہوئے اور کہا اے عکاشہ! تم کو معلوم ہو کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے ہیں اور ہم سے قصاص لینا گویا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قصاص لینا ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے میری آنکھوں کی ٹھنڈک بیٹھ جاؤ' اللہ تعالیٰ تمہارا مقام نہیں بھولا' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عکاشہ! اگر تم مارنے والے ہو تو مارو' اس نے کہا یا رسول اللہ! جب آپ نے مجھے مارا تھا تو میرا پیٹ کھلا ہوا تھا! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیٹ سے کپڑا اٹھا دیا' مسلمان بلند آواز سے رونے لگے اور کہنے لگے کیا عکاشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مارنے والا ہے' جب عکاشہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیٹ کی سفیدی کی طرف دیکھا تو وہ اپنے اوپر قابو نہ رکھ سکا اس نے جھک کر آپ کے پیٹ کو بوسہ دیا اور کہا یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں آپ سے بدلہ لینے کی کون طاقت رکھ سکتا ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یا تو تم لاٹھی مارو یا مجھے معاف کر دو' عکاشہ نے کہا میں نے اس امید پر آپ کو معاف کیا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرما دے گا! پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص جنت میں میرے رفیق کو دیکھنا چاہتا ہو وہ عکاشہ کو دیکھ لے' پھر مسلمان کھڑے ہو کر عکاشہ کی آنکھوں کے درمیان بوسہ دینے لگے اور اس کو جنت میں آپ کی رفاقت کی نوید پر مبارک باد دینے لگے۔

اس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہو گئے آپ اٹھارہ دن بیمار رہے اور مسلمان آپ کی عیادت کرنے کے لیے آتے رہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیر کے دن پیدا ہوئے' پیر کے دن آپ نے اعلان نبوت کیا اور پیر کے دن آپ کی وفات ہوئی' اتوار کے دن آپ کا مرض زیادہ ہو گیا' حضرت بلال نے اذان دی' پھر دروازہ پر ٹھہر گئے اور کہا السلام علیک یا رسول اللہ! ورحمۃ اللہ! نماز کا وقت ہو گیا اللہ آپ پر رحم فرمائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال کی آواز سنی حضرت فاطمہ نے کہا یا بلال! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نفس کے ساتھ مشغول ہیں (یعنی آپ کی حالت مسجد میں جانے کی نہیں ہے) پھر حضرت بلال مسجد میں گئے' جب صبح کی سفیدی ہو گئی تو حضرت بلال نے کہا اللہ کی قسم! میں جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت نہ لوں اقامت نہ کہوں گا۔ پھر وہ لوٹ گئے اور دروازہ پر کھڑے ہو کر کہا السلام علیک یا رسول اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

اللہ آپ پر رحم فرمائے نماز کا وقت ہو گیا ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال کی آواز سنی پھر فرمایا: اے بلال آ جاؤ' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نفس کے ساتھ مشغول ہیں' تم ابوبکر سے کہو کہ وہ نماز پڑھائیں' حضرت بلال افسوس کرتے ہوئے واپس گئے اور کہا اے ابوبکر! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو نماز پڑھانے کا حکم دیا ہے' حضرت ابوبکر رقیق القلب تھے جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ خالی دیکھی تو اپنے اوپر قابو نہ رکھ سکے اور بے ہوش ہو کر گر گئے اور مسلمان زور زور سے رونے لگے' جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی دل خراش آوازیں سنیں تو آپ نے پوچھا یہ کیسی آوازیں ہیں تو حاضرین نے کہا آپ کے موجود نہ ہونے کی وجہ سے یہ مسلمانوں کے رونے کی آوازیں ہیں' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کو بلایا آپ ان کا سہارا لے کر نکلے اور مسجد میں گئے اور مسلمانوں کو دو خفیف رکعتیں پڑھائی پھر مسلمانوں سے فرمایا میں تم کو اللہ کی امان اور اس کی حفاظت میں دیتا ہوں' اے مسلمانو! تم پر اللہ نگہبان ہے' اے مسلمانو! تم اللہ سے ڈرنا اور میرے بعد اللہ کی اطاعت کی حفاظت کرنا' کیونکہ میں دنیا سے جا رہا ہوں یہ میرا آخرت کی طرف پہلا اور دنیا میں آخری دن ہے۔

جب پیر کا دن آیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا درد بڑھ گیا اور اللہ عزوجل نے ملک الموت کی طرف وحی کی کہ وہ میرے حبیب اور صفی (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف حسین اور ملائم صورت میں روح قبض کرنے کے لیے جائیں۔ پھر ملک الموت علیہ السلام ایک اعرابی کی شبیہ میں نازل ہوئے اور آپ کے دروازہ کی طرف کھڑے ہو گئے' اور السلام علیکم یا اھل بیت النبوۃ ومعدن الرسالۃ و موردالملائکۃ' کیا میں داخل ہو جاؤں؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا اس شخص کو جواب دیں' اے اللہ کے بندے' اللہ تجھ کو چل کر آنے کا اجر دے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نفس کے ساتھ مشغول ہیں' اس نے دوسری بار صدا دی' پھر حضرت عائشہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا اس شخص کو جواب دو' حضرت فاطمہ نے کہا: اے اللہ کے بندے! اللہ تجھ کو چل کر آنے کا اجر دے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نفس کے ساتھ مشغول ہیں' اس نے پھر تیسری بار کہا السلام علیکم یا اھل بیت النبوۃ ومعدن الرسالۃ وموردالملائکۃ کیا میں داخل ہو جاؤں؟ میرا داخل ہونا ضروری ہے' پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ملک الموت کی آواز سنی' آپ نے پوچھا: اے فاطمہ! دروازہ پر کون ہے؟ حضرت فاطمہ نے کہا یا رسول اللہ! ایک آدمی دروازہ پر کھڑا ہوا ہے اور بار بار اندر آنے کی اجازت طلب کر رہا ہے' ہم نے اس کو ہر بار جواب دیا اس نے تیسری بار اس طرح سوال کیا کہ میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ سے فرمایا:

اے فاطمہ تم جانتی ہو دروازہ پر کون ہے! یہ وہ شخص ہے جو لذات کو منقطع کر دیتا ہے' جماعتوں کو متفرق کر دیتا ہے' جو عورتوں کو بیوہ اور بچوں کو یتیم کر دیتا ہے جو گھروں کو برباد اور قبرستانوں کو آباد کر دیتا ہے' یہ ملک الموت علیہ السلام ہے' اے ملک الموت! اللہ تم پر رحمت کرے تم داخل ہو جاؤ پھر ملک الموت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ملک الموت! تم ملاقات کرنے آئے ہو یا روح قبض کرنے آئے ہو۔ انہوں نے کہا میں آپ کی زیارت کرنے اور آپ کی روح قبض کرنے آیا ہوں اور مجھے اللہ عزوجل نے یہ حکم دیا تھا کہ میں آپ کی اجازت کے بغیر داخل نہ ہوں اور آپ کی اجازت کے بغیر آپ کی روح قبض نہ کروں' اب اگر آپ اجازت دیں گے تو میں آپ کی روح قبض کروں گا ورنہ میں اپنے رب عزوجل کی طرف واپس چلا جاؤں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ملک الموت تم نے میرے دوست جبریل کو کہاں چھوڑا' عزرائیل نے کہا میں نے ان کو آسمان دنیا میں چھوڑا ہے اور فرشتے ان سے آپ کی تعزیت کر

رہے ہیں۔ پھر بہت سرعت سے جبریل علیہ السلام آپ کے پاس آ گئے اور آ کر آپ کے سر کی جانب بیٹھ گئے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے جبریل اب دنیا سے روانہ ہونے کا وقت ہے مجھے بشارت دو کہ میرے لیے اللہ کے پاس کیا اجر ہے؟ جبریل نے کہا یا حبیب اللہ! میں آپ کو بشارت دیتا ہوں کہ میں (آپ کے استقبال کے لیے) تمام آسمانوں کے دروازوں کو کھلا چھوڑ کر آیا ہوں اور وہاں تمام فرشتے آپ کو سلامی دینے کے لیے اور آپ کو مرحبا اور خوش آمدید کہنے کے لیے صف باندھے ہوئے کھڑے ہیں' اور میں آپ کو بشارت دیتا ہوں یا محمد کہ تمام جنتوں کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں اور تمام دریا جاری کر دیئے ہیں اور تمام درخت جھوم رہے ہیں اور یا محمد آپ کے لیے تمام حوریں مزین ہو چکی ہیں' آپ نے فرمایا: میں اپنے رب کی رضاجوئی کے لیے اس کی حمد کرتا ہوں' اے جبریل مجھے اور بشارت دو' جبریل نے کہا قیامت کے دن آپ سب سے پہلے شفاعت کریں گے اور سب سے پہلے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی' آپ نے فرمایا میں اپنے رب کی رضاجوئی کے لیے حمد کرتا ہوں' جبریل نے کہا اے میرے حبیب! آپ مجھ سے کس چیز کا سوال کرتے ہیں' آپ نے فرمایا میں تم سے اپنی فکر اور پریشانی کے متعلق سوال کرتا ہوں' میرے بعد قرآن پڑھنے والوں کو کیا اجر ملے گا' میرے بعد رمضان کے روزے رکھنے والوں کو کیا اجر ملے گا اور میرے بعد بیت اللہ کا حج کرنے والوں کو کیا ملے گا اور میرے بعد صاف باطن والوں کو کیا ملے گا (اللہ اللہ' امت کا کتنا خیال ہے عالم نزع ہے اور اتنی شدید تکلیف ہے پھر بھی امت کی اخروی فلاح کی فکر ہے!) جبریل نے کہا اے حبیب آپ کو بشارت ہو اللہ عزوجل فرماتا ہے میں نے تمام نبیوں اور ان کی امتوں پر جنت میں داخل ہونے کو اس وقت تک کے لیے حرام کر دیا ہے جب تک کہ آپ اور آپ کی امت جنت میں داخل نہ ہو جائے' آپ نے فرمایا اب میرا دل مطمئن ہو گیا' اے ملک الموت اب تمہیں اجازت ہے اب تم کو جو حکم دیا گیا ہے تم اس کی تعمیل کرو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ جب آپ کی روح قبض کر لی جائے گی تو آپ کو غسل کون دے گا اور آپ کو کس چیز میں کفن دیا جائے گا اور آپ کی نماز جنازہ کون پڑھے گا اور آپ کی قبر میں کون داخل ہو گا؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رہا غسل تو اے علی مجھے غسل تم دو گے اور فضل بن عباس تمہارے لیے پانی ڈالیں گے' اور تمہارے تیسرے معاون جبریل علیہ السلام ہوں گے اور جب تم مجھے غسل دے کر فارغ ہو جاؤ تو تم مجھے تین نئے کپڑوں میں کفن دینا اور جبریل علیہ السلام میرے لیے جنت سے خوشبو لے کر آئیں گے اور جب تم مجھے تخت پر رکھ چکو تو مجھے مسجد میں رکھ دینا اور میرے پاس سے تم سب چلے جانا' کیونکہ سب سے پہلے مجھ پر میرا رب عزوجل عرش کے اوپر سے صلوٰۃ پڑھے گا (یعنی رحمت نازل فرمائے گا) پھر جبریل علیہ السلام' پھر میکائیل پھر اسرافیل علیہما السلام پھر تمام فرشتے گروہ در گروہ صلوٰۃ پڑھیں گے' پھر تم سب صف بہ صف کھڑے ہو کر نماز جنازہ پڑھنا اور نماز جنازہ میں میرا کوئی امام نہیں ہو گا' حضرت فاطمہ نے کہا آج کا دن فراق کا دن ہے کب ملاقات ہو گی؟ آپ نے فرمایا: اے میری بیٹی! تم قیامت کے دن مجھ سے حوض پر ملاقات کرو گی' اور میری امت میں سے جو شخص حوض پر آئے گا میں اس کو پانی پلاؤں گا' حضرت فاطمہ نے کہا یا رسول اللہ! اگر میں آپ سے وہاں ملاقات نہ کروں؟ آپ نے فرمایا پھر تم مجھ سے میزان پر ملاقات کرو گی' میں وہاں اپنی امت کی شفاعت کر رہا ہوں گا' حضرت فاطمہ نے کہا یا رسول اللہ! اگر میں آپ سے وہاں بھی ملاقات نہ کروں؟ آپ نے فرمایا پھر تم مجھ سے صراط پر ملاقات کرو گی۔ میں اپنے رب سے دعا کر رہا ہوں گا کہ میری امت کو دوزخ سے سلامت رکھنا' پھر ملک الموت علیہ السلام روح قبض کرنے کے لیے آپ کے قریب ہوئے' جب روح گھٹنوں تک پہنچی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اوہ' پھر جب روح ناف تک پہنچی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: واکرباہ (ہائے تکلیف) تو فاطمہ علیہا السلام نے کہا ہائے میرے والد کی تکلیف' پھر جب روح آپ کے

پستانوں تک پہنچی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل سے پکار کر کہا اے جبریل! موت کی تلخی کتنی سخت ہے! پھر جبریل علیہ السلام نے اپنا چہرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پھیر لیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے جبریل! تم میری طرف دیکھنے کو ناپسند کرتے ہو؟ جبریل نے کہا اے میرے حبیب! جب آپ سکرات الموت کی اذیت میں مبتلا ہوں تو آپ کے چہرے کی طرف دیکھنے کی کون ہمت کر سکتا ہے۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح قبض کر لی گئی' آپ کو حضرت علی ابی طالب رضی اللہ عنہ نے غسل دیا' حضرت فضل ابن عباس نے آپ پر پانی ڈالا' حضرت جبریل ان دونوں کے ساتھ تھے' آپ کو تین نئے کپڑوں میں کفن دیا گیا' آپ کو ایک تخت پر رکھا گیا پھر اس تخت کو مسجد میں لایا گیا اور لوگ آپ کے پاس سے چلے گئے' سب سے پہلے آپ کے رب تبارک وتعالیٰ نے عرش کے اوپر آپ پر صلوٰۃ پڑھی (آپ کے حسب مرتبہ رحمت نازل فرمائی) پھر جبریل نے' پھر میکائیل نے' پھر اسرافیل نے پھر فرشتوں نے گروہ در گروہ آپ پر صلوٰۃ پڑھی (آپ پر رحمت اور درجات کی بلندی کے لیے دعا کی) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا ہم نے مسجد میں آوازیں سنی ہیں اور ہم نے کسی شخص کو مسجد میں نہیں دیکھا' پھر ہم نے غیب سے ایک آواز سنی کوئی شخص کہہ رہا تھا اللہ تم پر رحم فرمائے مسجد میں داخل ہو اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز جنازہ پڑھو' پھر ہم مسجد میں گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق مسجد میں صف بہ صف کھڑے ہو گئے' پھر ہم نے جبریل علیہ السلام کی تکبیر پر تکبیر پڑھی۔ ہم میں سے کوئی شخص مقدم ہو کر امام نہیں ہوا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ قبر میں داخل ہوئے اور حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کر دیا گیا جب لوگ لوٹ گئے تو حضرت فاطمہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا اے ابوالحسن تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کر دیا' انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مٹی ڈالنے کو تمہارے دلوں نے کیسے گوارہ کر لیا کیا تمہارے دلوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نرمی نہیں تھی! کیا آپ خیر کے معلم نہیں تھے حضرت علی نے کہا کیوں نہیں! اے فاطمہ لیکن اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو کوئی ٹالنے والا نہیں ہے' پھر حضرت فاطمہ رونے لگیں اور وہ کہہ رہی تھیں ہائے میرے والد! اب جبریل علیہ السلام کا آنا منقطع ہو گیا اور جبریل ہمارے پاس آسمان سے وحی لایا کرتے تھے۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۲۶۷۶' ج ۳ ص ۶۴۔۵۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' حلیۃ الاولیاء ج ۴ ص ۷۹۔۷۶' طبع قدیم دار الکتاب العربی بیروت' ۱۴۰۷ھ' حلیۃ الاولیاء رقم الحدیث: ۴۸۰۶' ج ۴ ص ۸۱۔۷۶' طبع جدید دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

حافظ الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ نے اس پوری حدیث کو درج کرنے کے بعد کہا اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں ایک راوی عبدالمنعم بن ادریس کذاب اور وضاع ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۹ ص ۳۱۔۲۶' مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت' ۱۴۰۲ھ)

علامہ علی بن محمد عراق الکنانی المتوفی ۹۶۳ھ نے اس پوری حدیث کو درج کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس کی سند میں ایک راوی عبدالمنعم بن ادریس متہم ہے۔ (تنزیہ الشریعہ ج ۱ ص ۳۳۱۔۳۲۷' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۱ھ)

حافظ جلال الدین سیوطی ۹۱۱ھ نے اس پوری حدیث کو درج کر کے لکھا ہے یہ حدیث موضوع ہے اور اس کی آفت عبدالکریم ہے۔ (اللآلی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ ج ۱ ص ۲۵۷۔۲۵۴' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ محمد بن محمد زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ نے اس مکمل حدیث کو طبرانی اور ابونعیم کے حوالے سے بلا جرح نقل کیا ہے۔

(اتحاف السادۃ المتقین ج ۱۰ ص ۲۹۶۔۲۹۴' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۴ھ)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ نے اس حدیث کے اکثر اجزاء کو بلا جرح نقل کیا ہے۔

(مدارج النبوۃ ج ۲ص ۴۳۰-۴۲۹ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱۳۹۷ھ)

ہر چند کہ اس حدیث کو عبدالمنعم بن ادریس کی وجہ سے موضوع کہا گیا ہے لیکن یہ موضوع السند ہے موضوع المتن نہیں ہے کیونکہ اس حدیث کا کوئی جز کسی حدیث صحیح کے خلاف نہیں ہے بلکہ اس کے تمام اجزاء کی تائید میں احادیث صحیحہ ثابت ہیں' اور اس حدیث میں کوئی بات اصول شرع کے خلاف نہیں ہے' امام غزالی' امام ابن الجوزی اور اکثر مصنفین سیرت نے اس حدیث کے بعض اجزاء سے استدلال کیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی تاریخ کی تحقیق

اس پر اتفاق ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ربیع الاوّل کے مہینہ میں پیر کے دن ہوئی البتہ تاریخ میں اختلاف ہے' جمہور کے نزدیک وفات کی تاریخ بارہ ربیع الاوّل ہے لیکن تحقیق یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات یکم یا دو ربیع الاوّل کو ہوئی ہے اگرچہ یہ جمہور کے خلاف ہے لیکن صحیح یہی ہے' کیونکہ اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے کہ جس سال حجۃ الوداع تھا اس سال یوم عرفہ جمعہ کے دن تھا اور وہ ذوالحجہ کی نو تاریخ تھی' اس اعتبار سے اگر یہ فرض کیا جائے کہ ذوالحجہ' محرم اور صفر تینوں مہینے ۳۰' ۳۰ دن کے تھے تو پیر کے دن چھ ربیع الاوّل ہوگی اور یکم ربیع الاوّل بدھ کو ہوگی' اور اگر یہ فرض کیا جائے کہ تینوں مہینے ۲۹' ۲۹ دن کے تھے تو پیر کے دن دو ربیع الاوّل ہوگی اور یکم ربیع الاوّل اتوار کو ہوگی' اور اگر یہ فرض کیا جائے کہ دو مہینے تیس دن کے ہیں اور ایک مہینہ انتیس دن کا ہے تو پیر کے دن سات ربیع الاوّل ہوگی اور یکم ربیع الاوّل منگل کے دن ہوگی' اور اگر یہ فرض کیا جائے کہ دو مہینے انتیس دن کے ہیں اور ایک مہینہ تیس کا دن ہے تو پیر کے دن یکم ربیع الاوّل ہوگی' غرض کوئی حساب بھی فرض کیا جائے جب نو ذوالحجہ جمعہ کے دن ہو تو بارہ ربیع الاوّل پیر کے دن کسی حساب سے نہیں ہوسکتی لہٰذا درایتاً اور عقلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی تاریخ بارہ ربیع الاوّل نہیں ہے' پیر کے دن ربیع الاوّل کی تاریخ کے عقلی احتمال یہ ہیں اگر سب مہینے تیس دن کے ہوں تو چھ ربیع الاوّل اگر سب ماہ انتیس دن کے ہوں تو دو ربیع الاوّل' اگر دو ماہ تیس دن کے ہوں اور ایک انتیس دن کا تو سات ربیع الاوّل' اور اگر دو ماہ انتیس دن کے ہوں اور ایک ماہ تیس دن کا ہو تو یکم ربیع الاوّل۔ چھ اور سات ربیع الاوّل کا کوئی قائل نہیں ہے تو پھر آپ کی وفات کی تاریخ یکم ربیع الاوّل ہے یا دو ربیع الاوّل' حسب ذیل علماء نے بھی یہ تصریح کی ہے کہ آپ کی وفات کی تاریخ یکم ربیع الاوّل ہے یا دو ربیع الاوّل۔

امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کی ابتداء انیس صفر بہ روز بدھ ۱۱ھ کو ہوئی آپ تیرہ دن بیمار رہے اور آپ دو ربیع الاوّل ۱۱ھ پیر کے دن فوت ہوگئے' اس کے بعد امام ابن سعد نے بارہ ربیع الاوّل کو فوت ہونے کے متعلق اقوال نقل کئے ہیں۔

(الطبقات الکبریٰ ج ۲ص ۲۰۹-۲۰۸' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ اپنی سند کے ساتھ محمد بن قیس سے روایت کرتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۱۹ صفر بہ روز بدھ ۱۱ھ کو سخت بیمار ہوئے اس وقت آپ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے گھر میں تھے آپ کی تمام ازواج وہاں جمع ہوگئیں' آپ تیرہ دن بیمار رہے اور دو ربیع الاوّل گیارہ ہجری کو پیر کے دن فوت ہو گئے۔ (دلائل النبوۃ ج ۷ص ۲۳۵' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۰ھ)

امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن العساکر متوفی ۵۷۱ھ لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یکم ربیع الاوّل کو پیر کے دن گیارہ ہجری کو فوت ہوئے۔

(مختصر تاریخ دمشق ج ۲ ص ۳۸۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۴ھ)

حافظ جمال الدین ابوالحجاج یوسف المزی التوفی ۷۴۲ھ لکھتے ہیں:

آپ ۶۳ سال کی عمر میں بارہ ربیع الاوّل کو پیر کے دن دوپہر کے وقت فوت ہوئے، ایک قول یکم ربیع الاوّل کا ہے اور ایک قول دو ربیع الاوّل کا ہے۔ (تہذیب الکمال فی اسماء الرجال ج ۱ ص ۵۵، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۴ھ)

حافظ مغلطائی بن قلیج متوفی ۷۶۲ھ لکھتے ہیں:

الکلبی اور ابو مخنف نے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو ربیع الاوّل کو فوت ہوئے۔

(الاشارۃ الی سیرۃ المصطفیٰ ص ۳۵۱، مطبوعہ الدار الشامیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ)

علامہ ابو القاسم عبد الرحمٰن بن عبد اللہ سہیلی متوفی ۵۸۱ھ لکھتے ہیں:

مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے حجۃ الوداع میں یوم عرفہ یعنی نو ذوالحجہ جمعہ کے دن تھا، لہٰذا یکم ذوالحجہ جمعرات کو تھی پھر یکم محرم جمعہ کو ہوگی (اگر چاند انتیس کا ہو) یا ہفتہ کو ہوگی (اگر چاند تیس کا ہو) اگر جمعہ کو یکم محرم ہو تو یکم صفر ہفتہ کو ہوگی یا اتوار کو، اگر یکم صفر ہفتہ کو ہو تو یکم ربیع الاوّل اتوار کو ہوگی یا پیر کو، لہٰذا آپ کی وفات کی تاریخ پیر کے دن یا یکم ربیع الاوّل ہوگی یا دو ربیع الاوّل (اور اگر یکم صفر اتوار کی ہو تو یکم ربیع الاوّل پیر کی ہوگی یا منگل کی) اور کسی طرح بارہ ربیع الاوّل پیر کا نہیں پڑتا۔ (بارہ ربیع الاوّل کے تاریخ وفات نہ ہونے کا یہ نکتہ سب سے پہلے علامہ سہیلی نے اٹھایا)

(الروض الانف مع السیرۃ النبویہ ج ۴ ص ۴۴۰-۴۳۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ)

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

علامہ واقدی نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ۲ ربیع الاوّل پیر کے دن فوت ہوئے۔

(البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۲۲۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۸ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

ابو مخنف اور کلبی نے کہا ہے کہ آپ کی وفات ۲ ربیع الاوّل کو ہوئی ہے اور علامہ سہیلی نے اسی کو ترجیح دی ہے، اور موسیٰ بن عقبہ، اللیث، الخوارزمی اور ابن الزبیر نے کہا ہے کہ آپ کی وفات یکم ربیع الاوّل کو ہوئی ہے، دوسروں کی غلطی کی وجہ یہ ہے کہ ثانی کو ثانی عشر خیال کر لیا گیا پھر بعض نے بعض کی پیروی کی۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۴۷۴-۴۷۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۰ھ)

علامہ بدر الدین عینی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

ابو بکر نے لیث سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیر کے دن یکم ربیع الاوّل کو فوت ہوئے، اور سعد بن ابراہیم الزہری نے کہا آپ پیر کے دن دو ربیع الاوّل کو فوت ہوئے، اور ابو نعیم الفضل بن دکین نے کہا آپ پیر کے دن یکم ربیع الاوّل کو فوت ہوئے۔ (عمدۃ القاری جز ۱۸ ص ۶۰، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ)

علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

علامہ سہیلی نے اس کو ترجیح دی ہے کہ آپ یکم ربیع الاوّل یا دو ربیع الاوّل کو فوت ہوئے۔

(التوشیح ج ۴ ص ۱۴۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۰ھ)

علامہ محمد بن یوسف الصالحی الشامی متوفی ۹۴۲ھ لکھتے ہیں:

ابومخنف اور کلبی نے کہا آپ کی وفات ۲ ربیع الاوّل کو ہوئی' سلیمان بن طرخان نے مغازی میں اسی کو ترجیح دی ہے' [illegible]
محمد بن سعد' امام ابن عساکر اور امام ابونعیم الفضل بن دکین کا بھی یہی قول ہے اور سہیلی نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے۔
(سبل الھدیٰ والرشاد ج ۱۲ ص ۳۰۵' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ)

علامہ علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:
ایک قول یہ ہے کہ آپ پیر کے دن ۲ ربیع الاوّل کو فوت ہوئے۔ (المرقات ج ۱۱ ص ۲۳۸' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان' ۱۳۹۰ھ)
علامہ علی بن برہان الدین حلبی متوفی ۱۰۴۴ھ لکھتے ہیں:
الخوارزمی نے کہا آپ یکم ربیع الاوّل کو فوت ہوئے۔ (انسان العیون ج ۳ ص ۴۷۳' مطبوعہ مصطفی البابی مصر' ۱۳۸۴ھ)
شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ لکھتے ہیں:
آپ کی وفات ۲ ربیع الاوّل کو پیر کے دن ہوئی۔ (اشعۃ اللمعات ج ۴ ص ۶۰۴' مطبوعہ مطبع تیج کمار لکھنو)
علامہ نور بخش صاحب توکلی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں:
اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ وفات شریف ماہ ربیع الاوّل میں دوشنبہ کے دن ہوئی جمہور کے نزدیک ربیع الاوّل کی بارہویں تاریخ تھی' ماہ صفر کی ایک یا دو راتیں باقی تھیں کہ مرض کا آغاز ہوا۔ بعضے تاریخ وصال یکم ربیع الاوّل بتاتے ہیں' بنابر قول حضرت سلیمان التیمی ابتداء مرض یوم شنبہ ۲۲ صفر کو ہوئی اور وفات شریف یوم دوشنبہ ۲ ربیع الاوّل کو ہوئی' حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ابومخنف کا قول ہی معتمد ہے کہ وفات شریف ۲ ربیع الاوّل کو ہوئی' دوسروں کی غلطی کی وجہ یہ ہوئی کہ ثانی کو ثانی عشر خیال کر لیا گیا پھر اس وہم میں بعضوں نے بعضوں کی پیروی کی۔ (سیرت رسول عربی ص ۲۲۶' مطبوعہ فرید بک سٹال لاہور)
شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۴ھ لکھتے ہیں:
اور تاریخ کی تحقیق نہیں ہوئی اور بارہویں جو مشہور ہے وہ حساب درست نہیں ہوتا کیونکہ اس سال ذی الحجہ کی نویں جمعہ کی تھی اور یوم وفات دوشنبہ ثابت ہے پس جمعہ نویں ذی الحجہ ہو کر بارہ ربیع الاوّل دوشنبہ کو کسی حساب سے نہیں ہو سکتی۔
(نشر الطیب ص ۲۴۱' مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور)

علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں:
کسی حالت اور کسی شکل سے بارہ ربیع الاوّل کو دوشنبہ کا دن نہیں پڑ سکتا' (حاشیہ میں لکھتے ہیں) اس لیے وفات نبوی کی صحیح تاریخ ہمارے نزدیک یکم ربیع الاوّل ہے۔ (سیرت النبی ج ۲ ص ۱۰۷-۱۰۶' مطبوعہ دار الاشاعت کراچی' ۱۹۸۵ء)
ہم نے روایت اور درایت کے اعتبار سے تفصیل کے ساتھ لکھا ہے کہ آپ کی وفات کی تاریخ یکم ربیع الاوّل یا دو ربیع الاوّل ہے۔ کیونکہ مشہور بارہ ربیع الاوّل ہے جب کہ بارہ ربیع الاوّل آپ کی ولادت کا دن ہے اور اب یہ اعتراض ساقط ہو گیا کہ آپ کی وفات کے دن خوشی کیوں منائی جاتی ہے' یہاں پر ہم نے جتنی تفصیل اور تحقیق کی ہے شاید کسی اور جگہ نہ مل سکے' والحمد للہ رب العلمین۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ کی تحقیق

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں:
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح قبض کی گئی اس وقت حضرت ابوبکر مدینہ کے بالائی حصہ میں اپنی بیوی بنت خارجہ کے پاس تھے' مسلمان کہنے لگے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فوت نہیں ہوئے۔ آپ پر

وہ کیفیت طاری ہے جو نزول وحی کے وقت ہوتی ہے' حضرت ابوبکر آئے آپ کا چہرہ مبارک کھولا اور آپ کی آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا' اور کہا آپ اللہ کے نزدیک اس سے مکرم ہیں کہ آپ پر وہ دو موتیں طاری کرے' بے شک' خدا کی قسم' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے ہیں' ادھر حضرت عمر مسجد کی ایک جانب یہ کہہ رہے تھے' خدا کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت نہیں ہوئے' جب تک آپ تمام منافقوں کے ہاتھ اور پیر نہیں کاٹ دیں گے اس وقت تک آپ فوت نہیں ہوں گے حضرت ابوبکر نے منبر پر چڑھ کر فرمایا: جو شخص اللہ کی عبادت کرتا ہو تو اللہ تعالیٰ زندہ ہے اور اس کو موت نہیں آئے گی' اور جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا ہو تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم بے شک فوت ہو گئے ہیں' **وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل افائن مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم و من ینقلب علی عقبیه فلن یضر الله شیئا وسیجزی الله الشاکرین** : حضرت عمر نے کہا مجھے ایسا لگا جیسے میں نے اس دن سے پہلے یہ آیت نہیں پڑھی تھی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے قبر کھودنے کا ارادہ کیا تو انہوں نے حضرت ابوعبیدہ کی طرف ایک آدمی بھیجا جو اہل مکہ کی طرح (شق) قبر بناتے تھے' اور ایک آدمی حضرت ابوطلحہ کی طرف بھیجا جو اہل مدینہ کی طرح لحد (بغلی قبر) بناتے تھے' اور یہ دعا کی اے اللہ! اپنے رسول کے لیے ان میں سے کسی ایک کو منتخب کر لے' تو مسلمانوں کو حضرت ابوطلحہ مل گئے' ان کو بلایا گیا اور حضرت ابوعبیدہ (وقت پر) نہیں ملے تو انہوں نے لحد بنائی' منگل کے دن انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جنازہ تیار کر لیا (غسل دے کر کفن پہنا دیا) پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ میں آپ کو ایک تخت پر رکھا گیا' پھر باری باری مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتے اور نماز جنازہ پڑھتے' حتیٰ کہ جب مرد فارغ ہو گئے تو پھر عورتیں آئیں اور کسی شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز جنازہ کی امامت نہیں کی۔ مسلمانوں کا اس میں اختلاف ہوا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کس جگہ بنائی جائے' بعض مسلمانوں نے کہا آپ کو آپ کے اصحاب کے ساتھ دفن کیا جائے' حضرت ابوبکر نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے کہ جس جگہ نبی کی روح قبض کی جاتی ہے اس کو وہیں دفن کیا جاتا ہے' پھر جس بستر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے تھے انہوں نے اس بستر کو اٹھایا اور وہیں آپ کی قبر کھودی پھر بدھ کی رات جب آدھی ہو گئی تو آپ کو دفن کر دیا گیا' حضرت علی بن ابی طالب' حضرت فضل بن عباس اور ان کے بھائی قثم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام شقران آپ کی قبر میں اترے' حضرت اوس بن خولی نے حضرت علی سے کہا میں تم کو اللہ کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارے تعلق کی قسم دیتا ہوں' حضرت علی نے ان سے کہا تم بھی اترو' حضرت شقران نے اس چادر کو لیا جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہنتے تھے' اور اس کو قبر میں رکھ دیا اور کہا خدا کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس چادر کو کوئی نہیں پہنے گا۔

(سنن ابن ماجہ' باب: ٦٥' ذکر وفاتہ ودفنہ صلی اللہ علیہ وسلم)

حضرت ابن عباس کی اس روایت میں ایک راوی حسین بن عبید اللہ ہاشمی ہے۔ امام احمد' علی بن مدینی اور امام نسائی نے اس کو متروک قرار دیا' امام بخاری نے کہا اس پر زندقہ کی تہمت ہے' اور اس حدیث کے باقی راوی ثقہ ہیں۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت سالم بن عبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آپ کے مرض میں بے ہوشی طاری ہو گئی آپ کو ہوش آیا تو آپ نے فرمایا نماز کا وقت ہو گیا؟ صحابہ نے عرض کی ہاں' آپ نے فرمایا بلال سے کہو اذان کہیں اور ابوبکر سے کہو مسلمانوں کو نماز پڑھائیں' حضرت عائشہ نے کہا میرے والد رقیق القلب ہیں جب وہ آپ کی جگہ کھڑے ہوں

گے تو رونا شروع کر دیں گے اور نماز نہیں پڑھا سکیں گے اگر آپ کسی اور کو حکم دے دیں! آپ پر پھر بے ہوشی طاری ہو گئی' جب آپ کو ہوش آیا تو آپ نے فرمایا بلال سے اذان کے لیے کہو اور ابو بکر سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں' تم تو یوسف علیہ السلام کے زمانہ کی عورتوں کی مثل ہو' حضرت بلال کو اذان کا حکم دیا' انہوں نے اذان دی' اور حضرت ابو بکر کو نماز پڑھانے کا حکم دیا انہوں نے مسلمانوں کو نماز پڑھائی' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آرام محسوس کیا' آپ نے فرمایا دیکھو میں کس کے سہارے چلوں' پھر حضرت بریرہ رضی اللہ عنہ اور ایک اور شخص آئے' آپ ان کے سہارے سے چلے' جب حضرت ابو بکر نے آپ کو دیکھا تو پیچھے ہٹ گئے' آپ نے اشارہ کیا وہ اسی جگہ کھڑے رہیں حتیٰ کہ حضرت ابو بکر نے نماز پوری کر لی' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح قبض کر لی گئی' حضرت عمر نے کہا بخدا میں نے جس شخص کو یہ کہتے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح قبض کی گئی ہے اس تلوار سے اس کو قتل کر دوں گا' اور وہ لوگ ان پڑھ تھے ان میں اس سے پہلے کوئی نبی نہیں ہوا تھا' لوگ رک گئے' لوگوں نے کہا اے سالم جاؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحب کو بلا کر لاؤ' میں حضرت ابو بکر کے پاس گیا وہ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے میں روتا ہوا گیا جب حضرت ابو بکر نے میری یہ کیفیت دیکھی تو پوچھا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح قبض کر لی گئی ہے میں نے کہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہیں کہ میں نے جس شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح قبض کر لی گئی ہے تو میں اس کو اپنی اس تلوار سے مار دوں گا' حضرت ابو بکر نے کہا چلو' میں ان کے ساتھ گیا' حضرت ابو بکر آئے اس وقت لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا رہے تھے' حضرت ابو بکر نے کہا میرے لیے جگہ چھوڑو' ان کے لیے کشادگی کی گئی' وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھکے' آپ کو چھوا' اور پڑھا **انک میت وانھم میتون** ''بے شک آپ پر موت آنی ہے اور بے شک انہوں نے بھی مرنا ہے''۔ (الزمر: ۳۰) صحابہ نے پوچھا اے رسول اللہ کے صاحب! کیا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ پڑھیں گے؟ حضرت ابو بکر نے کہا ہاں صحابہ نے پوچھا کس طرح؟ حضرت ابو بکر نے کہا ایک قوم جائے تکبیر پڑھے دعا کرے اور درود پڑھے۔ پھر دوسری قوم جائے' تکبیر پڑھے درود پڑھے اور دعا کرے پھر باہر آ جائے' حتیٰ کہ تمام لوگ اسی طرح داخل ہوں' صحابہ نے پوچھا: اے رسول اللہ کے صاحب! کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کیا جائے گا فرمایا: ہاں! پوچھا کہاں؟ فرمایا جس جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح قبض کی گئی تھی کیونکہ اللہ نے آپ کی روح صرف پاک جگہ پر ہی قبض کی ہے' تب صحابہ نے جان لیا کہ آپ نے سچ کہا ہے' پھر حضرت ابو بکر نے کہا کہ آپ کے عم زاد آپ کو غسل دیں گے اور مہاجرین باہم مشورہ کرنے لگے' صحابہ نے کہا انصار کو بلاؤ تا کہ اس معاملہ (خلافت) میں ہم ان سے مشورہ کریں' انصار نے کہا ایک امیر ہم سے ہو جائے' ایک امیر تم میں سے ہو جائے' حضرت عمر نے کہا اس شخص کی مثل کون ہو گا جس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی: **ثانی اثنین اذھما فی الغار اذ یقول لصاحبہ لاتحزن ان اللہ معنا**' پھر حضرت ابو بکر نے ہاتھ پھیلایا اور حضرت عمر نے بیعت کی پھر سب لوگوں نے بیعت کر لی۔

(الشمائل المحمدیہ ص ۳۳۸۔۳۳۷' رقم الحدیث: ۳۹۷' یہ حدیث صحیح ہے' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۲۳۴' مطبوعہ المکتبہ التجاریہ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۵ھ)

حافظ ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے تو لوگ حجرہ میں داخل ہوئے اور باری باری آپ پر نماز جنازہ پڑھی' جب مرد فارغ ہو گئے تو پھر عورتوں نے نماز جنازہ پڑھی' پھر بچوں نے نماز پڑھی' پھر غلاموں نے نماز پڑھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی کسی نے امامت نہیں کی۔

(سنن کبریٰ ج ۷ ص ۲۵۰' مطبوعہ نشر السنہ ملتان)

علامہ ابن اثیر متوفی ۶۳۰ ھ نے بھی اس روایت کو بیان کیا ہے۔ (الکامل فی التاریخ ج ۲ ص ۲۲۵ مطبوعہ دارالفکر بیروت)
بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی تھی صرف صلوٰۃ وسلام عرض کیا گیا تھا' بعض روایات اس کی موید بھی ہیں لیکن جمہور کے نزدیک آپ کی نماز جنازہ پڑھی گئی تھی جیسا کہ شمائل ترمذی میں تصریح ہے کہ آپ پر نماز جنازہ میں تکبیرات پڑھی جائیں اور صلوٰۃ پڑھی جائے اور دعا کی جائے۔
امام احمد رضا قادری لکھتے ہیں:
جنازہ اقدس پر نماز کے باب میں علماء مختلف ہیں ایک کے نزدیک یہ نماز معروف نہ ہوئی بلکہ لوگ گروہ در گروہ حاضر آتے اور صلوٰۃ وسلام عرض کرتے' بعض احادیث بھی اس کی موید ہیں اور بہت علماء یہی نماز معروف مانتے ہیں۔ امام قاضی عیاض نے اس کی تصحیح فرمائی' جیسا کہ زرقانی شرح المؤطا میں ہے' سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تسکین فتن وانتظام امت میں مشغول' جب تک اون کے دست حق پرست پر بیعت نہ ہوئی تھی' لوگ فوج فوج آتے اور جنازہ انور پر نماز پڑھتے جاتے' جب بیعت ہوئی ولی شرعی صدیق ہوئے انہوں نے جنازہ اقدس پر نماز پڑھی' پھر کسی نے نہ پڑھی' کہ بعد صلوٰۃ ولی پھر اعادہ نماز جنازہ کا اختیار نہیں' مبسوط امام شمس الائمہ سرخسی میں ہے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ معاملات کو درست کرنے اور فتنہ کو سرد کرنے میں مشغول تھے' مسلمان آپ کے آنے سے پہلے نماز جنازہ پڑھتے رہے اور حق آپ کا تھا' کیونکہ آپ ہی خلیفہ مقرر ہوئے تھے جب آپ فارغ ہو گئے تو آپ نے نماز جنازہ پڑھی' پھر آپ کے بعد کسی نے آپ پر نماز جنازہ نہیں پڑھی۔ (مبسوط ج ۲ ص ۶۷' مطبوعہ بیروت)
(فتاویٰ رضویہ ج ۴ ص ۵۴' مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی)
بعض علماء جو اس کے قائل ہیں کہ آپ کی نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی تھی صرف آپ پر صلوٰۃ وسلام عرض کیا گیا تھا وہ اس روایت سے استدلال کرتے ہیں:
حافظ الہیثمی متوفی ۸۰۷ ھ بیان کرتے ہیں:
حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مرض کا غلبہ ہوا تو ہم نے پوچھا یارسول اللہ! آپ پر نماز کون پڑھے گا؟ حضور روئے' ہم بھی روئے' آپ نے فرمایا' ٹھہرو' اللہ تمہاری مغفرت کرے اور تمہارے نبی کی طرف سے تم کو اچھی جزا دے' جب تم مجھے غسل دے چکو' اور مجھ پر خوشبو لگا چکو' اور مجھے کفن پہنا چکو تو مجھے میری قبر کے کنارے رکھ دینا' پھر ایک ساعت کے لیے میرے پاس سے چلے جانا' کیونکہ پہلے مجھ پر میرے دوست اور میرے ہم نشیں جبریل اور میکائیل نماز پڑھیں گے' پھر اسرافیل' پھر ملک الموت اپنے لشکر کے ساتھ نماز پڑھیں گے' پھر تمام فرشتے آکر نماز پڑھیں گے' پھر تم لوگ فوج در فوج آکر داخل ہونا اور مجھ پر صلوٰۃ وسلام پڑھنا الحدیث' اس حدیث کو امام بزار نے روایت کیا ہے لیکن اس کی اسانید منقطع ہیں' عبدالرحمٰن نے مرہ سے سماع نہیں کیا' اس حدیث کو امام طبرانی نے معجم اوسط میں روایت کیا ہے' اس کی سند میں کئی ضعیف راوی ہیں ان میں سے ایک اشعث بن طابق ہے ازدی نے کہا اس کی حدیث صحیح نہیں ہوتی۔
(مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۵' مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت' ۱۴۰۲ ھ)
اس حدیث کو حاکم نے بھی اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس کی سند میں ایک راوی عبدالملک بن عبدالرحمٰن مجہول ہے ہم کو اس کی عدالت یا جرح کا علم نہیں ہے اور اس کے باقی راوی ثقہ ہیں۔
(المستدرک ج ۳ ص ۶۰' مطبوعہ مکتبہ دارالباز مکہ مکرمہ)
علامہ ذہبی امام حاکم پر تعقب کرتے ہوئے لکھتے ہیں عبدالملک مجہول نہیں ہے بلکہ اس کو فلاس نے کذاب قرار دیا ہے اور

انہوں نے جو کہا ہے کہ اس کے باقی راوی ثقہ ہیں تو ہر موضوع حدیث اسی طرح ہوتی ہے جس میں ایک کے سوا باقی راوی ثقہ ہوتے ہیں۔

اگر حاکم احتیاط کرتے تو اس حدیث کو اپنی کتاب میں درج نہ کرتے۔ (تلخیص المستدرک ج ۲ ص ۶۰ مطبوعہ مکہ مکرمہ)

واضح رہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جو نماز جنازہ پڑھی گئی تھی اس میں معروف دعا کی بجائے آپ کی تعریف میں صیغہ میں کلمات طیبات عرض کئے گئے تھے۔

علامہ شہاب الدین قسطلانی متوفی ۹۱۱ ھ نے یہ کلمات نقل کئے ہیں:

لبیک اللھم ربنا وسعدیک صلوة اللہ البر الرحیم والملائکة المقربین والنبیین والصدیقین والشھداء والصالحین، وما سبح لک من شئی یا رب العٰلمین علی محمد بن عبداللہ خاتم النبیین وسید المرسلین و امام المتقین و رسول رب العلمین الشاھد المبشر الداعی الیک باذنک السراج المنیر و علیہ السلام۔ (المواہب اللدنیہ ج ۳ ص ۳۹۹، شرح الزرقانی للمواہب ج ۸ ص ۲۹۲-۲۹۱، دار المعرفۃ)

امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ ھ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ سے روایت کیا ہے:

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تخت پر رکھ دیا گیا تو حضرت علی نے کہا آپ کا امام کوئی نہیں ہوگا آپ اپنی حیات اور موت میں خود ہمارے امام ہیں پھر لوگ باری باری داخل ہوتے اور صف بہ صف آپ کی نماز جنازہ پڑھتے۔ ان کا کوئی امام نہیں تھا، وہ تکبیرات پڑھتے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑے ہو کر کہا اے نبی! آپ پر سلام ہو اور اللہ کی رحمتیں اور اس کی برکتیں ہوں۔ اے اللہ! ہم گواہی دیتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ سب پہنچا دیا جو آپ پر نازل کیا گیا تھا اور امت کی خیر خواہی کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا، حتیٰ کہ اللہ کے دین کو غالب کر دیا اور اس کے کلمہ کو پورا کر دیا، اے اللہ! ہمیں ان لوگوں میں سے کر دے جو اس کی اتباع کرتے ہیں جو آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے اور ہمیں آپ کے بعد ثابت قدم رکھ، اور ہمیں اور آپ کو جمع فرما، اور لوگ کہتے تھے آمین، آمین، حتیٰ کہ آپ پر تمام مردوں، عورتوں اور بچوں نے نماز جنازہ پڑھی۔ (الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۲۲۲، طبع جدید، سبل الھدیٰ والرشاد ج ۱۲ ص ۳۳۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

وفات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امت کے اعمال پر مطلع ہونا

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ پر امت کے اعمال پیش کئے گئے اچھے اور برے، میں نے اچھے اعمال میں راستہ سے تکلیف دہ چیز کو دور کر دینا پایا اور برے اعمال میں یہ پایا کہ بلغم کو مسجد میں ڈال کر دفن نہ کیا جائے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۵۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۸۳)

اس حدیث میں حیات یا ممات کی قید نہیں ہے اس لیے اس حدیث کے عموم الفاظ سے استدلال ہے۔

بکر بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری حیات بھی تمہارے لیے بہتر ہے تم حدیث بیان کرتے ہو اور تمہارے لیے حدیث بیان کی جاتی ہے اور جب میں فوت ہو جاؤں گا تو میری وفات بھی تمہارے لیے بہتر ہوگی تمہارے اعمال مجھ پر پیش کئے جائیں گے جب میں نیک اعمال دیکھوں گا تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کروں گا اور جب میں برے اعمال دیکھوں گا تو اللہ تعالیٰ سے استغفار کروں گا۔ اس حدیث کے رجال صحیح ہیں، مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۴۔

(الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۱۵۰-۱۴۹، طبع جدید، الوفا رقم الحدیث: ۱۵۶۴، طبع جدید، البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۲۵۷، طبع جدید، المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۳۸۵۳، جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۱۳۳۷، الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۳۷۷۱، مسند البزار رقم الحدیث: ۸۴۵، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۹۰۳)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری زندگی بھی تمہارے لیے بہتر ہے مجھ پر آسمان سے وحی نازل ہوتی ہے میں تمہیں خبر دیتا ہوں کہ تمہارے لیے کیا چیز حلال ہے اور تم پر کیا چیز حرام ہے' اور میری وفات بھی تمہارے لیے بہتر ہے' ہر جمعہ کی رات کو تمہارے اعمال مجھ پر پیش کیے جاتے ہیں جو اچھے اعمال ہوتے ہیں میں ان پر اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں اور جو گناہ ہوتے ہیں تو میں اللہ سے تمہارے گناہوں کی مغفرت طلب کرتا ہوں۔

(الوفا رقم الحدیث: ۱۵۶۵)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ زمین میں اللہ کے فرشتے ہیں جو سیر کرتے ہیں اور وہ میری امت کا سلام مجھ تک پہنچاتے ہیں۔

(مسند احمد رقم الحدیث: ۴۲۰۹' عالم الکتب' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۵۱۷' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۷۷۷' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۵۲۱۳' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۲۸۱' الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۲۴۷۴)

حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے ایام میں افضل دن جمعہ کا ہے' اسی میں آدم پیدا کیے گئے' اسی دن ان کی روح قبض کی گئی' اسی دن میں صور پھونکا جائے گا اور اسی دن میں لوگ بے ہوش کیے جائیں گے تم اس دن میں مجھ پر بہ کثرت صلوٰۃ پڑھا کرو' کیونکہ تمہاری صلاۃ (درود) مجھ پر پیش کی جاتی ہے صحابہ نے کہا یا رسول اللہ! آپ پر ہماری صلاۃ کیسے پیش کی جائے گی حالانکہ آپ کی ہڈیاں بوسیدہ ہو چکی ہوں گی' آپ نے فرمایا اللہ نے انبیاء کے اجسام کو زمین پر حرام کر دیا ہے۔ (اس حدیث کی سند صحیح ہے)

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۰۴۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۶۳۶-۱۰۸۵' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۵۱۶' مسند احمد ج ۴ ص ۸ رقم الحدیث: ۱۶۲۶۲' عالم الکتب' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۱۵۸۰' سنن النسائی رقم الحدیث ۱۳۷۳' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۱۷۳۳-۱۷۳۴' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۹۱۰' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۵۸۹' المستدرک ج ۱ ص ۲۷۸' قدیم' المستدرک رقم الحدیث: ۱۰۳۰' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۲۴۸' شعب الایمان ج ۳ ص ۱۱۰)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ' اور میری قبر کو عید نہ بناؤ' اور مجھ پر صلاۃ (درود) پڑھو کیونکہ تمہاری صلاۃ (درود) مجھ تک پہنچتی ہے تم جہاں کہیں بھی ہو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۰۴۲' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۵۶' مسند احمد ج ۲ ص ۳۶۷' طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۸۷۹۰' عالم الکتب' مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۹۲۶' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۲۵۰۳۳' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۱۵۱۲' جلاء الافہام ص ۳۶)

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم جہاں کہیں بھی ہو مجھ پر درود پڑھو کیونکہ تمہارا درود مجھ تک پہنچتا ہے۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۲۷۲۹' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۳۶۷' حافظ منذری نے کہا اس کی سند حسن ہے الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۲۴۷۵' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۶۲ جلاء الافہام ص ۳۶)

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میری قبر پر ایک فرشتہ مقرر کر دیا ہے جس کو تمام مخلوق کی سماعت عطا فرمائی ہے قیامت تک تم میں سے جو شخص بھی مجھ پر درود پڑھے گا وہ اس کے اور اس کے والد کے نام سے مجھ تک پہنچائے گا کہ فلاں بن فلاں نے آپ پر درود پڑھا ہے۔

(مسند البزار رقم الحدیث: ۳۱۶۲' الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۲۴۷۸' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۶۲' جلاء الافہام ص ۵۵)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس شخص نے مجھ پر درود پڑھا اللہ اس پر دس رحمتیں بھیجتا ہے اور ایک فرشتہ مقرر ہے جو اس کا درود مجھ تک پہنچاتا ہے۔
(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ٧٦١١' الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ٢٣٧٣' مجمع الزوائد ج ١٠ ص ١٦٢' جلاء الافہام ص ٥٣)

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس نے میری قبر کے پاس مجھ پر درود پڑھا وہ میں خود سنتا ہوں اور جس نے دور سے مجھ پر درود پڑھا وہ مجھ تک پہنچا دیا جاتا ہے۔
(شعب الایمان رقم الحدیث: ١٥٨٣' مشکوٰۃ رقم الحدیث: ٩٣٤' جلاء الافہام ص ٢٥' کنز العمال رقم الحدیث: ٢١٦٥)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر جمعہ کے دن مجھ پر کثرت کے ساتھ درود پڑھو کیونکہ ہر جمعہ کے دن میری امت کا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے جو مجھ پر زیادہ درود پڑھتا ہے وہ میرے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ (جلاء الافہام رقم الحدیث: ٦٣' ص ٤٥' ٣٧٣ ص ٢٣٣' شعب الایمان رقم الحدیث: ٣٠٣٢' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ١٤٠٤)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ پر کثرت کے ساتھ درود پڑھا کرو کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ (جلاء الافہام رقم الحدیث: ٦٥ ص ٤٥)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ پر کثرت کے ساتھ درود پڑھا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے میری قبر پر ایک فرشتہ مقرر کر دیا ہے میری امت میں سے جو شخص بھی مجھ پر درود پڑھتا ہے تو مجھ سے وہ فرشتہ کہتا ہے کہ فلاں بن فلاں نے اس وقت آپ پر درود پڑھا ہے۔ (جمع الجوامع رقم الحدیث: ٣٨٥٠)

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چاند رات کو مجھ پر بکثرت درود پڑھا کرو کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے' یہ حدیث ایک سند کے ساتھ حسن اور دوسری سند کے ساتھ صحیح ہے' یہ حدیث حضرت انس سے بھی مروی ہے۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ٣٠٣٤' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ١٤٠٢' جلاء الافہام رقم الحدیث: ٢٧٥ ص ٢٣٣)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جمعہ کے دن مجھ پر بکثرت درود پڑھا کرو کیونکہ اس دن فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور جو شخص بھی مجھ پر درود پڑھتا ہے اس کے فارغ ہونے سے پہلے اس کا درود میرے پاس پہنچا دیتے ہیں۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ١٦٣٧' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ١٤٠٣)

حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جمعہ کے دن مجھ پر بکثرت درود پڑھا کرو کیونکہ جو شخص بھی جمعہ کے دن مجھ پر درود پڑھتا ہے وہ مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔
(جمع الجوامع رقم الحدیث ٣٨٥٣' جلاء الافہام رقم الحدیث: ٢٧٤' ص ٢٣٣)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جمعہ کے دن مجھ پر کثرت کے ساتھ درود پڑھا کرو کیونکہ اس دن فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور جو بندہ بھی مجھ پر درود پڑھتا ہے اس کی آواز مجھ تک پہنچتی ہے خواہ وہ کہیں بھی ہو' ہم نے عرض کیا آپ کی وفات کے بعد بھی؟ آپ نے فرمایا میری وفات کے بعد بھی' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے جسم کھانے کو زمین پر حرام کر دیا ہے۔ (جلاء الافہام رقم الحدیث: ١١٠ ص ٦٤' مطبوعہ دار الکتاب العربی' ١٤١٧ھ)

ان تمام احادیث میں یہ تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر دیگر اعمال اور درود شریف کو پہنچایا جاتا ہے اور بعض احادیث میں یہ تصریح ہے کہ آپ خود درود شریف کو سنتے ہیں اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب آپ قبر میں زندہ ہوں' اس سے معلوم ہوا کہ وفات کے بعد پھر آپ کو حیات عطا کر دی گئی تھی اس پر مفصل دلائل ہم ان شاء اللہ الزمر ٣٠ میں پیش کریں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یہ کفار جب بھی آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ کا مذاق اڑاتے ہیں (کہتے ہیں:) کیا یہ ہے وہ شخص جو تمہارے خداؤں کا (برائی سے) ذکر کرتا ہے حالانکہ وہ خود رحمٰن کے ذکر کا انکار کرتے ہیں ○ (الانبیاء: ۳۶)

بتوں کا انتقام لینے کے لیے رحمٰن کی مذمت کرنا

مقاتل وغیرہ نے کہا ہے کہ یہ آیت ابوجہل کے متعلق نازل ہوئی ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس سے گزرے اس وقت اس کے پاس ابوسفیان بیٹھا ہوا تھا' ابوجہل نے ابوسفیان سے کہا یہ شخص بنوعبد مناف کا نبی ہے۔ ابوسفیان نے کہا کیا تم بنی عبد مناف کے نبی ہونے کا انکار کرتے ہو' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی باتیں سنیں تو ابوجہل سے فرمایا: میرا خیال ہے تم اس وقت تک باز نہیں آؤ گے جب تک کہ تم پر وہ وبال نازل نہ ہو جو تمہارے چچا ولید بن مغیرہ پر نازل ہوا ہے' اور اے ابوسفیان تم نے جو کچھ کہا ہے وہ عار کی بنا پر کہا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ یہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مذمت اس لیے کرتے ہیں کہ آپ ان کے معبودوں کا برائی کے ساتھ ذکر کرتے ہیں حالانکہ ان کے معبود کسی کو نقصان سے بچا سکتے ہیں نہ اس کو نفع پہنچا سکتے ہیں' اور جبکہ یہ رحمٰن کی برائی کرتے ہیں حالانکہ رحمٰن منعم حقیقی ہے وہ ان کو زندگی دینے والا ہے اور وہی ان پر موت کو طاری کرے گا اور اس سے بری بات اور کیا ہوگی کہ بے جان بتوں کی مذمت کا برا منایا جائے اور اس کے انتقام میں خالق حقیقی اور قادر و مختار کی مذمت کی جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: انسان جلد باز پیدا کیا گیا ہے' عنقریب میں تم لوگوں کو اپنی نشانیاں دکھاؤں گا سو تم مجھ سے جلد بازی نہ کرو ○ وہ کہتے ہیں کہ یہ قیامت کا وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو؟ ○ کاش ان کافروں کو اس وقت کا علم ہوتا جب یہ اپنے چہروں اور اپنی پیٹھوں سے آگ کو دور نہ کر سکیں گے اور نہ ان کی مدد کی جائے گی ○ بلکہ وہ (قیامت) ان کے پاس اچانک ہی آ جائے گی اور وہ اس کو مسترد کرنے کی طاقت نہیں رکھیں گے اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی ○ اور بے شک آپ سے پہلے رسولوں کا (بھی) مذاق اڑایا گیا تھا' سو مذاق اڑانے والوں کو اس عذاب نے گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے ○

(الانبیاء: ۴۱۔۳۷)

عجلت کا انسان کی فطرت میں داخل ہونا

اس آیت میں فرمایا: انسان جلد باز پیدا کیا گیا ہے' اس میں انسان سے کیا مراد ہے اس میں تین قول ہیں ایک یہ ہے کہ اس سے جنس انسان مراد ہے' دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے حضرت آدم علیہ السلام مراد ہیں' اور تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے نضر بن حارث مراد ہے۔

اگر یہ مراد لیا جائے کہ اس آیت میں انسان سے جنس انسان مراد ہے تو پھر اس کی تقریر اس طرح ہے کفار عذاب الٰہی کے نزول میں جلدی کرتے تھے وہ کہتے تھے اگر یہ نبی برحق ہیں اور ہم ان کی تکذیب کرنے میں جھوٹے ہیں تو چاہیے کہ فوراً ہم پر عذاب آئے' یا وہ یہ کہتے تھے کہ اگر یہ نبی سچے ہیں تو ان کو چاہیے کہ یہ بہت جلد ایسے معجزات لے کر آئیں جن کی وجہ سے ہم فوراً ایمان لے آئیں' یا جن نشانیوں کا ہم نے مطالبہ کیا ہے ان نشانیوں کو وہ جلد از جلد لے آئیں۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں'

امام محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

جب حضرت آدم میں روح پھونکی گئی تو جب وہ روح ان کے سر میں پہنچی تو ان کو چھینک آئی' فرشتوں نے کہا آپ کہیے الحمد للہ' حضرت آدم نے کہا الحمد للہ' اللہ تعالیٰ نے فرمایا رحمک ربک 'آپ کا رب آپ پر رحم کرے' پھر جب روح آپ کی

آنکھوں میں پہنچی اور آپ نے جنت کے پھلوں کی طرف دیکھا تو آپ کے پیٹ میں طعام کی خواہش پیدا ہوئی تو اس سے پہلے کہ روح آپ کی ٹانگوں میں پہنچتی آپ جنت کے پھلوں کی طرف لپکے تو یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کا مصداق ہے کہ انسان جلد باز پیدا کیا گیا ہے۔

مجاہد نے اس کی تفسیر میں یہ کہا ہے کہ حضرت آدم کو تمام چیزوں کے پیدا کرنے کے بعد دن کے آخری حصہ میں پیدا کیا گیا جب روح ان کی آنکھوں' زبان اور سر تک پہنچی اور ابھی سر کے نچلے حصہ میں نہیں پہنچی تھی تو انہوں نے کہا اے میرے رب میری خلقت کو غروب شمس سے پہلے مکمل کر دے۔

امام ابن جریر نے اسی قول کو ترجیح دی ہے یعنی انسان کی فطرت اور خلقت میں عجلت رکھی گئی ہے۔

(جامع البیان جز ۱۷ص ۳۷۔ ۳۵ ملخصاً مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اور عطا نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد نضر بن الحارث ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ کفار جو عذاب کی طلب میں عجلت کرتے تھے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ عذاب کی وعید کی تکذیب کرتے تھے در حقیقت وہ عجلت نہیں کرتے تھے بلکہ عذاب کی وعید کو جھوٹا کہتے تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس اعتبار سے وہ زیادہ لائق مذمت ہیں' کیونکہ جو چیز معلوم ہو اور پتا ہو کہ وہ کب حاصل ہو گی تو اس کی طلب میں عجلت کرنا لائق مذمت ہے' تو جس چیز کے وقوع کا وقت معلوم نہ ہو اس کی طلب میں عجلت کرنا تو زیادہ لائق مذمت ہے' نیز وہ عذاب کی طلب میں جلدی کرتے تھے یا قیامت کی طلب میں جلدی کرتے تھے' حالانکہ عذاب کا آنا یا قیامت کا آنا تو ان کی ہلاکت کا موجب ہے پس اس سے زیادہ لائق مذمت اور کیا چیز ہو گی کہ وہ اپنی ہلاکت کی طلب میں جلدی کرتے تھے۔

عجلت کی بناء پر کفار کی مذمت کی توجیہ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: عنقریب میں تم لوگوں کو اپنی نشانیاں دکھاؤں گا سو تم مجھ سے جلد بازی نہ کرو۔ اس آیت میں نشانیوں کی تفسیر میں تین قول ہیں:

(۱) عنقریب تم کو دنیا میں جلد ہلاک کر دیا جائے گا خواہ آسمانی عذاب کے ذریعہ خواہ کسی جہاد میں' جیسے جنگِ بدر میں کفار مارے گئے پھر اس کے فوراً بعد تم کو اخروی عذاب میں مبتلا کیا جائے گا اس لیے فرمایا یہ امر عنقریب ہونے والا ہے تم اس کے مطالبہ میں جلدی نہ کرو۔

(۲) ان نشانیوں سے مراد توحید اور رسالت کے دلائل ہیں اور قرآن مجید کی آیات میں یہ دلائل تفصیل سے بیان کر دیئے گئے ہیں۔

(۳) تم شام اور یمن کی طرف سفر کرتے رہتے ہو' وہاں دوران سفر تم نے گزشتہ قوموں کی بستیوں کی ہلاکت اور تباہی کے آثار دیکھے ہیں۔

کفار کی عجلت کے باوجود ان پر فوراً عذاب نازل نہ کرنے کی توجیہ

کفار کہتے تھے: یہ قیامت کا وعدہ کب پورا ہو گا اگر تم سچے ہو؟ (الانبیاء: ۳۸) کفار یہ اس لیے نہیں کہتے تھے کہ واقعی ان کو عذاب کا یا قیامت کا شدت سے انتظار تھا' بلکہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑانے کے لیے اس طرح کہتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ ۚ وَلَوْلَآ أَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَآءَهُمُ الْعَذَابُ وَلَيَأْتِيَنَّهُم بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ○ (العنکبوت: ۵۳)

یہ لوگ آپ سے عذاب کو جلد طلب کر رہے ہیں' اگر نزول عذاب کا ایک مقرر وقت نہ ہوتا تو ان پر عذاب آ چکا ہوتا اور ان پر ان کی بے خبری میں ضرور عذاب آئے گا۔

یعنی ان کے اعمال اور اقوال تو یقیناً اس لائق ہیں کہ ان کو فوراً صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے' لیکن ہماری سنت یہ ہے کہ ہم ہر قوم کو ایک خاص وقت تک مہلت دیتے ہیں اور جب وہ مہلت ختم ہو جاتی ہے تو ان پر فوراً عذاب نازل ہو جاتا ہے۔ اور ہم نے عذاب کو نازل کرنے کا ایک وقت مقرر کیا ہوا ہے اور جب اس کا مقرر شدہ وقت آ جائے گا تو ان پر اس طرح عذاب آئے گا کہ ان کو پتا بھی نہیں چلے گا' اگر اس سے مراد دنیا کا عذاب ہے تو اس کی مثال جنگ بدر میں کفار کا مارا جانا ہے' اور اگر اس سے مراد قیامت کا عذاب ہے تو قیامت ان پر اچانک آ جائے گی۔

کفار کے استہزاء پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کے استہزاء اور ان کے مذاق اڑانے سے رنج ہوتا تھا اور تکلیف پہنچتی تھی اللہ تعالیٰ نے آپ کے اس رنج اور تکلیف کو زائل کرنے کے لیے فرمایا: کاش ان کافروں کو اس وقت کا علم ہوتا جب یہ اپنے چہروں اور اپنی پیٹھوں سے آگ کو دور نہ کر سکیں گے اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔ (الانبیا: ۳۹) یعنی وہ وقت ان کے لیے سخت مشکل اور عذاب کا ہو گا جب دوزخ کی آگ ان کو آگے اور پیچھے سے گھیر لے گی اور یہ اس آگ کو اپنے نفسوں سے دور کرنے پر قادر نہیں ہوں گے اور ان کو اس وقت کوئی مددگار میسر نہیں ہو گا جو اس آڑے وقت میں ان کے کام آ سکے۔ اس آیت میں ان کے چہروں اور ان کی پیٹھوں کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے کیونکہ ان اعضاء پر عذاب بہت شدت کے ساتھ محسوس ہوتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس عذاب کی شدت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اس عذاب کی آمد کا وقت معلوم نہیں ہے بلکہ ان پر وہ عذاب اچانک ہی آ جائے گا' وہ اس عذاب کے منتظر ہوں گے اور نہ وہ عذاب ان کے وہم و گمان میں ہو گا۔ وہ اس عذاب کے نزول کے وقت حیرت زدہ ہوں گے' اس عذاب کو دور کرنے کا کوئی حیلہ ان کی دسترس میں ہو گا اور نہ کوئی ان کی مدد کے لیے پہنچے گا نہ ان کو توبہ کرنے یا معذرت کرنے کی مہلت دی جائے گی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینے کے لیے فرمایا: اور بے شک آپ سے پہلے رسولوں کا (بھی) مذاق اڑایا گیا تھا' سو مذاق اڑانے والوں کو اس عذاب نے گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے (الانبیاء: ۴۱) یعنی اگر آپ کا یہ کفار مکہ مذاق اڑا رہے ہیں تو آپ رنج اور غم نہ کریں' یہ کوئی نئی بات نہیں ہے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ہمیشہ ایسا ہوتا رہا ہے اور حق بات کہنے والوں کو ہمیشہ ایسی دل آزار باتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

قُلْ مَن يَكْلَؤُكُم بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمَٰنِ ۗ بَلْ هُمْ

آپ کہیے کہ رات اور دن میں رحمٰن کے عذاب سے تمہاری کون حفاظت کر سکتا ہے؟ بلکہ یہ تو

عَن ذِكْرِ رَبِّهِم مُّعْرِضُونَ ﴿۴۲﴾ أَمْ لَهُمْ آلِهَةٌ تَمْنَعُهُم مِّن دُونِنَا ۚ

اپنے رب کے ذکر سے ہی منہ پھیرنے والے ہیں ○ کیا ان کے پاس کوئی اور معبود ہیں جو ان کو ہمارے عذاب سے چھڑا لیں گے'

لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُونَ ﴿۴۳﴾ بَلْ مَتَّعْنَا

وہ تو خود اپنی مدد کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اور نہ ہماری طرف سے ان کی مدد کی جائے گی ○ بلکہ ہم نے ان کو اور

هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ؕ اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِي

ان کے باپ دادا کو دنیا کی زندگی میں بہت نفع پہنچایا حتیٰ کہ ان کی زندگی بہت لمبی ہوگئی، کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم

الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ اَفَهُمُ الْغٰلِبُونَ ﴿۴۴﴾ قُلْ اِنَّمَآ

ان پر زمین کے کناروں کو کم کرتے چلے آرہے ہیں، تو کیا یہ اب بھی غالب ہو سکتے ہیں ؟ ○ آپ کہیے میں تم کو

اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ ۖ وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ ﴿۴۵﴾

صرف وحی سے ڈرا رہا ہوں اور بہروں کو جب ڈرایا جائے تو وہ کسی پکار کو نہیں سنتے ○

وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ يٰوَيْلَنَآ اِنَّا

اور اگر ان کو آپ کے رب کا عذاب ذرا سا بھی چھو جائے تو یہ ضرور کہیں گے ہائے ہماری کم بختی ہم ضرور

كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ

ظلم کرنے والے تھے ○ اور ہم قیامت کے دن انصاف کی ترازو رکھیں گے، سو کسی شخص پر بالکل

نَفْسٌ شَيْئًا ؕ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا

ظلم نہیں کیا جائے گا، اور اگر (کسی کا عمل) رائی کے دانہ برابر بھی ہوا تو ہم اس کو لے آئیں

بِهَا ؕ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ

گے اور ہم حساب کرنے کے لیے کافی ہیں ○ اور ہم نے موسیٰ اور ہارون کو کتاب فیصل اور

وَضِيَآءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۸﴾ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِّنَ

روشنی اور متقین کے لیے نصیحت دی ○ جو بن دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور وہ

السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ ؕ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ

قیامت سے بھی ڈرنے والے ہیں ○ اور یہ برکت والا ذکر ہے جس کو ہم نے نازل فرمایا ہے سو کیا تم اس کا

مُنْكِرُوْنَ ۞

انکار کرنے والے ہو ۞

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ رات اور دن میں رحمٰن (کے عذاب) سے تمہاری کون حفاظت کرسکتا ہے؟ بلکہ یہ تو اپنے رب کے ذکر سے ہی منہ پھیرنے والے ہیں ۞ کیا ان کے پاس کوئی اور معبود ہیں جو ان کو ہمارے عذاب سے چھڑا لیں گے وہ تو خود اپنی مدد کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اور نہ ہماری طرف سے ان کی مدد کی جائے گی ۞ بلکہ ہم نے ان کو اور ان کے باپ دادا کو دنیا کی زندگی میں بہت نفع پہنچایا حتیٰ کہ ان کی زندگی بہت لمبی ہوگئی۔ کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم ان پر زمین کے کناروں کو کم کرتے چلے آرہے ہیں تو کیا یہ اب بھی غالب ہوسکتے ہیں؟ ۞ (الانبیاء: ۴۴-۴۲)

دنیا میں کافروں کی حفاظت کرنا

یکلئو کم: اس کا مادہ کلاء ہے۔ اس کا معنی ہے حراست اور حفاظت کرنا۔ کلاہ اللہ کا معنی ہے اللہ اس کو حفاظت میں رکھے۔ اس آیت سے پہلی آیت میں فرمایا تھا کہ کفار آخرت میں اپنے چہروں اور پیٹھوں کو دوزخ کی آگ سے نہیں بچا سکتے اور اس آیت میں فرمایا ہے کہ دنیا میں بھی اگر اللہ ان کی حفاظت نہ کرتا تو وہ عذاب میں مبتلا ہو جاتے۔ یعنی وہ اپنے کفر اور سرکشی کی وجہ سے جس عذاب کے مستحق ہیں' اس سے ان کو اللہ تعالیٰ نے ہی بچایا ہوا ہے' یا دنیا کی آفات اور مصائب سے یا مختلف جنگوں میں مارے جانے اور قید کیے جانے سے ان کو اللہ تعالیٰ نے ہی حفاظت میں رکھا ہوا ہے ورنہ ان کے کرتوت تو ایسے تھے کہ ان کو اب تک صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جاتا۔ اللہ تعالیٰ کے اس انعام کا تقاضا تو یہ تھا کہ وہ اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے اور اس کی اطاعت کرتے' شکر اور اطاعت تو بجائے خود رہی' وہ تو اللہ تعالیٰ کو یاد بھی نہیں کرتے۔

لایصحبون کا معنی

الانبیاء: ۴۳ میں فرمایا ہے: ولاھم منا یصحبون۔ عام طور پر مترجمین نے اس کا معنی صحبت اور رفاقت کیا ہے۔ شاہ رفیع الدین متوفی ۱۲۳۳ھ نے اس کا ترجمہ کیا ہے:

اور نہ وہ ہماری طرف سے رفاقت کیے جاتے ہیں۔

شیخ محمود الحسن متوفی ۱۳۳۹ھ نے لکھا ہے: اور نہ ان کی ہماری طرف سے رفاقت ہو۔

شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۴ھ نے اس کے ترجمہ میں کہا ہے:

اور نہ ہمارے مقابلہ میں کوئی اور ان کا ساتھ دے سکتا ہے۔

ہم نے اس کا ترجمہ کیا ہے: اور نہ ہماری طرف سے ان کی مدد کی جائے گی۔

امام رازی متوفی ۶۰۶ھ فرماتے ہیں: المازنی نے کہا ہے جب تم کسی کی حفاظت کرو تو کہا جاتا ہے اصحبت الرجل یعنی صحب کا معنی حفاظت کرنا ہے' اور اس آیت میں یصحبون کا معنی صحبت سے نہیں ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ صحبت یہاں پر نصرت اور مدد کے معنی میں ہے۔ مسافر کے لیے کہا جاتا ہے صحبک اللہ و نصرک اللہ' اللہ تمہارا صاحب ہو اور اللہ تمہاری مدد کرے۔ اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ان کو ہماری طرف سے کوئی مدد اور اعانت حاصل نہیں ہوگی۔ خلاصہ یہ ہے کہ کفار اپنے معبودوں کے متعلق یہ کہتے تھے کہ وہ آخرت میں ہماری مدد کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا کہ وہ نہ تو خود اپنی مدد کرسکتے ہیں اور نہ اللہ کی طرف سے ان کی مدد کی جائے گی۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۱۴۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

پہلے زمین کے کنارے کافروں پر کم ہو رہے تھے اور اب مسلمانوں پر

الانبیاء: ۴۴ میں فرمایا: کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم ان پر زمین کے کناروں کو کم کرتے چلے آ رہے ہیں۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ سرزمینِ عرب کے جن علاقوں پر پہلے کفار قابض تھے' اب ہم کافروں کو پیہم شکست دے کر ان علاقوں پر مسلمانوں کو قابض اور فتح یاب کرتے چلے آ رہے ہیں اور جن علاقوں پر کافروں کی حکومت اور ان کا تسلط تھا' ان کو ہم کم کرتے چلے آ رہے ہیں۔ کیا اب بھی کافروں کو یہ امید ہے کہ وہ مسلمانوں پر غالب آ جائیں گے جبکہ سرزمینِ عرب میں اب اسلام پھیلتا جا رہا ہے۔

تقریباً ایک ہزار صدی ہجری تک ایسا ہی تھا جب تک مسلمان فنونِ حرب میں ترقی کرتے رہے اور علم و دانش کی تحقیقات میں مصروف رہے اور عیش کوشی اور رقص و سرود کی محفلیں سجانے اور طوائف الملوکی سے دُور رہے' مسلمانوں کو غلبہ رہا لیکن جب وہ ایک دوسرے سے اقتدار کی چھینا جھپٹی میں مشغول ہوگئے اور وحدت ملی کو پارہ پارہ کر دیا' ان کی دانش نگاہیں ویران اور عشرت کدے آباد ہوگئے اور وہ اپنی سلطنت کے ٹکڑوں کو دوسرے مسلمان حاکموں سے بچانے کے لیے اسلام دشمنوں سے مدد حاصل کرنے لگے تو پھر وہ دنیا میں مغلوب اور محکوم ہوتے گئے۔ اسپین آپس کی اسی رقیبانہ چھینا جھپٹی سے مسلمانوں کے ہاتھوں سے جاتا رہا' متحدہ ہندوستان کئی ٹکڑوں میں بٹ گیا' مشرقی پاکستان بھارت کی شہ پر بنگلہ دیش بن گیا' ماوراء النہر کی مسلم ریاستیں روس میں ضم ہوگئیں تھیں اور اب باقی ماندہ پاکستان بھی بے راہ روی' غیر ملکی قرضوں کے اللوں تللوں اور آپس کی لوٹ مار اور تعصب کے طوفان میں ہچکولے کھا رہا ہے۔ چیچنیا' بوسنیا' یوگوسلاویہ اور فلسطین کے مسلمان اپنی آزادی اور بقاء کے لیے غیر مسلم طاقتوں کی طرف دیکھ رہے ہیں اور انڈونیشیا اور ملائیشیا بھی اب غیر یقینی حالات سے دوچار ہیں۔ چین اور بھارت میں کروڑوں مسلمان غلامانہ طریقہ سے رہنے پر مجبور ہیں۔ سو اب زمین کے کنارے مسلمانوں کے لیے کم ہوتے جا رہے ہیں۔ اس انقلاب کی وجہ یہ نہیں ہے کہ قرآن کی آیات اب جھوٹی ہوگئیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اب ہم اجتماعی طور پر قرآن کی ہدایت اور اس کے معیار کے مطابق مسلمان نہیں رہے' جب ہم قرآن کے معیار کے مطابق مسلمان تھے تو زمین کے کنارے ہم پر کشادہ اور وسیع ہو رہے تھے اور کفار پر تنگ اور کم ہو رہے تھے اور جب ہم قرآن کے معیار کے مطابق مسلمان نہیں رہے تو دنیا میں حکومت اور اقتدار کا نقشہ بھی بدلنے لگا۔

کافروں پر زمین کے کنارے کم ہونے کی سید مودودی کی تفسیر پر تبصرہ

سید ابوالاعلیٰ مودودی نے کفار پر زمین کے کناروں کو کم کرنے کی تفسیر میں لکھا ہے:

اچانک کبھی قحط کی شکل میں' کبھی وباء کی شکل میں' کبھی سیلاب کی شکل میں' کبھی زلزلے کی شکل میں' کبھی سردی یا گرمی کی شکل میں اور کبھی کسی اور شکل میں کوئی بلا ایسی آ جاتی ہے جو انسان کے سب کیے دھرے پر پانی پھیر دیتی ہے۔ ہزاروں' لاکھوں آدمی مر جاتے ہیں' بستیاں تباہ ہو جاتی ہیں' لہلہاتی کھیتیاں غارت ہو جاتی ہیں' پیداوار گھٹ جاتی ہے' تجارتوں میں کساد بازاری آنے لگتی ہے' غرض انسان کے وسائل زندگی میں کبھی کسی طرف سے کمی ہو جاتی ہے اور کبھی کسی طرف سے۔

(تفہیم القرآن ج ۳ ص ۱۶۱' مطبوعہ لاہور' ۱۹۸۳ء)

سید ابوالاعلیٰ مودودی کی اس تفسیر کا خلاصہ یہ ہے کہ قدرتی آفات اور موسمی تغیرات سے دن بہ دن انسانوں کی آبادی کم ہو رہی ہے اور اس طرح زمین کے کنارے انسانوں کے وجود سے کم ہوتے جا رہے ہیں۔ یہ تفسیر دو وجہ سے صحیح نہیں ہے۔ اول وجہ یہ ہے کہ اس آیت میں مطلقاً انسانوں کے وجود سے زمین کے کناروں کا کم ہونا نہیں فرمایا بلکہ کافروں کے متعلق فرمایا ہے

کہ ہم ان پر زمین کے کناروں کو کم کرتے چلے آ رہے ہیں' جبکہ سید مودودی کی تقریر مطلقاً انسانوں کے بارے میں ہے اور ثانی وجہ یہ ہے کہ مشاہدہ سے یہ ثابت ہے کہ دن بہ دن انسانوں کی آبادی فزوں تر ہو رہی ہے اور بڑھتی جا رہی ہے۔ ۱۹۴۷ء میں موجودہ مغربی پاکستان کی آبادی ساڑھے تین کروڑ تھی اور اب ۲۰۰۱ء میں ساڑھے بارہ کروڑ ہے۔ بھارت کی آبادی ۱۹۴۷ء میں چالیس کروڑ سے کم تھی اور اب ایک ارب سے زیادہ ہے۔ اس لیے اس آیت کی یہ تفسیر صحیح نہیں ہے۔

اس لیے اس آیت کی صحیح تفسیر یہی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے زمانہ میں مکہ میں جو کفر و اسلام کے درمیان آویزش تھی' اس میں مکہ کے مسلمانوں پر اگرچہ کفار ظلم و ستم کر رہے تھے اور بہ ظاہر غالب تھے لیکن مکہ کے اطراف میں اور مدینہ میں اسلام کی دعوت جڑ پکڑ رہی تھی اور کفار کا حیطہ اقتدار دن بہ دن کم ہو رہا تھا اور بہ تدریج اسلام کا غلبہ ہو رہا تھا' ان حالات کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم ان پر زمین کے کناروں کو کم کرتے چلے آ رہے ہیں تو کیا یہ اب بھی غالب ہو سکتے ہیں؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ میں تم کو صرف وحی سے ڈرا رہا ہوں اور بہروں کو جب ڈرایا جائے تو وہ کسی پکار کو نہیں سنتے O اور اگر ان کو آپ کے رب کا عذاب ذرا سا بھی چھو جائے تو یہ ضرور کہیں گے O ہائے ہماری کم بختی ہم ضرور ظلم کرنے والے تھے O اور ہم قیامت کے دن انصاف کی ترازو رکھیں گے' سو کسی شخص پر بالکل ظلم نہیں کیا جائے گا اور اگر (کسی کا عمل) رائی کے دانہ کے برابر بھی ہوا تو ہم اس کو لے آئیں گے اور ہم حساب کرنے کے لیے کافی ہیں O (الانبیاء: ۴۷-۴۵)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ میں تمہیں اس کلام کو سنا کر ڈرا رہا ہوں جو تمہارے رب کا کلام ہے' تم یہ گمان نہ کرو کہ میں اپنی طرف سے کچھ کہہ رہا ہوں اور اب جب کہ میں نے تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا ہے تو تم پر اس کا قبول کرنا لازم ہے' اور اگر تم نے اس پیغام کو قبول نہ کیا اور اس کے تقاضوں پر عمل نہ کیا تو اس کا وبال صرف تم پر ہوگا۔ اس آیت میں ان کافروں کو بہرا فرمایا ہے کیونکہ سننے کی غرض و غایت یہ ہے کہ حق کو سن کر اس کو قبول کیا جائے لیکن جب انہوں نے پیغامِ حق کو قبول نہیں کیا تو گویا انہوں نے اس کو نہیں سنا اور وہ بہرے ہیں۔

الانبیاء: ۴۶ میں نفحة کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے ہوا کا جھونکا۔ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اب تو یہ اپنے تکبر اور سرکشی کی وجہ سے عذاب کا مطالبہ کر رہے ہیں لیکن اگر ان کو معمولی سا عذاب بھی چھو گیا تو ان کی ساری اکڑفوں جاتی رہے گی اور اس وقت یہ ضرور کہیں گے کہ ہائے ہماری بدبختی! اللہ کے رسول تو ہمیں اس عذاب سے بچانے کے لیے آئے تھے' ہم نے خود ہی ان کے پیغام کو مسترد کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔

میزان میں اعمال کا وزن کرنے کی تحقیق

الانبیاء: ۴۷ میں موازین کا ذکر ہے۔ یہ میزان واحد ہے اور اس کو جمع اس لیے لائے ہیں کہ اس میں تمام مخلوق کے اعمال کا وزن کیا جائے گا۔ گویا یہ میزان اگرچہ واحد ہے لیکن یہ موازین کا کام دے گی اور اس کو قسط (انصاف) کے ساتھ مقید فرمایا کیونکہ دنیا میں بعض میزان عدل کے ساتھ قائم ہوتی ہیں اور بعض ظلم کے ساتھ' اور یہ آخرت کی میزان صرف عدل اور قسط کے ساتھ قائم ہوگی۔

موازین کے متعلق دو قول ہیں مجاہد' قتادہ اور ضحاک کا قول یہ ہے کہ وزن کرنے کا معنی یہ ہے کہ ان کے اعمال میں انصاف کیا جائے گا۔ پس جس کی نیکیوں نے اس کی برائیوں کا احاطہ کر لیا ہوگا' اس کے میزان کا پلڑہ بھاری ہوگا اور جس کی برائیوں نے اس کی نیکیوں کا احاطہ کر لیا ہوگا' اس کے میزان کا پلڑہ ہلکا ہوگا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اعمال کا حقیقتاً وزن کیا جائے گا۔ اس کی ایک صورت یہ ہے کہ نیکیوں اور برائیوں کے الگ الگ رجسٹر ہوں گے' ایک پلڑہ میں نیکیوں کے رجسٹر ہوں گے اور دوسرے پلڑہ میں برائیوں کے رجسٹر ہوں گے۔ جو پلڑہ بھاری ہوگا اسی کے مطابق اس شخص کا فیصلہ کیا جائے گا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ نیک اعمال کو سفید اور حسین صورتوں میں مجسم کر دیا جائے گا اور برے اعمال کو سیاہ اور قبیح صورتوں میں مجسم کر دیا جائے گا اور ان صورتوں کا وزن کیا جائے گا۔

میزان میں وزن کرنے کے متعلق احادیث

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک شخص آ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھ گیا اور اس نے کہا یا رسول اللہ! میرے دو غلام ہیں جو میری تکذیب کرتے ہیں اور میری خیانت کرتے ہیں اور میری نافرمانی کرتے ہیں۔ میں ان کو برا کہتا ہوں اور مارتا ہوں' میرا اور ان کا آخرت میں کس طرح معاملہ ہوگا؟ آپ نے فرمایا: انہوں نے جو تمہاری خیانت اور تکذیب کی ہے اور تمہاری نافرمانی کی ہے اور تم نے اس پر جو ان کو سزا دی ہے' ان کا وزن کیا جائے گا اگر تمہاری سزا ان کے جرائم کے مطابق ہے تو معاملہ برابر ہو جائے گا۔ نہ تمہیں ثواب ہوگا اور نہ عذاب ہوگا اور اگر تمہاری سزا ان کے جرائم سے کم ہوئی تو یہ تمہاری فضیلت ہے اور اگر تمہاری دی ہوئی سزا ان کے جرائم سے زیادہ ہوئی تو اس زیادتی کا تم سے بدلہ لیا جائے گا۔ وہ شخص ایک طرف ہو کر رونے لگا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی:

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ؕ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ؕ (الانبیاء: ۴۷)

اور ہم قیامت کے دن انصاف کی ترازو رکھیں گے سو کسی شخص پر بالکل ظلم نہیں کیا جائے گا اور اگر (کسی کا عمل) رائی کے دانہ کے برابر بھی ہوا تو ہم اس کو لے آئیں گے۔

اس شخص نے کہا اب مجھے اپنے اور ان غلاموں کے درمیان نجات کی صورت یہی نظر آتی ہے کہ میں ان غلاموں کو خود سے جدا کر دوں۔ میں آپ کو گواہ کرتا ہوں کہ وہ غلام آزاد ہیں۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۶۵' مسند احمد ج ۶ ص ۲۸۰)

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ میری اُمت میں سے ایک شخص کو قیامت کے دن تمام مخلوق سے ممتاز اور متمیز کر کے الگ کھڑا کرے گا پھر اس کے گناہوں کے ننانوے رجسٹر کھولے جائیں گے جو منتہاء بصر تک ہوں گے پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا' تم ان میں سے کسی چیز کا انکار کرتے ہو؟ وہ کہے گا' نہیں! اے میرے رب! اللہ فرمائے گا! کیا تمہارا کوئی عذر ہے؟ وہ کہے گا' نہیں! اے میرے رب! اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیوں نہیں؟ ہمارے پاس تمہاری ایک نیکی ہے' آج تم پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا پھر ایک پرچی نکالی جائے گی جس پر لکھا ہوگا: اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمدا عبده و رسوله اللہ فرمائے گا اس کو اپنے میزان پر رکھو۔ وہ شخص کہے گا اے میرے رب! ان رجسٹروں کے مقابلے میں اس ایک پرچی کا کیا وزن ہوگا؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا پھر ان گناہوں کے رجسٹروں کو میزان کے ایک پلڑے میں رکھا جائے گا اور اس پرچی کو دوسرے پلڑے میں رکھ دیا جائے گا تو وہ رجسٹروں کا پلڑہ ہلکا ہوگا اور اس پرچی کا پلڑہ بھاری ہوگا اور اللہ کے نام کے مقابلہ میں کوئی چیز وزنی نہیں ہوگی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۳۹' مسند احمد ج ۲ ص ۲۱۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۰۰' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۲۵' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۴۷۲۲' المستدرک ج ۱ ص ۶' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۴۳۲۱)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ صحائف اعمال کو وزن کیا جائے گا اور اس کی تائید قرآن مجید میں ہے:

وَاِنَّ عَلَیۡکُمۡ لَحٰفِظِیۡنَ ۙ﴿۱۰﴾ کِرَامًا کَاتِبِیۡنَ ۙ﴿۱۱﴾ بے شک تم پر نگہبان ہیں ○ معزز لکھنے والے مقرر ہیں ○ جو
یَعۡلَمُوۡنَ مَا تَفۡعَلُوۡنَ ﴿۱۲﴾ (الانفطار: ۱۲-۱۰) کچھ تم کرتے ہو وہ اس کو جانتے ہیں۔

حضرت ابن عمر نے فرمایا: اس آیت میں یہ ثبوت ہے کہ صحائفِ اعمال کو وزن کیا جائے گا اور صحائف اجسام ہیں' ان کا وزن کیا جاسکتا ہے۔

حافظ سیوطی لکھتے ہیں:

امام بزار نے اپنی سند کے ساتھ اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن ابن آدم کو لایا جائے گا اور اس کو میزان کے دو پلڑوں کے درمیان کھڑا کیا جائے گا اور اس کے ساتھ ایک فرشتہ کو مقرر کیا جائے گا اگر اس کے میزان کا پلڑہ بھاری ہوگا تو فرشتہ بلند آواز سے کہے گا جس کو تمام مخلوق سنے گی فلاں شخص ایسی کامیابی کے ساتھ کامیاب ہوگیا کہ اب نامراد نہیں ہوگا' اور اگر اس کے میزان کا پلڑہ ہلکا ہوگیا تو یہ فرشتہ بلند آواز سے کہے گا جس کو تمام مخلوق سنے گی کہ فلاں شخص ایسی ناکامی کے ساتھ ناکام ہوگیا کہ اب کبھی کامیاب نہیں ہوگا۔ (البدور السافرہ ص ۳۱۶' اتحاف السادۃ المتقین ج ۱۰ ص ۴۷۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میزان کے دو پلڑے ہیں اور ایک زبان ہے' اس میں نیکیوں اور برائیوں کو وزن کیا جائے گا' نیکیوں کو حسین صورتوں میں متمثل کر کے میزان کے پلڑے میں رکھ دیا جائے گا تو وہ پلڑہ بھاری ہو جائے گا پھر اس کو جنت میں اس کے مرتبہ میں رکھ دیا جائے گا پھر مومن سے کہا جائے گا' اپنے عمل کے ساتھ جا کر مل جاؤ پھر وہ جنت میں جائے گا اور اپنے عمل کی وجہ سے اپنے ٹھکانے کو پہچان لے گا' اور ایک شخص کے گناہوں کو بری شکل میں متشکل کر کے میزان کے ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے گا تو وہ پلڑہ ہلکا ہو جائے گا اور باطل ہلکا ہوتا ہے پھر اس شخص کو دوزخ میں اس کے ٹھکانے میں پھینک دیا جائے گا اور اس سے کہا جائے گا جا کر دوزخ میں اپنے عمل سے مل جاؤ۔ وہ دوزخ میں جا کر اپنے عمل کی وجہ سے اپنے ٹھکانے کو پہچان لے گا اور عذاب کی ان اقسام کو جو اللہ نے اس کے لیے تیار کی ہیں۔

(شعب الایمان ج ۱ ص ۲۸۳' رقم الحدیث: ۲۸۲' البدور السافرہ رقم الحدیث: ۹۲۶)

میزان میں وزن کرنے کی حکمتیں

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ نیک اعمال کو حسین صورتوں میں متمثل کر کے اور برے اعمال کو قبیح صورتوں میں متشکل کر کے ان کا وزن کیا جائے گا' اور اس سے پہلے سنن ترمذی کے حوالے سے گزر چکا ہے کہ صحائفِ اعمال کا میزان میں وزن کیا جائے گا۔ ہوسکتا ہے کہ دونوں طرح سے اعمال کا میزان میں وزن کیا جائے اور یہ واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہر انسان کے نیک اور بد عمل کا علم ہے۔ وزن اس لیے کیا جائے گا کہ اس شخص پر کوئی ظلم نہیں کیا جارہا' اس کے اعمال کے مطابق اس کو جزا دی جا رہی ہے اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ معاف کر دے' اس کو یہ معلوم ہو کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا کتنا کرم ہے۔ اس کے گناہ کس قدر زیادہ اور نیکیاں کس قدر کم تھیں پھر بھی اللہ تعالیٰ نے اس کو معاف کر دیا' اور میزان سے نتیجہ معلوم ہونے کے بعد شفاعت کرنے والے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کی شفاعت کریں اور جن مقربین کو اللہ تعالیٰ بلند درجات عطا فرمائے تو اہل محشر پر یہ ظاہر ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ ان کی ان عظیم عبادات کی وجہ سے ان کو نواز رہا ہے اور اللہ تعالیٰ کے محبوبین کی شان اور ان کی عبادات کا کمال ظاہر ہو۔ اسی طرح کوئی شخص لوگوں کے نزدیک بہت نیک اور بزرگ ہوتا ہے اور وہ اس کو اللہ تعالیٰ کا بہت مقرب ولی جانتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں وہ بہت بدکار اور مبغوض ہوتا ہے اگر اعمال کا وزن کیے بغیر اس کو سزا دی جاتی' لوگ سمجھتے اس پر

ظلم ہو رہا ہے سو اللہ تعالیٰ اپنے عدل کو ظاہر کرنے کے لیے اس کے اعمال کا وزن کرائے گا۔

میزان کے خطرہ سے بچنے کے لیے حقوق العباد کی ادائیگی ضروری ہے

امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ لکھتے ہیں:

یاد رکھو! میزان کے خطرہ سے قیامت کے دن وہی شخص نجات پا سکتا ہے جو دنیا میں میزان شرع سے اپنے اعمال' اقوال اور خواہشوں کا محاسبہ کرے۔ جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا آخرت کے محاسبہ سے پہلے اپنا محاسبہ کرلو اور آخرت میں وزن سے پہلے اپنے اعمال کا وزن کرلو۔ انسان اپنا محاسبہ کر کے موت سے پہلے ہر گناہ سے پکی توبہ کرلے اور اللہ تعالیٰ کے فرائض کی ادائیگی میں جو تقصیر ہوگئی ہے' اس کا تدارک کرے اور لوگوں کے جو حقوق اس پر واجب ہیں' ان کو ادا کردے اور اس نے لوگوں پر جو زیادتیاں کی ہیں' ان کی تلافی کرے۔ اس نے جس کو زبان سے جو تکلیف دی ہے یا جس کی غیبت کی ہے یا جس کے متعلق بدگمانی کی ہے' مرنے سے پہلے ان کو راضی کرلے تو وہ بغیر محاسبہ کے جنت میں داخل ہو جائے گا' اور جو لوگوں کے حقوق ادا کرنے اور زیادتیاں معاف کرانے سے پہلے مرگیا تو قیامت کے دن اس کو حق دار گھیر لیں گے۔ کوئی شخص کہے گا اس نے مجھ پر ظلم کیا تھا۔ کوئی شخص کہے گا اس نے مجھے گالی دی تھی۔ کوئی شخص کہے گا اس نے میرا مذاق اُڑایا تھا۔ کوئی شخص کہے گا اس نے میری غیبت کی تھی۔ کوئی کہے گا یہ میرا پڑوسی تھا اور اس نے ہمسائیگی کا حق ادا نہیں کیا۔ کوئی شخص کہے گا اس نے مجھے فلاں چیز فروخت کی اور عیب دار چیز دی یا بیچ میں دھوکا کیا یا قیمت بتانے میں جھوٹ بولا۔ یہ غنی اور میں محتاج تھا' اس نے میری مدد نہیں کی' میں بھوکا تھا اس نے مجھے کھلایا نہیں' مجھ پر ظلم ہو رہا تھا اور اس نے قادر ہونے کے باوجود مجھ سے ظلم دُور نہیں کیا۔ اس نے میرے ساتھ خیانت کی اور اس نے مجھے حقارت سے دیکھا پھر اس وقت ان حق داروں کا حق تم سے دلایا جائے گا۔ ان حقوق کے بدلے میں تمہاری نیکیاں ان کو دی جائیں گی اور جب نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو ان کے گناہ تمہارے اوپر ڈال دیئے جائیں گے۔ (احیاء العلوم ج ۴ ص ۴۵۴' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہوتا ہے؟ مسلمانوں نے کہا ہمارے نزدیک مفلس وہ ہوتا ہے جس کے پاس کوئی درہم ہو نہ کوئی متاع ہو۔ آپ نے فرمایا: میری اُمت میں مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے دن نمازیں' روزے اور زکوٰۃ لے کر آئے گا اور اس نے اس شخص کو گالی دی ہوگی اور اس شخص کو تہمت لگائی ہوگی اور اس کا مال کھایا ہوگا اور اس کا خون بہایا ہوگا اور اس کا مارا ہوگا۔ پس ان کو اس کی نیکیاں دی جائیں گی اور جب ان کے حقوق ختم ہونے سے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو ان کے گناہوں کو اس پر ڈال دیا جائے گا اور پھر اس شخص کو دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۸۱' مسند احمد ج ۲ ص ۳۰۳' مسند احمد رقم الحدیث: ۸۰۱۶' عالم الکتب)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن حقوق والوں کو ان کے حقوق ادا کیے جائیں گے حتیٰ کہ سینگوں والی بکری سے بغیر سینگ والی بکری کا بدلہ لیا جائے گا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۸۲' مسند احمد ج ۲ ص ۳۶۳' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۶۹۴۴' المعجم الکبیر ج ۲۳ ص ۳۶۷)

اللہ تعالیٰ کرم فرمائے تو حقوق العباد بھی معاف کرا دے گا

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد المعروف بابن ابی الدنیا متوفی ۲۸۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن جب اہل جنت' جنت میں داخل ہو جائیں گے اور اہل دوزخ' دوزخ میں چلے جائیں گے اور وہ لوگ باقی رہ جائیں گے جن کے ذمہ

(ایک دوسرے کا) حساب ہوگا تو عرش کے نیچے سے ایک منادی ندا کرے گا اے اہل محشر! تم اپنے اوپر ایک دوسرے کا کیا ہوا ظلم معاف کرو اور تمہارا ثواب میرے ذمہ ہے۔

(رسائل ابن ابی الدنیا' حسن الظن باللہ تعالیٰ رقم الحدیث: ۱۱۵' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۱۳۵۸' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۵۵)

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ قیامت کے دن ایک مومن آئے گا اور وہ اپنے مقروض کو پکڑ لے گا اور کہے گا میں نے اس شخص سے قرض لینا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اپنے بندوں کا حق معاف کرنے کا میں زیادہ حق دار ہوں پھر اللہ اس قرض خواہ کو راضی کرے گا اور اس وجہ سے اس کی مغفرت کر دے گا۔

(حسن الظن باللہ رقم الحدیث: ۱۱۶' (رسائل ابن ابی الدنیا) مطبوعہ مؤسسۃ الکتب الثقافیہ بیروت' ۱۴۱۳ھ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے کہ ہم نے آپ کو ہنستے ہوئے دیکھا حتیٰ کہ آپ کی ڈاڑھیں ظاہر ہوگئیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں' آپ کو کس چیز نے ہنسایا؟ آپ نے فرمایا: میری اُمت کے دو آدمی اپنے رب کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھے ہوں گے' ان میں سے ایک کہے گا اے میرے رب! میرے اس بھائی سے مجھ پر ظلم کرنے کا بدلہ لے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم اپنے اس بھائی پر ظلم کرنے کا بدلہ دو' وہ شخص کہے گا میری نیکیوں میں سے تو اب کچھ باقی نہیں ہے (سب نیکیاں حق دار لے گئے) وہ شخص (مظلوم اور صاحب حق) کہے گا پھر میرے گناہ اس پر ڈال دیئے جائیں۔ پس گریہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے' پھر آپ نے فرمایا: یہ بہت عظیم دن ہوگا اور لوگ اس بات کے محتاج ہوں گے کہ ان کے گناہ ان سے ہٹا لیے جائیں پھر اللہ تعالیٰ حق طلب کرنے والے سے فرمائے گا اپنا سر اُٹھا کر جنتوں کی طرف دیکھ۔ وہ شخص سر اُٹھا کر دیکھے گا اور کہے گا اے میرے رب! میں چاندی اور سونے کے محلات دیکھ رہا ہوں جن میں موتی جڑے ہوئے ہیں' یہ کسی نبی کے لیے ہیں یا کسی صدیق کے لیے ہیں یا کسی شہید کے لیے ہیں؟ اللہ عزوجل فرمائے گا یہ اس شخص کے لیے ہیں جو ان کی قیمت ادا کرے۔ وہ شخص کہے گا اے میرے رب! ان کی قیمت کون ادا کر سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم ان کی قیمت ادا کر سکتے ہو۔ وہ شخص پوچھے گا اے میرے رب! ان کی کیا قیمت ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم اپنے بھائی کی زیادتی معاف کر دو۔ وہ شخص کہے گا۔ اے میرے رب! میں نے معاف کر دیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ اپنے بھائی کو ساتھ لو اور اس کو جنت میں داخل کر دو' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ سے ڈرو اور آپس میں صلح رکھو کیونکہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مومنین کے درمیان صلح کرائے گا۔ حاکم نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔ (رسائل ابن ابی الدنیا' حسن الظن باللہ رقم الحدیث: ۱۱۷' المستدرک رقم الحدیث: ۸۷۵۸)

وزن کیے جانے والوں کی تین قسمیں

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

آخرت میں لوگوں کے تین طبقات ہوں گے۔ بعض ایسے مسلمان ہوں گے جن کا کوئی کبیرہ گناہ نہیں ہوگا' یہ متقین ہیں' اور بعض ایسے مسلمان ہوں گے جن کے فواحش اور کبیرہ گناہ بھی ہوں گے اور ان کی نیکیاں بھی ہوں گی' یہ مخلطین ہیں اور تیسری قسم میں کفار اور مشرکین ہیں۔

رہے متقین تو ان کی نیکیاں ایک روشن پلڑے میں رکھی جائیں گی اور ان کے صغیرہ گناہ دوسرے پلڑے میں رکھے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کے صغیرہ گناہوں کا کوئی وزن نہیں ہونے دے گا اور ان کی نیکیوں کا پلڑہ بھاری ہو جائے گا اور دوسرا تاریک پلڑہ وزن سے خالی رہے گا۔

اور رہے مخلطین تو ان کی نیکیاں روشن پلڑے میں رکھی جائیں گی اور ان کی برائیاں تاریک پلڑے میں رکھی جائیں گی۔ پس ان کی برائیوں کا وزن ہوگا تو اگر ان کی نیکیاں زیادہ وزنی ہوں تو وہ جنت میں داخل ہو جائیں گے خواہ ان کی نیکیوں کا وزن معمولی سا زیادہ ہو اور اگر ان کی برائیاں زیادہ وزنی ہوں تو وہ دوزخ میں داخل ہو جائیں گے خواہ برائیاں معمولی سی زیادہ ہوں ماسوا اس کے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے معاف فرما دے۔ اور اگر ان کی نیکیوں اور برائیوں کا وزن برابر ہو تو وہ اصحابِ اعراف میں سے ہوں گے۔ یہ اس وقت ہے کہ جب ان کے گناہوں کا تعلق حقوق اللہ سے ہو اور اگر ان کے گناہوں کا تعلق حقوق العباد سے ہو اور ان کی نیکیاں زیادہ ہوں تو ان کی نیکیوں کے ثواب کو بہ قدر حقوق کم کر دیا جائے گا' اور اگر ان کی نیکیاں دے کر بھی ان کے حقوق پورے نہ ہوئے تو حق داروں کے گناہ ان پر بہ قدر حقوق ڈال دیئے جائیں گے۔ (جیسا کہ احادیث سے گزر چکا ہے) احمد بن حرب نے کہا قیامت کے دن تین قسم کے لوگ اُٹھائے جائیں گے ایک وہ جو اعمالِ صالحہ کے اعتبار سے غنی اور خوشحال ہوں گے' دوسرے وہ جو فقراء ہوں گے یعنی ان کے اعمالِ صالحہ نہیں ہوں گے اور تیسرے وہ جو پہلے اعمالِ صالحہ کے اعتبار سے غنی ہوں گے اور پھر لوگوں کے حقوق ادا کرنے کے بعد مفلس ہو جائیں گے۔ سفیان ثوری نے فرمایا اگر تم اپنے رب سے ستر گناہوں کے ساتھ ملاقات کرو' جن کا تعلق حقوق اللہ سے ہو تو وہ اس سے آسان ہے کہ تم ایک گناہ کے ساتھ ملاقات کرو جس کا تعلق حقوق العباد کے ساتھ ہو۔ یہ قول صحیح ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ غنی کریم ہے اور ابنِ آدم فقیر مسکین ہے' وہ اس دن ایک نیکی کا بھی محتاج ہوگا جس سے اپنے گناہ کو دُور کر سکے۔

رہا کافر تو اس کے کفر کا تاریک پلڑہ میں وزن کیا جائے گا' اس کی کوئی نیکی نہیں ہوگی جس کو روشن پلڑہ میں رکھا جائے۔ اس کا روشن پلڑہ فارغ ہوگا اور نیکی اور خیر سے خالی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ میں جانے کا حکم دے گا اور ہر کافر کو اس کے باقی گناہوں کے اعتبار سے عذاب دیا جائے گا۔

متقین کے صغائر ان کے کبائر سے اجتناب کرنے کی وجہ سے مٹا دیئے جائیں گے' ان کو جنت میں جانے کا حکم دیا جائے گا اور ہر شخص کو اس کی اطاعت اور نیکیوں کے اعتبار سے اُجر و ثواب دیا جائے گا۔ قرآن مجید کی میزان کی آیات میں صرف کافر اور متقی دو قسموں کا ذکر فرمایا ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صرف ان کا ذکر فرمایا ہے جن کا میزان میں نیکیوں کا پلڑہ بھاری ہو اور جن کی نیکیوں کا پلڑہ خالی ہو۔ اوّل الذکر ہمیشہ جنت میں رہیں گے اور ثانی الذکر ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور رہے مخلطین تو ان کا ذکر احادیث میں ہے اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم السلام' ملائکہ اور صالحین کی شفاعت سے ان کی مغفرت ہو جائے گی۔ (التذکرہ ج ۲ ص ۱۹-۱۸' مطبوعہ دار البخاری مدینہ منورہ' ۱۴۱۷ھ)

نیک لوگوں کے اعمال کا وزن ان کی فضیلت کے اظہار کے لیے کیا جائے گا اور لوگوں کے سامنے ان کی شان بڑھانے اور ان کی عزت افزائی کے لیے کیا جائے گا اور کفار کے اعمال کا وزن ان کی ذلت اور رسوائی کے اظہار کے لیے کیا جائے گا۔

حشر کے دن نیک لوگوں کی عزت افزائی کی مثال اس حدیث میں ہے:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے اللہ عزوجل فرماتا ہے: جو میری ذات سے محبت کرنے والے ہیں' ان کے لیے نور کے منبر ہوں گے' ان کی انبیاء اور اولیاء تحسین کریں گے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۹۰' مسند احمد ج ۵ ص ۲۳۶' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۷۷' المعجم الکبیر ج ۲۰ ص ۱۶۷' حلیۃ الاولیاء ج ۵ ص ۱۲۱)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے بعض بندے ایسے ہیں جو نبی

ہوں گے' نہ شہید اور قیامت کے دن ان کا اللہ کے ساتھ قرب دیکھ کر انبیاء اور شہداء ان کی تحسین کریں گے۔ مسلمانوں نے کہا یارسول اللہ! ہمیں بتائیں' وہ کون لوگ ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو محض اللہ کی وجہ سے لوگوں سے محبت کریں گے' ان کے درمیان کوئی رشتہ داری ہوگی اور نہ انہوں نے ان کو کوئی مال دیا ہوگا' ان کے چہرے نورانی ہوں گے' وہ نور پر فائز ہوں گے اور جب (قیامت کے دن) لوگ خوفزدہ ہوں گے تو انہیں کوئی خوف نہیں ہوگا اور جب لوگ غمگین ہوں گے تو انہیں کوئی غم نہیں ہوگا پھر آپ نے یہ آیت پڑھی:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۔ (یونس: ۶۲) (سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۳۵۲۷' مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۵۰۱۲)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے موسیٰ اور ہارون کو کتاب فیصل اور روشنی اور متقین کے لیے نصیحت دی ○ جو بن دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور وہ قیامت سے بھی ڈرنے والے ہیں ○ اور یہ برکت والا ذکر ہے جس کو ہم نے نازل فرمایا ہے سو کیا تم اس کا انکار کرنے والے ہو ○ (الانبیاء: ۵۰-۴۸)

فرقان کی تفسیر میں مختلف اقوال

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے توحید' رسالت اور قیامت کے دلائل کو مکمل فرمایا تو اب اس نے انبیاء علیہم السلام کے قصص کا ذکر شروع فرمایا تاکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قوم کی طرف سے جس سختی اور ہٹ دھرمی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے اور اللہ تعالیٰ کے پیغام کو پہنچانے میں آپ کو جو مشکلات اور مصائب پیش آ رہے ہیں' اس میں آپ کو تسلی دی جا سکے اور آپ کے صبر کے لیے مثالیں اور مواقع فراہم ہوں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان آیتوں میں انبیاء علیہم السلام کے دس قصص بیان فرمائے ہیں۔ پہلا قصہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرقان کا ذکر فرمایا ہے اور اس کی تفسیر میں مفسرین کے تین قول ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ فرقان سے مراد تورات ہے کیونکہ تورات حق اور باطل میں فرق کرتی تھی اور ضیاء اور روشنی بھی تھی کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات اور احکام شرعیہ کی ہدایت کے راستوں کو بہت وضاحت اور تفصیل سے بیان کرتی تھی' اور ان کے پیش آمدہ مسائل اور دین اور دنیا کی ضرورتوں میں مکمل نصیحت کرتی تھی اور اس میں ان کے شرف اور فضیلت کا پورا بیان تھا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ فرقان سے مراد تورات نہیں ہے کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ فرقان سے مراد وہ مدد ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی تھی' جیسا کہ جنگِ بدر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جو مدد کی گئی تھی اس کو بھی یوم الفرقان فرمایا:

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا یَوْمَ الْفُرْقَانِ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ. (الانفال: ۴۱)

اور ہم نے اپنے بندہ پر فرقان کے دن (حق اور باطل میں فرق کے دن) جو نازل کیا جس دن دو فوجوں میں مقابلہ ہوا تھا۔

یعنی جنگ بدر کے دن جب اسلام اور کفر و شرک کے درمیان پہلا معرکہ برپا ہوا تھا۔

تیسرا قول یہ ہے کہ فرقان سے مراد وہ برہان ہے جس سے دینِ حق اور ادیان باطلہ میں فرق ہوا تھا۔ یہ ابن زید کا قول ہے۔

چوتھا قول یہ ہے اس سے مراد سمندر کا چیرنا ہے جب سمندر کو چیر کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے بارہ راستے بنائے گئے تھے۔ یہ ضحاک کا قول ہے۔

پانچواں قول یہ ہے کہ اس سے مراد بنی اسرائیل کے شبہات کو زائل کرنا ہے۔ یہ محمد بن کعب کا قول ہے۔

اس آیت میں فرمایا ہے کہ یہ متقین کے لیے نصیحت ہے۔ اس پر اعتراض ہے کہ چاہیے تو یہ تھا کہ تورات تمام بنی اسرائیل

کے لیے نصیحت ہوتی اور اس آیت میں فرمایا ہے کہ وہ متقین کے لیے نصیحت ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تورات فی نفسہٖ تمام لوگوں کے لیے نصیحت ہے لیکن چونکہ اس سے فائدہ صرف متقین نے حاصل کرنا تھا' اس لیے فرمایا یہ متقین کے لیے نصیحت ہے۔ اس پر دوسرا اعتراض یہ ہے کہ متقین تو پہلے ہی ہدایت یافتہ ہوتے ہیں' ان کے لیے نصیحت کی کیا ضرورت ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ متقین سے مراد ہے جو تقویٰ اور پرہیز گاری کا ارادہ کرنے والے ہوں یا ان کو مستقبل کے اعتبار سے مجازاً متقین فرمایا ہے' جیسے قرآن مجید حفظ کرنے والے کو حافظ اور میڈیکل کالج میں پڑھنے والے کو ڈاکٹر صاحب کہہ دیتے ہیں۔

غیب میں ڈرنے کا معنی

الانبیاء: ۴۹ میں فرمایا: جو غیب میں اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔ اس آیت میں غیب سے مراد آخرت کا عذاب ہے جو غیب ہے یعنی جو لوگ آخرت کے عذاب سے ڈر کر اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرتے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں' یا غیب سے مراد ان کا اللہ تعالیٰ پر ایمان ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ بھی غیب ہے اور وہ بن دیکھے اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے' اور تیسرا معنی یہ ہے کہ جس طرح وہ لوگوں کے سامنے اللہ سے ڈرتے ہیں اور بے حیائی اور برائی کے کام نہیں کرتے' اسی طرح جب لوگ ان کے سامنے نہیں ہوتے اور وہ خلوت میں ہوتے ہیں' اس وقت بھی وہ اللہ سے ڈرتے ہیں اور بے حیائی کے کام اور دوسرے جن کاموں سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے' ان کو نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَخۡشَوۡنَ رَبَّہُمۡ بِالۡغَیۡبِ لَہُمۡ مَّغۡفِرَۃٌ وَّ اَجۡرٌ کَبِیۡرٌ ○ (الملک: ۱۲)

بے شک جو لوگ غیب (تنہائی) میں اللہ سے ڈرتے ہیں' ان کے لیے مغفرت اور بہت بڑا اجر ہے۔

الانبیاء: ۵۰ میں فرمایا یہ مبارک ذکر ہے یعنی اس کے بہت منافع ہیں اور اس میں بہت وسیع علوم ہیں۔ نیز فرمایا: سو کیا تم اس کا انکار کرنے والے ہو؟ یعنی تم قرآن مجید کو نازل کرنے کا کیوں انکار کر رہے ہو حالانکہ ہم اس سے پہلے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون پر تورات نازل کر چکے ہیں جبکہ اس قرآن میں معجز کلام ہے اور اس کی فصاحت و بلاغت اعجاز کو پہنچی ہوئی ہے۔ اس میں دلائل عقلیہ ہیں اور احکام شرعیہ کا مفصل بیان ہے اور ایسی کتاب کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

وَلَقَدۡ اٰتَیۡنَاۤ اِبۡرٰہِیۡمَ رُشۡدَہٗ مِنۡ قَبۡلُ وَکُنَّا بِہٖ عٰلِمِیۡنَ ﴿۵۱﴾

اور بے شک اس سے پہلے ہم نے ابراہیم کو ہدایت عطا فرمائی تھی اور ہم ان کو خوب جانتے تھے ○

اِذۡ قَالَ لِاَبِیۡہِ وَقَوۡمِہٖ مَا ہٰذِہِ التَّمَاثِیۡلُ الَّتِیۡۤ اَنۡتُمۡ لَہَا

جب انہوں نے اپنے (عرفی) باپ اور اپنی قوم سے کہا یہ کیسی مورتیاں (بت) ہیں جن (کی پرستش) پر

عٰکِفُوۡنَ ﴿۵۲﴾ قَالُوۡا وَجَدۡنَاۤ اٰبَآءَنَا لَہَا عٰبِدِیۡنَ ﴿۵۳﴾ قَالَ لَقَدۡ کُنۡتُمۡ

تم جمے ہوئے ہو ○ انہوں نے کہا ہم نے اپنے باپ دادا کو ان ہی کی عبادت کرتے ہوئے پایا تھا ○ (ابراہیم نے) کہا بے شک

اَنۡتُمۡ وَاٰبَآؤُکُمۡ فِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۵۴﴾ قَالُوۡۤا اَجِئۡتَنَا بِالۡحَقِّ

تم اور تمہارے باپ دادا کھلی ہوئی گمراہی میں تھے ○ انہوں نے کہا کیا آپ واقعی حق بات کہہ رہے ہیں

اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ ﴿۵۵﴾ قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ

یا یونہی مذاق کر رہے ہیں ○ (ابراہیم نے) کہا بلکہ تمہارا رب وہ ہے جو آسمانوں اور

وَالْاَرْضِ الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ ۖ وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۵۶﴾

زمینوں کا رب ہے جس نے ان کو پیدا کیا ہے اور میں اس پر گواہوں میں سے ہوں ○

وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۵۷﴾ فَجَعَلَهُمْ

اور اللہ کی قسم! تمہارے پیٹھ پھیر کر جانے کے بعد میں تمہارے بتوں کے ساتھ ایک خفیہ تدبیر کروں گا ○ سو ابراہیم نے

جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ﴿۵۸﴾ قَالُوْا مَنْ فَعَلَ

ان کے بڑے بت کے سوا سب بتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے تاکہ وہ اس کی طرف رجوع کریں ○ انہوں نے کہا ہمارے معبودوں کے

هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۹﴾ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ

ساتھ جس نے بھی یہ کارروائی کی ہے وہ بے شک ضرور ظالموں میں سے ہے ○ انہوں نے کہا ہم نے ایک جوان کو ان (بتوں) کا ذکر کرتے

يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ ؕ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ

ہوئے سنا تھا جس کو ابراہیم کہا جاتا ہے ○ انہوں نے کہا اس کو لوگوں کے سامنے لاؤ

لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ؕ ﴿۶۲﴾

تاکہ سب دیکھ لیں ○ انہوں نے کہا اے ابراہیم کیا تم نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ کارروائی کی ہے؟ ○

قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖۗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۳﴾

(ابراہیم نے) کہا بلکہ اسی نے یہ کام کیا ہے (یعنی ابراہیم نے) ان میں کا بڑا یہ ہے سو ان سے پوچھ لو اگر یہ بول سکتے ہوں ○

فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾ ثُمَّ نُكِسُوْا

پس انہوں نے اپنے نفسوں کی طرف رجوع کیا اور (آپس میں) کہا بے شک تم ہی ظالم ہو ○ پھر انہوں نے اپنے

عَلٰى رُءُوْسِهِمْ ۚ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۵﴾ قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ

سر جھکا لیے (اور شرمندگی سے) کہا تم کو معلوم ہے یہ بول نہیں سکتے ○ (ابراہیم نے) کہا کیا تم اللہ کے سوا

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ﴿٦٦﴾ اُفٍّ لَّكُمْ

ان کی عبادت کرتے ہو جو تم کو نہ نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں ○ تف ہے تم پر

وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿٦٧﴾ قَالُوْا حَرِّقُوْهُ

اور ان پر جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو، سو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟ ○ انہوں نے کہا اس کو جلا دو

وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿٦٨﴾ قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّ

اور اپنے معبودوں کی مدد کرو اگر تم (کچھ) کرنے والے ہو ○ ہم نے فرمایا: اے آگ! تو ابراہیم پر ٹھنڈک

سَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴿٦٩﴾ وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ﴿٧٠﴾

اور سلامتی ہو جا ○ انہوں نے ابراہیم کے ساتھ ایک چال چلی سو ہم نے ان کو ناکام کر دیا ○

وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿٧١﴾

اور ہم ابراہیم کو اور لوط کو نجات دے کر اس سرزمین کی طرف لے گئے جس میں ہم نے تمام جہان والوں کے لیے برکت فرمائی تھی ○

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ ؕ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً ؕ وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ﴿٧٢﴾

اور ہم نے ابراہیم کو اسحاق عطا فرمایا اور اس پر زائد یعقوب عطا فرمایا اور ہم نے (ان) سب کو نیکوکار بنایا ○

وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ

اور ہم نے ان کو امام بنا دیا جو ہمارے حکم سے ہدایت دیتے تھے اور ہم نے ان کی طرف نیک کام کرنے کی وحی کی

وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ﴿٧٣﴾ وَلُوْطًا

اور نماز قائم کرنے کی اور زکوٰۃ ادا کرنے کی اور وہ ہماری ہی عبادت کرنے والے تھے ○ اور ہم نے

اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا وَّنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ تَّعْمَلُ

لوط کو حکم (نبوت) اور علم عطا فرمایا اور ان کو اس شہر سے نجات دی جس کے لوگ بے حیائی کے کام کرتے

الْخَبٰٓئِثَ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِيْنَ ﴿٧٤﴾ وَاَدْخَلْنٰهُ فِيْ رَحْمَتِنَا ؕ

تھے، بے شک وہ نافرمانی کرنے والے بدترین لوگ تھے ○ اور ہم نے لوط کو اپنی رحمت میں داخل کر لیا

اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۷۵﴾

بے شک وہ نیکوکاروں میں سے تھے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک اس سے پہلے ہم نے ابراہیم کو ہدایت عطا فرمائی تھی اور ہم ان کو خوب جاننے والے تھے○ جب انہوں نے اپنے (عرفی) باپ اور اپنی قوم سے کہا یہ کیسی مورتیاں (بت) ہیں جن (کی پرستش) پر تم جمے ہوئے ہو؟○ انہوں نے کہا ہم نے اپنے باپ دادا کو ان ہی کی عبادت کرتے ہوئے پایا تھا○ (ابراہیم نے) کہا بے شک تم اور تمہارے باپ دادا کھلی ہوئی گمراہی میں تھے○ انہوں نے کہا کیا آپ واقعی حق بات کہہ رہے ہیں یا یونہی مذاق کر رہے ہیں؟○ (الانبیاء: ۵۵-۵۱)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نبوت عطا فرمانا

اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں انبیاء علیہم السلام کے جو قصص بیان فرمائے ہیں' ان میں یہ دوسرا قصہ ہے جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر ہے۔ اس میں فرمایا اور بے شک اس سے پہلے یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام سے پہلے ہم نے حضرت ابراہیم کو رشد عطا فرمائی۔ رشد کے معنی کے متعلق علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ ھ لکھتے ہیں:

الرشد الغی کی ضد ہے۔ ''الغی'' کا معنی گمراہی ہے اور الرشد کا معنی ہدایت ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ. (البقرۃ: ۲۵۶) بے شک ہدایت گمراہی سے متمیز ہو چکی ہے۔

رُشد (ر پر پیش) دنیا اور آخرت میں راہِ راست کے ساتھ خاص ہے اور رَشد (را اور ش پر زبر) کا اطلاق صرف امور اخرویہ میں ہوتا ہے اور راشد اور رشید کا اطلاق دنیا اور آخرت دونوں میں ہوتا ہے: اولئک هم الراشدون۔ (الحجرات: ۷) یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔ اس کا تعلق آخرت کے ساتھ ہے: وما امر فرعون برشید۔ (ھود: ۹۷) اور فرعون کا کوئی حکم درست نہیں تھا' اس کا تعلق دنیا سے تھا۔ (المفردات ج ۱ ص ۲۶۰-۲۵۹' مطبوعہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

رشد کی تفسیر میں دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد نبوت ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور ہم ان کو خوب جاننے والے تھے' کیونکہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو نبوت کے ساتھ مختص کرتا ہے جس کے متعلق اس کو معلوم ہو کہ یہ شخص نبوت کا حق ادا کرے گا اور جو کام منصب نبوت کے نامناسب ہوں اور جن کاموں سے اس کی قوم متنفر ہو' وہ کام نہیں کرے گا۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ رشد سے مراد ہدایت ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْۤا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ (النساء: ۶) پھر اگر تم یتیموں میں ہدایت (ہوشیاری اور حسنِ تدبیر) پاؤ تو ان کے اموال انہیں سونپ دو۔

اس میں ایک تیسرا قول بھی ہے کہ نبوت اور ہدایت دونوں رشد کے تحت داخل ہیں کیونکہ اسی شخص کو منصب نبوت پر فائز کرنا جائز ہے جس کو اللہ تعالیٰ اپنی ذات اور صفات پر رہنمائی کر چکا ہو اور اس کو وہ امور بتا چکا ہو جو اس کے اور اس کی قوم کے رذائل سے منزہ ہونے اور فضائل سے متصف ہونے کے لیے ضروری ہوں۔ یعنی اس کو وہ کام معلوم ہوں جن کے کرنے سے دنیا اور آخرت میں مذمت ہوتی ہے اور جن کے کرنے سے دنیا اور آخرت میں تعریف اور تحسین ہوتی ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۸ ص ۱۵۲-۱۵۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ ھ)

فرمایا: بے شک اس سے پہلے ہم نے ابراہیم کو ہدایت عطا فرمائی تھی۔ امام ابن جریر نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا یعنی حضرت موسیٰ اور ہارون سے پہلے ان کو نبوت اور ہدایت عطا فرمائی تھی' اور مقاتل نے کہا ان کے بالغ ہونے سے پہلے بچپن میں ان کو نبوت عطا فرمائی تھی جب انہوں نے ستاروں کو دیکھ کر ان سے اللہ تعالیٰ کی الوہیت پر استدلال کیا تھا' اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ تفسیر بھی مروی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی صلب اور پشت میں ان کو نبوت عطا فرمائی تھی جب اللہ تعالیٰ نے ان کی پشت سے نبیوں کو نکال کر ان سے میثاق لیا تھا۔ (جامع البیان جز ١٧ ص ٤٧ 'مطبوعہ دار الفکر بیروت' ١٤١٥ھ)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنی قوم کو تبلیغ فرمانا

تماثیل تمثال کی جمع ہے۔ اس کا معنی ہے تراشا ہوا مجسمہ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم مختلف چیزوں کی بنائی ہوئی مجسم تصویروں کی پرستش کرتی تھی۔ مثلاً انسان یا کسی حیوان کی صورت کی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے کہا تم اور تمہارے باپ دادا کھلی ہوئی گمراہی میں تھے' جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے پوچھا کہ تم ان بتوں کی عبادت کیوں کرتے ہو؟ اس کی کیا دلیل ہے؟ تو ان کے پاس اس کے سوا اور کوئی جواب نہ تھا کہ وہ اپنے باپ دادا کی تقلید کرتے ہیں۔ تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: تم اور تمہارے باپ دادا تو کھلی ہوئی گمراہی میں تھے' ان کی قوم نے کہا آیا آپ سنجیدگی سے بات کہہ رہے ہیں یا مذاق کر رہے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک یہ بہت بعید تھا کہ جو کام برسوں سے نسل در نسل ہوتا چلا آ رہا ہو اس کو گمراہی کہا جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (ابراہیم نے) کہا بلکہ تمہارا رب وہ ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا رب ہے جس نے ان کو پیدا کیا ہے اور میں اس پر گواہوں میں سے ہوں O اور اللہ کی قسم! تمہارے پیٹھ پھیر کر جانے کے بعد میں تمہارے بتوں کے ساتھ ایک خفیہ تدبیر کروں گا O سو ابراہیم نے ان کے بڑے بت کے سوا سب بتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے تا کہ وہ اس کی طرف رجوع کریں O انہوں نے کہا ہمارے معبودوں کے ساتھ جس نے بھی یہ کارروائی کی ہے' وہ بے شک ضرور ظالموں میں سے ہے O انہوں نے کہا ہم نے ایک جوان کو ان (بتوں) کا ذکر کرتے ہوئے سنا تھا جس کو ابراہیم کہا جاتا ہے O (الانبیاء: ٦٠-٥٦)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنی قوم کے بتوں کو توڑنا

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ ان کی قوم یہ سمجھ رہی ہے کہ وہ ان کے ساتھ مذاق کر رہے ہیں تو انہوں نے توحید کا اعلان کیا تا کہ قوم کو یقین ہو جائے کہ وہ اظہارِ حق میں سنجیدہ ہیں۔ اس لیے انہوں نے اپنی زبان اور عمل سے اپنے عقیدۂ توحید کا اظہار کیا اور کہا بلکہ تمہارا رب وہ ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا رب ہے جس نے ان کو پیدا کیا ہے۔ اس میں یہ دلیل ہے کہ خالق وہ ہے جس نے ان چیزوں کو بندوں کے نفع کے لیے پیدا کیا ہے اور وہ دنیا اور آخرت میں بندوں کو ضرر اور عذاب سے بچانے اور نفع اور ثواب پہنچانے پر قادر ہے۔ سو اسی کی عبادت کرنی چاہیے' اس کے علاوہ انہوں نے ایک عملی تدبیر اختیار کی۔ اس کی تفصیل امام ابن جریر نے اس طرح بیان کی ہے:

حضرت ابراہیم سے ان کے (عرفی) والد نے کہا اے ابراہیم! ہماری ایک عید ہے اگر تم ہمارے ساتھ اس دن جاؤ تو تم کو ہمارا دین اچھا لگے گا۔ جب عید کا دن آیا تو وہ سب روانہ ہوئے جب کچھ راستہ طے ہو گیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام گر گئے اور فرمایا میں بیمار ہوں اور میرے پیر میں تکلیف ہے۔ ان لوگوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو چھوڑ دیا۔ جب وہ چلے گئے تو انہوں نے زور سے کہا اور اللہ کی قسم! تمہارے پیٹھ پھیر کر جانے کے بعد میں تمہارے بتوں کے ساتھ ایک خفیہ تدبیر کروں گا۔ ان کی قوم کے کچھ لوگوں نے اس بات کو سن لیا تھا پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے بت کدہ کی طرف گئے' اس بت کدہ میں

فرمایا: بے شک اس سے پہلے ہم نے ابراہیم کو ہدایت عطا فرمائی تھی۔ امام ابن جریر نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا یعنی حضرت موسیٰ اور ہارون سے پہلے ان کو نبوت اور ہدایت عطا فرمائی تھی' اور مقاتل نے کہا ان کے بالغ ہونے سے پہلے بچپن میں ان کو نبوت عطا فرمائی تھی جب انہوں نے ستاروں کو دیکھ کر ان سے اللہ تعالیٰ کی الوہیت پر استدلال کیا تھا' اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ تفسیر بھی مروی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی صلب اور پشت میں ان کو نبوت عطا فرمائی تھی جب اللہ تعالیٰ نے ان کی پشت سے نبیوں کو نکال کر ان سے میثاق لیا تھا۔ (جامع البیان جز ۱۷ ص ۴۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنی قوم کو تبلیغ فرمانا

تماثیل تمثال کی جمع ہے۔ اس کا معنی ہے تراشا ہوا مجسمہ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم مختلف چیزوں کی بنائی ہوئی مجسم تصویروں کی پرستش کرتی تھی۔ مثلاً انسان یا کسی حیوان کی صورت کی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے کہا تم اور تمہارے باپ دادا کھلی ہوئی گمراہی میں تھے' جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے پوچھا کہ تم ان بتوں کی عبادت کیوں کرتے ہو؟ اس کی کیا دلیل ہے؟ تو ان کے پاس اس کے سوا اور کوئی جواب نہ تھا کہ وہ اپنے باپ دادا کی تقلید کرتے ہیں۔ تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: تم اور تمہارے باپ دادا تو کھلی ہوئی گمراہی میں تھے' ان کی قوم نے کہا آیا آپ سنجیدگی سے بات کہہ رہے ہیں یا مذاق کر رہے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک یہ بہت بعید تھا کہ جو کام برسوں سے نسل در نسل ہوتا چلا آ رہا ہو اس کو گمراہی کہا جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (ابراہیم نے) کہا بلکہ تمہارا رب وہ ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا رب ہے جس نے ان کو پیدا کیا ہے اور میں اس پر گواہوں میں سے ہوں ○ اور اللہ کی قسم! تمہارے پیٹھ پھیر کر جانے کے بعد میں تمہارے بتوں کے ساتھ ایک خفیہ تدبیر کروں گا ○ سو ابراہیم نے ان کے بڑے بت کے سوا سب بتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے تاکہ وہ اس کی طرف رجوع کریں ○ انہوں نے کہا ہمارے معبودوں کے ساتھ جس نے بھی یہ کارروائی کی ہے' وہ بے شک ضرور ظالموں میں سے ہے ○ انہوں نے کہا ہم نے ایک جوان کو ان (بتوں) کا ذکر کرتے ہوئے سنا تھا جس کو ابراہیم کہا جاتا ہے ○ (الانبیاء: ۶۰-۵۶)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنی قوم کے بتوں کو توڑنا

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ ان کی قوم یہ سمجھ رہی ہے کہ وہ ان کے ساتھ مذاق کر رہے ہیں تو انہوں نے توحید کا اعلان کیا تاکہ قوم کو یقین ہو جائے کہ وہ اظہارِ حق میں سنجیدہ ہیں۔ اس لیے انہوں نے اپنی زبان اور عمل سے اپنے عقیدۂ توحید کا اظہار کیا اور کہا بلکہ تمہارا رب وہ ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا رب ہے جس نے ان کو پیدا کیا ہے۔ اس میں یہ دلیل ہے کہ خالق وہ ہے جس نے ان چیزوں کو بندوں کے نفع کے لیے پیدا کیا ہے اور وہ دنیا اور آخرت میں بندوں کو ضرر اور عذاب سے بچانے اور نفع اور ثواب پہنچانے پر قادر ہے۔ سو اسی کی عبادت کرنی چاہیے' اس کے علاوہ انہوں نے ایک عملی تدبیر اختیار کی۔ اس کی تفصیل امام ابن جریر نے اس طرح بیان کی ہے:

حضرت ابراہیم سے ان کے (عرفی) والد نے کہا اے ابراہیم! ہماری ایک عید ہے اگر تم ہمارے ساتھ اس دن جاؤ تو تم کو ہمارا دین اچھا لگے گا۔ جب عید کا دن آیا تو وہ سب روانہ ہوئے جب کچھ راستہ طے ہو گیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام گر گئے اور فرمایا میں بیمار ہوں اور میرے پیر میں تکلیف ہے۔ ان لوگوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو چھوڑ دیا۔ جب وہ چلے گئے تو انہوں نے زور سے کہا اور اللہ کی قسم! تمہارے پیٹھ پھیر کر جانے کے بعد میں تمہارے بتوں کے ساتھ ایک خفیہ تدبیر کروں گا۔ ان کی قوم کے کچھ لوگوں نے اس بات کو سن لیا تھا پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے بت کدہ کی طرف گئے' اس بت کدہ میں

ایک بہت بڑا کمرہ تھا جس کے سامنے ایک بہت بڑا بت نصب تھا اور اس کے ساتھ بہت چھوٹے چھوٹے بت رکھے ہوئے تھے اور ان بتوں کے سامنے کھانا رکھا ہوا تھا۔ ان کا پروگرام تھا کہ وہ اپنی عید یا میلے سے واپس آ کر اس طعام کو کھائیں گے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان بتوں کے سامنے کھانا رکھا ہوا دیکھا تو فرمایا:

فَرَاغَ اِلٰٓى اٰلِهَتِهِمْ فَقَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ۝ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ۝ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًاۢ بِالْيَمِيْنِ ۝ (الصّٰفّٰت: ۹۳-۹۱)

آپ نے ان بتوں کے پاس جا کر فرمایا تم کھاتے کیوں نہیں؟ تم کو کیا ہوا تم بات کیوں نہیں کرتے؟ پھر ان کی طرف مڑ کر ان کو دائیں ہاتھ سے مارنا شروع کر دیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کلہاڑے سے تمام بتوں کو توڑنا شروع کر دیا اور تمام بت ٹوٹ کر ان کے قدموں میں گر گئے پھر انہوں نے کلہاڑا اُٹھا کر سب سے بڑے بت کی گردن پر رکھ دیا پھر جب ان کی قوم میلے سے واپس آئی تو کھانا کھانے کے لیے اپنے بت کدہ میں گئی۔ وہاں جا کر انہوں نے دیکھا کہ بڑے بت کے سوا ان کے سارے خدا ٹوٹے پھوٹے پڑے تھے' اس وقت انہوں نے کہا ہمارے معبودوں کے ساتھ جس نے بھی یہ کارروائی کی ہے' وہ بے شک ضرور ظالموں میں سے ہے۔ انہوں نے کہا ہم نے ایک نوجوان کو ان (بتوں) کا ذکر کرتے ہوئے سنا تھا' اس کو ابراہیم کہا جاتا ہے۔

(جامع البیان جز ۱۷ ص ۵۱' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: انہوں نے کہا اس کو لوگوں کے سامنے لاؤ تا کہ سب دیکھ لیں ۝ انہوں نے کہا اے ابراہیم! کیا تم نے ہمارے بتوں کے ساتھ یہ کارروائی کی ہے؟ ۝ انہوں نے کہا بلکہ اسی نے یہ کام کیا ہے (یعنی ابراہیم نے) ان میں کا بڑا یہ ہے سو ان سے پوچھ لو؟ اگر یہ بول سکتے ہوں ۝ پس انہوں نے اپنے نفسوں کی طرف رجوع کیا اور (آپس میں) کہا بے شک تم ہی ظالم ہو ۝ پھر انہوں نے اپنے سر جھکا لیے (اور شرمندگی سے) کہا تم کو معلوم ہے یہ بول نہیں سکتے ۝ (ابراہیم نے) کہا کیا تم اللہ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہو جو تم کو نہ نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں ۝ تف ہے تم پر اور ان پر جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو' سو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے ۝ (الانبیاء: ۶۷-۶۱)

بتوں کو توڑنے کی بڑے بت کی طرف نسبت کرنے کے جوابات

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے بتوں کے ٹکڑے ٹکڑے دیکھے اور ان کو یہ معلوم ہوا کہ بتوں کو توڑنے والے حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں تو انہوں نے آپس میں کہا ان کو لوگوں کے سامنے لاؤ۔ اس کے بعد کہا لعلھم یشھدون' اس کے دو محمل ہیں ایک یہ کہ شاید وہ اس کے خلاف شہادت دیں۔ دوسرا یہ کہ تا کہ وہ دیکھ لیں کہ ان کے بتوں کو توڑنے والے کو کیا سزا دی جاتی ہے تا کہ ان کو عبرت حاصل ہو اور آئندہ کوئی شخص اس کی جرأت نہ کرے اور ہو سکتا ہے یہ دونوں معنی مراد ہوں۔

ان کی قوم نے ان سے سوال کیا کہ اے ابراہیم! کیا آپ نے ان بتوں کو توڑا ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا ان کا بڑا یہ ہے' سو تم اس سے پوچھ لو۔ بہ ظاہر یہ جھوٹ ہے کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان بتوں کو خود توڑا تھا اور نسبت اس بڑے بت کی طرف کر دی اور یہ جھوٹ ہے' اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَاذْكُرْ فِى الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۚ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۝ (مریم: ۴۱)

اور آپ اس کتاب میں ابراہیم کا ذکر کیجئے بے شک وہ بہت سچے نبی تھے۔

اس سوال کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقصد یہ تھا کہ اس کے فعل کی نسبت حقیقتاً ان کی طرف کی جائے اور انہوں نے اس بڑے

بت کے عجز کو ثابت کرنے اور اس کی توہین کرنے کے لیے اس کی طرف نسبت کر دی۔ اس کی مثال یہ ہے کہ فرض کیجئے ایک شخص بہت مشہور خوش نویس ہو اور ایک دوسرا شخص ہو جس کے متعلق سب جانتے ہوں کہ یہ اچھا نہیں لکھتا۔ وہ خوش نویس کوئی بہت عمدہ اور نفیس عبارت لکھے اور جب لوگ پوچھیں کہ یہ اتنی عمدہ عبارت کس نے لکھی ہے تو وہ اس دوسرے شخص کی طرف اشارہ کر دے کہ اس نے لکھی ہے' یعنی اس جیسا بد خط ایسی عبارت کب لکھ سکتا ہے۔ سو وہ اس کی مذمت کرنے کے لیے اس کی طرف نسبت کرے۔ سو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی اس کے عجز اور بے بسی کو ظاہر کرنے کے لیے اس کی طرف اشارہ فرمایا اور تعریضاً اس کی طرف نسبت کی۔ تعریض کا معنی یہ ہے کہ بہ ظاہر فعل کی نسبت ایک شخص کی طرف کی جائے اور حقیقت میں مراد دوسرا شخص ہو۔

(۲) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس بڑے بت کی طرف توڑنے کی نسبت بہ طور سبب کی ہے کیونکہ آپ کے غیظ و غضب اور بت توڑنے کا سبب وہ بڑا بت تھا کیونکہ اس کی بہت زیادہ تعظیم اور پرستش کی جاتی تھی تو اس کی پرستش کو باطل کرنے کے لیے آپ نے ان چھوٹے بتوں کو توڑنے کی نسبت بڑے بت کی طرف کر دی۔

(۳) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے مذہب کے اعتبار سے فرمایا یہ کام اسی نے کیا ہے' تم اس بڑے بت سے اس فعل کے صادر ہونے کو کیوں عجیب سمجھ رہے ہو اور اس کا کیوں انکار کر رہے ہو' جو الوہیت کا مدعی ہو اور جس کی پرستش کی جاتی ہو' کیا وہ اتنے سے کام پر بھی قادر نہیں ہے' کیا وہ ان چھوٹے بتوں کو نہیں توڑ سکتا؟

(۴) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کا فاعل ذکر نہیں کیا اور اصل عبارت یوں ہے **بل فعله من فعله**' بلکہ یہ کام اسی نے کیا جس نے کیا۔ ان میں کا بڑا یہ ہے سو تم اس سے پوچھ لو۔

(۵) جب انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پوچھا: اے ابراہیم! کیا تم نے یہ کام کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: **بل فعله** اور اس پر وقف کیا' کیونکہ اس پر وقف جائز کی علامت ''ق'' ہے بلکہ اسی نے کیا ہے (یعنی جس کے متعلق تمہارا گمان ہے' اسی نے توڑا ہے) اور ان کا بڑا یہ ہے' اس سے تصدیق کر لو۔

(۶) جب انہوں نے سوال کیا' اے ابراہیم! کیا تم نے یہ کارروائی کی ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا **بل فعله کبیرهم** بلکہ یہ کام ان کے بڑے نے کیا ہے۔

لوگ یہ سمجھے کہ آپ بتوں میں سے بڑے بت کو کہہ رہے ہیں حالانکہ آپ فرما رہے تھے جو ان میں سے بڑا ہے اس نے کیا ہے اور ان کی قوم میں بڑے خود حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے کیونکہ نبی اپنی اُمت میں سب سے بڑا ہوتا ہے' اور اس معنی پر قرینہ یہ ہے کہ آپ نے **کبیرهم** فرمایا **کبیرها** نہیں فرمایا اگر بتوں کا بڑا مراد ہوتا تو **کبیرها** فرماتے کیونکہ بت غیر ذوی العقول ہیں' اور چونکہ آپ کی مراد قوم کا بڑا تھی اس لیے **کبیرهم** فرمایا اور **هم** ضمیر ذوی العقول کے لیے لائی جاتی ہے۔ لہٰذا یہ ضمیر آپ ہی کی طرف لوٹ رہی ہے۔

جھوٹ سے بچنے کے لیے کلام میں تعریض کے استعمال کی تحقیق

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا مسلمان کو جھوٹ سے بچنے کے لیے معاریض کافی ہیں۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے فرمایا مسلمان کو جھوٹ سے بچنے کے لیے جھوٹ میں بڑی گنجائش ہے۔

(الادب المفرد رقم الحدیث: ۹۰۹-۹۰۸' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۱۶ھ)

معاریض کا معنی ہے تعریض کے ساتھ کلام کرنا۔ کلام میں صراحت کے ساتھ ایک شخص کی طرف نسبت ہو اور مراد دوسرا شخص ہو یا ایک لفظ کے دو معنی ہوں ایک قریب اور ایک بعید' متکلم قریب کے معنی کا ارادہ کرے اور مخاطب کے ذہن میں بعید معنی کا وہم ڈالے۔ جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہ کے متعلق فرمایا یہ میری بہن ہے خود ایمانی بہن کا ارادہ کیا اور سننے والے نسبی بہن سمجھے' یا جیسے آپ نے فرمایا میں بیمار ہوں۔ آپ نے روحانی بیماری کا ارادہ کیا اور سننے والے جسمانی بیماری سمجھے۔ اس کو صفتِ ایہام کہتے ہیں' اور تعریض کی مثال یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بت توڑنے کی صراحت کے ساتھ بڑے بت کی طرف نسبت کی اور ارادہ اپنی ذات کا کیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صرف تین جھوٹ بولے۔ الحدیث (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۷۱' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۵۸' ۳۳۵۷' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۶۶)

امام رازی نے اس حدیث کے متعلق لکھا ہے:

اس حدیث کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جھوٹا قرار دینے سے بہتر یہ ہے کہ ان راویوں کو جھوٹا کہا جائے جنہوں نے یہ حدیث روایت کی ہے' کیونکہ اس پر دلیل قطعی یہ ہے کہ اگر کسی مصلحت کی وجہ سے انبیاء علیہم السلام کا جھوٹ بولنا جائز ہو تو یہ احتمال ان کی ہر حدیث میں جاری ہوگا اور وہ اللہ کی طرف سے جو بھی خبر دیں گے' اس میں یہ احتمال ہوگا کہ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے کسی مصلحت سے جھوٹ بولا ہو' اور اس سے شریعت پر اعتماد ختم ہو جائے گا اور ہر بات پر جھوٹ کی تہمت ہوگی' اور اگر بالفرض یہ حدیث صحیح ہو تو یہ معاریض پر محمول ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے معاریض میں جھوٹ سے بچنے کی گنجائش ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۱۵۶' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام رازی کو ابتداءً ہی یہ کہنا چاہیے تھا کہ اس حدیث میں جھوٹ سے مراد ظاہری جھوٹ ہے اور حقیقت میں معاریض مراد ہیں۔ جیسا کہ ہم نے تفصیل سے بیان کیا ہے تاکہ عوام المسلمین صحیح بخاری' صحیح مسلم' سنن ترمذی اور دیگر کتب صحاح کی حدیث کے متعلق شکوک اور شبہات کا شکار نہ ہوتے' کیونکہ میں نے خود دیکھا کہ ایک عالمِ دین نے اس حدیث کا انکار کر دیا اور دلیل میں امام رازی کا مذکور الصدر حوالہ پیش کیا۔ دوسری بات یہ ہے کہ امام رازی نے معاریض کی حدیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد قرار دیا ہے حالانکہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث نہیں ہے' اثر ہے اور قول صحابی ہے۔

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

ان فی معاریض الکلام مندوحۃ عن الکذب اس اثر کو امام بخاری نے الادب المفرد میں اپنی سند کے ساتھ حضرت عمر اور حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے (جیسا کہ ہم نے باحوالہ ذکر کیا ہے) اور امام طبری نے التہذیب میں' اور امام طبرانی نے المعجم الکبیر میں روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔ امام ابن عدی نے اس کو ایک اور سند کے ساتھ حضرت عمران بن حصین سے مرفوعاً روایت کیا ہے یعنی یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ (الکامل فی ضعفاء الرجال ج ۳ ص ۵۶۷' طبع جدید) اسی طرح امام بیہقی نے بھی مرفوعاً روایت کیا ہے (سنن کبریٰ ج ۱۰ ص ۱۹۹) جوہری نے کہا تعریض اس کلام کو کہتے ہیں جو تصریح کے خلاف ہو' اور کلام میں معاریض کا معنی یہ ہے ایک چیز کا دوسری چیز کے ساتھ توریہ کیا جائے۔ (الصحاح ج ۳ ص ۱۰۸۷' دار العلم بیروت' ۱۳۷۶ھ) اور الراغب نے کہا ہے کہ تعریض اس کلام کو کہتے ہیں جس کے صدق اور کذب کے دو محمل ہوں یا ظاہر اور باطن کے دو محمل ہوں۔ قرآن مجید میں ہے: وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ۔ (البقرہ: ۲۳۵) یعنی اگر تم عدت میں بیٹھی ہوئی عورت کو تعریض کے ساتھ نکاح کا پیغام دو تو کوئی حرج نہیں ہے۔ مثلاً کہو

تم بہت خوبصورت ہو یا تم میں تو بہت مرد رغبت کرتے ہوں گے۔ (المفردات ج ۲ ص ۴۳۰' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ) لیکن اولیٰ یہ ہے کہ ایک کلام کے دو محمل ہوں۔ ایک کو مطلق کہا جائے اور دوسرا اس کو لازم ہو اور وہی مراد ہو' اور تعریض اور کنایہ میں فرق کا بہت سوال کیا جاتا ہے۔ (فتح الباری ج ۱۲ ص ۲۳۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ)

کنایہ اور تعریض کا فرق

کنایہ اور تعریض میں فرق یہ ہے کہ کنایہ کی تعریف یہ ہے کہ دل میں ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ تشبیہ دی جائے۔ ذکر مشبہ کا ہو' مراد بھی مشبہ ہو لیکن مشبہ بہ کے لوازم اور مناسبات کے ذکر کی وجہ سے ذہن مشبہ بہ کی طرف منتقل ہو۔ جیسا کہ اس مصرع میں ہے:

انشبت المنية اظفارها. موت نے اپنے پنجے گاڑ دیئے۔

موت کو درندہ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ موت مشبہ اور درندہ مشبہ بہ ہے۔ ناخن درندہ کو لازم ہیں اور گاڑنا ان کے مناسبات میں سے ہے' ذکر موت کا ہے اور مراد بھی موت ہے لیکن ناخنوں اور گاڑنے کی وجہ سے ذہن درندہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے یہ استعارہ بالکنایہ ہے' اور ناخنوں کا ذکر استعارہ تخیلیہ ہے اور گاڑنے کا ذکر استعارہ ترشیحیہ ہے۔

اور تعریض یہ ہے کہ کلام میں متکلم نے جس چیز کی طرف صراحتاً نسبت کی ہے' وہ اس کا ارادہ نہ کرے بلکہ جس کی طرف اس نے اشارۃً نسبت کی ہے اس کا ارادہ کرے۔ جیسا کہ جب عورت عدت میں بیٹھی ہو تو اس کو صراحتاً نکاح کا پیغام دینا منع ہے لیکن تعریضاً نکاح کا پیغام دینا جائز ہے۔ مثلاً اس سے کہے' تم بہت حسین ہو یا کہے تم جیسی عورت سے نکاح کرنے کے لیے تو بہت لوگ رغبت کرتے ہیں۔ اب صراحتاً تو یہ کہا ہے کہ لوگ اس سے نکاح کی رغبت کرتے ہیں اور اس میں تعریضاً یہ کہا ہے کہ وہ خود اس سے نکاح میں رغبت کرتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ. (البقرۃ: ۲۳۵) اور اگر تم نے (عدت والی) عورت کو بغیر صراحت کے نکاح کا پیغام دیا تو اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

قرآن مجید اور احادیث میں تعریض کا استعمال

قرآن مجید میں تعریض کی مثال یہ ہے:

لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ. (الزمر: ۶۵) اور اگر آپ نے (بالفرض) شرک کیا تو آپ کے عمل ضائع ہو جائیں گے۔

اس آیت میں صراحت سے آپ کی طرف شرک کرنے کی نسبت ہے لیکن مراد آپ کی اُمت ہے۔

اور حدیث میں اس کی مثال یہ ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من عرض عرضنا له. (سنن کبریٰ: ج ۸ ص ۴۳) جس نے کسی پر تعریضاً تہمت لگائی تو ہم بھی اس کو تعریضاً حد لگائیں گے۔

یعنی ہم اس پر حد جاری نہیں کریں گے بلکہ اس پر تعزیر جاری کریں گے۔ اس سلسلہ میں دیگر احادیث یہ ہیں:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی کسی غزوہ میں جاتے تو اس کا توریہ کسی اور غزوہ سے کرتے (یعنی جہاں آپ کا قصد ہوتا' اس کے بجائے کسی اور جگہ کا کنایۃً ذکر کرتے) حتیٰ کہ غزوۂ تبوک آ

گیا۔(الحدیث)

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۲۱۸، صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۷۶۹، سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۲۲۰۲، مسند احمد رقم الحدیث:۱۵۸۸۲ عالم الکتب بیروت)

اس حدیث میں تعریض کے ساتھ کلام کرنے کی تصریح ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سواری کو طلب کیا۔ آپ نے فرمایا میں تم کو اونٹنی کے بچہ پر سوار کروں گا۔ اس نے کہا یارسول اللہ! میں اونٹنی کے بچہ کا کیا کروں گا؟ آپ نے فرمایا: تمام اونٹ اونٹنیوں کے بچے ہی ہوتے ہیں۔ ایک روایت میں ہے آپ نے فرمایا: ہر اونٹ، اونٹ کا بیٹا ہی ہوتا ہے۔

اس حدیث سے وجہ استدلال یہ ہے کہ اس شخص نے سمجھا کہ آپ اونٹ کا بچہ فرما رہے ہیں اور آپ کی مراد اونٹ کا بیٹا تھی۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث:۱۹۹۱، مسند احمد ج ۳ ص ۲۶۷، سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۹۹۸، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث:۳۷۷۶)

حسن بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک بوڑھی عورت آئی اور اس نے کہا یارسول اللہ! آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ وہ مجھے جنت میں داخل کردے۔ آپ نے فرمایا: اے فلاں کی ماں! بے شک جنت میں کوئی بوڑھی عورت نہیں جائے گی، وہ عورت واپس جا کر رونے لگی۔ آپ نے فرمایا: کوئی عورت بڑھاپے کی حالت میں جنت میں نہیں جائے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ۙ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ۙ عُرُبًا اَتْرَابًا ○ (الواقعہ:۳۷-۳۵)

ہم نے جنتیوں کی بیویوں کو بنایا ہے○ ہم نے ان کو کنواریاں بنایا ہے○ محبت کرنے والیاں اور ہم عمر○

(شمائلِ ترمذی رقم الحدیث:۲۴۱، الوفاء رقم الحدیث:۷۷۷، اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۴۹۹، شرح السنۃ رقم الحدیث:۳۶۰۶)

اس حدیث سے وجہ استدلال یہ ہے کہ اس بڑھیا نے سمجھا کہ آپ اس کے متعلق فرما رہے ہیں حالانکہ آپ کی مراد یہ تھی کہ کوئی بڑھیا جنت میں نہیں جائے گی۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی جس کا نام زاہر بن حرام تھا، وہ دیہات میں رہتا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے گاؤں سے ہدیے اور تحفے لاتا تھا اور جب وہ جانے لگتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کو کچھ سامان دیتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے زاہر ہمارا دیہاتی ہے اور ہم اس کے شہری ہیں، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا تھا اور وہ بدشکل تھا۔ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس اس وقت گئے جب وہ سودا بیچ رہا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پیچھے سے آ کر اس سے اس طرح بغل گیر ہوئے کہ وہ دیکھ نہیں سکا۔ اس نے کہا کون ہے؟ مجھے چھوڑ دو، پھر اس نے مڑ کر دیکھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان لیا پھر اس نے اپنی پیٹھ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ سے چپکائے رکھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے: یہ عبد (غلام) کون خریدے گا؟ اس نے کہا یارسول اللہ! تب مجھے آپ کھوٹا پائیں گے۔ آپ نے فرمایا: لیکن تم اللہ کے نزدیک کھوٹے نہیں ہو۔

(شمائلِ ترمذی رقم الحدیث:۲۴۰، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث:۱۹۶۸۸، مسند احمد ج ۳ ص ۱۶۱، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث:۳۴۵۶، صحیح ابن حبان رقم الحدیث:۲۲۷۶، مسند البزار رقم الحدیث:۲۷۳۵، سنن بیہقی ج ۱۰ ص ۲۴۸، شرح السنۃ رقم الحدیث:۳۶۰۴)

اس حدیث سے وجہ استدلال یہ ہے کہ بہ ظاہر عبد سے مراد غلام تھی لیکن وہ آزاد شخص تھا اور آپ کی اس سے مراد تھی اللہ کا بندہ۔

الزبیر بن بکار نے کتاب الفاکہہ میں زید بن اسلم سے مرسلاً روایت کیا ہے کہ ایک عورت جس کا نام اُم ایمن تھا، وہ نبی

صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہا میرا خاوند آپ کو بلا رہا ہے۔ آپ نے پوچھا: وہ کون ہے؟ کیا وہی جس کی آنکھوں میں سفیدی ہے؟ اس نے کہا: یارسول اللہ! اللہ کی قسم اس کی آنکھوں میں سفیدی نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اس کی آنکھوں میں سفیدی ہے۔ اس نے کہا نہیں' اللہ کی قسم۔ آپ نے فرمایا: ہر شخص کی آنکھوں میں سفیدی ہوتی ہے۔ (سبل الھدیٰ والرشاد ج ۷ ص ۱۱۴' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ زادالمسیر ج ۵ ص ۳۶۲)

اس حدیث سے وجہ استدلال یہ ہے کہ اس عورت نے آنکھوں میں سفیدی سے یہ سمجھا کہ اس کے شوہر کی آنکھوں میں کوئی بیماری ہے جبکہ آپ کی اس سے مراد وہ سفیدی ہے جو ہر شخص کی آنکھوں میں ہوتی ہے۔

ان احادیث سے امام غزالی متوفی ۵۰۵ھ اور علامہ شامی متوفی ۱۲۵۲ھ نے بھی کلام میں تعریض کے جواز پر استدلال کیا ہے۔ (احیاء العلوم ج ۳ ص ۱۲۶' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ ردالمحتار ج ۹ ص ۵۲۶' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

حضرت ابراہیم کی قوم نے جو خود کو ظالم کہا' اس کی وجوہ

الانبیاء: ۶۴ میں فرمایا: پس انہوں نے اپنے نفسوں کی طرف رجوع کیا اور (آپس میں) کہا بے شک تم ہی ظالم ہو۔

انہوں نے جو اپنے آپ کو ظالم کہا' اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب یہ واضح کر دیا کہ بتوں کی عبادت کرنا باطل ہے کیونکہ جو اپنے آپ کو کسی کی مار سے نہیں بچا سکتے' وہ سارے جہان کے خدا کیسے ہو سکتے ہیں؟ تب ان کو یہ اندازہ ہوا کہ بتوں کی عبادت کر کے وہ اب تک اپنے اوپر ظلم کرتے رہے تھے۔

(۲) مقاتل نے کہا انہوں نے آپس میں یہ کہا کہ کلہاڑا تو بڑے بت کے اوپر رکھا ہوا ہے تو پھر تم ابراہیم پر بتوں کے توڑنے کا الزام لگا کر ان پر ظلم کر رہے ہو۔

(۳) تم اپنے بتوں کو اکیلا چھوڑ کر عید کے میلہ میں کیوں گئے تھے حتیٰ کہ ابراہیم تمہارے بتوں کو توڑنے پر قادر ہوئے۔

(۴) تم نے ابراہیم سے یہ سوال کیا کہ آیا تم نے ہمارے خداؤں کو توڑا ہے' اس کا جواب دینے کی وجہ سے ابراہیم نے ہمارے طریقہ عبادت کے باطل ہونے کو ظاہر کیا۔

الانبیاء: ۶۵ میں فرمایا: پھر انہوں نے سر جھکا لیے اور کہا تم کو معلوم ہے یہ بول نہیں سکتے۔ بتوں کو توڑے جانے سے جو ان کو حیرت اور دہشت ہوئی تھی اس وجہ سے انہوں نے یہ اعتراف کر لیا۔

پھر الانبیاء: ۶۷-۶۶ میں ذکر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کی اس پر مذمت کی کہ وہ ان کی عبادت کرتے ہیں جو کسی کے نفع اور ضرر پر قادر نہیں ہیں' اف لکم کا معنی ہے تم سے گھن آ رہی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: انہوں نے کہا اس کو جلا دو اور اپنے معبودوں کی مدد کرو اگر تم (کچھ) کرنے والے ہو ○ ہم نے فرمایا: اے آگ! تو ابراہیم پر ٹھنڈک اور سلامتی ہو جا ○ انہوں نے ابراہیم کے ساتھ ایک چال چلی سو ہم نے ان کو ناکام کر دیا ○ اور ہم ابراہیم کو اور لوط کو نجات دے کر اس سرزمین کی طرف لے گئے جس میں ہم نے تمام جہان والوں کے لیے برکت فرمائی تھی ○ (الانبیاء: ۷۱-۶۸)

حضرت ابراہیم کو آگ میں ڈالنے والے کا مصداق

جب وہ لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دلائل سے لاجواب ہو گئے تو انہوں نے کہا' اس کو آگ میں جلا دو۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

قرآن مجید میں یہ ذکر نہیں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کا حکم کس نے دیا۔ مشہور یہ ہے کہ یہ حکم دینے والا نمروذ بن کنعان بن سنجاریب بن نمروذ بن کوش بن حام بن نوح تھا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ کہا یہ شخص اعراب فارس کے قبیلہ کرد سے تھا' وہب بن منبہ نے شعیب الجبائی سے نقل کیا ہے اس کا نام ہیرین تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو زمین میں دھنسا دیا سو وہ قیامت تک زمین میں دھنستا رہے گا۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۱۵۷' جامع البیان رقم الحدیث: ۱۸۶۱۸)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کی تفصیل

امام عبدالرحمان بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ ھ لکھتے ہیں:

اہل تفسیر نے ذکر کیا ہے کہ نمروذ اور اس کے کارندوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک گھر میں قید کر دیا پھر ایک بلند پہاڑ کے دامن میں ان کے لیے ایک قلعہ بنایا' جس کی دیواریں ۶۰ ذراع (نوے فٹ) اونچی تھیں اور بادشاہ نے لوگوں میں اعلان کر دیا کہ ابراہیم کو جلانے کے لیے لکڑیاں جمع کرو اور اس کام کو کرنے میں کوئی بچہ یا بوڑھا کوتاہی نہ کرے' جو اس کام میں شریک نہیں ہوگا' اس کو بھی آگ میں جلا دیا جائے گا۔ تمام لکڑیاں اس دیوار کے برابر ہوگئیں' وہ چالیس دن تک اس مہم میں لگے رہے۔ حتیٰ کہ ان میں سے ایک عورت نذر مانتی تھی کہ اگر میری فلاں مراد پوری ہوگئی تو میں ابراہیم کی آگ کے لیے لکڑیاں چن کر لاؤں گی پھر جب اس مکان میں تمام لکڑیاں جمع ہوگئیں تو انہوں نے اس مکان سے نکلنے کے راستے بند کر دیئے اور اس میں آگ لگا دی۔ اس میں شعلے بھڑکنے لگے' اس کی تپش اس قدر زیادہ تھی کہ اس کے اوپر سے فضا میں بھی کوئی پرندہ گزرتا تو جل جاتا تھا پھر انہوں نے اس قلعہ کے لیے ایک بہت بلند جگہ منتخب کی اور اس پر منجنیق نصب کی اور اس منجنیق میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو رکھ دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا اور عرض کیا: اے اللہ! تو آسمان پر واحد ہے اور میں زمین پر واحد ہوں اور اس زمین پر میرے سوا اور کوئی تیری عبادت کرنے والا نہیں ہے' اللہ مجھے کافی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے' پھر آسمانوں' زمینوں' پہاڑوں اور فرشتوں نے کہا اے ہمارے رب! ابراہیم علیہ السلام کو تیرے نام کی سربلندی کی وجہ سے جلایا جا رہا ہے تو ہمیں اس کی مدد کرنے کی اجازت دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مجھے اس کا خوب علم ہے اگر وہ تم کو مدد کے لیے پکارے تو تم اس کی مدد کرو' پھر ان کافروں نے آپ کو آگ میں ڈال دیا۔ اس وقت آپ کی عمر سولہ سال تھی اور ایک قول یہ ہے کہ آپ کی عمر اس وقت چھبیس سال تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا حسبی اللہ و نعم الوکیل' حضرت جبریل' حضرت ابراہیم کے پاس آئے اور کہا اے ابراہیم! آپ کی کوئی حاجت ہے؟ آپ نے فرمایا: مجھے تم سے کوئی کام نہیں ہے' پھر اس نے کہا آپ اپنے رب سے سوال کیجئے۔ آپ نے فرمایا اس کو جو میرے حال کا علم ہے' وہی کافی ہے۔ (یعنی الگ سے دعا کرنے کی ضرورت نہیں ہے) (زاد المسیر ج ۵ ص ۳۶۷-۳۶۶' مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت' ۱۴۰۷ ھ)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کیوں نہ کی؟

امام بغوی متوفی ۵۱۶ ھ' امام ابن جوزی متوفی ۵۹۷ ھ' امام رازی متوفی ۶۰۶ ھ' علامہ قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ' قاضی بیضاوی متوفی ۶۸۵ ھ' علامہ آلوسی متوفی ۱۲۷۰ ھ اور مفتی محمد شفیع متوفی ۱۳۹۶ ھ سب نے اس حدیث کا مفصل ذکر کیا ہے جس میں مذکور ہے' حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جب جبریل علیہ السلام نے دعا کے لیے کہا تو انہوں نے کہا اللہ کو جو میرے حال کا علم ہے وہی کافی ہے۔

امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ ھ' حافظ ابن کثیر اور حافظ سیوطی نے اس قصہ میں اس جملہ کا ذکر نہیں کیا۔

(معالم التنزیل ج ۳ ص ۲۱۱' زاد المسیر ج ۵ ص ۳۶۷' تفسیر کبیر ج ۸ ص ۱۵۸' الجامع لاحکام القرآن ج ۶ ص ۲۱۱' انوار التنزیل و اسرار التاویل

مع الشہاب ج ۶ ص ۴۵۶-۴۵۵، روح المعانی جز ۱۷ ص ۱۰۱، معارف القرآن ج ۶ ص ۲۰۲)

علامہ شہاب الدین احمد بن محمد خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قول کا معنی یہ ہے کہ اس کو جو میرے حال کا علم ہے وہ کافی ہے' اور وہ علم مجھے سوال کرنے سے غنی کر دیتا ہے اور یہ مقام انبیاء علیہم السلام کے دعا کرنے کے منافی نہیں ہے۔ ان کا دعا کرنا اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی احتیاج کو ظاہر کرنے کے لیے ہے اور گڑگڑا کر اپنی پیشانی کو ذلت کی مٹی پر رکھنے کے لیے ہے کیونکہ حدیث میں ہے: اللہ تعالیٰ گڑگڑا کر دعا کرنے والوں سے محبت کرتا ہے اور ہر مقام کی ایک توجیہ ہوتی ہے۔

(عنایۃ القاضی ج ۶ ص ۴۵۶، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ)

میں کہتا ہوں کہ اس جملہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مصیبتوں اور شدائد میں اللہ تعالیٰ سے دعا نہیں کرنی چاہیے۔ ہمیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیروی کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور جب انہوں نے ایسی شدید مصیبت میں اللہ تعالیٰ سے نہ صرف یہ کہ دعا نہیں کی بلکہ دعا کرنے سے بھی منع کر دیا تو کیا ہم بھی مصیبتوں میں دعا نہ کیا کریں؟ حالانکہ ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ ہیں اور مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ سے دعا کا انکار کرنا ان کی شان کے لائق نہیں ہے۔ اس لیے صحیح یہ ہے کہ اس قصہ میں یہ جملہ الحاقی ہے۔ اسی وجہ سے امام ابن جریر' حافظ ابن کثیر اور حافظ سیوطی نے اس قصہ میں اس جملہ کا ذکر نہیں کیا اور قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بہت زیادہ دعا کرنے والا فرمایا ہے:

اِنَّ اِبۡرٰهِیۡمَ لَحَلِیۡمٌ اَوَّاهٌ مُّنِیۡبٌ ○ (ھود: ۷۵) بے شک ابراہیم متحمل مزاج' بہت گڑگڑا کر دعا کرنے والے اور اللہ کی طرف رجوع کرنے والے ہیں۔

اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے یہ متصور نہیں ہے کہ جب ان سے یہ کہا جائے گا کہ آپ اللہ سے دعا کریں تو وہ کہیں کہ جب اللہ کو میرے حال کا علم ہے تو وہ کافی ہے' دعا کی کیا ضرورت ہے۔ اس کی توجیہ میں کہا جا سکتا ہے کہ چونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے امتحان کا موقع تھا اس لیے اس موقع پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا نہیں کی کیونکہ اس موقع پر دعا کرنا اس امتحان سے بچنے کے مترادف ہوتا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالتے وقت جو کچھ انہوں نے کہا' اس کا ذکر حدیث صحیح میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا جا رہا تھا تو ان کا آخری قول یہ تھا: حسبی اللہ و نعم الوکیل (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۵۶۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۱۱)

چھپکلی کو مارنے کا حکم

سائبہ بیان کرتی ہیں کہ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئیں تو دیکھا کہ گھر میں ایک جگہ نیزہ رکھا ہوا ہے۔ انہوں نے کہا اے اُم المومنین آپ اس نیزہ سے کیا کرتی ہیں؟ انہوں نے فرمایا ہم اس نیزہ سے چھپکلیوں کو مارتے ہیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ خبر دی ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو روئے زمین کا ہر جانور اس آگ کو بجھانے کی کوشش کر رہا تھا' ماسوا چھپکلی کے' وہ آگ میں پھونک مار رہی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مارنے کا حکم دیا۔ اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۲۳۱' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۴۰۲' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۴۳۵۸' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۶۳۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے پہلی ضرب میں چھپکلی کو

مار دیا اس کو اتنی اور اتنی نیکیوں کا اجر ملے گا اور جس نے دوسری ضرب میں مارا اس کو اتنی اور اتنی نیکیوں کا اجر ملے گا اور یہ اجر پہلی ضرب سے کم ہو گا اور جس نے اس کو تیسری ضرب میں مارا اس کو اتنا اور اتنا اجر ملے گا اور یہ دوسری بار کے اجر سے کم ہو گا۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۴۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۲۶۳' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۴۸۲' مسند احمد ج ۲ ص ۳۵۵)

حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ کا ٹھنڈا ہونا

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے یانار کونی بردا وسلاما علی ابراھیم کی تفسیر میں فرمایا: وہ آگ اس طرح حضرت ابراہیم پر ٹھنڈی ہوئی کہ ان کو اس سے کوئی ضرر نہیں پہنچا۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۸۶۲۲)

ابوالعالیہ بیان کرتے ہیں کہ سلاما کا مطلب یہ ہے کہ اس کی ٹھنڈک نقصان نہیں دے گی اور اگر اللہ تعالیٰ وسلاما نہ فرماتا تو اس کی ٹھنڈک آگ کی گرمی سے زیادہ نقصان دہ ہوتی۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۸۶۲۹)

منہال بن عمرو بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے فرمایا مجھ پر اللہ کی سب سے زیادہ نعمتیں ان دنوں تھیں جب مجھے آگ میں ڈالا گیا تھا۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۸۶۲۳)

امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

مجاہد نے کہا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اگر وہ آگ سلامتی کے ساتھ ٹھنڈی نہ ہوتی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کی ٹھنڈک سے فوت ہو جاتے اور دنیا میں جس جگہ بھی آگ تھی وہ بجھ جاتی۔ سدی نے کہا فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بغلوں سے پکڑ کر اٹھایا' وہاں میٹھے پانی کا چشمہ تھا اور انواع واقسام کے پھول تھے۔ اس آگ نے صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیڑیوں اور زنجیروں کو جلایا تھا۔ منہال بن عمرو نے بیان کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس آگ میں چالیس یا پچاس دن رہے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا میری زندگی کے سب سے اچھے ایام وہ تھے جو اس آگ میں گزرے تھے۔ امام ابن اسحاق نے کہا اللہ تعالیٰ نے سائے کے فرشتے کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس بھیجا' وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آکر بیٹھ گیا اور آپ کا دل بہلاتا رہا۔ حضرت جبریل علیہ السلام آپ کے پاس جنت سے ریشم کی قمیص لے کر آئے اور کہا اے ابراہیم! آپ کا رب فرماتا ہے کیا آپ کو یہ معلوم نہیں کہ آگ میرے محبوب بندوں کو نقصان نہیں پہنچا سکتی' پھر نمرود نے اپنے قلعہ سے جھانک کر دیکھا تو حضرت ابراہیم باغ میں بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے اردگرد لکڑیاں جل رہی تھیں' پھر نمرود نے چلا کر کہا اے ابراہیم! کیا تم اس آگ سے نکل سکتے ہو؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: ہاں! اس نے کہا پھر نکل آئیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام چل پڑے حتیٰ کہ اس آگ سے نکل آئے۔ نمرود نے پوچھا: میں نے آپ کی صورت میں جو ایک شخص کو آپ کے پاس بیٹھے ہوئے دیکھا تھا' وہ کون تھا؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا۔ وہ سائے کا فرشتہ ہے' جس کو اللہ تعالیٰ نے میرا دل بہلانے کے لیے بھیجا تھا۔ نمرود نے کہا میں نے آپ کے رب کے نزدیک آپ کی عزت اور وجاہت دیکھی ہے تو میں اس کا تقرب حاصل کرنے کے لیے چار ہزار گایوں کو ذبح کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا جب تک تم اپنے دین پر قائم ہو' اللہ تعالیٰ تمہاری قربانی قبول نہیں فرمائے گا۔ نمرود نے کہا میں اپنے دین کو چھوڑنا نہیں چاہتا لیکن میں عنقریب گایوں کو ذبح کروں گا پھر اس نے گایوں کو ذبح کیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے تعرض کرنا چھوڑ دیا۔ بعض روایات میں ہے کہ انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے بہت بڑا گڑھا کھودا پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس میں ڈالا پھر ان پر سات دن تک آگ جلتی رہی پھر اس گڑھے کو پاٹ دیا پھر اگلے دن اس

گڑھے کو کھولا تو اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام بیٹھے ہوئے تھے اور آپ پر آگ کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا' پھر ان سے حضرت لوط کے باپ ہاران نے کہا ان پر آگ کا کوئی اثر نہیں ہوگا کیونکہ انہوں نے آگ پر جادو کر دیا ہے لیکن ان کو کسی چیز پر بٹھا کر اس کے نیچے آگ جلاؤ تو یہ اس کے دھوئیں سے مرجائیں گے' تو انہوں نے ایک کنویں کے اندر آگ لگا کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس کے اوپر بٹھا دیا اس آگ کی ایک چنگاری حضرت لوط کے باپ ہاران کی ڈاڑھی میں جا کر گری اور وہ خود جل کر مر گیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام پر جلائی ہوئی آگ کے ٹھنڈی ہونے کی کیفیت

حضرت ابراہیم علیہ السلام پر وہ آگ کس کیفیت سے ٹھنڈی ہوئی' اس میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(١) اللہ تعالیٰ نے اس آگ سے جلانے اور تپش کے فعل کو زائل کر دیا تھا اور اس کی روشنی اور چمک کو باقی رکھا تھا۔

(٢) اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جسم میں ایسی کیفیت پیدا کر دی تھی جس کی وجہ سے آگ کی اذیت آپ کو نہیں پہنچ سکتی تھی۔ جس طرح جہنم کے فرشتوں کو آگ ضرر نہیں پہنچاتی اور جس طرح سمندل ایک کیڑا ہے جو صرف آگ میں زندہ رہتا ہے۔

(٣) اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آگ کے درمیان ایک حائل چیز پیدا کر دی جس کی وجہ سے آگ کا اثر آپ تک نہیں پہنچا۔ اللہ تعالیٰ نے آگ سے فرمایا تو ابراہیم (علیہ السلام) پر ٹھنڈی ہو جا۔ اس کا معنی یہ ہے کہ خود وہ آگ ٹھنڈی ہوگئی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام تک اس کا اثر نہیں پہنچا' اور وہ آگ اپنی حالت پر باقی نہیں رہی پھر فرمایا: سلاماً اس کا معنی یہ ہے کہ جب کوئی چیز بہت زیادہ ٹھنڈی ہو تو وہ بھی آگ کی طرح ہلاک کر دیتی ہے۔ اس لیے فرمایا کہ وہ اعتدال کے ساتھ ٹھنڈی ہو۔

پھر فرمایا: انہوں نے ابراہیم کے ساتھ ایک چال چلی سو ہم نے ان کو ناکام کر دیا۔ اس کا معنی یہ ہے کہ انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مباحثہ اور مناظرہ کیا اور اس میں وہ مبہوت اور لاجواب ہوگئے پھر انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں جلانا چاہا لیکن وہ اس میں بھی ناکام ہوگئے۔ (تفسیر کبیر ج ٨ ص ١٦٠-١٥٨ ملخصاً' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ١٤١٥ھ)

نمروذ اور اس کی قوم کا عذاب سے ہلاک ہونا

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ٧٧٤ھ اور امام ابن جوزی متوفی ٥٩٧ھ لکھتے ہیں:

زید بن اسلم نے کہا اللہ تعالیٰ نے اس ظالم بادشاہ (نمروذ) کی طرف ایک فرشتہ بھیجا جو اس کو اللہ پر ایمان لانے کا حکم دیتا تھا۔ نمروذ نے اس کی دعوت کا انکار کیا پھر دوسری بار بھیجا پھر انکار کیا پھر تیسری بار بھیجا پھر انکار کیا' پھر اس فرشتہ نے کہا تم اپنا لشکر جمع کرو میں اپنا لشکر جمع کرتا ہوں۔ سو نمروذ نے اپنے حواریوں اور سپاہیوں کا لشکر جمع کیا پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف مچھر بھیجے جن کو دھوپ کی وجہ سے انہوں نے نہیں دیکھا پھر اللہ تعالیٰ نے وہ مچھر ان پر مسلط کر دیئے۔ مچھروں نے ان کا خون پی لیا اور ان کا گوشت کھا گئے اور جنگل میں صرف ان کی ہڈیاں پڑی رہ گئیں۔ ایک مچھر نمروذ کے نتھنے کے راستہ سے اس کے دماغ میں داخل ہو گیا اور چار سو سال تک وہ اس عذاب میں مبتلا رہا۔ اس عرصہ میں اس کے سر پر ہتھوڑے مارے جاتے رہے حتیٰ کہ اللہ عزوجل نے اس کو ہلاک کر دیا۔

(البدایہ والنہایہ ج ١ ص ٢٢٤' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ١٤١٨ھ' طبع جدید' المنتظم لابن الجوزی ج ١ ص ١٦٩' دار الفکر بیروت' ١٤١٥ھ)

حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے امتحان میں سرخ رو ہوئے اور نمروذ اور اس کی قوم اللہ کے عذاب میں مبتلا ہو کر

ہلاک ہوگئی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حضرت لوط علیہ السلام کے ساتھ عراق سے شام کی طرف ہجرت فرمانا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور ہم ابراہیم کو اور لوط کو نجات دے کر اس سرزمین کی طرف لے گئے جس میں ہم نے تمام جہان والوں کے لیے برکت فرمائی تھی۔ (الانبیاء: ۷۱)

اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے ہم نے ابراہیم کو اور لوط کو ان کے دشمنوں کے علاقہ سے نکال لیا اور ان کو برکتوں والے علاقہ میں بھیج دیا۔ یعنی عراق سے شام کی طرف بھیج دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی قوم اور اس کے دین کو ترک کر کے شام کی طرف روانہ ہوگئے۔

اس قصہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی قوم کے واقعہ کی خبر دی ہے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم قریش کو بتایا ہے کہ تمہاری طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم بھی بت پرستی کرتی تھی اور جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اذیت پہنچائی تھی' اسی طرح قریش بھی آپ کو اذیت پہنچاتے تھے۔ آپ ان کو پیغام حق سناتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کی دعوت دیتے تھے' وہ اس دعوت کی مخالفت کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ سنا کر یہ بتایا کہ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کی ایذاؤں پر صبر کیا تھا' آپ بھی اپنی قوم کی ایذا رسانیوں پر صبر کریں اور جس طرح انہوں نے عراق سے شام کی طرف ہجرت کی تھی' آپ کو بھی مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنی ہوگی۔

شام کا برکت والی سرزمین ہونا

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

قتادہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور لوط علیہ السلام دونوں سرزمینِ شام میں تھے' اسی سرزمین کو ارضِ محشر بھی کہا جاتا ہے۔ قیامت کے دن تمام لوگ یہیں پر جمع ہوں گے۔ حضرت عیسیٰ بن مریم بھی یہیں پر آسمان سے اُتریں گے اور دجال کذاب بھی یہیں پر ہلاک ہوگا۔ ہمیں ابوقلابہ نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے خواب میں دیکھا کہ فرشتے کتابوں کا ڈھیر اُٹھا کر لائے اور اس کو شام میں لا کر رکھ دیا۔ میں نے اس کی یہ تعبیر لی کہ جب فتنے پھیل جائیں گے تو ایمان شام میں ہوگا' اور ہم سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ میں فرمایا ایک جماعت شام میں ہوگی اور ایک جماعت عراق میں ہوگی اور ایک جماعت یمن میں ہوگی۔ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! میرے لیے ان میں سے کسی جگہ کو منتخب کیجئے۔ آپ نے فرمایا تم شام میں رہنا کیونکہ اللہ تعالیٰ میرے لیے شام کا اور وہاں کے رہنے والوں کا ضامن ہوگیا ہے' اور ہم کو بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کعب سے کہا اے کعب! تم مدینہ سے کیوں منتقل ہو رہے ہو؟ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کی جگہ ہے' یہیں آپ کی قبر (مبارک) ہے۔ کعب نے کہا اے امیر المومنین! میں نے اللہ کی نازل کردہ کتاب (تورات) میں پڑھا ہے کہ اللہ کی سرزمین میں شام اللہ کا خزانہ ہے اور اس کے پسندیدہ بندے بھی وہیں ہیں۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۸۶۳۵)

امام ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب کی طرف ہجرت کی اور ان کے ساتھ حضرت لوط علیہ السلام بھی گئے اور آپ نے اپنی عم زاد حضرت سارہ سے نکاح کر لیا۔ وہ اپنے دین' اپنے رب کی عبادت اور اپنی جان اور عزت کی حفاظت کرتے ہوئے نکلے۔ حتیٰ کہ حران (ایک جگہ کا نام) میں ٹھہرے اور جب تک اللہ نے چاہا' وہاں رہے پھر

آپ ہجرت کر کے مصر چلے گئے پھر مصر سے شام واپس چلے گئے اور فلسطین میں ٹھہرے اور حضرت لوط علیہ السلام المؤتفکہ میں ٹھہرے جو وہاں سے ایک دن رات کی مسافت پر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو نبی بنا کر بھیجا۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ١٨٦٢٨)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے ابراہیم کو اسحاق عطا فرمایا اور اس پر زائد یعقوب عطا فرمایا اور ہم نے (ان) سب کو نیکوکار بنایا ○ اور ہم نے ان کو امام بنا دیا جو ہمارے حکم سے ہدایت دیتے تھے اور ہم نے ان کی طرف نیک کام کرنے کی وحی کی اور نماز قائم کرنے کی اور زکوٰۃ ادا کرنے کی اور وہ ہماری ہی عبادت کرنے والے تھے ○ (الانبیاء: ٧٣-٧٢)

حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی مزید نعمتیں

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام پر اس نعمت کا ذکر فرمایا تھا کہ اس نے ان کو ظالموں کے علاقہ سے برکت والی زمین کی طرف نجات دی۔ اس آیت میں ان کے اوپر کی جانے والی نعمتوں کا ذکر فرمایا کہ ان کو اولاد سے نوازا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی:

رَبِّ هَبْ لِىْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ۔ (الصّٰفّٰت: ١٠٠) اے میرے رب! مجھے نیک بیٹا عطا فرما۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور ان کو اسحاق عطا فرمائے اور ان کی دعا کے بغیر حضرت اسحاق کو حضرت یعقوب عطا فرمائے۔ حضرت یعقوب کو نفل فرمایا ہے کیونکہ نفل فرض پر زیادتی کو کہتے ہیں اور حضرت اسحاق کو جو یعقوب عطا فرمائے تھے وہ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا پر زائد تھے۔

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام پر دوسری نعمت یہ فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے لطف اور اپنی توفیق سے سب کو صالح اور نیک بنایا۔

اور تیسری نعمت یہ ہے کہ ان کو امام اور نبی بنایا۔ وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے اذن اور اس کے حکم سے اس کے دین کی دعوت دیتے تھے۔

اور چوتھی نعمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی وحی سے مشرف فرمایا اور ان کو نماز پڑھنے کا حکم دیا جو بدنی عبادات میں سب سے افضل ہے اور زکوٰۃ کا حکم دیا جو مالی عبادات میں سب سے افضل ہے۔ نماز اللہ تعالیٰ کی تعظیم پر دلالت کرتی ہے اور زکوٰۃ مخلوق کی شفقت پر دلالت کرتی ہے۔ علامہ شامی نے کہا ہے کہ انبیاء پر زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی۔ کیونکہ زکوٰۃ مال کو میل سے پاک کرنے کے لیے نکالی جاتی ہے اور انبیاء کا مال میل سے ملوث نہیں۔ اس لیے اس آیت کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ان کو زکوٰۃ کی تبلیغ کرنے کا حکم دیا نہ کہ زکوٰۃ ادا کرنے کا' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ زکوٰۃ سے مراد تزکیہ نفس ہو یعنی ان کو یہ حکم دیا کہ وہ اپنے باطن کو پاک اور صاف رکھیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی پہلی یہ صفت بیان فرمائی کہ وہ صالح اور نیک ہیں پھر ان کی صفت میں ترقی فرما کر بیان فرمایا کہ وہ امام ہیں پھر مزید ترقی فرمائی کہ ان پر وحی کی جاتی ہے اور وہ شرف نبوت سے مشرف ہیں اور فرمایا جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان پر نعمتیں فرمائی ہیں' وہ بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے اس کی عبادت کرتے رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے لوط کو حکم (نبوت) اور علم عطا فرمایا اور ان کو اس شہر سے نجات دی جس کے لوگ بے حیائی کے کام کرتے تھے۔ بے شک وہ نافرمانی کرنے والے بدترین لوگ تھے ○ اور ہم نے لوط کو اپنی رحمت میں داخل کر لیا۔ بے شک وہ نیکوکاروں میں سے تھے ○ (الانبیاء: ٧٥-٧٤)

حضرت لوط علیہ السلام کا قصہ

انبیاء علیہم السلام کے قصص میں سے یہ تیسرا قصہ ہے جو حضرت لوط علیہ السلام کے متعلق ہے۔ اس آیت میں حضرت لوط

السلام کو حکم عطا فرمانے کا ذکر ہے، حکم کی ایک تفسیر ہے حکمت: جس کے تقاضوں پر عمل کرنا واجب ہو اور دوسری تفسیر ہے نبوت۔
اسی بستی سے مراد سدوم ہے۔ یہ لوگ ہم جنس پرست تھے اور مرد لڑکوں سے اپنی خواہش پوری کرتے تھے' اور حضرت لوط علیہ السلام کے متعلق فرمایا ہم نے ان کو اپنی رحمت میں داخل کر لیا وہ بے شک نیک لوگوں میں سے تھے' رحمت کی تفسیر نبوت کے ساتھ کی گئی ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی نبوت عطا فرمانے کے لیے چن لیا کیونکہ وہ نیک شخص تھے اور نبوت کے تقاضوں کو پورا کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ دوسری تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ رحمت سے مراد ثواب ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو حکمت اور علم عطا فرمایا اور ان کو برے لوگوں کی صحبت سے محفوظ رکھا اور ان پر کشف کے دروازے کھول دیئے اور ان کے قلب پر اللہ تعالیٰ کے انوار اور تجلیات کی بارش ہونے لگی' اور یہ ایسا بحر ہے جس کا کوئی ساحل نہیں اور حقیقت میں رحمت سے یہی مراد ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کا ذکر ہم نے الاعراف: ۸۳-۸۰ اور ھود: ۸۳-۷۷ میں کیا ہے۔ ان کا تفصیلی تعارف ان آیتوں میں ملاحظہ فرمائیں۔

وَنُوۡحًا اِذۡ نَادٰی مِنۡ قَبۡلُ فَاسۡتَجَبۡنَا لَهٗ فَنَجَّيۡنٰهُ وَاَهۡلَهٗ مِنَ

اور (اے رسول مکرم!) نوح کو یاد کیجیے، اس سے پہلے، جب انہوں نے (ہم کو) پکارا تو ہم نے ان کی دعا قبول کی اور ہم نے ان کو

الۡكَرۡبِ الۡعَظِيۡمِ ۞۷۶ وَنَصَرۡنٰهُ مِنَ الۡقَوۡمِ الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا

اور ان کے گھر والوں کو بہت بڑی تکلیف سے نجات دی ○ اور ہم نے ان کی ان لوگوں کے مقابلہ میں مدد کی جنہوں نے

بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمۡ كَانُوۡا قَوۡمَ سَوۡءٍ فَاَغۡرَقۡنٰهُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ ۞۷۷ وَدَاوٗدَ

ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا، بے شک وہ بہت برے لوگ تھے سو ہم نے ان سب کو غرق کر دیا ○ اور داؤد

وَسُلَيۡمٰنَ اِذۡ يَحۡكُمٰنِ فِى الۡحَـرۡثِ اِذۡ نَفَشَتۡ فِيۡهِ غَنَمُ

اور سلیمان کو یاد کیجئے جب وہ ایک کھیت کا فیصلہ کر رہے تھے، جب کچھ لوگوں کی بکریاں نے رات میں اس کھیت

الۡقَوۡمِ ۚ وَكُنَّا لِحُكۡمِهِمۡ شٰهِدِيۡنَ ۞۷۸ فَفَهَّمۡنٰهَا سُلَيۡمٰنَ ۚ وَكُلًّا اٰتَيۡنَا

کو چر لیا تھا اور ہم ان کے فیصلہ کو دیکھ رہے تھے ○ سو ہم نے اس کا صحیح فیصلہ سلیمان کو سمجھا دیا اور ہم نے دونوں کو

حُكۡمًا وَّعِلۡمًا ؗ وَّسَخَّرۡنَا مَعَ دَاوٗدَ الۡجِبَالَ يُسَبِّحۡنَ وَالطَّيۡرَ ؕ

قوت فیصلہ اور علم عطا کیا تھا، اور ہم نے پہاڑوں کو داؤد کے تابع کر دیا تھا جو داؤد کے ساتھ تسبیح کرتے تھے اور پرندے بھی

وَكُنَّا فٰعِلِيۡنَ ۞۷۹ وَعَلَّمۡنٰهُ صَنۡعَةَ لَبُوۡسٍ لَّـكُمۡ لِتُحۡصِنَكُمۡ مِّنۡۢ

اور ہم ہی یہ کام کرنے والے ہیں ○ اور ہم نے داؤد کو تمہارے لیے خاص لباس (زرہ) بنانا سکھایا تاکہ وہ تم کو جنگوں میں

بَاْسِكُمْ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ۝٨٠ وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً

محفوظ رکھے، پس کیا تم شکر ادا کرو گے ؟ ۝ اور ہم نے تیز ہوا کو سلیمان کے تابع کر دیا

تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖۤ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ

جو ان کے حکم سے اس زمین کی طرف چلتی تھی جس میں ہم نے برکت رکھی تھی، اور ہم ہر چیز کو خوب جاننے

عٰلِمِيْنَ ۝٨١ وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا

والے ہیں ۝ اور کچھ جنات بھی ان کے تابع کر دیے تھے جو ان کے حکم سے غوطے لگاتے تھے اور اس کے

دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ ۝٨٢ وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّيْ

سوا بھی کام کرتے تھے، اور ہم (ہی) ان کی نگرانی کرنے والے تھے ۝ اور ایوب کو یاد کیجیے جب انہوں نے اپنے رب کو

مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝٨٣ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا

پکارا کہ بے شک مجھے (سخت) تکلیف پہنچی ہے اور تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے ۝ سو ہم نے ان کی دعا قبول کی پس ان کو جو

مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا

تکلیف تھی اس کو ہم نے دور کر دیا اور ہم نے ان کو اپنی رحمت سے (پہلے سے) دگنے اہل و عیال عطا فرمائے اور (یہ) عبادت

وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ ۝٨٤ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِدْرِيْسَ وَذَا الْكِفْلِ ۭ كُلٌّ

کرنے والوں کے لیے نصیحت ہے ۝ اور اسماعیل اور ادریس اور ذو الکفل کو یاد کیجیے یہ سب

مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ ۝٨٥ وَاَدْخَلْنٰهُمْ فِيْ رَحْمَتِنَا ۭ اِنَّهُمْ مِّنَ

صبر کرنے والے تھے ۝ ہم نے ان (سب) کو اپنی رحمت میں داخل کر دیا، بے شک یہ سب

الصّٰلِحِيْنَ ۝٨٦ وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ

نیکو کار تھے ۝ اور مچھلی والے (یونس) کو یاد کیجیے جب وہ (اپنی قوم پر) غضب ناک ہو کر نکلے تو انہوں

نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ

نے یہ گمان کیا کہ ہم ہرگز ان پر تنگی نہیں کریں گے پھر انہوں نے تاریکیوں میں پکارا کہ تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے

سُبْحٰنَكَ ۖ إِنِّي كُنتُ مِنَ الظّٰلِمِينَ ﴿٨٧﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ

تو پاک ہے، بے شک میں (ہی) زیادتی کرنے والوں میں سے تھا ۝ تو ہم نے ان کی پکار سن لی اور ان کو غم سے

مِنَ الْغَمِّ ۚ وَكَذٰلِكَ نُـۨجِي الْمُؤْمِنِينَ ﴿٨٨﴾ وَزَكَرِيَّا إِذْ

نجات دے دی، اور ہم اسی طرح مومنوں کو نجات دیتے ہیں ۝ اور زکریا کو یاد کیجیے جب

نَادٰى رَبَّهُ رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا وَأَنتَ خَيْرُ الْوٰرِثِينَ ﴿٨٩﴾

انہوں نے اپنے رب کو پکارا، اے میرے رب! مجھے اکیلا نہ چھوڑنا اور تو سب وارثوں سے بہتر وارث ہے ۝

فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَوَهَبْنَا لَهُ يَحْيٰى وَأَصْلَحْنَا لَهُ زَوْجَهُ ۚ إِنَّهُمْ

تو ہم نے ان کی دعا سن لی اور ہم نے ان کو یحییٰ عطا کیے اور ہم نے ان کی (بانجھ) بیوی کو تندرست کر دیا، بے شک وہ

كَانُوا يُسٰرِعُونَ فِي الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَرَهَبًا ۖ وَكَانُوا

(سب) نیک کاموں میں جلدی کرتے تھے اور شوق اور خوف سے ہم سے دعائیں کرتے تھے اور وہ

لَنَا خٰشِعِينَ ﴿٩٠﴾ وَالَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهَا مِن

ہم سے عاجزی کرنے والے تھے ۝ اور اس عورت (مریم) کو یاد کیجیے جس نے اپنی پاک بازی قائم رکھی تو ہم نے اس

رُّوحِنَا وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَا آيَةً لِّلْعٰلَمِينَ ﴿٩١﴾ إِنَّ هٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً

میں اپنی روح سے پھونک دیا، اور اس کو اور اس کے بیٹے کو سارے جہان والوں کے لیے (اپنی قدرت کی) نشانی بنا دیا ۝ بے شک یہ تمہاری

وَاحِدَةً ۖ وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُونِ ﴿٩٢﴾ وَتَقَطَّعُوا أَمْرَهُم بَيْنَهُمْ ۖ كُلٌّ

ملت ہے جو درحقیقت ایک ہی ملت ہے اور میں (ہی) تمہارا رب ہوں سو تم میری (ہی) عبادت کرو ۝ اور انہوں نے اپنے دین میں (مختلف)

إِلَيْنَا رٰجِعُونَ ﴿٩٣﴾

فرقے بنا لیے، وہ سب ہماری ہی طرف لوٹ کر آنے والے ہیں ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (اے رسولِ مکرم!) نوح کو یاد کیجیے اس سے پہلے جب انہوں نے (ہم کو) پکارا تو ہم نے ان کی دعا قبول کی اور ہم نے ان کو اور ان کے گھر والوں کو بہت بڑی تکلیف سے نجات دی ۝ اور ہم نے ان کی ان لوگوں کے مقابلہ

میں مدد کی جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا' بے شک وہ بہت برے لوگ تھے سو ہم نے ان سب کو غرق کر دیاo (الانبیاء: ۷۷-۷۶)

حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ

اس سورت میں انبیاء علیہم السلام کے جو قصص بیان کیے گئے ہیں' ان میں یہ چوتھا قصہ ہے جس میں حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر ہے جب اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کا قصہ ختم کیا جس کی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ کے ساتھ یہ مناسبت تھی کہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر پتھر برسائے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے ان کو انگاروں پر ڈال دیا تھا تو حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ شروع فرمایا جس میں نوح علیہ السلام کی دعا سے پانی مسخر کر دیا اور تمام روئے زمین والوں کو پانی میں غرق کر دیا۔

اس آیت میں جو حضرت نوح علیہ السلام کی دعا اور پکار کا ذکر کیا گیا ہے' اس سے مراد ان کی وہ دعا ہے جو انہوں نے کفار کے خلاف کی تھی' جس کا اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں ذکر فرمایا ہے:

اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ o (القمر: ۱۰) میں مغلوب ہوں سو تو میرا (ان سے) انتقام لے۔

قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ دَیَّارًا o (نوح: ۲۶) اور نوح نے دعا کی اے میرے رب! روئے زمین پر کوئی کافر رہنے کے قابل نہ چھوڑ۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کے جواب میں فرمایا:

ہم نے ان کو اور ان کے گھر والوں کو بڑی تکلیف سے نجات دی۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت نوح علیہ السلام کی دعا صرف کافروں اور مخالفوں کو غرق کرنے کے لیے نہیں تھی بلکہ آپ نے یہ دعا بھی کی تھی کہ جو لوگ آپ پر ایمان لا چکے ہیں اور آپ کے طریقہ کو اپنا چکے ہیں' ان کو ان ظالموں اور مخالفوں سے نجات دے دے' اسی لیے اس آیت کے بعد فرمایا:

اور ہم نے ان کی ان لوگوں کے مقابلہ میں مدد کی جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو اس دعا کی اجازت نہیں دی گئی تھی اور ابو امامہ نے کہا ہے کہ اللہ کی مخلوق میں کوئی اس قدر پشیمان نہیں ہوا جس قدر حضرت آدم اور حضرت نوح علیہما السلام پشیمان ہوئے۔ حضرت آدم علیہ السلام ابلیس کے وسوسہ کو قبول کرنے پر پشیمان ہوئے اور حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کے خلاف دعائے ضرر کرنے کی وجہ سے پشیمان ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف یہ وحی کی کہ آپ اس قدر پشیمان نہ ہوں۔ آپ کی دعا قضاء و قدر کے موافق ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۱۶۴)

لیکن صحیح یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی یہ دعا اللہ تعالیٰ کے اذن کے تابع تھی اگر یہ دعا اللہ تعالیٰ کے اذن کے مطابق نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس دعا کو کیوں قبول فرماتا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم نے ان کو اور ان کے اہل کو کربِ عظیم سے نجات دی۔ اہل سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت کو قبول کیا اور ان کے دین کی پیروی کی' اور کربِ عظیم سے مراد یہ ہے کہ ان کی قوم ان کی تکذیب کرتی تھی اس وجہ سے ان کو غم لاحق ہوتا تھا اور ان کی قوم ان کو اذیت پہنچاتی تھی۔ اس غم اور اس اذیت کو کربِ عظیم فرمایا جس سے ان کو نجات عطا فرمائی۔ نیز حضرت نوح علیہ السلام کافی عرصہ سے ان کے خلاف دعا کر رہے تھے اور اس دعا کے قبول ہونے کے انتظار میں تھے' اس وجہ سے ان کو تکلیف ہو رہی تھی جب ان کی دعا قبول ہوئی اور کفار غرق کر دیے گئے تو ان کو اس غم

سے نجات ملی۔

حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ کی زیادہ تفصیل ہم نے الاعراف: ۶۴-۵۹ اور ھود: ۴۸-۳۶ میں بیان کی ہے۔ اس کی تفصیل جاننے کے لیے ان آیات کی تفسیر کا مطالعہ کریں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور داؤد اور سلیمان کو یاد کیجئے جب وہ ایک کھیت کا فیصلہ کر رہے تھے' جب کچھ لوگوں کی بکریوں نے رات میں اس کھیت کو چر لیا تھا اور ہم ان کے فیصلہ کو دیکھ رہے تھے ○ سو ہم نے اس کا صحیح فیصلہ سلیمان کو سمجھا دیا اور ہم نے دونوں کو قوت فیصلہ اور علم عطا کیا تھا اور ہم نے پہاڑوں کو داؤد کے تابع کر دیا تھا جو داؤد کے ساتھ تسبیح کرتے تھے اور پرندے بھی' اور ہم (ہی ہر) کام کرنے والے ہیں ○ اور ہم نے داؤد کو تمہارے لیے خاص لباس (زرہ) بنانا سکھایا تا کہ وہ تم کو جنگوں میں محفوظ رکھے' پس کیا تم شکر ادا کرو گے ○ اور ہم نے تیز ہوا کو سلیمان کے تابع کر دیا جو ان کے حکم سے اس زمین کی طرف چلتی تھی جس میں ہم نے برکت رکھی تھی اور ہم ہر چیز کو خوب جاننے والے ہیں ○ اور کچھ جنات بھی ان کے تابع کر دیئے تھے جو ان کے حکم سے غوطے لگاتے تھے اور اس کے سوا بھی کام کرتے تھے اور ہم (ہی) ان کی نگرانی کرنے والے تھے ○

(الانبیاء: ۸۲-۷۸)

حضرت داؤد علیہ السلام کا نام ونسب

حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ نے حضرت داؤد علیہ السلام کا نام اور نسب اس طرح بیان کیا ہے:

داؤد بن ایشا بن عوید بن عابر بن سلمون بن نحشون بن عویناذب بن ارم بن حصرون بن فارس بن یہوذا ابن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم الخلیل النبی علیہ السلام

وہب بن منبہ نے کہا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا قد چھوٹا تھا' آنکھیں نیلی تھیں' بال کم تھے اور وہ بہت پاکیزہ شخص تھے۔ جب انہوں نے جالوت کو قتل کر دیا تو بنو اسرائیل ان سے محبت کرنے لگے اور ان کو اپنا بادشاہ بنا لیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام میں اللہ تعالیٰ نے نبوت اور بادشاہت کو جمع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ۔ (البقرہ: ۲۵۱) یعنی اگر بادشاہوں کو لوگوں پر حاکم مقرر نہ کیا جاتا تو طاقت ور لوگ کمزور لوگوں کو کھا جاتے۔

اور بعض آثار میں ہے کہ سلطان زمین پر اللہ کا سایہ ہے۔ امام ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام رات کو قیام کرتے تھے۔ (البدایہ والنہایہ ج ا ص ۴۵۵)

حضرت داؤد علیہ السلام کی فضیلت میں احادیث

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ پسندیدہ روزے حضرت داؤد علیہ السلام کے ہیں۔ وہ ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن افطار کرتے تھے' اور اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ پسندیدہ نماز حضرت داؤد علیہ السلام کی نماز ہے وہ نصف شب نیند کرتے تھے اور ایک تہائی رات قیام کرتے تھے اور رات کے چھٹے حصے میں پھر نیند کرتے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۲۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۵۹' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۵۰۰' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۷۱۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۷۱۹)

حضرت داؤد علیہ السلام کو بہت دلکش آواز عطا کی گئی تھی جب وہ زبور کی تلاوت کرتے تھے تو پرندے ہوا میں ٹھہر جاتے

تھے اور ان کے سُر کے ساتھ سُر ملاتے تھے اور ان کی تسبیح کے ساتھ تسبیح کرتے تھے۔

عبداللہ بن عامر بیان کرتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی آواز کو ایسا حسن عطا کیا گیا تھا جو کسی کو عطا نہیں کیا گیا حتیٰ کہ ان کا ترنم سن کر پرندے ان کے پاس آ کر بیٹھ جاتے اور یونہی بیٹھے بیٹھے بھوکے پیاسے مرجاتے حتیٰ کہ دریا چلتے چلتے رُک جاتا تھا۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۸ ص ۱۱۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو قرآن پڑھتے ہوئے سنا تو فرمایا ابوموسیٰ کو آلِ داؤد کے مزامیر (بانسریاں) عطا کیے گئے ہیں۔
(مسند احمد رقم الحدیث: ۲۵۳۹۸ دار الفکر بیروت)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابوموسیٰ کو مزامیر داؤد عطا کیے گئے ہیں۔ (مسند احمد ج ۳ رقم الحدیث: ۸۶۵۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام پر قرأت آسان کردی گئی تھی۔ وہ گھوڑے پر زین ڈالنے کا حکم دیتے اور زین ڈالے جانے سے پہلے زبور ختم کر لیتے تھے اور حضرت داؤد علیہ السلام صرف اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے۔ (مسند احمد ج ۳ رقم الحدیث: ۸۱۶۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کاش تم مجھے گزشتہ رات اس وقت دیکھتے جب میں تمہاری قرأت سن رہا تھا۔ بے شک تمہیں آلِ داؤد کی بانسریوں میں سے ایک بانسری دی گئی ہے۔ حضرت ابوموسیٰ نے کہا اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ سن رہے ہیں تو میں اور مزین پڑھتا۔
(سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱۰ ص ۲۳۰، تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۰۷، معارف القرآن ج ۶ ص ۲۱۱)

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھانے اور سنانے کے لیے اعمال کو مزین کرنا ریا اور گناہ نہیں ہے کیونکہ آپ کی خوشی اللہ کی خوشی ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی وفات

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت داؤد علیہ السلام میں بہت شدید غیرت تھی، وہ جب گھر سے باہر جاتے تھے تو دروازے بند کر دیتے تھے اور جب تک وہ واپس نہ آتے، ان کے گھر میں کوئی نہیں آتا تھا۔ ایک دن وہ دروازہ بند کر کے گئے، ان کی بیوی گھر کو دیکھ رہی تھی۔ انہوں نے دیکھا ایک شخص گھر کے وسط میں کھڑا ہوا ہے۔ انہوں نے کہا حویلی تو بند تھی یہ شخص کہاں سے داخل ہو گیا۔ اللہ کی قسم! ہم تو حضرت داؤد علیہ السلام کے سامنے شرمندہ ہو جائیں گے۔ جب حضرت داؤد علیہ السلام آئے تب بھی وہ شخص گھر کے وسط میں کھڑا ہوا تھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا۔ تم کون ہو؟ اس نے کہا میں وہ ہوں جو نہ بادشاہوں سے ڈرتا ہوں اور نہ کوئی چیز اس کے لیے راستہ کی رکاوٹ بن سکتی ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے کہا پھر تم بے شک ملک الموت ہو۔ میں اللہ تعالیٰ کے حکم کو خوش آمدید کہتا ہوں پھر وہ تھوڑی دیر ٹھہرے تھے کہ ان کی روح قبض کر لی گئی پھر جب ان کو غسل دیا گیا اور کفن پہنایا گیا اور ان کے امور سے فراغت حاصل کی گئی تو سورج طلوع ہو گیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے پرندوں سے کہا حضرت داؤد علیہ السلام پر سایہ کرو پھر پرندوں نے آپ پر سایہ کیا حتیٰ کہ تمام زمین پر اندھیرا چھا گیا پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے پرندوں سے فرمایا تم اپنے پر سمیٹ لو۔
(مسند احمد ج ۳ رقم الحدیث: ۹۴۳۲، البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۳۶۴ دار الفکر ۱۴۱۸ھ)

قتادہ حسن سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام سو سال کی عمر گزار کر فوت ہوئے وہ بدھ کا دن تھا اور آپ کو صورۃً اچانک موت آئی تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ کو بھی صورۃً اچانک موت آئی تھی اور حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کو بھی صورۃً اچانک موت آئی تھی۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۸ ص ۱۴۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

هَلْ أَتٰكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ إِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ. (ص: ۲۵-۲۱) میں حضرت داؤد علیہ السلام کے ایک قصہ کا ذکر ہے۔ اس کو ان شاء اللہ ہم اس آیت کی تفسیر میں بیان کریں گے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا نام ونسب

حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

سلیمان بن داؤد بن ایشا بن عوید بن عابر بن سلمون بن نحشون بن عویناذب بن ارم بن حصرون بن فارص بن یہوذا بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم خلیل النبی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا وورث سلیمان داؤد - الایة. (النمل: ۱۶) اس کی تفسیر ان شاء اللہ ہم سورۃ النمل میں کریں گے۔ نیز فرمایا وحشر لسلیمان جنوده من الجن والانس۔ (النمل: ۱۹) اس کی تفسیر بھی ان شاء اللہ ہم وہیں کریں گے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے احوال اور فضائل

زہری بیان کرتے ہیں کہ سلیمان بن داؤد علیہما السلام اور ان کے اصحاب بارش کے لیے دعا کرنے گئے تو انہوں نے دیکھا کہ ان کے ساتھ ایک چیونٹی بھی ایک ٹانگ پر کھڑی ہوئی دعا کر رہی ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے اصحاب سے کہا واپس چلو تم پر بارش ہوگی اس چیونٹی نے بارش کی دعا کی ہے سو اس کی دعا قبول کر لی گئی۔

(مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۴۹۲۱ البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۴۶۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے انبیاء سابقین میں سے ایک نبی لوگوں کو لے کر بارش کی دعا کرنے گئے اس وقت ایک چیونٹی بھی اپنی ٹانگوں کو آسمان کی طرف کیے ہوئے کھڑی تھی۔ اس نبی نے کہا واپس چلو تمہاری دعا اس چیونٹی کی وجہ سے قبول ہو گئی ہے۔

(دار قطنی ج ۱ ص ۶۶ المستدرک رقم الحدیث: ۱۲۱۵ مختصر تاریخ دمشق ج ۱۰ ص ۱۴۸)

حضرت سلیمان علیہ السلام کے زیادہ احوال سورہ سبا، سورہ نمل اور سورہ ص میں ہیں۔ وہاں ہم ان شاء اللہ ان کا ذکر کریں گے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے مزید فضائل ہم ان شاء اللہ اس سورت (الانبیاء: ۸۲-۸۱) میں بیان کریں گے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات

اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖٓ إِلَّا دَآبَّةُ الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنْسَأَتَهٗ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ أَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ۝ (سبا: ۱۴)

پھر جب ہم نے ان کی موت کا حکم بھیج دیا تو جنات کو کسی نے اس کی خبر نہ دی سوائے دیمک کے جو ان کے عصا کو کھا رہی تھی؛ سو جب سلیمان گر پڑے تو جنات پر یہ منکشف ہو گیا کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو (تعمیر کی) مشقت کی ذلت میں مبتلا نہ رہتے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے نبی حضرت سلیمان علیہ السلام جب نماز پڑھتے تو اپنے آگے ایک درخت اُگا ہوا دیکھتے۔ حضرت سلیمان درخت سے پوچھتے تیرا نام کیا ہے؟ وہ بتاتا میرا فلاں نام ہے۔ پوچھتے تم کس لیے ہو؟ اگر تم بہ طور درخت ہو تو تم کو اُگا دوں اور اگر تم دوا کے لیے ہو تو بھی میں اُگاؤں سو اسی طرح ہوتا رہتا۔ ایک دن انہوں نے نماز پڑھی تو اپنے سامنے ایک درخت دیکھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے پوچھا تیرا نام کیا ہے؟ اس نے کہا ویرانی۔ آپ نے پوچھا تم کس لیے ہو؟ اس نے کہا اس گھر کو ویران کرنے کے لیے' پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے دعا کی اے اللہ! جنات کو میری موت سے اندھا (غافل) کر دے حتیٰ کہ تمام انسانوں کو معلوم ہو جائے کہ جنات غیب نہیں جانتے۔ انہوں نے ایک عصا تراشا اور اس پر ٹیک لگا کر ایک سال تک کھڑے رہے اور جنات ان کے سامنے تعمیر کا کام کرتے رہے (وہ پہاڑوں سے پتھر توڑ کر لاتے تھے اور محل بناتے تھے) پھر اس لاٹھی کو دیمک نے کھانا شروع کر دیا (وہ لاٹھی ٹوٹ گئی اور حضرت سلیمان گر گئے) تب انسانوں کو پتا چلا کہ اگر جنات کو غیب کا علم ہوتا اور وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کو جان چکے ہوتے تو اس مشقت والے کام کو کب کا چھوڑ چکے ہوتے (وہ یہی سمجھتے رہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام زندہ ہیں اور ان کے کام کی نگرانی کر رہے ہیں' وہ ان کے خوف سے بہ دستور کام کرتے رہے) پھر جنات نے اس دیمک کا شکر ادا کیا۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۲۲۸۱' مسند البزار ۲۳۵۵' مختصر تاریخ دمشق ج ۱۰ ص ۱۵۵' البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۴۸۱)

امام ابن اسحاق وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام باون سال زندہ رہے اور ان کی حکومت چالیس سال رہی۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۱۰ ص ۱۵۵' البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۴۸۳)

مویشیوں کے کھیت کا نقصان کرنے کی تلافی میں حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا اجتہادی اختلاف

نفش کا معنی ہے بغیر چرواہے کے رات کو بکریوں کا کھیت کو چر لینا۔ (مختار الصحاح ص ۳۸۷' المفردات ج ۲ ص ۶۴۹)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ دو آدمی حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس آئے' ان میں سے ایک کھیت کا مالک تھا اور دوسرا بکریوں کا مالک تھا۔ کھیت کے مالک نے کہا اس آدمی نے اپنی بکریاں میرے کھیت میں ہانک دیں اور میرے کھیت میں سے کوئی چیز باقی نہیں بچی۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا جاؤ یہ ساری بکریاں تمہاری ہیں۔ یہ حضرت داؤد علیہ السلام کا فیصلہ تھا' پھر بکریوں والا حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس گیا اور ان کو حضرت داؤد علیہ السلام کا کیا ہوا فیصلہ بتایا پھر حضرت سلیمان' حضرت داؤد علیہما السلام کے پاس گئے اور کہا اے اللہ کے نبی! آپ نے جو فیصلہ کیا ہے' اس کے سوا ایک اور فیصلہ ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا وہ کیا ہے؟ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کھیت والے کو معلوم ہے کہ ہر سال اس کی کتنی فصل ہوتی ہے' وہ اس فصل کی قیمت بکریوں والے سے لے لے اور بکریوں والا بکریوں کے بال' ان کا اُون اور ان کے بچوں کو بیچ کر وہ قیمت ادا کر دے اور بکریوں کی نسل تو ہر سال چلتی رہتی ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے کہا تم نے صحیح فیصلہ کیا ہے اور فیصلہ یہی ہے' یہ محمد بن سعد کی روایت ہے۔ اور خلیفہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس طرح روایت کیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا بکریاں کھیت والے کو دے دیں' وہ ان کے دودھ' ان کے بچوں اور ان کے دیگر منافع سے استفادہ کرے اور اس عرصہ میں بکریوں والا کھیت میں دوبارہ فصل اُگائے حتیٰ کہ جب پہلے جتنی فصل ہو جائے تو کھیت کھیت والے کے حوالے کر کے اپنی بکریاں لے لے۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۸۶۵۶' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ رقم الحدیث: ۲۷۹۶۹' ج ۷ رقم الحدیث: ۳۶۲۹۱' زاد المسیر ج ۵ ص ۳۷۲-۳۷۱)

مویشیوں کے کھیت کا نقصان کرنے کی تلافی میں ائمہ ثلاثہ کا نظریہ اور ان کے دلائل

امام عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

علامہ ابوسلیمان الدمشقی نے کہا ہے کہ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام دونوں نے یہ فیصلہ اپنے اپنے اجتہاد سے کیا تھا اگر اس مسئلہ میں کوئی نص ہوتی تو وہ اس کی مخالفت نہ کرتے۔ قاضی ابویعلیٰ نے کہا اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ اگر کسی کی بکریاں کسی دوسرے کے کھیت میں داخل ہو کر اس کو چر لیں تو اس کا کیا حکم ہے؟ ہمارے اصحاب (حنبلیہ) کا مذہب یہ ہے کہ بکریوں والا اس نقصان کا ضامن ہوگا اور یہی امام شافعی کا قول ہے۔

(زاد المسیر ج ۵ ص ۳۷۲، مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

علامہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

باغات اور کھیتوں کے مالکوں پر لازم ہے کہ وہ دن کے وقت اپنے کھیتوں اور باغات کی حفاظت کریں، اور رات کے وقت بکریوں نے کھیت کا جو نقصان کر دیا تو بکریوں والا اس نقصان کا ضامن ہوگا اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے امام مالک نے حرام بن سعد بن محیصہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت البراء بن عازب کی اونٹنی ایک شخص کے باغ میں داخل ہوگئی اور اس باغ کو خراب کر دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ کیا کہ باغ والوں پر رات کو باغ کی حفاظت کرنا لازم ہے اور مویشی (پھر بھی) اگر باغات کو خراب کر دیں تو مویشی والوں پر اس نقصان کا تاوان بھرنا لازم ہے۔

(مؤطا امام مالک کتاب القضاء باب: ۲۸ رقم الحدیث: ۱۵۰۰)

علامہ قرطبی فرماتے ہیں یہ حدیث ہر چند کہ مرسل ہے لیکن اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ فقہاء حجاز نے اس حدیث پر عمل کیا ہے اور اس کو قبول کیا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۱ ص ۲۲۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی الشافعی المتوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں:

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہماری ایک اونٹنی تھی، وہ ایک باغ میں داخل ہوئی اور اس کو خراب کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ مقدمہ پیش کیا گیا۔ آپ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ باغ والوں پر واجب ہے کہ وہ دن میں اپنے باغات کی حفاظت کریں اور مویشی رکھنے والوں پر واجب ہے کہ وہ رات کو اپنے مویشیوں کی حفاظت کریں اور رات کو مویشی اگر کسی کے باغ کا نقصان کر دیں تو مویشی رکھنے والوں پر اس نقصان کا پورا کرنا لازم ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۵۷۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۳۳۲، مسند احمد ج ۴ ص ۲۹۵)

علامہ ماوردی شافعی فرماتے ہیں کہ دن کے وقت مویشیوں نے کھیتوں یا باغات کو جو نقصان پہنچایا ہے، اس نقصان کو پورا کرنا لازم نہیں ہے کیونکہ مویشیوں والوں کے لیے دن کے وقت مویشیوں کی حفاظت کرنا دشوار ہے اور رات کے وقت ان کی حفاظت کرنا دشوار نہیں ہے (کیونکہ دن کے وقت وہ ان کو چرنے کے لیے کھلا چھوڑ دیتے ہیں اور رات کے وقت ان کو باندھ کر رکھتے ہیں) پس مویشی رکھنے والوں پر رات کے وقت ان کی حفاظت کرنا واجب ہے، اس لئے اگر رات کو کسی کے مویشی نے کسی کے کھیت یا باغ کا نقصان کر دیا تو اس کا پورا کرنا مویشی والوں پر واجب ہے، اور دن کے وقت کھیتوں اور باغات والوں پر اپنے اموال کی حفاظت کرنا واجب ہے اس لیے دن کے وقت آپ نے ان کے نقصان کی تلافی کا حکم نہیں دیا کیونکہ یہ نقصان ان کی کوتاہی کی وجہ سے ہوا ہے اور یہ بہت بہترین قضاء ہے اور اس میں دونوں فریقوں کی رعایت ہے اور یہی امام شافعی کا مذہب ہے۔ (النکت والعیون ج ۳ ص ۴۵۹، مطبوعہ مؤسسۃ الکتب الثقافیہ بیروت)

مویشیوں کے کھیت کا نقصان کرنے کی تلافی میں امام ابوحنیفہ کا نظریہ اور ان کے دلائل

امام ابوبکر احمد بن علی الرازی الجصاص الحنفی المتوفی ۳۷۰ھ لکھتے ہیں:

اس میں اہل علم کا کوئی اختلاف نہیں ہے کہ بکریوں کے کیے ہوئے نقصان کی تلافی کے متعلق حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا کیا ہوا حکم منسوخ ہو چکا ہے کیونکہ حضرت داؤد علیہ السلام نے یہ حکم دیا تھا کہ بکریاں کھیت والے کو دے دی جائیں اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ حکم دیا تھا کہ بکریوں کے بچے اور ان کا اُون کھیت والے کو دیا جائے' اور اس میں مسلمانوں کا کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جس شخص کی بکریاں دوسرے شخص کے کھیت کو خراب کر دیں' اس پر اپنی بکریوں یا ان کے بچے کھیت والے کو تاوان میں دینا واجب نہیں ہے اور نہ ان کا اُون اور دودھ سپرد کرنا واجب ہے۔ پس واضح ہو گیا کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں یہ دونوں حکم منسوخ ہو چکے ہیں' اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ قصہ دو حکموں کو شامل ہے ایک یہ کہ بکریوں والے پر تاوان واجب ہے اور دوسرا اس تاوان کی کیفیت ہے' جو حکم منسوخ ہوا ہے وہ تاوان کی کیفیت ہے نفس تاوان تو منسوخ نہیں ہوا' اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے نفس تاوان بھی منسوخ ہو چکا ہے اور یہ وہ حدیث ہے جو تمام مسلمانوں کے نزدیک مقبول اور مسلم ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر مویشی کسی کو زخمی کر دیں تو اس کا کوئی تاوان نہیں ہے' کنویں میں گرنے کا کوئی تاوان نہیں ہے' کان میں دب جانے کا کوئی تاوان نہیں ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۹۱۲' ۱۴۹۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۱۰' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۳۷۷' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۴۹۹' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۸۳۷۳' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۱۶۷۵' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۱۰۷۹' مسند احمد ج ۴ ص ۲۳۹)

امام بخاری نے اس حدیث کے تحت لکھا کہ مویشیوں کے زخمی کرنے کا کوئی تاوان نہیں ہے۔ امام ابن سیرین نے کہا کہ جانور کے لات مارنے پر علماء تاوان نہیں دلاتے لیکن اگر لگام موڑتے وقت جانور کسی کو زخمی کر دیتا تو علماء سوار سے تاوان دلاتے تھے' اور حماد نے کہا کہ لات مارنے پر تاوان نہیں ہوتا لیکن اگر کوئی شخص جانور کو اُکسائے تو اُکسانے والے پر تاوان ہوگا۔ شریح نے کہا اس صورت میں تاوان نہیں ہوگا جبکہ پہلے اس نے جانور کو مارا پھر جانور نے اس کو لات ماری۔ حکم نے کہا کہ اگر کوئی مزدور گدھے کو ہانک رہا ہو جس پر عورت سوار ہو پھر وہ عورت گر جائے تو مزدور پر کوئی تاوان نہیں۔ شعبی نے کہا اگر جانور اس کے پیچھے پیچھے آ رہا ہے تو وہ جانور کے کسی نقصان کا ضامن نہیں۔

علامہ جصاص حنفی فرماتے ہیں کہ فقہاء کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ مویشی اگر کسی انسان کا یا اس کے مال کا کوئی نقصان کر دیں تو اس مویشی کے مالک پر کوئی تاوان نہیں ہے' جبکہ اس نے خود اس جانور کو نہ چھوڑا ہو اور جب کہ صحیح بخاری کی اس حدیث پر تمام فقہاء کا عمل ہے تو اس کے عموم کا تقاضا یہ ہے کہ مویشی اگر کسی کے کھیت یا باغ کو نقصان پہنچائیں تو مویشی کے مالک پر کوئی تاوان نہیں ہے خواہ رات کا وقت ہو یا دن کا وقت ہو۔ (جب کہ اس نے مویشیوں کو نہ بھیجا ہو) اور اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے قصہ سے جو حکم ثابت ہوا ہے' وہ منسوخ ہو چکا ہے۔ اسی طرح حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ کے قصہ سے جو حکم ثابت ہوا ہے وہ بھی منسوخ ہو چکا ہے' کیونکہ اس حدیث میں یہ ہے کہ دن کے وقت مویشیوں نے جو نقصان کیا ہے اس پر تاوان نہیں ہے' اور رات کے وقت جو انہوں نے نقصان کیا ہے اس پر تاوان ہے' جب کہ صحیح بخاری کی اس حدیث میں یہ ہے کہ رات ہو یا دن مویشیوں کے از خود کیے ہوئے نقصان پر کوئی تاوان نہیں ہے۔ خواہ رات ہو یا دن اور حضرت البراء کی حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کے وقت کیے ہوئے نقصان پر جو تاوان

واجب کیا ہے وہ اس پر محمول ہے کہ مویشی کے مالک نے مویشی کو خود کسی کے باغ یا کھیت میں چھوڑا ہو اور اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ جب مویشی کا مالک کسی کے باغ یا کھیت میں از خود مویشی چھوڑے گا اور وہ باغ یا کھیت کا نقصان کر دیں تو اس کو اس نقصان کا تاوان دینا ہوگا خواہ رات ہو یا دن' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے قصہ کا بھی یہی محمل ہو کہ بکریوں کے مالک نے اپنی بکریوں کو رات کے وقت چھوڑ دیا اور وہ بکریاں کسی کا کھیت چر گئیں اور اس کو اس کا علم ہو۔ اس وجہ سے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام نے بکریوں والے پر تاوان واجب کیا اور اب ان کا کیا ہوا فیصلہ ہماری شریعت کے بھی خلاف نہیں ہے۔ (احکام القرآن ج ۳ ص ۲۲۴۔ ۲۲۳' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور' ۱۴۰۰ھ)

امام ابوبکر رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ لکھتے ہیں:

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ جب کسی مسئلہ میں مجتہدین کا اختلاف ہو تو اس میں جانب حق' واحد ہے یا متعدد' بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ اس مسئلہ میں حق واحد ہوتا ہے۔ ففهمنها سليمان پس ہم نے اس کا صحیح فیصلہ سلیمان کو سمجھا دیا۔ پس حضرت سلیمان علیہ السلام کو مسئلہ کی فہم کے ساتھ خاص کرنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس مسئلہ میں جانب حق تک صرف وہی پہنچے تھے نہ کہ حضرت داؤد علیہ السلام' کیونکہ اگر دونوں جانب حق تک پہنچے ہوتے تو حضرت سلیمان علیہ السلام کو فہم کے ساتھ خاص کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی' اور جو یہ کہتے ہیں کہ ہر مجتہد کی رائے صحیح ہوتی ہے' وہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے فیصلہ کو غلط نہیں فرمایا اور ان کو اس فیصلہ پر ملامت نہیں کی اور یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ دونوں کی رائے صحیح تھی' اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی فہم کے ساتھ اس لیے تخصیص کی کہ حضرت سلیمان حقیقت مطلوب تک پہنچ گئے تھے اور حضرت داؤد علیہ السلام نہیں پہنچے تھے۔

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام دونوں کا حکم وحی سے تھا' ان کے اجتہاد سے نہیں تھا لیکن حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے حکم کو پختہ نہیں کیا تھا اور نہ اپنے فیصلہ کو جاری کیا تھا' یا ان کا یہ فیصلہ بہ طریق فتویٰ تھا یا ان کا یہ فیصلہ کسی شرط پر موقوف تھا جس کو بیان نہیں کیا گیا' پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف یہ وحی کی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے فیصلہ کو جاری کر دیا ہے اور حضرت داؤد علیہ السلام کے فیصلہ کو منسوخ کر دیا ہے۔

(احکام القرآن ج ۳ ص ۲۲۴' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور' ۱۴۰۰ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ مجتہدین کے مختلف اقوال میں حق صرف واحد ہوتا ہے۔ امام مالک سے اختلاف صحابہ کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ بعض صحابہ خطا پر ہوتے ہیں اور بعض صحابہ صواب پر ہوتے ہیں' اور ان کے تمام اقوال صحیح نہیں ہوتے۔ اور یہ کہنا کہ کسی ایک مسئلہ میں ہر مجتہد کا قول صحیح ہوتا ہے' یہ قول اس کو واجب کرتا ہے کہ ایک چیز حلال بھی ہو اور حرام بھی ہو اور واجب بھی ہو اور مستحب بھی' اور جو یہ کہتے ہیں کہ ہر مجتہد کا قول صحیح ہوتا ہے' ان کا استدلال اس حدیث سے ہے:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ احزاب کے دن فرمایا تم میں سے کوئی شخص بنی قریظہ میں پہنچے بغیر نماز نہ پڑھے پھر بعض صحابہ کو راستہ میں عصر کی نماز کا وقت آ گیا۔ بعض صحابہ نے کہا جب تک ہم بنو قریظہ میں نہیں پہنچ جائیں گے عصر کی نماز نہیں پڑھیں گے۔ بعض صحابہ نے کہا بلکہ ہم نماز پڑھیں گے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے اس کا ارادہ نہیں کیا تھا' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس واقعہ کا ذکر کیا گیا تو آپ نے کسی فریق کو اس پر ملامت نہیں کی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۱۱۹' ۹۴۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۷۰)

جو فریق یہ کہتے ہیں کہ ہر مجتہد کی رائے صحیح ہوتی ہے' وہ کہتے ہیں کہ اگر اس مسئلہ میں کسی فریق کی رائے غلط ہوتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کو معین کر دیتے' اور دوسرا فریق اس کا یہ جواب دے سکتا ہے کہ آپ نے کسی ایک کی رائے کو اس لیے غلط نہیں فرمایا کیونکہ وہ گناہ گار نہیں تھا بلکہ ماجور تھا اس لیے وہ تعیین سے مستغنی تھا۔
(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۱ ص ۲۱۹-۲۱۸' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ لکھتے ہیں:

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو شخص جھگڑتے ہوئے آئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمرو! ان کے درمیان فاصلہ کرو۔ حضرت عمرو نے کہا یارسول اللہ! میری بہ نسبت فیصلہ کرنے کے آپ زیادہ مستحق ہیں۔ آپ نے فرمایا ہر چند کہ میں ہوں۔ انہوں نے کہا اگر میں نے فیصلہ کر دیا تو مجھے کیا اجر ملے گا؟ آپ نے فرمایا اگر تم نے ان کے درمیان درست فیصلہ کیا تو تم کو دس نیکیاں ملیں گی اور اگر تم نے اجتہاد کیا اور خطا کی تو تم کو ایک نیکی ملے گی۔ (مسند احمد ج ۴ ص ۲۰۵' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۷۸۹۷' عالم الکتب)

اس حدیث میں اہل سنت رحمہم اللہ کی دلیل ہے کہ مجتہد صواب کو بھی پہنچتا ہے اور خطا کو بھی' اور اس آیت میں بھی اس پر دلیل ہے۔ ففھمنھا سلیمن۔ (الانبیاء: ۷۹) اور فہم کا معنی ہے' حق کو پہنچنا' اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس کے ساتھ خاص فرمایا' اور مجتہد نے اگر خطا کی تو وہ معذور ہے یہ اس وقت ہے جب حق واضح نہ ہو تو اس کو اپنے اجتہاد کا ثواب ملے گا سو جو شخص اپنے اجتہاد سے مطلوب تک پہنچ گیا تو اس کو اجتہاد کرنے کا بھی ثواب ملے گا اور اپنی کوشش سے حق تک پہنچنے کا بھی ثواب ملے گا۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے لیے دس نیکیاں ہوں گی اور اگر اس نے خطا کی تو اجتہاد کرنے کی وجہ سے اس کو پھر بھی ایک نیکی ملے گی۔ (المبسوط ج ۱۶ ص ۸۷' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

ایک اور مسئلہ میں حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا اختلاف

احادیث میں حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کے ایک اور فیصلہ کا بھی ذکر ہے جس میں ان دونوں کا اختلاف تھا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو عورتیں تھیں اور ان کے ساتھ دو بچے تھے۔ بھیڑیا آیا اور ان میں سے ایک کے بچے کو کھا گیا۔ ایک نے دوسری سے کہا بھیڑیے نے تمہارے بچے کو کھایا ہے اور دوسری نے کہا بھیڑیے نے تمہارے بچے کو کھایا ہے پھر ان دونوں نے حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس مقدمہ پیش کیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے بڑی عورت کے حق میں فیصلہ کر دیا پھر وہ دونوں عورتیں حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس گئیں اور اپنا مقدمہ پیش کیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: مجھے چھری لا کر دو۔ میں اس بچہ کو کاٹ کر اس کے دو ٹکڑے کر دیتا ہوں پھر اس کو تم دونوں کے درمیان تقسیم کر دوں گا۔ تب چھوٹی عورت نے کہا نہیں اللہ آپ پر رحم فرمائے یہ اسی کا بچہ ہے پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسی چھوٹی عورت کے حق میں بچے کا فیصلہ کر دیا۔
(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۲۰' سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۴۱۷' مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۲)

اس حدیث پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے بڑی عورت کے حق میں کیسے فیصلہ کر دیا تھا۔ علامہ ابو العباس احمد بن عمر قرطبی مالکی متوفی ۶۵۶ھ اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

ہوسکتا ہے کہ کسی دلیل کی وجہ سے حضرت داؤد علیہ السلام کے نزدیک بڑی عورت کا قول راجح ہو اور حدیث میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے اس کی وجہ یہ ہو کہ بچہ بڑی عورت کے ہاتھ میں ہو جو اس پر قرینہ تھا کہ بچہ اس کا ہے' اور یہ بھی ہوسکتا

ہے کہ وہ بچہ شکل وصورت میں بڑی عورت کے مشابہ ہو' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کی شریعت میں بڑے کے حق میں فیصلہ کیا جاتا ہو' اور یہ کہ چھوٹی عورت اپنے حق میں کوئی دلیل پیش نہ کر سکی ہو۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ جب حضرت داؤد علیہ السلام نے ایک فیصلہ کر دیا تھا تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس فیصلہ کے خلاف کیوں کیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان عورتوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو یہ نہیں بتایا تھا کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے کیا فیصلہ کیا ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے فیصلہ کو قطعی اور حتمی قرار نہیں دیا تھا۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ ان کی شریعت میں یہ جائز تھا کہ جب مقدمہ کا کوئی فریق دوسرے حاکم کے پاس مقدمہ لے جائے تو وہ کسی دلیل کی بناء پر پہلے فیصلہ کے خلاف فیصلہ دے' اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک لطیف حیلہ سے اس چھوٹی عورت کے صدق کو جان لیا۔ انہوں نے کہا میں اس بچے کے دو ٹکڑے کر دیتا ہوں اگر بڑی عورت اس کی واقعی ماں ہوتی تو وہ حضرت سلیمان کو اس سے منع کرتی کیونکہ اس طرح وہ بچہ مر جاتا جبکہ منع چھوٹی عورت نے کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ بچہ اسی کا ہے' بڑی عورت کا نہیں ہے کیونکہ وہ خاموش رہی تھی۔ (المفہم ج ۵ ص ۱۷۷۔۱۷۶' شرح مسلم للنووی ج ۷ ص ۴۷۳۶۔۴۷۳۵)

انبیاء علیہم السلام کا اجتہاد

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے یہ بھی بحث کی ہے کہ آیا انبیاء علیہم السلام کے لیے اجتہاد کرنا جائز ہے یا نہیں۔ ہم نے اجتہاد کے متعلق شرح صحیح مسلم اور تبیان القرآن دونوں میں یہ بحث کی ہے۔ شرح صحیح مسلم کے عنوان یہ ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد کے بارے میں فقہاء مجتہدین کی آراء' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد کے بارے میں فقہاء اسلام کی آراء' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد پر قرآن مجید سے دلائل' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد پر احادیث سے دلائل' اجتہادی خطاء منصب نبوت کے خلاف نہیں ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اجتہاد اتباع وحی کے خلاف نہیں ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد پر اعتراضات کے جوابات۔ (شرح صحیح مسلم ج ۳ ص ۲۷۷۔۲۶۸)

تبیان القرآن میں اس بحث کے عنوان یہ ہیں:

کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع وحی کرنا آپ کے اجتہاد کے منافی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد پر دلائل' صحابہ کرام کے اجتہاد پر دلائل' آپ کا وحی کی اتباع کرنا اجتہاد کے منافی نہیں ہے۔ اجتہاد کی تعریف' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد کے متعلق علمائے اسلام کے مذاہب' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد کے عدم جواز کے قائلین' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد کے جواز کے قائلین' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد کے وقوع کے متعلق مذاہب علماء' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد کے وقوع کے ثبوت میں احادیث۔ (تبیان القرآن ج ۳ ص ۴۸۳۔۴۷۶)

عصرِ حاضر میں اجتہاد کرنے کی تحقیق

انبیاء علیہم السلام' صحابہ کرام اور ائمہ اربعہ کے اجتہاد پر تو شرح صحیح مسلم جلد ثالث اور تبیان القرآن جلد ثالث میں بحث آ گئی ہے۔ اب غور طلب امر یہ ہے کہ عصر حاضر میں بھی نئے پیش آمدہ حالات اور نئے اور تازہ مسائل میں اجتہاد کرنا جائز ہے یا نہیں' اس سلسلہ میں پہلے ہم ضرورتِ اجتہاد پر نظر ڈالیں گے پھر مجتہد کی تعریف ذکر کریں گے' اس کے بعد طبقات فقہاء کا بیان کریں گے اور اخیر میں بعض عصری مسائل میں متاخرین علماء کے اجتہاد کی مثالیں بیان کریں گے جن سے یہ واضح ہو جائے گا کہ جن عصری مسائل کا فقہ کی سابقہ کتب میں ذکر نہیں ہے' ان کا حکم معلوم کرنے کے لیے اب بھی اجتہاد کرنا جائز ہے اور یہ جو مشہور ہے کہ اب اجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا ہے' یہ صحیح نہیں ہے۔

ضرورتِ اجتہاد

عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ اب اجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا ہے لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ تتبع اور استقراء سے یہ حقیقت ثابت شدہ ہے کہ علم وفضل میں اب اس پائے کے لوگ نہیں ہیں جو اجتہاد کے اصول کلیہ وضع کر کے مجتہد فی الشرع کا مقام پا سکیں یا فروع میں وہ مقام پا سکیں جو اصحاب ابی حنیفہ کا ہے' لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس زمانہ میں ایسے پختہ اور ثقہ اصحاب فتویٰ علماء موجود ہیں جو دورِ حاضر میں پیدا ہونے والے نئے نئے مسائل کا اصول وفروع میں اپنے امام کی اتباع کرتے ہوئے حل تلاش کر سکیں اور یہی لوگ مجتہد فی المسائل کہلانے کے مستحق ہیں' جس طرح امام ابوجعفر طحاوی اور امام قاضی خان نے اپنے اپنے دور میں پیش آنے والے مسائل کا اصول وفروع کی پابندی کرتے ہوئے استخراج اور استنباط کیا۔ کوئی وجہ نہیں ہے کہ آج کے ارباب حل وکشاد انفرادی طور پر یا علماء کا ایک بورڈ بنا کر موجودہ دور کے مسائل کے لیے فقہ اسلامی سے رہنمائی نہ مہیا کر سکیں۔ مثلاً لاؤڈ اسپیکر پر نماز' ریل گاڑی اور طیارہ میں نماز' ریڈیو پر رویت ہلال کا اعلان' اعضاء کی پیوند کاری' انگریزی دواؤں سے علاج' مردے کا پوسٹمارٹم' قطبین میں نماز اور روزے کا مسئلہ نئے اوزان کی اوزان شرعیہ سے تطبیق' غیر سودی بینکاری' چور کے کٹے ہوئے ہاتھ سے انتفاع' بیمہ کا جواز یا عدم جواز' پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ' انعامی بانڈ لینے کا جواز یا عدم جواز۔ ایک شخص کسی شہر میں عید کر کے آیا اور دوسرے شہر میں رمضان پایا تو روزہ رکھے یا نہیں۔ کسی شخص نے تیس سال پہلے ایک ہزار روپیہ قرض لیا اب تیس سال بعد وہ قرض خواہ کو ایک ہزار ہی ادا کرے گا جبکہ اس کی مالیت اب سو روپیہ رہ گئی ہے یا سونے کے حساب سے زیادہ رقم' نوٹوں پر زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے سونا معیار ہوگا یا چاندی' اس قسم کے سینکڑوں مسائل بیسویں صدی میں ایجاداتِ زمانہ کی تیز رفتار ترقی اور بدلتے ہوئے حالات نے پیدا کر دیئے ہیں اور ان کو حل کرنے کے لیے اجتہاد کی ضرورت ہے اور مجتہد فی المسائل قسم کے علماء ہی اس ضرورت کو پورا کر سکتے ہیں۔

مجتہد کی تعریف

علامہ محب اللہ بہاری نے ذکر کیا ہے کہ مجتہد وہ مسلمان فقیہ ہے جو حکمِ شرعی کا استخراج کرنے کے لیے اپنی تمام علمی صلاحیت کو بروئے کار لائے اور انہوں نے مجتہد کے لیے ضروری قرار دیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے دلائل پر کم سے کم اجمالی نظر رکھتا ہو اور احکام سے متعلق قرآنِ کریم کی آیات کے معانی' فصاحت و بلاغت اور صرف ونحو اور قرأت کی باریکیوں اور اصولِ استخراج کے علم کا ماہر ہو۔

اسبابِ نزول اور ناسخ ومنسوخ کا علم رکھتا ہو۔ اس طرح جو احادیث احکام سے متعلق ہیں ان تمام احادیث پر اس کی نظر ہو' ان احادیث کی سند پر راویوں کے احوال سے باعتبارِ قوت اور ضعف کے واقف ہو' تعدد اسانید کے اعتبار سے متواتر' مشہور' مستفیض اور غریب کے فرق سے واقف ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد معمولات اور اقوال میں منشاء رسالت تلاش کر کے ان میں تطبیق دینے یا نسخ کا فہم رکھتا ہو' آثار صحابہ سے واقف ہو اور یہ جانتا ہو کہ صحابہ کرام نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کون سے عمل کو آخری عمل قرار دیا' کس عمل کو خصوصیت قرار دیا اور متعارض احادیث کی کس طرح توجیہ کی' جس مسئلہ پر اہل علم کا اجماع ہو چکا ہو' اس پر مطلع ہو اور جس پیش آمدہ مسئلہ کا حل صراحتاً کتاب' سنت' آثار اور اجماع سے نہ حاصل ہو سکے' اس کو اس مسئلہ کے اشباہ ونظائر پر قیاس کر کے حاصل کر سکے۔ ایک مجتہد جب قرآن یا حدیث کے متن سے استدلال کرتا ہے تو عموماً اس کے استدلال کے چار طریقے ہوتے ہیں۔ کتاب' سنت' اجماع اور قیاس۔

(فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت ج ۲ ص ۳۶۲-۳۶۳' مطبوعہ مصر ۱۹۷۰ء)

طبقاتِ فقہاء

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

فقہاء کے حسب ذیل چھ طبقات ہیں:

۱۔ مجتہد مطلق

اس کو مجتہد فی الشرع بھی کہتے ہیں' یہ وہ لوگ ہیں جو قواعد و اصول مقرر فرماتے ہیں اور احکامِ فرعیہ کو اصول اربعہ سے مستنبط کرتے ہیں اور اصول و فروع میں کسی کے تابع نہیں ہوتے۔ جیسے ائمہ اربعہ۔

۲۔ مجتہد فی المذہب

یہ صرف اصول میں اپنے امام کے تابع ہوتے ہیں اور ادلہ اربعہ سے فروع کے استخراج پر قدرت رکھتے ہیں اور مسائلِ فرعیہ میں بعض جگہ اپنے امام سے اختلاف بھی کرتے ہیں۔ جیسے اصحابِ ابی حنیفہ وغیرہ۔

۳۔ مجتہد فی المسائل

یہ اصول و فروع میں اپنے امام کے تابع ہوتے ہیں اور جن مسائل میں امام سے کوئی روایت نہیں ہوتی' ان میں امام کے اصول کے مطابق استخراج کرتے ہیں۔ جیسے ابوجعفر طحاوی۔

۴۔ اصحابِ تخریج

انہیں اجتہاد پر قدرت نہیں ہوتی لیکن اصول اور اس کے مأخذ پر انہیں مکمل عبور ہوتا ہے' اس لیے یہ قول مجمل کی تفصیل پر قدرت رکھتے ہیں۔ جیسے ابوبکر رازی' ابوبکر جصاص اور کرخی۔

۵۔ اصحابِ ترجیح

یہ بعض روایتوں کو بعض دوسری روایتوں پر ترجیح دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ جیسے ابوالحسن قدوری اور صاحبِ ہدایہ۔

۶۔ ممیزین

یہ وہ لوگ ہیں جو روایات میں سے صحیح' اصح' قوی' ضعیف اور ظواہر و نوادر وغیرہ پر گہری نظر رکھتے ہیں اور انہیں روایات کو باہم ممیز کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ جیسے صاحب کنز اور صاحب شرح وقایہ وغیرہا۔

(ردالمحتار ج ۱ ص ۱۶۶۔۱۶۵' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

اب ہم بعض عصری مسائل میں بعض متاخرین علماء اور فقہاء کے اجتہاد کی مثالیں پیش کر رہے ہیں۔

چلتی ٹرین میں نماز پڑھنے کے متعلق متاخرین علماء کا اجتہادی حکم

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ چلتی ٹرین میں نماز پڑھنے کے متعلق لکھتے ہیں:

فرض و واجب جیسے وتر اور نذر اور ملحق بہ یعنی سنت فجر چلتی ریل میں نہیں ہو سکتے اگر ریل نہ ٹھہرے اور وقت نکلتا دیکھے پڑھ لے پھر بعد استقرار اعادہ کرے (الیٰ قولہ) لیکن اگر ریل روک لی جائے تو زمین ہی پر ٹھہرے گی اور مثل تخت ہو جائے گی۔ انگریزوں کے کھانے وغیرہ کے لیے روکی جاتی ہے اور نماز کے لیے نہیں تو منع من جہت العباد ہوا اور ایسے منع کے متعلق حکم وہی ہے کہ نماز پڑھ لے اور بعد زوال مانع اعادہ کرے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۳ ص ۶۷' مطبوعہ سنی دار الاشاعت' لائل پور)

فقیہ العصر مولانا محمد نور اللہ نعیمی متوفی ۱۴۰۳ھ اس مسئلے کے متعلق لکھتے ہیں:

چلتی ریل گاڑی' چلتی کشتی کے مشابہ ہے کہ دونوں کسی جانور کے کھینچنے سے نہیں بلکہ ہوا و بھاپ کے ذریعہ سے چلتی ہیں اور کشتی باوجودیکہ پانی پر چلتی ہے اور زمین یا کسی ایسی ٹھوس چیز پر نہیں چلتی جس پر بلاواسطہ سجدہ یا قیام ہو سکے مگر پھر بھی اس میں نماز فرض بھی جائز ہے۔ (فتاویٰ نوریہ ج۱ ص ۲۰۸' مطبوعہ دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور)

اس مسئلہ کی مکمل تحقیق ہم نے شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۴۰۷-۳۹۷ میں کر دی ہے۔

لاؤڈ اسپیکر کے مائک پر نماز پڑھنے کے متعلق اجتہادی حکم

لاؤڈ اسپیکر کے مائیک پر نماز پڑھانے یا پڑھنے کے متعلق مولانا نور اللہ نعیمی لکھتے ہیں:

بلاشک وشبہ وگنجائش ریب قرآن کریم اور احادیث طیبہ اور اجماع عملی ونقول مذہبیہ فقہیہ سے اس کا جواز آفتاب بے حجاب سے بھی زیادہ واضح و بے نقاب ہے۔ (فتاویٰ نوریہ ج۱ ص ۳۶۹' مطبوعہ بصیر پور)

روزہ کی حالت میں انجکشن لگوانے سے روزہ ٹوٹ جانے کے متعلق اجتہادی حکم

روزہ کی حالت میں انجکشن لگوانے سے روزہ ٹوٹ جانے کے متعلق مولانا نور اللہ نعیمی لکھتے ہیں:

ایسے عام ٹیکے جن میں دوائی جوف (پیٹ) و دماغ تک بذریعہ سوئی نہیں جاتی بلکہ سوئی رہتی ہی جوف سے بالائی یا زیریں حصوں میں ہے' روزہ فاسد نہیں کرتے۔ (فتاویٰ نوریہ ج ۲ ص ۱۱۲' مطبوعہ بصیر پور)

مولانا محمد وقار الدین متوفی ۱۴۱۳ھ اس مسئلہ میں لکھتے ہیں:

روزے کی حالت میں انجکشن لگوانا مختلف فیہ ہے یعنی اس میں اختلاف ہے۔ ہماری رائے کے مطابق اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔ لہٰذا روزہ دار کو انجکشن لگوانے سے بچنا چاہیے۔ انجکشن دن میں لگوانا ضروری نہیں' رات میں بھی لگوایا جا سکتا ہے۔ اس لیے رات میں لگوائیں۔ (وقار الفتاویٰ ج ۲ ص ۴۲۹' مطبوعہ بزم وقار الدین کراچی' ۱۴۱۹ھ)

مفتی وقار الدین صاحب نے ایک واقعہ سنایا کہ ایک بار بریلی میں طاعون پھیل گیا' اسکول میں انجکشن لگائے جا رہے تھے۔ لڑکوں نے کہا اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔ فتویٰ لیا جائے' وہ لڑکے بریلی شہر کے تھے۔ وہ فتویٰ لینے گئے اور فتویٰ لائے تو ہم نے پوچھا کہ کہاں سے فتویٰ لیا ہے تو کہا کہ بڑے مولوی صاحب سے لائے ہیں۔ اتنی بات طالب علمی کے زمانہ میں سنی تھی چونکہ اس وقت اعلیٰ حضرت کو بڑے مولانا صاحب کہا جاتا تھا' اس فتویٰ کو ہیڈ ماسٹر نے دیکھ کر کہا جب بڑے مولوی صاحب نے لکھ دیا پھر تو نہیں لگ سکتا۔ یہ تذکرہ اعلیٰ حضرت کا میرے سامنے ہوا تھا۔

(حیات وقار الملت ص ۲۳' ملخصاً محصلاً' مطبوعہ بزم وقار الدین کراچی' ۱۹۹۳ء)

اس مسئلہ کی مفصل اور مکمل تحقیق ہم نے شرح صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۵۸ میں کی ہے اور تبیان القرآن ج ۱ ص ۷۰۸-۷۰۷ میں بھی اس کا ذکر ہے۔

ریڈیو اور ٹی وی کی مرمت کی اُجرت لینے کا اجتہادی حکم

ریڈیو اور ٹی وی کی مرمت کی اُجرت کے متعلق مفتی وقار الدین مرحوم سے سوال کیا گیا تو انہوں نے لکھا:

ریڈیو اور ٹی وی مشینی آلات ہیں' ان سے جائز کام بھی لیے جاتے ہیں اور ناجائز کام بھی۔ یہ صرف حرام کام کے لیے استعمال نہیں ہوتے اور نہ محض غلط کاموں کے لیے بنائے جاتے ہیں۔ جس طرح چھری اور بندوق وغیرہ جیسے آلات سے جہاد بھی کیا جاتا ہے اور اپنے ذاتی کاموں اور شکار میں بھی استعمال کیے جاتے ہیں اور ان ہی سے انسان کو قتل کرنے والا فعل قبیح بھی

کیا جاتا ہے۔ لہٰذا جو آلات صرف معصیت کے لیے متعین نہ ہوں' ان کا بنانا اور مرمت کرنا جائز ہے تو ریڈیو اور ٹی وی کی مرمت کرنا بھی جائز ہے۔ اسی طرح اس کی مرمت کی اُجرت بھی حلال ہے۔ (وقار الفتاوٰی ج ۱ ص ۲۱۹' مطبوعہ کراچی)

حالتِ اضطرار میں مریض کو خون دینے کے متعلق اجتہادی حکم

جان بچانے کے لیے مریض کو خون دینے کے مسئلہ میں مفتی وقار الدین لکھتے ہیں:

خون کی حرمت و نجاست قطعی ہے۔ قرآن پاک نے اسے ناپاک قرار دیا ہے۔ (المائدہ: ۳) اس لیے اس کی خرید و فروخت اور اس کا استعمال سب ناجائز ہے۔ لہٰذا مریض زندہ رہے یا ہلاک ہو جائے' دونوں صورتوں میں ایسا کرنے والے گناہ گار ہوں گے۔ (وقار الفتاوٰی ج ۱ ص ۲۶۶' مطبوعہ کراچی)

مفتی نور اللہ نعیمی اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

ایسی ضرورت شدیدہ کے وقت کہ زخمی مجاہد کی زندگی خطرہ میں ہو اور کوئی نافع دوائی خون کے بغیر نہ ملے تو استعمالِ خون بقدرِ ضرورت شرعاً جائز ہوگا۔ (الی قولہ) بہر حال روز روشن کی طرح واضح ہوا کہ ایسے مریض کے لیے ایسی ضرورت کے وقت انسانی خون کا استعمال جائز ہے اور جب استعمالِ خون جائز ہے تو خون کے عطیات پیش کرنے بھی جائز ہوں گے۔

(فتاوٰی نوریہ ج ۳ ص ۴۵۵۔ ۴۵۲' ملخصاً' مطبوعہ بصیر پور' ۱۹۸۳ء)

ہم نے اس مسئلہ کی مکمل تحقیق شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۸۳۲۔ ۸۳۰ اور تبیان القرآن ج ۱ ص ۶۶۷ میں کی ہے۔

ایلو پیتھک اور ہومیو پیتھک دواؤں کے استعمال کے متعلق اجتہادی حکم

امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

انگریزی رقیق دوائیں جو ٹنچر کہلاتی ہیں' ان میں عموماً اسپرٹ پڑتی ہے اور اسپرٹ یقیناً شراب بلکہ شراب کی نہایت بدتر قسموں سے ہے' وہ نجس ہے' ان کا کھانا حرام' لگانا حرام' بدن یا کپڑے یا دونوں کی مجموع پر ملا کر اگر روپیہ بھر جگہ سے زیادہ میں ایسی شے لگی ہوئی ہو نماز نہ ہوگی۔ (فتاوٰی رضویہ ج ۱۱ ص ۸۸' مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی)

مفتی محمد مظہر اللہ دہلوی متوفی ۱۹۶۶ء لکھتے ہیں:

لیکن ہم نے جہاں تک ڈاکٹروں کی زبانی سنا' یہ معلوم ہوا کہ یہ (اسپرٹ) بھی اس شراب سے نہیں بنائی جاتی جس کو شرعاً خمر کہا جاتا ہے بلکہ یہ (اسپرٹ) ایسی شراب کا جوہر ہے جو گنے وغیرہ سے بنائی گئی ہے۔ پس اگر یہ صحیح ہے تو اس کا استعمال بغرض صحیح (اس مقدار میں جو مسکر نہیں ہے) حرام نہیں اور اس کی بیع و شراء بھی جائز ہے۔

(فتاوٰی مظہریہ ص ۲۹۸' مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی)

مفتی وقار الدین اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

ہومیو پیتھک کی کوئی دوا بغیر الکحل کے نہیں بنتی۔ الکحل شراب ہے لہٰذا ہومیو پیتھک کی دوا کھانا ناجائز ہے۔ (الی قولہ) ایلو پیتھک کی ہر دوا میں الکحل نہیں ہوتا۔ ٹیبلیٹ اور کیپسول میں الکحل نہیں ہوتا' پتلی دوائیوں میں سے کچھ میں شامل ہے' کچھ میں نہیں۔ لہٰذا جس دوا میں الکحل ہوگا' اس کا کھانا اور اس کی خرید و فروخت ناجائز ہوگی اور جس میں الکحل شامل نہیں' وہ جائز ہے۔ (وقار الفتاوٰی ج ۱ ص ۲۶۵۔ ۲۶۴' ملخصاً' مطبوعہ کراچی)

مفتی نور اللہ نعیمی اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

ہاں اس میں شک نہیں کہ انگریزی ادویہ کا استعمال شرقاً غرباً عرباً عجماً عام ہو چکا ہے اور یہ بھی متیقن و متعین کہ تمام دواؤں

میں عموماً شراب کی ملاوٹ نہیں ہوتی بلکہ صرف تر اور سیال دواؤں میں سے بعض میں ہوتی ہے اور وہ بھی یقین نہیں کہ انگوری ہوتی ہے' تو اندریں حالات غیر مسکر دواؤں کا استعمال جائز وحلال ہونا چاہیے کہ ایک ایک دوائی کے متعلق شراب کی آمیزش یقینی نہیں ہے حالانکہ یہ امر محقق ہے کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے وذالک ثابت کالشمس والامس من الایات المتکاثرۃ والاحادیث المتوافرۃ و نصوص الائمۃ الکرام والمشائخ العظام علیٰ کثرتھا بلکہ فتاویٰ امام قاضی خاں فقیہ النفس ص ۷۷۹ میں ہے:

لیس زماننا زمان الشبھات فعلی المسلم ان یتقی الحرام المعاین.

بلکہ فتاویٰ عالمگیری ج ۴ ص ۱۰۵ میں ہے:

قال محمد وبہ ناخذ مالم نعرف شیئا حراما بعینہ وھو قول ابی حنیفۃ واصحابہ کذافی الظھیریۃ

تو واضح ہوا کہ حرمت ونجاست عارضی ہیں لیکن ان کے ثبوت کے لیے ضروری ہے کہ خصوصی دلیل ہو اور محض شکوک وظنون سے ان کا اثبات ممکن نہیں اور یہ بھی واضح کہ احتیاط یہ نہیں کہ بے تحقیقِ بالغ وثبوتِ کامل کسی شے کو حرام ومکروہ کہہ کر افتراء کیا جائے اور بازاری افواہ بھی قابلِ اعتبار نہیں کہ احکامِ شرع کی مناط و مدار بن سکے۔ نیز کسی شے کا محلِ احتیاط سے دور یا کسی قوم کا بے احتیاط وشعور اور پروائے نجاست وحرمت سے مہجور ہونا اسے مستلزم نہیں کہ وہ شے یا اس قوم کی استعمالی یا بنائی ہوئی اشیاء مطلقاً ناپاک یا حرام وممنوع قرار پائیں۔ چنانچہ مسائل کثیرہ فقہیہ سے یہ چیز روزِ روشن کی طرح ثابت ہے۔ مثلاً وہ کنویں جن سے کفار' فجار' جہال' گنوار' نادان بچے' بے تمیز عورتیں سب طرح کے لوگ پانی بھرتے ہیں' شرع مطہر ان کی طہارت کا حکم دیتی ہے' ان سے شرب ووضورو افرماتی ہے اور یونہی گلی کوچوں میں پھرنے والے جوتوں سے کوئی جوتا کنویں سے نکلے اور اس پر کوئی نجاست ظاہر نہ ہو تو کنواں طاہر ہے اور اس قسم کے بکثرت اور مسائل ہیں جن کی فتاویٰ عالمگیری' البحر الرائق' شامی' قاضی خان وغیرہا کتبِ معتمدہ میں تصریح ہے اور فتاویٰ رضویہ شریفہ جلد ۲ میں نہایت تشریح ہے۔ سائل فاضل نے یہ درست فرمایا کہ انگریزی ادویہ میں عمومِ بلویٰ اور ابتلاء کا اعتبار ہونا چاہیے اور ایسی صورت میں ضرورت کے لیے روایتِ ضعیفہ کا سہارا بھی لیا جا سکتا ہے۔ چہ جائیکہ حضرت امامِ عالی مقامِ اوّل اور حضرتِ امام ثانی رضی اللہ عنہما کا مذہب شریف معاذ وملاذ بن جائے حالانکہ ہمارے پیارے ارحم الراحمین رب تبارک وتعالیٰ اور سراپائے رحم وکرم محبوبِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک تیسیر پسند اور حرج وتعسیر مرفوع ہے۔ قرآنِ کریم کا ارشاد ہے: یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر۔ (پ ۲ ع ۷) نیز فرمایا: وما جعل علیکم فی الدین من حرج۔ (پ ۱۷ ع ۱۷) الی غیر ذلک من الایات والاحادیث الصحیحۃ الصریحۃ۔

البتہ ایلو پیتھک ادویہ کی طرح ہومیو پیتھک ادویہ کا استعمال فقیر کی نظر میں حد ابتلاء تک نہیں پہنچ سکا تو ان میں اباحت اصلیہ اور عدم تیقین نجاست سے ہی جواز ثابت ہوسکتا ہے۔ (فتاویٰ نوریہ ج ۳ ص ۴۶۰-۴۵۸' مطبوعہ بصیر پور)

ہم نے اس مسئلہ کی مکمل تحقیق اور تفصیل شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۸۴۳-۸۳۰ میں کی اور تبیان القرآن ج ۱ ص ۶۷۶-۶۶۷ میں بھی اس مسئلہ پر بحث کی ہے۔

بعض دیگر مسائل اجتہادیہ

جن اجتہادی مسائل کا ذکر کیا گیا ہے ان کے علاوہ بھی کچھ تازہ اور نئے مسائل ہیں جن پر ہم نے گفتگو کی ہے۔ مثلاً ریڈیو اور ٹی وی کے اعلان پر رمضان' عید اور قربانی کرنا۔ اس مسئلہ پر ہم نے شرح صحیح مسلم ج ۳ ص ۷۴-۵۷ میں بحث کی ہے۔ خاندانی منصوبہ بندی اور ضبط تولید بھی ایک نیا مسئلہ ہے۔ اس پر ہم نے مفصل بحث شرح صحیح مسلم ج ۳ ص ۸۸۷-۸۷۸

[illegible]ں کی ہے۔ اسقاط حمل پر شرح صحیح مسلم ج ۳ ص ۸۹۸-۸۹۱ میں تفصیل ہے۔ تازہ ترین مسئلہ ٹیسٹ ٹیوب بے بی کا ہے۔ شرح [illegible]یح مسلم ج ۳ ص ۹۴۷-۹۳۵ میں اس کی بحث ہے۔ ٹیلی فون پر نکاح بھی ایک نیا مسئلہ ہے' اس کا ذکر شرح صحیح مسلم ج ۳ [illegible]ص ۸۲۹-۸۲۸ میں ہے۔ اعضاء کی پیوند کاری بھی اجتہادی مسئلہ ہے۔ اس پر ہم نے شرح صحیح مسلم ج ۳ ص ۸۶۲-۸۴۳ میں [illegible]گفتگو کی ہے۔ انعامی بانڈز کے جواز کی بحث ہم نے شرح صحیح مسلم ج ۴ ص ۱۲۴-۱۱۱ میں کی ہے اور بیمہ کے متعلق شرح صحیح مسلم [illegible]ج ۵ ص ۸۶۷-۸۴۶ میں لکھا ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے نئے تازہ مسائل ہیں' یہ سب جدید مسائل ہیں اور سائنس کی تیز رفتار ترقی اور نئی نئی ایجادات کے نتیجے میں ظہور میں آئے ہیں۔ اس لیے ان پر از سر نو غور و فکر اور اجتہاد کی ضرورت ہے۔

ائمہ اربعہ کے بعد اجتہاد کا دروازہ بند ہونے کا معنی

یہ جو کہا جاتا ہے ائمہ اربعہ کے بعد اجتہاد کا دروازہ بند ہو گیا ہے' اس کا معنی یہ ہے کہ ائمہ اربعہ نے اصول کلیہ وضع کیے' جن کے تحت مسائل کا استنباط اور استخراج کیا جاتا ہے اور بعد کے لوگ اصول کلیہ وضع کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے لیکن ان اصول کے تحت متقدمین فقہاء نے اجتہاد کیا اور اب بھی ان ہی قواعد کی روشنی میں اجتہاد کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً امام اعظم کا اصول ہے کہ وہ قرآن مجید کو احادیث پر مقدم کرتے ہیں اور متعارض احادیث میں حتی الامکان تطبیق دیتے ہیں' اور اگر احادیث قرآن مجید سے متصادم ہوں تو قرآن مجید کے مقابلہ میں احادیث کو ترک کر دیتے ہیں اور احادیث کو اقوال صحابہ پر مقدم رکھتے ہیں اور اقوال صحابہ کو اقوال تابعین پر مقدم رکھتے ہیں۔ مطلق کو مقید پر محمول نہیں کرتے' فرض قطعی اور فرض ظنی اور اسی طرح حرام قطعی اور حرام ظنی میں فرق کرتے ہیں' اسی طرح باقی ائمہ کے بھی اصول ہیں جن کی تفصیل کتب فقہ میں ہے۔ سو اگر کوئی ایسا نیا مسئلہ ہو جس کا حل سابقہ فقہ کی کتابوں میں نہ ہو تو اس کی دوسری نظائر پر قیاس کر کے اس کا حکم معلوم کیا جائے اور اگر اس کی نظائر بھی نہ مل سکیں تو اپنے اپنے امام کے اصول اور قواعد کے مطابق کتاب' سنت اور آثار صحابہ کی روشنی میں اجتہاد کیا جائے۔

مویشیوں میں اللہ کے حقوق

اس آیت میں مویشیوں کا ذکر ہے جب کچھ لوگوں کی بکریوں نے رات میں اس کھیت کو چر لیا تھا۔ اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ مویشیوں کے احکام سے متعلق بھی چند احادیث ذکر کر دیں۔ مویشیوں کے کچھ احکام حقوق اللہ سے متعلق ہیں اور کچھ حقوق العباد سے۔ اللہ کے حقوق میں سے اہم حق مویشیوں کی زکوٰۃ ادا کرنا ہے' یاد رہے کہ ان مویشیوں پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے جو قدرتی چراگاہوں میں گھاس چرتی ہیں اور جن مویشیوں کو خرید کر چارہ کھلایا جاتا ہے' ان پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص سونا چاندی رکھتا ہو اور اس کا حق (زکوٰۃ) نہ ادا کرے' قیامت کے دن اس کے لیے آگ کے پرت بنائے جائیں گے اور دوزخ کی آگ سے اس کو تپایا [illegible]جائے گا اور اس کے پہلو' پیشانی اور پیٹھ کو اس کے ساتھ داغا جائے گا۔ ایک بار یہ عمل کرنے کے بعد دوبارہ پھر کیا جائے گا جب [illegible]یک دن پچاس ہزار سال کا ہو گا اس دن یہ عمل مسلسل کیا جائے گا۔ بالآخر جب تمام لوگوں کے فیصلے کر دیئے جائیں گے تو اس کو [illegible]نت یا دوزخ کا راستہ دکھا دیا جائے گا۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! اونٹ والوں کے ساتھ کیا معاملہ ہو گا؟ فرمایا جو اونٹ والا [illegible]ونٹوں کا حق (ان کی زکوٰۃ) ادا نہیں کرے گا اور اونٹوں کے حقوق میں سے یہ بھی ہے کہ پانی پلانے کے دن اونٹنیوں کا دودھ [illegible]وہ کر غریبوں کو پلایا جائے۔ (ان کی زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کو) قیامت کے دن چٹیل زمین پر اوندھا لٹا دیا جائے گا اس وقت [illegible]ونٹ آئیں گے در آں حالیکہ وہ بہت فربہ ہوں گے اور ان کا کوئی بچہ تک گم نہیں ہو گا' وہ اس شخص کو اپنے کھروں سے روندیں [illegible] اور اپنے مونہوں سے کاٹیں گے' ان کا ایک ریوڑ گزر جائے گا تو پھر دوسرا آ جائے گا' پچاس ہزار سال کے برابر دن میں یہ

سلسلہ یونہی جاری رہے گا حتیٰ کہ جب لوگوں کے فیصلے ہو جائیں گے تو اس کو جنت یا دوزخ کا راستہ دکھایا جائے گا۔ عرض کیا یارسول اللہ! گائے اور بکریوں والوں کا کیا حال ہوگا؟ فرمایا جو گائے اور بکریوں والا ان کا حق (زکوٰۃ) ادا نہیں کرے قیامت کے دن چٹیل زمین میں اسے منہ کے بل گرایا جائے گا' تمام گائیں اور بکریاں اس کو کھروں سے روندیں گی اور اس سینگوں سے ماریں گی۔ اس روز ان میں کوئی اُلٹے سینگوں والی ہوگی نہ بغیر سینگوں والی' نہ ٹوٹے ہوئے سینگوں والی' ایک ر گزرنے کے فوراً بعد دوسرا ریوڑ آ جائے گا اور پچاس ہزار سال کے برابر دن میں یونہی ہوتا رہے گا حتیٰ کہ لوگوں کے درمیا فیصلہ کر دیا جائے گا پھر اسے جنت یا دوزخ کا راستہ دکھا دیا جائے گا۔ الحدیث (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۸۷)

مویشیوں میں بندوں کے حقوق

کسی اونٹنی' گائے' یا بکری کا دودھ اس کے مالک کی اجازت کے بغیر دوہنا جائز نہیں ہے۔

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی شخص [illegible] مویشیوں کے پاس سے گزر ہو اگر مویشیوں کے پاس ان کا مالک موجود ہے تو اس سے اجازت طلب کر لے' اگر وہ اجازت دے دے تو ان کا دودھ دوہ کر پی لے اور اگر وہاں کوئی نہ ہو تو تین بار آواز دے اگر کوئی شخص اس کی آواز کا جواب دے تو اس سے اجازت حاصل کرے اور اگر کوئی جواب نہ دے تو دودھ دوہ کر پی لے لیکن دودھ ساتھ لے کر نہ جائے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۲۹۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۱۹' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۶۸۷۷' سنن بیہقی ج ۹ ص ۳۵۹' المسند الجامع رقم الحدیث: ۵۰۱۰)

تین بار آواز کا جواب نہ آنے پر دودھ پینے کی اجازت حالتِ اضطرار پر محمول ہے۔ یعنی جب اس کو شدید بھوک لگی ہو اور اگر اس نے دودھ نہ پیا تو وہ مر جائے گا۔

مویشیوں کو گیابھن کرنے کی اُجرت کی تحقیق

لوگوں کے حقوق میں سے یہ بھی ہے کہ مادہ کو گیابھن کرنے کی اُجرت نہ لی جائے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نر کو مادہ کے گیابھن کرنے کے لیے دینے کی اُجرت سے منع فرمایا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۲۸۴' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۶۸۵)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے ان فقہاء نے استدلال کیا ہے جو نر کی جفتی کی بیع یا اس کے کرایہ کو حرام کہتے ہیں۔ صحابہ کی ایک جماعت کا بھی یہی قول ہے۔ امام ابوحنیفہ' امام شافعی اور امام احمد کا بھی یہی مذہب ہے کیونکہ نر کے مادہ منویہ کی عرف میں کوئی قیمت اور نہ اس کی مقدار معلوم ہے اور نہ اس کو سپرد کرنا قدرت میں ہے' اور اس کو کرائے پر دینے کے متعلق دو قول ہیں زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ وہ بھی ممنوع ہے۔ امام مالک کے نزدیک اگر نر کو جفتی کے لیے کرائے پر لیا جائے تو جائز ہے بشرطیکہ پہلے یہ طے کر جائے کہ نر مادہ کو اتنی بار ضرب لگائے گا اور اتنی مدت کے لیے یہ عمل کیا جائے گا اور اگر یہ کہا جائے کہ اس وقت تک نر کو کرا پر لیا جائے حتیٰ کہ مادہ گیابھن ہو جائے تو یہ صحیح نہیں ہے۔ حسن بصری' ابن سیرین اور عطا نے اس کو بھی جائز کہا ہے جب کہ ما کو گیابھن کرنے کی اور کوئی صورت نہ ہو۔ علامہ ابن بطال نے کہا بعض علماء نے حسب ذیل حدیث سے اس کے کرائے جواز پر استدلال کیا ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں بنو کلاب کے ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نر کی جفتی

ئے کے متعلق سوال کیا آپ نے منع فرمایا۔ اس شخص نے کہا ہم نر کو جفتی کے لیے دیتے ہیں پھر ہماری تکریم کی جاتی ہے۔ ہم کو ہدیہ دیا جاتا ہے) آپ نے تکریم (ہدیہ قبول کرنے) کی اجازت دی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۲۷۴، سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۶۸۶، المسند الجامع رقم الحدیث: ۷۷۷)

اس حدیث میں جفتی پر دینے کے بعد ہدیہ قبول کرنے کی اجازت ہے، ہر چند کہ اس کی بیع اور اس کو کرائے پر دینا حرام ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۲ ص ۱۰۶ مصر ۱۳۴۸ھ، فتح الباری ج ۵ ص ۲۲۵ دار الفکر ۱۴۲۰ھ)

کرائے پر دینے اور بعد میں ہدیہ قبول کرنے میں یہ فرق ہے کہ کرائے میں پہلے یہ مقرر کیا جائے گا کہ نر کو اتنے وقت اور اتنی بار ضرب لگانے کے لیے اتنے پیسوں کے عوض دیا جائے گا جب کہ تکریماً اور ہدیۃً کا معنی یہ ہے کہ بغیر کچھ طے کیے نر کو جفتی کے لیے دے دیا جائے اور بعد میں نر یا نر کو دینے والے کی تکریم کے لیے کچھ ہدیہ دے دیا جائے۔

اس زمانہ میں نر جانور کا نطفہ بیرونِ ملک سے درآمد کیا جاتا ہے اور اس کی مقدار متعین اور معلوم ہوتی ہے، اور اس کو انجکشن کے ذریعہ مادہ کے رحم میں پہنچا دیا جاتا ہے، لہٰذا عرف میں جو اس کی قیمت ہو وہ لینی جائز ہے۔

رہن رکھے ہوئے مویشیوں سے استفادہ کی تحقیق

جن مویشیوں کو رہن رکھا جائے ان کے متعلق یہ حکم شرعی ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس سواری کو رہن رکھا جائے، اس پر اس کے چارہ اور دیگر اخراجات کے عوض سواری کی جائے گی، جب کہ اس کو رہن رکھا ہو اور جس مویشی کو رہن رکھا ہو، اس کے اخراجات کے عوض اس کا دودھ پیا جائے گا جب کہ اس کو رہن رکھا ہو، اور اس مویشی پر خرچ کرنا اس کے ذمہ ہے جو اس پر سواری کرتا ہو اور اس کا دودھ پیتا ہو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۵۱۲)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث سے امام شافعی اور ظاہریہ کی ایک جماعت (غیر مقلدین) نے استدلال کیا ہے کہ رہن شدہ سواری سے استفادہ کرنا یعنی اس پر سواری کرنا اور اس کا دودھ پینا جائز ہے اور امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد کے ایک قول کے مطابق یہ ناجائز ہے کیونکہ مرتہن (جس نے قرض دے کر مقروض کی چیز کو رہن رکھا ہے) اگر رہن شدہ چیز سے فائدہ اٹھائے گا تو یہ قرض سے فائدہ حاصل کرنا ہے اور قرض سے فائدہ حاصل کرنا سود ہے، اور سود حرام ہے اور یہ ائمہ کرام اس حدیث کا یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ سود کو حرام قرار دینے سے پہلے کا واقعہ ہے اور جب سود حرام ہو گیا تو رہن شدہ چیز سے فائدہ حاصل کرنا بھی حرام ہو گیا۔ (عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۷۳ ملخصاً، مطبوعہ مصر ۱۳۴۸ھ)

رہن شدہ چیز سے فائدہ اٹھانے کے لیے بیع الوفا کا حیلہ

لوگوں نے رہن سے فائدہ اٹھانے کے لیے ایک حیلہ نکالا ہے، اس کو بیع الوفا کہتے ہیں۔

صدر الشریعت مولانا امجد علی متوفی ۱۳۷۶ھ اس کے متعلق لکھتے ہیں:

مسئلہ: بیع الوفاء اس کو بیع الامانہ اور بیع الاطاعۃ اور بیع المعاملہ بھی کہتے ہیں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اس طور پر بیع کی جائے کہ بائع جب ثمن مشتری کو واپس دے گا تو مشتری مبیع کو واپس کر دے گا یا یوں کہ مدیون نے دائن کے ہاتھ دین کے عوض میں کوئی چیز بیع کر دی اور یہ طے ہو گیا کہ جب میں دین ادا کر دوں گا تو اپنی چیز لے لوں گا، یا یوں کہ میں نے یہ چیز تمہارے ہاتھ اتنے میں بیع کر دی ہے اس طور پر کہ جب ثمن لاؤں گا تو تم میرے ہاتھ بیع کر دینا۔ آج کل جو بیع الوفاء لوگوں میں جاری

ہے اس میں مدت بھی ہوتی ہے کہ اگر اس مدت کے اندر یہ رقم میں نے ادا کر دی تو چیز میری ورنہ تمہاری۔

مسئلہ: بیع الوفاء حقیقت میں رہن ہے۔ لوگوں نے رہن کے منافع کھانے کے لیے یہ ترکیب نکالی ہے کہ بیع کی صورت میں رہن رکھتے ہیں تاکہ مرتہن اس کے منافع سے مستفید ہو۔ لہٰذا رہن کے تمام احکام اس میں جاری ہوں گے اور جو کچھ منافع حاصل ہوں گے، سب واپس کرنے ہوں گے اور جو کچھ منافع اپنے صرف میں لا چکا ہے یا ہلاک کر چکا ہے، سب کا تاوان دینا ہوگا۔ اور اگر مبیع ہلاک ہوگئی تو دین کا روپیہ بھی ساقط ہو جائے گا بشرطیکہ وہ دین کی رقم کے برابر ہو اور اگر اس کے پڑوس میں کوئی مکان یا زمین فروخت ہو تو شفعہ بائع کا ہوگا کہ وہی مالک ہے، مشتری کا نہیں کہ وہ مرتہن ہے۔ (ردالمحتار)

(بہار شریعت حصہ ۱۱ ص ۱۲۸، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ یہ ایسی بیع ہے جس میں خریدار، خریدی ہوئی چیز سے فائدہ تو اُٹھا سکتا ہے لیکن اس کو فروخت نہیں کر سکتا۔ علامہ الزیلعی نے کہا اسی قول پر فتویٰ ہے۔ (ردالمحتار ج ۷ ص ۴۲۵، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۹ھ)

اس کی آسان عبارت یہ ہے کہ جب مثلاً زید نے اپنی گائے یا اپنا گھوڑا عمرو کے پاس رکھ کر اس سے دس ہزار روپے قرض لیے تو یہ رہن ہے اور عمرو اس سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتا، تو اس کا حل یہ ہے کہ زید رہن رکھنے کے بجائے اپنی گائے یا گھوڑے کو عمرو کے ہاتھ فروخت کر دے، اب وہ گھوڑے پر سواری کر سکتا ہے اور گائے کا دودھ پی سکتا ہے لیکن وہ اس گائے یا گھوڑے کو کسی اور کے ہاتھ فروخت نہیں کر سکتا اور جب زید اس کو رقم ادا کر دے گا تو عمرو سے اپنے گھوڑے یا اپنی گائے کو واپس لے لے گا۔ اس بیع کو بیع الوفاء کہتے ہیں۔

علامہ شامی نے اس کو بیع الوفاء کہنے کی حسب ذیل وجوہ بیان کی ہیں:

اس بیع کا نام بیع الوفاء رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ خریدار وفاء کرنے کا عہد کرتا ہے کہ جب فروخت کرنے والا خریدار کو قیمت واپس دے گا تو وہ اس چیز کو واپس کر دے گا، اور بعض فقہاء اس کو ''البیع الجائز'' کہتے ہیں اور یہ اس پر مبنی ہے کہ سود سے بچنے کے لیے یہ بیع صحیح ہے حتیٰ کہ خریدار کے لیے اس سے فائدہ اُٹھانا جائز ہے، اور بعض اس کو بیع المعاملہ کہتے ہیں کیونکہ یہ قرض سے نفع حاصل کرنے کا معاملہ ہے اور قرض دینے والا اس چیز کو خریدتا ہے تاکہ اس سے نفع حاصل کرے اور یہ نفع اس کے قرض کے مقابلہ میں ہے، اور اس کی صورت یہ ہے کہ فروخت کرنے والا خریدار سے یہ کہے کہ میں نے تم کو یہ چیز اس کے عوض میں فروخت کی ہے جو میرے ذمہ تمہارا قرض ہے اس شرط کے ساتھ کہ جب میں تمہارا قرض ادا کر دوں گا تو پھر یہ چیز میری ہو جائے گی۔ (علامہ شامی نے کہا ہے کہ علامہ زیلعی نے اس بیع کو جائز کہا ہے اور اسی قول پر فتویٰ ہے)

(ردالمحتار ج ۷ ص ۴۲۴، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۹ھ)

مویشیوں کے ساتھ حسن سلوک کرنا

شداد بن اوس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو حدیثیں یاد رکھی ہیں۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے ساتھ اچھے سلوک کو فرض کر دیا ہے جب تم کسی (دشمن دین) کو قتل کرو تو اچھے طریقہ سے قتل کرو (جس میں اس کو زیادہ ایذاء نہ پہنچے) اور جب تم ذبح کرو تو اچھے طریقہ سے ذبح کرو اور تم اپنی چھری کو تیز کر لو اور اپنے ذبیحہ کو آرام پہنچاؤ۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۵۵، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۸۱۵، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۴۰۹، سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۴۰۵، سنن ابن ماجہ رقم

(...یث: ۴۱۷۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مویشیوں کو باندھ کر قتل کرنے سے منع فرمایا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۵۱۳ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۵۶ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۸۱۶ سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۱۸۶ مسند احمد رقم الحدیث: ۱۲۱۸۵ عالم الکتب بیروت)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جانوروں کو ایک دوسرے کے خلاف بھڑکانے اور لڑانے سے منع فرمایا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۷۰۸ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۵۶۲ مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۲۵۰۹ المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۱۱۲۳)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ایک گدھا گزرا جس کے چہرے پر (جلا کر) داغ لگایا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا اللہ اس شخص پر لعنت کرے جس نے اس کے چہرے کو جلا کر داغ لگایا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۱۷)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چہرے پر مارنے اور داغ لگانے سے منع فرمایا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۱۶ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۷۱۰ مسند احمد ج ۳ ص ۳۱۸ صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۲۵۵۱ مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۲۲۳۵ سنن کبریٰ للبیہقی ج ۵ ص ۲۵۵)

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلوٰۃ کسوف پڑھانے کے بعد فرمایا اور دوزخ کی آگ میرے قریب کی گئی حتیٰ کہ میں نے کہا اے میرے رب! جس وقت میں دوزخیوں کے پاس تھا اچانک ایک عورت تھی جس کو بلی نوچ رہی تھی۔ میں نے کہا یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا اس عورت نے بلی کو باندھ کر رکھا حتیٰ کہ وہ بھوک سے مر گئی نہ اس نے بلی کو کچھ کھلایا اور نہ اس کو آزاد کیا حتیٰ کہ وہ کچھ گھاس پھوس کھالیتی۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۲۶۵ سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۴۹۷ مسند احمد رقم الحدیث: ۲۷۵۰۳ عالم الکتب بیروت)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک آدمی راستہ میں جا رہا تھا اس کو بہت شدید پیاس لگی۔ وہ کنویں میں اُترا اور اس نے پانی پیا پھر اس نے دیکھا کہ ایک کتا پیاس کی شدت سے کیچڑ چاٹ رہا تھا۔ اس نے کہا اس کتے کو بھی ایسی ہی پیاس لگی ہوئی ہے جیسی پیاس مجھے لگی تھی۔ وہ پھر کنویں میں اُترا اور اس نے اپنے (چمڑے کے) موزہ میں پانی بھرا پھر اس موزہ کے منہ کو بند کیا اور کنویں سے باہر آیا اور کتے کو سیر کر کے پانی پلایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس عمل کی جزا دی اور اس کو بخش دیا۔ صحابہ نے کہا یا رسول اللہ! کیا ان جانوروں کی وجہ سے بھی ہمیں اُجر ملتا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہر تر جگر کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی وجہ سے اُجر ملتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۳۶۳ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۴۴ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۵۵۰)

حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ پہاڑوں کی تسبیح کرنے کے محامل

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور ہم نے پہاڑوں کو داؤد کے تابع کر دیا تھا جو داؤد کے ساتھ تسبیح کرتے تھے اور پرندے اور ہم (ہی ہر) کام کرنے والے ہیں۔ (الانبیاء: ۷۹)

پہاڑ حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ تسبیح کرتے تھے۔ اس کے مفسرین نے متعدد محامل بیان فرمائے ہیں۔

(۱) جب حضرت داؤد علیہ السلام اپنے رب کا ذکر کرتے تو آپ کے ساتھ پہاڑ اور پرندے بھی اپنے رب کا ذکر کرتے تھے۔
(۲) حضرت داؤد علیہ السلام جب تسبیح پڑھتے تھے تو پہاڑ اور پرندے بھی ان کی اتباع میں تسبیح پڑھتے تھے۔
(۳) حضرت داؤد علیہ السلام جب اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کی تسبیح کرتے کرتے تھک جاتے تو اللہ تعالیٰ پہاڑوں کو تسبیح کرنے کا حکم دیتا۔ ان کی تسبیح سن کر حضرت داؤد علیہ السلام کی تھکن دُور ہو جاتی اور وہ پھر تازگی اور ذوق وشوق کے ساتھ ذکر کرنے لگتے۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ۔ (الاسراء: ۴۴) اور ہر چیز اللہ کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتی ہے۔
حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ خصوصیت سے پہاڑوں اور پرندوں کی تسبیح کا ذکر فرمایا کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کا ذوق اور شوق تازہ کرنے کے لیے آپ کو پہاڑوں اور پرندوں کی تسبیح سنا دیتا تھا۔
اس آیت میں اس پر غور کرنا چاہیے کہ پتھر اور جانور بھی اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کی تسبیح کرتے ہیں اگر انسان اللہ تعالیٰ کی حمد اور تسبیح نہ کرے تو وہ پتھروں اور جانوروں سے بھی گیا گزرا ہے۔

انبیاء علیہم السلام کا مختلف پیشوں کو اپنانا

اس کے بعد فرمایا: اور ہم نے داؤد کو تمہارے لیے خاص لباس (زرہ) بنانا سکھایا تاکہ وہ تم کو جنگوں میں محفوظ رکھے پس کیا تم شکر ادا کرو گے! ۝ (الانبیاء: ۸۰)
قتادہ نے کہا سب سے پہلے جس نے زرہ کی صنعت ایجاد کی وہ حضرت داؤد علیہ السلام ہیں۔ اس سے پہلے فولاد کے پتروں کو لوگ بہ طور ڈھال استعمال کرتے تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے لوہے کے حلقے (چھلے) بنائے اور ان کو جوڑ کر قمیص تیار کرلی۔ حسن نے ذکر کیا ہے کہ لقمان حکیم حضرت داؤد علیہ السلام سے ملنے گئے اس وقت وہ زرہ بنا رہے تھے انہوں نے ارادہ کیا کہ پوچھیں آپ کیا بنا رہے ہیں لیکن وہ خاموش رہے حتیٰ کہ حضرت داؤد علیہ السلام قمیص بنا کر فارغ ہو گئے۔ تب انہوں نے کہا خاموش رہنا بھی حکمت ہے اور کم لوگ اس حکمت کو اختیار کرتے ہیں۔ مفسرین نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے لوہے کو نرم کر دیا تھا اور وہ اس کو آگ سے پگھلائے بغیر دھاگے کی طرح اس سے زرہ بن لیتے تھے۔
(تفسیر کبیر ج ۸ ص ۱۶۸)
یہ آیت حصولِ معاش کے لیے صنعت، کاری گری اور پیشے کی اصل ہے۔ بعض جاہل غبی اور متکبر لوگ بعض پیشوں کو حقیر خسیس اور گھٹیا کام سمجھتے ہیں حالانکہ اسباب، صنعتوں اور پیشوں کو اختیار کرنا اللہ تعالیٰ کا سکھایا ہوا طریقہ ہے سو جو شخص پیشوں پر طعن کرتا ہے وہ درحقیقت کتاب اور سنت پر طعن کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام لوہے سے زرہ بناتے تھے اور اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے۔ علامہ قرطبی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کاشت کاری کرتے تھے، حضرت نوح علیہ السلام بڑھئی تھے لکڑی سے چیزیں بناتے تھے۔ حضرت لقمان علیہ السلام درزی تھے کپڑے سیتے تھے۔ حضرت طالوت علیہ السلام رنگ ریز تھے، کپڑے رنگتے تھے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۱ ص ۲۲۷) اور ہمارے رسول سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر چند کہ خصوصیت کے ساتھ کوئی پیشہ نہیں اپنایا لیکن آپ نے بکریاں چرائی ہیں، بکریوں کا دودھ دوہا ہے، پھٹے ہوئے کپڑے سی لیے ہیں، کپڑے دھوئے ہیں، جوتیوں کی مرمت کی ہے، زمین کھودی ہے اس لیے کسی کام اور پیشہ کو برا اور حقیر سمجھنا چاہیے کیونکہ ہمارے آقا اور مولیٰ نے بہت سے ان کاموں کو کیا ہے، جن کو آج کل گھٹیا سمجھا جاتا ہے۔ رزقِ حلال حاصل

[ک]رنے کے لیے جو بھی جائز کام اور حلال پیشہ اپنایا جائے' وہ قابلِ تعریف اور لائقِ تحسین ہے۔

[ر]زقِ حلال کی طلب کے لیے کسی بھی کام اور پیشے کی فضیلت میں احادیث

حضرت مقدام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنے ہاتھ سے کمائی کر کے کھاتا ہو اس سے بہتر طعام کوئی نہیں کھاتا اور اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ سے کمائی کر کے کھاتے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰۷۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۱۳۸' مسند احمد رقم الحدیث ۱۷۳۲۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص لکڑیاں کاٹ کر [اپ]نی پشت پر لاد کر لائے' وہ اس سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں سے سوال کرے کوئی اس کو دے اور کوئی اس کو منع کر دے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰۷۴' صحیح مسلم رقم الحدیث ۱۰۴۲' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۵۸۴' سنن الترمذی رقم الحدیث ۶۸۰' مسند احمد رقم الحدیث: ۷۳۱۵)

حضرت سعید بن عمیر انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کون سا پیشہ سب سے زیادہ پاکیزہ ہے؟ آپ نے فرمایا: کسی شخص کا اپنے ہاتھ سے کمانا اور ہر جائز بیع (خرید و فروخت' تجارت) ایک روایت میں ہے کسبِ حلال۔

(سنن کبریٰ للبیہقی ج ۵ ص ۲۶۳' شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۲۲۵' ۱۲۲۶' المستدرک ج ۲ ص ۱۰' حاکم نے کہا یہ حدیث صحیح ہے اور ذہبی نے اس کی موافقت کی)

سکن نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حلال کو طلب کرنا ایسا ہے جیسے بہادر اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں اور ہتھیار مارتے ہیں اور جس نے رزقِ حلال کی طلب میں تھکے ہوئے رات گزاری' اس نے اس حال میں رات گزاری کہ اللہ اس سے راضی تھا۔ کسی نے پوچھا بہادروں کے مارنے سے کیا مراد ہے؟ کہا رزقِ حلال کو طلب کرنا اور اپنے اہل و عیال کی پرورش کرنا۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۲۳۲)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رزقِ حلال کو طلب کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۶۸۰۵)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زمین کے گوشے گوشے سے رزق کو طلب کرو۔ امام بیہقی نے کہا اس سے مراد زمین میں کھیتی باڑی کرنا ہے۔ اس کی سند ضعیف ہے۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۲۳۳' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۸۰۹۳' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۴۳۸۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہترین کسب وہ ہے جس میں کوئی [ش]خص اپنے ہاتھ سے عمل کرتا ہے بہ شرطیکہ وہ کسب حلال ہو۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۲۳۶' مسند احمد ج ۲ ص ۳۳۴)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس مومن سے محبت کرتا ہے جو کوئی (جائز) پیشہ کرتا ہو۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۳۲۰' شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۲۳۷' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۱۸۷۳' الکامل لابن عدی ج ۱ ص ۳۶۹' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۹۰۹۷' حافظ الہیثمی نے کہا اس کی سند ضعیف ہے۔ مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۶۲۳۱)

نافع بیان کرتے ہیں کہ میں شام کی طرف اور مصر کی طرف سامانِ تجارت لے کر جاتا تھا' اللہ تعالیٰ نے مجھے اس میں بہت

اچھا اور بہت زیادہ رزق عطا فرماتا تھا' پھر ایک بار عراق کی طرف سامان تجارت لے گیا تو میں اصل پونجی بھی کھو بیٹھا' پھر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا تو انہوں نے فرمایا اے میرے بیٹے! اپنی تجارت کو لازم رکھو کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب تمہارے لیے رزق کا کوئی دروازہ کھول دیا جائے تو اسی پر لازم رہو۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۲۴۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا جو شخص شام تک اپنے ہاتھوں سے کام کرتے تھک گیا' اس کی مغفرت کر دی جائے گی۔ (المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۶۲۳۸' مجمع الزوائد ج ۴ ص ۶۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بعض گناہ ایسے ہیں جن کا کفارہ نماز' روزے' حج اور عمرہ سے نہیں ہوتا۔ مسلمانوں نے پوچھا یا رسول اللہ! پھر ان گناہوں کا کفارہ کس چیز سے ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا: طلب معاش کی فکر اور پریشانی سے۔ (المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۱۰۲)

حافظ الہیثمی لکھتے ہیں اس حدیث کی سند میں محمد بن سلام مصری ہے جو یحییٰ بن بکیر سے موضوع حدیث روایت کرتا ہے اور اس حدیث میں اسی سے روایت ہے۔ مجمع الزوائد ج ۴ ص ۶۴' حافظ سیوطی نے اس حدیث پر ضعف کی علامت لگائی ہے' یعنی یہ حدیث ضعیف ہے' موضوع نہیں ہے۔ (الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۲۴۶۱)

صفوان بن اُمیہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے' عرفطہ بن نہیک تمیمی کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے اور میرے اہل بیت کو شکار کرنے سے رزق ملتا ہے اور اس میں ہمارے لیے رزق کا حصہ اور برکت ہے لیکن اس کی مشغولیت کی وجہ سے اللہ کا ذکر اور نماز کی جماعت رہ جاتی ہے اور ہمیں اس شکار کی احتیاج ہے۔ آیا یہ ہمارے لیے حلال ہے یا حرام ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے اس کو تمہارے لیے حلال کر دیا ہے۔ (احل لکم صید البحر و طعامه. المائدہ: ۹۶' تمہارے لیے سمندر کا شکار اور اس کا طعام حلال کر دیا گیا ہے) اور یہ بہت خوب عمل ہے اور اللہ تعالیٰ بہت عذر قبول کرنے والا ہے اور مجھ سے پہلے اللہ کے رسول تھے جو سب شکار کرتے تھے اور شکار کو طلب کرتے تھے اور جب تم رزق کی طلب کی وجہ سے باجماعت نماز نہ پڑھ سکو (تو اس کی تلافی کے لیے) باجماعت نماز پڑھنے والوں سے تمہاری محبت اور اللہ کا ذکر کرنے والوں سے تمہاری محبت کافی ہے' تم اپنے لیے اور اپنے بال بچوں کے لیے رزقِ حلال کو طلب کرو کیونکہ یہ (بھی) اللہ کی راہ میں جہاد ہے اور یاد رکھو کہ نیک تجارت میں اللہ کی مدد ہوتی ہے۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۷۳۴۲' مسند الشامیین رقم الحدیث: ۳۶۲۸' حافظ الہیثمی نے کہا اس کی سند میں بشر بن نمیر ہے اور وہ متروک ہے' مجمع الزوائد ج ۴ ص ۶۳)

میں کہتا ہوں کہ ہرچند کہ یہ حدیث روایتاً ضعیف ہے لیکن درایتاً صحیح ہے۔ تاہم جس قدر مقدار میں رزق کا حصول ناگزیر ہو اس کے لیے جماعت کو ترک کرنا جائز ہے' اور اگر مال کی کثرت کے لیے اور دنیا جمع کرنے کی وجہ سے نمازوں کی جماعت کو ترک کرتا ہے تو یہ جائز نہیں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت سے نماز پڑھنے کی بہت تاکید فرمائی ہے حتیٰ کہ میدانِ جہاد میں بھی جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا لازم ہے۔

حضرت ایوب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب نے ٹیلے کی چوٹی سے قریش کے ایک آدمی کو آتے دیکھا۔ صحابہ نے کہا یہ شخص کتنا طاقتور ہے' کاش اس کی طاقت اللہ کے راستہ میں خرچ ہوتی۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا صرف وہی شخص اللہ کے راستہ میں ہے جو قتل کر دیا جائے؟ پھر فرمایا: جو شخص اپنے اہل کو سوال سے

کنے کے لیے حلال کی طلب میں نکلے وہ بھی اللہ کے راستہ میں ہے اور جو شخص اپنے آپ کو سوال سے روکنے کے لیے حلال کی طلب میں نکلے وہ بھی اللہ کے راستہ میں ہے۔ البتہ جو شخص مال کی طلب میں اللہ کے راستہ میں نکلے وہ شخص شیطان کے راستہ میں ہے۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۵ ص ۲۷۲۔۲۷۱ ‘شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۰۳۷۷)

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ایک شخص گزرا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے اس کی قوت اور اطمینان کو دیکھ کر کہا یا رسول اللہ! کاش یہ شخص اللہ کی راہ میں ہوتا‘ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر یہ شخص اپنے چھوٹے بچوں کے لیے کسب معاش کر رہا ہے تو یہ اللہ کی راہ میں ہے اور اگر یہ اپنے بوڑھے ماں باپ کے لیے کسب معاش کر رہا ہے تو بھی یہ اللہ کی راہ میں ہے اور اگر یہ اپنے آپ کو سوال سے روکنے کے لیے کسب معاش کر رہا ہے تو بھی یہ اللہ کی راہ میں ہے‘ اور اگر یہ دکھاوے اور فخر کے لیے نکلا ہے تو پھر یہ شیطان کے راستے میں ہے۔

(المعجم الکبیر ج ۱۹ ص ۱۲۹ رقم الحدیث: ۲۸۲‘ حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے مجمع الزوائد ج ۴ ص ۳۲۵‘ شعب الایمان رقم الحدیث: ۸۷۱۰۔۸۷۱۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب محنت مزدوری کرتے تھے‘ ان کے جسم سے بو آنے لگی تھی۔ ان سے کہا گیا کاش تم غسل کر لیا کرو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث ۲۰۷۱‘ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۵۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا گیا تو انہوں نے فرمایا: میری قوم کو معلوم ہے کہ میرا پیشہ میرے اہل و عیال کی کفالت سے عاجز نہیں ہے لیکن اب میں مسلمانوں کے ملکی انتظام سنبھالنے میں مشغول ہو گیا ہوں‘ تو اب ابوبکر کی اولاد اس مال سے کھائے گی اور ابوبکر مسلمانوں کے دینی اور ملکی امور انجام دے گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰۷۰)

عطا بن السائب بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکر کو خلیفہ بنایا گیا تو حضرت ابوبکر اپنے کندھے پر کپڑوں کی گٹھڑی رکھ کر کپڑے بیچنے کے لیے بازار نکل گئے‘ ان کی حضرت عمر اور حضرت ابوعبیدہ بن جراح سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے پوچھا: اے خلیفہ رسول! آپ کہاں جا رہے ہیں؟ آپ نے کہا بازار‘ ان دونوں نے کہا یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ آپ مسلمانوں کے خلیفہ بن چکے ہیں۔ آپ نے کہا پھر میں اپنے اہل و عیال کو کہاں سے کھلاؤں گا؟ ان دونوں نے کہا چلیے ہم آپ کے لیے وظیفہ مقرر کر دیتے ہیں پھر انہوں نے آپ کے لیے ہر روز آدھی بکری اور سر اور پیٹ ڈھانپنے کا لباس مقرر کیا۔

(الطبقات الکبریٰ ج ۳ ص ۱۸۴‘ دار صادر بیروت‘ ۱۳۸۸ھ قدیم‘ الطبقات الکبریٰ ج ۳ ص ۱۳۷‘ دار الکتب العلمیہ‘ ۱۴۱۸ھ جدید)

بعض پیشوں کو گھٹیا اور باعثِ عار سمجھنا صرف اس دور کی لعنت ہے

آج کل جو شخص پھیری لگا کر کندھے پر گٹھڑی رکھ کر کپڑا بیچتا ہو‘ اس کو گھٹیا خیال کرتے ہیں مگر حضرت ابوبکر یہی کام کرتے تھے۔ امام احمد بن عمر الخصاف المتوفی ۲۶۱ھ بہت بڑے فقیہ اور عابد و زاہد تھے‘ ان کی فقہ میں بہت تصانیف ہیں‘ عربی میں خصاف موچی کو کہتے ہیں یہ جوتیوں کی مرمت کرتے تھے۔ علامہ احمد بن محمد بن احمد القدوری المتوفی ۴۲۸ھ بہت بڑے فقیہ تھے۔ ان کی کتاب مختصر القدوری بہت عظیم کتاب ہے اور درس نظامی میں شامل ہے‘ القدوری عربی میں مٹی کی ہنڈیا بیچنے والے کو کہتے ہیں۔ علامہ محمود بن احمد الحصیری المتوفی ۵۴۶ھ ایک فقیہ ہیں عربی میں الحصیری اس شخص کو کہتے ہیں جو چٹائی بناتا ہو۔ امام ابوبکر ابن علی الحدادی المتوفی ۸۰۰ھ بہت بڑے عالم تھے۔ انہوں نے مختصر القدوری کی شرح لکھی ہے۔ عربی میں حداد لوہار کو

کہتے ہیں' اس لیے ان کو حدادی کہتے ہیں۔

آج کل کندھے پر گٹھڑی رکھ کر بیچنے والے' جوتیوں کی مرمت کرنے والے' مٹی کے برتن بنانے والے' چٹائی بنانے والے اور لوہار کو حقیر اور کمتر آدمی سمجھا جاتا ہے اور پوش علاقوں میں رہنے والے ایسے لوگوں کو رشتہ دینے پر تیار نہیں ہوتے حالانکہ مسلمانوں کے زرین دور میں یہ لوگ مسلمانوں کے امام تھے۔ اس زمانہ میں کسی بھی پیشہ کو صرف حصولِ رزق کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا اور کسی پیشہ کو خسیس اور باعثِ عار نہیں سمجھا جاتا تھا۔ اب عزت اور ذلت کا معیار اور اس کے پیمانے بدل گئے ہیں۔ اب سودی کاروبار کرنے والے' اسمگلنگ کرنے والے' نقلی دوائیں بنا کر بیچنے والے اور ناجائز اور حرام ذرائع سے مال بنا کر کوٹھیوں میں رہنے والے' بینک بیلنس والے عزت دار ہیں اور رزقِ حلال کے حصول کے لیے پھیری لگانے والا' لوہے کا کام کرنے والا' چٹائی بنانے والا' مٹی کے برتن بنانے والا اور جوتی کی مرمت کرنے والا حقیر اور ذلیل ہے جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک عزت والے ہیں' وہ اس دور کے لوگوں کے نزدیک ذلت والے ہیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے تیز ہواؤں اور نرم ہواؤں کو مسخر کرنا

الانبیاء: ۸۱ میں فرمایا: اور ہم نے تیز ہوا کو سلیمان کے تابع کر دیا جو ان کے حکم سے اس زمین کی طرف چلتی تھی' جس میں ہم نے برکت رکھی تھی اور ہم ہر چیز کو خوب جاننے والے ہیں۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ہم نے ہوا کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے مطیع اور تابع کر دیا اگر وہ چاہتے کہ وہ ہوا تیز چلے تو وہ تیز چلتی اور اگر وہ چاہتے کہ وہ ہوا آہستہ چلے تو وہ آہستہ چلتی اور وہ ہوا ہر دو حال میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع تھی۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس آیت میں تیز ہوا کے مسخر کرنے کا ذکر ہے اور ایک اور آیت میں نرم ہوا کو مسخر کرنے کا ذکر ہے:

فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ رُخَاءً حَيْثُ أَصَابَ (ص: ۳۶)

پس ہم نے ہوا کو ان کے تابع کر دیا' وہ آپ کے حکم سے جہاں آپ چاہتے نرمی سے پہنچا دیتی تھی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ فی نفسہٖ ہوا نرم اور خوشگوار تھی جیسے صبح کے وقت ہوا آہستہ آہستہ چلتی ہے اور جب ہوا ان کے تخت کو لے کر چلتی تو ان کو تیزی کے ساتھ ان کی منزلِ مقصود پر پہنچا دیتی تھی۔ جیسا کہ فرمایا:

وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ (سبا: ۱۲)

اور ہم نے ہوا کو سلیمان کے تابع کر دیا' صبح کی سیر ایک ماہ کی مسافت ہوتی تھی اور شام کی سیر (بھی) ایک ماہ کی مسافت ہوتی تھی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے ارکانِ سلطنت اور لشکر کے ساتھ تخت پر بیٹھ جاتے اور آپ جہاں حکم دیتے' ہوائیں وہاں اس تخت کو لے جاتیں۔ ایک ماہ کی مسافت کو صبح کی سیر میں طے کر لیتیں اور ایک ماہ کی مسافت کو شام کی سیر میں طے کر لیتیں۔

اور اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ جس وقت حضرت سلیمان علیہ السلام کا حکم ہوتا ہوا آہستہ چلتی اور جب آپ کا حکم ہوتا ہوا تیز چلتی۔ ایک آیت میں ہوا کے تیز چلنے کا بیان فرمایا اور دوسری آیت میں ہوا کے آہستہ چلنے کا بیان فرمایا۔

اور فرمایا اس زمین کی طرف ہوا چلتی تھی جس میں ہم نے برکت دے رکھی تھی' اس سے مراد شام کی زمین ہے۔

نیز فرمایا اور ہم ہر چیز کو خوب جاننے والے ہیں کیونکہ ہم کو علم ہے کہ رسولوں کو کب کون سا معجزہ عطا فرمانا ہے۔

جنات کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع کرنا

الانبیاء: ۸۲ میں فرمایا: اور کچھ جنات بھی ان کے تابع کر دیئے تھے جو ان کے حکم سے غوطے لگاتے تھے اور اس کے سوا بھی

کرتے تھے اور ہم (ہی) ان کی نگرانی کرنے والے تھے۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ بعض جنات حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے سمندروں میں غوطے لگاتے تھے اور اس میں سے جواہر اور قیمتی چیزیں نکال کر لاتے تھے اور اس کے علاوہ اور بھی اعمال شاقہ کرتے تھے شہر اور محلات بناتے تھے مجسمے اور دیگیں اور چکیاں بوتلیں اور شیشے کی مصنوعات بناتے تھے۔

جنات میں مومن بھی تھے اور کافر بھی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان جنات کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے احکام کے تابع کر دیا جو کافر تھے اس پر دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنات کے لیے شیاطین کا لفظ استعمال کیا ہے۔ نیز فرمایا ہے کہ ہم ان کی حفاظت کرنے والے تھے تاکہ وہ کام سے بھاگ نہ جائیں یا حضرت سلیمان علیہ السلام کے احکام کو ماننے سے انکار نہ کر دیں اور یہ حفاظت کفار کے مناسب ہے نہ کہ مومنین کے۔

ان کی حفاظت کرنے کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ ان کے اوپر فرشتوں کو مقرر کر دیا تھا یا جنات میں سے مومنین کو ان کی حفاظت پر مقرر کر دیا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس طرح مقرر کر دیا تھا کہ ان کی طبیعت میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی اطاعت کو پسندیدہ بنا دیا تھا اور ان کی مخالفت کرنے کا ان کے دلوں میں خوف پیدا کر دیا تھا۔ رہا یہ کہ کس چیز سے ان کی حفاظت کی گئی تھی تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان کی حفاظت اس سے کی گئی تھی کہ کہیں وہ بھاگ نہ جائیں اور کام چھوڑ نہ دیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ان کی اس سے حفاظت کی جاتی تھی کہ وہ اس زمانہ کے کسی شخص کو نقصان نہ پہنچائیں۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ جو کام انہوں نے دن میں بنایا تھا' کہیں اس کو وہ رات میں خراب نہ کر دیں۔

حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے معجزات کے مقابلہ میں ہمارے نبی ﷺ کے معجزات

ان آیتوں میں حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے معجزات کا ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ پتھر تسبیح کرتے تھے اور وہ لوہے سے تاگے کی طرح زرہ بن لیتے تھے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے ہواؤں اور جنات کو مسخر کر دیا تھا۔ اس جہان میں اجسام کی دو قسمیں ہیں' کثیف اجسام ہیں اور لطیف اجسام ہیں۔ سب سے زیادہ کثیف اجسام پتھر اور لوہا ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو حضرت داؤد علیہ السلام کا معجزہ بنا دیا' پتھر بولنے لگے اور وہ ان کے ساتھ تسبیح کرتے تھے اور لوہے کو نرم کر دیا اور یہ معجزات جس طرح اللہ تعالیٰ کی توحید اور حضرت داؤد علیہ السلام کی نبوت پر دلالت کرتے ہیں اسی طرح حشر اجساد کی صحت اور امکان پر دلالت کرتے ہیں کیونکہ جو پتھروں کو زندہ کرنے پر قادر ہے' اس سے کب بعید ہے کہ وہ بوسیدہ ہڈیوں کو زندہ کر دے' اور جو حضرت داؤد علیہ السلام کی انگلیوں میں آگ کی قوت پیدا کر سکتا ہے اس سے کب بعید ہے کہ خشک مٹی کو زندہ جسم بنا دے' اسی طرح اس جہان میں سب سے لطیف چیز ہوا اور آگ ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو حضرت سلیمان علیہ السلام کا معجزہ بنا دیا۔ ہوا ان کے تخت کو لے جاتی تھی اور شیاطین آگ سے بنے ہیں' وہ ان کے احکام کے مطابق عمل کرتے تھے۔ آگ پانی کی ضد ہے اور شیاطین ان کے حکم سے سمندر میں غوطے لگاتے تھے۔

بے شک یہ حضرت داؤد علیہ السلام کا بہت عظیم معجزہ ہے کہ لوہا ان کے لیے اس طرح نرم کر دیا گیا تھا کہ وہ اس سے اس طرح زرہ بُن لیتے تھے جس طرح تاگے سے کوئی چیز بُنی جاتی ہے لیکن ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ اس سے زیادہ عظیم ہے کیونکہ لوہا بہرحال نرم ہو جاتا ہے' لوہا آگ سے پگھل کر نرم ہو جاتا ہے۔ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پتھر نرم ہو گیا اور آپ سے محبت کرنے لگا جب کہ پتھر کی حقیقت میں نرمی نہیں ہے جس شخص کا دل سخت ہو اور اس کو کسی سے محبت نہ ہو اس کو سنگ دل کہتے ہیں لیکن ہمارے نبی نے پتھر کے دل میں اپنی محبت پیدا کر دی۔ آپ نے فرمایا اُحد ایک پہاڑ

ہے' یہ ہم سے محبت کرتا ہے' ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۸۲ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۹۳ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۹...

اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کا بھی بہت عظیم معجزہ ہے۔ ہوا ان کو صبح کی سیر میں ایک ماہ کی مسافت پر منزل مقصود تک لے جاتی تھی لیکن ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ اس سے زیادہ عظیم ہے آپ کو منزلِ مقصود تک جانا نہیں تھا' منزلِ مقصود خود چل کر آپ کے پاس آ جاتی تھی۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب قریش نے (معراج میں) میری تکذیب کی تو میں مقام الحجر (میزاب رحمت یعنی کعبہ کے پرنالے کے نیچے) میں کھڑا ہو گیا' اللہ تعالیٰ نے میرے لیے بیت المقدس کو منکشف کر دیا۔ پس میں بیت المقدس کو دیکھ دیکھ کر ان کو نشانیاں بتاتا رہا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۸۸۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۰' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۳۳' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۵' مصنف عبدالرزاق: ۹۷۱۹' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۵۰۹۹' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۲۸۲' دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۳۵۹)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام مسلم نے حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے اس حدیث کو اس طرح روایت کیا ہے: قریش نے مجھ سے بیت المقدس کی ایسی نشانیاں پوچھنی شروع کر دیں جن کو میں نے یاد نہیں رکھا تھا۔ اس سے میں اس قدر پریشان ہوا کہ میں اس سے پہلے کبھی اتنا پریشان نہیں ہوا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے میرے لیے بیت المقدس کو بلند کر دیا پھر میں اس کو دیکھ کر اس کی نشانیاں بتاتا رہا وہ جس نشانی کا بھی سوال کرتے' میں ان کو اس کی خبر دیتا رہا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث ۱۷۲' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۴۸۰)

اس میں یہ احتمال ہے کہ بیت المقدس کو اُٹھا کر آپ کے سامنے رکھ دیا گیا آپ اس کو دیکھ دیکھ کر بتا رہے تھے پھر اس کو اس کی جگہ رکھ دیا گیا' اور حضرت ابن عباس نے اس حدیث کو اس طرح روایت کیا ہے کہ بیت المقدس کو لایا گیا' میں اس کو دیکھ رہا تھا حتیٰ کہ اس کو دارِ عقیل کے پاس رکھ دیا گیا پھر میں اس کو دیکھ دیکھ کر بتاتا رہا' اور اس میں بہت بڑا معجزہ ہے اور اس میں کوئی استبعاد اور استحالہ نہیں ہے کیونکہ پلک جھپکنے سے پہلے تختِ بلقیس حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے حاضر کیا گیا تھا اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ بیت المقدس کو اپنی جگہ سے اُکھاڑ کر آپ کے سامنے رکھ دیا گیا تھا اور یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے کچھ مشکل نہیں ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۵۹۹' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۲۰ ھ)

باقی رہا یہ شبہ کہ جب بیت المقدس کو وہاں سے اُکھاڑ لیا گیا تو وہاں کے لوگوں میں بیت المقدس کا اُکھاڑا جانا اور ان کی نظروں سے غائب ہو جانا مشہور ہو جاتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بیت المقدس کو وہاں سے اُکھاڑ کر اس کی مثل کو وہاں قائم کر دیا گیا' اس لیے وہ وہاں کے لوگوں کے سامنے سے غائب نہیں ہوئی۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے بیت المقدس کو وہاں سے اُکھاڑ کر آپ کے سامنے رکھا اور اس کی مثل بنا کر وہاں رکھی' اتنا کچھ کرنے سے کیا یہ بہتر نہیں تھا کہ پہلے سے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان نشانیوں کو یاد رکھنے کی طرف متوجہ کر دیتا حتیٰ کہ اس قدر تکلف اور تردد کی ضرورت پیش نہ آتی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان دکھانا چاہتا تھا کہ اگر عام لوگوں کی توجہ کسی چیز سے ہٹ جائے تو کچھ نہیں ہوتا اور آپ کی توجہ کسی چیز سے ہٹ جائے تو وہ چیز اپنی جگہ سے ہٹ جاتی ہے اور اس کو آپ کے سامنے لا کھڑا کر دیا جاتا ہے' اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے معجزہ کے مقابلہ میں آپ کے معجزہ کی برتری دکھانی تھی کہ حضرت سلیمان کو ایک ماہ کی مسافت پر ہوا صرف صبح کی سیر میں پہنچا دیتی تھی لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام کو اپنی منزل مقصود تک جانا...

تھا اور آپ کو کہیں جانا نہیں پڑتا تھا منزل مقصود خود چل کر آپ کے پاس آ جاتی تھی اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے پلک جھپکنے سے پہلے تخت بلقیس لایا گیا بے شک یہ بہت بڑا معجزہ ہے لیکن اس قدر حیران کن نہیں ہے کیونکہ تخت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جا سکتا ہے' حیران کن معجزہ تو آپ کا ہے کیونکہ عمارت ایک جگہ سے دوسری جگہ پلک جھپکنے میں منتقل نہیں ہوتی آپ کے لیے پلک جھپکنے سے پہلے بیت المقدس اٹھا کر آپ کے سامنے رکھ دیا گیا اور پھر اسی لمحہ دوبارہ وہیں رکھ دیا گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جنات پر تصرف کی قدرت

ان آیات میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ جنات کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے مسخر کر دیا گیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی جنات پر قدرت عطا کی تھی' تاہم آپ نے جنات پر اپنے تصرف کا اظہار نہیں فرمایا تاکہ عملاً حضرت سلیمان علیہ السلام کی خصوصیت برقرار رہے۔ یہ آپ کے اعلیٰ ظرف اور بلند اخلاق کا بہترین نمونہ ہے ورنہ آپ کو حضرت سلیمان علیہ السلام سے زیادہ جنات پر تصرف اور اقتدار حاصل تھا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گزشتہ رات ایک جن نے دھوکے سے مجھ پر حملہ کیا تاکہ میری نماز خراب کرے اور بے شک اللہ نے مجھے اس پر قادر کر دیا' میں نے اس کو زور سے دھکا دیا اور میں نے یہ ارادہ کیا میں اس کو مسجد کے ستونوں میں سے کسی ایک ستون کے ساتھ باندھ دوں حتیٰ کہ تم سب لوگ اس کو صبح دیکھتے پھر مجھے اپنے بھائی حضرت سلیمان علیہ السلام کی یہ دعا یاد آئی:

رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ (ص - ۳۵)

اے رب! میری مغفرت فرما اور مجھے ایسی سلطنت عطا فرما جو میرے بعد کسی اور کو سزاوار نہ ہو۔ (کسی اور کو نہ ملے)

تو اللہ تعالیٰ نے اس کو ذلیل اور رسوا کر کے لوٹا دیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۶۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۴۱' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۴۴۰' مسند احمد رقم الحدیث: ۷۹۵۶' عالم الکتب)

حضرت سلیمان علیہ السلام کی جنات کے جسموں پر حکومت تھی لیکن ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جنات کے دلوں پر حکومت تھی۔ متعدد جن آپ پر ایمان لائے اور انہوں نے آپ کی اطاعت کی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے ہر شخص کے ساتھ اس کا ایک ہم زاد جن مقرر کیا گیا ہے۔ صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ کے ساتھ بھی؟ آپ نے فرمایا: ہاں میرے ساتھ بھی لیکن اللہ تعالیٰ نے اس پر میری مدد فرمائی' وہ مسلمان ہو گیا اور وہ مجھے نیکی کے سوا اور کوئی مشورہ نہیں دیتا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۱۴' مسند احمد ج ۱ ص ۳۸۵' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۲۴۲' دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۵۸)

جنات کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کا مکلف ہونا

علامہ احمد بن حجر ہیتمی مکی متوفی ۹۷۴ھ لکھتے ہیں:

متعدد اسانید کے ساتھ درجہ حسن کو پہنچنے والی حدیث میں ہے کہ ھامہ بن ہیم بن لاقس بن ابلیس' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس وقت آپ کے پاس آپ کے اصحاب بھی تھے اور آپ اور وہ مکہ کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ کے اوپر بیٹھے ہوئے تھے۔ ھامہ نے بتایا وہ اس وقت لڑکا تھا جب قابیل نے ہابیل کو قتل کیا تھا اور وہ ان لوگوں میں سے تھا جو حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ ایمان لائے تھے اور جب حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کی ہلاکت کی دعا کی تھی تو اس نے حضرت نوح علیہ السلام پر عتاب کیا تھا اور ہابیل کے معاملہ میں وہ بھی شریک تھا۔ اس نے آپ سے پوچھا کیا اب اس کی توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ تو

آپ نے اس کو چند کام کرنے کا حکم دیا۔ ان کاموں میں سے یہ بھی تھا کہ وہ وضو کر کے مسجد میں دو رکعت نماز پڑھے۔ اس اسی وقت وہ کام کر لیے۔ آپ نے اس کو بتایا کہ آسمان سے اس کی توبہ نازل ہوگئی تو وہ ایک سال تک سجدہ میں پڑا رہا اور حضرت ھود علیہ السلام پر ایمان لایا اور حضرت نوح علیہ السلام کی طرح اس نے حضرت ھود پر بھی عتاب کیا تھا اور اس حضرت یعقوب علیہ السلام کی زیارت کی تھی۔ حضرت یونس کے نزدیک وہ امین تھا اور وہ لوگوں کو دوائیں دیتا تھا۔ اس حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کی تھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو تورات کی تعلیم دی تھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو یہ حکم دیا تھا کہ اگر اس کی حضرت عیسیٰ بن مریم سے ملاقات ہو تو وہ انہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سلام پہنچائے۔ اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سلام پہنچایا پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اگر تمہاری سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہو تو ان کو میرا اسلام پہنچانا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رونے لگے اور فرمایا جب تک دنیا قائم ہے' عیسیٰ پر سلام ہو اور ھامہ تم پر بھی سلام کیونکہ تم نے امانت پہنچا دی' پھر ھامہ نے سوال کیا کہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو تورات کی تعلیم دی تھی اسی طرح آپ اس کو قرآن کی تعلیم دیں تو آپ نے اس کو الواقعۃ' المرسلات' عمّ' الکوثر' قل ھو اللہ احد اور المعوذتین کی تعلیم دی اور فرمایا: اے ھامہ! تم اپنی حاجت پیش کرو اور ہماری زیارت کو ترک نہ کرنا۔

ابن مفلح حنبلی نے کہا ہے کہ جنات مکلف ہیں' ان میں جو کافر ہیں وہ دوزخ میں ہوں گے اور جو مومن ہیں' وہ جنت میں ہوں گے' اور علامہ السبکی نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے کہ جنات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل شریعت کے مکلف ہیں۔

شیخ ابن تیمیہ نے کہا ہے کہ وہ امر' نہی' حلال اور حرام میں ہماری طرح مکلف ہیں اور ان کے نکاح اور دوسرے معاملات میں بہت طویل کلام کیا ہے۔ قتادہ وغیرہ سے مروی ہے کہ ان میں قدریہ' مرجۂ' رافضہ اور شیعہ بھی ہیں۔

امام بزار نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے جو شخص رات کو نماز پڑھے' وہ بہ آواز بلند قرأت کرے کیونکہ فرشتے نماز پڑھتے ہیں اور اس کی قرأت کو سنتے ہیں اور اسی طرح جو مومنین جن ہوا میں ہوتے ہیں اور ان کے پڑوسی بھی ان کے ساتھ اپنے مسکن میں ہوتے ہیں' وہ اس کی نماز کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں اور اس کی قرأت کو سنتے ہیں اور اس کی قرأت کو سن کر فساق جن اور سرکش شیاطین اپنے گھروں سے بھاگ جاتے ہیں۔

اور دوسری احادیث اور آثار میں ہے کہ مومنین جن نماز پڑھتے ہیں' روزے رکھتے ہیں' حج کرتے ہیں' طواف کرتے ہیں' قرآن مجید پڑھتے ہیں اور انسانوں سے علوم اور معارف سیکھتے ہیں۔ اگرچہ انسانوں کو اس کا پتا نہیں چلتا۔ شیرازی نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے شیاطین کو سمندر میں مقید کر دیا تھا۔ ایک سو پینتیس (١٣٥) سال گزرنے کے بعد وہ نکل آئے اور اس کے بعد انسانوں کی صورتوں میں مساجد اور مجالس میں انسانوں کے ساتھ بیٹھنے لگے اور ان سے قرآن اور حدیث میں بحث کرنے لگے۔ (فتاویٰ حدیثیہ ص ٩٩-٩٨' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ١٤١٩ھ)

جنات کا آپس میں اور انسانوں کے ساتھ نکاح کا شرعی حکم

نیز علامہ ابن حجر مکی ہیتمی لکھتے ہیں:

جنات کے آپس میں نکاح کرنے پر ان آیتوں سے استدلال کیا جاتا ہے:

اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَ ذُرِّيَّتَهٗۤ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ. کیا تم مجھے چھوڑ کر ابلیس اور اس کی اولاد کو دوست بنا رہے ہو۔ (الکہف: ٥٠)

امام ابن ابی حاتم نے اس آیت کی تفسیر میں کہا جنات کی اس طرح اولاد ہوتی ہے جس طرح بنو آدم کی اولاد ہوتی ہے اور ان کی اولاد بہت زیادہ ہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۷ ص ۲۳۶۷ رقم الحدیث: ۱۲۸۵۱)

لَمۡ یَطۡمِثۡہُنَّ اِنۡسٌ قَبۡلَہُمۡ وَ لَا جَآنٌّ ۝ (الرحمٰن: ۵۶) اور اس سے پہلے ان (حوروں) کو کسی انسان نے چھوا ہے نہ کسی جن نے۔

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ جنات جماع کرتے ہیں اور عورت کا کنوارہ پن توڑ دیتے ہیں۔

اور امام بیہقی نے ثابت سے روایت کیا ہے کہ ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ ابلیس نے کہا اے میرے رب تو نے آدم کو پیدا کیا اور میرے اور اس کے درمیان عداوت رکھ دی تو مجھے تو اس کی اولاد پر مسلط کر دے۔ فرمایا ان کے سینے تیرے مسکن ہیں۔ کہا اے میرے رب اور زیادہ کر فرمایا آدم کا ایک بیٹا ہوگا تو تیرے دس بیٹے ہوں گے۔ کہا اے میرے رب اور زیادہ کر۔ فرمایا:

وَ اَجۡلِبۡ عَلَیۡہِمۡ بِخَیۡلِکَ وَ رَجِلِکَ وَ شَارِکۡہُمۡ فِی الۡاَمۡوَالِ وَ الۡاَوۡلَادِ. (بنی اسرائیل: ۶۴) اور ان پر اپنے سواروں اور پیادوں کے ساتھ چڑھائی کر اور ان کے مال اور اولاد میں شریک ہو جا۔

اور انسان اور جنات کا بھی ایک دوسرے سے نکاح ہوتا ہے اور بعض علماء نے اس کو محال قرار دیا ہے۔

اور بعض احناف اور حنابلہ نے یہ کہا ہے کہ جن کے وطی کرنے سے غسل واجب نہیں ہوتا اور صحیح یہ ہے کہ حشفہ غائب ہو جانے سے غسل واجب ہو جاتا ہے اور جنات اور انسانوں کے درمیان نکاح کے شرعی جواز میں اختلاف ہے۔ امام مالک نے اس کو کراہت کے ساتھ جائز قرار دیا ہے ورنہ جو عورتیں زنا سے حاملہ ہوتی ہیں' ان کو بہانا مل جائے گا وہ کہیں گی کہ ان کو جن سے حمل ہو گیا ہے۔ اسی طرح حکم بن عیینہ' قتادہ' حسن' عقبۃ الاصم اور حجاج بن ارطاۃ نے بھی اس نکاح کو مکروہ قرار دیا ہے۔

امام ابن جریر نے امام احمد اور اسحاق سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات کے ساتھ نکاح سے منع فرمایا ہے۔ اسی وجہ سے امام اسحاق نے اس کو مکروہ کہا ہے اور فقہاء احناف کے فتاویٰ سراجیہ میں مذکور ہے کہ انسان اور جن کے درمیان نکاح جائز نہیں ہے کیونکہ ان کی جنس مختلف ہے' اور ہمارے ائمہ شافعیہ نے اسی پر فتویٰ دیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر اپنا یہ احسان قرار دیا ہے کہ اس نے ہمارے لیے ہمارے نفسوں میں سے ہماری بیویاں پیدا کیں۔

وَ اللّٰہُ جَعَلَ لَکُمۡ مِّنۡ اَنۡفُسِکُمۡ اَزۡوَاجًا (النحل: ۷۲) اور اللہ نے تمہارے لیے تم میں سے ہی تمہاری بیویاں پیدا کیں۔

یعنی تمہاری جنس اور تمہاری نوع سے تمہاری بیویاں پیدا کی ہیں تو اگر جنات سے نکاح جائز ہوتا تو انسانوں سے بیویاں پیدا کرنے کا احسان نہ رہتا۔ (خلاصہ یہ ہے کہ صرف امام مالک نے انسان اور جنات کے درمیان نکاح کو کراہت کے ساتھ جائز کہا ہے' باقی ائمہ نے اس کو ناجائز کہا ہے)

بہر حال حق اور صحیح یہ ہے کہ جن مکلف ہیں اور فرشتے تو ابتداء ہی سے مکلف ہیں۔

(الفتاویٰ الحدیثیہ ص ۹۸-۹۶ ملخصاً' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ایوب کو یاد کیجئے جب انہوں نے اپنے رب کو پکارا کہ بے شک مجھے (سخت) تکلیف پہنچی ہے اور تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے ○ سو ہم نے ان کی دعا قبول کی پس ان کو جو تکلیف تھی اس کو ہم نے دور کر دیا اور ہم نے ان کو اپنی رحمت سے (پہلے سے) دُگنے اہل و عیال عطا فرمائے اور (یہ) عبادت کرنے والوں کے لیے نصیحت ہے ○ (الانبیاء: ۸۴-۸۳)

حضرت ایوب علیہ السلام کا نام و نسب اور ان کی بعثت کی ترتیب

انبیاء علیہم السلام کے قصص میں سے یہ چھٹا قصہ ہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام کے قصہ میں جو دلائل ہیں اور نصیحت آموز باتیں ہیں، وہ کسی اور قصہ میں نہیں ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنا عظیم فضل کرنے کے باوجود ان کو بیماری میں مبتلا کیا اور ان پر بہت سخت بیماری نازل کی۔ انہوں نے اس بیماری پر صبر کیا اور کوئی حرف شکایت زبان پر نہیں لائے اور اس میں انسانوں کے لیے یہ نصیحت ہے کہ غم ہو یا خوشی وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرے، مصائب پر صبر کرے اور نعمتوں پر شکر کرے۔

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

امام ابن اسحاق نے حضرت ایوب علیہ السلام کا نسب اس طرح بیان کیا ہے:

ایوب بن موص بن زراح بن العیص بن اسحاق بن ابراہیم الخلیل النبی۔ حضرت ایوب علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذریت میں سے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

مِنۡ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيۡمٰنَ وَاَيُّوۡبَ وَيُوۡسُفَ وَمُوۡسٰى وَهٰرُوۡنَ۔ (الانعام: ۸۴)

داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف اور موسیٰ اور ہارون سب ابراہیم کی اولاد میں سے ہیں۔

قرآن مجید میں حضرت ایوب علیہ السلام کا ذکر ان آیتوں میں ہے: (الانبیاء: ۸۴-۸۳، ص ۴۴-۴۱)

حافظ ابن عساکر نے بیان کیا کہ سب سے پہلے جو نبی مبعوث ہوئے وہ حضرت ادریس علیہ السلام ہیں، پھر حضرت نوح علیہ السلام پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام پھر حضرت اسماعیل علیہ السلام پھر حضرت اسحاق علیہ السلام پھر حضرت یعقوب علیہ السلام پھر حضرت یوسف علیہ السلام پھر حضرت لوط علیہ السلام پھر حضرت ھود علیہ السلام پھر حضرت صالح علیہ السلام پھر حضرت شعیب علیہ السلام پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور پھر حضرت ہارون علیہ السلام پھر حضرت الیاس علیہ السلام پھر حضرت الیسع علیہ السلام پھر حضرت عرفی بن سویلخ بن افرائیم بن یوسف بن یعقوب علیہ السلام پھر حضرت یونس بن متی علیہ السلام پھر حضرت ایوب بن زراح علیہ السلام۔ حافظ ابن عساکر کی اس ترتیب میں یہ اعتراض ہے کیونکہ حضرت ھود علیہ السلام اور حضرت صالح علیہ السلام کے متعلق مشہور یہ ہے کہ وہ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے ہیں۔

حضرت ایوب علیہ السلام کو آزمائش میں مبتلا کیا جانا

علماء التفسیر اور علماء التاریخ نے یہ بیان کیا ہے کہ حضرت ایوب بہت مالدار شخص تھے، ان کے پاس ہر قسم کا مال تھا، مویشی اور غلام تھے اور زرخیز اور غلہ سے لہلہاتے ہوئے کھیت اور باغات تھے اور حضرت ایوب علیہ السلام کی اولاد بھی بہت تھی پھر ان کے پاس سے یہ تمام نعمتیں جاتی رہیں اور ان کے دل اور زبان کے سوا ان کے جسم کا کوئی عضو سلامت نہ رہا جن سے وہ اللہ عزوجل کا ذکر کرتے رہتے تھے اور وہ ان تمام مصائب میں صابر تھے اور ثواب کی نیت سے صبح اور شام اور دن اور رات اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہتے تھے۔ ان کے مرض نے بہت طول کھینچا حتیٰ کہ ان کے دوست اور احباب ان سے اُکتا گئے، ان کو اس شہر سے نکال دیا گیا اور کچرے اور کوڑے کی جگہ ڈال دیا گیا، ان کی بیوی کے سوا ان کی دیکھ بھال کرنے والا اور کوئی نہ تھا، ان کی

بیوی لوگوں کے گھروں میں کام کرتی اور اس سے جو اُجرت ملتی اس سے اپنی اور حضرت ایوب کی ضروریات کو پورا کرتی۔
وہب بن منبہ اور دیگر علماء بنی اسرائیل نے حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری اور ان کے مال اور اولاد کی ہلاکت کے متعلق بہت طویل قصہ بیان کیا ہے۔ مجاہد نے بیان کیا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام وہ پہلے شخص ہیں جن کو چیچک ہوئی تھی' ان کی بیماری کی مدت میں کئی اقوال ہیں' وہب بن منبہ نے کہا وہ مکمل تین سال تک بیماری میں مبتلا رہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا وہ سات سال اور کچھ ماہ بیماری میں مبتلا رہے' ان کو بنی اسرائیل کے گھورے (کچرا ڈالنے کی جگہ) پر ڈال دیا گیا تھا اور ان کے جسم میں کیڑے پڑ گئے تھے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے بیماری کو دُور کر دیا اور ان کو صحت اور عافیت عطا فرمائی۔ حمید نے کہا وہ اٹھارہ سال بیماری میں مبتلا رہے ان کے سارے جسم سے گوشت گل کر گر گیا تھا اور جسم پر صرف ہڈیاں اور گوشت باقی رہ گیا تھا۔ ایک دن ان کی بیوی نے کہا اے ایوب! آپ کی بیماری بہت طول پکڑ گئی ہے' آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ آپ کو صحت اور عافیت عطا فرمائے۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے فرمایا: میں ستر سال صحت اور عافیت کے ساتھ رہا ہوں' حق تو یہ ہے کہ میں اب ستر سال صبر کروں۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۳۰۹-۳۰۸' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۸ھ)

حضرت ایوب علیہ السلام کے جسم میں کیڑے پڑنے کی تحقیق

حافظ ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ نے حضرت ایوب کی بیماری کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے:
زبان اور دل کے علاوہ حضرت ایوب کے تمام جسم میں کیڑے پڑ گئے تھے۔ ان کا دل اللہ کی مدد سے غنی تھا اور زبان پر اللہ تعالیٰ کا ذکر جاری رہتا تھا۔ کیڑوں نے ان کے تمام جسم کو کھا لیا تھا حتیٰ کہ ان کی صرف پسلیاں اور رگیں باقی رہ گئی تھیں پھر کیڑوں کے کھانے کے لیے بھی کچھ باقی نہ رہا پھر کیڑے ایک دوسرے کو کھانے لگے دو کیڑے باقی رہ گئے تھے' انہوں نے بھوک کی شدت سے ایک دوسرے پر حملہ کیا اور ایک کیڑا دوسرے کو کھا گیا پھر ایک کیڑا ان کے دل کی طرف بڑھا تا کہ اس میں سوراخ کرے تب حضرت ایوب علیہ السلام نے یہ دعا کی بے شک مجھے (سخت) تکلیف پہنچی ہے اور تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۵ ص ۱۰۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۰۴ھ)
حضرت ایوب علیہ السلام کے جسم میں کیڑے پڑنے کا واقعہ حافظ ابن عساکر اور حافظ ابن کثیر دونوں نے بنی اسرائیل کے علماء سے نقل کیا ہے اور ان کی اتباع میں مفسرین نے بھی ذکر کیا ہے لیکن ہمارے نزدیک یہ واقعہ صحیح نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو ایسے حال میں مبتلا نہیں کرتا جس سے لوگوں کو نفرت ہو اور وہ ان سے گھن کھائیں۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے متعلق فرمایا:

اِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ یہ سب ہمارے پسندیدہ اور نیک لوگ ہیں۔
(ص: ۴۷)

حضرت ایوب علیہ السلام پر کوئی سخت بیماری مسلط کی گئی تھی لیکن وہ بیماری ایسی نہیں تھی جس سے لوگ گھن کھائیں۔ حدیث صحیح مرفوع میں بھی اس قسم کی کسی چیز کا ذکر نہیں ہے' صرف ان کی اولاد اور ان کے مال مویشی کے مرجانے اور ان کے بیمار ہونے پر صبر کا ذکر ہے۔ علماء اور واعظین کو چاہیے کہ وہ حضرت ایوب علیہ السلام کی طرف ایسے احوال منسوب نہ کریں جن سے لوگوں کو گھن آئے۔ اب ہم اس سلسلہ میں حدیث صحیح مرفوع کا ذکر کر رہے ہیں۔
حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک حضرت ایوب علیہ السلام اپنی بیماری میں اٹھارہ سال مبتلا رہے' ان کے بھائیوں میں سے دو شخصوں کے سوا سب لوگوں نے ان کو چھوڑ دیا خواہ وہ

رشتہ دار ہوں یا اور لوگ ہوں۔ وہ دونوں روز صبح و شام ان کے پاس آتے تھے۔ ایک دن ایک نے دوسرے سے کہا کیا تم کو معلوم ہے کہ ایوب نے کوئی ایسا بہت بڑا گناہ کیا ہے جو دنیا میں کسی نے نہیں کیا۔ دوسرے نے کہا کیونکہ اٹھارہ سال سے اللہ تعالیٰ نے اس پر رحم نہیں فرمایا حتیٰ کہ اس سے اس کی بیماری کو دُور فرما دیتا۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے کہا میں اس کے سوا اور کچھ نہیں جانتا کہ میں دو آدمیوں کے پاس گزرا جو آپس میں جھگڑ رہے تھے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہے تھے' میں اپنے گھر گیا تاکہ ان کی طرف سے کفارہ ادا کروں کیونکہ مجھے یہ ناپسند تھا کہ حق بات کے سوا اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے۔ حضرت ایوب علیہ السلام اپنی ضروریات کے لیے جاتے تھے اور جب ان کی حاجت پوری ہو جاتی تو ان کی بیوی ان کا ہاتھ پکڑ کر لے آتی۔ ایک دن ان کو واپس آنے میں کافی دیر ہو گئی اللہ تعالیٰ نے ان پر یہ وحی کی:

اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ ○ (ص: ٤٢)

(زمین پر) اپنی ایڑی ماریے یہ نہانے کا ٹھنڈا اور پینے کا پانی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی ساری بیماری کو اس پانی میں نہانے سے دُور کر دیا (اور پانی پینے سے ان میں طاقت آ گئی) اور وہ پہلے سے بہت صحت مند اور حسین ہو گئے۔ ان کی بیوی ان کو ڈھونڈتی ہوئی آئی اور پوچھا اے شخص! اللہ تمہیں برکت دے' کیا تم نے اللہ کے نبی کو دیکھا ہے جو بیمار تھے' اللہ کی قسم! میں نے تم سے زیادہ ان کے مشابہ اور تندرست شخص کوئی نہیں دیکھا۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے فرمایا میں ہی تو وہ شخص ہوں۔ حضرت ایوب علیہ السلام کے دو کھلیان تھے' ایک گندم کا کھلیان تھا اور ایک جو کا کھلیان تھا۔ اللہ تعالیٰ نے دو بادل بھیجے' ایک گندم کے کھلیان پر برسا اور اس کو سونے سے اس قدر بھر دیا کہ سونا کھلیان سے باہر گرنے لگا اور دوسرا بادل جو کے کھلیان پر برسا اور اس کو چاندی سے بھر دیا حتیٰ کہ چاندی باہر گرنے لگی۔

(صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ٢٨٩٨' مسند البزار رقم الحدیث: ٢٣٥٧' حلیۃ الاولیاء ج ٣ ص ٣٧٥۔ ٣٧٤' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ٣٦١٧' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ٤٠' المستدرک ج ٢ ص ٥٨٢' ٥٨١' حاکم نے کہا یہ حدیث صحیح ہے اور ذہبی نے اس کی موافقت کی۔ حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کو امام ابویعلیٰ اور امام بزار نے روایت کیا ہے اور امام بزار کی سند صحیح ہے' مجمع الزوائد ج ٨ ص ٢٠٨)

حضرت ایوب کے نقصانات کی تلافی کرنا

قرآن مجید میں ہے:

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرٰى لِاُولِى الْاَلْبَابِ ○ (ص: ٤٣)

اور ہم نے اسے اس کا پورا کنبہ عطا فرمایا بلکہ اپنی رحمت سے اتنا ہی اور بھی اس کے ساتھ اور یہ عقل والوں کے لئے نصیحت ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ پہلا کنبہ جو بہ طور آزمائش ہلاک کر دیا گیا تھا' اسے زندہ کر دیا گیا اور اس کی مثل اور مزید کنبہ عطا کر دیا گیا اور اللہ نے پہلے سے زیادہ مال اور اولاد سے انہیں نواز دیا جو پہلے سے دُگنا تھا۔

حضرت ایوب علیہ السلام کی زوجہ کے لیے قسم پوری کرنے میں تخفیف اور رعایت

حافظ ابن عساکر لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ابلیس نے راستہ میں ایک تابوت بچھایا اور اس پر بیٹھ کر بیماروں کا علاج کرنے لگا۔ حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی وہاں سے گزری تو اس نے پوچھا کیا تم بیماری میں مبتلا اس شخص کا بھی علاج کر دو گے؟ اس نے کہا ہاں' اس شرط کے ساتھ کہ جب میں اس کو شفا دے دوں تو تم یہ کہنا کہ تم نے شفا دی ہے' اس کے سوا میں

تم سے کوئی اور اُجر نہیں طلب کرتا۔ حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی نے حضرت ایوب علیہ السلام سے اس کا ذکر کیا انہوں نے فرمایا تم پر افسوس ہے یہ تو شیطان تھا اور اللہ کے لیے مجھ پر یہ نذر ہے کہ اگر اللہ نے مجھے صحت دے دی تو میں تمہیں سو کوڑے ماروں گا اور جب وہ تندرست ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ ؕ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ○ اور اپنے ہاتھ سے (سو) تنکوں کا ایک مٹھا (جھاڑو) پکڑ لیں اور اس سے ماریں اور اپنی قسم نہ توڑیں' بے شک ہم نے ان کو صابر پایا' وہ کیا ہی خوب بندے تھے بہت زیادہ رجوع کرنے والے۔ (ص: ۴۴)

سو حضرت ایوب نے اپنی بیوی پر جھاڑو مار کر اپنی قسم پوری کر لی۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۵ ص ۱۰۸' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۰۴ھ)

اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ یہ رعایت صرف ایوب علیہ السلام کے ساتھ خاص تھی یا کوئی دوسرا شخص بھی سو کوڑوں کی جگہ سو تنکوں کی جھاڑو مار کر قسم توڑنے سے بچ سکتا ہے۔ حدیث میں ہے:

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے گھروں میں ایک شخص رہتا تھا' جس کی خلقت ناقص تھی۔ وہ اپنے گھر کی ایک باندی (نوکرانی) سے زنا کرتا تھا۔ یہ قصہ حضرت سعد بن عبادہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا۔ آپ نے فرمایا: اس کو سو کوڑے مارو۔ مسلمانوں نے کہا یا رسول اللہ! یہ تو اس کے مقابلہ میں بہت کمزور ہے اگر ہم نے اس کو سو کوڑے مارے تو یہ مر جائے گا۔ آپ نے فرمایا پھر اس کے لیے سو تنکوں کی ایک جھاڑو لو اور وہ جھاڑو اس کو ایک مرتبہ مار دو۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۵۷۴' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۵۵۲۱' مسند احمد ج ۵ ص ۲۲۲' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۲۲۸۱' عالم الکتب بیروت' المسند الجامع رقم الحدیث: ۴۸۴۴' علامہ بوصیری نے کہا اس کی سند ضعیف ہے)

قرآن اور حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کمزور اور بیمار شخص پر قسم پوری کرنے کے لیے یا حد جاری کرنے کے لیے سو کوڑے مارنے کے بجائے سو تنکوں کی جھاڑو ماری جا سکتی ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی کا نام رحمت بنت منشا بن یوسف بن یعقوب بن اسحاق تھا۔

(مختصر تاریخ دمشق ج ۵ ص ۱۰۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو تندرست کرنے کے بعد ان کا حسن و شباب بھی لوٹا دیا تھا اور ان کے ہاں اس کے بعد چھبیس بیٹے پیدا ہوئے۔ حضرت ایوب علیہ السلام اس کے بعد ستر سال تک مزید زندہ رہے۔ تاہم اس کے خلاف مؤرخین کا یہ قول ہے کہ جب ان کی وفات ہوئی تو ان کی عمر ۹۳ سال تھی۔

(البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۳۱۲-۳۱۱ ملخصاً' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۸ھ)

اس میں بھی مختلف روایات ہیں کہ حضرت ایوب علیہ السلام کو اس بھاری ابتلاء میں مبتلا کرنے کی کیا وجہ تھی۔ بہر حال صحیح بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک اور مقبول بندوں کو مصائب میں مبتلا کرتا ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں میں سب سے زیادہ مصائب میں انبیاء علیہم السلام مبتلا ہوتے ہیں پھر صالحین' پھر جو ان کے قریب ہو اور جو ان کے قریب ہو۔ انسان اپنی دین داری کے اعتبار سے مصائب میں مبتلا ہوتا ہے اگر وہ اپنے دین میں سخت ہو تو اس پر مصائب بھی سخت آتے ہیں۔ الحدیث

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۹۸' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۳۳' مسند احمد ج ۱ ص ۱۷۲' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۷۸۶' سنن ابن ماجہ رقم

الحدیث: ۴۰۲۳ مسند البزار رقم الحدیث: ۱۱۵۰ مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۸۳۰)

حضرت ایوب علیہ السلام کی دعا کے لطیف نکات

حضرت ایوب علیہ السلام نے دعا میں یہ نہیں فرمایا میری بیماری کو زائل فرما اور مجھ پر رحم فرما بلکہ رحمت کی ضرورت اور اس کا سبب بیان کیا اور کہا: اے رب! مجھے سخت تکلیف پہنچی ہے' اور اپنے مطلوب کو کنایتاً بیان فرمایا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت ایوب علیہ السلام نے بہرحال اللہ تعالیٰ سے شکوئی کیا اور یہ صبر کے منافی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے شکوئی کرنا صبر کے منافی نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے نازل کیے ہوئے مصائب کی لوگوں سے شکایت کرنا صبر کے خلاف ہے۔ مثلاً لوگوں سے کہا جائے کہ دیکھو اللہ نے مجھ پر کتنی مصیبتیں نازل کی ہیں اور مجھے کیسی سخت بیماریوں میں مبتلا کیا ہے اور اس پر بے چینی اور بے قراری اور آہ و فغاں کا اظہار کرے۔ اللہ تعالیٰ سے اپنے دل کا حال کہنا اور اپنے مصائب کا ذکر کرنا اور اسی سے شکایت اور فریاد کرنا صبر کے خلاف نہیں ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا تھا:

اِنَّمَآ اَشۡكُوۡا بَثِّیۡ وَحُزۡنِیۡۤ اِلَی اللّٰهِ — میں اپنی پریشانی اور غم کی شکایت صرف اللہ سے کرتا ہوں۔

(یوسف: ۸۶)

حضرت ایوب علیہ السلام نے کہا تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ رحم فرمانے پر حسب ذیل دلائل ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ارحم الراحمین ہونے کی وجوہ

(۱) ہر وہ شخص جو دوسرے پر رحم کرتا ہے' وہ دنیا میں اپنی تعریف و تحسین کرانے کے لیے کسی پر رحم کرتا ہے یا آخرت میں اس کا اجر طلب کرنے کے لیے رحم کرتا ہے یا کسی مصیبت زدہ شخص کو دیکھ کر اس کے دل میں جو رقت ہوتی ہے' اس رقت کو زائل کرنے کے لیے رحم کرتا ہے' یا اس غرض سے رحم کرتا ہے کہ آج میں اس پر رحم کر رہا ہوں ہوسکتا ہے کہ کل مجھ پر رحم کی ضرورت ہو تو کوئی مجھ پر رحم کردے' یا ماضی میں اس شخص نے اس کے ساتھ کوئی نیکی کی تھی تو اس کا احسان اُتارنے کے لیے وہ اس پر رحم کرتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ رحم کرنے والا کسی نہ کسی غرض اور کسی نہ کسی فائدہ کے حصول کے لیے کسی پر رحم کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بغیر کسی غرض کے رحم فرماتا ہے' اس کا مطلوب نہ کسی ضرر سے بچنا ہوتا ہے نہ کسی فائدہ کا حصول ہوتا ہے۔

(۲) جو شخص کسی پر رحم کرتا ہے' اس کا یہ رحم اللہ کی مدد کے بغیر متحقق نہیں ہوتا۔ مثلاً کوئی شخص کسی دوسرے کو کھانا' کپڑا یا دوائیں دیتا ہے تو یہ کھانا' کپڑے اور دوائیں تو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں' وہ ان چیزوں کو پیدا نہ کرتا تو وہ کیسے رحم کرتا اور پیدا کرنے کے علاوہ یہ چیزیں اگر رحم کرنے والے کی ملکیت میں نہ ہوتیں تو وہ کیسے رحم کرتا اگر اس کی ملکیت اور قدرت میں یہ چیزیں ہوتیں لیکن جس پر رحم کرنا ہے' اس میں ان سے فائدہ حاصل کرنے کی صلاحیت نہ ہوتی تو وہ کیسے رحم کرتا۔ مثلاً وہ کسی پیاسے کو پانی پلانا چاہتا مگر پیاسے شخص کا اوپر کا جبڑا نچلے جبڑے پر بیٹھ گیا' اس کا منہ بند ہو گیا اور وہ پانی پی نہیں سکتا تو وہ اس پر کیسے رحم کرے گا' پیاسے کو پانی پلانے کے لیے بھی پانی اللہ نے پیدا کیا پھر رحم کرنے والے کو پانی پلانے پر قدرت بھی اللہ نے دی' پانی پینے والے میں پانی پینے کی صلاحیت بھی اللہ نے رکھی تو پھر بندوں کا کیا رحم ہے' بندوں کے رحم کی اللہ تعالیٰ کے رحم کے مقابلہ میں وہ نسبت ہے جو معمولی قطرہ کو سمندر سے ہوتی ہے بلکہ وہ بھی نہیں ہے۔

(۳) بندہ کسی پر اس وقت رحم کرتا ہے جب اس کے دل میں رحم کرنے کا محرک' باعث اور داعی پیدا ہوتا ہے اور یہ محرک اور داعی

بھی اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے تو پھر بندہ نے کیا رحم کیا؟ سب کچھ تو اللہ نے کیا ہے' اس لیے حضرت ایوب علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے کہا تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔

کیا دنیا میں مصائب کا آنا اللہ تعالیٰ کے ارحم الراحمین ہونے کے منافی ہے؟

ایک اعتراض یہ ہے کہ یہ دنیا آفتوں' مصیبتوں' بیماریوں اور دردوں سے بھری ہوئی ہے۔ علاوہ ازیں لوگ ایک دوسرے پر ظلم کرتے ہیں' ڈاکے ڈالتے ہیں' بھتے لیتے ہیں اور قتل کر دیتے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ ارحم الراحمین کیسے ہوا جب کہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر تھا کہ وہ لوگوں کو ان آلام اور مصائب سے محفوظ کر دیتا۔ امام فخر الدین رازی نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ضار (ضرر پہنچانے والا) بھی ہے اور نافع بھی ہے اور اس کا ضار ہونا' نافع ہونے کے منافی نہیں ہے' اور اس کا ضرر پہنچانا اپنی ذات سے کسی مشقت کو دور کرنے کے لیے نہیں ہے اور اس کا نفع پہنچانا کسی منفعت کو حاصل کرنے کے لیے نہیں ہے بلکہ وہ مالک ہے جو چاہے کرے' وہ کسی فعل پر جواب دہ نہیں ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۱۷۶' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام رازی کا جواب بھی درست ہے لیکن میرے نزدیک بات یہ ہے کہ اگر کسی شخص پر کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے تو وہ بھی اس کے لیے رحمت ہے اور اللہ تعالیٰ دنیا میں اس پر بیماریاں اور مصائب نازل کر کے اس کو آخرت کے عذاب سے بالکل بچا لیتا ہے یا اس کے عذاب میں تخفیف کر دیتا ہے۔ یہ تو مسلمانوں کے حق میں ہے اور رہے کفار تو ان پر اللہ تعالیٰ کی یہی رحمت کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا میں سامانِ زیست مہیا کیا ہوا ہے' خواہ وہ کسی حال میں ہوں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان کو کانٹا چبھے یا اس سے زیادہ کوئی تکلیف ہو' اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کا ایک درجہ بلند کر دیتا ہے اور اس کی وجہ سے اس کا ایک گناہ مٹا دیتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۴۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۷۲' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۹۶۵' مسند احمد ج ۶ ص ۴۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان کو جب بھی تھکاوٹ' بیماری' پریشانی اور غم ہوتا ہے اور جب بھی کوئی رنج اور فکر ہوتا ہے حتیٰ کہ اس کو کانٹا بھی چبھے تو اس کو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۴۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۷۳' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۹۶۶' مسند احمد ج ۳ ص ۴' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۱۲۵۶)

نیز فرمایا: اور یہ عبادت کرنے والوں کے لیے نصیحت ہے' یعنی حضرت ایوب علیہ السلام کے قصہ میں مسلمانوں کو مصائب میں صبر پر برانگیختہ کیا ہے تاکہ وہ تقدیر پر صابر و شاکر رہیں اور انہیں صبر کرنے پر حوصلہ ملے' اور عبادت کرنے والوں کی تخصیص اس لیے ہے کہ قرآن مجید کی ہدایت سے مسلمان اور عبادت گزار ہی نفع حاصل کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اسماعیل اور ادریس اور ذوالکفل کو یاد کیجئے یہ سب صبر کرنے والے تھے ○ ہم نے ان (سب) کو اپنی رحمت میں داخل کر دیا' بے شک یہ سب نیکوکار تھے ○ (الانبیاء: ۸۶-۸۵)

حضرت اسماعیل اور حضرت ادریس علیہما السلام کا تذکرہ

یہ انبیاء علیہم السلام کا ساتواں قصہ ہے۔

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کے صبر کا ذکر فرمایا تھا اور ان آیتوں میں حضرت اسماعیل' حضرت ادریس اور حضرت ذوالکفل علیہم السلام کا ذکر فرمایا ہے کیونکہ یہ حضرات بھی سختیوں' مصائب اور عبادت کی مشکلات پر صبر کرنے والے تھے۔ رہے حضرت اسماعیل علیہ السلام تو انہوں نے اپنے والد کے حکم پر ذبح کیے جانے کو صبر کے ساتھ تسلیم کر لیا' اور ان کے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کو غیر آباد بیابان میں چھوڑ کر چلے گئے تھے اس پر انہوں نے صبر کیا' جہاں پر نہ ایسے

مویشی تھے جن کا دودھ دوہا جا سکے اور نہ کھیت اور باغات تھے جن سے زمین کی پیداوار حاصل ہو سکے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام صبر وسکون کے ساتھ اس جگہ رہتے رہے اور صبر کے ساتھ ہی اپنے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ مل کر بیت اللہ کی تعمیر کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس صبر کا یہ پھل عطا فرمایا کہ قائد المرسلین اور خاتم النبیین حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی صلب سے پیدا فرمایا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی مکمل سوانح ہم ابراہیم: ۳۹ میں بیان کر چکے ہیں۔

حضرت ادریس علیہ السلام کی مفصل سوانح ہم مریم: ۵۶ میں ذکر کر چکے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضرت ادریس علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تاکہ وہ ان کو توحید کا پیغام سنائیں' ان کی قوم نے اس پیغام کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک کر دیا اور حضرت ادریس علیہ السلام کو چوتھے آسمان پر اٹھا لیا۔

حضرت ذوالکفل کو نبی بنانے کا واقعہ

اللہ تعالیٰ نے الانبیاء: ۸۵ میں حضرت ذوالکفل کا حضرت اسماعیل اور حضرت ادریس کے ساتھ ذکر کیا ہے اور ص: ۴۸ میں حضرت اسماعیل اور الیسع علیہما السلام کے ساتھ ان کا ذکر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح تعریف اور تحسین کے ساتھ ان کا ذکر کیا ہے اور ان کا ذکر انبیاء علیہم السلام کے ذکر کے ساتھ ملا کر رکھا ہے' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نبی تھے اور یہی قول مشہور ہے اور بعض نے یہ کہا ہے وہ نبی نہ تھے لیکن نیک اور عادل حکمران تھے۔ امام ابن جریر نے اس مسئلہ میں توقف کیا ہے۔

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت الیسع علیہ السلام بوڑھے ہو گئے تو انہوں نے کہا کاش میں کسی شخص کو اپنی زندگی میں خلیفہ مقرر کر دوں اور دیکھوں کہ وہ کس طرح عمل کرتا ہے پھر انہوں نے لوگوں کو جمع کر کے کہا جو شخص میری تین شرطیں پوری کرے گا' میں اس کو خلیفہ بنا دوں گا۔ فرمایا وہ دن کو روزہ رکھے' رات کو نماز میں قیام کرے اور کسی پر غصہ نہ کرے۔ ایک شخص کھڑا ہو گیا جس کو لوگ غیر اہم سمجھتے تھے' اس نے کہا میں ایسا کروں گا۔ حضرت الیسع علیہ السلام نے اس دن اس کو لوٹا دیا۔ دوسرے دن پھر اسی طرح فرمایا' لوگ خاموش رہے اور وہ شخص پھر کھڑا ہو گیا۔ اس نے کہا میں اس طرح کروں گا تو حضرت الیسع علیہ السلام نے اس کو خلیفہ بنا دیا۔ پھر شیطان ان کو لغزش دینے کے لیے پہنچا اور وہ ان کے پاس اس وقت گیا جب وہ قیلولہ (دوپہر کے وقت آرام کرنے) کے لیے لیٹ گئے تھے' وہ رات کو بالکل نہیں سوتے تھے اور دن کو اسی وقت سوتے تھے۔ اس نے دروازہ کھٹکھٹایا' انہوں نے پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا۔ میں بوڑھا مظلوم شخص ہوں۔ انہوں نے دروازہ کھولا تو اس نے کہا میرا کچھ لوگوں سے جھگڑا ہے۔ انہوں نے مجھ پر ظلم کیا اور اب تک مارتے پیٹتے رہے حتیٰ کہ صبح ہو گئی اور دوپہر آ گئی۔ انہوں نے کہا تم شام کو میرے پاس آنا میں تمہارا حق ان سے لے کر دوں گا۔ حضرت الیسع مجلس میں گئے اور وہ دیکھنے لگے کہ وہ بوڑھا شخص نظر آ رہا ہے یا نہیں' انہوں نے اس بوڑھے شخص کو نہیں دیکھا۔ دوسرے روز وہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کر رہے تھے' وہ اس بوڑھے کا انتظار کرتے رہے' وہ نہیں آیا پھر وہ دوپہر کو اپنے گھر گئے اور سونے کے لیے بستر پر لیٹ گئے تو اس نے دروازہ کھٹکھٹایا' پوچھا کون ہے؟ اس نے کہا ایک بوڑھا مظلوم آدمی ہے۔ انہوں نے کہا کیا میں نے تم سے یہ نہیں کہا تھا کہ جب میں فیصلہ کے لیے بیٹھوں تم اس وقت میرے پاس آنا؟ اس نے کہا وہ بہت خبیث لوگ ہیں' جب انہوں نے دیکھا کہ آپ بیٹھے ہوئے ہیں تو انہوں نے کہا ہم تمہیں تمہارا حق ادا کر دیتے ہیں اور جب آپ اُٹھ کر چلے گئے تو پھر انہوں نے مجھے حق دینے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے کہا اب تم جاؤ' جب میں فیصلہ کے لیے جاؤں تو تم میرے پاس آ جانا۔ ان کا قیلولہ (دوپہر کا سونا) اس دن بھی رہ گیا۔ دوسرے دن وہ پھر اس کا انتظار کرتے رہے' وہ نہیں آیا۔ ان کو اونگھ بہت ستا رہی تھی' انہوں نے اپنے گھر والوں سے کہا تم اس دروازہ کے قریب کسی کو مت آنے دینا حتیٰ کہ میں سو جاؤں کیونکہ مجھے بہت سخت نیند آ رہی ہے' وہ اسی وقت آ گیا

گھر والوں نے کہا پیچھے جاؤ' پیچھے جاؤ۔ اس نے کہا میں ان کے پاس کل آیا تھا اور میں نے ان سے اپنے معاملہ کا ذکر کیا تھا۔ گھر والوں نے کہا۔ نہیں' خدا کی قسم! انہوں نے ہمیں منع کیا ہے کہ کسی کو میرے قریب نہ آنے دینا کیونکہ میں کئی دن سے سو نہیں سکا۔ جب وہ تھک گیا تو اسے گھر میں ایک روشن دان نظر آیا' وہ اس میں سے گھر میں داخل ہو گیا اور کمرے کا دروازہ کھٹکھٹانے لگا۔ وہ بیدار ہو گئے اور کہا اے فلاں شخص! میں نے تم کو حکم نہیں دیا تھا' میں دیکھتا ہوں کہ تم آئے کہاں سے ہو۔ انہوں نے دیکھا گھر کا دروازہ اسی طرح بند تھا جس طرح انہوں نے بند کیا تھا اور وہ شخص ان کے ساتھ تھا پھر وہ اس کو پہچان گئے کہ یہ شیطان ہے۔ انہوں نے پوچھا کیا وہ اللہ کا دشمن ہے؟ اس نے کہا ہاں! تم نے مجھے ہر داؤ میں ناکام کر دیا۔ میں نے جو کچھ کیا' وہ تم کو غضب میں لانے کے لیے کیا تھا' تب اللہ تعالیٰ نے ان کا نام کفل (ضامن) رکھا کیونکہ انہوں نے جس چیز کا ذمہ لیا تھا' اس کو پورا کر دیا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۳۷۰۲' تفسیر کبیر ج ۸ ص ۱۷۷' البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۳۱۳)

حضرت ذوالکفل کی نبوت میں علماء کا اختلاف

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور مجاہد نے یہ کہا کہ حضرت ذوالکفل نبی نہیں تھے اور جمہور کا قول یہ ہے کہ وہ نبی تھے اور یہ قول حسب ذیل وجوہ سے راجح ہے:

(۱) ذوالکفل آپ کا نام ہے یا لقب' ظاہر ہے یہ آپ کا نام ہے اور آپ کا یہ نام اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے اور کفل کا معنی ہے حصہ یعنی آپ کے اعمال کے ثواب کا حصہ دوسروں سے دگنا تھا۔ آپ کے زمانہ میں اور انبیاء علیہم السلام بھی تھے اور غیر نبی کے ثواب کا حصہ نبی سے زیادہ نہیں ہو سکتا' اس لیے لازماً ماننا پڑے گا کہ آپ نبی تھے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے آپ کا ذکر حضرت اسماعیل اور حضرت ادریس علیہما السلام کے ساتھ کیا ہے اور مقصد اپنے فضیلت والے بندوں کا ذکر کرنا تھا تاکہ ان کی اقتداء کی جائے اس سے معلوم ہوا کہ آپ نبی تھے۔

(۳) اس سورت کا نام سورۃ الانبیاء ہے اور اس کا تقاضہ یہ ہے کہ اس میں جن کا تعظیماً ذکر کیا جائے' وہ نبی ہوں۔

(تفسیر کبیر ج ۸ ص ۱۷۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ سب صابر ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام بجالانے کی مشقت پر صبر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے دین کی تبلیغ میں جو اذیت پہنچتی ہے' اس پر صبر کرتے ہیں' اور فرمایا ہم نے ان کو اپنی رحمت میں داخل کر دیا۔ مقاتل نے کہا اس رحمت سے مراد نبوت ہے اور دوسروں نے کہا اس سے تمام نیک اعمال مراد ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور مچھلی والے (یونس) کو یاد کیجئے جب وہ (اپنی قوم پر) غضب ناک ہو کر نکلے تو انہوں نے یہ گمان کیا کہ ہم ان پر ہرگز تنگی نہیں کریں گے پھر انہوں نے تاریکیوں میں پکارا کہ تیرے سوا عبادت کا کوئی مستحق نہیں ہے تو پاک ہے' بے شک میں (ہی) زیادتی کرنے والوں میں سے تھا○ تو ہم نے ان کی پکار سن لی اور ان کو غم سے نجات دے دی اور ہم اسی طرح مومنوں کو غم سے نجات دیتے ہیں○ (الانبیاء: ۸۸-۸۷)

حضرت یونس علیہ السلام کا قصہ

یہ انبیاء علیہم السلام کا آٹھواں قصہ ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام کے پورے قصہ کی تفصیل ہم نے یونس: ۹۸ (تبیان القرآن ج ۵ ص ۴۶۹-۴۷۸) میں ذکر کر دی اور حسب ذیل عنوانات پر بحث کی ہے:

حضرت یونس علیہ السلام کا نام و نسب' حضرت یونس علیہ السلام کی فضیلت میں قرآن مجید کی آیات' حضرت یونس علیہ السلام کی فضیلت میں احادیث' حضرت یونس علیہ السلام کی سوانح' آثار عذاب دیکھ کر حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کا توبہ کرنا' حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کی توبہ قبول کرنے اور فرعون کی توبہ قبول نہ کرنے کی وجہ' حضرت یونس علیہ السلام پر گرفت کی توجیہ اور نگاہِ رسالت میں ان کا بلند مقام' حضرت یونس علیہ السلام کی آزمائش پر سید مودودی کی تنقید' سید مودودی کی تنقید پر مصنف کا تبصرہ۔

فظن ان لن نقدر علیه کے ترجمہ کی تحقیق

اس آیت میں نقدر کا لفظ تقدیر سے بھی ماخوذ ہو سکتا ہے اس صورت میں اس کا معنی ہوگا حضرت یونس علیہ السلام نے یہ گمان کیا کہ ہم ان کے لیے کسی سزا یا گرفت کو مقدر نہیں کریں گے' اور اگر یہ قدرت سے ماخوذ ہو تو اس کا معنی ہوگا انہوں نے یہ گمان کیا کہ ہم ان پر قادر نہیں ہوں گے۔ اہل لغت اور مفسرین نے اس معنی کو کفر قرار دیا ہے اور صحیح یہ ہے کہ قدر کا معنی ہے تنگی کرنا' یعنی حضرت یونس علیہ السلام نے یہ گمان کیا کہ ہم ان پر ہرگز تنگی نہیں کریں گے۔ ہم نے ترجمہ میں اسی معنی کو اختیار کیا ہے۔ پہلے ہم اس آیت کے مختلف تراجم پیش کریں گے پھر ہم اپنے موقف پر اہل لغت اور مفسرین کی تصریحات پیش کریں گے۔ فنقول و بالله التوفیق.

فظن ان لن نقدر علیه کے مختلف تراجم

شیخ سعدی شیرازی متوفی ۶۹۱ ھ لکھتے ہیں:

پس گمان برد آنکہ تنگ نہ خواہم کرد براو۔

شاہ ولی اللہ دہلوی متوفی ۱۱۷۶ ھ لکھتے ہیں:

پس گمان کرد کہ تنگ نہ گیریم برو ے۔

شاہ رفیع الدین دہلوی متوفی ۱۲۳۳ ھ لکھتے ہیں:

پس جانا یہ کہ ہرگز نہ تنگ پکڑیں گے ہم اوپر اوس کے۔

شاہ عبد القادر دہلوی متوفی ۱۲۳۰ ھ لکھتے ہیں:

پھر سمجھا کہ ہم نہ پکڑ سکیں گے۔

مؤخر الذکر ترجمہ میں قدر کو قدرت سے ماخوذ مانا ہے' اس کی اتباع میں شیخ محمود الحسن متوفی ۱۳۳۹ ھ نے قدر کا ترجمہ قدرت سے کیا ہے' وہ لکھتے ہیں:

پھر سمجھا کہ ہم نہ پکڑ سکیں گے اس کو۔

شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ ھ اس ترجمہ کی تاویل میں لکھتے ہیں:

یا اسی طرح نکل کر بھاگا جیسے کوئی یوں سمجھ کر جائے کہ اب اس کو پکڑ کر واپس نہیں لا سکیں گے۔ گویا بستی سے نکل کر ہماری قدرت سے ہی نکل گیا۔ یہ مطلب نہیں کہ معاذ اللہ یونس علیہ السلام فی الواقع ایسا سمجھتے تھے ایسا خیال تو ایک ادنیٰ مومن بھی نہیں کر سکتا' بلکہ غرض یہ ہے کہ صورت حال ایسی تھی جس سے یوں مترشح ہو سکتا تھا۔ حق تعالیٰ کی عادت ہے کہ وہ کاملین کی ادنیٰ ترین لغزش کو بہت سخت پیرایہ میں ادا کرتا ہے۔ (حاشیہ شبیر احمد عثمانی بر تفسیر محمود الحسن ص ۴۳۹' مطبوعہ مملکت سعودی عربیہ)

اس لغزش کو اللہ تعالیٰ نے سخت پیرایہ میں ادا نہیں کیا کیونکہ ارباب لغت اور مفسرین کی تصریحات کے مطابق ان لن نقدر

کا معنی ہے ہم ان پر تنگی نہیں کریں گے سخت پیرایہ بلکہ گستاخانہ پیرایہ تو شیخ محمود الحسن کا ترجمہ ہے "پھر سمجھا کہ ہم نہ پکڑ سکیں گے اس کو" اور اس آیت میں نقدر کو بہ معنی قدرت لینے کو ارباب لغت اور مفسرین نے کفر قرار دیا ہے۔

نقدر بہ معنی قدرت کو ائمہ لغت کا کفر قرار دینا

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ ھ اور علامہ محمد طاہر پٹنی متوفی ۹۸۶ ھ نے لکھا ہے اس آیت کا معنی ہے حضرت یونس علیہ السلام نے گمان کیا کہ ہم ان پر ہرگز تنگی نہیں کریں گے۔

(المفردات ج ۲ ص ۵۱۲ مطبوعہ مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ مجمع بحار الانوار ج ۴ ص ۲۲۸ مطبوعہ مدینہ منورہ ۱۴۱۵ھ)

علامہ جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ ھ اور علامہ سید محمد بن محمد زبیدی متوفی ۱۲۰۵ ھ لکھتے ہیں:

الفرا اور ابوالہیثم نے کہا فظن ان لن نقدر علیہ کا معنی ہے انہوں نے گمان کیا کہ ہم ان پر تنگی نہیں کریں گے اور زجاج نے کہا ہم ان کے لیے مچھلی کے پیٹ میں رہنا مقدر نہیں کریں گے اور نقدر تقدیر سے ماخوذ ہے ازہری نے کہا یہ معنی بھی صحیح ہے اور یہ اطلاقات از روئے لغت کے جائز ہیں اور جس نے نقدر کو قدرت سے ماخوذ مانا سو یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ جس نے یہ گمان کیا کہ اللہ کو اس پر قدرت نہیں ہوگی اس نے کفر کیا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ظن اور شک کفر ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کو کفر سے معصوم رکھا ہے اور اس معنی کی وہی تاویل کرے گا جو کلام عرب اور اس کی لغات سے جاہل ہو۔

(لسان العرب ج ۵ ص ۷۷ ملخصاً مطبوعہ ایران تاج العروس ج ۳ ص ۴۸۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

نقدر بہ معنی قدرت کو مفسرین کا کفر قرار دینا

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

جس نے یہ گمان کیا کہ اللہ عاجز ہے وہ کافر ہے کسی ایک مومن کی طرف بھی اس کی نسبت کرنا جائز نہیں ہے تو انبیاء علیہم السلام کی طرف اس کی نسبت کرنا کس طرح جائز ہوگا۔ اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام نے یہ گمان کیا کہ ہم ان پر تنگی نہیں کریں گے اور اب نقدر کا معنی تنگی کرنا ہوگا اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام نے یہ گمان کیا کہ ہم ان پر تنگی نہیں کریں گے اور حسب ذیل آیات میں قدر بہ معنی تنگی کرنا ہے:

اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ (العنکبوت: ۶۲)

اللہ اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہے تنگ کر دیتا ہے۔

وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ (الطلاق: ۷)

اور جس پر اس کا رزق تنگ کر دیا گیا۔

وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ ○ (الفجر: ۱۶)

اور رہا وہ جس کو وہ آزماتا ہے سو اس کی روزی تنگ کر دیتا ہے تو وہ کہتا ہے میرے رب نے مجھے ذلیل کیا۔

(تفسیر کبیر ج ۸ ص ۱۸۰ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ شیطان نے ان کے ذہن میں یہ گمان ڈالا کہ اللہ ان کو سزا دینے پر قادر نہیں ہے یہ قول مردود ہے اور کفر ہے۔ عطا سعید بن جبیر اور اکثر علماء نے یہ کہا ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ انہوں نے یہ گمان کیا کہ اللہ تعالیٰ ان پر تنگی نہیں فرمائے گا جس طرح الرعد: ۲۶ میں یقدر اور الطلاق: ۷ میں قدر تنگی کرنے کے معنی میں ہے۔

قاضی بیضاوی متوفی ۶۸۵ ھ نے بھی اس آیت میں ان لن نقدر کا معنی تنگی نہ کرنا کیا ہے۔ اس کی شرح میں علامہ احمد

بن محمد حنفی خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ لکھتے ہیں:

یہ لفظ قدرت سے ماخوذ نہیں ہے کیونکہ اس کا گمان کوئی بھی نہیں کر سکتا چہ جائیکہ (حضرت یونس) جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (عنایۃ القاضی ج ۶ ص ۴۶۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۷ھ)

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

لفظ نــقــدر میں بہ اعتبار لغت کے ایک احتمال یہ ہے کہ یہ مصدر قدرت سے مشتق ہو تو معنی یہ ہوں گے کہ انہوں نے یہ گمان کر لیا کہ ہم ان پر قدرت اور قابو نہ پاسکیں گے۔ ظاہر ہے کہ یہ بات کسی پیغمبر سے تو کیا کسی مسلمان سے بھی اس کا گمان نہیں ہو سکتا کیونکہ ایسا سمجھنا کفر صریح ہے اس لیے یہاں یہ معنی قطعاً نہیں ہو سکتے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ مصدر قدر سے مشتق ہو جس کے معنی تنگی کرنے کے ہیں۔ جیسے قرآن کریم میں ہے:

اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ۔ اللہ تعالیٰ وسعت کر دیتا ہے رزق میں جس کے لیے چاہے اور تنگ کر دیتا ہے جس پر چاہے۔

ائمہ تفسیر میں سے عطاء سعید بن جبیر حسن بصری اور بہت سے علماء نے یہی معنی اس آیت میں لیے ہیں اور مراد آیت کی یہ قرار دی کہ حضرت یونس علیہ السلام کو اپنے قیاس و اجتہاد سے یہ گمان تھا کہ ان حالات میں اپنی قوم کو چھوڑ کر کہیں چلے جانے کے بارے میں مجھ پر کوئی تنگی نہیں کی جائے گی۔ (معارف القرآن ج ۶ ص ۲۲۳ مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی ۱۴۱۳ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور زکریا کو یاد کیجئے جب انہوں نے اپنے رب کو پکارا اے میرے رب! مجھے اکیلا نہ چھوڑنا اور تو سب وارثوں سے بہتر وارث ہے ○ تو ہم نے ان کی دعا سن لی اور ہم نے ان کو یحییٰ عطا کیے اور ہم نے ان کی (بانجھ) بیوی کو تندرست کر دیا بے شک وہ (سب) نیک کاموں میں جلدی کرتے تھے اور شوق اور خوف سے ہم سے دعائیں کرتے تھے اور وہ ہم سے عاجزی کرنے والے تھے ○ (الانبیاء: ۹۰-۸۹)

حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کا قصہ

یہ انبیاء علیہم السلام کا نواں قصہ ہے۔

حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کا قصہ ہم نے آل عمران: ۴۱-۳۷ تبیان القرآن ج ۲ ص ۱۵۱-۱۴۱ میں بیان کیا ہے اور ان عنوانات پر بحث کی ہے: حضرت زکریا علیہ السلام کی سوانح، حضرت زکریا علیہ السلام کا حضرت مریم کی کفالت کرنا، حضرت زکریا علیہ السلام کے دعا کرنے کا سبب، حضرت یحییٰ علیہ السلام کی سوانح، حضرت یحییٰ علیہ السلام کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کرنا، حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت کو حضرت زکریا کے مستبعد سمجھنے کی توجیہ، تین دن کے لیے حضرت زکریا علیہ السلام کی زبان بند کرنے کے فوائد اور حکمتیں۔

حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کا ذکر ہم نے تبیان القرآن کی اس جلد سادس میں بھی کیا ہے، مریم: ۱۵-۱ میں، اور اس میں ان عنوانات پر بحث کی ہے: حضرت زکریا علیہ السلام پر رحمت کی توجیہ، حضرت زکریا علیہ السلام کے نداء خفی کرنے کی توجیہ، دعا کے آداب، انبیاء کے علم کا وارث بنایا جاتا ہے ان کے مال کا وارث نہیں بنایا جاتا، حضرت زکریا علیہ السلام کو اللہ نے بشارت دی تھی یا فرشتوں نے، حضرت یحییٰ علیہ السلام کا نام یحییٰ رکھنے کی وجوہ، حضرت زکریا علیہ السلام کے اس سوال کی توجیہ کہ میرے یہاں لڑکا کیسے ہوگا؟ حضرت زکریا علیہ السلام کا تین دن تک بات نہ کر سکنا، حضرت زکریا علیہ السلام کی محراب کا مصداق، محراب کا لغوی اور اصطلاحی معنی، امام کے محراب میں کھڑے ہونے کی تحقیق، حضرت یحییٰ علیہ السلام پر تین بار سلام کی

خصوصیت' یوم میلاد پر خوشی منانے اور یوم وفات پر غم نہ منانے کا جواب۔

علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل کی تحقیق

حضرت زکریا علیہ السلام نے دعا کی تھی تو مجھے اپنے پاس سے وارث عطا فرما جو میرا بھی وارث ہو اور آل یعقوب کا بھی وارث ہو۔ (مریم: ۶-۵)

امام بخاری نے تعلیقاً یہ حدیث ذکر کی ہے:

ان العلماء هم ورثة الانبياء ورثوا العلم. بے شک علماء ہی انبیاء کے وارث ہیں' انبیاء علم کا وارث کرتے ہیں۔

(صحیح البخاری کتاب العلم باب: ۱۰ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۸۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۴۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۲۳' مسند احمد ج ۵ ص ۱۹۶' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۳۴۹' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۸۸' مسند الشامیین رقم الحدیث: ۱۲۳۳' شرح السنہ رقم الحدیث: ۱۲۹)

اسی مضمون کی ایک اور حدیث زبان زد خلائق ہے' وہ ہے علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی مثل ہیں۔

علامہ شمس الدین محمد بن ابراہیم السخاوی التوفی ۹۰۲ ھ اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:

اس حدیث کے بارے میں ہمارے شیخ اور ان سے پہلے علامہ دمیری اور زرکشی نے کہا ہے کہ اس کی کوئی اصل نہیں ہے اور یہ کسی معتبر کتاب میں معروف نہیں ہے۔ البتہ ابونعیم نے پاک دامن عالم کی فضیلت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبوت کے سب سے قریب وہ لوگ ہیں جو اہل علم اور اہل جہاد ہوں۔ اس کی سند ضعیف ہے۔

(مقاصد الحسنہ ص ۲۹۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۷ھ)

علامہ اسماعیل بن محمد العجلونی التوفی ۱۱۶۲ھ اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:

علامہ سیوطی نے الدرر المنتثرہ میں لکھا ہے کہ اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے' اسی طرح حافظ ابن حجر نے بھی کہا ہے کہ اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے۔ (کشف الخفاء ج ۲ ص ۶۴' مطبوعہ مکتبۃ الغزالی دمشق)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس عورت (مریم) کو یاد کیجئے جس نے اپنی پاک بازی قائم رکھی تو ہم نے اس میں اپنی روح سے پھونک دیا' اور اس کو اور اس کے بیٹے کو سارے جہان والوں کے لیے (اپنی قدرت کی) نشانی بنا دیا O (الانبیاء: ۹۱)

حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ کا قصہ

یہ اس سورت میں انبیاء علیہم السلام اور ان کے متعلقین کا دسواں قصہ ہے۔

حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ کا ذکر ہم نے آل عمران: ۵۸-۴۲' میں بہت تفصیل سے کیا ہے۔ تبیان القرآن ج ۲ ص ۱۸۵-۱۴۲ میں اس کے اہم عنوانات یہ ہیں: حضرت مریم کے فضائل' حضرت عیسیٰ کو اللہ کا کلمہ قرار دینے کی توجیہ' مسیح کا معنیٰ' حضرت عیسیٰ کی وجاہت' حضرت عیسیٰ کے ساتھ وفات کا تعلق بہ معنی موت نہ ہونے کی تحقیق' حضرت عیسیٰ کے ابن اللہ ہونے کی دلیل کا رد۔ اور تبیان القرآن کی اس جلد (سادس) میں مریم: ۳۶-۱۶ میں بہت تفصیل سے ان کا ذکر کیا گیا ہے اور اس کے چند اہم عنوانات یہ ہیں: حضرت مریم کے مشرقی جگہ جانے کی وجوہ' حضرت مریم کے پاس حضرت جبریل کا بشر کی صورت میں آنا' فرشتہ سے ہم کلام ہونا حضرت مریم کی نبوت کو مستلزم نہیں' اولیاء اللہ کے مزارات پر مرادیں مانگنا' حضرت عیسیٰ کا پیدا ہوتے ہی عقائد نصاریٰ کا رد فرمانا' اللہ تعالیٰ کے بیٹا نہ ہونے پر دلائل' معاش کے حصول کے لیے کسب کرنا ضروری ہے' خاموشی کا روزہ رکھنا

غیر مشروع ہے' ان کے علاوہ اور بہت سے عنوانات ہیں۔

حضرت مریم میں روح پھونکنے پر اشکال کا جواب

اس آیت میں فرمایا ہے تو ہم نے اس میں اپنی روح سے پھونک دیا۔ اس پر بہ ظاہر یہ اشکال ہوتا ہے کہ حضرت مریم میں روح پھونکنے کا معنی یہ ہے کہ ان کو زندہ کر دیا حالانکہ وہ تو پہلے ہی زندہ تھیں۔ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ یہاں مراد یہ ہے کہ ہم نے مریم میں عیسیٰ کے اندر روح کو پھونک دیا اور ان کو مریم کے پیٹ میں زندہ کر دیا' اور اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ ہم نے اپنی روح یعنی جبریل علیہ السلام کی طرف سے مریم کے چاک گریبان میں روح پھونک دی اور وہ پھونک ان کے پیٹ تک پہنچ گئی۔

حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں

نیز اس آیت میں فرمایا اور اس (مریم) کو اور اس کے بیٹے کو سارے جہان والوں کے لیے اپنی قدرت کی نشانی بنا دیا۔

حضرت مریم میں یہ نشانیاں ہیں:

(۱) بغیر مرد کے حضرت مریم کا حاملہ ہونا خلافِ عادت کام ہے' یہ حضرت مریم کی کرامت اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ارہاص ہے۔

(۲) حضرت مریم کا رزق جنت سے آتا تھا۔ حضرت مریم سے جب پوچھا جاتا یہ رزق کہاں سے آیا؟ تو وہ کہتی تھیں یہ اللہ کے پاس سے آیا ہے۔

(۳) حسن نے کہا انہوں نے ایک دن بھی دودھ نہیں پیا اور انہوں نے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح بچپن میں کلام کیا۔

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں بہت نشانیاں ہیں وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے' انہوں نے گہوارے میں کلام کیا' وہ مردے زندہ کرتے تھے' وہ مادر زاد اندھوں اور برص کے مریضوں کو شفا دیتے تھے' ان کو آسمان پر اُٹھا لیا گیا اور بہت نشانیاں ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک یہ تمہاری ملت ہے جو درحقیقت ایک ہی ملت ہے اور میں (ہی) تمہارا رب ہوں سو تم میری (ہی) عبادت کرو○ اور انہوں نے اپنے دین میں (مختلف) فرقے بنا لیے وہ سب ہماری ہی طرف لوٹ کر آنے والے ہیں○ (الانبیاء: ۹۳-۹۲)

اُمت کا معنی اور دین اور شریعت کا فرق

الانبیاء: ۹۲ میں ہے یہ تمہاری اُمت' اُمت واحدہ ہے۔ اس آیت میں روئے زمین کے تمام لوگوں سے خطاب ہے۔ اُمت اس قوم یا لوگوں کی اس جماعت کو کہتے ہیں جو دین واحد پر مجتمع ہو پھر اس کے مفہوم میں وسعت دے کر نفسِ دین پر بھی اُمت کا اطلاق کیا جاتا ہے' اور یہاں مراد یہ ہے کہ روئے زمین کے تمام لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ملت اور ایک دین کی دعوت دی گئی ہے اور تمام انبیاء علیہم السلام نے اسی دین کی دعوت دی ہے اور سب کا دین اسلام ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ (الشوریٰ-۱۳)

اللہ نے تمہارے لیے وہی دین مقرر کیا ہے جس کی نوح کو وصیت کی تھی اور جس کی ہم نے آپ کی طرف وحی کی اور جس کی ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو وصیت کی تھی کہ اس دین کو قائم رکھو اور اس میں تفرقہ نہ کرو۔

جو اصول اور عقائد تمام انبیاء علیہم السلام میں مشترک ہیں ان کو دین کہتے ہیں' اور تمام انبیاء علیہم السلام نے یہ دعوت دی تھی کہ اللہ کو ایک مانو' وہی سب کا خالق اور رازق ہے' اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اللہ کے رسول' اللہ کا پیغام پہنچانے والے اور اس کے سچے اور برگزیدہ بندے ہیں' تمام فرشتے' تمام آسمانی صحائف اور کتابیں برحق ہیں۔ ہر اچھی چیز اور بری چیز اللہ کی تقدیر سے وابستہ ہے۔ قتل' زنا اور جھوٹ بولنا حرام ہے اور اللہ کے احکام کو ماننا اور اس کی عبادت کرنا اور اس کا شکر ادا کرنا فرض ہے۔ قیامت قائم ہوگی اور مرنے کے بعد بندوں کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور حساب لیا جائے گا' نیک لوگوں کو جنت میں داخل کر دیا جائے گا اور بدکاروں اور کافروں کو دوزخ میں داخل کر دیا جائے گا جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ تمام انبیاء علیہم السلام نے ان ہی چیزوں کی دعوت دی ہے اور یہی سب کا واحد دین ہے' اس میں اختلاف کرنا جائز نہیں ہے۔ البتہ ہر نبی کی شریعت میں عبادت کے طریقے الگ الگ ہیں جو انہوں نے اپنے اپنے زمانے کے حالات اور رسم و رواج کے اعتبار سے مقرر فرمائے۔

قرآن مجید میں ہے:

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا (المائدہ: ۴۸)

تم میں سے ہر ایک کے لیے ہم نے ایک (خاص) شریعت اور (مخصوص) راستہ معین کر دیا ہے۔

مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں مال غنیمت حرام تھا' قربانی کے قبول ہونے کی علامت یہ تھی کہ اس کو آگ لے جاتی تھی۔ ہماری شریعت میں یہ چیزیں حلال ہیں۔ پچھلی شریعتوں میں تیمم کی سہولت نہ تھی' مسجد کے سوا نماز پڑھنا جائز نہ تھا' ہماری شریعت میں تیمم کی سہولت اور ہر پاک زمین پر نماز پڑھنا جائز ہے۔ پہلی شریعتوں میں غیر اللہ کے لیے سجدہ تعظیم جائز تھا' ہماری شریعت میں اس کو حرام کر دیا گیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الانبیاء اخوة لعلات امهاتهم شتی و دینهم واحد. (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۴۳)

تمام نبی باپ شریک بھائی ہیں' ان کی مائیں مختلف ہیں اور ان کا دین واحد ہے۔

یعنی تمام انبیاء علیہم السلام کا دین واحد ہے اور ان کی شریعت مختلف ہیں۔ سو اُمتوں کا دین میں اختلاف کرنا جائز نہیں ہے۔

دین میں فرقے بنانے کی ممانعت

اور فرمایا اور انہوں نے یعنی بے دینوں نے اپنے اپنے دین میں اختلاف کیا اور مختلف فرقے بنا لیے۔ اس آیت میں دین میں فرقے بنانے کی مذمت کی گئی ہے اور احادیث میں بھی دین میں فرقہ بنانے کی ممانعت کی گئی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہود کے اکہتر یا بہتر فرقے تھے اور نصاریٰ کے بھی اتنے ہی فرقے تھے اور میری اُمت کے تہتر فرقے ہوں گے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۴۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۵۹۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۹۱' مسند احمد ج ۲ ص ۳۳۲' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۵۹۱۰' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۲۴۷' المستدرک ج ۱ ص ۱۲۸)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری اُمت پر بھی برابر' برابر وہی امور وارد ہوں گے جو بنی اسرائیل پر وارد ہوتے رہے تھے حتیٰ کہ اگر ان میں سے کسی نے اپنی ماں کے ساتھ علانیہ بدکاری کی تھی تو میری اُمت کے لوگ بھی ایسا کریں گے' اور بنی اسرائیل کے بہتر فرقے تھے اور میری اُمت کے تہتر فرقے ہوں گے

اور ایک ملت کے سوا باقی تمام فرقے دوزخ میں ہوں گے۔ مسلمانوں نے پوچھا یا رسول اللہ! وہ کون سی ملت ہوگی؟ فرمایا جس پر میں اور میرے اصحاب ہیں۔ (سنن ابن ماجہ میں ہے جس ملت پر جماعت (صحابہ) ہو)

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۴۱ المستدرک ج ۱ ص ۱۲۹ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۹۲)

قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ المعروف بابن العربی المالکی المتوفی ۵۴۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ہمارے علماء نے ان فرقوں کی یہ تفصیل ذکر کی ہے روافض کے بیس فرقے ہیں' خوارج کے بیس فرقے ہیں' القدریہ المعتزلہ کے بیس فرقے ہیں' سات فرقے الارجاء کے ہیں۔ ان کے علاوہ الفراریہ' الجہمیہ' الکرامیہ' النجاریہ ہیں اور ایک فرقہ جہمیہ اور مرجیہ کا جامع ہے' یہ بہتر فرقے ہو گئے۔ (یہ فرقے علامہ ابن العربی کے دور کے اعتبار سے ہیں' ان میں سے کچھ فرقے اپنی موت مر گئے اور کچھ نئے فرقے وجود میں آ گئے۔ سعیدی غفرلہ) ایک اور فرقہ ہے جو صرف ظاہر قرآن اور حدیث کو مانتا ہے اور قیاس اور استدلال کا انکار کرتا ہے۔ یہ بھی قدریہ کی ایک قسم ہے' ان کو ہمارے ملک اندلس میں ایک شخص نے گمراہ کیا اس کا نام ابن حزم ہے۔ اس نے اپنے آپ کو ظاہر کی طرف منسوب کیا اور داؤد کی پیروی کی۔ (ہمارے دور میں غیر مقلدین اس کے پیروکار ہیں) (عارضۃ الاحوذی ج ۱۰ ص ۸۰-۷۸' ملخصاً' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

اس حدیث کی مکمل تفصیل اور تحقیق ہم نے تبیان القرآن ج ۱ ص ۵۲۵-۵۲۱ میں کی ہے' وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ ۚ

سو جو شخص بھی حالت ایمان میں نیک اعمال کرے گا اس کی کوشش کی ناقدری نہیں ہو گی،

وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ﴿۹۴﴾ وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۹۵﴾

اور بے شک ہم اس کے اعمال لکھنے والے ہیں ○ اور جس بستی کے لوگوں کو ہم ہلاک کر چکے ان کا دنیا میں لوٹ کر آنا محال ہے ○

حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ﴿۹۶﴾

حتیٰ کہ جب یاجوج اور ماجوج (کی رکاوٹ) کو کھول دیا جائے گا اور وہ ہر بلندی سے دوڑتے ہوئے آئیں گے ○

وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ

اور سچا وعدہ قریب آ پہنچے گا اس وقت کافروں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی،

يٰوَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا بَلْ كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۹۷﴾ اِنَّكُمْ وَمَا

(وہ کہیں گے)، ہائے ہماری بدنصیبی! بے شک ہم تو اس سے غفلت میں تھے بلکہ ہم ہی ظلم کرنے والے تھے ○ بے شک تم خود اور

تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ۭ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ﴿۹۸﴾

جن چیزوں کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو (وہ سب) دوزخ کا ایندھن ہیں، تم (سب) اس میں داخل ہونے والے ہو ○

لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ۚ وَكُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۹۹﴾ لَهُمْ فِيْهَا

اگر یہ سچے معبود ہوتے تو دوزخ میں نہ داخل ہوتے، اور وہ سب اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ○ ان کی اسی میں

زَفِيْرٌ وَّهُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى ۙ

چیخ و پکار ہوگی اور وہ اس میں کچھ بھی نہ سن سکیں گے ○ بے شک جن لوگوں کے لیے ہماری طرف سے اچھی جزا پہلے سے مقرر ہو چکی ہے

اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا ۚ وَهُمْ فِيْ

وہ دوزخ سے دور رکھے جائیں گے ○ وہ دوزخ کی آہٹ تک نہ سنیں گے اور انہوں نے جن

مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ

لذتوں کو چاہا تھا ان میں ہمیشہ رہیں گے ○ بڑی گھبراہٹ بھی ان کو غمگین نہ کر سکے گی

وَتَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ۭ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

فرشتے (یہ کہتے ہوئے) ان کا استقبال کریں گے یہی تمہارا وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا ○

يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ۭ كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ

جس دن ہم آسمانوں کو وثیقہ کے کاغذوں کی طرح لپیٹ لیں گے، جس طرح ہم نے ابتداءً

خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ۭ وَعْدًا عَلَيْنَا ۭ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي

پیدا کیا تھا ہم اسی طرح دوبارہ پیدا کریں گے یہ ہمارا وعدہ ہے جس کو ہم ضرور پورا کرنے والے ہیں ○ اور ہم نصیحت کرنے کے بعد

الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

زبور میں یہ لکھ چکے ہیں کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہی ہوں گے ○

اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً

بے شک اس (قرآن) میں عبادت گزاروں کے لیے عظیم پیغام ہے ○ اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت

لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ

ہی بنا کر بھیجا ہے ○ آپ کہیے میری طرف یہی وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود صرف ایک مستحق عبادت ہے

فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَآءٍ

سو کیا تم اسلام لانے والے ہو؟ ○ پھر اگر یہ پیٹھ پھیر لیں تو آپ کہیے میں واضح طور پر تم کو خبردار کر چکا ہوں،

وَاِنْ اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ اَمْ بَعِيْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ

اور میں (از خود) نہیں جانتا کہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ نزدیک ہے یا دور ○ بے شک وہ بلند آواز سے

مِنَ الْقَوْلِ وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ وَاِنْ اَدْرِيْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ

کہی ہوئی باتوں کو بھی جانتا ہے اور ان چیزوں کو بھی جانتا ہے جن کو تم چھپاتے ہو ○ اور میں (از خود) نہیں جانتا کہ اس (ڈھیل) میں ہو

لَّكُمْ وَمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۱۱۱﴾ قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ وَرَبُّنَا

سکتا ہے تمہارے لیے آزمائش ہو اور ایک معین وقت تک تمہیں فائدہ پہنچانا ہو ○ (نبی نے) کہا: اے میرے رب حق کے ساتھ فیصلہ فرما دے ہمارا

الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ ع

رب رحمٰن ہے، اسی سے ان باتوں پر مدد طلب کی جاتی ہے جو تم بیان کرتے ہو ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو جو شخص بھی حالتِ ایمان میں نیک اعمال کرے گا' اس کی کوشش کی ناقدری نہیں ہوگی اور بے شک ہم اس کے اعمال لکھنے والے ہیں ○ اور جس بستی کے لوگوں کو ہم ہلاک کر چکے ہیں' ان کا (دنیا میں) لوٹ کر آنا محال ہے ○ حتیٰ کہ جب یاجوج اور ماجوج (کی رکاوٹ) کو کھول دیا جائے گا اور وہ ہر بلندی سے دوڑتے ہوئے آئیں گے ○ اور سچا وعدہ قریب آ پہنچے گا' اس وقت کافروں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی (وہ کہیں گے) ہائے ہماری بدنصیبی! بے شک ہم تو اس سے غفلت میں تھے بلکہ ہم ہی ظلم کرنے والے تھے ○ (الانبیاء: ۹۷-۹۴)

نیک اعمال کے لیے ایمان کی شرط ہونا

الانبیاء: ۹۴ کا معنی ہے جس شخص نے اللہ اور اس کے رسول کو جانا اور ان کو مانا یعنی ان کی تصدیق کی اور نیک اعمال کیے یعنی فرائض اور واجبات کو دائماً کیا اور سنن اور مستحبات کو اکثر اوقات میں بجا لایا اور حرام اور مکروہ تحریمی کاموں سے دائماً بچا رہا اور مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ سے اکثر اوقات بچا رہا تو اس کے ان اعمال کی ناقدری نہیں ہوگی یعنی اللہ تعالیٰ اس کے ان اعمال کی بہترین جزا عطا فرمائے گا۔ اس کی مثل یہ آیتیں ہیں:

وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ○ (بنی اسرائیل: ۱۹)

اور جس نے آخرت کا ارادہ کیا اور حالتِ ایمان میں اس کی قرار واقعی کوشش کی تو یہ وہ لوگ ہیں جن کی کوشش کی قدر کی جائے گی۔ (یعنی اچھی جزا دی جائے گی۔)

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ

اور جس شخص نے بھی حالتِ ایمان میں نیک عمل کیے خواہ وہ

مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ (النحل: ۹۷) مرد ہو یا عورت تو ہم اس کو ضرور پاکیزہ زندگی کے ساتھ زندہ رکھیں گے اور ہم اس کو ضرور ان نیک کاموں کا اجر دیں گے جن کو وہ کیا کرتے تھے۔

ان آیات میں ایمان کے ساتھ نیک اعمال کی قید لگائی ہے کیونکہ جو شخص ایمان کے ساتھ کفر کرتا ہے' اس کے اعمال ضائع کر دیئے جاتے ہیں۔

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۚ (المائدہ: ۵) اور جو ایمان کا انکار کرتے ہیں' ان کے اعمال ضائع کر دیئے جاتے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ابن جدعان زمانہ جاہلیت میں صلہ رحم کرتا تھا اور مسکینوں کو کھانا کھلاتا تھا' کیا یہ عمل اس کو نفع دے گا؟ آپ نے فرمایا: یہ عمل اس کو نفع نہیں دے گا! اس نے ایک دن بھی یہ نہیں کہا اے میرے رب! قیامت کے دن میرے گناہوں کو بخش دینا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۴' مسند احمد ج ۶ ص ۹۳' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۵۱۲۸)

امام احمد کی ایک روایت میں ہے حضرت عائشہ نے کہا وہ مہمان نوازی کرتا تھا' قیدیوں کو قید سے چھڑاتا تھا' صلہ رحم کرتا تھا' پڑوسیوں سے حسنِ سلوک کرتا تھا اور میں نے اس کی تعریف کی کیا یہ اعمال اس کو نفع دیں گے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ اعمال اس کو نفع نہیں دیں گے' اس نے ایک دن بھی یہ نہیں کہا اے اللہ! مجھے قیامت کے دن بخش دینا۔

(مسند احمد رقم الحدیث: ۲۵۴۰۴' عالم الکتب' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۳۰)

علامہ قرطبی پر مواخذہ

علامہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ ھ نے لکھا ہے کہ اس آیت میں من تبعیضیہ ہے جنس کے لیے نہیں ہے' کیونکہ کسی مکلف میں یہ قدرت نہیں ہے کہ وہ فرض اور نفل تمام عبادت کرے سو اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جس نے فرائض اور نوافل میں سے ایمان کی حالت میں کچھ بھی ادا کر لیے تو اس کی سعی مشکور ہو گی۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۱ ص ۲۴۵' مطبوعہ بیروت)

اگر سعی مشکور ہونے کا یہ معنی ہو کہ وہ جتنا عمل کرے گا' اس کو ان کا ثواب مل جائے گا تو یہ تفسیر صحیح ہے اور اگر سعی مشکور ہونے کا یہ مطلب ہے کہ مغفرت ہو جائے گی تو یہ تفسیر صحیح نہیں ہے کیونکہ مغفرت کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ تمام فرائض اور واجبات کو بجالائے اور تمام محرمات اور مکروہاتِ تحریمہ سے بچے الّا یہ کہ اللہ تعالیٰ اس سے درگزر فرمائے۔ نیز علامہ قرطبی کا یہ لکھنا بھی صحیح نہیں ہے کہ تمام فرائض اور نوافل کو ادا کرنا مکلف کی قدرت میں نہیں ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بندہ کو اس کا مکلف کیا ہے کہ وہ تمام فرائض اور واجبات کو ادا کرے اور تمام محرمات اور مکروہات تحریمہ سے اجتناب کرے اور یہ اس کی قدرت میں ہے۔ البتہ نوافل کا اللہ تعالیٰ نے بندہ کو مکلف نہیں کیا' وہ ان کو اپنی طرف سے بجالاتا ہے۔

حرام کا بہ معنی واجب ہونا اور ''لا'' کا زائدہ ہونا

الانبیاء: ۹۵ کا لفظی ترجمہ اس طرح ہے جس بستی کے لوگوں کو ہم ہلاک کر چکے ہیں ان کا نہ لوٹنا حرام ہے' حالانکہ ان کا دنیا میں لوٹ کر آنا حرام ہے اور نہ لوٹ کر آنا واجب ہے۔ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ بعض اوقات حرام واجب کے معنی میں ہوتا ہے یعنی کسی کام کا نہ کرنا واجب ہے' اس آیت میں اسی طرح ہے۔ اس کی نظیر یہ ہے: درج ذیل آیت کا بھی لفظی ترجمہ اس طرح ہے:

قُلۡ تَعَالَوۡا اَتۡلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمۡ عَلَيۡكُمۡ اَلَّا تُشۡرِكُوۡا بِهٖ شَيۡـئًا (الانعام - ۱۵۱) آپ کہیے آؤ میں تم کو وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جن کو تمہارے رب نے تم پر حرام کر دیا ہے۔ وہ یہ ہیں کہ تم اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو۔ (اور اس کے علاوہ دوسری چیزیں ہیں)

حالانکہ اللہ کے ساتھ شرک کرنا حرام ہے' شرک نہ کرنا حرام نہیں ہے۔ اس لیے اس آیت میں بھی حرام بہ معنی واجب ہے کیونکہ شرک نہ کرنا واجب ہے' اور آیت کا معنی یہ ہے: آؤ میں تم کو وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جن کا کرنا واجب ہے' وہ یہ ہیں کہ تم اللہ کے ساتھ شرک نہ کرو' الآیۃ۔ اس اسلوب پر زیر تفسیر آیت کا معنی ہے جس بستی کے لوگوں کو ہم ہلاک کر چکے ہیں' ان کا (دنیا میں) نہ لوٹنا واجب ہے۔ اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں ''لا'' زائد ہے اور اس کی نظیر یہ ہے:

مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسۡجُدَ (الاعراف: ۱۲) تجھ کو سجدہ نہ کرنے سے کس چیز نے منع کیا۔

حالانکہ ابلیس کو سجدہ کرنے کا حکم تھا سجدہ نہ کرنے کا حکم نہیں تھا اس لیے یہاں بھی ''لا'' زائد ماننا پڑے گا' اور اب معنی ہوگا تجھ کو سجدہ کرنے سے کس نے منع کیا؟ اسی اسلوب پر اس آیت کا معنی ہے: جن بستی والوں کو ہم ہلاک کر چکے ہیں ان کا (دنیا میں) لوٹنا حرام ہے۔

ہم نے مشکل اصطلاحات سے دامن بچاتے ہوئے بہت آسان پیرائے میں اس آیت کی توجیہ کر دی ہے' فتفکر و تشکر.

اس آیت کا ظاہر معنی تو یہی ہے کہ جس قوم کو ہم اس کے کفر پر اصرار کی وجہ سے عذاب سے ہلاک کر چکے ہیں' اس کا پھر دنیا میں امتحان کے لیے آنا شرعاً ممکن نہیں ہے' یہ معنی عکرمہ' قتادہ اور مقاتل سے منقول ہے' اور مجاہد اور حسن نے یہ کہا ہے کہ جن لوگوں کو کفر پر اصرار کی وجہ سے ہلاک کیا جا چکا ہے' ان کا توبہ کرنا اور شرک اور کفر سے رجوع کرنا محال تھا' اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک کر دیا۔ امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ نے بھی اول الذکر معنی کو ترجیح دی ہے۔

(جامع البیان جز ۱۷ ص ۱۱۴-۱۱۳' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

یاجوج ماجوج کا تذکرہ

الانبیاء: ۹۶' میں فرمایا حتیٰ کہ جب یاجوج اور ماجوج (کی رکاوٹ) کو کھول دیا جائے گا اور وہ ہر بلندی سے دوڑتے ہوئے آئیں گے۔ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ قیامت کے قریب وہ سد (دیوار) ٹوٹ جائے گی جس کو ذوالقرنین نے یاجوج ماجوج کے حملوں کو روکنے کے لیے بنایا تھا' اس رکاوٹ کے ٹوٹتے ہی یاجوج ماجوج اس طرح اُمڈ آئیں گے جس طرح دریا کا بند ٹوٹ جائے تو سیلاب اُمڈ آتا ہے۔ یاجوج ماجوج کا یہ حملہ' ان کی پیش قدمی اور یورش آخری زمانہ میں ہوگی اور اس کے بعد قیامت بہت جلد واقع ہوگی۔ درج ذیل حدیث سے اس کی وضاحت ہوتی ہے۔

حضرت حذیفہ بن اسید الغفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس آئے' اس وقت ہم آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ آپ نے پوچھا تم لوگ کیا باتیں کر رہے ہو؟ ہم نے عرض کیا ہم قیامت کا ذکر کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا: قیامت اس دن تک قائم نہیں ہوگی جب تک اس سے پہلے دس علامتیں نمودار نہ ہو جائیں پھر آپ نے (۱) دھوئیں (۲) دجال (۳) دابۃ الارض (۴) سورج کے مغرب سے طلوع ہونے (۵) حضرت عیسیٰ بن مریم کے نازل ہونے (۶) یاجوج اور ماجوج کے نکلنے اور تین بار زمین کے دھنسنے (۷) ایک بار مشرق میں دھنسنے (۸) ایک بار مغرب میں دھنسنے (۹) اور ایک بار جزیرۃ العرب میں دھنسنے کا ذکر فرمایا (۱۰) اور فرمایا ان کے آخر میں یمن کی طرف سے ایک آگ نکلے گی

جو لوگوں کو ہانک کر میدانِ محشر کی طرف لے جائے گی۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:٢٩٠١' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:٤٣١١' سنن الترمذی رقم الحدیث:٢١٨٣' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:١١٣٨٠' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:٤٠٥٥)

امام رازی نے لکھا ہے کہ یاجوج اور ماجوج انسانوں کی جنس سے دو قبیلے ہیں۔

(تفسیر کبیر ج ٨ ص ١٨٦' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ١٤١٥ھ)

یاجوج اور ماجوج کے متعلق ہم مفصل بحث الکہف:٩٤ میں کر چکے ہیں' اسی جلد میں ملاحظہ فرمائیں۔

قیامت کا خوف اور دہشت

الانبیاء:٩٧ میں فرمایا: اور سچا وعدہ قریب آ پہنچے گا۔ اس وعدہ سے مراد قیامت کا دن ہے' اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب قیامت واقع ہوگی تو اس کے شدید ہولناک واقعات سے ہر شخص پر گھبراہٹ طاری ہوگی اور اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی اور خوف اور دہشت سے کوئی شخص پلک تک نہیں جھپکا سکے گا۔ اس وقت جو بت پرست سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرتے تھے اور ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے' وہ افسوس سے ہاتھ مل کر کہیں گے افسوس! ہم اس سے غافل رہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک تم خود اور جن چیزوں کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو (وہ سب) دوزخ کا ایندھن ہیں۔ تم (سب) اس میں داخل ہونے والے ہو○ اگر یہ (سچے) معبود ہوتے تو دوزخ میں نہ داخل ہوتے' اور وہ سب اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں○ ان کی اسی میں چیخ و پکار ہوگی اور وہ اس میں کچھ بھی نہ سن سکیں گے○ (الانبیاء:١٠٠-٩٨)

مشرکین کے اس اعتراض کا جواب کہ پھر عیسیٰ اور عزیر علیہما السلام بھی دوزخ میں جائیں گے

جب یہ آیت نازل ہوئی تو کفار قریش پر بہت دشوار گزاری اور انہوں نے کہا انہوں نے ہمارے خداؤں کو برا کہا ہے' وہ ابن الزبعری کے پاس گئے اور اس کو یہ واقعہ سنایا۔ اس نے کہا اگر میں ان کے پاس ہوتا تو ان کا رد کرتا' کفار نے کہا تم کیا کہتے' اس نے کہا میں یہ کہتا کہ مسیح کی نصاریٰ عبادت کرتے ہیں اور یہود عزیر کی عبادت کرتے ہیں تو اس آیت کے عموم کے اعتبار سے وہ بھی دوزخ کا ایندھن بنیں گے۔ قریش اس کے اعتراض سے بہت خوش ہوئے اور انہوں نے یہ سمجھا کہ اب (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) دلیل سے مغلوب ہو جائیں گے۔ (ان کا یہ اعتراض لغو تھا کیونکہ عربی زبان میں "ما" غیر ذوی العقول کے لیے آتا ہے اور حضرت عیسیٰ اور عزیر علیہما السلام ذوی العقول ہیں۔ سو یہ آیت ان پر نہیں بلکہ بتوں پر چسپاں ہوتی ہے کیونکہ وہ غیر ذوی العقول ہیں) جب قریش نے یہ لغو اعتراض کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤى اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ○ (الانبیاء:١٠١)

بے شک جن لوگوں کے لیے ہماری طرف سے اچھی جزا پہلے سے مقرر ہو چکی ہے' وہ دوزخ سے دُور رکھے جائیں گے۔

اور یہ آیات بھی اسی سلسلہ میں نازل ہوئیں:

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ○ وَقَالُوْٓا ءَاٰلِهَتُنَا خَيْرٌ اَمْ هُوَ ؕ مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ○ اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ○ (الزخرف:٥٩-٥٧)

اور جب ابن مریم کی مثال بیان کی گئی تو آپ کی قوم چیخنے لگی اور انہوں نے کہا آیا ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ (عیسیٰ)؟ وہ آپ سے محض جھگڑا کرتے ہیں بلکہ یہ لوگ ہیں ہی جھگڑالو۔ عیسیٰ بھی صرف ایک بندے ہیں جن پر ہم نے انعام کیا اور انہیں بنی اسرائیل کے لیے اپنی قدرت کا نشان بنا دیا۔

شرک کے رد اور بتوں کی بے وقعتی اور بے بسی ظاہر کرنے کے لیے جب مشرکین مکہ سے یہ کہا گیا کہ تم خود اور جن چیزوں کی تم عبادت کرتے ہو' دوزخ کا ایندھن ہیں۔ (الانبیاء:٩٨) تو ان چیزوں سے مراد پتھر کے وہ بت تھے جن کی وہ عبادت کرتے تھے نہ کہ انبیاء علیہم السلام اور دیگر صالحین جو اپنی تمام زندگی لوگوں کو توحید کی دعوت دیتے رہے' مگر ان کی وفات کے بعد ان کے معتقدین نے ان کو معبود سمجھنا شروع کر دیا۔ ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا کہ وہ دوزخ سے دُور رہیں گے۔ (الانبیاء:١٠١) کیونکہ ان کی جو پرستش کی گئی تھی اس میں ان کا کوئی قصور نہیں تھا' اسی لیے قرآن نے اس کے لیے جو لفظ استعمال کیا ہے وہ لفظ ''ما'' ہے جو غیر عاقل کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس سے اس آیت کے عموم (لفظ ما) سے انبیاء علیہم السلام اور وہ صالحین نکل گئے جن کو لوگوں نے از خود معبود بنا لیا تھا' لیکن مشرکین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان فیض ترجمان سے حضرت مسیح علیہ السلام کا ذکر سن کر یہ مجادلہ اور کٹ حجتی کرتے تھے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام لائق مدح ہیں حالانکہ عیسائی ان کی عبادت کرتے ہیں تو پھر ہمارے بت کیوں قابلِ مذمت ہیں آیا وہ بھی بہتر نہیں ہیں' اگر ہمارے معبود دوزخ میں جائیں گے تو پھر حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر علیہما السلام بھی دوزخ میں جائیں گے' اللہ تعالیٰ نے سورۂ زخرف کی ان آیتوں میں فرمایا ان کا خوشی سے چلانا محض ان کا جدل' کٹ حجتی اور ہٹ دھرمی ہے۔

مشرکین کا آخرت میں بہرا ہونا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم سب اس میں داخل ہونے والے ہو۔ اس میں مشرکین سے خطاب ہے یعنی تم اور بت سب اس میں داخل ہوں گے پھر بتوں کی الوہیت کا رد کرتے ہوئے فرمایا: اگر یہ (سچے) معبود ہوتے تو دوزخ میں داخل نہ ہوتے اور وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ (الانبیاء:٩٩) پھر فرمایا ان کی اسی میں چیخ و پکار ہوگی وہ اس میں کچھ بھی نہ سن سکیں گے۔ (الانبیاء:١٠٠) اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اس میں اس لیے نہیں سن سکیں گے کہ ہم ان کو بہرا اُٹھائیں گے جیسا کہ قرآنِ مجید میں ہے:

وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا (بنی اسرائیل:٩٧)

ہم قیامت کے دن ان کو ان کے مونہوں کے بل اُٹھائیں گے درآں حالیکہ وہ اندھے' گونگے اور بہرے ہوں گے۔

ایک قول یہ ہے کہ وہ آہستہ سے کہی ہوئی بات نہیں سنیں گے۔ فرشتے ان سے چلا کر جو بات کہیں گے' وہ سن لیں گے۔ قرآن مجید میں ہے:

قَالَ اخْسَـُٔوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ○ (المومنون:١٠٨)

اللہ فرمائے گا اسی دوزخ میں دھتکارے ہوئے پڑے رہو اور مجھ سے بات نہ کرو۔

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ خود اللہ تعالیٰ ان سے غضب میں فرمائے اور یا فرشتے اللہ تعالیٰ کا ارشاد پہنچائیں۔

سورہ ہود میں اس کی تفسیر گزر چکی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جن لوگوں کے لیے ہماری طرف سے اچھی جزا پہلے سے مقرر ہو چکی ہے وہ دوزخ سے دُور رکھے جائیں گے ○ وہ دوزخ کی آہٹ تک نہ سنیں گے اور انہوں نے جن لذتوں کو چاہا تھا' ان میں ہمیشہ رہیں گے ○ بڑی گھبراہٹ بھی ان کو غمگین نہ کر سکے گی' فرشتے (یہ کہتے ہوئے) ان کا استقبال کریں گے یہی تمہارا وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا ○ (الانبیاء:١٠٣-١٠١)

ابن الزبعریٰ کا رد

بعض روایات میں ہے کہ جب ابن الزبعریٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ اعتراض کیا کہ اگر سب معبود دوزخ میں ڈالے

جائیں گے تو پھر عیسیٰ اور عزیر علیہما السلام بھی دوزخ میں ڈالے جائیں گے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے' حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی: بے شک جن لوگوں کے لیے ہماری طرف سے اچھی جزا مقرر ہو چکی ہے وہ دوزخ سے دُور رکھے جائیں گے یعنی حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر علیہما السلام۔

لیکن یہ روایت صحیح نہیں ہے اوّلاً اس لیے کہ قرآنِ مجید میں ہے: **انکم وما تعبدون** بے شک تم اور جن چیزوں کی تم عبادت کرتے ہو یہاں پر بالعموم یہ نہیں فرمایا کہ اللہ کے سوا جن کی بھی عبادت کی گئی ہے وہ دوزخ کا ایندھن ہیں' بلکہ بالخصوص اہل مکہ کو خطاب ہے اور وہ صرف بتوں کی عبادت کرتے تھے اور عیسیٰ اور عزیر علیہما السلام کی عبادت نہیں کرتے تھے۔ لہٰذا وہ اس آیت میں داخل نہیں ہیں۔ ثانیاً اس آیت میں ''ما'' کا لفظ ہے جو غیر عقلاء کے لیے وضع کیا گیا ہے اور حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر علیہما السلام ذوالعقول ہیں۔ لہٰذا وہ اس آیت کے عموم میں داخل نہیں ہیں اور عربی زبان جاننے والے کے لیے یہ امور بالکل واضح اور بدیہی ہیں تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ امور مخفی ہوں جو افصح العرب ہیں۔

دوزخ سے دُور رکھے جانے اور دوزخ میں داخل ہونے کے تعارض کا جواب

اس آیت پر یہ اعتراض ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ نیک لوگ دوزخ میں بالکل داخل نہیں ہوں گے حالانکہ قرآنِ مجید میں ہے:

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا. (مریم: ۷۱) تم میں سے ہر شخص دوزخ میں وارد ہونے والا ہے۔

اس کے دو جواب ہیں اوّل یہ کہ دوزخ میں وارد ہونے کا معنی یہ نہیں ہے کہ وہ دوزخ میں داخل ہوں گے بلکہ وہ دوزخ کے نزدیک کھڑے ہوں یا پل صراط پر کھڑے ہوں اس پر بھی صادق آئے گا کہ وہ دوزخ میں وارد ہوئے۔ ثانیاً نیک لوگوں کو دوزخ میں داخل کیا جائے گا لیکن دوزخ ان کے لیے ٹھنڈک اور سلامتی ہو گی جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے نمروذ کی آگ تھی اور اس میں کفار کو زیادہ عذاب ہو گا کہ جو آگ انہیں جلا رہی ہے وہ نیک لوگوں کو نہیں جلا رہی' اور پھر نیک لوگوں کو دوزخ سے نکال لیا جائے گا تو جب نیک لوگوں کو دوزخ کی آگ مس نہیں کرے گی تو گویا وہ دوزخ میں داخل ہی نہیں ہوئے۔

الفزع الاکبر کی تفسیر میں اقوال

(۱) العوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ **الفزع الاکبر** سے مراد وہ صور ہے جو آخرت میں پھونکا جائے گا۔

(۲) سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد اہل دوزخ کا دوزخ میں بند ہو جانا ہے۔

(۳) ابن جریج نے کہا اس سے مراد جنت اور دوزخ کے درمیان موت کو ذبح کرنا ہے۔

(۴) حسن بصری نے کہا **الفزع الاکبر** سے مراد وہ وقت ہے جب کسی شخص کو دوزخ میں جانے کا حکم دیا جائے گا۔

(زاد المسیر ج ۵ ص ۳۹۴' مطبوعہ بیروت' ۱۴۰۷ھ)

الفزع الاکبر سے نہ گھبرانے والوں کے مصداق

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

امام بزار اور امام ابن مردویہ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا: مہاجرین کے لیے سونے کے منبر ہوں گے جن پر وہ قیامت کے دن بیٹھیں گے اور وہ الفزع (گھبراہٹ) سے مامون ہوں گے۔

امام طبرانی نے حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو لوگ اندھیروں میں مسجدوں میں داخل ہوتے ہیں انہیں قیامت کے دن نور کے منبروں کی بشارت دو' لوگ گھبرائیں گے اور وہ نہیں گھبرائیں گے۔

امام طبرانی نے المعجم الاوسط میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ کی ذات کے لیے محبت کرنے والے قیامت کے دن اللہ کے سائے میں ہوں گے جس دن اللہ کے سائے کے سوا کسی کا سایہ نہیں ہوگا' وہ نور کے منبروں پر ہوں گے' لوگ گھبرائیں گے اور وہ نہیں گھبرائیں گے۔

امام احمد اور امام ترمذی نے سند حسن کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن تین شخص مشک کے ٹیلوں پر ہوں گے' وہ الفزع الاکبر سے خوف زدہ اور دہشت زدہ نہیں ہوں گے ایک وہ شخص جو لوگوں کا امام ہو اور لوگ اس سے راضی ہوں' دوسرا وہ شخص جو ہر دن اور رات اذان دے اور تیسرا وہ شخص جو اللہ کا بھی حق ادا کرے اور اپنے مالکوں کا بھی۔ (الدر المنثور ج ۵ ص ۶۸۳' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ)

فرشتے ان کا استقبال کس جگہ کریں گے اس کے متعلق دو قول ہیں مقاتل نے کہا جس وقت وہ اپنی قبروں سے کھڑے ہوں گے۔ ابن السائب نے کہا جنت کے دروازہ پر۔ (زاد المسیر ج ۵ ص ۳۹۴)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جس دن ہم آسمانوں کو وثیقہ کے کاغذوں کی طرح لپیٹ لیں گے جس طرح ہم نے ابتداءً پیدا کیا تھا ہم اسی طرح دوبارہ پیدا کریں گے' یہ ہمارا وعدہ ہے جس کو ہم ضرور پورا کرنے والے ہیں ○ اور ہم نصیحت کرنے کے بعد زبور میں یہ لکھ چکے ہیں کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہی ہوں گے ○ بے شک اس (قرآن) میں عبادت گزاروں کے لیے عظیم پیغام ہے ○ (الانبیاء: ۱۰۶-۱۰۴)

السجل کے معنی کی تحقیق

اس آیت میں السجل کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے معاہدات کا رجسٹر' احکام اور دعووں کے ضبط کرنے کا رجسٹر جس کو قاضی اپنے پاس محفوظ رکھتا ہے' اس کو جوڈیشنل ریکارڈ بھی کہتے ہیں۔ (المنجد: ص ۴۵۹)

سجل: کاغذ کا طومار' صحیفہ' محضر' وثیقہ' لکھنے والا مرد' ایک شخص کا نام' سجلات' جمع۔ یہ ان اسماء میں سے ہے کہ باوجود مذکر ہونے کے ان کی جمع الف تا کے ساتھ آتی ہے۔ (تاج العروس) علامہ آلوسی لکھتے ہیں کہ اس میں اختلاف ہے کہ آیا یہ لفظ عربی ہے یا معرب؟ اہل بصرہ نے کہا یہ عربی لفظ ہے اور ابوالفضل رازی نے کہا زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ فارسی سے معرب ہے۔ ابن جنی جو نحو اور عربی لغت کے امام ہیں' انہوں نے المحتسب میں لکھا ہے کہ ایک قوم نے اس کو فارسی سے معرب کہا ہے۔ امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں کہ یہ لفظ اصل میں فارسی ہے اس کو عربی بنالیا گیا ہے اور سجل اس پتھر کو کہتے ہیں جس پر لکھا جاتا تھا' بعد میں ہر وہ چیز جس پر لکھا جاتا تھا اس کو سجل کہا جانے لگا' اس لحاظ سے سجل سنگ سے بنایا گیا ہے۔ علامہ نظام الدین نیشاپوری نے لکھا ہے کہ ابوالجوزاء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حبشی زبان میں سجل کا معنی شخص ہے' زجاج کا بھی یہی مختار ہے۔ امام ابن جریر طبری نے لکھا ہے کہ جس سجل کا اللہ تعالیٰ نے یہاں ذکر فرمایا ہے اس کے معنی میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک وہ ایک فرشتہ کا نام ہے۔ بعض کے نزدیک وہ ایک کاتب تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کتابت کرتے تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ سجل وہ صحیفہ ہے جس میں لکھا جاتا ہے۔ امام ابن جریر فرماتے ہیں ہمارے نزدیک اس

شخص کا قول راجح ہے جس نے سجل کا معنی صحیفہ کہا ہے کیونکہ سجل اس معنی میں کلام عرب میں معروف ہے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی ایسے کاتب کا پتا نہیں چلتا جس کا نام سجل ہو اور نہ کسی فرشتے کا نام سجل ہے۔ (لغات القرآن ج ۲ ص ۱۸۲)

امام عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ ھ لکھتے ہیں:

سجل کے متعلق چار قول ہیں:

(۱) حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور سدی نے کہا یہ ایک فرشتہ ہے۔

(۲) ابوالجوزاء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب کا نام ہے۔

(۳) حضرت ابن عباس سے دوسری روایت یہ ہے کہ حبشی زبان میں سجل مرد کو کہتے ہیں۔

(۴) ابن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ سجل صحیفہ کو کہتے ہیں۔ مجاہد، الفراء اور ابن قتیبہ کا یہی مختار ہے، اور اس آیت میں کتاب بہ معنی مکتوب ہے یعنی جس طرح کسی چیز کو صحیفہ میں لکھ کر صحیفہ کو لپیٹ لیا جاتا ہے، اسی طرح آسمانوں کو لپیٹ لیا جائے گا۔ (زاد المسیر ج ۵ ص ۳۹۶-۳۹۵، مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

طی السجل للکتب کا معنی ہے کہ سجل اس لکھے ہوئے کے لیے ساتر ہے کیونکہ طی کا معنی لپیٹنا اور تہہ کرنا ہے اور یہ کھولنے کی ضد ہے اس کا معنی یہ ہے کہ آسمانوں کو اس طرح لپیٹ دیں گے جس طرح طومار (صحیفہ) کو لکھ کر لپیٹ دیا جاتا ہے اور یہی اکثرین کا قول ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۱۹۱، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ)

ہمارے نزدیک صحیح یہ ہے کہ سجل کا معنی صحیفہ یا وثیقہ ہے جس میں حاکم فیصلہ لکھ کر اپنی مہر لگا دیتا ہے یا جس میں کسی معاہدہ کو لکھا جاتا ہے یا جس میں کسی ملکیت کے انتقال کو لکھ کر اس پر گواہوں کے دستخط کرائے جاتے ہیں یا طلاق لکھ کر اس پر دستخط کرائے جاتے ہیں۔ پرانے زمانے میں اس کو لپیٹ کر ٹین کے گول اور لمبے ڈبے میں حفاظت سے رکھ دیتے تھے پھر اس کو لکھ کر فائلوں اور رجسٹروں میں محفوظ کیا جانے لگا اور اب اس کو کمپیوٹر میں فیڈ کر کے اسٹور کر لیتے ہیں۔

عام لوگ حشر میں بغیر لباس کے اور شہداء لباس کے ساتھ اُٹھیں گے

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جس طرح ہم نے ابتدا میں پیدا کیا تھا ہم اسی طرح دوبارہ پیدا کریں گے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم قیامت کے دن ننگے پیر، ننگے بدن اور غیر مختون اُٹھائے جاؤ گے پھر آپ نے یہ آیت پڑھی **کما بدانا اول خلق نعیدہ** (الانبیاء: ۱۰۴) اور قیامت کے دن سب سے پہلے حضرت ابراہیم کو قمیص پہنائی جائے گی۔ الحدیث

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۴۹، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۲۳، سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۸۰۵، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۹۱۳)

قرآنِ مجید کی اس آیت میں ہے کہ حشر کے دن انسان کو بغیر کپڑوں اور لباس کے اُٹھایا جائے گا۔ اس کی شرح میں حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

امام بیہقی نے کہا ہے کہ امام ابوداؤد اور امام ابن حبان نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب ان کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے نئے کپڑے منگا کر پہن لیے اور کہا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میت کو ان ہی کپڑوں میں اُٹھایا جائے گا جن کپڑوں میں اس کی وفات ہوئی ہے، اور یہ حدیث صحیح بخاری کی اس حدیث کے خلاف ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بعض لوگوں کو بے لباس اُٹھایا جائے گا اور بعض لوگوں کو کپڑوں

کے ساتھ اُٹھایا جائے گا' یا سب کو بے لباس اُٹھایا جائے گا پھر انبیاء علیہم السلام کو کپڑے پہنائے جائیں گے اور سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا' یا سنن ابوداؤد کی حدیث کا محمل یہ ہے کہ ان کو قبروں سے اس لباس میں نکالا جائے گا جس لباس میں وہ فوت ہوئے تھے پھر ان کا لباس اُتار کر ان کو میدانِ حشر میں لایا جائے گا اور بغیر لباس کے ان کا حشر کیا جائے گا پھر سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا۔ بعض علماء نے حضرت ابوسعید کی حدیث کو شہداء پر محمول کیا ہے کیونکہ شہداء کے متعلق یہ حکم دیا گیا ہے کہ ان کو ان کے کپڑوں میں ہی دفن کر دیا جائے' پس یہ ہوسکتا ہے کہ حضرت ابوسعید نے یہ حدیث شہداء کے متعلق سنی ہو پھر اس کو بہ طور عموم روایت کر دیا ہو' اور جن لوگوں نے اس حدیث کو عموم پر محمول کیا ہے ان میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بھی ہیں کیونکہ امام ابن ابی الدنیا نے سند حسن کے ساتھ عمرو بن الاسود سے روایت کیا ہے ہم نے حضرت معاذ بن جبل کی والدہ کو دفن کیا (کفن دیا) انہوں نے کہا ان کو نئے کپڑوں میں کفن دیا جائے اور کہا اپنے مردوں کو اچھے کپڑوں کا کفن پہناؤ کیونکہ ان کو انہی کپڑوں میں اُٹھایا جائے گا۔

حضرت ابوسعید کی حدیث کو شہداء پر محمول کیا جائے کیونکہ ان کو اپنے کپڑوں سمیت دفن کیا جاتا ہے تاکہ وہ دوسروں سے ممتاز ہوں تو حشر میں بھی ان کو کپڑوں کے ساتھ اُٹھایا جائے گا تاکہ وہاں بھی وہ دوسروں سے ممتاز ہوں۔ علامہ ابن عبدالبر نے آخرت میں بے لباس اُٹھائے جانے کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ لباس انسان کا مال ہے اور آخرت میں انسان کے پاس دنیا کا کوئی مال نہیں ہوگا۔ لباس دنیا میں انسان کی مکروہ چیزوں کو چھپاتا ہے اور آخرت میں جو چیز انسان کی مکروہ چیزوں کو چھپائے گی وہ اس کے نیک اعمال کا ثواب ہیں یا اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کا فضل ہے' دنیا کے لباس کی وہاں کوئی ضرورت نہیں ہے۔

امام غزالی نے یہ حدیث ذکر کی ہے کہ میری اُمت کا حشر ان کے کفنوں میں کیا جائے گا اور باقی اُمت بے لباس ہوگی۔

علامہ قرطبی نے کہا کہ اگر یہاں اُمت کو شہداء پر محمول کر دیا جائے تو ان حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں رہے گا۔

(فتح الباری ج ۱۳ ص ۱۹۵' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ' عمدۃ القاری جز ۱۵ ص ۲۴۲' مطبوعہ مصر' ۱۳۴۸ھ)

آیا حشر میں سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا یا ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو' اس بحث میں علامہ ابوالعباس قرطبی کی تقریر

صحیح البخاری' صحیح مسلم اور سنن ترمذی کی حدیث میں ہے قیامت کے دن سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قمیص پہنائی جائے گی۔ اس کی شرح میں علامہ ابوالعباس احمد بن عمر مالکی قرطبی متوفی ۶۵۶ھ لکھتے ہیں:

یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ انبیاء وغیرہم اور تمام لوگ بے لباس اُٹھائے جائیں گے اور اہل سعادت کو جنت کے کپڑے پہنائے جائیں گے' اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جس کو جنت کا لباس پہنا دیا جائے گا وہ اس کو حشر کی تکلیفوں اور پسینے وغیرہ سے محفوظ رکھے گا اور سورج کی اور دوزخ کی حرارت سے بھی محفوظ رکھے گا' اور اس حدیث کا ظاہر عموم یہ تقاضا کرتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی پہلے قمیص پہنائی جائے گی اور ہوسکتا ہے کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خصائص میں سے ہو جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خصائص میں سے یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبر سے باہر آئیں گے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام عرش کا پایہ پکڑے کھڑے ہوں گے۔ حالانکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے قبر سے باہر آئیں گے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مطلقاً افضل ہوں' بلکہ تمام اہل محشر سے آپ ہی مطلقاً افضل ہیں' آپ تمام اولادِ آدم کے سردار ہیں اور ہوسکتا ہے کہ اس حدیث کا یہ معنی ہو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ باقی تمام لوگوں سے

پہلے قمیص پہنائی جائے گی اور یہ اوّلیت اضافی ہو اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کلام کے عموم میں داخل نہ ہوں۔
(المفہم من تلخیص مسلم ج ٧ ص ١٥٣-١٥٢، مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت، ١٤١٧ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کے دن لباس پہنانے کے متعلق علامہ ابو عبداللہ قرطبی کی تقریر

علامہ ابو العباس قرطبی متوفی ٦٥٦ھ کے تلمیذ علامہ ابو عبداللہ قرطبی متوفی ٦٦٨ھ اپنے استاذ کی اس عبارت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ اگر ہمارے شیخ کے اس کلام کے خلاف حدیث صریح نہ ہوتی تو یہ ان کا بہت عمدہ کلام تھا۔ (یعنی اوّلیت کا اضافی ہونا) کیونکہ امام ابن المبارک نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سب سے پہلے حضرت خلیل اللہ ابراہیم کو دو قبطی کپڑے پہنائے جائیں گے پھر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عرش کی دائیں جانب سے یمن کی ایک منقش چادر پہنائی جائے گی، اس کو امام بیہقی نے بھی ذکر کیا ہے۔ (کتاب الرقائق مع الزہد، رقم الحدیث: ٣٦٥، کتاب الاسماء والصفات ص ٣٩٥)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اذان دینے والے اور تلبیہ پڑھنے والے قیامت کے دن اپنی قبروں سے باہر آئیں گے پھر مؤذن اذان دے گا اور تلبیہ پڑھنے والا تلبیہ پڑھے گا اور سب سے پہلے جنت کے حلوں میں سے حضرت ابراہیم خلیل اللہ کو حلہ پہنایا جائے گا پھر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پھر باقی انبیاء اور رُسل علیہم السلام کو پھر مؤذنوں کو لباس پہنایا جائے گا۔ اس حدیث کا الحلیمی نے منہاج الدین میں ذکر کیا ہے۔ (الحلیمی کی منہاج الدین ہم کو نہیں مل سکی کہ اس حدیث کی تحقیق اور تخریج کی جاتی)

امام بیہقی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم کو ننگے پیر، ننگے بدن اُٹھایا جائے گا اور سب سے پہلے (حضرت) ابراہیم (علیہ السلام) کو جنت کے حلوں سے لباس پہنایا جائے گا پھر عرش کی دائیں جانب ایک کرسی لاکر بچھائی جائے گی پھر مجھے جنت کا حلہ پہنایا جائے گا۔
(کتاب الاسماء والصفات ص ٣٩٥، کنز العمال رقم الحدیث، ٣٨٩٤٣)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا پھر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو لباس پہنایا جائے۔ سو اس آدمی کے لیے خوشی ہو جس کو اس وقت جنت کا لباس پہنایا جائے گا کیونکہ جو اس لباس کو پہن لے گا اس کو حشر کی گرمی، سورج کی تپش، پسینہ اور دیگر دہشت ناک چیزوں سے کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔
(التذکرہ ج ١ ص ٣٢١-٣٢٠، مطبوعہ دار البخاری مدینہ منورہ، ١٤١٧ھ)

حافظ سیوطی نے لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم کو سب سے پہلے لباس پہنانے کی حکمت یہ ہے کہ ان کو برہنہ کر کے نار نمروذ میں ڈالا گیا تھا، اس کی تلافی کے لیے ان کو دو حلے پہنائے جائیں گے۔ (التوشیح ج ٣ ص ٣٢٦، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ١٤٢٠ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کے دن لباس پہنانے کے متعلق حافظ عسقلانی شافعی کی تقریر

حافظ ابن حجر عسقلانی نے علامہ ابو العباس قرطبی کی تقریر ذکر کی ہے پھر اس پر علامہ ابو عبداللہ قرطبی کا تبصرہ اور ان کی بیان کردہ احادیث مزید اسانید کے ساتھ ذکر کی ہیں پھر انہوں نے اس سلسلہ میں مزید احادیث پیش کی ہیں:

مرسل عبید بن عمیر میں جعفر بن فریابی سے لکھتے ہیں لوگوں کا ننگے بدن حشر کیا جائے گا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا وجہ ہے کہ میں اپنے خلیل کو برہنہ دیکھ رہا ہوں پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سفید کپڑے پہنائے جائیں گے اور وہ سب سے پہلے شخص ہوں گے جن کو لباس پہنایا جائے گا، اور ان کو سب سے پہلے لباس پہنانے کی حکمت یہ ہے کہ جب ان کو نمروذ کی جلائی ہوئی آگ میں پھینکا گیا تھا تو ان کا لباس اُتار لیا گیا تھا، اور ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے شلوار پہننے کی سنت قائم کی

تھی۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ روئے زمین پر سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والے تھے تو ان کو بے خوف رکھنے کے لیے جلدی لباس پہنایا گیا تا کہ وہ مطمئن رہیں۔ امام ابن مندہ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا' اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرے خلیل کو لباس پہناؤ تا کہ آج لوگوں پر ان کی فضیلت ظاہر ہو جائے۔ میں کہتا ہوں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس خصوصیت سے کہ انہیں سب سے پہلے لباس پہنایا جائے گا' یہ لازم نہیں آتا کہ وہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مطلقاً افضل ہوں' اور اب مجھ پر یہ وجہ ظاہر ہوئی ہے کہ یہ ہو سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر سے اسی لباس میں باہر آئے ہوں جس لباس میں آپ کی وفات ہوئی تھی اور آپ کو جنت کے حلوں میں سے جو حلہ پہنایا جائے گا' وہ محض آپ کی عزت اور کرامت کے اظہار کے لیے ہو اور اس پر قرینہ یہ ہے کہ آپ کو عرش کے پائے کے پاس کرسی پر بٹھایا جائے گا۔ (الاسماء والصفات ص ۳۹۵) اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سب سے پہلے لباس پہنانے کی فضیلت باقی مخلوق کے اعتبار سے ہے (کیونکہ آپ تو پہلے ہی لباس میں تھے) اور حلیمی نے یہ جواب دیا ہے کہ پہلے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کو لباس پہنایا جائے گا جیسا کہ ظاہر حدیث میں ہے لیکن ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حلہ بہت افضل اور اکمل ہو گا اور اس کی نفاست سے اس کمی کی تلافی ہو جائے گی جو اولیت کے فوت ہونے سے ہوئی ہے۔

(فتح الباری ج ۱۳ص ۱۹۷۔۱۹۶' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کے دن لباس پہنانے کے متعلق علامہ عینی حنفی کی تقریر

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

حدیث میں ہے قیامت کے دن جس شخص کو سب سے پہلے لباس پہنایا جائے گا' وہ ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ اس حدیث میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ظاہر منقبت' عظیم فضیلت اور خصوصیت ہے' جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس فضیلت کے ساتھ خاص کیا گیا کہ جب ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم قبر سے باہر آئیں گے تو آپ دیکھیں گے کہ حضرت موسیٰ عرش کے پائے کو پکڑے ہوئے کھڑے ہیں' حالانکہ آپ سید المرسلین ہیں اور سب سے پہلے قبر سے باہر آئیں گے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت موسیٰ یا حضرت ابراہیم علیہما السلام ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہوں بلکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی قیامت کے دن سب سے افضل ہوں گے' اور اگر کوئی شخص کسی ایک فضیلت کے ساتھ خاص ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ مطلقاً افضل ہو۔ (یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جزوی فضیلت ہے اور فضیلت کلی آپ ہی کو حاصل ہے) دوسرا جواب یہ ہے کہ آپ نے جو فرمایا سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا' اس میں آپ کی مراد آپ کے علاوہ ہے کیونکہ اہل اصول نے یہ قاعدہ بیان کیا ہے کہ متکلم اپنے خطاب کے عموم میں داخل نہیں ہوتا یعنی آپ کے علاوہ باقی لوگوں کی بہ نسبت سب سے پہلے حضرت ابراہیم کو لباس پہنایا جائے گا' اور امام ابن المبارک نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ذکر کی ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دو قبطی کپڑے پہنائے جائیں گے پھر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عرش کی دائیں جانب ایک منقش چادر پہنائی جائے گی' اور حلیمی نے منہاج میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ذکر کی ہے کہ سب سے پہلے جنت کے حلوں میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پہنایا جائے گا پھر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پھر باقی نبیوں کو' اور آپ کے حلہ کا کپڑا سب سے نفیس ہو گا گویا کہ آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ہی حلہ پہنایا جائے گا' اور امام ابو نعیم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میرے خلیل کو پہناؤ سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دو سفید کپڑے پہنائے جائیں گے وہ

عرش کی طرف منہ کر کے کھڑے ہوں گے' پھر ایک کرسی لائی جائے گی اور اس کو عرش کی دائیں جانب رکھا جائے گا اور اس پر مجھے بٹھایا جائے گا پھر مجھے ایسا حلہ پہنایا جائے گا جس کے مرتبہ کا حلہ کسی کے پاس نہیں ہوگا۔ (حلہ کا معنی ہے ایک قسم کی دو چادریں) (عمدۃ القاری ج ١٥ ص ٢٤٣-٢٤٢ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر ١٣٤٨ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کے دن لباس پہنانے کے متعلق علامہ طیبی شافعی کی تقریر

علامہ شرف الدین حسین بن محمد بن عبداللہ الطیبی متوفی ٧٤٣ھ لکھتے ہیں:

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ کیا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء سے افضل نہیں ہیں پھر اس کی کیا توجیہ ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندہ کو فضائل اور خصوصیات عطا فرما کر سب سے افضل قرار دے پھر کسی اور شخص کو' کسی ایک فضیلت میں خصوصیت عطا فرمائے تو اس ایک فضیلت میں خصوصیت سے اس بندہ کے افضل ہونے میں کوئی کمی نہیں ہوتی اور یہ سب کو معلوم ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو سب سے پہلے کلام کرنے اور شفاعت کرنے کا اذن عطا کیا جائے گا اس کے مقابلہ میں کسی کی فضیلت نہیں ہے' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے بہت فضائل عطا کیے گئے ہیں جن میں آپ کا کوئی شریک نہیں ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جزوی فضیلت ہے۔ (الکاشف عن حقائق السنن (شرح الطیبی) ج ١٠ ص ١٦٤' مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی' ١٤١٣ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کے دن لباس پہنانے کے متعلق ملا علی قاری حنفی کی تقریر

ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی ١٠١٤ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سب سے پہلے لباس اس لیے پہنایا جائے گا کہ وہ فقراء کو لباس پہناتے تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ اللہ کی ذات کی وجہ سے سب سے پہلے دنیا میں ان کا لباس اُتارا گیا تھا' نہ اس وجہ سے کہ وہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والد اور باپ ہیں تو باپ کے شرف کی وجہ سے ان کو ہمارے نبی سے پہلے لباس پہنایا جائے گا۔ علاوہ ازیں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جس لباس میں دفن کیا گیا تھا' آپ کو اسی لباس میں ملبوس اُٹھایا جائے گا' اور میرا یہ نظریہ ہے کہ تمام انبیاء بلکہ اولیاء بھی اپنی قبروں سے ننگے پیر اور ننگے بدن اُٹھیں گے لیکن وہ اپنے کفنوں کو اس طرح اوڑھے ہوئے ہوں گے کہ ان کی شرم گاہیں خود ان سے اور دوسرے لوگوں سے مستور اور محجوب ہوں گی' اور یہی معنی اس حدیث کے مناسب ہے کہ میں اس حال میں قبر سے باہر آؤں گا کہ میری دائیں طرف ابوبکر اور بائیں طرف عمر ہوں گے پھر میں البقیع کی طرف جاؤں گا۔ الحدیث

پھر یہ نفوس قدسیہ اونٹنیوں اور دیگر سواریوں پر سوار ہو کر میدانِ محشر کی طرف جائیں گے اور محشر میں جو جنت کے حلے پہنائے جائیں گے وہ اللہ تعالیٰ کے خصوصی الطاف' اکرامات اور انعامات کے قبیل سے ہوں گے جو وہ اپنے پسندیدہ اور مقبول بندوں پر فرمائے گا۔

پھر میں نے الجامع الصغیر میں یہ حدیث دیکھی: جس سے زمین سب سے پہلے شق ہوگی وہ میں ہوں اور اس پر فخر نہیں' پھر مجھے جنت کے حلوں میں سے حلے پہنائے جائیں گے پھر میں عرش کی دائیں جانب کھڑا ہوں گا اور تمام مخلوق میں سے کوئی شخص بھی اس مقام پر کھڑا نہیں ہو سکے گا۔

(الجامع الصغیر رقم الحدیث: ٢٨٣٣ اور الجامع الکبیر رقم الحدیث: ٨٧٧٥ میں صرف اتنا ہے جس سے زمین سب سے پہلے شق ہوگی وہ میں ہوں اور فخر نہیں' اور اس میں حلے پہننے وغیرہ کا ذکر نہیں۔ البتہ کنز العمال اور الاسماء والصفات میں اس کا ذکر

ہے۔ غالباً ملا علی قاری کو حوالہ میں اشتباہ ہو گیا) اور امام ترمذی اور حاکم نے حضرت ابن عمر سے روایت کیا ہے کہ سب سے پہلے مجھ سے زمین شق ہو گی پھر ابو بکر اور عمر سے پھر میں اہل البقیع پر آؤں گا' ان کا میرے ساتھ حشر کیا جائے گا' پھر میں اہل مکہ کا انتظار کروں گا۔ (ملا علی قاری کو یہاں بھی تسامح ہوا ہے۔ ترمذی رقم الحدیث: ۳۱۴۸ اور ۳۶۱۵ میں صرف اتنی حدیث ہے سب سے پہلے میں قبر سے شق ہوں گا اور فخر نہیں' اور حاکم کی المستدرک رقم الحدیث: ۴۴۸۶ میں اس کے بعد حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا ذکر ہے اور اہل بقیع کی طرف جانے اور اہل مکہ کے انتظار کا ذکر نہیں ہے) اس کے بعد ملا علی قاری نے تورپشتی کے حوالے سے علامہ طیبی کی تقریر ذکر کی ہے۔ (المرقات ج ۱۰ ص ۲۵۱' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان' ۱۳۱۰ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کے دن لباس پہنانے کے متعلق شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی تقریر

شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ لکھتے ہیں:

اس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ اعزاز اور اکرام آپ کے ساتھ تعلق کی وجہ سے کیا گیا تھا جب کہ بعض روایات میں آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جن کپڑوں میں دفن کیا گیا تھا' ان ہی میں اُٹھایا جائے گا۔ (اشعۃ اللمعات ج ۴ ص ۳۶۷' مطبوعہ مطبع تیج کمار لکھنؤ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کے دن لباس پہنانے کے متعلق مصنف کی تحقیق

میں کہتا ہوں کہ حدیث صحیح میں ہے:

ابو سلمہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت ابو سعید خدری کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے نئے کپڑے منگا کر پہنے اور کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میت کو ان ہی کپڑوں میں اُٹھایا جائے گا جن میں اس کو موت آئی تھی۔ (سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۱۱۴' جامع الاصول رقم الحدیث: ۸۵۹۵)

اور اس حدیث کا محمل یہ ہے کہ شہداء کو اسی لباس میں اُٹھایا جائے گا جس لباس میں شہید ہوئے تھے اور باقی لوگوں کو بے لباس اُٹھایا جائے گا تو یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ کی اُمت کے شہداء کو تو لباس کے ساتھ اُٹھایا جائے اور آپ کو بے لباس اُٹھایا جائے اور میدانِ محشر میں آپ کی اُمت کے شہداء آپ سے افضل حال میں ہوں۔ اس لیے لازماً یہ کہنا پڑے گا کہ آپ کو بھی لباس کے ساتھ اُٹھایا جائے گا۔ ثانیاً آپ بھی معناً شہید ہیں کیونکہ آپ کو جو خیبر میں زہر دیا گیا تھا' اسی کے اثر سے آپ کی وفات ہوئی۔ حدیث میں ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض وفات میں فرمایا: اے عائشہ! میں نے خیبر میں جو طعام کھایا' میں ہمیشہ اس (زہر آلود) طعام کا درد محسوس کرتا رہا ہوں اور اب وقت آ گیا ہے کہ اسی زہر کے اثر سے میری شہ رگ منقطع ہو جائے گی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۴۲۸' جامع الاصول رقم الحدیث: ۸۵۲۸)

اس حدیث سے یہ واضح ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی شہید ہیں اور سنن ابو داؤد کی حدیث کا یہ محمل ہے کہ شہداء کو ان ہی کپڑوں میں اُٹھایا جائے گا جن میں ان کی وفات ہوئی' اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان کپڑوں میں اُٹھایا جائے گا جن کپڑوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تھی۔ وللہ الحمد۔

نیز میں کہتا ہوں کہ قرآن مجید میں ہے:

قُلۡ اِنَّ صَلَاتِیۡ وَنُسُکِیۡ وَ مَحۡیَایَ وَمَمَاتِیۡ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ (الانعام - ۱۶۲)

آپ کہیے کہ میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت (سب) اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔

شہید کی تو صرف موت اللہ کے لیے ہوتی ہے' آپ کی تو موت اور حیات سب اللہ کے لیے اور اس کے راستہ میں ہے۔ اس لیے آپ شہید سے کہیں زیادہ عزت اور کرامت کے مستحق ہیں۔ اس لیے آپ کو آپ کے ان ہی کپڑوں میں اُٹھایا جائے گا جن میں آپ کی وفات ہوئی تھی پھر آپ کی عزت و کرامت کو ظاہر کرنے کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد آپ کو ان سے اچھے جنت کے حلے پہنائے جائیں گے اور آپ کو عرش کے پائے کے پاس کرسی پر بٹھایا جائے گا جو اللہ کے حبیب ہیں تمام اولین اور آخرین سے مکرم ہیں' تمام رسولوں کے قائد ہیں' آدم اور ان کے ماسوا تمام لوگ قیامت کے دن ان کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے جو سب سے پہلے شفاعت کرنے والے ہیں' جو سب سے پہلے جنت میں داخل ہونے والے ہیں' ان کی عزت اور کرامت سے یہ مناصب کب بعید ہیں۔

کیا قیامت کے دن برہنہ لوگ ایک دوسرے کی طرف دیکھیں گے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا حشر اس حال میں کیا جائے گا کہ تم ننگے پیر' ننگے بدن اور غیر مختون ہو گے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا یارسول اللہ! مرد اور عورت ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: وہاں اس سے زیادہ سخت معاملہ ہوگا کہ لوگوں کو اس کا خیال آئے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۲۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۵۹)

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام ابوبکر بن ابی شیبہ کی روایت میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا یارسول اللہ! کیا ہمیں حیا نہیں آئے گی؟ آپ نے فرمایا: اے عائشہ! وہاں معاملہ اس سے زیادہ سخت ہوگا کہ لوگ ایک دوسرے کی طرف دیکھیں۔ حاکم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا یارسول اللہ! پھر شرم گاہوں کا کیا ہوگا؟ تو آپ نے یہ آیت پڑھی:

لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُّغْنِيهِ ۝ (عبس: ۳۷)

ان میں سے اس دن ہر ایک کو ایسی فکر ہوگی جو دوسروں سے مستغنی کر دے گی۔

ترمذی اور حاکم کی روایت میں ہے' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ آیت پڑھی:

وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ (الانعام: ۹۴)

تم ہمارے پاس تنہا تنہا آئے ہو جس طرح ہم نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا ہائے ان کی شرم گاہیں! مرد اور عورت ایک دوسرے کی شرم گاہوں کی طرف دیکھ رہے ہوں گے تو آپ نے یہ آیت پڑھی:

لکل امرئ منھم یومئذ شان یغنیه اور فرمایا مرد عورتوں کی طرف نہیں دیکھیں گے اور عورتیں مردوں کی طرف نہیں دیکھیں گی ہر ایک دوسرے سے بے نیاز ہوگا۔ (فتح الباری ج ۱۳ ص ۱۹۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ)

زبور کے معانی

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اور ہم نصیحت کرنے کے بعد زبور میں یہ لکھ چکے ہیں کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہی ہوں گے۔ (الانبیاء: ۱۰۵)

زبور کے متعلق مفسرین کے حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) سعید بن جبیر' مجاہد' مقاتل اور ابن زید نے کہا آسمانی کتابوں کو زبور کہتے ہیں اور من؟ بعد الذکر میں ذکر سے مراد لوح

محفوظ ہے کیونکہ اس میں مستقبل میں ہونے والی تمام باتیں لکھی ہوئی ہیں اور انبیاء علیہم السلام پر نازل ہونے والی کتابیں بھی وہیں سے لکھی گئی ہیں' اور اب آیت کا معنی ہوگا ہم نے لوح محفوظ میں لکھنے کے بعد آسمانی کتابوں کو لکھ دیا۔

(۲) قتادہ اور شعبی نے کہا زبور سے مراد قرآنِ مجید ہے اور ذکر سے مراد تورات ہے اور اب معنی یہ ہے کہ ہم نے تورات میں قرآنِ مجید کو نازل کرنے کے متعلق لکھ دیا تھا۔

(۳) زبور سے مراد حضرت داؤد علیہ السلام کی زبور ہے اور ذکر سے مراد نصیحت ہے۔

(۴) ذکر سے مراد علم ہے۔ یعنی ہم نے علم کے باوجود زبور میں لکھ دیا تھا اور لکھنے سے یہ وہم نہ کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اس لیے لکھا تھا کہ اس کو سہو ہو جائے گا یا وہ بھول جائے گا۔

قرآن مجید کے صدق پر زبور کی شہادت

ہم نے اس آیت کے ترجمہ میں لکھا ہے اور ہم نصیحت کرنے کے بعد زبور میں یہ لکھ چکے ہیں کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے۔ اب ہم زبور کے حوالے سے اس نصیحت اور نیک بندوں کے لیے زمین کی وراثت کو بیان کرنا چاہتے ہیں تاکہ قرآنِ مجید کی صداقت اور حقانیت واضح ہو جائے۔

باب: ۳۷' داؤد کا مزمور (یعنی ان کا گیت)

تو بدکرداروں کے سبب سے بیزار نہ ہو اور بدی کرنے والوں پر رشک نہ کر کیونکہ وہ گھاس کی طرح جلد کاٹ ڈالے جائیں گے اور سبزہ کی طرح مرجھا جائیں گے۔ خداوند پر توکل کر اور نیکی کر۔ ملک میں آباد رہ اور اس کی وفاداری سے پرورش پا۔ خداوند سے مسرور رہ اور وہ تیرے دل کی مرادیں پوری کرے گا۔ اپنی راہ خداوند پر چھوڑ دے اور اس پر توکل کر وہی سب کچھ کرے گا۔ اور وہ تیری راستبازی کو نور کی طرح اور تیرے حق کو دوپہر کی طرح روشن کرے گا۔ خداوند میں مطمئن رہ اور صبر سے اس کی آس رکھ۔ اس آدمی کے سبب سے جو اپنی راہ میں کامیاب ہوتا اور برے منصوبوں کو انجام دیتا ہے بیزار نہ ہو۔ قہر سے باز آ اور غضب کو چھوڑ دے۔ بیزار نہ ہو۔ اس سے برائی ہی نکلتی ہے کیونکہ بدکردار کاٹ ڈالے جائیں گے لیکن جن کو خداوند کی آس ہے' ملک کے وارث ہوں گے۔ (زبور باب: ۳۷' آیت: ۹-۱' پرانا عہد نامہ ص: ۵۴۸' مطبوعہ لاہور' ۱۹۹۲)

یہ گیت ۴۰ آیتوں پر مشتمل ہے اور اس میں مسلسل نصیحت کی آیتیں ہیں اور کئی جگہ نیکوں کو زمین کا وارث کرنے کا ذکر ہے۔ آیت: ۹ کے بعد آیت: ۱۱ میں ہے لیکن حلیم ملک کے وارث ہوں گے اور سلامتی کی فراوانی سے شادمان رہیں گے۔ اس کے بعد آیت: ۲۲ میں ہے کیونکہ جن کو وہ برکت دیتا ہے وہ زمین کے وارث ہوں گے۔ اور جن پر وہ لعنت کرتا ہے وہ کاٹ ڈالے جائیں گے۔ پھر آیت: ۳۴ میں ہے خداوند کی آس رکھ اور اس کی راہ پر چلتا رہ اور وہ تجھے سرفراز کر کے زمین کا وارث بنائے گا۔ (پرانا عہد نامہ ص ۵۴۹-۵۴۸' مطبوعہ بائبل سوسائٹی لاہور' ۱۹۹۲ء)

اور اس طرح قرآنِ مجید نے جو کہا تھا کہ ہم زبور میں نصیحت کرنے کے بعد یہ لکھ چکے ہیں کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہی ہوں گے' اس آیت کا صدق زبور کی شہادت سے ظاہر ہو گیا۔

ہزاروں سال گزر گئے' بائبل میں بہت تبدیلی اور تحریف بھی کی گئی ہے لیکن قرآنِ مجید نے جو کہا تھا کہ زبور میں نصیحت کے بعد ہم یہ لکھ چکے ہیں کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہی ہوں گے' وہ نصیحت اور وراثت کا قاعدہ زبور میں آج بھی اسی طرح موجود ہے اور یہ قرآن مجید کی صداقت اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی حقانیت پر آفتاب سے زیادہ روشن دلیل ہے۔

زمین کی وراثت سے جنت کی زمین مراد ہونا

زمین کی وراثت کے دو محمل ہیں ایک یہ ہے کہ اس سے مراد جنت کی زمین ہے اور دوسرا یہ ہے کہ اس سے مراد دنیا کی زمین ہے۔ اکثر مفسرین کا یہ رجحان ہے کہ اس زمین سے مراد جنت کی زمین ہے کیونکہ دنیا کی زمین کے وارث تو نیک اور بد مومن اور کافر سب قسم کے لوگ ہوتے رہتے ہیں' اور آیت کا معنی اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں اور انبیاء علیہم السلام کی کتابوں اور صحیفوں میں یہ لکھ دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے جنت کے وارث نیک بندے ہی ہوں گے۔ حضرت ابن عباس' مجاہد' سعید بن جبیر' عکرمہ اور ابو العالیہ وغیرہ کا یہی قول ہے' اور اس معنی کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ اہل جنت' جنت میں داخل ہونے کے بعد کہیں گے:

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَیْثُ نَشَآءُ ۚ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ ○ (الزمر: ۷۴)

اور (جنتی) کہیں گے اللہ کا شکر ہے جس نے ہم سے اپنا وعدہ پورا کیا اور ہم کو اس زمین کا وارث بنا دیا ہم جنت میں جہاں چاہتے ہیں قیام کرتے ہیں اور نیک عمل کرنے والوں کا کیا ہی اچھا اجر ہوتا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ جنت ہی وہ زمین ہے جو نیک لوگوں کے ساتھ خاص کی گئی ہے اور ان کے لیے بنائی گئی ہے اور ہم جیسے گناہ گار اگر جنت میں گئے تو بالتبع جائیں گے۔ (اللہ ہم کو بھی جنت میں داخل کر دے گو ہم اس کے لائق نہیں) اور رہی دنیا کی زمین تو وہ خصوصیت کے ساتھ نیک لوگوں کے لیے نہیں بنائی گئی۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے زبور کا حوالہ دیا ہے کہ ہم زبور میں نصیحت کرنے کے بعد یہ لکھ چکے ہیں کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہی ہوں گے' اور زبور کی آیتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ وراثت دائمی اور ابدی ہو گی اور زمین میں ابدی وراثت تو صرف جنت میں ہو سکتی ہے کیونکہ دنیا تو فانی ہے۔ اب حضرت داؤد علیہ السلام کے اس گیت میں وہ آیتیں پڑھیں جن میں دائمی وراثت کا ذکر ہے:

کامل لوگوں کے ایام کو خداوند جانتا ہے' ان کی میراث ہمیشہ کے لیے ہو گی۔ زبور: باب: ۳۷' آیت: ۱۸' بدی کو چھوڑ دے اور نیکی کر اور ہمیشہ تک آباد رہ۔ زبور: باب: ۳۷' آیت: ۲۷' صادق زمین کے وارث ہوں گے اور اس میں ہمیشہ بسے رہیں گے۔ زبور: باب: ۳۷' آیت: ۲۹

زمین کی وراثت سے دنیا کی زمین مراد ہونا

اور بعض مفسرین نے کہا اس سے مراد دنیا کی زمین ہے اور اللہ تعالیٰ نے نیک مسلمانوں سے حکومت اور اقتدار عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ اس کی دلیل یہ آیت ہے:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَیُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِیْنَهُمُ الَّذِی ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِكُوْنَ بِیْ شَیْـًٔا ؕ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○ (النور: ۵۵)

تم میں سے جو لوگ ایمان لا چکے ہیں اور وہ اعمال صالحہ کر چکے ہیں' ان سے اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ کر لیا ہے کہ وہ ان کو ضرور زمین میں خلیفہ بنائے گا جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا اور یقیناً ان کے لیے ان کے اس دین کو مضبوط کر دے گا جس کو وہ ان کے لیے پسند کر چکا ہے اور ضرور ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا' جو لوگ میری عبادت کرتے ہیں اور میرے ساتھ بالکل

شرک نہیں کرتے اور جن لوگوں نے اس کے بعد کفر اور ناشکری کی سو وہی لوگ فاسق ہیں۔

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا:

قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ (الاعراف: ۱۲۸)

موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اللہ سے مدد طلب کرو اور (جنگ کی مشکلات پر) صبر کرو۔ بے شک زمین اللہ کی ہے وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس زمین کا وارث کرتا ہے۔

اس اعتراض کا جواب کہ جب زمین کی وراثت صرف نیک بندوں کو دی جاتی ہے تو پھر کافروں کو حکومتیں اور اقتدار کیوں دیا گیا

ان آیات کا محمل یہ ہے کہ جب نیک مسلمان اللہ کے دین کے نظام کو قائم کرنے کی کوشش اور جدوجہد کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرے گا اور اپنے فضل سے ان کو زمین پر اقتدار عطا فرمائے گا' اور جب تک وہ نیک کام کرتے رہیں گے ان کو اللہ تعالیٰ کی تائید اور نصرت حاصل رہے گی' اور جب وہ گناہ اور سرکشی کو اختیار کریں گے تو اللہ تعالیٰ کی تائید اور نصرت ان سے منہ موڑ لے گی۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ پھر کفار اور فساق کو زمین پر اقتدار کیسے حاصل ہوا اور اب زمین پر زبردست اور مستحکم اقتدار ان ہی کو حاصل ہے' اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نیک مسلمانوں کو جو زمین پر اقتدار عطا فرماتا ہے اسے اللہ تعالیٰ کی تائید اور نصرت اور اس کو خوشنودی اور رضا حاصل ہوتی ہے' اور جب تک مسلمان نیک طریقہ پر قائم رہیں ان کے پاس وہ اقتدار رہتا ہے اور جب وہ معصیت اور سرکشی کو اختیار کریں اور اسی میں ڈوب جائیں تو پھر اللہ تعالیٰ ان سے وہ نعمت چھین لیتا ہے۔ خلفاء راشدین اور بعد کے نیک مسلمانوں کی حکومتیں اللہ تعالیٰ کی تائید اور نصرت سے قائم رہیں اور جب مسلمانوں نے اللہ کے نظام کو چھوڑ دیا تو اللہ تعالیٰ کی نصرت نے انہیں چھوڑ دیا۔

رہا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے کفار اور بدترین فساق جیسے امریکہ' روس' اسرائیل' برطانیہ اور فرانس وغیرہ کو بھی زمین پر اقتدار عطا فرمایا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی خوشنودی اور رضا سے زمین پر اقتدار نہیں عطا فرمایا بلکہ اپنی مشیت کے تحت ان کو زمین پر اقتدار عطا فرمایا اور ان کو ان کے کفر اور ان کی سرکشی میں ڈھیل دی ہوئی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے تکوینی نظام کے تحت کفر کی حکومتیں قائم ہیں جیسے زمین پر قدرتی آفات آتی ہیں' زلزلے آتے ہیں' طوفان آتے ہیں' قحط آجاتا ہے' اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے تکوینی نظام اور مشیت کے تحت کافروں' ظالموں اور فاسقوں کو اقتدار عطا فرمایا اور اس میں مسلمانوں کے لیے تازیانہ عبرت ہے اور ان کی سزا ہے کیونکہ انہوں نے زمین پر اقتدار ملنے کے باوجود اللہ کے نظام کو قائم نہیں کیا اور عیش و عشرت اور رنگ رلیاں منانے میں ڈوب گئے تو اللہ نے ان کے دشمنوں کو زمین پر اقتدار دے دیا' اور اس میں کافروں کو ڈھیل دی گئی ہے وہ اپنے کفر اور سرکشی میں بڑھتے رہیں گے اور زیادہ سے زیادہ اُخروی سزا کے مستحق ہوتے جائیں گے لیکن ایک وقت آئے گا جب کفار سے یہ اقتدار واپس لے لیا جائے گا جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے تو پھر تمام روئے زمین پر نیک مسلمانوں کا ہی اقتدار ہوگا۔

سید مودودی کے جواب پر تبصرہ

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ نے اس اعتراض کے جواب میں یہ لکھا ہے:

مشیتِ الٰہی کے تحت یہ وراثت مومن اور کافر' صالح اور فاسق' فرماں بردار اور نافرمان سب کو ملتی ہے مگر جزاء اعمال کے طور پر نہیں بلکہ امتحان کے طور پر۔ اسی آیت کے بعد دوسری آیت میں فرمایا **ویستخلفکم فی الارض فینظر کیف تعملون**۔ (آیت: ۱۲۹) اور وہ تم کو خلیفہ بنائے گا پھر دیکھے گا تم کیسے عمل کرتے ہو۔

(تفہیم القرآن جلد ۳ ص ۱۹۲-۱۹۱' مطبوعہ لاہور' ۱۹۸۳ء)

سید مودودی کا یہ جواب صحیح نہیں ہے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو نعمت عطا فرما کر ان سے امتحان لیتا ہے کہ وہ نیک روش پر قائم رہتے ہیں یا نہیں' کفار مثلاً روس' امریکہ' برطانیہ اور فرانس کو جو اللہ تعالیٰ نے زمین پر اقتدار دیا' وہ ان سے امتحان نہیں لیا بلکہ ان کو ان کے کفر میں ڈھیل دی ہے اور مسلمانوں کے لیے تازیانہ عبرت اور سزا ہے' اور سید مودودی نے جو آیت پیش کی ہے اس سے بھی غلط نتیجہ نکالا ہے۔ الاعراف: ۱۲۸ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پہلے اپنی قوم سے فرمایا: اللہ سے مدد طلب کرو اور (جنگ کی مشکلات میں صبر کرو) بے شک زمین اللہ کی ہے' وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس زمین کا وارث کرتا ہے۔ اس کے بعد کی آیت میں ہے:

قَالُوْٓا اُوْذِیْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِیَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ۭ قَالَ عَسٰی رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِی الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ۝ (الاعراف: ۱۲۹)

(بنی اسرائیل نے) کہا آپ کے آنے سے پہلے بھی ہم مصائب میں مبتلا تھے اور آپ کے آنے کے بعد بھی۔ موسیٰ نے کہا عنقریب تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے گا اور تم کو زمین میں خلیفہ بنا دے گا پھر دیکھے گا کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔

اس تفصیل سے واضح ہو گیا کہ حضرت موسیٰ کا یہ ارشاد مسلمانوں سے تھا کہ جب تم کو زمین پر اقتدار دیا جائے گا تو یہ تمہارا امتحان ہوگا کیونکہ نیک اور بدعمل کا امتحان مسلمانوں سے ہی متصور ہے۔ کافر حکمران سے یہ امتحان مطلوب نہیں ہے کیا کافر حکمران کفر سے توبہ کیے بغیر زمین میں عدل و انصاف کرنے لگیں تو ان کی نجات ہو جائے گی۔ امریکہ' برطانیہ اور فرانس وغیرہ نے اپنے اپنے ملکوں میں تو عدل و انصاف قائم کیا ہوا ہے' وہاں خوشحالی ہے' عوام کو روزگار مہیا ہے' بے روزگاروں کو وظیفہ دیتے ہیں اگر کوئی کسی پر ظلم اور تعدی کرے تو اس کو سزا دی جاتی ہے' ہر شہری کی جان اور مال کی حفاظت کی حکومت ضامن ہے اور ہر شہری کو شخصی آزادی حاصل ہے' یہ سب فلاحی حکومتیں ہیں اور اقتدار حاصل کرنے کے بعد حکومت چلانے میں وہ کامیاب ہیں۔ ان کے لیے عدل و انصاف میں امتحان کی کوئی گنجائش نہیں ہے' ان کا اقتدار ان کا امتحان نہیں ہے بلکہ قدرت کی طرف سے ان کی سرکشی اور کفر میں ڈھیل دینا ہے اور الاعراف: ۱۲۹ میں یہ قاعدہ بیان نہیں فرمایا کہ کفار اور فساق کو بھی بہ طور امتحان اقتدار دیا جاتا ہے۔ وہاں پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا صرف مسلمانوں سے خطاب ہے ان اسرائیلیوں سے جو ان پر ایمان لا چکے تھے' جو مومن تھے' ان کے اعمال کا امتحان لیا گیا۔ رہے کفار تو ان کے امتحان لینے کا کیا موقع اور کیا گنجائش ہے؟ وہ نیک عمل اور عدل و انصاف کریں بھی تو ان کے نیک اعمال مقبول نہیں ہیں' اور اگر یہ کہا جائے کہ کافروں کو اقتدار دے کر یہ امتحان لینا مقصود ہے کہ وہ ایمان لاتے ہیں یا نہیں تو اوّل تو اقتدار ملنے اور اس کے بعد ایمان لانے کے امتحان میں کوئی ربط اور مناسبت نہیں ہے اور ثانیاً یہ کہ امتحان اس کا لیا جاتا ہے جس کے ذرہ برابر بھی کامیاب ہونے کا امکان ہو اور امریکہ' روس' چین' بھارت اور دیگر دہریے اور بے دین ممالک جو سینکڑوں اور ہزاروں سال سے اپنے کفر پر ڈٹے ہوئے ہیں' ان کے ایمان کے امتحان لینے کی کون سی وجہ ہے۔

عابدین کا معنی

الانبیاء: ۱۰۶' میں فرمایا: بے شک اس (قرآن) میں عبادت گزاروں کے لیے عظیم پیغام ہے۔

اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ اس سورت میں جو انبیاء علیہم السلام کے قصص اور ان کے واقعات بیان کیے گئے ہیں اور وعد اور وعید کا ذکر کیا گیا ہے' اس میں ان لوگوں کے لیے پیغام ہے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا چاہتے ہیں۔ ہر چند کہ یہ پیغام سب کے لیے ہے اور ہر شخص اس پیغام پر عمل کر کے اُخروی فلاح حاصل کرسکتا ہے لیکن انجام کار اس پیغام کو قبول عبادت گزار ہی کریں گے اور وہی اس پیغام پر عمل کریں گے' اس لیے خصوصیت کے ساتھ عبادت گزاروں کا ذکر فرمایا۔ عبادت گزار سے مراد وہ لوگ ہیں جن کو شریعت کا پورا علم ہو اور وہ اس کے تقاضوں پر عمل کرتے ہوں کیونکہ جو شخص بغیر علم کے عبادت کرے گا وہ گمراہی میں مبتلا ہو جائے گا' اور جو علم رکھنے کے باوجود عمل نہ کرے وہ درخت بے ثمر ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہےO (الانبیاء: ۱۰۷)

وما ارسلنک الا رحمة للعٰلمین کے مختلف تراجم

شیخ محمود الحسن دیوبندی متوفی ۱۳۳۹ھ اس کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

اور تجھ کو جو ہم نے بھیجا سو مہربانی کر کر جہان کے لوگوں پر۔

شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۴ھ لکھتے ہیں:

اور ہم نے آپ کو اور کسی بات کے واسطے نہیں بھیجا مگر دنیا جہان کے لوگوں پر مہربانی کرنے کے لیے۔ پھر اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں یعنی مکلفین پر مہربانی کرنے کے لیے۔ (بیان القرآن ج ۲ ص ۶۵۱' مطبوعہ تاج کمپنی لاہور)

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ لکھتے ہیں:

اے محمد! ہم نے جو تم کو بھیجا ہے تو یہ دراصل دنیا والوں کے حق میں ہماری رحمت ہے۔ (تفہیم القرآن ج ۳ ص ۱۸۹)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لیے۔

رحمة للعٰلمین کی تفسیر صدر الافاضل سے

صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں:

کوئی ہو جن ہو یا انس' مومن ہو یا کافر' حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ حضور کا رحمت ہونا عام ہے' ایمان والے کے لیے بھی اور اس کے لیے بھی جو ایمان نہ لایا ہو۔ مومن کے لیے تو آپ دنیا اور آخرت دونوں میں رحمت ہیں اور جو ایمان نہ لایا اس کے لیے آپ دنیا میں رحمت ہیں کہ آپ کی بدولت تاخیر عذاب ہوئی اور خسف (زمین میں دھنسانے کا عذاب) ومسخ (شکل بدل دینے کا عذاب) اور استیصال (کسی قوم کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکنا) کے عذاب اُٹھا دیئے گئے۔ تفسیر روح البیان میں اس آیت کی تفسیر میں اکابر کا یہ قول نقل کیا ہے کہ آیت کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر رحمت مطلقہ' تامہ کاملہ' عامہ' شاملہ' جامعہ' محیطہ ' بہ جمیع مقیدات' رحمت غیبیہ وشہادت علمیہ' وعینیہ ووجودیہ وشہودیہ وسابقہ ولاحقہ وغیر ذالک' تمام جہانوں کے لیے' عالم ارواح ہوں یا عالم اجسام' ذوی العقول ہوں یا غیر ذوی العقول اور جو تمام عالموں کے لیے رحمت ہو لازم ہے کہ وہ تمام جہانوں سے افضل ہو۔ (حاشیہ بر کنز الایمان ص ۵۳۱' مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور)

رحمة للعٰلمین کی تفسیر امام رازی سے

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم دین میں بھی رحمت ہیں اور دنیا میں بھی رحمت ہیں۔ دین میں اس لیے رحمت ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جس وقت بھیجا گیا لوگ جہالت اور گمراہی میں تھے' اور اہل کتاب میں سے یہود و نصاریٰ اپنے دین کے معاملہ میں زحمت میں تھے' ان کا اپنی کتابوں میں بہت اختلاف تھا' اللہ تعالیٰ نے اس وقت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول بنا کر بھیجا جب طالب حق کے سامنے نجات کا کوئی راستہ نہیں تھا' اس وقت آپ نے لوگوں کو حق کی دعوت دی اور نجات کا راستہ دکھایا اور ان کے لیے احکام شرعیہ بیان کیے اور حلال اور حرام میں تمیز دی۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○ (آل عمران: ١٦٤)

بے شک اللہ نے مسلمانوں پر احسان فرمایا جب ان میں ان ہی میں سے ایک عظیم رسول بھیج دیا جو ان پر اس کی آیتیں تلاوت کرتا ہے ان کا باطن صاف کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے' اور بے شک اس سے پہلے وہ کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔

اور آپ دنیا میں اس لیے رحمت ہیں کہ آپ کی وجہ سے ان کو ذلت' قتال اور مختلف جنگوں سے نجات ملی اور آپ کے دین کی برکت سے انہیں فتح حاصل ہوئی' اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ آپ رحمت کیسے ہوں گے جب کہ آپ تلوار اور مال غنیمت کے احکام لے کر آئے؟ اس کے حسب ذیل جواب ہیں:

(١) آپ ان منکرین اور متکبرین کے لیے تلوار لے کر آئے جنہوں نے تفکر اور تدبر نہیں کیا۔ نیز اللہ تعالیٰ کی صفت رحمان اور رحیم ہے اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نافرمانوں سے انتقام لیتا ہے۔ پانی اور بارش بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے:

وَهُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ (الشوریٰ: ٢٨)

اور وہی ہے جو لوگوں کے ناامید ہونے کے بعد بارش نازل فرماتا ہے اور اپنی رحمت کھول دیتا ہے۔

حالانکہ بارش سے بعض اوقات فصلیں تباہ ہو جاتی ہیں' مکان گر جاتے ہیں' مال اور مویشی بہہ کر ڈوب جاتے ہیں' سمندری طوفان اور سائیکلون آتے ہیں تو شہر کے شہر تباہ و برباد ہو جاتے ہیں اور ہزاروں اور لاکھوں لوگ مر جاتے ہیں۔

(٢) ہمارے نبی کے آنے سے پہلے جب بھی کوئی قوم اپنے نبی کی تکذیب کرتی تھی تو اللہ تعالیٰ مکذبین کو غرق کر کے یا زمین میں دھنسا کر یا ان کی شکلیں مسخ کر کے ان کو ہلاک کر دیتا تھا اور ہمارے رسول کی جس نے تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کے عذاب کو اس کی موت یا قیامت تک کے لیے مؤخر کر دیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ. (الانفال: ٣٣)

اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ آپ ان میں ہوں اور وہ ان پر عذاب بھیج دے۔

رحمة للعالمين کی تفسیر علامہ آلوسی سے

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ١٢٧٠ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ہم نے آپ کو صرف اس سبب سے بھیجا ہے کہ آپ تمام جہانوں پر رحم کریں یا ہم نے آپ کو صرف اس حال میں بھیجا ہے کہ آپ تمام جہانوں پر رحم کرنے والے ہیں' اور ظاہر یہ ہے کہ تمام جہانوں میں کفار بھی شامل ہیں کیونکہ آپ کو جو دین دے کر بھیجا ہے اس میں دنیا اور آخرت کی سعادت اور مصلحت ہے۔ یہ اور بات ہے کہ کافروں میں آپ سے استفادہ کی صلاحیت نہ تھی تو انہوں نے اپنے حصہ کی رحمت کو ضائع کر دیا' جیسے کوئی پیاسا شخص دریا کے کنارے کھڑا ہوا اور پانی

کی طرف ہاتھ نہ بڑھائے یا کوئی شخص دھوپ میں آنکھیں بند کر کے کھڑا ہو تو اس سے دریا کی فیاضی اور سورج کے روشنی پہنچانے میں کوئی قصور نہیں ہے۔ قصور ان کا ہے جنہوں نے پانی کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا یا روشنی کے باوجود آنکھیں بند کر رکھی تھیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے رحمت ہونا اس اعتبار سے ہے کہ آپ تمام ممکنات پر ان کی صلاحیت کے اعتبار سے فیضِ الٰہی کے لیے واسطہ ہیں اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نور اوّل المخلوقات ہے' اور حدیث میں ہے اے جابر! سب سے پہلے اللہ نے تمہارے نبی کے نور کو پیدا کیا' اور حدیث میں ہے اللہ عطا کرنے والا ہے اور میں تقسیم کرنے والا ہوں' اور ابن القیم نے مفتاح السعادۃ میں لکھا ہے اگر نبی نہ ہوتے تو جہان میں کوئی چیز کسی کو نفع نہ دیتی' نہ کوئی نیک عمل ہوتا' نہ روزی حاصل کرنے کا کوئی جائز طریقہ ہوتا اور نہ کسی حکومت کا قیام ہوتا اور تمام لوگ جانوروں اور درندوں کی طرح ہوتے' ایک دوسرے پر حملہ کرتے اور ایک دوسرے سے چھین کر کھا جاتے۔ سو دنیا میں جو بھی خیر اور نیکی ہے وہ آثارِ نبوت سے ہے اور جو شر اور برائی ہے وہ آثارِ نبوت کے مٹ جانے یا چھپ جانے کی وجہ سے ہے۔ پس یہ عالم ایک جسم ہے اور نبوت اس کی روح ہے اور جب زمین پر نبوت کے آثار میں سے کوئی اثر باقی نہیں رہے گا تو آسمان پھٹ جائے گا' ستارے بکھر جائیں گے' سورج کو لپیٹ دیا جائے گا' چاند تاریک ہو جائے گا' پہاڑوں کو جڑ سے اُکھاڑ کر روئی کے گالوں کی طرح منتشر کر دیا جائے گا' زمین میں زلزلہ آ جائے گا اور جو لوگ زمین کے اوپر ہیں وہ سب ہلاک ہو جائیں گے۔ پس اس جہان کا قیام آثارِ نبوت کی وجہ سے ہے اور جب نبوت کا کوئی اثر نہیں رہے گا تو یہ جہان بھی نہیں رہے گا۔ بعض لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ العالمین سے مراد صرف مومنین ہیں (جیسے شیخ محمود الحسن اور شیخ تھانوی وغیرہم) میرے نزدیک یہ لوگ اس حق پر مطلع نہیں ہو سکے جس کی اتباع واجب ہے اور حقائق پر مطلع ہو کر ان لوگوں کا رد کرنا بہت آسان ہے اور میرا یہ نظریہ ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم العلمین کے ہر فرد کے لیے رحمت ہیں خواہ وہ فرشتوں کا عالم ہو یا انسانوں کا عالم ہو یا جنات کا عالم ہو' اور انسانوں میں بھی آپ مومنوں اور کافروں سب کے لیے رحمت ہیں' اسی طرح جنات میں بھی سب کے لیے رحمت ہیں' البتہ رحمت کا فیضان ہر فرد پر اس کی صلاحیت کے اعتبار سے ہوتا ہے۔

(روح المعانی جز ۱۷ ص ۱۵۵' ملخصاً' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

رحمۃ للعالمین کی تفسیر مصنف سے

ہمارے نزدیک اس آیتِ کریمہ کا مصداق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذاتِ گرامی ہے' اللہ تعالیٰ نے آپ کو سراپا اور مجسم رحمت بنا کر بھیجا ہے' اور سید ابوالاعلیٰ مودودی کا یہ لکھنا صحیح نہیں ہے: اے محمد! ہم نے جو تم کو بھیجا ہے تو یہ دراصل دنیا والوں کے حق میں ہماری رحمت ہے۔ اس آیت کا یہ ترجمہ صحیح نہیں ہے اور تواتر اور اجماع سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو رحمۃ للعالمین کا مصداق قرار دیا گیا ہے اس کے خلاف ہے۔ اسی طرح مفسرین کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہر ہر عالم کے لیے رحمت ہیں خواہ فرشتوں کا عالم ہو' جنات کا عالم ہو' انسانوں کا عالم ہو اور خواہ انسانوں میں سے کافر ہوں' مسلمان ہوں' اولیاء ہوں یا انبیاء علیہم السلام ہوں' آپ سب کے لیے رحمت ہیں' اور خواہ حیوانوں کا عالم ہو' یا نباتات کا عالم ہو یا جمادات کا عالم ہو' آپ ہر ہر عالم کے لیے رحمت ہیں' اس لیے شیخ محمود الحسن کا یہ لکھنا صحیح نہیں ہے کہ آپ صرف لوگوں کے لیے رحمت ہیں اور نہ شیخ تھانوی کا یہ ترجمہ اور تفسیر صحیح ہے کہ آپ صرف مکلفین کے لیے رحمت ہیں۔ مکلف ہو یا غیر مکلف انسان ہو' جن ہو یا فرشتہ ہو' حیوان ہو یا شجر و حجر ہو آپ سب کے لیے رحمت ہیں۔ اللہ تعالیٰ رب العلمین ہے اور آپ رحمۃ للعالمین ہیں جس جس چیز کے لیے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت ہے اس اس چیز کے لیے آپ رحمت ہیں' وجود عین جود ہے اور ہر چیز کو وجود آپ کے واسطہ سے ملا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو عطا کرنے والا ہے اور آپ ہر چیز کو تقسیم کرنے والے ہیں۔ آپ کی کنیت ابوالقاسم صرف

اس لیے نہیں تھی کہ آپ کے فرزند ارجمند کا نام قاسم تھا' بلکہ ابوالقاسم کا معنی ہے سب سے زیادہ تقسیم کرنے والے اور ابتداء آفرینش عالم سے لے کر قیامت تک جس کو بھی جو نعمت ملتی ہے وہ آپ کی تقسیم سے ملتی ہے۔ تمام دینی اور دنیاوی امور میں آپ ابتداء آفرینش عالم سے تقسیم کرنے والے ہیں۔

ہو نہ یہ پھول تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو — چمنِ دہر میں کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو
یہ نہ ساقی ہو تو مے بھی نہ ہو خم بھی نہ ہو — بزم توحید بھی دنیا میں نہ ہو تم بھی نہ ہو
خیمہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے — نبض ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے
تیری نگاہ ناز سے دونوں مراد پا گئے — عقل غیاب و جستجو عشق حضور و اضطراب
شوکت سنجر و سلیم تیرے جلال کی نمود — فقرِ جنید و بایزید تیرا جمالِ بے نقاب
وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے — غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیٔ سینا
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر — وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسین وہی طٰہٰ

ہم رحمۃ للعالمین کی تفسیر میں پہلے آپ کی رحمت کے متعلق قرآنِ مجید کی دیگر آیات اور ان کی تفسیر پیش کریں گے پھر آپ کی رحمت کے عموم پر احادیث اور آثار کا ذکر کریں گے' پھر خصوصیت کے ساتھ مومنین پر رحمت کی احادیث کو بیان کریں گے پھر حیوانوں' درختوں اور جمادات پر آپ کی رحمت کی احادیث کو بیان کریں گے جس سے ظاہر ہو جائے گا کہ آپ عالم کے ذرہ ذرہ کے لیے رحمت ہیں۔ غالب نے کہا ہے:

ہر کجا ہنگامۂ عالم بود — رحمت للعٰلمینے ہم بود

اور آخر میں آپ کی رحمت پر اعتراضات کے جوابات بیان کریں گے فنقول و باللہ التوفیق و بہ الاستعانۃ یلیق.

رسول اللہ کی رحمت کے متعلق دیگر آیات اور ان کی تفسیر میں احادیث

اس آیت کے علاوہ قرآنِ مجید کی اور آیات میں بھی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت کا ذکر فرمایا ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ. (آل عمران: ۱۵۹)

سو اللہ کی عظیم رحمت سے آپ مسلمانوں کے لیے نرم ہو گئے اور اگر آپ بدمزاج اور سخت دل ہوتے تو وہ ضرور آپ کے پاس سے بھاگ جاتے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر ایک شخص نے اپنے قرض کا سختی سے تقاضا کیا آپ کے اصحاب نے اس کو ڈانٹنے یا مارنے کا قصد کیا۔ آپ نے فرمایا: اس کو چھوڑ دو کیونکہ جس کا حق ہوتا ہے' اس کو بات کرنے کی گنجائش ہوتی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۴۰۱' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۴۱۷' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۳۱۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۴۲۳)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ حنین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مالِ غنیمت تقسیم کرتے ہوئے کچھ لوگوں کو زیادہ دیا' آپ نے اقرع بن حابس کو سو اونٹ دیئے اور عیینہ کو بھی اتنے ہی دیئے اور عرب سرداروں کے لوگوں کو بھی کچھ عطا فرمایا اور اس دن آپ نے تقسیم میں (بعض لوگوں کو) ترجیح دی۔ ایک شخص نے کہا اس تقسیم میں عدل نہیں کیا گیا اور نہ اس میں اللہ کی رضا کا ارادہ کیا گیا ہے۔ میں نے کہا اللہ کی قسم! میں ضرور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی خبر دوں گا۔ میں نے جا کر آپ کو خبر دی' آپ نے فرمایا: جب اللہ اور اس کا رسول عدل نہیں کریں گے تو پھر اور کون عدل کرے گا۔

اللہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے ان کو اس سے زیادہ ایذاء دی گئی تھی تو انہوں نے صبر کیا تھا۔ (نبی صلی اللہ علیہ وسلم تالیفِ قلب کے لیے بعض نومسلموں کو دوسروں سے زیادہ حصہ دیتے تھے)

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٣١٥٠' صحیح مسلم رقم الحدیث: ١٠٦٢' مسند احمد رقم الحدیث: ٣٦٠٨' مسند حمیدی رقم الحدیث ١١٠)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ فطرتاً بدگو تھے' نہ تکلفاً بدگوئی کرتے تھے اور نہ بازاروں میں بلند آواز سے بات کرتے تھے اور برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے تھے لیکن معاف کر دیتے تھے اور درگزر کرتے تھے۔ (شمائلِ ترمذی رقم الحدیث: ٣٤٨' مصنف ابن ابی شیبہ ج ٨ ص ٣٣٠' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ٦٤٠٩' سنن بیہقی ج ٧ ص ٤٥)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کے سوا کبھی کسی کو نہیں مارا نہ کبھی کسی عورت پر ہاتھ اُٹھایا اور نہ کبھی کسی خادم کو مارا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢٣٢٨' شمائلِ ترمذی رقم الحدیث: ٣٤٩' مسند احمد ج ٦ ص ٣١' مصنف ابن شیبہ ج ٨ ص ٣٦٨)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی کسی زیادتی کا بدلہ لیتے ہوئے نہیں دیکھا سوا اس کے کہ اللہ کی حدود کو پامال کیا جائے جب اللہ کی حد توڑی جاتی تو آپ سب سے زیادہ غضب ناک ہوتے' اور آپ کو جب بھی دو چیزوں میں سے کسی ایک کا اختیار دیا جاتا تو آپ آسان چیز کو اختیار کرتے بہ شرطیکہ وہ گناہ نہ ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٣٥٦٠' ٦١٢٦' صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢٣٢٧' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٤٧٨٥' شمائلِ ترمذی رقم الحدیث: ٣٥٠' مسند احمد ج ٦ ص ٨٥' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ١٧٩٤٢)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی چیز کا سوال کیا گیا تو آپ نے اس کے جواب میں ''نہ'' نہیں فرمایا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٦٠٣٤' صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢٣١١' شمائلِ ترمذی رقم الحدیث: ٣٥٣' مسند احمد ج ٣ ص ٣٠٧)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ سے سوال کیا کہ آپ اس کو کچھ عطا فرمائیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس وقت میرے پاس نہیں ہے' تم اس کو میری طرف سے اُدھار خرید لو جب میرے پاس رقم آئے گی تو میں ادا کر دوں گا۔ حضرت عمر نے کہا یا رسول اللہ! آپ اس کو عطا کر چکے ہیں' اور جس چیز پر آپ قادر نہیں ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کا مکلف نہیں کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کی بات کو ناپسند فرمایا پھر انصار میں سے ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! آپ خرچ کیجئے اور عرش والے سے تنگی کا خوف نہ کیجئے' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا اور آپ کے چہرے پر انصاری کی بات سے خوشی کے آثار دکھائی دیئے پھر آپ نے فرمایا: مجھے اسی چیز کا حکم دیا گیا ہے۔ (شمائلِ ترمذی رقم الحدیث: ٣٥٦' مسند البزار رقم الحدیث: ٣٦٦٢' البحر الزخار رقم الحدیث: ٢٧٣' مجمع الزوائد ج ١٠ ص ٢٤٢)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تورات اور انجیل میں بعض یہ صفات مذکور ہیں:

وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَٰلَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ (الاعراف: ١٥٧)

جو ان سے ان کے (مشکل احکام کے) بوجھ اُتارے گا اور ان کے گلے میں پڑے ہوئے (سختیوں کے) طوق اُتار کر پھینک دے گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی اور ہمارے لیے اس دنیا میں بھلائی لکھ دے اور آخرت میں' بے شک ہم نے تیری طرف رجوع کیا ہے۔ فرمایا میں اپنا عذاب تو جسے چاہے اسے پہنچاتا ہوں اور میری رحمت ہر چیز پر محیط

ہے تو عنقریب میں اس (دنیا اور آخرت کی بھلائی) کو ان لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو گناہوں سے بچیں گے اور زکوٰۃ دیں گے اور ہماری آیتوں پر ایمان لائیں گے۔ (الاعراف: ١٥٦)

اس آیت میں دنیا کی بھلائی سے مراد یہ ہے کہ دنیا میں احکامِ شرعیہ آسان ہوں کیونکہ بنو اسرائیل پر بہت مشکل احکام تھے۔ ان کی توبہ یہ تھی کہ وہ ایک دوسرے کو قتل کر دیں' ان کو تیمّم کی سہولت حاصل نہ تھی' مالِ غنیمت حلال نہیں تھا' قربانی کو کھانے کی اجازت نہیں تھی' قصاص لازم تھا' دیت کی رخصت نہیں تھی' ہفتہ کے دن شکار کی اجازت نہیں تھی' روزے کا دورانیہ رات اور دن کو محیط تھا' غرض بہت سخت احکام تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چاہا کہ ان کے یہ سخت احکام آسان ہو جائیں اور آخرت کی بھلائی یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کم عمل پر زیادہ اُجر عطا فرمائے' ان کو ایک نیکی پر ایک ہی اُجر ملتا تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام چاہتے تھے کہ ایک نیکی پر دس گنا یا سات سو گنا اُجر عطا کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا اور آخرت کی یہ خیر اور رحمت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اُمت کے بجائے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے لیے لکھ دی فرمایا میں ان لوگوں کے لیے یہ خیر اور رحمت لکھ دوں گا جو:

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ. (الاعراف: ١٥٧)

جو لوگ اس عظیم رسول نبی اُمی کی پیروی کریں گے جس کو وہ اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں' جو ان کو نیکی کا حکم دے گا اور برائی سے روکے گا جو ان کے لیے پاکیزہ چیزوں کو حلال کرے گا اور ان پر ناپاک چیزوں کو حرام کرے گا اور جو ان سے (مشکل احکام کے) بوجھ اُتارے گا اور ان کے گلے میں پڑے ہوئے سختیوں کے طوق اُتار کر پھینک دے گا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت کا ذکر اس آیت میں بھی ہے:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○ (التوبۃ: ١٢٨)

بے شک تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک عظیم رسول آ گئے ہیں' تمہارا مشقت میں پڑنا ان پر بہت شاق ہے' تمہاری فلاح پر وہ بہت حریص ہیں اور مومنوں پر بہت شفیق' نہایت مہربان ہیں۔

اُمت کے سخت اور مشقت والے احکام کون سے تھے اور آپ نے ان کو کیسے دُور فرمایا اور دنیا اور آخرت کی فلاح آپ نے کیسے عطا فرمائی' اس کی تفصیل ہم نے تبیان القرآن ج ۵ ص ۳۰۷-۳۰۵ میں بیان کر دی ہے' وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

آپ کی رحمت کے عموم کے متعلق احادیث

امام ابن جریر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ جو اللہ پر اور آخرت پر ایمان لایا اس کے لیے دنیا اور آخرت میں رحمت لکھ دی جاتی ہے اور جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہیں لایا اس کو دنیا میں زمین میں دھنسانے اور اس پر پتھر برسانے کے اس عذاب سے محفوظ رکھا جاتا ہے جس عذاب میں پہلی اُمتیں مبتلا ہوتی رہی ہیں۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ١٨٨٢٠' الدر المنثور ج ۵ ص ٦٨٧)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا یا رسول اللہ! مشرکین کے خلاف دعا کیجئے' آپ نے فرمایا: مجھے لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا' مجھے صرف رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢٥٩٩' الوفاء رقم الحدیث: ٧٥٤)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے مجھے تمام جہانوں کے لیے رحمت اور تمام متقین کے لیے ہدایت بنا کر بھیجا ہے۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۲۵۷ المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۷۸۰۳ مجمع الزوائد ج ۵ ص ۷۱)

حضرت سلمان بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے اپنی اُمت کے جس شخص کو بھی غصہ میں برا کہا یا اس پر لعنت کی تو میں بنو آدم کا ایک فرد ہوں' مجھے بھی اس طرح غصہ آتا ہے جس طرح انہیں غصہ آتا ہے اور اللہ نے تو مجھے صرف تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ اے اللہ! قیامت کے دن اس برا کہنے کو اس کے لیے دعائے خیر بنا دے۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۴۳۷' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۶۱۵۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں صرف رحمت ہوں' اللہ کی طرف سے ہدایت۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۱ ص ۱۵۸' المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۲۶۴' المستدرک ج ۱ ص ۳۵' کامل ابن عدی ج ۴ ص ۲۳۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا یا رسول اللہ! کیا غزوۂ احد کے دن سے بھی کوئی سخت دن آپ پر آیا تھا؟ آپ نے فرمایا: مجھے تمہاری قوم کی طرف سے جن سختیوں کا سامنا ہوا سو ہوا اور ان کی طرف سے سب سے زیادہ سخت دن وہ تھا جو یوم العقبہ (جب آپ طائف کی گھاٹیوں میں تبلیغ کے لیے جاتے تھے) کو پیش آیا جب میں نے ابن عبد یالیل بن عبد کلال کو اسلام کی دعوت دی' اس نے میری دعوت کو قبول نہیں کیا۔ میں اپنے غمزدہ چہرے کے ساتھ واپس آیا' ابھی میں قرن الثعالب میں پہنچا تھا کہ میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو مجھ پر ایک بادل نے سایہ کیا ہوا تھا میں نے دیکھا اس بادل میں جبریل علیہ السلام تھے۔ انہوں نے مجھے آواز دی اور کہا بے شک اللہ نے سن لیا کہ آپ کی قوم نے کیا کہا اور آپ کو کیا جواب دیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے پاس پہاڑوں کا فرشتہ بھیجا ہے' آپ ان کافروں کے متعلق اس کو جو چاہیں حکم دیں' پہاڑوں کے فرشتے نے آپ کو سلام کر کے کہا اے محمد! آپ جو چاہیں میں وہ کردوں! اگر آپ چاہیں تو میں ان کے اوپر مکہ کے دو پہاڑوں کو گرا کر انہیں زمین میں پیس دوں؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلکہ میں یہ امید رکھتا ہوں کہ اللہ ان کی پیٹھوں سے ایسے لوگوں کو نکالے گا جو صرف ایک اللہ کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۳۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۹۵' السنن الکبریٰ للنسائی: ۷۷۰۶)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کے لیے کبھی انتقام نہیں لیا' ہاں اگر اللہ کی حدود کو توڑا جاتا تو آپ اللہ کے لیے انتقام لیتے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۸۵۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۸۵' شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۳۴۹' موطا امام مالک رقم الحدیث: ۵۶۳)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا رہا تھا' اس وقت آپ ایک نجرانی (یمنی) چادر اوڑھے ہوئے تھے۔ راستہ میں ایک اعرابی (دیہاتی) ملا' اس نے بہت زور سے آپ کی چادر کھینچی۔ حضرت انس کہتے ہیں کہ اس کے زور سے کھینچنے کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دو کندھوں کے درمیان نشان پڑ گیا تھا پھر اس نے کہا اے محمد! آپ کے پاس جو اللہ کا مال ہے' اس میں سے مجھے دینے کا حکم دیجئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف متوجہ ہو کر مسکرائے پھر اس کو مال دینے کا حکم دیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۱۴۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۵۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۵۳)

سراقہ بن مالک آپ کا سر اُتارنے کے لیے آپ کا پیچھا کر رہا تھا' آپ نے اس پر قابو پا کر اسے معاف کر دیا۔ صفوان بن امیہ نے عمیر بن وہب کو زہر میں بجھی ہوئی تلوار دے کر آپ کو قتل کرنے کے لیے بھیجا تھا جب وہ آپ کی دسترس میں آیا تو آپ نے اس کو معاف کر دیا' بعد میں صفوان کو بھی معاف کر دیا۔ ابوسفیان نے متعدد بار مدینہ پر حملے کیے۔ وحشی نے آپ کے

[عز]یز چچا کو قتل کیا' ہند نے حضرت حمزہ کا کلیجہ نکال کر کچا چبایا۔ ہبار بن اسود نے آپ کی صاحبزادی کو سواری سے گرا دیا جس سے ان کا حمل ساقط ہو گیا اور جب ان سب کی گردنیں آپ کی تلوار کے نیچے تھیں' آپ نے ان سب کو معاف کر دیا۔ عبداللہ بن ابی نے بہت ایذائیں پہنچائی تھیں لیکن جب اس نے مرتے وقت درخواست کی کہ آپ اس کی نماز جنازہ پڑھائیں تو آپ نے اس کی نماز جنازہ پڑھا دی۔ ان تمام احادیث کی تفصیل اور حوالہ جات تبیان القرآن ج ۲ ص ۴۲۷-۴۱۹ میں ملاحظہ فرمائیں۔

مسلمانوں پر آپ کی رحمت کے متعلق احادیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: اے لوگو! اللہ نے تم پر حج فرض کر دیا ہے سو تم حج کرو۔ ایک شخص نے کہا کیا ہر سال؟ یا رسول اللہ! آپ خاموش رہے حتیٰ کہ اس نے تین بار سوال کیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں ہاں کہہ دیتا تو تم پر ہر سال حج فرض ہو جاتا اور تم اس کی طاقت نہ رکھتے' پھر فرمایا جس چیز میں میں تم کو (بیان کرنا) چھوڑ دوں اس چیز میں تم مجھ کو چھوڑ دیا کرو' تم سے پہلی اُمتیں زیادہ سوال کرنے اور اپنے نبیوں سے اختلاف کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوگئیں جب میں تم کو کسی چیز کا حکم دوں تو تم اس کو بہ قدر استطاعت کرلو اور میں جب تم کو کسی چیز سے منع کروں تو اس کو چھوڑ دو۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۳۷' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۶۱۹)

حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اگر مجھے اپنی اُمت پر دشوار نہ ہوتا تو ان کو ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا اور عشاء کی نماز کو تہائی رات تک مؤخر کر کے پڑھنے کا حکم دیتا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷' شرح السنہ رقم الحدیث: ۱۹۸' مسند احمد ج ۴ ص ۱۱۶' المسند الجامع رقم الحدیث: ۳۹۰۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آدھی رات کو باہر آئے اور مسجد میں نماز پڑھی' لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ نماز پڑھی پھر لوگوں نے ایک دوسرے سے اس کا ذکر کیا' پھر (دوسری رات) اس سے بہت زیادہ لوگ جمع ہوگئے پھر صبح انہوں نے (دوسرے لوگوں کو) بتایا' پھر تیسری رات کو مسجد میں بہت زیادہ لوگ جمع ہوگئے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر آئے اور آپ نے نماز پڑھی اور لوگوں نے بھی نماز پڑھی' چوتھی رات کو اتنے زیادہ لوگ آگئے کہ مسجد تنگ پڑ گئی حتیٰ کہ آپ صبح کی نماز پڑھانے کے لیے آئے جب آپ نے صبح کی نماز پڑھا دی تو آپ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے آپ نے کلمہ شہادت پڑھا پھر فرمایا: حمد و صلوٰۃ کے بعد' مجھ پر تمہارا اشتیاق مخفی نہیں تھا لیکن مجھے یہ خوف تھا کہ تم پر یہ نماز فرض کر دی جائے گی پھر تم اس کو پڑھنے سے عاجز ہو جاؤ گے' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی اور لوگوں کا عمل اسی طرح رہا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰۱۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۰۷۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۹۵۶' سنن النسائی رقم الحدیث: ۷۵۸' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۵۰۶۹ عالم الکتب)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قول کو پڑھا:

رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ. (ابراہیم: ۳۶)

اے میرے رب! ان بتوں نے بہت لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے سو جس نے میری پیروی کی وہ میرے طریقہ پر ہے۔

اور عیسیٰ علیہ السلام نے کہا:

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ (المائدہ: ۱۱۸)

اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو بخش دے تو بے شک تو بہت غلبہ والا بہت حکمت والا ہے۔

پھر آپ نے دونوں ہاتھ بلند کیے اور دعا کی اے اللہ! میری اُمت' میری اُمت اور آپ روئے' تب اللہ عزوجل نے فرمایا: اے جبریل! محمد کے پاس جاؤ اور تمہارا رب خوب جانتا ہے' ان سے سوال کرو انہیں کیا چیز رُلاتی ہے؟ پھر آپ کے پاس جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام آئے اور آپ سے پوچھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بتایا کہ آپ کیا کہہ رہے تھے۔ اللہ عزوجل نے فرمایا: اے جبریل! محمد کے پاس جاؤ اور ان سے کہو ہم آپ کو آپ کی اُمت کے بارے میں راضی کر دیں گے اور آپ کو رنجیدہ ہونے نہیں دیں گے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۲' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۲۶۹)

حیوانات اور جمادات پر رحمت کے متعلق احادیث

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سواری پر مجھے اپنے ساتھ بٹھایا پھر مجھے چپکے سے ایک بات بتائی جو میں کبھی بھی کسی کو نہیں بتاؤں گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضاء حاجت کے لیے کسی ٹیلہ یا گنجان اور گھنے کھجور کے درختوں کی اوٹ میں جانا پسند کرتے تھے۔ آپ انصار کے باغوں میں سے ایک باغ میں داخل ہوئے وہاں ایک اونٹ آیا اور اس نے بڑبڑ کر کے آپ سے کچھ کہا اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھا تو آپ کی آنکھوں سے بھی آنسو جاری ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے کان کی ہڈی کے پیچھے ہاتھ پھیرا تو وہ پُرسکون ہو گیا پھر آپ نے فرمایا یہ اونٹ کس کا ہے؟ انصار کا ایک جوان آیا اور اس نے کہا یا رسول اللہ! یہ اونٹ میرا ہے۔ آپ نے فرمایا کیا تم ان جانوروں کے معاملہ میں خدا سے نہیں ڈرتے؟ جن کا اللہ نے تمہیں مالک بنا دیا ہے اس اونٹ نے مجھ سے شکایت کی ہے کہ اس کو تم بھوکا رکھتے ہو اور کام لے لے کر اس کو تھکا دیتے ہو۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۲۰۴ طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۷۴۵' دار الفکر' جدید' البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۵۳۱' دار الفکر جدید)

حضرت یعلیٰ بن مرہ الثقفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تین چیزیں دیکھیں ایک دن ہم آپ کے ساتھ ایک سفر میں جا رہے تھے' ہمارا ایک اونٹ کے پاس سے گزر ہوا جب اونٹ نے آپ کو دیکھا تو بڑبڑ کرنے لگا اور اپنی گردن آگے بڑھائی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس ٹھہر گئے اور فرمایا اس کا مالک کون ہے؟ وہ شخص آ گیا۔ آپ نے فرمایا اس اونٹ کو مجھے بیچ دو۔ اس نے کہا نہیں میں آپ کو ہبہ کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا نہیں مجھ کو فروخت کر دو۔ اس نے کہا نہیں' میں آپ کو ہبہ کرتا ہوں' ہمارے گھر والوں کی گزر اوقات کے لیے اس کے سوا اور کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا: جب تم نے یہ کہا ہے تو سنو' اس اونٹ نے مجھ سے شکایت کی ہے کہ تم اس سے کام زیادہ لیتے ہو اور اس کو چارہ کم ڈالتے ہو' اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ (مسند احمد رقم الحدیث: ۱۷۵۷۰' دار الفکر' البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۵۳۲' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۸ھ)

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہرنی کے پاس سے گزرے جو ایک خیمہ میں بندھی ہوئی تھی' اس ہرنی نے کہا یا رسول اللہ! مجھے کھول دیجئے تا کہ میں اپنے بچوں کو جا کر دودھ پلا آؤں پھر میں واپس آ جاؤں گی تو آپ مجھے باندھ دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ ایک قوم کا شکار ہے اور اس کی باندھی ہوئی ہے پھر آپ نے

اس سے عہد لیا کہ وہ ضرور واپس آئے گی پھر اس کو کھول دیا۔ وہ تھوڑی دیر میں واپس آ گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو باندھ دیا پھر خیمہ والے آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ان سے مانگ لیا۔ انہوں نے وہ ہرنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کر دی' آپ نے اس کو کھول دیا۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۶ ص ۳۴' البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۵۴۳' الخصائص الکبریٰ ج ۲ ص ۶۱)

امام بیہقی کی ایک اور روایت میں ہے:

حضرت زید بن ارقم نے کہا اللہ کی قسم! میں نے دیکھا' وہ ہرنی جنگل میں چلاتی ہوئی جا رہی تھی اور کہہ رہی تھی: **لا الـه الا الله محـمـد رسـول الـلـه**۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۶ ص ۳۵' البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۵۴۳' الخصائص الکبریٰ ج ۲ ص ۶۱' دلائل النبوۃ لابی نعیم رقم الحدیث: ۳۲۰)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں تھے' ہمارا درختوں کے پاس سے گزر ہوا ایک شخص ان میں گیا اور سرخ پرندہ کے انڈے نکال لایا' وہ سرخ پرندے آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے اوپر اپنے بازو پھیلانے لگے۔ آپ نے فرمایا ان کے انڈے کس نے جمع کیے ہیں؟ ایک شخص نے کہا میں نے ان کے انڈے لیے ہیں۔ آپ نے ان پرندوں پر رحمت فرماتے ہوئے فرمایا ان کے انڈے واپس کرو۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۶ ص ۳۲)

ایک اور سند سے امام بیہقی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم نبی صلی اللہ عیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے ہمارا ایک درخت کے پاس سے گزر ہوا' اس میں سرخ پرندہ کے دو چوزے تھے' ہم نے وہ اُٹھا لیے' وہ سرخ پرندہ آ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرنے لگا' آپ نے فرمایا: ان کو واپس رکھ دو۔ سو ہم نے ان کو واپس رکھ دیا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۷۵-۵۲۶۸' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۶ ص ۳۳-۳۲' البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۵۴۷-۵۴۶' الخصائص الکبریٰ ج ۲ ص ۶۳)

ان احادیث میں حیوانوں اور پرندوں پر آپ کی رحمت کا ذکر ہے اور درختوں اور جمادات پر رحمت کا ذکر درج ذیل احادیث میں ہے:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن ایک درخت یا کھجور (کے تنے) کے ساتھ ٹیک لگا کر خطبہ دیتے تھے' انصار کی کسی عورت یا مرد نے کہا یا رسول اللہ! کیا ہم آپ کے لیے منبر نہ بنا دیں؟ آپ نے فرمایا اگر تم چاہو! انہوں نے منبر بنا دیا جب جمعہ کا دن آیا تو آپ منبر کی طرف گئے تو وہ کھجور کا تنا بچے کی طرح زور زور سے رونے لگا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر سے اُتر کر اس کو اپنے ساتھ لپٹایا تو وہ سسکیاں لینے لگا پھر پُرسکون ہو گیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۸۴)

امام بخاری کی ایک اور روایت میں ہے وہ کھجور کا تنا اس طرح چلا رہا تھا جیسے دس ماہ کی حاملہ اونٹنی اپنے بچے کے فراق میں چلاتی ہے پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اپنا ہاتھ رکھا تو وہ پُرسکون ہو گیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۸۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۴۹۵' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۱۲۴' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۱۲۹۵' عالم الکتب بیروت)

حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ نے اس حدیث کو متعدد اسانید کے ساتھ روایت کیا ہے:

امام ابویعلیٰ اپنی سند کے ساتھ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر بیٹھ گئے تو وہ کھجور کا تنا بیل کی طرح آواز نکال کر چلا رہا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کے فراق) کے غم کی وجہ سے اس کی

آواز میں لرزش تھی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر سے اُترے اور اس کو لپٹا لیا پھر وہ پُرسکون ہو گیا پھر آپ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں محمد کی جان ہے اگر میں اس کو نہ لپٹاتا تو وہ قیامت تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے (فراق کے) غم میں روتا رہتا پھر اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے زمین میں دفن کر دیا گیا۔

امام بزار نے اپنی سند کے ساتھ حسن سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنے ساتھ چمٹایا تو وہ پُرسکون ہو گیا۔ آپ نے فرمایا اگر میں اس کو نہ چمٹاتا تو یہ قیامت تک روتا رہتا۔

امام بغوی نے اس حدیث کو حسن سے روایت کر کے کہا حسن جب اس حدیث کو بیان کرتے تو روتے اور کہتے اے اللہ کے بندو! درخت کا تنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شوق میں روتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ آپ کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک کیا مقام ہے تو تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کا شوق رکھنے کے زیادہ حق دار ہو۔

(البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۵۱۹-۵۱۸' مطبوعہ دار الفکر بیروت' طبع جدید' ۱۴۱۸ھ)

امام ابونعیم اصفہانی متوفی ۴۳۰ھ نے متعدد اسانید کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کو روایت کیا ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ اگر میں اس کو اپنے ساتھ نہ لپٹاتا تو یہ قیامت تک روتا اور چلاتا رہتا۔

(دلائل النبوۃ لابی نعیم رقم الحدیث: ۳۰۵-۳۰۲' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۳۹' حافظ الہیثمی نے کہا اس کی سند صحیح ہے' مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۸۲)

نیز حافظ ابونعیم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس درخت کے ستون سے فرمایا: تو پُرسکون ہو جا' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا یہ میری محبت میں رو رہا ہے پھر آپ نے اس سے فرمایا تو پُرسکون ہو جا اگر تو چاہے تو میں تجھ کو جنت میں اُگا دوں' تیرا پھل نیک لوگ کھائیں گے اور اگر تو چاہے تو میں تجھے دنیا میں پہلے کی طرح تر و تازہ درخت اُگا دوں تو اس درخت نے آخرت کو دنیا پر اختیار کر لیا۔

(دلائل النبوۃ لابی نعیم رقم الحدیث: ۳۰۶' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۳۶' الخصائص الکبریٰ ج ۲ ص ۳۰۷' مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۸۰)

ان احادیث میں درختوں اور جمادات پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت کا ذکر ہے۔

آپ کی رسالت کا ہر چیز کو علم ہے

ہم نے حیوانات پر رحمت کے سلسلہ میں جو احادیث ذکر کی ہیں اس میں اونٹ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کرنے کا ذکر ہے' اس حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا:

لیس شیٔ بین السماء والارض الا یعلم انی رسول اللہ الا عاصی الجن والانس۔

کفار جن اور انس کے سوا آسمان اور زمین کے درمیان ہر چیز یہ جانتی ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۳۱۰' قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۴۳۸۵' عالم الکتب' مسند عبد بن حمید رقم الحدیث: ۱۱۲۳' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۱۸' دلائل النبوۃ لابی نعیم رقم الحدیث: ۲۷۹' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۴۷۳' مجمع الزوائد ج ۹ ص ۷' مسند البزار رقم الحدیث: ۲۴۵۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ! گویا یہ اونٹ جانتا تھا کہ آپ نبی ہیں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما بین لا بتیھا احد الا یعلم انی نبی الا کفرۃ الجن والانس۔

مدینہ کے دوسروں کے درمیان ہر چیز کو علم ہے کہ میں نبی ہوں' سوا کافر جن اور کافر انس کے۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۲۰۰۳' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۴۱۵۴' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۶ ص ۳۰)

حضرت یعلیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما من شیء الا یعلم انی رسول الله الا کفرة اوفسقة الجن والانس. ہر شے کو علم ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں، سوا کافریا فاسق جن اور انس کے۔

(المعجم الکبیر ج ٢٢ ص ٢٦٢، البدایہ والنہایہ ج ٤ ص ٥٣٤، مجمع الزوائد رقم الحدیث: ١٤١٥٩)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رحمۃ للعالمین ہونے پر اعتراضات

بعض اوقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض کفار اور مشرکین کے لیے ہلاکت اور ضرر کی دعا فرمائی۔ اس وجہ سے آپ پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ جب آپ تمام جہانوں کے لیے رحمت ہیں تو آپ نے ان کافروں کے لیے ہلاکت اور ضرر کی کیوں دعا فرمائی؟ وہ احادیث حسبِ ذیل ہیں:

(١) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو اپنا مکتوب دے کر عظیم البحرین کی طرف بھیجا، عظیم البحرین نے وہ مکتوب کسریٰ کو دے دیا جب کسریٰ نے آپ کے مکتوب کو پڑھا تو اس کو پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ میرا گمان ہے کہ ابن مسیّب نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خلاف دعا کی کہ ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ٦٤، ٤٩٣٩)

علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ٨٥٥ ھ لکھتے ہیں:

جس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب پھاڑا تھا، اس کا نام پرویز بن ہرمز تھا جب اس نے آپ کے مکتوب کے ٹکڑے ٹکڑے کیے تو آپ نے فرمایا: اس کا ملک ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے، اور آپ نے فرمایا: جب کسریٰ مر جائے گا تو پھر کسریٰ (نام کا کوئی) بادشاہ نہیں ہوگا۔ علامہ واقدی نے کہا کسریٰ کے اوپر اس کا بیٹا شرویہ مسلط ہو گیا اور اس نے سات ہجری میں کسریٰ کو قتل کر دیا اور اس کے ملک کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اس کے خلاف دعا کی تھی، وہ پوری ہو گئی۔ (عمدۃ القاری جز ٢ ص ٢٨، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ، ١٣٤٨ھ)

(٢) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ میں نماز پڑھ رہے تھے اور ابوجہل اور اس کے ساتھی وہیں بیٹھے ہوئے تھے۔ اس وقت ان میں سے کسی نے کہا بنوفلاں کے ہاں اونٹنی ذبح ہوئی ہے، تم میں سے کون جا کر اس کی اوجھڑی لے کر آئے اور (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جب سجدہ میں جائیں تو اس کو ان کی پشت پر رکھ دے تو ان میں جو سب سے بدبخت شخص تھا (عقبہ بن ابی معیط) وہ اُٹھا اور اوجھڑی لے کر آیا اور دیکھتا رہا حتیٰ کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں گئے تو اس نے وہ اوجھڑی آپ کے کندھوں کے درمیان آپ کی پشت پر رکھ دی۔ (حضرت ابن مسعود کہتے ہیں) میں یہ منظر دیکھ رہا تھا اور میں اس میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتا تھا کاش کہ میرے پاس مددگار ہوتے۔ وہ کافر ہنس رہے تھے اور بعض بعض کی طرف اشارہ کر کے کہہ رہے تھے کہ تم نے یہ کیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (تقاضائے بشری سے) سجدہ سے سر نہیں اُٹھا سکے حتیٰ کہ حضرت سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا آئیں اور انہوں نے اس اوجھڑی کو اُٹھا کر آپ کی پشت سے پھینکا۔ آپ نے سجدہ سے سر اُٹھا کر تین بار فرمایا اے اللہ! قریش کو پکڑ لے، ان کو یہ دعا بہت سخت معلوم ہوئی کیونکہ ان کا یہ اعتقاد تھا کہ اس شہر میں دعا قبول ہوتی ہے پھر آپ نے نام لے لے کر فرمایا اے اللہ! ابوجہل کو پکڑ لے، عتبہ بن ربیعہ کو پکڑ لے، شیبہ بن ربیعہ کو پکڑ لے اور ولید بن عتبہ کو پکڑ لے اور اُمیہ بن خلف کو پکڑ لے اور عقبہ بن ابی معیط کو پکڑ لے اور ساتویں کا نام بھی لیا، وہ راوی کو یاد نہیں رہا۔ (امام بخاری نے ایک

اور جگہ ذکر کیا ہے کہ وہ ساتواں شخص عمارہ بن الولید بن مغیرہ تھا۔ عمدۃ القاری جز ٣ ص ١٧٤) حضرت ابن مسعود نے کہا اس ذات کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے' جن جن کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نام لیے تھے' وہ ساتوں بدر کے کنویں میں اوندھے منہ پڑے ہوئے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٢٤٠' صحیح مسلم رقم الحدیث: ١٧٩٤' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ٨٦٦٩)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ (قبیلہ) رعل' ذکوان' عصیہ اور بنولحیان نے اپنے دشمنوں کے خلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد طلب کی (ان کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان معاہدہ تھا) آپ نے ستر انصاریوں کو ان کی مدد کے لیے بھیجا۔ ہم ان کو اپنے زمانہ میں قراء کہتے تھے' وہ دن میں لکڑیاں چنتے تھے اور رات کو نماز پڑھتے تھے جب وہ قراء بیر معونہ پہنچے تو ان کو بلانے والوں نے ان کو قتل کر دیا اور عہد شکنی کی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی تو آپ ایک مہینہ تک صبح کی نماز میں عرب کے ان قبیلوں کے خلاف دعا کرتے رہے۔ رعل' ذکوان' عصیہ اور بنولحیان کے خلاف۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٤٠٨٨' ٤٠٩٠)

(٣) حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ الاحزاب کے دن فرمایا اللہ تعالیٰ کفار کے گھروں اور ان کی قبروں کو آگ سے بھر دے' ہم ان کی وجہ سے غروبِ آفتاب تک عصر کی نماز نہیں پڑھ سکے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٢٩٣٩' صحیح مسلم رقم الحدیث: ٦٢٧' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٤٠٩' سنن الترمذی رقم الحدیث: ٢٩٨٤' سنن النسائی رقم الحدیث: ٤٧٣' ٤٧٢)

اعتراضات مذکورہ کے جوابات

ان احادیث میں یہ مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کے خلاف دعائے ضرر کی' ان پر اعتراض ہے کہ آپ تو رحمۃ للعٰلمین ہیں۔ کفار کے لیے عذاب کی دعا کرنا آپ کی شان اور منصب کے خلاف ہے' اس کا ایک جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ رحمٰن اور رحیم ہے اس کے باوجود وہ کفار کو عذاب دے گا تو جب اللہ تعالیٰ کا رحمٰن اور رحیم ہونا' اس کے عذاب دینے کے خلاف نہیں ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رحمۃ للعالمین ہونا' عذاب کی دعا کے خلاف کیسے ہوگا۔

باقی رہا یہ شبہ کہ اللہ تعالیٰ رحمٰن اور رحیم ہو کر کفار کو عذاب کیسے دے گا۔ اس کا جواب رحمت کے معنی سمجھنے پر موقوف ہے۔

امام شعرانی نے ابن عربی رحمہ اللہ کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ سہل بن عبداللہ تستری کے پاس شیطان آیا اور کہنے لگا بتاؤ میری بخشش ہوگی یا نہیں؟ سہل نے کہا نہیں۔ شیطان نے کہا اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے "ورحمتی وسعت کل شیء" (الاعراف: ١٥٦) "میری رحمت ہر چیز کو شامل ہے" اور ہر شے کے عموم میں میں بھی داخل ہوں تو میری مغفرت بھی ہونی چاہیے۔ سہل نے کہا یہ مومنین کے ساتھ خاص ہے' تم اس کے عموم سے خارج ہو۔ شیطان نے کہا پہلے تو میں تم کو عالم سمجھتا تھا' آج تمہارا جہل مجھ پر آشکار ہوگیا تم اللہ تعالیٰ کی صفت (یعنی رحمت کے شمول) میں تقیید کر رہے ہو حالانکہ تقیید اور تحدید مخلوق کی صفات میں ہوتی ہے اس کی صفات غیر مقید اور لامحدود ہوتی ہیں۔ شیطان کا یہ جواب سن کر سہل بالکل لاجواب اور مبہوت ہوگئے۔

(الکبریت الاحمر علی ہامش الیواقت ج ١ ص ٢٣)

علامہ عبدالوہاب شعرانی رحمہ اللہ نے بھی اس سوال کا کوئی جواب ذکر نہیں کیا۔ میں نے اس حکایت کو پڑھ کر غور کیا تو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ جواب منکشف فرمایا کہ ضرورت کے وقت کسی کو کوئی چیز دینا بھی رحمت ہے اور اس چیز کے اسباب فراہم کر دینا بھی رحمت ہے۔ مثلاً بھوکے کو آپ کھانا کھلا دیں یہ اس کے حق میں رحمت ہے اور اگر اسی کھانے کے پیسے دے دیں تو یہ

بھی اس کے لیے رحمت ہے۔ اس طرح جنت کا معاملہ ہے بنفسہٖ جنت عطا کر دینا بھی رحمت ہے اور جنت کے اسباب مہیا کر دینا بھی رحمت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی جنت' مغفرت اور رضامندی کے حصول کا سبب اپنے احکام کی اطاعت مقرر کیا ہے۔ یہ احکام فرشتوں کے ساتھ شیطان کو بھی دیئے گئے تھے اور فرشتوں کے ساتھ اسے بھی حضرت آدم کی تعظیم کا حکم دیا گیا لیکن اس نے اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے سے انکار کر کے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے خود منہ موڑ لیا' بلکہ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے کہا آدم (علیہ السلام) کی قبر کو سجدہ کرلے' تیرا گناہ معاف کر دیا جائے گا اور تیری توبہ قبول کر لی جائے گی۔ اس لعین نے اللہ تعالیٰ سے کہا جب میں نے آدم کو سجدہ نہیں کیا تو اب ان کی قبر کو کب سجدہ کروں گا۔ (روح البیان ج ۱ ص ۱۰۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اسے کل بھی شامل تھی' آج بھی شامل ہے۔ اس لعین نے خود اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی بیکراں رحمت سے دُور رکھا ہوا ہے۔ دریا کے ساحل پر کھڑا ہو کر کوئی شخص کہے دریا میری پیاس نہیں بجھاتا تو یہ دریا کی سیرابی میں کمی نہیں ہے' خود اس شخص کے ظرف میں کمی ہے جو دریا کے قریب آ کر پانی نہیں پی رہا۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین ہیں بایں معنی کہ آپ نے تمام جہان والوں کو توحید و رسالت کی دعوت دی اور ابدی رحمت کے حصول کا دروازہ دکھایا جو لوگ جان کے دشمن اور خون کے پیاسے تھے' ان میں سے ایک ایک کے گھر جا کر پیغامِ حق سنایا جو راستہ میں کانٹے بچھاتے تھے اور غلاظت بکھیرتے تھے' ان کے دروازوں پر دستک دے کر جنت اور دائمی سلامتی کی دعوت دی۔ اس کے باوجود جن لوگوں نے آپ کی دعوت کو مسترد کر کے جنت اور رحمت سے منہ موڑ لیا تو اس میں آپ کی رحمت کے عموم اور شمول کا قصور نہیں۔ قصور ان لوگوں کا ہے جنہوں نے اپنے آپ کو آپ کی رحمت سے دُور رکھا۔ جب نصف النہار کے وقت آفتاب روئے زمین پر نور افگن ہو اور کوئی شخص آنکھیں بند کر کے کھڑا ہو جائے تو قصور آفتاب کے فیض کا نہیں' قصور اس شخص کا ہے جس نے آفتاب کے سامنے ہوتے ہوئے آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔

کفار کے لیے عذاب کی دعا کرنے کی دوسری توجیہ یہ ہے کہ کفار اور مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو تکلیفیں اور اذیتیں پہنچائیں آپ نے ان کے خلاف دعا نہیں کی۔ طائف کی وادیوں میں آپ پیغامِ توحید سنانے گئے جواب میں انہوں نے پتھر مار مار کر آپ کو لہولہان کر دیا دل آزار باتیں کیں' آوازے کسے' آپ نے اُف نہ کی۔ ان کا ظلم دیکھ کر جبریل علیہ السلام سے بھی یارائے ضبط نہ رہا' پہاڑوں کے فرشتہ نے حاضر ہو کر کہا آپ حکم دیں تو مکہ کے لوگوں کو دو پہاڑوں کے درمیان پیس کر رکھ دوں لیکن آپ نے کہا تو یہی کہا: بلکہ میں امید رکھتا ہوں کہ اللہ ان کی پیٹھوں سے ایسے لوگ پیدا کرے گا جو اللہ کی عبادت کریں گے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۳۱)

جبل اُحد کی گھاٹیوں پر ابوسفیان کی قیادت میں مشرکین حملہ آور ہوئے' کسی شقی نے پتھر مارا اور آپ کا چہرہ خون آلود ہو گیا' دانت کا ایک کنارہ شہید ہو گیا پھر بھی آپ نے ان کے خلاف دعا نہیں کی۔ اسی غزوہ میں آپ کے پیارے اور محبوب چچا سیدنا حمزہ کو وحشی نے قتل کر دیا' ان کے جسم کو گھائل کیا گیا' جسم کے نازک حصے کاٹ ڈالے گئے۔ ابوسفیان کی بیوی ہند نے ان کا کلیجہ نکال کر دانتوں سے کچا چبایا۔ آپ نے یہ سارے ظلم و ستم دیکھے اور کچھ نہ کہا بلکہ فتح مکہ کے بعد جب یہ سارے اشقیاء مغلوب ہو کر پیشِ خدمت ہوئے جب عربوں کے روایتی انتقام کی آگ کے خوف سے مارے ڈر کے یہ سارے سہمے ہوئے تھے' آپ نے قادر اور غالب ہونے کے باوجود بدلہ نہیں لیا۔ بار بار حملہ آور ہونے والے ابوسفیان کو معاف کر دیا۔ حضرت حمزہ کے قاتل وحشی کو بخش دیا۔ حمزہ (رضی اللہ عنہ) کا کلیجہ چبانے والی ہند سے درگزر کر لیا۔ وحشی نے قبولِ اسلام کے لیے شرائط پیش کیں اس کی ایک ایک شرط پوری کر کے اسے آغوشِ رحمت میں لے لیا۔ قاتلِ حمزہ کا ایک ایک نخرہ برداشت کر کے اسے مشرف

بہ اسلام کیا۔ ایسے بے عدیل' رحیم وکریم اور بے مثیل مہربان آقا کو ہم دیکھتے ہیں کہ غزوۂ خندق میں مشرکوں سے جنگ کی وجہ سے نماز عصر رہ گئی تو ان کے خلاف دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! ان کے گھروں اور قبروں کو آگ سے بھر دے۔ جس صابر و شاکر شخص نے طائف کے ظلم سہہ کر کسی ظالم کے خلاف دعا نہیں کی' ابوسفیان' وحشی اور ہند کو کچھ نہ کہا' بڑی سے بڑی زیادتی کے بعد جس کا پیمانہ صبر لبریز نہیں ہوا' وہ نماز میں خلل ڈالنے' تبلیغ دین کو سبوتاژ کرنے اور مسلمانوں کو قتل کرنے کی وجہ سے کفار کے خلاف دعائے ضرر کرتا ہے۔ اس سے یہی بتلانا مقصود تھا کہ اپنی جان' اپنی عزت' آبرو اور اپنے عزیزوں کے خون کی بہ نسبت دین کی تبلیغ' نماز اور مسلمانوں کا خون مجھے پیارا ہے۔ میں اپنی جان پر زیادتی برداشت کر سکتا ہوں' اپنے عزیزوں کا خون معاف کر سکتا ہوں لیکن تم مجھے تبلیغ نہ کرنے دو' اللہ تعالیٰ کی عبادت نہ کرنے دو یہ برداشت نہیں کر سکتا۔ سوچئے ہم اسی نبی کے نام لیوا ہیں جو اپنی ذات پر زیادتیوں سے درگزر کر لیتا ہے مگر دین کی کسی بات سے صرف نظر نہیں کرتا۔ آج ہمارا یہ حال ہے کہ اسلام کے خلاف جو شخص جو چاہے کہتا رہے' ہمیں غیرت نہیں آتی اور ہماری ذات کے معاملے میں ذرا سی زیادتی ہو تو ہم سلگ اُٹھتے ہیں۔

طائف میں جب آپ گئے تو انہوں نے بھی آپ کے ساتھ بہت ناروا سلوک کیا اور دل آزار باتیں کیں لیکن آپ نے ان کے لیے دعائے ضرر نہیں فرمائی کیونکہ آپ کو علم تھا کہ اہل طائف اسلام قبول کر لیں گے اور پھر نو ہجری وہ لوگ مسلمان ہو گئے۔

رحمۃ للعالمین کی تفسیر میں میں نے کوشش کی ہے کہ ہر اعتبار سے آپ کا رحمت ہونا واضح ہو جائے' اللہ تعالیٰ میری اس کاوش کو قبول فرمائے' میرے گناہوں پر پردہ رکھے' مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ لے' مرنے سے پہلے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور مرنے کے بعد آپ کی شفاعت عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین بجاہ حبیبک سیدنا محمد قائد المرسلین رحمۃ للعلمین شفیع المذنبین صلوٰت اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ وعلماء ملتہ واولیاء امتہ اجمعین۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ میری طرف یہی وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود صرف ایک مستحق عبادت ہے سو کیا تم اسلام لانے والے ہو؟○ پھر اگر یہ پیٹھ پھیر لیں تو آپ کہیے میں واضح طور پر تم کو خبردار کر چکا ہوں اور میں (از خود) نہیں جانتا کہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ نزدیک ہے یا دُور○ بے شک وہ بلند آواز سے کہی ہوئی باتوں کو بھی جانتا ہے اور ان چیزوں کو بھی جانتا ہے جن کو تم چھپاتے ہو○ اور میں (از خود) نہیں جانتا کہ اس (ڈھیل) میں ہو سکتا ہے کہ تمہارے لیے آزمائش ہو اور ایک معین وقت تک تمہیں فائدہ پہنچانا ہو○ (نبی نے) کہا اے میرے رب! حق کے ساتھ فیصلہ فرما دے' ہمارا رب رحمٰن ہے اسی سے ان باتوں پر مدد طلب کی جاتی ہے جو تم بیان کرتے ہو○ (الانبیاء: ۱۱۲-۱۰۸)

صرف توحید کی وحی کی جانے پر اعتراض کا جواب

الانبیاء: ۱۰۸ میں فرمایا آپ کہیے کہ میری طرف یہی وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود صرف ایک مستحق عبادت ہے۔ اس آیت پر یہ اعتراض ہوگا کہ اس آیت کا معنی تو یہ ہوا کہ آپ پر صرف توحید کی وحی کی جاتی ہے۔ حالانکہ آپ پر توحید کے علاوہ رسالت' قیامت' تقدیر' عذاب وثواب' انبیاء سابقین کے قصص وغیرہ کی بھی وحی کی جاتی ہے۔ امام فخر الدین رازی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ لفظ انما سے جو حصر مستفاد ہو رہا ہے' وہ حصر مبالغہ ہے۔ یعنی بہ طور مبالغہ یہ فرمایا ہے کہ آپ پر صرف توحید کی وحی کی جاتی ہے جب کہ آپ پر دیگر امور کی بھی وحی کی جاتی ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۱۹۴' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام رازی کا جواب بھی درست ہے لیکن میرے نزدیک اس کے اور بھی جواب ہیں' اوّلاً یہ کہ یہاں پر مشرکین سے خطاب ہے اور ان کے ساتھ سب سے بڑا نزاع توحید اور شرک میں تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو توحید ہی کی دعوت دیتے تھے۔اس لیے یہ حصر ان کے اعتبار سے ہے اور اصطلاح میں یہ حصر اضافی ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ نبوت اور دیگر عقائد اور احکام سب توحید ہی کی فرع ہیں جب انسان توحید کو مان لے گا اور اللہ تعالیٰ کے واحد خالق اور مالک ہونے کا اعتراف کرے گا تو پھر وہ باقی عقائد اور احکام بھی مان لے گا اور یہ تمام امور توحید کے تابع ہیں اس لیے فرمایا کہ آپ کہیے کہ میری طرف یہی وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود صرف ایک مستحق عبادت ہے۔

مشرکین سے کس چیز کا وعدہ کیا گیا تھا؟

الانبیاء:۱۰۹ میں فرمایا: پھر اگر یہ پیٹھ پھیر لیں تو آپ کہیے کہ میں واضح طور پر تم کو خبردار کر چکا ہوں۔

ایذان کا معنی ہے کسی کو جنگ کے لیے بلانا' للکارنا اور مبارزت کرنا یعنی اگر تم نے میری دعوتِ اسلام کو قبول نہیں کیا تو میری طرف سے اعلانِ جنگ قبول کرلو' میں معلم کی حیثیت سے تم کو پوری پوری تعلیم دے چکا ہوں۔اس کا یہ معنی بھی کیا گیا ہے میں نے تم سے جو اعلانِ جنگ کیا ہے' اس سے خبردار کر رہا ہوں' فوراً تم سے جنگ نہیں کر رہا بلکہ تم کو مہلت دے رہا ہوں تا کہ تم اس مہلت سے فائدہ اُٹھا کر اسلام قبول کرلو۔

پھر فرمایا: میں (ازخود) نہیں جانتا کہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ قریب ہے یا دُور۔ مفسرین نے کہا اس سے مراد قیامت ہے اور بعض نے کہا اس سے ان پر دنیا میں عذاب کا نزول مراد ہے۔ وہ کہتے تھے کہ بتائیں قیامت کب آئے گی؟ یا آپ کا انکار کرنے کی وجہ سے ہم پر آسمانی عذاب کب نازل ہوگا؟ یا اس سے مراد یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ان کو اعلانِ جنگ سنایا تھا' وہ جنگ کب ہوگی؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ کہیے کہ میں ازخود بغیر وحی کے نہیں جانتا کہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے' وہ قریب ہے یا دُور۔

الانبیاء:۱۱۰ میں فرمایا: بے شک وہ بلند آواز سے کہی ہوئی باتوں کو بھی جانتا ہے اور ان چیزوں کو بھی جانتا ہے جن کو تم چھپاتے ہو۔اس سے مقصود یہ ہے کہ تم اخلاص سے عمل کرو اور ریا اور نفاق کو چھوڑ دو کیونکہ جب وہ دلوں کی باتیں جانتا ہے تو پھر نفاق اور ریاکاری کا کیا فائدہ ہے۔

الانبیاء:۱۱۱ میں فرمایا: میں (ازخود) نہیں جانتا کہ اس (ڈھیل) میں ہوسکتا ہے تمہارے لیے آزمائش ہو اور ایک معین وقت تک تمہیں فائدہ پہنچانا ہو۔اس فائدہ کی حسب ذیل تفسیریں ہیں:

(۱) ایک معین وقت تک فائدہ پہنچانے سے مراد ان سے عذاب کو مؤخر کرنا ہے۔

(۲) ان سے عذاب کو نازل کرنے کے وقت کو مخفی رکھا اس میں ان کے اعمال کی آزمائش ہے' آیا وہ اپنے کفر اور ہٹ دھرمی سے رجوع اور توبہ کرتے ہیں یا نہیں۔

(۳) ان سے جہاد کو مؤخر کرنے میں ان کی آزمائش ہے تا کہ اس سے پہلے کہ ان کے خلاف جہاد کیا جائے' وہ توبہ کرلیں۔

الانبیاء:۱۱۲ میں فرمایا: (نبی نے) کہا اے میرے رب! حق کے ساتھ فیصلہ فرما دے۔ ہمارا رب رحمٰن ہے' اسی سے ان باتوں پر مدد طلب کی جاتی ہے جو تم بیان کرتے ہو۔

اس آیت کا ایک محمل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کی کہ اے میرے رب! جو میرے لائے ہوئے پیغام کے منکر ہیں' ان کے اور میرے درمیان عذاب نازل کر کے فیصلہ فرما دے۔اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ ہمارے اور ان کے درمیان

حق کے ساتھ اس طرح فیصلہ فرمادے کہ سب پر حق ظاہر ہو جائے۔

اختتامی کلمات اور دعا

الحمدللہ علیٰ احسانہ ۲۸ صفر ۱۴۲۲ھ' ۲۳ مئی ۲۰۰۱ء کو سورۃ الانبیاء شروع کی تھی اور آج بہ روز جمعرات ۴ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۲ھ' ۲۶ اگست ۲۰۰۱ء کو بعد از نمازِ ظہر یہ سورت اپنے اختتام کو پہنچ گئی۔ ان تین ماہ کے عرصہ میں مجھے کمر کے درد' شوگر' اسہال اور ضعف اعصاب کے عوارض درپیش رہے۔ بہرحال جب بھی کوئی صحت اور توانائی کے لمحات نصیب ہوتے میں باقاعدگی اور تسلسل کے ساتھ تفسیر لکھنے کے کام میں لگا رہتا' ایک مسئلہ یہ ہے کہ لوگ ملنے کے لیے چلے آتے ہیں' کچھ ٹیلی فون کرتے ہیں جس کی وجہ سے کام کے تسلسل میں بہت فرق پڑتا ہے۔ کاش ہمارے لوگ وقت کی اہمیت کو سمجھیں اور جو شخص اپنی صحت اور جان کو داؤ پر لگا کر دین کا کام کر رہا ہے' اس کو سکون کے ساتھ کام کرنے دیں۔

اللہ تعالیٰ کا بے اندازہ اور بے حدوحساب شکر ہے کہ اس نے یہاں تک اس تفسیر کو مکمل کرا دیا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ جس طرح آپ نے یہاں تک محض اپنے کرم سے یہ تفسیر لکھوا دی ہے' بقیہ قرآنِ مجید کی تفسیر بھی مکمل کرا دیں۔ اس کو قبول عام عطا فرمائیں اور اس کے مضامین میں اثر آفرینی پیدا فرمائیں اور محض اپنے کرم سے میرے گناہوں کو بخش دیں اور دارین میں اپنی رحمتوں اور عطاؤں سے نوازیں۔ میں اس لائق تو نہیں ہوں مگر صرف اپنے لطف و کرم سے سرکارِ دوعالم سیدنا و مولانا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے بہرہ یاب فرمائیں اور آپ کی زیارت سے شادکام فرمائیں۔

وآخر دعونا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین قائد المرسلین وعلی آلہ الطیبین و اصحاب الراشدین و ازواجہ امہات المؤمنین وعلی اولیاء امتہ و علماء ملتہ وسائر المسلمین اجمعین۔

سُورَةُ الْحَجّ

(۲۲)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم

سورۃ الحج

سورۃ الحج کی وجہ تسمیہ:

اس سورت کا نام الحج اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کس طرح لوگوں کو البیت الحرام کا حج کرنے کی دعوت دی اور لوگوں کو حج کی عبادات کی تعلیم دی اور حج کے فضائل اور منافع بتائے' اور ان مشرکین کی زجر و توبیخ اور مذمت کی جو مسلمانوں کو المسجد الحرام میں جانے سے منع کرتے تھے ہر چند کہ اس سورت کا نزول بالاتفاق مسلمانوں پر حج کی فرضیت سے پہلے ہوا ہے کیونکہ حج ان آیات سے فرض ہوا ہے جو سورۃ البقرہ اور سورۃ آل عمران میں ہیں۔

اس سورت کا نام الحج رکھنے کی وجہ یہ بھی ہے کہ اس سورت میں الحج کا ذکر ہے:

وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْکَ رِجَالًا وَّعَلٰی کُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ ○ (الحج: ۲۷)

اور آپ لوگوں میں حج کرنے کا اعلان کر دیجئے لوگ آپ کے پاس پیدل اور ہر قسم کے دبلے پتلے اونٹوں پر (بھی) دور دراز کے ہر راستہ سے آئیں گے۔

ہر چند کہ سورۃ البقرہ اور سورۃ آل عمران میں بھی حج کا ذکر ہے لیکن ہم کئی بار لکھ چکے ہیں کہ وجہ تسمیہ کا جامع اور مانع ہونا ضروری نہیں ہے۔

عہد رسالت میں ہی اس سورت کو سورۃ الحج کے نام سے پکارا جاتا تھا۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا سورۃ الحج کو اس وجہ سے فضیلت دی گئی ہے کہ اس میں دو سجدے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں جس نے ان سجدوں کو ادا نہیں کیا' اس نے ان آیتوں کی (کامل) قرأت نہیں کی۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۵۷۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۴۰۲' مسند احمد ج ۴ ص ۱۵۵' ۱۵۱' المستدرک ج ۱ ص ۲۲۱)

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گیارہ سجدے کئے' ان سجدوں میں سے مفصل میں کوئی سجدہ نہیں ہے۔ (جن سورتوں میں آیات سجدہ ہیں وہ یہ ہیں) الاعراف' الرعد' النحل' بنی اسرائیل' مریم' الحج' سورۃ الفرقان' سورۃ النمل' السجدۃ' ص' الحوامیم۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۰۵۶' المسند الجامع رقم الحدیث: ۱۰۹۹۸)

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قرآن میں پندرہ سجدے پڑھائے ان میں سے تین سجدے مفصل میں ہیں اور الحج میں دو سجدے ہیں۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۴۰۱ 'سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۰۵۷ 'المسند الجامع رقم الحدیث: ۱۰۷۴۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا الحج میں ایک سجدہ ہے۔

(الدر المنثور بہ حوالہ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۶ ص ۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت ابوالدرداء کی حدیث میں ہے مفصل میں کوئی سجدہ نہیں ہے اور حضرت عمرو بن العاص کی حدیث میں ہے مفصل میں تین سجدے ہیں۔ مفصل سے مراد ہے' النجم' اذا السماء انشقت اور اقرأ اور حضرت ابوالدرداء کی حدیث سنداً ضعیف ہے۔

ہماری غرض ان احادیث کو نقل کرنے سے یہ ہے کہ اس سورت کا نام سورۃ الحج عہد رسالت میں ہی معروف ہو چکا تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زبانوں پر یہی نام جاری تھا' الحج کے سوا اس سورت کا اور کوئی نام نہیں ہے۔

سورۃ الحج کے مکی یا مدنی ہونے کا اختلاف

اس میں اختلاف ہے کہ یہ سورت مکی ہے یا مدنی ہے یا اس کی زیادہ آیتیں مکی ہیں یا مدنی ہیں۔ حضرت ابن عباس' مجاہد اور عطا سے مروی ہے کہ الحج: ۲۲-۱۹ کے علاوہ باقی آیات مکی ہیں۔ حضرت ابن عباس کا دوسرا قول اور ضحاک' قتادہ اور حسن کا قول یہ ہے کہ الحج: ۵۵-۵۲ کے علاوہ باقی آیات مدنی ہیں۔ مجاہد نے ابن الزبیر سے نقل کیا ہے کہ یہ سورت مدنی ہے اور العوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی روایت کیا ہے۔

جمہور کا قول یہ ہے کہ اس سورت کی بعض آیات مکی ہیں اور بعض مدنی ہیں' اور یہ آیات ایک دوسرے سے مختلط ہیں' یعنی یہ معین نہیں ہے کہ کون سی آیت مکی ہے اور کون سی آیت مدنی ہے۔ ابن عطیہ نے کہا یہی قول صحیح ہے۔

(التحریر والتنویر جز ۱۷ ص ۱۸۰' الاتقان ج ۱ ص ۶۵-۶۴' مطبوعہ بیروت)

اس سورت کی جو مکی آیات ہیں وہ مکہ کے آخری دور کی آیات ہیں اور جو مدنی آیات ہیں وہ ہجرت کے ابتدائی دور کی آیات ہیں۔

سورۃ الانبیاء اور سورۃ الحج کی باہمی مناسبت

سورۃ الانبیاء کی متعدد آیات میں قیامت اور حشر کا ذکر کیا گیا ہے:

لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا حِيْنَ لَا يَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ○ بَلْ تَاْتِيْهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ○ (الانبیاء: ۴۰-۳۹)

کاش کفار اس وقت کو جان لیتے جب یہ نہ اپنے چہروں سے آگ کو دور کر سکیں گے اور نہ اپنی پیٹھوں سے اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔ بلکہ وہ (قیامت) ان کے پاس اچانک آئے گی اور ان کو مبہوت کر دے گی پھر یہ اس کو ٹال نہ سکیں گے اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی۔

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ؕ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ؕ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ○ (الانبیاء: ۴۷)

اور ہم قیامت کے دن انصاف کی ترازو قائم کریں گے پھر کسی پر کچھ بھی ظلم نہیں کیا جائے گا' اور اگر کسی کا عمل رائی کے دانہ کے برابر بھی ہوگا تو ہم اس کو حاضر کر دیں گے اور ہم حساب کرنے کے لیے کافی ہیں۔

اور سورۃ الحج کو بھی اللہ تعالیٰ نے قیامت اور حشر کی ہولناکیوں کے بیان سے شروع فرمایا ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ۝ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ۝ (الحج: ۲-۱)

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو بے شک قیامت کا زلزلہ بہت سنگین چیز ہے۔ جس دن تم اس کو دیکھو گے ہر دودھ پلانے والی اس (بچے) کو فراموش کر دے گی جس کو دودھ پلایا تھا اور ہر حاملہ کا حمل ساقط ہو جائے گا اور تم کو لوگ مدہوش نظر آئیں گے حالانکہ وہ مدہوش نہیں ہوں گے لیکن اللہ کا عذاب بہت سخت ہے۔

سورۃ الانبیاء میں گیارہ انبیاء علیہم السلام کے قصص بیان فرمائے تھے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی توحید کا اور شرک کو ترک کرنے کا پیغام دیا اور قیامت پر اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے کی دعوت دی' اور اس سورت میں اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور توحید پر آسمانوں اور زمینوں اور انسانوں کی تخلیق سے استدلال فرمایا ہے اور مردوں کو دوبارہ زندہ کرنے کی قدرت پر دلائل دیئے ہیں اور یہ بتایا ہے کہ پچھلی ایمان نہ لانے والی بستیوں کے کھنڈرات کو دیکھو اور ان کی تباہی اور بربادی سے سبق حاصل کرو۔

سورۃ الحج کے مشمولات

☆ لوگوں کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور یوم جزا اور یوم حساب کو پیش نظر رکھنے کا حکم دیا ہے اور مشرکین سے فرمایا ہے کہ وہ ضد اور ہٹ دھری کو چھوڑ دیں اور کٹ حجتی سے باز آ جائیں' اللہ تعالیٰ کو واحد مانیں اور شیطان کے وساوس کی اتباع نہ کریں' شیطان دنیا اور آخرت میں ان کے کسی کام نہیں آ سکتا۔

☆ اللہ تعالیٰ بنجر اور مردہ زمین پر پانی برسا کر اس کو زندہ کرتا ہے اور اس میں فصل اُگاتا ہے اور جس طرح وہ مردہ زمین کو زندہ کرنے پر قادر ہے' اسی طرح وہ مردہ انسانوں کو بھی زندہ کرنے پر قادر ہے۔

☆ مشرکین اپنے آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کہتے تھے' ان سے فرمایا جب تم ان کی اولاد ہونے پر فخر کرتے ہو تو ان کی سنت اور ان کے شعائر پر کیوں عمل نہیں کرتے۔

☆ ان پچھلی اُمتوں کے احوال سے ڈرایا جنہوں نے ایمان کی دعوت کو قبول نہیں کیا تو ان کو عذاب نے پکڑ لیا۔

☆ جن لوگوں نے اللہ کی ہدایت کو قبول نہیں کیا وہ نظریاتی انتشار کا شکار ہو کر متعدد فرقوں میں بٹ گئے۔

☆ قیامت کا دن فیصلہ کا دن ہے' اس دن ہدایت یافتہ اور گمراہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کر دیا جائے گا۔

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو تسلی دی ہے کہ وہ شیطان کی گمراہ کن باتوں سے نہ گھبرائیں' ہر نبی اور رسول کی تبلیغ اور دین کی اشاعت میں شیطان رخنہ اندازیاں کرتا ہے پھر بالآخر اللہ تعالیٰ شیطان کی سازش کو ناکام بنا دیتا ہے۔

☆ قرآن مجید کی عظمت بیان کی ہے اور بتایا ہے کہ کفار قرآن کو ناپسند کرتے ہیں اور رسولوں سے بغض رکھتے ہیں' اور مسلمانوں کی تحسین کی ہے کہ اللہ نے ان پر ملت حنفیہ کی اتباع کو آسان کر دیا ہے اور ان کا نام مسلمان رکھا ہے۔

☆ مسلمانوں کو کفار کے خلاف جہاد کرنے کی اجازت دی ہے اور ان کی نصرت اور مدد کا وعدہ فرمایا اور ان کو زمین پر اقتدار کی بشارت دی ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ نے اس سورت کو بندوں کے اوپر اپنی نعمتوں کا بیان کر کے ختم کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں میں سے کچھ فرشتوں کو برگزیدگی دی ہے اور انسانوں میں سے کچھ انسانوں کو فضیلت دی ہے اور مسلمانوں کو ان چیزوں کی ہدایت دی ہے جن سے وہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کریں اور اللہ تعالیٰ ہی ان کا مولیٰ اور مددگار ہے۔

اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد میں سورۃ الحج کا ترجمہ اور تفسیر اس دعا کے ساتھ شروع کر رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے حق بات کو دلائل کے ساتھ لکھنے اور باطل کو رد کرنے کی توفیق' ہمت اور حوصلہ عطا فرمائے اور میری اس تحریر کو پُر اثر بنائے اور مجھے ایمان اور اعمالِ صالحہ پر صحت اور سلامتی کے ساتھ قائم رکھے۔

کیا تفسیر کبیر امام رازی نے مکمل نہیں کی؟

اس تفسیر میں ہمارا سب سے اہم' قوی اور محبوب ماخذ امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ کی تفسیر کبیر ہے' امام رازی نے اس تفسیر میں زیادہ تر معتزلہ کے عقائد کا رد کیا ہے' دہریت کا رد کیا ہے اور فقہی مسائل میں فقہ شافعی کو ترجیح دی ہے' اور علامہ ابوبکر جصاص حنفی نے فقہاء احناف کے جو دلائل ذکر کئے ہیں ان کا خصوصیت سے رد اور ابطال کیا ہے' وہ قرآن مجید کی آیات کی تفسیر میں بہت زیادہ علمی نکات بیان کرتے ہیں' روافض اور خوارج کا بھی بہت رد کرتے ہیں۔ نیز قرآن مجید کی آیات کی تفسیر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت' عظمت اور افضلیت کے نکات بیان کرتے ہیں۔ اسی طرح صحابہ کرام اور اہل بیت عظام کی عظمت کا استنباط اور استخراج کرتے ہیں۔ شانِ نزول کے بیان میں ابن جریر اور واحدی پر اعتماد کرتے ہیں' فصاحت و بلاغت اور صرف ونحو کی موشگافیوں میں زمخشری کی تفسیر کشاف سے استفادہ کرتے ہیں ان پر چونکہ عقلی دلائل کا غلبہ ہے اس لئے جو احادیث ان کی درایت کے خلاف ہوں ان کو مسترد کر دیتے ہیں' بعض مقامات پر ضعیف احادیث بھی لے آتے ہیں لیکن اکثر احادیث صحیحہ کا ذکر کرتے ہیں۔ اور قرآن مجید کی آیات سے بھی بہت استشہاد کرتے ہیں' الغرض ان کی تفسیر بیش بہا خوبیوں اور محاسن کا مجموعہ ہے۔

علامہ شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر بن خلکان متوفی ۶۸۱ھ نے لکھا ہے کہ امام رازی اس تفسیر کو مکمل نہ کر سکے تھے (وفیات الاعیان ج ۴ ص ۲۴۹' ایران) اور حاجی خلیفہ نے لکھا ہے کہ باقی تفسیر کو علامہ نجم الدین احمد بن محمد القمولی متوفی ۷۲۷ھ نے مکمل کیا ہے۔ (کشف الظنون ج ۲ ص ۱۷۵۶' ایران) اور علامہ شہاب الدین خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ نے لکھا ہے کہ امام رازی سورۃ الانبیاء کی تفسیر تک پہنچ سکے تھے۔ (کلمۃ دار احیاء التراث العربی ج ۱ ص ۶)

شروع میں' میں بھی ان عبارات سے متاثر ہو گیا تھا لیکن بعد میں مجھ پر منکشف ہوا کہ یہ عبارات صحیح نہیں ہیں۔ اور تفسیر کبیر کو امام رازی نے ہی مکمل فرمایا ہے اس کی مکمل تحقیق میں نے تبیان القرآن ج ۱۰ کے شروع میں سورۃ ص کے مقدمہ میں لکھ دی ہے۔

غلام رسول سعیدی غفرلہ

۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۲ھ' ۲۷ جولائی ۲۰۰۱ء

سُوْرَةُ الْحَجِّ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ ثَمَانٍ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً وَّعَشْرُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ الحج مدنی ہے اور اس میں اٹھتر آیتیں اور دس رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے ○

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ①

اے لوگو! تم سب اپنے رب سے ڈرو، بے شک قیامت کا زلزلہ بہت سنگین چیز ہے ○

يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ

جس دن تم اس کو دیکھو گے ہر دودھ پلانے والی اس (بچے) کو فراموش کردے گی جس کو دودھ پلا یا تھا اور ہر حاملہ کا

ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى

حمل ساقط ہو جائے گا اور تم کو لوگ مدہوش نظر آئیں گے، حالانکہ وہ مدہوش نہیں ہوں گے

وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ② وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ

لیکن اللہ کا عذاب بہت سخت ہے ○ بعض لوگ اللہ کے متعلق بغیر علم کے

فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ③ كُتِبَ عَلَيْهِ اَنَّهٗ

جھگڑا کرتے ہیں اور ہر سرکش شیطان کی پیروی کرتے ہیں ○ جس کے متعلق (لوح محفوظ میں) یہ لکھا جا

مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ وَيَهْدِيْهِ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ④ يٰٓاَيُّهَا

چکا ہے کہ جو اس کو دوست بنائے گا وہ اس کو گمراہ کردے گا اور اس کو بھڑکتی ہوئی آگ کے عذاب کی طرف لے جائے گا ○

النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ

لوگو! اگر تمہیں موت کے بعد زندگی میں شک ہے تو (غور کرو کہ) ہم نے تم کو مٹی سے

تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ

پیدا کیا پھر نطفہ سے، پھر جمے ہوئے خون سے، پھر گوشت کے لوتھڑے سے جو مکمل شکل کا ہوتا ہے

وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ۭ وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَاۗءُ اِلٰٓى

اور ادھوری شکل کا بھی، تاکہ ہم تمہارے لیے (اپنی قدرت کو) ظاہر کر دیں، اور ہم جسے چاہتے ہیں ایک مقررمدت تک

اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ۚ وَمِنْكُمْ

رحم مادر میں رکھتے ہیں، پھر ہم بچے کی صورت میں تمہیں نکالتے ہیں تاکہ تم اپنی پوری جوانی کو پہنچ جاؤ، اور تم میں سے

مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ

بعض لوگ (اس سے پہلے) وفات پا جاتے ہیں اور تم میں سے بعض ناکارہ عمر کی طرف لوٹا دیئے جاتے ہیں تاکہ وہ علم کے بعد

مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْــــًٔا ۭ وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا

کسی چیز کو نہ جان سکیں، اور تم زمین کو خشک حالت میں دیکھتے ہو پس جب ہم اس پر پانی برساتے

الْمَاۗءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ⑤ ذٰلِكَ

ہیں تو وہ تروتازہ اور ہری بھری ہو جاتی ہے اور وہ ہر قسم کا خوش نما سبزہ اگاتی ہے ○ یہ اس لیے ہے

بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّهٗ يُـحْيِ الْمَوْتٰى وَاَنَّهٗ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ

کہ اللہ ہی حق ہے اور بے شک وہ مردوں کو زندہ کرتا ہے اور بلاشبہ وہ ہر چیز پر

قَدِيْرٌ ⑥ۙ وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ

قادر ہے ○ اور بے شک قیامت آنے والی ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے اور اللہ ان سب کو اٹھائے گا جو

فِي الْقُبُوْرِ ⑦ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّ

قبروں میں ہیں ○ اور بعض لوگ بغیر علم کے اور بغیر ہدایت کے اور بغیر روشن کتاب کے اللہ

لَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ⑧ۙ ثَانِيَ عِطْفِهٖ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ

کے متعلق جھگڑا کرتے ہیں ○ وہ (ازراہ تکبر) اپنی گردن موڑے ہوئے ہے تاکہ (لوگوں کو) اللہ کے راستے سے

لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّنُذِيْقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ ⑨

گمراہ کرے، اسی کے لیے دنیا میں ذلت ہے اور ہم قیامت کے دن اس کو جلانے والے عذاب کا مزہ چکھائیں گے ○

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدٰكَ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ⑩

(اور اس سے کہا جائے گا) یہ تیرے ان کاموں کی سزا ہے جن کو تیرے ہاتھ پہلے بھیج چکے ہیں، اور بے شک اللہ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے لوگو! تم سب اپنے رب سے ڈرو' بے شک قیامت کا زلزلہ بہت سنگین چیز ہے ○ جس دن تم اس کو دیکھو گے ہر دودھ پلانے والی اس (بچے) کو فراموش کر دے گی جس کو دودھ پلایا تھا' اور ہر حاملہ کا حمل ساقط ہو جائے گا اور تم لوگ مدہوش نظر آئیں گے حالانکہ وہ مدہوش نہیں ہوں گے لیکن اللہ کا عذاب بہت سخت ہے ○ بعض لوگ اللہ کے متعلق بغیر علم کے جھگڑا کرتے ہیں اور ہر سرکش شیطان کی پیروی کرتے ہیں ○ جس کے متعلق (لوح محفوظ) میں یہ لکھا جا چکا ہے کہ جو اس کو دوست بنائے گا' وہ اس کو گمراہ کر دے گا' اور اس کو بھڑکتی ہوئی آگ کے عذاب کی طرف لے جائے گا ○ (الحج: ۴۔۱)

مشکل الفاظ کے معانی

زلزلہ: زمین کی حرکت شدیدہ' تزلزل کا معنی ہے اضطراب۔ اس کی اصل ہے ''زل'' یعنی کوئی چیز پھسل گئی اور اپنی جگہ سے حرکت کر گئی۔ زلزلہ کا لفظ کسی کو دھمکانے اور دہلانے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے' قیامت کی شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ قیامت سے پہلے زمین میں زلزلہ آئے گا اور قیامت کے ہولناک امور میں سے ایک امر زلزلہ ہے' سخت خوف اور دہشت کے لیے بھی اس کا استعمال ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا (البقرہ: ۲۱۴)

تم سے پہلے لوگوں پر مصیبتیں اور بیماریاں آئیں اور ان کو جھنجھوڑ ڈالا گیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کے خلاف دعا فرمائی:

اللھم اھزمھم وزلزلھم. (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۹۲)

اے اللہ! ان کو ناکام کر دے اور ان کو جھنجھوڑ ڈال۔

ذہول: تکلیف کی شدت یا خوف اور دہشت کی وجہ سے کسی چیز کا ذہن سے نکل جانا۔ مقصود یہ ہے کہ قیامت کی ہولناکیاں دیکھ کر لوگ اپنے عزیزوں اور متعلقین کے تعلق کو بھول جائیں گے۔

تقویٰ کی تعریف اور اس کی ضرورت

الحج: ۱ میں فرمایا ہے اے لوگو! تم سب اپنے رب سے ڈرو۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو تقویٰ کا حکم دیا ہے اور تقویٰ کا معنی ہے بچنا' اجتناب کرنا' ترک کرنا۔ یعنی ہر حرام اور مکروہ کام سے اجتناب کیا جائے اور ہر فرض اور واجب کے ترک سے اجتناب کیا جائے اور متقی اللہ کے عذاب سے ڈر کر حرام کاموں کو اور فرائض کے ترک کرنے کو چھوڑ دے۔

اللہ سبحانہ نے لوگوں کو تقویٰ کا حکم دیا پھر قیامت کی ہولناکیوں اور عذاب شدید کو بیان فرمایا تاکہ لوگ جان لیں کہ جب وہ تقویٰ اختیار کریں گے تو اپنے آپ کو قیامت کے اس دہشت ناک عذاب سے بچا لیں گے اور اپنے نفس کو ضرر سے بچانا واجب ہے' اس لیے تقویٰ کا اختیار کرنا واجب ہے۔

مسلمانوں اور کافروں کے درمیان عددی نسبت

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب سے آگے بڑھ گئے پھر آپ نے بلند آواز سے سورۃ الحج کی پہلی دو آیتیں تلاوت فرمائیں۔ جب آپ کے اصحاب نے ان کو سنا تو وہ اپنی

سواریوں کو نکال کر حضور تک پہنچے جب وہ آپ کے پاس پہنچ گئے تو آپ نے فرمایا: کیا تم کو معلوم ہے وہ کون سا دن ہوگا؟ صحابہ نے کہا اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: یہ وہ دن ہے جس میں حضرت آدم کو ندا کی جائے گی اور ان کا رب فرمائے گا: اے آدم! دوزخ والوں کو بھیج دو۔ حضرت آدم عرض کریں گے: اے میرے رب! دوزخ والے کون ہیں؟ فرمائے گا ہر ہزار میں سے نوسوننانوے دوزخی ہیں اور ایک جنتی ہے۔ یہ سن کر صحابہ ناامید ہوگئے اور انہوں نے ہنسنا چھوڑ دیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا یہ حال دیکھا تو فرمایا: (نیک) عمل کرو اور خوش رہو اس ذات کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میں میں محمد کی جان ہے تمہارے ساتھ دو قسم کی مخلوق ہے وہ جس چیز کے ساتھ بھی ہوں بڑھتی رہتی ہیں یاجوج اور ماجوج' اور جو بنو آدم سے ہلاک ہوئے اور جو بنو ابلیس سے ہلاک ہوئے پھر اصحاب خوش ہوگئے۔ پھر آپ نے فرمایا (نیک) عمل کرو اور خوش رہو' اس ذات کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میں محمد کی جان ہے' تم لوگوں کے مقابلہ میں اس طرح ہو جس طرح کسی چوپائے کے ہاتھ میں تل ہو یا اونٹ کے پہلو میں تل ہو۔

حاکم نے کہا یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور بخاری اور مسلم نے اس کو روایت نہیں کیا۔ (یہ حاکم کا تسامح ہے' صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں یہ حدیث حضرت ابوسعید خدری سے مروی ہے اور زیادہ واضح ہے)

(المستدرک رقم الحدیث: ۳۵۰۲' طبع جدید' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل قیامت کے دن فرمائے گا اے آدم! وہ کہیں گے لبیک وسعدیک' پھر بلند آواز سے ندا فرمائے گا اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم اپنی اولاد میں سے دوزخ والوں کو نکال لو۔ وہ کہیں گے اے میرے رب! دوزخ والے کتنے ہیں؟ فرمائے گا ہر ہزار میں سے نوسوننانوے۔ اس وقت حاملہ عورت کا حمل گر جائے گا اور بچے بوڑھے ہو جائیں گے اور تم لوگوں کو مدہوش دیکھو گے حالانکہ وہ مدہوش نہیں ہوں گے لیکن اللہ کا عذاب بہت سخت ہے۔ یہ بات اصحاب پر بہت سخت گراں گزری حتیٰ کہ ان کے چہرے متغیر ہوگئے پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نوسوننانوے یاجوج اور ماجوج میں سے ہوں گے اور ایک تم میں سے ہوگا' اور تم لوگوں کے مقابلہ میں ایسے ہو جیسے سفید بیل کے پہلو میں سیاہ بال ہو یا سیاہ بیل کے پہلو میں سفید بال ہو' اور مجھے توقع ہے کہ تم اہل جنت کے چوتھائی ہوگے پھر ہم نے نعرہ لگایا اللہ اکبر' پھر فرمایا تم تہائی اہل جنت ہوگے ہم نے پھر کہا اللہ اکبر' پھر فرمایا تم نصف اہل جنت ہوگے پس ہم نے کہا اللہ اکبر۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۴۱' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۱۳۰۴' عالم الکتب بیروت' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۲)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے علامہ ابوالعباس قرطبی سے نقل کیا ہے کہ ہزار میں سے نوسوننانوے یاجوج ماجوج ہوں گے اور وہ کفار جو یاجوج اور ماجوج کی مثل ہوں گے اور ہزار میں سے ایک تم ہو گے یعنی تم اور وہ مسلمان جو تمہاری مثل ہوں۔ حافظ عسقلانی نے کہا اور ایک تم ہو گے' اس سے مراد ہے تمام اُمتوں کے مسلمان کیونکہ حضرت ابن مسعود کی حدیث میں ہے کہ جنت میں صرف مسلمان داخل ہوں گے۔ (فتح الباری ج ۱۳ ص ۲۰۵' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ)

میں کہتا ہوں اس طرح یاجوج اور ماجوج سے مراد ہے تمام اُمتوں کے کفار جو کفر میں یاجوج اور ماجوج کی مثل ہوں گے۔ خلاصہ یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہر ہزار میں سے نوسوننانوے کافر ہوں گے اور اس کے مقابلہ میں ایک مسلمان ہوگا اور وہی جنتی ہوگا اور باقی دوزخی ہوں گے۔

علامہ نووی کہتے ہیں کہ اس میں اختلاف ہے کہ حاملہ کا وضع حمل کس وقت ہوگا؟ بعض علماء نے کہا یہ دنیا میں ہوگا جب قیامت سے پہلے زلزلہ آئے گا اور بعض نے کہا قیامت کے دن ہوگا۔ اوّل الذکر صورت میں وضع حمل حقیقۃً ہوگا اور ثانی

الذکر صورت میں وضع حمل مجازاً ہوگا کیونکہ قیامت کے دن نہ کوئی حمل ہوگا اور نہ کوئی ولادت ہوگی' اور معنی یہ ہے کہ وہ ایسا ہولناک اور دہشت ناک دن ہوگا کہ اگر اس دن کوئی حاملہ عورت فرض کی جاتی تو اس کا حمل ساقط ہو جاتا۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا: **المخلقة** سے مراد ہے زندہ بچہ جو پورا ہو اور **غیر المخلقه** سے مراد ہے ناقص اور کچا بچہ۔ (المستدرک رقم الحدیث: ۳۵۰۴' طبع جدید دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

جدال کا لغوی اور اصطلاحی معنی اور اس کا شرعی حکم

الحج: ۳ میں فرمایا بعض لوگ اللہ کے متعلق بغیر علم کے جھگڑا کرتے ہیں اور ہر سرکش شیطان کی پیروی کرتے ہیں۔

اس آیت میں جھگڑے کے لیے جدل کا لفظ ہے۔ علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ ھ نے لکھا ہے کہ جدال کا معنی ہے: بحث میں ایک دوسرے پر غالب آنے کی کوشش کرنا۔ اصل میں یہ لفظ **جدلت الحبل** سے بنا ہے اس کا معنی ہے رسی کو بٹ کر مضبوط کرنا' اور جب دو آدمی بحث کرتے ہیں تو ہر ایک دوسرے آدمی کو اس کی رائے سے پھیر کر اپنے موقف کو مضبوط کرتا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ جدل کا معنی ہے کشتی میں اپنے حریف کو پچھاڑنا۔ (المفردات ج ۱ ص ۱۱۷) علامہ سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۱۶ھ نے جدل کا اصطلاحی معنی یہ لکھا ہے: جو دلیل مشہورات اور فریق مخالف کے مسلّمات پر مشتمل ہو' اس سے غرض ہوتی ہے فریق مخالف کو ساکت کرنا اور اس پر الزام قائم کرنا' اس کا معنی یہ بھی ہے فریق مخالف کے فاسد قول کو دلیل سے رد کرنا یا اس پر اعتراض کرنا۔ (التعریفات ص ۵۵)

امام رازی متوفی ۶۰۶ ھ نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بغیر علم کے جدال کرنے کی مذمت کی ہے' اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ علم کے ساتھ مجادلہ کرنا جائز ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۲۰۲) جدال باطل کے متعلق فرمایا: **ماضربوه لک الا جدلا** (الزخرف: ۵۸) وہ آپ سے صرف جھگڑا کرتے ہیں' اور جدال حق کے متعلق فرمایا: **وجادلهم بالتی هی احسن.** (النحل: ۱۲۵) اور ان سے اچھی طرح بحث کیجئے۔ باقی رہا یہ کہ وہ اللہ کے متعلق کس چیز میں جدال کرتے تھے سو وہ اللہ تعالیٰ کو مانتے تھے' اس کو خالق اور مالک جانتے تھے' البتہ یہ نہیں مانتے تھے کہ وہ مردوں کو دوبارہ زندہ کرے گا اور قیامت اور حشر کا انکار کرتے تھے' یہ جدال کرنے والا النضر بن الحارث تھا۔

مَرید اور مارد کا معنی

نیز فرمایا اور ہر سرکش شیطان کی پیروی کرتے ہیں۔ اس سے شیاطین انس مراد ہیں یعنی کافر سردار جو لوگوں کو کفر کی دعوت دیتے تھے' اسلام کے خلاف شبہات پھیلاتے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اُلجھتے تھے اور اس سے ابلیس اور اس کا لشکر بھی مراد ہو سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے **شیطٰن مرید** فرمایا ہے۔ مَرید اور مارد کا معنی ہے سرکش جو ہر خیر سے خالی ہے اصل میں مَرَدَ کا معنی ہے خالی ہونا۔

جس درخت پر پتے نہ ہوں' اس کو شجرۃ امرد کہتے ہیں' امرد اس لڑکے کو کہتے ہیں جس کی ڈاڑھی اور مونچھیں نہ آئی ہوں۔ (المفردات ج ۲ ص ۶۰۲)

بدمذہبوں سے دوستی رکھنے کی ممانعت

الحج: ۴ میں فرمایا: جس کے متعلق لوحِ محفوظ میں یہ لکھا جا چکا ہے کہ جو اس کو دوست بنائے گا وہ اس کو گمراہ کر دے گا' اور اس کو بھڑکتی ہوئی آگ کی طرف لے جائے گا۔

اس آیت کے دو محمل ہیں ایک یہ کہ جو شخص حشر اور قیامت کا انکار کرتا ہے اور اس میں جدال اور جھگڑا کرتا ہے اس کے متعلق لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے کہ وہ لوگوں کو جنت سے گمراہ کر دے گا اور دوزخ کی طرف لے جائے گا۔ اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ جو شخص سرکش شیطان کی پیروی کرتا ہے اور اس سے دوستی رکھتا ہے تو وہ شیطان اس کو جنت سے گمراہ کر دے گا اور دوزخ کی طرف لے جائے گا' اس سے مقصود یہ ہے کہ سرکش شیطانوں اور بد مذہب لوگوں سے دوستی نہ رکھی جائے اور ان سے محبت کا تعلق نہ رکھا جائے۔ حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عنقریب میری اُمت کے آخر میں ایسے لوگ (ظاہر) ہوں گے جو تم سے ایسی باتیں کریں گے جو تم نے سنی ہوں گی نہ تمہارے باپ دادا نے' تم ان سے دُور رہنا وہ تم سے دُور رہیں۔

(مقدمہ صحیح مسلم باب: ۶ رقم الحدیث: ۱' ص ۲۵۴' مطبوعہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۱' قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۸۲۵۰' جدید' المستدرک ج ۱ ص ۱۰۳' قدیم' المستدرک رقم الحدیث: ۳۵۷' جدید' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۹۹۰' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۳۰۸۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آخر زمانہ میں دجالوں اور کذابوں کا ظہور ہو گا وہ تم کو ایسی باتیں سنائیں گے جو تم نے سنی ہوں گی نہ تمہارے باپ دادا نے' تم ان سے دُور رہنا وہ تم سے دُور رہیں' کہیں وہ تم کو فتنہ میں نہ ڈال دیں' کہیں تم کو گمراہ نہ کر دیں۔

(مقدمہ صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۵۴' مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۱۵۴' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۹۰۲۴)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے لوگو! اگر تمہیں موت کے بعد زندگی میں شک ہے تو (غور کرو کہ) ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا' پھر نطفہ سے' پھر جمے ہوئے خون سے' پھر گوشت کے لوتھڑے سے' جو مکمل شکل کا ہوتا ہے اور ادھوری شکل کا بھی' تا کہ ہم تمہارے لیے (اپنی قدرت کو) ظاہر کر دیں اور ہم جسے چاہتے ہیں ایک مقرر مدت تک رحم مادر میں رکھتے ہیں' پھر ہم بچے کی صورت میں تمہیں نکالتے ہیں تا کہ تم اپنی پوری جوانی کو پہنچ جاؤ اور تم میں سے بعض لوگ (اس سے پہلے) وفات پا جاتے ہیں' اور تم میں سے بعض ناکارہ عمر کی طرف لوٹا دیئے جاتے ہیں تا کہ وہ علم کے بعد کسی چیز کو نہ جان سکیں' اور تم زمین کو خشک حالت میں دیکھتے ہو پس جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ تر و تازہ اور ہری بھری ہو جاتی ہے اور وہ ہر قسم کا خوش نما سبزہ اُگاتی ہے ○ (الحج: ۵)

انسان کی تخلیق کے مراحل اور زمین کی پیداوار سے حشر و نشر پر استدلال

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ وہ بغیر علم کے حشر اور نشر کے وقوع میں جدال اور جھگڑا کرتے ہیں اور ان کی اس پر مذمت کی تھی' اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حشر اور نشر کی صحت اور امکان پر دلائل قائم کیے ہیں۔ گویا کہ یوں فرمایا اگر تمہیں مرنے کے بعد دوبارہ اُٹھنے پر شک ہے تو تم اپنی تخلیق پر غور کرو جب وہ تم کو پہلی بار عدم سے وجود میں لا سکتا ہے تو تمہارے مرنے کے بعد دوبارہ تم کو کیوں پیدا نہیں کر سکتا' پھر اللہ تعالیٰ نے انسان کی خلقت کے سات مراتب بیان فرمائے ہیں:

(۱) ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا' مٹی سے پیدا کرنے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ تمہاری اصل اور تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو ہم نے مٹی سے پیدا کیا۔ فرمایا: **کمثل ادم خلقہ من تراب** ۔ (آل عمران: ۵۹) (عیسیٰ) آدم کی مثل ہیں جن کو ہم نے مٹی سے پیدا کیا' اور اس کی دوسری صورت یہ ہے کہ انسان کو منی اور حیض کے خون سے پیدا کیا اور یہ دونوں

چیزیں غذا سے بنتی ہیں اور غذا گوشت اور زمین کی پیداوار (غلہ اور سبزیوں) سے حاصل ہوتی ہے اور گوشت کا مآل بھی زمین کی پیداوار ہے' اور زمین کی پیداوار زمین کی مٹی اور پانی سے حاصل ہوتی ہے پس منی اور خون مٹی سے حاصل ہوئے۔ لہٰذا یہ کہنا صحیح ہے کہ انسان کو مٹی سے پیدا کیا گیا۔

(۲) ہم نے تم کو نطفہ سے پیدا کیا' مرد کی صلب سے جو پانی نکلتا ہے وہ نطفہ ہے۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے ہی اس مٹی کو لطیف پانی بنا دیا۔

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ جب نطفہ کو رحم میں چالیس دن گزر جاتے ہیں پھر چالیس دن وہ جما ہوا خون بن جاتا ہے پھر چالیس دن وہ گوشت کا لوتھڑا بن جاتا ہے پھر جب وہ تخلیق کو پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ کو بھیجتا ہے جس کی انگلیوں میں مٹی ہوتی ہے' وہ اس کو گوشت کے لوتھڑے میں ملا کر گوندھتا ہے اور پھر اس کی تصویر بناتا ہے' پھر پوچھتا ہے یہ مرد ہے یا عورت؟ نیک ہے یا بد ہے' اس کا رزق کتنا ہے' اس کی عمر کتنی ہے' اس کے مصائب کیا کیا ہیں؟ پھر اللہ تعالیٰ ان چیزوں کے لکھنے کا حکم دیتا ہے اور فرشتہ لکھ دیتا ہے اور جب وہ شخص مر جاتا ہے تو اس کو اس جگہ دفن کر دیا جاتا ہے جہاں سے اس کی مٹی لی گئی تھی۔ (الدرالمنثور ج ۳ ص ۱۴۴' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ)

(۳) تخلیق کا تیسرا مرتبہ ہے العلقۃ یعنی جمے ہوئے خون کا ٹکڑا اور اس میں بھی اللہ کی قدرت کا اظہار ہے کیونکہ جما ہوا خون بھی نطفہ کے پانی سے بنتا ہے اور رقیق پانی اور جمے ہوئے خون میں کوئی مناسبت نہیں ہے۔

(۴) گوشت کا لوتھڑا خواہ وہ مکمل ہو یا ناقص' مخلقہ سے مراد ہے جو نقصان اور عیب سے سالم ہو' اس کے اعضاء اور حواس سالم ہوں' اور غیر المخلقہ سے مراد ہے جس کی خلقت میں کوئی نقص اور عیب ہو۔ نیز فرمایا اور ہم جسے چاہتے ہیں ایک مقرر مدت تک رحم مادر میں رکھتے ہیں یعنی اس کو ولادت کے وقت تک رحم میں رکھتے ہیں' وہ وقت کم از کم چھ ماہ ہے اور اس کی عام معروف مدت نو ماہ ہے اور بعض اوقات بچہ دو سال تک ماں کے رحم میں رہتا ہے۔ امام مالک کے نزدیک یہ مدت چار سال تک ہے۔

(۵) پھر ہم بچہ کی صورت میں تمہیں نکالتے ہیں۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ انسان کی نوع سے ہر فرد کو اسی طرح پیدا کرتے ہیں۔

(۶) تاکہ تم اشد عمر کو پہنچ جاؤ' اس سے مراد ہے قوت' عقل اور تمیز کا اپنے کمال کو پہنچنا۔ یعنی تمہارے پیدا ہونے کے بعد ہم بہ تدریج تمہاری پرورش کرتے رہے اور تمہاری غذا میں یہ اضافہ اور تبدیلی کرتے رہے حتیٰ کہ تم اپنی پوری جوانی کو پہنچ گئے۔

(۷) پھر تم میں سے بعض لوگ (اس سے پہلے) وفات پا جاتے ہیں اور تم میں سے بعض ناکارہ عمر کی طرف لوٹا دیئے جاتے ہیں تاکہ وہ علم کے بعد کسی چیز کو نہ جان سکیں۔ یعنی بعض تو نوجوانی میں فوت ہو جاتے ہیں اور بعض بڑھاپے تک پہنچ جاتے ہیں اور اسی طرح نحیف اور کمزور ہو جاتے ہیں جیسے اپنی طفولیت کی ابتدا میں تھے۔ اس پر یہ اعتراض ہے کہ جو آدمی بوڑھا ہو وہ کچھ نہ کچھ چیزوں کو تو جانتا ہے پھر یہ کیسے فرمایا کہ وہ کسی چیز کو نہ جان سکے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ نفی مبالغۃً ہے۔

اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق سے حشر ونشر اور بعث بعد الموت پر استدلال فرمایا ہے۔

اور دوسرا استدلال زمین کی روئیدگی سے کیا ہے کہ تم دیکھتے ہو کہ زمین بنجر اور خشک ہوتی ہے اور اس میں فصل اور سبزہ کے

کوئی آثار نہیں ہوتے پھر اللہ تعالیٰ اس مردہ زمین پر پانی برسا کر اس کو زندہ کر دیتا ہے' تو جس طرح اللہ تعالیٰ بے جان نطفہ اور گوشت کے لوتھڑے سے جیتا جاگتا' چلتا پھرتا اور ہنستا بولتا انسان کھڑا کر دیتا ہے اور مردہ زمین کو زندہ کر دیتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے مرنے کے بعد دوبارہ تمہیں زندہ کر دے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ اس لیے ہے کہ اللہ ہی حق ہے اور بے شک وہ مردوں کو زندہ کرتا ہے اور بلاشبہ وہ ہر چیز پر قادر ہےO اور بے شک قیامت آنے والی ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے اور اللہ ان سب کو اٹھائے گا جو قبروں میں ہیںO (الحج: ۷-۶)

کائنات کے امکان سے حشر ونشر کے امکان پر استدلال

اللہ ہی حق ہے اس کا معنی ہے وہی واجب الوجود ہے یعنی اس کا ہونا ضروری ہے اور نہ ہونا محال ہے' اور اس کے سوا ہر چیز ممکن اور حادث ہے اور ممکن کی شان یہ ہے کہ اس کا ہونا اور نہ ہونا دونوں برابر ہوں' پھر اس کو عدم سے وجود میں لانے کے لیے ایسی چیز ہونی چاہیے جو اس کی طرح ممکن نہ ہو ورنہ وہ بھی اسی کی طرح ہو گی اور کسی چیز کو وجود میں لانے کی علت نہیں ہو سکے گی' اور یہ سارا جہان ممکن ہے تو اس کو پیدا کرنے والا ایسا ہونا چاہیے جو واجب الوجود ہو' اور جو واجب الوجود ہو گا اور ہر چیز پر قادر ہو گا' وہ مردوں کو زندہ کرنے پر بھی قادر ہو گا' اور جب یہ ساری کائنات ممکن ہے تو پھر اس ساری کائنات کو معدوم کرنا بھی ممکن ہو گا اور پھر اس کو دوبارہ پیدا کرنا بھی ممکن ہو گا اور جب یہ سب امور ممکن ہیں تو پھر تم قیامت کا کیوں انکار کرتے ہو اور حشر اور نشر کا کیوں انکار کرتے ہو؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بعض لوگ بغیر علم کے اور بغیر ہدایت کے اور بغیر روشن کتاب کے اللہ کے متعلق جھگڑا کرتے ہیںO وہ (ازراہ تکبر) اپنی گردن موڑے ہوئے ہے تاکہ (لوگوں کو) اللہ کے راستہ سے گمراہ کرے' اسی کے لیے دنیا میں ذلت ہے اور ہم قیامت کے دن اس کو جلانے والے عذاب کا مزہ چکھائیں گےO (اس سے کہا جائے گا) یہ تیرے ان کاموں کی سزا ہے جن کو تیرے ہاتھ پہلے بھیج چکے ہیں اور بے شک اللہ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہےO (الحج: ۱۰-۸)

الحج: ۳ اور الحج: ۸ میں تکرار کے اعتراض کا جواب

اس سے پہلے الحج: ۳ میں بھی فرمایا تھا بعض لوگ اللہ کے متعلق بغیر علم کے جھگڑا کرتے ہیں اور ہر سرکش شیطان کی پیروی کرتے ہیںO اور یہاں بھی یہی فرمایا ہے اور بعض لوگ بغیر علم کے اور بغیر ہدایت کے اور بغیر روشن کتاب کے اللہ کے متعلق جھگڑا کرتے ہیںO اور بہ ظاہر یہ تکرار ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ پہلی آیت کافر سرداروں کے اتباع اور مقلدین کے متعلق ہے اور دوسری آیت ان کافر سرداروں کے بارے میں ہے جن کی وہ تقلید کرتے تھے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ پہلی آیت نضر بن الحارث کے متعلق ہے اور دوسری آیت ابوجہل کے متعلق ہے' اور تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ دونوں آیتیں نضر بن الحارث ہی کے متعلق ہیں اور یہ تکرار نہیں ہے بلکہ تاکید ہے اور مبالغہ ہے' اور چوتھا جواب یہ ہے کہ پہلی آیت میں فرمایا ہے کہ شیطان کے پیروکار بغیر دلیل کے اس کی پیروی کرتے ہیں اور دوسری آیت میں فرمایا ہے وہ دین میں جدال کرتے ہیں اور بغیر دلیل کے دوسروں کو گمراہ کرتے ہیں۔

دوسری آیت میں تین چیزوں کا ذکر فرمایا ہے۔ علم' ہدایت اور روشن کتاب۔ علم سے مراد ہے علم بدیہی جو بغیر غور اور فکر کے حاصل ہو جیسے سردی اور گرمی کا علم یا دو اور دو چار کا علم' اور ہدایت سے مراد ہے علم نظری اور اکتسابی جو غور وفکر سے حاصل ہوتا ہے جیسے مثلث کے تین زاویوں کا مجموعہ دو زاویہ قائمہ کے برابر ہوتا ہے یا جیسے اس جہان میں ممکنات اور حوادث کو دیکھ کر اس کے

جاننے والے اور صانع کا علم حاصل کرنا' اور روشن کتاب سے مراد ہے وہ علم جو کتابوں کو پڑھ کر حاصل ہوتا ہے اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ان کافروں کو اللہ کے بارے میں بدیہی علم ہے نہ نظری علم ہے نہ کتابی علم ہے اور یہ اس کے متعلق جھگڑا کر رہے ہیں اور یہ سخت مذموم اور جہالت کی بات ہے۔

الحج: ۹ میں ہے: ثانی عطفہ' اس کا معنی ہے تکبر سے گردن اکڑانا یا تکبر سے اپنی گردن پھیر لینا۔ یعنی نضر بن الحارث تکبر سے اپنی گردن اکڑائے ہوئے ہے یا تکبر کی بناء پر ذکر اور نصیحت سے اعراض کر رہا ہے' یہ معنی مبرد نے کیا ہے اور مفضل نے کہا اس کا معنی ہے پہلوتہی کر رہا ہے اور تکبر سے دوسری جانب پھر رہا ہے۔ یعنی وہ اپنے جدال میں حق کو قبول کرنے سے پہلو بچا رہا ہے اور فرمایا تاکہ لوگوں کو اللہ کے راستہ سے گمراہ کرے یعنی انجام کار لوگوں کو گمراہ کرے۔ اس کے لیے دنیا میں ذلت ہے یعنی قیامت تک مومن اس آیت کی تلاوت کرتے رہیں گے اور اس کی ذلت اور رسوائی ہوتی رہے گی۔ جیسے ولید بن مغیرہ کے قرآن مجید نے دس عیوب بیان فرمائے:

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ ○ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيمٍ ○ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيمٍ ○ عُتُلٍّۭ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيمٍ ○ (القلم: ۱۳-۱۰)

آپ ایسے شخص کی بات نہ مانیں جو بہت قسمیں کھانے والا ہے' ذلیل ہے' کمینہ ہے' عیب گو ہے' چغل خور ہے' نیکی سے بہت زیادہ منع کرنے والا ہے' حد سے بڑھنے والا ہے' گناہ گار ہے' مغرور اور اس کے علاوہ ولد الحرام ہے۔

سو جب تک مسلمان یہ آیتیں پڑھتے رہیں گے ولید بن مغیرہ کی دنیا میں رسوائی ہوتی رہے گی۔ اور العاص بن وائل نے آپ کو ابتر (مقطوع النسل) کہا تو یہ آیت نازل ہوئی:

اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ○ (الکوثر: ۳)

بے شک آپ کا دشمن ہی ابتر اور مقطوع النسل اور بے نام و نشان ہے۔

اور مسلمان جب تک اس آیت کو پڑھتے رہیں گے العاص بن وائل کو ابتر کہا جاتا رہے گا' اسی طرح الحج کی یہ آیتیں جب تک پڑھی جاتی رہیں گی' نضر بن الحارث کی مذمت ہوتی رہے گی یہ دنیا میں رسوائی ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ دنیا میں رسوائی یہ ہے کہ نضر بن الحارث جنگِ بدر میں مارا گیا تھا۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۸۸۶۱) اور قیامت کے دن اس کو دوزخ کی آگ کا عذاب دیا جائے گا۔

الحج: ۱۰ میں فرمایا (اس سے کہا جائے گا) یہ تیرے ان کاموں کی سزا ہے جن کو تیرے ہاتھ پہلے بھیج چکے ہیں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے عدل کو بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو جو عذاب دیتا ہے وہ ان ہی کے اعمال کی سزا ہے' اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ

اور کوئی شخص ایک کنارے پر کھڑا ہو کر اللہ کی عبادت کرتا ہے، پس اگر اس کو کوئی بھلائی مل جائے

اِطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ۨانْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ

تو وہ اس سے مطمئن ہو جاتا ہے اور اگر اس پر کوئی آزمائش آ جائے تو وہ منہ کے بل پلٹ جاتا ہے، اس نے

الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۱﴾ يَدْعُوْا مِنْ

دنیا اور آخرت کا نقصان سمیٹا، یہی کھلا ہوا نقصان ہے ۝ وہ اللہ کے سوا اس کی

دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ﴿۱۲﴾ ج

عبادت کرتا ہے جو اس کو نہ نقصان پہنچا سکتا ہے نہ نفع دے سکتا ہے، یہی دور کی گمراہی ہے ۝

يَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗۤ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ؕ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ

وہ اس کو پکارتا ہے جس کا ضرر اس کے نفع سے زیادہ قریب ہے، وہ کیسا برا مددگار ہے اور کیسا

الْعَشِيْرُ ﴿۱۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

برا ساتھی ہے ۝ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے

جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿۱۴﴾ مَنْ

اللہ ان کو ان جنتوں میں داخل کر دے گا جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں، بے شک اللہ جس کا ارادہ کرتا اس کو کر کے رہتا ہے ۝ جو

كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ

یہ گمان کرتا تھا کہ اللہ اپنے رسول کی دنیا اور آخرت میں ہرگز مدد نہیں کرے گا تو اس کو چاہیے کہ وہ اونچی جگہ پر

بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَآءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ مَا

رسّا باندھ کر اپنے گلے میں ڈال لے پھر اس رسّے کو کاٹ لے پھر یہ دیکھے کہ آیا اس کی یہ تدبیر اس کے غضب اور غصہ کو

يَغِيْظُ ﴿۱۵﴾ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ

دور کرتی ہے (یا نہیں) ۝ اور اسی طرح ہم نے اس قرآن کو واضح آیتوں کے ساتھ نازل کیا ہے، اور بے شک اللہ جس کو چاہے

يُّرِيْدُ ﴿۱۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـِٕيْنَ

ہدایت دے دیتا ہے ۝ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جو یہودی ہوئے اور صابئی (ستارہ پرست)

وَالنَّصٰرٰى وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْۤا ۖ اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ

اور عیسائی اور آتش پرست اور شرک کرنے والے، یقیناً اللہ ان سب کے درمیان

بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝١٧ اَلَمْ تَرَ

قیامت کے دن فیصلہ فرما دے گا، بے شک اللہ ہر چیز پر نگہبان ہے ۝ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ

اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ

اللہ کے لیے ہی سجدہ کرتے ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمینوں میں ہیں

وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَاۗبُّ وَكَثِيْرٌ

اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے اور

مِّنَ النَّاسِ ۭ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ۭ وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا

بہت انسان ، اور بہت سے وہ بھی ہیں جن پر عذاب مقدر ہو چکا ہے، اور جس کو اللہ ذلیل کر دے اس کو کوئی

لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَاۗءُ ۝١٨ ۩ هٰذٰنِ خَصْمٰنِ

عزت دینے والا نہیں ہے، بے شک اللہ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے ۝ یہ دو فریق ہیں

اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ ۡ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ ۭ

جنہوں نے اپنے رب کے متعلق جھگڑا کیا، سو جنہوں نے کفر کیا ان کے لیے آگ کے کپڑے یونٹ (کاٹ) کر کے بنائے جائیں گے

يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ ۝١٩ يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ

اور ان کے سروں کے اوپر کھولتا ہوا پانی انڈیلا جائے گا ۝ جس سے وہ سب گل جائے گا جو

بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ ۝٢٠ۭ وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ۝٢١ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا

ان کے پیٹوں میں ہے اور ان کی کھالیں (بھی گل جائیں گی) ۝ اور ان کو مارنے کے لیے لوہے کے گرز ہیں ۝ جب بھی وہ شدت تکلیف

اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا ۤ وَذُوْقُوْا عَذَابَ

سے اس آگ سے نکلنے کا ارادہ کریں گے ان کو پھر اسی آگ میں جھونک دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا، اور جلانے والے

الْحَرِيْقِ ۝٢٢ ع

عذاب کو چکھو ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور کوئی شخص ایک کنارے پر کھڑا ہو کر اللہ کی عبادت کرتا ہے' پس اگر اس کو کوئی بھلائی مل جائے تو وہ اس سے مطمئن ہو جاتا ہے اور اس پر کوئی آزمائش آ جائے تو وہ منہ کے بل پلٹ جاتا ہے' اس نے دنیا اور آخرت کا نقصان سمیٹا یہی کھلا ہوا نقصان ہے O وہ اللہ کے سوا اس کی عبادت کرتا ہے جو اس کو نہ نقصان پہنچا سکتا ہے نہ نفع دے سکتا ہے' یہی دور کی گمراہی ہے O وہ اس کو پکارتا ہے جس کا ضرر اس کے نفع سے زیادہ قریب ہے' وہ کیسا برا مددگار ہے اور کیسا برا ساتھی ہے O (الحج: ۱۳-۱۱)

ایک کنارے پر کھڑے ہو کر عبادت کرنے کے مطالب

الحج: ۱۱ میں فرمایا کوئی شخص ایک کنارے پر کھڑا ہو کر اللہ کی عبادت کرتا ہے۔ اس کی حسب ذیل تفسیریں ہیں:

(۱) یعنی وہ شخص دین کے ایک کنارے پر کھڑا ہے اس کا دین میں کوئی ثبات نہیں ہے۔ اس میں منافقین کے حال کو اس شخص کے حال سے تشبیہ دی ہے جو پہاڑ کے ایک کنارے پر کھڑا ہو اور پہاڑ پر اس کے قدم جمے ہوئے نہ ہوں' اسی طرح منافقین کے دلوں میں بھی اسلام جما ہوا نہیں ہے' یا جو لشکر کے ایک کنارے پر کھڑا ہو اگر لشکر فتح یاب ہو تو وہ لشکر میں شامل رہے ورنہ بھاگ جائے' سو اسی طرح منافقین ہیں ان کو اسلام کی صداقت اور حقانیت پر یقین نہیں ہے اگر ان کو زکوٰۃ' صدقات اور مالِ غنیمت سے حصہ ملے تو وہ اسلام پر قائم رہتے ہیں اور اگر ان کو آفات اور مصائب پیش آئیں تو وہ اسلام سے روگردانی کرتے ہیں۔

(۲) ابوعبیدہ نے کہا ہر وہ شخص جس کو کسی چیز میں شک ہو وہ اس چیز کے کنارے پر ہوتا ہے' وہ اس میں ثابت قدمی اور دوام پر نہیں ہوتا اور جو شخص کسی چیز کے کنارے پر کھڑا ہو اس پر اس کے قدم جمے ہوئے نہیں ہوتے' تو جس شخص کو دین میں شک ہو اس کو اس شخص کے ساتھ تشبیہ دی ہے کیونکہ اس کو اپنے دین میں قلق اور اضطراب ہے اور وہ اس میں ثابت قدم نہیں ہے۔ (زاد المسیر ج ۵ ص ۴۱۱)

(۳) حسن بصری نے کہا جس شخص کے دل میں اسلام کا اعتقاد ہو اور وہ زبان سے اس کا اظہار کرے' وہ دین کے دونوں کناروں پر جما ہوا ہے اور اس کا دین کامل ہے' اور جس شخص کے دل میں اسلام پر اعتقاد نہ ہو صرف زبان سے اظہار کرے' وہ دین کے ایک کنارے پر کھڑا ہوا ہے اور ڈگمگا رہا ہے اور منافق کا یہی حال ہے۔ اس لیے فرمایا کہ وہ ایک کنارے پر کھڑا ہو کر عبادت کر رہا ہے۔

(۴) وہ دین کے ایک کنارے پر ہے۔ یعنی دین کے وسط اور قلب میں نہیں ہے' کیونکہ اس کو دین میں قلق اور اضطراب ہے تا کہ اس کو جب بھی دین سے اپنے لیے خطرہ محسوس ہو تو فوراً بھاگ جائے۔

زیر تفسیر آیت کے شانِ نزول میں متعدد اقوال

یہ آیت کس شخص کے متعلق نازل ہوئی' اس میں متعدد اقوال ہیں:

(۱) ضحاک نے کہا یہ آیت ان دیہاتیوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جو اپنے دیہاتوں سے ہجرت کر کے مدینہ آتے تھے' ان میں سے جب کوئی شخص مدینہ آتا اور اس کو مدینہ کی آب و ہوا موافق آ جاتی' اس کی گھوڑی اچھے بچے جنتی اور اس کی بیوی کے ہاں لڑکا پیدا ہوتا اور اس کے مال اور مویشی بڑھ جاتے تو وہ خوش اور مطمئن ہوتا اور کہتا جب سے میں اس دین میں داخل ہوا ہوں مجھے بھلائی اور اچھائی ہی ملی ہے' اور اگر وہ مدینہ آ کر بیمار پڑ جاتا' اس کی بیوی لڑکی جنتی اور اس کے مال میں نقصان ہو جاتا اور صدقات دیر سے ملتے تو شیطان اسے آ کر بہکاتا اور وہ کہتا اللہ کی قسم! جب سے میں اس دین میں

داخل ہوا ہوں مجھے شر اور مصائب ہی ملے ہیں' اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی: اور کوئی شخص ایک کنارے پر کھڑا ہو کر اللہ کی عبادت کرتا ہے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۸۸۶۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

(۲) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا یہودیوں میں سے ایک شخص مسلمان ہو گیا' اس کی بینائی چلی گئی' اس کا مال اور مویشی خسارے میں ڈوب گئے اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر کہا میری بیعت توڑ دیجئے' آپ نے فرمایا اسلام کو فسخ نہیں کیا جاتا۔ اس نے کہا اس دین میں آنے کے بعد مجھے کوئی خیر نہیں ملی میری بینائی چلی گئی' میرا مال اور میری اولاد چلی گئی۔ آپ نے فرمایا: اے یہودی! اسلام لوگوں کو اس طرح پگھلاتا ہے (تاکہ ان کا کھوٹ نکل جائے) جس طرح آگ لوہے' سونے اور چاندی کو پگھلا کر ان کا زنگ اور میل کچیل نکال دیتی ہے۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی: ومن الناس من یعبد اللہ علی حرف۔

(اسباب النزول رقم الحدیث: ۶۱۸-۶۱۷ ص ۳۱۷-۳۱۶' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

(۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت اس سبب نازل ہوئی کہ ایک شخص مدینہ آتا اگر اس کی بیوی کے ہاں لڑکا پیدا ہوتا اور اس کے گھوڑوں کی نسل میں افزائش ہوتی تو وہ کہتا یہ اچھا دین ہے اور اگر اس کی بیوی کے ہاں بچہ پیدا نہ ہوتا اور اس کے گھوڑوں میں افزائش نہ ہوتی تو وہ کہتا یہ برا دین ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۴۲)

(۴) ابن زید نے کہا یہ آیت منافق کے متعلق نازل ہوئی ہے اگر اس کی دنیا اچھی رہتی تو وہ عبادت پر قائم رہتا اور اگر اس پر آزمائش آتی اور اس کی عبادت خراب ہو جاتی تو وہ عبادت کو ترک کر دیتا اور کفر کی طرف لوٹ جاتا۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۸۸۶۸' مطبوعہ بیروت)

(۵) ضحاک کا (دوسرا) قول یہ ہے کہ یہ آیت مؤلفۃ القلوب کے متعلق نازل ہوئی ہے جن میں عیینہ بن بدر' الاقرع بن حابس' اور العباس بن مرداس تھے' ان میں سے بعض نے بعض سے کہا ہم (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دین میں داخل ہوتے ہیں اگر ہم کو اچھائی مل گئی تو ہم جان لیں گے یہ دین برحق ہے اور اگر ہم کو برائی ملی تو ہم جان لیں گے یہ دین باطل ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۲۰۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

چند اعتراضات کے جوابات

اس کے بعد فرمایا پس اگر اس کو کوئی بھلائی مل جائے تو وہ اس سے مطمئن ہو جاتا ہے اور اگر اس پر کوئی آزمائش آ جائے تو وہ منہ کے بل پلٹ جاتا ہے۔

اس پر یہ اعتراض ہے کہ یہاں آزمائش کو بھلائی اور خیر کے مقابلہ میں ذکر کیا ہے حالانکہ خیر اور بھلائی بھی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش ہوتی ہے؟ اس کا جواب ہے کہ یہاں منافق کے اعتبار سے کلام فرمایا ہے اور منافق کے نزدیک خیر صرف وہی ہے جو دنیوی خیر ہو اور شر صرف وہی ہے جو دنیوی شر ہو' اس لیے اس کے اوپر بہ طور آزمائش جو مصائب اور بلائیں آتی ہیں وہ اس کے نزدیک صرف شر ہیں اس لیے آزمائش کو خیر کے مقابلہ میں ذکر فرمایا ہے۔

اس پر دوسرا اعتراض یہ ہے کہ یہاں فرمایا ہے اس پر آزمائش آئے تو وہ منہ کے بل پلٹ جاتا ہے۔ یہ کلام اس وقت درست ہوتا جب وہ پہلے مومن ہوتا اور آزمائش آنے کے بعد کافر یا مرتد ہو جاتا لیکن منافق تو پہلے بھی کافر تھا تو پھر اس کے منہ کے بل پلٹنے کا کیا معنی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ منافق پہلے زبان سے اسلام کا اقرار کرتا تھا اور آزمائش آنے کے بعد وہ زبانی اقرار سے بھی منحرف ہو جاتا ہے۔

پھر فرمایا: اس نے دنیا اور آخرت کا نقصان سمیٹا۔ دنیا کا نقصان یہ ہے کہ مسلمانوں کے نزدیک اس کی عزت اور کرامت نہیں رہتی' مالِ غنیمت سے اس کو حصہ نہیں ملتا اور وہ شہادت دینے اور امامت اور قضا کا اہل نہیں رہتا اور اظہار اسلام کی وجہ سے اس کی جان اور مال جو محفوظ تھے وہ اب محفوظ نہیں رہتے' اور اُخروی نقصان یہ ہے کہ وہ ثواب سے محروم رہے گا اور دائمی عذاب میں مبتلا رہے گا۔

الانبیاء: ۱۲ میں فرمایا: وہ اللہ کے سوا اس کی عبادت کرتا ہے جو اس کو نہ نقصان پہنچا سکتا ہے نہ نفع دے سکتا ہے' یہی دور کی گمراہی ہے۔

بہت دُور کی گمراہی کا بیان

یہ منافق جو دنیا سے منافع اور فوائد نہ ملنے کی وجہ سے کفر ظاہر کی طرف لوٹ گیا اور اللہ کو چھوڑ کر بتوں کی عبادت کرنے لگا جو اس کو کوئی نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ نفع دے سکتے ہیں یہ بہت دُور کی گمراہی میں ہے' وہ یہ سمجھ کر کفر کی طرف لوٹا تھا کہ ظاہراً اسلام قبول کر کے تو اسے کوئی فائدہ نہیں ہوا اب اس کے خود ساختہ معبود اس کو کوئی فائدہ پہنچائیں گے حالانکہ اس کے باطل معبود اسے کیا فائدہ پہنچا سکتے تھے وہ تو بالکل بے بس اور لاچار ہیں ان سے کسی فائدہ کی توقع رکھنا تو بہت دُور کی گمراہی ہے۔ ایسا شخص یہ کیوں نہیں سوچتا کہ کفر کی طرف لوٹنے کے بعد بھی اس کو جو دنیاوی فائدہ حاصل ہوگا وہ بھی درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوگا۔ بعض اوقات اللہ تعالیٰ اپنی کسی حکمت کی وجہ سے کوئی خیر روک لیتا ہے اس وجہ سے اللہ تعالیٰ سے مایوس ہو کر بتوں کی طرف مائل ہونا اور شرک کی طرف جھک جانا سخت جہالت اور بہت دُور کی گمراہی ہے۔

الانبیاء: ۱۳ میں فرمایا: وہ اس کو پکارتا ہے جس کا ضرر اس کے نفع سے زیادہ قریب ہے' وہ کیسا برا مددگار اور کیسا برا ساتھی ہے۔

کفار کے ضرر پہنچانے اور نہ پہنچانے میں تعارض کا جواب

اس پر یہ اعتراض ہے کہ اس سے پہلی آیت میں فرمایا: بت کوئی نفع اور نقصان نہیں پہنچا سکتے اور اس آیت میں فرمایا: ان کا ضرر ان کے نفع سے زیادہ قریب ہے۔ اس کا معنی ہے وہ ضرر پہنچاتے ہیں اور یہ تعارض ہے' اس کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) بت فی نفسها ضرر نہیں پہنچاتے لیکن ان کی عبادت کرنا اُخروی عذاب اور ضرر کا سبب ہے اور سبب کے اعتبار سے ان کی طرف ضرر کی اضافت کی ہے۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کے متعلق فرمایا:

رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضۡلَلۡنَ كَثِيۡرًا مِّنَ النَّاسِ. اے میرے رب! ان بتوں نے بہت لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے۔ (ابراہیم: ۳۶)

حالانکہ بت خود گمراہ نہیں کرتے' گمراہی کا سبب ہیں۔ پس سبب کے اعتبار سے ان کی طرف اضافت کی۔

(۲) واقع میں بت نفع اور ضرر پہنچانے پر قادر نہیں ہیں لیکن بہ فرض محال یہ مان بھی لیا جائے تو ان کا ضرر پہنچانا نفع دینے سے زیادہ ہے۔

(۳) کفار جب اپنے دل میں انصاف کریں گے تو جان لیں گے کہ دنیا میں ان بتوں سے ان کو نفع یا ضرر حاصل نہیں ہوا پھر جب وہ آخرت میں ان بتوں کی عبادت کرنے کی وجہ سے عذابِ عظیم کو دیکھیں گے تو کہیں گے کہ تمہارا ضرر تمہارے نفع سے بہت زیادہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے اللہ ان کو ان جنتوں میں داخل کر دے گا جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں' بے شک اللہ جس کا ارادہ کرتا ہے اس کو کر کے رہتا ہے ○ جو یہ گمان کرتا تھا کہ اللہ اپنے رسول

کی دنیا اور آخرت میں ہرگز مدد نہیں کرے گا تو اس کو چاہیے کہ وہ اونچی جگہ پر رسا باندھ کر (اپنے گلے میں ڈال لے) پھر اس رسے کو کاٹ لے پھر یہ دیکھے کہ آیا اس کی یہ تدبیر اس کے غضب اور غصہ کو دُور کرتی ہے (یا نہیں)○ اور اسی طرح ہم نے اس قرآن کو واضح آیتوں کے ساتھ نازل کیا ہے اور بے شک اللہ جس کو چاہے ہدایت دے دیتا ہے○ (الحج: ۱۶۔۱۴)

کافروں کی سزا کے بعد مومنوں کی جزا کا بیان

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی عبادات اور ان کے معبودوں کا حال بیان کیا تھا اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنین کی عبادت کی صفت اور ان کے معبود کی صفت بیان فرمائی ہے' منافقین کی عبادت کسی طرح درست نہیں تھی اور ان کے معبود کسی کو نفع یا ضرر پہنچانے پر قادر نہیں تھے' اور رہے مومنین تو ان کی عبادت ایک حقیقت ثابتہ ہے اور ان کا معبود ان کو سب سے عظیم نفع عطا فرمائے گا اور وہ جنت ہے پھر اللہ تعالیٰ نے جنت کے محاسن بیان فرمائے کہ اس میں سبزہ زار ہیں' دریا ہیں اور اللہ تعالیٰ جس کے لیے ارادہ فرمائے گا اس کو اپنے فضل اور احسان سے اور بہت نعمتیں عطا فرمائے گا۔ جیسا کہ فرمایا:

فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْ وَيَزِيدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهِ. (النساء: ۱۷۳) تو وہ ان کو پورا پورا اَجر عطا فرمائے گا اور ان کو اپنے فضل سے اور زیادہ عطا فرمائے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض رکھنے والے کو چاہیے کہ خود اپنے بغض میں جل کر مر جائے

الحج: ۱۵ میں فرمایا: جو یہ گمان کرتا تھا کہ اللہ اس کی دنیا اور آخرت میں مدد نہیں کرے گا۔ ''اس کی'' یہ ضمیر کس کی طرف راجع ہے حضرت ابن عباس' مقاتل' ضحاک اور ابن زید وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ یہ ضمیر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے' ہر چند کہ آپ کا اس سے پہلے صراحتاً ذکر نہیں ہے لیکن اشارتاً آپ کا ذکر پہلے مذکور ہے کیونکہ اس سے پہلی آیت میں ایمان لانے کا ذکر ہے اور ایمان لانے کا یہی معنی ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول مانا جائے' اور اب جب ضمیر کا مرجع متعین ہو گیا تو اس آیت کا معنی یہ ہے: جو یہ گمان کرتا تھا کہ اللہ اپنے رسول کی دنیا اور آخرت میں مدد نہیں کرے گا تو اس کو چاہیے کہ وہ اونچی جگہ پر رسہ باندھ کر (اپنے گلے میں لٹکا لے) پھر اس رسے کو کاٹ لے پھر یہ دیکھے کہ اس کی یہ تدبیر اس کے غضب اور غصہ کو دُور کرتی ہے (یا نہیں؟)

رہا یہ سوال کہ کون یہ گمان کرتا تھا کہ اللہ اپنے رسول کی دنیا اور آخرت میں مدد نہیں کرے گا؟ تو مقاتل نے کہا یہ آیت بنو اسد اور بنو غطفان کی ایک جماعت کے متعلق نازل ہوئی ہے وہ یہ کہتے تھے کہ ہمیں یہ خطرہ ہے کہ اللہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مدد نہیں کرے گا پھر ہمارے اور ہمارے حلیف یہودیوں کے درمیان رابطہ منقطع ہو جائے گا پھر وہ ہم کو غلہ فراہم نہیں کریں گے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حاسدین اور آپ کے اعداء کو یہ توقع تھی کہ اللہ آپ کی مدد نہیں کرے گا اور آپ کو آپ کے دشمنوں پر غلبہ نہیں دے گا' اور جب انہوں نے یہ دیکھ لیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی بہت بھاری مدد کی ہے تو وہ غیظ و غضب سے جل بھن گئے' ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا۔

اس آیت میں فرمایا ہے وہ السماء پر رسہ باندھ لے' السماء کا معنی آسمان بھی ہے اور اونچی اور بلند جگہ بھی ہے اگر اس کا معنی آسمان ہو تو پھر یہ معنی ہے کہ جس کا یہ گمان تھا کہ اللہ آپ کی مدد نہیں کرے گا پھر اس کا مطلوب پورا نہ ہونے سے وہ غصہ میں جل بھن گیا تو اگر وہ اپنے غیظ و غضب کو دُور کرنے کے لیے آسمان تک پہنچ سکتا ہے اور آسمان میں رسہ باندھ کر اپنے آپ کو لٹکا سکتا ہے تو اپنے گلے میں پھندہ باندھ کر لٹکا لے اور پھندہ کاٹ کر اپنا گلا گھونٹ لے۔ اور اگر السماء کا معنی بلند جگہ ہو تو معنی یہ ہے کہ وہ کسی بلند جگہ رسہ باندھ کر اپنے گلے میں پھندہ ڈال لے پھر رسہ کاٹ دے تا کہ گلا گھٹنے سے وہ مر جائے۔

عطا کی روایت ہے کہ حضرت ابن عباس نے کہا یہ ضمیر "من" کی طرف لوٹتی ہے۔ مجاہد اور ابوعبیدہ کا بھی یہی قول ہے اور اب معنی اس طرح ہے اور جس شخص کا یہ گمان ہے کہ (سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو قبول کرنے سے) اللہ اس کی دنیا اور آخرت میں مدد نہیں کرے گا یعنی اس کو رزق نہیں دے گا تو وہ آسمان میں رسی باندھ کر اپنا گلا گھونٹ لے۔ (زاد المسیر ج ۵ ص ۴۱۳)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے کہا اولیٰ یہ ہے کہ یہ ضمیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹائی جائے۔

(جامع البیان جز ۱۷ ص ۱۶۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

ہدایت دینے کے محامل

الحج: ۱۶ میں فرمایا: اور اسی طرح ہم نے اس قرآن کو واضح آیتوں کے ساتھ نازل کیا ہے اور بے شک اللہ جس کو چاہے ہدایت دے دیتا ہے۔

ہدایت کے دو معنی ہیں ایک یہ ہے کہ کائنات میں اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید پر دلائل قائم کیے جائیں لیکن اس معنی میں ہدایت تو سب کے لیے حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے: وہ جس کو چاہے ہدایت دے دیتا ہے یعنی یہ ہدایت ہر ایک کو حاصل نہیں ہے اس لیے یہاں پر ہدایت کا دوسرا معنی مراد ہے اور وہ ہے انسانوں میں اللہ تعالیٰ کی معرفت پیدا کرنا' اور اللہ تعالیٰ جس کے حق میں چاہتا ہے یہ ہدایت پیدا کر دیتا ہے۔ اس آیت کے اور بھی محمل بیان کیے گئے ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے مکلف کر دیتا ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ کسی چیز کا مکلف کرے گا اس کے لیے اس چیز کو بیان فرمائے گا۔

(۲) اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے جنت کا راستہ دکھاتا ہے اور مومنین صالحین کو اللہ ثواب کی راہیں دکھاتا ہے۔

(۳) جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ وہ ایمان پر ثابت قدم رہیں گے ان کی ہدایت کو زیادہ کرتا ہے' اور ان میں سے جن کو چاہتا ہے ان پر لطف و کرم فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جو یہودی ہوئے اور صابیٔ (ستارہ پرست) اور عیسائی اور آتش پرست اور شرک کرنے والے' یقیناً اللہ ان سب کے درمیان قیامت کے دن فیصلہ فرما دے گا' بے شک اللہ ہر چیز پر نگہبان ہے○ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ کے لیے ہی سجدہ کرتے ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمینوں میں ہیں اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے اور بہت انسان' اور بہت سے وہ بھی ہیں جن پر عذاب مقدر ہو چکا ہے' اور جس کو اللہ ذلیل کر دے اس کو کوئی عزت دینے والا نہیں ہے' بے شک اللہ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے○ (الحج: ۱۸-۱۷)

ادیانِ مختلفہ اور ان کا شرعی حکم

جو لوگ ایمان لائے' ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور یہودیوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرتے ہیں۔ صابئین' یہ قوم ستارہ پرست ہے' اس کی مکمل تشریح ہم نے البقرہ: ۶۲' تبیان القرآن ج ۱ ص ۳۴۷ میں کر دی ہے۔ عیسائی وہ ہیں جو اپنے آپ کو حضرت عیسیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں' اور مجوس آگ کی پرستش کرنے والے ہیں وہ کہتے ہیں' عالم کی دو اصلیں ہیں نور اور ظلمت۔ قتادہ نے کہا ادیان پانچ ہیں' چار شیطان کے ادیان ہیں اور ایک رحمان کا دین ہے' اور شرک کرنے والے: اس سے مراد بت پرست ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ان کے درمیان قیامت کے دن فیصلہ کر دے گا' پس کافروں کو دوزخ میں بھیج دے گا اور

مسلمانوں کو جنت میں۔ اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس دنیا میں تو حق اور باطل کا پتا غور وفکر سے چلتا ہے اور قیامت کے دن ہر شخص کو بداہتاً علم ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ ان میں یہ علم پیدا کر دے گا جس سے سب کو معلوم ہو جائے گا کہ حق پر کون ہے اور باطل پر کون ہے۔

اللہ تعالیٰ ہر چیز پر نگہبان ہے: اس کا معنی یہ ہے کہ وہ تمام مخلوقات کے اعمال کو ان کے اقوال کو اور ان کی حرکات کو دیکھ رہا ہے اور اللہ سبحانہ کے علم سے کوئی چیز غائب نہیں ہے۔

سورج کے سجدہ کر کے ٹھہرنے کی توجیہ

الحج: ۱۸ میں فرمایا: کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ ہی کے لیے سجدہ کرتے ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمینوں میں ہیں۔ الخ

کیا آپ نے نہیں دیکھا اس کا معنی ہے کیا آپ نے اپنی عقل سے نہیں جانا' اور سجدہ کا لغوی اور شرعی معنی ہم البقرہ: ۳۴ میں اور النحل: ۵۰ میں بیان کر چکے ہیں۔ اسی طرح ہم وہاں ذوی العقول اور غیر ذوی العقول کے سجدوں کا معنی اور فرق بھی بیان کر چکے ہیں۔

علامہ ابن انباری نے کہا کہ امام ابو العالیہ نے بیان کیا ہے کہ ہر ستارہ' چاند اور سورج جب غروب ہوتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ میں گرا ہوا ہوتا ہے پھر جب تک اس کو واپس ہونے کی اجازت نہ ہو وہ سجدہ میں گرا رہتا ہے اور جب اس کو اجازت ملتی ہے تو وہ اپنی جگہ سے طلوع ہوتا ہے۔ علامہ قشیری نے کہا اس مسئلہ میں سورج کے سجدہ کرنے کے متعلق حدیث مروی ہے اور وہ یہ ہے:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ یہ سورج کہاں جاتا ہے؟ صحابہ کرام نے کہا کہ اللہ اور رسول کو ہی خوب علم ہے' آپ نے فرمایا: یہ سورج چلتا رہتا ہے حتیٰ کہ جب یہ اپنے مستقر پر پہنچ جاتا ہے تو عرش کے نیچے سجدہ میں گر جاتا ہے پھر اسی طرح سجدہ میں پڑا رہتا ہے حتیٰ کہ اس سے کہا جاتا ہے کہ بلند ہو اور جہاں سے آیا ہے وہیں واپس لوٹ جا' پھر یہ واپس لوٹ جاتا ہے اور پھر صبح کو اپنے مطلع سے طلوع ہوتا ہے' پھر اسی طرح چلتا رہتا ہے لوگ اس کی کسی حرکت کو غیر معمولی نہیں پائیں گے حتیٰ کہ یہ اپنے مستقر پر عرش کے نیچے جا کر ٹھہر جائے گا پھر اس سے کہا جائے گا بلند ہو اور اپنے غروب کی جگہ سے طلوع ہو' پھر صبح کو یہ اپنے غروب کی جگہ (یعنی مغرب سے) طلوع ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ ایسا کب ہوگا؟ یہ اس وقت ہوگا جب کسی شخص کے لیے ایمان لانا مفید نہیں ہوگا جو اس سے پہلے ایمان نہ لا چکا ہو یا جس نے اس سے پہلے اپنے ایمان کے ساتھ کوئی نیک عمل نہ کیا ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۰۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۵۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۰۰۲' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۸۶)

اس حدیث پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ سورج کا ہر وقت کسی نہ کسی جگہ طلوع اور دوسری جگہ غروب ہوتا رہتا ہے پھر اس کے ٹھہرنے کی کیا توجیہ ہے؟

علامہ طیبی نے کہا کہ سورج عرش کے نیچے اس طرح ٹھہرتا ہے کہ ہم اس کا ادراک نہیں کرتے اور نہ اس کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیب کی خبر دی ہے سو نہ ہم اس کی تکذیب کرتے ہیں اور نہ اس کی کیفیت بیان کرتے ہیں کیونکہ ہمارا علم اس کو محیط نہیں ہے۔ (تحفۃ الاحوذی ج ۶ ص ۴۲۰' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

اس حدیث سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا مراد ہے؟ اس کا حقیقی علم تو اللہ اور اس کے رسول ہی کو ہے' اس حدیث

سے جو ہم نے سمجھا ہے وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غروبِ آفتاب کو' آفتاب کے سجدہ سے تعبیر فرمایا ہے' کیونکہ ہر چیز کی عبادت اس کے حسب حال ہوتی ہے لہٰذا جب سورج نصف النہار کے وقت حالتِ استواء پر ہوتا ہے تو اس کا یہ استواء قیام کے قائم مقام ہے اور زوال کے بعد جب سورج ڈھل جاتا ہے تو اس کا ڈھلنا رکوع سے عبارت ہے اور جب سورج اُفق میں غروب ہوتا ہے تو اس کا یہ غروب سجدہ کے مشابہ ہے' اور جس اُفق میں سورج غروب ہوتا ہے وہ چونکہ عرش کے نیچے واقع ہے اس لیے اس کو عرش کے نیچے سجدہ کرنے سے تعبیر فرمایا۔ رہا یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر سورج اسی طرح سجدہ میں پڑا رہتا ہے' اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ رات بھر سورج سجدہ میں پڑا رہے گا بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حالتِ سجدہ (یعنی حالتِ غروب) میں ہی اس سے کہا جاتا ہے کہ ''جہاں سے آیا ہے وہیں لوٹ جا'' اور لوٹنے کا مطلب اُلٹے پاؤں واپس جانا نہیں ہے' بلکہ اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے نظام تکوینی کے تحت لوٹنا ہے یعنی معروف طریقہ اور معمول کے مطابق جس اُفق سے غروب ہوا ہے اس کے مقابل دوسرے اُفق سے طلوع ہو' پھر اپنی منازل طے کرتا ہوا اس اُفق پر غروب ہو کر پہلے اُفق پر طلوع ہو اس طرح اپنا دورہ مکمل کرنے کے بعد اس اُفق سے پھر طلوع ہوتا ہے جس سے غروب ہوا تھا۔ قیامت تک یہ سلسلہ یونہی چلتا رہے گا لیکن جب قیامت قائم ہوگی تو سورج جس اُفق سے غروب ہوا تھا' اس اُفق پر جانب غروب سے ہی طلوع ہو جائے گا۔ اس حدیث کی کوئی قابلِ ذکر توجیہ کسی نے نہیں لکھی اور اب تک میرے مطالعہ میں نہیں آئی۔ اکیس سال پہلے میرے دل میں یہ توجیہ آئی تھی' میں نے اس کو شرح صحیح مسلم ج ا ص ۶۴۹-۶۴۸ میں بھی لکھا اور یہاں بھی لکھ دیا ہے' اگر یہ حق ہے تو اللہ کی جانب سے ہے اور اس کے رسول کا فیضان ہے ورنہ میرے علم کا نقص اور فکر کی غلطی ہے۔

سورج' چاند' ستاروں' پہاڑوں' درختوں' مومنوں اور کافروں کے سجدہ کی کیفیت

امام ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے لکھا ہے کہ آسمان والوں اور زمین والوں اور پہاڑوں اور درختوں اور چوپایوں کا سجدہ کرنا دراصل ان چیزوں کا سایہ ہے جب ان چیزوں پر سورج طلوع ہوتا ہے اور جب ان سے زائل ہوتا ہے اس وقت ہر چیز کا سایہ مڑ جاتا ہے اور یہی اس کا سجدہ کرنا ہے' اور سورج' چاند اور ستاروں کا سجدہ کرنا ان کا غروب ہونا ہے۔

اور فرمایا: اور بہت لوگ یعنی بہت سے بنو آدم سجدہ کرتے ہیں اور وہ مومنین ہیں۔

نیز فرمایا: اور بہت سے وہ بھی ہیں جن پر عذاب مقدر ہو چکا ہے۔ یعنی بہت سے بنو آدم ایسے ہیں جن کے لیے عذاب ثابت ہے اور ان کے کفر کی وجہ سے ان پر عذاب واجب ہے' اس کے باوجود ان کے سائے بھی اللہ کو سجدہ کرتے ہیں۔

(جامع البیان جز ۱۷ ص ۱۷۱-۱۷۰' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

نیز فرمایا: اور جس کو اللہ ذلیل کر دے اس کو کوئی عزت دینے والا نہیں ہے' یعنی جس کو اللہ اس کی شقاوت اور اس کے کفر کی وجہ سے رسوا کر دے تو کوئی شخص اس کو اس ذلت اور رسوائی سے بچا نہیں سکتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جو شخص اللہ کی عبادت میں سستی کرتا ہے وہ دوزخ میں چلا جاتا ہے۔

اور فرمایا: اور بے شک اللہ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے' یعنی اللہ جن کافروں کو دوزخ میں ڈالے گا اس پر کسی کو اعتراض کرنے کا حق نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ دو فریق ہیں جنہوں نے اپنے رب کے متعلق جھگڑا کیا' سو جنہوں نے کفر کیا ان کے لیے آگ کے کپڑے بیونت (کاٹ) کر کے بنائے جائیں گے اور ان کے سروں کے اوپر کھولتا ہوا پانی انڈیلا جائے گا ○ جس سے وہ سب گل جائے گا جو ان کے پیٹوں میں ہے اور ان کی کھالیں (بھی گل جائیں گی) ○ اور ان (کو مارنے) کے لیے لوہے کے گرز

یں ○ جب بھی وہ شدت تکلیف سے اس آگ سے نکلنے کا ارادہ کریں گے' ان کو پھر اسی آگ میں جھونک دیا جائے گا (اور ان سے کہا جائے گا) اور جلانے والے عذاب کو چکھو ○ (الحج: ۲۲-۱۹)

رب کے متعلق جھگڑا کرنے والے دو فریقوں کے مصداق

اس میں اختلاف ہے کہ یہ جھگڑنے والے دو فریق کون تھے؟ ایک قول یہ ہے کہ یہ دو فریق وہ تھے جنہوں نے جنگ بدر میں ایک دوسرے سے مبارزت کی تھی اور جنگ کے لیے للکارا تھا۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا یہ آیت حضرت حمزہ اور ان کے دو ساتھیوں اور عتبہ اور اس کے دو ساتھیوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جنہوں نے جنگ بدر کے دن ایک دوسرے کو للکارا تھا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۴۳)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں وہ پہلا شخص ہوں جو رحمان کے سامنے اپنا مقدمہ پیش کرنے کے لیے گھٹنوں کے بل گھسٹتا ہوا جاؤں گا۔ قیس نے کہا ان ہی کے متعلق یہ آیت (**ھذان خصمان الایة**) نازل ہوئی ہے' یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے جنگ بدر کے دن ایک دوسرے کو للکارا تھا۔ حضرت علی' حضرت حمزہ اور حضرت عبیدہ اور شیبہ بن ربیعہ' عتبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۴۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۰۳۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۳۵' السنن الکبری للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۳۴۱)

دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد مومنین اور اہل کتاب کے دو فریق ہیں جنہوں نے آپس میں مباحثہ کیا تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں کہا یہ اہل کتاب ہیں' جنہوں نے مومنین سے کہا تھا ہم تم سے زیادہ اللہ کے قریب ہیں' ہماری کتاب تم سے پہلے نازل ہوئی اور ہمارے نبی تمہارے نبی سے پہلے تھے' اور مومنین نے کہا ہم اللہ کے زیادہ حق دار ہیں ہم سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور تمہارے نبی پر بھی ایمان لائے اور اللہ نے جو کتاب نازل کی ہے اس پر بھی ایمان لائے۔ تم ہماری کتاب کو اور ہمارے نبی کو پہچانتے تھے پھر تم نے ان کو چھوڑ دیا اور ان سے حسد کی وجہ سے ان کا کفر کیا' ان کی یہ خصومت ان کے رب کے سامنے ہوگی۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۸۸۸۹' تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۳۸۱۹)

امام ابن جریر نے جھگڑا کرنے والے دو فریقوں کے متعلق اور بھی اقوال ذکر کیے ہیں:

عکرمہ نے کہا اس سے مراد جنت اور دوزخ ہیں۔ دوزخ نے کہا اللہ نے مجھے سزا دینے کے لیے پیدا کیا ہے اور جنت نے کہا اللہ نے مجھے رحمت کے لیے پیدا کیا ہے۔

عاصم نے کہا اس سے مراد اہل الشرک اور اہل اسلام ہیں۔

مجاہد نے کہا اس سے مراد مومن اور کافر ہیں جن کی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے میں بحث ہوئی۔

(جامع البیان جز ۱۷ ص ۱۷۴' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

آخرت میں کفار کی تین قسم کی سزائیں

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے کفار کی آخرت میں سزا کے تین حال بیان فرمائے:

(۱) سو جنہوں نے کفر کیا ان کے لیے آگ کے کپڑے بیونت (کاٹ) کر کے بنائے جائیں گے۔ آگ کے کپڑوں سے مراد یہ ہے کہ آگ ان کے پورے جسم کا احاطہ کرلے گی۔ جیسا کہ اس آیت میں ہے:

لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ۔ ان کے لیے دوزخ کی آگ کا بچھونا ہوگا اور ان کے اوپر اسی کا اوڑھنا ہوگا۔ (الاعراف: ۴۱)

(۲) دوسرا حال یہ ہے کہ اور ان کے سروں پر کھولتا ہوا پانی اُنڈیلا جائے گا○ جس سے وہ سب گل جائے گا جو ان کے پیٹوں میں ہے اور ان کی کھالیں (بھی گل جائیں گی)○

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اگر اس پانی کا ایک قطرہ بھی پہاڑوں پر ڈالا جائے تو وہ گل جائیں گے۔ اس گرم پانی کو جب ان کے سروں کے اوپر سے ڈالا جائے گا تو جس طرح وہ ان کے ظاہر جسم پر اثر کرے گا' اسی طرح ان کے جسم کے باطن پر بھی اثر کرے گا اور ان کے پیٹ' انتڑیاں اور دیگر اجزا جل جائیں گے جیسا کہ حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کھولتا ہوا پانی ان کے سروں کے اوپر سے اُنڈیلا جائے گا اور وہ کھولتا ہوا پانی ان کے جسم کے اندر داخل ہو کر ان کے پیٹ تک پہنچ جائے گا اور جو کچھ ان کے پیٹ میں ہے' اس کو کاٹ ڈالے گا حتیٰ کہ وہ پانی ان کے قدموں سے نکل جائے گا پھر دوبارہ ان کے سروں پر ڈالا جائے گا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۸۲' مسند احمد ج ۲ ص ۳۷۴' المستدرک ج ۲ ص ۳۸۷' حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۱۸۲)

(۳) تیسرا حال یہ ہے کہ اور ان (کو مارنے) کے لیے لوہے کے گرز ہیں○ جب وہ (شدتِ تکلیف سے) اس آگ سے نکلنے کا ارادہ کریں گے' ان کو پھر اسی آگ میں جھونک دیا جائے گا (اور ان سے کہا جائے گا) اور جلانے والے عذاب کو چکھو○

ابوظبیان نے بیان کیا کہ جب دوزخ کی آگ جوش سے اُبل رہی ہوگی اور ان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پھینک رہی ہوگی تو دوزخ ان کو دوزخ کے بڑے دروازوں کی طرف پھینک دے گی' اس وقت وہ دوزخ سے نکلنے کا ارادہ کریں گے تو دوزخ کے محافظ انہیں لوہے کے گرز مار کر پھر دوزخ میں پھینک دیں گے۔ ایک قول یہ ہے کہ جب ان کی تکلیف بہت بڑھ جائے گی تو وہ دوزخ سے نکل کر اس کے کناروں تک پہنچیں گے تو فرشتے گرز مار کر انہیں پھر دوزخ میں دھکیل دیں گے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۲ ص ۲۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے ان کو اللہ ان جنتوں میں داخل کر دے گا جن کے

مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ

نیچے سے دریا بہتے ہیں، ان جنتوں میں ان کو سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں

وَّلُؤْلُؤًا ۖ وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ ﴿٢٣﴾ وَهُدُوا إِلَى الطَّيِّبِ مِنَ

گے اور وہاں ان کا لباس ریشم ہوگا ○ اور ان کو پاکیزہ باتوں کی طرف ہدایت

الْقَوْلِ ۚ وَهُدُوا إِلَىٰ صِرَاطِ الْحَمِيدِ ﴿٢٤﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا

کی جائے گی اور حمد کرنے والوں کے راستہ کی طرف ان کو ہدایت کی جائے گی ○ بے شک جن لوگوں نے کفر کیا

وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِي جَعَلْنَاهُ

اور وہ اللہ کے راستہ سے روکنے لگے اور اس مسجد حرام سے جس کو ہم نے لوگوں کے لیے

لِلنَّاسِ سَوَاءً الْعَاكِفُ فِيهِ وَالْبَادِ ۚ وَمَنْ يُرِدْ فِيهِ بِإِلْحَادٍ

مساوی بنایا ہے خواہ وہ اس مسجد میں معتکف ہوں یا باہر سے آئیں، اور جو اس مسجد میں ظلم کے ساتھ زیادتی کا

بِظُلْمٍ نُذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٢٥﴾ وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ

ارادہ کرے گا، ہم اس کو دردناک عذاب چکھائیں گے ○ اور یاد کیجئے جب ہم نے ابراہیم کے لیے کعبہ بنانے کی جگہ

الْبَيْتِ أَنْ لَا تُشْرِكْ بِي شَيْئًا وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ

مقرر کردی (اور حکم دیا کہ) میرے ساتھ کسی کو شریک نہ قرار دینا اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں

وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ﴿٢٦﴾ وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ

اور قیام کرنے والوں، اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک رکھنا ○ اور لوگوں میں بلند آواز سے حج کا اعلان کیجئے

يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ

وہ آپ کے پاس دور دراز راستوں سے پیدل اور ہر دبلے اونٹ پر

عَمِيقٍ ﴿٢٧﴾ لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ

سوار ہو کر آئیں گے ○ تاکہ وہ اپنے فوائد کے مقامات پر حاضر ہوں اور مقررہ ایام میں ان بے زبان

مَعْلُومَاتٍ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ ۖ فَكُلُوا مِنْهَا

مویشیوں کو ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیں جو اس نے ان کو دیے ہیں، پس تم ان میں سے خود کھاؤ

وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ ﴿٢٨﴾ ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا

اور مصیبت زدہ فقیر کو بھی کھلاؤ ○ پھر وہ اپنا میل کچیل دور کریں اور اپنی نذروں کو

نُذُورَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ﴿٢٩﴾ ذَٰلِكَ وَمَنْ يُعَظِّمْ

پورا کریں اور اس قدیم گھر کا طواف کریں ○ یہی حکم ہے، اور جو اللہ کی حرمت والی

حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ

چیزوں کی تعظیم کرے گا تو اس کے رب کے نزدیک اس کے لیے بہتر ہے اور تمہارے لیے سب مویشی حلال کر دیے گئے

اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ

سوا ان کے جو تم پر تلاوت کیے جاتے ہیں، سو تم بتوں کی نجاست سے اجتناب کرو

وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ﴿۳۰﴾ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ؕ

اور جھوٹی بات سے پرہیز کرو ○ ہر باطل سے الگ، صرف اللہ کے ہو کر رہو کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ بناتے ہوئے

وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ

اور جس نے کسی کو اللہ کا شریک قرار دیا وہ گویا آسمان سے گر گیا، پھر اسے مردار خور پرندے جھپٹ لیتے ہیں

اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ﴿۳۱﴾ ذٰلِكَ ۗ وَمَنْ

یا آندھی اس کو کسی دور جگہ پھینک دیتی ہے ○ یہی حق ہے، اور جس نے

يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ﴿۳۲﴾ لَكُمْ

اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کی تو بیشک یہ دلوں کے تقویٰ (کے آثار) سے ہے ○ تمہارے لیے

فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ

ان مویشیوں میں مدت معین تک فوائد ہیں، پھر ان کو ذبح کرنے کا مقام

الْعَتِيْقِ ﴿۳۳﴾ ع

قدیم گھر کی طرف ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے ان کو اللہ ان جنتوں میں داخل کر دے گا جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں، ان جنتوں میں ان کو سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے اور وہاں ان کا لباس ریشم ہوگا○ اور ان کو پاکیزہ باتوں کی طرف ہدایت کی جائے گی اور حمد کرنے والوں کے راستہ کی طرف ان کو ہدایت کی جائے گی○

(الحج: ۲۴-۲۳)

آخرت میں مومنوں کے چار قسم کے انعامات

اس سے پہلی آیتوں میں آخرت میں کفار کی تین قسم کی سزاؤں کا بیان فرمایا تھا اور ان آیتوں میں آخرت میں مومنوں

کے چار قسم کے انعامات کا بیان فرمایا ہے:

(۱) پہلا انعام ان کے مسکن کا ذکر ہے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ ان کو ان جنتوں میں رکھے گا جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں۔

(۲) دوسرا انعام یہ ہے کہ ان کا لباس ریشم کا ہوگا' دنیا میں ریشم مردوں پر حرام کر دیا تھا اور آخرت میں ان پر ریشم حلال فرما دیا۔

ابن ابی لیلیٰ بیان کرتے ہیں کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ مدائن میں تھے' انہوں نے پانی مانگا ایک دہقان ان کے لیے چاندی کے برتن میں پانی لایا۔ حضرت حذیفہ نے اس برتن کو پھینک دیا پھر کہا میں نے یہ چاندی کا برتن اس لیے پھینکا ہے کہ میں نے اس کو چاندی کے برتن میں پانی دینے سے منع کیا تھا مگر یہ باز نہیں آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سونا اور چاندی اور ریشم اور دیباج (ریشم کی ایک قسم) کفار کے لیے دنیا میں ہیں اور یہ تمہارے لیے آخرت میں ہوں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۸۳۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۶۸' سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۳۰۱)

(۳) تیسرا انعام یہ ہے کہ مومنوں کو جنت میں زیورات پہنائے جائیں گے۔ اس سلسلہ میں یہ حدیث ہے:

ابوحازم بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے کھڑا ہوا تھا اور وہ نماز کا وضو کر رہے تھے' وہ اپنا ہاتھ بغل تک دھو رہے تھے' میں نے کہا اے ابوہریرہ! یہ کیسا وضو ہے؟ انہوں نے کہا اے چوزے کے بچے! تو یہاں کھڑا ہوا ہے!! اگر مجھے پہلے معلوم ہوتا کہ تو یہاں کھڑا ہے تو میں اس طرح وضو نہ کرتا۔ میں نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جہاں تک مومن کا وضو پہنچے گا' وہاں تک اس کا زیور پہنچے گا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۰' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۴۹)

اس حدیث میں مومن کو جنت میں زیورات پہنانے کا بھی ثبوت ہے اور ناسمجھ لوگوں کو ڈانٹنے کا بھی ثبوت ہے اور یہ بھی ثبوت ہے کہ خاصاں دی گل عاماں اَگے نہیں مناسب کرنی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا لوگوں کے سامنے ایسی احادیث بیان کرو جو ان کے درمیان معروف ہیں (یعنی ان کے سامنے کوئی نئی بات نہ بیان کرو) کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب کی جائے۔ (صحیح البخاری کتاب العلم باب: ۴۹)

اس آیت میں فرمایا ہے: ان جنتوں میں ان کو سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے' اور ایک اور آیت میں ہے:

عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّاِسْتَبْرَقٌ ان کے جسموں پر سبز باریک اور دبیز ریشمی کپڑے ہوں گے اور انہیں چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے۔

وَحُلُّوْٓا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ (الدھر: ۲۱)

ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ انہیں جنت میں سونے' چاندی اور موتیوں کے کنگن پہنائے جائیں گے۔

مردوں کے لیے سونے اور چاندی کے زیورات کی جنت میں تخصیص کی وجہ

علامہ ابوعبداللہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ھ نے لکھا ہے کہ مفسرین نے کہا ہے کہ جب کہ دنیا کے بادشاہ کنگن اور تاج پہنتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے جنت میں ان کا پہننا حلال کر دیا۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۲ ص ۲۸)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

ابن عیینہ نے از اسرائیل از ابوموسیٰ از حسن روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سراقہ بن مالک سے فرمایا: اس وقت تمہاری کیا شان ہوگی جب تم کسریٰ کے کنگن پہنو گے۔ (اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۸)

انہوں نے کہا کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس کسریٰ کے کنگن اور اس کا منطقہ (پٹکا) اور تاج لایا گیا تو حضرت عمر نے وہ کنگن حضرت سراقہ کو پہنا دیئے۔ حضرت سراقہ پست قد تھے اور ان کی کلائیوں پر بال بہت زیادہ تھے' حضرت عمر نے

کہا اپنے ہاتھ اوپر اُٹھائیں اور کہیں اللہ کے لیے سب تعریفیں ہیں جس نے یہ کنگن کسریٰ بن ہرمز سے اُتار کر سراقہ اعرابی کو پہنا دیئے۔ (الاصابہ ج ۳ ص ۳۶-۳۵ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

دنیا میں ریشم اور سونا چاندی پہننے اور شراب پینے والے کا شرعی حکم

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے دنیا میں ریشم پہنا وہ آخرت میں اس کو نہیں پہنے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۸۳۴ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۷۳ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۰۴۲ سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۳۱۹ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۸۸ السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۹۶۲۶ مسند احمد رقم الحدیث: ۲۰۶۹ عالم الکتب بیروت)

ہوسکتا ہے کہ کوئی شخص یہ کہے کہ ٹھیک ہے مسلمان آخرت میں تو ریشم نہیں پہنے گا لیکن ہوسکتا ہے کہ اس کو جنت میں ریشم پہنا دیا جائے۔

علامہ قرطبی کہتے ہیں کہ اگر اس نے ریشم پہننے سے توبہ نہیں کی تو وہ جنت میں بھی ریشم پہننے سے محروم رہے گا، اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس پر ریشم اس وقت حرام ہوگا جب اس کو آگ میں عذاب دیا جائے گا یا اس کو محشر میں طول قیام کی سزا دی جائے گی لیکن جب وہ جنت میں داخل ہو جائے گا تو پھر محروم نہیں ہوگا، کیونکہ جنت میں جنت کی لذات میں سے کسی لذت سے محروم ہونا بھی ایک قسم کی سزا ہے اور جنت سزا کی جگہ نہیں ہے بلکہ جزا اور انعام کی جگہ ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کلام بہت مستحکم تھا اگر اس کے خلاف احادیث نہ ہوتیں اور وہ یہ ہیں:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے دنیا میں ریشم پہنا وہ اس کو آخرت میں نہیں پہنے گا خواہ وہ جنت میں داخل ہو جائے۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

(مسند ابوداؤد الطیالسی رقم الحدیث: ۲۹۴)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ جو شخص دنیا میں ریشم پہنے گا وہ آخرت میں ریشم پہننے سے محروم رہے گا خواہ وہ جنت میں داخل ہو جائے۔

اسی طرح جس نے دنیا میں سونے اور چاندی کے زیورات پہنے وہ جنت میں ان کو پہننے سے محروم رہے گا۔ اسی طرح دنیا میں شراب پینے والے کا حکم ہے اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے دنیا میں خمر (انگور کے کچے شیرہ کی شراب) کو پیا اور اس سے توبہ نہیں کی، وہ آخرت میں اس سے محروم رہے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۵۷۵ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۰۳)

باقی رہا یہ کہ ان نعمتوں سے محروم ہونا تو ایک طرح کی سزا ہے اور جنت سزا کی جگہ نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے دل میں ان چیزوں کی خواہش ہی پیدا نہیں کرے گا حتیٰ کہ اس کو محرومی کا احساس ہو۔

(۴) جنت میں چوتھا انعام یہ ہوگا کہ ان کو پاکیزہ باتوں کی طرف ہدایت کی جائے گی اور حمد کرنے والوں کے راستہ کی طرف ان کو ہدایت کی جائے گی۔

اس کا معنی یہ ہے کہ ان کو لا الہ الا اللہ پڑھنے اور الحمد للہ پڑھنے کی ہدایت دی جائے گی۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ صبح اُٹھ کر یہ کہیں گے: الحمد للہ الذی ھدانا لھذا اللہ کی حمد ہے جس نے ہم کو اس کی ہدایت دی، اور کہیں گے:

الحمد لله الذي اذهب عنا الحزن اللہ کی حمد ہے جس نے ہم سے غم کو دور کردیا۔ پس جنت میں کوئی لغو بات ہوگی نہ جھوٹ ہوگا' اور وہ جو کچھ بھی کہیں گے وہ حق اور سچ بات ہوگی اور انہیں جنت میں اللہ کے راستہ کی طرف ہدایت دی جائے گی کیونکہ جنت میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کی مخالفت پر مبنی ہو۔

اس آیت کی ایک تفسیر یہ بھی ہے کہ انہیں دنیا میں پاکیزہ باتوں اور حمد کے راستہ کی ہدایت دی گئی ہے لیکن یہ تفسیر سیاق اور سباق کے مناسب نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور وہ اللہ کے راستہ سے روکنے لگے اور اس مسجد حرام سے جس کو ہم نے لوگوں کے لیے مساوی بنایا ہے وہ اس مسجد میں معتکف (مقیم) ہوں یا باہر سے آئیں' اور جو اس مسجد میں ظلم کے ساتھ زیادتی کا ارادہ کرے گا ہم اس کو دردناک عذاب چکھائیں گے O (الحج: ۲۵)

مسجد حرام سے روکنے والوں کی مذمت کا شان نزول

اس آیت پر یہ اعتراض ہے کہ "بے شک جن لوگوں نے کفر کیا" یہ ماضی کا صیغہ ہے اور وہ اللہ کے راستے سے روکنے لگے یہ حال کا صیغہ ہے اور حال کا ماضی پر عطف کرنا مستحسن نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب دوام اور استمرار مقصود ہو تو حال کا ماضی پر عطف کردیا جاتا ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے:

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ. (الرعد: ۲۸) — جو لوگ ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کے ذکر سے مطمئن ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت ابوسفیان بن حرب اور اس کے اصحاب کے متعلق نازل ہوئی ہے جب انہوں نے حدیبیہ کے سال (چھ ہجری میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو عمرہ کرنے سے روک دیا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت ان سے جنگ کرنے کو ناپسند کیا تھا آپ اس وقت عمرہ کا احرام باندھے ہوئے تھے' پھر آپ نے ان سے اس شرط پر صلح کی کہ آپ اگلے سال آ کر عمرہ کریں گے۔

(تکملہ تفسیر کبیر ج ۸ ص ۲۱۶' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

مکہ کی زمین اور اس کے مکانوں کو فروخت کرنے اور کرائے پر دینے کی ممانعت میں مذاہب فقہاء

مسجد حرام' صفا اور مروہ کی پہاڑیاں' منیٰ' مزدلفہ' عرفات اور موضع جمرات مکہ مکرمہ کی سرزمین کے حصے' تمام فقہاء کے نزدیک وقف عام ہیں اور مکہ کے رہنے والے اور باہر سے مکہ مکرمہ آنے والے سب وہاں عبادات اور مناسکِ حج ادا کرسکتے ہیں اور یہ جگہ کسی کی ملکیت نہیں ہے اور یہاں پر کوئی کسی مسلمان کو عبادت کرنے اور ٹھہرنے سے منع نہیں کرسکتا اور نہ مکہ کے ان حصوں کو فروخت کرنا یا کرائے پر دینا جائز ہے۔ (المغنی لابن قدامہ ج ۴ ص ۱۷۸' روح المعانی جز ۱۷ ص ۲۰۷-۲۰۶)

سرزمین مکہ کے ان حصوں کے علاوہ باقی سرزمین مکہ میں اختلاف ہے کہ آیا ان کو بیچنا اور کرائے پر دینا جائز ہے یا نہیں۔

امام شافعی اور امام احمد کا یہ مذہب ہے کہ مکہ کی زمین کو اور اس کے مکانات کو فروخت کرنا اور کرائے پر دینا جائز ہے۔

(المغنی لابن قدامہ ج ۴ ص ۱۷۷' تفسیر کبیر ج ۸ ص ۲۱۷' فتح الباری ج ۴ ص ۲۴۵) امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ مکہ کی تمام زمین وقف ہے' اس کو بیچنا اور کرائے پر دینا جائز نہیں ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۲ ص ۳۲-۳۱)

اور امام ابوحنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ مکہ کی سرزمین کے جو حصے مناسکِ حج کے لیے وقف ہیں' ان کے علاوہ مکہ کی باقی زمینوں اور مکانوں کو فروخت کرنا اور کرائے پر دینا جائز ہے۔ البتہ حج کے ایام میں مکہ کے مکانوں کو کرائے پر دینا مکروہ ہے

کیونکہ اس سے زائرین حرم اور حجاج کو زحمت اور تکلیف ہوگی۔ (درمختار و ردالمحتار ج ۹ ص ۴۸۰-۴۷۹)

امام مالک اور ان کے موافقین یہ کہتے ہیں کہ مکہ کی تمام زمین وقف ہے اور کسی جگہ کو فروخت کرنا اور اس کو کرائے پر دینا جائز نہیں ہے۔ ان کا استدلال اس آیت سے ہے اس میں فرمایا ہے والمسجد الحرام الذی جعلنٰہ للناس سواء ن العاکف فیہ والباد۔ (الحج: ۲۵) وہ اس آیت میں المسجد الحرام سے مراد ارض حرم لیتے ہیں یعنی سرزمین مکہ اور العاکف کا معنی کرتے ہیں مکہ میں رہنے والا' الباد کا معنی کرتے ہیں مسافر۔ ان کے نزدیک اس آیت کا معنی اس طرح ہے کہ تمام سرزمین مکہ میں مکہ میں رہنے والوں اور مسافروں کا برابر کا حق ہے اور مکہ کی زمین اور اس میں بنے ہوئے مکانوں کا کوئی مالک نہیں ہے' ہر جگہ اور ہر مکان میں ہر شخص رہ سکتا ہے۔

مکہ کی زمین اور مکانوں کو فروخت کرنے اور کرائے پر دینے کی ممانعت کے دلائل اور ان کا ضعف

علامہ ابوعبداللہ مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ اپنے مسلک کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

مساوات مکہ کی حویلیوں اور مکانوں میں رہنے والوں میں ہے اور ان مکانوں میں رہنے والا مسافر سے زیادہ حق دار نہیں ہے اور یہ اس بناء پر ہے کہ اس آیت میں مسجد حرام سے مراد پورا حرم ہے' اور یہ مجاہد اور امام مالک کا قول ہے' اور حضرت عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ جو شخص مکہ میں آئے' وہ جس مکان میں چاہے ٹھہر جائے اور مکان والے پر اس کو ٹھہرانا لازم ہے' وہ چاہے یا نہ چاہے۔ اور سفیان ثوری وغیرہ نے کہا ہے کہ ابتدائی دور میں مکہ کے مکانوں کے دروازے نہیں بنائے جاتے تھے (تاکہ جب کوئی مسافر جہاں چاہے ٹھہر جائے) حتیٰ کہ جب چوریاں بہت ہونے لگیں تو ایک شخص نے اپنے مکان کا دروازہ بنا لیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر انکار کیا اور کہا تم بیت اللہ کا حج کرنے والے پر دروازہ بند کرتے ہو؟ اس نے کہا میں نے اپنے سامان کو چوری سے محفوظ رکھنے کا ارادہ کیا ہے پھر حضرت عمر نے اس کو چھوڑ دیا' پھر لوگوں نے اپنے گھروں کے دروازے بنانے شروع کر دیئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ مروی ہے کہ وہ حج کے ایام میں مکہ کے گھروں کے دروازوں کو توڑنے کا حکم دیتے تھے تاکہ مکہ آنے والے مسافر جس گھر میں چاہیں' آ کر ٹھہر جائیں۔ اور امام مالک سے یہ بھی مروی ہے کہ گھر مسجد کی طرح نہیں ہیں اور گھر والوں کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے گھروں میں آنے والوں کو منع کریں۔

اس کے بعد علامہ قرطبی لکھتے ہیں صحیح وہی ہے جو امام مالک کا قول ہے اور اس کی تائید میں احادیث ہیں: علقمہ بن نضلہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر فوت ہو گئے اور اس وقت تک مکہ کی زمین کو وقف کہا جاتا تھا' جس کو ضرورت ہو وہ اس میں خود رہے اور جو مستغنی ہے' وہ کسی اور کو ٹھہرائے۔ (سنن دار قطنی رقم الحدیث: ۳۰۰۳' یہ حدیث ضعیف ہے اس کی سند میں ارسال اور انقطاع ہے) اور علقمہ بن نضلہ سے ایک اور حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے عہد میں مکہ کے گھر وقف کیے جاتے تھے' ان کو فروخت نہیں کیا جاتا تھا۔ جس کو ضرورت ہوتی وہ ان گھروں میں خود رہتا اور جس کو ضرورت نہ ہوتی' وہ کسی اور کو ٹھہرا لیتا۔ (سنن دار قطنی رقم الحدیث: ۳۰۰۲' یہ حدیث بھی حسب سابق ہے) اور حضرت عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مکہ حرم ہے' اس کی حویلیوں کو فروخت کرنا حرام ہے اور ان کو کرائے پر دینا حرام ہے۔ (سنن دار قطنی رقم الحدیث: ۲۹۹۵' یہ حدیث بھی ضعیف ہے) (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۲ ص ۳۲-۳۱' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام مالک اور ان کے موافقین نے اس آیت سے جو استدلال کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ انہوں نے المسجد الحرام کا معنی پوری سرزمین حرم کیا ہے اور یہ مجاز ہے اور بغیر قرینہ صارفہ کے مجاز کو اختیار کرنا صحیح نہیں ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ انہوں نے

العاکف کا معنی مکہ میں رہنے والا کیا ہے حالانکہ العاکف کا شرعی معنی المعتکف ہے' اور جن احادیث سے علامہ قرطبی نے استدلال کیا ہے' ہم نے ان کا ضعف قوسین میں ذکر کر دیا ہے۔

جو احادیث علامہ قرطبی نے ذکر کی ہیں' ان کے علاوہ بھی کچھ احادیث ہیں جن سے امام مالک کے موقف پر استدلال کیا جاتا ہے' وہ یہ ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مکہ اونٹوں کے بٹھانے کی جگہ ہے' اس کی حویلیاں فروخت کی جائیں نہ اس کے مکان کرائے پر دیے جائیں۔ (المستدرک ج ۲ ص ۵۳' طبع قدیم' دار الباز مکہ مکرمہ)

علامہ ذہبی متوفی ۷۴۸ھ فرماتے ہیں اس کی سند میں ایک راوی ''اسماعیل'' ضعیف ہے۔ (تلخیص المستدرک ج ۲ ص ۵۳)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے کہا جو شخص مکہ کے مکانوں کا کرایہ کھاتا ہے' وہ اپنے پیٹ میں آگ بھرتا ہے۔ (سنن دار قطنی رقم الحدیث: ۲۹۹۷' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ)

اس حدیث کا ایک راوی عبیداللہ بن ابی زیاد ہے۔ حافظ عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس کے متعلق لکھتے ہیں ابن معین نے کہا یہ ضعیف ہے۔ ابو حاتم نے کہا یہ قوی اور متین نہیں ہے اور اس کی احادیث لکھنے کے لائق نہیں ہیں۔ آجری نے کہا اس کی احادیث منکر ہیں۔ امام نسائی نے کہا یہ قوی اور ثقہ نہیں ہے۔ حاکم ابو احمد نے کہا یہ قوی نہیں ہے۔

(تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۱۴' مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن' ۱۳۲۶ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ جو فقہاء مکہ کی زمین کو فروخت کرنے اور اس کے مکانوں کو کرائے پر دینے کو حرام کہتے ہیں' ان کا قرآن مجید سے استدلال صحیح نہیں ہے' اور جن احادیث سے انہوں نے استدلال کیا ہے ان سب کی سندیں ضعیف ہیں۔

مکہ کی زمین اور اس کے مکانوں کو فروخت کرنے اور کرائے پر دینے کے جواز میں قرآن مجید اور احادیث و آثار سے استدلال

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلَّذِيۡنَ اُخۡرِجُوۡا مِنۡ دِيَارِهِمۡ بِغَيۡرِ حَقٍّ. (الحج: ۴۰) — یہ وہ لوگ ہیں جن کو ناحق اپنے گھروں سے نکالا گیا۔

امام ابن جریر نے کہا۔ کفار قریش نے مومنین کو مکہ سے نکال دیا تھا۔ (جامع البیان جز ۱۷ ص ۲۲۹' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو مکہ سے نکال دیا گیا تھا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۳۹۶۶' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ آیت ہمارے متعلق نازل ہوئی ہے' ہمیں ہمارے گھروں سے ناحق نکال دیا گیا تھا۔ الحدیث (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۳۹۶۷)

مکہ کے مسلمانوں کو ان کے گھروں سے نکالنا ناحق اسی وقت ہوگا جب ان کا ان کے گھروں پر حق ہو اور وہ گھر وقف عام نہ ہوں اور مسلمانوں کا ان گھروں کو فروخت کرنا اور کرائے پر دینا جائز ہو۔

اس آیت کے بعد اس موقف پر یہ حدیث بہت قوی دلیل ہے:

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! آپ مکہ کے کون سے گھر میں ٹھہریں گے؟ آپ نے فرمایا: کیا عقیل نے ہمارے لیے حویلیاں اور مکانات چھوڑے ہیں؟ عقیل ابو طالب کے وارث ہوئے تھے اور

حضرت جعفر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما ابو طالب کے وارث نہیں ہوئے تھے کیونکہ یہ دونوں مسلمان تھے۔ (اور مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا) اور عقیل اور طالب کافر تھے سو حضرت عمر بن الخطاب یہ کہتے تھے کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۵۸۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۵۱، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۰۱۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۹۴۲، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۴۲۵۵)

عقیل ابو طالب کے مکان کے وارث ہو گئے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ ابو طالب اور عقیل دونوں مکہ میں اپنے مکانوں کے مالک تھے اور ان کے مکان وقف عام نہیں تھے اور ان کا ان مکانوں کو فروخت کرنا اور ان میں تصرف کرنا صحیح تھا۔

علامہ عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے مکہ میں مکانات تھے۔ حضرت ابوبکر، حضرت زبیر، حضرت حکیم بن حزام، حضرت ابوسفیان اور باقی اہل مکہ کے مکانات تھے۔ بعض نے اپنے مکانوں کو فروخت کر دیا اور بعض نے اپنے مکانوں کو اپنی ملک میں رہنے دیا۔ حضرت حکیم بن حزام نے دارالندوہ کو فروخت کر دیا تو حضرت ابن الزبیر نے کہا آپ نے قریش کی عزت کو بیچ دیا تو حضرت حکیم بن حزام نے کہا اے بھتیجے! عزت تو صرف تقویٰ سے حاصل ہوتی ہے، اور حضرت معاویہ نے دو مکان خریدے۔ حضرت عمر نے حضرت صفوان بن امیہ سے چار ہزار درہم میں ایک قید خانہ خریدا اور ہمیشہ سے اہل مکہ اپنے مکانوں میں مالکانہ تصرف کرتے رہے ہیں اور خرید وفروخت کرتے رہے ہیں اور اس پر کسی نے اعتراض نہیں کیا تو یہ اجماع ہو گیا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ کے مکانوں کی ان کی طرف نسبت کو برقرار رکھا۔ آپ نے فرمایا: جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو گیا اس کو امان ہے، اور جس نے اپنے گھر کا دروازہ بند کر دیا اس کو امان ہے، اور ان کے مکانوں اور ان کی حویلیوں کو برقرار رکھا اور کسی شخص کو اس کے گھر سے منتقل نہیں کیا گیا اور نہ کوئی ایسی حدیث پائی گئی جو ان کے مکانوں سے ان کی ملکیت زائل ہونے پر دلالت کرے، اور آپ کے بعد آپ کے خلفاء کا بھی یہی معمول رہا حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو قید خانہ بنانے کے لیے مکان کی سخت ضرورت تھی مگر انہوں نے خریدنے کے سوا اس کو نہیں لیا، اور اس کے خلاف جو احادیث مروی ہیں وہ سب ضعیف ہیں اور صحیح یہ ہے کہ مکہ جنگ سے فتح ہوا ہے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ کو ان کی املاک اور حویلیوں پر برقرار رکھا اور آپ نے ان کے مکانوں کو ان کے لیے اس طرح چھوڑ دیا جس طرح ہوازن کے لیے ان کی عورتوں اور بیٹوں کو چھوڑ دیا تھا۔ ابن عقیل نے کہا ہے کہ مکہ کی زمینوں کا یہ اختلاف افعال حج کی ادائیگی کے مقامات کے علاوہ میں ہے لیکن زمین کے جن حصوں میں افعالِ حج کی ادائیگی کی جاتی ہے جیسے صفا اور مروہ کے درمیان دوڑنے کی جگہ اور شیطان کو کنکریاں مارنے کی جگہیں، ان جگہوں کا حکم مساجد کا حکم ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ (المغنی لابن قدامہ ج ۴ ص ۱۷۸، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ)

مکہ کی زمین اور مکانوں کو فروخت کرنے اور کرائے پر دینے کے متعلق فقہاء احناف کا مذہب

علامہ محمد بن علی بن محمد الحصکفی المتوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

مکہ کے مکانوں اور اس کی زمین کو فروخت کرنا بلا کراہت جائز ہے۔ امام شافعی کا بھی یہی قول ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ صاحب ہدایہ کی مختارات النوازل میں مذکور ہے کہ مکہ کے مکانوں کو فروخت کرنے اور ان کو کرائے پر دینے میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن زیلعی وغیرہ میں مذکور ہے کہ ان کو کرائے پر دینا مکروہ ہے اور التاتارخانیہ کی آخری فصل الوہبانیہ کے باب اجارہ میں لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے فرمایا میں حج کے ایام میں مکہ کے مکانوں کو کرائے پر دینا مکروہ قرار دیتا ہوں اور آپ یہ فتویٰ دیتے تھے کہ حجاج ایامِ حج میں مکہ والوں کے گھروں میں رہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: سواء ن العاكف فيه والباد۔

(الحج: ۲۵) مسجدِ حرام میں مقیم اور مسافر برابر ہیں' اور ایامِ حج کے علاوہ کرایا لینے کی رخصت دی ہے' اس سے فرق اور تطبیق کا علم ہو گیا۔ حضرت عمر ایامِ حج میں فرماتے تھے اے مکہ والو! اپنے گھروں میں دروازے نہ بناؤ تا کہ آنے والے جہاں چاہیں' ٹھہر سکیں پھر یہ آیت پڑھتے تھے۔

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ اس عبارت کی شرح میں لکھتے ہیں:

غایۃ البیان میں مذکور ہے امام ابو یوسف نے امام ابو حنیفہ سے روایت کیا ہے کہ وہ ایامِ حج میں مکہ کے مکانوں کو کرائے پر دینا مکروہ کہتے تھے اور غیر ایامِ حج میں اس کی اجازت دیتے تھے' امام ابو یوسف کا بھی یہی قول ہے۔ امام محمد نے امام ابو حنیفہ سے روایت کیا ہے کہ وہ ایامِ حج میں مکہ کے مکانوں کو کرائے پر دینا مکروہ کہتے تھے اور وہ کہتے تھے کہ مکہ والوں کو چاہیے کہ اگر ان کے مکانوں میں زائد جگہ ہو تو وہ مسافروں کو اپنے مکانوں میں ٹھہرائیں ورنہ نہیں' اور امام محمد کا بھی یہی قول ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کرائے پر دینے کی کراہت میں ہمارے ائمہ کا اتفاق ہے۔

علامہ حصکفی نے کہا ہے کہ اسی سے فرق اور تطبیق کا علم ہو گیا۔ اس کی شرح یہ ہے کہ ایامِ حج میں مکانوں کو کرائے پر دینا مکروہ ہے اور زیلعی کی نوازل میں جو اس کو مکروہ کہا ہے اس کا یہی معنی ہے' اور مختارات النوازل میں جو کہا ہے اس میں کوئی حرج نہیں' وہ ایامِ حج کے علاوہ دنوں پر محمول ہے اور امامِ اعظم کا بھی یہ فتویٰ ہے۔

(الدر المختار ورد المحتار ج ۹ ص ۴۷۹' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

ہمارے فقہاء کی عبارات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایامِ حج میں مکانوں کو کرائے پر دینے کی کراہت تنزیہی ہے کیونکہ انہوں نے کہا ہے کہ اگر ان کے پاس زائد جگہ ہو تو آنے والے کو ٹھہرائیں ورنہ نہیں' اور اسلام کے عام اصول سے یہ بات معلوم اور مقرر ہے کہ کوئی شخص مالک مکان کی مرضی اور اس کی اجازت کے بغیر اس کے گھر میں داخل نہیں ہو سکتا۔ قرآن مجید نے مسجدِ حرام میں مقیم اور مسافروں کا حق برابر قرار دیا ہے۔ ارضِ حرم میں یہ حق برابر نہیں فرمایا' اور اگر بالفرض ارضِ حرم بھی مراد ہو تو بھی حرم کے مکانوں میں تو مقیم اور مسافر کا حق برابر نہیں فرمایا۔ ارض حرم میں مسافر جہاں چاہیں خیمہ ڈال کر رہیں' کسی کے مکان میں اس کی اجازت اور اس کی مرضی کے بغیر رہنے کا انہیں کیا حق ہے؟ اور ائمہ احناف نے ایامِ حج میں مکانوں کو کرائے پر دینے کو مکروہ کہا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اخلاق اور مروت کے خلاف ہے کہ مسافروں' مہمانوں اور زائرین حرم سے ان کے ٹھہرنے کا کرایہ طلب کیا جائے' یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ شرعاً مکروہ یا حرام ہے۔

الحاد کا معنی اور اس کے مصداق کے تعین میں مختلف اقوال

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **من یرد فیه بالحاد بظلم** ۔ یہ لفظ ورود سے بھی مشتق ہو سکتا ہے یعنی جو شخص مکہ میں ظلم اور زیادتی کے ساتھ وارد (داخل) ہو گا' ہم اس کو دردناک عذاب چکھائیں گے' اور یہ لفظ ارادہ سے بھی ماخوذ ہو سکتا ہے یعنی جو شخص مکہ میں ظلم اور زیادتی کا ارادہ کرے گا' ہم اس کو دردناک عذاب چکھائیں گے۔

الحاد کا معنی ہے درمیانہ روی سے انحراف یا تجاوز کرنا' اور مفسرین نے الحاد کی حسب ذیل تفسیریں کی ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس' عطاء بن ابی رباح' سعید بن جبیر' قتادہ اور مقاتل نے کہا الحاد سے مراد شرک ہے یعنی جو شخص اللہ کے حرم میں شرک کرنے کے لیے آیا' اس کو اللہ عذاب دے گا۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۸۹۱۴)

(۲) حضرت ابن عباس سے دوسری روایت یہ ہے کہ یہ آیت عبداللہ بن سعد کے متعلق نازل ہوئی ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اسلام لانے کے بعد مشرک ہو گیا تھا' اور قیس بن ضبابہ کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ اور مقاتل نے کہا یہ آیت عبداللہ

بن خطل کے متعلق نازل ہوئی ہے جو ایک انصاری کو قتل کر کے مکہ بھاگ گیا تھا اور کافر ہو گیا تھا اور فتح مکہ کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قتل کرنے کا حکم دیا اور اس کو حالتِ کفر میں قتل کیا گیا۔ (تفسیر کبیر ج۸ ص ۲۱۷)

(۳) مکہ میں شکار کو قتل کرنا۔

(۴) مکہ میں بغیر احرام کے داخل ہونا اور مکہ میں جن کاموں سے منع کیا گیا ہے ان کاموں کو کرنا۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۸۹۱۸)

(۵) مجاہد اور سعید بن جبیر سے روایت ہے ذخیرہ اندوزی کرنا۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۸۹۲۴)

(۶) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ان کے دو خیمے تھے' ایک حرم میں تھا اور ایک حل میں تھا۔ انہوں نے جب کسی کو ڈانٹنا ہوتا تھا تو حل میں ڈانٹتے تھے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۸۹۲۵)

(۷) محققین نے کہا ظلم کے ساتھ الحاد کرنا تمام قسموں کے گناہوں کو شامل ہے کیونکہ کوئی گناہ خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو' حرم میں اس کا عذاب بہت سخت ہے۔ مجاہد نے کہا جس طرح حرم میں نیکیوں کا ثواب زیادہ ہوتا ہے' اسی طرح حرم میں برائیوں کا عذاب بھی زیادہ ہوتا ہے۔ (زاد المسیر ج۵ ص ۴۲۱)

آیا مکہ میں گناہ کا عذاب بھی دُگنا ہوتا ہے یا نہیں؟

علامہ عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

اگر یہ سوال کیا جائے کہ کوئی شخص مکہ میں ظلم کرنے کا ارادہ کرے پھر ظلم نہ کرے تو آیا اس پر گرفت ہوگی؟ اس کے دو جواب ہیں ایک یہ ہے کہ یہ حرم شریف کی خصوصیت ہے کہ حرم میں برائی کا "ھم" کرنے پر بھی گرفت ہوتی ہے۔ (غالب جانب کام کے کرنے کی ہو اور مغلوب جانب کام کے نہ کرنے کی ہو تو اس کو "ھم" کہتے ہیں) یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے۔ انہوں نے کہا اگر کوئی شخص برے کام کا "ھم" کرے اور وہ برا کام نہ کرے تو اس کو لکھا نہیں جاتا جب تک اس کام کو کر نہ لے' اور اگر کوئی شخص بیت اللہ کے پاس کسی شخص کو قتل کرنے کا "ھم" کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو دنیا میں عذابِ الیم چکھائے گا۔ ضحاک نے کہا اگر کوئی شخص غیر حرم میں ہو اور یہ "ھم" کرے کہ وہ حرم میں کوئی گناہ کرے گا پھر بھی اس کا گناہ لکھا جائے گا خواہ وہ حرم میں وہ گناہ نہ کرے۔ مجاہد نے کہا مکہ میں برائیوں کو اسی طرح دُگنا کیا جاتا ہے جس طرح مکہ میں نیکیوں کو دُگنا کیا جاتا ہے۔ امام احمد سے یہ سوال کیا گیا کیا ایک برائی کو ایک سے زیادہ بار لکھا جاتا ہے؟ انہوں نے کہا نہیں! ماسوا مکہ مکرمہ کے اس شہر کی تعظیم کی وجہ سے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ جو ارادہ کرے اس کا معنی ہے جو عمل کرے۔

(زاد المسیر ج۵ ص ۴۲۲' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

اس کی تحقیق یہ ہے کہ حرم میں ایک گناہ درحقیقت دو گناہ ہیں ایک تو اللہ اور اس کے رسول کی نفس مخالفت اور دوسرا مکہ کی حرمت اور تعظیم کے خلاف کرنا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یاد کیجئے جب ہم نے ابراہیم کے لیے کعبہ بنانے کی جگہ مقرر کر دی (اور حکم دیا کہ) میرے ساتھ کسی کو شریک نہ قرار دینا اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور قیام کرنے والوں' اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک رکھنا ○ اور لوگوں میں بلند آواز سے حج کا اعلان کیجئے وہ آپ کے پاس دُور دراز راستوں سے پیدل اور دُبلے اونٹ پر سوار ہو کر آئیں گے ○ تا کہ وہ اپنے فوائد کے مقامات پر حاضر ہوں اور مقررہ ایام میں ان بے زبان مویشیوں کو ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیں جو اس نے ان کو دیئے ہیں' پس تم ان میں سے خود کھاؤ اور مصیبت زدہ فقیر کو بھی کھلاؤ ○ پھر وہ اپنا میل کچیل

دُور کریں اور اپنی نذروں کو پورا کریں اور اس قدیم گھر کا طواف کریں○ (الحج:۲۹-۲۶)

تعمیر کعبہ کی تفصیل

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں اور کافروں' دو فریقوں کا ذکر فرمایا اور ہر ایک کی اُخروی جزا کا بھی ذکر فرمایا اور ان آیات کو بیت اللہ کے ذکر پر ختم فرمایا۔ اب ان کے بعد بیت اللہ یعنی کعبہ کا ذکر فرمایا' اس کی تعمیر کا اور اللہ کے گھر میں حاضر ہونے کی ہدایت دی اور اسی کا نام حج ہے کہ لوگ ادب اور احترام اور خضوع اور خشوع کے ساتھ اللہ کے گھر حاضر ہونے کا قصد کریں' اور جہاں جہاں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں وہاں سب جمع ہوں اور حج میں چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنتوں اور ان کے طریقوں پر عمل کیا جاتا ہے اس لیے فرمایا اور یاد کیجئے جب ہم نے ابراہیم کے لیے کعبہ بنانے کی جگہ مقرر کردی۔ قرآن مجید میں اس جگہ بـو أنا کا لفظ ہے' اس کا مصدر تبویہ ہے اس کا معنی ہے ٹھکانا دینا' کسی مناسب جگہ کو قیام کے لیے مہیا کرنا۔ بو أنا کا معنی ہے ہم نے جگہ دی' کسی مناسب مقام کو قیام کے لیے تیار کیا۔ یعنی ہم نے کعبہ کو حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے لیے منزل اور جائے رجوع بنا دیا' جو شخص کعبہ سے جدا ہو کر جاتا ہے وہ پھر دوبارہ وہاں آنے کا مشتاق ہوتا ہے۔ یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ کعبہ کو پہلے بنانے والے حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ حدیث میں ہے: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں' میں نے کہا یارسول اللہ! سب سے پہلے کون سی مسجد بنائی گئی تھی؟ آپ نے فرمایا المسجد الحرام۔ میں نے کہا پھر کون سی؟ فرمایا: بیت المقدس' میں نے پوچھا ان کے درمیان کتنا عرصہ تھا؟ فرمایا چالیس سال۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۶۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۲۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۷۵۳' مسند احمد ج ۵ ص ۱۶۰)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ کعبہ کو بنانے والے حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں اور بیت المقدس کو بنانے والے حضرت سلیمان علیہ السلام ہیں اور ان کے درمیان تو چالیس سال سے زیادہ کا عرصہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے کعبہ اور بیت المقدس کی تجدید کی ہے یہ پہلے سے بنے ہوئے تھے۔ جیسا کہ ہم اس کے متعلق روایات بیان کریں گے۔

اور جب کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نبی تھے اور منصبِ نبوت کا تقاضا ہے لوگوں کو اللہ کی عبادت کی طرف دعوت دینا' اس لیے فرمایا اس جگہ اپنے اہل و عیال کو ٹھہراؤ اور اس جگہ عبادت کرنے کے لیے بار بار آؤ۔ اور فرمایا میرے ساتھ کسی کو شریک نہ قرار دینا' اس کا معنی ہے اخلاص کے ساتھ میری عبادت کرنا اور عبادت میں کوئی اور غرض شامل نہ کرنا' اور فرمایا اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور رکوع اور سجود کرنے والوں کے لیے پاک رکھنا' یعنی میرے گھر کو ہر قسم کی ظاہری اور باطنی نجاست سے پاک رکھنا یعنی بتوں سے اور اس میں برہنہ طواف کرنے سے۔ اب ہم وہ روایات ذکر کر رہے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ کعبہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے بنایا گیا تھا۔ امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی اسانید کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

قتادہ اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر اُتارا تو ان کے ساتھ اپنے بیت کو بھی زمین پر رکھ دیا۔ ابتداءً یہ بہت بڑا تھا پھر اس کو چھوٹا کر کے ساٹھ ہاتھ کا کر دیا جب حضرت آدم علیہ السلام نے زمین پر آ کر فرشتوں کی تسبیح کی آوازیں نہیں سنیں تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے اس کی شکایت کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! میں نے تمہارے لیے اپنا بیت زمین پر رکھ دیا ہے' اس کے گرد بھی اسی طرح طواف کیا جاتا ہے جس طرح میرے عرش کے گرد طواف کیا جاتا تھا' اور اس کے پاس بھی اسی طرح نماز پڑھی جاتی ہے جس طرح میرے عرش کے پاس نماز پڑھی جاتی تھی پھر

حضرت آدم علیہ السلام سفر کر کے بیت اللہ تک گئے اور اس کا طواف کیا اور ان کے بعد انبیاء علیہم السلام نے اس کا طواف کیا۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۸۹۲۷، تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۳۸۷۲)

سدی بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام سے یہ عہد لیا کہ وہ طواف کرنے والوں کے لیے میرے بیت کو پاک کریں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام روانہ ہو کر مکہ گئے پھر حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کدال اور پھاوڑے لے کر کھڑے ہوئے اور ان کو یہ پتا نہیں چل رہا تھا کہ کعبہ کس جگہ تھا تو اللہ تعالیٰ نے ہوا کو ایک سانپ کی صورت میں بھیجا اس نے کعبہ کے اردگرد اور اس کی پہلی بنیادوں سے کوڑا کرکٹ صاف کر دیا پھر حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے ان بنیادوں سے کعبہ کی تعمیر شروع کی۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۸۹۲۸، تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۳۸۷۴، الجامع لاحکام القرآن جز ۱۲ ص ۳۵)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

کعبہ کو پانچ مرتبہ بنایا گیا ہے، پہلی بار کعبہ حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے فرشتوں نے بنایا اور اس وقت یہ سرخ یاقوت سے بنا ہوا تھا۔ حضرت نوح علیہ السلام کے طوفان میں اس کی بنیادیں اُکھڑ گئیں اور اس کو دوسری بار حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بنایا۔ روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے انہیں بیت اللہ کو بنانے کا حکم دیا تو ان کو یہ پتا نہیں چلا کہ وہ کس جگہ بیت اللہ کو بنائیں پھر اللہ تعالیٰ نے ایک ہوا بھیجی جس کا نام ریح الخجوج تھا، اس نے کعبہ کی بنیادوں سے کوڑا کرکٹ صاف کر دیا پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کو اس کی قدیم بنیادوں پر تعمیر کیا، اور تیسری بار اس کو زمانہ جاہلیت میں قریش نے بنایا اس کی تعمیر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی شریک تھے، اس وقت آپ جوان تھے جب انہوں نے حجر اسود کو نصب کرنے کا ارادہ کیا تو ان میں اختلاف ہوا ہر قبیلہ یہ چاہتا تھا کہ وہ اس کو نصب کرے پھر انہوں نے اس پر اتفاق کر لیا کہ کل جو شخص سب سے پہلے کعبہ میں داخل ہوگا، وہی اس کو نصب کرے گا۔ دوسرے دن سب سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ میں داخل ہوئے۔ آپ نے یہ فیصلہ کیا کہ حجر اسود کو ایک چادر پر رکھ دیں اور تمام قبیلوں کے سردار اس چادر کو مل کر اُٹھائیں پھر آپ نے اس کو اُٹھا کر اس کی جگہ نصب کر دیا۔ وہ آپ کو امین کہتے تھے یہ واقعہ آپ کے اعلانِ نبوت سے پندرہ سال پہلے کا ہے۔ چوتھی مرتبہ کعبہ کو حضرت عبداللہ ابن الزبیر نے بنایا اور پانچویں بار اس کو حجاج نے بنایا اور وہی بنا آج تک قائم ہے۔ اس کی بلندی ستائیس ہاتھ ہے (تقریباً چالیس فٹ) اور اس کی لمبائی رُکن یمانی سے حجر اسود تک پچیس ہاتھ (تقریباً پینتیس فٹ) ہے اور اس کا عرض رُکن یمانی سے حجر اسود تک بیس ہاتھ ہے۔ (تقریباً تیس فٹ) اس کی مشرقی جانب میں ساگوان کی لکڑی کا دروازہ ہے جس پر چاندی سے کام کیا گیا ہے رکن یمانی اور حجر اسود کی درمیانی دیوار میں میزابِ رحمت ہے۔ (روح المعانی جز ۱۷ ص ۲۱۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۷ھ)

تعمیر کعبہ کی زیادہ تفصیل ہم نے البقرہ: ۱۲۷، تبیان القرآن ج ۱ ص ۵۷۴-۵۷۳ میں بیان کر دی ہے۔

الحج: ۲۷ میں فرمایا اور لوگوں میں بلند آواز سے حج کا اعلان کیجئے وہ آپ کے پاس دُور دراز راستوں سے پیدل اور دُبلے اونٹ پر سوار ہو کر آئیں گے۔

حج کا لغوی اور شرعی معنی ہم نے البقرہ: ۱۵۸، تبیان القرآن ج ۱ ص ۶۳۹ میں بیان کر دیا ہے، اور آل عمران: ۹۷-۹۶ میں ہم نے یہ امور بیان کیے ہیں: حج کی تعریف، شرائط، فرائض، واجبات، سنن اور آداب، ممنوعات اور مکروہات، حج کے فضائل، حج کی استطاعت کی تفصیل، قدرت کے باوجود حج نہ کرنے والے پر وعید، حلال مال سے حج کرنے کی فضیلت اور حرام مال سے حج کرنے کی مذمت۔ (تبیان القرآن ج ۲ ص ۲۸۰-۲۷۴)

قیامت تک وہی حج کرسکیں گے جنہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پکار پر لبیک کہا تھا

حج کا اعلان کرنے کے متعلق امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ نے یہ روایات ذکر کی ہیں:

حضرت ابن عباس رضی عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ آپ لوگوں میں حج کرنے کا اعلان کیجئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا اے میرے رب! ان سب لوگوں تک میری آواز کیسے پہنچے گی؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم اعلان کرو آواز پہنچانا میرا کام ہے' پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اعلان کیا اے لوگو! تم پر اس قدیم گھر کا حج فرض کر دیا گیا پس تم حج کرو' آسمان اور زمین کی تمام مخلوق نے اس اعلان کو سنا' کیا تم نہیں دیکھتے کہ زمین کے دور دراز علاقوں سے لوگ تلبیہ پڑھتے ہوئے حج کرنے کے لیے آتے ہیں۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۸۹۳۵' تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۳۸۷۷' المستدرک ج ۲ ص ۳۸۹-۳۸۸)

مجاہد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک پتھر پر کھڑے ہو کر ندا کی: اے لوگو! اللہ نے تمہارے اوپر حج فرض کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ ندا ان سب کو سنا دی جو مردوں کی پشت میں اور عورتوں کے رحموں میں تھے اور ان سب نے اس ندا کا جواب دیا جو اللہ کے علم میں قیامت تک حج کرنے والے تھے' انہوں نے کہا **لبیک اللھم لبیک**. (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۸۹۳۶' المستدرک ج ۲ ص ۵۵۲)

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سب سے اونچے پہاڑ پر کھڑے ہو کر حج کا اعلان کیا۔ اللہ تعالیٰ نے سات سمندروں کی گہرائی تک یہ اعلان سنوا دیا **لبیک اطعنا**' **لبیک اجبنا** ہم حاضر ہیں ہم نے اطاعت کی' ہم حاضر ہیں ہم نے قبول کیا' اور قیامت تک وہی حج کر سکے گا جس نے اس ندا پر لبیک کہا تھا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۳۸۸۲' جامع البیان رقم الحدیث: ۱۸۹۳۹)

مویشیوں کی قربانی کرنے کا طریقہ

الحج: ۲۸ میں فرمایا: تاکہ وہ اپنے فوائد کے مقامات پر حاضر ہوں اور مقررہ ایام میں ان بے زبان مویشیوں کو ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیں جو اس نے انہیں دیئے ہیں' پس تم ان میں سے خود کھاؤ اور مصیبت کے مارے فقیر کو بھی کھلاؤ۔

ان منافع سے مراد دنیاوی منفعت بھی ہے اور اُخروی منفعت بھی۔ دنیوی منفعت یہ ہے کہ سفر حج میں تجارت کر کے دنیا کا مال کمائیں اور اُخروی منفعت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو بخش دے۔ پھر فرمایا: ان بے زبان مویشیوں کو ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیں۔

اس آیت میں ذبح اور نحر کو اللہ کا نام لینے سے تعبیر فرمایا اور اس میں مشرکین کے طریقہ کی مخالفت ہے کیونکہ وہ ذبح کرتے وقت بتوں کا نام لیتے تھے۔ مقاتل نے کہا جب تم ذبح کرو تو قبلہ کی طرف منہ کر کے کہو **بسم اللہ واللہ اکبر**' **اللھم منک والیک** اے اللہ اس قربانی کی ابتداء اور انتہا تیری ہی طرف سے ہے' اور بعض نے کہا یہ بھی کہے:

ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین. بے شک میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت اللہ رب العلمین کے لیے ہے۔

گویا اس جانور کا خون بہا کر اس کی قربانی دینے والا خود اپنے آپ کو فدا کر رہا ہے اور اپنی جان کے بدلہ میں اس بکری یا اونٹنی کی قربانی دے رہا ہے۔

مسافروں اور حجاج پر قربانی کرنا واجب نہیں ہے

حج کے موقع پر جو قربانی کی جاتی ہے وہ حج تمتع یا حج قران کی قربانی ہوتی ہے اور یہ واجب ہے کیونکہ بندہ قربانی کر کے اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے کہ اللہ نے ایک سفر میں اس کو حج اور عمرہ کی دو عبادتیں عطا فرمائی ہیں' ورنہ مسافر اور حجاج پر دس ذی الحج کی قربانی واجب نہیں ہے۔ عالم گیری میں لکھا ہے:

مسافروں پر قربانی واجب نہیں ہے اور نہ حجاج پر جب کہ وہ محرم ہوں' خواہ وہ اہل مکہ میں سے ہوں۔

(فتاویٰ عالمگیری ج ۵ ص ۲۹۳' مطبوعہ مطبع امیریہ کبری بولاق مصر' ۱۳۱۰ھ)

علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

حج کرنے والے مسافر پر قربانی واجب نہیں ہے اور اہل مکہ اگر حج کریں تو ان پر قربانی لازم ہے اور ایک قول یہ ہے کہ لازم نہیں ہے۔ (سراج)

علامہ شامی نے کہا جوہرہ نیرہ میں بھی اسی طرح لکھا ہے۔

(الدر المختار ورد المختار ج ۹ ص ۳۸۲' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ھ نے لکھا ہے کہ حج کرنے والے پر قربانی نہیں ہے۔ حضرت ابوبکر' حضرت عمر اور متقدمین رضی اللہ عنہم سے اسی طرح مروی ہے' کیونکہ حج کرنے والے کو اصل میں ھدی پیش کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور جب وہ قربانی کرتا ہے تو اس کو ھدی بنا دیتا ہے' اور جو لوگ حج نہیں کرتے' انہیں اہل منیٰ کی مشابہت کی وجہ سے قربانی کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۱۲ ص ۴۵' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

قربانی کرنے کا وقت

اس میں بھی فقہاء کا اختلاف ہے کہ قربانی کے ایام کتنے ہیں؟ امام مالک کے نزدیک تین دن ہیں یوم الاضحیٰ (۱۰ ذوالحج) اور اس کے بعد دو دن۔ امام ابوحنیفہ اور امام احمد بن حنبل کا بھی یہی مسلک ہے۔ حضرت ابو ہریرہ اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما سے بھی یہی مروی ہے۔ امام شافعی کے نزدیک قربانی چار دن ہے' یوم الاضحیٰ اور اس کے بعد تین دن۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **فی ایام معلومات** اور یہ جمع کا صیغہ ہے لیکن اس میں تین دن متعین اور متفق علیہ ہیں اور چوتھا دن مشکوک اور مختلف فیہ ہے تو عبادت اس دن کرنی چاہیے جس دن اس کا قبول ہونا یقینی ہو۔

اس مسئلہ کی زیادہ تحقیق ہم نے شرح صحیح مسلم ج ۶ ص ۱۳۱-۱۳۰ میں کی ہے۔

حضرت جندب بن سفیان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں عید الاضحیٰ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا' آپ نے نماز پڑھی اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے دیکھا کہ نماز عید سے پہلے کچھ قربانیاں کر لی گئی تھیں۔ آپ نے فرمایا جس نے نمازِ عید سے پہلے قربانی کی ہے وہ اس کی جگہ دوسری قربانی کرے' اور جس نے پہلے ذبح نہیں کیا وہ اللہ کا نام لے کر قربانی کرے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۹۸۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۶۰' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۳۹۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۵۲)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اونٹوں کو نحر کیا (نحر کا معنی ہے' اونٹ کو کھڑا کر کے اس کے سینہ کے بالائی حصہ پر نیزہ مارنا) تو آپ نے اپنے ہاتھ سے تیس اونٹوں کو نحر کیا اور مجھے حکم دیا تو باقی اونٹوں کو میں نے نحر کیا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۷۶۴)

حضرت عبداللہ بن قرط رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے نزدیک سب سے عظیم دن یوم النحر (۱۰ ذوالحج) ہے پھر یوم القر ہے ثور نے کہا یہ قربانی کا دوسرا دن ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ یا چھ اونٹنیوں کی قربانی کی وہ سب اونٹنیاں آپ کے قریب ہو رہی تھیں کہ آپ کس اونٹنی سے ابتدا کرتے ہیں۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۷۶۵ صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۲۸۶۶ مسند احمد ج ۴ ص ۳۵۰ قدیم مسند احمد رقم الحدیث: ۱۹۲۸۵ عالم الکتب بیروت)

ہم اونٹنیوں کو نحر کرنے کے لیے باندھتے ہیں دو تین آدمی اس کو قابو میں رکھتے ہیں اور وہ اونٹنیاں از خود آپ کے سامنے گردنیں پیش کر رہی تھیں کہ آپ کس اونٹنی کو پہلے ذبح کرتے ہیں۔

ہمہ آہوانِ صحرا سرخود نہادہ برکف

بہ امید آنکہ روزے بشکار خواہی آمد

قربانی کا گوشت خود کھانے اور دوسروں کو کھلانے کا حکم

نیز فرمایا: پس تم ان میں سے خود کھاؤ اور مصیبت زدہ فقیر کو بھی کھلاؤ۔ قرآنِ مجید میں البائس الفقیر ہے البائس، الفقیر کی صفت ہے اور البائس کا معنی ہے شدید یعنی بہت محتاج اس لیے ہم نے اس کا معنی مصیبت زدہ فقیر کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قربانی کا گوشت کھانے کی اس لیے اجازت دی ہے کہ عرب اپنی قربانی کا گوشت خود نہیں کھاتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی مخالفت کرنے کا حکم دیا اور اس کی تبلیغ کرنے کا حکم دیا۔

حضرت عبداللہ بن واقد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن کے بعد قربانی کا گوشت کھانے سے منع فرمایا تھا۔ عبداللہ بن ابی بکر کہتے ہیں میں نے اس حدیث کا عمرۃ سے ذکر کیا انہوں نے کہا اس نے سچ کہا، میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دیہات کے کچھ فقراء غم گساری حاصل کرنے کے لیے عیدالاضحیٰ کے موقع پر آہستہ آہستہ چلتے ہوئے آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم تین دن تک قربانی کا گوشت رکھو پھر جو بچ جائے اس کو صدقہ کر دو، پھر اس کے بعد مسلمانوں نے کہا یا رسول اللہ! لوگ اپنی قربانی کی کھالوں سے مشکیں بناتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تم کیوں کہہ رہے ہو؟ مسلمانوں نے کہا آپ نے تین دن کے بعد قربانی کا گوشت کھانے سے منع فرمایا تھا۔ آپ نے فرمایا میں نے تم کو اس لیے منع کیا تھا کہ فقراء آتے ہیں پس تم قربانی کا گوشت کھاؤ، اس کو ذخیرہ کرو اور اس کو صدقہ کرو۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۷۱، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۸۱۲، سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۳۴۱)

اکثر فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ قربانی کے گوشت کے تین حصے کیے جائیں ایک حصہ خود کھائے اور اہل و عیال کو کھلائے، ایک حصہ احباب اور رشتہ داروں کو دے اور ایک حصہ فقراء کو صدقہ کر دے۔

تفث کا معنی

الحج: ۲۹ میں فرمایا: پھر وہ اپنا میل کچیل دُور کر دیں اور اپنی نذروں کو پورا کریں اور اس قدیم گھر کا طواف کریں۔

ہم نے تفث کا معنی میل کچیل کیا ہے اس کی کئی تفسیریں ہیں۔ اس کا ایک معنی ہے تمام مناسکِ حج ادا کرنا۔ اس کا دوسرا معنی ہے میل کچیل اپنے بدن سے زائل کر کے اس کو صاف کرنا۔ ازہری نے کہا اس کا معنی ہے مونچھیں تراشنا، ناخن کاٹنا، بغلوں اور زیرِ ناف بالوں کو مونڈنا۔ یہ حکم اس وقت ہے جب حج کرنے والا احرام کھول دے۔ النضر بن شمیل نے کہا تفث کا معنی ہے

بکھرے ہوئے غبار آلود بالوں کو درست کرنا۔

نذر کا لغوی اور اصطلاحی معنی اس کی شرائط اور اس کا شرعی حکم

قرآن مجید میں ہے:

یُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَیَخَافُوْنَ یَوْمًا کَانَ شَرُّہٗ مُسْتَطِیْرًا۝ (الدھر: ۷) جو لوگ اپنی نذروں کو پورا کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جب اس دن کی گرفت یا عذاب چاروں طرف پھیل جائے گا۔

اور سورۃ الحج کی اس آیت میں نذر پورا کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا ہے کہ نذر کو پورا کرنا واجب ہے۔

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ نذر کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

نذر یہ ہے کہ کسی واقعہ کے پیش آنے کی وجہ سے تم اپنے اوپر اس عبادت کو واجب کر لو جو تم پر پہلے واجب نہیں تھی اور تم یہ کہو کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے لیے اس عبادت کی نذر مانی ہے۔ (المفردات ج ۲ ص ۶۳۰، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

نذر کی سب سے عمدہ قسم یہ ہے کہ جب انسان کسی مرض سے شفا پا جائے تو کہے کہ مجھ پر نذر ہے کہ میں اللہ کے لیے اتنے روزے رکھوں گا یا مجھ پر نذر ہے کہ میں اللہ کا شکر ادا کرنے کے لیے اتنی چیزوں کو صدقہ کروں گا، اور اس نذر کو کسی چیز پر معلق نہ کرے، اور اسی کے قریب وہ نذر ہے جس میں کسی عبادت کو کسی کام پر معلق کیا جائے مثلاً یوں کہے کہ اگر اللہ نے میرے مریض کو شفا دے دی تو میں اتنے روزے رکھوں گا یا اتنی نمازیں پڑھوں گا۔ (یہ نذر ناپسندیدہ ہے جیسا کہ عنقریب واضح ہوگا' ان شاء اللہ) اس کے علاوہ اور بھی اقسام ہیں مثلاً کسی شخص کا غلام اس پر بوجھ بنا ہوا ہے تو وہ اس کو آزاد کرنے کی نذر مانتا ہے تاکہ اس سے اس کو چھٹکارہ مل جائے اور اس نذر سے عبادت کا قصد نہیں کرتا، یا جیسے کوئی شخص اپنے اوپر بہت سخت اور دشوار عبادتوں کی نذر مان لیتا ہے مثلاً وہ ایک ہزار نفل پڑھے گا یا مسلسل چھ ماہ کے روزے رکھے گا یا پیدل حج کرے گا اور یہ ایسے کام ہیں جن کے کرنے سے اس کو جسمانی ضرر ہوگا۔ اس قسم کی نذر ماننا مکروہ ہے اور بعض اوقات یہ کراہت تحریم تک پہنچ جاتی ہے۔

(فتح الباری ج ۱۳ ص ۴۴۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۲۰ھ)

علامہ محمد بن علی بن محمد حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

جس شخص نے نذر مطلق مانی (یعنی اس کو کسی کام پر معلق نہیں کیا مثلاً وہ کہے کہ میں اللہ کے لیے ایک سال کے روزے رکھنے کی نذر مانتا ہوں) یا اس نے نذر کو کسی شرط پر معلق کیا اور اس عبادت کی نذر مانی جو فرض یا واجب ہو اور وہ عبادتِ مقصودہ ہو، اس لیے مثلاً وضو اور میت کو کفن دینے کی نذر ماننا صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ عباداتِ مقصودہ نہیں ہے اور جب وہ شرط پائی جائے تو نذر ماننے والے پر اس نذر کو پورا کرنا واجب ہے کیونکہ حدیث میں ہے جس شخص نے کسی عبادت کی نذر مانی تو اس پر اس نذر کو پورا کرنا واجب ہے، جیسے روزے، نماز، صدقہ اور اعتکاف اور جس عبادت کی جنس سے کوئی عبادت فرض نہ ہو اس کو پورا کرنا واجب نہیں ہے جیسے مریض کی عیادت کرنا، جنازہ کے ساتھ جانا اور مسجد میں داخل ہونا خواہ مسجد نبوی ہو۔ اور البحر الرائق میں نذر کی پانچ شرائط ذکر کی ہیں:

(۱) جس کام کی نذر مانی ہے وہ کام لذاتہٖ معصیت اور گناہ نہ ہو اس لیے عید الاضحیٰ کے دن روزہ رکھنے کی نذر ماننی صحیح ہے کیونکہ وہ معصیت لغیرہٖ ہے۔

(۲) اور جس عبادت کی نذر مانی ہے وہ اس پر نذر سے پہلے واجب نہ ہو مثلاً اگر کسی شخص نے حجۃ الاسلام کی نذر مانی تو اس نذر سے اس پر حج واجب نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ اس کی نذر ماننے سے پہلے ہی واجب ہے۔

(۳) جس چیز کو عبادت میں خرچ کرنے کی نذر مانی ہے وہ اس کی ملکیت سے زائد نہ ہو یا وہ چیز کسی اور کی ملکیت میں نہ ہو۔ مثلاً اس نے ایک ہزار روپے صدقہ کرنے کی نذر مانی اور اس کے پاس صرف سو روپے ہیں تو اس پر صرف سو روپے صدقہ کرنے واجب ہوں گے۔

(۴) جس عبادت کی نذر مانی ہے اس کا کرنا محال نہ ہو۔ مثلاً اگر اس نے گزشتہ کل کے روزے یا اعتکاف کی نذر مانی تو اس کی یہ نذر صحیح نہیں ہے۔

(۵) اگر اس نے صاحب نصاب پر صدقہ کرنے کی نذر مانی تو یہ نذر صحیح نہیں ہے الا یہ کہ وہ مسافر صاحب نصاب پر صدقہ کرنے کی نیت کرے' اور اگر اس نے ہر نماز کے بعد تسبیحات پڑھنے کی نذر مانی تو یہ نذر لازم ہوگی اور اگر اس نے یہ نذر مانی کہ وہ ہر روز اتنی مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھے گا تو اس پر یہ نذر لازم ہو جائے گی۔ (اس کی توجیہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنا زندگی میں ایک مرتبہ فرض ہے۔ اسی طرح تسبیحات کی جنس سے بھی ایام تشریق میں تکبیرات تشریق کو پڑھنا واجب ہے۔)

(رد المحتار ج ۵ ص ۴۱۵-۴۱۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۰ھ)

نذر کے احکام سے متعلق احادیث

نذر پورا کرنے کے وجوب کے متعلق یہ احادیث ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے زمانہ جاہلیت میں ایک رات مسجد حرام میں اعتکاف کرنے کی نذر مانی تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی نذر پوری کرو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۶۹۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۵۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳۶۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۵۳۹' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۸۲۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۷۷۲)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو میرے قرن (زمانہ) میں ہیں پھر وہ لوگ ہیں جو ان کے قریب ہیں پھر وہ لوگ ہیں جو ان کے قریب ہیں' پھر ان کے بعد ایک ایسی قوم آئے گی جو نذر مانیں گے اور اس کو پورا نہیں کریں گے' وہ خیانت کریں گے اور امانت داری نہیں کریں گے' وہ شہادت دیں گے اور ان سے شہادت طلب نہیں کی جائے گی اور ان میں موٹاپا ظاہر ہوگا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۶۹۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۳۵' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۸۰۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۵۷' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۲۲)

معصیت کی نذر کو پورا نہ کرنے کے متعلق یہ حدیث ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اللہ کی اطاعت کی نذر مانی ہے وہ اللہ کی اطاعت کرے' اور جس شخص نے اللہ کی معصیت کی نذر مانی ہے وہ اللہ کی معصیت نہ کرے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۶۹۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۲۸۹' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۸۷۳' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۵۲۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۱۲۶' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۳۸۷' موطا امام مالک رقم الحدیث: ۲۹۳' سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۳۳۳' مسند احمد رقم

الحدیث: ۶۷۵۷، ۲۳۴۵۷ عالم الکتب بیروت)

اپنے نفس کو مشقت میں ڈالنے والے کاموں کی نذر کی ممانعت میں یہ احادیث ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا' اس کے گلے میں رسی باندھی ہوئی تھی اور وہ طواف کر رہا تھا' آپ نے اس کی وہ رسی کاٹ دی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۷۰۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳۰۲' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۹۲۰' مسند احمد رقم الحدیث: ۳۴۴۳' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۵۸۶۱' ۱۵۸۶۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے' آپ نے دیکھا ایک آدمی (دھوپ میں) کھڑا ہوا ہے۔ آپ نے اس کے متعلق پوچھا صحابہ نے بتایا کہ اس نے نذر مانی تھی کہ یہ کھڑا رہے گا اور بیٹھے گا نہیں اور سائے میں نہیں رہے گا اور یہ بات نہیں کرے گا اور روزے رکھے گا۔ آپ نے فرمایا اس سے کہو کہ باتیں کرے اور سائے میں رہے اور بیٹھے اور اپنا روزہ پورا کرے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۷۰۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص کے پاس سے گزرے اور وہ کعبہ کا طواف کر رہا تھا' اس کی ناک میں نکیل پڑی ہوئی تھی اور دوسرا شخص اس کو پکڑ کر کھینچ رہا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے اس نکیل کو کاٹ دیا اور اس شخص سے فرمایا اس کا ہاتھ پکڑ کر لے جاؤ۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۷۰۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳۰۲' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۹۲۰' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۵۸۶۱' مسند احمد رقم الحدیث: ۳۴۴۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت عقبہ بن عامر کی بہن نے یہ نذر مانی ہے کہ وہ پیدل حج کرے گی' آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس کی اس نذر سے مستغنی ہے' اس سے کہو کہ سوار ہو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۲۹۷)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا ایک شخص اپنے دو بیٹوں کے درمیان سہارے سے چل رہا تھا۔ آپ نے اس کا سبب دریافت کیا لوگوں نے بتایا اس نے پیدل چلنے کی نذر مانی ہے۔ آپ نے فرمایا اس شخص نے اپنے آپ کو جس عذاب میں مبتلا کیا ہوا ہے اللہ تعالیٰ اس سے مستغنی ہے' اس سے کہو کہ سوار ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۸۶۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۴۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳۰۱' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۵۳۷' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۸۶۱' ۳۸۶۲)

جس چیز کا انسان مالک نہ ہو' اس کی نذر ماننے سے ممانعت کے متعلق یہ حدیث ہے:

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث مروی ہے اس کے آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے: اللہ تعالیٰ کی معصیت میں نذر کو پورا کرنا جائز نہیں ہے اور نہ اس چیز کی نذر ماننا جائز ہے جس کا ابن آدم مالک نہیں ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۴۱' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳۱۶' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۵۶۸' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۸۵۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۱۲۴)

اپنے کل مال کو صدقہ کرنے کی نذر کی ممانعت کے متعلق یہ احادیث ہیں:

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے کہا یارسول اللہ! میری توبہ یہ ہے کہ میں اپنا کل مال اللہ اور اس کے رسول کی طرف صدقہ کردوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اپنا بعض مال روک لو یہ تمہارے لیے بہتر ہے گا میں نے کہا خیبر میں جو میرا حصہ ہے میں اس کو رکھ لیتا ہوں۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳۱۷ سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۸۲۳)

حضرت ابولبابہ نے کہا میری توبہ یہ ہے کہ میں اپنی قوم کے اس گھر کو چھوڑ دوں جس میں میں نے گناہ کیا تھا اور میں اپنے تمام مال کو اللہ کے لیے صدقہ کردوں' آپ نے فرمایا تمہارے لیے تہائی مال کو صدقہ کرنا کافی ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳۱۹)

جس کام کو کرنا انسان کی طاقت میں نہ ہو اس کی نذر ماننے کی ممانعت کے متعلق یہ حدیث ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جس شخص نے کوئی نذر مانی اور اس کو معین نہیں کیا' اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے اور جس نے گناہ کرنے کی نذر مانی' اس کا کفارہ (بھی) قسم کا کفارہ ہے' اور جس نے ایسے کام کی نذر مانی جس کی وہ طاقت نہیں رکھتا اس کا کفارہ (بھی) قسم کا کفارہ ہے اور جس نے ایسی عبادت کی نذر مانی ہے جس کی وہ طاقت رکھتا ہے وہ اس نذر کو پورا کرے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳۲۲ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۱۲۸)

ورثاء میت کی نذر پوری کریں' اس کے متعلق یہ احادیث ہیں:

حضرت سعد بن عبادہ انصاری رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس نذر کے متعلق سوال کیا جو ان کی ماں پر تھی اور وہ اس نذر کو پوری کرنے سے پہلے فوت ہوگئیں آپ نے فرمایا وہ اپنی ماں کی طرف سے یہ نذر پوری کریں' پھر ان کے بعد یہ طریقہ مقرر ہوگیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۶۹۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۳۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳۰۷' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۸۱۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۱۳۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آ کر کہا میری بہن نے حج کرنے کی نذر مانی تھی اور وہ فوت ہوچکی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر اس پر قرض ہوتا تو کیا تم اس قرض کو ادا کرتے؟ اس نے کہا جی ہاں! فرمایا تو پھر اللہ کا قرض ادا کرو' وہ ادا کیے جانے کے زیادہ مستحق ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۶۹۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۸۰۹' سنن دارمی رقم الحدیث: ۱۸۴۰' مسند حمیدی رقم الحدیث: ۵۰۷' موطا امام مالک رقم الحدیث: ۲۳۶' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۲۶۶)

نذر کے ناپسندیدہ ہونے کے متعلق احادیث:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نذر ماننے سے منع فرمایا اور فرمایا نذر کسی چیز کو ٹال نہیں سکتی اور نذر بخیل سے عبادت نکالتی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۶۰۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۳۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۲۸۷' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۸۰۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۱۲۲' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۵۸۴۶' سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۳۴۵' مسند احمد رقم الحدیث: ۵۲۷۵)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نذر ماننے سے ابن آدم کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں آسکتی جو اس سے پہلے مقدر نہ ہوچکی ہو لیکن تقدیر اس کے لیے وہ چیز لے آتی ہے جو اس کے لیے پہلے مقدر ہوچکی

ہو نذر بخیل سے اس کی عبادت کو نکالتی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۶۰۹' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۵۳۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۲۸۸' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۸۰۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۱۲۳' مسند احمد رقم الحدیث: ۷۲۹۵)

نذر ماننے کی ممانعت کے متعدد محامل اور توجیہات

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی اندلسی متوفی ۵۴۴ ھ لکھتے ہیں:

امام مازری رحمہ اللہ نے کہا اس حدیث سے غرض یہ ہے کہ نذر کی حفاظت کی جائے اور اس کو لازماً پورا کیا جائے اور میرے نزدیک یہ توجیہ ظاہر حدیث سے بعید ہے' اور میرے نزدیک ممانعت کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ عبادت کی نذر ماننے والا اپنا مقصد پورا کرنے کے بعد اس عبادت کو جرمانہ' تاوان اور سزا کے طور پر ادا کرتا ہے' کیونکہ اب اس کو اس عبادت کے کرنے اور نہ کرنے کا اختیار نہیں رہا وہ اس پر لازم اور واجب ہو گئی' اور ہر وہ کام جس میں انسان پر جبر ہو وہ اس کو خوشی سے نہیں کرتا' اور امام مالک کے نزدیک یہ مکروہ ہے کہ انسان کسی معین دن کا روزہ مان لے اور ہمارے مشائخ نے اس کراہت کی یہی وجہ بیان کی ہے۔

اور حدیث میں نذر ماننے کی ممانعت کی یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ نذر ماننے والے نے جب تک نذر نہیں مانی تھی اس وقت تک اس نے وہ عبادت نہیں کی تھی' اور وہ اس شرط پر اس عبادت کو کرتا ہے کہ اس کا وہ کام ہو جائے جس کے لیے اس نے اس عبادت کی نذر مانی تھی' اور اس کی یہ عبادت گویا کہ اس کے کام کا معاوضہ ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ کے تقرب کی زینت خراب ہو جاتی ہے اور وہ اجر نہیں ملتا جو خالص عبادت پر ملتا ہے' اور حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: میں تمام شرکاء کے شرک سے مستغنی ہوں اور جس شخص نے کوئی ایسا عمل کیا جس میں میرے غیر کو شریک کیا' میں اس عمل کو اور اس کے شرک کو ترک کر دیتا ہوں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۸۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۰۲' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۹۵' مسند احمد ج ۲ ص ۳۰۱)

اس تاویل کی طرف آپ کی اس حدیث میں اشارہ ہے کہ ''نذر کسی خیر کو نہیں لاتی'' اور اس حدیث میں اشارہ ہے: نذر تقدیر سے مستغنی نہیں کرتی' اور اس حدیث میں اشارہ ہے کہ نذر کبھی تقدیر کے موافق ہو جاتی ہے پھر بخیل سے وہ عبادت نکالتی ہے جس کو بخیل نکالنا نہیں چاہتا تھا۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۵ ص ۳۸۷' مطبوعہ دار الوفاء بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

احادیث میں نذر سے ممانعت کا ذکر بہت آیا ہے اور یہ نذر کی تاکید اور اس میں نذر کے واجب ہونے کے بعد اس کو پورا کرنے میں سستی سے ڈرانا ہے' اور اگر اس سے مقصود نذر سے جھڑکنا ہوتا حتیٰ کہ نذر نہ مانی جائے تو اس میں نذر کے حکم کو باطل کرنا ہوتا اور اس کو پورا کرنے کے لزوم کو ساقط کرنا ہوتا' کیونکہ ممانعت کے بعد نذر ماننا گناہ ہوتا اور اس کو پورا کرنا لازم نہ ہوتا' اور ممانعت کی احادیث کی توجیہ یہ ہے کہ لوگوں کو یہ بتایا جائے کہ نذر ان کے مقصود کو جلد کھینچ کر نہیں لاتی اور نہ ان سے جلد کسی ضرر کو دُور کرتی ہے اور نہ ان سے قضا اور تقدیر کو ٹالتی ہے' تو گویا آپ نے فرمایا تم اس طرح نذر نہ مانو گویا تم نذر مان کر اس چیز کو حاصل کر لو گے جو تمہارے لیے مقدر نہیں کی گئی یا تم نذر سے کسی ایسی مصیبت کو دُور کر دو گے جو تمہارے لیے مقدر ہو چکی ہے۔ پس جب تم اس قسم کے اعتقاد سے نذر نہیں مانو گے تو پھر تم اس نذر کو پورا کرو کیونکہ تم نے جس عبادت کی نذر مان لی ہے وہ تم پر لازم ہے۔ (النہایہ ج ۵ ص ۳۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ' معالم السنن للخطابی مع مختصر سنن ابوداؤد ج ۴ ص ۳۷۰)

علامہ ابو العباس احمد بن عمر بن ابراہیم القرطبی المالکی المتوفی ۶۵۶ ھ لکھتے ہیں:

اس کا محل یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے یہ کہا کہ اگر اللہ نے میرے مریض کو شفا دے دی یا میرے گم شدہ آدمی کو لوٹا دیا تو میں ایک غلام آزاد کروں گا یا اتنی چیز صدقہ کروں گا یا اتنے روزے رکھوں گا۔ اس نذر سے ممانعت کی توجیہ یہ ہے کہ جب اس نے اس عبادت کو اپنی کسی غرض کے جلد پورا ہونے پر موقوف کر دیا تو اس سے ظاہر ہو گیا کہ اس کی نیت اس عبادت سے محض اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنا نہیں تھی بلکہ اس نے اپنی غرض پوری کرنے کے عوض میں اس عبادت کی نیت کی تھی۔ کیا تم کو یہ معلوم نہیں کہ اگر اس کی وہ غرض پوری نہیں ہوئی تو پھر وہ اس عبادت کو نہیں کرے گا' اور یہی بخیل کا حال ہوتا ہے اس کے مال سے کوئی چیز اس وقت تک نہیں نکالی جا سکتی جب تک اسے اس چیز کا جلد معاوضہ نہ حاصل ہو جائے' اور اس معنی کی طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اشارہ فرمایا ہے: نذر کے سبب سے بخیل سے اس عبادت کو نکالا جاتا ہے جس کو بخیل نہیں نکالتا' پھر اس کے ساتھ جاہل کا یہ اعتقاد مل جاتا ہے کہ نذر اس کی غرض کے حصول کو واجب کر دیتی ہے یا اللہ تعالیٰ اس نذر کی وجہ سے اس کی غرض کو پورا کر دیتا ہے اور ان ہی دو علتوں کی طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اس حدیث میں اشارہ فرمایا ہے: بے شک نذر اللہ کی تقدیر سے کسی چیز کو ٹال نہیں سکتی' اور یہ دونوں جہالتیں ہیں البتہ پہلی جہالت کہ نذر اللہ تعالیٰ پر غرض پورا کرنا واجب کر دیتی ہے کفر کے قریب ہے' اور دوسری جہالت یعنی اللہ تعالیٰ نذر کی وجہ سے اس کی غرض پوری کرتا ہے' اس کے اعتقاد میں خطاء صریح ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ پھر نذر کا ماننا حرام ہے یا مکروہ ہے؟ تو علماء کا معروف مذہب یہ ہے کہ نذر ماننا مکروہ ہے' اور میں کہتا ہوں کہ میرے نزدیک ظاہر یہ ہے کہ جس کے حق میں اس فاسد اعتقاد کا خطرہ ہو' اس کا نذر ماننا حرام ہے اور جس کا یہ اعتقاد نہ ہو اس کا نذر ماننا مکروہ ہے۔ بہر حال جب بھی نذر مانی جائے خواہ وہ کسی طرح ہو' اس کو پورا کرنا واجب ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اللہ کی اطاعت کی نذر کی وہ اس کی اطاعت کرے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۶۹۶)

(المفہم ج ۴ ص ۶۰۷-۶۰۶' مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

نذر ماننے کے متعلق مصنف کی تحقیق

ہمارے نزدیک اگر نذر اس فاسد اعتقاد کے ساتھ مانی ہے جس کی علامہ قرطبی نے تفصیل کی ہے تو پھر نذر کا ماننا حرام ہے یا مکروہ ہے' اور اگر اس نے عبادت کو اپنی کسی شرط پر معلق کیا ہے مثلاً اس کی بیماری دور ہو جائے لیکن اس کا یہ اعتقاد نہیں ہے کہ اس نذر کی وجہ سے اس کا کام ضرور ہو جائے گا یا اس کی تقدیر بدل جائے گی تو پھر اس نذر کا ماننا مکروہ تنزیہی یا خلاف اولیٰ ہے' کیونکہ بہر حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی نذر ماننے سے منع فرمایا ہے۔ البتہ اگر اس نے بغیر کسی شرط کے محض اللہ کی محبت میں اور اس کی عبادت کے شوق میں نذر مانی ہے مثلاً میں فلاں دن کا روزہ رکھوں گا یا فلاں دن اتنے نفل پڑھوں گا یا اس سال حج کروں گا تو ایسی نذر ماننا مستحب ہے اور اس نذر کو بھی پورا کرنا واجب ہے' اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اسی نذر کی تعریف اور تحسین فرمائی ہے:

يُوفُونَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا ۝ (الدھر: ۷)

جو لوگ اپنی نذروں کو پورا کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جب اس دن کی گرفت یا عذاب چاروں طرف پھیل جائے گا۔

امام ابن جریر نے مجاہد سے اس کی تفسیر میں روایت کیا جب وہ اللہ کے حق میں نذر مانیں۔

قتادہ نے کہا جو لوگ نماز' روزہ' حج' عمرہ اور دیگر فرائض کی اللہ کی اطاعت میں نذر مانتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے ان کا نام ابرار رکھا ہے۔ (جامع البیان جز ۲۹ ص ۲۵۹' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

طواف کی اقسام

الحج: ۲۹ کے اخیر میں فرمایا اور اس قدیم گھر کا طواف کریں۔

طواف کی تین قسمیں ہیں طواف قدوم' طواف زیارت اور اس کو طواف افاضہ بھی کہتے ہیں اور طواف وداع اس کو طواف صدر بھی کہتے ہیں' جو حج کرنے والا مسافر ہو اس کے لیے طواف قدوم سنت ہے اور طواف زیارت ہر حج کرنے والے پر فرض ہے اور طواف وداع' حج کرنے والے مسافر پر واجب ہے۔

علامہ علاء الدین حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ طواف قدوم کے متعلق لکھتے ہیں:

اور بیت اللہ کا طواف قدوم کرے اور یہ باہر سے آ کر حج کرنے والے کے لیے سنت ہے کیونکہ وہ بیت اللہ میں قدم رکھنے والا ہے' اس طواف کی ابتداء طواف کرنے سے پہلے کعبہ کے دروازہ کے قریب اپنی دائیں جانب سے کرے اس طرح بیت اللہ اس کی بائیں جانب ہو جائے گا۔ طواف شروع کرنے سے پہلے اپنے احرام کی چادر اپنی دائیں بغل کے نیچے سے نکال کر بائیں کندھے کے اوپر ڈال لے اور حطیم کے پیچھے سے طواف کرے اور سات بار کعبہ کے گرد چکر لگائے اور پہلے تین چکروں میں رمل کرے یعنی تیز تیز چلے' اور ہر چکر میں طواف حجر اسود سے شروع کر کے حجر اسود پر ختم کرے' اور جب بھی حجر اسود کے سامنے سے گزرے تو تعظیم کرے اگر ممکن ہو تو اس کو بوسہ دے یا چھوئے یا اس کی طرف دونوں ہاتھ اُٹھا کر اس طرح اشارہ کرے گویا اس کو پکڑ رہا ہے' اور رُکن یمانی کی بھی تعظیم کرے اور یہ مستحب ہے لیکن بوسہ دینے کے بغیر۔ امام محمد نے کہا یہ سنت ہے اور رُکن یمانی کو بھی بوسہ دے اور دلائل اس کے سنت ہونے اور اس کو بوسہ دینے کی تائید کرتے ہیں۔ (علامہ شامی نے کہا ہے کہ رُکن یمانی کو صرف دائیں ہاتھ سے چھوئے اور بوسہ نہ دے۔ یہی ظاہر الروایہ ہے' الکافی' الھدایہ' البدائع وغیرہ معتبر کتب میں مذکور ہے کہ رُکن یمانی کو بوسہ نہ دے اور امام محمد کی طرف جو قول منسوب ہے' وہ ضعیف ہے) اور حجر اسود اور رُکن یمانی کے علاوہ باقی ارکان (کعبہ کے باقی دو کونے) کی تعظیم کرنا مکروہ ہے اور حجر اسود کی تعظیم کرتے ہوئے طواف کو ختم کرے پھر مقام ابراہیم کے پاس دو رکعت نماز پڑھے۔ (الدر المختار مع رد المحتار ج ۳ ص ۴۵۴-۴۴۸' مختصراً' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۰ھ)

طواف زیارت یہ ہے کہ ایام نحر (دس' گیارہ' بارہ ذوالحج) میں سے کسی دن کعبہ کے گرد سات چکر لگائے اور اس میں رمل نہ کرے اور نہ اس کے بعد سعی کرے اگر اس سے پہلے سعی کر چکا ہے ورنہ رمل بھی کرے اور سعی بھی کرے۔ اس کا افضل وقت دس ذوالحج کو نماز فجر کے بعد ہے اور اس کا وقت آخر عمر تک رہتا ہے۔ (علامہ شامی نے کہا ہے اگر اس نے بغیر عذر کے ۱۲ ذوالحج کے بعد طواف زیارت کیا تو وہ گناہ گار ہوگا) طواف زیارت سے قبل جب اس نے حلق کرا لیا (سر منڈا لیا یا بال کٹوا لیے) تو اس کی بیوی اس پر حلال ہو جائے گی اور ایام نحر کے بعد اگر طواف زیارت کیا تو یہ مکروہ تحریمی ہے اور اس پر دم واجب ہوگا (ایک بکری ذبح کرنا ہوگی) اور یہ بہ قدر امکان ہے' اگر عورت کو حیض آیا ہوا ہو یا کوئی اور عذر ہو تو طواف زیارت کو بغیر کراہت اور وجوب دم کے مؤخر کیا جا سکتا ہے۔ (الدر المختار مع رد المحتار ج ۳ ص ۴۷۸-۴۷۶' ملخصاً' بیروت)

جب حج کرنے والا مکہ مکرمہ سے سفر کرنے کا ارادہ کرے تو پھر کعبہ کا الوداعی طواف کرے' اس کو طواف وداع اور طواف صدر کہتے ہیں۔ اس میں کعبہ کے گرد سات بار چکر لگائے نہ رمل کرے اور نہ سعی کرے۔ یہ اہل مکہ کے علاوہ ہر حج کرنے والے پر واجب ہے اور اہل مکہ کے لیے مستحب ہے۔ (الدر المختار مع رد المحتار ج ۳ ص ۴۸۳-۴۸۲' مختصراً' بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہی حکم ہے' اور جو اللہ کی حرمت والی چیزوں کی تعظیم کرے گا تو اس کے رب کے نزدیک اس کے لیے بہتر ہے' اور تمہارے لیے سب مویشی حلال کر دیئے گئے سوا ان کے جو تم پر تلاوت کیے جاتے ہیں' سو تم بتوں کی نجاست سے

اجتناب کرو اور جھوٹی بات سے پرہیز کرو ○ ہر باطل سے الگ صرف اللہ کے ہو کر رہو' کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ بناتے ہوئے' اور جس نے کسی کو اللہ کا شریک قرار دیا وہ گویا آسمان سے گر گیا پھر اسے مردار خور پرندے جھپٹ لیتے ہیں یا آندھی اس کو کسی دور جگہ پھینک دیتی ہے ○ یہی حق ہے' اور جس نے اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کی تو بے شک یہ دلوں کے تقویٰ (کے آثار) سے ہے ○ تمہارے لیے ان مویشیوں میں مدت معین تک فوائد ہیں پھر ان کو ذبح کرنے کا مقام قدیم گھر کی طرف ہے ○

(الحج: ٣٣-٣٠)

کافر کی روح نکلنے کی کیفیت

حرمات سے مراد مناسکِ حج ہیں۔ یعنی حج کی مخصوص عبادات' اس کا معنی ہے ان عبادات کی تعظیم کی جائے اور جن جگہوں پر وہ عبادات کی جاتی ہیں ان جگہوں کی تعظیم کی جائے۔ ابن زید نے کہا حرمات سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کے فرائض' واجبات اور مستحبات پر عمل کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کے احکام پر سرعت کے ساتھ عمل کرنا' ان احکام کے بجا لانے میں سستی کرنے سے بہتر ہے۔

پھر فرمایا اور تمہارے لیے سب مویشی حلال کر دیئے گئے ہیں یعنی اونٹ' گائے اور بکری وغیرہ کا کھانا تمہارے لیے حلال کر دیا گیا ہے سوا ان کے جو تم پر تلاوت کیے جاتے ہیں۔ یعنی قرآنِ مجید میں جن کا کھانا حرام کر دیا ہے' اور یہ مردار اور چوٹ لگنے سے مرا ہوا وغیرہ ہیں جن کا المائدہ: ٣ میں تفصیل سے ذکر فرمایا ہے۔ اسی طرح اگر غیر محرم نے خصوصیت کے ساتھ محرم کے لئے جانور کو شکار کیا تو اس محرم کے لیے اس جانور کا کھانا حرام ہے۔

اس کے بعد فرمایا سو تم بتوں کی نجاست سے اجتناب کرو اور جھوٹی بات سے پرہیز کرو' رجس ناپاک چیز کو کہتے ہیں اور عرب پتھر کی مورتیوں اور لکڑی' لوہے' سونے اور چاندی کے بنائے ہوئے جسموں کی پوجا کرتے تھے اور نصاریٰ صلیب کو نصب کر کے اس کی تعظیم اور اس کی عبادت کرتے تھے۔

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میرے گلے میں سونے کی صلیب لٹکی ہوئی تھی۔ آپ نے فرمایا: اے عدی! اس بت کو اپنے گلے سے اُتار کر پھینک دو۔ الحدیث

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ٣٠٩٥' المعجم الکبیر ج ١٧ رقم الحدیث: ٢١٩' ٢١٨)

بتوں کو نجس اس سے فرمایا کہ جس طرح نجاست صرف پانی سے زائل ہوتی ہے' اسی طرح بتوں کی پرستش کا کفر اور عذاب صرف توبہ اور ایمان سے زائل ہوتا ہے۔

اور فرمایا قول الزور سے اجتناب کرو۔ زور کا معنی باطل اور کذب ہے اور اللہ کا شریک بنانا بھی باطل اور زور ہے۔

حضرت فاتک اسدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر نماز سے فارغ ہونے کے بعد ایک جگہ پر کھڑے ہو کر تین بار فرمایا: جھوٹی گواہی کو اللہ کے ساتھ شریک بنانے کے برابر قرار دیا گیا ہے پھر آپ نے یہ آیت پڑھی:

واجتنبوا قول الزور حنفاء لله غير مشركين به. اور جھوٹی بات سے پرہیز کرو اور ہر باطل سے الگ صرف اللہ کے ہو کر رہو۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٣٥٩٩' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٢٣٧٢)

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا: کیا میں تم کو سب سے بڑا (کبیرہ) گناہ نہ بتاؤں؟ صحابہ نے کہا کیوں نہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: اللہ کا شریک بنانا' ماں باپ کی نافرمانی کرنا۔ آپ پہلے تکیہ لگائے ہوئے تھے پھر آپ بیٹھ گئے اور فرمایا سنو اور قول الزور (جھوٹی بات) آپ بار بار یہ فرماتے رہے حتیٰ کہ ہم نے سوچا

کاش آپ سکوت فرمائیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ٢٦٥٤، صحیح مسلم رقم الحدیث: ٨٧، سنن الترمذی رقم الحدیث: ١٩٠١)

حنفاء للہ کا معنی ہے اللہ کے دین پر مستقیم رہتے ہوئے اور ادیانِ باطلہ سے اعراض کرتے ہوئے اور دینِ حق کی طرف مائل ہوتے ہوئے۔

اور فرمایا: اور جس نے کسی کو اللہ کا شریک قرار دیا وہ گویا آسمان سے گر گیا' یعنی وہ شخص قیامت کے دن اس شخص کی طرح ہوگا جو اپنے نفس کے لیے کسی نفع کا مالک ہو اور نہ اپنے نفس سے کسی ضرر اور عذاب کو دُور کر سکے' اور فرمایا پھر اس کو مردار خور پرندے جھپٹ لیتے ہیں یعنی اس پر اپنے پنجے مارتے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ کیفیت اس وقت ہوگی جب اس کی روح نکلے گی اور فرشتے اس کی روح کو لے کر آسمانِ دنیا کی طرف جائیں گے تو اس کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور فرشتے کہیں گے اس کو دُور لے جاؤ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۔ (الملک: ١١)

اس آیت کا مصداق یہ حدیث ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کسی شخص پر موت آئے تو فرشتے اس کے پاس آ کر کہتے ہیں: اے پاکیزہ روح جو پاک جسم میں تھی تو تحسین کیے ہوئے حال میں باہر نکل آ' اور خوشیوں کی بشارت لے اور رب کے راضی ہونے اور ناراض نہ ہونے کی۔ اس سے یونہی کہا جاتا رہے گا حتیٰ کہ روح باہر نکل آئے گی پھر فرشتے اس روح کو لے کر آسمان کی طرف جائیں گے اور اس کے لیے آسمان کو کھول دیا جائے گا' پھر کہا جائے گا یہ کون ہے؟ تو فرشتے بتائیں گے یہ فلاں بن فلاں ہے۔ اس سے کہا جائے گا اس پاکیزہ روح کو مرحبا ہو جو پاکیزہ جسم میں تھی پھر یونہی کہا جاتا رہے گا حتیٰ کہ (اس کو لے کر) اس آسمان میں پہنچیں گے جس میں اللہ تعالیٰ ہے (یعنی اس کی خاص رحمت ہے) اور اگر بدکار شخص پر موت آئے تو فرشتے کہیں گے اے خبیث روح! جو خبیث جسم میں تھی' مذمت کیے ہوئے حال میں اس جسم سے باہر نکل' تجھے دوزخ کی' گرم کھولتے ہوئے پانی اور اس طرح اور عذاب کی بشارت ہو۔ اس سے یونہی کہا جاتا رہے گا حتیٰ کہ اس کی روح اس جسم سے باہر نکل آئے گی' پھر فرشتے اس کو لے کر آسمان کی طرف جائیں گے کہا جائے گا: یہ کون ہے؟ فرشتے کہیں گے یہ فلاں ہے پھر کہا جائے گا یہ خبیث روح جو خبیث جسم میں تھی اس کو مرحبا نہ ہو۔ تو مذمت کیے ہوئے حال میں واپس جا' تیرے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے' پھر اس کو آسمان سے نیچے بھیج دیا جائے گا اور وہ قبر میں چلی جائے گی۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٤٢٦٢، مسند احمد ج ٢ ص ١٣٩، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ٣٣٨٧)

شعائر اللہ کے معنی اور مصداق کی تحقیق

الحج: ٣٢ میں ہے: اور جس نے اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کی تو بے شک یہ دلوں کے تقویٰ کے آثار سے ہے۔

مشعرہ کے معنی نشانی اور اشعار کا معنی علم میں لانا ہے۔ شعائر شعیرہ کی جمع ہے' شعیرہ اس نشانی کو کہتے ہیں جو اس چیز کو بتاتی ہے جس چیز کے لیے اس کو نشانی بنایا گیا ہے۔ اشعار بدنہ کے معنی یہ ہیں اونٹ پر ایسا نشان بنا دو جس سے پتا چلے کہ وہ ھدی (قربانی کا جانور) ہے۔ اس بناء پر کہا گیا ہے کہ مناسکِ حج کی تمام علامات کو شعائر حج کہتے ہیں جن میں کعبہ کا طواف' صفا اور مروہ کی سعی' رمی جمار اور زمزم کے پانی کو قبلہ رو کھڑے ہو کر ادب سے پینا بھی شعائر اللہ کی تعظیم میں داخل ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ شعائر اللہ کا معنی ہے اللہ کی نشانیاں' اللہ کے نام کی چیزیں' اور ایک قول یہ ہے کہ جو چیزیں عبادت کی جگہ ہوں یا عبادت کا زمانہ ہوں یا عبادت کے کام ہوں' وہ سب شعائر اللہ ہیں۔ جگہ کے اعتبار سے کعبہ' میدانِ عرفات' مزدلفہ' جمار ثلاثہ' صفا اور مروہ' منیٰ اور تمام مساجد شعائر اللہ ہیں' اور زمانہ کے اعتبار سے' رمضان' حرمت والے مہینے (ذوالقعدہ' ذوالحج' محرم اور رجب)

عید الفطر، عید الاضحیٰ، جمعہ اور ایام تشریق یہ سب شعائر اللہ ہیں، اور عبادت کے افعال مثلاً اذان، اقامت، نماز کی جماعت، نماز جمعہ، نماز عیدین یہ سب شعائر اللہ ہیں۔

امام ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ محمد بن موسیٰ سے روایت کیا ہے کہ عرفات اور مزدلفہ میں وقوف کرنا شعائر اللہ میں سے ہے، اور شیطانوں کو کنکریاں مارنا شعائر اللہ میں سے ہے، اور قربانی کے اونٹ (ھدی) شعائر اللہ میں سے ہیں، اور جو شخص ان کی تعظیم کرے گا وہ اس کے دل میں تقویٰ کا اظہار ہے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۹۰۱۷)

ابن زید نے کہا شیطانوں کو کنکریاں مارنا اور صفا و مروہ اور المشعر الحرام اور المزدلفہ یہ سب شعائر اللہ ہیں۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۹۰۱۸)

امام ابن جریر نے کہا جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی عبادت اور ان کے مناسکِ حج کی علامات بنا دیا ہے اور وہ مقامات جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے فرائض ادا کرنے کا حکم دیا ہے وہ سب شعائر اللہ ہیں اور ان کی تعظیم کرنا دلوں کا تقویٰ ہے۔

(جامع البیان جز ۱۷ ص ۲۰۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

شعائر سے مراد ہے ھدایا یعنی قربانی کے اونٹ جیسا کہ حضرت ابن عباس اور تابعین کی ایک جماعت سے منقول ہے۔ یہ شعیرہ کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے علامت، اور الھدایا پر شعائر کا اطلاق اس لیے کیا ہے کہ وہ حج کی علامتیں ہیں یا اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی ہدایت کی علامتیں ہیں، اور ان کی تعظیم کا یہ معنی ہے کہ قربانی کے لیے بہت خوبصورت، بہت فربہ اور بہت مہنگے اونٹ خریدے جائیں۔ روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قربانی کے لیے سو اونٹ لے گئے، ان میں ایک اونٹ ابو جہل کا تھا اس کی ناک میں سونے کا چھلا تھا، اور حضرت عمر ایک عمدہ اونٹ ھدی کے لیے اپنے ساتھ لے گئے، ان کو اس اونٹ کو خریدنے کے لیے تین سو دینار کی پیش کش کی گئی۔ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اس اونٹ کو بیچ دیں اور اس رقم سے اور کئی اونٹ خرید لیں۔ تو آپ نے منع فرمایا بلکہ یہ حکم دیا کہ اس کو قربانی کے لیے اپنے ساتھ لے جاؤ، اور زید بن اسلم نے کہا الشعائر چھ ہیں: الصفا، المروۃ، قربانی کے اونٹ، جمار (شیطانوں کو مارنے کی کنکریاں) المسجد الحرام، میدانِ عرفات اور حجر اسود، اور ان کی تعظیم کا معنی یہ ہے کہ ان کے متعلق تمام افعال اور مناسکِ حج کو تمام و کمال کے ساتھ کیا جائے، اور حضرت ابن عمر، حسن بصری، امام مالک اور ابن زید نے کہا ہے کہ منیٰ، عرفہ، المزدلفہ، الصفا، المروۃ اور بیت اللہ وغیرہ تمام مواضع حج شعائر اللہ ہیں۔

(روح المعانی جز ۱۷ ص ۲۲۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۷ھ)

اولیاء اللہ کے مزارات کا شعائر اللہ میں داخل ہونا

نیز علامہ آلوسی نے لکھا ہے:

شیعہ اور ان جیسے دوسرے لوگوں نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ ائمہ کی قبروں اور باقی صالحین کی قبروں کی تعظیم کرنا جائز ہے۔ بایں طور کہ ان پر شمعیں جلائی جائیں اور سونے اور چاندی کی مصنوعات لٹکائی جائیں اور وہ کام کیے جائیں جو بت پرست کرتے ہیں۔ (روح المعانی جز ۱۷ ص ۲۲۵)

میں کہتا ہوں کہ ائمہ سلف، صالحین اور اولیاء اللہ بھی شعائر اللہ ہیں کیونکہ جو چیز اللہ تعالیٰ کی ذات یا اس کی کسی صفت کی علامت ہو وہ شعائر اللہ میں داخل ہے، اور اللہ کا ولی وہ ہوتا ہے جس کو دیکھ کر خدا یاد آئے اور جس کی مجلس میں بیٹھ کر دل میں اللہ کا خوف پیدا ہو اور اس کی عبادت کی طرف دل جھک جائے، تو اللہ تعالیٰ کے ولی کے شعائر اللہ ہونے میں کیا شک ہے اور جب

قربانی کا جانور شعائر اللہ کا مصداق ہو سکتا ہے تو انسان کامل' اللہ کے نیک بندے اور اولیاء اللہ شعائر اللہ کا مصداق کیوں نہیں ہو سکتے اور جب ریت' مٹی اور پتھروں سے بنی ہوئی مسجدیں شعائر اللہ کا مصداق ہو سکتی ہیں تو اللہ کا بنایا ہوا انسان کامل اور اس کا سنوارا ہوا ولی کامل شعائر اللہ میں کیوں داخل نہیں ہو سکتا' اور ان کی قبروں کے اردگرد روشنی کرنا تا کہ مسلمان قرآن مجید کی تلاوت کر سکیں اور ان کے مزارات پر گنبد بنانا اور ان کی قبروں پر چادریں چڑھانا یقیناً شعائر اللہ کی تعظیم ہے۔ البتہ اس میں اسراف کرنا اور حد سے تجاوز کرنا مثلاً بے تحاشہ چادریں چڑھانا اور سونے چاندی کے چڑھاوے چڑھانا اور ان کے عرس پر کھیل تماشے کرنا اور میلہ لگانا اور ان سے منتیں اور مرادیں مانگنا یہ تمام امور ناجائز اور حرام ہیں۔ اسی طرح ان کے مزارات کو بوسہ دینا' حد رکوع تک جھکنا اور سجدے کرنا اور طواف کرنا' یہ سب امور مکروہ اور حرام ہیں اور اگر عبادت کی نیت سے سجدہ کیا جائے تو اس کے شرک ہونے میں کیا شک ہے۔

علامہ عبدالغنی نابلسی' علامہ اسماعیل حقی' علامہ شامی' علامہ رافعی اور علامہ شعرانی نے اولیاء اللہ کی قبروں پر چادر چڑھانے' ان کے مزارات پر گنبد بنانے اور ان کی قبروں کی تعظیم کرنے کے متعلق بہت تفصیل سے لکھا ہے۔ ان عبارات کو مع حوالہ جات کے ہم نے شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۸۲۲-۸۱۴ میں لکھ دیا ہے' وہاں سے مطالعہ فرمائیں۔

اولیاء اللہ کے مزارات کو بوسہ دینا' طواف کرنا' حد رکوع تک جھکنا اور سجدہ کرنے کی ممانعت

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

قبروں کا بوسہ لینا نہ چاہیے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۴ ص ۱۶۳' مطبوعہ کراچی' ۱۴۱۰ھ)

قبروں کے بوسہ دینے کو جمہور علماء مکروہ جانتے ہیں تو اس سے احتراز ہی چاہیے۔ (الی قولہ) راجح یہ ہے کہ قبر کا طواف کرنا ممنوع ہے۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ طواف کرنا کعبہ کی خصوصیات میں سے ہے پس انبیاء اور اولیاء کی قبروں کا طواف کرنا حرام ہے۔ (منسک متوسط) (فتاویٰ رضویہ ج ۴ ص ۱۸۱ ملخصاً' مطبوعہ کراچی' ۱۴۱۰ھ)

مزار کا طواف کہ محض بہ نیت تعظیم کیا جائے ناجائز ہے کہ تعظیم بالطواف مخصوص بہ خانہ کعبہ ہے' مزار کو بوسہ دینا نہ چاہیے۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۴ ص ۸' مطبوعہ کراچی' ۱۴۱۰ھ)

(۱۷) خبردار جالی شریف کو بوسہ دینے یا ہاتھ لگانے سے بچو کہ خلاف ادب ہے۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۴ ص ۷۲۲' مطبوعہ کراچی' ۱۴۱۰ھ)

(۳۸) روضۂ انور کا نہ طواف کرو نہ سجدہ نہ اتنا جھکنا کہ رکوع کے برابر ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ان کی اطاعت میں ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۴ ص ۷۴۴' مطبوعہ کراچی' ۱۴۱۰ھ)

ھدی کا معنی اور ھدی پر سوار ہونے کے متعلق مذاہب فقہاء

الحج: ۳۳ میں فرمایا: تمہارے لیے ان مویشیوں میں مدت معین تک فوائد ہیں پھر ان کو ذبح کرنے کا مقام قدیم گھر کی طرف ہے۔

ان مویشیوں کے فوائد سے مراد ہے اونٹوں پر سوار ہونا' اونٹنیوں کا دودھ پینا' ان کی نسل بڑھانا اور ان کے اُون اور بالوں کو کام میں لانا بہ شرطیکہ ان مویشیوں کے مالک نے ان کو ھدی (قربانی کا جانور) نہ قرار دیا ہو۔ حج یا عمرہ کرنے والا جس جانور کو اپنے ساتھ اس نیت سے لے جائے کہ اس کو حرم میں ذبح کیا جائے گا تو اس کو ھدی کہتے ہیں۔ جب کسی جانور کو ھدی کے لیے نامزد کر دیا جائے تو پھر بغیر کسی مجبوری کے اس جانور سے کسی قسم کا نفع اُٹھانا جائز نہیں ہے مثلاً اونٹ کو ھدی بنا کر ساتھ

لیا اور خود پیدل چل رہا ہے' سواری کے لیے کوئی اور جانور نہیں اور پیدل چلنا اس پر دشوار ہو تو مجبوری اور ضرورت کی وجہ سے اس ھدی پر اس کا سوار ہونا جائز ہے۔

حضرت ابن عباس اور مجاہد نے فرمایا اونٹ یا اونٹنی کو بدنہ اور ھدی قرار دینے کے بعد اس کا دودھ پینے' اس پر سوار ہونے اور دیگر فوائد ختم ہو جاتے ہیں۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۹۰۲۲'۱۹۰۲۱'۱۹۰۲۰'۱۹۰۱۹)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا ایک شخص بدنہ کو کھینچ کر لے جا رہا تھا' آپ نے اس سے فرمایا: اس پر سوار ہو جاؤ' اس نے کہا یہ بدنہ (قربانی کا اونٹ) ہے آپ نے دو یا تین بار فرمایا تم پر افسوس ہے اس پر سوار ہو جاؤ۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۶۸۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۲۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۷۶۰' سنن نسائی رقم الحدیث: ۲۷۹۹)

امام مالک' امام احمد اور غیر مقلدین کا مذہب یہ ہے کہ بغیر ضرورت کے بھی بدنہ اور ھدی پر سوار ہو سکتا ہے بہ شرطیکہ اس کو ضرر نہ ہو' اور ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ اور امام ابوحنیفہ اور امام شافعی یہ کہتے ہیں کہ بغیر ضرورت کے ھدی پر سوار نہ ہو ان کی دلیل حسبِ ذیل حدیث ہے:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ھدی پر سوار ہونے کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: تم مجبوری کی حالت میں اس پر سوار ہو سکتے ہو حتیٰ کہ تمہیں کوئی اور سواری مل جائے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۲۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۷۶۱' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۸۰۲)

حرم سے باہر ھدی کو ذبح کرنا جائز نہیں

اس کے بعد فرمایا پھر ان کو ذبح کرنے کا مقام البیت العتیق کی طرف ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ تمام شعائر حج' وقوف عرفہ شیطانوں کو کنکریاں مارنا اور صفا اور مروہ کی سعی بیت اللہ میں طواف افاضہ پر ختم ہو جاتے ہیں۔ یعنی بیت اللہ کا طواف زیارت کرنے کے بعد مناسکِ حج پورے ہو جاتے ہیں۔ علامہ آلوسی نے کہا ہے کہ اس سے مراد موضع ذبح ہے یعنی ھدی کے جانوروں کو ذبح کرنے کا مقام بیت العتیق کے پاس ہے اور اس سے مراد پورا حرم مکہ ہے کیونکہ وہ بیت العتیق ہی کے حکم میں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ھدی کا ذبح کرنا حرم کے اندر ضروری ہے' حرم سے باہر ھدی کو ذبح کرنا جائز نہیں اور حرم سے مراد عام ہے خواہ منیٰ کا منحر اور مذبح ہو یا مکہ مکرمہ کی کوئی اور جگہ ہو۔ حدیث میں ہے مکہ کے تمام راستے منحر (مذبح) ہیں اور منیٰ کے تمام راستے منحر (مذبح) ہیں۔ (روح المعانی جز ۱۷ ص ۲۲۶' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۷ھ)

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا

اور ہر امت کے لیے ہم نے قربانی کا طریقہ مقرر کیا ہے، تاکہ وہ اللہ کے دئے ہوئے بے زبان چوپایوں پر

رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ ۗ فَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ فَلَهُ

(ذبح کے وقت) اللہ کا نام لیں، پس تمہاری عبادت کا مستحق، واحد مستحق عبادت ہے اسی کی

أَسْلِمُوا ۗ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِينَ ﴿٣٤﴾ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ

اطاعت کرو، اور عاجزی کرنے والوں کو بشارت دیجئے ٥ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل

قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَآ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِي
تھرتھرا جاتے ہیں اور وہ مصائب پر صبر کرتے ہیں، اور نماز قائم
الصَّلٰوةِ ۙ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا
رکھتے ہیں اور ہم نے جو کچھ ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں ○ اور قربانی کے اونٹوں کو ہم نے
لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ ۖ فَاذْكُرُوا اسْمَ
تمہارے لیے اللہ کی نشانیوں میں سے بنا دیا ہے ان میں تمہارے لیے بھلائی ہے، پس تم ان کو قطار میں کھڑا کر کے
اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ ۚ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا
(ان کو نحر کرنے کے وقت) اللہ کا نام لو، پس جب ان کے پہلو زمین پر گر جائیں تو تم خود (بھی) ان سے کھاؤ
وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ۗ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ
اور محتاج اور مانگنے والے کو بھی کھلاؤ، اسی طرح ہم نے ان مویشیوں کو تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے
لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۳۶﴾ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا
تاکہ تم شکر ادا کرو ○ ان کے خون اور ان کے گوشت اللہ کے پاس ہرگز نہیں پہنچتے
وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ۗ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ
لیکن تمہارا تقویٰ اس کے پاس پہنچتا ہے، اسی طرح اس نے ان مویشیوں کو تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے
لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ۗ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۷﴾
تاکہ تم اللہ کی ہدایت کے مطابق اس کی بڑائی بیان کرو اور نیکی کرنے والوں کو بشارت دیجیے ○
اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ
بے شک اللہ ایمان والوں کی مدافعت کرتا ہے، بے شک اللہ کسی خیانت کرنے والے
كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ﴿۳۸﴾ ع اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ
ناشکرے کو پسند نہیں کرتا ○ جن لوگوں سے (ناحق) قتال کیا جاتا ہے ان کو جہاد کی اجازت دے دی

ظُلِمُوْا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۙ﴿۳۹﴾ الَّذِيْنَ

گئی ہے کیونکہ ان پر ظلم کیا گیا ہے، بے شک اللہ ان کی مدد کرنے پر ضرور قادر ہے ○ جن لوگوں کو

اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّاۤ اَنْ يَّقُوْلُوْا

ان کے گھروں سے ناحق نکالا گیا محض اتنی بات پر کہ وہ کہتے تھے کہ

رَبُّنَا اللّٰهُ ؕ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ

ہمارا رب اللہ ہے، اور اگر اللہ بعض لوگوں کو دوسرے بعض لوگوں سے دور کرتا نہ رہتا تو

لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَ بِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ

راہبوں کی خانقاہیں اور کلیسائیں اور یہودیوں کے معبد اور جن مسجدوں میں اللہ کا بہت

فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ؕ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ؕ

ذکر کیا جاتا ہے ان سب کو ضرور منہدم کر دیا جاتا، اور جو اللہ (کے دین) کی مدد کرتا ہے اللہ اس کی ضرور مدد فرماتا ہے،

اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۴۰﴾ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى

بے شک اللہ ضرور قوت والا بہت غلبہ والا ہے ○ ان لوگوں کو اگر ہم زمین میں اقتدار عطا

الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا

فرمائیں تو وہ نماز قائم کریں، زکوٰۃ ادا کریں اور نیکی کا

بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿۴۱﴾

حکم دیں اور برائی سے روکیں اور تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے ○

وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ

اگر یہ آپ کی تکذیب کرتے ہیں (تو آپ پریشان نہ ہوں) سو ان سے پہلے نوح کی قوم نے اور

نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّثَمُوْدُ ۙ﴿۴۲﴾ وَقَوْمُ اِبْرٰهِيْمَ وَقَوْمُ لُوْطٍ ۙ﴿۴۳﴾

عاد نے اور ثمود نے تکذیب کی تھی ○ اور ابراہیم کی قوم نے اور لوط کی قوم نے ○

وَّاَصْحٰبُ مَدْيَنَ ۚ وَكُذِّبَ مُوْسٰى فَاَمْلَيْتُ

اور اصحاب مدین نے (بھی تکذیب کی تھی) اور موسیٰ کی تکذیب کی گئی، پس میں نے کافروں کو

لِلْكٰفِرِيْنَ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۚ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿٤٤﴾

کچھ مہلت دی پھر میں نے ان کو پکڑ لیا تو کیسا تھا میرا عذاب! ○

فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ

پس ہم نے کتنی ہی بستیوں کو ہلاک کر دیا جو ظالم تھیں سو اب وہ اپنی

خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ

چھتوں پر گری ہوئی پڑی ہیں اور بہت سے غیر آباد کنویں اور بہت سے

مَّشِيْدٍ ﴿٤٥﴾ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ

مضبوط محل ○ سو کیا انہوں نے زمین میں سفر نہیں کیا کہ ان کے دل

قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ

ایسے ہوتے جن سے یہ سمجھتے یا ان کے کان ایسے ہوتے جن سے یہ غور سے سنتے!

فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ

پس حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں لیکن سینوں میں جو دل ہیں

الَّتِيْ فِى الصُّدُوْرِ ﴿٤٦﴾ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ

وہ اندھے ہو جاتے ہیں ○ اور یہ آپ سے جلد عذاب کا مطالبہ کر رہے ہیں

وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ؕ وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ

اور اللہ اپنی وعید کے خلاف ہرگز نہیں کرے گا، اور بے شک آپ کے رب کے نزدیک ایک دن

كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ﴿٤٧﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ

تمہاری گنتی کے ہزار دنوں کی مثل ہے ○ اور میں نے ایسی بہت سی بستیوں کو

أُمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ أَخَذْتُهَا ۚ وَإِلَيَّ الْمَصِيرُ ﴿٤٨﴾

مہلت دی تھی جو ظالم تھیں، پھر میں نے ان کو پکڑ لیا، اور میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہر اُمت کے لیے ہم نے قربانی کا طریقہ مقرر کیا ہے تاکہ وہ اللہ کے دیئے ہوئے بے زبان چوپایوں پر ذبح کے وقت اللہ کا نام لیں، پس تمہاری عبادت کا مستحق واحد مستحق عبادت ہے، اسی کی اطاعت کرو اور عاجزی کرنے والوں کو بشارت دیجئے○ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل تھرتھرا جاتے ہیں اور وہ مصائب پر صبر کرتے ہیں اور نماز قائم رکھتے ہیں اور ہم نے جو کچھ ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں○ اور قربانی کے اونٹوں کو ہم نے تمہارے لیے اللہ کی نشانیوں میں سے بنا دیا ہے، ان میں تمہارے لیے بھلائی ہے، پس تم ان کو قطار میں کھڑا کر کے (ان کو نحر کرنے کے وقت) اللہ کا نام لو پس جب ان کے پہلو زمین پر گر جائیں تو تم خود (بھی) ان سے کھاؤ اور محتاج اور مانگنے والے کو بھی کھلاؤ اسی طرح ہم نے ان مویشیوں کو تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے تاکہ تم شکر ادا کرو○ (الحج: ٣٦-٣٤)

منسک اور مخبتین کے معنی

اس آیت میں نسک کا لفظ ہے، نسک کا معنی ہے عبادت اور الناسک کا معنی ہے عابد، اور یہ لفظ حج کے اعمال کے ساتھ مخصوص ہے۔ نسک کی جمع مناسک ہے اور اس کا معنی ہے حج کے اعمال اور اس کے طریقے اور نسیکہ ذبیحہ کے ساتھ مختص ہے۔

(المفردات ج ٢ ص ٦٣٤)

اس آیت میں منسک کا معنی ہے قربانی کا طریقہ۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد سے لے کر سابقہ تمام اُمتوں میں سے ہر اُمت کے لیے ہم نے قربانی کا ایک خاص طریقہ مقرر کیا ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ وہ اپنی قربانیوں پر اللہ عزوجل کا نام لیں، پھر فرمایا پس تمہاری عبادت کا مستحق، واحد مستحق عبادت ہے۔ یعنی زمانوں اور قوموں کے اختلاف سے قربانی کرنے کے طریقے مختلف ہوتے رہے ہیں لیکن ہر زمانہ میں اور ہر قوم میں صرف اسی خدائے واحد کی عبادت مشروع کی گئی تھی، شریعتیں مختلف رہی ہیں اور دین سب کا ایک ہے، پھر فرمایا اسی کی اطاعت کے ساتھ گردن جھکاؤ یعنی اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور اللہ کے تمام احکام کو تسلیم کرو اور مانو اور ان کے تقاضوں پر عمل کرو۔

اس کے بعد فرمایا اور عاجزی کرنے والوں کو بشارت دیجئے۔ نظم قرآن میں مخبتین کا لفظ ہے خبت کا معنی پست زمین اور گڑھا ہے، اور جو جگہ پست ہو وہ جھکی ہوئی ہوتی ہے، اس لیے حضرت ابن عباس اور مجاہد نے کہا ہے مخبتین کا معنی ہے، متواضعین یعنی عاجزی کرنے والے۔ کلبی نے کہا اس کا معنی ہے زیادہ کوشش سے عبادت کرنے والے۔ مقاتل نے کہا اس کا معنی ہے مخلصین۔ مجاہد سے یہ بھی منقول ہے کہ اس سے مراد وہ صالحین ہیں جن کے دل اللہ کے ذکر سے مطمئن رہتے ہیں۔ عمرو بن اوس نے کہا اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو کسی پر ظلم نہیں کرتے اور جب ان پر ظلم کیا جائے تو وہ اس کا بدلہ نہیں لیتے۔

صبر کہاں کرنا چاہیے اور کہاں نہیں

الحج: ٣٥ میں فرمایا: جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل تھرتھرا جاتے ہیں، یعنی ان پر اللہ تعالیٰ کے عذاب کے خوف کے آثار ظاہر ہوتے ہیں، اور اس خوف کے دو اثر ہیں ایک یہ کہ وہ مشکلات اور مصائب پر صبر کرتے ہیں جیسا کہ اس کے بعد فرمایا اور وہ مصائب پر صبر کرتے ہیں اور یہ سوچ کر پُرسکون رہتے ہیں کہ یہ بیماریاں اور تکلیفیں اللہ کی طرف سے آتی ہیں اور جو چیز

محبوب کی طرف سے آئے وہ بھی محبوب ہوتی ہے' اور جو مظالم ظالموں اور کافروں کی طرف سے آئیں' ان پر صبر کرنا واجب نہیں ہے بلکہ انسان پر واجب ہے کہ حتی الامکان ان مظالم کو دفع کرے خواہ اس کے لیے اس سے جنگ کرنی پڑے' اور اس کا دوسرا اثر یہ ہے کہ انسان اپنی جان اور مال سے اللہ کی تعظیم میں مشغول رہے' جان سے اللہ تعالیٰ کی تعظیم نماز پڑھنے میں ہے اور مال سے اس کی تعظیم' اس کی دی ہوئی چیزوں میں سے خرچ کرنے میں ہے اس لئے اس کے بعد فرمایا اور وہ نماز قائم رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے وہ خرچ کرتے ہیں۔

البدن کا معنی

الحج: ۳۶ میں فرمایا: اور قربانی کے اونٹوں کو ہم نے تمہارے لیے اللہ کی نشانیوں میں سے قرار دیا ہے۔

قربانی کے اونٹ کے لیے اس آیت میں البدن کا لفظ ہے۔ بدن کا معنی ہے جسم لیکن جثہ کے اعتبار سے جسم کو بدن کہا جاتا ہے اور رنگ کے اعتبار سے جسم کو جسد کہا جاتا ہے۔ جس عورت کا بدن بھاری ہو اس کو بادن اور بدین کہتے ہیں اور جو اونٹ بہت فربہ اور بہت موٹے تازے ہوں ان کو بدنہ کہتے ہیں۔ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رکوع اور سجود میں مجھ پر سبقت نہ کرو کیونکہ میں اگر تم سے پہلے رکوع کروں تو تم مجھے پالو گے اور اسی طرح جب میں سر اٹھاؤں' فانی قد بدنت کیونکہ اب میرا جسم بھاری ہو گیا ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۶۱۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۹۶۳) اور قرآن مجید میں ہے: والبدن جعلنها لکم من شعائر اللہ۔ (الحج: ۳۶) اس آیت میں البدن بدنہ کی جمع ہے۔ اس کا معنی ہے وہ اونٹ جن کو قربانی کے لیے روانہ کیا جائے۔

(المفردات ج ۱ ص ۵۰' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

آیا البدن میں گائے شامل ہے یا نہیں؟

اس میں اختلاف ہے کہ البدن کا اطلاق اونٹوں کے علاوہ گایوں پر بھی کیا جاتا ہے یا نہیں۔ حضرت ابن مسعود' عطا اور امام شافعی کے نزدیک اس کا اطلاق گایوں پر نہیں کیا جاتا اور امام مالک اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کا اطلاق گایوں پر بھی کیا جاتا ہے۔ ثمرہ اختلاف یہ ہے کہ کسی شخص نے بدنہ کی نذر مانی اور اس کو اونٹ نہیں ملے تو اب وہ اونٹوں کی جگہ گایوں کی قربانی کر سکتا ہے یا نہیں؟ امام شافعی کے نزدیک وہ گایوں کی قربانی نہیں کر سکتا' اور امام مالک اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک وہ اونٹوں کی جگہ گایوں کی قربانی کر سکتا ہے اور اس کی نذر پوری ہو جائے گی۔ حدیث سے امام شافعی کی تائید ہوتی ہے کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص پہلی ساعت میں جمعہ کی نماز کے لیے گیا اس نے گویا بدنہ کو صدقہ کیا اور جو دوسری ساعت میں گیا اس نے گویا بقرۃ (گائے) کو صدقہ کیا۔ الحدیث

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۸۸۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۵۰)

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بدنہ اور بقرۃ کو الگ الگ ذکر فرمایا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بدنہ صرف اونٹ کو کہتے ہیں اور اس کا اطلاق گائے پر نہیں ہوتا۔

نیز اس آیت میں ہے فاذا وجبت جنوبها یعنی جب نحر کرتے وقت اونٹوں کو کھڑا کر کے ان کے سینہ کے بالائی حصہ پر نیزہ مارا جائے اور وہ اس کی ضرب سے پہلو کے بل گر کر ٹھنڈے ہو جائیں اور یہ وصف اونٹوں کا ہے' ان ہی کو کھڑا کر کے نحر کیا جاتا ہے' گایوں کا یہ وصف نہیں ہے کیونکہ ان کو زمین پر گرا کر ذبح کیا جاتا ہے نحر نہیں کیا جاتا' اور امام ابوحنیفہ اور امام مالک کی دلیل یہ ہے کہ اونٹوں کو بدنہ ان کی ضخامت کی وجہ سے کہا جاتا ہے اور ضخامت اونٹوں اور گایوں دونوں میں پائی جاتی ہے۔ نیز

ون بہا کر اللہ کا تقرب حاصل کرنے میں گائیں' اونٹوں کی مثل ہیں حتیٰ کہ گایوں اور اونٹوں دونوں میں قربانی کے سات حصے کیے جاسکتے ہیں اور امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گائے کی قربانی سات کی طرف سے ہوسکتی ہے اور اونٹ کی قربانی سات کی طرف سے ہوسکتی ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۸۰۸)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات آدمیوں کی طرف سے اونٹ کی قربانی دی اور سات آدمیوں کی طرف سے گائے کی قربانی دی۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۸۰۹)

بدن اور ھدی میں یہ فرق ہے کہ بدن صرف اونٹوں کو کہتے ہیں جن کو قربانی کے لیے کعبہ کی طرف روانہ کیا جاتا ہے اور ھدی عام ہے' اونٹ' گائے اور بکری میں سے جس کو بھی قربانی کے لیے کعبہ کی طرف روانہ کیا جائے' وہ ھدی ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۱۲ ص ۵۸' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اونٹوں کو نحر کرنے کا طریقہ

اس آیت میں فرمایا: پس تم ان کو قطار میں کھڑا کر کے (ان کو نحر کرنے کے وقت) اللہ کا نام لو۔

ابن ابی ذئب کہتے ہیں کہ میں نے ابن شہاب سے الصواف (صف میں کھڑے ہوئے) کا معنی دریافت کیا۔ انہوں نے کہا پہلے تم اونٹوں کو باندھو پھر ان کو صف بہ صف کھڑا کرو' اور امام مالک نے بھی اسی طرح کہا اور باقی فقہاء کا بھی یہی مذہب ہے سوا امام ابوحنیفہ کے۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ اونٹوں کو بٹھا کر اور کھڑا کر کے ہر طرح نحر کرنا جائز ہے (لیکن امام ابوحنیفہ کے نزدیک بھی اونٹ کو کھڑا کر کے نحر کرنا مستحب ہے۔ جیسا کہ عنقریب آئے گا) جمہور کی دلیل یہ آیت ہے کیونکہ اس میں فرمایا ہے جب اونٹ پہلو کے بل گر جائیں اور گرنا اسی وقت ہوگا جب پہلے اونٹ کھڑے ہوئے ہوں۔

زیاد بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر ایک شخص کے پاس گئے' وہ اونٹ کو بٹھا کر نحر کر رہا تھا۔ حضرت ابن عمر نے کہا اس اونٹ کو کھڑا کرو اور یہ بندھا ہوا ہو پھر نحر کرو یہ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۷۱۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۲۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۶۸)

ابوالزبیر حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ مجھے عبدالرحمٰن بن سابط رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب اونٹ کو اس حال میں نحر کرتے تھے کہ اس کا اُلٹا پیر بندھا ہوا ہوتا تھا اور وہ اپنے باقی پیروں پر کھڑا ہوا ہوتا تھا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۷۶۷)

امام مالک نے کہا اگر انسان کمزور ہو یا اس کو خطرہ ہو کہ اونٹ بھاگ جائے گا تو اس کو باندھ کر نحر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے' اور مختار یہ ہے کہ اونٹ کو کھڑا کر کے بغیر باندھے نحر کیا جائے اگر خطرہ ہو تو اونٹ کو باندھ دیا جائے اور کھڑا کرنے کے لیے اس کی کونچیں نہ اُٹھائی جائیں۔ الا یہ کہ اس کو یہ خطرہ ہو کہ وہ اس پر قوت نہیں پائے گا' اور اس کی کونچیں اُٹھا کر کھڑا کرنے سے افضل یہ ہے کہ اس کو بٹھا کر نحر کیا جائے۔ حضرت ابن عمر جب جوان تھے تو اس کے سینہ میں نیزہ مار کر اس کے کوہان سے نکال دیتے تھے اور جب ان کی عمر زیادہ ہوگئی تو وہ اونٹ کو بٹھا کر نحر کرتے تھے۔ ایک آدمی ان کے ساتھ نیزہ پکڑے ہوئے ہوتا تھا اور دوسرا آدمی اس کی نکیل پکڑے ہوئے ہوتا تھا۔ اور گائے اور بکری کو لٹا کر ذبح کیا جاتا ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۱۲ ص ۶۰-۵۹' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ محمد بن علی بن محمد حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

اونٹوں کی گردن کے نچلے حصے میں نحر کرنا مستحب ہے اور ان کو ذبح کرنا مکروہ ہے۔

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

شتر مرغ' زرافہ' اونٹ اور ہر لمبی گردن والے جانور کو ذبح کیا جائے گا۔ المضمرات میں مذکور ہے کہ سنت یہ ہے کہ اونٹ کو کھڑا کر کے نحر کیا جائے اور گائے اور بکری کو لٹا کر ذبح کیا جائے۔

(الدر المختار و رد المحتار ج ۹ ص ۳۶۲' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

القانع اور المعتر کے معنی

اس کے بعد اس آیت میں فرمایا: تم خود بھی اس میں سے کھاؤ اور محتاج اور مانگنے والے کو بھی کھلاؤ۔

فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ انسان کا اپنی ھدی (قربانی) سے کھانا مستحب ہے۔ اس میں اَجر بھی ہے اور اللہ کی اطاعت بھی ہے کیونکہ زمانہ جاہلیت میں مشرکین اپنی ھدی سے نہیں کھاتے تھے۔ ابو العباس نے کہا کھانا اور کھلانا دونوں مستحب ہیں اور اس کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ وہ ان میں سے کسی ایک پر اقتصار کرلے۔

اور فرمایا: القانع اور المعتر کو کھلاؤ' القانع کا معنی ہے قناعت کرنے والا' جو شخص سوال کرنے سے رُکتا ہو اور اس کے پاس جتنا مال ہو اسی کو کافی سمجھے' سوال نہ کرے اور لوگوں سے مستغنی رہے۔ ابن السکیت نے کہا قناعت کا معنی ہے راضی رہنا اور سوال نہ کرنا' اور معتر کا معنی ہے جو گھوم پھر کر مانگتا ہے۔ حسن بصری نے کہا القانع کا معنی محتاج ہے اور المعتر کا معنی ہے زیارت کرنے والا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان کے خون اور ان کے گوشت اللہ کے پاس ہرگز نہیں پہنچتے لیکن تمہارا تقویٰ اس کے پاس پہنچتا ہے' اسی طرح اس نے ان مویشیوں کو تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے تاکہ تم اللہ کی ہدایت کے مطابق اس کی بڑائی بیان کرو اور نیکی کرنے والوں کو بشارت دیجئےO بے شک اللہ ایمان والوں کی مدافعت کرتا ہے' بے شک اللہ کسی خیانت کرنے والے ناشکرے کو پسند نہیں کرتاO (الحج: ۳۸۔۳۷)

آیت مذکورہ کا شان نزول

امام عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی المتوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ مشرکین جب کسی جانور کو ذبح کرتے تھے تو اس کا خون کعبہ کی دیواروں پر چھڑکتے تھے' ان کو دیکھ کر مسلمانوں نے بھی اس طرح کرنے کا ارادہ کیا تو اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس کو ابو صالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ مفسرین نے اس آیت کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس قربانی کے جانوروں کا خون اور گوشت نہیں پہنچایا جاتا' اس کے پاس صرف تقویٰ پہنچایا جاتا ہے اور جس عمل سے صرف اللہ کی رضا کا ارادہ کیا جائے' اور اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ اگر اللہ کا تقویٰ نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کسی جانور کے خون اور گوشت کو قبول نہیں فرماتا اور اس میں یہ تنبیہ ہے کہ جب کسی عمل کی نیت صحیح نہ ہو تو اس عمل کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

(زاد المسیر ج ۵ ص ۴۳۴' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

قربانی کی دعا ذبح سے پہلے یا ذبح کے بعد مانگی جائے نہ کہ ذبح کرنے کی حالت میں

اس آیت میں یہ بھی فرمایا ہے کہ جانور کو ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لینا چاہیے اور اس کی تکبیر پڑھنا چاہیے۔

حضرت جندب بجلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس عیدالاضحیٰ کے موقع پر حاضر

ہوا آپ نے نماز پڑھائی پھر خطبہ دیا اور فرمایا جس نے نماز سے پہلے ذبح کر لیا وہ دوبارہ ذبح کرے اور جس نے ابھی تک ذبح نہیں کیا وہ اللہ کا نام لے کر ذبح کرے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۶۰)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم الاضحیٰ کو دو سینگوں والے سرمئی رنگ کے خصی مینڈھے ذبح کیے جب آپ نے ان کا منہ قبلہ کی طرف کر کے ان کو لٹا دیا تو یہ دعا پڑھی:

انی وجهت وجهی للذی فطر السموات والارض علی ملة ابراهیم حنیفا وما انا من المشرکین ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی لله رب العلمین لاشریک لک وبذالک امرت وانا من المسلمین اللهم منک ولک عن محمد وامته بسم الله والله اکبر.

میں اپنا رخ اس ذات کی طرف کرتا ہوں جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا۔ میں ابراہیم کی ملت پر ہوں درآں حالیکہ میں باطل مذاہب سے اعراض کرنے والا ہوں اور میں مشرکین سے نہیں ہوں۔ بے شک میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت اللہ رب العلمین کے لیے ہے۔ (اے اللہ!) تیرا کوئی شریک نہیں ہے اور مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں مسلمانوں میں سے ہوں۔ اے اللہ! یہ قربانی تیری توفیق سے اور تیرے لیے ہے محمد اور اس کی اُمت کی طرف سے اللہ کے نام سے اور اللہ سب سے بڑا ہے۔

یہ دعا پڑھنے کے بعد آپ نے ان کو ذبح کر دیا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۷۹۵ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۵۲۱ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۲۱)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ آپ نے ذبح کرنے سے پہلے اپنی اور اُمت کی طرف سے قربانی کے مقبول ہونے کی دعا کی۔

عروۃ بن الزبیر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سینگوں والے مینڈھے کو لانے کا حکم دیا جس کی ٹانگیں سیاہ ہوں اور اس کا پچھلا حصہ سیاہ ہو اور اس کی آنکھیں سیاہ ہوں' آپ کے پاس وہ مینڈھا قربانی کے لیے لایا گیا پھر آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا چھری لاؤ پھر فرمایا اس کو پتھر سے تیز کرو۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں: پس میں نے ایسا کیا پھر آپ نے چھری لی اور مینڈھے کو پکڑ کر لٹایا پھر اس کو ذبح کیا پھر یہ دعا کی:

باسم الله اللهم تقبل من محمد وال محمد ومن امة محمد.

اللہ کے نام سے اے اللہ اس قربانی کو محمد اور آلِ محمد اور اُمتِ محمد کی طرف سے قبول فرما۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۶۷ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۷۹۲)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ آپ نے ذبح کرنے کے بعد اپنے اور اہل بیت اور اُمت کی طرف سے قربانی کے قبول ہونے کی دعا کی۔

علامہ ابوعبداللہ مالکی قرطبی نے لکھا ہے کہ ذبح کرنے والے کا یہ کہنا **اللهم تقبل منی** جائز ہے اور امام ابوحنیفہ نے اس کو مکروہ کہا ہے' اور ان کے خلاف وہ حدیث حجت ہے جو صحیح مسلم میں ہے' آپ نے فرمایا **بسم الله اللهم تقبل من محمد وآل محمد ومن امة محمد**۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۲ ص ۶۳ مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اسی طرح علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ نے صحیح مسلم کی اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے:

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ ذبح کرنے والا ذبح کرنے کے حال میں بسم اللہ اللہ اکبر کے ساتھ کہے: **اللهم تقبل**

منی اے اللہ میری طرف سے قبول فرما' اور یہ ہمارے اور حسن کے نزدیک مستحب ہے اور امام ابوحنیفہ اور امام مالک نے اس کو مکروہ کہا ہے اور کہا ہے کہ یہ بدعت ہے۔ (شرح مسلم للنواوی ج ۹ ص ۵۳۹۴' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

میں کہتا ہوں کہ علامہ قرطبی اور علامہ نووی نے صحیح نہیں لکھا۔ کوئی مسلمان بھی اللہ سے دعا کرنے کو مکروہ نہیں کہہ سکتا چہ جائیکہ امام اعظم ابوحنیفہ اللہ سے دعا کرنے کو مکروہ کہیں' اور حدیث میں یہ نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذبح کے حال میں بسم اللہ اللہ اکبر کے ساتھ **اللهم تقبل منی** فرمایا بلکہ حدیث میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے مینڈھے کو ذبح کیا اور اس کے بعد اپنے اور اہل بیت اور اُمت کے لیے دعا کی' اور امام ابوحنیفہ نے ذبح کرتے وقت دعا سے اس لیے منع کیا ہے کہ جانور غیر اللہ کے نام پر ذبح نہ ہو جائے جب وہ ذبح کرتے وقت یہ دعا کرے گا اے اللہ! اس کو میری طرف سے میرے گھر والوں کی طرف سے اور تمام اُمت کی طرف سے قبول فرما تو ذبیحہ پر اللہ کے ساتھ غیر اللہ کا نام بھی بولا جائے گا۔ البتہ اگر چھری پھیرنے سے پہلے دعا کرے یا چھری پھیرنے کے بعد دعا کرے تو پھر یہ جائز ہے۔

علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

بسم اللہ پڑھنے میں یہ شرط ہے کہ ذکر خالص ہو اور اس میں دعا کی آمیزش نہ ہو (الی قولہ) اور اگر اس نے اللہ کے نام کے ساتھ غیر اللہ کو ملا کر ذکر کیا مثلاً **بسم الله اللهم تقبل من فلان** تو یہ مکروہ ہے۔ (الی قولہ) اور اگر اس نے فصل کر لیا۔ مثلاً ذبح کرنے سے پہلے دعا کر لی یا ذبح کرنے کے بعد دعا کر لی تو اب صحیح ہے کیونکہ اب ذبح کے وقت اللہ کے نام کے ساتھ غیر اللہ کے نام کا اتصال نہیں ہوا۔ (الدر المختار مع رد المحتار ج ۹ ص ۳۶۴' ۳۶۲' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۷ھ)

اور علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ اس عبارت کی شرح میں لکھتے ہیں:

اگر اس نے ذبح کے وقت اللہ کا نام لینے اور اپنا یا کسی اور کا نام لینے میں صورۃً یا معنیً فصل کر لیا تو یہ جائز ہے۔ مثلاً اس نے جانور کو لٹایا پھر بسم اللہ اللہ اکبر پڑھ کر جانور ذبح کیا پھر دعا کی یا پہلے دعا کی پھر بسم اللہ پڑھ کر جانور کو ذبح کیا تو یہ جائز ہے اور حدیث میں ہے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ پڑھ کر مینڈھا ذبح کیا پھر دعا کی۔

(رد المحتار ج ۹ ص ۳۶۴ - ۳۶۳' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۷ھ)

قربانی کے جانوروں اور صدقہ فطر میں تنوع

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صرف مسنّہ کی قربانی کرو' ہاں اگر دنبوں میں مسنّہ دشوار ہو تو چھ ماہ کے دنبہ کی قربانی کر سکتے ہو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۷۹۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۶۳' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۳۹۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۴۱)

بکرے' گائے اور اونٹ میں مسنّہ اس جانور کو کہتے ہیں' جس کے دودھ پینے کے دانتوں کی جگہ چرنے اور کھانے کے دانت نکل آئے ہوں۔ بکروں میں دو دانت اس وقت نکل آتے ہیں جب اس کی عمر ایک سال کی ہو چکی ہو اور گائے اور اونٹ میں دو دانت اس وقت نکل آتے ہیں جب گائے کی عمر دو سال کی ہو چکی ہو اور اونٹ کی عمر پانچ سال کی ہو چکی ہو۔

جس طرح قربانی کے جانوروں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تنوع کو مشروع اور مسنون فرمایا۔ یعنی بکرے' گائے اور اونٹ ہر ایک کی قربانی ہو سکتی ہے اور آپ نے کی ہے اور اب تک مسلمان حسب استطاعت بکروں' گایوں اور اونٹوں کی قربانی کرتے ہیں' اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ فطر میں بھی تنوع کو مشروع فرمایا ہے' حدیث میں ہے:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہم ایک صاع (چار کلوگرام)

طعام (صدقہ فطر) ادا کرتے تھے یا ایک صاع (چار کلو) کھجوریں یا ایک صاع (چار کلو) جو یا ایک صاع (چار کلو) پنیر یا ایک صاع (چار کلو) کشمش' جب حضرت معاویہ کا زمانہ آیا تو گندم آ گیا اور انہوں نے کہا میری رائے میں نصف صاع (دو کلو) گندم ان کے چار کلو کے برابر ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۵۰۶' ۱۵۰۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۷۰' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۶۷۶' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۵۱۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۲۹)

آج کل (۲۰۰۱ء میں) نصف صاع یعنی دو کلو گندم تقریباً چھبیس روپے کے ہیں اور چار کلو کھجور تقریباً دو سو روپے کی ہیں اور چار کلو کشمش تقریباً چار سو روپے کی ہیں اور چار کلو پنیر تقریباً ایک ہزار روپے کا ہے سو جس طرح قربانی کے جانوروں میں تنوع ہے اور ان کی کئی اقسام ہیں' اسی طرح صدقہ فطر میں بھی تنوع ہے اور اس کی کئی اقسام ہیں' اور جو لوگ جس حیثیت کے ہوں وہ اس حیثیت سے صدقہ فطر ادا کریں۔ مثلاً جو کروڑ پتی لوگ ہیں' وہ چار کلو پنیر کے حساب سے صدقہ فطر ادا کریں جو لکھ پتی ہیں' وہ چار کلو کشمش کے حساب سے صدقہ فطر ادا کریں اور جو ہزاروں روپوں کی آمدنی والے ہیں' وہ چار کلو گرام کھجور کے حساب سے صدقہ فطر ادا کریں اور جو سینکڑوں کی آمدنی والے ہیں' وہ دو کلو گندم کے حساب سے صدقہ فطر ادا کریں' لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ آج کل کروڑ پتی ہوں یا سینکڑوں کی آمدنی والے ہوں' سب دو کلو گندم کے حساب سے صدقہ فطر ادا کرتے ہیں اور تنوع پر عمل نہیں کرتے' جب کہ قربانی کے جانوروں میں لوگ تنوع پر عمل کرتے ہیں اور کروڑ پتی لوگ کئی کئی لاکھ کے بیل خرید کر اور متعدد قیمتی اور مہنگے دنبے اور بکرے خرید کر ان کی قربانی کرتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ ہم اپنا جائزہ لیں کہیں اس کی یہ وجہ تو نہیں ہے کہ قربانی کے مہنگے اور قیمتی جانور خرید کر ہمیں اپنی شان و شوکت اور امارت دکھانے کا موقع ملتا ہے۔ ہم بڑے فخر سے وہ قیمتی جانور اپنے عزیزوں اور دوستوں کو دکھاتے ہیں اور نمود اور نمائش کرتے ہیں اور صدقہ فطر کسی غریب آدمی کے ہاتھ پر رکھ دیا جاتا ہے' اس میں دکھانے اور سنانے اور اپنی امارت جتانے کے مواقع نہیں ہیں' اس لیے کروڑ پتی سے لے کر عام آدمی تک سب دو کلو گندم کے حساب سے صدقہ فطر ادا کرتے ہیں۔ سوچیے ہم کیا کر رہے ہیں؟ ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن یہ ساری قربانیاں ریا کاری قرار دے کر ہمارے منہ پر مار دی جائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے جانوروں کی متعدد قسمیں اس لیے کی ہیں کہ ہر طبقہ کے لوگ اپنی حیثیت کے لحاظ سے قربانی کا تعین کریں۔ اسی طرح آپ نے صدقہ فطر کی متعدد اقسام بھی اس لیے کی ہیں کہ ہر طبقہ کے لوگ اپنی حیثیت کے لحاظ سے صدقہ فطر ادا کریں سو جس طرح ہم اپنی حیثیت کے لحاظ سے قربانی کے جانوروں کا تعین کرتے ہیں' اس طرح ہمیں اپنی حیثیت کے لحاظ سے صدقہ فطر کی قسم کا تعین بھی کرنا چاہیے اور تمام طبقات کے لوگوں کو صرف دو کلو گندم کے حساب سے صدقہ فطر کو نہیں ٹرخانا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جن لوگوں سے (ناحق) قتال کیا جاتا ہے' ان کو (جہاد کی) اجازت دے دی گئی ہے کیونکہ ان پر ظلم کیا گیا ہے' بے شک اللہ ان کی مدد کرنے پر ضرور قادر ہے○ جن لوگوں کو ان کے گھروں سے ناحق نکالا گیا محض اتنی بات پر کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا رب اللہ ہے اور اگر اللہ بعض لوگوں کو دوسرے بعض لوگوں سے دُور کرتا نہ رہتا تو راہبوں کی خانقاہیں اور کلیسائیں اور یہودیوں کے معبد اور جن مسجدوں میں اللہ کا بہت ذکر کیا جاتا ہے' ان سب کو ضرور منہدم کر دیا جاتا' اور جو اللہ (کے دین) کی مدد کرتا ہے اللہ اس کی ضرور مدد فرماتا ہے۔ بے شک اللہ ضرور قوت والا' بہت غلبہ والا ہے○ (الحج: ۴۰۔۳۹)

کافروں کو قتل کرنے کی ممانعت کی توجیہات

الحج: ۳۸ اس موقع پر نازل ہوئی تھی جب کفار کی ایذاء رسانیوں اور زیادتیوں پر مسلمانوں کو صبر کرنے کا حکم دیا گیا تھا اور

ان کو معاف کرنے اور درگزر کرنے کا حکم تھا اور یہ مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے سے پہلے کا واقعہ ہے۔ مسلمانوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی کہ وہ خفیہ طریقہ سے کافروں کو قتل کر دیں تو آپ نے ان کو منع فرمادیا اور یہ آیت نازل ہوئی کہ مسلمان فکر نہ کریں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کا مشرکین سے خود دفاع کرے گا اور ان کا بدلہ لے گا' بے شک اللہ کسی خیانت کرنے والے ناشکرے کو پسند نہیں کرتا یعنی مسلمانوں کو اس سے منع کیا کہ وہ خفیہ طریقہ سے کافروں کو قتل کریں کیونکہ یہ غدر' دھوکا اور خیانت ہے۔ حدیث میں ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ دھوکا دینے والے اور عہد شکنی کرنے والے کے لیے قیامت کے دن ایک جھنڈا گاڑ دیا جائے گا اور کہا جائے گا یہ فلاں بن فلاں کی عہد شکنی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۷۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۳۵' مسند احمد رقم الحدیث: ۵۴۵۷' عالم الکتب' السنن الکبری للنسائی رقم الحدیث: ۸۷۳۷)

اس آیت کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے دلوں میں ہمیشہ ایمان کو جاگزیں رکھے گا اور مشرکین ان کو ان کے دین سے پھیرنے پر قدرت نہیں پائیں گے خواہ وہ ان پر جبر کیوں نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ ان کو دین سے مرتد ہونے سے محفوظ رکھے گا۔

اور اس آیت کی تیسری تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حجت اور دلیل کے ساتھ مسلمانوں کی مدافعت اور حفاظت کرے گا' اور کوئی مشرک کسی مسلمان کو قتل نہیں کر سکے گا اور اگر کسی مشرک نے کسی مسلمان کو قتل کر بھی دیا تو مسلمان اللہ کی رحمت میں ہوگا۔

اس آیت کی چوتھی تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ بشارت دی ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو کفار پر غلبہ عطا فرمائے گا اور ان کے مظالم اور ایذاؤں کو مسلمانوں سے دُور کر دے گا۔ جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے:

لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ؕ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ قف ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ○ (آل عمران: ۱۱۱)

وہ تمہیں ایذاء پہنچانے کے سوا اور زیادہ ضرر نہیں پہنچا سکتے اور اگر انہوں نے تم سے جنگ کی تو یہ پیٹھ موڑ کر بھاگیں گے پھر ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔

کفار سے درگزر کی آیات کا منسوخ ہونا اور ان سے قتال کی اجازت دینا

الحج: ۳۹ میں فرمایا: جن لوگوں سے (ناحق) قتال کیا جاتا ہے ان کو (جہاد کی) اجازت دے دی گئی ہے کیونکہ ان پر ظلم کیا گیا ہے۔

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہیں جن کو مکہ میں مشرکین بہت سخت ایذائیں پہنچاتے تھے۔ مسلمان آپ کے پاس آتے' کسی کا سر پھٹا ہوا ہوتا' کسی کو کوڑوں سے مارا ہوا ہوتا' کسی کو تپتی ہوئی ریت پر گھسیٹا ہوا ہوتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے فرماتے: صبر کرو' ابھی مجھے ان سے قتال کرنے کا حکم نہیں دیا گیا حتیٰ کہ آپ نے مکہ سے مدینہ ہجرت کر لی۔ ستر سے زیادہ آیتیں کفار کی ایذاء رسانیوں پر صبر کرنے کے متعلق نازل ہوئیں تھیں اور یہ پہلی آیت ہے جس میں کفار سے جنگ کرنے کی اجازت دی گئی ہے' اور اس آیت کے نازل ہونے کے بعد وہ تمام آیتیں منسوخ ہو گئیں جن میں کفار کی زیادتیوں پر عفو اور درگزر کا حکم دیا گیا تھا۔ یہ ستر سے زیادہ آیات درحقیقت ایک آیت کے حکم میں ہیں جن میں کفار کی زیادتیوں پر صبر کا حکم دیا گیا ہے۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی اسانید کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا انہوں نے اپنے نبی کو نکال دیا انا للہ و انا الیہ راجعون' اور جب یہ آیت نازل ہوئی: اذن للذین یقاتلون الآیۃ تو میں نے جان لیا کہ اب جنگ ہوگی۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۹۰۹۸)

اس آیت کی تفسیر میں ابن زید نے کہا مشرکین کو معاف کرنے کا حکم دینے کے دس سال بعد یہ آیت نازل ہوئی اور مسلمانوں کو ان سے قتال کی اجازت دی گئی۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۹۱۰۰)

قتادہ نے کہا یہ پہلی آیت ہے جس میں مسلمانوں کو کفار سے قتال کی اجازت دی گئی ہے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۹۱۰۵)

بعض لوگوں کو بعض دوسرے لوگوں سے دُور کرنے کے محامل

الحج: ۴۰ میں فرمایا: جن لوگوں کو ان کے گھروں سے ناحق نکالا گیا محض اتنی بات پر کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا رب اللہ ہے!

آیت کے اس حصہ میں اللہ تعالیٰ نے دو وجہوں سے ان کا ظلم بیان فرمایا ہے' ایک وجہ تو یہ ہے کہ ان کو ان کے گھروں سے نکالا گیا اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ان کو صرف اس کہنے پر نکالا گیا کہ انہوں نے کہا تھا ہمارا رب اللہ ہے۔

اس کے بعد فرمایا اور اگر اللہ بعض لوگوں کو دوسرے بعض لوگوں سے دُور کرتا نہ رہتا تو راہبوں کی خانقاہیں اور کلیسائیں اور یہودیوں کے معبد اور جن مسجدوں میں اللہ کا بہت ذکر کیا جاتا ہے' ان سب کو ضرور منہدم کر دیا جاتا۔

اس آیت میں جو فرمایا ہے اللہ بعض لوگوں کو دوسرے بعض لوگوں سے دُور فرماتا رہتا ہے۔ اس کے حسب ذیل محامل ہیں:

(۱) اس سے مراد ہے مسلمانوں کو کفار کے خلاف جہاد کی اجازت دینا گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا اللہ مسلمانوں کو مشرکین کے خلاف جہاد کی اجازت دے کر ان سے کفار اور مشرکین کو دُور فرماتا ہے' اور اگر اللہ یہ اجازت نہ دیتا تو مشرکین مسلمانوں کی عبادت گاہوں پر قبضہ کر لیتے اور اسی وجہ سے راہبوں کی خانقاہوں' کلیساؤں اور یہودیوں کے معبد کا بھی ذکر فرمایا۔ ہر چند کہ یہ غیر اہل اسلام کی عبادت گاہیں ہیں۔

(۲) جو مسلمان عذر کی وجہ سے جہاد نہیں کر سکتے' ان سے جہاد کی مشقت کو جہاد کرنے والے مسلمانوں کے سبب سے دُور فرما دیتا ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کی وجہ سے برے لوگوں سے عذاب کو دُور فرما دیتا ہے۔ سو نمازیوں کی برکت سے بے نمازوں کے عذاب کو دُور فرما دیتا ہے' اور صدقہ کرنے والوں کی وجہ سے ان سے عذاب کو دُور کر دیتا ہے جو صدقہ نہیں کرتے' اور حج کرنے والوں کی وجہ سے ان سے عذاب کو دُور کر دیتا ہے جو حج نہیں کرتے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ نیک مسلمان کے سبب سے اس کے پڑوس کے سو گھروں سے مصائب کو دور کر دیتا ہے۔

(الکامل لابن عدی ج ۳ ص ۲۷۴' جدید العقیلی ج ۴ ص ۴۰۴' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۱۶۷' اس کی سند ضعیف ہے)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نیکی میں سبقت کرو' نیکی میں سبقت کرو' اگر نوجوان اللہ سے ڈرنے والے اور بوڑھے نمازیں پڑھنے والے اور چرنے والے چوپائے نہ ہوتے تو تم سب پر آندھیوں کا عذاب آ جاتا۔

(مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۶۴۰۲' مسند البزار رقم الحدیث: ۲۱۹۳' السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۳۴۵' تاریخ بغداد ج ۶ ص ۶۴' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۲۲۷' ۲۳۰' المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۳۱۸۵)

یہود و نصاریٰ کی عبادت کے مقامات اور مسلمانوں کی عبادت کے مقام کو جمع کرنے کی توجیہات

(۱) حسن نے کہا' ان مقامات سے مراد مومنوں کی عبادات کے مقامات ہیں خواہ وہ کسی مذہب کے مومنین ہوں۔

(۲) زجاج نے کہا اگر اللہ ہر نبی کی شریعت میں بعض لوگوں کو بعض لوگوں سے دُور نہ کرتا تو کسی نبی کے زمانہ میں نماز پڑھنے کی جگہ سلامت نہ رہتی' اور اگر اللہ بعض شریروں اور مفسدوں کو نیک لوگوں سے دُور نہ کرتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ان کی عبادت گاہیں قائم نہ رہتیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ان کے معبد سلامت نہ رہتے اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں آپ کی مسجدیں باقی نہ رہتیں۔ اس بناء پر یہودیوں اور عیسائیوں کی عبادت گاہوں سے اس وقت تک مفسدوں کو دُور رکھا گیا جب تک وہ دینِ حق پر قائم تھے اور انہوں نے اپنے دین میں تحریف نہیں کی تھی اور ان کی شریعت منسوخ نہیں کی گئی تھی۔

(۳) اس سے مراد یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی ان کے معابد کی حفاظت کی گئی کیونکہ ان عبادت گاہوں میں بہر حال اللہ تعالیٰ کا نام لیا جاتا ہے اور وہ بت پرستوں اور مشرکوں کے بت کدوں اور مندروں کی طرح نہیں ہیں۔

(۴) اگر قتال اور جہاد کو مشروع نہ کیا جاتا تو کسی زمانہ میں اور کسی نبی کی اُمت میں بھی اہل حق کی عبادت گاہیں محفوظ نہ رہتیں۔

الصوامع' البیع اور صلوات کے معانی

صوامع' صومعۃ کی جمع ہے' صومعۃ اس بلند عمارت کو کہتے ہیں جس کا بالائی حصہ محدب (گاؤدم) ہو' عیسائی چونکہ اپنے عبادت خانوں کا سرا بلند' باریک اور گاؤدم بناتے ہیں' اس لیے اس کو صومعہ کہتے ہیں۔

علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ اسلام سے پہلے صوامع نصاریٰ کے راہبوں کے ساتھ مخصوص تھے اور صابئین (آتش پرست) گرجوں کے ساتھ مختص تھے پھر بعد میں مسلمانوں کی اذان کی جگہ کو صومعہ کہا جانے لگا۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۲ ص ۶۷)

بِیَــع: یہ بیعۃ کی جمع ہے عبادت خانہ' اس کا معنی ہے یہود و نصاریٰ کا عبادت خانہ اور گرجا۔ علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ یہ عیسائیوں کا معبد ہے اور امام طبری نے لکھا ہے یہ یہودیوں کی عبادت گاہ ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۲ ص ۶۷)

صلوات: یہ صلوٰۃ کی جمع ہے۔ اس کا معنی ہے رحمتیں' دعائیں' نمازیں عبادت خانے۔ علامہ قرطبی نے لکھا ہے حضرت ابن عباس نے فرمایا الصلوات سے مراد ہے یہود و نصاریٰ کی عبادت گاہیں۔ ابو العالیہ نے کہا اس سے مراد ہے صابئین کی مساجد۔ ابن زید نے کہا اس سے مراد ہے جب دشمنانِ اسلام کے حملوں کی وجہ سے مسلمانوں کی مساجد ویران ہو جائیں اور ان میں نمازیں معطل ہو جائیں۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۲ ص ۶۷)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں۔

الصوامع' البیع' الصلوات اور المساجد کے حسب ذیل محامل ہیں:

(۱) ابو العالیہ نے کہا الصوامع نصاریٰ کی وہ عبادت گاہیں ہیں اور البیع یہودیوں کی عبادت گاہیں اور صلوات' صابئین کی عبادت گاہیں ہیں اور مساجد مسلمانوں کی عبادت گاہیں ہیں۔

(۲) زجاج نے کہا الصوامع نصاریٰ کی وہ عبادت گاہیں ہیں جن کو انہوں نے صحرا میں بنایا تھا' اور البیع ان کی وہ عبادت گاہیں ہیں جن کو انہوں نے شہروں میں بنایا تھا' اور صلوات یہودیوں کی عبادت گاہیں ہیں عبرانی میں اس کو صلوتا کہتے ہیں۔

(۳) قتادہ نے کہا الصوامع صابئین کے لیے ہیں' البیع نصاریٰ کے لیے اور صلوات یہود کے لیے۔

(۴) حسن نے کہا یہ تمام مساجد کے اسماء ہیں۔ رہا الصوامع تو وہ اس لیے ہے کہ کبھی مسلمان اس طرز کی مساجد بناتے ہیں اور

رہا ا لبیع تو یہ اس لیے کہ مسلمانوں کی مساجد پر اس کا تشبیہاً اطلاق ہے اور رہا الصلوات تو اس کا معنی یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ مفسدوں کو دُور نہ کرتا تو نمازیں معطل ہو جاتیں اور مساجد منہدم اور ویران ہو جاتیں۔

(تفسیر کبیرج ۸ص ۲۳۰' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان لوگوں کو اگر ہم زمین میں اقتدار عطا فرمائیں تو وہ نماز قائم کریں' زکوٰۃ ادا کریں اور نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں اور تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے○ اگر یہ آپ کی تکذیب کرتے ہیں (تو آپ پریشان نہ ہوں) سو ان سے پہلے نوح کی قوم نے اور عاد نے اور ثمود نے (تکذیب کی تھی)○ اور ابراہیم کی قوم نے اور لوط کی قوم نے○ اور اصحاب مدین نے (بھی تکذیب کی تھی) اور موسیٰ کی تکذیب کی گئی پس میں نے کافروں کو کچھ مہلت دی پھر میں نے ان کو پکڑ لیا تو کیسا تھا میرا عذاب○ (الحج: ۴۴-۴۱)

خلفاء راشدین کی فضیلت

الحج: ۴۱ میں اقتدار دینے سے مراد ہے ان کو سلطنت اور حکومت عطا فرمانا اور ان کو یہ قوت دینا کہ وہ اپنے احکام کو لوگوں پر نافذ کر سکیں' اور اس سے مراد مطلق قدرت نہیں ہے کیونکہ مطلق قدرت تو ہر شخص کو حاصل ہے لیکن ہر شخص کو یہ قدرت نہیں ہے کہ وہ زمین میں نماز کا نظام قائم کرے' مسلمانوں سے زکوٰۃ وصول کر کے اس کے مصارف پر خرچ کرے' نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے یعنی لوگوں سے نیک کاموں پر عمل کرائے اور برے کاموں پر ان پر حد اور تعزیر جاری کرے۔

اب رہا یہ کہ ان لوگوں سے مراد کون ہیں اور یہ کن لوگوں کی صفت ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن کا ذکر اس سے پہلی آیت میں فرمایا ہے: جن لوگوں کو ان کے گھروں سے ناحق نکالا گیا' محض اتنی بات پر کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا رب اللہ ہے۔ (الحج: ۴۰) خلاصہ یہ ہے کہ اس سے مراد مہاجرین ہیں اور اس آیت کا مصداق خلفاء راشدین ہیں' کیونکہ ان ہی کو اللہ تعالیٰ نے زمین میں سلطنت عطا فرمائی تھی اور اقتدار دیا تھا اور انہوں نے ہی نمازوں اور زکوٰۃ کا نظام قائم کیا' نیک کاموں کو پھیلایا اور برے کاموں پر حدود و تعزیرات جاری کیں۔ خلفاء راشدین کے بعد بھی ہر چند کہ نیک اور عادل حکمران آئے لیکن خیر اور فلاح کا جو نظام خلفاء راشدین کے عہد میں جاری ہوا تھا' اس کی نظیر بعد کے کسی دور میں نہیں مل سکی۔

جن کو اقتدار عطا کیا جائے گا ان کے مصادیق

علامہ ابوعبداللہ مالکی قرطبی نے اس آیت کے مصداق میں حسب ذیل اقوال نقل کیے ہیں:

(۱) یہ چار خلفاء راشدین ہیں' زمین میں ان کے علاوہ اور کسی کو ایسا اقتدار نہیں ملا۔

(۲) حضرت ابن عباس نے کہا اس سے مراد مہاجرین اور انصار ہیں اور جو ان کی نیکی کے ساتھ اتباع کریں۔

(۳) قتادہ نے کہا یہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہیں۔

(۴) الحسن اور ابوالعالیہ نے کہا یہ اُمت اس آیت کا مصداق ہے جب اللہ تعالیٰ اس کو فتح عطا فرماتا ہے تو یہ نمازوں کو قائم کرتی ہے یعنی حکمران۔

(۵) ضحاک نے کہا اللہ تعالیٰ نے ملک اور اقتدار عطا فرمانے کی شرط عائد کی ہے کہ وہ ان چار امور پر عمل کرائیں۔

(۶) سہل بن عبداللہ نے کہا سلطان پر اور جو علماء اس کے پاس آتے ہیں ان پر واجب ہے کہ وہ نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں' عام لوگوں پر یہ واجب نہیں ہے کہ وہ سلطان اور علماء کو حکم دیں۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۲ص ۶۹-۶۸' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

مشرکین کی مخالفت اور ایذاؤں پر آپ کو تسلی دینا

الحج: ۴۲ میں فرمایا: اگر یہ آپ کی تکذیب کرتے ہیں (تو آپ پریشان نہ ہوں) سو ان سے پہلے نوح کی قوم نے اور عاد نے اور ثمود نے تکذیب کی تھی۔

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ کفار نے مسلمانوں کو ان کے گھروں سے ناحق نکال دیا اور ان سے قتال کرنے کی اجازت دی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کی نصرت اور مدد کا وعدہ فرمایا اور یہ فرمایا کہ تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے' اور کفار اور مشرکین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب اور مخالفت کرتے تھے اور آپ کا مذاق اُڑاتے تھے اور آپ ان کے اس ظالمانہ سلوک پر صبر کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی تسلی کے لیے یہ آیات نازل فرمائیں کہ آپ سے پہلے تمام اُمتوں کے کافروں نے اپنے اپنے نبیوں اور رسولوں کی تکذیب کی ہے۔ حضرت نوح کی قوم نے ان کی تکذیب کی اسی طرح عاد اور ثمود نے اپنے اپنے نبیوں کی تکذیب کی' اور الحج: ۴۳' میں فرمایا اور ابراہیم کی قوم نے اور لوط کی قوم نے ان کی تکذیب کی' اور الحج: ۴۴ میں فرمایا اور اصحابِ مدین نے (بھی تکذیب کی تھی) اور موسیٰ کی تکذیب کی گئی' یہاں پر اس طرح نہیں فرمایا کہ موسیٰ کی تکذیب ان کی قوم نے کی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب ان کی قوم بنی اسرائیل نے نہیں کی تھی بلکہ ان کی تکذیب قبطیوں نے کی تھی جو کہ فرعون کی قوم تھے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر اس کے ذیل میں فرمایا ہے کہ ہر قوم نے اپنے رسول کی تکذیب کی' اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بھی تکذیب کی گئی تھی حالانکہ ان کی نبوت کی نشانیاں بہت واضح تھیں اور ان کے معجزات بہت عظیم تھے تو اگر آپ کی بھی مشرکین اور مخالفین نے تکذیب کی ہے تو آپ غم نہ کریں۔

پھر فرمایا: میں نے ان مکذبین کو اس وقت تک مہلت دی جو وقت ان پر عذاب نازل کرنے کے لیے میرے علم میں مقرر تھا' پھر یہ مکذبین جو میرے عذاب کے نازل ہونے کا انکار کرتے تھے تو عذاب آنے کے بعد ان کا کیا حال ہوا؟ کیا میں نے ان کی نعمتوں کو مصیبتوں سے نہیں بدلا۔ کیا ان کے افراد کی کثرت کو قلت سے نہیں بدلا۔ کیا ان کی زندگی کو موت سے نہیں بدلا۔ کیا ان کے آباد شہروں کو کھنڈرات سے نہیں بدلا۔ کیا میں نے انبیاء علیہم السلام سے جو کافروں پر عذاب نازل کرنے کا وعدہ کیا تھا اس کو پورا نہیں کیا' اور ان نبیوں کو زمین میں کامیابی عطا نہیں فرمائی۔ سو اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کو بھی ان کی تکذیب پر صبر کرنا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی مصلحت کی وجہ سے مہلت دے رہا ہے' اس لیے خواہ آپ پر دشوار ہو آپ تسلیم و رضا کے طریقہ کو اپنائیں' ہرچند کہ اس بیان سے تسلی ہو جاتی ہے لیکن چونکہ کفار مسلسل آپ کو ایذاء پہنچاتے رہتے تھے' اس لیے اللہ تعالیٰ آپ کی تسلی کے لیے وقتاً فوقتاً ایسی آیات نازل فرماتا رہتا تھا۔

اس جگہ یہ سوال ہوتا ہے کہ پچھلی اُمتوں میں تو بہرحال مکذبین پر عذاب آ گیا تھا اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مکذبین اور مخالفین پر عذاب نہیں آیا۔ اس کی دو وجہیں ہیں ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں نزولِ عذاب کی ایک حد مقرر ہے جو اس حد پر پہنچ جاتا ہے اس پر عذاب نازل ہوتا ہے' اور جو اس حد تک نہیں پہنچتے' ان پر عذاب نازل نہیں ہوتا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ عذاب اس وقت نازل ہوتا ہے جب ان میں سے کوئی بھی ایمان نہ لائے یا اکثر لوگ ایمان نہ لائیں۔ یہ دو وجہیں امام رازی نے بیان کی ہیں اور میری رائے میں اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا ہے اور آپ کے ہوتے ہوئے ان مکذبین پر عذاب نازل کرنا آپ کو رحمۃ للعالمین بنانے کے منافی ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ یہ فرما چکا ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ. اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ آپ کے ہوتے ہوئے ان میں عذاب بھیج دے۔ (الانفال: ۳۳)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس ہم نے کتنی ہی بستیوں کو ہلاک کر دیا جو ظالم تھیں سو اب وہ اپنی چھتوں پر گری ہوئی پڑی ہیں اور بہت سے غیر آباد کنویں اور بہت سے مضبوط محل ○ سو کیا انہوں نے زمین میں سفر نہیں کیا کہ ان کے دل ایسے ہوتے جن سے یہ سمجھتے یا ان کے کان ایسے ہوتے جن سے یہ غور سے سنتے! پس حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں لیکن سینوں میں جو دل ہیں وہ اندھے ہو جاتے ہیں۔ (الحج: ۴۶-۴۵)

پچھلی اُمتوں کے واقعات سے عبرت حاصل کرنا

الحج: ۴۵ میں یہ بیان فرمایا: ہم نے کتنی ایسی بستیوں کو فنا کے گھاٹ اُتار دیا جن میں ظالم لوگ رسولوں کی تکذیب کرتے تھے' جن بستیوں کے محلات کھنڈر بن چکے ہیں' اوندھے منہ گرے ہوئے ہیں' ان کی منزلیں ویران ہو گئیں' ان کے کنویں خالی پڑے ہوئے ہیں' چونے اور پتھروں سے بنائے ہوئے ان کے مضبوط اور بلند و بالا محلات زمین بوس ہو گئے' ان کی خوبصورتی اور مضبوطی عبث اور بے کار ثابت ہوئی۔ اللہ کے عذاب نے ان کو تہس نہس کر دیا۔

الحج: ۴۶ میں فرمایا: سو کیا انہوں نے زمین میں سفر نہیں کیا کہ ان کے دل ایسے ہوتے جن سے یہ سمجھتے۔

حافظ اسماعیل بن عمر ابن کثیر دمشقی متوفی ۷۷۴ ھ لکھتے ہیں:

امام ابن ابی الدنیا نے کتاب التفکر والاعتبار میں اپنی سند کے ساتھ یہ روایت بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف یہ وحی کی کہ اے موسیٰ! آپ لوہے کی دو جوتیاں بنائیں اور لاٹھی لیں اور زمین میں سفر کریں پھر آثارِ قدرت اور عبرت کی نشانیاں دیکھیں۔ آپ کی جوتی ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی اور لاٹھی ٹوٹ جائے گی مگر وہ نشانیاں ختم نہیں ہوں گی۔

نیز امام ابن ابی الدنیا نے بعض حکماء کی یہ عبارت نقل کی ہے کہ نصیحت کے ساتھ اپنے دل کو زندہ رکھو اور غور و فکر کے ساتھ دل کو منور کرو' اور زہد اور دنیا سے بے رغبتی کے ساتھ نفس کو مارو اور یقین کے ساتھ اس کو قوی کرو' موت کی یاد سے دل کو ذلیل کرو اور فنا کے یقین سے اس کو صابر بناؤ اور زمانے کی مصیبتوں کو دکھا کر اس کو خوفزدہ کرو' دن اور رات کے تعاقب اور تواتر سے اس کو بیدار رکھو' گزشتہ لوگوں کے واقعات سے اسے عبرت دلاؤ اور پہلے لوگوں کے قصے سنا کر اس کو بیدار رکھو' ان کے شہروں اور ان کے حالات میں اس کو غور و فکر کرنے کا عادی بناؤ اور دیکھو کہ بدکاروں اور گناہ گاروں کے ساتھ کیسا معاملہ ہوا' وہ کس طرح اُلٹ پلٹ کر دیئے گئے۔ سو اس آیت میں بھی یہی ارشاد ہے کہ پہلی اُمتوں کے واقعات کو سامنے رکھ کر دلوں کو سمجھدار بناؤ' اور ان کی تباہی اور بربادی کے واقعات سن کر عبرت حاصل کرو اور یاد رکھو کہ صرف آنکھیں ہی اندھی نہیں ہوتیں' دل بھی اندھے ہوتے ہیں اور سب سے برا اندھا پن دل کا اندھا ہونا ہے' دل اگر اندھا ہو تو انسان نصیحت پکڑتا ہے نہ عبرت حاصل کرتا ہے اور نہ خیر و شر کی تمیز ہوتی ہے۔

ابو محمد عبداللہ بن محمد بن حیان اندلسی شترینی متوفی ۵۱۷ ھ نے اپنے بعض اشعار میں اس مضمون کو خوب نبھایا ہے' وہ کہتے ہیں کہ:

اے وہ شخص جو گناہوں سے لذت حاصل کر رہا ہے | کیا تو اپنے بڑھاپے اور برے انجام سے بے خبر ہے!

اگر تجھے وعظ سن کر نصیحت حاصل نہیں ہوتی | تو کیا تجھے آنکھوں کے ساتھ دیکھنے سے بھی عبرت حاصل نہیں ہوتی!

سنو آنکھیں اور کان اپنا کام نہ کریں تو | یہ اس قدر برا نہیں جتنا واقعات سے عبرت حاصل نہ کرنا برا ہے!

یاد رکھو یہ دنیا باقی رہے گی نہ آسمان ضرور ایک دن اس دنیا سے کوچ کر جانا ہے
نہ یہ بلند اور روشن آفتاب اور نہ خوبصورت ماہتاب ! خواہ دل کو ناگوار ہو' خواہ وہ امیر ہو یا غریب' شہری ہو یا دیہاتی

(تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۵۴ - ۲۵۳' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

غور و فکر کرنے کا محل آیا دل ہے یا دماغ؟

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

کیا یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ عقل علم ہے اور علم کا محل دل ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں! کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ۔ (الحج: ۴۶) کہ ان کے دل ایسے ہوتے جن سے یہ سمجھتے' اس لیے قلب کو تعقل اور غور و فکر کا محل قرار دینا واجب ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ. (ق: ۳۷)
اس قرآن میں ہر اس شخص کے لیے نصیحت ہے جس کا دل ہو۔

(تفسیر کبیر ج ۸ ص ۲۳۴' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں قلب کی اضافت دل کی طرف کی ہے کیونکہ دل عقل کا محل ہے جیسا کہ سننے کا محل کان ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ عقل کا محل دماغ ہے اور یہ امام ابوحنیفہ سے روایت ہے اور میری رائے میں یہ قول صحیح نہیں ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۲ ص ۶۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابو الحیان محمد بن یوسف اندلسی متوفی ۷۵۴ھ لکھتے ہیں:

ایک قوم کے نزدیک غور و فکر کا محل دماغ ہے اور اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ اس کا محل سینہ (دل) ہے۔

(البحر المحیط ج ۷ ص ۵۲۲' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ)

علامہ نووی لکھتے ہیں کہ جو علماء یہ کہتے ہیں کہ عقل دماغ میں ہے' ان کی دلیل یہ ہے کہ جب دماغ فاسد ہو تو عقل فاسد ہو جاتی ہے' اس سے معلوم ہوا کہ عقل دماغ میں ہوتی ہے۔ علامہ نووی اس دلیل کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: یہ دلیل صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ ہو سکتا ہے کہ عقل دماغ میں نہ ہو لیکن اللہ تعالیٰ کی یہ عادت جاریہ ہو کہ وہ دماغ کے فساد کے وقت عقل کو فاسد کر دیتا ہو اور اس میں کوئی استحالہ نہیں ہے۔ (شرح مسلم ج ۲ ص ۲۸' مطبوعہ کراچی' ۱۳۷۵ھ)

علامہ نووی کا یہ جواب صحیح نہیں ہے کیونکہ اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ آنکھ سے بصارت کا ادراک نہیں ہوتا اور آنکھ ضائع ہو جانے سے بصارت اس لیے چلی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ عادت جاریہ ہے کہ وہ آنکھوں کے فساد کے وقت بصارت کو فاسد کر دیتا ہے اور یہ بداہت کے خلاف ہے۔

دماغ کے محل عقل ہونے پر دلائل

عقل کا محل دماغ ہے' اس پر دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس کام کی استعداد اور صلاحیت جس عضو میں رکھی ہے اس کا محل اسی عضو کو بنایا ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کی عادت جاریہ ہے' اور ہم بداہۃً جانتے ہیں کہ غور و فکر اور سوچ و بچار کا کام دماغ سے لیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زیادہ مطالعہ کرنے' زیادہ غور و فکر کرنے اور زیادہ سوچ و بچار سے دماغ تھک جاتا ہے' دل کو کوئی تھکاوٹ نہیں ہوتی۔ زیادہ پڑھنے سے بھی سر میں درد ہو جاتا ہے دل میں کوئی درد نہیں ہوتا' اگر چربی بڑھ جانے اور مٹاپے سے

عارضہ قلب کی بیماری لاحق ہو جائے اور دل کے دورے پڑنے لگیں تو اس سے انسان کی عقل متاثر نہیں ہوتی۔ اسی طرح بلڈ پریشر بڑھ جانے کی وجہ سے دل کو زیادہ مشقت اور محنت کرنا پڑے تو اس سے بھی عقل کی کارکردگی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس کے برخلاف اگر دماغ کو کوئی بیماری لاحق ہو جیسے عدم ارتکاز ذہنی انتشار' انجانا خوف' نسیان' مالیخولیا اور جنون وغیرہ تو ان بیماریوں سے عقل کی کارکردگی کم یا فاسد ہو جاتی ہے۔ نیز اگر دماغ پر کوئی چوٹ لگ جائے تو اس سے بھی عقل متاثر ہوتی ہے بعض اوقات دماغ کی چوٹ کی وجہ سے انسان کی یادداشت ختم ہو جاتی ہے' بعض دفعہ سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت کم یا ختم ہو جاتی ہے۔ یہ تمام چیزیں بکثرت مشاہدات اور بداہت سے ثابت ہیں اور ان کا انکار کرنا بداہت کا انکار کرنا ہے' اور سب سے واضح دلیل یہ ہے کہ مغربی ممالک میں بعض لوگوں کا آپریشن سے دل بدل دیا گیا اگر عقل اور ادراک کا محل دل ہوتا تو دل بدل جانے سے پوری شخصیت بدل جانی چاہیے تھی جبکہ ان لوگوں نے بتایا کہ ان کے علوم اور معلومات' احساسات اور جذبات میں کوئی فرق واقع نہیں ہوا۔ اس سے ثابت ہوا کہ عقل کا محل دماغ ہے دل نہیں ہے۔

قرآن اور حدیث میں دل کی طرف عقل اور ادراک کی نسبت کرنے کی توجیہ

رہا یہ سوال کہ قرآن مجید میں عقل اور ادراک کی نسبت دل کی طرف کی گئی ہے' دماغ کی طرف نہیں کی گئی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن سائنس کی زبان میں نہیں بلکہ عرف اور ادب کی زبان میں کلام کرتا ہے اور روزمرہ کی گفتگو' عرف' محاورات اور ادبی زبان میں علم و ادراک' سوچ و بچار' احساسات' جذبات' خیالات بلکہ تقریباً دماغ کے تمام افعال کو سینے اور دل کی طرف منسوب کیا جاتا ہے' حتیٰ کہ کسی چیز کے یاد ہونے کو کہتے ہیں کہ وہ تو میرے سینے میں موجود ہے۔ کہتے ہیں کہ میرے دل میں یہ خیال آیا' میرا دل اس کو نہیں مانتا حالانکہ دل تو صرف خون پمپ کا کرنے کا ایک آلہ ہے۔ سائنسی ترقی کے اس دور میں بھی پڑھے لکھے ادیب اور سائنس دان اپنی گفتگو میں اُلفت اور محبت اور علم اور ادراک کی نسبت دل کی طرف کرتے ہیں دماغ کی طرف نہیں کرتے۔

قرآن مجید میں عام لوگوں کے عرف اور محاورے کے مطابق خطاب ہے' اس پر دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً۬ (البقرہ:۲۲) اور اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اُتارا۔

حالانکہ یہ پانی بخارات کی صورت میں زمین سے اوپر جاتا ہے اور بارش کی صورت میں نازل ہوتا ہے لیکن چونکہ عرف اور محاورے میں کہا جاتا ہے کہ آسمان سے بارش ہوئی اس لیے اس کے مطابق خطاب فرمایا۔ نیز ارشاد ہے:

حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَغۡرِبَ الشَّمۡسِ وَجَدَهَا تَغۡرُبُ فِىۡ عَيۡنٍ حَمِئَةٍ (الکھف:۸۶) یہاں تک کہ جب وہ سورج کے غروب ہونے کی جگہ پہنچے تو انہوں نے اس (سورج) کو سیاہ دلدل کے چشمہ میں غروب ہوتا ہوا دیکھا۔

حالانکہ عقل اور سائنس کے نزدیک سورج کبھی غروب نہیں ہوتا۔ وہ ہمیشہ اپنے مدار میں گھومتا رہتا ہے اور یہ تو بالکل بدیہی ہے کہ سورج چشمہ میں غروب نہیں ہو سکتا لیکن عرف میں ایسا ہی کہتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں "سورج پہاڑ کے پیچھے چھپ گیا" اسی طرح عرف کے مطابق یہاں ارشاد فرمایا ہے۔

میرے شیخ علامہ سید احمد سعید کاظمی قدس سرہ نے فرمایا قرآن مجید میں عام سطح کے لوگوں اور عرف کے مطابق خطاب کیا ہے اور عقلاء اور سائنس دانوں کی اصطلاح کے مطابق خطاب نہیں کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ عقل اور سائنس اور اعلیٰ درجہ کے دماغوں کے مطابق خطاب کرتا تو یہ عام لوگوں کے لیے غیر مانوس ہوتا اور وہ اس سے فائدہ نہ اُٹھا سکتے اور یہ چیز اللہ تعالیٰ کی حکمت کے

بھی خلاف تھی اور اس کی رحمت کے بھی خلاف تھی۔

ایک حدیث میں صراحتاً عقل اور ادراک کی دل کی نسبت نہیں کی گئی بلکہ انسانی دل کو اخلاق اور عادات کا مرکز قرار دیا ہے اگر دل میں اچھے خیالات ہوں تو انسان کے تمام اعضاء سے اچھے افعال کا ظہور ہوگا لیکن چونکہ اخلاق کا اچھا برا ہونا بھی انسانی فکر پر موقوف ہے' اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ اس حدیث میں فکر کا مرکز دل کو قرار دیا ہے' اور ہمارے نزدیک یہ بھی عرف اور محاورے کے مطابق اطلاق مجازی ہے۔ اس بحث کو مکمل کرنے کے لیے ہم اس سلسلے میں ائمہ مجتہدین اور فقہاء اسلام کے نظریات پیش کریں گے۔ علامہ نووی کے حوالے سے ہم امام شافعی کا نظریہ بیان کر چکے ہیں کہ وہ دل کو عقل کا محل قرار دیتے ہیں۔ اب ہم باقی ائمہ اور فقہاء کے نظریات پیش کریں گے۔ تاہم اس سے پہلے ہم عقل کی تعریف بیان کریں گے۔

عقل کی تعریف میں علماء کے اقوال

علامہ محمد فرید وجدی لکھتے ہیں:

عقل انسان میں ادراک کرنے کی قوت ہے اور یہ روح کے مظاہر میں سے ایک مظہر ہے اور اس کا محل مخ (مغز) ہے جیسا کہ ابصار روح کے خصائص میں سے ایک خاصہ ہے اور اس کا آلہ آنکھ ہے۔ (دائرۃ المعارف العشرین ج ٦ ص ٥٢٢)

علامہ میر سید شریف لکھتے ہیں:

عقل وہ قوت ہے جس سے حقائق اشیاء کا ادراک ہوتا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کا محل سر ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس کا محل قلب ہے۔ (کتاب التعریفات ص ٦٥' ایران)

علامہ تفتازانی لکھتے ہیں:

عقل وہ قوت ہے جس میں علوم اور ادراکات کی صلاحیت ہے اور ایک قول یہ ہے کہ عقل ایک جوہر ہے جس سے غائبات کا بالواسطہ اور محسوسات کا بالمشاہدہ ادراک ہوتا ہے۔ (شرح العقائد ص ١٦)

علامہ زبیدی نے الشیطی سے نقل کیا ہے کہ عقل اگر عرض ہے تو وہ نفس میں ایک ملکہ ہے' جس کی وجہ سے نفس میں علوم اور ادراکات کی صلاحیت ہے اور اگر عقل جوہر ہے تو ایک جوہر لطیف ہے جس کی وجہ سے غائبات کا بالواسطہ اور محسوسات کا بالمشاہدہ ادراک ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو دماغ میں پیدا کیا ہے اور اس کا نور قلب میں ہے۔ (تاج العروس ج ٨ ص ٢٦)

علامہ زبیدی نے علامہ مجد الدین کی اس تعریف کا ذکر کیا ہے:

عقل وہ قوت ہے جس سے اچھی اور بری چیزوں میں تمیز حاصل ہوتی ہے' اور علامہ راغب اصفہانی کی یہ تعریف ذکر کی ہے: عقل وہ قوت ہے جس سے قبول علم کی صلاحیت ہے اور لکھا ہے کہ حق یہ ہے کہ عقل قلب یا دماغ میں ایک روحانی نور ہے جس سے نفس علوم بدیہیہ اور نظریہ کا ادراک کرتا ہے۔ (تاج العروس ج ٨ ص ٢٥)

علامہ شرتونی نے لکھا ہے عقل ایک روحانی نور ہے جس سے نفس علوم بدیہیہ اور نظریہ کا ادراک کرتا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ وہ ایک طبعی صفت ہے جس کی وجہ سے انسان میں فہم خطاب کی صلاحیت ہوتی ہے۔ (اقرب الموارد ج ٢ ص ١٢)

محل عقل کے بارے میں ائمہ مذاہب کے اقوال

امام ابوحنیفہ نے فرمایا ہے عقل دماغ میں ہے۔

شمس الائمہ سرخسی حنفی لکھتے ہیں:

اگر کوئی شخص کسی کے سر پر ضرب لگائے جس سے اس کی عقل چلی جائے تو عقل کے جانے کے اعتبار سے اس پر دیت

لازم ہو گی اور اس میں موضحہ (ایسی ضرب جس سے ہڈی ظاہر ہو جائے' درمختار) کی ارش (جرمانہ) بھی داخل ہو گی اور حسن رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اس میں موضحہ کی ارش داخل نہیں ہو گی' کیونکہ جنایت (ضرب لگانے) کا محل مختلف ہے کیونکہ موضحہ کا محل اور ہے برخلاف اس صورت کے جب موضحہ بالوں کے ساتھ ہو۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ عقل کا جانا نفس کے تبدیل ہو جانے اور اس کے بہائم (حیوانوں) کے ساتھ لاحق ہو جانے کے مترادف ہے اور یہ بمنزلہ موت ہے' اگر کوئی شخص کسی کے سر پر ایسی ضرب لگائے جس سے ہڈی ظاہر ہو جائے اور وہ اس سے مر جائے تو اس سے پوری دیت لازم آتی ہے اور اس میں سر پر ضرب لگانے کا جرمانہ بھی داخل ہے۔ (المبسوط ج ۲۶ ص ۹۹)

شمس الائمہ سرخسی کے بیان کا حاصل یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک اگر سر پر ضرب لگانے سے مکمل عقل زائل ہو جائے تو پوری دیت لازم آئے گی ورنہ اس کے حساب سے لازم آئے گی اور اس مسئلہ پر یہ دلیل ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک عقل کا محل دماغ ہے۔

امام مالک کے نزدیک بھی عقل کا محل دماغ ہے۔ علامہ سحنون بن سعید تنوخی مالکی لکھتے ہیں:

میں نے امام عبدالرحمٰن بن قاسم سے سوال کیا کہ کسی شخص کے سر پر عمداً ایسی ضرب لگائی گئی جس سے اس کی ہڈی ظاہر ہو گئی اور اس کی سماعت اور عقل چلی گئی تو اس مسئلہ میں امام مالک کا کیا قول ہے؟ امام ابن قاسم نے فرمایا اگر اس نے ایسی ضرب لگائی جس سے ہڈی ظاہر ہو گئی اور وہ دماغ تک پہنچ گئی تو موضحہ کا قصاص لیا جائے گا اور مامومہ (ضرب دماغ تک پہنچنے میں) اس کی عاقلہ دیت ادا کریں گے' اور اگر اس نے کسی کے سر پر ایسی ضرب لگائی جس سے اس کی ہڈی ظاہر ہو گئی اور اس کی سماعت اور عقل چلی گئی تو اس کے علاج کے بعد دیکھا جائے گا اگر وہ ٹھیک ہو گیا تو موضحہ میں ضارب سے قصاص لیا جائے گا پھر دیکھا جائے گا آیا اس ضرب سے مضروب کی سماعت اور عقل زائل ہو گئی ہے یا نہیں اگر اس کی عقل اور سماعت زائل ہو گئی ہے تو اس کے مال سے سماعت اور عقل کی دیت وصول کی جائے گی اور اگر اس کی سماعت اور عقل زائل نہیں ہوئی ہے تو اس سے علاج کا خرچ وصول کیا جائے گا۔ (المدونۃ الکبریٰ ج ۴ ص ۴۸۷)

اس مسئلہ سے واضح ہو گیا کہ امام مالک کے نزدیک بھی عقل دماغ میں ہے۔ امام شافعی کے بارے میں ہم پہلے علامہ نووی سے نقل کر چکے ہیں کہ ان کے نزدیک عقل قلب میں ہے۔ امام رازی شافعی کی بھی یہی رائے ہے۔ امام احمد بن حنبل کی رائے بھی یہی معلوم ہوتی ہے کیونکہ حنبلی علماء نے عقل کا مستقر قلب قرار دیا ہے۔

علامہ عبدالرحمٰن محمد بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ ھ لکھتے ہیں:

قلب سیاہ جمے ہوئے خون کا ایک لوتھڑا ہے' یہ دل کی کوٹھڑی ہے' نفس کا گھر ہے اور عقل کا مسکن ہے۔

(زاد المسیر ج ۱ ص ۲۸' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۱۲ ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یہ آپ سے جلد عذاب کا مطالبہ کر رہے ہیں اور اللہ اپنی وعید کے خلاف ہرگز نہیں کرے گا' اور بے شک آپ کے رب کے نزدیک ایک دن تمہاری گنتی کے ہزار دنوں کی مثل ہے ○ اور میں نے ایسی بہت سی بستیوں کو مہلت دی تھی جو ظالم تھیں پھر میں نے ان کو پکڑ لیا اور میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے ○ (الحج: ۴۸-۴۷)

آخرت میں عذاب کا ایک دن دنیا کے ہزار دنوں کے برابر ہو گا

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ کفار نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جلد عذاب بھیجنے کا مطالبہ کرتے تھے۔ اس میں یہ دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو ہمیشہ ڈراتے رہتے تھے کہ اگر تم نے کفر' شرک اور بت پرستی کو ترک نہیں کیا تو تم پر عذاب

آئے گا اور اس عذاب سے مراد آخرت کا عذاب نہیں ہے' کیونکہ اگر اس سے مراد دنیا کا عذاب نہ ہوتا اور آخرت کا عذاب ہوتا تو اللہ تعالیٰ یہ نہ فرماتا: اور اللہ اپنی وعید کے خلاف ہرگز نہیں کرے گا' اور اگر یہ آخرت کا عذاب ہوتا تو پھر وہ اس عذاب کو جلد بھیجنے کا مطالبہ نہیں کرتے' اور یہ عذاب جنگِ بدر کے دن شکست کی صورت میں ان پر آچکا ہے اور اللہ تعالیٰ کی وعید پوری ہوگئی۔ اس کے بعد فرمایا اور بے شک آپ کے رب کے نزدیک ایک دن تمہاری گنتی کے ہزار دنوں کی مثل ہے۔ یعنی ان کو آخرت میں جو عذاب دیا جائے گا اس کا ایک دن بھی ہزار دنوں کے برابر ہوگا۔ یعنی اس عذاب کا درد اور اس کی شدت اس قدر زیادہ ہوگی کہ اس عذاب کا ایک دن بھی ہزار دنوں کے برابر معلوم ہوگا۔

اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ جس دن حساب لیا جائے گا وہ اس قدر طویل دن ہوگا جو اپنے طول میں ہزار دنوں کے برابر ہوگا اور جب کہ دنیاوی دن جو کم مقدار میں ہوتے ہیں' ان میں بھی درد اور شدت کا وقت بہت طویل معلوم ہوتا ہے تو جو دن فی نفسہٖ طویل ہو اور اس میں درد اور شدت بھی بہت زیادہ ہو' اس دن کی تکلیف اور اذیت کا کون اندازہ کر سکتا ہے پھر وہ کیسے بے عقل لوگ تھے جو اللہ کے عذاب کے جلد آنے کا مطالبہ کرتے تھے۔

اس کا تیسرا محمل یہ ہے کہ اللہ کے اعتبار سے دنیاوی ایک دن ہو یا ہزار سال کا ایک دن دونوں برابر ہیں' کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور جب وہ ایک دن کی مہلت کو دُور نہیں سمجھ رہے تو ہزار دن کی مہلت کو کیسے دُور سمجھ رہے ہیں۔

اس کا چوتھا محمل یہ ہے کہ وہ دنیاوی کم مقدار کے دنوں میں جلد عذاب بھیجنے کا مطالبہ کر رہے ہیں حالانکہ آخرت میں جو ان پر عذاب آئے گا وہ بہت لمبے دنوں میں آئے گا' اس کا ایک دن بھی ہزار دنوں کے برابر ہوگا۔

الحج: ۴۸ میں فرمایا: اور میں نے ایسی بہت سی بستیوں کو مہلت دی تھی جو ظالم تھیں پھر میں نے ان کو پکڑ لیا۔

اس سے مراد یہ ہے کہ کتنی ہی ایسی بستیاں تھیں جو کفر اور ظلم کرتی تھیں اور اس کے باوجود میں نے ان کو مہلت دی اور ان سے عذاب کو مؤخر رکھا' اور اس مہلت سے انہوں نے دھوکا کھایا اور اپنے کفر اور ظلم پر ڈٹے رہے پھر میں نے ان کو اچانک پکڑ لیا اور ان پر اپنا عذاب نازل کر دیا۔ پس ان کا عذاب رکا ہوا ہے اور بالآخر انہوں نے میری ہی طرف لوٹنا ہے۔

قُلْ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ إِنَّمَآ أَنَا۠ لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿٤٩﴾ فَٱلَّذِينَ

آپ کہیے اے لوگو! میں تمہیں واضح طور پر عذاب سے ڈرانے والا ہوں ○ سو جو لوگ

ءَامَنُوا۟ وَعَمِلُوا۟ ٱلصَّٰلِحَٰتِ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿٥٠﴾

ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے ان کے لیے مغفرت ہے اور عزت کی روزی ہے ○

وَٱلَّذِينَ سَعَوْا۟ فِىٓ ءَايَٰتِنَا مُعَٰجِزِينَ أُو۟لَٰٓئِكَ أَصْحَٰبُ

اور جو لوگ ہماری آیتوں کی تکذیب میں سر توڑ کوشش کرتے ہیں وہی

ٱلْجَحِيمِ ﴿٥١﴾ وَمَآ أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ

دوزخ والے ہیں ○ اور ہم نے آپ سے پہلے جو بھی رسول اور

وَلَا نَبِيٍّ إِلَّآ إِذَا تَمَنّٰىٓ أَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيٓ أُمْنِيَّتِهٖ ۚ

نبی جیسا تو جب بھی اس نے (اپنی امت کی وسعت کی) تمنا کی تو شیطان نے (لوگوں کے دلوں میں شبہات ڈال کر) اس کی تمنا

فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ۗ

(پوری ہونے) میں رخنہ ڈال دیا، سو اللہ شیطان کے ڈالے ہوئے (شبہات) کو زائل کر دیتا ہے، پھر اللہ اپنی آیات کو پختہ کر دیتا ہے

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۲﴾ لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ

اور اللہ خوب جاننے والا بہت حکمت والا ہے ○ تاکہ اللہ شیطان کے ڈالے ہوئے (شبہات) کو

فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْقَاسِيَةِ

ان لوگوں کے لیے آزمائش بنا دے جن کے دلوں میں بیماری ہے اور جن کے دل سخت

قُلُوْبُهُمْ ۗ وَإِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۵۳﴾ وَّ

ہو چکے ہیں، بے شک ظالم لوگ بہت دور کی مخالفت میں ہیں ○ اور

لِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْعِلْمَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ

جو اہل علم ہیں ان کو یہ جان لینا چاہیئے کہ یہ (قرآن) آپ کے رب کی طرف سے حق ہے

فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ۗ وَإِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ

پس وہ اس پر ایمان لائیں اور ان کے دل اس کی طرف جھک جائیں، اور بے شک اللہ

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۴﴾ وَلَا يَزَالُ

ایمان والوں کو ضرور صراط مستقیم کی طرف راہ دکھانے والا ہے ○ اور جو لوگ کافر

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتّٰى تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ

ہیں وہ اس کے متعلق ہمیشہ شک میں ہی رہیں گے، حتیٰ کہ ان پر اچانک قیامت

بَغْتَةً أَوْ يَأْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيْمٍ ﴿۵۵﴾ اَلْمُلْكُ

ٹوٹ پڑے یا ان کے پاس بے رحم دن کا عذاب آ جائے ○ اس دن صرف

يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ۭ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

اللہ کی حکومت ہوگی وہی ان کے درمیان فیصلہ فرمائے گا، پس جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک

الصّٰلِحٰتِ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اعمال کیے وہ نعمت والی جنتوں میں ہوں گے ۝ اور جن لوگوں نے کفر کیا

وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝

اور ہماری آیتوں کی تکذیب کی، ان ہی لوگوں کے لیے ذلت والا عذاب ہے ۝

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا

اور جن لوگوں نے اللہ کے راستے میں ہجرت کی پھر وہ قتل کر دیئے گئے یا وہ (طبعی موت) مر گئے،

لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ

اللہ ان کو ضرور عمدہ رزق عطا فرمائے گا، اور بے شک اللہ سب دینے والوں سے

الرّٰزِقِيْنَ ۝ لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ

بہترین دینے والا ہے ۝ اللہ انہیں ضرور ایسی جگہ داخل فرمائے گا جس سے وہ راضی ہوں گے اور بے شک اللہ

لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ۝ ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ

خوب جاننے والا بردبار ہے ۝ اور یہ اس لیے ہے کہ جس نے اتنی ہی اذیت پہنچائی جتنی اسے اذیت پہنچائی گئی تھی،

بِهٖ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ۝

پھر اس پر زیادتی کی گئی تو اللہ اس کی ضرور مدد فرمائے گا، بے شک اللہ ضرور بہت معاف کرنے والا بہت بخشنے والا ہے ۝

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ

یہ اس لیے ہے کہ اللہ رات کو دن میں داخل فرماتا ہے اور دن کو رات میں

فِي الَّيْلِ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ

داخل فرماتا ہے اور بے شک اللہ بہت سننے والا بہت دیکھنے والا ہے ۝ اور یہ اس لیے ہے کہ

هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ

اللہ ہی حق ہے اور یہ (مشرکین) اس کے سوا جس کی عبادت کرتے ہیں وہ باطل ہے'

وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۶۲﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ

بے شک اللہ بہت بلند نہایت بڑا ہے ○ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے

مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً ؕ اِنَّ اللّٰهَ

پانی نازل کیا جس سے زمین سرسبز ہو گئی' بے شک اللہ بہت

لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ﴿۶۳﴾ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ

لطف کرنے والا نہایت خبر رکھنے والا ہے ○ اسی کی ملک میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے'

وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۶۴﴾

اور بے شک اللہ ہی بے نیاز ہے تمام تعریفیں کیا ہوا ○

ع ۸ / ۷ / ۱۵

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے اے لوگو! میں تمہیں واضح طور پر عذاب سے ڈرانے والا ہوں ○ سو جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے' ان کے لیے مغفرت ہے اور عزت کی روزی ہے ○ اور جو لوگ ہماری آیتوں کی تکذیب میں سرتوڑ کوشش کرتے ہیں' وہی دوزخ والے ہیں ○ (الحج: ۵۱-۴۹)

آپ کو پیغام حق سنانے میں ثابت قدم رکھنا

الحج: ۴۹ میں فرمایا: آپ کہیے اے لوگو! میں تمہیں واضح طور پر عذاب سے ڈرانے والا ہوں۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو یہ حکم دیا ہے کہ آپ دائمی طور پر مستقلاً ان کو اللہ کے عذاب سے ڈراتے رہیں اور مشرکین مکہ جو آپ کا انکار اور آپ کی تکذیب کرتے ہیں اور آپ کا مذاق اُڑاتے ہوئے یہ پوچھتے ہیں کہ آپ جس عذاب سے ہم کو ڈرا رہے ہیں' وہ آخر کب آئے گا؟ تو آپ اس سے دل برداشتہ اور رنجیدہ نہ ہوں' اور ان سے کہیں کہ میں تو تم کو صرف عذاب سے ڈرانے کے لیے بھیجا گیا ہوں اور تمہاری یہ تند و تیز اور طنز آمیز باتیں اور تمہاری یہ تضحیک مجھے اپنا مشن پورا کرنے اور عذاب سے ڈرانے سے نہیں روک سکیں گی۔

الحج: ۵۰ اور ۵۱ میں اللہ تعالیٰ نے وعد اور وعید کا ذکر فرمایا ہے کہ جو لوگ میرے پیغام کو قبول کریں گے اور اللہ کے عذاب سے ڈر کر ایمان لے آئیں گے اور کفر اور گناہوں کو ترک کر دیں گے اور نیک عمل کریں گے' ان کے لیے مغفرت ہے اور عزت کی روزی ہے۔ اور جو لوگ کفر اور سرکشی میں ڈٹے رہیں گے اور ہماری آیتوں کی تکذیب میں سرتوڑ کوشش کریں گے اور وہ اپنے زعم میں ایسی زبردست مہم چلائیں گے اور ایسے اعتراضات کریں گے جن کی بناء پر وہ ہمارے رسول کو اور رسول کے متبعین کو عاجز کر دیں گے تو وہی لوگ دوزخ والے ہیں۔

الحج: ۵۱ میں فرمایا ہے: **والذین سعوا فی ایتنا معجزین** اس کا لفظی ترجمہ ہے جو لوگ ہماری آیتوں کی تکذیب میں عاجز کر دینے کی حد تک کوشش کرتے ہیں، یعنی ان کا زعم یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ کی آیتوں کی تکذیب میں ایسے شبہات وارد کریں گے جس کے جواب سے وہ اللہ کے رسول اور مسلمانوں کو عاجز کر دیں گے، پھر الحج: ۵۲ میں ایسے ہی شبہات اور ان شبہات ہی کی وجہ سے نبی کی اس آرزو میں رخنے ڈالنے کا بیان فرمایا ہے کہ نبی کے دین کی اشاعت اور تبلیغ ہو اور اس کی اُمت میں کثرت اور وسعت ہو، پھر بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے شبہات کو بیخ و بن سے اُکھاڑ دیتا ہے اور اپنی آیتوں کو راسخ اور محکم کر دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے آپ سے پہلے جو بھی رسول اور نبی بھیجا تو جب بھی اس نے (اپنی اُمت کی وسعت کی) تمنا کی تو شیطان نے (لوگوں کے دلوں میں شبہات ڈال کر) اس کی تمنا (پوری ہونے) میں رخنہ ڈال دیا، سو اللہ شیطان کے ڈالے ہوئے (شبہات) کو زائل کر دیتا ہے پھر اللہ اپنی آیات کو پختہ کر دیتا ہے اور اللہ خوب جاننے والا، بہت حکمت والا ہے ○ (الحج: ۵۲)

الحج: ۵۲ کے چند مشہور تراجم

شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی متوفی ۶۹۱ ھ لکھتے ہیں:

ونفرستادیم پیش از تو، ہیچ رسولے و نہ خبر دہندہ از خدا مگر چوں تلاوت کرد بیفگند شیطان در تلاوت او آنچہ خواست پس اجل گرداند خدائے آنچہ در افگندہ باشد شیطان پس ثابت کند خدائے آیت ہائے خود را۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی متوفی ۱۱۷۶ ھ لکھتے ہیں:

و نہ فرستادیم پیش از تو، ہیچ فرستادہ و نہ ہیچ صاحب وحی الا چوں آرزوئے بخاطر بست بافگند شیطان چیزے در آرزوئے وے پس دورے کند خدا آنچہ شیطان انداختہ است باز محکم مے کند خدا آیات خود را۔

شاہ رفیع الدین متوفی ۱۲۳۳ ھ لکھتے ہیں:

اور نہیں بھیجا ہم نے پہلے تجھ سے کوئی رسول اور نہ نبی مگر جس وقت آرزو کرتا تھا ڈال دیتا تھا شیطان بیچ آرزو اس کے کے، پس موقوف کر دیتا ہے اللہ، جو ڈالتا ہے شیطان پھر محکم کرتا ہے اللہ نشانیوں اپنی کو۔

شاہ عبد القادر محدث دہلوی متوفی ۱۲۳۰ ھ لکھتے ہیں:

اور جو رسول بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے یا نبی سو جب خیال باندھنے (لگا) شیطان نے ملا دیا اس کے خیال میں، پھر اللہ مٹاتا ہے شیطان کا ملایا پھر پکی کرتا ہے اپنی باتیں۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی متوفی ۱۳۴۰ ھ لکھتے ہیں:

اور ہم نے تم سے پہلے جتنے رسول یا نبی بھیجے سب پر کبھی یہ واقعہ گزرا ہے کہ جب انہوں نے پڑھا تو شیطان نے ان کے پڑھنے میں لوگوں پر کچھ اپنی طرف سے ملا دیا تو مٹا دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس شیطان کے ڈالے ہوئے کو پھر اللہ اپنی آیتیں پکی کر دیتا ہے۔

حضرت سید محمد محدث کچھوچھوی متوفی ۱۹۶۱ ھ لکھتے ہیں:

اور نہیں بھیجا ہم نے تم سے پہلے کوئی رسول نہ نبی مگر یہ کہ جب پڑھا تو شیطان نے اپنی طرف سے اپنوں کے لیے بڑھا دیا ان کے پڑھنے میں تو میٹ دیتا ہے اللہ جو شیطان کا القاء ہے پھر مضبوط فرما دیتا ہے اللہ اپنی آیتوں کو۔

حضرت سید احمد سعید کاظمی متوفی ۱۴۰۶ ھ لکھتے ہیں:

اور ہم نے (غیب کی خبریں دینے والا اپنا مبعوث) کوئی رسول اور نبی آپ سے پہلے نہیں بھیجا مگر اس نے تلاوت کی تو شیطان نے اس کی تلاوت کے دوران (لوگوں پر اپنی طرف سے) ڈال دیا تو اللہ مٹا دیتا ہے شیطان کے ڈالے ہوئے کو اور پھر اپنی آیتیں خوب پکی کر دیتا ہے۔

شاہ ولی اللہ شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر نے اس آیت میں تمنّٰی کا معنی آرزو کیا ہے۔ شیخ تھانوی اور سید مودودی نے بھی یہی معنی کیا ہے اور باقی مترجمین نے تمنّٰی کا معنی پڑھا یا تلاوت کیا' کیا ہے' اور مؤخر الذکر معنی ایک روایت پر مبنی ہے جو شدید ترین ضعیف ہے اور بعض نے اس کو موضوع کہا ہے اور تمام محققین علماء مفسرین اور محدثین نے تمنّٰی کا معنی آرزو کی' کیا ہے۔ پہلے ہم اس شدید ضعیف روایت کا ذکر کریں گے جس کو اس آیت کے شانِ نزول میں بیان کیا جاتا ہے پھر اس روایت کا شدید ضعف بیان کریں گے پھر اس سلسلہ میں مفسرین اور محدثین کی نقول اور تصریحات پیش کریں گے فنقول و بالله التوفیق وبه الاستعانة یلیق.

الحج: ۵۲ کا شانِ نزول

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ذکر ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ النجم پڑھی تو آپ نے سجدہ کیا اور سب مسلمانوں اور مشرکوں نے بھی سجدہ کیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۰۷۱) مشرکوں نے جو سجدہ کیا اس کی صحیح وجہ یہ ہے کہ آپ نے یہ آیات تلاوت فرمائیں:

اَفَرَاَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ○ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ○ (النجم: ۲۰-۱۹)

کیا تم نے دیکھا لات اور عزیٰ کو اور اس تیسری مناۃ کو۔

تو مشرکین اس بات سے خوش ہوئے کہ قرآنِ کریم میں ان کے بتوں کا ذکر آ گیا اور انہوں نے بھی سجدہ کر لیا۔ اس سلسلہ میں مسند بزار اور تفسیر ابن مردویہ میں ایک شدید ضعیف روایت ذکر کی گئی ہے جس میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ومنوة الثالثة الاخرى کی تلاوت کی تو شیطان نے آپ کی تلاوت میں خود یہ الفاظ ملا دیئے یا آپ کی زبان سے جاری کرا دیئے:

تلک الغرانیق العلى فان شفاعتهن

یہ مرغان بلند بانگ ان کی شفاعت کی مقبولیت متوقع ہے۔

ترتجی.

یہ سن کر مشرکین خوش ہوئے اور سجدہ کر لیا۔ بعد میں جبرئیل نے آ کر عرض کیا آپ نے وہ چیز تلاوت کی جس کو میں لے کر آیا نہ اللہ تعالیٰ نے اس کو نازل کیا اور آپ کے استفسار پر بتلایا کہ آپ نے یہ کلمات پڑھے ہیں۔ آپ رنجیدہ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی تسلی کے لیے یہ آیات نازل فرمائیں:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِى الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ. (الحج: ۵۲)

اللہ تعالیٰ نے آپ سے پہلے کوئی رسول اور نبی نہیں بھیجا مگر (اس کے ساتھ یہ واقعہ گزرا ہے) جب اس نے آیات کی تلاوت کی تو شیطان نے اس کی تلاوت میں اپنی طرف سے کچھ ملا دیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے شیطان کے ملائے کو منسوخ کر دیا اور اپنی آیات کو محکم کر دیا۔

یہ روایت اپنی تمام اسانید کے ساتھ سنداً باطل اور عقلاً مردود ہے' کیونکہ نہ یہ ممکن ہے کہ شیطان آپ کی زبان سے کلام

کرے اور نہ یہ کہ اپنی آواز کو آپ کی آواز کے مشابہ کرسکے اور سننے والے اس کی آواز آپ کی آواز قرار دیں' اگر بالفرض یہ ممکن ہو تو تمام شریعت سے اعتماد اُٹھ جائے گا کیونکہ ہو سکتا ہے کہ ہم تک صحابہ کی روایت سے جو احکام پہنچے ہیں' وہ آپ کا فرمان نہ ہوں بلکہ شیطان کا کہا ہوا ہو۔ نیز حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ شیطان خواب میں آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل نہیں بن سکتا تو جب شیطان آپ کی صورت کے مماثل نہیں ہو سکتا تو آواز کے مماثل کیسے ہو سکتا ہے اور جب وہ سونے والے پر اشتباہ نہیں ڈال سکتا حالانکہ وہ اس حال میں مکلف نہیں ہوتا تو بیدار پر کیسے اشتباہ ڈال سکتا ہے جبکہ وہ مکلف ہوتا ہے۔ امام ابو منصور ماتریدی' امام بیہقی' امام رازی' قاضی بیضاوی' علامہ نووی' علامہ کرمانی' علامہ بدرالدین عینی' علامہ قسطلانی اور علامہ آلوسی اور دیگر تمام محققین نے ان روایات کو رد کر دیا ہے۔ اہل علم میں سوا علامہ عسقلانی اور علامہ کورانی کے کسی نے ان روایات پر اعتماد نہیں کیا۔ سورۂ حج کی اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ آلوسی نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنی تبلیغ کے پیش نظر اُمت میں وسعت کی تمنا کرتے تو شیطان مسلمانوں کو دین سے برگشتہ کرنے کے لیے ان کے دلوں میں اسلام کے خلاف شکوک ڈال دیتا۔ مثلاً شجرۃ الزقوم کے بارے میں کہتا جہنم میں درخت کا کیا معنی؟ درخت تو لکڑی کا ہوتا ہے اور آگ لکڑی کو جلا دیتی ہے پھر جہنم میں درخت کیسے ہو سکتا ہے۔ قرآن میں مکھی کا ذکر آیا تو کہا اتنا بڑا خدا ہے اور اتنی حقیر چیز کی مثال دیتا ہے۔ قرآنِ کریم میں ہے:

اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ۔ (الانبیاء: ۹۸) تم اور اللہ کے سوا تمہارے معبود سب جہنم کا ایندھن ہیں۔

تو کہا عیسیٰ اور عزیر علیہما السلام کی بھی عبادت کی گئی ہے اگر وہ بھی جہنم میں گئے تو ہمارے بت بھی چلے جائیں تو کوئی حرج نہیں۔ قرآنِ کریم میں ہے:

وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ جس پر خدا کا نام نہ لیا جائے' اسے مت کھاؤ۔

(الانعام: ۱۲۱)

تو کہا کمال ہے خدا کا مارا ہوا حرام ہو اور تمہارا مارا ہوا حلال ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی زبان سے ان تمام شبہات کو زائل کر کے اپنے دین اور اپنی آیات کو محکم فرما دیا۔ اس تفسیر کی بنیاد اس بات پر ہے کہ تمنّی کا معنی ''پڑھا'' نہیں بلکہ ''آرزو کی'' ہے۔ اور اب آیت کا ترجمہ یوں ہوگا:

''ہم نے آپ سے پہلے کسی رسول اور نبی کو نہیں بھیجا مگر جب بھی اس نے (اپنی اُمت کی وسعت کی) تمنا کی تو شیطان نے اس کی تمنا میں (لوگوں کے دلوں میں شبہات پیدا کر کے) خلل ڈال دیا تو اللہ تعالیٰ شیطان کے وسوسہ کو مٹا دیتا ہے اور اپنی آیات کو محکم کر دیتا ہے۔'' (روح المعانی جز ۱۷ ص ۲۵۷)

روایت تلک الغرانیق کا متن

امام بزار بیان کرتے ہیں:

امام بزار اپنی سند میں یوسف بن حماد' اُمیہ بن خالد' شعبہ' ابوبشر' سعید بن جبیر کے ساتھ حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تھے' آپ نے سورۃ النجم پڑھی جب اس آیت پر پہنچے ''افرایتم اللات والعزی ومنوۃ الثالثۃ الاخری۔'' تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر یہ کلمات جاری ہوئے ''تلک الغرانیق العلی الشفاعۃ منھم ترتجی'' ''یہ مرغان بلند بانگ' ان کی شفاعت متوقع ہے۔'' حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ مشرکین یہ سن کر خوش ہوئے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رنجیدہ ہوئے۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: (ترجمہ) ہم نے آپ سے پہلے جب بھی کوئی نبی یا رسول بھیجا تو اس کے ساتھ یہ ہوا ہے کہ جب اس نے تلاوت کی تو شیطان اس کی تلاوت میں کچھ القاء کر دیتا ہے پھر اللہ تعالیٰ شیطان کے القاء کو مٹا دیتا ہے اور اپنی آیات پختہ کر دیتا ہے۔

اس روایت کو بیان کرنے کے بعد امام بزار لکھتے ہیں:

کہ ہمارے علم میں اس سند کے سوا اس حدیث کی اور کوئی ایسی سند متصل نہیں ہے جس کا ذکر کرنا جائز ہو۔ اُمیہ بن خالد مشہور ثقہ ہے یہ حدیث کلبی از ابو صالح از ابن عباس کی سند کے ساتھ معروف ہے۔ (کشف الاستارج ۳ ص ۷۲)

علامہ الہیثمی اسی روایت کو امام طبرانی اور امام بزار کے حوالے سے ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

امام طبرانی نے فرمایا: میں اس حدیث کو صرف حضرت ابن عباس کی روایت سے جانتا ہوں۔ سورۂ حج کی تفسیر میں اس سے طویل حدیث گزر چکی ہے لیکن وہ ضعیف الاسناد ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۱۵ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت ۱۴۰۲ھ)

علامہ الہیثمی نے امام طبرانی کی اس دوسری روایت کو عروہ بن الزبیر سے روایت کیا ہے اور یہ روایت مرسل ہے کیونکہ عروہ بن الزبیر تابعی ہیں انہوں نے زمانہ رسالت کو نہیں پایا تھا۔ اس کا ذکر مجمع الزوائد ج ۷ ص ۷۲-۷۱ میں ہے اور ہم نے اس کو تفصیل کے ساتھ شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۵۸-۱۵۷ میں بیان کیا ہے۔

روایت تلک الغرانیق کی فنی حیثیت پر بحث و نظر

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ ان روایات کی تمام اسانید ہر چند کہ ضعف' انقطاع اور ارسال سے خالی نہیں لیکن چونکہ یہ روایت متعدد اسانید سے منقول ہے' اس لیے اس کی کثرتِ اسانید سے پتا چلتا ہے کہ ان کی کوئی نہ کوئی اصل ہے۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۴۳۹' طبع لاہور)

علم حدیث میں حافظ ابن حجر عسقلانی کا مقام بہت بلند ہے اور ہم ان کی عظمتوں کی گردِ راہ کو بھی نہیں پا سکتے لیکن اس کے باوجود معذرت کے ساتھ یہ کہنے کی جسارت کرتے ہیں کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے انقطاع کی صراحت کے ساتھ یہ حدیث بزار اور ابن مردویہ کی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے پھر کلبی' سدی' نحاس' ابن اسحاق' طبری' ابن ابی حاتم اور ابن منذر کی اسانید کے ساتھ بھی حضرت ابن عباس سے اس روایت کا ذکر کیا ہے اور یہ تصریح بھی کی ہے کہ یہ اسانید ضعف اور انقطاع سے خالی نہیں ہیں۔ ہماری گزارش یہ ہے کہ یہ روایت اپنی تمام اسانید کے ساتھ صرف حضرت ابن عباس سے مروی ہے' ان کے علاوہ کسی اور صحابی سے یہ روایت مروی نہیں ہے۔ اگر بالفرض یہ روایت صحیح ہوتی تو یہ واقعہ ان عجیب و غریب امور پر مبنی ہونے کی وجہ سے بکثرت صحابہ سے مروی ہوتا۔ جبکہ اس روایت کے مطابق اس وقت بکثرت صحابہ موجود تھے پھر صرف حضرت ابن عباس ہی اس کو کیوں روایت کرتے ہیں؟ دوسری گزارش یہ ہے کہ یہ ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے اور ہجرت کے وقت حضرت ابن عباس کی عمر صرف تین سال تھی۔ تو کیا ایک یا دو سال کی عمر میں حضرت ابن عباس نے اس واقعہ کا مشاہدہ کیا تھا؟ اس روایت کو وضع کر کے حضرت ابن عباس کی طرف منسوب کرنے والوں نے اس وقت ابن عباس کی عمر پر بھی غور نہیں کیا۔ تیسری گزارش یہ ہے کہ اس روایت میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے شیطان نے یہ کلمات (تلک الغرانیق العلی) کہلوا لیے تو حضرت جبریل علیہ السلام نے آ کر کہا آپ نے وہ بات کہی جس کو میں لے کر نہیں آیا اور نہ اللہ تعالیٰ نے نازل کی اس پر آپ رنجیدہ ہوئے۔ پس اللہ تعالیٰ نے آپ کے حزن و ملال کو زائل کرنے کے لیے سورۂ حج کی یہ آیت نازل فرمائی (وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی) اور سورۂ حج مدنی ہے اور سورۂ نجم سن کر مشرکوں کے

سجدے کا واقعہ ہجرت سے کئی سال پہلے کا ہے تو گویا آپ کو جو اس واقعہ سے رنج و ملال ہوا اس کو زائل کرنے کے لیے کئی سال بعد سورۂ حج کی یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ بات منطق کے بھی خلاف ہے اور اس من گھڑت روایت کے بھی خلاف ہے کیونکہ اس میں یہ ہے کہ آپ رنجیدہ ہوئے تو حضرت جبریل علیہ السلام یہ آیت لے کر آئے۔ چوتھی گزارش یہ ہے کہ اُمت کا اس پر اجماع ہے کہ قرآنِ مجید کو پہنچانے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عمداً' خطاً' نسیاناً' سہواً کسی طرح غلطی نہیں ہوسکتی پھر یہ کیسے متصور ہوسکتا ہے کہ بقول اس روایت کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے العیاذ باللہ ! کفریہ کلمات صادر ہوگئے۔ پانچویں گزارش یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر شیطان کا جبر کرنا کسی مسلمان کے نزدیک متصور نہیں ہے پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ شیطان نے یہ کلمات آپ سے کہلوالیے ہوں۔ ہم اس روایت سے ہزار بار اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

روایت تلک الغرانیق کے بارے میں محدثین کی آراء

حافظ بدرالدین عینی متوفی ۸۵۵ھ اس بحث میں حافظ ابن حجر عسقلانی پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ قاضی عیاض اور ابن عربی نے اس روایت کو رد کیا ہے اور یہی چیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جلالت قدر اور عظمت شان کے لائق ہے۔ کیونکہ ان کلمات کفریہ کے جاری ہونے سے آپ کی زبان کی عصمت' نزاہت اور براءت دلائل کثیرہ اور اجماع اُمت سے ثابت ہے۔ آپ اس چیز سے بری ہیں کہ آپ کے قلب یا زبان پر اس قسم کی کوئی چیز جاری ہو یا شیطان کا آپ پر تسلط ہو یا آپ اللہ تعالیٰ کی طرف غلط بات کی عمداً یا سہواً نسبت کریں۔ یہ دلائل عقلیہ اور نقلیہ سے محال ہے اور اگر بالفرض ایسا ہوتا تو بہت سے مسلمان مرتد ہو جاتے اور یہ منقول نہیں ہے۔ نیز اگر ایسا ہوتا تو صحابہ سے یہ امر مخفی نہ رہتا۔ (عمدۃ القاری جز ۱۹ ص ۶۶)

قاضی عیاض اس بحث میں لکھتے ہیں اس روایت کو مصنفین کتب صحاح میں سے کسی نے نقل نہیں کیا نہ یہ کسی سند صحیح اور متصل سے مروی ہے۔ اس روایت کو بعض ان مفسرین اور مؤرخین نے ذکر کیا ہے جو عجیب و غریب باتوں کو جمع کرنے کے شوق میں ہر قسم کی رطب و یابس اور غلط سلط باتیں بیان کردیتے ہیں۔ اس کے بعد قاضی عیاض نے اس روایت کے راویوں کی فنی کمزوریاں ذکر کی ہیں پھر بکثرت دلائل سے یہ ثابت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر شیطان کا تسلط محال ہے اور یہ ممکن نہیں کہ قرآنِ مجید کو پہنچاتے ہوئے آپ کی زبان سے وہ بات نکلے جو اللہ تعالیٰ نے نہ فرمائی ہو۔ پھر قاضی عیاض فرماتے ہیں اگر ایسا ہوا ہوتا تو مشرکین مسلمانوں کا مذاق اُڑاتے۔ منافقین' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں طعنہ زنی کرتے اور العیاذ باللہ کئی ضعیف القلب مسلمان مرتد ہو جاتے۔ قاضی عیاض لکھتے ہیں کہ شیطان نے القاء ضرور کیا ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نہیں بلکہ ان بعض غافل محدثین پر القاء کیا ہے جنہوں نے ضعیف مسلمانوں کے دین میں خلل ڈالنے کے لیے شیطان سے یہ روایت سنی اور (حضرت عبداللہ ابن عباس کی طرف منسوب کرتے ہوئے) مختلف اسانید سے پھیلادی۔

(الشفا محصلہ ج ۲ ص ۱۱۰-۱۰۶' طبع ملتان)

علامہ کرمانی لکھتے ہیں کہ تلک الغرانیق العلی والی روایت باطل ہے۔ عقلاً صحیح ہے نہ نقلاً' کیونکہ مشرکین کے خداؤں کی تعریف کرنا کفر ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس کی نسبت کرنا صحیح نہیں نہ یہ صحیح ہے کہ آپ نے یہ کہا' العیاذ باللہ آپ اس سے بری ہیں۔ سورۂ نجم کی تفسیر میں بھی علامہ کرمانی نے اس کا رد کیا ہے۔ (شرح الکرمانی ج ۶ ص ۱۵۳' ج ۸ ص ۱۱۶)

ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ بعض مفسرین نے اس روایت کو نقل کیا ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ نیز فرماتے ہیں کہ یہ جو روایت میں ہے کہ مشرکین نے اس لیے سجدہ کیا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے باطل خداؤں کی تعریف کی تھی' یہ باطل قول ہے اور زندیقوں کا گھڑا ہوا ہے۔ (مرقات ج ۳ ص ۳۲' طبع ملتان)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کہتے ہیں کہ یہ عقلاً اور نقلاً وجوہ کثیرہ سے باطل ہے اور یہ روایت موضوع ہے۔
(اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۴۲ لکھنؤ)

بعض لوگ کہتے ہیں کہ تمنّٰی کا معنی "پڑھا" کرنا صحیح بخاری کی اس حدیث پر مبنی ہے:

وقال ابن عباس فی امنیتہ اذا حدث القی الشیطن فی حدیثہ فیبطل اللہ مایلقی الشیطان ویحکم آیاتہ و یقال امنیتہ قراتہ۔
(صحیح البخاری ج ۲ ص ۶۹۳، کراچی)

حضرت ابن عباس نے امنیۃ کی تفسیر میں کہا جب آپ بات کرتے تو شیطان آپ کی بات میں کچھ ڈال دیتا پھر اللہ تعالیٰ شیطان کے ڈالے ہوئے کو باطل کر دیتا اور اپنی آیات کو پختہ کر دیتا۔ امنیۃ کا معنی ہے اس کا پڑھنا۔

یہ امام بخاری کی (سند کے ساتھ) روایت نہیں ہے۔ انہوں نے بغیر سند کے حضرت ابن عباس کی طرف منسوب کر کے اس کو تعلیقاً ذکر کیا ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانی کی تصریح کے مطابق امام بخاری کی تعلیقات میں شدید ترین ضعیف احادیث بھی ہیں۔

حافظ بدرالدین عینی اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:
اس قسم کے واقعہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت اور نزاہت پر دلیل قائم ہے اور اس پر اُمت کا اجماع ہے۔ آپ اس سے بری ہیں کہ آپ کے دل یا زبان پر ایسی کوئی چیز بھی جاری ہو عمداً نہ سہواً یا شیطان کسی طرح سے آپ پر کوئی سبیل نکال سکے یا آپ اللہ کی طرف کوئی غلط بات منسوب کریں عمداً نہ سہواً۔ عقل کے نزدیک بھی یہ واقعہ محال ہے اگر یہ واقعہ ہوتا تو بکثرت مسلمان مرتد ہو جاتے اور یہ منقول نہیں ہے اور آپ کے پاس جو مسلمان تھے ان سے یہ واقعہ مخفی نہ رہتا۔
(عمدۃ القاری جز ۱۹ ص ۶۶، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر ۱۳۴۸ھ)

روایت تلک الغرانیق کے بارے میں مفسرین کی آراء

قاضی ابوبکر بن العربی نے دس وجوہ سے اس روایت کو باطل کیا ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب نبی کے پاس فرشتہ کو وحی دے کر بھیجتا ہے تو اس میں ایک علم پیدا کرتا ہے جس سے وہ جان لیتا ہے کہ یہ فرشتہ ہے ورنہ نبی کو کیسے یقین ہوگا کہ یہ اللہ کی وحی ہے پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ شیطان آ کر کچھ کلمات پڑھے اور آپ کو پتا نہ چلے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اہل اسلام کا اس پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کفر و شرک سے معصوم رکھا ہے اور جو شخص ایک آن کے لیے بھی آپ پر کفر کو جائز رکھے وہ خود اسلام سے خارج ہو جائے گا، اور ظاہر ہے کہ بتوں کی تعریف کرنا اور ان کو شفاعت کرنے والا کہنا کفر ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ ہم اُمتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تلچھٹ ہیں ہم بھی ان کلمات کا کفریہ ہونا جانتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم جن کو اللہ تعالیٰ نے خود اپنی معرفت کرائی ہے، کب ان کلمات کے کفر سے غافل ہو سکتے ہیں۔ علامہ ابن العربی نے اسی طرح باقی وجوہات بیان کیں اور آخر میں فرمایا کہ یہ تمام روایات باطل ہیں ان کی کوئی اصل نہیں ہے۔ (احکام القرآن ج ۳ ص ۱۳۰۳-۱۳۰۰، بیروت)

علامہ نسفی اس روایت پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں اس روایت کے مطابق اگر آپ نے یہ کلمات عمداً کہے تو یہ باطل ہے کیونکہ یہ کفر ہے اور اگر شیطان نے بزور آپ کی زبان سے یہ کلمات جاری کرائے تو یہ بھی محال ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ (الاسراء: ۶۵)

(اے شیطان) تجھے میرے خاص بندوں پر تسلط نہیں ہو سکتا۔

تو حضور پر بطریق اولیٰ تسلط نہیں ہوگا، یا سہواً اور غفلت کی وجہ سے یہ کلمات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے نکل گئے۔ یہ

بھی باطل ہے کیونکہ وحی پہنچاتے ہوئے اس قسم کی غفلت آپ پر جائز نہیں ہے ورنہ شریعت سے بالکلیہ اعتماد اٹھ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ. (حٰم السجدہ: ۴۲) (قرآن میں) باطل نہ سامنے سے آسکتا ہے نہ پیچھے سے۔

یعنی غیر قرآن قرآن میں شامل نہیں ہوسکتا اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ○ (الحجر: ۹) ہم نے قرآن مجید کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

(مدارک التنزیل علی ہامش الخازن ج ۳ ص ۲۶۳ پشاور)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں کہ یہ روایت قرآن، سنت اور عقلی دلائل سے باطل ہے پھر انہوں نے اس کے بطلان پر قرآن مجید کی سات آیات پیش کی ہیں اور سنت سے اس کے بطلان پر دلیل پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ امام محمد بن اسحاق بن خزیمہ سے اس قصہ کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا یہ روایت زندیقوں نے گھڑی ہے اور اس پر انہوں نے ایک کتاب تصنیف کی اور امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی نے فرمایا یہ قصہ از روئے روایت ثابت نہیں ہے اور انہوں نے اس روایت کے تمام راویوں پر کلام کیا اور یہ واضح کیا کہ اس کے تمام راوی مطعون ہیں۔ نیز صحیح بخاری میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ النجم پڑھی جس کو سن کر تمام مسلمانوں، مشرکوں اور جن وانس نے سجدہ کیا اور اس میں غرانیق کا قصہ نہیں ہے۔ اس کے بعد امام رازی نے اس روایت کے بطلان پر پانچ عقلی دلیلیں قائم کی ہیں۔ پانچویں دلیل یہ ہے کہ اگر یہ جائز ہو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قرآن پہنچانے میں شیطان آپ کی زبان سے وہ کلمات کہلوا دے جو قرآن نہیں ہیں تو شریعت سے بھروسہ اور اعتماد اٹھ جائے گا اور ہر آیت میں یہ احتمال ہوگا کہ شاید یہ غیر قرآن ہو اور یہ بداہۃً باطل ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۸ ص ۲۳۸۔۲۳۷ مطبوعہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ قرآن مجید میں ہے:

وَاِنْ کَادُوْا لَیَفْتِنُوْنَکَ عَنِ الَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ لِتَفْتَرِیَ عَلَیْنَا غَیْرَهٗ ۖ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْکَ خَلِیْلًا ○ وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰکَ لَقَدْ کِدْتَّ تَرْکَنُ اِلَیْهِمْ شَیْئًا قَلِیْلًا ○ (الاسراء: ۷۴۔۷۳)

وہ آپ کو ہماری وحی سے لغزش دینے کے قریب تھے تاکہ آپ ہم پر کوئی بات گھڑ دیں اور اس وقت وہ ضرور آپ کو اپنا دوست بنا لیتے۔ اور اگر ہم آپ کو مضبوط نہ رکھتے تو آپ ان کی طرف تھوڑا سا مائل ہو جاتے۔

ان آیتوں کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اللہ پر افتراء باندھنے سے محفوظ اور معصوم رکھا اور اس روایت میں ہے کہ آپ نے اللہ پر افتراء باندھا اور وہ بات کہی جو اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمائی۔ نیز یہ ہے کہ آپ نے کہا "میں نے شیطان کی اطاعت کی اور اس کا کلام کہا" لہٰذا یہ روایت صراحتاً ان آیتوں کے خلاف ہے اور ان کی ضد ہے۔ پس یہ روایت اگر سند صحیح سے بھی وارد ہوتی تو مردود قرار دی جاتی اور جب فی الواقع اس کی سند صحیح نہیں ہے تو یہ کیونکر نہ مردود ہوگی۔ نیز علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ ہم اس روایت سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں، اس کی کسی تاویل کی ضرورت نہیں ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۲ ص ۷۶۔۷۵ دار الفکر بیروت)

علامہ ابو حیان اندلسی لکھتے ہیں کہ ابن عطیہ، زمخشری اور بعض دوسرے مفسرین نے اس جگہ ایسی چیزیں لکھی ہیں جن کا وقوع

عام مسلمانوں سے بھی نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ ان کی نسبت نبی معصوم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی جائے' جامع السیرۃ النبویہ امام محمد بن اسحاق سے اس قصہ کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ اس کو زندیقوں نے گھڑ لیا ہے اور اس پر انہوں نے ایک مستقل کتاب لکھی' اور امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی نے فرمایا کہ از روئے روایت یہ قصہ صحیح نہیں ہے اور اس کے تمام راوی مطعون ہیں اور صحاح اور حدیث کی دیگر معتبر کتب میں یہ قصہ نہیں ہے اور اس قصہ کو پھینک دینا واجب ہے' اس لیے میں نے اپنی کتاب کو اس قصہ کے ذکر سے پاک رکھا ہے۔ جن لوگوں نے اس قصہ کو نقل کیا ہے ان پر تعجب ہے کہ ایک طرف تو وہ قرآن مجید میں یہ آیات تلاوت کرتے ہیں:

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ○ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ○ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ○ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ○ (النجم: ۴-۱)

قسم ہے روشن ستارے کی جب وہ زمین پر اترا۔ تمہارے آقا نہ کبھی گمراہ ہوئے اور نہ بے راہ چلے۔ اور وہ اپنی خواہش سے کلام نہیں فرماتے۔ ان کا فرمانا صرف وحی سے ہوتا ہے جو ان کی طرف کی جاتی ہے۔

اور یہ آیت پڑھتے ہیں:

قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ (یونس: ۱۵)

مجھے حق نہیں کہ میں اپنی طرف سے قرآن کو بدل دوں' میں صرف اس کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر وحی کی جاتی ہے۔

اور ان آیات کو پڑھنے کے ساتھ ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ بھی منسوب کرتے ہیں کہ آپ نے قرآن مجید پہنچاتے ہوئے اس میں کچھ اور کلمات ملا دیئے۔ (البحر المحیط ج ۷ ص ۵۲۶' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۲ھ)

علامہ آلوسی نے ص ۲۶۴ سے لے کر ص ۲۷۶ تک اس موضوع پر طویل بحث کی ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانی اور شیخ ابراہیم کورانی نے اس روایت کی جس قدر تاویلات بیان کی ہیں سب کا چن چن کر رد کیا ہے۔ اس بحث میں انہوں نے حصص الاتقیاء سے شیخ ابومنصور ماتریدی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ صحیح بات یہ ہے کہ شیطان نے اپنے زندیق اور بے دین چیلوں کے دلوں میں تلک الغرانیق کا وسوسہ ڈالا ہے تا کہ وہ ضعیف مسلمانوں کو دین کے بارے میں شک و شبہ میں مبتلا کریں حالانکہ بارگاہ رسالت پناہ اس قسم کی خرافات سے بری ہے۔ (روح المعانی جز ۱۷ ص ۲۷۶-۲۶۴' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

شیخ ابومنصور ماتریدی کی طرح قاضی عیاض نے بھی یہی لکھا ہے اور اس کی تائید میں حضرت ملا علی قاری نے یہ آیت پیش کی:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ۭ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ○ (الانعام: ۱۱۲)

اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کا شیاطین انس اور جن کو دشمن بنا دیا' یہ ایک دوسرے کو ملمع کی ہوئی جھوٹی بات (لوگوں کو) بہکانے کے لیے پہنچاتے ہیں اور اگر آپ کا رب چاہتا تو وہ یہ کام نہ کرتے پس آپ انہیں اور ان کے بہتان کو چھوڑ دیں۔

اور امام مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آخر زمانہ میں کچھ لوگ ایسی حدیثیں بیان کریں گے جن کو تم نے سنا ہو گا نہ تمہارے باپ دادا نے۔ تم ان سے دُور رہو وہ تم سے دُور رہیں تا کہ وہ تمہیں گمراہ کر سکیں نہ فتنہ میں ڈال سکیں۔ نیز آپ نے فرمایا: آخر زمانہ میں دجال اور کذاب ہوں گے وہ تم کو ایسی حدیثیں سنائیں گے جو تم نے سنی ہوں گی نہ تمہارے باپ دادا نے۔ تم ان سے دُور رہو وہ تم سے دُور رہیں تا کہ وہ تم کو گمراہ کر سکیں نہ فتنہ

میں ڈال سکیں۔ (شرح الشفاء ج ۴ ص ۹۲ بیروت)

ان کے علاوہ دیگر مفسرین نے الحج: ۵۲ کی تفسیر میں جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے:

تنویر المقباس، جامع البیان، کشاف، مدارک، روح البیان، جلالین، درمنثور، جمل، تفسیر مظہری اور تفاسیر شیعہ میں سے تبیان، مجمع البیان اور قمی میں ان روایات پر اعتماد کیا گیا ہے، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب سورۂ والنجم کی آیات تلاوت کر رہے تھے تو شیطان نے آپ کی زبان سے یہ کلمات کہلوا دیئے تلک الغرانیق العلی ان شفاعتھن ترتجی اور سورۂ الحج: ۵۲ کا یہ معنی کیا ہے ہم نے آپ سے پہلے جب بھی کسی رسول اور نبی کو بھیجا تو جب اس نے تلاوت کی تو شیطان نے اس کی تلاوت میں اپنی طرف سے کچھ ملا دیا۔ اس کے برخلاف الجامع لاحکام القرآن القرطبی، احکام القرآن لابن العربی، تفسیر ابن کثیر، تفسیر ثعالبی، احکام القرآن للجصاص، غرائب القرآن ورغائب الفرقان، زاد المسیر، فتح البیان اور تفسیر منیر میں ان روایات کو مسترد کر دیا ہے اور بر سبیل تنزل ان کی یہ توجیہ کی ہے کہ جب آپ نے تلاوت کے دوران وقفہ کیا تو شیطان نے آپ کی آواز کے مشابہ آواز بنا کر اس وقفہ میں یہ کہا تلک الغرانیق العلیٰ ان شفاعتھن ترتجی اور سننے والوں نے یہ سمجھا کہ آپ نے یہ کلمات فرمائے ہیں، اور تفسیر مراغی، نظم الدرر اور تفسیر صاوی نے سورۂ حج: ۵۲ کا یہ معنی کیا ہے، ہم نے آپ سے پہلے جب بھی کسی رسول یا نبی کو بھیجا تو اس نے تلاوت کی تو شیطان نے اس کے سننے والوں کے دلوں میں اس تلاوت کے خلاف شبہات ڈال دیئے، اور البحر المحیط، تفسیر بیضاوی، خفاجی، تفسیر مدارک، خازن، روح المعانی، تفسیر کبیر، الاساس فی التفسیر، المحرر الوجیز، اضواء البیان، تفسیر قاسمی، الجواہر للطنطاوی، فی ظلال القرآن، فتح القدیر اور تفاسیر شیعہ میں سے منہج الصادقین اور تفسیر نمونہ میں ان روایات کو بہ کثرت دلائل سے مسترد کر دیا ہے اور سورۂ حج: ۵۲ کا یہ معنی کیا ہے: ہم نے آپ سے پہلے جب بھی کسی رسول اور نبی کو بھیجا اور اس نے (اپنی اُمت کے بڑھنے کی) تمنا کی تو شیطان نے (لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈال کر) اس تمنا میں خلل ڈال دیا۔ اللہ تعالیٰ نے شیطان کے وسوسوں کو مٹا دیا اور اپنی آیات کو محکم کر دیا۔ اور ہمارے نزدیک یہی تفسیر صحیح ہے اور جن اہل سنت مفسرین اور مترجمین نے اس کے خلاف ترجمہ اور تفسیر کی ہے وہ صحیح العقیدہ علماء ہیں اگر وہ بھی زیادہ غور و خوض سے کام لیتے اور زیادہ تحقیق اور جستجو کرتے تو امید ہے کہ وہ بھی اسی ترجمہ اور تفسیر کو اختیار کرتے۔

ایک شبہ کا ازالہ

ہم نے اس روایت کی فنی نوعیت واضح کی ہے اور جلیل القدر محدثین اور مفسرین کی آراء بھی بیان کی ہیں جن سے اس روایت کا من گھڑت اور جھوٹ ہونا واضح ہو گیا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس روایت کی یہ تاویل کی ہے کہ شیطان نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مشابہ آواز میں یہ کلمات کہے اور سننے والوں نے یہ سمجھا کہ آپ نے یہ کلمات فرمائے ہیں۔ اس جواب کو بعض علماء نے اپنی تصانیف میں نقل کیا ہے لیکن یہ جواب اس لیے صحیح نہیں ہے کہ جس طرح شیطان آپ کی مثل نہیں بن سکتا، اسی طرح آپ کی آواز کی مثل بھی نہیں بنا سکتا، کیونکہ مماثلت کی نفی یا اس وجہ سے ہے کہ ہدایت اور گمراہی میں اشتباہ نہ ہو یا تعظیم کی وجہ سے ہے اور اگر شیطان آپ کی آواز کی مثل پر قادر ہو تو یہ تعظیم کے خلاف ہے اور اگر شیطان آپ کی آواز کی نقل اُتار سکے اور لوگ شیطان کی آواز کو آپ کی آواز سمجھ لیں تو ہدایت گمراہی کے ساتھ مشتبہ ہو جائے گی۔ بعض علماء نے اس پر اس سے استدلال کیا ہے کہ لوگ شیطان کی آواز سنتے تھے کیونکہ جنگ بدر میں شیطان نے کفار سے کہا تھا کہ "لاغالب لکم الیوم" اور جنگ احد میں شیطان نے آواز دی تھی کہ "حضور صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے" لیکن یہ استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ یہاں شیطان کی آواز، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھی نہ کسی نے اس کی آواز کو آپ کے مشابہ سمجھا تھا پھر اس سے اس پر کیسے

استدلال ہو سکتا ہے کہ شیطان آپ کی آواز کی مشابہت کر سکتا ہے۔
میرے نزدیک چونکہ یہ روایت بارگاہِ رسالت کی عظمتوں کے منافی تھی' اس لیے میں نے اس کے رد اور ابطال میں کافی تفصیل اور تحقیق سے گفتگو کی ہے۔ میں اس پر بہت عرصہ سے غور و فکر کرتا رہا ہوں۔ سب سے پہلے میں نے یہ بحث ابریز میں پڑھی جس میں سیدی غوث عبدالعزیز دباغ قدس سرہ نے اس روایت کو باطل اور موضوع قرار دیا اور سورۂ حج کی زیر بحث آیت: ۵۲ کا صحیح محمل بیان کیا۔ اس کے بعد میں اس پر مسلسل مطالعہ کرتا رہا۔ میں نے اپنے معاصر علماء سے اس روایت کے بارے میں مذاکرہ بھی کیا' میں نے دیکھا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی کی اتباع میں بعض جید علماء نے بھی اس موضوع روایت کو اس باطل تاویل کے سہارے اختیار کر لیا ہے جس کو ابھی ہم نے حافظ ابن حجر عسقلانی کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔ تاہم یہ علماء صحیح العقیدہ ہیں اور ان کی نیت فاسد نہیں ہے صرف روایت پرستی کے روگ کی وجہ سے انہوں نے اس روایت کو اس باطل تاویل کے ساتھ اپنی تصانیف میں درج کر دیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور مصنف کے دل میں محبت رسول کو اور زیادہ کر دے۔ اے اللہ! تو گواہ ہے کہ میں شخصیت پرست نہیں ہوں' اللہ اور اس کے رسول کی حرمت سے بڑھ کر مجھے کسی کی حرمت عزیز نہیں ہے۔ میں نے جو یہ سعی کی ہے وہ صرف اور صرف مقامِ رسول کے تحفظ کی خاطر کی ہے۔ اے اللہ! اس کوشش کو قبول فرما اور اس کو مصنف کے لیے توشہ آخرت اور مغفرت اور رحمت کا ذریعہ بنا دے' مصنف کو بیش از بیش خدمتِ دین کی توفیق دے اور اس کا ایمان پر خاتمہ فرما اور دارین کی نعمتیں اور سعادتیں اس کا مقدر کر دے۔

آمین یارب العالمین ! والحمدللہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی محمد سیدالمرسلین خاتم النبیین علیہ وعلی آلہ واصحابہ و ازواجہ و اولیاء امتہ و علماء ملتہ اجمعین۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تاکہ اللہ شیطان کے ڈالے ہوئے (شبہات) کو ان لوگوں کے لیے آزمائش بنا دے جن کے دلوں میں بیماری ہے اور جن کے دل سخت ہو چکے ہیں' بے شک ظالم لوگ بہت دُور کی مخالفت میں ہیں O (الحج: ۵۳)

جن کے دلوں میں بیماری ہے' ان سے مراد منافقین ہیں جن کے دلوں میں شکوک اور شبہات کی بیماری ہے۔ اور جن کے دل سخت ہو چکے ہیں ان سے مراد کفار ہیں۔ شیطان نے یہ شبہات ڈالے تھے کہ قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ دوزخ میں شجرۃ الزقوم ہے تو آگ میں درخت کیسے ہو سکتا ہے؟ اور اللہ تو سب سے بڑا ہے اس نے مچھر کی مثال کیوں دی ہے' اسی طرح کے دوسرے شبہات ڈالے جن کا بیان گزر چکا ہے۔ سو منافقین تو ان شبہات کی بنیاد پر اسلام کے خلاف مہم چلائیں گے اور کفار کو ان شبہات کی وجہ سے اپنی ہٹ دھرمی پر ڈٹے رہنے کا اور موقع ملے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو اہل علم ہیں ان کو یہ جان لینا چاہیے کہ یہ (قرآن) آپ کے رب کی طرف سے حق ہے پس وہ اس پر ایمان لائیں اور ان کے دل اسی کی طرف جھک جائیں اور بے شک اللہ ایمان والوں کو ضرور صراطِ مستقیم کی طرف راہ دکھانے والا ہے O (الحج: ۵۴)

ایک قول یہ ہے کہ اہل علم سے مراد مومنین ہیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد اہل کتاب ہیں۔
نیز اس آیت میں فرمایا یہ حق ہے' مقاتل نے کہا اس سے مراد ہے کہ یہ قرآن حق ہے۔ کلبی نے کہا شیطان کے ڈالے ہوئے شبہات کا منسوخ ہونا حق ہے' اور فرمایا: اور اللہ ایمان والوں کو ضرور صراط مستقیم دکھانے والا ہے جس سے وہ جان لیں گے کہ شیطان کے یہ ڈالے ہوئے شبہات باطل ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو لوگ کافر ہیں وہ اس کے متعلق ہمیشہ شک میں ہی رہیں گے حتیٰ کہ ان پر اچانک قیامت ٹوٹ

پڑے یا ان کے پاس بے رحم دن کا عذاب آجائے 0 (الحج: ۵۵)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر کفار کو قیامت تک کی طویل زندگی بھی مل جائے تو وہ پھر بھی اسلام اور قرآن مجید کے حق ہونے کے متعلق شکوک اور شبہات ہی میں مبتلا رہیں گے۔

یوم عقیم کا معنی

اس آیت میں فرمایا ہے یا ان کے پاس یوم عقیم کا عذاب آجائے۔

علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ ھ لکھتے ہیں:

عقم اصل میں اس خشکی کو کہتے ہیں جو اثر قبول کرنے سے مانع ہو۔ چنانچہ محاورہ ہے عقمت مفاصلہ اس کے جوڑ خشک ہو گئے اور لاعلاج مرض کو داء عقام کہتے ہیں' اور عقیم اس عورت کو کہتے ہیں جو مرد کا نطفہ قبول نہیں کرتی۔ حضرت سارہ نے کہا: قالت عجوز عقیم (الذاریات: ۲۹) میں بوڑھی بانجھ ہوں۔ ریح عقیم اس ہوا کو کہتے ہیں جو بادل لے کر آئے نہ کسی درخت میں پھل لائے:

اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَیْهِمُ الرِّیْحَ الْعَقِیْمَ 0 جب ہم نے ان پر خیر و برکت سے خالی ہوا بھیجی۔

(الذاریات: ۴۱)

جو چیز کسی خیر کا اثر قبول نہ کرے اس کو بھی عقیم کہتے ہیں اس بناء پر یوم عقیم کا معنی ہے وہ دن جس میں کوئی خیر نہ ہو۔

(المفردات ج ۲ ص ۴۴۵، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ بیروت، ۱۴۱۸ ھ)

اس دن کو یوم عقیم اس لیے فرمایا کہ کفار اس دن میں کوئی راحت اور کسی قسم کا آرام نہیں پائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اس دن صرف اللہ کی حکومت ہوگی اور وہی ان کے درمیان فیصلہ فرمائے گا پس جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے وہ نعمت والی جنتوں میں ہوں گے 0 اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کی تکذیب کی ان ہی لوگوں کے لیے ذلت والا عذاب ہے 0 (الحج: ۵۷-۵۶)

اس ملک سے مراد قیامت کا دن ہے اور وہی جزا اور سزا کا دن ہے' اس دن مومنوں اور صالحین کو ان کی نیکیوں پر اجر دیا جائے گا اور کافروں اور مکذبوں کو ذلت والا عذاب دیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جن لوگوں نے اللہ کے راستہ میں ہجرت کی پھر وہ قتل کر دیے گئے یا وہ (طبعی موت) مر گئے اللہ ان کو ضرور عمدہ رزق عطا فرمائے گا اور اللہ سب دینے والوں سے بہتر دینے والا ہے 0 اللہ انہیں ضرور ایسی جگہ داخل فرمائے گا جس سے وہ راضی ہوں گے اور بے شک اللہ خوب جاننے والا بردبار ہے 0 (الحج: ۵۹-۵۸)

آیا اللہ کی راہ میں قتل کیے جانے والے اور طبعی موت مرنے والے دونوں کا اجر برابر ہے

اس آیت کے نزول کا سبب یہ ہے کہ حضرت عثمان بن مظعون اور حضرت ابو سلمہ بن عبدالاسد جب مدینہ میں فوت ہو گئے تو بعض لوگوں نے کہا جو اللہ کی راہ میں فوت ہو جائے وہ اس سے افضل ہے جو طبعی موت مرے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی کہ مہاجرین میں سے جو اللہ کی راہ میں قتل کیا جائے یا جو طبعی موت مرے گا اللہ تعالیٰ دونوں کو رزق حسن عطا فرمائے گا' یعنی دونوں کا مرتبہ برابر ہے اور ظاہر شریعت کی اس پر دلالت ہے کہ شہید افضل ہے۔ اور بعض اہل علم نے یہ کہا ہے کہ اللہ کی راہ میں قتل کیا جانے والا اور اللہ کی راہ میں مرنے والا دونوں شہید ہیں لیکن اللہ کی راہ میں قتل کیے جانے والے کا مرتبہ اور اس کی فضیلت زیادہ ہے' اور بعض نے کہا کہ دونوں کا مرتبہ زیادہ ہے اور انہوں نے اس آیت سے اور حسب ذیل آیت اور احادیث

سے استدلال کیا ہے:

وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ (النساء: ۱۰۰)

اور جو شخص اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کے لیے نکلا پھر اس کو موت نے آلیا تو اس کا اَجر اللہ کے ذمہ (کرم) پر ثابت ہو گیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اُم حرام بنت ملحان کے گھر گئے' آپ نے وہاں پر تکیہ لگا لیا پھر آپ ہنسے' انہوں نے پوچھا یارسول اللہ! آپ کس وجہ سے ہنسے ہیں؟ آپ نے فرمایا میری اُمت کے کچھ لوگ اللہ کی راہ میں سمندر میں جہازوں پر سواری کریں گے' وہ جہاز بادشاہوں کے تخت کی طرح ہوں گے۔ انہوں نے کہا یارسول اللہ! آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ اللہ مجھے بھی ان میں سے کر دے۔ آپ نے دعا کی کہ اے اللہ! اس کو ان میں سے کر دے' پھر آپ دوبارہ ہنسے' انہوں نے پھر اس کی وجہ پوچھی یا اس کی مثل کہا۔ آپ نے پھر پہلے کی طرح کہا حضرت اُم حرام نے کہا آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ اللہ مجھے ان میں سے کر دے۔ آپ نے فرمایا تم پہلوں میں سے ہو اور دوسروں میں سے نہیں ہو۔ حضرت انس نے کہا پھر حضرت اُم حرام نے حضرت عبادہ بن الصامت سے شادی کی' وہ بنت قرظہ کے ساتھ سمندر میں سوار ہوئیں' جب وہ واپس لوٹیں تو ایک سواری پر سوار ہوئیں اس سواری نے ان کو گرا دیا اور اس سے وہ فوت ہو گئیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۷۷، ۲۸۷۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۱۲، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۴۵، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۴۹۱، سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۱۷۱)

وجہ دلالت یہ ہے کہ حضرت اُم حرام اللہ کی راہ میں قتل نہیں کی گئی تھیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا شمار اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں میں کیا۔

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص اللہ کی راہ میں گھر سے نکلا پھر مر گیا یا اس کو قتل کر دیا گیا تو وہ شہید ہے' یا اس کو اس کے گھوڑے نے گرا دیا یا اس کو کسی سانپ یا بچھو نے ڈس لیا یا وہ بستر پر مر گیا یا جس طرح اللہ نے چاہا وہ طبعی موت مر گیا تو وہ شہید ہے اور اس کے لیے جنت ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۴۹۹، المسند الجامع رقم الحدیث: ۱۲۶۰۹)

عبداللہ بن المبارک نے بیان کیا ہے کہ ایک شخص ایک جہاد میں منجنیق کے پتھر لگنے سے فوت ہوا اور دوسرا شخص طبعی موت سے فوت ہوا۔ فضالہ بن عبید اس شخص کے پاس بیٹھ گئے جو طبعی موت سے فوت ہوا تھا۔ لوگوں نے کہا آپ شہید کو چھوڑ کر اس کے پاس بیٹھ گئے ہیں' انہوں نے کہا مجھے اس کی پرواہ نہیں کہ میں ان دونوں میں سے کسی کی قبر سے بھی اُٹھایا جاؤں پھر انہوں نے یہ آیت پڑھی:

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ (الحج: ۵۸)

اور جن لوگوں نے اللہ کے راستہ میں ہجرت کی پھر وہ قتل کر دیئے گئے یا وہ (طبعی موت) مر گئے' اللہ ضرور ان کو عمدہ رزق عطا فرمائے گا۔

اور سلیمان بن عامر نے کہا کہ فضالہ بر ودس ایک علاقہ کے امیر تھے' وہ دو آدمیوں کے جنازہ پر گئے ایک قتل کیا گیا تھا اور دوسرا طبعی موت مرا تھا۔ انہوں نے دیکھا کہ لوگوں کا میلان اس شخص کی طرف تھا جو قتل کیا گیا تھا۔ انہوں نے کہا یہ کیا وجہ ہے کہ تم مقتول کی طرف میلان کر رہے ہو' اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے

کہ مجھے دونوں میں سے کس کی قبر سے اُٹھایا جاتا ہے پھر انہوں نے یہ آیت پڑھی۔
(تفسیر الثعالبی الجامع لاحکام القرآن جز ۱۲ ص ۸۳)

میری رائے یہ ہے کہ افضل تو وہی ہے جو اللہ کی راہ میں قتل کیا گیا اور ان دلائل کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں اور ان احادیث اور آثار میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ جو شخص اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے مجاہدین کے ساتھ نکلا پھر اس کو طبعی موت نے آلیا تو اس کی نیت اور جہاد کے لیے اس کے نکلنے کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ اس کو بھی وہی ثواب عطا فرمائے گا جو شہید کو عطا فرماتا ہے۔ ان احادیث اور آثار کا یہ معنی نہیں ہے کہ ہر طبعی موت مرنے والا اَجر و ثواب میں شہید کے برابر ہے۔

اللہ کی راہ میں قتل کیے جانے والے کا اَجر و ثواب

حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھا یا رسول اللہ! کون سا جہاد افضل ہے؟ آپ نے فرمایا جس کا خون بہایا جائے اور اس کا گھوڑا زخمی کیا جائے۔ (اس کی سند ضعیف ہے)
(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۷۹۴، مسند احمد ج ۴ ص ۳۸۵، مسند عبد بن حمید رقم الحدیث: ۳۰۰)

حضرت عبداللہ بن حبشی الخثعمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کون سا عمل سب سے افضل ہے؟ آپ نے فرمایا (نماز میں) لمبا قیام۔ پوچھا گیا کہ کون سا صدقہ سب سے افضل ہے؟ آپ نے فرمایا مفلس کی کمائی۔ آپ سے پوچھا گیا کہ کون سی ہجرت سب سے افضل ہے؟ آپ نے فرمایا جس نے ان چیزوں سے ہجرت کر لی جن کو اللہ نے اس پر حرام کر دیا ہے۔ آپ سے پوچھا گیا کون سا جہاد سب سے افضل ہے؟ آپ نے فرمایا جس نے اپنے مال اور اپنی جان سے مشرکین کے خلاف جہاد کیا پھر پوچھا گیا کون سا قتل ہونا سب سے مکرم ہے؟ آپ نے فرمایا جس کا خون بہایا گیا اور اس کا گھوڑا زخمی کر دیا گیا۔ (اس حدیث کی سند صحیح ہے)
(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۴۴۹، سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۵۲۵، ۵۰۰۱، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۳۶)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے جو شخص بھی اللہ کی راہ میں زخمی ہوتا ہے اور اللہ ہی کو علم ہے کہ کون اس کی راہ میں زخمی ہوتا ہے وہ قیامت کے دن اس طرح آئے گا کہ اس کے خون کا رنگ خون کی طرح ہوگا اور اس میں مشک کی خوشبو آ رہی ہوگی۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۰۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۷۶، سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۰۲۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۷۵۳)

حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے نزدیک شہید کی چھ خصوصیات ہیں: پہلی بار جب اس کے جسم سے خون نکلتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرما دیتا ہے اور وہ جنت میں اپنے ٹھکانے کو دیکھ لیتا ہے، اس کو عذابِ قبر سے محفوظ رکھا جاتا ہے، اور وہ قیامت کے دن کی بڑی گھبراہٹ سے مامون رکھا جاتا ہے، بڑی آنکھوں والی حور سے اس کا نکاح کر دیا جاتا ہے، اور اس کے ستر رشتہ داروں کے حق میں اس کی شفاعت قبول کی جاتی ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۶۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۷۹۹، مسند احمد ج ۴ ص ۱۳۱، المسند الجامع رقم الحدیث: ۱۱۸۱۸)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام جنگِ اُحد کے دن شہید کر دیئے گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے جابر! کیا میں تم کو یہ نہ بتاؤں کہ تمہارے رب عزوجل نے تمہارے والد سے کیا ارشاد فرمایا؟ میں نے عرض کیا کیوں نہیں! آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہر شخص سے حجاب کی اوٹ سے کلام فرمایا اور تمہارے والد سے بالمشافہ کلام فرمایا۔ پس فرمایا اے میرے بندے مجھ سے تمنا کر میں تجھے عطا کروں گا۔ انہوں نے کہا اے

میرے رب تو مجھے (دوبارہ) زندہ کر دے میں دوسری بار تیری راہ میں قتل کیا جاؤں۔ فرمایا: میرے علم میں پہلے سے یہ ہے کہ وہ دنیا کی طرف نہیں لوٹائے جائیں گے۔ انہوں نے کہا اے میرے رب! تو ان کو میری خبر دے دے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۔الآیۃ: (آل عمران: ۱۶۹) اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے ان کو ہر گز مردہ گمان مت کرو۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۰۰، ۱۹۰، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۸۷، مسند احمد ج ۳ ص ۳۶۱، اس کی سند حسن ہے)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شہید کے سوا اہل جنت میں سے کوئی شخص یہ خواہش نہیں کرے گا کہ اسے دنیا میں لوٹا دیا جائے۔ شہید یہ چاہے گا کہ اس کو دنیا کی طرف لوٹا دیا جائے حتیٰ کہ وہ چاہے گا کہ اس کو دس بار اللہ کی راہ میں قتل کیا جائے کیونکہ وہ دیکھے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو کتنی عزت عطا فرمائی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۱۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۷۷، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۶۱، مسند احمد ج ۳ ص ۱۰۳، سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۴۱۴، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۶۶۲، مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۲۸۷۹، سنن بیہقی ج ۹ ص ۱۶۳، شرح السنۃ رقم الحدیث: ۲۶۲۷، مسند ابو داؤد الطیالسی رقم الحدیث: ۱۹۶۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شہید کو قتل ہونے کے وقت اتنی تکلیف بھی نہیں ہوتی جتنی تم میں سے کسی ایک کو چیونٹی کے کاٹنے سے ہوتی ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۶۸، سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۱۶۱، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۰۲، سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۴۱۳، مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۷، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۶۵۵، حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۲۶۴، سنن بیہقی ج ۹ ص ۱۶۴)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یہ اس لیے ہے کہ جس نے اتنی ہی اذیت پہنچائی جتنی اسے اذیت پہنچائی گئی تھی، پھر اس پر زیادتی کی گئی تو اللہ اس کی ضرور مدد فرمائے گا بے شک اللہ ضرور بہت معاف کرنے والا، بہت بخشنے والا ہے ○ (الحج: ۶۰)

سزا بہ قدر جرم دینا عدل ہے

یعنی ہم نے تم سے جو بیان کیا ہے، وہ اسی طرح ہے، مقاتل نے کہا یہ آیت مکہ کے ان مشرکین کے متعلق نازل ہوئی جب رجب شروع ہونے سے دو دن پہلے مسلمانوں کے ساتھ مشرکوں کا ٹکراؤ ہوا۔ انہوں نے آپس میں کہا (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اصحاب حرمت والے مہینوں میں قتال مکروہ جانتے ہیں سو انہوں نے مسلمانوں پر حملہ کیا، پس مسلمان ثابت قدم رہے اور اللہ نے مشرکین کے خلاف ان کی مدد فرمائی پھر حرمت والے مہینوں میں جنگ کرنے کی وجہ سے مسلمانوں کے دل میں خطرہ پیدا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (جامع البیان جز ۱۷ ص ۲۵۶، زاد المسیر ج ۵ ص ۴۴۶)

جس شخص نے کسی شخص کو اس کے جرم کی اتنی ہی سزا دی جتنا اس کا جرم ہے تو یہ جرم نہیں بلکہ عدل اور انصاف ہے۔ مثلاً کسی شخص نے کسی کا دانت توڑا تو اس کا دانت توڑنا جرم ہے اور اس کے بدلے میں اس کا دانت توڑنا عدل اور انصاف ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۔ (الشوریٰ: ۴۰) برائی کا بدلہ اس کی مثل برائی ہے۔

فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۔ (البقرہ: ۱۹۴) جس نے تم پر زیادتی کی تو تم بھی اس کے اوپر اتنی ہی زیادتی کرو جتنی اس نے تم پر زیادتی کی ہے۔

قصاص کے تمام احکام اسی اصول پر مبنی ہیں۔

تلوار سے قصاص لینے میں اختلاف فقہاء

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا جس شخص نے کسی کو آگ سے جلایا ہم اس کو آگ سے جلانے کی سزا دیں گے اور جس شخص نے کسی کو دریا میں غرق کیا ہم اس کو دریا میں غرق کرنے کی سزا دیں گے' اور امام ابوحنیفہ نے فرمایا بلکہ قاتل کو تلوار سے قتل کیا جائے گا۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے اس آیت سے استدلال فرمایا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مظلوم کے لیے یہ جائز قرار دیا ہے کہ وہ ظالم سے ویسا ہی بدلہ لے جیسا اس نے مظلوم پر ظلم کیا ہے اور اس کی نصرت کا وعدہ فرمایا ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۸ ص ۲۴۶' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام ابوحنیفہ پر امام رازی کے اعتراض کا جواب

ہم کہتے ہیں کہ قصاص (بدلہ) لینے میں مماثلت واجب نہیں ہے مثلاً ایک شخص دوسرے کو کہے اے زانی! اور وہ بھی بدلہ لینے کے لیے اس کو کہے تم زانی ہو یا اے زانی کہے تو دونوں پر حد قذف لگے گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ قصاص میں مماثلت شرعی حدود کے اندر ہوگی اور جو شخص کسی کو آگ میں جلا دے اس کے بدلہ میں اس کو آگ میں جلانا صحیح نہیں ہے۔ حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو ایک لشکر میں بھیجا اور فرمایا اگر تم کو فلاں فلاں شخص مل جائیں تو ان کو آگ میں جلا دینا' پھر جب ہم نکلنے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے یہ حکم دیا تھا کہ ان دونوں کو آگ میں جلا دینا لیکن آگ کا عذاب اللہ کے سوا کوئی نہیں دیتا' اگر تم کو وہ دونوں مل جائیں تو تم ان دونوں کو قتل کر دینا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۰۱۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۷۴' مسند احمد رقم الحدیث: ۸۰۵۴' عالم الکتب)

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کچھ لوگوں کو آگ میں جلا دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو یہ خبر پہنچی تو انہوں نے کہا اگر میں ہوتا تو ان کو آگ میں نہ جلاتا' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے عذاب سے عذاب مت دو اور میں ان کو ضرور قتل کر دیتا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص اپنا دین بدلے اس کو قتل کر دو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۰۱۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۳۵۱' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۴۵۸' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۰۷۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۵۳۵' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۱۳۸' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۸۷۱' عالم الکتب' مسند حمیدی رقم الحدیث: ۵۳۳)

امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تلوار کے سوا کسی چیز سے قصاص لینا جائز نہیں' ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تلوار کے سوا اور کسی چیز کے ساتھ قصاص لینا جائز نہیں ہے۔ یہ حدیث حضرت ابوبکرہ سے بھی مروی ہے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۶۶۸' ۲۶۶۷' سنن دار قطنی ج ۳ ص ۱۰۶' سنن بیہقی ج ۳ ص ۶۳' ج ۸ ص ۴۲' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۹ ص ۳۵۴' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۰۰۴۴' مجمع الزوائد ج ۶ ص ۲۹۱' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۹۸۰۷)

بدلہ لینے کے بجائے معاف کر دینا بہتر ہے

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ

اور برائی کا بدلہ اسی کی مثل برائی ہے' پس جس شخص نے معاف کر دیا اور اصلاح کر لی تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ کرم پر ہے'

الظّٰلِمِیْنَ ○ (الشوریٰ: ۴۰) بے شک وہ ظالموں سے محبت نہیں کرتا۔

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِکَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ○ (الشوریٰ: ۴۳) اور جس نے صبر کیا اور معاف کر دیا تو وہ ہمت کے کاموں میں سے ہے۔

وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی. (البقرہ: ۲۳۷) اور اگر تم معاف کر دو تو یہ پرہیز گاری کے زیادہ قریب ہے۔

زیر تفسیر آیت میں بدلہ لینے کی اجازت دینے کے بعد فرمایا ہے: بے شک اللہ ضرور بہت معاف کرنے والا' بہت بخشنے والا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ جیسا کہ سورۂ شوریٰ میں فرمایا ہے افضل اور اولیٰ یہ ہے کہ انسان اپنا بدلہ نہ لے اور صبر کرے اور معاف کر دے' لیکن اگر اس نے تقاضائے بشریت سے بدلہ لے لیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں اس کی اس تقصیر کو معاف کر دوں گا کیونکہ میں نے ہی اس کو بدلہ لینے کی اجازت دی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے آخر میں معاف کرنے اور بخشنے کا اس لیے ذکر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کریم ہے وہ اپنے بندہ کو معاف کر دیتا ہے اور سزا نہیں دیتا' تو بندہ کو بھی چاہیے کہ وہ بھی بدلہ نہ لے اور معاف کر دے اور اپنے رب تبارک وتعالیٰ کی صفت کا مظہر بنے۔

ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی یہی سیرت ہے کہ آپ بدلہ نہیں لیتے تھے' معاف فرما دیتے تھے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طبعاً بے ہودہ باتیں کرتے تھے نہ تکلفاً' اور نہ بازار میں چلاتے تھے اور برائی کا بدلہ برائی سے نہیں لیتے تھے لیکن معاف کر دیتے تھے اور درگزر کرتے تھے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۱۶' مسند احمد ج ۶ ص ۱۷۴' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۳۳۰' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۴۰۹' سنن بیہقی ج ۷ ص ۴۵)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب بھی زیادتی کی گئی میں نے آپ کو کبھی اس کا بدلہ لیتے ہوئے نہیں دیکھا ماسوا اس کے کہ اللہ کی حدود کو توڑا جائے اور جب اللہ کی حدود کو توڑا جاتا تو آپ سب سے زیادہ غضب فرمانے والے تھے' اور آپ کو جب بھی دو چیزوں کا اختیار دیا جاتا تو آپ ان میں سے آسان جانب کو اختیار فرماتے تھے بہ شرطیکہ وہ جانب گناہ نہ ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۲۶' ۳۵۶۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۲۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۸۵' مسند احمد ج ۶ ص ۸۵)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ اس لیے ہے کہ اللہ رات کو دن میں داخل فرماتا ہے اور دن کو رات میں داخل فرماتا ہے اور بے شک اللہ بہت سننے والا بہت دیکھنے والا ہے ○ (الحج: ۶۱)

رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرنے کا محمل

اللہ نے اس سے پہلی آیت میں جو فرمایا ہے کہ وہ مظلوم کی مدد پر قادر ہے یہ ارشاد اسی طرح ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ بہت قادر ہے اور یہ اس کی قدرت کے آثار میں سے ہے کہ وہ رات کو دن میں داخل فرماتا ہے اور دن کو رات میں داخل فرماتا ہے۔ سو جو رات اور دن میں تصرف فرماتا ہے وہ مصیبت زدہ کی مدد پر ضرور قادر ہے۔

رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرنے کا محمل یہ ہے کہ جب اندھیرا چلا جاتا ہے تو روشنی آ جاتی ہے اور جب روشنی چلی جاتی ہے تو اندھیرا چھا جاتا ہے' اور اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ اللہ کبھی راتوں کی مقدار کم کر کے دن کو زیادہ کر دیتا ہے اور کبھی دن کی مقدار کم کر کے رات کو زیادہ کر دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یہ اس لیے ہے کہ اللہ ہی حق ہے اور یہ (مشرکین) اس کے سوا جس کی عبادت کرتے ہیں وہ باطل

ہے' بے شک اللہ بہت بلند نہایت بڑا ہے O (الحج: ۶۲)

اس سے پہلے جو اللہ نے اپنی قدرت کا بیان فرمایا ہے وہ اسی طرح ہے کیونکہ اللہ ہی حق ہے یعنی وہی ایسا موجود ہے جس کا وجود واجب لذاتہ ہے' اس پر تغیر اور زوال ممتنع اور محال ہے اس لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے وعد اور وعید کے کرنے پر قادر ہے اور اس کی عبادت کرنا حق ہے اور اس کے غیر کی عبادت کرنا باطل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی نازل کیا جس سے زمین سرسبز ہوگئی' بے شک اللہ بہت لطف کرنے والا' نہایت خبر رکھنے والا ہے O (الحج: ۶۳)

اللہ اپنی مخلوق پر بہت رحیم ہے اور ان کی ضروریات کی خبر رکھنے والا ہے' اس لیے اس نے آسمان سے پانی نازل فرما کر زمین میں سبزہ' غلہ اور پھل وغیرہ پیدا فرمائے تاکہ انسانوں اور حیوانوں کی غذا کا سامان فراہم ہو' اور اس آیت میں یہ دلیل بھی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ مردہ زمین کو زندہ کرنے پر قادر ہے تو اس تمام کائنات کو بھی دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اسی کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے اور بے شک اللہ ہی بے نیاز ہے' تمام تعریفیں کیا ہوا O (الحج: ۶۴)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تمام کائنات اپنے اختیار سے یا بغیر اختیار کے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر رہی ہے اور اللہ تعالیٰ اس کائنات میں ہر قسم کا تصرف فرما رہا ہے اور وہ ہر چیز سے مستغنی ہے اور وہ کسی کی تعریف کرنے سے بھی مستغنی ہے۔ اس نے مخلوق کو پیدا کیا اور اپنی حکمت سے آسمان سے پانی برسایا اور زمین سے اناج پیدا فرمایا۔ یہ اس کی انسانوں اور حیوانوں پر رحمت ہے اور اس کا انعام اور احسان ہے' اسے اس کی ضرورت اور غرض نہ تھی سو وہی حمد کا مستحق ہے' اس لیے اس کا حمد کیا ہوا ہونا واجب ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ وَالْفُلْكَ

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے زمین کی تمام چیزیں تمہارے نفع کے لیے مسخر کر دی ہیں اور اسی کے حکم سے

تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ؕ وَيُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ

سمندر میں کشتیاں چلتی ہیں اور وہی آسمان کو زمین پر گرنے سے

تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ

روکے ہوئے ہے مگر اس کی اجازت سے، بے شک اللہ لوگوں پر بہت

لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۶۵﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَحْيَاكُمْ ز

شفقت کرنے والا، بہت مہربانی کرنے والا ہے O وہی ہے جس نے تمہیں زندہ کیا

ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ

پھر وہ تمہیں موت دے گا پھر تم کو زندہ کرے گا، بے شک انسان

لَكَفُورٌ ﴿٦٦﴾ لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا هُمْ

بہت ناشکرا ہے ۝ ہم نے ہر امت کے لیے عبادت کا ایک طریقہ مقرر کردیا ہے جس کے موافق

نَاسِكُوهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْأَمْرِ وَادْعُ

وہ عبادت کرنے والے ہیں تو انہیں اس (طریقہ) میں آپ سے جھگڑا نہیں کرنا چاہیے اور آپ انہیں اپنے

إِلَىٰ رَبِّكَ ۖ إِنَّكَ لَعَلَىٰ هُدًى مُّسْتَقِيمٍ ﴿٦٧﴾ وَ

رب کی طرف دعوت دیں، بے شک آپ ضرور سیدھے راستہ پر ہیں ۝ اور

إِن جَادَلُوكَ فَقُلِ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿٦٨﴾ اللَّهُ يَحْكُمُ

اگر وہ آپ سے جھگڑا کریں تو آپ کہیں کہ اللہ تمہارے کرتوتوں کو خوب جانتا ہے ۝ اور اللہ قیامت کے دن

بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿٦٩﴾

تمہارے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کردے گا جن میں تم اختلاف کرتے تھے ۝

أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۗ

کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ ہر اس چیز کو جانتا ہے جو آسمانوں اور زمینوں میں ہے،

إِنَّ ذَٰلِكَ فِي كِتَابٍ ۚ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ﴿٧٠﴾

بے شک یہ سب ایک کتاب میں (مرقوم) ہے، بے شک یہ سب اللہ پر آسان ہے ۝

وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ

اور یہ اللہ کے سوا ان چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جن کی عبادت پر اللہ نے

سُلْطَانًا وَمَا لَيْسَ لَهُم بِهِ عِلْمٌ ۗ وَمَا لِلظَّالِمِينَ

کوئی دلیل نازل نہیں کی اور جن کے معبود ہونے کا انہیں خود بھی کوئی علم نہیں ہے اور ظالموں کا کوئی

مِن نَّصِيرٍ ﴿٧١﴾ وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ

حامی نہیں ہے ۝ اور جب ان پر ہماری واضح آیتوں کی تلاوت کی جاتی ہے تو

تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ ؕ

آپ کافروں کے چہروں پر ناگواری کو پہچان لیتے ہیں

يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ

لگتا ہے کہ وہ ہماری آیتیں تلاوت کرنے والوں پر حملہ کر

اٰيٰتِنَا ؕ قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ

بیٹھیں گے، آپ کہیے کیا میں تم کو اس سے بھی زیادہ بری خبر دوں،

اَلنَّارُ ؕ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَبِئْسَ

وہ دوزخ کی آگ ہے جس کا اللہ نے کفار سے وعدہ کیا ہے اور وہ

الْمَصِيْرُ ﴿٧٢﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا

برا ٹھکانا ہے ○ اے لوگو! ایک مثال بیان کی جاتی ہے اس کو غور سے

٩ ع ٨ ١٦

لَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ

سنو، بے شک تم جن چیزوں کی اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو وہ سب

يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ

مل کر بھی ہرگز ایک مکھی کو (بھی) پیدا نہیں کر سکتے، اور اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین

الذُّبَابُ شَيْـًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ ضَعُفَ

کر لے جائے تو یہ اس سے واپس نہیں لے سکتے، طالب

الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ﴿٧٣﴾ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ

اور مطلوب دونوں کمزور ہیں ○ انہوں نے اللہ کی اس طرح قدر نہیں کی جس طرح اس کی

قَدْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿٧٤﴾ اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ

قدر کرنے کا حق تھا، بے شک اللہ نہایت قوی بے حد غالب ہے ○ اللہ فرشتوں میں سے

مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

رسولوں کو چن لیتا ہے اور انسانوں میں سے، بے شک اللہ بہت

سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۷۵﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ؕ

سننے والا بہت دیکھنے والا ہے ○ وہ جانتا ہے جو کچھ لوگوں کے سامنے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے

وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۷۶﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا

اور اللہ ہی کی طرف تمام کام لوٹائے جائیں گے ○ اے ایمان والو

ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا

رکوع کرو اور سجدہ کرو اور اپنے رب کی عبادت کرو اور نیکی کے

الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۷۷﴾ ۩ وَجَاهِدُوْا فِى اللّٰهِ

کام کرو تاکہ تم کامیاب ہو ○ اور اللہ کی راہ میں اس طرح جہاد کرو

حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِى

جس طرح جہاد کرنے کا حق ہے، اسی نے تم کو برگزیدہ بنایا ہے اور اس نے تم پر

الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ

دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی، (یہ) تمہارے باپ ابراہیم کی ملت ہے، اس نے

الْمُسْلِمِيْنَ ۙ۬ مِنْ قَبْلُ وَفِىْ هٰذَا لِيَكُوْنَ

اس سے پہلے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے اور اس (قرآن) میں

الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ

تاکہ رسول تم پر گواہ ہوں اور تم لوگوں

عَلَى النَّاسِ ۚۖ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ

پر گواہ ہو جاؤ، پس تم نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو

وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ؕ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى

اور اللہ کی رسی مضبوطی سے پکڑ لو، وہی تمہارا مالک ہے تو کیسا اچھا مالک ہے

وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿٧٨﴾

اور کیسا اچھا مددگار ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے زمین کی تمام چیزیں تمہارے نفع کے لئے مسخر کر دی ہیں اور اسی کے حکم سے سمندر میں کشتیاں چلتی ہیں اور وہی آسمان کو زمین پر گرنے سے روکے ہوئے ہے' مگر اس کی اجازت سے' بے شک اللہ لوگوں پر بہت شفقت کرنے والا' بہت مہربانی کرنے والا ہے ○ (الحج: ۶۵)

یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین کی تمام چیزیں تمہارے مطیع اور تمہارے تابع بنا دی ہیں' پتھر سے زیادہ کوئی سخت چیز نہیں اور لوہے سے زیادہ کوئی وزنی چیز نہیں اور آگ سے زیادہ گرم کوئی چیز نہیں اور ان سب چیزوں کو تمہاری قدرت اور دسترس میں کر دیا' اسی طرح حیوانات پر تم کو متمکن کر دیا' تم ان کو کھاتے ہو' ان پر سواری کرتے ہو اور ان پر بوجھ لادتے ہو اور ان کو دیکھ کر خوش ہوتے ہو' اونٹ' بیل اور گھوڑے کتنے قوی ہیکل جانور ہیں اس کے باوجود ان کو کمزور سے کمزور انسان کے تابع کر دیا وہ جس طرح چاہتا ہے ان سے کام لیتا ہے۔

اور دریاؤں اور سمندروں میں چلنے والی کشتیوں کو تمہارے تابع کر دیا اور کشیوں کو تابع کرنا اس کو متضمن ہے کہ ہوا اور پانی کو تمہارے لئے مسخر کر دیا کیونکہ ان ہی کی وجہ سے کشتیاں رواں دواں رہتی ہیں۔

انسان کا ظاہر وہم یہ سمجھتا ہے کہ آسمان بہت ثقیل اور وزنی ہے اور اس کو زمین پر گرنے سے صرف اللہ روکے ہوئے ہے اور جب اللہ اجازت دے گا تو آسمان زمین پر گر کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہی ہے جس نے تمہیں زندہ کیا پھر وہ تمہیں موت دے گا' پھر تم کو زندہ کرے گا' بے شک انسان بہت ناشکرا ہے ○ (الحج: ۶۶)

یعنی جس نے تمہارے نفع کے لئے زمین کی تمام چیزوں کو تمہارے لئے مسخر کیا ہے اور تم پر انعام کیا ہے اسی کا تم پر یہ انعام ہے کہ اس نے پانی کی ایک بوند سے تم کو پہلی بار زندگی دی' پھر تم کو موت دی اور دوسری بار زندگی دے کر آخرت کی نعمتوں کا دروازہ تم پر کھول دیا' اللہ تعالیٰ نے تم پر اس قدر نعمتیں عطا فرمائی ہیں سوچو کہ تم اس کا کتنا شکر ادا کرتے ہو اور فرمایا کہ بے شک انسان بہت ناشکرا ہے کیونکہ انسانوں کی اکثریت اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کرتی فرمایا:

وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ (سبا: ۱۳) اور میرے بندوں میں شکر ادا کرنے والے بہت کم ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہم نے ہر امت کے لئے عبادت کا ایک طریقہ مقرر کر دیا ہے جس کے موافق وہ عبادت کرنے والے ہیں تو نہیں اس (طریقہ) میں آپ سے جھگڑا نہیں کرنا چاہئے اور آپ انہیں اپنے رب کی طرف دعوت دیں' بے شک آپ ضرور سیدھے راستہ پر ہیں ○ (الحج: ۶۷)

منسک کے معنی کی تحقیق

منسلک کے معنی میں کئی اقوال ہیں (۱) حضرت ابن عباس نے کہا اس سے مراد عید کا دن ہے جس میں وہ جانور ذبح

کرتے ہیں؛ (۲) مجاہد نے کہا منسک کا لفظ قربانی کے جانوروں کے لئے مخصوص ہے۔ (۳) کسی عبادت کی ادائیگی کے لئے عرف میں جو جگہ یا جو وقت معین ہو اس کو منسک کہتے ہیں۔ (۴) قفال کا مختار یہ ہے کہ منسک کا معنی ہے شریعت اور عبادت کرنے کا مخصوص طریقہ، اور یہ معنی اس آیت کے قریب ہے:

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا (المائدۃ: ۴۸) ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لئے عبادت کا ایک مخصوص منشور اور دستور مقرر کر دیا ہے۔

اور منسک کا لفظ نسک سے بنا ہے جس کا معنی عبادت ہے اور جب منسک کا لفظ ہر عبادت پر بولا جاتا ہے تو اس کو کسی ایک طریقہ عبادت کے ساتھ مخصوص کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے؛ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ تم نے منسک کے لفظ کو ذبح پر محمول کیوں نہیں کیا کیونکہ عرف میں نسک کے لفظ سے قربانی کا ہی معنی سمجھا جاتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ درست نہیں ہے کہ عرف میں نسک کے لفظ سے قربانی کا ہی معنی سمجھا جاتا ہے کیونکہ عرف میں تمام افعال حج کو مناسک کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خذوا عنی مناسککم (سنن بیہقی ج ۵ ص ۱۲۵) مجھ سے اپنے حج کے ارکان اور افعال کا علم حاصل کرو۔

پھر آپ اپنی امت کی عبادت کرنے کے لئے جو طریقہ بھی مقرر کریں اس پر کسی کو اعتراض اور بحث نہیں کرنی چاہئے کیونکہ ہر نبی نے اپنے زمانہ کے مخصوص حالات، رسم و رواج اور تہذیب و ثقافت کے اعتبار سے مخصوص عبادت کے طریقے مقرر کئے ہیں اور ہر زمانہ کے تقاضے الگ الگ ہوتے ہیں۔ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب کافروں نے یہ اعتراض کیا کہ جو جانور طبعی موت مر جائے تم اس کو نہیں کھاتے اور جس کو تم ذبح کرتے ہو اس کو کھا لیتے ہو، گویا اللہ کا مارا ہوا نہیں کھاتے اور اپنا مارا ہوا کھا لیتے ہو؛ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی کہ آپ اللہ کی عبادت کرنے کا جو طریقہ چاہیں مقرر کریں کسی کو اعتراض کرنے کا حق نہیں ہے۔ اور آپ اپنے طریقہ پر قائم رہیں اور لوگوں کو اللہ کی توحید، اس کے دین اور اس پر ایمان لانے کی دعوت دیتے رہیں آپ سیدھی راہ پر ہیں اس میں کوئی کجی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر وہ آپ سے جھگڑا کریں تو آپ کہیں کہ اللہ تمہارے کرتوتوں کو خوب جانتا ہے ○ اور اللہ قیامت کے دن تمہارے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کر دے گا جن میں تم اختلاف کرتے تھے ○ (الحج: ۶۹-۶۸)

حضرت ابن عباس نے فرمایا اس آیت سے مشرکین مکہ مراد ہیں جو آپ کی نبوت کے دعویٰ میں آپ سے جھگڑا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ ان کے کرتوتوں کو یعنی ان کے شرک اور بت پرستی کو اور حق کے خلاف شور و غوغا کرنے کو اور بے حیائی کے کاموں کو اور کمزوروں اور ناتوانوں پر ظلم و ستم کرنے کو خوب جانتا ہے اور قیامت کے دن فیصلہ ہو جائے گا کہ کس کا طریقہ حق تھا اور کس کا طریقہ باطل تھا اور کون جنت میں جائے گا اور کس کو دوزخ میں جھونک دیا جائے گا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حسن ادب کی تعلیم دی ہے کہ جو شخص بحث اور تمحیص میں کٹ حجتی، ہٹ دھرمی اور تکبر سے کام لے اس سے بحث نہیں کرنی چاہئے اور یہ کہہ دینا چاہئے کہ بحث مت کرو، قیامت کے دن تمہیں خود معلوم ہو جائے گا کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت جہاد کا حکم نازل ہونے سے پہلے کی ہے اور اب اس کا حکم منسوخ ہو چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ ہر اس چیز کو جانتا ہے جو آسمانوں اور زمینوں میں ہے، بے شک یہ سب ایک کتاب میں (مرقوم) ہے، بے شک یہ سب اللہ پر آسان ہے ○ (الحج: ۷۰)

لوح محفوظ میں سب کچھ لکھے ہوئے ہونے کے متعلق احادیث

اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا اور اللہ قیامت کے دن تمہارے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کردے گا جن میں تم اختلاف کرتے تھے اور قیامت کے دن فیصلہ کرنا اس چیز پر موقوف ہے کہ اللہ کو علم ہو کہ کون سزا کا مستحق ہے اور کون انعام کا مستحق ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کو ہر چیز کا علم ہے اور سب کچھ لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے اس لئے اللہ پر فیصلہ کرنا بہت آسان ہے' سب کچھ ایک کتاب میں لکھے ہوئے ہونے کے متعلق یہ احادیث ہیں:

عبدالواحد بن سلیم بیان کرتے ہیں کہ میری مکہ میں عطاء بن ابی رباح سے ملاقات ہوئی میں نے ان سے کہا اے ابومحمد بے شک اہل بصرہ تقدیر میں بحث کرتے ہیں' انہوں نے کہا اے میرے بیٹے کیا تم قرآن پڑھتے ہو؟ میں نے کہا جی ہاں انہوں نے کہا سورہ زخرف پڑھو' میں نے پڑھا:

حٰمٓ ○ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ○ اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ○ وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ ○ (الزخرف: ۴-۱)

حامیم ○ اس روشن کتاب کی قسم ○ ہم نے اس کو عربی زبان کا قرآن بنایا ہے تاکہ تم اس کو سمجھ سکو ○ بے شک یہ لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے اور (وہ) ہمارے نزدیک بلند درجہ حکمت والی ہے ○

عطاء بن ابی رباح نے کہا تم جانتے ہو ام الکتاب کیا ہے؟ میں نے کہا اللہ اور اس کے رسول کو علم ہے' انہوں نے کہا یہ وہ کتاب ہے جس کو اللہ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے سے پہلے لکھ دیا تھا' اس میں لکھا ہوا ہے کہ فرعون اہل دوزخ سے ہے اور اس میں لکھا ہوا ہے تبت یدا ابی لھب و تب. ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ (خود) ہلاک ہو گیا۔ عطاء بن ابی رباح نے کہا پھر میری ولید بن عبادۃ بن الصامت سے ملاقات ہوئی میں نے ان سے پوچھا تمہارے والد نے مرتے وقت تمہیں کیا نصیحت کی تھی' انہوں نے کہا میرے والد نے مجھے بلا کر کہا اے میرے بیٹے اللہ سے ڈرنا اور یاد رکھو تم اس وقت تک ہرگز اللہ سے نہیں ڈرو گے جب تک تم اللہ پر ایمان نہ لے آؤ اور ہر اچھی اور بری چیز اللہ کی تقدیر کے ساتھ وابستہ ہونے پر ایمان نہ لے آؤ' اگر تم اس کے خلاف عقیدہ پر مر گئے تو دوزخ میں داخل ہو گے اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا' اور فرمایا لکھ اس نے کہا کیا لکھوں فرمایا تقدیر کو لکھو جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ ابد تک ہونے والا ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۵۵' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۰۰' مسند احمد ج ۵ ص ۳۱۷)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ کے ہاتھ میں دو کتابیں تھیں' آپ نے پوچھا کیا تم جانتے ہو کہ یہ کیسی دو کتابیں ہیں؟ ہم نے کہا نہیں یا رسول اللہ! سوا اس کے کہ آپ ہمیں بتائیں' جو کتاب آپ کے دائیں ہاتھ میں تھی اس کے متعلق آپ نے فرمایا یہ رب العالمین کی طرف سے کتاب ہے اس میں جنت والوں کے نام ہیں اور ان کے باپ دادا کے نام ہیں اور ان کے قبائل کے نام ہیں' پھر ان کے آخر میں میزان کر دیا گیا ہے اور اس میں نہ کبھی اضافہ کیا جائے گا اور نہ کبھی کمی کی جائے گی' پھر آپ کے بائیں ہاتھ میں جو کتاب تھی اس کے متعلق فرمایا یہ رب العالمین کی طرف سے کتاب ہے اس میں دوزخ والوں کے نام ہیں اور ان کے باپ دادا کے نام ہیں اور ان کے قبائل کے نام ہیں پھر ان کے آخر میں میزان کر دیا گیا ہے نہ ان میں کبھی کوئی اضافہ ہو گا نہ ان میں کبھی کوئی کمی ہو گی' آپ کے اصحاب نے کہا یا رسول اللہ! جب سب کاموں سے فراغت ہو چکی ہے تو پھر عمل کس میں ہو گا؟ آپ نے فرمایا تم ٹھیک ٹھیک اور صحت کے قریب کام کرتے رہو کیونکہ جو شخص جنتی ہے اس کا خاتمہ جنت والوں کے اعمال پر ہو گا خواہ وہ کوئی عمل

کرتا ہے اور جو دوزخی ہے اس کا خاتمہ دوزخیوں کے اعمال پر ہو گا خواہ وہ کوئی عمل کرتا رہے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھوں سے ان کتابوں کو گرا دیا پھر فرمایا تمہارا رب اپنے بندوں سے فارغ ہو چکا ہے ایک فریق جنت میں ہے اور ایک فریق دوزخ میں ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۴۱ مسند احمد ج ۲ ص ۱۶۷ السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۸۲۵)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمام آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے تمام مخلوقات کی تقدیر کو لکھ دیا تھا اور اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا۔
(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۶۳ مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۷۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں جوان شخص ہوں اور مجھے اپنے نفس پر زنا کا خطرہ ہے اور عورتوں سے شادی کرنے کے لیے میرے پاس مال نہیں ہے گویا کہ وہ خصی ہونے کی اجازت طلب کرتے تھے آپ میری بات پر خاموش رہے میں نے پھر اسی طرح کہا آپ پھر خاموش رہے جب میں نے تیسری بار دہرایا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابو ہریرہ جو کچھ تمہارے ساتھ ہونے والا ہے اس کو لکھ کر قلم خشک ہو چکا ہے اب تم خصی ہو یا نہ ہو۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۰۷۶ مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۸۸)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! آپ نے بکری کا جو زہر آلود گوشت کھایا تھا اس کی وجہ سے ہر سال آپ کے جسم میں درد ہوتا ہے آپ نے فرمایا مجھے صرف وہی مصیبت پہنچتی ہے جو میرے لئے اس وقت لکھ دی گئی تھی جب حضرت آدم ہنوز مٹی اور گارے میں تھے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۴۶ مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۱۳۴)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یہ اللہ کے سوا ان چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جن کی عبادت پر اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی اور جن (کے معبود ہونے) کا انہیں خود بھی کوئی علم نہیں ہے اور ظالموں کا کوئی حامی نہیں ہے ○ (الحج: ۷۱)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ مشرکین جو بتوں کی عبادت کرتے ہیں ان کی یہ عبادت کسی سمعی دلیل پر مبنی نہیں ہے اس کے بعد فرمایا اور انہیں خود بھی اس کا کوئی علم نہیں ہے یعنی ان کی یہ عبادت کسی عقلی دلیل پر مبنی نہیں ہے پس ان کا بتوں کی عبادت کرنا اپنے باپ دادا کی اندھی تقلید پر مبنی ہے یا جہالت پر مبنی ہے یا کسی کمزور شبہ پر سو ہر صورت میں ان کا بتوں کی عبادت کرنا باطل ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کبھی کافر کو خود بھی اپنے کافر ہونے کا علم نہیں ہوتا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اندھی تقلید کرنا باطل ہے۔

اور فرمایا ظالموں کا کوئی حامی نہیں ہے اور یہاں ظالم سے مراد مشرک اور کافر ہیں خلاصہ یہ ہے کہ کفار اور مشرکین کی کوئی شفاعت نہیں کرے گا کیونکہ حمایت اور نصرت حق کی ہوتی ہے باطل کی نہیں ہوتی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب ان پر ہماری واضح آیتوں کی تلاوت کی جاتی ہے تو آپ کافروں کے چہروں پر ناگواری کو پہچان لیتے ہیں لگتا ہے کہ وہ ہماری آیتیں تلاوت کرنے والوں پر حملہ کر بیٹھیں گے آپ کہیے کیا میں تم کو اس سے بھی زیادہ بری خبر دوں وہ دوزخ کی آگ ہے جس کا اللہ نے کفار سے وعدہ کیا ہے اور وہ برا ٹھکانا ہے ○ (الحج: ۷۲)

المنکر اور یسطون کا معنی

ان آیات سے مراد قرآن مجید کی آیات ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے جن پر ہماری آیات بینات کی تلاوت کی جاتی ہے کیونکہ یہ آیات دلائل عقلیہ اور احکام کو متضمن ہیں اس لئے یہ آیات بین اور واضح ہیں اور یہ بتایا کہ ان کی جہالت اس درجہ پہنچ چکی ہے کہ جب ان کو ان دلائل پر متنبہ کیا جاتا ہے تو ان کے چہرے سے ناگواری اور غیظ و غضب کا اظہار ہوتا ہے۔

اس آیت میں ناگواری اور غیظ و غضب کے لئے منکر کا لفظ ہے علامہ زمخشری نے کہا اس کا معنی ہے قباحت میں حد سے

گزرنا' اچانک ٹوٹ پڑنا' گالی گلوچ کرنا' نافرمانی کرنا' اور اس کی تفسیر میں مفسرین کے کئی اقوال ہیں' کلبی نے کہا قرآن مجید کی آیات سن کر ان کے چہروں پر کراہیت اور ناپسندیدگی کے آثار ظاہر ہوتے ہیں' حضرت ابن عباس نے فرمایا ان کے چہروں پر تکبر کے آثار ظاہر ہوتے ہیں' مقاتل نے کہا ان کے چہروں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ان آیات کو اللہ کا کلام ماننے سے انکار کر رہے ہیں۔

حملہ کرنے کے لئے اس آیت میں یسطون کا لفظ ہے علامہ راغب نے کہا سطو کا معنی ہے کسی چیز کو شدت سے پکڑنا' اچھلنا' کسی پر حملہ کرنا اس کی اصل یہ ہے کہ جب گھوڑا خوشی کی وجہ سے دو پچھلی ٹانگوں پر کھڑا ہو کر دو اگلی ٹانگوں کو اٹھا لے تو کہتے ہیں سطا الفرس اور جب پانی جوش میں آ کر ابلنے لگے تو کہتے سطا الماء (المفردات ج ا ص ۳۰۶)

امام رازی نے لکھا ہے کہ خلیل' فرا اور زجاج نے کہا ہے السطو کا معنی ہے کسی چیز کو سختی سے پکڑنا اور غصہ سے اچھلنا' اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب ان پر قرآن پڑھا جائے تو وہ قرآن پڑھنے والے کو غصہ میں آ کر سختی سے پکڑنے کا ارادہ کرتے ہیں' کفار جو انبیاء علیہم السلام کے ساتھ سرکشی کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اس کا نقشہ کھینچا ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے مقابلہ میں یہ وعید سنائی فرمایا: آپ کہیے کیا میں تم کو اس سے بھی زیادہ بری خبر دوں! یعنی میں تم کو ایسی خبر دوں جو تمہاری ناگواری کو اور تمہارے غیظ و غضب کو اور زیادہ بڑھا دے جس سے تم اور زیادہ بھڑ جاؤ اور پھٹ پڑو اور وہ یہ ہے کہ تم اپنے برے عقیدہ اور برے اعمال کی وجہ سے اور قرآن مجید کی آیات کو سن کر غیظ و غضب میں آنے کی وجہ سے دوزخ میں داخل ہو گے' اور اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ تم غصہ میں آ کر زیادہ سے زیادہ قرآن مجید پڑھنے والے کو ہلاک کر دو گے اور پھر قرآن پڑھنے والا جنت میں جائے گا اور ہمیشہ جنت میں رہے گا اور تم دوزخ میں داخل ہو گے اور ہمیشہ دوزخ میں جلتے رہو گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے لوگو! ایک مثال بیان کی جاتی ہے اس کو غور سے سنو' بے شک تم جن چیزوں کی اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو' وہ سب مل کر بھی ہرگز ایک مکھی کو (بھی) پیدا نہیں کر سکتے' اور اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین کر لے جائے تو یہ اس سے واپس نہیں لے سکتے' طالب اور مطلوب دونوں کمزور ہیں ۝ (الحج: ۷۳)

بتوں کا عجز اور ان کی پرستش کا باطل ہونا

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ مشرکین بتوں کی عبادت کرتے ہیں ان کی عبادت کے اوپر ان کے پاس کوئی سمعی دلیل ہے نہ عقلی دلیل ہے اور اس آیت میں ان کی بدعقیدگی کا رد فرمایا ہے۔

اس جگہ ایک اعتراض یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اے لوگو! ایک مثال بیان کی جاتی ہے' اس کے بعد مثال میں بیان فرمایا ہے کہ یہ بت ایک مکھی کو بھی پیدا نہیں کر سکتے اور اگر ان سے مکھی کوئی چیز چھین کر لے جائے تو یہ اس سے اس چیز کو واپس نہیں لے سکتے' حالانکہ یہ جو ذکر فرمایا ہے یہ کوئی ضرب المثل نہیں ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے کیسے فرمایا کہ ایک مثال بیان کی جاتی ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ مثال کسی عجیب و غریب نکتہ پر مبنی ہوتی ہے اور اس آیت میں جو مثال بیان کی گئی ہے یہ بھی ایک عجیب و غریب امر پر مبنی ہے اس لئے اس کو مثال قرار دینا صحیح ہے۔

فرمایا ہے کہ یہ سب مل کر ایک مکھی کو پیدا نہیں کر سکتے اور جب سب بت مل کر مکھی کو پیدا نہیں کر سکتے تو ایک بت تو بہ طریق اولیٰ مکھی کو پیدا نہیں کر سکتا جب کہ یہ ایک بت کی بھی عبادت کرتے ہیں۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اس دلیل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بت زندہ اور متصرف نہیں ہیں اور مشرکین ان بتوں کی اس اعتقاد سے عبادت نہیں کرتے تھے کہ یہ زندہ ہیں اور اس کائنات میں تصرف کرنے پر قادر ہیں' بلکہ وہ اس اعتقاد سے ان کی تعظیم

اور عبادت کرتے تھے کہ دراصل یہ بت ان کے معبودوں کی تصویر ہیں۔ ان میں سے بعض ستاروں اور سیاروں کو خدا مانتے تھے اور ان کا اعتقاد یہ تھا کہ ستارے نفع اور نقصان پہنچانے پر قادر ہیں' اور ان میں سے بعض فرشتوں کو خدا مانتے تھے اور ان کا اعتقاد تھا کہ فرشتے نفع اور نقصان پہنچانے پر قادر ہیں اور بعض کا اعتقاد تھا کہ انبیاء علیہم السلام خدا ہیں سو وہ حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر کی صورتیں بنا کر ان کی پرستش کرتے تھے' اور بعض کا عقیدہ یہ تھا کہ پچھلی امتوں میں کچھ نیک بندے گزرے ہیں جیسے لات' منات' عزیٰ اور ہبل وغیرہ تو انہوں نے اپنے خیال میں ان کی صورتوں کے موافق بت بنا لئے تھے اور وہ یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ جن کی صورتوں کی یہ تعظیم اور عبادت کرتے ہیں وہ اس تعظیم اور عبادت سے خوش ہوں گے اور ان کو اپنا مقرب بنالیں گے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جن کی صورتوں کی یہ تعظیم اور پرستش کرتے تھے یعنی ستارے' سیارے' فرشتے' انبیاء اور صالحین' ان میں سے ستارے اور سیارے تو مطلقاً کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے ہیں اور اگر ان سے کوئی چیز چھین لی جائے تو اس کو واپس نہیں لے سکتے' رہے فرشتے' انبیاء اور صالحین تو وہ بھی اپنی ذاتی قدرت سے کوئی چیز پیدا کر سکتے ہیں اور نہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کسی چیز میں کوئی تصرف کر سکتے ہیں' ہر چند کہ حضرت عیسیٰ نے بعض پرندے تخلیق کئے اور بعض مردے زندہ کئے لیکن اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قدرت سے اور اس کی اجازت سے' اسی طرح سے فرشتے' انبیاء اور صالحین کائنات میں تصرف کرتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قدرت اور اس کی اجازت سے' اور اس کی عطا اور اس کی اجازت کے بغیر نہ یہ بت کچھ بنا سکتے ہیں نہ کچھ تصرف کر سکتے ہیں اور جن ہستیوں کی صورتوں میں یہ بت تراشے گئے ہیں وہ بھی اس کی عطا اور اس کی اذن کے بغیر کوئی چیز پیدا کر سکتے ہیں اور نہ کسی چیز میں کوئی تصرف کر سکتے ہیں۔

پھر اس پر کیا دلیل ہے کہ جن ہستیوں کی یہ تصویریں اور مجسمے ہیں وہ ان تصویروں اور مجسموں کی عبادت سے خوش ہوتے ہیں ان ہستیوں نے تو کبھی اپنی عبادت کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ ہمیشہ اس پر انکار کیا چہ جائیکہ وہ اپنی تصویروں اور مجسموں کی عبادت کرنے سے خوش ہوں اور عبادت کرنے والوں کو اپنا مقرب بنائیں وہ ہستیاں تو تمام عمر صرف اللہ عزوجل کی عبادت کا حکم دیتی رہیں اور اس کی عبادت میں کسی دوسرے کو شریک کرنے سے منع کرتی رہیں۔

اس کے بعد فرمایا طالب اور مطلوب دونوں ضعیف ہیں' طالب اور مطلوب کے تعین میں دو قول ہیں' ایک قول یہ ہے کہ بت طالب ہیں اور مکھی مطلوب ہے کیونکہ بت مکھی کو پیدا کرنا چاہتے ہیں یا اس سے چھینی ہوئی چیز واپس لینا چاہتے ہیں' اور دوسرا قول یہ ہے کہ بتوں کی عبادت کرنے والا طالب ہے اور خود بت مطلوب ہیں۔

بعض لوگ شرک کی نفی کرنے اور توحید کے اثبات میں حدود سے تجاوز کرتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کے احترام کا دامن ان کے ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے اور یہ آیت جو بتوں کی اور ان کی پرستش کرنے والوں کی مذمت میں نازل ہوئی ہے اس کو انبیاء علیہم السلام پر چسپاں کرتے ہیں یہ بہت خطرناک اور توہین آمیز طریقہ ہے اور خوارج سے بھی بدتر طریقہ ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما خوارج کو اللہ کی مخلوق میں سب سے بدتر قرار دیتے تھے اور فرماتے تھے جو آیات کفار کے متعلق نازل ہوئی ہیں یہ ان کو مومنین پر چسپاں کردیتے ہیں۔ (صحیح البخاری کتاب استتابۃ المرتدین باب قتل الخوارج والملحدین)

کفار کی آیات کو مومنوں پر چسپاں کرنے والے جب مخلوق میں سب سے بدتر ہیں تو ان کی برائی اور بدعقیدگی کا کیا عالم ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: انہوں نے اللہ کی اس طرح قدر نہیں کی جس طرح اس کی قدر کرنے کا حق تھا' بے شک اللہ نہایت

قوی بے حد غالب ہے O (الحج: ۷۴)

بت پرستوں کا اللہ تعالیٰ کی قدر نہ کرنا

یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی اس طرح تعظیم نہیں کی جس طرح تعظیم کرنے کا حق تھا کیونکہ بت جو انتہائی کمزور اور گھٹیا ہیں انہوں نے ان کو استحقاق عبادت میں اللہ تعالیٰ کا شریک بنا دیا' اور اللہ تعالیٰ قوی ہے اس کے لئے کوئی کام کرنا مشکل نہیں ہے اور وہ غالب ہے کیونکہ کوئی شخص اور کوئی چیز اس سے مقابلہ کرنے پر قادر نہیں ہے۔

یہ آیت یہودیوں میں سے مالک بن الصیف' کعب بن اشرف اور کعب بن اسد وغیرہم کے متعلق نازل ہوئی ہے جنہوں نے یہ کہا کہ اللہ سات آسمان اور سات زمینیں بنانے کے بعد تھک گیا' پھر وہ لیٹ گیا اور ایک ٹانگ کو دوسری ٹانگ پر رکھ کر آرام کیا۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۲۵۲' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

تو ان کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی' اسی طرح حسب ذیل آیت بھی ان کے رد میں نازل ہوئی:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۖ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ O

بے شک ہم نے آسمانوں کو اور زمینوں کو اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے ان سب کو چھ دن میں پیدا کر دیا اور ہم کو تھکاوٹ نے چھوا تک نہیں۔ (ق: ۳۸)

یہ تمام شبہات اس وقت پیدا ہوتے ہیں جب اللہ تعالیٰ کو کسی مخلوق کے مشابہ مانا جائے اور جب یہ عقیدہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز کے مشابہ نہیں ہے اور کوئی چیز اس کی مثال نہیں ہے' تو پھر کوئی اشتباہ نہیں ہوتا پس اللہ سبحانہ عزیز اور غالب ہے وہم اس کا تصور نہیں کر سکتا اور فکر اس کا اندازہ نہیں کر سکتا اور عقل اس کی حقیقت کو نہیں جان سکتی زمانہ اس کا احاطہ نہیں کر سکتا' جہات اس کی تحدید نہیں کر سکتیں وہ صمدی الذات ہے اور سرمدی الصفات ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ فرشتوں میں سے رسولوں کو چن لیتا ہے اور انسانوں میں سے' بے شک اللہ بہت سننے والا بہت دیکھنے والا ہے O وہ جانتا ہے جو کچھ لوگوں کے سامنے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے اور اللہ ہی کی طرف تمام کام لوٹائے جائیں گے O (الحج: ۷۶-۷۵)

فرشتوں کو رسول بنانے کی آیتوں میں تعارض کا جواب

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے الٰہیات کا ذکر فرمایا تھا اور الحج: ۷۵ میں نبوات کا ذکر فرمایا' مقاتل نے یہ کہا کہ ولید بن مغیرہ نے یہ کہا تھا کہ ہمارے ہوتے ہوئے ان پر ذکر نازل کیا گیا تو یہ آیت نازل ہوئی (زاد المسیر ج ۵ ص ۴۵۳)

اس مقام پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس سورت میں فرمایا اللہ فرشتوں میں سے رسولوں کو چن لیتا ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ بعض فرشتوں کو رسول بناتا ہے' سب فرشتوں کو رسول نہیں بناتا' اور ایک اور سورت میں فرمایا ہے **جاعل الملائکۃ رسلا** (فاطر: ۱) فرشتوں کو رسول بنانے والا ہے' اس سے معلوم ہوا کہ سب فرشتوں کو رسول بنایا گیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں پر ان فرشتوں کو رسول بنانے کا ذکر ہے جن کو بنو آدم کی طرف رسول بنایا گیا ہے اور وہ اکابر ملائکہ ہیں جیسے حضرت جبریل' حضرت میکائیل' حضرت اسرافیل اور حضرت عزرائیل علیہم الصلوٰۃ والسلام اور یہ بعض رسول ہیں اور باقی تمام فرشتے ایک دوسرے کی طرف رسول ہیں۔ لہٰذا سورہ الحج: ۷۵ میں ان فرشتوں کے رسول بنانے کا ذکر ہے جو بنو آدم کی طرف رسول ہیں اور فاطر: ۱ میں ان فرشتوں کو رسول بنانے کا ذکر ہے جو ایک دوسرے کی طرف رسول ہیں' پس ان آیتوں میں تعارض نہ رہا۔

بعض فرشتوں اور بعض انسانوں کو بیٹا بنانے کا اعتراض اور اس کا جواب

اللہ تعالیٰ نے ایک مقام پر فرمایا ہے:

لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ (الزمر: ۴) اور اگر اللہ بیٹا بنانا چاہتا تو اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا چن لیتا۔

اور سورہ حج: ۷۵ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض فرشتے اور بعض انسان چنے ہوئے ہیں اور جب اللہ چنے ہوئے کو بیٹا بناتا ہے تو اس سے لازم آئے گا کہ اللہ نے بعض فرشتوں اور بعض انسانوں کو بیٹا بنایا ہو' اس کا جواب یہ ہے کہ سورہ زمر میں جو فرمایا ہے اور اگر اللہ بیٹا بنانا چاہتا تو اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا چن لیتا۔ یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس کا بیٹا چنا ہوا ہونا چاہئے لیکن اس پر دلالت نہیں کرتا کہ ہر چنا ہوا اس کا بیٹا ہو حتیٰ کہ یہ لازم آئے کہ پھر بعض فرشتوں اور بعض انسانوں کو اس کا بیٹا ہونا چاہئے۔

دوسری تقریر یہ ہے کہ زمر میں فرمایا ہے اگر اللہ بیٹا بنانا چاہتا تو اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا بیٹا بنا لیتا اس سے مقصود ان لوگوں کی مذمت کرنا ہے جو حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر کو اللہ کا بیٹا کہتے تھے یعنی وہ اللہ کے بیٹے نہیں ہیں' اگر اللہ بیٹا بنانا چاہتا تو حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر کی کیا خصوصیت تھی وہ جس کو چاہتا اپنا بیٹا بنا لیتا' اور سورۃ الحج: ۷۵ میں ان مشرکین کی مذمت کی ہے جو فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے اور ان کی عبادت کرتے تھے' یعنی فرشتوں کا بلند درجہ اس وجہ سے نہیں ہے کہ وہ اللہ کی بیٹیاں ہیں یا وہ معبود ہیں بلکہ ان کا بلند درجہ اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی عبادت کرنے اور اپنی پیغام رسانی کے لئے چن لیا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ بہت سننے والا بہت دیکھنے والا ہے' یعنی وہ جو کچھ باتیں کرتے ہیں اور جو کچھ کام کرتے ہیں وہ سب اس کے علم میں ہیں' اور الحج: ۷۶ میں فرمایا وہ جانتا ہے جو کچھ لوگوں کے سامنے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے' اس سے مراد یہ ہے کہ دنیا میں پہلے جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ دنیا میں بعد میں ہوگا' یا اس سے مراد یہ ہے کہ جو کچھ دنیا میں ہے اور جو کچھ آخرت میں ہوگا' پھر فرمایا اور اللہ ہی کی طرف تمام کام لوٹائے جائیں گے اس میں بتایا کہ وہ اپنی حاکمیت میں منفرد ہے اور لوگوں کو اپنی نافرمانی سے ڈرایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! رکوع کرو اور سجدہ کرو اور اپنے رب کی عبادت کرو اور نیکی کے کام کرو تا کہ تم کامیاب ہو○ (الحج: ۷۷)

یاایھا الذین کا خطاب صرف مومنوں کو شامل ہے

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے پہلے الٰہیات پر کلام فرمایا' پھر نبوات پر کلام فرمایا' اس کے بعد احکام شرعیہ پر کلام کو شروع فرمایا' اور اس میں چار وجہوں سے کلام فرمایا: (۱) جن کو احکام کا مکلف کیا ہے ان کا تعین فرمایا (۲) جو احکام دیئے ہیں ان کی تفصیل (۳) ان احکام پر عمل کرنے کے بعد جو ثمرہ مرتب ہوگا (۴) ان احکام کا مکلف کرنے کی تاکید۔

جن کو ان احکام کا مکلف کیا ہے ان کا تعین کرتے ہوئے فرمایا: اے ایمان والو! اور اس خطاب سے مراد تمام مکلفین ہیں خواہ وہ مومن ہوں یا کافر' کیونکہ ان احکام کا مکلف ہر شخص ہے اس لئے ان احکام کے ساتھ صرف مومنوں کو مکلف کرنے کی تخصیص کی کوئی وجہ نہیں ہے' یہ امام شافعی اور ان کے متبعین کا موقف ہے اور بعض احناف کا بھی یہی نظریہ ہے کہ کفار بھی احکام کے مکلف ہیں کیونکہ قرآن مجید میں ہے: جب اہل جنت نے اہل دوزخ سے سوال کیا:

مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ○ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ○ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ○ تمہیں کس چیز نے دوزخ میں داخل کر دیا○ وہ کہیں گے کہ ہم نمازیوں میں سے نہ تھے○ اور ہم مسکینوں کو کھانا نہیں کھلاتے تھے○ (المدثر: ۴۲-۴۴)

اس سے معلوم ہوا کہ کفار بھی اس حکم کے مکلف ہیں کہ وہ نماز پڑھیں اور مسکینوں کو کھانا کھلائیں۔

اور جمہور احناف کا موقف یہ ہے کہ احکام شرعیہ کے صرف مومن مکلف ہیں‘ کفار احکام شرعیہ کے مکلف نہیں ہیں وہ صرف ایمان لانے کے مکلف ہیں کیونکہ کفر کے ساتھ نماز پڑھنا‘ روزہ رکھنا‘ زکوٰۃ دینا اور حج کرنا مقبول نہیں ہے اس لئے ان احکام کے صرف مومن مکلف ہیں کفار ان احکام کے مکلف نہیں ہیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ یایھا الذین امنوا کا مصداق صرف مومنین ہیں کفار اس خطاب میں داخل نہیں ہیں‘ اور تیسری وجہ یہ ہے کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا اجتبکم اس نے تم کو برگزیدہ بنایا ہے‘ یہ خطاب صرف مومنوں کے لائق ہے اور پھر فرمایا وسمکم المسلمین اس نے اس سے پہلے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے‘ اور یہ خطاب بھی صرف مومنین کے لائق ہے اور فرمایا و تکونوا شھداء علی الناس اور تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ‘ یہ تمام خطابات صرف مومنین کے لائق ہیں۔

چار قسم کے احکام شرعیہ

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے احکام کا ذکر فرمایا اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے چار احکام بیان فرمائے ہیں:

(۱) نماز‘ اس پر واسجدوا دلالت کرتا ہے کیونکہ بعض علماء کے نزدیک نماز کا سب سے افضل رکن سجدہ ہے‘ اور رکوع اور سجود نماز کے ساتھ مختص ہیں حتیٰ کہ رکوع اور سجود نماز کے قائم مقام ہیں۔

(۲) دوسرے حکم کا ذکر ہے اور تم اپنے رب کی عبادت کرو‘ اور اس کے کئی محمل ہیں: (ا) تم اپنے رب کی عبادت کرو اور اس کے غیر کی عبادت نہ کرو (ب) جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا ہے اور جن کاموں سے منع کیا ہے ان سب کاموں میں اپنے رب کی عبادت کرو (ج) رکوع اور سجود اور باقی اطاعت کو بطور عبادت کرو کیونکہ فقط ان افعال کو کرنا کافی نہیں ہے جب تک کہ ان میں عبادت کا قصد نہ کیا جائے کیونکہ عبادت سے ہی ثواب کا دروازہ کھلتا ہے۔

(۳) اور نیکی کے کام کرو‘ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس سے مراد ہے صلہ رحم اور دوسرے اچھے اخلاق۔

امام رازی نے فرمایا ہے میرے نزدیک یہ ترتیب اس نکتہ پر مبنی ہے کہ نماز انواع عبادت کی ایک قسم ہے اور عبادت نیکی کے کاموں کی انواع کی ایک قسم ہے‘ کیونکہ نیکی کے کاموں کی دو قسمیں ہیں خالق کی تعظیم کرنا اور وہ عبادت ہے‘ اور مخلوق پر شفقت کرنا اور اس میں تمام مکارم اخلاق‘ فقراء پر صدقہ کرنا اور لوگوں سے اچھی باتیں کرنا داخل ہیں گویا کہ اللہ سبحانہ نے یوں فرمایا میں نے تم کو نماز کا مکلف کیا ہے بلکہ اس سے بھی عام چیز کا مکلف کیا ہے وہ ہے عبادت کرنا‘ بلکہ اس سے بھی عام چیز کا مکلف کیا ہے اور وہ ہے نیکی کے کام کرنا۔ اس کے بعد فرمایا: تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ یعنی آخرت کی نعمتوں کو حاصل کر لو‘ عربی میں "لعل" کا لفظ امید کے لئے آتا ہے‘ کیونکہ کبھی کبھی انسان سے عبادت میں کوتاہی ہو جاتی ہے اور اس دور کے مسلمانوں سے تو زیادہ تر عبادت میں کوتاہی ہی ہوتی ہے اس لئے اس کا یقین نہیں ہوتا کہ یہ عبادت آیا مقبول ہو گی یا نہیں؟ اور انجام اور عواقب بھی مستور اور مخفی ہیں اس لئے انسان اخروی فوز و فلاح کی صرف امید ہی کر سکتا ہے‘ اور ایمان خوف اور امید کے درمیان ہے‘ یعنی بندہ اللہ کے عذاب سے خوف زدہ رہے اور اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور ثواب کا امیدوار رہے۔

چوتھے حکم کا ذکر اس کے بعد والی آیت میں ہے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ کی راہ میں اس طرح جہاد کرو جس طرح جہاد کرنے کا حق ہے' اسی نے تم کو برگزیدہ بنایا ہے اور اس نے تم پر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی' (یہ) تمہارے باپ ابراہیم کی ملت ہے' اس نے اس سے پہلے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے اور اس (قرآن) میں' تا کہ رسول تم پر گواہ ہوں اور تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ' پس تم نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ کی رسی مضبوطی سے پکڑ لو وہی تمہارا مالک ہے تو کیسا اچھا مالک ہے اور کیسا اچھا مددگار ہے O (الحج: ۷۸)

جہاد کا حق ادا کرنے کی متعدد تفاسیر

اس سے پہلی آیت میں تین احکام شرعیہ بیان فرمائے تھے نماز پڑھنا' عبادت کرنا (یعنی اطاعت کو بہ طور عبادت کرنا)' اور نیکی کے کام کرنا' اور اس آیت میں چوتھا حکم بیان فرمایا اور وہ اللہ کی راہ میں اس طرح جہاد کرنا ہے جس طرح جہاد کرنے کا حق ہے۔

اللہ کی راہ میں اس طرح جہاد کرنا جس طرح جہاد کرنے کا حق ہے' اس کی حسب ذیل تفسیریں کی گئی ہیں:

(۱) اس سے مراد خصوصیت کے ساتھ جہاد کرنا ہے' یعنی یہ جہاد دنیا کے لئے کیا جائے نہ ناموری کے لئے نہ مال غنیمت کے حصول کے لئے' صرف اللہ کے دین کی سربلندی اور اس کی رضا کے حصول کے لئے جہاد کیا جائے۔

(۲) جس طرح ابتداءً جہاد کیا گیا ہے اسی طرح انتہاءً بھی جہاد کیا جائے' کیونکہ ابتداءً جو جہاد کیا جاتا ہے وہ زیادہ قوی ہوتا ہے اور اس میں مسلمان نسبتاً زیادہ ثابت قدم ہوتے ہیں' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا تم اس طرح جہاد کرو جس طرح تم نے پہلی بار جہاد کیا تھا۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۹۲۰۱)

(۳) ابن جریج نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا تم اللہ کی راہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈرو۔

(جامع البیان: ۱۹۲۰۲)

(۴) ضحاک نے کہا اس کا معنی ہے اللہ کے احکام پر عمل کرنے کا حق ادا کرو۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۹۲۰۳)

(۵) اللہ کے دین کے احیاء اور اس کی اشاعت کے لئے اور زبان اور قوت سے اس کی حدود کو قائم کرنے کے لئے اپنی مقدور کے مطابق جدوجہد کرو جہاں تک تم سے ممکن ہو سکے' اور اپنے دلوں سے ناجائز خواہشوں اور اللہ سے غافل کرنے والی چیزوں کی محبت کو نکال دو۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۲۵۵)

(۶) عبداللہ بن مبارک نے کہا جہاد کرنے کا حق یہ ہے کہ اپنے نفس اور اپنی خواہشوں سے جہاد کرو' خطیب بغدادی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک غزوہ سے آئے تو آپ نے مسلمانوں سے فرمایا تم آگئے خوش آمدید ہو' تم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف آئے ہو۔ مسلمانوں نے کہا جہاد اکبر کی کیا تعریف ہے آپ نے فرمایا بندہ کا اپنی خواہشوں سے جہاد کرنا۔ (تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۴۹۳)

اس حدیث کا امام سیوطی اور امام علی متقی ہندی نے بھی ذکر کیا ہے۔

(جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۵۲۳۳' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۱۲۶۰' ۱۱۷۷۹)

اس حدیث کو امام غزالی نے ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے ہم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف لوٹ آئے' اور عراقی نے کہا اس حدیث کو امام بیہقی نے کتاب الزہد میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور اس کی سند ضعیف ہے (احیاء علوم الدین ج ۳ ص ۷' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۹ھ' اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۲۱۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۴ھ) علامہ سید محمد بن محمد زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ نے لکھا ہے کہ جہاد بالنفس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا

کے لئے نفس پر قہر کر کے عبادات کو انجام دینا اور معاصی کو ترک کرنا' اس کو جہاد اکبر اس لئے فرمایا ہے کہ جو شخص اپنے نفس سے جہاد نہ کر سکے اور اپنے داخل سے مقابلہ نہ کر سکے وہ اپنے خارج اور اللہ کے دشمن سے کیسے مقابلہ کر سکے گا' اس کا نفس جو اس کا دشمن ہے وہ اس کے دو پہلوؤں کے درمیان ہے وہ اس پر قاہر اور مسلط ہے اور جب تک وہ دشمن کے مقابلہ پر جانے کے لئے اپنے نفس سے جہاد نہیں کرے گا اس کے لئے خارجی دشمن سے مقابلہ کرنے کے لئے نکلنا ممکن نہیں ہوگا' اس لئے اپنے نفس سے جہاد کرنا جہاد اکبر ہے اور خارجی دشمن سے جہاد کرنا جہاد اصغر ہے۔ (اتحاف السادة المتقین ج ۶ ص ۲۷۹)

(۷) علامہ قرطبی نے کہا جہاد کرنے کا حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لئے نفس سے جہاد کیا جائے اور نفس کی خواہشات کو رد کر دیا جائے' اور شیطان کے وسوسوں کی مخالفت کی جائے' ظالموں کے ظلم کو رد کرنے میں اور کافروں کے کفر کو رد کرنے میں جہاد کیا جائے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۲ ص ۹۲)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے عظیم جہاد ظالم حکمران کے سامنے انصاف کی بات کہنا ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۷۴' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۳۴۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۱۱' تاریخ بغداد ج ۷ ص ۲۳۸' المسند الجامع رقم الحدیث: ۴۶۱۶)

دین میں تنگی نہ ہونے کی متعدد تفاسیر

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ماجعل علیکم فی الدین من حرج کی تفسیر میں فرمایا حرج کا معنی تنگی ہے۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۹۲۰۴' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جس دین کی تم عبادت کرتے ہو اس میں تم پر کوئی تنگی نہیں ہے' تم کو جن احکام کا مکلف کیا گیا ہے ان میں کوئی مشکل حکم نہیں ہے اور کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے جس کا کوئی حل نہ ہو' کوئی ایسی دشواری نہیں ہے جس کا کوئی مخرج نہ ہو' بعض چیزوں کا مخرج توبہ ہے' بعض چیزوں کا مخرج کفارہ ہے اور بعض چیزوں کا مخرج قصاص ہے۔

بعض چیزوں میں عزیمت کے مقابلہ میں رخصت ہے' جو شخص کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتا وہ بیٹھ کر نماز پڑھ لے' سفر میں چار رکعت کی نماز کی جگہ دو رکعت نماز پڑھ لے' روزہ نہ رکھے بعد میں قضا کر لے اس طرح بیمار کے لئے بھی روزہ قضا کرنے کی رخصت ہے' اور جو شخص دائمی مریض ہو وہ روزے رکھنے کے بجائے فدیہ دے دے' اگر اس سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو توبہ کرے' قتل خطا میں' قسم توڑنے میں' روزہ توڑنے میں' اور بیوی کو یہ کہہ دیا کہ تیری پشت میری ماں کی پشت کی مثل ہے ان سب میں کفارہ کو مشروع کر دیا' قسم توڑنے کے سوا باقی سب میں دو ماہ کے روزے ہیں اور قسم توڑنے کا کفارہ دس آدمیوں کا کھانا کھلانا یا دس مسکینوں کو کپڑے پہنانا یا تین روزے ہیں غرض دین میں کوئی تنگی نہیں ہے۔

امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس رازی المعروف بابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا اللہ تعالیٰ نے ہم سے کون سی تنگی اور حرج کو دور کیا ہے انہوں نے کہا بنو اسرائیل پر جو مشکل احکام تھے ان کا بوجھ تم سے اتار دیا گیا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۴۰۳۳)

حضرت ابن عباس نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا اللہ تعالیٰ نے اسلام میں تم پر وسعت رکھی ہے تمہارے لئے توبہ اور کفارہ کو مشروع کر دیا ہے۔ (تفسیر امام ابن ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۴۰۳۴)

مقاتل بن حیان اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دین میں تمہارے اوپر تنگی نہیں رکھی' اور جو شخص

بھی دین میں داخل ہو اس کے لئے وسعت اور گنجائش ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ ہر وہ حکم جو بندہ پر فرض کیا گیا ہے جب اس کی ادائیگی میں مشکل یا اضطرار ہو تو ضرورت کے وقت اس میں رخصت کو مشروع کیا گیا ہے' مسلمانوں پر چار رکعت نماز فرض کی گئی ہے لیکن سفر میں چار رکعات کے بجائے دو رکعت مشروع کر دی گئی ہیں' جب کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر نماز نہ پڑھ سکے تو اشارہ سے نماز کو مشروع کر دیا ہے۔ اگر دشمن کے خوف سے قبلہ کی طرف منہ نہ کر سکے تو چلتی سواری کا جس طرف منہ ہو اسی طرف منہ کر کے نماز پڑھ لے۔ اگر وضو یا غسل کے لئے پانی نہ ملے تو تیمم کر لے' مقیم پر روزہ فرض ہے اور مسافر کے لئے قضا کی رخصت ہے اور اگر بالکل روزہ نہ رکھ سکے تو فدیہ دے دے۔ اگر سفر کا خرچ نہ ہو یا ظالم حکمران حج کے لئے نہ جانے دیں تو حج نہ کرنے کی بھی رخصت ہے' اسی طرح بیماروں' کمزوروں اور معذوروں کے لئے جہاد نہ کرنے کی بھی رخصت ہے' اگر سخت بھوک کی وجہ سے مرنے کا خطرہ ہو اور کوئی حلال چیز دستیاب نہ ہو تو بہ قدر ضرورت حرام چیز کھانے کی بھی رخصت ہے اور اس حالت میں مردار' خون' حتیٰ کہ خنزیر کا گوشت کھانے کی بھی رخصت ہے اور ان تمام امور کا ذکر قرآن مجید میں ہے' اللہ تعالیٰ نے اس امت پر یہ آسانی فرمائی ہے کہ اس کو اتنی کثیر رخصتیں عطا فرمائی ہیں۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۴۰۳۶' ج ۸ ص ۲۵۰۷-۲۵۰۶' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

جب عزیمت (فرض) پر عمل کرنا مشکل ہو تو رخصت پر عمل کرنا فرض ہے

اللہ تعالیٰ نے عزیمت (اصل حکم) کو بھی مشروع فرمایا ہے اور عذر کے وقت رخصت کو بھی مشروع فرمایا ہے کیونکہ اسلام دین فطرت اور دین یسر ہے اور جس طرح بلا عذر اصل حکم پر عمل نہ کرنا گناہ ہے اسی طرح عذر کے وقت رخصت پر عمل نہ کرنا بھی گناہ ہے'۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے لئے اللہ کی دی ہوئی ان رخصتوں پر عمل کرنا واجب ہے جو اس نے تم کو دی ہیں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۱۵' رقم الحدیث المسلسل: ۲۵۷۳' کنز العمال رقم الحدیث: ۵۳۳۸)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے سال رمضان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ روانہ ہوئے' آپ نے روزہ رکھ لیا' جب آپ کراع الغمیم میں پہنچے تو آپ نے پانی کا پیالہ منگوا کر اسے اوپر اٹھایا حتیٰ کہ لوگوں نے اسے دیکھ لیا' پھر آپ نے وہ پانی پی لیا' آپ کو بتایا گیا کہ بعض لوگ اپنے روزے پر برقرار ہیں آپ نے فرمایا وہ نافرمان ہیں! وہ نافرمان ہیں!!۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۱۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۷۱۰' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۲۶۳)

ابو طعمہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھا ہوا تھا' ایک شخص نے آ کر کہا اے ابو عبدالرحمٰن! میں سفر میں روزے رکھنے کی قوت رکھتا ہوں' حضرت ابن عمر نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص اللہ کی دی ہوئی رخصتوں کو قبول نہیں کرتا اس کو (میدان) عرفہ کے پہاڑوں جتنا گناہ ہوگا۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۷۱ طبع قدیم' احمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے' حاشیہ مسند احمد ج ۵ ص ۵۱' رقم الحدیث: ۵۳۹۲' مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ' ۱۴۱۶ھ' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۴۵۳۲' اس کی روایت حضرت عقبہ بن عامر سے ہے' مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۶۲)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اپنی دی ہوئی رخصتوں پر عمل کرنے کو اس طرح پسند کرتا ہے جس طرح اپنی نافرمانی کو ناپسند کرتا ہے۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۱۰۸' قدیم' احمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے' حاشیہ مسند احمد رقم الحدیث: ۵۸۷۳' دار الحدیث قاہرہ' ۱۴۱۶ھ)

مسند البزار رقم الحدیث: ۹۸۸، ۹۸۹ شعب الایمان رقم الحدیث: ۳۸۹۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس کو پسند کرتا ہے کہ اس کی دی ہوئی رخصت پر عمل کیا جائے جس طرح اس کو پسند فرماتا ہے کہ اس کے عزائم (فرائض) پر عمل کیا جائے۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۱۸۸۰، مسند البزار رقم الحدیث: ۹۹۰، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۵۴، حافظ الہیثمی نے کہا مسند البزار کے راوی ثقہ ہیں، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۶۲، شعب الایمان رقم الحدیث: ۳۸۸۹، کنز العمال رقم الحدیث: ۵۳۳۵)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو پسند کرتا ہے کہ اس کی دی ہوئی رخصتوں کو قبول کیا جائے جس طرح اس کو پسند کرتا ہے کہ اس کے عزائم (فرائض) پر عمل کیا جائے۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۰۰۳۰، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۲۶۰۲، حافظ الہیثمی نے کہا اس کی سند میں معمر بن عبداللہ انصاری ہے اس کی مرفوع حدیث کی متابعت نہیں کی جاتی، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۶۲، کنز العمال رقم الحدیث: ۵۳۴۱)

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوہ میں گئے یہ ہم نے سخت گرمی میں سفر کیا تھا، ہم راستہ میں ایک جگہ ٹھہر گئے، ہم میں سے ایک شخص درخت کے نیچے جا کر لیٹ گیا، وہ بیمار لگتا تھا اور اس کے ساتھی اس کی تیمارداری کر رہے تھے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا تو پوچھا اس کو کیا ہوا ہے، لوگوں نے کہا یہ روزہ دار ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سفر میں روزہ رکھنا کوئی نیکی نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے تم کو جو رخصتیں دی ہیں ان کو لازم کر لو اور ان کو قبول کرو۔

(حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کو امام طبرانی نے المعجم الکبیر میں روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۶۱)

دین آسان ہے سو مشکل احکام نہ بتائے جائیں

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۗ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (البقرۃ: ۱۸۵)

اور جو شخص بیمار ہو یا سفر پر ہو تو وہ دوسرے دنوں میں یہ گنتی پوری کرے (روزے قضا کرے) اللہ تمہارے ساتھ آسانی کا ارادہ فرماتا ہے اور تمہیں مشکل میں ڈالنا نہیں چاہتا۔

اور اس باب میں حسب ذیل احادیث ہیں:

دین آسان ہونے کے متعلق احادیث اور آثار

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک دین آسان ہے اور جو شخص بھی دین پر غالب آنے کی کوشش کرے گا اس پر دین غالب آ جائے گا، پس تم ٹھیک ٹھیک کام کرو، صحت اور درستگی کے قریب اور خوشی سے عبادت کرو، صبح اور شام اور کچھ رات کے وقت۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۹، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۵۰۴۹، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۰۹۴۵، عالم الکتب بیروت)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ تین شخص (حضرت علی بن ابی طالب، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص اور حضرت عثمان بن مظعون: مصنف عبدالرزاق) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے حجروں میں گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت (کی مقدار) کے متعلق پوچھ گچھ کی، جب ان کو آپ کی عبادت کے متعلق بتایا گیا تو انہوں نے اپنی عبادت کو کم سمجھا اور

کہا' کہاں ہم! اور کہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے تو اگلے اور پچھلے تمام بہ ظاہر خلاف اولیٰ کاموں کی مغفرت کردی گئی ہے' ان میں سے ایک شخص نے کہا رہا میں' تو میں ہمیشہ پوری رات نماز پڑھوں گا' اور دوسرے نے کہا میں ہمیشہ روزے رکھوں گا اور کبھی دن میں کھانا نہیں کھاؤں گا اور تیسرے نے کہا اور میں کبھی نکاح نہیں کروں گا اور عورتوں سے الگ رہوں گا' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور آپ نے فرمایا تم لوگوں نے اس اس طرح کہا ہے سنو! اللہ کی قسم! بے شک میں ضرور تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں اور تم سب سے زیادہ متقی ہوں لیکن میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور دن میں کھاتا بھی ہوں' اور رات کو نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں' اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں' پس جس شخص نے میری سنت سے اعراض کیا وہ میرے طریقہ (محمودہ) پر نہیں ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۰۶۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۴۱' سنن الداری رقم الحدیث: ۳۲۱۶)

حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا: یارسول اللہ! لگتا ہے کہ میں جماعت سے نماز نہیں پڑھ سکوں گا' کیونکہ فلاں شخص بہت لمبی نماز پڑھاتا ہے' تو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیحت کرتے ہوئے کبھی اس قدر زیادہ غصہ میں نہیں دیکھا آپ نے فرمایا: اے لوگو! تم (جماعت سے) متنفر کرتے ہو' سو جو شخص لوگوں کو نماز پڑھائے وہ تخفیف سے نماز پڑھائے کیونکہ نمازیوں میں بیمار بھی ہوتے ہیں' کمزور بھی ہوتے ہیں اور ضروری کام پر جانے والے بھی ہوتے ہیں۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۹۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۹۸۴' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۵۸۹۱)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اور حضرت معاذ کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو ان دونوں سے فرمایا: تم دونوں آسان احکام نافذ کرنا اور لوگوں کو مشکل میں نہ ڈالنا اور لوگوں کو خوش رکھنا اور ان کو متنفر نہ کرنا اور ایک دوسرے سے موافقت کرنا۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۲۴' ۱۷۳۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۳۳' ۲۰۰۱' الرقم المسلسل: ۵۱۱۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۳۵۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۹۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آسان احکام بیان کرو اور لوگوں کو مشکل میں نہ ڈالو اور پرسکون رکھو اور لوگوں کو متنفر نہ کرو۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۲۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۳۴' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۹۸۵)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو چیزوں میں سے کسی ایک کا اختیار دیا گیا تو آپ نے اس چیز کو اختیار فرمایا جو زیادہ آسان ہو بہ شرطیکہ وہ گناہ نہ ہو' اگر وہ گناہ ہو تو آپ اس سے سب سے زیادہ دور ہونے والے تھے۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۲۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۸۵' موطا امام مالک رقم الحدیث: ۵۶۳' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۵۰۲۶ عالم الکتب)

ازرق بن قیس کہتے ہیں کہ ہم (مقام) اھواز میں دریا کے کنارے نماز پڑھ رہے تھے' اس کا پانی خشک ہو چکا تھا' حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ گھوڑی پر آئے اور گھوڑی کو چھوڑ کر نماز پڑھنے لگے' وہ گھوڑی چل پڑی' تو انہوں نے نماز کو چھوڑ کر گھوڑی کا پیچھا کیا اور گھوڑی کو واپس لاکر باندھ دیا پھر آکر نماز پڑھی' ایک شخص نے ان کو دیکھ کر کہا اس بڈھے کو دیکھو نماز کو چھوڑ کر گھوڑی کو پکڑنے کے لئے چل دیا تھا' حضرت ابو برزہ نے مڑ کر اس کو جواب دیا اور فرمایا جب سے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا ہوا ہوں مجھے کسی نے ملامت نہیں کی اور میرا گھر متراخ (ایک جگہ کا نام) میں ہے اور اگر میں نماز پڑھتا رہتا اور گھوڑی کو چھوڑ دیتا تو میں اپنے اہل کے پاس رات تک نہیں پہنچ سکتا تھا' اور انہوں نے بتایا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں اور

انہوں نے دیکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم (عبادات اور احکام کو) آسان کرتے تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۲۷، ۱۲۱۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک اعرابی نے آ کر مسجد میں پیشاب کر دیا' لوگ اس کو مارنے کے لئے دوڑے' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو چھوڑ دو' اور اس کے پیشاب کے اوپر ایک ڈول یا دو ڈول پانی بہا دو' کیونکہ تم آسانی پیدا کرنے کے لئے بھیجے گئے ہو اور مشکل میں ڈالنے کے لیے نہیں بھیجے گئے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۲۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۵، مسند احمد رقم الحدیث: ۷۷۸۶، عالم الکتب' بیروت)

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ ذات السلاسل میں ایک سردی کی رات میں ان کو احتلام ہو گیا' انہوں نے کہا مجھ کو خطرہ تھا کہ اگر میں نے غسل کیا تو میں ہلاک ہو جاؤں گا' میں نے تیمم کیا اور اپنے اصحاب کو صبح کی نماز پڑھا دی' لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس واقعہ کا ذکر کیا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اے عمرو کیا تم نے جنبی ہونے کی حالت میں لوگوں کو نماز پڑھا دی' تب میں نے بتایا کہ میں نے کس وجہ سے غسل نہیں کیا تھا' اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ پڑھتے ہوئے سنا ہے:

لَاتَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا (النساء: ۲۹) اپنے نفسوں کو قتل نہ کرو' اللہ تم پر بہت رحم فرمانے والا ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳۴)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں گئے ہم میں سے ایک شخص کے سر پر پتھر آ کر لگا جس سے اس کا سر پھٹ گیا۔ پھر اس کو احتلام ہو گیا' اس نے اپنے اصحاب سے پوچھا کیا تم میرے لئے تیمم کی رخصت پاتے ہو' اس کے اصحاب نے کہا ہم تمہارے لئے تیمم کی رخصت نہیں پاتے تم پانی کے استعمال پر قادر ہو' اس نے غسل کیا جس سے وہ مر گیا' جب ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تو ہم نے آپ کو اس واقعہ کی خبر دی تو آپ نے فرمایا ان لوگوں کو اللہ مار ڈالے انہوں نے تو اس کو قتل کر دیا' جب ان کو اس صورت حال کے حکم کا علم نہیں تھا انہوں نے کسی (اہل علم سے) سے پوچھا کیوں نہیں! جہالت کی شفاء سوال کرنے میں ہے' اس کے لئے تیمم کرنا کافی تھا یا وہ اپنے زخم پر کپڑا باندھ کر اس پر مسح کر لیتا پھر باقی جسم کو دھو لیتا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳۶، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۵۷۲)

ابو عروہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کر رہے تھے آپ نے ایک پیر کو باہر نکالا اور وضو یا غسل کی وجہ سے آپ کے سر سے پانی کے قطرے گر رہے تھے' لوگ آپ سے پوچھ رہے تھے یا رسول اللہ! ہم پر کوئی حرج ہے اگر ہم فلاں کام کر لیں! آپ نے فرمایا نہیں اے لوگو' پھر آپ نے تین بار فرمایا بے شک اللہ کا دین آسان ہے۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۶۹' طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۰۹۴۵' عالم الکتب)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک یہ دین متین (مضبوط) ہے' اس میں نرمی کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۱۹۹' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۳۰۸۳' عالم الکتب)

حضرت انس بن مالک' حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسلام نرم دین ہے اس میں نرمی کے ساتھ داخل ہونا چاہئے۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۱۴۵' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۱۶۱۷' عالم الکتب بیروت' شعب الایمان رقم الحدیث: ۳۸۸۶)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے اوپر سختی نہ کرو (سخت اور مشکل کاموں کی نذر نہ مانو) تم سے پہلی امتیں اس لئے ہلاک ہو گئیں کہ انہوں نے اپنے اوپر سخت اور مشکل کاموں کو لازم کر لیا تھا

مثلاً رہبانیت) ان کے باقی ماندہ لوگوں کو تم کلیساؤں اور گرجوں میں دیکھو گے۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۵۵۵۱ مجمع الزوائد ج ۱ ص ۶۲ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۹۰۴ شعب الایمان رقم الحدیث: ۳۸۸۴)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فرائض کو ادا کرو اور رخصتوں کو قبول کرو اور لوگوں کو چھوڑ دو تم ان سے کفایت کر چکے ہو۔ (جمع الجوامع رقم الحدیث: ۷۸۶ کنز العمال رقم الحدیث: ۵۳۳۷)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری اُمت کے سب سے افضل لوگ وہ ہیں جو رخصتوں پر عمل کرتے ہیں۔ (المعجم الکبیر ج ۱۹ ص ۱۶۵ الصحیحہ للالبانی رقم الحدیث: ۱۵۰۵ الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۱۳۰۰)

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ ایک اعرابی سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے دین میں سب سے بہتر وہ عبادت ہے جو سب سے آسان ہو' تمہارے دین میں سب سے بہتر وہ عبادت ہے جو سب سے آسان ہو۔ (دوبار فرمایا) (مسند احمد ج ۳ ص ۴۷۹ طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۶۰۳۲ عالم الکتب بیروت)

حضرت ابراہیم کو مسلمانوں کا باپ فرمانے کی توجیہ

اس کے بعد الحج: ۷۸ میں فرمایا یہ تمہارے باپ ابراہیم کی ملت ہے اس نے اس سے پہلے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے' اور اس (قرآن) میں تا کہ رسول تم پر گواہ ہوں اور تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کرنے سے مقصود یہ ہے کہ مسلمانوں کو جن احکام شرعیہ کا مکلف فرمایا ہے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت ہے' اور اس کی وجہ یہ ہے کہ تمام عرب حضرت ابراہیم علیہ السلام سے محبت کرتے تھے کیونکہ وہ ان کی اولاد سے تھے اس تنبیہ سے مقصود یہ ہے کہ عرب کے مشرکین کو اسلام قبول کرنے پر راغب کیا جائے کہ آخر یہ تمہارے جد کریم کا دین ہے تم اس دین پر ایمان لانے سے کیوں گریز کر رہے ہو۔

اس آیت میں فرمایا یہ تمہارے باپ ابراہیم کی ملت ہے' اور حضرت ابراہیم کو تمام مسلمانوں کا باپ فرمایا ہے' حالانکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تمام مسلمانوں کے باپ نہیں ہیں' اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے باپ ہیں اور آپ اپنی تمام امت کے لئے بہ منزلہ باپ ہیں' کیونکہ باپ اولاد کی حیات کا سبب ہوتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کی حیاتِ ابدیہ کا سبب ہیں اور اخروی حیات کا سبب ہیں اور وہی حیات قابل شمار اور قابل ذکر ہے' اور یا اس کی وجہ یہ ہے کہ اکثر عرب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہیں سو عرب کے لوگوں کو باقی امت پر غلبہ دے کر فرمایا وہ تمہارے باپ ہیں۔

ملت کا معنی

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ ھ لکھتے ہیں:

ملت کی اصل ہے امللت الکتاب میں نے کتاب لکھوائی' قرآن مجید میں ہے:

وَلْيُمْلِلِ الَّذِىْ عَلَيْهِ الْحَقُّ (البقرہ: ۲۸۲) — اور جس کے ذمہ حق ہے وہ لکھوائے۔

فَاِنْ كَانَ الَّذِىْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ (البقرہ: ۲۸۲) — پس جس کے ذمہ حق ہے اگر وہ کم عقل ہو یا کمزور ہو یا لکھوانے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو پھر اس کا ولی عدل کے ساتھ لکھوائے۔

ملت کے معنی دین کی مثل ہے اور دین کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی وساطت سے اپنے بندوں پر جو

احکام مشروع اور مقرر فرمائے ہیں تاکہ اس کے بندے ان احکام پر عمل کر کے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کریں اور ملت اور دین میں فرق یہ ہے کہ ملت کی اضافت صرف نبی کی طرف ہوتی ہے جیسے قرآن مجید میں ہے اتبعوا ملة ابراهیم (آل عمران: ۹۵) ملت ابراہیم کی پیروی کرو' اور حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا واتبعت ملة آباء ی (یوسف: ۳۸) میں نے اپنے آباؤ اجداد کی ملت کی پیروی کی ہے' اور ملت کی اضافت اللہ کی طرف نہیں کی جاتی اور نہ نبی کی امت کے افراد کی طرف کی جاتی ہے اس کا استعمال صرف حاملین شریعت کے لئے ہوتا ہے ان کے افراد کی طرف نہیں ہوتا' اس لئے اللہ کی ملت اور میری ملت اور زید کی ملت نہیں کہا جاتا جس طرح اللہ کا دین اور زید کا دین اور میرا دین کہا جاتا ہے۔

علامہ راغب اصفہانی کی اس تقریر پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں باطل مذاہب پر بھی ملت کا اطلاق گیا ہے' حضرت یوسف نے فرمایا:

انی ترکت ملة قوم لا یؤمنون باللہ وھم بالاٰخرة ھم کفرون (یوسف: ۳۷)

میں نے ان لوگوں کا مذہب چھوڑ دیا جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور وہ آخرت کا بھی کفر کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے کفار کا قول نقل فرمایا:

ما سمعنا بھذا فی الملة الاٰخرة ان ھذا الا اختلاق (ص: ۷)

ہم نے یہ بات پچھلی ملت میں (بھی) نہیں سنی یہ صرف من گھڑت بات ہے۔

کفار کا مطلب یہ تھا کہ یہ نبی جو توحید کی دعوت دے رہے ہیں یہ ان کی خود ساختہ دعوت ہے ورنہ عیسائیت میں بھی دوسروں کو اللہ کے ساتھ شریک بنایا گیا ہے۔

ان آیات میں باطل مذاہب پر بھی ملت کا اطلاق کیا گیا ہے اور یہ اطلاق علامہ راغب کے بیان کئے ہوئے معنی کے خلاف ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اطلاقات مجاز ہیں ورنہ ملت حقیقت میں اس دستور الٰہی کا نام ہے جو انبیاء کے واسطہ سے انسانوں کی طرف بھیجا جاتا ہے' لیکن اگر کبھی انسان اس دستور میں تحریف کر لیں تب بھی اس پر ملت کا اطلاق کر دیا جاتا ہے۔

علامہ راغب نے دین اور ملت میں یہ فرق بھی کیا ہے کہ دین کا معنی اصل میں اطاعت ہے پس اللہ کے بھیجے ہوئے دستور میں یہ لحاظ کیا جائے کہ انبیاء اس دین کو قائم کریں گے اور لوگ اس دستور کی اطاعت کریں گے تو اس دستور کو دین کہتے ہیں اور اگر اس دستور میں صرف یہ لحاظ کیا جائے کہ وہ اللہ کا مشروع اور مقرر کیا ہوا دستور ہے تو اس کو ملت کہتے ہیں۔

(المفردات ج ۲ ص ۶۱۱' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ)

ملت سے یہاں پر دین کے اصول اور فروع مراد ہیں یعنی عقائد اور احکام شرعیہ یا صرف احکام شرعیہ مراد ہیں۔

(روح المعانی جز ۱۷' ص ۳۶۰)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے کہا:

یا رسول اللہ ماھذہ الاضاحی قال سنة ابیکم ابراھیم.

یا رسول اللہ! یہ قربانیاں کیا ہیں فرمایا تمہارے باپ ابراہیم کی سنت ہیں۔

انہوں نے پوچھا یا رسول اللہ اس میں ہمارے لئے کیا اجر ہے؟ فرمایا ہر بال کے بدلے میں ایک نیکی ہے' انہوں نے کہا یا رسول اللہ اگر اون ہو تو فرمایا اون کے ہر بال کے بدلہ میں ایک نیکی ہے۔ (اس حدیث کی سند ضعیف ہے' لیکن فضائل اعمال

اس سند ضعیف بھی معتبر ہوتی ہے)

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۱۱۷ مسند احمد ج ۴ ص ۳۶۸ المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۵۰۷۵ المسند الجامع رقم الحدیث: ۳۸۰۶)

امام رازی نے یہ اعتراض قائم کیا ہے کہ اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ملت وہی ہو جو ملت ابراہیم ہے اور اس کی تائید اس آیت سے بھی ہوتی ہے ان اتبع ملة ابراهيم (النحل: ۱۲۳) اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی الگ اور مخصوص شریعت نہیں ہے' پھر امام رازی نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ آیت بت پرستوں کے لئے اتری ہے گویا اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا کہ اللہ کی عبادت کرنا اور بت پرستی کو ترک کرنا یہ ملت ابراہیم ہے یعنی ملت کا تعلق صرف عقائد سے ہے اور باقی تمام احکام شرعیہ مفصلہ کا اس اتباع سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۸ ص ۲۵۶)

ممکن ہے کہ امام رازی کا جواب صحیح ہو لیکن ہمارے نزدیک اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ تمام احکام شرعیہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اتباع نہیں کی جاتی حتیٰ کہ یہ اعتراض ہو کہ پھر ہمارے نبی کی الگ مخصوص شریعت نہیں رہی بلکہ صرف مناسک حج' قربانی اور طہارت کی دس سنتوں (ختنہ' زیر ناف بالوں کو کاٹنا' ناخن تراشنا' کلی کرنا' ناک میں پانی ڈالنا' ڈاڑھی بڑھانا' مونچھیں کم کرانا وغیرہ) میں ان کی اتباع کی جاتی ہے اور باقی تمام احکام شرعیہ میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی جاتی ہے' اور اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مناسک حج اور قربانی میں آپ کی مطلقاً اتباع نہیں ہے بلکہ اس میں بھی آپ کی مخصوص شریعت ہے ایک دفعہ مفتی سید شجاعت علی قادری رحمہ اللہ نے مجھ سے کہا بعض آزاد خیال لوگ یہ کہتے ہیں کہ حج میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی فعل کی اتباع نہیں ہے صفا اور مروہ کی سعی میں حضرت ہاجرہ کی اتباع ہے' شیطان کو کنکریاں مارنے میں اور طواف کرنے میں حضرت ابراہیم کی اتباع ہے اور قربانی دینے میں حضرت اسماعیل کی اتباع ہے' میں نے کہا یہ غلط ہے' طواف کے ابتدائی تین چکروں میں جو رمل کیا جاتا ہے اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہے اور حجر اسود کو بوسہ دینے اور رکن یمانی کی تعظیم کرنے میں صرف ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہے' اس سلسلہ میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب (عمرہ حدیبیہ کی قضاء کرنے) مکہ میں آئے تو مشرکین نے ان کو دیکھ کر کہا تمہارے پاس ایک وفد آ رہا ہے جس کو یثرب کے بخار نے کمزور کر دیا ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ طواف کے پہلے تین چکروں میں رمل کریں (کندھے ہلاتے ہوئے بھاگ بھاگ کر طواف کریں) اور حجر اسود اور رکن یمانی کے درمیان آہستہ آہستہ چلیں اور طواف کے باقی چکروں میں رمل کا اس لئے حکم نہیں دیا کہ وہ اپنی اصل پر باقی رہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۶۰۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۲۶۴' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۸۸۵)

زید بن اسلم بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حجر اسود کو مخاطب کر کے کہا مجھے خوب علم ہے کہ تو ایک پتھر ہے کسی کو نقصان پہنچا سکتا ہے نہ نفع پہنچا سکتا ہے اور اگر میں نے یہ نہ دیکھا ہوتا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھے بوسہ دیا ہے تو میں تجھے بوسہ نہ دیتا پھر حضرت عمر نے اس کو بوسہ دیا' پھر کہا ہمیں رمل کرنے کی کیا ضرورت ہے! ہم مشرکین کو (اپنی طاقت) دکھانے کے لئے رمل کرتے تھے اور اب اللہ مشرکین کو ہلاک کر چکا ہے' پھر کہا جس فعل کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے ہم اس کو ترک کرنا نہیں چاہتے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۶۱۰' ۱۶۰۵' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۳۹۱۸)

عبید بن جریج بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا کیا وجہ ہے کہ آپ (کعبہ کے

ارکان میں سے) صرف حجر اسود اور رکن یمانی کی تعظیم کرتے اور باقی ارکان کی تعظیم نہیں کرتے؟ حضرت ابن عمر نے جواب دیا اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف ان ہی دو رکنوں کی تعظیم کرتے ہوئے دیکھا ہے (کعبہ کے ارکان سے مراد خانہ کعبہ کے چار کونے ہیں پہلے دو کونوں کو حجر اسود اور رکن یمانی کہتے ہیں اور حطیم کی جانب پچھلے دو کونوں کو رکن عراقی اور رکن شامی کہتے ہیں)۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۶۶، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۸۷، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۷۷۲، سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۱۷، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۲۶)

حج میں احرام باندھنا حضرت ابراہیم کی سنت ہے لیکن احرام میں جو کام منع ہیں اور جو جائز ہیں یہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کئے ہیں اور یہ آپ کی شریعت ہے، احرام باندھنے کے لئے جو مختلف میقات ہیں یہ آپ نے بیان فرمائے ہیں اور یہ آپ کی شریعت ہے، نفس طواف حضرت ابراہیم کی سنت ہے اور طواف قدوم، طواف زیارت اور طواف وداع کا تعین یہ آپ کی شریعت ہے، جس طواف کے بعد سعی ہو اس میں رمل کرنا یہ آپ کی شریعت ہے، مقام ابراہیم پر نماز پڑھنا یہ آپ کی شریعت ہے، رمی، ذبح اور حلق کی ترتیب یہ آپ کی سنت ہے، حج افراد، حج تمتع اور حج قران کا تعین یہ آپ کی شریعت ہے اور جنایات میں دم دینے کا تعین بھی آپ نے کیا ہے۔

نفس قربانی حضرت ابراہیم یا حضرت اسماعیل کی سنت ہے قربانی کے جانوروں کی اصناف اونٹ، گائے اور بکری کا تعین یہ آپ کی شریعت ہے، اونٹ اور گائے میں سات آدمیوں کی شرکت یہ آپ کی شریعت ہے، ان جانوروں کی کیا عمریں ہونی چاہئیں اور کن عیوب سے ان کو خالی ہونا چاہیے یہ آپ نے بیان فرمایا ہے کہ یہ آپ کی شریعت ہے، قربانی کرنا نماز عید کے بعد معتبر ہے نماز عید سے پہلے قربانی کرنا معتبر نہیں ہے یہ آپ کا ارشاد ہے اور یہ آپ کی شریعت ہے۔

غرض مناسک حج اور قربانی میں نفس حج اور نفس قربانی تو ملت ابراہیم ہے لیکن اس کی تمام تفصیلات اور تمام جزئیات آپ نے بیان فرمائی ہیں حج کے فرائض، واجبات، آداب اور ممنوعات کے ارتکاب پر دم اور تاوان کا تعین یہ سب آپ نے کیا ہے اور یہ تمام امور آپ کی شریعت ہیں اور ہم تو کہتے ہیں کہ حج اور قربانی کو اور طہارت کی سنتوں کو بھی ہم اس نیت سے کرتے ہیں کہ یہ کام آپ نے کئے ہیں خواہ آپ نے حضرت ابراہیم کی سنت اور ملت کی وجہ سے حج کیا ہو اور قربانی کی ہو لیکن ہم اس لئے حج کرتے ہیں کہ آپ نے حج کیا ہے اور اس لئے قربانی کرتے ہیں کہ آپ نے قربانی کی ہے، یہ درست ہے کہ ہم کو ملت ابراہیم کی پیروی کا حکم ہے لیکن ہم ملت ابراہیم کی پیروی شریعت محمد میں کرتے ہیں۔

اس امت کا نام امت مسلمہ اللہ نے رکھا ہے یا حضرت ابراہیم نے!

نیز اس آیت میں فرمایا اس نے اس سے پہلے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے اور اس میں۔

اس آیت کے دو محمل ہیں ایک یہ ہے کہ حضرت ابراہیم نے تمہارا نام مسلمان رکھا کیونکہ ہر نبی کی دعا مقبول ہوتی ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا کی تھی:

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ (البقرہ: ۱۲۸)

اے ہمارے رب! ہمیں اپنے لئے مسلمان (اطاعت گزار) رکھ اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک امت کو مسلمان رکھ۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا کو قبول فرمایا اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو امت مسلمہ بنا دیا۔

اس آیت کا دوسرا محمل یہ ہے کہ یہ ضمیر اللہ کی طرف راجع ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارا نام امت مسلمہ رکھا ہے۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' قتادہ' مجاہد اور ضحاک کا قول یہ ہے کہ اللہ نے تمہارا نام مسلمین رکھا ہے۔

(جامع البیان جز ۱۷ ص ۲۷۱' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

ابن زید نے یہ کہا ہے کہ حضرت ابراہیم نے تمہارا نام مسلمین رکھا ہے' امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ ابن زید کا قول بلا دلیل ہے کیونکہ یہ معلوم ہے کہ حضرت ابراہیم نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کا نام قرآن میں مسلمین نہیں رکھا' کیونکہ قرآن مجید حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بہت عرصہ بعد نازل ہوا ہے۔ (جامع البیان جز ۱۷ ص ۲۷۲-۲۷۱' مطبوعہ دار الفکر بیروت)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے عموم پر علامہ آلوسی کے اعتراضات

اس کے بعد الحج: ۷۸ میں فرمایا تاکہ رسول تم پر گواہ ہوں اور تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ۔

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حدیث میں وارد ہے کہ قیامت کے دن نبیوں کو اور ان کی امتوں کو لایا جائے گا پھر انبیاء علیہم السلام سے سوال کیا جائے گا کیا آپ لوگوں نے اپنی اپنی امتوں کو تبلیغ کی تھی وہ گواہی دیں گے کہ انہوں نے تبلیغ کی تھی' ان کی امتیں اس کا انکار کریں گی پھر اس امت کو لایا جائے گا اور وہ گواہی دیں گے کہ انبیاء علیہم السلام نے اپنی اپنی امتوں کو تبلیغ کی تھی ان سے کہا جائے گا تم کو اس کا کیسے پتا چلا وہ کہیں گے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی زبان سے ہم کو اس کی اپنی کتاب میں خبر دی ہے۔

یا اس آیت کا معنی یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ شہادت دیں گے کہ فلاں شخص نے اطاعت کی ہے اور فلاں شخص نے معصیت کی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں کی اطاعت اور معصیت کا ان علامات سے پتا چلے گا جو اللہ تعالیٰ اس دن نیکوں اور گناہ گاروں میں نیکی اور گناہ کی علامت رکھے گا اور آپ اس علامت سے پہچان لیں گے اور اس وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا لوگوں کی اطاعت اور معصیت کی گواہی دینا صحیح ہو گا۔

اور یہ جو بعض احادیث میں ہے کہ برزخ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر ہر ہفتہ یا اس سے کم دن میں امت کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں یہ احادیث اگر صحیح بھی ہوں تو یہ علم قطعی اور یقین کا فائدہ نہیں دیتیں اور شہادت کے لئے علم قطعی اور یقین کی ضرورت ہے' اور ان احادیث پر یہ اشکال بھی ہے کہ مسند احمد اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں وارد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن میرے پاس حوض پر میرے اصحاب آئیں گے حتیٰ کہ جب میں ان کو دیکھ لوں گا اور پہچان لوں گا تو میں کہوں گا میرے اصحاب! میرے اصحاب! تو مجھ سے کہا جائے گا آپ اپنی عقل اور قیاس سے نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد دین میں کیا بدعتیں نکالیں اور نئے کام کئے۔ امت کے اعمال پیش کئے جانے والی احادیث اگر صحیح ہوں تو خواہ وہ یقین اور علم قطعی کا فائدہ دیں یا نہ دیں اس حدیث سے ان پر اشکال ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ جس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو دیکھا اس وقت آپ کے ذہن میں یہ متحضر نہیں تھا کہ یہ لوگ دین میں کیا بدعات نکال چکے ہیں یعنی اس طرف آپ متوجہ نہیں تھے اس سے آپ کے علم کی نفی نہیں ہوتی اور یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں ہے کہ آپ پر امت کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں' اور چونکہ آپ کی توجہ ان کی بدعات کی طرف نہیں تھی اس لئے آپ نے وہ فرمایا جو فرمایا۔

اور یہ جو فرشتوں نے کہا آپ اپنی عقل سے نہیں جانتے اس سے آپ کی وفات کے بعد بدعات کے ارتکاب کے جرم کی سنگینی مراد ہے یہ مراد نہیں ہے کہ آپ کو علم نہیں ہے' جو شخص آپ کی وفات کے بعد نیکی کرتے ہوئے مرا یا جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں گناہ کرتا ہوا مرا اس کے اعمال آپ کے سامنے پیش کئے جانے کا کسی حدیث میں ذکر نہیں ہے اور یہ کہنا

کہ ایسے شخص کا وجود نہیں ہے بہت بعید ہے اور جس نے یہ کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو امت کے اعمال کا علم ہے اور آپ ہر شخص کو جانتے ہیں خواہ وہ زندہ ہو یا مردہ اور اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی اطاعت یا معصیت کے متعلق قیامت کے دن گواہی دیں گے اس کے اس قول پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ اور اس آیت سے استدلال کرنے میں بھی بحث ہو گی۔ علاوہ ازیں جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی تھی' وہ حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے عموم اور شمول کے خلاف پر دلالت کرتی ہے۔ (روح المعانی جز ۱۷ص ۳۱۲۔۳۱۱' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ آلوسی کے اعتراضات کے جوابات اور آپ کے علم کے عموم کا دفاع

علامہ آلوسی کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ یہ آیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے عموم پر دلالت نہیں کرتی کیونکہ یہ آیت اس باب میں قطعاً نص صریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام مسلمانوں کے اوپر شاہد اور گواہ ہیں' اور شہادت میں اصل یہ ہے کہ واقعہ کا مشاہدہ کر کے گواہی دی جائے اور بغیر علم کے گواہی دینا جائز نہیں ہے اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام مسلمانوں کے اعمال پر شاہد اور گواہ ہیں تو ضروری ہوا کہ آپ کو تمام مسلمانوں کے اعمال کا علم ہو' اور اگر کچھ روایات اس کے خلاف ہیں تو اگر ان کی توجیہہ ممکن ہو تو ان کی توجیہ کی جائے گی ورنہ اس نص قطعی کے مقابلہ میں ان روایات کو ترک کر دیا جائے گا' اس بحث میں پہلے ہم مستند تفاسیر کے حوالوں سے یہ بیان کریں گے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تمام امت کے اعمال پر شاہد ہیں پھر اس کی تائید میں احادیث کا ذکر کریں گے اور خود علامہ آلوسی کی عبارت سے آپ کے علم کا عموم بیان کریں گے اور آخر میں ان روایات کا محمل بیان کریں گے جن کو علامہ آلوسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے عموم کے خلاف سمجھا ہے۔ فنقول وباللہ التوفیق:

مشہور مفسر قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۲ھ اس اشکال کا جواب دیتے ہیں کہ جب شہادت کے بعد علیٰ کا ذکر ہو تو اس کا معنی عربی قواعد کے مطابق کسی کے خلاف گواہی دینا ہوتا ہے اور یہاں مقصود یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امت کے حق میں ان کے نیک ہونے اور ان کی شہادت کے صادق اور برحق ہونے کی شہادت دیں' پس قاضی بیضاوی لکھتے ہیں:

اس آیت میں شہید کا لفظ رقیب اور مہیمن (نگہبان) کے معنی کو متضمن ہے اور علیٰ کا لفظ شہادت کا صلہ نہیں ہے بلکہ رقیب کا صلہ ہے اور اس کا معنی ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت پر نگہبان اور ان کے احوال پر مطلع ہیں۔

علامہ احمد بن محمد خفاجی حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ قاضی بیضاوی کی اس عبارت کی شرح میں لکھتے ہیں:

جب شہادت کا صلہ علیٰ ہو تو اس کا معنی کسی کے خلاف شہادت دینا ہوتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت امت کے حق میں ہو گی' کیونکہ آپ ان کی شہادت کا تزکیہ کریں گے یعنی ان کی شہادت کو برحق قرار دیں گے' علامہ بیضاوی نے اس کا یہ جواب دیا کہ یہاں شہید کا لفظ رقیب اور مہیمن کے معنی کو متضمن ہے کیونکہ جو شخص کسی کا تزکیہ کرتا ہے وہ اس کے احوال کو جاننے والا ہوتا ہے۔ (عنایۃ القاضی علی تفسیر البیضاوی ج ۲ص ۴۱۲' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی متوفی ۱۲۳۹ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی تمہارے رسول تمہارے اوپر گواہ ہیں کیونکہ وہ نور نبوت سے ہر دین دار کے دین پر مطلع ہیں کہ وہ میرے دین کے کس درجہ پر پہنچا ہوا ہے' اور اس کے ایمان کی حقیقت کیا ہے جس حجاب کی وجہ سے وہ دین میں ترقی نہ کر سکا وہ کون سا ہے پس وہ تمہارے گناہوں اور ایمان کے درجات اور تمہارے اچھے اور برے اعمال اور اخلاص و نفاق کو پہچانتے ہیں' اس لئے امت کے دنیاوی امور میں آپ کی گواہی بہ حق شرع مقبول اور واجب العمل ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اپنے زمانہ کے حاضرین

مثلاً اصحاب و ازواج و اہل بیت رضی اللہ عنہم اجمعین یا غائبین مثلاً اویس و مہدی اور مقتول دجال کے فضائل و مناقب بیان فرمائے ہیں یا اپنے زمانہ کے حاضر و غائب لوگوں کے عیوب و قبائح بیان فرمائے ہیں ان پر اعتقاد رکھنا واجب ہے اور اسی قبیل سے ہے جو روایات میں آیا ہے کہ ہر نبی کو اپنی امت کے اعمال پر مطلع کیا جاتا ہے کہ فلاں آج یہ کرتا ہے اور فلاں یہ تاکہ قیامت کے دن ان پر گواہی دے سکیں۔ (تفسیر عزیزی (فارسی) ج اص ۶۳۶ مطبوعہ ہند)

قرآن مجید کی اس آیت کریمہ اور مستند اور مسلم مفسرین نے جو اس کی تفسیر کی ہے اس سے یہ واضح ہو گیا کہ قیامت کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت کے ایمان اور اس کے درجات کا اور ان کے اعمال کا علم ہوگا' اس کے علاوہ بہ کثرت احادیث میں بھی اس پر دلیل ہے:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن نوح کو بلایا جائے گا وہ کہیں گے اے میرے رب! میں حاضر ہوں' اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم نے تبلیغ کی تھی وہ کہیں گے ہاں' پھر ان کی امت سے پوچھا جائے گا آیا انہوں نے تم کو تبلیغ کی تھی' وہ کہیں گے ہمارے پاس کوئی عذاب سے ڈرانے والا نہیں آیا' پھر اللہ تعالیٰ نوح سے فرمائے گا تمہارے حق میں کون گواہی دے گا وہ کہیں گے (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ کی امت' پھر وہ گواہی دیں گے کہ نوح نے تبلیغ کی تھی' اور اس کی تصدیق اس آیت میں ہے: وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (البقرہ: ۱۴۳)

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۴۸۷' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۹۶۱' صحیح ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۸۴' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۴۵۴' مسند احمد ج ۳ ص ۹' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۱۱۷۳' کتاب الاسماء والصفات ص ۲۱۶)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ پر میری امت کے اعمال پیش کئے گئے' نیک اور بد' میں نے نیک اعمال میں یہ (عمل) پایا کہ راستہ سے کوئی تکلیف دہ چیز ہٹا دی جائے اور برے اعمال میں یہ پایا کہ مسجد میں ناک کی رینٹ ڈال دی جائے اور اس کو دفن نہ کیا جائے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۵۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۸۳' مسند احمد ج ۵ ص ۱۸۰' ۱۷۸' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۱۳۰۸)

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک جب اللہ اپنے بندوں میں سے کسی امت پر رحمت کا ارادہ فرماتا ہے تو اس امت سے پہلے اس کے نبی کی روح کو قبض فرما لیتا ہے اور اس کو ان کے لئے صالح پیش رو اور ان کی خیر اور فلاح کا منتظم بنا دیتا ہے اور وہ ان کے حق میں نیکی کی گواہی دیتا ہے' اور جب اللہ کسی امت کی ہلاکت کا ارادہ فرماتا ہے تو نبی کی زندگی میں اس امت کو عذاب میں مبتلا کر کے ہلاک کر دیتا ہے' اور اس کو ہلاک کر کے نبی کی آنکھیں ٹھنڈی کر دیتا ہے' کیونکہ انہوں نے نبی کی تکذیب کی تھی اور اس کی نافرمانی کی تھی۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۸۸' المسند الجامع رقم الحدیث: ۸۹۲۸' البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۲۵۷-۲۵۶)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری حیات تمہارے لئے بہتر ہے' تم باتیں کرتے ہو اور تمہارے لئے احادیث بیان کی جاتی ہیں اور میری وفات (بھی) تمہارے لئے بہتر ہے' تمہارے اعمال مجھ پر پیش کئے جاتے ہیں میں جو نیک عمل دیکھتا ہوں اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں اور میں جو برا عمل دیکھتا ہوں اس پر تمہارے لیے استغفار کرتا ہوں۔

(الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۱۴۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ' مسند البزار رقم الحدیث: ۸۴۵' الوفاء ص ۸۱۰' مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۴)

البدایہ والنہایہ ج ۴ص ۲۵۷' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۱۷۷۴)

ان کے علاوہ بعض دیگر احادیث میں ایسے واقعات مذکور ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ آپ کو امت کے احوال اور اعمال کا علم ہوتا ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ یا مکہ کے باغات میں سے ایک باغ میں گزرے' آپ نے دو ایسے انسانوں کی آواز سنی جن کو ان کی قبروں میں عذاب دیا جا رہا تھا آپ نے فرمایا ان دونوں کو عذاب دیا جا رہا ہے اور کسی ایسے گناہ کی وجہ سے عذاب نہیں دیا جا رہا جس سے بچنا بہت دشوار ہو' پھر فرمایا کیوں نہیں! ان میں سے ایک پیشاب کے قطروں سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغلی کرتا تھا' پھر آپ نے درخت کی ایک شاخ منگائی پھر اس کے دو ٹکڑے کیے اور ہر قبر پر ایک ٹکڑا نصب کر دیا' آپ سے کہا گیا: یا رسول اللہ! آپ نے ایسا کیوں کیا؟ آپ نے فرمایا جب تک یہ ٹہنیاں خشک نہیں ہوں گی ان کے عذاب میں تخفیف رہے گی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۱۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۲' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۰' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۷۰' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۷)

ان احادیث کے علاوہ اور صحاح ستہ میں بہت احادیث ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے عموم اور شمول پر دلالت کرتی ہیں' ان میں سے بعض احادیث یہ ہیں:

(۱) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں تشریف فرما ہوئے اور قیامت تک جو امور پیش ہونے والے تھے آپ نے ان میں سے کسی کو نہیں چھوڑا اور وہ سب امور بیان کر دیئے جس نے ان کو یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جس نے ان کو بھلا دیا اس نے بھلا دیا' اور میرے ان اصحاب کو ان کا علم ہے' ان میں سے کئی ایسی چیزیں واقع ہوئیں جن کو میں بھول چکا تھا جب میں نے ان کو دیکھا تو وہ یاد آ گئیں' جیسے کوئی شخص غائب ہو جائے تو اس کا چہرہ دیکھ کر اس کو یاد آ جاتا ہے کہ اس نے اس کو دیکھا تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۶۰۴' صحیح مسلم الجنتہ ۲۳ (۲۸۹۱) ۷۱۳۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۲۴۰' جامع الاصول ج ۱۱ رقم الحدیث: ۸۸۸۲)

(۲) حضرت ابو زید عمرو بن اخطب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو صبح کی نماز پڑھائی اور منبر پر رونق افروز ہوئے' پھر آپ نے ہمیں خطبہ دیا حتیٰ کہ ظہر آ گئی' آپ منبر سے اترے اور نماز پڑھائی' پھر منبر پر رونق افروز ہوئے اور ہمیں خطبہ دیا حتیٰ کہ عصر آ گئی' پھر آپ منبر سے اترے اور نماز پڑھائی' پھر منبر پر تشریف فرما ہوئے اور ہم کو خطبہ دیا حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا' پھر آپ نے ہمیں ما کان و ما یکون (جو ہو چکا ہے اور جو ہونے والا ہے) کی خبریں دیں' پس ہم میں سے زیادہ عالم وہ تھا جو سب سے زیادہ حافظہ والا تھا۔

(صحیح مسلم الجنتہ: ۲۶ (۲۸۹۲) ۷۱۳۴' مسند احمد ج ۳' ص ۳۱۵' مسند عبد بن حمید رقم الحدیث: ۱۰۲۹' البدایہ والنہایہ ج ۶' ص ۱۹۲' جامع الاصول ج ۱۱' رقم الحدیث: ۸۸۸۵' الاحاد والمثانی ج ۴' رقم الحدیث: ۲۱۸۳' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۶' ص ۳۱۳)

(۳) حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں تشریف فرما ہوئے اور آپ نے ہمیں مخلوق کی ابتداء سے خبریں دینی شروع کیں' حتیٰ کہ اہل جنت اپنے ٹھکانوں میں داخل ہو گئے اور اہل دوزخ اپنے ٹھکانوں میں داخل ہو گئے' جس نے اس کو یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جس نے اس کو بھلا دیا اس نے بھلا دیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۱۹۲' امام احمد نے اس حدیث کو حضرت مغیرہ بن شعبہ سے روایت کیا ہے' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۸۱۴۰' طبع دار الحدیث' قاہرہ)

امام ترمذی نے کہا اس باب میں حضرت حذیفہ، حضرت ابومریم، حضرت زید بن اخطب اور حضرت مغیرہ بن شعبہ سے احادیث مروی ہیں انہوں نے ذکر کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قیامت تک تمام ہونے والے امور بیان کر دیئے۔
(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۹۸)

(۴) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حال میں چھوڑا کہ فضا میں جو بھی اپنے پروں سے اڑنے والا پرندہ تھا آپ نے ہمیں اس سے متعلق علم کا ذکر کیا۔
(مسند احمد ج ۵ ص ۱۵۳، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۱۴۵۸، مطبوعہ قاہرہ، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۶۴۷، مسند البزار رقم الحدیث: ۱۴۷، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۶۵، حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کے راوی صحیح ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۶۴، مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۵۱۰۹)

ہم نے یہ کہا تھا کہ علامہ آلوسی نے خود بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے عموم کی تصریح کی ہے ان کی وہ عبارت یہ ہے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: انزله بعلمه (النساء: ۱۶۶) اس کی تفسیر میں علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو اپنے علم کے ساتھ نازل کیا یعنی قرآن مجید اللہ تعالیٰ کے اس علم محیط کے ساتھ مقارن ہے جس سے آسمانوں اور زمینوں کا ایک ذرہ بھی غائب نہیں ہے اور اس جگہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ماکان اور مایکون (جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ آئندہ ہوگا) کو جان لیا۔ (روح المعانی جز ۶ ص ۳۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۷ھ)

رہا علامہ آلوسی کا یہ اعتراض کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام امت کے احوال کا علم ہے تو قیامت کے دن جب وہ لوگ حوض پر آئیں گے جنہوں نے آپ کے بعد دین میں بدعات نکالی تھیں تو پھر آپ نے ان کو کیوں فرمایا کہ یہ میرے اصحاب ہیں، یہ میرے اصحاب ہیں، حتیٰ کہ آپ سے کہا جائے گا کہ آپ محض اپنی عقل سے نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد دین میں کیا بدعات نکالی ہیں پھر آپ فرمائیں گے یہ دور ہوں، یہ دور ہوں، اس کا جواب خود علامہ آلوسی نے یہ دیا ہے کہ یہ حدیث آپ کے علم کی نفی پر دلالت نہیں کرتی، اس کا محمل یہ ہے کہ آپ کا علم اس وقت متحضر نہیں تھا۔

اور یہی جواب صحیح ہے کیونکہ قیامت کے دن ہر شخص کو علم ہوگا کہ مومن کون ہے اور کافر کون ہے، کیونکہ مومنوں کے چہرے سفید ہوں گے اور کافروں کے چہرے سیاہ ہوں گے، مومنوں کا اعمال نامہ ان کے دائیں ہاتھ میں ہوگا اور کافروں کا اعمال نامہ ان کے بائیں ہاتھ میں ہوگا، کافروں کے چہرے سیاہ تاریک اور مرجھائے ہوئے ہوں گے اور مومنوں کے چہرے خوش، تروتازہ اور ہنستے ہوئے ہوں گے، اور جو لوگ آپ کے بعد مرتد ہو گئے تھے ان نشانیوں سے تو ہر شخص ان کو جان لے گا کہ یہ آپ کے امتی نہیں ہیں تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے یہ علم نہیں ہوگا کہ یہ لوگ آپ کے امتی نہیں ہیں، نیز حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبرستان میں آئے اور فرمایا: السلام علیکم اے مومنوں کے گھر والو! ہم ان شاء اللہ تمہارے ساتھ لاحق ہوں گے، اور میں یہ چاہتا ہوں کہ ہم اپنے بھائیوں کو دیکھتے! صحابہ نے کہا یارسول اللہ! کیا ہم آپ کے بھائی نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا تم میرے اصحاب ہو اور ہمارے بھائی وہ ہیں جو ابھی تک نہیں آئے، صحابہ نے کہا یارسول اللہ! آپ اپنی امت کے ان لوگوں کو کیسے پہچانیں گے جو ابھی تک نہیں آئے؟ آپ نے فرمایا یہ بتاؤ کہ اگر کسی آدمی کے گھوڑے غر محجل (جن کا ماتھا اور ہاتھ پیر سفید ہوں) اور وہ سیاہ گھوڑوں میں مخلوط ہو جائیں تو کیا وہ اپنے گھوڑوں کو نہیں پہچان لے گا؟ صحابہ نے کہا کیوں نہیں یارسول اللہ! فرمایا میرے امتی بھی قیامت کے دن غر محجل ہوں گے وضو کی وجہ سے ان کا چہرہ اور ہاتھ پیر سفید ہوں گے، اور میں حوض پر ان کا استقبال کروں گا اور سنو! کچھ لوگوں کو حوض سے اس طرح

دور کیا جائے گا جس طرح آوارہ اونٹوں کو دور کیا جاتا ہے' میں انہیں آواز دے کر بلاؤں گا ادھر آؤ تو کہا جائے گا انہوں نے آپ کے بعد دین بدل لیا تھا پس میں کہوں گا یہ دور ہوں' دور ہوں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۰۶)

اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم غر محجل کی علامت سے اپنے امتیوں کو دوسروں سے ممتاز کر لیں گے تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ قیامت دن جو مرتدین آپ کے پاس حوض پر آئیں اور ان میں کافروں کی نشانیوں ہوں گی آپ کو ان کا پتا نہ چلے اور آپ ان کو اپنا امتی سمجھیں جب کہ میدان محشر میں ہر شخص کو ان نشانیوں سے پتا چل جائے گا کہ یہ آپ کے امتی نہیں ہیں' اور یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ آپ کو ان کا علم نہ ہو جب کہ آپ کو دنیا میں بھی علم ہے کہ کچھ مرتدین آپ کے پاس حوض پر آئیں گے اور ان کو حوض سے دور کیا جائے گا' یہ اور بات ہے کہ اللہ اپنی کسی حکمت کو پورا فرمانے کے لئے وقتی طور پر آپ کی توجہ ہٹا دے اور آپ انہیں میرے صحابی' میرے صحابی فرمائیں اور توجہ دلانے پر پھر فرمائیں یہ دور ہوں' یہ دور ہوں۔

رہا علامہ آلوسی کا دوسرا اعتراض کہ حضرت عائشہ پر جب منافقین نے بری بات کی تہمت لگائی اور آپ نے اس کا رد نہیں کیا تو یہ بھی آپ کے علم کے عموم کے خلاف ہے اکثر منکرین علوم نبوت یہی اعتراض کرتے ہیں اور ہمارے علماء نے اس کا بارہا یہ جواب دیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاک دامنی اور پاکیزگی کا علم تھا لیکن آپ نے ان کی برأت کا اس لئے اعلان نہیں فرمایا کہ آپ کو علم تھا کہ خود خالق کائنات حضرت عائشہ کی برأت کے سلسلہ میں قرآن مجید میں سورہ نور کی دس آیتیں نازل فرمانے والا ہے۔ صحیح بخاری میں ایک بہت طویل حدیث ہے اس کی بعض سطریں یہ ہیں:

فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو علی المنبر یا معشر المسلمین من یعذرنی من رجل قد بلغنی اذاہ فی اھل بیتی فواللہ ما علمت علی اھلی الاخیرا ولقد ذکروا رجلا ما علمت علیہ الاخیرا وما کان یدخل علی اھلی الامعی- الحدیث:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر فرمایا اے مسلمانو! تم میں سے کون شخص میرا اس شخص سے دفاع کرے گا جس نے میری اہلیہ کے متعلق مجھے اذیت پہنچائی ہے' پس اللہ کی قسم مجھے اپنی اہلیہ کے متعلق سوا نیکی کے اور کسی چیز کا علم نہیں ہے اور انہوں نے جس شخص کے متعلق تہمت لگائی ہے اس کے متعلق بھی مجھے نیکی کے سوا اور کسی چیز کا علم نہیں ہے اور وہ شخص جب بھی میری اہلیہ کے پاس گیا میں اس کے ساتھ تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۵۰' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۱۳۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۳۴۷' ۱۹۷۰' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۵۳۷۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس صراحت کے بعد بھی اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نزول وحی سے پہلے حضرت عائشہ کی پاک دامنی کا علم نہیں تھا اور آپ کے علم کے عموم پر اعتراض کرے تو ہم سوا افسوس کے اور کیا کر سکتے ہیں۔

احکام شرعیہ کی تعداد' ان کی تعریفات اور ان کی مثالیں

(الحج: ۷۸ کے آخر میں فرمایا: پس تم نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو' اور اس آیت کے شروع میں فرمایا تھا اور اللہ کی راہ میں اس طرح جہاد کرو جس طرح جہاد کرنے کا حق ہے' اور ہم نے شروع میں اس آیت کی تفسیر میں لکھا تھا کہ اس سے مراد جہاد بالنفس ہے اور جہاد بالنفس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے نفس پر قہر کر کے عبادات کو انجام دینا اور معاصی کو ترک کرنا' سو تمام احکام شرعیہ جہاد بالنفس میں آ گئے نماز اور زکوٰۃ کا حکم بھی جہاد بالنفس میں آ گیا تھا لیکن ان کی اہمیت کی وجہ سے ان کا علیحدہ ذکر فرمایا' اس مناسبت سے ہم یہاں پر احکام شرعیہ کی تعداد' ان کی تعریفات اور ان کی مثالیں لکھ دینا چاہتے ہیں فنقول

وباللہ التوفیق۔

کل احکام شرعیہ گیارہ ہیں: (۱) فرض (۲) واجب (۳) سنت مؤکدہ (۴) سنت غیر مؤکدہ (۵) مستحب (۶) حرام (۷) مکروہ تحریمی (۸) اساءت (۹) مکروہ تنزیہی (۱۰) خلاف اولیٰ (۱۱) مباح۔

فرض کی تحقیق

فرض: وہ کام جس کا کرنا ضروری ہو اور اس کا ترک کرنا لازماً منع ہو اس کا ثبوت بھی قطعی ہو اور اس کے فعل کے لزوم پر دلالت بھی قطعی ہو اس کا انکار کفر ہو اور اس کا ترک کرنے والا عذاب کا مستحق ہو خواہ دائماً ترک کیا جائے یا احیاناً (کبھی کبھی) (ملخصہ ردالمحتار ج ۱ ص ۱۸۶) اس کی مثال ہے نماز' زکوٰۃ' رمضان کے روزے اور بہ شرط استطاعت حج کرنا۔

نماز اور زکوٰۃ کا ثبوت قطعی ہے کیونکہ اس آیت میں فرمایا ہے نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو' اور قرآن مجید قطعی الثبوت ہے اور اس کی لزوم پر دلالت بھی قطعی ہے کیونکہ نماز اور زکوٰۃ کا تارک عذاب کا مستحق ہے۔

اِلَّآ اَصۡحٰبَ الۡیَمِیۡنِ ۞ فِیۡ جَنّٰتٍ ۟ۛ یَتَسَآءَلُوۡنَ ۞ عَنِ الۡمُجۡرِمِیۡنَ ۞ مَا سَلَکَکُمۡ فِیۡ سَقَرَ ۞ قَالُوۡا لَمۡ نَکُ مِنَ الۡمُصَلِّیۡنَ ۞ وَ لَمۡ نَکُ نُطۡعِمُ الۡمِسۡکِیۡنَ ۞ (المدثر: ۴۴-۳۹)

جن کی دائیں ہاتھوں میں نوشتہ اعمال ہوگا۔ وہ جنتوں میں بیٹھے سوال کر رہے ہوں گے۔ مجرمین سے تم کو کس عمل نے دوزخ میں داخل کر دیا؟ وہ کہیں گے ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہ تھے۔ اور ہم مسکینوں کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔

واجب کی تحقیق

واجب: جس کا کرنا ضروری ہو اور اس کا ترک کرنا لازماً منع ہو اور ان دونوں میں سے کوئی ایک چیز ظنی ہو یعنی اس کا ثبوت قطعی ہو اور لزوم پر دلالت ظنی ہو یا ثبوت ظنی ہو اور لزوم پر دلالت قطعی ہو' اور اس کا انکار کفر نہ ہو اور اس کا ترک کرنے والا عذاب کا مستحق ہو خواہ دائماً ترک کرے یا احیاناً۔ (ملخصہ ردالمحتار ج ۱ ص ۱۸۷)

جس واجب کا ثبوت قطعی اور لزوم پر دلالت ظنی ہو جیسے جماعت سے نماز پڑھنے کے وجوب پر یہ آیت دلالت کرتی ہے:

وَارۡکَعُوۡا مَعَ الرّٰکِعِیۡنَ (البقرہ: ۴۳) اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو' اس کا ثبوت قطعی ہے کیونکہ قرآن مجید کی یہ آیت قطعی ہے اور اس کی لزوم پر دلالت ظنی ہے کیونکہ رکوع کا معنی نماز پڑھنا بھی ہے اور رکوع کا معنی اللہ سے ڈرنا اور خشوع بھی ہے۔

اور جس واجب کا ثبوت ظنی ہو اور لزوم پر دلالت قطعی ہو جیسے نماز میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے لیکن اس کا ثبوت ظنی ہے کیونکہ اس کا ثبوت اس حدیث سے ہے:

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے سورہ فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز نہیں ہوئی (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۵۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۹۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۸۲۲' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۷' سنن النسائی رقم الحدیث: ۹۱۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۸۳۷) تاہم یہ حدیث خبر واحد ہے اور اس کا ثبوت ظنی ہے لیکن اس کا لزوم قطعی ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سورہ فاتحہ کو پڑھے بغیر نماز نہیں ہوگی۔

واجب کی ایک تعریف یہ بھی ہے کہ جس کام کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور عبادت دائماً کیا ہو اور اس کے تارک پر آپ نے انکار کیا ہو یا اس کے ترک پر وعید فرمائی ہو' (البحر الرائق ج ۱ ص ۱۷' فتح القدیر ج ۲ ص ۳۹ بیروت) اس کی مثال بھی جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا ہے کیونکہ آپ نے بطور عبادت ہمیشہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھی ہے اور اس کے ترک پر انکار اور وعید فرمائی

ہے' حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے' میں نے یہ ارادہ کیا کہ میں لکڑیاں اکٹھی کرنے کا حکم دوں' پھر نماز کا حکم دوں اس کے لیے اذان دی جائے' پھر کسی شخص کو نماز پڑھانے کا حکم دوں' پھر یہ دیکھوں جو نماز پڑھنے نہیں آئے تو میں ان کے اوپر ان کے گھروں کو جلا ڈالوں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۵۱)

اس کی دوسری مثال ہے کہ نفس ڈاڑھی رکھنا واجب ہے آپ نے ہمیشہ ڈاڑھی رکھی اور ڈاڑھی منڈوانے پر انکار فرمایا۔

حضرت عبداللہ بن عتبہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مجوسی آیا اس نے اپنی ڈاڑھی مونڈی ہوئی تھی' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کیا ہے؟ اس نے کہا یہ ہمارے دین میں ہے آپ نے فرمایا ہمارے دین میں یہ ہے کہ ہم مونچھیں کم کریں اور ڈاڑھی بڑھائیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۳۷۹' مطبوعہ کراچی' ۱۴۰۶ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈاڑھی منڈوانے پر انکار فرمایا ہے' قبضہ سے کم مقدار ڈاڑھی رکھنے پر انکار نہیں فرمایا اس لئے قبضہ تک ڈاڑھی رکھنا واجب نہیں ہے لیکن اتنی ڈاڑھی رکھنا ضروری ہے جس پر بغیر کسی قید کے ڈاڑھی کا اطلاق ہو سکے' خشخشی ڈاڑھی رکھنے یا فرنچ کٹ ڈاڑھی رکھنے سے ڈاڑھی رکھنے کے حکم پر عمل نہیں ہوتا' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم دراز گردن تھے اور آپ کی ڈاڑھی مبارک سینہ کے ابتدائی حصہ کو بھر لیتی تھی اس لئے آپ کی سنت صرف قبضہ تک ڈاڑھی رکھنا نہیں ہے بلکہ قبضہ سے زائد ہے یا ڈیڑھ یا دو قبضہ کے برابر' پس آپ کی محبت اور سنت کا تقاضا یہ ہے کہ قبضہ سے زائد ڈاڑھی رکھی جائے اور فقہاء کی عبارات میں جو مذکور ہے کہ قبضہ بھر ڈاڑھی سنت ہے اس سے مراد آپ کی سنت نہیں ہے بلکہ اس سے مراد ہے ڈاڑھی کا معروف طریقہ اور مسلمانوں کا چلن۔

سنت مؤکدہ کی تحقیق

جس فعل کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور عبادت دائماً کیا ہو اور اس کو ترک کرنے پر انکار نہ فرمایا ہو یا آپ نے اس فعل کو اکثر اوقات بطور عبادت کیا ہو' اس کا ترک اساءت ہے یعنی برا کام' جو شخص سنت مؤکدہ کو دائماً ترک کرے وہ مستحق عذاب ہے اور جو اس کو احیاناً ترک کرے وہ مستحق ملامت ہے۔

علامہ علاؤ الدین حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

علامہ شمنی نے سنت کی یہ تعریف کی ہے کہ جو کام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول یا فعل سے ثابت ہو اور وہ کام واجب یا مستحب نہ ہو' لیکن یہ مطلق سنت کی تعریف ہے اور سنت مؤکدہ کی یہ شرط ہے کہ آپ نے اس پر دوام کیا ہو اور کبھی ترک بھی کیا ہو خواہ ترک حکماً ہو۔ (درمختار مع ردالمحتار ج ۱ ص ۱۹۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

جس فعل پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کے بعد خلفاء راشدین نے دائماً عمل کیا ہو اور اس کو ترک کرنے سے منع نہ فرمایا ہو وہ سنت مؤکدہ ہے ورنہ وہ مستحب اور نفل ہے' اور سنت کی دو قسمیں ہیں ایک سنت الھدیٰ ہے اس کا ترک کراہیت اور اساءت کو واجب کرتا ہے جیسے جماعت' اذان اور اقامت اور دوسری سنۃ الزوائد ہے جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی لباس پہننے' کھڑے ہونے اور بیٹھنے میں سیرت' اس کا ترک مکروہ نہیں ہے۔ (ردالمحتار ج ۱ ص ۱۹۶' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۷ھ)

سنت مؤکدہ کی مثال صبح و شام کے فرائض کے ساتھ بارہ رکعات نمازیں ہیں جن کا ذکر اس حدیث میں ہے:

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے ایک دن اور رات میں بارہ رکعات نمازیں پڑھیں اس کے لئے جنت میں گھر بنایا جائے گا' چار رکعات ظہر سے پہلے' دو رکعت ظہر کے بعد' دو رکعت مغرب کے بعد' دو رکعت عشاء کے بعد اور دو رکعت صلاۃ فجر سے پہلے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۴۱۵' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۲۵۰' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۷۹۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۱۴۱' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۰۳' مسند احمد ج ۶ ص ۳۲۶' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۱۴۴۵' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۷۱۴۴' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۱۱۸۵' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۴۵۱' المستدرک ج ۱ ص ۳۱۱' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۴۷۳)

علامہ ابراہیم حلبی حنفی متوفی ۹۵۶ھ لکھتے ہیں: جمعہ سے پہلے چار رکعات اور جمعہ کے بعد چار رکعت بھی سنت مؤکدہ ہیں۔ (غنیۃ المستملی ص ۳۸۸ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور) جمعہ کے بعد چار رکعت پڑھنے کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص جمعہ پڑھے تو اس کے بعد چار رکعت پڑھے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۸۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۱۳۲)

اور جمعہ سے پہلے چار رکعت پر دلیل یہ حدیث ہے:

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود جمعہ سے پہلے اور جمعہ کے بعد چار رکعت پڑھتے تھے' ابواسحاق نے کہا کہ حضرت علی جمعہ کے بعد چھ رکعت پڑھتے تھے۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۲۴۷' طبع بیروت' ۱۳۹۰ھ)

چار رکعت سنت مؤکدہ میں پہلے قعدہ میں صرف تشہد پڑھے اور تیسری رکعت کے شروع میں ثناء نہ پڑھے اور آخری قعدہ میں تشہد کے بعد درود اور دعا بھی پڑھے۔ (مراقی الفلاح ص ۳۹۱' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

علامہ کمال الدین عبدالواحد بن ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ لکھتے ہیں:

اگر کوئی شخص ان سنتوں کا استخفاف کرے اور کہے کہ میں یہ نہیں پڑھتا تو اس کی تکفیر کی جائے گی' نوازل میں مذکور ہے جو شخص پانچ نمازوں کی سنتیں نہ پڑھے اور ان کو حق نہ جانے اس کی تکفیر کی جائے گی اور اگر کوئی شخص ان سنتوں کو برحق جانے اور نہ پڑھے تو ایک قول ہے کہ وہ گناہ گار نہیں ہوگا اور صحیح یہ ہے کہ وہ گناہ گار ہوگا کیونکہ اس کے ترک پر وعید ہے۔

(فتح القدیر ج ۱ ص ۴۵۵' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

البحر الرائق میں ہے کہ سنت مؤکدہ کے ترک پر ملامت ہے عذاب نہیں ہے۔ لیکن تلویح میں ہے کہ سنت مؤکدہ کا ترک حرام کے قریب ہے' اس سے وہ شفاعت سے محرومی کا مستحق ہوگا کیونکہ حدیث میں ہے جس نے میری سنت کو ترک کیا وہ میری شفاعت کو نہیں پائے گا' اور ابن ہمام کی تحریر میں مذکور ہے ان سنتوں کا تارک گمراہ قرار دیئے جانے اور ملامت کا مستحق ہے' اور ترک سے مراد یہ ہے کہ جو بلا عذر ترک کرے اور اس ترک پر اصرار کرے جیسا کہ تحریر کی شرح میں ابن امیر الحاج نے لکھا ہے۔

(رد المحتار ج ۱ ص ۱۹۸-۱۹۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۷ھ)

سنت غیر مؤکدہ کی تحقیق

سنت غیر مؤکدہ جس فعل کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض اوقات کیا ہو' اس کو دائماً ترک کرنے پر ملامت کا استحقاق ہے اور احیاناً ترک کرنے پر ملامت نہیں ہے۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

سنت وہ ہے جس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دائمی عمل کیا ہو' لیکن اگر اس کو کبھی ترک نہ کیا ہو تو وہ سنت مؤکدہ ہے اور اگر

اس کو کبھی کبھی ترک بھی کیا ہو تو وہ سنت غیر مؤکدہ ہے اور اگر آپ نے اس پر دائمی عمل کیا ہو اور ترک کرنے والے پر انکار بھی کیا ہو تو وہ وجوب کی دلیل ہے۔ (ردالمحتار ج ۱ ص ۱۹۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

سنت غیر مؤکدہ کی مثال عصر سے پہلے چار رکعت ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ اس شخص پر رحم کرے جو عصر سے پہلے چار رکعت پڑھتا ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۲۷۱' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۴۳۰' مسند احمد ج ۲ ص ۱۱۷' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۴۵۳)

علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی متوفی ۹۷۰ھ نے لکھا ہے کہ عشاء سے پہلے چار رکعت میں کوئی خصوصی حدیث نہیں ہے اس لئے ان کو مستحب لکھا ہے۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۵۰' مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ)

علامہ طحطاوی متوفی ۱۲۳۱ھ نے لکھا ہے کہ چار رکعت سنت غیر مؤکدہ کے ہر دوگانہ کی ابتداء میں ثناء' بسم اللہ' اعوذ باللہ اور تشہد کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھی جائے گی۔

(مراقی الفلاح علی نور الایضاح ص ۳۹۲' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

مستحب کی تحقیق

مستحب: یہ وہ فعل ہے جس کا ثبوت بھی ظنی ہو اور اس کی دلالت بھی ظنی ہو جیسے وضو میں دائیں عضو کو پہلے دھونا' وضو سے پہلے بسم اللہ پڑھنا' مسجد میں جاتے وقت پہلے دایاں پیر داخل کرنا اور آتے وقت بایاں پیر پہلے باہر نکالنا' چاشت اور اشراق کے نوافل' ہر وضو کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا اور تحیۃ المسجد پڑھنا وغیرہ اس کا فعل موجب ثواب ہے اور اس کے ترک پر عذاب ہے نہ ملامت خواہ دائماً ترک ہو یا احیاناً (محصلہ ردالمحتار ج ۱ ص ۱۸۶) حدیث میں ہے:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وضو کرتے تو دائیں اعضاء سے ابتداء کو پسند فرماتے تھے اور جب کنگھی کرتے تو دائیں جانب سے کنگھی کی ابتداء پسند فرماتے' اور جب جوتی پہنتے تو دائیں پیر سے ابتداء کو پسند فرماتے' دوسری روایت میں ہے کہ آپ تمام کاموں میں دائیں جانب سے ابتداء کو پسند فرماتے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۶۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۱۴۰' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۶۰۸' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۱۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۱)

یہ بھی ملحوظ رہے کہ مستحب کام کو لازم نہیں کر لینا چاہئے اور جو مستحب کام کو نہ کرے اس کو ملامت نہیں کرنی چاہئے کیونکہ مستحب کام کو لازم کر لینا اور اس کے ترک پر ملامت کرنا اس مستحب کو واجب بنا دینا ہے اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو بدلنا ہے اور احداث فی الدین ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص اپنی نماز میں شیطان کا حصہ نہ بنائے اور یہ نہ سمجھے کہ اس پر واجب ہے کہ وہ نماز پوری کرنے کے بعد دائیں طرف ہی مڑ کر بیٹھے گا کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنی بار بائیں طرف بھی مڑ کر بیٹھتے ہوئے دیکھا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۸۵۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۰۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۰۴۲' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۳۵۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۹۳۰)

نماز سے فارغ ہو کر دائیں طرف مڑ کر بیٹھنا مستحب ہے لیکن اگر کوئی شخص اس کو لازم سمجھ لیتا ہے تو حضرت عبداللہ بن مسعود نے اس کی مذمت فرمائی ہے۔ اسی طرح عمامہ کے ساتھ نماز پڑھنا مستحب ہے لیکن اس کو لازم سمجھنا بدعت سیئہ ہے اور

واضح رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سیاہ رنگ کا عمامہ ہے۔

حرام کی تحقیق

حرام: وہ کام جس کا ترک کرنا ضروری ہو اور اس کو کرنا لازماً ممنوع ہو اس کا ثبوت بھی قطعی ہو اور اس کی ممانعت کے لزوم پر دلالت بھی قطعی ہو' اس کا انکار کفر ہو اور اس کام کو کرنے والا عذاب کا مستحق ہو خواہ وہ دائماً اس کام کو کرے یا احیاناً' اس کا ارتکاب گناہ کبیرہ ہے۔

اس کی مثال ہے یتیم کا مال ظلماً کھانا' اس کی ممانعت بھی قطعی ہے کیونکہ قرآن کریم میں اس کی ممانعت کا ثبوت ہے اور ممانعت کے لزوم پر دلالت بھی قطعی ہے کیونکہ اس کے مرتکب پر عذاب کی وعید ہے' قرآن مجید میں ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا۠ (النساء: ۱۰)

بے شک جو لوگ ظلماً یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں دوزخ کی آگ بھر رہے ہیں اور وہ عنقریب دوزخ میں داخل ہوں گے۔

اس کی دوسری مثال ہے زنا کرنا' اس کی ممانعت کا ثبوت قطعی ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰۤى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا۠ (بنی اسرائیل: ۱۷)

اور زنا کے قریب مت جاؤ کیونکہ یہ بے حیائی کا کام ہے اور برا راستہ ہے۔

اس کی ممانعت کے لزوم پر دلالت بھی قطعی ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ (النور: ۲)

زانیہ عورت اور زانی مرد ہر ایک کو سو کوڑے مارو۔

اور اگر شادی شدہ زنا کریں تو ان کو رجم (سنگسار) کر دیا جائے گا یہ تواتر معنوی سے ثابت ہے اور تواتر بھی دلیل قطعی ہے۔

مکروہ تحریمی کی تحقیق

مکروہ تحریمی: جس کام کو ترک کرنا ضروری ہو اور اس کام کو کرنا لازماً ممنوع ہو اور اس کے کرنے پر عذاب کی وعید ہو اور اس کی ممانعت کے ثبوت یا لزوم پر دلالت دونوں میں سے ایک ظنی ہو اور اس کا انکار کفر نہ ہو اور اس کام کو کرنے والا عذاب اور ملامت کا مستحق ہو خواہ دائماً ترک کرے یا احیاناً تاہم اس کا ارتکاب گناہ صغیرہ ہے۔

(ردالمحتار ج ۲ ص ۱۳۰' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

نیز علامہ شامی نے لکھا ہے کہ اگر سنت مؤکدہ قویہ ہو (قریب بہ وجوب جیسے نماز فجر کی سنتیں) تو اس کا ترک مکروہ تحریمی ہے اور اگر سنت غیر مؤکدہ ہو تو اس کا ترک مکروہ تنزیہی ہے۔ (ردالمحتار ج ۲ ص ۳۶۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ زین الدین ابن نجیم متوفی ۹۷۰ھ لکھتے ہیں:

فقہاء جب مکروہ کا ذکر کریں تو اس کی دلیل میں غور کرنا ضروری ہے اگر اس کی دلیل ظنی ممانعت ہو اور ممانعت کے خلاف پر کوئی قرینہ نہ ہو (مثلاً حضور کا اس کام کو کرنا) تو وہ مکروہ تحریمی ہے اور اگر کراہت کی دلیل میں کوئی ممانعت نہ ہو بلکہ وہ دلیل اس فعل کو ترک کرنے کی مفید ہو تو وہ مکروہ تنزیہی ہے۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۱۹' مطبوعہ کوئٹہ)

اس کی مثال ہے جیسے بغیر عذر کے با جماعت نماز کو ترک کرنا' یا سونے چاندی کے برتنوں کو استعمال کرنا یا چاندی کے

زیورات پہنا' کیونکہ ان چیزوں کی ممانعت احادیث میں آئی ہے اور وہ اخبار احاد ہیں اور ظنی ہیں:

حضرت ام سلمہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص چاندی کے برتنوں میں پانی پیتا ہے' اس کے پیٹ میں جہنم کی آگ گڑگڑاتی رہے گی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۳۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۶۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۱۳)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھانے اور پینے سے منع فرمایا اور ہم کو ریشم کے کپڑوں کو پہننے اور ان پر بیٹھنے سے منع فرمایا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۸۳۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۲۷' سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۰۳۱)

اساءت کی تحقیق

اساءت: یہ سنت مؤکدہ کو دائماً ترک کرنا اور اس پر اصرار کرنا ہے اور یا دائماً سنت مؤکدہ کے خلاف کام کرنا ہے' اس پر دوام کرنا موجب استحقاق عذاب ہے اور احیاناً کرنا موجب استحقاق ملامت ہے۔

علامہ علاؤ الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

نماز میں سنت کو ترک کرنا نماز کے فساد یا سجدہ سہو کو واجب نہیں کرتا بلکہ اساءت کو واجب کرتا ہے (اس کے برخلاف فرض کے ترک سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اور واجب کو ترک کرنے سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے۔ شامی) بہ شرطیکہ عمداً سنت کو ترک کیا جائے (اور اگر بغیر عمد کے بھولے سے سنت کو ترک کیا تو پھر یہ اساءت نہیں ہے بلکہ اس صورت میں نماز کو دہرالینا مستحب ہے۔ (شامی) اور سنت کو ترک کرنے والا سنت کے استخفاف (سنت کو کم یا معمولی چیز سمجھے) کی نیت سے اس کو ترک نہ کرے (اور اگر اس نے سنت کے استخفاف کی نیت سے سنت کو ترک کیا تو اس کی تکفیر کی جائے گی' جیسا کہ النہر الفائق میں مذکور ہے اور فتاویٰ بزازیہ میں مذکور ہے کہ اگر وہ سنت کو حق نہیں سمجھتا تب بھی اس کی تکفیر کی جائے گی کیونکہ سنت کو حق نہ سمجھنا بھی سنت کا استخفاف ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ سنت ان احکام شرعیہ میں سے ایک حکم ہے جن کے مشروع ہونے پر علماء دین کا اتفاق ہے اور جو شخص سنت کو کوئی ثابت چیز نہ سمجھے اور دین میں معتبر نہ سمجھے تو وہ سنت کا استخفاف کرتا ہے اور سنت کا استخفاف اور اس کی توہین کفر ہے۔ شامی) اور فقہاء نے کہا اساءت' کراہت سے کم درجہ کا حکم ہے۔

(الدر المختار ورد المحتار ج ۲ ص ۱۵۰' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

تحقیق یہی ہے کہ اساءت کراہت سے کم ہے یہی التقریر الاکملی میں مذکور ہے' لیکن ابن نجیم نے شرح المنار میں یہ تصریح کی ہے کہ اساءت کراہت سے زیادہ سنگین اور بری چیز ہے' اور تحریر میں مذکور ہے کہ سنت کا تارک اساءت کا مستحق ہے یعنی گم راہ قرار دیئے جانے اور ملامت کا' اور ان عبارات میں اس طرح موافقت ہے کہ تحریر میں' جو مذکور ہے اس سے مراد مکروہ تحریمی ہے اور شرح المنار میں جو مذکور ہے کہ اساءت کراہت سے زیادہ سنگین اور بری چیز ہے اس سے مراد کراہت تنزیہی ہے' بس اساءت مکروہِ تحریمی سے کم درجہ کی چیز ہے اور مکروہِ تنزیہی سے بڑے درجہ کی چیز ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اصول ابی الیسر میں مذکور ہے کہ سنت پر عمل کرنا مستحب ہے اور اس کے ترک کرنے پر ملامت کی جائے گی اور تھوڑا سا گناہ ہوگا' اسی وجہ سے البحر الرائق میں مذکور ہے کہ فقہاء کے کلام سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ گناہ واجب یا سنت مؤکدہ کے ترک کرنے سے ہوتا ہے' کیونکہ فقہاء نے یہ تصریح کی ہے کہ پانچ وقت کی نمازوں کی سنتوں کو ترک کرنا گناہ ہے اور انہوں نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ

جماعت کو ترک کرنا گناہ ہے حالانکہ صحیح قول کے مطابق جماعت بھی سنت مؤکدہ ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ بعض گناہ بعض گناہوں سے زیادہ ہوتے ہیں پس سنت مؤکدہ کے ترک کا گناہ واجب کو ترک کرنے کے گناہ سے کم ہے اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ بھی سنت مؤکدہ کے ترک کرنے سے گناہ ہوگا اور شرح التحریر میں یہ لکھا ہے کہ اساءت سنت مؤکدہ کو بلا عذر دوام اور اصرار کے ساتھ ترک کرنا ہے اسی طرح الخلاصہ میں لکھا ہے کہ اگر ایک بار اعضاء وضو کو صرف ایک ایک بار دھویا تو حرج نہیں اور اگر اس کو عادت بنالیا تو گناہ گار ہوگا اسی طرح الکشف میں مذکور ہے کہ امام محمد نے کہا جو سنت مؤکدہ کے ترک پر اصرار کرے اس سے قتال کیا جائے گا اور امام ابو یوسف نے کہا اس کو تعزیر دی جائے گی اس سے متعین ہو گیا کہ اساءت کی تعریف میں جو سنت کو ترک کرنا لکھا ہے اس سے مراد سنت مؤکدہ کو دوام اور اصرار کے ساتھ ترک کرنا ہے تاکہ فقہاء کی عبارات میں تطبیق ہو۔ (ردالمحتار ج ۱ ص ۱۵۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۷ھ)

مکروہِ تنزیہی کی تحقیق

مکروہ تنزیہی: یہ وہ کام ہے جس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا پھر خود اس کام کو کیا ہو پس منع فرمانا کراہت تنزیہہ پر دلالت کرتا ہے اور عمل فرمانا اس کے بیان جواز پر۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ کوئی شخص کھڑے ہو کر پانی پیئے قتادہ نے پوچھا اور کھڑے ہو کر کھانا انہوں نے کہا وہ تو اس سے زیادہ برا اور خبیث ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۲۴ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۸۷۹ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۲۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ڈول سے زمزم کا پانی پلایا اور آپ نے کھڑے ہو کر وہ پانی پیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۶۳۷ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۲۷ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۸۸۲ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۲۲)

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ کھڑے ہو کر پانی پینا کیسے مکروہ ہوگا جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فعل کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فعل بیان جواز کے لئے ہے اور آپ کا یہ فعل مکروہ نہیں ہے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بیان کرنا واجب ہے تو یہ کیسے مکروہ ہوگا اور یہ ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعضاء وضو کو ایک ایک بار دھویا اور آپ نے اونٹ پر بیٹھ کر خانہ کعبہ کا طواف کیا حالانکہ اس پر اجماع ہے کہ تین تین بار اعضاء وضو کو دھونا اور پیدل چل کر خانہ کعبہ کا طواف کرنا زیادہ کامل اور زیادہ افضل ہے اور اس کی نظائر بے شمار ہیں پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کسی ممنوع کام کو کر کے اس کے بیان جواز پر متنبہ کرتے اور دائمی طور پر افضل عمل کو کرتے تھے اسی طرح آپ اکثر اوقات تین تین بار اعضاء وضو کو دھوتے تھے اور اکثر اوقات بیٹھ کر پانی پیتے تھے خلاصہ یہ ہے کہ کھڑے ہو کر پانی پینا ہمارے اعتبار سے مکروہ ہے اور آپ کے اعتبار سے مکروہ نہیں ہے بلکہ اس پر آپ کو فرض کا ثواب ملے گا کیونکہ احکام شرعیہ کو بیان کرنا اور امت کے عمل کے لئے نمونہ فراہم کرنا آپ پر فرض ہے۔ (شرح مسلم للنواوی ج ۹ ص ۵۵۳۵ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ بیروت ۱۴۱۷ھ)

ہم نے بیان کیا ہے کہ حرام کا ارتکاب گناہ کبیرہ ہے اور مکروہِ تحریمی کا ارتکاب گناہ صغیرہ ہے اور مکروہِ تنزیہی کا ارتکاب مطلقاً گناہ نہیں ہے نہ ہی کبیرہ نہ صغیرہ اور جس طرح مستحب کے ترک پر ملامت نہیں کی جاتی اس طرح مکروہِ تنزیہی کے ارتکاب پر بھی ملامت نہیں کی جاتی علامہ شامی نے لکھا ہے کہ مستحب کا ترک مکروہِ تنزیہی ہے (ردالمحتار ج ۱ ص ۲۲۳) نیز لکھا

ہے کہ مستحب کے فعل پر ثواب ہوتا ہے اور اس کے ترک پر ملامت نہیں کی جاتی (ردالمحتار ج۱ص ۴۴۱) خلاصہ یہ ہے کہ مکروہ تنزیہی کا گناہ ہونا تو درکنار اس کے ارتکاب پر ملامت بھی نہیں کی جاتی۔

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ لکھتے ہیں:

مکروہِ تنزیہی کے ارتکاب پر عتاب نہیں ہوتا اور اس کے ترک پر ثواب ہوتا ہے۔

(تلویح مع التوضیح ج۱ص ۲۳' مطبوعہ اصح المطابع کراچی)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

مکروہِ تنزیہی میں کوئی گناہ نہیں ہوتا وہ صرف خلاف اولیٰ ہے نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان جواز کے لئے قصداً ایسا کیا اور نبی قصداً گناہ کرنے سے معصوم ہوتا ہے اور گناہ میں مبتلا کرنے والی چیز کا ارتکاب جائز نہیں ہے تو بیان جواز کے کیا معنی؟ پھر یہ اباحت کے ساتھ جمع ہوتا ہے جیسا کہ اشربہ ردالمحتار میں ابوسعود سے ہے اور معصیت اباحت کے ساتھ جمع نہیں ہوتی۔ (فتاویٰ رضویہ ج۹ص ۴۵۰-۴۴۹' مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن لاہور' اپریل ۱۹۹۶ھ)

علامہ شامی لکھتے ہیں: مکروہِ تنزیہی اباحت کے ساتھ جمع ہوتا ہے۔ (ردالمحتار ج۱۰ص ۴۲' طبع ۱۴۱۷ھ)

خلافِ اولیٰ کی تحقیق

خلافِ اولیٰ: یہ وہ کام ہے جس کی ممانعت میں حدیث نہ ہو اور یہ کام مستحب کے خلاف ہو اس کے ترک پر ثواب ہے اور اس کے فعل پر نہ عذاب ہے نہ ملامت' خواہ یہ فعل دائماً کیا جائے یا احیاناً اس میں اور مکروہِ تنزیہی میں خفیف سا فرق ہے' مکروہِ تنزیہی وہ کام ہے جس کی ممانعت حدیث سے ثابت ہو اور خلافِ اولیٰ وہ کام ہے جو مستحب کے خلاف ہو' یا مستحب کام کو ترک کرنا خلافِ اولیٰ ہے۔

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

البحر الرائق میں یہ تصریح ہے کہ مستحب کے ترک سے کراہت لازم نہیں آتی کیونکہ کراہت تنزیہہ کے ثبوت کے لئے خصوصی دلیل ضروری ہے اور اس کی طرف تحریر ابن ہمام میں اشارہ ہے کہ خلافِ اولیٰ وہ کام ہے جس میں ممانعت کا صیغہ نہ ہو بہ خلاف مکروہِ تنزیہی' اور ظاہر یہ ہے کہ خلافِ اولیٰ عام ہے پس ہر مکروہِ تنزیہی خلافِ اولیٰ ہے لیکن ہر خلافِ اولیٰ مکروہِ تنزیہی نہیں ہے کیونکہ بعض اوقات خلافِ اولیٰ مکروہِ تنزیہی نہیں ہوتا کیونکہ اس پر خصوصی دلیل نہیں ہوتی جیسے چاشت کی نماز ترک کرنا' اور اس سے یہ ظاہر ہو گیا کہ مستحب کو ترک کرنا خلافِ اولیٰ کی طرف راجع ہوتا ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ مکروہِ تنزیہی ہو کیونکہ مکروہِ تنزیہی وہ کام ہے جس کی خصوصیت سے ممانعت ہو کیونکہ کراہت ایک حکم شرعی ہے اس کے لئے خصوصیت کے ساتھ دلیل ضروری ہے۔ (ردالمحتار ج۲ص ۳۶۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۷ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ مکروہِ تنزیہی وہ کام ہے جس کی ممانعت حدیث میں وارد ہو اور اس کا بیان جواز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے ثابت ہو' جیسے کھڑے ہو کر پانی پینا اور خلافِ اولیٰ وہ کام ہے جو مستحب کے خلاف ہو جیسے مسجد میں پہلے بایاں پیر رکھنا یا جس کام میں مستحب کا ترک ہو جیسے وضو سے پہلے بسم اللہ نہ پڑھنا۔

علامہ زین الدین ابن نجیم متوفی ۹۷۰ھ لکھتے ہیں:

حاصل یہ ہے کہ جب سنت مؤکدہ قویہ ہو (جیسے دو رکعت سنت فجر) تو یہ بعید نہیں ہے کہ اس کا ترک کرنا مکروہِ تحریمی ہو جیسے ترک واجب مکروہِ تحریمی ہے اس کا ترک کرنا بھی مکروہِ تحریمی ہے' اور اگر سنت غیر مؤکدہ ہو تو اس کا ترک کرنا مکروہِ تنزیہی

ہے اور اگر کوئی کام مستحب ہو یا مندوب (مطلوب) ہو یا سنت نہ ہو تو پھر چاہیے کہ اس کا ترک بالکل مکروہ نہ ہو جیسا کہ فقہاء نے یہ تصریح کی ہے کہ مستحب یہ ہے کہ عید الاضحیٰ کے دن نماز سے پہلے کچھ نہ کھائے اور قربانی کر کے اس کے گوشت سے کھائے اور اگر اس نے قربانی کے گوشت کے علاوہ کسی اور چیز کو کھا لیا تو یہ مکروہ نہیں ہے لہٰذا مستحب کے ترک سے مکروہ کا ثبوت لازم نہیں آتا البتہ اس پر یہ اشکال ہے کہ فقہاء نے یہ کہا ہے کہ مکروہ تنزیہی خلاف اولیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ترک مستحب خلاف اولیٰ ہے۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۳۲ مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ)

میرے نزدیک اس میں کوئی اشکال نہیں ہے کیونکہ مکروہ تنزیہی کا خلاف اولیٰ کی طرف رجوع کرنا اور چیز ہے اور مکروہ تنزیہی کا خلاف اولیٰ ہونا ایک الگ چیز ہے اور مجازاً اور توسعاً ایک مقابل کا دوسرے مقابل پر اطلاق ہو جاتا ہے جیسے فرض پر واجب کا اطلاق کر دیتے ہیں اور مکروہ تحریمی پر حرام کا اطلاق کر دیتے ہیں لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ فرض اور واجب میں اور حرام اور مکروہ تحریمی میں کوئی فرق نہ ہو اس لئے اگر فقہاء مکروہ تنزیہی پر خلاف اولیٰ کا اطلاق کر دیتے ہیں تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان میں کوئی فرق نہ ہو۔

مباح کی تحقیق

ہم نے بیان کیا ہے کہ پانچ ایسے احکام ہیں جن کا تعلق فعل کی طلب کے ساتھ ہے جیسے فرض، واجب، سنت مؤکدہ، سنت غیر مؤکدہ اور مستحب اور پانچ ایسے افعال ہیں جن کا تعلق فعل کی ممانعت کے ساتھ ہے جیسے حرام، مکروہ تحریمی، اساءت، مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ اور جس حکم کا تعلق فعل کی طلب کے ساتھ ہو اور نہ فعل کی ممانعت کے ساتھ ہو وہ مباح ہے۔

مباح وہ کام ہے جس میں فعل اور ترک فعل دونوں مساوی ہوں اور کسی ایک کی دوسرے پر ترجیح نہ ہو، کبھی کسی کام کا مباح ہونا منصوص ہوتا ہے اور کبھی اس کی اباحت پر صاف تصریح نہیں ہوتی بلکہ جس فعل کی شریعت میں طلب یا ممانعت نہ ہو وہ مباح ہوتا ہے، جن کی اباحت منصوص ہے ان کی بعض مثالیں یہ ہیں:

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَّلَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآئِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗٓ اَوْ صَدِيْقِكُمْ ۭ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ۭ (النور: ۶۱)

نابینا پر، لنگڑے پر، بیمار پر اور خود تم پر کوئی حرج نہیں ہے کہ تم اپنے گھروں سے کھاؤ یا اپنے آباء کے گھروں سے کھاؤ یا اپنی ماؤں کے گھروں سے کھاؤ یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا ان گھروں سے جن کی چابیوں کے تم مالک ہو، یا اپنے دوستوں کے گھروں سے کھاؤ، اور اس میں بھی تم پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ سب مل کر ایک ساتھ کھاؤ یا الگ الگ کھاؤ۔

اس آیت کا ایک محمل یہ ہے کہ صحابہ کرام جہاد کے لئے جاتے وقت اپنے گھروں کی چابیاں ان معذور لوگوں کو دے جاتے تھے جن کا اس آیت میں ذکر ہے اور انہیں اپنے گھروں کی چیزیں کھانے کی اجازت بھی دے دیتے تھے لیکن یہ معذور صحابہ ان کی اجازت کے باوجود مالکوں کی غیر موجودگی میں ان کی چیزوں کو کھانا گناہ سمجھتے تھے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان مذکورہ لوگوں کے لئے اپنے رشتہ داروں کے گھروں سے یا جن گھروں کی چابیاں ان کے پاس ہیں ان گھروں سے کھانے پینے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔

اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ تندرست صحابہ بیمار اور معذور صحابہ کے ساتھ کھانا اس لئے ناپسند کرتے تھے کہ وہ خود زیادہ کھا لیں گے اور یہ بیمار اور معذور کم کھائیں گے' اس طرح ان کے ساتھ کھانے میں کہیں ان پر ظلم نہ ہو جائے اس طرح خود معذور صحابہ بھی صحت مند صحابہ کے ساتھ کھانا اس لئے ناپسند کرتے تھے کہ تندرست صحابہ ان کے ساتھ کھانے میں کراہت محسوس کریں گے اس لئے اللہ تعالیٰ نے واضح فرمادیا کہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ کھا سکتے ہیں۔

فقہاء نے یہ تصریح کی ہے کہ اس آیت میں جو رشتہ داروں اور دوستوں کے گھروں سے کھانے کی اجازت دی ہے وہ اس صورت پر محمول ہے جب وہ عام کھانا ہو اور ان کے کھانے سے اصل مالکوں کو ناگواری نہ ہو اور ان کی طبیعت پر بوجھ نہ ہو' البتہ ایسی لذیذ اور قیمتی چیزیں جو مالکوں نے خصوصیت سے الگ چھپا کر رکھی ہوں تاکہ کسی کی ان پر نظر نہ پڑے ان کو نکال کر کھانا جائز نہیں ہے' اسی طرح دیگر ذخیرہ شدہ چیزیں ان کو بھی استعمال میں لانا جائز نہیں ہے کسی کے فرج سے کچھ نکال کر کھانا اسی حکم میں ہے۔ اور بیٹوں کے گھر باپوں کے اپنے گھر ہیں سو باپوں کا اپنے بیٹوں کے گھر سے کھانا مطلقاً جائز ہے' حدیث میں ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے حلال اور پاکیزہ کھانا وہ ہے جس کو تم اپنی کمائی سے کھاؤ اور تمہاری اولاد بھی تمہاری کمائی میں سے ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۵۲۸' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۳۵۸' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۴۶۴' ۴۴۶۳' ۴۴۶۲' ۴۴۶۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۲۹۰' مسند حمیدی رقم الحدیث: ۲۴۶' مسند احمد ج ۶ ص ۳۱' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۵۴۰' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۲۵۹' المستدرک ج ۲ ص ۴۶' سنن بیہقی ج ۷ ص ۴۸۰-۴۷۹)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ میرا مال بھی ہے اور میری اولاد بھی ہے اور میرا باپ میرا مال کھانا چاہتا ہے' آپ نے فرمایا تم خود اور تمہارا مال تمہارے باپ کی ملکیت ہے۔ (اس حدیث کی سند صحیح ہے) (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۲۹۱' مسند احمد ج ۲ ص ۲۱۴' ۲۰۴' ۱۷۹)

اباحت کی تصریح کی دوسری مثال یہ آیت ہے:

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ (البقرہ: ۱۹۸)

(اگر تم سفر حج میں) تجارت کے ذریعہ اللہ کا فضل تلاش کرو تو اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ (البقرہ: ۲۲۹)

اگر تم دونوں (میاں بیوی) کو یہ خطرہ ہو کہ تم اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکو گے تو تم دونوں پر اس میں کوئی گناہ نہیں ہے کہ بیوی شوہر سے نجات حاصل کرنے کے لئے اس کو کچھ دے ڈالے (یعنی خلع کرلے)

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (البقرہ: ۲۳۴)

پھر جب بیوہ عورتوں کی عدت ختم ہو جائے تو وہ رواج کے مطابق جو اپنی زیب و زینت کریں تو اس میں کوئی گناہ نہیں ہے۔

اس آیت میں عدت ختم ہونے کے بعد سوگ ختم کرنے اور بیوہ کے عقد ثانی کی اباحت ہے۔

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ (البقرہ: ۲۳۵)

اگر تم دوران عدت عورتوں سے اشارہ کنایہ سے منگنی کا پیغام دو یا اس کو اپنے دل میں پوشیدہ رکھو تو اس میں کوئی گناہ نہیں ہے۔

یہ چند مثالیں ہیں جن میں مباح کی تصریح کی گئی ہے ان کے علاوہ قرآن مجید اور احادیث میں اور بہت مثالیں ہیں۔ اور

جن کاموں کی اباحت کی تصریح نہیں ہے وہ اس حدیث سے مستنبط قاعدہ میں داخل ہیں:

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گھی' پنیر اور جنگلی گدھے کو کھانے کے متعلق سوال کیا گیا' تو آپ نے فرمایا حلال وہ ہے جس کو اللہ نے اپنی کتاب میں حلال کر دیا اور حرام وہ ہے جس کو اللہ نے اپنی کتاب میں حرام کر دیا اور جس کے متعلق اللہ نے سکوت فرمایا وہ معاف ہے (یعنی مباح ہے)

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۷۲۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۶۷' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۶۱۲۴' المستدرک ج ۴ ص ۱۱۵' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱۰ ص ۱۲' المسند الجامع رقم الحدیث: ۴۸۵۵)

اس حدیث سے فقہاء نے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے' یعنی جب کسی چیز کی ممانعت کی کوئی دلیل نہ ہو تو وہ اپنی اصل کے مطابق مباح ہے' علماء اہل سنت نے میلاد شریف' سوئم' چہلم اور عرس وغیرہ کے جواز پر اسی حدیث اور اسی قاعدہ سے استدلال کیا ہے۔

ہر مباح مستحب کے ضمن میں متحقق ہوگا یا مکروہ کے ضمن میں

مباح کی تعریف اسی طرح کی گئی ہے کہ اس پر کوئی ثواب اور عقاب نہیں لیکن اس کا تعلق بھی نیت کے ساتھ ہے مثلاً رات کو سونا مباح ہے لیکن اگر آدمی اس نیت سے سوئے کہ وہ رات کے دو تہائی حصہ میں سو کر بقیہ ایک تہائی میں تہجد پڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرے گا' یا اس نیت سے سوئے کہ دن کو عبادت کی مشقت یا تبلیغ دین اور کتب دینیہ کی تدریس' دینی تصنیف و تالیف سے جو تھکاوٹ ہوتی ہے رات کو آرام کر کے اس تھکاوٹ کو زائل کرے گا تا کہ صبح کو تر و تازہ ہو کر پھر دینی خدمات کرے' یا اپنی اور اہل و عیال کی ضروریات پوری کرنے اور رزق حلال کے لئے کمائی کرنے سے جو تھکاوٹ ہوئی ہے رات کو سو کر اس تھکاوٹ کو دور کرے گا تا کہ صبح پھر تازہ دم ہو کر رزق حلال کی طلب کی جدوجہد میں مصروف ہو' تو اس کا یہ سونا بھی عبادت ہے اور کار ثواب ہے' اور اگر اس نیت سے رات کو آرام کرتا ہے کہ دن بھر گانے بجانے یا ناچنے اور اداکاری اور صداکاری کرنے یا فوٹو گرافری کرنے یا ڈاڑھیاں مونڈنے یا اسمگلنگ کرنے' جعلی ادویات اور نقلی اشیاء فروخت کرنے' ناجائز بھتے جمع کرنے' ڈاکے ڈالنے' لوٹ مار کرنے' قتل و غارت گری کرنے اور تخریب کاری کرنے سے جو تھکاوٹ ہوئی ہے اس کو زائل کر کے صبح پھر نئی توانائی سے ان ناجائز دھندوں پر لگ جائے گا تو اس کا سونا بھی گناہ ہے اور باعث عذاب ہے۔

اسی طرح عمدہ اور لذیذ کھانے کھانا بھی مباح ہے لیکن یہ کھانا اگر اس نیت سے ہو کہ اس کھانے سے جو طاقت حاصل ہو گی اس کو نیک کاموں میں صرف کرے گا تو اس کا کھانا بھی عبادت ہے اور کار ثواب ہے' اور اگر یہ کھانا اس نیت سے ہو کہ اس سے جو طاقت حاصل ہو گی اس کو برائی کے راستہ میں خرچ کرے گا تو اس کا کھانا بھی گناہ ہے اور باعث عذاب ہے' اسی طرح قیمتی اور خوب صورت لباس پہننا مباح ہے لیکن اگر اس نیت سے قیمتی کپڑے پہنے کہ اللہ کی نعمت کا اظہار ہو' لوگ اس کو برے حال میں دیکھتے تو اس کی غیبت اور بدگوئی کرتے وہ اچھے کپڑے پہن کر ان کو غیبت اور بدگوئی سے بچاتا ہے تو اس کا قیمتی اور خوب صورت کپڑے پہننا بھی عبادت ہے' اور اگر وہ قیمتی کپڑے اپنی برتری کے اظہار اور تکبر کرنے اور اترانے کے لئے یا پرائی عورتوں کو لبھانے کے لئے پہنے تو اس کا قیمتی کپڑے پہننا بھی گناہ ہے اور باعث عذاب ہے۔

غرض ہر مباح کام کے دو پہلو ہیں اگر وہ کام نیک نیت سے ہو تو وہ مستحب اور سنت ہے اور اگر وہ مباح کام برائی کی نیت سے ہو تو مکروہ یا حرام ہے' اس لئے محققین نے کہا ہے کہ مباح الگ سے کوئی حکم شرعی نہیں ہے وہ ان ہی دس قسموں میں سے کوئی ایک قسم بن جاتا ہے' اور مومن کامل کا کوئی فعل مباح نہیں ہوتا ہر فعل مستحب یا سنت ہوتا ہے اور فاسق اور بدچلن کا بھی کوئی فعل

مباح نہیں ہوتا اس کا ہر فعل مکروہ یا حرام ہوتا ہے۔

احکام شرعیہ کی تعداد' ان کی تعریفات' ان کے احکام' ان کی مثالیں اور ان کے دلائل پر ہم نے بہت مفصل گفتگو کی ہے اور شاید کہ قارئین کرام کو احکام شرعیہ کی اس قدر تفصیل اور تحقیق کسی اور جگہ نہیں مل سکے گی اور یہ بحث ہماری اس تفسیر کے خصائص میں سے ہے' اور میں نے یہ جو کچھ لکھا ہے اس میں میرا کوئی کمال نہیں ہے یہ صرف اور صرف اللہ عزوجل کی توفیق' اس کی ہدایت اور اس کا فضل ہے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ' عنایت اور آپ کا فیضان ہے۔

سورۃ الحج کا اختتام

۵ جمادی الاولیٰ' ۱۴۲۲ھ/ ۲۷ جولائی' ۲۰۰۱ کو سورۃ الحج کی تفسیر شروع کی تھی اور آج ۳۰ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۲ھ/ ۲۱ اگست' ۲۰۰۱ء بروز منگل بعد نماز فجر تقریباً ۲۵ دنوں میں اس سورت کی تفسیر ختم ہوگی۔ فالحمدلله حمد اكثيرا و شكرا جزيلا.

اللہ تعالیٰ کا بے حد کرم ہے اور بے حساب شکر ہے کہ عموماً جب میں کسی مسئلہ کی تحقیق کے لئے کوئی کتاب کھولتا ہوں تو کتاب کھولتے ہی میرے سامنے مطلوبہ مسئلہ آ جاتا ہے اور جب کسی حدیث کی تلاش میں کسی حدیث کی کتاب کو اٹھاتا ہوں تو کتاب کھولتے ہی وہ حدیث میرے سامنے آ جاتی ہے' بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ مجھے کسی حدیث کی تلاش میں بہت محنت کرنی پڑی ہو اور زیادہ وقت لگا ہو' ایک مرتبہ میں ایک حدیث تلاش کر رہا تھا میرے پاس جس قدر کتابیں ہیں سب میں ڈھونڈتا رہا میں بہت دیر کھڑا ہو کر تلاش کرتا رہا اور میری کمر میں سخت درد ہو گیا قریب تھا کہ تکلیف کی شدت سے میرے آنسو نکل آتے اچانک اللہ نے کرم فرمایا اور وہ حدیث میرے سامنے آ گئی ایسے مواقع پر بے اختیار یہ آیت میری زبان پر آ تی ہے:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت: ۶۹) — اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقت برداشت کرتے ہیں ہم ضرور انہیں اپنی راہیں دکھاتے ہیں۔

یہ لکھنے سے میرا مقصد اپنے کمال کا اظہار نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور احسان کا بیان ہے اور اس کی نعمتوں پر شکر ادا کرنا ہے' جو شخص بیماری اور مصائب کے سبب لکھنے پڑھنے سے مایوس ہو چکا تھا کیا اس کے متعلق کوئی سوچ سکتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل' احسان اور اس کی اعانت اور توفیق کے بغیر شرح صحیح مسلم اور تبیان القرآن کی ضخیم مجلدات لکھ سکتا ہے!

آج بھی جب میں اللہ کی نعمتوں اور اپنے گناہوں کے متعلق سوچتا ہوں تو سر ندامت سے جھک جاتا ہے اور پلکوں سے آنسو اُمڈ آتے ہیں' مولیٰ کریم! آپ نے بہت کرم فرمایا ہے کہ یہاں تک تفسیر تبیان القرآن کو مکمل کرا دیا ہے باقی تفسیر کو بھی مکمل فرما دیں! اور اس کو تا قیامت مقبول بنا دیں۔

و آخر دعوانا ان الحمدلله رب العلمين والصلوٰة والسلام على سيدنا محمد خاتم النبيين شفيع المذنبين قائد الغر المحجلين وعلى اصحابه الكاملين و آله الطيبين وازواجه الطاهرات امهات المؤمنين وعلى سائر اولياء امته و علماء ملته وعامة المسلمين اجمعين۔

سُورَةُ الْمُؤْمِنُونَ

(٢٣)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم

سورۃ المؤمنون

سورۃ کا نام اور وجہ تسمیہ اور اس سورۃ کی فضیلت

اس سورت کا نام المؤمنون ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ سورت المؤمنون کی صفات کے ذکر سے شروع ہوتی ہے:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ : (المؤمنون:۱) بے شک ایمان والے کامیاب ہوئے۔

اور حسب ذیل احادیث میں اس سورت کو المؤمنون فرمایا گیا ہے:

حضرت عبداللہ بن السائب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں ہمیں صبح کی نماز پڑھائی آپ نے سورۃ المومنین کو شروع فرمایا حتیٰ کہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کا ذکر آیا یا حضرت عیسیٰ کا ذکر آیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانسی اٹھی پھر آپ نے رکوع کر لیا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۴۵۵' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۶۴۹' سنن النسائی رقم الحدیث:۱۰۰۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۸۲۰)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تو آپ کے منہ سے شہد کی مکھی کی بھنبھناہٹ کی طرح آواز سنائی دیتی' ایک دن آپ پر وحی نازل ہوئی ہم تھوڑی دیر ٹھہرے رہے' پھر آپ سے وہ کیفیت دور ہوگئی' آپ نے قبلہ کی طرف منہ کیا اور دونوں ہاتھ بلند کیے اور دعا کی کہ اللہ! ہمیں زیادہ دے' ہم سے کمی نہ کر' ہمیں عزت دے' ہمیں رسوائی نہ دے' اور ہم کو عطا فرما اور ہم کو محروم نہ کر' ہمیں ترجیح دے' ہم پر ترجیح نہ دے' اور ہم سے راضی ہو اور ہم کو راضی کر دے' پھر آپ نے فرمایا مجھ پر دس آیتیں نازل ہوئی ہیں جس نے ان دس آیتوں کے احکام پر عمل کیا وہ جنت میں داخل ہو جائے گا پھر آپ نے المؤمنون کی ابتدائی دس آیتیں پڑھیں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۱۷۳' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث:۶۰۳۸' مسند احمد ج ۱ ص ۳۴' مسند البزار رقم الحدیث:۳۰۱' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:۱۴۴۸' کتاب الضعفاء للعقیلی ج ۴ ص ۴۶۰' الکامل لابن عدی ج ۷ ص ۲۶۳۲' المستدرک ج ۲ ص ۲۹۲' شرح السنۃ رقم الحدیث:۱۳۷۶' مسند احمد رقم الحدیث ۲۲۳' المستدرک رقم الحدیث:۳۵۳۱' دلائل النبوۃ ج ۷ ص ۵۵' الدر المنثور ج ۵ ص ۳)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جنت عدن کو پیدا کیا اور اس میں اپنے دست قدرت سے درخت اگائے' پھر جنت کے درخت سے فرمایا تم کلام کرو تو اس نے کہا قد افلح

المؤمنون۔اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

(المستدرک رقم الحدیث: ۳۵۳۲، الکامل لابن عدی ج ۵ ص ۳، طبع جدید، علامہ ذہبی نے کہا اس حدیث کی سند ضعیف ہے، حاکم نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے)

یزید بن بابنوس بیان کرتے ہیں کہ ہم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: اے ام المومنین! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق کیسا تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق قرآن تھا، پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سورۃ المومنین کی اس آیت کو پڑھا قد افلح المؤمنون اور اس سمیت دس آیتیں پڑھیں اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق اس طرح تھے۔

(السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۳۵، الادب المفرد للبخاری رقم الحدیث: ۳۰۸، الطبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۲۷۳، المستدرک ج ۲ ص ۶۱۳، طبع قدیم، المستدرک رقم الحدیث: ۳۵۳۳)

سورۃ المؤمنون کا زمانہ نزول

یہ سورت بالاتفاق مکی ہے، اعلان نبوت کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تیرہ سال رہے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اعلانِ نبوت کے چھٹے سال میں اسلام لائے تھے، اور ہم نے سنن الترمذی اور متعدد کتب حدیث کے حوالوں سے حدیث نقل کی ہے جس میں حضرت عمر نے نزول وحی کی کیفیت بیان کی ہے اور اس میں سورۃ المؤمنون کے نازل ہونے کا بیان کیا ہے اس سے متعین ہو جاتا ہے کہ یہ سورت مکی دور کے وسط میں نازل ہوئی ہے۔

اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس سورت میں ہے:

وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُونَ (المؤمنون: ۴) اور وہ لوگ جو زکوٰۃ کی ادائیگی کرنے والے ہیں۔

زکوٰۃ مدینہ منورہ میں فرض ہوئی تھی، اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورت مکی نہیں مدنی ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں زکوٰۃ سے مراد معروف زکوٰۃ نہیں ہے یعنی بہ قدر نصاب مال پر ایک سال گزر جانے کے بعد اس سے چالیسواں حصہ نکال کر فقراء کو اللہ کی راہ میں دینا، اصل میں زکوٰۃ کا معنی نفس کو گناہ کی آلودگیوں اور میل اور کچیل سے پاک اور صاف کرنا ہے، پھر معروف زکوٰۃ پر بھی زکوٰۃ کا اطلاق کیا جانے لگا کیونکہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے نفس پاک اور صاف ہو جاتا ہے، اس کا دوسرا معنی ہے بڑھنا اور اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے بندہ کا مال بڑھتا ہے سو یہاں سبب کا اطلاق مسبب پر کیا گیا ہے، زکوٰۃ ادا کرنے سے نفس کا تزکیہ ہوتا ہے اور اس کا باطن پاک اور صاف ہوتا ہے اس کا ثبوت اس آیت میں ہے:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا (التوبہ: ۱۰۳) آپ ان کے مالوں سے صدقہ وصول کیجئے جو ان کو پاکیزہ اور ان کے باطن کو پاک اور صاف کرے۔

اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں زکوٰۃ سے فرض زکوٰۃ مراد نہیں ہے، بلکہ نفلی صدقات مراد ہیں اور قرآن مجید میں صدقہ پر زکوٰۃ کا اطلاق مشہور ہے، مشرکین پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے ان کے متعلق فرمایا:

وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ (حٰم السجدۃ: ۷-۶) اور ان مشرکین کے لئے بڑا عذاب ہے ۝ جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے اور وہ آخرت کا انکار کرنے والے ہیں۔

اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے متعلق فرمایا:

وَكَانَ يَأْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا○ (مریم:۵۵)

اور وہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوۃ کا حکم دیتے تھے اور وہ اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ تھے۔

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ زکوۃ سے مراد اس کا معروف معنی ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد نفلی صدقہ ہو' اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید میں زکوۃ کا اطلاق صدقات پر بھی ہوتا ہے' اور المؤمنون: ۴ میں بھی زکوۃ کا اطلاق صدقات پر ہے اس لئے اس آیت میں زکوۃ کا لفظ آنے سے اس سورہ کے مکی ہونے پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۲۳ ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے اس کا نمبر ۷۶ ہے یہ سورت' سورۃ الطور کے بعد اور سورہ تبارک الذی سے پہلے نازل ہوئی ہے۔

سورۃ المؤمنون اور سورۃ الحج کی باہمی مناسبت

(۱) سورۃ الحج کے اخیر میں ایسی آیت ہے' جس میں نماز پڑھنے اور عبادت کرنے پر اخروی فلاح کی نوید سنائی ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ○ (الحج:۷۷)

اے ایمان والو! رکوع کرو اور سجدہ کرو اور اپنے رب کی عبادت کرو اور (دیگر) نیکی کے کام کرو تا کہ تم اخروی فلاح حاصل کرو۔

اور سورۃ المؤمنون کی ابتداء میں فرمایا قد افلح المؤمنون یعنی جو مومن خضوع' خشوع سے نماز پڑھیں گے' فضول کاموں سے اعراض کریں گے صدقہ دیں گے' پاک دامنی کی حفاظت کریں گے سوا اپنی بیویوں کے' اور جو اپنے عہد اور امانت کا پاس رکھیں گے اور جو اپنی نمازوں کو دوام کے ساتھ پڑھیں گے' وہ جنت الفردوس کے وارث ہوں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے' غرض الحج کا اختتام اخروی فلاح کی بشارت سے ہوا اور المؤمنون کی ابتداء بھی اخروی فلاح کی نوید سے ہوئی۔

سورۃ الحج کی ابتداء میں انسان کی تخلیق کے مراحل کا ذکر فرمایا:

فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ۚ وَنُقِرُّ فِی الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْۤا اَشُدَّكُمْ (الحج:۵)

ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ سے پھر جمے ہوئے خون سے پھر گوشت کے لوتھڑے سے جس کی مکمل شکل بنائی گئی اور (کبھی) نا تمام تا کہ ہم تم سے بیان کریں' اور ہم جتنی مدت تک چاہتے ہیں اس کو ماؤں کے ارحام میں رکھتے ہیں' پھر ہم تم کو طفولیت کی حالت میں دنیا میں لاتے ہیں تا کہ تم اپنی کڑیل جوانی تک پہنچ جاؤ۔

(۲) اور سورۃ المؤمنون میں پھر انسان کی تخلیق کے مراحل کا نقشہ کھینچا ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ○ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِیْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ○ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۗ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ۭ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ○ (المؤمنون:۱۴-۱۲)

اور ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا۔ پھر ہم نے اس کو نطفہ بنا کر ایک محفوظ جگہ میں رکھ دیا۔ پھر ہم نے نطفہ کو جما ہوا خون بنا دیا' پھر ہم نے اس جمے ہوئے خون کو گوشت کا لوتھڑا بنا دیا' پھر ہم نے اس گوشت کے لوتھڑے کو ہڈیاں بنا دیا' پھر ہم نے ان ہڈیوں پر گوشت پہنا دیا' پھر اس کے بعد دوسری تخلیق میں انسان کو پیدا کر دیا' پس اللہ برکت والا ہے جو سب سے حسین پیدا کرنے والا ہے۔

اس طرح دونوں سورتوں کے شروع میں انسان کی تخلیق کے مراحل کا نقشہ کھینچا ہے۔

(۳) سورۃ الحج میں اللہ تعالیٰ نے مختلف نشانیوں سے اپنی قدرت اور اپنی ذات پر استدلال فرمایا ہے' کہ اللہ رات کو دن میں داخل فرماتا ہے اور دن کو رات میں داخل فرماتا ہے' اور اس نے آسمان سے پانی برسا کر زمین کو سرسبز بنایا اور اس نے تمہارے نفع کے لئے زمین کی تمام چیزوں کو مسخر فرمایا اور ان کشتیوں کو مسخر فرمایا جو اس کے حکم سے سمندروں میں چلتی ہیں۔ (الحج: ۶۵-۶۱) اور سورۃ المؤمنون میں اس طرح اپنی قدرت اور اپنی توحید پر استدلال فرمایا: کہ ہم نے تمہارے اوپر سات اوپر تلے آسمان بنائے اور آسمان سے ایک اندازہ کے مطابق پانی نازل فرمایا اور اس کو زمین میں ٹھہرا دیا حالانکہ ہم اس کو بہا کر لے جانے پر بھی قادر تھے' پھر ہم نے اس پانی کے ذریعہ تمہارے لئے کھجوروں اور انگوروں کے باغات پیدا کر دیئے اور دوسری قسم کے میوہ جات کے اور طور سیناء کے درخت (زیتون) سے تیل نکالا جو کھانے والوں کا سالن ہے اور ہم نے مویشی پیدا کئے جن کے پیٹوں سے ہم تمہیں دودھ پلاتے ہیں اور تمہیں کشتیوں پر سوار کیا۔

(المؤمنون: ۲۲-۱۷)

(۴) اور دونوں سورتوں میں بعض انبیاء علیہم السلام کے قصص اور واقعات بیان فرمائے تاکہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کا سامان فراہم ہو کہ جس طرح مکہ کے مشرکین آپ کو ستاتے ہیں اور آپ سے دل آزار باتیں کرتے ہیں اور پیہم نشانیاں اور معجزات دیکھنے کے باوجود آپ کی نبوت پر ایمان نہیں لاتے اور آپ کی تکذیب کرتے ہیں اور آپ کو جھٹلاتے ہیں سو یہی سب انبیاء سابقین کے ساتھ بھی ہوتا رہا ہے کوئی نئی بات نہیں ہے' انہوں نے بھی ان کی ایذاؤں پر صبر کیا تھا آپ بھی صبر کریں' اور اس میں مشرکین مکہ کے لئے نصیحت اور عبرت کا سامان ہے کہ جب گزشتہ امتیں اپنے کفر اور ہٹ دھرمی پر ڈٹی رہیں اور اپنی سرکشی اور ہٹ دھرمی سے باز نہیں آئیں تو اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب نازل فرمایا جس عذاب کے آثار عرب کے لوگ اپنے سفر میں جگہ جگہ دیکھتے ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ سے ڈریں کہ ان پر بھی کہیں ایسا ہی عذاب نہ آجائے۔

سورۃ الحج میں حضرت نوح کی قوم اور عاد اور ثمود کا ذکر فرمایا اور حضرت ابراہیم کی قوم اور قوم لوط کا ذکر فرمایا اور اصحاب مدین کا ذکر فرمایا اور حضرت موسیٰ کے جھٹلائے جانے کا ذکر فرمایا۔ (الحج: ۴۴-۴۱)

اور سورۃ المؤمنون میں حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو معجزات دے کر فرعون کی طرف بھیجنے کا ذکر فرمایا اور فرعون اور اس کی قوم کی طرف سے ان کی تکذیب کو بیان فرمایا پھر ان پر عذاب بھیجنے کا ذکر فرمایا' ان کے بعد حضرت عیسیٰ ابن مریم کا ذکر فرمایا۔ (المؤمنون: ۵۰-۴۵)

سورۃ المؤمنون کے اہداف اور مقاصد

☆ اس سورت میں توحید پر دلائل دیئے گئے ہیں اور اس کی تحقیق کی ہے اور شرک کا رد اور ابطال فرمایا ہے' شرکیہ عقائد کو منہدم فرمایا ہے اور ایمان اور احکام شرعیہ کا بیان فرمایا ہے۔

☆ سورت کے آغاز میں ان احکام کا بیان فرمایا ہے جن پر عمل کر کے انسان اپنے ظاہر اور باطن کے خدوخال درست کرتا ہے اور نفس کے میل کچیل اور کدورتوں اور ظلمتوں کو دور کر کے آئینہ دل کو صیقل اور شفاف بنا سکتا ہے تاکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی صفات کی تجلیات منعکس ہو سکیں۔

☆ اس کے بعد انسان کی تخلیق کے مراحل کو بیان فرمایا ہے تاکہ انسان یہ غور کرے کہ اس کی خلقت میں کتنی نعمتیں اور حکمتیں

پنہاں ہیں اور وہ ان نعمتوں کا شکر ادا کرے اور اپنی تخلیق میں مضمر اسرار پر غور کر کے اپنے خالق کی معرفت کو حاصل کرے۔

☆ انسان عالم صغیر ہے اور یہ پوری کائنات عالم کبیر ہے' عالم صغیر کی تخلیق کے نکات بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے عالم کبیر اور اس کی تخلیق کے نکات بیان فرمائے تاکہ انسان یہ جانے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات اور صفات کی جو نشانیاں اس کے اندر رکھی ہیں وہی نشانیاں اس کائنات میں اس کے باہر بھی رکھی ہیں' اس کا اندر بھی اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات پر دلیل ہے اور اس کا باہر بھی اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات پر دلیل ہے۔

☆ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے نفع کے لئے آسمان سے پانی نازل کیا' زمین میں روئیدگی رکھی اور اس سے فصلوں اور باغات کو پیدا کیا' دریاؤں اور سمندروں میں کشتیوں اور جہازوں کو رواں دواں رکھا تاکہ انسان زمین کی پیداوار سے اپنی غذا حاصل کرے اور کشتیوں اور جہازوں کے ذریعہ ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ کی طرف منتقل ہو سکے۔

☆ جسم کے لئے اس کے فوائد اور نعمتوں کا ذکر کرنے کے بعد اس کی روح کی غذا اور روح کو سنوارنے اور نکھارنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا ذکر شروع فرمایا تاکہ روح اپنے خالق کی معرفت حاصل کرے اور اپنے مولیٰ کی عبادت کرے۔ کیونکہ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ اور کوئی یہ نہیں بتا سکتا کہ اللہ تعالیٰ کن کاموں سے راضی ہوتا ہے اور کن کاموں سے ناراض ہوتا ہے اس کو راضی کرنے کے لئے کس طرح اس کی عبادت کی جائے تاکہ اخروی فلاح حاصل ہو اور اس کی ناراضگی سے بچنے کے لئے کن کاموں سے اجتناب کیا جائے تاکہ انسان آخرت میں عذاب سے محفوظ رہے۔

☆ اس کے بعد مشرکین کو اس پر متنبہ فرمایا کہ ان کا انکار اور ان کا کفر پر اصرار اور ان کے ہمارے نبی پر اعتراضات اور ان کے مطالبات ایسے ہیں جیسے پچھلی امتوں کے مطالبات تھے' پھر اللہ تعالیٰ نے ان مکذبین کی بستیوں کو تہ و بالا کر دیا اور مشرکین ان اجڑی ہوئی بستیوں کے کھنڈرات دوران سفر دیکھ چکے ہیں' اگر انہوں نے اپنا رویہ نہ بدلا تو وہ اس خطرہ میں ہیں کہ ان پر بھی وہ عذاب آ جائے۔

☆ یہ بتایا کہ جب ان سے پوچھا جائے کہ ان کا خالق اور رب کون ہے تو وہ پھر پکار اٹھتے ہیں کہ وہ صرف اللہ ہے تو پھر وہ اللہ کی عبادت میں بتوں کو کیوں شریک کرتے ہیں! اور جب ان پر موت آئے گی تو وہ اپنے اس طریقہ پر اور بت پرستی اور شرک پر نادم ہوں گے اور پچھتائیں گے مگر اس وقت کی ندامت اور پشیمانی کوئی فائدہ نہیں دے گی۔

☆ یہ فرمایا کہ مشرکین کو اس بات کا اعتراف تھا کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم صادق اور راست گو ہیں وہ ان کو الصادق الامین کہتے تھے اور یہ بھی مانتے تھے کہ آپ اپنی کسی ذاتی منفعت کے لئے ان کو توحید کی دعوت نہیں دے رہے اور آپ محض ان کی خیر خواہی اور بھلائی کے لئے ان کو دین اسلام کی دعوت دے رہے ہیں' اس لئے اب ان کے پاس اس دعوت کو قبول نہ کرنے کا کوئی عذر نہیں ہے اور ان کے پاس اپنے شرک اور تکذیب رسول کی کوئی دلیل نہیں وہ محض اپنی خواہشات اور اپنے آباؤ اجداد کی اندھی تقلید کی بناء پر حق سے اعراض کر رہے ہیں۔

☆ اور اس سورت کے آخر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرمایا کہ آپ ان کی بدسلوکیوں سے صرف نظر کریں اور ان کی ایذاء رسانیوں کو نظر انداز کر دیں اور صبر کریں' اور ان کی بدمعاملگی کا نیک سلوک سے جواب دیں اور حسن و خوبی کے

ساتھ ان کو نصیحت کرتے رہیں' اور مومنین اور اپنے متبعین کے لئے مغفرت کا سوال کرتے رہیں اور یہی وہ اخروی فلاح ہے جس کے ساتھ سورت کی ابتداء کی تھی۔

اس تمہید اور تعارف کے بعد اب میں اللہ تعالیٰ کی تائید اور اس کی توفیق سے سورۃ المؤمنون کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کرتا ہوں اور یہ دعا کرتا ہوں کہ اے میرے رب! مجھے صدق اور حق کی ہدایت دینا اور وہی بات لکھوانا جو حق اور صواب ہو اور باطل اور کذب سے میری اس تفسیر کو محفوظ رکھنا میری اس تحریر میں اثر آفرینی عطا فرمانا' تا قیام قیامت اس کو باقی اور نفع آور رکھنا اور محض اپنے فضل و کرم سے اور اپنے محبوب مکرم کی شفاعت سے میری مغفرت فرما دینا' میرے لئے دنیا میں لسان صدق مقدر کر دینا اور آخرت میں جنت النعیم کا وارث بنا دینا۔

واخر دعوانا ان الحمدلله رب العلمين و الصلوة والسلام على سيدنا محمد خاتم الانبياء والمرسلين قائد الغرالمحجلين شفيع المذنبين وعلى آله الطاهرين واصحابه الراشدين وازواجه الطاهرات امهات المؤمنين و على اولياء امته وعلماء ملته وامته اجمعين.

غلام رسول سعیدی غفرلہ' دار العلوم نعیمیہ کراچی ۳۸

۳ جمادی الثانیہ' ۱۴۲۲/۲۴ اگست ۲۰۰۱ء

سُوْرَةُ الْمُؤْمِنُوْنَ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّثَمَانِيْ عَشَرَةَ اٰيَةً وَّسِتُّ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ المومنون مکی ہے' اس میں ایک سو اٹھارہ آیتیں اور چھ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ① الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ

بے شک ایمان والوں نے فلاح حاصل کرلی ○ جو اپنی نمازوں میں

خٰشِعُوْنَ ② وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ③ وَالَّذِيْنَ

خشوع کرتے ہیں ○ اور جو بے ہودہ باتوں سے منہ موڑ لیتے ہیں ○ اور جو

هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ④ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ⑤ اِلَّا

اپنا باطن صاف کرنے والے ہیں ○ اور جو لوگ اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں ○ سوا

عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ⑥ فَمَنِ

اپنی بیویوں کے یا باندیوں کے سو بے شک ان میں وہ ملامت کیے ہوئے نہیں ہیں ○ اور جس نے

ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۚ﴿۷﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ

ان کے علاوہ کسی اور کو طلب کیا سو وہی لوگ (اللہ کی حدود سے) تجاوز کرنے والے ہیں ○ اور وہ لوگ

لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۙ﴿۸﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۹﴾

جو اپنی امانتوں اور عہد کی پاس داری کرنے والے ہیں ○ اور وہ لوگ جو اپنی نمازوں کی نگہبانی کرنے والے ہیں ○

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۙ﴿۱۰﴾ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ؕ هُمْ فِيْهَا

وہی لوگ وارث ہیں ○ جو (جنت) الفردوس کی وراثت پائیں گے، وہ اس میں

خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱﴾ ۚ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾

ہمیشہ رہنے والے ہیں ○ اور بے شک ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا ○

ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿۱۳﴾ ص ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً

پھر ہم نے اس کو نطفہ بنا کر ایک محفوظ جگہ میں رکھ دیا ○ پھر ہم نے نطفہ کو جما ہوا خون بنا دیا

فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ

پھر ہم نے اس جمے ہوئے خون کو گوشت کا لوتھڑا بنا دیا، پھر ہم نے اس گوشت کو ہڈیاں بنا دیا، پھر ہم نے ان ہڈیوں پر

لَحْمًا ۗ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ؕ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ؕ﴿۱۴﴾

گوشت پہنا دیا، پھر اس کے بعد دوسری تخلیق میں انسان پیدا کر دیا، پس اللہ برکت والا ہے جو سب سے حسین پیدا کرنے والا ہے ○

ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ؕ﴿۱۵﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ﴿۱۶﴾

پھر اس کے بعد تم سب ضرور مرنے والے ہو ○ پھر یقیناً تم قیامت کے دن اٹھائے جاؤ گے ○

وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ ۖ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷﴾

اور بے شک ہم نے تمہارے اوپر سات راستے بنائے اور ہم اپنی مخلوق سے غافل نہیں ہیں ○

وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِي الْاَرْضِ ۖ وَاِنَّا عَلٰى

اور ہم نے ایک اندازے کے مطابق آسمان سے پانی نازل کیا، پھر اس کو زمین میں ٹھیرایا اور بے شک ہم

وقف لازم

ذَهَابٍ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ

اس کو (بہا کر) لے جانے پر بھی قادر ہیں ○ پھر ہم نے اس پانی سے تمہارے لیے کھجور اور

اَعْنَابٍ لَكُمْ فِيْهَا فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَشَجَرَةً

انگور کے باغات اگائے جن میں تمہارے لیے بہ کثرت پھل ہیں اور جن سے تم کھاتے ہو ○ اور وہ درخت (زیتون)

وقف لازم

تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَ

پیدا کیا جو طور سیناء سے نکلتا ہے جو تیل نکالتا ہے اور کھانے والوں کا سالن ہے ○ اور

اِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۚ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِىْ بُطُوْنِهَا وَلَكُمْ فِيْهَا

تمہارے لیے چوپایوں میں ضرور مقام غور ہے، ہم تمہیں ان میں سے وہ (دودھ) پلاتے ہیں جو ان کے پیٹوں میں ہے اور تمہارے

مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾

ع ۱ ۲۲

لیے ان میں بہت زیادہ فائدے ہیں اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے ہو ○ اور ان مویشیوں پر اور کشتیوں پر تم سوار کیے جاتے ہو ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک ایمان والوں نے فلاح حاصل کر لی ○ جو اپنی نمازوں میں خشوع کرتے ہیں ○ اور جو بے ہودہ باتوں سے منہ موڑ لیتے ہیں ○ اور جو اپنا باطن صاف کرنے والے ہیں ○ اور جو لوگ اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں ○ سوا اپنی بیویوں یا باندیوں کے سو بے شک ان میں وہ ملامت کئے ہوئے نہیں ہیں ○ اور جس نے ان کے علاوہ کسی اور کو طلب کیا سو وہی لوگ (اللہ کی حدود سے) تجاوز کرنے والے ہیں ○ اور وہ لوگ جو اپنی امانتوں اور عہد کی پاسداری کرنے والے ہیں ○ اور وہ لوگ جو اپنی نمازوں کی نگہبانی کرنے والے ہیں ○ وہی لوگ وارث ہیں ○ جو (جنت) الفردوس کی وراثت پائیں گے وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ○ (المؤمنون: ۱۱-۱)

الخشوع کا لغوی معنی

ابن فارس نے کہا خشوع کا صرف ایک معنی ہے جھکنا اور پست ہونا' جب کوئی شخص جھک جائے اور سر کو جھکا لے تو کہا جاتا ہے: خشع فلان' اور یہ لفظ خضوع کے قریب المعنی ہے مگر بدن کے ساتھ عاجزی اور ذلت کے ساتھ اطاعت اور فرمانبرداری کرنے کو خضوع کہتے ہیں اور خشوع' بدن' آواز اور بصر سب میں عام ہے' بدن کو جھکانا' پست آواز سے بات کرنا' نظریں جھکانا یہ سب خشوع ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: خاشعۃ ابصارھم (القلم: ۴۳) درآں حالیکہ ان کی نظریں جھکی ہوئی ہیں۔ اور قرآن مجید میں ہے وخشعت الاصوات للرحمن (طٰہٰ: ۱۰۸) رحمٰن کے لئے آوازیں پست ہو گئیں۔ ابن درید نے کہا رکوع کرنے والے کو الخاشع کہتے ہیں' علامہ راغب نے کہا الخشوع کا معنی ہے عاجزی اور انکسار کرنا اس کا اطلاق زیادہ تر ظاہری اعضاء سے عاجزی اور انکسار پر ہوتا ہے' اور ضراعت کا اطلاق دل کی عاجزی اور انکسار پر ہوتا ہے اس لئے کہا جاتا ہے کہ جب

دل میں عاجزی ہو تو ظاہری اعضاء میں خشوع ہوتا ہے' زجاج نے کہا جو بستی اجڑی ہوئی ہو اور اس میں کوئی ٹھہرتا نہ ہو اس کو الخاشعہ کہتے ہیں اور جو زمین خشک ہو اور اس پر بارش نہ ہو اس کو بھی الخاشعہ کہتے ہیں: قرآن مجید میں ہے:

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ (حٰم السجدہ: ۳۹)

اللہ کی نشانیوں میں سے یہ ہے تم زمین کو سوکھا ہوا اور خشک دیکھتے ہو' پھر جب ہم اس پر بارش نازل کرتے ہیں تو وہ تروتازہ ہو کر بڑھنے لگتی ہے (یعنی سرسبز ہو جاتی ہے)

(مقاییس اللغہ لابن فارس ج ۲ ص ۱۸۲' المفردات ج ۱ ص ۱۹۷' الصحاح للجوہری ج ۳ ص ۱۲۰۴' النہایہ لابن الاثیر ج ۲ ص ۳۳' لسان العرب لابن منظور ج ۸ ص ۷۱)

الخشوع کا اصطلاحی معنی

علامہ ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری المتوفی ۴۶۵ ھ لکھتے ہیں:

الخشوع کا معنی ہے حق کی اطاعت کرنا اور التواضع کا معنی ہے حق کو ماننا اور اس کو تسلیم کرنا اور کسی حکم پر اعتراض نہ کرنا۔

حضرت حذیفہ نے کہا تمہارے دین سے جو چیز سب سے پہلے گم ہو گی وہ خشوع ہے۔

محمد بن علی الترمذی نے کہا الخاشع وہ شخص ہے جس کی شہوت کی آگ بجھ گئی ہو اور اس کی سینہ میں غضب کا دھواں ٹھنڈا ہو چکا ہو' اس کے دل میں اللہ کی تعظیم کا نور روشن ہو اور اس کے اعضاء سے تواضع ظاہر ہو۔

حسن بصری نے کہا الخشوع اس خوف کو کہتے ہیں جو دل میں ہمیشہ لازم رہے۔

جنید بغدادی سے الخشوع کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا علام الغیوب کے لئے دلوں کا نرم اور ذلیل ہونا۔

روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو نماز میں اپنی ڈاڑھی سے کھیلتے ہوئے دیکھا تو آپ نے فرمایا اگر اس کے دل میں خشوع ہوتا تو اس کے اعضاء میں بھی خشوع ہوتا۔

ایک قول یہ ہے کہ نماز میں خشوع یہ ہے کہ اس کو نماز میں یہ پتا نہ چلے کہ اس کے دائیں جانب کون ہے اور بائیں جانب کون ہے۔ (الرسالۃ القشیریہ ص ۱۸۲-۱۸۱' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

علامہ ابن قیم جوزیہ متوفی ۷۵۱ ھ لکھتے ہیں:

حق یہ ہے کہ الخشوع ایسا معنی ہے جو اللہ کی تعظیم' اس کی محبت اور اس کی جناب میں ذلت اور انکسار کے مجموعہ سے مرکب ہے۔ (مدارج السالکین ج ۱ ص ۵۵۹-۵۵۸' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۸ھ)

الخشوع کے درجات

علامہ ابن قیم جوزیہ متوفی ۷۵۱ ھ لکھتے ہیں:

الخشوع کے حسب ذیل تین درجات ہیں:

(۱) حکم کے سامنے سرنگوں ہونا' حکم کو تسلیم کرنا اور نظر حق کے لئے عاجزی کرنا' حکم کے سامنے سرنگوں ہونے کا معنی ہے عاجزی کے ساتھ حکم کی اطاعت اور فرماں برداری کرنا اور اپنے ضعف اور ہدایت کی احتیاج کو ظاہر کرتے ہوئے اپنے ظاہر اور باطن کے ساتھ حکم کی موافقت کرنا' اور حکم کو تسلیم کرنے کا معنی یہ ہے کہ حکم شرعی کے بالمقابل اپنی رائے اور خواہش کا اظہار نہ کرنا اور اس پر غضب اور کراہت کا اظہار نہ کرنا اور اس پر کسی قسم کا اعتراض نہ کرنا' اور نظر حق کے لئے عاجزی کرنے کا معنی یہ ہے کہ دل کو اور اعضاء کو نظر حق کے لئے جھکا دینا۔

(۲) نفس اور عمل کی آفات کا انتظار کرنا' اور ہر صاحب فضل کی فضیلت کو دیکھنا' اور یہ اس وقت ہوگا جب تم اپنے نفس اور عمل کے نقائص اور عیوب کے ظہور کا انتظار کرو' اور جب تم اپنے نفس کے نقائص اور عیوب کے ظہور کا انتظار کرو گے اور اپنے فخر اور تکبر' اور صدق کے ضعف اور یقین کی کمی اور نیت کے پختہ نہ ہونے کا مطالعہ کرو گے تو لامحالہ اس سے تمہارا دل خشوع کرنے والا ہو جائے گا' اور رہا ہر صاحب فضل کی فضیلت میں غور وفکر کرنا تو اس کی وجہ سے تم لوگوں کے حقوق کی رعایت کرو گے اور ان کو ادا کرو گے' اور اگر کوئی شخص تمہارے حقوق کی ادائیگی میں کمی کرتا ہے تو تم اس سے بدلہ نہ لینا کیونکہ یہ نفس کی رعونت اور اس کی حماقت ہے۔

(۳) جب کسی چیز کا کشف ہو جائے تو اس کی حفاظت کرنا اور دل کو مخلوق کے دکھاوے سے صاف رکھنا' اور عاجزی اور انکسار کے ساتھ دل کو منضبط رکھنا۔ (مدارج السالکین ج ا ص ۵۶۰-۵۵۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۸ھ)

قرآن مجید میں الخشوع کے اطلاقات

قرآن مجید میں الخشوع کا اطلاق حسب ذیل معانی پر ہے:

(۱) خشوع بہ معنی ذلت' عاجزی اور انکسار' اس کی مثال یہ آیت ہے:

وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ (طٰہٰ: ۱۰۸) اور رحمان کے سامنے تمام آوازیں پست ہو جائیں گی۔

(۲) اعضاء کا پر سکون اور مؤدب رہنا' اس کی مثال یہ آیت ہے:

اَلَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ (المؤمنون: ۲) اور جو لوگ سکون اور ادب کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں' (یعنی نماز میں اعضاء کو ادھر ادھر فضول حرکت نہیں دیتے' اپنے اعضاء سے صرف افعال نماز انجام دیتے ہیں)۔

(۳) خشوع بہ معنی خوف' جیسے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے متعلق فرمایا:

وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ؕ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ○ (الانبیاء: ۹۰) وہ رغبت اور خوف کے ساتھ ہماری عبادت کرتے ہیں اور وہ ہم سے ڈرنے والے ہیں۔

(۴) خشوع کا اطلاق قرآن مجید میں تواضع پر بھی ہے' اس کی مثال یہ آیت ہے:

وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ○ (البقرہ: ۴۵) بے شک یہ نماز ضرور بھاری ہے سوا ان پر جو تواضع اور عاجزی کرنے والے ہیں۔

(۵) خشوع کا اطلاق سوکھی ہوئی اور خشک چیز پر بھی کیا گیا ہے' اس کی مثال یہ آیت ہے:

وَتَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً (حٰم السجدہ: ۳۹) تم زمین کو سوکھی ہوئی اور خشک دیکھتے ہو۔

الخشوع کے متعلق لفظاً اور معنًی احادیث

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس مسلمان شخص پر فرض نماز کا وقت آئے وہ اس نماز کا اچھی طرح وضو کرے اور نماز میں اچھی طرح خشوع اور رکوع کرے تو وہ نماز اس کے پچھلے گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہے' جب تک کہ وہ کسی گناہ کبیرہ کا ارتکاب نہ کرے اور یہ سلسلہ تمام دہر تک رہے گا۔
(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۸' سنن بیہقی ج ا ص ۱۸۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۹۰۳۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ کی راہ

میں جہاد کرنے والے کی مثال اس طرح ہے اور اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ کون اس کی راہ میں جہاد کرتا ہے' جس طرح روزہ رکھنے والا' نماز میں قیام کرنے والا' خشوع کرنے والا' رکوع کرنے والا اور سجدے کرنے والا ہے۔ (سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۱۲۷)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میری توجہ صرف سامنے ہوتی ہے اللہ کی قسم مجھ پر نہ تمہارا رکوع مخفی ہوتا ہے اور نہ تمہارا خشوع مخفی ہوتا ہے اور بے شک میں تم کو ضرور اپنی پشت کے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۱۸' ۷۴۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۲۵' ۴۲۴' مسند احمد رقم الحدیث: ۸۰۱۱' ۸۵۶۷' ۸۸۶۴' عالم الکتب)

حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندہ اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب آدھی رات کو ہوتا ہے اگر تم اس وقت میں اللہ کا ذکر کر سکتے ہو تو کرو۔ (یہ حدیث حسن صحیح' غریب ہے)

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۷۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۲' مسند احمد ج ۴ ص ۱۱۱' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۱۱۴۷)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تمہاری صورتوں کو اور تمہارے مالوں کو نہیں دیکھتا لیکن وہ تمہارے دلوں اور تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۶۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۴۳)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلمان بھی اچھے طریقہ سے وضو کرتا ہے پھر اس طرح کھڑا ہو کر نماز پڑھتا ہے کہ وہ ان دو رکعتوں کی طرف اپنے دل اور چہرہ سے متوجہ ہوتا ہے اس کے لئے جنت واجب ہو جاتی ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۹' ۹۰۶' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۵۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز استسقاء کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بغیر زینت کے عام لباس میں باہر آئے' عاجزی کرتے ہوئے اور گڑگڑاتے ہوئے حتیٰ کہ عید گاہ پہنچے پھر تمہارے خطبوں کی طرح خطبہ نہیں دیا' لیکن آپ دعا کرنے' آہ وزاری کرنے اور اللہ کی بڑائی بیان کرنے میں مصروف رہے اور اس طرح نماز پڑھی جس طرح عید کی نماز پڑھی جاتی ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۵۵۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۱۶۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۱۸۶' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۵۰۵' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۴۷۳' مسند احمد ج ۱ ص ۲۳۰' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۱۴۰۵' سنن الدار قطنی ج ۲ ص ۶۷' المستدرک ج ۱ ص ۳۲۶' سنن بیہقی ج ۳ ص ۳۴۷)

حضرت عبداللہ بن الشخیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور نماز میں آپ کے رونے کی وجہ سے آپ کے سینہ سے ایسی آواز آ رہی تھی جیسے چکی چلنے کی آواز آتی ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۹۰۴' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۳۱۲' شمائل الترمذی رقم الحدیث: ۳۰۵)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے سامنے قرآن پڑھو' میں نے عرض کیا میں آپ کے سامنے قرآن پڑھوں! حالانکہ آپ پر تو خود قرآن مجید نازل کیا گیا ہے! آپ نے فرمایا میں چاہتا ہوں کہ میں اپنے علاوہ کسی اور سے قرآن سنوں' میں نے آپ کے سامنے سورۃ النساء پڑھی جب میں اس آیت پر پہنچا فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشہید وجئنا بک علی ھؤلاء شہیدا ' تو آپ نے فرمایا رک جاؤ اس وقت آپ کی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری ہو رہے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۵۸۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۰۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۶۸' سنن الترمذی رقم الحدیث ۳۰۲۵)

الخشوع کے متعلق آثار صحابہ اور اقوال تابعین

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس شخص نے اللہ کے لئے خشوع کرتے ہوئے عاجزی کی' اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن سربلند کرے گا اور جس شخص نے اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہوئے تکبر کیا' اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو سرنگوں کرے گا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۶۲' المعجم الکبیر ج ۹ ص ۱۶۳' ج ۹ ص ۹۵' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۲۲۳' ۲۲۵' کتاب الزھد للوکیع بن الجراح رقم الحدیث: ۲۱۶' کتاب الزھد لاحمد بن حنبل رقم الحدیث: ۱۴۲' مختصر تاریخ دمشق ج ۱۳ ص ۲۷۷)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ایک شخص گردن جھکا کر نماز پڑھ رہا تھا' حضرت عمر نے فرمایا اے گردن والے اپنی گردن اوپر اٹھاؤ' خشوع گردنوں میں نہیں ہوتا خشوع دل میں ہوتا ہے۔

(مدارج السالکین ج ۱ ص ۵۵۹' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۵ھ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے **الذین هم فی صلوتهم خاشعون** کی تفسیر میں فرمایا جب صحابہ نماز پڑھتے تھے تو اپنی نماز کی طرف متوجہ رہتے تھے' اپنی نظریں جھکا کر سجدہ کی جگہ رکھتے تھے اور ان کو یہ یقین ہوتا تھا کہ اللہ ان کی طرف متوجہ ہے اور وہ دائیں بائیں التفات نہیں کرتے تھے۔ (الدر المنثور ج ۶ ص ۸۴' بہ حوالہ تفسیر ابن مردویہ' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ویل للمطففین کی چھ ابتدائی آیتیں پڑھیں جب وہ **یوم یقوم الناس لرب العالمین** پر پہنچے تو ان پر گریہ طاری ہوا اور وہ زمین پر گر گئے اور آگے نہ پڑھ سکے۔

(کتاب الزھد للوکیع بن الجراح رقم الحدیث: ۲۷' کتاب الزھد لاحمد بن حنبل رقم الحدیث: ۱۹۲' حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۳۰۵' المستدرک ج ۵ ص ۲۱۷)

حضرت علی بن الحسین (زین العابدین) رضی اللہ عنہما جب وضو کرتے تو ان کا چہرہ زرد پڑ جاتا اور متغیر ہو جاتا' ان سے پوچھا جاتا آپ کو کیا ہوا وہ کہتے کیا تم کو معلوم ہے کہ میں کس کے سامنے کھڑے ہونے کا ارادہ کر رہا ہوں۔

(مختصر منہاج القاصدین لابن قدامہ ص ۲۷۳' دار التراث العربی بیروت' ۱۹۸۲ء)

قتادہ نے کہا دل میں جب خشوع ہو تو خدا کا خوف ہوتا ہے اور نماز میں نظریں نیچے ہوتی ہیں۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۹۲۳۹' الدر المنثور ج ۶ ص ۸۴)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا دل میں خشوع یہ ہے کہ تم مسلمانوں کے لیے نرم ہو اور نماز میں ادھر ادھر التفات نہ کرو۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۹۲۳۶' المستدرک ج ۲ ص ۳۹۳' حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا اور ذہبی نے اس کی موافقت کی)

حافظ جلال الدین سیوطی نے الخشوع کی تفسیر میں حسب ذیل احادیث اور آثار نقل کئے ہیں:

حکیم ترمذی اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نفاق کے خشوع سے اللہ کی پناہ طلب کرو' صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ نفاق کا خشوع کیسا ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا بدن میں خشوع ہوتا ہے اور دل میں نفاق ہوتا ہے۔ (نوادر الاصول ج ۲ ص ۱۷۲)

امام ابن المبارک' امام ابن ابی شیبہ اور امام احمد نے کتاب الزھد میں حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے' انہوں نے کہا نفاق کے خشوع سے اللہ کی پناہ طلب کرو' ان سے پوچھا نفاق کا خشوع کس طرح ہوتا ہے' انہوں نے کہا جسم خوف خدا سے کانپ رہا ہو اور دل میں خوف خدا نہ ہو۔ (کتاب الزھد لامام احمد بن حنبل ص ۱۸۲' مکتبہ دار الباز' ۱۴۱۴ھ)

امام عبد الرزاق' امام عبد بن حمید' امام ابن جریر اور امام ابن ابی حاتم نے زہری سے روایت کیا ہے کہ نماز کو سکون سے پڑھنا

خشوع ہے۔ (مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۳۲۶۲ بیروت)

امام حکیم ترمذی نے حضرت ام رومان والدہ حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق نے مجھے نماز میں آگے پیچھے جھولتے ہوئے دیکھا تو انہوں نے مجھے اس قدر سختی کے ساتھ ڈانٹا کہ قریب تھا میری نماز ٹوٹ جاتی' پھر حضرت ابوبکر نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو تو اپنے تمام اعضاء کو ساکن رکھے اور نماز میں یہودیوں کی طرح آگے پیچھے ہلے نہیں کیونکہ تمام اعضاء کو ساکن رکھنا نماز کی تکمیل سے ہے۔

(نوادر الاصول ج ۲ ص ۱۷۱)

امام حکیم ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا وہ نماز میں اپنی ڈاڑھی سے کھیل رہا تھا آپ نے فرمایا اگر اس کے دل میں خشوع ہوتا تو اس کے اعضاء میں بھی خشوع ہوتا۔

(نوادر الاصول ج ۲ ص ۱۷۲)

امام ابن ابی شیبہ' امام بخاری' امام ابوداؤد اور امام نسائی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز میں ادھر' ادھر التفات (مڑنے) کے متعلق پوچھا آپ نے فرمایا یہ شیطان کا اچکنا اور چھیننا ہے' بندہ کی نماز سے اتنا حصہ شیطان اچک لیتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۵۱' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۹۱۰' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۵۹۰' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۱۹۵)

امام ابن ابی شیبہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انہوں نے اپنے ایام مرض میں کہا میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رکھی ہوئی ایک امانت ہے وہ میں تم تک پہنچا رہا ہوں' آپ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص نماز میں التفات نہ کرے (ادھر ادھر مڑ کر نہ دیکھے) اگر ضرور ایسا کرنا ہو تو فرائض کے غیر میں کرے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۴۵۴۴)

امام عبدالرزاق اور امام ابن ابی شیبہ نے عطا کی سند سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب تم نماز پڑھ رہے ہوتے ہو تو تمہارا رب تمہارے سامنے ہوتا ہے اور تم اس سے مناجات کر رہے ہوتے ہو' پس تم ادھر ادھر التفات نہ کرو۔ اور عطا نے کہا مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ رب فرماتا ہے اے ابن آدم! تو کس کی طرف التفات کر رہا ہے؟ میں تیرے لئے اس سے بہتر ہوں جس کی طرف تو التفات کر رہا ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۴۵۳۸)

امام ابن ابی شیبہ نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ تم نماز میں ادھر ادھر التفات کرنے سے خود کو بچاؤ کیونکہ التفات کرنے والے کی نماز (کامل) نہیں ہوتی اور اگر تم کو ایسا کرنا ہی ہو تو نوافل میں کرو فرائض میں نہ کرو۔

(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۴۵۳۵)

امام ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے' بے شک اللہ بندہ کی طرف اس وقت تک متوجہ رہتا ہے جب تک وہ اپنا وضو نہ توڑے یا جب تک ادھر ادھر التفات نہ کرے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۴۵۳۴)

امام ابن ابی شیبہ نے حضرت عبداللہ بن مغفل سے روایت کیا ہے کہ جب بندہ نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو اللہ اپنے بندہ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور جب وہ ادھر ادھر التفات کرتا ہے تو اس سے اعراض کر لیتا ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۴۵۴۰)

امام ابن ابی شیبہ' امام مسلم اور امام ابن ماجہ نے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا جو لوگ نماز میں اپنی نظریں آسمان کی طرف اٹھاتے ہیں وہ اس سے باز آجائیں ورنہ ان کی نظریں واپس نہیں آئیں گی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۶۳۱۸)

امام ابن ابی شیبہ' امام بخاری' امام ابوداؤد' امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان لوگوں کا کیا حال ہے جو اپنی نمازوں میں آسمان کی طرف نظریں اٹھاتے ہیں' پھر آپ نے اس میں بہت سختی کی اور فرمایا وہ لوگ اس سے باز آجائیں ورنہ ان کی آنکھیں چھین لی جائیں گی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۵۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۰۴۴' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۱۹۲' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۲۰۸۸' عالم الکتب بیروت' مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۶۳۱۶' بیروت)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو لوگ نماز میں آسمان کی طرف نظریں اٹھاتے ہیں وہ اس سے باز آجائیں ورنہ ان کی نظریں واپس نہیں آئیں گی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۶۳۱۵)

امام ابن ابی شیبہ اپنی سند کے ساتھ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا جب تم میں سے کوئی شخص نماز میں آسمان کی طرف نظر اٹھاتا ہے تو کیا وہ اس سے نہیں ڈرتا کہ اس کی نظر واپس نہ آئے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۶۳۲۱' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ)

امام ابن سعد' امام ابن ابی شیبہ اور امام احمد نے کتاب الزھد میں مجاہد سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن الزبیر نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے تو یوں لگتا تھا جیسے کوئی لکڑی کا ستون کھڑا ہو اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی اسی طرح نماز پڑھتے تھے' مجاہد نے کہا یہ نماز میں ان کا خشوع تھا۔ الدر المنثور ج ۶ ص ۸۷-۸۴ ملتقطاً' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

خشوع کی تعریف میں اختلاف ہے' بعض علماء نے خشوع کو افعال قلوب سے قرار دیا ہے' جیسے خوف اور ڈر' بعض نے خشوع کو اعضاء ظاہرہ سے قرار دیا ہے مثلاً جسم کو ساکن رکھنا اور ادھر ادھر التفات نہ کرنا' اور بعض نے کہا کہ خشوع ان دونوں چیزوں کو شامل ہے اور یہی تعریف راجح اور اولیٰ ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۲۵۹' مطبوعہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اگر یہ سوال کیا جائے کہ نماز میں خشوع کرنا آیا واجب ہے یا نہیں؟ تو ہم کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک نماز میں خشوع کرنا واجب ہے اور اس کے حسب ذیل دلائل ہیں:

نماز میں خضوع اور خشوع کے وجوب پر قرآن مجید سے دلائل

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

(۱) اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا (محمد: ۲۴)

کیا یہ لوگ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں؟

قرآن میں تدبر اسی وقت متصور ہو گا جب نماز میں قرآن کے معانی پر غور کرے گا اور نماز میں قرآن کے معانی پر غور کرنا ہی خشوع ہے۔

(۲) وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِىْ (طٰہٰ: ۱۴)

اور مجھے یاد رکھنے کے لئے نماز قائم رکھو۔

نماز غفلت سے پڑھنا اللہ کو یاد کرنے کے منافی ہے اور یاد رکھنے کا امر ہے اور امر حقیقتاً وجوب کے لئے آتا ہے پس نماز میں اللہ کی یاد سے غافل نہ ہونا واجب ہے اور یہی خشوع ہے۔

(۳) وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ (الاعراف: ۲۰۵) اور غفلت کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا۔

اس آیت کا تقاضا ہے کہ نماز میں اللہ کی یاد سے غافل رہنا حرام ہے اور یہی خشوع کا معنی ہے۔

(۴) حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ (النساء: ۴۳) (تم اس وقت تک نماز کے قریب نہ جاؤ) حتیٰ کہ تم جان لو کہ تم نماز میں کیا پڑھ رہے ہو۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو آدمی دنیا کے افکار میں ڈوبا ہوا ہو اور نماز میں قرآن کے معانی کی طرف متوجہ نہ ہو وہ اس وقت تک نماز نہ پڑھے جب تک دنیا کی مہمات اور افکار سے فارغ نہ ہو اور نماز کی طرف پوری طرح متوجہ نہ ہو اس سے معلوم ہوا کہ نماز میں خشوع کرنا واجب ہے۔

نماز میں خضوع اور خشوع کے وجوب پر احادیث سے دلائل

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من لم تنه صلاته عن الفحشاء و المنكر لم يزدد من الله الابعدا۔ جس شخص کی نماز اس کو بے حیائی اور برائی کے کاموں سے نہ منع کرے وہ اللہ سے صرف دور ہی ہوتا ہے۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۱۰۲۵، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۵۸)

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

من لم تامره صلاته بالمعروف وتنهاه عن المنكر لم يزد من الله الابعدا. جس شخص کی نماز اس کو نیکی کا حکم نہ دے اور اس کو برائی سے نہ روکے وہ اللہ تعالیٰ سے صرف دور ہی ہوتا ہے۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۸۵۴۳)

اور جو شخص بغیر خشوع کے غفلت سے نماز پڑھتا ہے اس کو نماز نیکی کا حکم نہیں دیتی اور برائی سے نہیں روکتی اس سے معلوم ہوا کہ خشوع کے ساتھ نماز پڑھنا واجب ہے۔

امام غزالی متوفی ۵۰۵ھ نے یہ احادیث ذکر کی ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کم من قائم حظه من صلوته التعب و النصب' (کتنے نماز پڑھنے والے ایسے ہیں جن کو نماز پڑھنے سے سوائے تھکاوٹ اور درد کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا) اس سے آپ کی مراد غافل کی نماز ہے' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ليس للعبد من صلوته الا ما عقل منها (نماز میں سے بندہ کا اتنا ہی حصہ ہے جو اس نے سمجھ کر پڑھا ہے) (احیاء العلوم ج ۱ ص ۱۵۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ)

امام غزالی نے یہ احادیث معنًی روایت کی ہیں' ان احادیث کے الفاظ اس طرح ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہت سے روزہ دار ایسے ہیں جس کو روزہ رکھنے سے سوائے بھوک اور پیاس کے کچھ حاصل نہیں ہوتا' اور بہت سے رات کو نماز میں قیام کرنے والے ایسے ہیں جن کو قیام سے سوائے جاگنے کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۶۹۰' (اس حدیث کی سند حسن ہے) مسند احمد ج ۲ ص ۴۴۱' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۷۳۳' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۴۸۱' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۴ ص ۲۷۰' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۱۷۴۷)

علامہ زین الدین عراقی متوفی ۸۰۶ھ نے احیاء العلوم کی تخریج میں لکھا ہے:

لیس للعبد من صلاته الا ما عقل اس حدیث مرفوع کو میں نے نہیں پایا اور محمد بن نصر مروزی نے کتاب الصلوٰۃ میں یہ حدیث مرسل لکھی ہے کہ اللہ بندہ کا وہ عمل قبول نہیں کرتا جس میں بدن کے ساتھ اس کا قلب حاضر نہ ہو اور ابومنصور دیلمی نے مسند الفردوس میں حضرت ابی بن کعب سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ جو شخص غفلت سے نماز پڑھتا ہے اس کی نماز نہیں لکھی جاتی۔ (المغنی عن حمل الاسفار فی الاسفار مع احیاء العلوم ج ۱ص ۱۵۳' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس آدمی کی نماز میں خشوع نہیں ہوتا اس کی نماز (کامل) نہیں ہوتی۔ (الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث: ۷۹۳۵' زہر الفردوس ج ۴ص ۲۳۹' اتحاف السادۃ المتقین ج ۳ص ۱۱۲)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اس شخص کی نماز نہیں ہوتی جو نماز کی اطاعت نہ کرے اور نماز کی اطاعت یہ ہے کہ نماز اس کو بے حیائی اور برائی کے کاموں سے منع کرے۔

(الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث: ۷۹۲۸' زہر الفردوس ج ۴ص ۲۴۰ اتحاف السادۃ المتقین ج ۳ص ۱۱۲)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلہ کی جانب میں بلغم پڑا ہوا دیکھا یہ آپ پر بہت ناگوار گزرا حتیٰ کہ آپ کے چہرے پر ناگواری کے آثار دکھائی دیئے' آپ کھڑے ہوئے اور آپ نے اپنے ہاتھ سے اس کو کھرچ کر صاف کر دیا پھر آپ نے فرمایا تم میں سے جب کوئی شخص نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو وہ اپنے رب سے مناجات (چپکے چپکے کلام) کرتا ہے اس کا رب اس کے اور قبلہ کے درمیان ہوتا ہے' سو تم میں سے کوئی شخص قبلہ کی طرف نہ تھوکے لیکن بائیں جانب یا قدموں کے نیچے تھوکے (جب مسجد کا فرش کچا ہو) ورنہ اپنی چادر میں اس تھوک کو مل دے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۰۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۵۱' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۷۵۴' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۹۱۱۷' عالم الکتب)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ نمازی نماز میں اپنے رب سے چپکے چپکے باتیں کرتا ہے' یعنی اس کی حمد اور ثناء کرتا ہے اس سے صراط مستقیم کا سوال کرتا ہے اس کی پاکیزگی بیان کرتا ہے اس کی بارگاہ میں اپنی عبادات کے تحائف پیش کرتا ہے اس کے نبی پر سلام عرض کرتا ہے صلاۃ پڑھتا ہے اور اپنے لئے مغفرت کی دعا کرتا ہے اور آخر میں دائیں اور بائیں فرشتوں کو سلام کرتا ہے' یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب وہ خضوع اور خشوع سے نماز پڑھے اور جو کچھ زبان سے کہے دل اس کی طرف متوجہ ہو اور دل و دماغ حاضر ہو' اگر وہ غفلت' بے توجہی اور غائب دماغی کے ساتھ نماز پڑھے گا تو یہ مناجات اور رب کے ساتھ کلام حاصل نہیں ہو سکے گا' اس لئے ہم کہتے ہیں کہ غفلت اور بے توجہی سے نماز پڑھنا منع ہے اور حضور قلب اور خضوع اور خشوع کے ساتھ نماز پڑھنا واجب ہے۔

نماز میں خشوع کے وجوب کا محمل

ہم نے جو کہا ہے کہ نماز خشوع کے ساتھ پڑھنا واجب ہے یہ نماز کے ظاہری اجزاء کے اعتبار سے واجب نہیں ہے لہٰذا اس کے ترک سے سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا' یہ نماز کی صورت اور ظاہر کا متمم نہیں ہے بلکہ یہ نماز کے باطن کا متمم ہے' خشوع کو ترک کرنے سے نماز کے ظاہر میں نقص نہیں ہو گا بلکہ نماز کے باطن اور اس کی حقیقت میں نقص ہو گا' اور جس طرح نماز کی قبولیت میں کمال ظاہر ضروری ہے اسی طرح اس کا کمال باطن بھی ضروری ہے' خشوع نہ کرنے سے نماز کی فرضیت ساقط ہو جائے گی' سجدہ سہو بھی واجب نہیں ہو گا' لیکن اس نماز پر کوئی ثمرہ مرتب نہیں ہو گا۔ اور نماز پڑھنے سے جو نورانیت' للّٰہیت' تقویٰ اور طہارت اور صالحیت پیدا ہوتی ہے وہ حاصل نہیں ہو گی' امام غزالی اور امام رازی دونوں نے نماز میں خشوع کو واجب کہا ہے (احیاء العلوم ج ۱ص ۱۵۳' تفسیر کبیر ج ۸ص ۲۵۹) لیکن دونوں نے وجوب فقہی اور ظاہری اور وجوب سری اور باطنی میں فرق نہیں کیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ بے شک نماز بے حیائی کے کاموں سے اور برائیوں سے روکتی ہے۔ (العنکبوت: ۴۵)

اگر آپ نے نماز پڑھی اور اس کے باوجود آپ برے کام کر رہے ہیں اور نماز نے آپ کو بے حیائی اور برے کاموں سے نہیں روکا تو پھر اس کے دو ہی مطلب ہیں یا تو اللہ تعالیٰ کا یہ کلام غلط ہے اور یا پھر آپ نے نماز کی صورت میں جو کچھ پڑھا ہے وہ حقیقت میں نماز نہیں ہے اگر آپ نے حقیقت میں نماز پڑھی ہوتی تو پھر نماز آپ کو ضرور برے کاموں سے روکتی' اللہ تعالیٰ کا فرمان غلط نہیں ہے وہ سچا کلام ہے۔

نماز آپ کو بے حیائی اور برے کاموں سے ضرور روکے گی آپ خشوع اور خضوع سے نماز پڑھیں اس یقین کے ساتھ کہ آپ اللہ کے سامنے کھڑے ہیں اور وہ آپ کو دیکھ رہا ہے' پھر اس نماز پر تقویٰ اور صالحیت کا ثمرہ مرتب ہوگا۔ میں نے بہت محنت اور مشقت سے خشوع کی یہ بحث لکھی ہے اگر اس کو پڑھ کر ایک مسلمان بھی خشوع سے نماز پڑھنے لگا تو میری یہ محنت ٹھکانے لگ جائے گی!

خشوع کے فوائد

(۱) خشوع سے اللہ عزوجل کا ڈر اور خوف پیدا ہوتا ہے۔ (۲) خشوع ایمان اور حسن اسلام کے مظاہر میں سے ایک مظہر ہے۔ (۳) خشوع بندے کی نیکی اور استقامت کی دلیل ہے۔ (۴) اللہ کی عبودیت کا اعلان اور اس کے ماسوا کو ترک کرنا ہے۔ (۵) خشوع سے گناہ مٹ جاتے ہیں اور ثواب زیادہ ملتا ہے۔ (۶) عذاب اور سزا سے نجات ملتی ہے۔ (۷) جنت کی کامیابی ملتی ہے۔ (۸) قیامت کے دن خشوع کرنے والوں کا مرتبہ بلند ہوگا۔ (۹) خشوع انسان کی نظروں اور اس کے کندھوں کو جھکا کر رکھتا ہے۔ (۱۰) خشوع دل کی سختی کو دور کرتا ہے۔ (۱۱) نماز میں خشوع اخروی فلاح تک پہنچاتا ہے' (۱۲) جس شخص کے دل میں خشوع ہو شیطان اس کے پاس نہیں پھٹکتا۔

نماز میں خشوع کرنے والوں کی چند مثالیں

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ ذات الرقاع میں گئے' مسلمانوں میں سے کسی شخص نے کسی مشرک کی بیوی کو قتل کر دیا' اس مشرک نے قسم کھائی وہ اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھے گا جب تک کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے کسی کا خون نہیں بہائے گا' وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پیچھا کرتے ہوئے نکلا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جگہ پر قیام کیا' آپ نے پوچھا رات کو کون شخص ہمارا پہرہ دے گا' ایک شخص مہاجرین میں سے اور ایک شخص انصار میں سے اٹھا اور انہوں نے رات کو پہرہ دینے کی ذمہ داری قبول کی' آپ نے فرمایا تم دونوں گھاٹی کے منہ پر پہرہ دینا جب وہ دونوں گھاٹی کے منہ پر پہنچے تو مہاجر لیٹ گیا اور انصاری کھڑا ہو کر نماز پڑھنے لگا' جو شخص صحابہ کا پیچھا کر رہا تھا وہ بھی پہنچ گیا۔ جب اس نے انصاری کو دیکھا تو وہ سمجھ گیا کہ یہ قوم کا پہرہ دار ہے اس نے اس انصاری کو تاک کر تیر مارا اور لگاتار تین تیر مارے وہ اسی طرح رکوع اور سجدہ کرتے رہے' پھر ان کا مہاجر ساتھی بیدار ہو گیا' جب اس مشرک نے دیکھا کہ یہ خبردار ہو گئے ہیں تو وہ بھاگ گیا جب مہاجر نے انصاری کے جسم سے خون بہتے ہوئے دیکھا تو کہا جب تمہیں پہلا تیر لگا تو تم نے مجھے اٹھایا کیوں نہیں! اس نے کہا میں نماز میں جس سورت کی تلاوت کر رہا تھا اس کو منقطع کرنا نہیں چاہتا تھا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۹۸' دارالفکر بیروت: ۱۴۱۴ھ)

سبحان اللہ! یہ ہے نماز میں خشوع کا عالم جسم پر پیہم تیر لگ رہے ہیں خون بہہ رہا ہے اور صحابی رسول اسی طرح نماز پڑھ رہے ہیں۔

امام فخرالدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

عبادت میں مشغول ہونا جہان غرور سے جہان سرور کی طرف منتقل ہونا ہے' اور مخلوق کو چھوڑ کر خالق کے دربار میں پہنچنا ہے اور اس سے لذت اور خوشی کا کمال پیدا ہوتا ہے' امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے ایک سانپ چھت سے گر گیا لوگ ادھر ادھر بھاگ گئے اور امام ابوحنیفہ نماز میں مشغول تھے انہیں کچھ پتا نہیں چلا۔ اور حضرت عروہ بن الزبیر کے کسی عضو میں زخم ہو گیا اس زخم کے زہر کو پھیلنے سے روکنے کے لئے اس عضو کو کاٹنا ضروری تھا' جب حضرت عروہ نے نماز پڑھنی شروع کی تو لوگوں نے اس عضو کو کاٹ دیا اور عروہ کو اس عضو کے کٹنے کا مطلقاً پتا نہیں چلا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پڑھتے تھے تو آپ کے سینہ سے ایسی آواز آتی تھی جیسے ہنڈیا کے ابلنے کی آواز آتی ہے۔ اور جو شخص ان مثالوں کو مستبعد سمجھتا ہو اسے اس آیت کی تلاوت کرنی چاہیے:

فَلَمَّا رَاَیْنَهٗۤ اَكْبَرْنَهٗ وَ قَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ۔ جب مصر کی عورتوں نے یوسف کو دیکھا تو ان کو بہت بڑا جانا اور (پھل کے بجائے) اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے۔ (یوسف: ۳۱)

جب مصر کی عورتوں کے دلوں پر حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال کا غلبہ ہوا اور یہ غلبہ اس حد کو پہنچا کہ انہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے اور ان کو پتا نہ چلا' تو جب بشر کے حق میں یہ بے خودی اور سرشاری ممکن ہے تو جس کے دل پر اللہ تعالیٰ کے حسن و جمال اور اس کی عظمتوں کا غلبہ ہو اس کا اس طرح بے خود' سرشار اور مستغرق ہونا تو بہ درجہ اولیٰ ممکن ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۸ ص ۲۱۴-۲۱۳' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

ابوبکر بن منیر بیان کرتے ہیں کہ ایک دن امام محمد بن اسماعیل بخاری نے نماز پڑھی' زنبور (تتیہ یا بھڑ) نے ان کی پیٹھ پر سترہ جگہ ڈنک لگائے اور انہوں نے اپنی نماز منقطع نہیں کی' نماز پوری کرنے کے بعد انہوں نے شاگردوں سے کہا ذرا دیکھو تو یہ کیا چیز ہے جو نماز میں مجھے اذیت پہنچا رہی تھی انہوں نے دیکھا تو ان کی پیٹھ سترہ جگہ سے سوجی ہوئی تھی' اور انہوں نے نماز منقطع نہیں کی۔ محمد بن ابی حاتم وراق نے بھی اس واقعہ کو بیان کیا ہے انہوں نے اس واقعہ کے آخر میں کہا امام بخاری نے نماز نہ توڑنے کے متعلق بتایا میں جس آیت کی تلاوت کر رہا تھا' میں چاہتا تھا کہ میں اس آیت کو پورا کر لوں۔

(ھدی الساری ص ۶۶۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۲۱ھ)

ہم لوگ جو نماز میں چہرے سے مکھیوں کو اڑاتے رہتے ہیں جو جسم پر مکھی کو برداشت نہیں کرتے وہ امام بخاری کے اس خشوع کا کب اندازہ کر سکتے جن کی پیٹھ پر زنبور نے سترہ جگہ ڈنک لگائے اور وہ اسی طرح نماز پڑھتے رہے!

علامہ محمد بن یحیٰ حلبی التوفی ۹۶۳ھ لکھتے ہیں:

احمد بن صالح الجیلی بیان کرتے ہیں کہ میں سیدنا الشیخ عبدالقادر کے ساتھ مدرسہ نظامیہ میں تھا' آپ کے پاس فقراء اور فقہاء بیٹھے ہوئے تھے آپ ان کے سامنے قضاء اور قدر کے موضوع پر خطاب فرما رہے تھے اچانک ایک بہت بڑا سانپ چھت سے گرا تو آپ کی مجلس میں جتنے لوگ بیٹھے ہوئے تھے وہ سب بھاگ گئے اور سوائے حضرت شیخ کے اور کوئی بیٹھا نہ رہا وہ سانپ آپ کے کپڑوں کے نیچے داخل ہو گیا اور آپ کے جسم میں پھرتا رہا' پھر وہ آپ کی گردن میں لپٹ گیا اس کے باوجود آپ نے

اپنا خطاب منقطع نہیں کیا اور نہ اپنی نشست میں کوئی تغیر تبدل کیا' وہ سانپ پھر زمین پر اترا اور آپ کے سامنے اپنی دم پر کھڑا ہو گیا اور بلند آواز سے کچھ کلام کیا جس کو ہم سمجھ نہیں سکے پھر وہ سانپ چلا گیا اور پھر لوگ آپ کے پاس حجرہ میں آ گئے اور آپ سے پوچھا کہ سانپ نے آپ سے کیا کہا تھا اور آپ نے اس کا کیا جواب دیا تھا۔ آپ نے فرمایا سانپ نے مجھ سے کہا میں نے بہت سے اولیاء اللہ کو آزمایا لیکن آپ ایسا استقامت والا اور عالی ہمت کسی کو نہیں پایا' میں نے اس سانپ سے کہا جس وقت تم چھت سے مجھ پر گرے تھے میں اس وقت قضاء قدر کے مسئلہ پر خطاب کر رہا تھا اور تم تو صرف ایک سانپ ہو اور تم کو حرکت دینے والی اور ٹھہرانے والی چیز تو تقدیر ہے اور تقدیر سے کوئی شخص بھاگ نہیں سکتا تو میں نے یہ چاہا کہ میرا فعل میرے قول کے خلاف نہ ہو۔

اور سیدی عبدالرزاق ابن سیدنا الشیخ عبدالقادر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے اپنے والد سے سنا انہوں نے فرمایا میں ایک رات جامع المنصوری میں نماز پڑھ رہا تھا میں نے کسی چیز کے چلنے کی آہٹ سنی پس اچانک ایک بہت زہریلا سانپ آیا وہ میرے سجدہ کی جگہ پر اپنا پھن کھول کر بیٹھ گیا جب میں نے سجدہ کا ارادہ کیا تو اس کو اپنے ہاتھ سے ہٹا دیا اور سجدہ کر لیا' جب میں تشہد میں بیٹھا تو وہ میرے زانو پر سے چلتا ہوا میری گردن تک پہنچا پھر گردن میں لپٹ گیا' جب میں نے سلام پھیرا تو وہ نظر نہیں آیا دوسرے روز میں ظاہر الجامع کے کھنڈر میں گیا وہاں میں نے ایک شخص کو دیکھا اس کی آنکھیں طول میں پھٹی ہوئی تھیں (یعنی اس کی آنکھیں عرض میں نہیں طول میں تھیں) میں نے جان لیا کہ وہ جن ہے اس نے مجھ سے کہا میں ہی وہ زہریلا سانپ ہوں جس کو تم نے گزشتہ کل دیکھا تھا اور میں نے جس طرح آپ کو آزمایا ہے اس طرح میں نے بہت سے اولیاء اللہ کو آزمایا سو ان میں سے کوئی بھی آپ کی طرح ثابت قدم نہیں رہا' بعض وہ تھے جن کا ظاہر اور باطن دونوں مضطرب ہو گئے اور بعض وہ تھے جن کا ظاہر ثابت قدم رہا اور ان کا باطن مضطرب رہا اور میں نے آپ کو دیکھا کہ میری وجہ سے نماز میں آپ کا ظاہر مضطرب ہوا نہ باطن پھر اس نے میرے ہاتھ پر توبہ کرنے کی درخواست کی اور میں نے اس کو توبہ کرائی۔

(قلائد الجواہر ص ٣٤' مطبوعہ شرکتہ مکتبہ ومطبعہ مصطفیٰ البابی الحلبی واولادہ بمصر' ١٣٧٥ھ)

یہ وہ نفوس قدسیہ ہیں جو نماز میں اس طرح خشوع کرتے تھے کہ نماز میں ان کے جسم پر تیر لگے' خون بہے' ان کا عضو کاٹ دیا جائے' مسجد میں چھت سے سانپ گر جائے' زنبور جگہ جگہ ڈنک مارے اور نماز میں سانپ ان کی گردن سے لپٹ جائے تب بھی ان کی نماز کے خشوع میں کوئی فرق نہیں آتا تھا' اللہ تعالیٰ ان خاشعین کے تصدق اور توسل سے ہماری نمازوں میں بھی خشوع عطا فرمائے آمین۔

میں نے خشوع کی تحقیق میں بہت طویل گفتگو کی ہے اور یہ تحقیق ہماری اس کتاب کے خصائص میں سے ہے اور شاید کہ خشوع کی ایسی تحقیق قارئین کو اور کسی کتاب میں نہیں ملے گی فالحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی رسولہ محمد وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ اجمعین۔

المؤمنون: ٣ میں فرمایا اور جو لوگ لغو کاموں یا لغو باتوں سے اعراض کرنے والے ہیں۔

لغو کا لغوی معنی

ابن فارس نے کہا لغو کے دو معنی ہیں' ایک معنی ہے ایسی بات یا ایسا کام جو قابل شمار نہ ہو' دوسرا معنی ہے کسی چیز سے دل لگی کرنا۔ پہلے معنی کے اعتبار سے اونٹ کے جن بچوں کو دیت میں ادا نہیں کیا جاتا ان کو لغو کہتے ہیں۔ (مقاییس اللغۃ ج ۵ ص ٢٥٥)

ابن اثیر الجزری المتوفی ٦٠٦ھ نے کہا جب کوئی چیز ساقط کی جائے تو کہتے ہیں الغی' وہ کام یا وہ بات جو ساقط کرنے کے

لائق ہو اس کو لغو کہتے ہیں۔ (النہایہ ج ۴ ص ۲۲۲-۲۲۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

حدیث میں ہے:

من قال لصاحبہ والامام یخطب صہ فقد لغا۔ امام کے خطبہ جمعہ کے دوران جس نے اپنے ساتھی سے کہا خاموش رہو اس نے لغو بات کی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۹۳۴ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۵۱ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۵۱۲ سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۴۰۱)

من مس الحصی فقد لغا۔ جس نے (نماز جمعہ میں) کنکریوں کو چھوا اس نے لغو کام کیا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۵۷ سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۱۰۵۰ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۴۹۸ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۰۹۰)

لغو کا اصطلاحی معنی

علامہ مناوی متوفی ۱۰۰۲ھ نے کہا جو کام زبان پر بغیر قصد اور عزم کے جاری ہو اس کو لغو کہتے ہیں۔

(التوقیف علی مہمات التعریف القاہرہ: ۱۴۱۰ھ)

علامہ میر سید شریف جرجانی متوفی ۸۱۶ھ نے کہا جو کلام ساقط الاعتبار ہو یا جس کلام سے کوئی حکم ثابت نہ ہو اس کو لغو کہتے ہیں۔ (التعریفات ص ۱۳۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۸ھ)

علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ نے کہا جو کلام قابل شمار نہ ہو اس کو لغو کہتے ہیں، جو بات آدمی بے سوچے سمجھے کہہ دے اس کو لغو بات کہتے ہیں اور ہر بری بات کو بھی لغو کہتے ہیں۔ (المفردات ج ۲ ص ۵۸۲ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

امام شافعی کے نزدیک بغیر عزم کے جو قسم کھائی جائے وہ یمین لغو ہے جیسے کوئی شخص بات بات پر لا واللہ، بلیٰ واللہ کہے، اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک انسان کسی ایسی بات پر قسم کھائے جو اس کے اعتقاد کے موافق ہو اور واقع کے موافق نہ ہو وہ یمین لغو ہے کیونکہ اس میں نہ گناہ ہے اور نہ کفارہ ہے، اس کی مفصل بحث ہم البقرہ: ۲۲۵ تبیان القرآن ج ۱ ص ۸۳۵-۸۲۹ میں کر چکے ہیں۔

المؤمنون: ۴ میں فرمایا اور جو زکوٰۃ ادا کرنے والے ہیں۔

زکوٰۃ کے معانی

ابو مسلم نے کہا ہر پسندیدہ اور مستحسن فعل کو زکوٰۃ کہتے ہیں، قرآن مجید میں ہے:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى (الاعلیٰ: ۱۴) جس نے اپنا باطن صاف کر لیا وہ کامیاب ہو گیا۔

فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ (النجم: ۳۲) تم اپنی تعریف اور تحسین نہ کرو۔

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا (التوبۃ: ۱۰۳) ان کے مالوں سے صدقہ لے کر ان کو پاک کریں اور ان کے باطن کو صاف کریں۔

اس آیت میں زکوٰۃ کا یہی معنی مراد ہے، زکوٰۃ کا دوسرا معنی ہے: بہ قدر نصاب مال پر جب ایک سال گزر جائے تو اس میں سے ڈھائی فیصد مال نکال کر فقراء اور مساکین کو دینا، اس آیت سے زکوٰۃ کا یہ معنی مراد نہیں ہے کیونکہ اس معنی میں زکوٰۃ مدینہ منورہ میں فرض ہوئی تھی اور یہ سورت مکی ہے، اس کا معنی یہی ہے کہ وہ اچھے اور نیک کام کرتے ہیں، المؤمنون کے مقدمہ میں ہم نے اس کی زیادہ تفصیل کی ہے۔

المؤمنون: ۷-۵ میں فرمایا: اور جو لوگ اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں، سوا اپنی بیویوں کے یا باندیوں کے، سو بے شک ان میں وہ ملامت کئے ہوئے نہیں ہیں۔ اور جس نے ان کے علاوہ کسی اور کو طلب کیا سو وہی لوگ اللہ کی حدود سے

تجاوز کرنے والے ہیں۔

بغیر نکاح کے باندیوں سے جنسی عمل کرنے کے جواز کی توجیہ

اس آیت میں یہ اجازت دی گئی ہے کہ انسان اپنی باندیوں سے بھی جنسی خواہش پوری کر سکتا ہے اور اس میں اس پر کوئی ملامت نہیں ہے' اس پر یہ اعتراض ہے کہ اسلام نے بغیر نکاح کے باندیوں سے جنسی خواہش پوری کرنے کی اجازت دی ہے اور بغیر نکاح کے جنسی عمل کرنا بہت معیوب اور مذموم فعل ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ نکاح سے جنسی عمل کرنے کے جواز کی کیا علت ہے! نکاح میں دو گواہوں کے سامنے ایجاب اور قبول ہوتا ہے' لیکن اگر کوئی شخص پانچ عورتوں سے بیک وقت نکاح کر لے تو پانچویں عورت سے جنسی عمل جائز نہیں ہوگا حالانکہ اس کے ساتھ بھی گواہوں کے سامنے ایجاب و قبول ہوا ہے' اسی طرح اگر دو بہنوں سے بیک وقت نکاح کر لے پھر بھی نکاح کے باوجود ان سے جنسی عمل جائز نہیں ہوگا' اگر کسی مشرکہ سے نکاح کر لے تو گواہوں کے سامنے ایجاب و قبول کے باوجود اس سے جنسی عمل جائز نہیں ہوگا' اور اگر کسی ایک مسلمان عورت سے ہی نکاح کرے تو اس سے بھی حیض اور نفاس کے ایام میں جنسی عمل جائز نہیں ہوگا' حالانکہ ان تمام صورتوں میں نکاح تو ہے تو پھر اس منکوحہ سے جنسی عمل کیوں جائز نہیں ہے؟ اس کا ایک ہی جواب ہے کہ کسی عورت سے جنسی عمل کے جواز کی علت صرف نکاح نہیں ہے بلکہ اس کی علت اللہ تعالیٰ کی اجازت ہے وہ اگر اجازت نہ دے تو نکاح کے باوجود عورت سے جنسی عمل کرنا جائز نہیں ہے اور اگر وہ اجازت دے دے تو نکاح کے بغیر بھی باندیوں سے جنسی عمل کرنا جائز ہے۔

اس دور میں غلام اور باندی بنانے کا عدم جواز

واضح رہے کہ اب دنیا میں غلاموں اور لونڈیوں کا چلن ختم ہو چکا ہے اسلام میں جنگی قیدیوں کو غلام اور لونڈیاں بنانا اس وقت مشروع تھا جب دشمن ہمارے جنگی قیدیوں کو غلام اور لونڈیاں بناتے تھے' اور اب جبکہ تمام دنیا میں جنگی قیدیوں کو تبادلہ میں چھوڑ دیا جاتا ہے اور انسانوں کو غلام بنانا مذموم سمجھا جاتا ہے تو اسلام جو مکارم اخلاق کا سب سے بڑا داعی اور مبلغ ہے' اس میں بھی اب جنگی قیدیوں کو غلام اور لونڈیاں بنانا جائز نہیں ہے' جنگی قیدیوں کے متعلق اسلام کی ہدایت یہ ہے:

فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ط حَتَّىٰ إِذَا أَثْخَنتُمُوهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ لا فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً حَتَّىٰ تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا. (محمد: ۴)

سو جب تمہارا کافروں سے مقابلہ ہو تو ان کی گردنوں پر وار کرو' حتیٰ کہ جب تم ان کا اچھی طرح خون بہا چکو تو ان کو مضبوطی سے باندھ کر گرفتار کر لو پھر خواہ تم ان پر احسان کر کے انہیں بلا معاوضہ آزاد کر دو یا ان سے مالی یا جانی فدیہ لے کر انہیں آزاد کر دو۔

مالی فدیہ سے مراد یہ ہے کہ ان سے رقم یا ہتھیار اور ساز و سامان لے کر انہیں آزاد کر دیا جائے' اور جانی فدیہ سے مراد یہ ہے کہ ان کا اپنے جنگی قیدیوں سے تبادلہ کر لیا جائے۔ اس کی زیادہ تفصیل تبیان القرآن ج ۴ ص ۶۸۲-۶۷۶ میں ملاحظہ فرمائیں۔

عورتوں کا غلاموں سے جنسی عمل کرانا' ہم جنس پرستی' استمناء بالید اور متعہ

اس جگہ ایک اور اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ جس طرح مردوں کے لئے جائز ہے کہ وہ بغیر نکاح کے اپنی باندیوں سے جنسی عمل کریں کیا اس طرح عورتوں کے لئے بھی جائز ہے کہ وہ بغیر نکاح کے اپنے غلاموں سے جنسی عمل کرائیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ صریح فحشاء اور بے حیائی ہے' اور قرآن مجید میں زنا اور بے حیائی کو سخت حرام فرمایا ہے۔ اور مردوں کا اپنی باندیوں سے جنسی عمل کرنا قرآن مجید کی متعدد نصوص اور بہ کثرت احادیث سے جائز ہے اور اس آیت میں بھی ماملکت ایمانھم کی ضمیر

مذکر ہے جو مردوں کی طرف راجع ہے یعنی مرد جن باندیوں کے مالک ہیں ان سے بغیر نکاح کے جنسی عمل کر سکتے ہیں نہ یہ کہ عورتیں جن مردوں کی مالک ہیں ان سے جنسی عمل کر سکتی ہیں' اس آیت میں بیویوں اور باندیوں کے ماسوا سے جنسی لذت حاصل کرنے کو حرام فرمایا ہے' اس سے لواطت یعنی مردوں کا مردوں سے جنسی عمل کرنا یا عورتوں کا عورتوں سے جنسی لذت حاصل کرنا بھی حرام ہے' اسی طرح کوئی شخص اپنے ہاتھ سے یا اپنی ران سے رگڑ کر منی نکالے یہ بھی اس آیت سے حرام ہے' اس سلسلہ میں ایک حدیث بیان کی جاتی ہے ناکح الیدملعون' ہاتھ سے نکاح کرنے والا ملعون ہے۔ ملا علی قاری نے اس کے متعلق لکھا ہے:

اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے۔ (الاسرار المرفوعہ فی احادیث الموضوعہ ص ۲۵۷' مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۰۵ھ)

علامہ ابو عبداللہ مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں کہ امام مالک سے استمناء بالید کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے اس آیت کو پڑھا۔ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی نے اس کو حرام کہا ہے الا یہ کہ کسی شخص کو غلبہ شہوت کی وجہ سے اپنے نفس پر زنا کا خطرہ ہو' امام احمد بن حنبل نے باوجود بہت زیادہ پرہیز گار ہونے کے اس عمل کو جائز کہا ہے انہوں نے کہا یہ ضرورت کے وقت اپنے بدن سے فضلہ کو خارج کرنا ہے جیسے فصد لگواتے ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۲ ص ۹۹' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اس آیت میں چونکہ بیویوں اور باندیوں کے سوا ہر طریقہ سے جنسی عمل کو حرام فرما دیا ہے اس لئے بعض مفسرین مثلاً امام رازی' علامہ قرطبی اور علامہ آلوسی وغیرہم نے اس آیت سے متعہ کو بھی حرام قرار دیا ہے کیونکہ ممتوعہ عورت کو بیوی نہیں کہا جاتا۔ بیوی شوہر کی وارث ہوتی ہے اور ممتوعہ وارث نہیں ہوتی' بیوی کے لئے نکاح' طلاق' ایلاء' ظہار اور عدت وغیرہ کے احکام ہیں جب کہ ممتوعہ کے لئے ان میں سے کوئی حکم نہیں ہوتا اس لئے ممتوعہ بیوی نہیں ہے نہ باندی ہے اس لئے اس کے ساتھ بھی جنسی عمل ناجائز ہوا' لیکن یہ استدلال کمزور ہے کیونکہ یہ سورت مکی ہے اور مدینہ منورہ میں متعہ ہوتا رہا تھا پھر سات ہجری میں غزوۂ خیبر کے موقع پر متعہ کو پہلی بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام قرار دیا پھر فتح مکہ کے موقع پر اس کو تین دن کے لئے حلال قرار دیا اور پھر اس کو آخری بار قطعی طور پر آپ نے حرام قرار دے دیا' متعہ کی حرمت پر ہم اس آیت سے استدلال کرتے ہیں۔

وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ (النور: ۳۳)

اور جو لوگ نکاح کی طاقت نہیں رکھتے ان پر لازم ہے کہ وہ ضبط نفس کریں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل سے غنی کر دے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے غیر مبہم الفاظ میں واضح فرما دیا ہے کہ اگر نکاح نہیں کر سکتے تو ضبط نفس کرو' اگر متعہ جائز ہوتا تو نکاح کی استطاعت نہ ہونے کی صورت میں متعہ کی اجازت دے دی جاتی اور جب متعہ کی اجازت کے بجائے ضبط نفس کا حکم دیا ہے تو معلوم ہو گیا کہ اسلام میں متعہ کے جواز کا کوئی تصور نہیں' اور سورہ نور مدنی ہے اس لئے سورہ نور کی اس آیت سے حرمت متعہ پر استدلال کرنے پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ ہم نے حرمت متعہ کی تفصیلی بحث النساء: ۲۴ تبیان القرآن ج ۲ ص ۶۳۲- ۶۲۹ میں کی ہے دیکھئے۔

المؤمنون: ۸ میں فرمایا اور جو لوگ اپنی امانتوں اور عہد کی پاسداری کرنے والے ہیں۔

امانت اور عہد کی حفاظت کرنے کا حکم

کسی شخص پر اعتماد کر کے لوگ اس کے پاس اپنی کوئی چیز حفاظت کے لئے رکھ دیں اس کو امانت کہتے ہیں' اس کا حکم یہ ہے کہ اگر امین نے اس چیز کی پوری پوری حفاظت کی اور اس میں کوئی کوتاہی نہیں کی تو اس سے کوئی تاوان وصول نہیں کیا جائے گا' اور اگر اس نے اس چیز کی حفاظت میں کوئی کوتاہی کی تھی جس وجہ سے وہ چیز ضائع ہو گئی تو اس کو اس چیز کا تاوان دینا ہو گا یا اس کی مثل واپس کرنی ہو گی۔

عہد کا معنی ہے قول' اقرار' پیمان اور معاہدہ وغیرہ' علامہ راغب اصفہانی نے لکھا ہے کہ کسی چیز کی حفاظت اور اس کی بتدریج رعایت کرنے کو عہد کہتے ہیں اور جس چیز کا عہد کیا جائے اس کو پورا کرنا لازم ہے' قرآن میں ہے:

وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا ○ اور عہد کو پورا کرو کیونکہ عہد کے متعلق سوال کیا جائے گا۔

(بنی اسرائیل: ۳۴)

عہد کی کئی قسمیں ہیں: (۱) اللہ کا عہد کبھی ہماری عقلوں میں مرکوز اور ہماری فطرت میں پیوست ہوتا ہے جیسے اللہ پر ایمان لانے کا عہد ہماری عقلوں میں مرکوز ہے۔ (۲) اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی وساطت سے کتاب اور سنت کے ذریعہ ہم سے یہ عہد لیا ہے کہ ہم اس کے تمام احکام پر عمل کریں گے۔ (۳) کبھی کوئی عبادت ابتداءً ہم پر لازم نہیں ہوتی ہم نذر مان کر اس عبادت کو اپنے اوپر فرض کر لیتے ہیں یہ نذر بھی ہمارا عہد ہے۔ (۴) دو عقد کرنے والے آپس میں کوئی بات طے کر لیتے ہیں اور اس کو وثیقہ یا اسٹامپ پیپر پر لکھ لیتے ہیں۔ (۵) مسلمان حکومتیں کافر حکومتوں سے باہمی دلچسپی کا کوئی معاملہ طے کر لیتی ہیں مثلاً تجارت' یا صنعت و حرفت اور ثقافت سے متعلق امور۔ (۶) مسلمان حکومت اہل کتاب سے جزیہ لے کر ان کے جان و مال کی حفاظت کرنے کا وعدہ کرتی ہے اس کو بھی عہد کہتے ہیں' عہد کی ان تمام اقسام کا پورا کرنا لازم ہے۔

(المفردات ج ۲ ص ۴۵۵' ملخصاً و موضحاً' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

اس آیت میں امانت اور عہد سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے پاس اپنے احکام شرعیہ کی امانت رکھی ہے اور ان سے یہ عہد لیا ہے کہ وہ اس کے احکام پر عمل کریں گے اور کلمہ اسلام پڑھتے ہی انسان اس کا امین اور اس عہد کا ذمہ اٹھانے والا ہو جاتا ہے' اور اس سے مراد تمام احکام شرعیہ کا پورا کرنا ہے خواہ وہ فرائض اور واجبات ہوں یا محرمات اور مکروہات ہوں۔ ہم نے النساء: ۵۸ میں امانت پر بہت مفصل گفتگو کی ہے دیکھیے تبیان القرآن ج ۲ ص ۷۰۳-۶۹۸

المؤمنون: ۹ میں فرمایا اور وہ لوگ جو اپنی نمازوں کی نگہبانی کرنے والے ہیں۔

نماز کو سستی اور غفلت سے پڑھنے اور وقت نکلنے کے بعد پڑھنے کی ممانعت

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جو لوگ نماز کو اپنے وقت پر پڑھ لیتے ہیں اور نماز کو ضائع نہیں کرتے اور نماز کے وقت میں کسی اور کام میں مشغول نہیں ہوتے' اور اس کا معنی یہ بھی ہے کہ جو لوگ نماز کو دائماً پڑھتے ہیں۔

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس وقت تمہارا کیا حال ہو گا جب تم پر ایسے حکام مسلط ہوں گے جو نماز کو اس کے وقت سے مؤخر کر کے پڑھیں گے یا نماز کا وقت ضائع کر کے پڑھیں گے' میں نے پوچھا کہ اس صورت میں آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا تم نماز کو اس کے وقت میں پڑھ لو' پھر اگر تم نماز میں ان سے مل جاؤ تو پڑھ لو یہ تمہاری نفل نماز ہو گی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۳۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۴۸' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۷۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۲۵۷)

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں جو عبادت کے معمولات تھے میں اب ان میں سے کسی کو نہیں پہچانتا' ان سے کہا گیا کہ نماز؟ انہوں نے کہا کیا تم نماز میں بھی ان چیزوں کو ضائع نہیں کر چکے جن کو ضائع کر چکے ہو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۲۹' مطبوعہ دار ارقم بیروت)

زہری بیان کرتے ہیں کہ میں دمشق میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو وہ رو رہے تھے' میں نے پوچھا آپ کو کیا چیز رلا رہی ہے' انہوں نے کہا میں جن چیزوں کو جانتا تھا اب ان میں سے کوئی چیز باقی نہیں رہی سوا اس نماز کے اور یہ

نماز بھی ضائع کی جا چکی ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۳۰ دار ارقم بیروت)

العلاء بن عبدالرحمٰن بیان کرتے ہیں کہ ہم بصرہ میں ظہر کی نماز پڑھنے کے بعد حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے گھر گئے اور ان کا گھر مسجد کے پہلو میں تھا' جب ہم ان کے پاس گئے تو انہوں نے پوچھا کیا تم لوگوں نے عصر کی نماز پڑھ لی ہے؟ ہم نے کہا ہم تو ابھی ظہر کی نماز پڑھ کر آ رہے ہیں' انہوں نے کہا عصر کی نماز پڑھو' ہم نے ان کے ساتھ نماز پڑھی جب ہم نماز سے فارغ ہو گئے تو انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ یہ منافق کی نماز کا وقت ہے' وہ بیٹھ کر سورج کا انتظار کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ جب سورج شیطان کے دو سینگوں کے درمیان ہو جاتا ہے تو وہ کھڑا ہو کر چار ٹھونگیں مار لیتا ہے اور وہ نماز میں بہت کم اللہ کا ذکر کرتا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۲۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۱۳' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۰' سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۱۱)

اللہ تعالیٰ نے سستی اور غفلت سے نماز پڑھنے اور نماز ضائع کرنے کی بہت مذمت فرمائی ہے:

وَإِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ○ (النساء: ۱۴۲)

اور منافق جب نماز پڑھنے کھڑے ہوتے ہیں تو بہت سستی سے کھڑے ہوتے ہیں' لوگوں کو دکھانے کے لئے پڑھتے ہیں اور اللہ کا ذکر بہت کم کرتے ہیں۔

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ○ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ○ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ○ (الماعون: ۶-۴)

ان نمازیوں پر افسوس اور عذاب ہے' جو اپنی نماز سے غافل رہتے ہیں' اور جو ریاکاری کرتے ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ نماز کو ضائع کرنے کا مطلب ہے نماز کا وقت نکلنے کے بعد نماز کو پڑھنا' امام ابن سعد نے الطبقات میں یہ حدیث بیان کی ہے: ثابت بنانی بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے حجاج نے نماز میں تاخیر کر دی' حضرت انس نے ارادہ کیا کہ اس سے بات کریں تو ان کے دوستوں نے حضرت انس پر شفقت کرتے ہوئے ان کو اس سے منع کیا' پھر حضرت انس اپنی سواری پر بیٹھ کر گئے اور راستے میں کہہ رہے تھے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں عبادت کے جو معمولات دیکھتا تھا اب ان میں سے کسی کو نہیں پاتا ماسوا لا الٰہ الا اللہ کی شہادت کے' ایک شخص نے کہا اے ابوحمزہ! اور نماز! حضرت انس نے کہا تم ظہر کو مغرب کے وقت پڑھتے ہو کیا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تھی؟

(فتح الباری ج ۲ ص ۱۹۶' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

علامہ ابوالحسین علی بن خلف بن عبدالملک المعروف بابن بطال المتوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

حضرت انس نے جو فرمایا تھا کہ تم نے نماز کو ضائع نہیں کر دیا اس سے ان کی مراد تھی تم نماز کو اس کا مستحب وقت نکلنے کے بعد تاخیر سے پڑھتے ہو' ان کی مراد یہ نہیں تھی کہ تم نماز کا وقت نکلنے کے بعد نماز پڑھتے ہو' قرآن مجید میں ہے:

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ○ (مریم: ۵۹)

پھر ان کے بعد ایسے برے لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے نماز ضائع کر دی اور نفسانی خواہشوں کے پیچھے پڑ گئے وہ عنقریب دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے۔

اس کی تفسیر میں یہ کہا گیا ہے کہ انہوں نے اس طرح نماز کو ضائع نہیں کیا تھا کہ نماز کو ترک کر دیا تھا اگر وہ نماز کو ترک کر دیتے تو وہ کافر ہو جاتے' لیکن انہوں نے نمازوں کو ان کے اوقات سے مؤخر کر دیا تھا۔

(شرح صحیح البخاری لابن بطال ج ۲ ص ۱۵۷' مطبوعہ مکتبۃ الرشد ریاض' ۱۴۲۰ھ)

نماز کے اوقات ضائع کرنے سے مراد ہے وقت پر نماز نہ پڑھنا' جب جی چاہا نماز پڑھ لی' یا بلا عذر نمازیں اکٹھی کر کے پڑھنا' کبھی دو نمازیں' کبھی چار نمازیں اور کبھی پانچوں نمازیں اکٹھی کر کے پڑھنا' یہ تمام صورتیں نماز کو ضائع کر کے پڑھنے کی ہیں۔ اس کا مرتکب سخت گناہ گار ہے اور وہ اس آیت میں مذکور وعید کا مستحق ہے' غی دوزخ کی ایک وادی کا نام ہے۔

علامہ ابن بطال نے نماز کو ضائع کرنے کی تفسیر اس کے مستحب وقت نکلنے کے بعد نماز پڑھنے سے کی ہے یہ صحیح نہیں ہے' نماز کو ضائع کرنا یہی ہے کہ نماز کا وقت نکلنے کے بعد اس کو پڑھا جائے جیسا کہ حافظ ابن حجر نے طبقات کے حوالے سے بیان کیا ہے۔

المؤمنون: ۱۱-۱۰ میں فرمایا وہی لوگ وارث ہیں ○ جو الفردوس کی وراثت پائیں گے' وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

کیا جنت میں دخول صرف ان ہی صفات سے ہوگا جن کا المؤمنون کی ابتداء میں ذکر ہے؟

اس آیت سے بہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ صرف وہی مومن جنت میں جائیں گے جو اپنی نمازوں میں خشوع کریں گے' لغو باتوں سے اعراض کریں گے اپنا باطن صاف کریں گے' جو اپنی پاک دامنی کی حفاظت کریں گے' جو اپنے عہد اور امانت کا پاس کریں گے اور جو اپنی نمازوں کی حفاظت کریں گے' حالانکہ اس آیت میں مومنوں کے نیک کاموں کے کرنے کا ذکر ہے اور ممنوعات سے بچنے کا ذکر نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ عہد اور امانت تمام قسم کے احکام شرعیہ کو شامل ہیں خواہ وہ فرائض اور واجبات ہوں یا محرمات اور مکروہات ہوں۔

اس پر دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اس آیت سے بہ ظاہر حصر معلوم ہوتا ہے کہ صرف وہی مومن جنت میں جائیں گے جو تمام احکام شرعیہ پر عمل کرتے ہوں حالانکہ بچے اور مجنون بھی جنت میں جائیں گے اور عفو کے بعد فساق بھی جنت میں جائیں گے' اس کا جواب یہ ہے کہ عفو کے بعد فساق ان مومنین کے ساتھ لاحق ہو جائیں گے اور رہے بچے اور مجنون تو وہ غیر مکلف ہیں اور اس آیت میں مکلفین کے اعتبار سے حصر ہے' اور اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ مومنین اصالتاً جنت میں جائیں گے اور بچے اور مجنون ان کے تابع ہو کر جنت میں جائیں گے۔

الفردوس کا معنی اور اس کے متعلق احادیث

فردوس حبشی یا رومی زبان کا لفظ ہے' یہ فارسی زبان سے لیا گیا ہے' فارسی میں فردوس اس باغ کو کہتے ہیں جس کے درخت پھیلتے جائیں' اور قبطی زبان میں فردوس انگور کی بیلوں کو کہتے ہیں' قاموس اور منتہی الارب میں مذکور ہے کہ فردوس پانی کی اس چھوٹی سی نہر کو کہتے ہیں جس میں ہر طرف سبزہ اگا ہوا ہو اور جس باغ کے اندر ہر طرح کے پھل اور پھول ہوں۔

(تاج العروس ج ۴ ص ۲۰۵' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں سو درجے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں کے لئے تیار کیا ہے' ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان اور زمین کے درمیان فاصلہ ہے۔ پس جب تم اللہ سے سوال کرو تو الفردوس کا سوال کرو کیونکہ وہ جنت کا اوسط ہے اور سب سے بلند درجہ ہے' اس کے اوپر رحمٰن کا عرش ہے اور اس سے جنت کے دریا نکلتے ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۷۹۰' مسند احمد رقم الحدیث: ۸۴۰۰' عالم الکتب بیروت)

یہ حدیث حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۳۱' مسند احمد ج ۵ ص ۳۱۶)

جنت کے وارث ہونے کا معنی

اس آیت میں فرمایا ہے کہ مومنین جنت الفردوس کے وارث ہوں گے' اس وراثت کی دو طرح توجیہ ہے' ایک یہ کہ انسان دنیا میں کچھ مال و متاع کو تو اپنے قوت بازو سے حاصل کرتا ہے اور اس میں اس کی محنت اور کسب کا دخل ہوتا ہے' اور کچھ مال اس کو وراثت سے ملتا ہے مثلاً کوئی عزیز کچھ مال اور ترکہ چھوڑ کر مر گیا اور وہ اس کو وراثت سے مل گیا تو اس مال میں اس کی محنت اور کسب اور اس کے کسی استحقاق کا دخل نہیں ہوتا' اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مؤمنوں کو جنت بہ طور وراثت ملے گی یعنی اس میں ان کی محنت اور ان کے عمل کا کوئی دخل نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو جنت ان کے کسی حق کے بغیر محض اپنے فضل سے عطا فرمائی ہے' اور اس کی دوسری توجیہ یہ ہے کہ وراثت میں انسان کو کسی کا ترکہ ملتا ہے اور آخرت میں مومنوں کو ایک جنت تو اپنی ملے گی اور ننانوے جنتیں کفار کے ترکہ سے ملیں گی جو ان کے لئے بنائی گئی تھیں وہ اپنے کفر کی وجہ سے دوزخ میں چلے گئے اور اپنی جنتوں کو ترکہ میں چھوڑ گئے جو مومنوں کو وراثت میں دے دی جائیں گی' جیسا کہ حسب ذیل احادیث سے ظاہر ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے ہر شخص کے دو ٹھکانے ہیں ایک ٹھکانہ جنت میں ہے اور ایک ٹھکانہ دوزخ میں ہے' پس جو انسان مر جاتا ہے اور دوزخ میں چلا جاتا ہے تو اہل جنت اس کے ٹھکانے کے وارث ہو جاتے ہیں' اور اللہ عزوجل نے جو فرمایا ہے **اولئک ھم الوارثون** اس کا یہی معنی ہے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۴۱-اس حدیث کی سند صحیح ہے)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ مومنین جنت میں اپنے ٹھکانوں کے وارث ہوں گے اور اپنے ان بھائیوں کے ٹھکانوں کے وارث ہوں گے جو اگر اللہ کی اطاعت کرتے تو ان ٹھکانوں میں رہتے جو ان کے لئے تیار کئے گئے تھے۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۹۲۵۲' المستدرک ج ۲ ص ۳۹۳' حاکم نے کہا یہ حدیث صحیح ہے اور ذہبی نے بھی اس کی موافقت کی ہے)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا○ پھر ہم نے اس کو نطفہ بنا کر ایک محفوظ جگہ میں رکھ دیا○ پھر ہم نے نطفہ کو جما ہوا خون بنا دیا' پھر ہم نے اس جمے ہوئے خون کو گوشت کا لوتھڑا بنا دیا' پھر ہم نے اس گوشت کو ہڈیاں بنا دیا' پھر ہم نے ان ہڈیوں پر گوشت پہنا دیا' پھر اس کے بعد دوسری تخلیق میں انسان کو پیدا کر دیا' پس اللہ برکت والا ہے جو سب سے حسین پیدا کرنے والا ہے○ پھر اس کے بعد تم (سب) ضرور مرنے والے ہو○ پھر یقیناً تم سب قیامت کے دن اٹھائے جاؤ گے○ (المؤمنون: ۱۶-۱۲)

تخلیق انسان کے مراحل کی حدیث

روایت ہے کہ جب حضرت عمر نے المؤمنون: ۱۵ کو یہاں تک سنا پھر اس کے بعد دوسری تخلیق میں انسان کو پیدا کر دیا تو ان کے منہ سے بے اختیار نکلا **فتبارک اللہ احسن الخالقین** تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ آیت اسی طرح نازل ہوئی ہے' حافظ ابن کثیر نے اس تفسیر کو امام ابن ابی حاتم سے روایت کیا ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۶۹' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ عبداللہ بن ابی سرح نے اس طرح کہا تھا اس نے کہا **فتبارک اللہ احسن الخالقین** تو یہ آیت اسی طرح نازل ہوگئی وہ مرتد ہو گیا اس نے کہا مجھ پر بھی قرآن اسی طرح نازل ہوتا ہے جس طرح (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کے رد میں یہ آیت نازل فرمائی:

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِیَ اِلَیَّ وَلَمْ یُوْحَ اِلَیْهِ شَیْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ (الانعام: ۹۳)

اس سے زیادہ کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹ افتراء باندھتا ہے اور جو کہتا ہے کہ مجھ پر وحی کی گئی ہے حالانکہ اس پر کچھ وحی نہیں کی گئی اور جو کہتا ہے میں عنقریب اس طرح نازل کروں گا جس طرح اللہ نے نازل کیا ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۱۲ ص ۱۰۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

ان آیتوں میں انسان کی تخلیق کے جو مراحل بیان کئے گئے ہیں حدیث میں بھی اسی طرح انسان کی تخلیق کے مراحل کا بیان کیا گیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور آپ صادق اور مصدوق ہیں' بے شک تم میں سے کسی ایک کی خلقت کو اس کی ماں کے پیٹ میں چالیس دن تک رکھا جاتا ہے پھر چالیس دن تک وہ جما ہوا خون ہوتا ہے پھر چالیس دن میں وہ گوشت بن جاتا ہے' پھر اللہ فرشتہ بھیجتا ہے جو اس میں روح پھونک دیتا ہے اور اس کو چار کلمات لکھنے کا حکم دیا جاتا ہے وہ اس کا رزق لکھتا ہے اس کی موت حیات لکھتا ہے اس کا عمل لکھتا ہے اور اس کا شقی یا سعید ہونا لکھتا ہے۔ پس اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے تم میں سے کوئی شخص اہل جنت کے سے عمل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے پھر اس پر کتاب (تقدیر) سبقت کرتی ہے وہ اہل دوزخ کے عمل کرتا ہے اور دوزخ میں داخل ہو جاتا ہے' اور تم میں سے کوئی شخص اہل دوزخ کے سے عمل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے پھر اس پر کتاب (تقدیر) سبقت کرتی ہے اور وہ اہل جنت کے عمل کرتا ہے اور جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۴۳' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۹۴' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۷۰۸' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۳۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۷۶' سنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۲۴۶)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے تمہارے اوپر سات راستے بنائے اور ہم اپنی مخلوق سے غافل نہیں ہیں ○ اور ہم نے ایک اندازے کے مطابق آسمان سے پانی نازل کیا پھر اس کو زمین میں ٹھہرایا اور بے شک ہم اس کو (بہا کر) لے جانے پر بھی قادر ہیں ○ پھر ہم نے اس پانی سے تمہارے لئے کھجور اور انگور کے باغات اگائے جن میں تمہارے لئے بہ کثرت پھل ہیں اور جن سے تم کھاتے ہو ○ اور وہ درخت (زیتون) پیدا کیا جو طور سیناء سے نکلتا ہے جو تیل نکالتا ہے اور کھانے والوں کا سالن ہے ○ اور تمہارے لئے چوپایوں میں ضرور مقام غور ہے ہم تمہیں ان میں سے وہ (دودھ) پلاتے ہیں جو ان کے پیٹوں میں ہے اور تمہارے لیے ان میں بہت زیادہ فائدے ہیں اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے ہو ○ اور ان مویشیوں پر اور کشتیوں پر تم سوار کئے جاتے ہو ○ (المؤمنون: ۲۲-۱۷)

مخلوق کی ضروریات اور مصلحتوں کی رعایت

اس آیت میں راستوں کے لئے طرائق کا لفظ ہے یہ طریقہ کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے راستہ' یہاں اس سے مراد آسمان ہیں عربی میں اوپر تلے کی چیزوں کو بھی طریقہ کہتے ہیں' آسمان بھی اوپر تلے ہیں اس لئے انہیں طرائق فرمایا' یا طریقہ راستہ کے معنی میں ہے کیونکہ ملائکہ کے آنے جانے کے لئے آسمان گزرگاہ اور راستہ ہے' فرشتے آگ کے گولے بھی آسمانوں سے پھینکتے ہیں اس لئے آسمانوں کو طرائق فرمایا۔

پھر فرمایا ہم اپنی مخلوق سے غافل نہیں ہیں' یعنی ہم آسمانوں کو پیدا کر کے اپنی زمین کی مخلوق سے غافل نہیں ہو گئے بلکہ ہم نے آسمانوں کو زمین پر گرنے سے محفوظ بنا دیا ہے تاکہ زمین کی مخلوق ہلاک نہ ہو' اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ ہم آسمانوں کو پیدا کر کے زمین کی مخلوق کی مصلحتوں اور ان کی زندگی کی ضروریات سے غافل نہیں ہو گئے بلکہ ہم ان کی تدبیر اور ان کا انتظام کرتے رہتے ہیں اور اس کا یہ معنی بھی ہے کہ زمین سے جو کچھ نکلتا ہے یا جو کچھ زمین کے اوپر آتا ہے' اسی طرح آسمان سے جو کچھ نازل ہوتا ہے اور جو کچھ آسمان کی طرف چڑھتا ہے ہم اس سے غافل نہیں ہیں وہ سب ہمارے علم میں ہے اور ہر چیز پر ہماری نظر ہے اور ہم اپنے علم کے لحاظ سے ہر جگہ تمہارے ساتھ ہیں۔

المؤمنون: ١٨ میں فرمایا اور ہم نے ایک اندازے کے مطابق آسمان سے پانی نازل کیا یعنی نہ اتنا زیادہ کہ تمام زمین والے سیلاب اور طوفانوں کی زد میں آجائیں اور نہ اتنا کم کہ وہ زمین کی پیداوار اور دیگر ضروریات کے لئے کافی نہ ہو۔ اور فرمایا پھر اس کو زمین میں ٹھہرایا یعنی یہ تدبیر کی کہ تمام پانی نازل ہو کر فوراً بہہ کر ختم نہ ہو جائے بلکہ ہم نے چشموں' نہروں' دریاؤں اور کنوؤں کی صورت میں اس پانی کو محفوظ کر دیا' تاکہ جن دنوں میں بارشیں نہ ہوں یا جن علاقوں میں بارشیں کم ہوتی ہیں اور وہاں پانی کی ضرورت زیادہ ہوتی ہے ان دنوں میں اس ذخیرہ کئے ہوئے پانی کو حاصل کر لیا جائے' پھر فرمایا: اور بے شک ہم اس (پانی) کو بہا کر لے جانے پر بھی قادر ہیں' یعنی جس طرح ہم نے محض اپنے فضل سے پانی کے حصول کی ایسی وسیع تدبیر کی ہے وہیں ہم اس پر بھی قادر ہیں کہ ہم پانی کی سطح اتنی نیچی کر دیں کہ تمہارے لئے پانی کا حصول ناممکن ہو جائے۔ ایک اور جگہ فرمایا:

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ (الملک: ٣٠)

آپ کہیے اچھا یہ بتاؤ کہ اگر تمہارے پینے کا پانی زمین میں دھنس جائے اور بہت نیچے اتر جائے تو کون ہے جو تمہارے لئے صاف پانی مہیا کرے!

غور کے معنی ہیں خشک ہو جانا یا پانی کا اتنی گہرائی میں اتر جانا کہ وہاں سے پانی کا نکالنا ممکن نہ ہو' یعنی اگر اللہ پانی کو خشک فرما دے کہ اس کا وجود ہی نہ رہے یا پانی کو اتنی گہرائی میں کر دے کہ تمام قسم کی مشینیں پانی نکالنے میں ناکام ہو جائیں تو پھر کون ہے جو تم کو صاف ستھرا نتھرا ہوا پانی مہیا کرے' کہو اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے۔

المؤمنون: ١٩ میں فرمایا: پھر ہم نے اس پانی سے تمہارے لئے کھجور اور انگور کے باغات اگائے اور جن سے تم کھاتے ہو یعنی ان باغوں میں کھجور اور انگور کے علاوہ اور بہت سے پھل ہیں جن سے تم لذت اندوز ہوتے ہو اور کچھ کھاتے ہو۔

المؤمنون: ٢٠ میں فرمایا: اور وہ درخت زیتون پیدا کیا جو طور سیناء سے نکلتا ہے جو تیل نکالتا ہے اور کھانے والوں کا سالن ہے۔

زیتون کا روغن بطور تیل استعمال ہوتا ہے اور اس کا پھل کھایا جاتا ہے۔ سالن کو صبغ فرمایا ہے کیونکہ صبغ کے معنی رنگنا ہیں اور روٹی سالن میں ڈوبنے اور بھیگنے کے بعد گویا رنگی جاتی ہے' طور سیناء کی تخصیص اس لئے فرمائی کہ اس کا قرب و جوار زیتون کی پیداوار کے لئے بہت زرخیز علاقہ ہے۔

انگور' کھجور' زیتون اور دودھ کے غذائی اور طبی فوائد

انگور شیریں اور لذیذ پھل ہے زود ہضم ہے اس کا مزاج گرم تر ہے اس میں غذائیت بہت ہوتی ہے' خون صالح پیدا کرتا ہے اور بدن کو فربہ کرتا ہے' زیادہ مقدار میں کھانے سے اسہال ہوتے ہیں' خون کی کمی کے لئے یہ بہت عمدہ غذا ہے روزانہ آدھ پاؤ میٹھا انگور کھانے سے خون بڑھتا ہے جب انگور دستیاب نہ ہوں تو کشمش کھانی چاہیے۔ سو گرام انگور میں ٦٩ حرارے

ایک گرام پروٹین' ۱۶ گرام نشاستہ اور ایک گرام چکنائی ہوتی ہے۔

کھجور ایک مکمل غذا ہے' اس کا مزاج گرم خشک ہے اس کا بدرقہ (دف' توڑ) انار اور سکنجبین ہے' کھجور دل' اعصاب اور دماغ کو قوت دیتی ہے' بلغم کو خارج کرتی ہے کاسر ریاح اور ہاضم ہے' اس کے کھانے سے پیٹ کے سرخ خلیات میں اضافہ ہوتا ہے یہ کلسٹر ول کو توازن میں رکھتی ہے' عرب کی کھجور خاص طور پر دل کے لئے مفید ہے' اس کے کھانے سے پیٹ کے کیڑے مر جاتے ہیں اور پیشاب کھل کر آتا ہے' سو گرام کھجور میں ۲۱۴ حرارے' ۲ گرام پروٹین' ۳۷ گرام نشاستہ' ایک گرام چکنائی اور سات گرام ریشہ (پھوک) ہوتا ہے۔

زیتون زیادہ تر بحیرہ روم کے ساحلی علاقوں میں پیدا ہوتا ہے مثلاً یونان' فلسطین اور اسپین وغیرہ' اس کا پھل قدرے کسیلا ہوتا ہے جس سے تیل نکالا جاتا ہے' اس کا مزاج گرم تر ہے' زیتون کا تیل نسیان اور جوڑوں کے درد میں مفید ہے' اعصاب کو مضبوط کرتا ہے' قوت باہ پیدا کرتا ہے' کلسٹر ول کو حل کر لیتا ہے' فالج زدہ عضو پر زیتون کے تیل کی مالش کی جاتی ہے۔

دودھ کے غذائی اور طبی فوائد

المؤمنون: ۲۱ میں فرمایا اور تمہارے لئے چوپایوں میں ضرور مقام غور ہے ہم تمہیں ان میں سے وہ (دودھ) پلاتے ہیں جو ان کے پیٹوں میں ہے اور تمہارے لئے ان میں بہت زیادہ فائدے ہیں اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے ہو۔

گائے کے خالص سو گرام دودھ میں ۶۵ حرارے' ۳٫۳ گرام پروٹین' ۳٫۸ گرام چکنائی ۴٫۷ گرام لیکٹوز ۱۲۰ ملی گرام کیلشیم ۰٫۰۵ ملی گرام فولاد' ۰٫۰۴ ملی گرام وٹامن بی ۰٫۱۵ ملی گرام وٹامن سی' ۳۵ مائیکرو گرام وٹامن اے۔ ۵ مائیکرو گرام فولک ایسڈ ہوتے ہیں۔

انسان کے لئے دودھ بہترین غذا ہے اس میں گوشت' ہڈی اور خون پیدا کرنے کے تمام ضروری اجزاء موجود ہیں' بکری' گائے اور بھینس کے دودھ زیادہ تر استعمال ہوتے ہیں۔ بکری کے دودھ میں چکنائی کم ہوتی ہے' بھینس کے دودھ میں زیادہ چکنائی ہوتی ہے اور گائے کے دودھ میں متوازن چکنائی ہوتی ہے اس لئے ہم نے صرف گائے کے دودھ کے غذائی اجزاء بیان کئے ہیں۔

المؤمنون: ۲۲ میں فرمایا: اور ان مویشیوں پر اور کشتیوں پر تم سوار کئے جاتے ہو۔

یعنی ہم نے تم کو مویشیوں کا مالک اور ان پر متصرف بنا رکھا ہے' تم ان کا گوشت کھاتے ہو اور ان پر سواری کرتے ہو اور ان سے اور طرح طرح کے فوائد حاصل کرتے ہوئے یہ تمہاری خشکی کی سواریاں ہیں پھر تمہارے لئے دریاؤں اور سمندروں میں سفر کرنے کے لئے الگ سواریاں بنائی ہیں' کیا ان تمام نعمتوں سے فائدے حاصل کرنے کے باوجود اب بھی تمہارے دل میں اس مالک' رازق اور منعم پر ایمان لانے اور اس کا شکر ادا کرنے کی تحریک پیدا نہیں ہوتی!

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ

اور بے شک ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا سو انہوں نے کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو' اس کے سوا تمہاری

مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ

عبادت کا اور کوئی مستحق نہیں ہے تو کیا تم نہیں ڈرتے! ○ پس ان کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا

قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ۭ وَلَوْ شَآءَ

یہ تو محض تمہاری مثل بشر ہیں جو تم پر فضیلت اور بڑائی حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اگر اللہ کسی کو

اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً ۖۚ مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۴﴾

(پیغام دے کر) بھیجنا چاہتا تو فرشتوں کو نازل کر دیتا، ہم نے تو اس بات کو اپنے پہلے باپ دادا میں سے کسی سے نہیں سنا ○

اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۲۵﴾ قَالَ رَبِّ

یہ تو صرف ایک مجنون آدمی ہے سو تم اس کو ایک معین میعاد تک ڈھیل دو ○ نوح نے دعا کی اے میرے رب!

انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۲۶﴾ فَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا

میری مدد فرما کیونکہ یہ میری تکذیب کر رہے ہیں ○ پس ہم نے ان کی طرف وحی کی کہ آپ ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہماری وحی کے

وَوَحْيِنَا فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ فَاسْلُكْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ

موافق کشتی بنائیں پھر جب ہمارا عذاب آنے لگے اور تنور جوش میں آجائے تو آپ ہر جنس کے جانوروں میں سے

زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ

ایک ایک جوڑا اس (کشتی) میں بٹھالیں اور اپنے اہل کو بھی اس میں سوار کرلیں، سوا ان کے جن کے متعلق پہلے فیصلہ ہو

مِنْهُمْ ۚ وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۲۷﴾

چکا ہے، اور ان ظالموں کے متعلق آپ مجھ سے سفارش نہ کیجئے گا، بے شک وہ ضرور غرق کیے جائیں گے ○

فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ

پھر جب آپ اور آپ کے اصحاب اطمینان سے کشتی میں سوار ہو جائیں تو آپ کہیں کہ تمام تعریفیں

لِلّٰهِ الَّذِيْ نَجّٰىنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۸﴾ وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا

اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے ہمیں ظالم لوگوں سے نجات دی ○ اور آپ کہیں: اے میرے رب مجھے برکت والی

مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴿۲۹﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ وَّاِنْ كُنَّا

زمین پر اتارنا بے شک تو سب سے بہتر اتارنے والا ہے ○ بے شک اس قصہ میں ہماری (معرفت کی) ضرور نشانیاں ہیں اور ہم

لَمُبْتَلِيْنَ ﴿٣٠﴾ ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿٣١﴾ فَاَرْسَلْنَا

ضرور (بندوں کو) آزمانے والے ہیں ○ پھر ہم نے ان کے بعد ایک اور زمانہ کے لوگ پیدا کیے ○ پس ہم نے ان میں

فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا

ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا (جس نے کہا) کہ تم اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہاری عبادت کا اور کوئی مستحق نہیں، تو کیا

تَتَّقُوْنَ ﴿٣٢﴾ ع

تم نہیں ڈرتے ○

ركوع ٢

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا سو انہوں نے کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو' اس کے سوا تمہاری عبادت کا اور کوئی مستحق نہیں ہے' تو کیا تم نہیں ڈرتے ○ پس ان کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا یہ تو محض تمہاری مثل بشر ہیں جو تم پر فضیلت اور بڑائی حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اگر اللہ کسی کو (پیغام دے کر) بھیجنا چاہتا تو فرشتوں کو نازل کر دیتا' ہم نے تو اس بات کو اپنے پہلے باپ دادا میں سے کسی سے نہیں سنا ○ یہ تو صرف ایک مجنون آدمی ہے سو تم اس کو ایک معین مدت تک ڈھیل دو ○ (المؤمنون: ٢٥-٢٣)

حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ

حضرت نوح علیہ السلام سے متعلق آیات کی مفصل تفسیر ہم الاعراف: ٦٤-٥٩' تبیان القرآن ج ۴ ص ١٩٨-١٩١ میں بیان کر چکے ہیں' وہاں ہم نے ان عنوانات پر بحث کی ہے' ١- حضرت نوح علیہ السلام کا نام ونسب اور ان کی ولادت۔ ٢- بت پرستی کی ابتداء کیسے ہوئی ہے۔ ٣- حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت اور ان کا اول رسل ہونا۔ ۴- حضرت نوح علیہ السلام کی تبلیغ کا بیان۔ ۵- حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پر طوفان کا عذاب۔ ٦- طوفان نوح اور کشتی کی بعض تفاصیل۔ ٧- حضرت نوح علیہ السلام کی عمر۔ ٨- قصہ نوح نازل کرنے کے فوائد۔ ٩- اللہ تعالیٰ کے مستحق عبادت ہونے پر دلیل۔ ١٠- اہم اور مشکل الفاظ کے معانی۔ ١١- حضرت نوح علیہ السلام کی رسالت پر قوم نوح کے استبعاد اور تعجب کی وجوہات۔ ١٢- قوم نوح کے استبعاد اور تعجب کا ازالہ۔ تاہم یہاں پر ہم نہایت اختصار کے ساتھ اس رکوع کی آیات کی تفسیر کریں گے' فنقول وباللہ التوفیق.

حضرت نوح علیہ السلام کا قوم کو پیغام پہنچانا اور ان کا پیغام کو مسترد کرنا

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو بشیر ونذیر بنا کر ان کی قوم کی طرف بھیجا' آپ نے اپنی قوم کو اللہ کا پیغام سنایا' کہ تم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہاری عبادت کا اور کوئی مستحق نہیں ہے تو کیا تم نہیں ڈرتے؟ ان کی قوم کے کافر سرداروں نے صاف کہہ دیا کہ یہ تو محض تمہاری مثل بشر ہیں یہ نبی اور رسول کیسے ہو سکتے ہیں' اگر یہ نبوت اور رسالت کا دعویٰ کر رہے ہیں تو ان کا مقصد صرف تم پر فضیلت اور برتری حاصل کرنا ہے' بھلا انسان کی طرف وحی کیسے آ سکتی ہے' اگر اللہ کا ارادہ کسی کو نبی بنا کر بھیجنا ہوتا تو وہ کسی فرشتہ کو نبی اور رسول بنا کر بھیج دیتا جو ہم کو توحید کا مسئلہ سمجھاتا' ان کی یہ دعوت تو ایک نرالی اور انوکھی دعوت ہے جس کو ہم نے اپنے باپ دادا کے زمانہ میں بھی کبھی نہیں سنا یہ ہم کو اور ہمارے باپ دادا کو بتوں کی عبادت کرنے کی وجہ سے کم عقل اور بے وقوف کہتے ہیں' دراصل یہ خود ہی مجنون اور دیوانے ہیں' ان کو ایک معین مدت تک ڈھیل دے دو' جب یہ وفات پا جائیں

گے تو ان کی موت کے ساتھ ہی ان کی دعوت بھی ختم ہو جائے گی' یا شاید ان کا جنون جاتا رہے اور یہ خود ہی اپنی اس دعوت کو ترک کر دیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: نوح نے دعا کی اے میرے رب میری مدد فرما کیونکہ یہ میری تکذیب کر رہے ہیں○ پس ہم نے ان کی طرف وحی کی کہ آپ ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہماری وحی کے موافق کشتی بنائیں پھر جب ہمارا عذاب آنے لگے اور تنور جوش میں آ جائے تو آپ ہر جنس کے جانوروں میں سے ایک ایک جوڑا اس (کشتی) میں بٹھالیں' اور اپنے اہل کو بھی اس میں سوار کرلیں سوا ان کے جن کے متعلق پہلے فیصلہ ہو چکا ہے' اور ان ظالموں کے متعلق آپ مجھ سے سفارش نہ کیجئے گا بے شک وہ ضرور غرق کئے جائیں گے○ پھر جب آپ اور آپ کے اصحاب اطمینان سے کشتی میں سوار ہو جائیں تو آپ کہیں کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جس نے ہمیں ظالم لوگوں سے نجات دی○ اور آپ کہیں: اے میرے رب مجھے برکت والی زمین پر اتارنا بے شک تو سب سے بہتر اتارنے والا ہے○ بے شک اس قصہ میں ہماری (معرفت کی) ضرور نشانیاں ہیں اور ہم ضرور (بندوں کو) آزمانے والے ہیں○ (المؤمنون: ۳۰-۲۶)

حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ کے اہم نکات

ان آیات کی مفصل تفسیر ہود: ۴۸-۳۶ میں بیان کی جا چکی ہے' تبیان القرآن ج ۵ ص ۵۶۰-۵۳۵ میں ملاحظہ فرمائیں ہم نے حسب ذیل عنوانات کے تحت ان آیات کی تفسیر کی ہے:

(۱) امتناع کذب اور مسئلہ تقدیر۔ (۲) جان بچانے کے وجوب پر بعض مسائل کی تفریع۔ (۳) اللہ تعالیٰ کی صفات متشابہات میں متاخرین کا مسلک۔ (۴) اللہ تعالیٰ کی صفات متشابہات میں متقدمین کا مسلک۔ (۵) اللہ تعالیٰ کی صفات متشابہات کے متعلق قرآن مجید کی آیات۔ (۶) اللہ تعالیٰ کی صفات متشابہات کے متعلق احادیث۔ (۷) متاخرین کے اختلاف کا منشاء۔ (۸) کشتی بنانے کی کیفیت۔ اس کی مقدار اور اس کو بنانے کی مدت کی تفصیل۔ (۹) کشتی بنانے کا مذاق اڑانے کی وجوہ۔ (۱۰) حضرت نوح علیہ السلام کے جواباً مذاق اڑانے کا محمل۔ (۱۱) تنور کا معنی اور اس کے مصداق کی تحقیق۔ (۱۲) حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی میں سوار ہونے والوں کی تفصیل۔ (۱۳) ہر کام کے شروع سے پہلے اللہ تعالیٰ کا نام لینا۔ (۱۴) حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو کشتی پر کیوں بلایا جب کہ وہ کافر تھا۔ (۱۵) اللہ اور اس کے رسول کا جمادات کو خطاب کرنا۔ (۱۶) جودی پہاڑ پر کشتی ٹھہرنے کی تفصیل۔ (۱۷) تکبر کی مذمت اور تواضع کی تعریف۔ (۱۸) ان بچوں اور جانوروں کا کیا قصور تھا جن کو طوفان میں غرق کیا گیا؟ (۱۹) اللہ تعالیٰ کسی کافر پر رحم نہیں فرمائے گا۔ (۲۰) حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹوں کی تفصیل۔ (۲۱) منکرین عصمت کا حضرت نوح علیہ السلام پر اعتراض اور اس کا جواب۔ (۲۲) حضرت نوح علیہ السلام کے سوال پر امام رازی کی تقریر۔ (۲۳) حضرت نوح علیہ السلام کے سوال پر سید ابوالاعلیٰ مودودی کا تبصرہ۔ (۲۴) حضرت نوح علیہ السلام کی دعا کے متعلق جمہور مفسرین کی توجیہہ۔ (۲۵) حرام اور امور مشتبہ کے متعلق دعا کرنے کا عدم جواز۔ (۲۶) ایمان اور تقویٰ کے بغیر نسلی امتیاز اور نسبی برتری کی کوئی وقعت نہیں۔ (۲۷) اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلامتی اور برکتوں کا معنی۔

حضرت نوح علیہ السلام کی دعا کے بعد ان کی قوم کو طوفان میں غرق کرنے کا خلاصہ

حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو سال تبلیغ کرنے کے بعد بالآخر قوم کے ایمان سے مایوس ہو کر دعا کی:

فَدَعَا رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ (القمر: ۱۰) سوانہوں نے اپنے رب سے دعا کی کہ میں مظلوم ہوں تو ان سے میرا انتقام لے۔

وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ دَیَّارًا ۝ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ یُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا یَلِدُوْۤا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ۝ (نوح: ۲۷-۲۶) اور نوح نے دعا کی اے میرے رب زمین پر کافروں میں سے کوئی بسنے والا نہ چھوڑ۔ بے شک تو نے اگر انہیں چھوڑ دیا تو وہ تیرے بندوں کو گم راہ کر دیں گے اور ان کی اولاد بدکار شدید کافر ہی ہو گی۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی دعا قبول کی اور فرمایا میری آنکھوں کے سامنے یعنی میری نگرانی اور ہدایت کے مطابق کشتی تیار کریں اور حضرت نوح علیہ السلام کو حکم دیا کہ حیوانات' نباتات اور ثمرات میں سے ہر ایک کا' ایک ایک جوڑا (نر اور مادہ) کشتی میں رکھ لیں تاکہ سب کی نسل باقی رہے اور جن لوگوں کے کفر اور ان کی سرکشی کی وجہ سے ان کو ہلاک کرنے کا فیصلہ ہو چکا ہے جیسے حضرت نوح کی بیوی اور ان کا بیٹا تو ان میں سے کسی کی سفارش نہ کریں' اور کشتی میں بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں کہ اس نے ظالموں کو غرق کر کے ان سے نجات عطا فرمائی' اور یہ دعا کریں کہ کشتی خیر و عافیت کے ساتھ کنارے لگ جائے' حضرت نوح علیہ السلام کی جو سرگزشت بیان کی گئی ہے کہ اہل ایمان کو نجات دی گئی اور کافروں کو ہلاک کر دیا گیا اس میں یہ نشانیاں ہیں کہ انبیاء علیہم السلام اللہ کی طرف سے جو پیغام لے کر آتے ہیں اس میں وہ سچے ہوتے ہیں' اور یہ کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور جب حق اور باطل میں کشمکش ہو تو وہ ایک مدت تک ڈھیل دیتا ہے پھر وقت مقرر پر کفار کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے اور ان پر اپنا عذاب نازل فرما کر ان کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکتا ہے اور وہ انبیاء اور رسل کے ذریعہ اس طرح کی آزمائش کرتا رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر ہم نے ان کے بعد ایک اور زمانہ کے لوگ پیدا کیے ۝ پس ہم نے ان میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا (جس نے کہا) کہ تم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہاری عبادت کا اور کوئی مستحق نہیں' تو کیا تم نہیں ڈرتے ۝ (المؤمنون: ۳۲-۳۱)

حضرت ھود علیہ السلام کا قصہ

ان آیتوں سے اللہ تعالیٰ نے حضرت ھود علیہ السلام کا قصہ شروع فرمایا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح کے بعد حضرت ھود کو مبعوث فرمایا ہے جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے:

وَاذْكُرُوْۤا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ فِی الْخَلْقِ بَصْۜطَةً (ھود: ۶۹) اور یاد کرو جب قوم نوح کے بعد اللہ نے تم کو ان کا جانشین بنا دیا اور تمہاری جسامت کو بڑھا دیا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ھود علیہ السلام کا قصہ الاعراف: ۷۲-۶۵' میں تفصیل سے بیان فرمایا ہے' تبیان القرآن ج ۴ ص ۲۰۷-۱۹۸ ہم نے اس کی تفصیل حسب ذیل عنوانات کے تحت کی ہے:

(۱) حضرت ھود علیہ السلام کا شجرہ نسب۔ (۲) حضرت ھود علیہ السلام کی قوم عاد کی طرف بعثت۔ (۳) عاد کی قوت اور سطوت اور ان پر عذاب نازل ہونے کے متعلق قرآن مجید کی آیات۔ (۴) قوم عاد کے وطن کی تاریخی حیثیت۔ (۵) صالحین کے عرس کی تحقیق۔ (۶) حضرت ھود علیہ السلام کے قصہ اور حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ کے مابین فرق۔ (۷) حضرت نوح اور حضرت ھود علیہما السلام کے مقابلہ میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وجاہت۔ (۸) اللہ تعالیٰ کی توحید اور استحقاق عبادت پر دلیل۔

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ

اور رسول کی قوم کے وہ کافر سردار جنہوں نے آخرت کی ملاقات کی تکذیب کی تھی

وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۙ مَا هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ یَاْكُلُ مِمَّا

اور جن کو ہم نے دنیا کی زندگی میں فراوانی عطا فرمائی تھی (وہ) کہنے لگے: یہ رسول صرف تمہاری مثل بشر ہے یہ ان ہی

تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَیَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ۪ۙ﴿۳۳﴾ وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا

چیزوں میں سے کھاتا ہے جن سے تم کھاتے ہو اور ان ہی چیزوں سے پیتا ہے جن سے تم پیتے ہو ○ اور اگر تم نے اپنے جیسے بشر کی

مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۙ﴿۳۴﴾ اَیَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا

اطاعت کی تو تم ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤ گے ○ کیا یہ رسول تم سے یہ وعدہ کرتے ہیں کہ جب تم مرجاؤ گے اور مٹی اور

وَّعِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ﴿۳۵﴾ ۪ۙ هَیْهَاتَ هَیْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۶﴾ ۪ۙ اِنْ

ہڈیاں ہو جاؤ گے تو تم (قبروں) سے نکالے جاؤ گے! ○ جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے (اس کا پورا ہونا) بہت دور ہے، بہت دور ہے! ○ ہماری

هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ وَنَحْیَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِیْنَ ﴿۳۷﴾ ۪ۙ اِنْ

تو صرف یہی دنیا کی زندگی ہے، ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہم (قبروں سے) اٹھائے نہیں جائیں گے ○ یہ رسول

هُوَ اِلَّا رَجُلُ اِۨفْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا وَّمَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِیْنَ ﴿۳۸﴾ قَالَ

تو صرف اللہ پر جھوٹا بہتان باندھ رہا ہے اور ہم اس پر ایمان لانے والے نہیں ہیں ○ رسول نے دعا کی

رَبِّ انْصُرْنِیْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۳۹﴾ قَالَ عَمَّا قَلِیْلٍ لَّیُصْبِحُنَّ نٰدِمِیْنَ ﴿۴۰﴾ ۚ

اے میرے رب! میری مدد فرما کیونکہ انہوں نے میری تکذیب کی ہے ○ اللہ نے فرمایا تھوڑی دیر گزرتی ہے کہ یہ اپنے کیے پر پشیمان ہوں گے ○

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّیْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَآءً ۚ فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ

بالآخر تقاضائے عدل کے مطابق ان کو ایک زبردست چنگھاڑ نے پکڑ لیا پس ہم نے ان کو ہلاک کر کے خس و خاشاک بنا دیا سو ظالم لوگوں

الظّٰلِمِیْنَ ﴿۴۱﴾ ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخَرِیْنَ ﴿۴۲﴾ ؕ مَا

کے لیے دوری ہو ○ پھر ان کے بعد ہم نے اور کئی امتیں پیدا کیں ○ کوئی امت

تَسْبِقُ مِنْ أُمَّةٍ أَجَلَهَا وَمَا يَسْتَأْخِرُونَ ﴿۴۳﴾ ثُمَّ أَرْسَلْنَا

اپنی مقررہ میعاد سے نہ آگے بڑھ سکتی ہے نہ پیچھے ہٹ سکتی ہے ○ پھر ہم نے لگاتار

رُسُلَنَا تَتْرَا ۖ كُلَّمَا جَاءَ أُمَّةً رَّسُولُهَا كَذَّبُوهُ فَأَتْبَعْنَا بَعْضَهُم

اپنے رسول بھیجے، جب بھی کسی اُمت کے پاس اس کا رسول آیا تو انہوں نے اس کی تکذیب کی سو ہم بعض کو

بَعْضًا وَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ ۚ فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُونَ ﴿۴۴﴾ ثُمَّ

بعض کے بعد لائے اور ہم نے ان سب کو نیست ونابود کر کے افسانہ کہانی بنا دیا پس ان لوگوں کے لیے دوری ہو جو ایمان نہیں لائے ○ پھر

أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ وَأَخَاهُ هَارُونَ بِآيَاتِنَا وَسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ﴿۴۵﴾

ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی ہارون کو اپنی نشانیوں اور روشن دلیل کے ساتھ بھیجا ○

إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا قَوْمًا عَالِينَ ﴿۴۶﴾ فَقَالُوا

فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف سو انہوں نے تکبر کیا اور وہ بہت سرکش لوگ تھے ○ تو وہ کہنے لگے

أَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عَابِدُونَ ﴿۴۷﴾ فَكَذَّبُوهُمَا

کیا ہم اپنے جیسے دو بشروں پر ایمان لے آئیں حالانکہ ان دونوں کی قوم تو ہماری عبادت کرتی ہے ○ سو انہوں نے ان دونوں کی

فَكَانُوا مِنَ الْمُهْلَكِينَ ﴿۴۸﴾ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ لَعَلَّهُمْ

تکذیب کی تو وہ ہلاک شدہ لوگوں میں سے ہو گئے ○ اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تاکہ وہ لوگ

يَهْتَدُونَ ﴿۴۹﴾ وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ آيَةً وَآوَيْنَاهُمَا إِلَىٰ

راہِ راست پر آجائیں ○ اور ہم نے ابن مریم اور ان کی ماں کو اپنی قدرت کی نشانی بنا دیا اور ہم نے ان کو بلند ہموار

رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَمَعِينٍ ﴿۵۰﴾

زمین کی طرف پناہ دی جو لائق سکونت تھی اور اس میں چشمے جاری تھے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور رسول کی قوم کے وہ کافر سردار جنہوں نے آخرت کی ملاقات کی تکذیب کی تھی اور جن کو ہم نے دنیا کی زندگی میں فراوانی عطا فرمائی تھی (وہ) کہنے لگے: یہ رسول صرف تمہاری مثل بشر ہے یہ ان ہی چیزوں میں سے کھاتا ہے جن سے تم کھاتے ہو اور ان ہی چیزوں سے پیتا ہے جن سے تم پیتے ہو○ اور اگر تم نے اپنے جیسے بشر کی اطاعت کی تو تم ضرور

نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤ گے O کیا یہ رسول تم سے یہ وعدہ کرتے ہیں کہ جب تم مر جاؤ گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جاؤ گے تو تم (قبروں سے) نکالے جاؤ گے O جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے (اس کا پورا ہونا) بہت دور ہے بہت دور ہے O ہماری تو صرف یہی دنیا کی زندگی ہے ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہم (قبروں سے) اٹھائے نہیں جائیں گے O یہ رسول تو صرف اللہ پر جھوٹا بہتان باندھ رہا ہے اور ہم اس پر ایمان لانے والے نہیں ہیں O (المؤمنون: ۳۸-۳۳)

رسول کا اپنی قوم کی طرف پیغام پہنچانا اور قوم کا سرکشی سے اس پیغام کو رد کرنا

اکثر مفسرین کے نزدیک قوم نوح کے بعد جس قوم کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا اور ان میں رسول کو مبعوث فرمایا وہ قوم عاد ہے' کیونکہ قرآن مجید کی اکثر سورتوں میں قوم نوح کے بعد عاد ہی کا ذکر کیا گیا ہے' ایک قول یہ ہے کہ یہ قوم ثمود ہے کیونکہ ان آیات میں آگے چل کر المؤمنون: ۴۱ میں فرمایا ہے کہ ایک زبردست چنگھاڑ نے ان کو پکڑ لیا اور یہ عذاب قوم ثمود پر آیا تھا اور ایک قول یہ ہے کہ اس قوم کا مصداق حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم مدین ہے کیونکہ ان کی ہلاکت بھی ایک زبردست چنگھاڑ کی وجہ سے ہوئی تھی۔

اس قوم کی طرف جس رسول کے بھیجنے کا ذکر ہے وہ رسول بھی اللہ تعالیٰ نے اس قوم میں سے ہی بھیجا تھا جن کی نشو و نما ان ہی کے درمیان ہوئی تھی' جن کو وہ اچھی طرح جانتے اور پہچانتے تھے' ان کے خاندان' مکان' مولد اور ان کی سیرت اور کردار سے اچھی طرح واقف تھے' اکثریت کے قول کے مطابق یہ رسول حضرت ھود علیہ السلام تھے' ان کا تفصیلی تعارف ہم الاعراف: ۶۵ میں بیان کر چکے ہیں۔ حضرت ھود علیہ السلام نے بعثت کے بعد سب سے پہلے وہ پیغام پہنچایا اور اسی دین کی دعوت دی جو ہر نبی کا اولین نصب العین اور ان کے مشن کا سرنامہ رہا ہے۔

ان کی قوم کے سرداروں نے اس طرح ان کے پیغام کو مسترد کر دیا جس طرح ہر نبی کی قوم کے کافر سردار اپنے اپنے نبیوں کے لائے ہوئے پیغام کو رد کرتے رہے ہیں اور ان کی اکثریت ایمان لانے سے محروم رہتی ہے' کیونکہ یہ لوگ بہت مالدار' مضبوط جتھے والے اور اثر رسوخ والے ہوتے تھے اور پوری قوم ان کے پیچھے چلتی تھی۔ ان کے کفر اور گمراہی کے دو بنیادی سبب تھے ایک تو ان کا آخرت کے عقیدے پر ایمان نہیں تھا' اور دوسرا سبب یہ تھا کہ ان کے پاس دنیاوی مال و دولت اور سامان عیش و عشرت کی فراوانی تھی چنانچہ انہوں نے یہ کہہ کر اپنے رسول کی دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیا کہ یہ شخص تو ہماری طرح کھاتا پیتا ہے یہ اللہ کا رسول کس طرح ہو سکتا ہے' انہوں نے صرف اپنے رسول کی بشریت اور ظاہر حال کو سامنے رکھا اور اس کے دیگر فضائل اور مناقب اور اس کے باطن کی روشنی کی طرف دیکھنے سے آنکھیں بند کر لیں جس طرح آج بھی ان کے طریقہ پر چلتے ہوئے بہت سے گمراہ فرقے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کو سامنے رکھتے ہیں اور آپ کے بشری تقاضوں کا ذکر کرتے ہیں اور توحید کے پرچار کے نام پر کمالات نبوت اور آپ کے تمام فضائل و مناقب سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں' اور آپ کی خصوصیات اور شرف و مرتبہ اور آپ کی عزت و وجاہت کا بالکل تذکرہ نہیں کرتے وہ نبی کو ایک عام آدمی کی حیثیت سے دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ سوا شرعی مسائل کے آپ کو اور کسی چیز کا علم تھا اور نہ کسی کمال کے اظہار کی قدرت تھی' اور وہ آپ کے کمالات کے باب میں ذاتی اور عطائی کے فرق کو بھی تسلیم نہیں کرتے۔

ان کافر سرداروں نے اپنے متبعین سے کہا اگر تم نے اپنے جیسے انسان کے دعوئ نبوت کو تسلیم کر لیا اور اس کی فضیلت اور برتری کو مان لیا تو تم زبردست نقصان اٹھاؤ گے کیونکہ ایک بشر دوسرے بشر سے کیوں کر افضل ہو سکتا ہے یہی وہ مغالطہ ہے جس کی وجہ سے ان کافر سرداروں نے اپنے رسول کی رسالت کو نہیں مانا حالانکہ اللہ تعالیٰ جس بشر کو اپنا پیغام پہنچانے کے لئے چن لیتا

ہے تو وہ اس وحی اور رسالت کی وجہ سے تمام غیر نبی اور غیر رسول انسانوں سے شرف اور مرتبہ میں بہت بلند اور افضل اور اعلیٰ ہو جاتا ہے۔

ھیہات' اس کا معنی ہے دوری ہو اور اس کو تاکید کی وجہ سے دوبار ذکر کیا گیا ہے' انہوں نے دوبارہ زندہ کئے جانے کا انکار کیا اور کہا صرف اسی دنیا کی زندگی ہے جس میں ہم جیتے اور مرتے ہیں اور دوبارہ زندہ کیے جانے کا وعدہ محض ایک افتراء اور بہتان ہے جو یہ شخص اللہ تعالیٰ پر باندھ رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: رسول نے دعا کی اے میرے رب! میری مدد فرما کیونکہ انہوں نے میری تکذیب کی ہے O اللہ نے فرمایا تھوڑی دیر گزرتی ہے کہ یہ اپنے کئے پر پشیمان ہوں گے O بالآخر تقاضائے عدل کے مطابق ایک زبردست چنگھاڑ نے ان کو پکڑ لیا پس ہم نے ان کو (ہلاک کر کے) خس و خاشاک بنا دیا سو ظالم لوگوں کے لئے دوری ہو O (المؤمنون: ٤١-٣٩)

رسول کا قوم کے ایمان سے مایوس ہو کر ان کی ہلاکت کی دعا کرنا

جب وہ رسول اپنی قوم کے اکابر اور اصاغر کے ایمان لانے اور پیغام حق کو قبول کرنے سے مایوس ہو گئے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اے میرے رب میری مدد فرما کیونکہ انہوں نے میری تکذیب کی ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھوڑی دیر گزرتی ہے کہ یہ اپنے کئے پر پشیمان ہوں گے' اس کا محمل یہ ہے کہ ان کی قوم کے سامنے عذاب کی علامات نمودار ہو گئیں جس کی وجہ سے وہ اپنے نبی کی دعوت قبول نہ کرنے پر پچھتائے اور عذاب دیکھنے کے بعد ایمان لانا قبول نہیں ہوتا اس لئے ان کو اپنی ندامت اور حسرت سے کوئی فائدہ نہ ہوا' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے برحق عذاب کا ذکر فرمایا کہ ایک زبردست چنگھاڑ نے ان کو پکڑ لیا' اس چنگھاڑ کے متعلق کئی اقوال ہیں: ١- حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ان کے اوپر ایک زبردست چنگھاڑ ماری اور اس کی وجہ سے وہ مر گئے۔ ٢- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس چنگھاڑ سے مراد زلزلہ ہے۔ ٣- حسن نے کہا چنگھاڑ سے مراد نفس عذاب اور موت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ظالم لوگوں کے لئے دوری ہو' یہ ارشاد لعنت کے منزلہ میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی خیر سے ان کے لئے دوری ہو' یہ اللہ تعالیٰ نے ان کے استخفاف اور ان کی توہین کے لئے فرمایا اور ان کے اوپر ایسا عذاب نازل فرمایا جو ان کے عذاب اخروی پر دلالت کرتا ہے جس میں یہ نعمتوں' راحتوں اور اجر و ثواب سے بہت دور ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر ان کے بعد ہم نے اور کئی امتیں پیدا کیں O کوئی امت اپنی مقررہ میعاد سے نہ آگے بڑھ سکتی ہے نہ پیچھے ہٹ سکتی ہے O پھر ہم نے لگاتار اپنے رسول بھیجے' جب بھی کسی امت کے پاس اس کا رسول آیا تو اس نے اس کی تکذیب کی سو ہم بعض کو بعض کے بعد لائے اور ہم نے ان سب کو (نیست و نابود کر کے) قصہ کہانی بنا دیا پس ان لوگوں کے لئے دوری ہو جو ایمان نہیں لائے O (المؤمنون: ٤٤-٤٢)

حضرت ہود علیہ السلام کے بعد آنے والے دیگر انبیاء کا قصہ

اللہ سبحانہ قرآن مجید میں کبھی انبیاء علیہم السلام کا تفصیل سے قصہ ذکر فرماتا ہے جیسا کہ گزر چکا ہے' اور کبھی ان کا اجمال سے قصہ ذکر فرماتا ہے جیسا کہ ان آیتوں میں ذکر ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ ان آیتوں میں جن رسولوں کا ذکر ہے اس سے مراد حضرت لوط' حضرت شعیب' حضرت ایوب اور حضرت یوسف علیہم السلام ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا پھر ان کے بعد ہم نے اور کئی امتیں پیدا کیں' اس سے مراد یہ ہے کہ ہم نے زمین کو مکلفین سے خالی نہیں رکھا' ہم نے زمین میں لوگوں کو پیدا کیا اور ان کو مکلف ہونے کی عمر تک پہنچایا حتیٰ کہ وہ متمدن دنیا میں پچھلے لوگوں کے

قائم مقام ہو گئے۔

المؤمنون: ۴۳ میں فرمایا: کوئی امت اپنی مقررہ میعاد سے نہ آگے بڑھ سکتی ہے نہ پیچھے ہٹ سکتی ہے۔

اس آیت میں اجل کا لفظ ذکر فرمایا ہے اور جب اجل کا لفظ ذکر کیا جاتا ہے تو اس سے مراد موت کا وقت ہوتا ہے' اس میں یہ بیان فرمایا ہے کہ ہر امت کی زندگی اور موت کی ایک میعاد مقرر ہے' جو نہ مقدم ہوتی ہے نہ مؤخر اور اس میں یہ تنبیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو اس کے وجود میں آنے سے پہلے جانتا ہے۔ اس کی نظیر یہ آیت ہے:

اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ ۘ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ (نوح: ۴) بے شک جب اللہ کا مقرر کیا ہوا وقت آ جائے تو وہ مؤخر نہیں کیا جاتا کاش کہ تم جانتے۔

اس کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ جس امت کے ایمان نہ لانے کی بناء پر اس کے عذاب کا وقت مقرر کر دیا ہے اس امت پر اس وقت سے پہلے عذاب نہیں آ سکتا اور نہ وقت آنے کے بعد اس امت سے عذاب مؤخر ہو سکتا ہے' اور وہ عذاب اس امت کو اس وقت تک جڑ سے نہیں اکھاڑتا جب تک کہ اللہ تعالیٰ کو یہ علم نہ ہو کہ یہ ہرگز ایمان نہیں لائیں گے اور دن بہ دن ان کے عناد میں اضافہ ہوتا رہے گا' اور ان سے کوئی مومن نہیں پیدا ہو گا اور ان کو زمین پر زندہ رکھنے میں کسی کے لئے کوئی فائدہ نہیں ہے اور ان کے ہلاک ہونے سے کسی کا کوئی نقصان نہیں ہو گا' تو پھر ان کو عذاب بھیج کر ملیا میٹ کر دیا جاتا ہے جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام نے یہ دعا کی تھی:

اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ۝ (نوح: ۲۷) بے شک اگر تو نے ان کافروں کو چھوڑ دیا تو یہ تیرے (دوسرے) بندوں کو گمراہ کریں گے اور یہ صرف بدقماش کافروں کو پیدا کریں گے۔

المؤمنون: ۴۴ میں فرمایا: پھر ہم نے لگاتار اپنے رسول بھیجے' جب بھی کسی امت کے پاس اس کا رسول آیا تو اس نے اس کی تکذیب کی سو ہم بعض کو بعض کے بعد لائے اور ہم نے ان (سب) کو (نیست و نابود کر کے) قصہ کہانی بنا دیا پس ان لوگوں کے لئے دوری ہو جو ایمان نہیں لائے۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ہم نے بعض قوموں کے فنا ہونے کے بعد دوسری بعض قوموں کو پیدا فرمایا اور ہر قوم کی طرف ایک رسول کو مبعوث فرمایا' اور ہر بعد والی قوم اپنے سے پہلی قوموں کی تکذیب کے راستہ پر چل پڑی جن کو اللہ تعالیٰ انواع و اقسام کے عذاب نازل فرما کر غرق کر چکا تھا' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی ان کی تکذیب کی وجہ سے ہلاک کر دیا حتیٰ کہ وہ محض ایک قصہ کہانی بن کر رہ گئے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی ہارون کو اپنی نشانیوں اور روشن دلیل کے ساتھ بھیجا ۝ فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف' سو انہوں نے تکبر کیا اور وہ بہت سرکش لوگ تھے ۝ تو وہ کہنے لگے کیا ہم اپنے جیسے دو بشروں پر ایمان لے آئیں حالانکہ ان دونوں کی قوم تو خود ہماری عبادت کرتی ہے ۝ سو انہوں نے ان دونوں کی تکذیب کی تو وہ ہلاک شدہ لوگوں میں سے ہو گئے ۝ اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تا کہ وہ لوگ راہ راست پر آ جائیں ۝ (المؤمنون: ۴۹-۴۵)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مفصل واقعہ طٰہٰ: ۹۹-۹ میں گزر چکا ہے۔

ان آیتوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جن نشانیوں کے دینے کا ذکر ہے ان کی تعیین اور ان کے مصداق میں اختلاف

ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا وہ یہ نو نشانیاں ہیں: (١) عصا۔ (٢) ید بیضا۔ (٣) ٹڈیوں کو نازل کرنا۔ (٤) جوؤں کو نازل کرنا۔ (٥) مینڈکوں کو نازل کرنا۔ (٦) خون کو نازل کرنا۔ (٧) سمندر کو چیر کر بارہ راستے بنانا۔ (٨) قبطیوں پر قحط نازل کرنا۔ (٩) ان کے پھلوں کی پیداوار کو کم کرنا۔

اس پر یہ اعتراض ہے کہ یہ آیات اور نشانیاں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھیں تو جب آیات سے مراد معجزات ہیں تو پھر سلطان مبین (روشن دلیل) سے کیا مراد ہے اگر اس سے بھی مراد معجزہ ہو تو لازم آئے گا کہ کسی چیز پر خود اسی چیز کا عطف ہو حالانکہ عطف تغایر کو چاہتا ہے۔ اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(١) آیات سے معجزات مراد ہیں اور سلطان مبین سے سب سے اشرف معجزہ مراد ہے اور وہ حضرت موسیٰ کا عصاء ہے کیونکہ وہ بہت سے معجزات کو مستلزم ہے کیونکہ وہ عصا اژدھا بن گیا تھا' اور فرعون کے جادوگروں کے اژدھوں کو نگل گیا تھا اور جب اس کو سمندر پر مارا تو بارہ راستے بن گئے اور جب اس کو پتھر پر مارا تو بارہ چشمے پھوٹ نکلے اور وہ حضرت موسیٰ کی حفاظت کرتا تھا' ان تمام فضائل کی وجہ سے عصا کا الگ ذکر فرمایا۔

(٢) یہ بھی ہوسکتا ہے کہ الآیات سے مراد حضرت موسیٰ کے عصا سمیت نو معجزات ہوں اور سلطان مبین سے مراد ان معجزات کی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر دلالت ہو۔

(٣) یہ بھی ہوسکتا ہے کہ سلطان مبین سے یہ مراد ہو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے وجود پر دلائل پیش کرنے اور اپنی نبوت پر براہین پیش کرنے میں فرعون اور اس کے حواریوں پر غالب آگئے کیونکہ سلطنت کے معنی غلبہ ہیں۔

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ جس طرح حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون میں نبوت مشترک تھی اسی طرح ان کے معجزات بھی مشترک تھے۔

المؤمنون: ٤٦ میں فرمایا فرعون اور اس کے حواری متکبر لوگ تھے' یعنی ان کو دنیا میں حکومت اور اقتدار دیا گیا تھا اور ان کے پاس مال و دولت کی بہتات تھی اور ان کو بہت قوت اور سطوت حاصل تھی۔

المؤمنون: ٤٧ میں فرمایا ان دونوں کی قوم تو خود ہماری عبادت کرتی ہے' انہوں نے یہ اس لئے کہا کہ حضرت موسیٰ کی قوم ان کی خدمت اور ان کی غلامی کرتی تھی اور جو شخص کسی کی خدمت کرے عرب اس کو عبادت سے تعبیر کرتے تھے' اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ فرعون الوہیت کا مدعی تھا اس لئے اس نے یہ کہا کہ لوگ اس کے بندے ہیں اور لوگوں کا اس کی اطاعت کرنا درحقیقت اس کی عبادت کرنا ہے۔

المؤمنون: ٤٨ میں یہ بیان فرمایا کہ ان کو پچھلی امتوں کی طرح اس وجہ سے ہلاک کیا گیا تھا کہ انہوں نے بھی پچھلی امتوں کی طرح اپنے نبی کی تکذیب کی تھی۔

المؤمنون: ٤٩ میں فرمایا اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تاکہ وہ لوگ راہ راست پر آجائیں۔

اس کتاب سے مراد تورات ہے' حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ کتاب اس لئے دی تھی کہ وہ ہدایت حاصل کریں لیکن جب وہ اس کے باوجود اپنے کفر پر اصرار کرتے رہے تو پھر وہ بھی سابقہ امتوں کی طرح عذاب کے مستحق ہوگئے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے ابن مریم اور ان کی ماں کو (اپنی قدرت کی) نشانی بنادیا اور ہم نے ان کو بلند ہموار زمین کی طرف پناہ دی جو لائق سکونت تھی اور اس میں چشمے جاری تھے ○ (المؤمنون: ٥٠)

حضرت عیسیٰ بن مریم کا قصہ

حضرت عیسیٰ بن مریم کا قصہ پوری تفصیل کے ساتھ مریم: ۴۰-۱۶ میں گزر چکا ہے۔

حضرت عیسیٰ بن مریم کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی نشانی قرار دیا کیونکہ ان کو بغیر کسی مرد کے پیدا کیا اور پیدا ہوتے ہی پنگھوڑے میں ان کو متکلم بنا دیا' اور ان کے ہاتھ سے مادر زاد اندھوں کو' برص کے مریضوں کو شفا دی اور مردوں کو زندہ کیا' اور حضرت مریم کو بھی اپنی قدرت کی نشانی قرار دیا کیونکہ وہ بغیر مرد کے حاملہ ہوئیں ان کے پاس بے موسمی پھل آتے تھے اور جب حضرت زکریا نے پوچھا تمہارے پاس یہ پھل کہاں سے آئے تو انہوں نے کہا:

هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ (آل عمران: ۳۷)

یہ اللہ کے پاس سے آئے ہیں' بے شک اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق عطا فرماتا ہے۔

انہوں نے کسی عورت کے پستان کو منہ نہیں لگایا تھا' اگر یہ روایت ثابت ہو تو یہ حضرت عیسیٰ کا معجزہ ہے اور حضرت مریم کی کرامت ہے' اور یہ دونوں ہی اللہ کی قدرت کی نشانی ہیں کیونکہ حضرت مریم بغیر مرد کے حاملہ ہوئیں اور ان سے حضرت عیسیٰ پیدا ہوئے اور حضرت عیسیٰ بغیر مرد کے اور بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔

فرمایا ہم نے ان کو بلند ہموار زمین کی طرف پناہ دی جو لائق سکونت تھی اور اس میں چشمے جاری تھے۔

قتادہ اور ابو العالیہ نے کہا یہ بیت المقدس کی سرزمین ہے جس کو ایلیا کہتے ہیں اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا یہ رملہ (فلسطین) ہے' کلبی اور ابن زید نے کہا یہ مصر ہے' اور زیادہ مفسرین کا قول یہ ہے کہ یہ دمشق ہے' قتادہ نے کہا اس جگہ پانی کے چشمے تھے اور پھل تھے۔ انبیاء علیہم السلام کے قصص میں سے یہ آخری قصہ ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

اے رسولو! پاک چیزوں میں سے کھاؤ' اور نیک عمل کرتے رہو' بے شک تم جو بھی کام کرتے ہو میں اس کو خوب

عَلِيْمٌ ﴿۵۱﴾ وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ﴿۵۲﴾

جاننے والا ہوں ○ بے شک یہ تمہارا دین ایک ہی دین ہے اور میں تمہارا رب ہوں سو تم مجھ سے ڈرو ○

فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿۵۳﴾

پھر لوگوں نے اپنے دین کے امور کو کاٹ کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر لیا' ہر گروہ اسی سے خوش ہوتا ہے جو اس کے پاس ہو ○

فَذَرْهُمْ فِيْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۵۴﴾ اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ

پس (اے رسول مکرم!) آپ ان کو ان کے کفر کی غفلت میں چھوڑ دیں حتیٰ کہ ان کا وقت آ جائے ○ کیا وہ یہ گمان کر رہے ہیں کہ ہم مال اور

مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ﴿۵۵﴾ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ؕ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۶﴾

اولاد سے جو ان کی مدد کر رہے ہیں ○ تو ہم ان کی بھلائیاں پہنچانے میں جلدی کر رہے ہیں؟ (نہیں نہیں) بلکہ یہ سمجھ نہیں رہے ○

إِنَّ الَّذِينَ هُم مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِم مُّشْفِقُونَ ﴿٥٧﴾ وَالَّذِينَ هُم بِآيَاتِ

بے شک جو لوگ اپنے رب کے جلال سے ڈرتے رہتے ہیں ٥ اور جو لوگ اپنے رب کی

رَبِّهِمْ يُؤْمِنُونَ ﴿٥٨﴾ وَالَّذِينَ هُم بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُونَ ﴿٥٩﴾ وَالَّذِينَ

آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں ٥ اور جو لوگ اپنے رب کے ساتھ شرک نہیں کرتے ٥ اور جو لوگ

يُؤْتُونَ مَا آتَوا وَّقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ أَنَّهُمْ إِلَىٰ رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ ﴿٦٠﴾

(اللہ کی راہ میں) جو کچھ دیتے ہیں وہ خوف زدہ دلوں کے ساتھ دیتے ہیں (اس یقین کے ساتھ) کہ وہ اللہ کی طرف لوٹنے والے ہیں ٥

أُولَٰئِكَ يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سَابِقُونَ ﴿٦١﴾ وَلَا نُكَلِّفُ

وہ لوگ نیک کاموں میں جلدی کرتے ہیں اور وہی نیکیوں میں سب سے بڑھنے والے ہیں ٥ اور ہم ہر نفس کو

نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۖ وَلَدَيْنَا كِتَابٌ يَنطِقُ بِالْحَقِّ ۚ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٦٢﴾

اس کی طاقت کے مطابق ہی مکلف کرتے ہیں اور ہمارے پاس ان کا نوشتہ اعمال ہے جو حق کے ساتھ کلام کرتا ہے اور ان پر بالکل ظلم نہیں کیا جائے گا ٥

بَلْ قُلُوبُهُمْ فِي غَمْرَةٍ مِّنْ هَٰذَا وَلَهُمْ أَعْمَالٌ مِّن دُونِ ذَٰلِكَ

(نہیں نہیں!) بلکہ ان کے دل اس سے غفلت میں ہیں اور اس کے سوا ان کے اور (بھی) بُرے اعمال ہیں

هُمْ لَهَا عَامِلُونَ ﴿٦٣﴾ حَتَّىٰ إِذَا أَخَذْنَا مُتْرَفِيهِم بِالْعَذَابِ إِذَا هُمْ

جن کو وہ کرنے والے ہیں ٥ حتیٰ کہ جب ہم ان کے آسودہ حال لوگوں کو عذاب میں گرفتار کریں گے تو وہ

يَجْأَرُونَ ﴿٦٤﴾ لَا تَجْأَرُوا الْيَوْمَ ۖ إِنَّكُم مِّنَّا لَا تُنصَرُونَ ﴿٦٥﴾ قَدْ كَانَتْ

بلبلانے لگیں گے ٥ آج مت بلبلاؤ، بے شک ہماری طرف سے تمہاری کوئی مدد نہیں کی جائے گی ٥ بے شک اس سے

آيَاتِي تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فَكُنتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ تَنكِصُونَ ﴿٦٦﴾ مُسْتَكْبِرِينَ

پہلے میری آیتیں تم پر تلاوت کی جاتی تھیں تو تم ایڑیوں کے بل پلٹ کر بھاگ جاتے تھے ٥ اس پر تکبر کرتے ہوئے اس

بِهِ سَامِرًا تَهْجُرُونَ ﴿٦٧﴾ أَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ أَمْ جَاءَهُم مَّا لَمْ يَأْتِ

قرآن کو افسانہ کہہ کر بکواس کرتے ہوئے ٥ آیا انہوں نے اللہ کے کلام میں غور نہیں کیا یا ان کے پاس کوئی ایسی چیز آئی تھی جو ان کے

اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۶۸﴾ اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۶۹﴾

پہلے باپ دادا کے پاس نہیں آئی تھی ○ یا انہوں نے اپنے رسول کو پہچانا نہیں تو وہ اس کے منکر ہو گئے ○

اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ وَاَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ

یا وہ یہ کہتے ہیں کہ اس رسول کو جنون ہے! (نہیں نہیں) بلکہ وہ ان کے پاس حق لے کر آیا ہے اور ان میں سے اکثر حق کو

كٰرِهُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَ

ناپسند کرتے ہیں ○ اور اگر حق ان کی خواہشوں کی پیروی کرتا تو تمام آسمان اور زمینیں اور جو بھی ان

الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ

میں ہیں وہ سب ہلاک ہو جاتے (نہیں نہیں!) بلکہ ہم تو ان کے پاس ان کی نصیحت لائے ہیں سو وہ اپنی نصیحت سے ہی

مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۱﴾ ؕ اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۖ وَّهُوَ خَيْرُ

منہ پھیرنے والے ہیں ○ کیا آپ ان سے کوئی اجرت طلب کر رہے ہیں! سو آپ کے رب کا اجر ہی سب سے بہتر ہے اور وہ سب سے بہتر

الرّٰزِقِيْنَ ﴿۷۲﴾ وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۷۳﴾ وَاِنَّ

روزی دینے والا ہے ○ اور بے شک آپ ضرور ان کو صراط مستقیم کی دعوت دیتے ہیں ○ اور بے شک

الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوْنَ ﴿۷۴﴾

جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے وہ ضرور صراط مستقیم سے منحرف ہونے والے ہیں ○

وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا فِيْ طُغْيَانِهِمْ

اور اگر ہم ان پر (مزید) رحم کرتے اور جو تکلیف انہیں پہنچی ہے اس کو دور کر دیتے تو یہ ضرور اپنی سرکشی میں بھٹکنے

يَعْمَهُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ

پر اصرار کرتے ○ اور بے شک ہم نے ان کو عذاب میں گرفتار کر لیا مگر پھر بھی یہ لوگ نہ اپنے رب کے سامنے جھکے

وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۷۶﴾ حَتّٰۤى اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ

اور نہ گڑگڑائے ○ حتیٰ کہ جب ہم ان پر عذاب شدید کا دروازہ کھول دیں گے تو

الربع

اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ؏

اس وقت وہ نا امید ہو کر رہ جائیں گے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے رسولو! پاک چیزوں میں سے کھاؤ اور نیک عمل کرتے رہو' بے شک تم جو بھی کام کرتے ہو میں اس کو خوب جاننے والا ہوں ○ (المؤمنون: ۵۱)

تمام رسولوں سے بیک وقت خطاب کرنے کی توجیہ

اس آیت میں بہ ظاہر تمام رسولوں سے خطاب ہے اور یہ ممکن نہیں ہے کیونکہ تمام رسولوں کو الگ الگ قوموں کی طرف الگ الگ زمانوں میں مبعوث کیا گیا ہے پھر تمام رسولوں کی طرف یہ خطاب کس طرح متوجہ ہوگا' اس اشکال کے حسب ذیل جوابات ہیں۔

(۱) اس آیت کا محمل یہ ہے کہ ہر رسول کے ساتھ اس کے زمانہ میں یہ خطاب کیا گیا اور اس کو یہ ندا اور وصیت کی گئی اور یہاں پر اس کو جمع کے صیغے سے اس لئے ذکر کیا گیا ہے تاکہ سننے والا یہ جان لے کہ یہ وہ حکم ہے جو تمام رسولوں کو دیا گیا اور سب کو اس حکم کی وصیت کی گئی ہے' اس لئے یہ حکم اس لائق ہے کہ اس پر مضبوطی کے ساتھ دائماً عمل کیا جائے۔

(۲) اس آیت میں الرسل سے مراد ہمارے رسول ہیں کیونکہ تمام رسولوں کے ذکر کے بعد آپ کا ذکر کیا گیا اور آپ کو جمع کے صیغہ الرسل سے اس لئے تعبیر فرمایا کہ ہر چند کہ آپ واحد رسول ہیں لیکن آپ تمام رسولوں کی صفات محمودہ کے جامع اور تمام رسولوں کے کمالات کو محیط ہیں۔

(۳) یہ حکم ہمارے رسول کو دیا گیا ہے اور تمام رسولوں کے ساتھ اس لئے تعبیر فرمایا کہ اگر تمام رسول اس وقت حاضر اور مجتمع ہوتے تو ان سے بھی یہی خطاب کیا جاتا تاکہ ہمارے رسول یہ جان لیں کہ اس حکم کا بوجھ صرف آپ پر نہیں ہے بلکہ یہ حکم تمام انبیاء علیہم السلام کو لازم رہا ہے۔

(۴) ایک قول ہے کہ اس سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔

اپنی حلال کمائی سے کھانے کی ترغیب اور ناپاک اور حرام چیزیں کھانے کی ترہیب (ممانعت)

اس آیت میں پاک چیزوں سے کھانے کا حکم دیا گیا ہے اور پاک چیزوں سے مراد حلال چیزیں ہیں اور سب سے زیادہ حلال چیز وہ ہے جس کو انسان نے اپنے کسب اور محنت سے حاصل کیا ہو۔ حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے جس نبی کو بھی بھیجا اس نے بکریاں چرائی ہیں' آپ کے اصحاب نے پوچھا اور آپ نے؟ فرمایا: ہاں میں چند قیراط کے عوض مکہ والوں کی بکریاں چراتا تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۲۶۲' دار ارقم بیروت)

قیراط سے مراد درہم یا دینار کا ایک جز ہے آپ ہر بکری کو چرانے کا ایک قیراط لیتے تھے۔

(فتح الباری ج ۵ ص ۱۹۹' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حضرت مقدام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی شخص نے بھی اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر طعام نہیں کھایا اور اللہ کے نبی داؤد اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰۷۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۱۳۸' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۷۳۲۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص لکڑیاں کاٹ کر اس کا گٹھا اپنی پشت پر لاد کر لائے وہ اس سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں سے سوال کرے وہ اس کو دیں یا منع کر دیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰۷۴، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۴۲، سنن النسائی: رقم الحدیث: ۲۵۸۴، مسند احمد رقم الحدیث ۷۳۱۵، عالم الکتب بیروت)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے پاک اور حلال چیزوں کے کھانے کا حکم دیا ہے اور یہ حکم اس حکم کو متضمن ہے کہ ناپاک اور حرام چیزیں نہ کھائی جائیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لوگو! بے شک اللہ طیب ہے اور وہ سوا طیب اور طاہر چیز کے کسی چیز کو قبول نہیں کرتا (طاہر کا معنی ہے وہ چیز فی نفسہ حلال ہو اور طیب کا معنی ہے وہ چیز حلال ذرائع سے حاصل کی گئی ہو مثلاً چوری کا دودھ فی نفسہ حلال ہے لیکن حلال ذریعہ سے حاصل نہیں ہوا اس لئے وہ طاہر ہے طیب نہیں ہے اور انسان دودھ خرید کر لائے اور اس میں کوئی ناپاک چیز گر جائے تو وہ دودھ طیب تو ہے لیکن طاہر نہیں ہے) اور بے شک اللہ نے مسلمانوں کو اسی چیز کا حکم دیا ہے جس چیز کا حکم اس نے اپنے رسولوں کو دیا ہے اس نے فرمایا:

يَاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَ اعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّىْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ؕ۝

اے رسولو! پاک چیزوں میں سے کھاؤ اور نیک عمل کرتے رہو بے شک تم جو بھی کام کرتے ہو میں اس کو خوب جاننے والا ہوں۔ (المؤمنون: ۵۱)

اور فرمایا:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ

اے ایمان والو! ان پاک چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تم کو دی ہیں۔ (البقرۃ: ۱۷۲)

پھر آپ نے اس شخص کا ذکر فرمایا جو دور دراز کا سفر طے کر کے آتا ہے اس کے بال بکھرے ہوئے اور غبار آلود ہوتے ہیں وہ آسمان کی طرف دونوں ہاتھ پھیلا کر دعا کرتا ہے اے میرے رب! اے میرے رب! اس کا کھانا حرام ہوتا ہے اور اس کا پینا حرام ہوتا ہے اور اس کا لباس حرام ہوتا ہے اس کی غذا حرام ہوتی ہے تو اس کی دعا کہاں سے قبول ہوگی؟

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۱۵، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۹۸۹، مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۸)

عبدالوہاب بن ابی حفص بیان کرتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام شام کو روزے سے تھے افطار کے وقت ان کے پینے کے لئے دودھ لایا گیا، انہوں نے پوچھا تمہارے پاس یہ دودھ کہاں سے آیا؟ کہا یہ ہماری بکریوں کا دودھ ہے، آپ نے پوچھا اس کی قیمت کہاں سے آئی، انہوں نے کہا اے اللہ کے نبی آپ یہ سوال کیوں کر رہے ہیں فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہم رسولوں کی جماعت کو یہ حکم دیا ہے کہ ہم پاک چیزوں سے کھائیں اور نیک عمل کریں۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۷۶۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۰ھ)

ام عبداللہ بنت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم روزہ سے تھے میں نے آپ کے افطار کے لئے ایک پیالہ میں دودھ بھیجا، اس وقت ابتدائی دن کا وقت تھا اور شدید گرمی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ پیالہ واپس کر دیا اور پوچھا جس بکری کا یہ دودھ ہے وہ بکری کہاں سے آئی ہے؟ میں نے کہا میں نے اپنے مال سے خریدی تھی، تب آپ نے اس دودھ کو پیا، دوسرے دن صبح کو ام عبداللہ بنت شداد آپ کے پاس آئیں اور کہا یا رسول اللہ! میں نے آپ کے پاس بہت اچھا دودھ بھیجا تھا وہ دن بہت طویل اور سخت گرم تھا، پھر آپ نے وہ دودھ میری طرف واپس بھیج دیا تھا، آپ نے

فرمایا رسولوں کو اسی بات کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ سوا طیب چیزوں کے اور کچھ نہ کھائیں اور سوا نیکی کے اور کوئی عمل نہ کریں۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۷۴'۲۷۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ' حافظ ابن کثیر نے یہ حدیث امام ابن ابی حاتم کی سند سے ذکر کی ہے لیکن مطبوعہ تفسیر امام ابن ابی حاتم میں یہ حدیث نہیں ہے اور امام رازی نے اس حدیث کو بلا حوالہ نقل فرمایا ہے' تفسیر کبیر ج ۸ ص ۲۸۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ اور حدیث کی کسی کتاب میں ہم کو یہ حدیث نہیں ملی)

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے طیب چیز کو کھایا اور سنت کے مطابق عمل کیا اور لوگوں کو اپنے مظالم سے محفوظ رکھا وہ جنت میں ہوگا۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۷۵۲' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کون سی چیز لوگوں کو جنت میں داخل کرنے کا زیادہ سبب ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ کا ڈر اور اچھے اخلاق! اور آپ سے سوال کیا گیا کہ کون سی چیز لوگوں کو دوزخ میں داخل کرنے کا زیادہ سبب ہے؟ آپ نے فرمایا شرم گاہ اور منہ۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۷۵۶)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے جنت میں وہ گوشت اور خون داخل نہیں ہوگا جو اس مال سے حاصل کیا گیا ہو جو لوگوں کا حق مار کر اور انہیں نقصان پہنچا کر حاصل کیا گیا ہو۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۷۵۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم میں سے کوئی شخص اپنے منہ میں مٹی ڈال لے تو وہ اس سے بہتر ہے کہ وہ اپنے منہ میں اس چیز کو ڈالے جس کو اللہ عزوجل نے حرام کر دیا ہے۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۷۶۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ایک غلام تھا جو ان کے لئے کچھ مال کما کر لاتا تھا اور حضرت ابوبکر اس مال سے کھاتے تھے' ایک دن وہ کوئی چیز لے کر آیا جس سے حضرت ابوبکر نے کھا لیا' پھر اس غلام نے آپ سے کہا کیا آپ کو یہ معلوم ہے کہ یہ کیا چیز ہے؟ حضرت ابوبکر نے فرمایا بتا کیا چیز ہے؟ اس نے کہا میں زمانہ جاہلیت میں کاہنوں (نجومیوں) کا کام کرتا تھا اور مجھے یہ کام اچھی طرح نہیں آتا تھا' مگر میں لوگوں کو فریب دیتا تھا' آج مجھے ایک شخص ملا جس نے مجھے اس کام کا معاوضہ دیا اور یہ وہی معاوضہ ہے جس سے آپ نے کھایا' حضرت ابوبکر نے اپنا ہاتھ حلق میں ڈالا اور ہر اس چیز کی قے کر دی جو ان کے پیٹ میں گئی تھی۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۷۷۰)

حسب ذیل حدیث میں اس کی زیادہ وضاحت ہے:

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابوبکر کے پاس بیٹھا ہوا تھا' ان کے پاس ان کا ایک غلام طعام لے کر آیا انہوں نے اس میں سے ایک لقمہ کھا لیا' پھر پوچھا تم نے یہ طعام کیسے حاصل کیا تھا اس نے کہا میں زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا پادری تھا انہوں نے مجھے کچھ دینے کا وعدہ کیا تھا' آج انہوں نے مجھے یہ طعام دیا تھا' آپ نے فرمایا میں یہی گمان کرتا ہوں کہ تم نے مجھے اس طعام سے کھلایا ہے جس کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کر دیا ہے' پھر آپ نے حلق میں انگلیاں ڈال کر قے کر دی پھر فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے جو گوشت لقمہ حرام سے بنا وہ دوزخ کے زیادہ لائق ہے۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۷۶۱)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک یہ تمہارا دین ایک ہی دین ہے اور میں تمہارا رب ہوں سو تم مجھ سے ڈرو ○ (المؤمنون: ۵۲)

اُمت کا معنی

اس آیت میں دین کے لئے امت کا لفظ ہے اور امت کا معنی ہے جماعت' اور حیوان کی جنس میں سے ہر جماعت ایک امت ہے حدیث میں ہے اگر کتے امتوں میں سے ایک امت نہ ہوتے تو میں ان کو قتل کرنے کا حکم دیتا' اور امت کا معنی طریقہ اور دین ہے کہا جاتا ہے فلان لا امة له یعنی اس کا کوئی دین نہیں ہے' قرآن مجید میں ہے کنتم خیر امة یعنی تم اہل دین میں سب سے بہتر ہو اور امت کا معنی ہے وقت اور مدت' قرآن مجید میں ہے وادکر بعد امة اس کو ایک مدت کے بعد یاد آیا۔

(مختار الصحاح ص ۲۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

اس آیت کا معنی ہے کہ جس طرح تمام انبیاء کا اس پر اتفاق واجب ہے کہ وہ حلال کھائیں اور اعمال صالحہ کریں اسی طرح ان کا اس پر اتفاق واجب ہے کہ وہ توحید پر قائم رہیں اور گناہوں سے اجتناب کریں۔

اس پر یہ اعتراض ہے کہ جب تمام رسولوں کی شریعتیں مختلف ہیں تو ان کا دین واحد کیسے ہو سکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دین سے مراد وہ امور ہیں جن میں ان کا اختلاف نہیں ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کی معرفت' اور رہیں ان کی شریعتیں تو ان میں جو ان کا اختلاف ہے اس کو دین میں اختلاف نہیں کہا جاتا۔ اور فرمایا میں تمہارا رب ہوں سو تم مجھ سے ڈرو اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت میں سب کا ایک ہی دین ہے اور اس کی معصیت سے اجتناب میں سب کا ایک ہی دین ہے اور اس میں شریعتوں کے اختلاف کا کوئی دخل نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر لوگوں نے اپنے دین کے امور کو کاٹ کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر لیا' ہر گروہ اسی سے خوش ہوتا ہے جو اس کے پاس ہو۔ (المؤمنون: ۵۳)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی امتوں نے اپنے اپنے دین کے امور کو کاٹ کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اس آیت میں فرمایا ہے انہوں نے زبر کو کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا زبر' زبور کی جمع ہے' اس کا معنی ہے کتابیں' یعنی انہوں نے اپنے دین کو مختلف کتابیں اور مختلف ادیان بنا دیا' مقاتل اور ضحاک نے کہا یعنی مشرکین مکہ' مجوس' یہود اور نصاریٰ نے' اور ہر فریق نے جو اپنا نظریہ گھڑ لیا اور اپنی خواہشات کو دین کا جامہ پہنا دیا وہ یہ سمجھتا ہے اس نے جو نظریہ اپنایا ہے وہ حق ہے اور اس کا مخالف باطل پر ہے۔

حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان کھڑے ہوئے اور فرمایا سنو تم سے پہلے جو اہل کتاب تھے وہ بہتر فرقوں میں متفرق ہو گئے اور یہ امت تہتر فرقوں میں متفرق ہو گی' اس میں سے بہتر دوزخ میں ہوں گے اور ایک جنت میں ہو گا' اور یہ وہ فرقہ ہے جو سب سے بڑی جماعت ہو' ابن یحییٰ اور عمرو بن عثمان نے اپنی اپنی روایت میں یہ اضافہ کیا ہے کہ عنقریب میری امت میں ایسے لوگ نکلیں گے کہ گمراہی ان میں اس طرح سرایت کر جائے گی جس طرح باؤلے کتے کے کاٹے ہوئے کے جسم میں زہر سرایت کر جاتا ہے' عمرو بن عثمان نے کہا جیسے سگ گزیدہ کے جسم میں زہر داخل ہو جاتا ہے کہ کوئی رگ اور کوئی جوڑ اس زہر کے اثر سے نہیں بچتا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۵۹۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ)

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز کے بعد ہم کو بہت مؤثر نصیحت فرمائی جس سے ہر آنکھ سے آنسو جاری ہو گئے اور ہر دل خوف سے لرز گیا' ایک شخص نے کہا یہ تو اس شخص کی نصیحت ہے جو الوداع ہو رہا ہو' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم کرو کہ آپ ہم سے کیا عہد لیتے ہیں' رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا میں تم کو اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں اور اگر تمہارا حاکم حبشی غلام بھی مقرر کر دیا جائے تو اس کے احکام سننا اور اس کی اطاعت کرنا اور بے شک جو میرے بعد زندہ رہے گا وہ بہت اختلاف دیکھے گا' اور تم بدعات سے دور رہنا کیونکہ بدعات (سیئہ) گمراہی ہیں پس تم میں سے جو شخص ان بدعات کو پائے تو وہ میری سنت اور خلفاء راشدین مہدیین کی سنت کو لازم کرلے اور اس کو داڑھوں سے پکڑ لے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۷۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۰۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳' مسند احمد ج ۴ ص ۱۲۶' سنن دارمی رقم الحدیث: ۹۶' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵' المعجم الکبیر ج ۱۸ رقم الحدیث: ۶۱۷' مسند الشامیین رقم الحدیث: ۱۱۸۰' المستدرک ج ۱ ص ۹۵' الآجری فی الشریعہ رقم الحدیث: ۴۷)

علامہ حمد بن محمد خطابی متوفی ۳۸۸ھ حضرت معاویہ کی حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کے تہتر فرقے ہوں گے' اس میں یہ دلیل ہے کہ یہ تمام فرقے اسلام سے خارج نہیں ہیں' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کو اپنی امت قرار دیا ہے اور اس میں یہ دلیل بھی ہے کہ تاویل کرنے سے کوئی شخص ملت سے خارج نہیں ہوتا خواہ اس کی تاویل خطا پر مبنی ہو۔ (معالم السنن مع مختصر سنن ابوداؤد ج ۷ ص ۴' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ نے فرقہ ناجیہ کا مصداق اہل سنت و جماعت کو قرار دیا ہے پھر اس کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

اگر کہیں کہ یہ کیسے معلوم ہوا کہ ناجی گروہ اہلسنت و جماعت کا ہے' یہی راہ راست اور خدا کی طرف جانے کا راستہ ہے اور دوسرے تمام راستے جہنم کے راستے ہیں حالانکہ ہر فرقہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ راہ راست پر ہے اور اس کا مذہب برحق ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی کیونکہ خالی دعویٰ کافی نہیں ہوتا' دلیل چاہئے جبکہ اہلسنت و جماعت کے برحق ہونے کی دلیل یہ ہے کہ ان کا دین اسلام نقل ہوتا آیا ہے جبکہ یہاں صرف عقل کافی نہیں ہوتی' اور متواتر خبروں سے معلوم ہوا نیز احادیث و آثار کی چھان بین سے یقین آیا کہ سلف صالحین میں سے صحابہ و تابعین اور ان کے بعد والے تمام بزرگ اسی عقیدے اور طریقے پر تھے۔ مذہب اور ارشادات اکابر میں بدعت اور من مانی کارروائی کی ملاوٹ صدر اول کے بعد واقع ہوئی۔ صحابہ اور پہلے بزرگوں میں سے کوئی بھی ان کے طریقوں پر نہ تھا اور وہ ان راستوں سے بری تھے بدعات جاری ہونے کے بعد ان فرقوں نے ان بزرگوں سے صحبت و محبت کا رشتہ توڑ لیا اور رد کیا۔ صحاح ستہ والے محدثین اور دوسری مشہور قابل اعتماد کتابوں والے کہ جن پر اسلامی احکام کا دارومدار ہے اور مذاہب اربعہ کے ائمہ مجتہدین اسی جماعت سے ہیں اور جتنے فقہاء ان کے طبقے میں ہیں' سب اسی مذہب پر تھے اور اشاعرہ و ماتریدیہ کہ اصول و کلام کے امام ہیں' انہوں نے بھی سلف کے مذہب کی تائید کی اور عقلی دلائل سے اسے ثابت کیا اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور سلف کے اجماع سے ثابت ہے اسے مؤکد کیا۔ اسی لئے تو اس جماعت کا نام اہل سنت و جماعت ہوا۔ اگرچہ یہ نام بعد میں رکھا گیا لیکن ان کا مذہب اور عقیدہ وہی قدیم ہے اور ان حضرات کا طریقہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور اسلاف کے ارشادات کی پیروی کرتے ہیں اور نصوص کو ان کے ظاہری معانی پر محمول کرتے ہیں۔ (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۱۴۱-۱۴۰' مطبوعہ تیج کمار لکھنو)

اور حضرت شیخ مجدد الف ثانی متوفی ۱۰۳۴ھ لکھتے ہیں:

نجات کا راستہ اہل سنت و جماعت کی پیروی میں ہے اللہ تعالیٰ ان کے اقوال و افعال اور اصول و فروع میں برکت مرحمت فرمائے کیونکہ نجات پانے والی جماعت یہی ہے' اور اس کے سوا باقی سب فرقے خرابی اور ہلاکت میں پڑے ہوئے

ہیں۔ آج خواہ کسی کو اس بات کا علم نہ ہو لیکن کل ہر ایک جان لے گا جبکہ وہ جاننا فائدہ نہ دے گا۔ (مکتوبات دفتر اول مکتوب: ۴۹)
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس (اے رسول مکرم) آپ ان کو ان کے کفر کی غفلت میں چھوڑ دیں حتیٰ کہ ان کا وقت آجائے۔
(المؤمنون: ۵۴)

غمرۃ کا معنی اور مصداق

اس آیت میں فرمایا ہے ان کو ان کی غمرۃ میں چھوڑ دیں، یعنی آپ ان لوگوں کو چھوڑ دیجئے جو اپنے پیش رو کفار کے حکم میں ہیں اور ان کے کفر اور سرکشی کے باوجود جو ان سے عذاب مؤخر ہو رہا ہے اس کی آپ پرواہ نہ کیجئے۔ غمرۃ لغت میں اس چیز کو کہتے ہیں جو تم کو ڈھانپ لے اور تم سے بلند ہو جائے، اس کی اصل ہے ستر یعنی کسی چیز کو چھپا لینا۔ اسی وجہ سے کینہ کو غمر کہتے ہیں کیونکہ کینہ دل کو چھپا لیتا ہے۔ اور جو پانی بہت زیادہ ہو اس کو بھی غمرۃ کہتے ہیں کیونکہ وہ زمین کو ڈھانپ لیتا ہے اور غمر الرداء اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنی عطا اور بخشش سے لوگوں کو ڈھانپ لیتا ہے۔

یہاں اس سے مراد حیرت، غفلت اور ضلالت (گمراہی) ہے، یعنی ان کو ان کی گمراہی میں چھوڑ دیجئے حتیٰ کہ ان کو موت آجائے۔ اس کا یہ معنی بھی ہے ان کافروں کو دوزخ میں جانے دیجئے حتیٰ کہ یہ منکر خود اپنی آنکھوں سے عذاب کو دیکھ لیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا وہ یہ گمان کر رہے ہیں کہ ہم مال اور اولاد سے جو ان کی مدد کر رہے ہیں ○ تو ہم ان کی بھلائیاں پہنچانے میں جلدی کر رہے ہیں (نہیں نہیں!) بلکہ یہ سمجھ نہیں رہے ○ (المؤمنون: ۵۶-۵۵)

کافروں کے کفر کے باوجود ان کو نعمتیں دینے کی وجہ

یہ امداد تو ان کو صرف گناہوں میں ڈھیل دینے کے لئے ہے اور ان کو معاصی کی دلدل میں زیادہ کھینچنے کے لئے ہے اور وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ ان کی زیادہ نیکیوں کا ان کو صلہ مل رہا ہے نہیں نہیں یہ تو حیوانات اور بہائم کے مشابہ ہیں ان میں کوئی سمجھ اور شعور نہیں ہے کہ یہ اس پر غور کرتے کہ یہ استدراج اور ڈھیل ہے یا ان کی نیکیوں کا انعام ہے۔

امام رازی نے یہ روایت ذکر کی ہے کہ یزید بن میسرہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبیوں میں سے کسی نبی کی طرف یہ وحی کی کیا میرا بندہ اس پر خوش ہوتا ہے کہ اس پر دنیا کشادہ کر دی گئی حالانکہ وہ مجھ سے بہت دور ہوتا ہے اور وہ اس پر افسوس کرتا ہے کہ میں اس سے دنیا اٹھا لیتا ہوں حالانکہ وہ میرے قریب ہوتا ہے۔ اور حسن نے بیان کیا کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس کسریٰ کے کنگن آئے تو انہوں نے وہ کنگن اٹھا کر حضرت سراقہ بن مالک کے ہاتھ میں پہنا دیئے وہ کنگن اتنے کھلے تھے کہ حضرت سراقہ کے کندھوں تک پہنچ گئے، پھر حضرت عمر نے کہا اے اللہ! تجھ کو علم ہے کہ تیرے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کو پسند کرتے تھے کہ ان کے پاس مال آئے تو وہ اس کو تیری راہ میں خرچ کریں اور حضرت ابوبکر بھی اسی کو پسند کرتے تھے اے اللہ! اس مال کو لوگوں کے لئے آزمائش نہ بنانا پھر انہوں نے یہ آیت پڑھی: ایحسبون انما نمدھم به من مال وبنین ' کیا وہ یہ گمان کر رہے ہیں کہ ہم مال اور اولاد سے جو ان کی مدد کر رہے ہیں تو وہ ان کی بھلائیاں پہنچانے میں جلدی کر رہے ہیں۔ (نہیں نہیں!) بلکہ یہ سمجھ نہیں رہے۔

اس آیت کا دوسرا محمل یہ ہے کہ اللہ سبحانہ نے ان کو یہ نعمتیں اس لیے عطا کیں کہ وہ فارغ البال ہو کر اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کریں اور روزی کا حصول اور اس کے لئے مشقت کرنا ان کی اطاعت اور عبادت میں مانع نہ ہو، لیکن انہوں نے ان نعمتوں کے حصول کے باوجود اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت سے اعراض کیا تو ان پر اللہ کے عذاب کے نزول کی وجہ اور زیادہ مستحکم ہو گئی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جو لوگ اپنے رب کے جلال سے ڈرتے رہتے ہیں○ اور جو لوگ اپنے رب کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں○ اور جو لوگ اپنے رب کے ساتھ شرک نہیں کرتے○ اور جو لوگ (اللہ کی راہ میں) جو کچھ دیتے ہیں وہ خوف زدہ دلوں کے ساتھ دیتے ہیں (اس یقین کے ساتھ) کہ وہ اللہ کی طرف لوٹنے والے ہیں○ وہ لوگ نیک کاموں میں جلدی کرتے ہیں اور وہی نیکیوں میں سب سے بڑھنے والے ہیں○ (المؤمنون: ۶۱-۵۷)

مومنوں کی تحسین کی پانچ وجوہ

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی مذمت فرمائی تھی اور ان آیتوں میں حسب ذیل پانچ وجوہ سے مومنین کی تحسین فرمائی ہے:

(۱) مومنین اپنے رب سے ڈرتے ہیں' مقاتل اور کلبی وغیرہ نے کہا وہ اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے ہیں اور بعض مفسرین نے کہا وہ اپنے رب کے ڈر سے دائماً اس کی اطاعت کرتے ہیں' اور تحقیق یہ ہے کہ جس شخص کے دل میں اپنے رب کا خوف کامل درجہ کا ہوگا' وہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کے ناراض ہونے سے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بے حد خوف زدہ ہوگا اور جس شخص کا یہ حال ہوگا وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بہت دور رہے گا۔

(۲) اور جو لوگ اپنے رب کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں' اس کا معنی یہ ہے کہ اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی ذات اور صفات پر نشانیاں بکھری ہوئی ہیں جو لوگ ان نشانیوں میں غور اور فکر کر کے صاحب نشان تک پہنچتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات پر ایمان لاتے ہیں۔

(۳) اور جو لوگ اپنے رب کے ساتھ شرک نہیں کرتے' اس سے مراد شرک جلی نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا اس کو مستلزم ہے کہ اس کے ساتھ شرک نہ کیا جائے' بلکہ اس سے مراد شرک خفی ہے یعنی وہ ریاکاری نہیں کرتے اخلاص کے ساتھ اللہ کی عبادت صرف اللہ کی رضا کے لئے کرتے ہیں کسی کو دکھانے اور سنانے کے لئے اللہ کی عبادت نہیں کرتے۔

(۴) اور جو لوگ (اللہ کی راہ میں) جو کچھ دیتے ہیں وہ خوف زدہ دلوں کے ساتھ دیتے ہیں' اس سے مراد وہ تمام کام ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان پر لازم کر دیئے ہیں' خواہ ان کا تعلق حقوق اللہ سے ہو' جیسے نماز اور زکوٰۃ وغیرہ یا ان کا تعلق حقوق العباد سے ہو جیسے لوگوں کی امانتیں ادا کرنا اور ان کے قرض ادا کرنا اور ان کے معاملات میں عدل و انصاف کرنا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے اس آیت کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّ قُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ (المؤمنون: ۶۰) کیا اس آیت کا مصداق وہ لوگ ہیں جو شراب پیتے ہیں اور چوری کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: نہیں اے صدیق کی بیٹی اس کا مصداق وہ لوگ ہیں جو روزے رکھتے ہیں' نماز پڑھتے ہیں اور صدقہ کرتے ہیں اس کے باوجود وہ اس سے ڈرتے ہیں کہ ان کی یہ عبادتیں قبول نہ کی جائیں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۷۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۹۸' مسند حمیدی رقم الحدیث: ۲۷۵' المستدرک ج ۲ ص ۳۹۳' شرح السنۃ ج ۶ ص ۲۵)

(۵) وہ لوگ نیک کاموں میں جلدی کرتے ہیں' اس کا معنی یہ ہے کہ وہ بہت رغبت اور اہتمام سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اور انہیں یہ فکر دامن گیر رہتی ہے کہ کہیں یہ عبادت اپنے وقت سے مؤخر نہ ہو جائے اور کہیں اس عبادت کی ادائیگی میں کوئی کوتاہی نہ ہو جائے۔ اور فرمایا وہی نیکیوں میں سبقت کرنے والے ہیں' یعنی وہ دوسرے لوگوں سے پہلے نیکی کرنا چاہتے ہیں یا اس کا معنی یہ ہے کہ وہ عبادت کے اجر میں سبقت کرنے والے ہیں ان کو ان کی نیکیوں کا اجر آخرت سے

پہلے دنیا میں بھی مل جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم ہر نفس کو اس کی طاقت کے مطابق ہی مکلف کرتے ہیں اور ہمارے پاس ان کا نوشتہ اعمال ہے جو حق کے ساتھ کلام کرتا ہے اور ان پر بالکل ظلم نہیں کیا جائے گا ○ (نہیں نہیں!) بلکہ ان کے دل اس سے غفلت میں ہیں اور اس کے سوا ان کے اور (بھی) برے اعمال ہیں جن کو وہ کرنے والے ہیں ○ حتیٰ کہ جب ہم ان کے آسودہ حال لوگوں کو عذاب میں گرفتار کریں گے تو وہ بلبلانے لگیں گے ○ آج مت بلبلاؤ! بے شک ہماری طرف سے تمہاری کوئی مدد نہیں کی جائے گی ○ (المؤمنون: ۶۵-۶۲)

اللہ تعالیٰ کے ظلم نہ کرنے کی وجوہ

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے مخلص مومنوں کی صفات کا اور ان کے اعمال کی کیفیت کا ذکر فرمایا تھا' اور اب بندوں کے اعمال کے احکام میں سے دو حکم بیان فرمائے ایک حکم یہ ہے کہ وہ اپنے کسی بندے کو اس کی طاقت سے زیادہ کام کا مکلف نہیں کرتا' اور دوسرا حکم یہ ہے کہ اللہ کے پاس ایک کتاب میں بندوں کے اعمال لکھے ہوئے محفوظ ہیں اور وہ کتاب حق کے ساتھ کلام کرتی ہے اور ان پر بالکل ظلم نہیں کیا جائے گا' اور اس کی نظیر یہ آیتیں ہیں:

هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ۭ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ (الجاثیہ: ۲۹)

یہ ہے ہماری کتاب جو تمہارے خلاف سچ سچ بتا رہی ہے' بے شک تم جو بھی عمل کرتے رہے تھے ہم اس کو لکھوا رہے تھے۔

وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا۔ (الکہف: ۴۹)

اور وہ کہیں گے ہائے ہماری خرابی! اس کتاب کو کیا ہوا اس نے کسی چھوٹے اور بڑے گناہ کو محفوظ کیے بغیر نہیں چھوڑا۔

اور ان پر بالکل ظلم نہیں کیا جائے گا' ظلم اس طرح متصور ہو سکتا ہے کہ ان کو ان کے جرم سے زیادہ سزا دی جائے یا ان کو ان کی نیکی سے کم ثواب دیا جائے یا ان کو اس جرم کی سزا دی جائے جو انہوں نے کیا نہیں' یا ان کو ان کی طاقت سے زیادہ کام کا مکلف کیا جائے' اور اس قسم کا ظلم وہی کر سکتا ہے جو بندوں کی طاقت سے بے خبر ہو یا بندوں کے کیے ہوئے کاموں اور اس پر مرتب ہونے والی سزا یا جزاء سے لاعلم ہو' اور اللہ تعالیٰ سے کسی چیز کا علم مخفی نہیں ہے اور اس کا بے خبر ہونا محال ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کا ظلم کرنا بھی محال ہے۔ اور یہ یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ پر کسی بندہ کا کوئی حق نہیں ہے اجر و ثواب دینا اس کا فضل ہے اور گناہوں پر گرفت کرنا اور سزا دینا اس کا عدل ہے' اس لئے اللہ تعالیٰ کی جناب میں کسی طرح بھی ظلم کا تصور نہیں ہو سکتا۔

کفار کے کرتوت اور ان پر نزول عذاب کی کیفیت

المؤمنون: ۶۳ میں فرمایا: بلکہ ان کے دل اس سے غفلت میں ہیں' اس آیت میں غفلت کے لئے غمرۃ کا لفظ فرمایا ہے اور ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں کہ غمرۃ کا معنی غفلت' حجاب اور قرآن کے معانی سے اندھا ہونا ہے' جب کسی شخص کو پانی ڈھانپ لے تو کہتے ہیں غمرۃ الماء ان کے دل غمرۃ میں ہیں' اس کا معنی یہ بھی ہے کہ ان کے دل حیرت میں ہیں اور قرآن کے معانی سے اندھے پن اور حجاب میں ہیں' نیز فرمایا اور اس کے سوا ان کے اور بھی برے اعمال ہیں جن کو وہ کرنے والے ہیں' قتادہ اور مجاہد نے کہا حق کے انکار کے علاوہ ان کے اور بھی گناہ ہیں جن کو وہ ضرور کرنے والے ہیں' حسن اور ابن زید نے کہا اور بھی برے اعمال ہیں جو انہوں نے ابھی تک نہیں کیے لیکن وہ ان کو ضرور کریں گے اور ان کی وجہ سے وہ دوزخ میں داخل ہوں گے' اور اس کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ خالق کا کفر کرنے کے علاوہ انہوں نے مخلوق پر بھی ظلم کیا ہے۔

المؤمنون: ۶۴ میں فرمایا: حتیٰ کہ جب ہم ان کے آسودہ حال لوگوں کو عذاب میں گرفتار کریں گے تو وہ بلبلانے لگیں گے'

اور المؤمنون: ۶۵ میں فرمایا آج مت بلبلاؤ بے شک ہماری طرف سے تمہاری کوئی مدد نہیں کی جائے گی۔
اس گرفت سے مراد وہ عذاب ہے جو جنگ بدر کے دن شکست کی صورت میں ان پر نازل ہوا ان کے ستر افراد قتل کئے گئے اور ستر افراد قید کئے گئے اور باقی افراد پسپا ہو کر ذلت کے ساتھ الٹے پاؤں بھاگے۔
ضحاک نے کہا اس سے مراد وہ عذاب ہے جو قحط کی صورت میں ان پر مسلط کیا گیا تھا' حدیث میں ہے:
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع سے سر اٹھاتے تو کہتے سمع الله لمن حمده ربنا ولک الحمد' پھر چند مشرکوں کا نام لے کر ان کے خلاف دعا فرماتے: اے اللہ ولید بن الولید کو نجات دے اور سلمہ بن ھشام کو اور عیاش بن ابی ربیعہ کو اور کمزور مومنوں کو' اے اللہ قبیلہ مضر پر اپنی سخت گرفت کر' اے اللہ ان پر ایسے قحط کے سال مسلط کر دے جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں قحط مسلط کیا تھا' اور ان دنوں مضر کے اہل مشرق آپ کے مخالف تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۸۰۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۷۵' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۴۴۲' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۰۷۵)
یجئرون کا معنی ہے وہ زور سے چیخیں گے اور فریاد کریں گے جؤار کا اصل معنی ہے بیل کی طرح گڑگڑا کر آواز نکالنا۔
اللہ تعالیٰ فرمائے گا آج تم مت بلبلاؤ' تم سے عذاب دور نہیں کیا جائے گا اور تمہارا چیخنا اور چلانا تم کو کوئی نفع نہیں دے گا۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک اس سے پہلے میری آیتیں تم پر تلاوت کی جاتی تھیں تو تم ایڑیوں کے بل پلٹ کر بھاگ جاتے تھے O اس پر تکبر کرتے ہوئے اس قرآن کو افسانہ کہہ کر بکواس کرتے ہوئے O (المؤمنون: ۶۷-۶۶)

نکوص' سمر اور ہجر کے معانی

تنکصون' نکوص سے بنا ہے' نکوص کا معنی ہے کسی چیز سے پھرنا' باز رہنا اور بھاگ جانا۔
سامرا: سمر سے بنا ہے' اس کا معنی ہے رات کو باتیں کرنا قصے کہانیاں سنانا' اور سامر کا معنی ہے کہانی سنانے والا' افسانہ گو' داستان سرا' علامہ آلوسی نے لکھا ہے کہ سمر اصل میں ظل قمر (چاند کا سایا) کو کہتے ہیں' ''مطلع'' میں مذکور ہے کہ چاند کا سایا اپنے دھندلے پن کی وجہ سے اس نام سے موسوم ہے' اور البحر المحیط میں مذکور ہے کہ جو چاندنی درختوں پر چڑھتی ہے اس کو سمر کہتے ہیں' اور علامہ راغب نے لکھا ہے کہ رات کے اندھیرے کو سمر کہتے ہیں' بعد میں اس لفظ کا استعمال رات میں باتیں کرنے کے لئے ہونے لگا اور بعض نے کہا سامر کا معنی ہے اندھیری رات۔
تھجرون: یہ لفظ ھجر سے بنا ہے' ھجر کا معنی ہے گپ چھوڑنا' شیخی بگھارنا' ڈینگ مارنا' بے ہودہ باتیں کرنا' ہذیان بکنا اور کسی چیز کے ترک کرنے کو بھی ہجر کہتے ہیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت میں کاغذ اور قلم مانگا تاکہ آپ ایسی چیز لکھ دیں جس کے بعد مسلمان گمراہ نہ ہوں تو بعض مسلمانوں نے کہا اھجر استفھموه (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۴۳۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۳۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۰۲۹' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۵۸۵۴) یعنی کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں چھوڑ کر اللہ کے پاس جا رہے ہیں' آپ سے دریافت کر لو اس حدیث میں ہجر بیماری میں ہذیان بکنے اور بے ہودہ باتیں کرنے کے معنی میں نہیں ہے۔ ترک کرنے اور چھوڑنے کے معنی میں ہے' اور قرآن مجید کی اس آیت میں تھجرون بیہودہ باتیں کرنے اور ہذیان بکنے کے معنی میں ہے۔

مشرکین کے تکبر کے محامل

اس آیت میں ہے اس پر تکبر کرتے ہوئے' جمہور نے کہا یہ ضمیر حرم کی طرف یا مسجد حرام کی طرف یا شہر مکہ کی طرف لوٹ رہی ہے' ہر چند کہ اس کا پہلے ذکر نہیں ہے' کیونکہ وہ مشہور ہے' مشرکین کہا کرتے تھے ہم اہل حرم ہیں' ہم کسی سے نہیں ڈرتے'

ایک قول یہ ہے کہ ان کا اپنے دلوں میں یہ اعتقاد تھا کہ حرم پر اور کعبہ پر ان کا تمام لوگوں سے زیادہ حق ہے سو وہ اس پر تکبر کرتے تھے' اور بعض مفسرین نے کہا یہ ضمیر قرآن مجید کی طرف لوٹ رہی ہے کیونکہ اس سے پہلے یہ ذکر ہے: بے شک اس سے پہلے میری آیتیں تم پر تلاوت کی جاتی تھیں' اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب تم میری آیات کو سنتے ہو تو تم تکبر اور سرکشی کرتے ہو اور تم ان پر ایمان نہیں لاتے' ابن عطیہ نے کہا یہ بہت عمدہ تفسیر ہے اور النحاس نے کہا پہلی تفسیر راجح ہے مشرکین حرم پر فخر کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم اللہ کے حرم کے رہنے والے ہیں۔

عشاء کی نماز کے بعد جاگ کر باتیں کرنے کا شرعی حکم اور اس کے متعلق احادیث

سَامِرًا کے معنی ہم نے ذکر کئے کہ اس کا معنی ہے رات کو باتیں کرنے والا اور تهجرون کا معنی ہے بری باتیں کرنا یعنی وہ رات کو قرآن مجید اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بری اور بے ہودہ باتیں کرتے تھے' حضرت ابن عباس نے فرمایا وہ اپنی راتیں اطاعت اور عبادت کے بجائے' معصیت اور بے ہودہ گوئی میں گزارتے تھے' سمر (رات کو باتیں کرنے) کے متعلق یہ حدیث ہے:

حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز سے پہلے سونے اور عشاء کی نماز کے بعد باتیں کرنے کو مکروہ قرار دیتے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٥٦٨' صحیح مسلم رقم الحدیث: ٦٤٣' سنن النسائی رقم الحدیث: ١١٠٩' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٥١٨)

جو شخص عشاء کی نماز کے بعد رات گئے تک باتیں کرتا رہے گا وہ تہجد کی نماز کے لئے نہیں اٹھ سکے گا اور بعض اوقات صبح کی نماز کے وقت بھی اس کی آنکھ نہیں کھلے گی' رات کو باتیں کرنے کی ممانعت میں یہ حدیث بھی ہے:

بنو سلمہ کے ایک شخص بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم عشاء کے بعد باتیں کرنے سے اجتناب کرو اور جب رات کو گدھے بولیں تو اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم پڑھو۔

حضرت عمران لوگوں کو مارا کرتے تھے جو رات کو باتیں کرتے تھے' رات کو عشاء کی نماز کے بعد باتیں کرنے کی ممانعت کی حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دن کام کاج اور روزی کمانے کے لئے بنایا ہے اور رات آرام کرنے اور سونے کے لئے بنائی ہے' اور رات کو دیر تک جاگ کر باتیں کرنا اللہ تعالیٰ کی اس حکمت اور صنعت کے خلاف ہے قرآن مجید میں ہے:

وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِبَاسًا وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا ○ (الفرقان: ٤٧)

اور وہی ہے جس نے رات کو تمہارے لئے لباس بنا دیا اور نیند کو راحت بنا دیا اور دن کو اٹھ کھڑے ہونے کا وقت بنا دیا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب بستر پر لیٹتے تو یہ دعا کرتے باسمک اموت واحیا "تیرے نام سے ہی میں سوتا ہوں اور تیرے نام سے ہی بیدار ہوں گا" اور جب بستر سے اٹھتے تو یہ دعا پڑھتے: الحمد لله الذی احیانا بعد ما اماتنا والیه النشور "تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے ہمیں مارنے کے بعد زندہ کر دیا اور اسی کی طرف اٹھنا ہے"۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٦٣١٤' سنن الترمذی رقم الحدیث: ٣٤١٧' سنن النسائی رقم الحدیث: ٧٤٧' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٣٨٨٠' مسند احمد رقم الحدیث: ٢٣٦٦٠' عالم الکتب بیروت' سنن داری رقم الحدیث: ٢٦٨٩' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ٥٥٣٢)

رات کو جاگ کر دیر تک باتیں کرنا اس صورت میں ممنوع اور مکروہ ہے' جب قصہ کہانی اور کھیل تماشے کی یا دنیاوی باتیں کی جائیں لیکن اگر فقہ اور دین کی باتیں کی جائیں یا ذکر اذکار' تسبیح پڑھنے یا نوافل پڑھنے' صلاۃ التسبیح اور شبینہ پڑھنے یا وعظ اور

دینی قصاریں سننے اور سنانے میں رات کو دیر تک جاگا جائے تو وہ مذموم نہیں ہے محمود ہے' حدیث میں ہے:

قرۃ بن خالد بیان کرتے ہیں کہ ہم نے حسن بصری کا انتظار کیا انہوں نے آنے میں دیر کر دی تھی حتیٰ کہ ہم اٹھنے کے وقت کے قریب پہنچ گئے پھر وہ آ گئے اور کہا ہم کو ہمارے ان پڑوسیوں نے بلا لیا تھا' پھر کہا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک رات ہم عشاء کی نماز کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کرتے رہے حتیٰ کہ آدھی رات کے قریب وقت آ گیا' پھر آپ آئے اور آپ نے ہم کو نماز پڑھائی پھر ہم کو خطبہ دیا اور فرمایا سنو! لوگوں نے عشاء کی نماز پڑھی اور سو گئے اور بے شک تمہارا شمار نماز میں ہوتا رہا جب تک تم نماز کا انتظار کرتے رہے' حسن بصری نے کہا لوگوں کا اس وقت تک نیکی میں شمار ہوتا رہتا ہے جب تک وہ نیکی کے انتظار میں رہتے ہیں' قرۃ نے کہا یہ بھی حضرت انس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۰۰' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۵۰۱۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۴۰)

نیکی اور خیر کی وجہ سے رات کو جاگنے اور باتیں کرنے کے متعلق یہ حدیث بھی ہے:

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اصحاب صفہ (مسجد نبوی کے طالب علم) فقراء تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے پاس دو آدمیوں کا کھانا ہو وہ تیسرا (طالب علم) لے جائے' اور اگر چار کا کھانا ہو تو پانچواں لے جائے' اور اگر پانچ کا کھانا ہو تو چھٹا لے جائے' اور حضرت ابوبکر صدیق تین کو لے گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم دس کو لے گئے' پس میں اور میرے والد حضرت ابوبکر اور میری والدہ اور میری بیوی اور میرا خادم' ہم لوگ حضرت ابوبکر کے گھر میں تھے اور حضرت ابوبکر رات کا کھانا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھاتے تھے پھر وہیں ٹھہرے رہتے تھے اور جب عشاء کی نماز پڑھ لی جاتی تھی تو پھر واپس آتے تھے' پس اس رات وہ ٹھہرے رہے حتیٰ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانا کھا لیا پھر کافی رات گزرنے کے بعد آئے' ان کی بیوی نے کہا آپ کو کسی چیز نے مہمانوں کی خاطر جلد آنے سے روک لیا' حضرت ابوبکر نے پوچھا کیا تم نے ان کو کھانا نہیں کھلایا ان کی بیوی نے کہا انہوں نے آپ کے بغیر کھانے سے انکار کر دیا' انہیں کھانا پیش کیا گیا تھا مگر انہوں نے کھانے سے انکار کر دیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر نے کہا میں ایک جگہ جا کر چھپ گیا' حضرت ابوبکر نے (میرے متعلق) کہا اے ملامت زدہ! اللہ اس کی ناک کاٹ ڈالے اور مزید برا کہا' اور مہمانوں سے کہا تم کھاؤ خدا کرے تمہیں یہ کھانا اچھا نہ لگے' اور کہا اللہ کی قسم میں اس کھانے کو کبھی نہیں کھاؤں گا' اور اللہ کی قسم ہم اس کھانے سے جو بھی لقمہ کھاتے وہ نیچے سے اور زیادہ نکل آتا اور پہلے سے زیادہ ہو جاتا' حضرت عبدالرحمٰن نے کہا حتیٰ کہ مہمان سیر ہو گئے اور وہ کھانا پہلے سے زیادہ تھا' حضرت ابوبکر نے اس کھانے کی طرف دیکھا وہ اتنا ہی تھا یا اس سے زیادہ تھا' تو انہوں نے اپنی بیوی سے کہا: اے بنو فراس کی بہن! یہ کیا معاملہ ہے ان کی بیوی نے کہا میری آنکھوں کی ٹھنڈک کی قسم یہ کھانا تو پہلے سے تین گنا زیادہ ہے پھر حضرت ابوبکر نے بھی اس کھانے سے کھایا اور کہا میں نے جو اس کھانے کو نہ کھانے کی قسم کھائی تھی وہ شیطانی کام تھا' انہوں نے اس کھانے سے ایک لقمہ اور لیا پھر وہ کھانا اٹھا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئے اور وہ کھانا آپ کے پاس رہا اور ہمارے اور ایک قوم کے درمیان معاہدہ تھا' اس کی مدت گزر چکی تھی' ہم نے بارہ نقیبوں (مختار کار' قوم کے معاملات کی دیکھ بھال کرنے والوں) کو بلایا اور ہر نقیب کے ساتھ لوگ تھے اللہ ہی جانتا ہے ان لوگوں کی تعداد کتنی تھی' سو ان سب لوگوں نے وہ کھانا کھا لیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۰۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۵۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۲۷۱)

حضرت ابوبکر کے مہمانوں کی حدیث سے استنباط شدہ مسائل

اس حدیث سے بہت سے فقہی احکام مستنبط ہوتے ہیں' ہم نے جس وجہ سے اس حدیث کو ذکر کیا ہے وہ ہے عشاء کے

بعد نیکی کی باتیں کرنا' کیونکہ حضرت ابوبکر عشاء کی نماز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھ کر آئے تھے پھر گھر آ کر مہمانوں کے متعلق دریافت کیا' ان کو کھانا کھلایا اور بقیہ کھانا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر گئے اور نقیبوں اور ان کے ساتھیوں کو وہ برکت والا کھانا کھلایا۔

اس حدیث کے بقیہ مسائل اور احکام یہ ہیں کہ فقراء کی غم خواری کرنی چاہئے اور ان کے لئے ایثار کرنا چاہئے اور جب فقراء زیادہ ہوں تو قوم کے امیر کو انہیں لوگوں میں تقسیم کر دینا چاہئے اور جو شخص جتنے مہمان لے جا سکے اتنے مہمان لے جائے اور قوم کے امیر کو چاہیے کہ وہ بھی جتنے مہمان یا فقراء لے جا سکتا ہو وہ لے جائے' حضرت ابوبکر تین کو لے گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم دس کو لے گئے' اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جود و سخا میں سب سے بڑھ کر تھے اور آپ دوسروں کو جو حکم دیتے تھے خود اس سے زیادہ پر عمل کرتے تھے' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عیال کی تعداد ان مہمانوں کے قریب تھی آپ نے اور آپ کے عیال نے نصف طعام کھایا اور باقی مہمانوں کو کھلا دیا اور حضرت ابوبکر نے دو تہائی کھانا اپنے عیال کو کھلایا اور باقی مہمانوں کو کھلا دیا' حضرت ابوبکر رات کا کھانا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھاتے تھے اور رات گئے عشاء کی نماز پڑھ کر آتے تھے اس سے پتا چلتا ہے کہ ان کو آپ سے کتنی محبت تھی اور وہ اپنے اہل' اپنی اولاد اور اپنی بیوی اور مہمانوں کے لئے جو وقت ہوتا تھا وہ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گزار دیتے تھے۔ مہمانوں نے جو حضرت ابوبکر کے بغیر کھانا نہیں کھایا وہ ان کا حسن ادب تھا اور حضرت ابوبکر کے اہل خانہ کے ساتھ نرمی اور ملائمت تھی ان کو یہ گمان تھا کہ ان کے کھانے کے بعد شاید حضرت ابوبکر کے لئے کھانا نہ بچے' علماء نے یہ کہا ہے کہ مہمان کو یہ چاہئے کہ وہ میزبان کے کہنے کے مطابق کریں اگر وہ ان کو جلد کھانا کھلانا چاہئے یا جس طرح کا اور جتنی مقدار میں کھلانا چاہئے اس کی موافقت کریں' ہاں اگر اس کو معلوم ہو کہ میزبان اس کی وجہ سے تکلف کر رہا ہے اور دشواری میں پڑ رہا ہے تو وہ نرمی سے منع کر دے ہوسکتا ہے کہ میزبان کا اس میں کوئی عذر ہو یا کوئی غرض ہو اور وہ اس کا اظہار نہ کرنا چاہتا ہو اور مہمانوں کے اختلاف کرنے کی وجہ سے اس کو دشواری کا سامنا ہو۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر' حضرت ابوبکر کے آنے کے بعد ان کے ڈر کی وجہ سے چھپ گئے۔ حضرت ابوبکر نے ان کو ڈانٹا اور تادیباً برا کہا اس سے معلوم ہوا کہ اولا بڑی بھی ہو جائے پھر بھی ماں باپ کو اسے جھڑکنے اور ڈانٹنے کا اختیار ہوتا ہے' حضرت ابوبکر نے مہمانوں سے کہا تم کھاؤ تم کو یہ کھانا خوش گوار نہ لگے' انہوں نے مہمانوں کو بددعا نہیں دی تھی بلکہ یہ بتایا تھا کہ اتنی تاخیر سے کھانا خوش گواری کا باعث نہیں ہوتا' حضرت ابوبکر نے قسم کھائی تھی کہ وہ یہ کھانا نہیں کھائیں گے پھر جب ان کو معلوم ہوا کہ یہ کھانا برکت والا ہے اور پہلے سے تین گنا زیادہ ہے تو انہوں نے قسم توڑ دی اور اس کھانے سے کھایا اور اس حدیث پر عمل کیا کہ جو شخص کسی کام کو نہ کرنے کی قسم کھائے پھر معلوم ہو کہ وہ کام اچھا ہے تو وہ قسم توڑ کر اس کام کو کرلے اور اس قسم کا کفارہ دے دے۔

حضرت ابوبکر ایثار کر کے تین آدمیوں کو کھانا کھلانے کے لئے اپنے ساتھ لے گئے تھے اللہ تعالیٰ نے اس کی جزاء میں اس کھانے کو تین گنا زیادہ کر دیا' اس حدیث میں حضرت ابوبکر صدیق کی ظاہر کرامت ہے اور اہل سنت کے نزدیک اولیاء کی کرامت ثابت ہے' اور معتزلہ اس کے منکر ہیں' حضرت ابوبکر کی بیوی نے قسم کھائی میری آنکھوں کی ٹھنڈک کی قسم! اس کی وجہ یہ ہے کہ خوشی کے آنسو ٹھنڈے ہوتے ہیں اور جلد خشک ہو جاتے ہیں' اور غم کے آنسو گرم ہوتے ہیں اور جلد خشک نہیں ہوتے اس لئے کہا جاتا ہے اللہ تمہاری آنکھیں ٹھنڈی رکھے' غیر اللہ کی قسم کھانا منع ہے اور حضرت ابوبکر کی بیوی نے قسم کھائی میری آنکھوں کی ٹھنڈک کی قسم! یعنی حضرت ابوبکر کی قسم اس کا جواب یہ ہے کہ غیر اللہ کی قسم کھانا اس وقت منع ہے جب مقصود یہ ہو کہ اگر قسم پوری نہیں کی تو وہ کفارہ دے گا یعنی شرعی قسم' اور یہ لغوی قسم ہے جس سے مقصود صرف اظہار تعظیم ہے۔ حضرت ابوبکر اس کھانے کو

اٹھا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئے اس سے حضرت ابوبکر کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے غیر معمولی محبت کا پتا چلتا ہے کہ جو اچھی چیز ہو وہ اس کو آپ کے پاس لے جاتے تھے اور وہ کھانا آپ کی برکت سے اتنا زیادہ ہو گیا کہ بارہ نقیبوں اور ان کے ساتھ جتنے آدمی تھے ان سب نے کھالیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آیا انہوں نے اللہ کے کلام میں غور نہیں کیا یا ان کے پاس کوئی ایسی چیز آئی تھی جو ان کے پہلے باپ دادا کے پاس نہیں آئی تھی ○ یا انہوں نے اپنے رسول کو پہچانا نہیں تو وہ اس کے منکر ہو گئے ○ یا وہ یہ کہتے ہیں کہ اس رسول کو جنون ہے (نہیں نہیں) بلکہ وہ ان کے پاس حق لے کر آیا ہے اور ان میں سے اکثر حق کو ناپسند کرتے ہیں ○ اور اگر حق ان کی خواہشوں کی پیروی کرتا تو تمام آسمان اور زمینیں اور جو بھی ان میں ہیں وہ سب ہلاک ہو جاتے (نہیں نہیں) بلکہ ہم تو ان کے پاس ان کی نصیحت لائے ہیں سو وہ اپنی نصیحت سے ہی منہ پھیرنے والے ہیں ○ کیا آپ ان سے کوئی اجرت طلب کر رہے ہیں! سو آپ کے رب کا اجر ہی سب سے بہتر ہے اور وہ سب سے بہتر روزی دینے والا ہے ○ (المؤمنون: ۷۲-۶۸)

مشرکین کے ایمان نہ لانے کی وجوہ اور ان کا رد اور ابطال

المؤمنون: ۶۸ میں یہ بتایا ہے کہ قرآن مجید ان کے نزدیک مشہور اور معروف تھا اور وہ اس میں غور وفکر کرنے پر قادر تھے کیونکہ ان کے کلام اور قرآن مجید کی فصاحت اور بلاغت میں نمایاں اور غیر معمولی فرق تھا اور قرآن مجید میں کسی قسم کا تضاد اور تعارض نہیں تھا اور قرآن مجید نے ان کو صانع کے وجود کی معرفت اور اس کی وحدانیت کی معرفت پر متنبہ کیا تھا تو وہ اس قرآن میں کیوں تدبر نہیں کرتے تا کہ باطل کو ترک کر کے حق کو اختیار کر لیں۔ اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ مشرکین اس لئے آپ کی نبوت کا انکار کرتے تھے کہ اللہ کا کسی رسول کو اپنا پیغام دے کر بھیجنا خلاف عادت اور غیر معمولی کام ہے تو یہ بات غلط ہے اس کا رد کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا یا ان کے پاس کوئی ایسی چیز آئی تھی جو ان کے باپ دادا کے پاس نہیں آئی تھی۔ کیونکہ وہ تواتر سے جانتے تھے کہ رسول اپنی امتوں کے پاس آتے رہے تھے اور اپنی امتوں کے سامنے معجزات پیش کرتے رہے تھے اور ان امتوں میں سے بعض لوگ رسول کی تصدیق کر کے نجات پانے والے تھے اور بعض لوگ ان کی تکذیب کر کے ہلاک ہو گئے اور ان مکذبین پر ایسا عذاب آیا تھا جس نے ان کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر پھینک دیا تھا۔

(المؤمنون: ۶۹ میں فرمایا یا انہوں نے اپنے رسول کو پہچانا نہیں تو وہ اس کے منکر ہو گئے' یعنی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق اور آپ کی دیانت اور آپ کے مکارم اخلاق سے ناواقف تھے اس لئے آپ کی نبوت کا انکار کرتے تھے سو یہ بات بھی غلط ہے' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ نبوت سے پہلے وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صادق اور امین ہیں اور جھوٹ اور برے اخلاق سے بہت دور ہیں تو جب وہ آپ کے صادق اور امین ہونے پر متفق تھے تو پھر کیوں آپ کی نبوت کا انکار کر رہے ہیں۔

المؤمنون: ۷۰ میں فرمایا یا وہ یہ کہتے ہیں کہ اس رسول کو جنون ہے۔ یعنی اس دعویٰ رسالت کی وجہ یہ ہے کہ آپ کی عقل میں خرابی ہے سو یہ بات بھی غلط ہے کیونکہ وہ بداہتاً جانتے تھے کہ آپ تمام لوگوں سے زیادہ عقل مند ہیں' اور کوئی مجنون شخص ایسے قوی دلائل کیسے پیش کر سکتا ہے اور ایسی جامع شریعت اور ماضی اور مستقبل کی صحیح صحیح خبریں کیسے بیان کر سکتا ہے' اللہ تعالیٰ نے ان کے اس شبہ کا رد فرمایا نہیں نہیں بلکہ وہ ان کے پاس حق لے کر آیا ہے اور ان میں سے اکثر حق کو ناپسند کرتے ہیں' ان کے ناپسند کرنے کی وجہ یہ تھی کہ اگر وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو تسلیم کر لیتے تو تمام لوگ آپ کی اتباع کرتے اور عوام پر ان کی ریاست اور ان کا اقتدار جاتا رہتا' اور اکثر اس لئے فرمایا کہ بعض لوگ آپ کے برحق ہونے کو پہچانتے تھے اور وہ آپ

پر اس لئے ایمان نہیں لائے تھے کہ ان کی قوم ان کو ملامت کرے گی اور کہے گی کہ انہوں نے اپنے باپ دادا کے دین کو ترک کر دیا۔

المؤمنون: ۷۱ میں فرمایا اور اگر حق ان کی خواہشوں کی پیروی کرتا تو تمام آسمان اور زمینیں اور جو بھی ان میں ہیں وہ سب ہلاک ہو جاتے۔ اس کی حسب ذیل تفسیریں ہیں:

(۱) مشرکین کا اعتقاد یہ تھا کہ حق یہی ہے کہ اللہ کے ساتھ اس کے اور شرکاء بھی عبادت کے مستحق ہیں' حالانکہ اللہ کے ساتھ اور شریک بھی ہوتے تو آسمان اور زمین کا نظام فاسد ہو جاتا کیونکہ ہر خدا کا حکم دوسرے کے مخالف ہوتا مثلاً ایک سورج کو مشرق سے نکالنا چاہتا اور دوسرا مغرب سے' دونوں کا ارادہ بیک وقت پورا ہونا محال تھا پھر کسی ایک کا ارادہ پورا ہوتا اور وہی خدا ہوتا۔ الانبیاء: ۲۲ میں ہم اس معنی کو وضاحت سے بیان کر چکے ہیں۔

(۲) ان کی خواہش یہ تھی کہ بتوں کی عبادت کی جائے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ نبوت کی تکذیب کی جائے' اور ان کی اس خواہش کا پورا ہونا محال تھا کیونکہ متعدد خداؤں کی عبادت اس وقت صحیح ہوتی جب واقع میں متعدد خدا ہوتے اور اگر واقع میں متعدد خدا ہوتے تو عالم کا نظام فاسد ہو جاتا۔

(۳) ان کی خواہشات متعارض اور متضاد تھیں اور اگر ان متضاد خواہشوں کو پورا کیا جاتا تو عالم کا نظام فاسد ہو جاتا۔

(المؤمنون ۷۲ میں فرمایا: کیا آپ ان سے کوئی اجرت طلب کر رہے ہیں۔ یعنی کیا یہ مشرکین اس لئے آپ کے دعویٰ نبوت کو نہیں مان رہے کہ آپ ان سے کوئی معاوضہ طلب کر رہے ہیں یہ شبہ تو بہت بعید ہے آپ کو تو آپ کا رب روزی دیتا ہے اور وہ سب سے بہتر روزی دینے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک آپ ضرور ان کو صراط مستقیم کی دعوت دیتے ہیں○ اور بے شک جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے وہ ضرور صراط مستقیم سے منحرف ہونے والے ہیں○ اور اگر ہم ان پر (مزید) رحم کرتے اور جو تکلیف انہیں پہنچی ہے اس کو دور کر دیتے تو یہ ضرور اپنی سرکشی میں بھٹکنے پر اصرار کرتے○ اور بے شک ہم نے ان کو عذاب میں گرفتار کر لیا مگر پھر بھی یہ لوگ نہ اپنے رب کے سامنے جھکے اور نہ گڑ گڑائے○ حتیٰ کہ جب ہم ان پر عذاب شدید کا دروازہ کھول دیں گے تو اس وقت وہ ناامید ہو کر رہ جائیں گے○ (المؤمنون: ۷۷-۷۳)

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے متعلق مشرکین کے شبہات کو زائل فرمایا تھا اور اب یہ بیان فرما رہا ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت برحق ہے اور جو آپ کی نبوت کو نہیں مانتے اور آپ کا کفر کرتے ہیں وہ آخرت میں اس کا خمیازہ اٹھائیں گے' پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور اگر ہم ان پر (مزید) رحم کرتے اور جو تکلیف انہیں پہنچی ہے اس کو دور کر دیتے تو یہ ضرور اپنی سرکشی میں بھٹکنے پر اصرار کرتے۔ اس آیت میں جس تکلیف کا ذکر فرمایا ہے اس کی حسب ذیل تفسیریں ہیں:

۱- اس سے مراد قحط اور بھوک ہے اور دنیا کے باقی مصائب اور تکلیفیں مراد ہیں۔

۲- اس سے مراد ہے مختلف جنگوں اور جہادوں میں ان کا قتل کیا جاتا اور ان کا قید کیا جانا۔

۳- اس سے مراد آخرت کا ضرر اور عذاب ہے اور یہ بیان فرمایا کہ وہ اپنے عناد اور سرکشی میں اس قدر پہنچ چکے ہیں کہ آخرت کا عذاب ان سے دور نہیں ہو سکتا پھر یہ کہیں گے کہ ان کو دوبارہ دنیا میں بھیج دیا جائے لیکن ان کو دوبارہ دنیا میں نہیں لوٹایا جائے گا اور اگر ان کو دنیا میں لوٹا دیا جائے تو یہ پھر اسی ڈگر پر چلیں گے۔

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا

اور وہی ہے جس نے تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل پیدا کیے (مگر) تم بہت کم شکر

تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾ وَهُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۹﴾

ادا کرتے ہو ○ اور وہی ہے جس نے تم کو روئے زمین پر پھیلا دیا اور تم اسی کی طرف اٹھائے جاؤ گے ○

وَهُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۸۰﴾

اور وہی ہے جو زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے، اور رات اور دن کا اختلاف (بھی) اسی کے اختیار میں ہے، کیا پس تم نہیں سمجھتے! ○

بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ ﴿۸۱﴾ قَالُوْٓا ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّ

بلکہ انہوں نے بھی اسی طرح کہا جس طرح پہلے لوگ کہتے آئے تھے ○ انہوں نے کہا کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں

عِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۸۲﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَاۗؤُنَا هٰذَا

ہو جائیں گے تو کیا ہم ضرور اٹھائے جائیں گے ○ بے شک ہم سے اور ہمارے باپ دادا سے پہلے بھی اسی طرح کا وعدہ کیا گیا تھا،

مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۸۳﴾ قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ

یہ تو صرف پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں ○ آپ کہیے کہ یہ زمین اور اس میں جو لوگ ہیں وہ کس کی

وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۴﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۵﴾

ملکیت میں ہیں؟ (بتاؤ) اگر تم جانتے ہو؟ ○ عنقریب وہ کہیں گے کہ سب اللہ کی ملکیت ہیں، آپ کہیے کہ کیا پھر تم نصیحت حاصل نہیں

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۸۶﴾ سَيَقُوْلُوْنَ

کرتے! ○ آپ کہیے کہ سات آسمانوں کا رب اور عرش عظیم کا رب کون ہے؟ ○ عنقریب وہ کہیں گے

لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۸۷﴾ قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ

اللہ ہی سب کا رب ہے! آپ کہیے کہ کیا پھر (بھی) تم نہیں ڈرتے ○ آپ کہیے کہ کس کے ہاتھ میں سب کی سلطنت ہے؟

وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۸﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ

اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلہ میں کوئی پناہ نہیں دے سکتا (بتاؤ) اگر تم جانتے ہو ○ عنقریب وہ کہیں گے کہ سب اللہ ہی

قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ۝۸۹ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝۹۰

مالک ہے آپ کہیے پھر کہاں سے تم پر جادو کیا گیا ہے ؟ ○ بلکہ ہم ان کے پاس حق لائے ہیں اور بے شک وہ ضرور جھوٹے ہیں ○

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ

اللہ نے (اپنی) کوئی اولاد نہیں بنائی اور نہ اس کے ساتھ کوئی عبادت کا مستحق ہے ورنہ ہر معبود اپنی

كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا

مخلوق کو الگ کر لیتا اور ان میں سے بعض دوسرے بعض پر غالب آجاتے، اللہ ان اوصاف سے پاک ہے جو

يَصِفُوْنَ ۝۹۱ عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۹۲ ع ۵

یہ اس کے متعلق بیان کرتے ہیں ○ وہ ہر باطن اور ہر ظاہر کا جاننے والا ہے اور وہ اس شرک سے بلند ہے جو وہ اس کے متعلق کہتے ہیں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہی ہے جس نے تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل پیدا کئے (مگر) تم بہت کم شکر ادا کرتے ہو○ اور وہی ہے جس نے تم کو روئے زمین پر پھیلا دیا اور تم اسی کی طرف اٹھائے جاؤ گے○ اور وہی ہے جو زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے اور رات اور دن کا اختلاف (بھی) اسی کے اختیار میں ہے کیا پس تم نہیں سمجھتے○ (المؤمنون: ۸۰-۷۸)

اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتیں اور بندوں کی ناشکری

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بتایا تھا کہ کفار اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو سننے سے انکار کرتے ہیں اور حقائق میں غور وفکر نہیں کرتے اور ان سے نصیحت حاصل نہیں کرتے' اب اللہ تعالیٰ مومنوں کے سامنے اپنی آیات بیان فرما رہا ہے کہ وہی ہے جس نے تم کو کان' آنکھیں اور دل عطا کئے ہیں اور تم کو ان اعضاء کو استعمال کرنے اور ان سے استفادہ کرنے کی توفیق عطا کی ہے' اور اس پر تنبیہ فرمائی ہے کہ جو ان اعضاء کا صحیح استعمال نہیں کرتا وہ اس شخص کی طرح ہے جس کے پاس یہ اعضاء نہ ہوں جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَآ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّاَبْصَارًا وَّاَفْـِٕدَةً ۫ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَآ اَبْصَارُهُمْ وَلَآ اَفْـِٕدَتُهُمْ مِّنْ شَيْءٍ اِذْ كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ (الاحقاف: ۲۶)

اور بے شک ہم نے ان (قوم عاد) کو ان چیزوں پر اقتدار دیا تھا جن پر تمہیں اقتدار نہیں دیا اور ہم نے انہیں کان اور آنکھیں اور دل بھی دیئے ہوئے تھے لیکن ان کے کان اور آنکھوں اور دلوں نے ان کو نفع نہیں پہنچایا جب کہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے۔

اللہ سبحانہ نے ان آیتوں میں اپنی عظیم نعمتوں کا بیان فرمایا ہے کہ اس نے کان' آنکھیں اور دل عطا کئے ہیں' اور ان نعمتوں کا خصوصیت کے ساتھ اس لئے ذکر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید پر استدلال کرنا ان ہی اعضاء پر موقوف ہے' پھر یہ فرمایا کہ لوگ ان نعمتوں کا بہت کم شکر ادا کرتے ہیں' اور دوسری نعمت کا اس طرح ذکر فرمایا اور وہی ہے جس نے تم کو روئے زمین پر پھیلا دیا یعنی نسل در نسل تم کو زمین میں آباد کر دیا اور قیامت کے دن تم کو دار آخرت میں جمع فرمائے گا جہاں اس کے سوا

اور کوئی حاکم نہیں ہوگا' اور تیسری نعمت کا اس طرح ذکر فرمایا کہ وہی ہے جس نے تم کو حیات عطا کی تا کہ تم اس حیات میں نیک عمل کر کے دنیا اور آخرت کی نعمتوں کے امیدوار ہو جاؤ' اور موت عطا کی اور موت اس وجہ سے نعمت ہے کہ موت کے بعد ہی تم آخرت کی دائمی اور غیر متناہی نعمتوں کو حاصل کر سکتے ہو' اور چوتھی نعمت کا اس طرح ذکر فرمایا کہ وہی دن اور رات کو بار بار لاتا رہتا ہے دن میں تم اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے کام کاج اور کسب کرتے ہو اور دن کی تھکاوٹ دور کرنے کے لئے تم رات میں آرام کرتے ہو' اگر دن اور رات کا یہ اختلاف نہ ہوتا مثلاً اگر مسلسل دن ہوتا اور رات نہ ہوتی تو تمہاری تھکاوٹ دور نہ ہوتی اور نیند اور سکون میسر نہ ہوتا اور اگر مسلسل رات ہوتی تو تم کام کاج اور کاروبار نہ کر سکتے اس لئے دن اور رات کا اختلاف بنایا سو دن اور رات کا یہ اختلاف بھی تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے' وہ فرماتا ہے:

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ؕ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ○ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ○ (القصص: ۷۲-۷۱)

آپ کہیے بھلا بتاؤ تو سہی اگر اللہ تمہارے لئے قیامت تک مسلسل رات ہی رات بنا دیتا تو کیا اللہ کے سوا کوئی معبود ہے جو تمہارے پاس دن کی روشنی لے آتا کیا پس تم سنتے نہیں ہو؟○ آپ کہیے ذرا یہ تو بتاؤ کہ اگر اللہ تمہارے لئے قیامت تک مسلسل دن ہی دن بنا دیتا تو کیا اللہ کے سوا کوئی معبود ہے جو تمہارے پاس رات لے آتا جس میں تم آرام کرتے کیا پس تم دیکھتے نہیں ہو○

پھر جو لوگ اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں میں غور اور فکر نہیں کرتے ان کے متعلق فرمایا کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بلکہ انہوں نے بھی اسی طرح کہا جس طرح پہلے لوگ کہتے آئے تھے○ انہوں نے کہا کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا ہم ضرور اٹھائے جائیں گے؟○ بے شک ہم سے اور ہمارے باپ دادا سے پہلے بھی اسی طرح کا وعدہ کیا گیا تھا یہ تو صرف پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں○ (المؤمنون: ۸۳-۸۱)

حشر کے وقوع میں مشرکین کے شبہات اور ان کے جوابات

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے وجود اور اپنی توحید پر دلائل ذکر فرمائے تھے اس کے بعد اب اللہ تعالیٰ نے حشر نشر اور آخرت کا ذکر فرمایا' جس طرح پہلی امتوں کے لوگوں نے روشن اور واضح دلائل سامنے آنے کے باوجود مر کر دوبارہ زندہ ہونے کا انکار کیا تھا اسی طرح اس دور کے مشرکین بھی اپنے باپ دادا کی اندھی تقلید میں دوبارہ زندہ کئے جانے کا انکار کر رہے ہیں' ان کا ایک شبہ یہ تھا کہ جب ان کی ہڈیاں بوسیدہ ہو کر اور گل کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گی اور خاک بن کر خاک میں مل جائیں گی اور ہواؤں کے تھپیڑوں سے ان کی خاک دوسروں کی خاک میں مل جائے گی تو ان بکھرے ہوئے منتشر ذرّوں کو کس طرح جمع کیا جائے گا' اور جو ذرّات ایک دوسرے سے مختلط ہو چکے ہیں ان کو کیسے الگ الگ اور متمیز کیا جائے گا؟ اور ان کا یہ شبہ اس لئے باطل ہے کہ ان مختلط ذرّات کو وہ متمیز نہیں کر سکتا جس کا علم ناقص ہو اور ان منتشر ذرّات کو وہ جمع نہیں کر سکتا جس کی قدرت ناقص ہو' اور جس کا علم بھی کامل ہے اور جس کی قدرت بھی کامل ہے اس کے لئے ان منتشر ذرّات کو جمع کرنا اور ان مختلط ذرّات کو متمیز کرنا کیا مشکل ہے اور کیسے بعید ہے' اور ان کا دوسرا شبہ یہ تھا کہ اس سے پہلے دوسرے انبیاء بھی قیامت آنے اور حشر ونشر کا وعدہ کر چکے تھے اور اتنا طویل عرصہ گزر گیا اور ابھی تک قیامت آئی نہ حشر ہوا' سو یہ محض قصے اور کہانیاں ہیں ان کا یہ شبہ بھی باطل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں قیامت کا ایک وقت مقرر ہے اور جب وہ وقت آ جائے گا تو قیامت کے آنے میں ایک لمحہ کی بھی دیر نہیں ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ یہ زمین اور اس میں جو لوگ ہیں وہ کس کی ملکیت ہیں؟ (بتاؤ) اگر تم جانتے ہو○ عنقریب وہ کہیں گے کہ سب اللہ کی ملکیت ہیں' آپ کہیے کہ کیا پھر تم نصیحت حاصل نہیں کرتے○ آپ کہیے کہ سات آسمانوں کا رب اور عرش عظیم کا رب کون ہے؟○ عنقریب وہ کہیں گے کہ اللہ ہی سب کا رب ہے! آپ کہیے کہ کیا پھر (بھی) تم نہیں ڈرتے○ آپ کہیے کہ کس کے ہاتھ میں سب کی سلطنت ہے؟ اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلہ میں کوئی پناہ نہیں دے سکتا (بتاؤ) اگر تم جانتے ہو○ عنقریب وہ کہیں گے کہ سب کا اللہ ہی مالک ہے' آپ کہیے پھر کہاں سے تم پر جادو کیا گیا ہے؟○ بلکہ ہم ان کے پاس حق لائے ہیں اور بے شک وہ ضرور جھوٹے ہیں○ (المؤمنون: ۹۰-۸۴)

مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے اور بت پرستی کے بطلان پر دلائل

ان آیتوں سے ان کا رد کرنا مقصود ہے جو مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کا انکار کرتے تھے' اور ان مشرکین کا رد کرنا مقصود ہے جو بتوں کی پرستش کرتے تھے' کیونکہ مشرکین مکہ اللہ تعالیٰ کا اقرار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم بتوں کی اس لئے عبادت کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیں گے پھر اللہ تعالیٰ نے اس پر تین دلیلیں قائم کیں:

(۱) فرمایا: یہ زمین اور اس میں جو لوگ ہیں وہ کس کی ملکیت ہیں! اور حشر پر اس سے اس طرح استدلال ہے کہ جب تم یہ جانتے ہو کہ اس زمین کو اور اس میں بسنے والے لوگوں کو ہم نے پیدا کیا ہم نے ان کو زندگی اور قدرت عطا کی تو پھر واجب ہے کہ ان کو فنا کرنے کے بعد بھی ہم ان کو زندگی دینے پر قادر ہوں' اور بتوں کی عبادت کی نفی پر اس طرح استدلال ہے کہ جس نے تم کو زندگی عطا کی اور زندگی گزارنے کے لئے بے شمار نعمتیں عطا کیں وہ اس کا مستحق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے نہ کہ وہ جو کسی قسم کا نفع یا ضرر پہنچانے پر قادر نہیں ہیں۔ اور فرمایا: کیا پھر تم نصیحت حاصل نہیں کرتے! اس میں ان کو غور و فکر اور تدبر کرنے کی ترغیب دی ہے تاکہ وہ جان لیں کہ ان کا بت پرستی کرنا انصاف سے دور اور باطل ہے۔

(۲) فرمایا: سات آسمانوں کا رب کون ہے اور عرشِ عظیم کا رب کون ہے؟ یعنی جب تم یہ مانتے ہو کہ اللہ ہی سات آسمانوں اور عرش عظیم کا بنانے والا ہے تو وہ تمہیں مرنے کے بعد زندہ کیوں نہیں کر سکتا' اور سات آسمان اور عرش عظیم کو بنانے والا عبادت کے لائق ہے یا پتھر کی وہ بے جان مورتیاں جو کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتیں' فرمایا کیا پھر تم ڈرتے نہیں ہو؟ اس میں یہ تنبیہ ہے کہ آخرت میں اللہ کے عذاب سے وہی بچ سکتا ہے جو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کئے جانے پر ایمان لائے اور بتوں کی پرستش کو باطل قرار دے کر ترک کر دے۔

(۳) فرمایا: کس کے ہاتھ میں سب کی سلطنت ہے؟ پہلے اللہ تعالیٰ نے زمین کو بنانے کا ذکر کیا پھر سات آسمانوں اور عرش عظیم کے بنانے کا ذکر کیا پھر اپنی قدرت کا عموم اور شمول بتایا کہ تمام چیزوں کو اسی نے بنایا ہے' تو جو ایسا زبردست قادر ہے وہ تمہیں موت دے کر پھر زندہ کیوں نہیں کر سکتا؟ اور جس نے اس ساری کائنات کو پیدا کیا ہے وہ عبادت کا مستحق ہے یا پتھر کی بے جان مورتیاں؟ فرمایا: پھر تم کہاں سے جادو کئے گئے ہو' یعنی تم نے کس سے دھوکا کھایا ہے' ان کو دھوکا دینے والا شیطان ہے اور ان کی باطل خواہشیں ہیں۔ اور فرمایا: ہم حق لے کر آئے ہیں اور یہ حق کی تکذیب کرنے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ نے (اپنی) کوئی اولاد نہیں بنائی اور نہ اس کے ساتھ کوئی عبادت کا مستحق ہے' ورنہ ہر معبود اپنی مخلوق کو الگ کر لیتا اور ان میں سے بعض دوسرے بعض پر غالب آ جاتے' اللہ ان اوصاف سے پاک ہے جو یہ اس کے متعلق بیان کرتے ہیں○ وہ ہر باطن اور ہر ظاہر کا جاننے والا ہے اور وہ اس شرک سے بلند ہے جو وہ اس کے متعلق کہتے ہیں○

(المؤمنون: ۹۲-۹۱)

اللہ تعالیٰ کی اولاد نہ ہونے اور اس کا شریک نہ ہونے پر دلائل

المؤمنون: ۹۱ میں اللہ تعالیٰ نے دو دعویٰ کیے ایک یہ دعویٰ فرمایا کہ اس کی کوئی اولاد نہیں ہے اور اس میں ان مشرکین کا رد فرمایا جو کہتے تھے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں' اور دوسرا دعویٰ یہ فرمایا کہ اس کے ساتھ کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اس میں ان مشرکین کا رد فرمایا جو بتوں کو بھی عبادت کا مستحق کہتے تھے' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس آیت سے عیسائیوں اور مجوسیوں کا رد مقصود ہو کیونکہ عیسائی حضرت عیسیٰ کو اللہ کا بیٹا کہتے تھے اور مجوسی یہ کہتے تھے کہ عبادت کے دو مستحق ہیں یزداں خالق خیر ہے اور اہرمن خالق شر ہے۔ پھر فرمایا ورنہ ان میں سے بعض دوسرے بعض پر غالب آ جاتے جیسے جب متعدد بادشاہ ہوں تو ان میں اقتدار کی کش مکش رہتی ہے اور ہر قوی اپنے سے ضعیف پر غالب آنا چاہتا ہے اور جو ضعیف اور مغلوب ہو وہ الوہیت کا مستحق نہیں' اور اس دلیل سے اللہ کی اولاد کی بھی نفی ہوتی ہے کیونکہ بیٹا بھی ملک اور سلطنت کے حصول کے لئے باپ پر غالب آنے کی کوشش کرتا ہے جیسے اورنگ زیب نے اپنے باپ شاہ جہاں کو اقتدار سے محروم کر کے قید خانہ میں ڈال دیا تھا۔

المؤمنون: ۹۲ میں فرمایا: وہ عالم الغیب والشہادۃ ہے یعنی وہ ہر باطن اور ہر ظاہر کا جاننے والا ہے' اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور پر عالم الغیب کا اطلاق کرنا جائز نہیں ہے یہ اللہ تعالیٰ کی صفت مختصہ ہے۔ ہم نے الانعام: ۵۰ میں اس کی مکمل وضاحت کی ہے دیکھیے تبیان القرآن ج ۳ ص ۴۷۵' اور الاعراف: ۱۸۸ میں بھی اس پر مفصل بحث کی ہے دیکھیے تبیان القرآن ج ۴ ص ۴۸۷-۴۸۵)

قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِیَنِّیْ مَا یُوْعَدُوْنَ ﴿۹۳﴾ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِیْ فِی

آپ کہیے کہ اے میرے رب! اگر تو مجھے وہ عذاب دکھا دے جس کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے ○ اے میرے رب! تو مجھے ظلم کرنے والے

الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۹۴﴾ وَاِنَّا عَلٰۤی اَنْ نُّرِیَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۹۵﴾

لوگوں میں شامل نہ کرنا ○ بے شک ہم آپ کو وہ عذاب دکھانے پر ضرور قادر ہیں جس کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے ○

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ السَّیِّئَةَ ؕ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَصِفُوْنَ ﴿۹۶﴾

برائی کو اس طریقہ سے دور کیجیے جو بہت اچھا ہو' (آپ کے متعلق) یہ جو باتیں بناتے ہیں ہم ان کو خوب جانتے ہیں ○

وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّیٰطِیْنِ ﴿۹۷﴾ وَاَعُوْذُ بِكَ

آپ کہیے اے میرے رب! میں شیطان کے وسوسوں سے تیری پناہ میں آتا ہوں ○ اور اے میرے رب! میں اس سے تیری

رَبِّ اَنْ یَّحْضُرُوْنِ ﴿۹۸﴾ حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ

پناہ میں آتا ہوں کہ وہ میرے پاس آئیں ○ حتیٰ کہ جب ان میں سے کسی کے پاس موت آتی ہے تو وہ کہتا ہے اے میرے رب!

ارْجِعُوْنِ ﴿۹۹﴾ لَعَلِّیْۤ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ

مجھے واپس بھیج دے ○ تاکہ میں اس دنیا میں وہ نیک کام کروں جن کو میں چھوڑ آیا ہوں، ہرگز نہیں! یہ صرف ایک بات ہے

هُوَ قَآئِلُهَا ۖ وَمِن وَرَآئِهِم بَرْزَخٌ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴿١٠٠﴾ فَإِذَا

جس کو یہ کہہ رہا ہے اور ان کے پس پشت ایک حجاب ہے جس دن تک ان کو اٹھایا جائے گا ○ پھر جب

نُفِخَ فِي الصُّورِ فَلَآ أَنسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَآءَلُونَ ﴿١٠١﴾

صور پھونک دیا جائے گا تو اس دن ان کے درمیان رشتے قائم نہیں رہیں گے اور نہ وہ ایک دوسرے سے سوال کر سکیں گے ○

فَمَن ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿١٠٢﴾ وَمَنْ خَفَّتْ

سو جن (کی نیکیوں) کے میزان میں پلڑے بھاری ہوں گے وہی کامیاب ہوں گے ○ اور جن (کی نیکیوں) کے پلڑے

مَوَازِينُهُ فَأُولَٰٓئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوٓا أَنفُسَهُمْ فِي جَهَنَّمَ

ہلکے ہوں گے تو یہی وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنے آپ کو نقصان میں ڈالا (وہ) ہمیشہ دوزخ میں

خَٰلِدُونَ ﴿١٠٣﴾ تَلْفَحُ وُجُوهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيهَا كَٰلِحُونَ ﴿١٠٤﴾

رہیں گے ○ آگ ان کے چہروں کو جھلستی رہے گی اور وہ اس میں بری حالت میں ہوں گے ○

أَلَمْ تَكُنْ ءَايَٰتِي تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فَكُنتُم بِهَا تُكَذِّبُونَ ﴿١٠٥﴾ قَالُوا

کیا تمہارے سامنے میری آیتوں کی تلاوت نہیں کی جاتی تھی پھر تم ان کی تکذیب کرتے تھے ○ وہ کہیں گے

رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّينَ ﴿١٠٦﴾ رَبَّنَآ

اے ہمارے رب! ہم پر ہماری بدبختی غالب آگئی اور ہم (واقعی) گمراہ لوگ تھے ○ اے ہمارے رب

أَخْرِجْنَا مِنْهَا فَإِنْ عُدْنَا فَإِنَّا ظَٰلِمُونَ ﴿١٠٧﴾ قَالَ اخْسَـُٔوا فِيهَا

ہمیں اس دوزخ سے نکال اگر ہم پھر (کفر کی طرف) لوٹیں تو بے شک ہم ظالم ہوں گے ○ (اللہ) فرمائے گا تم اسی میں دھتکارے ہوئے

وَلَا تُكَلِّمُونِ ﴿١٠٨﴾ إِنَّهُ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْ عِبَادِي يَقُولُونَ

پڑے رہو اور مجھ سے بات نہ کرو ○ بے شک میرے بندوں میں سے ایک گروہ یہ کہتا تھا اے

رَبَّنَآ ءَامَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنتَ خَيْرُ الرَّٰحِمِينَ ﴿١٠٩﴾ صلے ج

ہمارے رب! ہم ایمان لائے تو ہماری مغفرت فرما اور ہم پر رحم فرما اور تو رحم کرنے والوں میں سب سے اچھا ہے ○

فَاتَّخَذْتُمُوهُمْ سِخْرِيًّا حَتَّىٰٓ أَنسَوْكُمْ ذِكْرِى وَكُنتُم مِّنْهُمْ

تو (اے کافرو!) تم نے ان کا مذاق اڑایا حتّٰی کہ (اس مشغلہ نے) تمہیں میری یاد (بھی) بھلا دی اور تم ان

تَضْحَكُونَ ﴿١١٠﴾ إِنِّى جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوٓا أَنَّهُمْ هُمُ

پر ہنسا کرتے تھے ۝ بے شک میں نے آج انکے صبر کی اچھی جزا دی اور بے شک وہی

الْفَآئِزُونَ ﴿١١١﴾ قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِى الْأَرْضِ عَدَدَ سِنِينَ ﴿١١٢﴾

کامیاب ہیں ۝ اللہ فرمائے گا تم زمین میں کتنے سال رہے تھے؟ ۝

قَالُوا لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْـَٔلِ الْعَآدِّينَ ﴿١١٣﴾

وہ کہیں گے ہم ایک دن یا دن کا کچھ حصہ رہے تھے آپ گننے والوں سے پوچھ لیجیے ۝

قٰلَ إِن لَّبِثْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا لَّوْ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿١١٤﴾

اللہ فرمائے گا تم بہت کم وقت ٹھیرے تھے کاش تم نے پہلے جان لیا ہوتا ۝

أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ ﴿١١٥﴾

کیا پس تم نے یہ گمان کر لیا تھا کہ ہم نے تم کو فضول پیدا کیا تھا اور تم ہماری طرف نہیں لوٹائے جاؤ گے ۝

فَتَعٰلَى اللَّهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ج لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ج رَبُّ الْعَرْشِ

پس اللہ بلند شان والا ہے اور سچا بادشاہ ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے وہ عرش کریم

الْكَرِيمِ ﴿١١٦﴾ وَمَن يَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلٰهًا ءَاخَرَ لَا بُرْهٰنَ لَهُ

کا رب ہے ۝ اور جو شخص اللہ کے سوا کسی اور معبود کی عبادت کرتا ہے، جس کی اس کے پاس کوئی دلیل

بِهِ فَإِنَّمَا حِسَابُهُ عِندَ رَبِّهِ ط إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُونَ ﴿١١٧﴾

نہیں ہے، سو اس کا حساب اس کے رب کے پاس ہی ہوگا، بے شک کافر کامیاب نہیں ہوں گے ۝

وَقُل رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَأَنتَ خَيْرُ الرّٰحِمِينَ ﴿١١٨﴾ ع

اور آپ کہیے اے میرے رب! مغفرت فرما اور رحم فرما اور تو رحم کرنے والوں میں سب سے اچھا ہے ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ اے میرے رب اگر تو مجھے وہ عذاب دکھا دے جس کا ان سے وعدہ کیا جارہا ہےO اے میرے رب تو مجھے ظلم کرنے والے لوگوں میں شامل نہ کرناO بے شک ہم آپ کو وہ عذاب دکھانے پر ضرور قادر ہیں جس کا ان سے وعدہ کیا جارہا ہےO برائی کو اس طریقہ سے دور کیجئے جو بہت اچھا ہو' (آپ کے متعلق) یہ جو باتیں بناتے ہیں ہم ان کو خوب جانتے ہیںO آپ کہیے اے میرے رب! میں شیطان کے وسوسوں سے تیری پناہ میں آتا ہوںO اور اے میرے رب! میں اس سے تیری پناہ میں آتا ہوں کہ وہ میرے پاس آئیںO (المؤمنون: ۹۸-۹۳)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس دعا کرانے کی توجیہ کہ اللہ آپ کو ظالموں کے عذاب میں شامل نہ کرے

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تعلیم دی ہے کہ آپ تواضع اور انکسار کے طور پر یہ دعا کریں کہ اے میرے رب! اگر تو مجھے ضرور وہ عذاب دکھائے جو ان کافروں کو دنیا میں دیا جائے گا یا آخرت میں دیا جائے گا تو مجھے ان معذب لوگوں میں شامل نہ کرنا' اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو معصوم ہیں آپ کو دنیا یا آخرت کے عذاب میں شامل کرنا کس طرح متصور ہو سکتا ہے تو پھر آپ کو عذاب سے محفوظ رکھنے کی دعا کیوں تعلیم فرمائی ہے؟ اس کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) ایک جواب یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو تواضع کرنے اور انکسار کرنے کی تعلیم دی ہے۔

(۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں یہ تعلیم دی ہے کہ ہر چند کہ آپ معصوم ہیں اور آپ نے کوئی ایسا کام نہیں کیا جس کی وجہ سے آپ عذاب کے مستحق ہوں تاہم اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے آپ اس کے جلال سے ڈرتے رہیے اور یہ دعا کرتے رہیے کہ جب اللہ ظالموں کو عذاب دے تو آپ کو وہ اس عذاب سے محفوظ رکھے۔

(۳) اور اس کا تیسرا جواب یہ ہے کہ آپ اپنی امت کے لئے آئیڈیل اور نمونہ ہیں آپ یہ دعا کریں تاکہ آپ کی امت بھی آپ کی اتباع میں یہ دعا کرے' اور اس دعا کرنے میں آپ کی امت کے لئے دو فائدے ہیں ایک اس دعا کرنے کا صلہ ملے گا یعنی ان کی دعا قبول کی جائے گی اور دوسرا آپ کی سنت پر عمل کرنے اور آپ کی اتباع کرنے کا ان کو ثواب ملے گا۔

(۴) اور اس کا چوتھا جواب یہ ہے کہ آپ کو اس دعا کرنے کا حکم اس لئے دیا گیا ہے کہ آپ اپنے رسول اور معصوم ہونے سے صرف نظر کر کے صرف اس حیثیت سے یہ دعا کریں کہ آپ اللہ کے بندے ہیں' اور بندگی کا یہ تقاضا ہے کہ بندہ اپنے رب سے یہ دعا کرتا رہے کہ وہ اس کو عذاب سے محفوظ رکھے۔

(۵) اور اس کا پانچواں جواب یہ ہے کہ بعض احکام عقل سے ماوراء اور محض تعبدی ہوتے ہیں جیسے پانی نہ ہونے یا پانی پر قدرت نہ ہونے کے وقت طہارت کے لئے تیمم کا حکم دیا' جب کہ ہاتھوں اور چہرے پر مٹی ملنے سے صفائی حاصل نہیں ہوتی یہ حکم عقل سے ماوراء ہے لیکن چونکہ ایسی صورت میں طہارت حاصل کرنے کے لئے ہم کو تیمم کرنے کا حکم دیا ہے اس لئے ہم تیمم کرتے ہیں' اسی طرح موزوں کے اوپر والے حصہ پر مسح کیا جاتا ہے اور یہ حکم بھی عقل سے ماوراء ہے کیونکہ موزوں کے نچلے حصہ پر گندگی یا میل کچیل لگنے کا احتمال ہے اوپر والے حصہ پر نہیں ہے لیکن ہم کو اوپر والے حصہ پر مسح کرنے کا حکم دیا ہے تو ہم اس حصہ پر مسح کریں گے خواہ ہماری عقل میں نہ آئے' اسی طرح ریح خارج ہونے سے وضو ٹوٹنے کا حکم دیا ہے اور یہ بھی عقل سے ماوراء حکم ہے کیونکہ ریح خارج ہونے سے جسم پر کوئی نجاست نہیں لگتی اور یہ طہارت کے منافی نہیں ہے' اسی طرح نماز میں قہقہہ لگانے سے وضو ٹوٹنے کا حکم بھی عقل سے ماوراء ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ سے افضل ہیں'

اس کے باوجود آپ کو کعبہ کا طواف کرنے کا حکم دیا یہ حکم بھی عقل سے ماوراء ہے اور تعبدی حکم ہے' اس طرح باوجود اس کے کہ آپ رسول معصوم ہیں آپ کو یہ حکم دیا کہ آپ یہ دعا کریں کہ اے میرے رب! جب تو ظالموں کو عذاب دے تو مجھے ان میں شامل نہ کرنا سو یہ حکم بھی ماوراء عقل ہے اور محض تعبدی ہے۔

(۶) اور اس کا چھٹا جواب یہ ہے کہ آپ رسول معصوم ہیں آپ نے کوئی گناہ نہیں کیا اس کے باوجود آپ کو توبہ کرنے اور استغفار کرنے کا حکم دیا:

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا ○ (النصر: ۳) آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کریں اور اس سے مغفرت کی دعا کریں بے شک وہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے۔

حدیث میں ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ کی قسم! میں ایک دن میں ستر مرتبہ سے زیادہ اللہ سے استغفار کرتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۰۷' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۵۹' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۴۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۱۵ مسند احمد رقم الحدیث: ۸۴۷۴)

ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی قسم کا بھی گناہ نہیں کیا اور توبہ اور استغفار گناہوں پر کیا جاتا ہے' اس لئے اس حدیث کا محمل یہ ہے کہ آپ کا توبہ اور استغفار کرنا آپ کے درجات اور مراتب میں ترقی اور بلندی کے لئے ہے' اسی طرح اس آیت میں آپ کو جو یہ حکم دیا ہے کہ آپ یہ دعا کریں کہ جب اللہ ظالموں کو عذاب دے تو وہ آپ کو اس عذاب میں شامل نہ کرے آپ کی یہ دعا بھی آپ کے درجات اور مراتب میں ترقی کے لئے ہے۔

اس آیت کے موافق وہ طویل حدیث ہے جس کو حضرت معاذ بن جبل نے روایت کیا ہے اس کے آخر میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کی: اور جب تو کسی قوم کو فتنہ میں ڈالنے کا ارادہ فرمائے تو مجھے فتنہ سے بچا کر میری روح قبض فرمانا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۳۵' مسند احمد ج ۵ ص ۲۴۳' طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۲۴۶۰' عالم الکتب بیروت)

۷- اور اس کا ساتواں جواب یہ ہے کہ ہر چند کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہیں اور آپ کا ظالموں کے عذاب میں مبتلا ہونا متصور نہیں ہے اس کے باوجود آپ کو یہ حکم دیا کہ آپ یہ دعا کریں کہ اللہ آپ کو ظالموں کے عذاب میں شامل نہ کرے کیونکہ کبھی ظالموں کے ظلم کی نحوست ان کو بھی پہنچ جاتی ہے جو ظالم نہیں ہوتے' جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَّا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنكُمْ خَاصَّةً (الانفال: ۲۵) اور تم اس وبال سے بچو جو خصوصیت سے صرف ان ہی لوگوں پر نہیں آئے گا جو تم میں سے ظلم اور گناہ کے مرتکب ہوئے تھے۔

اور کبھی جب عام عذاب آتا ہے تو اس سے بروں کے ساتھ نیک بھی متاثر ہو جاتے ہیں' دنیا میں اس کی مثال یہ ہے کہ جب کثرت سے بارشیں ہوں' سیلاب آجائیں' یا زلزلے آجائیں' یا قحط پڑ جائے یا کوئی اور ارضی وسماوی آفات ہوں تو اس سے نیک اور بد سب ہی متاثر ہوتے ہیں' تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا کہ جب ظالموں کو عام عذاب دیا جائے تو آپ یہ دعا کریں کہ اللہ آپ کو ظالموں کے عذاب کی نحوست سے اور اس عذاب کے عموم سے سلامت اور محفوظ رکھے۔

ہم نے اس آیت پر اشکال کے یہ سات جواب لکھے ہیں اور اپنے کلام کی حکمتوں اور اس کی باریکیوں کو اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کا عذاب دکھانا

مشرکین عذاب کا انکار کرتے تھے اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اس سے ڈراتے کہ اگر وہ اس طرح کفر اور شرک پر قائم رہے اور اپنی ہٹ دھرمی سے باز نہ آئے تو ان پر اللہ کا عذاب نازل ہوگا تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑاتے تھے سو اللہ تعالیٰ نے المؤمنون: ۹۵ میں فرمایا: بے شک ہم آپ کو وہ عذاب دکھانے پر ضرور قادر ہیں جس کا ان سے وعدہ کیا جارہا ہے۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ سبحانہ اس پر قادر ہے کہ وہ اپنے رسول کو ان کا عذاب دکھائے لیکن اس نے ان سے اس عذاب کو مؤخر کر دیا ہے' کیونکہ اس کو علم ہے کہ ان میں سے بعض لوگ ایمان لے آئیں گے یا ان کی اولاد ایمان لے آئے گی یا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرما چکا ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ (الانفال: ۳۳) اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ جب آپ ان کے درمیان ہوں تو وہ ان پر عذاب بھیج دے۔

ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا عذاب دکھا دیا جب ان پر قحط کی صورت میں بھوک کا عذاب نازل کیا حتیٰ کہ وہ مردار کھانے پر مجبور ہو گئے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ قریش نے اسلام قبول کرنے کو مؤخر کر دیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خلاف دعائے ضرر کی تو ان کو قحط نے پکڑ لیا حتیٰ کہ وہ اس میں ہلاک ہونے لگے اور انہوں نے مردار جانور اور ہڈیاں کھائیں' پھر ابوسفیان آپ کے پاس آئے اور کہا اے محمد! آپ رشتوں کو جوڑنے کا حکم دیتے ہیں اور آپ کی قوم ہلاک ہو رہی ہے آپ اللہ سے دعا کیجئے تو آپ نے یہ آیت پڑھی:

فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ○ (الدخان: ۱۰) آپ اس دن کا انتظار کریں جب آسمان ظاہر دھواں لائے گا۔

(کفار قحط کے ایام میں بھوک سے مجبور ہو کر آسمان کی طرف دیکھتے تو بھوک اور کمزوری کی شدت کی وجہ سے انہیں آسمان دھوئیں کی طرح نظر آتا تھا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ قرب قیامت کی دس بڑی علامات میں سے ایک علامت دھواں بھی ہے جس سے کافر بہت زیادہ متاثر ہوں گے اور مومن کم' اس آیت میں اسی دھوئیں کا ذکر ہے اس تفسیر کے اعتبار سے یہ علامت قیامت کے قریب ظاہر ہوگی جب کہ پہلی تفسیر کے اعتبار سے یہ علامت ظاہر ہو چکی ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے اور یہ دونوں تفسیریں صحیح ہیں)۔

پھر وہ لوگ اپنے کفر کی طرف لوٹ گئے اور اس کا ذکر اس آیت میں ہے:

يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى (الدخان: ۱۶) جس دن ہم بڑی سخت گرفت کریں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۰۲۰' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۵۴' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۸۱)

اور ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کا عذاب جنگ بدر کے دن دکھا دیا جب ستر کافر قتل کئے گئے اور ستر کافر گرفتار اور باقی ذلت کے ساتھ پسپا ہو کر بھاگ گئے' اور فتح مکہ کے دن کفار کا عذاب دکھایا جب کفار مکہ کو شکست فاش ہوئی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب فاتحانہ شان سے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔

برائی کا جواب اچھائی سے دینے کی نصیحت اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں اس کی مثالیں

المؤمنون: ۹۶ میں فرمایا: برائی کو اس طریق سے دور کیجئے جو بہت اچھا ہو آپ کے متعلق یہ جو باتیں بناتے ہیں ہم ان کو

خوب جانتے ہیں۔ اسی طرح ایک اور آیت میں بھی فرمایا ہے:

وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّیِّئَةُ ط اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ○ (حٰم السجدة: ۳۴)

نیکی اور بدی برابر نہیں' آپ برائی کو بھلائی سے دور کیجئے پھر وہی شخص جس کے اور آپ کے درمیان دشمنی ہے وہ ایسا ہو جائے گا جیسے وہ آپ کا محب اور دوست ہو۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ظلم کا جواب احسان سے دیجئے' زیادتی کا جواب عفو کے ساتھ اور غضب کا جواب عفو اور درگزر کے ساتھ اور بے ہودگیوں کا جواب چشم پوشی کے ساتھ اور ناپسندیدہ باتوں کا جواب برداشت اور حلم سے دیجئے' اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ آپ کا دشمن آپ کا دوست بن جائے گا اور دور رہنے والا قریب ہو جائے گا اور آپ کے خون کا پیاسا آپ کا گرویدہ اور جاں نثار ہو جائے گا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں اس کی بہت مثالیں ہیں' ہم چند مثالیں ذکر کر رہے ہیں۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کی طرف ہجرت کر رہے تھے تو سراقہ بن مالک بن جعشم نے (سو اونٹوں کے لالچ میں) آپ کا پیچھا کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے خلاف دعا کی تو اس کا گھوڑا زمین میں دھنس گیا' اس نے کہا آپ میرے لئے اللہ سے دعا کیجئے میں آپ کو ضرر نہیں پہنچاؤں گا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے دعا کی' ایک اور حدیث میں ہے اس نے آپ سے یہ سوال کیا کہ آپ مجھے امان لکھ کر دے دیں' آپ نے عامر بن فہیرہ کو حکم دیا اس نے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر اس کو امان لکھ دی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۹۰۸' ۳۹۰۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۰۹' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۸۶۶۳)

غور کیجئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کو امان لکھ کر دے رہے ہیں جو سو اونٹوں کے لالچ میں آپ کا سر اتارنے کے لئے نکلا تھا آپ نے اس کی بدی کا جواب نیکی سے دیا اور بالآخر وہ مسلمان ہو گیا۔

جنگ بدر کے بعد صفوان بن امیہ کی ترغیب پر عمیر بن وہب آپ کو قتل کرنے کے ارادہ سے آیا اور مسجد نبوی میں زہر میں بجھی ہوئی تلوار لے کر آپ کے قریب آ کر بیٹھ گیا آپ نے اس سے پوچھا کہ اے عمیر تم کس لئے آئے ہو؟ اس نے کہا آپ کے پاس جو ہمارے قیدی ہیں میں ان کی سفارش کر کے آپ سے چھڑانے کے لئے آیا ہوں' آپ نے فرمایا پھر تمہارے گلے میں یہ تلوار کیسی ہے؟ اس نے کہا ان تلواروں کے لئے خرابی ہو انہوں نے ہم سے کون سی مصیبت دور کر دی ہے؟ آپ نے فرمایا تم سچ کہہ رہے ہو تم اسی لئے آئے ہو' اس نے کہا خدا کی قسم میں اسی لئے آیا ہوں' آپ نے فرمایا نہیں بلکہ تم اور صفوان بن امیہ صحن کعبہ میں بیٹھے ہوئے تھے تم نے مقتولین بدر کا ذکر کیا پھر تم نے کہا اگر مجھ پر قرض اور بچوں کی ذمہ داری نہ ہوتی تو میں ابھی روانہ ہو جاتا اور (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر کے آتا' پھر صفوان اس شرط پر تمہارے قرض اور تمہارے بچوں کی کفالت کا ضامن ہو گیا کہ تم مجھے قتل کر دو گے اور تمہارے اور تمہارے اس ارادہ کے پورے ہونے کے درمیان اللہ حائل ہو گیا' یہ سن کر عمیر نے بے ساختہ کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں' یا رسول اللہ! پہلے ہم آسمانی خبروں اور وحی کے متعلق آپ کی تکذیب کرتے تھے اور یہ ایسی خبر ہے جس کے موقع پر میرے اور صفوان کے سوا کوئی موجود نہیں تھا خدا کی قسم! مجھے یقین ہے کہ آپ کو یہ بات صرف اللہ نے بتائی ہے' اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے اسلام کی ہدایت کی' اس نے کلمہ شہادت پڑھا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تمہارا دینی بھائی ہے اس کو قرآن کی تعلیم دو اور اس کے قیدی آزاد کر دو' پھر حضرت عمیر بن وہب مکہ چلے گئے اور اسلام کی تبلیغ کرنے لگے اور جس طرح پہلے مسلمانوں پر ظلم کرتے تھے' اب مشرکین کے خلاف تیغ بے

نیام رہتے تھے ان کی تبلیغ سے بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے۔

(سیرۃ النبویہ علی ہامش الروض الانف ج ۳ ص ۸۴ مطبوعہ بیروت فتح الباری ج ۳ ص ۳۷-۳۶ مطبوعہ لاہور ۱۴۰۱ھ)

فتح مکہ کے بعد آپ نے عمیر بن وھب کی سفارش سے صفوان بن امیہ کو بھی معاف کر دیا اور وہ مسلمان ہو گئے۔

(کتاب المغازی للواقدی ج ۲ ص ۸۵۳ الکامل لابن اثیر ج ۲ ص ۱۶۸ بیروت)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب عبداللہ بن ابی ابن سلول فوت ہو گیا تو اس کی نماز جنازہ پڑھانے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا گیا' جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی نماز جنازہ پڑھانے کے لئے کھڑے ہوئے تو میں دوڑ کر آپ کے پاس پہنچ گیا' میں نے کہا یا رسول اللہ کیا آپ اس ابن ابی کی نماز جنازہ پڑھا رہے ہیں؟ حالانکہ اس نے فلاں دن یہ اور یہ کہا تھا (کہ مدینہ پہنچ کر عزت والے ذلت والوں کو نکال دیں گے اور یہ کہا تھا کہ جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں جب تک وہ آپ کا ساتھ نہ چھوڑیں اس وقت تک ان پر خرچ نہ کرو اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بدکاری کی تہمت لگائی تھی جس سے آپ کو سخت رنج پہنچا تھا اور آپ سے کہا تھا کہ اپنی سواری دور کرو مجھے اس سے بدبو آتی ہے' جنگ اُحد میں عین لڑائی کے دن اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر لشکر سے نکل گیا تھا) میں آپ کو یہ تمام باتیں گنواتا رہا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرما کر کہا "اپنی رائے کو رہنے دو" جب میں نے بہت اصرار کیا تو فرمایا مجھے اختیار دیا گیا ہے (کہ استغفار کرو یا نہ کرو) سو میں نے (استغفار کرنے کو) اختیار کر لیا' اور اگر مجھے یہ علم ہوتا کہ اگر میں نے ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کیا تو اس کی مغفرت کر دی جائے گی تو میں ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرتا' حضرت عمر بیان کرتے ہیں کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۶۶' مسند احمد رقم الحدیث: ۹۵' عالم الکتب بیروت)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں:

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس معاملہ میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا میری قمیص اور اس پر میری نماز جنازہ اس سے اللہ کے عذاب کو دور نہیں کر سکتی اور بے شک مجھے یہ امید ہے کہ میرے اس عمل سے اس کی قوم کے ایک ہزار آدمی اسلام لے آئیں گے۔ (جامع البیان ج ۱۰ ص ۱۴۲' مطبوعہ دار المعرفتہ بیروت ۱۴۰۹ھ)

آپ کی اس نرمی اور حسن اخلاق کو دیکھ کر عبداللہ بن ابی کی قوم کے ایک ہزار آدمی اسلام لے آئے۔

ابوسفیان نے متعدد بار مدینہ پر حملے کئے تھے اس کو معاف کر دیا' وحشی نے آپ کے محبوب چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا اس کو معاف کر دیا' ھند نے حضرت حمزہ کا کلیجہ نکال کر کچا چبایا تھا اس کو معاف کر دیا' اور مکہ کے جن ظالموں نے آپ پر ظلم وستم ڈھائے تھے جنہوں نے آپ کے راستہ میں کانٹے بچھائے تھے' جنہوں نے سجدہ کی حالت میں آپ پر اوجھڑی ڈالی تھی' جنہوں نے آپ کا سماجی بائیکاٹ کیا تھا اور شعب ابی طالب میں غلہ کا ایک دانہ تک نہیں پہنچنے دیا تھا ان سب کو معاف کر دیا۔

مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ اس آیت کا حکم اب بھی باقی ہے یا منسوخ ہو چکا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ جہاد کے احکام نازل ہونے کے بعد کافروں کی زیادتی کے جواب کو نرمی سے دینے کا وجوب اب منسوخ ہو گیا ہے اور مسلمانوں کے آپس کے معاملات میں زیادتی کا جواب نرمی کے ساتھ دینا اب بھی معمول ہے اور مستحسن ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝ (الشوریٰ: ۴۰)

برائی کا بدلہ اسی جیسی برائی ہے اور جو معاف کر دے اور اصلاح کرے تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ کرم پر ہے بے شک اللہ ظالموں سے محبت نہیں کرتا۔

وَلَمَنۡ صَبَرَ وَ غَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنۡ عَزۡمِ الۡاُمُوۡرِ ○ (الشوریٰ: ۴۳)

اور جس شخص نے صبر کیا اور معاف کر دیا بے شک یہ بلند ہمت والوں کے کاموں میں سے ہے۔

وَمَا يُلَقّٰهَاۤ اِلَّا الَّذِيۡنَ صَبَرُوۡا ۚ وَمَا يُلَقّٰهَاۤ اِلَّا ذُوۡ حَظٍّ عَظِيۡمٍ ○ (حٰمٓ السجدۃ: ۳۵)

اور یہ بات (برائی کا بدلہ اچھائی سے دینا) صرف ان ہی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو صبر کریں اور ان ہی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو بڑی سعادت والے ہوں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طبعاً بے شرمی کی باتیں کرتے تھے اور نہ تکلفاً' آپ بازار میں شور نہیں کرتے تھے اور برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے تھے لیکن معاف کر دیتے تھے اور درگزر کرتے تھے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۱۶' مسند احمد ج ۶ ص ۱۷۴' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۳۳۰' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۴۰۹' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۴۵)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے نہیں دیکھا کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی زیادتی کی گئی ہو اور آپ نے اس کا بدلہ لیا ہو' جب تک اللہ کی حدود کو پامال نہ کیا گیا ہو اور جب اللہ کی حدود کی ذرا سی بھی خلاف ورزی کی گئی ہو تو آپ سے زیادہ غضب ناک کوئی نہیں ہوتا تھا اور آپ کو جب بھی دو چیزوں میں سے کسی ایک کا اختیار دیا جاتا تو آپ زیادہ آسان چیز کو اختیار کرتے تھے بہ شرطیکہ وہ گناہ نہ ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۶۰' ۶۷۸۶' ۶۸۵۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۲۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۸۵' مسند احمد ج ۶ ص ۸۵' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۴۱۰' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۷۹۴۲' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۴۳۷۵)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو بھی یہی تلقین کی ہے کہ وہ برائی کا جواب اچھائی سے اور بدی کا جواب نیکی سے دیں:

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میری نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی میں نے آپ کا ہاتھ پکڑنے میں پہل کی اور عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے بتایئے کہ سب سے اچھے اعمال کون سے ہیں؟ آپ نے فرمایا اے عقبہ! جو تم سے تعلق توڑے تم اس سے تعلق جوڑو' جو تم کو محروم کرے اس کو عطا کرو اور جو تم پر ظلم کرے اس سے اعراض کرو۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۱۴۸' طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۷۴۶۷' عالم الکتب بیروت' حافظ زین نے کہا یہ حدیث حسن ہے اور انہوں نے ترمذی کا حوالہ دیا مگر مجھے ترمذی میں یہ حدیث نہیں ملی' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۷۲۶۷' دار الحدیث القاہرہ' المعجم الکبیر ج ۱۷ ص ۲۷' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۳۶۸۹' حافظ الہیثمی نے کہا امام احمد کی دو سندوں میں سے ایک سند حسن ہے)۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو تم سے تعلق توڑے اس سے تعلق جوڑو' جو تم سے برا سلوک کرے اس سے اچھا سلوک کرو اور حق بات کہو خواہ وہ تمہارے خلاف ہو۔

(ابن النجار رقم الحدیث: ۶۹۲۹' تہذیب تاریخ ابن عساکر ج ۳ ص ۶۱' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۳۳۹۸' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۵۰۰۴' کنز العمال رقم الحدیث: ۶۹۲۹' سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ للالبانی' رقم الحدیث: ۱۹۱۱)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے نصیحت کیجئے آپ نے فرمایا میں تمہیں اللہ سے ڈرنے (تقویٰ) کی نصیحت کرتا ہوں کیونکہ وہ تمہارے ہر کام کا سردار ہے' میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اور زیادہ نصیحت کیجئے' آپ نے فرمایا تم تلاوت قرآن اور اللہ کے ذکر کو لازم کر لو کیونکہ یہ تمہارے لئے آسمانوں میں نور ہے اور زمین میں نور ہے' میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اور زیادہ نصیحت کیجئے آپ نے فرمایا تم زیادہ ہنسا نہ کرو کیونکہ یہ دل کو مار دیتا ہے اور

چہرے کا نور ختم کر دیتا ہے' میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اور نصیحت کیجئے آپ نے فرمایا تم جہاد کو لازم کر لو کیونکہ یہ میری امت کی رہبانیت ہے' میں نے کہا یا رسول اللہ! اور نصیحت کیجئے آپ نے فرمایا سوائے کلمہ خیر کہنے کے خاموش رہو کیونکہ یہ (خاموش رہنا) شیطان کو بھگائے گا اور دین کے کاموں میں تمہارا مددگار ہو گا' میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اور نصیحت کیجئے آپ نے فرمایا اپنے سے کم تر کو دیکھو اور اپنے سے برتر کو نہ دیکھو' یہ اس بات کے زیادہ لائق ہے کہ تم اللہ کی ان نعمتوں کو حقیر نہ جانو گے جو اس نے تم کو عطا کی ہیں' میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اور نصیحت کیجئے آپ نے فرمایا اپنے رشتہ داروں سے تعلق جوڑو خواہ وہ تم سے تعلق توڑیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اور زیادہ نصیحت کیجئے آپ نے فرمایا اللہ کا پیغام سنانے میں کسی کی ملامت سے نہ ڈرو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اور نصیحت کیجئے آپ نے فرمایا لوگوں کے لئے ان چیزوں کو پسند کرو جن چیزوں کو تم اپنے لئے پسند کرتے ہو' پھر آپ نے میرے سینہ پر ہاتھ مار کر فرمایا اے ابوذر عقل سے بڑھ کر کوئی تدبیر نہیں اور گناہ سے رکنے سے بڑھ کر کوئی تقویٰ نہیں اور اچھے اخلاق سے بڑھ کر کوئی فضیلت نہیں۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۶۵۱' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۶۱' حافظ الہیثمی فرماتے ہیں اس حدیث کی سند میں ایک راوی ابراہیم بن ہشام بن یحییٰ الغسانی ہے اس کی امام ابن حبان نے توثیق کی اور امام ابوزرعہ نے اس کو ضعیف قرار دیا' مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۱۶)

میں اس بحث کو شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی متوفی ۶۹۲ ھ کے اس شعر پر ختم کرتا ہوں۔

بدی را بدی سہل باشد جزا
اگر مردی احسن الی من اساء

برائی کا بدلہ برائی سے دینا بہت آسان ہے' مردانگی یہ ہے کہ تم اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو جس نے تمہارے ساتھ برا سلوک کیا ہے۔

شیطان کے وسوسوں اور اس کے حاضر ہونے سے پناہ طلب کرنے کے متعلق احادیث

المؤمنون: ۹۸-۹۷ میں فرمایا: آپ کہئے: اے میرے رب میں شیطان کے ھمزات (وسوسوں) سے تیری پناہ میں آتا ہوں○ اور اے میرے رب میں اس سے تیری پناہ میں آتا ہوں کہ وہ (شیاطین) میرے پاس آئیں۔

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو عفو اور درگزر کی نصیحت کی تھی اور برائی کا جواب اچھائی سے دینے کی تلقین کی تھی' اور اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ وہ کون سی چیز ہے جس سے عفو و درگزر اور بدی کا جواب نیکی سے دینے کی طاقت حاصل ہو گی اور وہ ہے شیطان کے ہمزات (وسوسوں) سے اللہ کی پناہ طلب کرنا۔

الھمز ۃ کا لغت میں معنی ہے کچو کے لگانا اور دھکا دے کر کسی کو دور کرنا' لیث نے کہا پس پشت بات کرنا الھمز ہے اور منہ کے سامنے بات کرنا لمز ہے اور شیطان چپکے چپکے ابن آدم کے سینہ میں وسوسے ڈالتا ہے' اور اعوذبک من ھمزات الشیاطین کا معنی ہے اللہ کے ذکر سے غافل کرنے کے لئے شیطان جن باتوں کو دل میں ڈالتا ہے ان سے اللہ کی پناہ طلب کرنا' حدیث میں ہے:

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے راوی نے کہا پتا نہیں وہ کون سی نماز تھی آپ نے پڑھا اللہ اکبر کبیرا' اللہ اکبر کبیرا' اللہ اکبر کبیرا' الحمدللہ کثیرا' الحمدللہ کثیرا اور تین مرتبہ پڑھا سبحان اللہ بکرۃ واصیلا پھر دعا کی: میں شیطان کے نفخ' اس کی نفث اور اس کے ھمز سے اللہ کی پناہ

میں آتا ہوں' حضرت جبیر نے کہا نفث کا معنی شعر ہے اور نفخ کا معنی تکبر ہے اور همز کا معنی ہے الموتہ یعنی جنون۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۷۶۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۸۰۷' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۶۷۸۴' دارالفکر)

نیز اس آیت میں شیطان کے حاضر ہونے سے بھی اللہ کی پناہ طلب کرنے کا حکم دیا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ شیطان تمہاری ہر چیز کے پاس حاضر ہوتا ہے حتیٰ کہ وہ کھانے کے پاس بھی حاضر ہوتا ہے' پس جب تم میں سے کسی شخص کا لقمہ گر جائے تو اس لقمہ پر جو خراب چیز لگ گئی ہے اس کو صاف کر کے اس لقمہ کو کھالے اور جب کھانے سے فارغ ہو تو اپنی انگلیوں کو چاٹ لے کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ اس کے طعام کے کون سے جز میں برکت ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث بلا تکرار ۲۰۳۳' الرقم المسلسل: ۵۲۰۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۲۷۹)

اگر کسی شخص کو شیطان خواب میں آکر ڈرائے تو اس کے متعلق یہ حدیث ہے:

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص نیند میں ڈرتا ہو تو وہ یہ کہے اعوذ بکلمات اللہ التامات من غضبہ وعقابہ و شر عبادہ و من همزات الشیاطین و ان یحضرون (میں اللہ کے غضب' اس کے عذاب اور اس کے بندوں کے شر سے اور شیطانوں کے وسوسوں سے اور ان کے حاضر ہونے سے اللہ کے کلمات تامہ کی پناہ میں آتا ہوں' حضرت عبداللہ بن عمرو اپنے بالغ بچوں کو یہ کلمات یاد کراتے تھے اور نابالغ بچوں کے لئے ان کلمات کو ایک کاغذ میں لکھ کر اس کاغذ کو ان کے گلے میں لٹکا دیتے تھے۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن غریب ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۲۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۹۳' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۶۳' ۳۶' ج ۱۰ ص ۳۶۴' مسند احمد ج ۲ ص ۱۸۱' کتاب الدعاء للطبرانی رقم الحدیث: ۱۰۸۶' عمل الیوم واللیلۃ للنسائی رقم الحدیث: ۷۶۵' عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی رقم الحدیث: ۷۵۳' المستدرک ج ۱ ص ۵۴۸' الاسماء والصفات للبیہقی ج ۱ ص ۳۰۴' کتاب الآداب للبیہقی رقم الحدیث: ۹۹۳)

حافظ ابن کثیر اور علامہ شوکانی نے بھی اس آیت کی تفسیر میں اس حدیث کا ذکر کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: حتیٰ کہ جب ان میں سے کسی کے پاس موت آتی ہے تو وہ کہتا ہے اے میرے رب! مجھے واپس بھیج دےO تاکہ میں اس دنیا میں وہ نیک کام کرلوں جن کو میں چھوڑ آیا ہوں' ہرگز نہیں یہ صرف ایک بات ہے جس کو یہ کہہ رہا ہے اور ان کے پس پشت ایک حجاب ہے جس دن تک ان کو اٹھایا جائے گاO (المؤمنون: ۱۰۰-۹۹)

موت کے وقت دنیا میں دوبارہ لوٹنے کی تمنا کرنے والے کافر ہوں گے اور بدکار مسلمان

جب کافر کی موت کا وقت آجاتا ہے اور موت کی علامات ظاہر ہو جاتی ہیں اس وقت وہ ان فرشتوں کو دیکھ لیتا ہے جو اس کی روح قبض کرنے کے لئے آتے ہیں اس وقت اس کو اپنے گمراہ ہونے کا یقین ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَلَوْ تَرٰٓی اِذْ یَتَوَفَّی الَّذِیْنَ کَفَرُوا الْمَلٰٓئِکَۃُ یَضْرِبُوْنَ وُجُوْھَھُمْ وَاَدْبَارَھُمْ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِO (الانفال: ۵۰)

کاش آپ اس وقت دیکھتے جب فرشتے کافروں کی روح قبض کرتے اور ان کے چہروں پر اور ان کے کولہوں پر ضرب لگاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم جلنے کا عذاب چکھو۔

اور موت کے وقت کافر اپنے دل میں کہتا ہے کہ اے رب! مجھے واپس بھیج دے' ارجعون جمع کا صیغہ ہے' اللہ واحد ہے لیکن کافر اس وقت اس کے لئے تعظیم کے قصد سے جمع کا صیغہ بولتا ہے۔

موت کے وقت ایمان لانے اور نیک عمل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے دوبارہ دنیا میں بھیجنے کی درخواست کرنا صرف کافروں کے ساتھ مختص نہیں ہے بلکہ جو مسلمان ساری عمر اللہ کے احکام پر عمل نہیں کرتے اور گناہوں میں ڈوبے رہتے ہیں وہ بھی جب موت کے وقت عذاب کے فرشتوں کو دیکھیں گے تو وہ بھی اس وقت یہ تمنا کریں گے کہ کاش ان کو دوبارہ دنیا میں بھیجا جائے تا کہ وہ نیک عمل کریں اور گناہ نہ کریں' جیسا کہ ان آیات سے ظاہر ہوتا ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ○ وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَیَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَاۤ اَخَّرْتَنِیْۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِیْبٍ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ○

اے ایمان والو! تمہارے اموال اور تمہاری اولاد تمہیں اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دیں اور جس نے ایسا کیا تو وہی نقصان اٹھانے والے ہیں ○ اور جو کچھ ہم نے تم کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرو اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی کو موت آ جائے پھر وہ یہ کہے کہ اے میرے رب تو مجھے تھوڑی دیر کی مہلت کیوں نہیں دیتا تا کہ میں صدقہ کروں اور نیک لوگوں میں سے ہو جاؤں۔

(المنافقون: ۱۰-۹)

اس سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ ادا کرنے میں اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے' اور حج کی استطاعت ہو تو حج کرنے میں بھی دیر نہیں کرنی چاہیے' کیونکہ کسی کو موت کا وقت معلوم نہیں کیا پتا کس وقت موت آ جائے اور یہ فرائض اس کے ذمہ رہ جائیں اور موت کے وقت یہ آرزو کرنے کا کوئی فائدہ نہیں کہ کاش مجھے کچھ اور زندگی دے دی جائے تا کہ میں زکوٰۃ ادا کرلوں اور جو نیک کام مجھ سے رہ گئے ہیں ان کی قضا کرلوں۔

موت کے وقت ہر شخص کو لازماً علم ہوگا کہ وہ اللہ کے اولیاء میں سے ہے یا اس کے اعداء میں سے

یہ آیت اس پر بھی دلالت کرتی ہے کہ جس شخص کو بھی موت آئے گی اس کو مرنے سے پہلے معلوم ہو جائے گا کہ وہ اللہ کے اولیاء میں سے ہے یا اللہ کے اعداء میں سے ہے' وہ کہے گا تا کہ میں دنیا میں وہ نیک کام کرلوں جن کو میں نے ترک کر دیا تھا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا نیک عمل سے مراد کلمہ شہادت ہے یعنی اس نے کلمہ شہادت کے تقاضے کے مطابق جو اطاعات ترک کر دیں اور ان کو ضائع کر دیا۔ اور وہی شخص دنیا میں دوبارہ لوٹائے جانے کا سوال کرے گا جس کو اپنے عذاب کا یقین ہو جائے گا۔

لعلّ اور کلّا کا معنی

لعلّ کا معنی ہوتا ہے شاید' جس کام کے ہونے یا نہ ہونے کا تردد ہو' مرنے والے کو اس میں تردد ہوگا کہ اس کو لوٹایا جائے گا یا نہیں اور اس میں تردد ہوگا کہ اس کو عبادت کی توفیق ہوگی یا نہیں ورنہ اس کا اپنی طرف سے نیک عمل کرنے کا پختہ ارادہ ہوگا' اس صورت میں اس آیت کا معنی ہوگا کہ میں نے جو اطاعات ترک کیں ہیں شاید میں لوٹائے جانے کے بعد نیک عمل کروں' لعلّ کا معنی تا کہ بھی ہوتا ہے اور ہم نے ترجمہ میں یہی معنی کیا ہے تا کہ میں اس دنیا میں وہ کام کروں جن کو میں چھوڑ کر آیا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کلّا یعنی ہرگز نہیں' اس کا معنی یہ ہے کہ تمہاری دعا ہرگز قبول نہیں کی جائے گی اور تم کو دنیا میں دوبارہ ہرگز نہیں بھیجا جائے گا' اور اس کا یہ معنی بھی ہے کہ اگر تم کو دنیا میں دوبارہ بھیج بھی دیا تو تم نیک عمل ہرگز نہیں کرو گے' بلکہ جس طرح پہلے عمل کرتے تھے اسی طرح عمل کرو گے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ (الانعام: ۲۸) اور اگر ان لوٹا بھی دیا جائے تو یہ پھر وہی کام کریں گے جن سے ان کو منع کیا گیا تھا۔

اس لئے فرمایا: یہ صرف ایک بات ہے جس کو یہ کہہ رہا ہے یعنی یہ صرف زبانی دعویٰ ہے اور محض دفع وقتی کے طور پر ایک بات کہی ہے۔

برزخ کا معنی

ان کے پس پشت تک برزخ ہے جس دن تک انہیں اٹھایا جائے گا۔

برزخ کا معنی ہے دو چیزوں کے درمیان کی حد روک' حائل' موت سے حشر تک کے عالم کو برزخ کہتے ہیں۔

علامہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ ھ نے لکھا ہے جو وقت موت اور حشر کے درمیان حائل ہے وہ برزخ ہے یہ ضحاک' مجاہد اور ابن زید کا قول ہے' ضحاک نے کہا جو وقت دنیا اور آخرت ے درمیان ہے وہ برزخ ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا برزخ حجاب ہے۔ ابن عیسیٰ نے کہا قیامت تک کی مہلت برزخ ہے' کلبی نے کہا دو صوروں کے درمیان جو مدت ہے وہ برزخ ہے اور یہ مدت چالیس سال ہے' یہ تمام اقوال متقارب ہیں اور ہر وہ چیز جو دو چیزوں کے درمیان حائل ہو وہ برزخ ہے' جوہری نے کہا جو چیز دو چیزوں کے درمیان حائل ہو وہ برزخ ہے' اور برزخ دنیا اور آخرت کے درمیان موت کے وقت سے لے کر حشر تک کا وقت ہے۔ سو جو شخص مر گیا وہ عالم برزخ میں داخل ہو گیا۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۲ ص ۱۳۹' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر جب صور پھونک دیا جائے گا تو اس دن ان کے درمیان رشتے قائم نہیں رہیں گے اور نہ وہ ایک دوسرے سے سوال کر سکیں گے ○ سو جن (کی نیکیوں) کے پلے میزان میں بھاری ہوں گے وہی کامیاب ہوں گے ○ اور جن (کی نیکیوں) کے پلے ہلکے ہوں گے تو یہی وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنے آپ کو نقصان میں ڈالا (وہ) ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے ○ آگ ان کے چہروں کو جھلستی رہے گی اور وہ اس میں بری حالت میں ہوں گے ○ کیا تمہارے سامنے میری آیتوں کی تلاوت نہیں کی جاتی تھی پھر تم ان کی تکذیب کرتے تھے ○ (المؤمنون: ۱۰۵-۱۰۱)

قیامت کے دن رشتوں کا قائم نہ رہنا اور اپنے اپنے حقوق وصول کرنا

المؤمنون: ۱۰۱ میں جو صور پھونکنے کا ذکر ہے اس سے مراد دوسری بار صور کا پھونکنا ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جس طرح لوگ دنیا میں اپنے اپنے نسب پر فخر کرتے ہیں آخرت میں کوئی اس طرح اپنے نسب پر فخر نہیں کرے گا' اور جس طرح دنیا میں ایک دوسرے سے سوال کرتے ہیں کہ تم کس قبیلہ سے ہو اور تمہارا کیا نسب ہے آخرت میں کوئی کسی سے اس طرح سوال نہیں کرے گا اور اس دن کے شدید خوف اور دہشت کی وجہ سے کوئی شخص دوسرے سے متعارف نہیں ہو گا' اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جب پہلا صور پھونکا جائے گا تو آسمانوں اور زمینوں کی تمام مخلوق ہلاک ہو جائے گی ماسوا ان کے جن کو اللہ تعالیٰ چاہے گا' اس دن ان کے درمیان کوئی نسب ہو گا اور نہ وہ ایک دوسرے سے سوال کریں گے' پھر جب دوسرا صور پھونکا جائے گا تو وہ سب کھڑے ہو کر دیکھ رہے ہوں گے' ایک شخص نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے متعلق سوال کیا:

فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ○ پھر وہ ایک دوسرے کی طرف رخ کر کے سوال کریں گے۔

(الصّٰفّٰت: ۵۰)

تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا پہلے صور کے وقت کوئی کسی سے سوال نہیں کرے گا کیونکہ اس وقت روئے زمین پر کوئی زندہ شخص نہیں ہوگا اور نہ ان کے درمیان کوئی رشتہ ہوگا اور نہ وہ کسی سے سوال کریں گے' اور یہ آیت "پھر وہ ایک دوسرے کی طرف رخ کرکے سوال کریں گے" اہل جنت کے متعلق ہے کیونکہ جب وہ جنت میں داخل ہو جائیں گے تو وہ ایک دوسرے سے سوال کریں گے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۹۴۲۵-۱۹۴۲۳)

اور حضرت ابن مسعود نے فرمایا اس آیت سے مراد دوسرا صور ہے' نیز حضرت ابن مسعود نے فرمایا قیامت کے دن کسی بندہ یا بندی کا ہاتھ پکڑ کر اس کو تمام اولین اور آخرین کے سامنے کھڑا کر دیا جائے گا پھر ایک منادی منع کرے گا یہ فلاں بن فلاں ہے جس شخص نے اس سے اپنا کوئی حق لینا ہو وہ اس سے اپنا حق وصول کرلے' پھر کوئی عورت اپنے باپ سے کوئی حق لینے آئے گی یا اپنے شوہر سے اپنا حق لینے آئے گی یا اپنے بھائی سے یا اپنے بیٹے سے پھر حضرت ابن مسعود نے یہ آیت پڑھی:

فَلَآ اَنۡسَابَ بَيۡنَهُمۡ يَوۡمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوۡنَ تو اس دن ان کے درمیان رشتے قائم نہیں رہیں گے اور نہ وہ ایک دوسرے سے سوال کرسکیں گے۔ (المؤمنون: ۱۰۱)

پھر اس سے رب سبحانہ وتعالیٰ فرمائے گا' ان لوگوں کے حقوق ادا کر' وہ شخص کہے گا اے میرے رب! دنیا فنا ہو چکی ہے اب میں ان کو حق کہاں سے دوں' پھر اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائے گا اس شخص کی نیکیوں میں سے ہر شخص کو اس کے حق کے مطابق نیکیاں دے دو' اگر وہ شخص اللہ کا ولی ہوگا اور اس کی نیکیوں میں سے رائی کے دانہ کے برابر ایک نیکی رہ جائے گی تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کی اس نیکی کو بہت زیادہ بڑھا دے گا حتیٰ کہ اس نیکی کی وجہ سے اس کو جنت میں داخل کر دے گا پھر حضرت ابن مسعود نے یہ آیت پڑھی:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظۡلِمُ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنۡ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفۡهَا وَيُؤۡتِ مِنۡ لَّدُنۡهُ اَجۡرًا عَظِيۡمًا ○ بے شک اللہ ایک ذرہ کے برابر (بھی) ظلم نہیں کرتا اور اگر کوئی ایک نیکی ہو تو اللہ اس کو دگنا چوگنا کر دے گا اور خاص اپنے پاس سے اس کو اجر عظیم عطا فرمائے گا۔ (النساء: ۴۰)

اور اگر وہ شخص شقی ہو تو فرشتے کہیں گے اے رب! اس کی نیکیاں ختم ہو گئیں اور حقوق کے طلب کرنے والے باقی ہیں تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا حق داروں کے گناہ لے کر اس کے گناہوں میں ڈال دو اور اس کو جہنم کی طرف دھکا دے دو۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۹۴۲۷-۱۹۴۲۶' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

قیامت کے دن نبی ﷺ کے نسب نکاح اور سسرال کے رشتوں کے سوا تمام رشتوں کا منقطع ہو جانا

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فاطمہ میرے گوشت کا ٹکڑا ہے جو چیز اسے غصہ میں لائے وہ مجھے غصہ میں لاتی ہے اور جس چیز سے وہ خوش ہو اس سے میں خوش ہوتا ہوں اور قیامت کے دن تمام رشتے منقطع ہو جائیں گے سوا میرے نسب کے اور میرے نکاح کے اور میری سسرال کے۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۳۲۳' طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۹۱۱۴' عالم الکتب' المستدرک ج ۳ ص ۱۵۸' یہ حدیث صحیح ہے' ذہبی نے بھی اس کی موافقت کی ہے سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۶۴)

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فاطمہ میرے گوشت کا ٹکڑا ہے جس نے اس کو ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۷۱۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۰۷۱' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۸۶۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۹۹۸' السنن

الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۲۷۰)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس منبر پر یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ان لوگوں کا کیا حال ہے جو یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رشتہ ان کی قوم کو نفع نہیں پہنچائے گا نہیں نہیں بلکہ میرا رشتہ دنیا اور آخرت میں ملا ہوا ہے اور اے لوگو! جب تم میرے پاس آؤ گے تو میں حوض پر تمہارا پیش رو ہوں گا' ایک شخص کہے گا میں فلاں ہوں اور دوسرا شخص کہے گا میں فلاں بن فلاں ہوں اور اس کا بھائی کہے گا میں فلاں بن فلاں ہوں' آپ ان سے فرمائیں گے تمہارا نسب میں پہچانتا ہوں لیکن تم نے میرے بعد دین میں نئی باتیں نکالیں اور تم میرے بعد مرتد ہو گئے۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۱۸ حافظ زین نے کہا اس حدیث کی سند حسن ہے' حاشیہ مسند احمد رقم الحدیث: ۱۱۰۸۱' مطبوعہ دارالحدیث قاہرہ' المستدرک ج ۳ ص ۱۴۲' المعجم الکبیر ج ۳ ص ۳۶' ج ۱۱ ص ۲۴۳ اس حدیث کے رجال صحیح ہیں)۔

زید بن اسلم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان سے چپکے چپکے کوئی بات کی پھر حضرت علی آ کر الصفہ (چبوترے) پر کھڑے ہو گئے وہاں حضرت عباس' عقیل اور حضرت حسین ملے' حضرت علی نے ان سے ام کلثوم کا نکاح حضرت عمر سے کرنے کے متعلق مشورہ کیا' عقیل غضب ناک ہوئے اور کہا اے علی جوں جوں تمہاری عمر بڑھ رہی ہے تمہاری غیر دانش مندی میں اضافہ ہو رہا ہے' اللہ کی قسم اگر تم نے یہ نکاح کیا تو ایسی ایسی خرابیاں ہوں گی' پھر حضرت علی نے حضرت عباس سے کہا اللہ کی قسم! اس کا یہ مشورہ خیر خواہی کی وجہ سے نہیں ہے' حضرت عمر کے درہ سے گھبرا کر اس نے ایسی باتیں کی ہیں اور مجھے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے یہ بتایا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے دن ہر سبب (نکاح کا رشتہ) اور نسب کا رشتہ منقطع ہو جائے گا سوا میرے سبب اور میرے نسب کے' پھر حضرت عمر ہنسے اور فرمایا عقیل پر افسوس ہے وہ احمق اور جاہل ہے۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۲۶۳۳' المستدرک ج ۳ ص ۱۴۲' طبع قدیم' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۰۳۵۴)

حضرت عبداللہ بن عمر بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے سنا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے دن ہر سبب اور نسب (نکاح کا رشتہ اور نسب کا رشتہ) منقطع ہو جائے گا سوا میرے سبب اور نسب کے۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۲۶۳۴)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن الخطاب سے سنا ہے کہ وہ کہتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ قیامت کے دن ہر نکاح کا رشتہ اور ہر نسب کا رشتہ منقطع ہو جائے گا سوا میرے نکاح اور میرے نسب کے رشتے کے۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۲۶۳۵' حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کو امام طبرانی نے الاوسط اور الکبیر میں روایت کیا ہے اس کے تمام راوی صحیح ہیں سوا الحسن بن سھل کے اور وہ بھی ثقہ ہے۔ مجمع الزوائد ج ۹ ص ۱۷۳' المستدرک ج ۳ ص ۱۴۲' سنن بیہقی ج ۸ ص ۶۳)

حضرت مسور بن مخرمہ بیان کرتے ہیں کہ حسن بن حسن نے حضرت مسور بن مخرمہ کی بیٹی کا اپنے لئے رشتہ مانگا۔ حضرت مسور نے کہا حسن بن حسن سے کہنا کہ میں کسی وقت اس کا جواب دوں گا' پھر ان کی حضرت حسن سے ملاقات ہوئی' حضرت مسور نے اللہ تعالیٰ کی حمد کرنے کے بعد کہا مجھے تمہارے نسب کے رشتہ اور تمہارے سسرالی رشتے سے کوئی نکاح کا رشتہ یا کوئی نسب کا رشتہ یا کوئی سسرالی رشتہ زیادہ عزیز نہیں ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فاطمہ میری فرع (شاخ) ہے جو چیز اس کو خوش کرے وہ مجھے خوش کرتی ہے اور جو چیز اس کو رنجیدہ کرے وہ مجھے رنجیدہ کرتی ہے اور بے شک قیامت کے دن تمام نسب

کے رشتے منقطع ہو جائیں گے سوا میرے نسب اور میرے نکاح کے رشتہ کے' اور بات یہ ہے کہ حضرت فاطمہ کی بیٹی تمہارے نکاح میں ہے اگر تم اس کے اوپر میری بیٹی کو بہ طور سوکن لاؤ گے تو اس سے ان کو رنج ہوگا' پھر حضرت مسور معذرت کر کے چلے گئے۔

(المعجم الکبیر ج ۲۰ ص ۲۶-۲۵' رقم الحدیث: ۳۰' مسند احمد ج ۴ ص ۳۲۳' حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کی سند میں ام بکر بنت المسور ہیں ان پر نہ کسی نے جرح کی ہے نہ توثیق کی ہے' اور اس کے باقی راویوں کی توثیق کی گئی ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۰۳)

ان تمام احادیث کو حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ نے المؤمنون: ۱۰۱ کی تفسیر میں روایت کیا ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۸۴' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

ان احادیث میں چونکہ حضرت سیدتنا فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی فضیلت کا ذکر آ گیا ہے' اس لئے اب ہم حضرت سیدہ فاطمہ کے باقی فضائل اور مناقب کی احادیث درج کر رہے ہیں۔

حضرت سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا کے فضائل اور مناقب کی احادیث

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحب زادی حضرت سیدہ فاطمہ کو اپنے اس مرض میں بلایا جس میں آپ کی وفات ہوگئی تھی پھر ان سے چپکے چپکے کوئی بات کی تو وہ رونے لگیں پھر ان کو دوبارہ بلا کر کچھ کہا تو وہ ہنسنے لگیں' میں نے حضرت فاطمہ سے پوچھا وہ کیا بات تھی؟ انہوں نے فرمایا پہلی مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ بتایا کہ اس درد اور مرض میں میری روح قبض کر لی جائے گی تو میں رونے لگی اور دوسری بار یہ بتایا کہ آپ کے اہل بیت میں سے سب سے پہلے میں آپ کے ساتھ ملوں گی تو میں ہنسنے لگی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۷۱۵-۳۷۱۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۵۰' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۶۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۱۶۲۱' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۳۶۷' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۶۹۴۵)

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بنو ہشام بن المغیرہ نے مجھ سے اس بات کی اجازت طلب کی ہے کہ وہ اپنی بیٹی کا علی بن ابی طالب سے نکاح کر دیں' میں اس کی اجازت نہیں دیتا' میں پھر اس کی اجازت نہیں دیتا' میں پھر اس کی اجازت نہیں دیتا' سوا اس صورت کے کہ علی بن ابی طالب میری بیٹی کو طلاق دے دیں اور ان کی بیٹی سے نکاح کر لیں' کیونکہ وہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے اور جو چیز اس کو غمگین کرتی ہے وہ مجھ کو غمگین کرتی ہے اور جو چیز اس کو ایذاء پہنچاتی ہے وہ مجھ کو ایذاء پہنچاتی ہے' یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۲۳۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۰۷۱' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۸۶۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۹۹۸' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۳۷۰' مسند احمد ج ۴ ص ۳۲۸' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۹۵۵' المعجم الکبیر ج ۲۲ رقم الحدیث: ۱۰۱۲-۱۰۱۱' حلیۃ الاولیاء ج ۷ ص ۳۲۵' سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۰۷' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۳۹۵۸' ۳۹۵۷)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام عورتوں میں سب سے زیادہ محبوب حضرت فاطمہ تھیں اور مردوں میں سب سے زیادہ محبوب حضرت علی تھے' یعنی آپ کے اہل بیت میں سے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۸۶۸' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۷۲۵۸' المستدرک ج ۳ ص ۱۵۵)

حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ابوجہل

کی بیٹی کا ذکر کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا: فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے جو چیز ان کو ایذاء پہنچاتی ہے وہ مجھے ایذاء پہنچاتی ہے اور جو چیز انہیں پریشان کرتی ہے وہ مجھے پریشان کرتی ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۸۶۹' مسند احمد ج ۴ ص ۵' المستدرک ج ۳ ص ۱۵۹' حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۴۰)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی' حضرت فاطمہ' حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کے متعلق فرمایا میں ان سے جنگ کرنے والا ہوں جو ان سے جنگ کرے اور میں ان سے صلح کرنے والا ہوں جو ان سے صلح کرے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۸۷۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۴۵' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۲ ص ۹۷' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۲۶۱۹' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۹۷۷' المستدرک ج ۳ ص ۱۴۹)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن' حضرت حسین' حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہم پر چادر ڈالی پھر فرمایا اے اللہ! یہ میرے اہل بیت اور میرے خواص ہیں' ان سے ناپاکی کو دور کر دے اور ان کو اچھی طرح پاک کر دے' حضرت ام سلمہ نے پوچھا یا رسول اللہ! میں بھی ان کے ساتھ ہوں؟ فرمایا بے شک تم خیر پر ہو۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۸۷۱' مسند احمد ج ۶ ص ۲۹۸' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۶۹۱۲' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۲۶۶۴)

حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اٹھنے اور بیٹھنے میں آپ کی سیرت اور آپ کی عادات اور طور طریقوں میں حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ آپ کے مشابہہ تھیں' جب وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتیں تو آپ ان کی طرف کھڑے ہو جاتے' ان کو بوسہ دیتے اور ان کو اپنی جگہ پر بٹھاتے' جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہو گئے تو حضرت فاطمہ آئیں اور آپ پر جھک گئیں اور آپ کو بوسہ دیا پھر رونے لگیں پھر آپ پر جھک گئیں پھر سر اٹھایا اور ہنسنے لگیں' میں نے دل میں کہا میں تو ان کو عقل مند عورت سمجھتی تھی مگر یہ تو (عام) عورتوں کی طرح ہیں' جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے تو میں نے ان سے پوچھا یہ بتائیں کہ جب آپ پہلی بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جھکی تھیں پھر آپ نے سر اٹھایا تو آپ رو رہی تھیں اور جب آپ دوسری بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جھکیں اور سر اٹھایا تو آپ ہنس رہی تھیں اس چیز پر آپ کو کس نے برانگیختہ کیا تھا' انہوں نے میں اب اپنا راز افشاء کرنے والی ہوں' آپ نے مجھے یہ خبر دی تھی آپ اپنے اس درد میں فوت ہونے والے ہیں تو میں رونے لگی' پھر آپ نے مجھے یہ خبر دی کہ آپ کے اہل میں سے سب سے پہلے میں آپ سے ملوں گی تو پھر میں ہنسنے لگی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۸۷۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۲۱۷' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۹۵۳' المعجم الکبیر ج ۲۲ رقم الحدیث: ۱۰۳۸' المستدرک ج ۳ ص ۲۷۲' سنن بیہقی ج ۷ ص ۱۰۱' مسند احمد ج ۶ ص ۲۸۲' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۶۷۴۵' حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۳۹' دلائل النبوۃ بیہقی ج ۶ ص ۳۶۴' الادب المفرد رقم الحدیث: ۹۴۷)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ فتح مکہ کے سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ کو بلایا پھر ان سے سرگوشی کی تو وہ رونے لگیں پھر ان سے کوئی بات کی تو وہ ہنسنے لگیں' وہ کہنے لگیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتایا کہ وہ فوت ہو جائیں گے تو میں رونے لگی پھر آپ نے مجھے یہ خبر دی کہ میں مریم بنت عمران کے سوا تمام جنت کی عورتوں کی سردار ہوں تو میں ہنسنے لگی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۸۷۳' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۶۷۴۳' الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۲۴۸' المعجم الکبیر ج ۲۲ رقم الحدیث: ۱۰۳۹)

جمیع بن عمر التیمی بیان کرتے ہیں کہ میں اپنی پھوپھی کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کون سب سے زیادہ محبوب تھا انہوں نے کہا حضرت فاطمہ' ان سے پوچھا گیا مردوں میں انہوں نے کہا ان کے خاوند' بیشک میں جانتی ہوں کہ وہ بہت روزے رکھنے والے بہت قیام کرنے والے تھے۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۸۷۴' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۴۸۵۷)

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے میری ماں نے کہا کہ تم کب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے تھے؟ میں نے کہا میں تو اتنے دنوں سے آپ سے نہیں ملا' وہ مجھ پر ناراض ہونے لگیں میں نے کہا مجھے چھوڑ دیں میں آپ کے پاس جاتا ہوں اور اس وقت تک واپس نہیں آؤں گا حتیٰ کہ حضور آپ کے لئے اور میرے لئے استغفار کریں' میں نے آپ کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھی' آپ کھڑے ہو کر پھر نماز پڑھنے لگے حتیٰ کہ آپ نے عشاء کی نماز پڑھی' پھر آپ باہر نکلے میں بھی آپ کے ساتھ باہر نکلا' پھر کوئی شخص آپ سے آ کر ملا پھر جب وہ چلا گیا تو آپ نے مجھے دیکھا اور فرمایا حذیفہ! میں نے کہا لبیک یا رسول اللہ! فرمایا: کیا تم نے ابھی اس آنے والے کو دیکھا تھا' میں نے کہا جی ہاں آپ نے فرمایا وہ ایک فرشتہ تھا وہ اپنے رب سے اجازت لے کر مجھے سلام کرنے آیا تھا اور مجھے یہ بشارت دینے کہ حسن اور حسین جنت کے جوانوں کے سردار ہیں اور فاطمہ بنت محمد جنت کی عورتوں کی سردار ہیں۔ (السنن الکبریٰ للنسائی ج ۵ رقم الحدیث: ۸۳۶۵)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک فاطمہ نے اپنی عفت کی حفاظت کی ہے تو اللہ نے ان کی اولاد کو دوزخ پر حرام کر دیا۔

(المستدرک ج ۵ رقم الحدیث: ۴۷۷۹' طبع جدید' مسند البزار رقم الحدیث: ۲۶۵۱' کتاب الضعفاء للعقیلی ج ۳ ص ۱۸۴' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۲۶۲۵' الکامل لابن عدی ج ۵ ص ۵۹ طبع جدید' حلیۃ الاولیاء ج ۴ ص ۱۸۸' مسند فاطمہ رقم الحدیث: ۱۰۲' مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۰۲' المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۳۹۸۷)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن انبیاء کو سواریوں پر اٹھایا جائے گا تاکہ وہ اپنی اپنی امتوں کے مومنوں کے پاس پہنچیں' حضرت صالح کو اپنی اونٹنی پر اٹھایا جائے گا اور مجھے براق پر اٹھایا جائے گا اس کا قدم منتہاء نظر پر ہوگا اور فاطمہ کو میرے آگے اٹھایا جائیگا۔ یہ حدیث مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔

(المستدرک ج ۵ رقم الحدیث: ۴۷۸۰' مسند فاطمہ رقم الحدیث ۴۷' ۳' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۲۶۲۹' المعجم الصغیر ج ۲ ص ۱۲۶' تاریخ بغداد ج ۳ ص ۱۴۰' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۳۳)

حضرت علی علیہ السلام بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب قیامت کا دن ہو گا تو ایک منادی پردے کی اوٹ سے ندا کرے گا اے اہل محشر اپنی نظریں جھکا لو حتیٰ کہ فاطمہ بنت محمد گزر جائیں' یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔

(المستدرک ج ۵ رقم الحدیث: ۴۷۸۱' المعجم الکبیر ج ۱ رقم الحدیث: ۱۸۰' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۲۴۰۷' الکامل لابن عدی ج ۵ ص ۵' مسند فاطمہ ص ۱۳۰' المستدرک ج ۳ ص ۱۶۱' طبع قدیم' کنز العمال ج ۱۲ رقم الحدیث: ۳۴۲۲۹' حافظ الہیثمی نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے' مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۱۲' یہ حدیث حضرت ابوہریرہ سے بھی مروی ہے حافظ جلال الدین نے کہا اس کی یہ سند صحیح ہے الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۸۲۲' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۷۵۸' الصواعق المحرقہ ص ۱۹۰' معرفۃ الصحابہ رقم الحدیث: ۳۵۵' کتاب الضعفاء للعقیلی ج ۲ ص ۲۷۵-۲۷۴)

علامہ عبدالرؤف مناوی متوفی ۱۰۰۳ھ اس حدیث کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس حدیث کو حاکم نے مسلم کی شرط کے مطابق صحیح کہا ہے اور ذہبی نے کہا نہیں خدا کی قسم یہ حدیث موضوع ہے اس کی سند میں عباس ہے' امام دار قطنی نے کہا وہ کذاب ہے' ابن الجوزی نے بھی اس کو موضوع کہا ہے' السیوطی نے ابن جوزی کا تعاقب کیا اور اس کے شواہد بیان کئے اور کہا یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔

(فیض القدیر شرح الجامع الصغیر ج ۲ ص ۸۴۰' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

حافظ جلال الدین عبدالرحمن السیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث کو امام طبرانی نے الاوسط میں روایت کیا ہے اور کہا یہ صرف حضرت علی سے مروی ہے اور اس کی روایت میں عبدالحمید اور العباس بن بکار الضبی منفرد ہیں' اور مجھے حضرت ابو ہریرہ' حضرت ابو ایوب' حضرت عائشہ اور حضرت ابو سعید کی حدیث سے اس کے شواہد ملے' امام ابو بکر الشافعی نے الغیلانیات میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب قیامت کا دن ہوگا تو عرش کے باطن سے ایک منادی ندا کرے گا اے لوگو! اپنی نظریں جھکا لو حتیٰ کہ فاطمہ جنت کی طرف چلی جائیں' اور انہوں نے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب قیامت کا دن ہوگا تو عرش کے باطن سے ایک منادی ندا کرے گا اے اہل محشر! اپنی نظروں کو جھکا لو حتیٰ کہ فاطمہ بنت محمد پل صراط سے گزر جائیں پھر حضرت فاطمہ ستر جوان حوروں کے ساتھ بجلی کی طرح پل سے گزر جائیں گی۔

(علامہ سیوطی نے حضرت ابو ہریرہ تک سند کو الجامع الصغیر: ۸۲۲ میں صحیح کہا ہے) اور حضرت ابو ایوب کی سند کے متعلق لکھا ہے اس میں محمد بن یونس الکدیمی اور اس کے اوپر کے تین راوی متروک ہیں' اور امام ابو الحسن بن بشران نے اپنے فوائد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب قیامت کا دن ہوگا تو ایک منادی ندا کرے گا اے معشر الخلائق اپنے سروں کو جھکا لو حتیٰ کہ فاطمہ گزر جائیں' اس حدیث کو اس سند کے ساتھ خطیب بغدادی نے بھی روایت کیا ہے اور عبداللہ خراسانی کی سند سے بھی روایت کیا ہے' اس سند میں حسین بن معاذ راوی ہے حافظ عسقلانی نے اس کے متعلق میزان میں کہا اس کی سند میں اضطراب ہے اور خطیب نے حسین کا ذکر بغیر جرح اور تعدیل کے کیا ہے' اور خطیب بغدادی نے الحسن بن ابی بکر کی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن ایک منادی ندا کرے گا اپنی نظروں کو جھکا لو حتیٰ کہ فاطمہ بنت النبی صلی اللہ علیہ وسلم گزر جائیں' اور امام ابو الفتح الازدی نے کتاب الضعفاء میں حضرت ابو ہریرہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ قیامت کے دن حجاب کی اوٹ سے ایک منادی ندا کرے گا اپنی نظریں نیچی کر لو اور اپنے سروں کو جھکا لو کیونکہ فاطمہ بنت محمد پل صراط سے گزر رہی ہیں' اس سند میں العزری اور عمیر متروک ہیں اور امام الازدی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو سعید سے روایت کیا ہے کہ قیامت کے دن ایک منادی ندا کرے گا اے لوگو! اپنی نظریں نیچی کر لو حتیٰ کہ فاطمہ پل صراط سے گزر جائیں' اس سند میں ایک راوی داؤد مجہول ہے۔

(اللآلی المصنوعۃ ج ۱ ص ۳۶۹ - ۳۶۸' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ اس حدیث کی جس سند کو ذہبی اور ابن جوزی نے موضوع کیا ہے وہ حضرت علی کی روایت ہے' اور حافظ سیوطی نے تصریح کی ہے کہ الغیلانیات میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت صحیح ہے اور خطیب نے الحسن بن ابی بکر کی سند سے جو حضرت عائشہ سے حدیث روایت کی ہے اس کا کوئی سقم بیان نہیں کیا' اور باقی روایات میں متروک' مضطرب یا مجہول راوی ہیں جو زیادہ سے زیادہ ضعیف روایات ہیں' اللہ تعالیٰ حافظ سیوطی کے درجات بلند فرمائے انہوں نے اس حدیث کی سندوں کو

بے غبار کر دیا میں نے اس حدیث کی سند کی تصحیح میں بہت محنت کی ہے اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ سے فرمایا تمہارے غضب کی وجہ سے اللہ غضب ناک ہوتا ہے اور تمہاری رضا کی وجہ سے اللہ راضی ہوتا ہے۔

(المستدرک رقم الحدیث: ۴۷۸۳، المعجم الکبیر ج ۱ ص ۱۰۸ رقم الحدیث ۱۸۲، علل الدارقطنی ج ۳ ص ۱۰۳، مسند فاطمہ رقم الحدیث: ۱۲۰، ۱۱۹)

زید بن اسلم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور کہا اے فاطمہ! اللہ کی قسم میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک آپ سے زیادہ کسی کو محبوب نہیں دیکھا اور اللہ کی قسم آپ کے والد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگوں میں مجھے آپ سے زیادہ کوئی محبوب نہیں ہے۔

(المستدرک رقم الحدیث: ۴۷۸۹، مسند فاطمہ رقم الحدیث: ۱۸۵، الکامل لابن عدی ج ۵ ص ۳۳۶)

حضرت ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی غزوہ یا کسی سفر سے واپس آتے تو مسجد میں جا کر دو رکعت نماز پڑھتے' پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر جاتے' پھر اس کے بعد اپنی ازواج کے پاس جاتے۔ (المستدرک رقم الحدیث: ۴۷۹۰، طبع جدید' المستدرک ج ۱ ص ۴۸۸، طبع قدیم)

حضرت سعد بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جبریل علیہ السلام میرے پاس جنت سے بہی دانے لے کر آئے میں نے شب معراج ان دانوں کو کھایا اور خدیجہ فاطمہ سے لیٹی ہوئی تھیں' اور مجھے جب بھی جنت کی خوشبو کی خواہش ہوتی تو میں فاطمہ کی گردن کو سونگھتا تھا۔ اس حدیث کا متن اور سند غریب ہے۔

(المستدرک رقم الحدیث: ۴۷۹۱، مسند فاطمہ رقم الحدیث: ۱۱۰)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی سفر پر جاتے تو سب سے آخر میں حضرت فاطمہ سے ملاقات کرتے اور جب کسی سفر سے واپس آتے تو سب سے پہلے حضرت فاطمہ سے ملاقات کرتے۔

(المستدرک رقم الحدیث: ۴۷۹۲، طبع جدید' المستدرک ج ۱ ص ۴۸۹، طبع قدیم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جس مرض میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی اس میں آپ نے فرمایا: اے فاطمہ! کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تم تمام جہانوں کی عورتوں کی سردار ہو' اور اس امت کی عورتوں کی سردار ہو اور مومنین کی عورتوں کی سردار ہو۔

(المستدرک رقم الحدیث: ۴۷۹۴، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۲۶، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۵۰، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۸۷۱، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۲۱۷، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۶۲۰)

المؤمنون: ۱۰۲ میں فرمایا سو جن (کی نیکیوں) کے پلے میزان میں بھاری ہوں گے وہی کامیاب ہوں گے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ دوسرا صور پھونکنے کے بعد حساب شروع ہو جائے گا۔

موازین کے محامل

آخرت میں لوگوں کے اعمال کا وزن کیا جائے گا سو جن کی نیکیوں کے پلے بھاری ہوں گے وہ اہل جنت میں سے ہوں گے اور جن کی نیکیوں کے پلے ہلکے ہوں گے وہ اہل دوزخ میں سے ہوں گے' اس کا تقاضا یہ ہے کہ ہر مکلف یا اہل جنت میں سے ہو گا یا اہل دوزخ میں سے ہو گا' لیکن دوسرے دلائل سے یہ ثابت ہے کہ جن کی نیکیاں اور گناہ برابر ہوں گے وہ اعراف میں ہوں گے اور بعد میں اللہ تعالیٰ ان کو بھی اپنے کرم سے جنت میں داخل فرما دے گا۔ اس آیت میں موازین کا ذکر ہے'

موازین میزان کی جمع ہے اور اس کی تفسیر میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) موازین سے مراد اللہ تعالیٰ کا عدل ہے۔

(۲) موازین سے مراد اعمال حسنہ ہیں سو جس کا ایسا عمل ہو گا جو قابل ذکر اور قابل شمار اور قابل قدر ہو وہ کامیاب ہو جائے گا اور جس کا ایسا عمل ہو گا جو قابل شمار اور قابل قدر نہ ہو اس کو جہنم میں جھونک دیا جائے گا' جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے:

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءًؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـًٔا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗؕ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ (النور: ۳۹)

اور کافروں کے اعمال اس چمکتی ہوئی ریت کی طرح ہیں جو ریگستان میں ہو جس کو پیاسا شخص دور سے پانی سمجھتا ہے لیکن جب اس کے قریب پہنچتا ہے تو اسے کچھ بھی نہیں پاتا' ہاں اللہ کو اپنے پاس پاتا ہے جو اس کا پورا پورا حساب لیتا ہے' اور اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا موازین موزون کی جمع ہے اور اس سے مراد وہ اعمال صالحہ ہیں جس کا اللہ کے نزدیک وزن ہو اور وہ قابل قدر ہوں' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ۝ (الکہف: ۱۰۵)

یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی آیتوں اور اس سے ملاقات کا کفر (انکار) کیا' قیامت کے دن ان کے اعمال ضائع ہو گئے ہم ان کا کوئی وزن قائم نہیں کریں گے۔

(۳) موازین میزان کی جمع ہے اس میزان کی ایک ڈنڈی ہے اور اس کے دو پلے ہیں اس میں نیکیوں کا اچھی صورت میں وزن کیا جائے گا اور برائیوں کا بری صورت میں وزن کیا جائے گا' سو جس کی نیکیاں بھاری ہوں گی اس کو جنت میں داخل کر دیا جائے گا اور جس کی برائیاں بھاری ہوں گی اس کو دوزخ میں جھونک دیا جائے گا۔ الانبیاء: ۴۷ میں ہم نے اس کی زیادہ تفصیل اور تحقیق کی ہے۔

المؤمنون: ۱۰۵-۱۰۳ میں فرمایا: اور جن کی نیکیوں کے پلے ہلکے ہوں گے تو یہی وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنے آپ کو نقصان میں ڈالا (وہ) ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے ۝ آگ ان کے چہروں کو جھلستی رہے گی اور وہ اس میں بری حالت میں ہوں گے ۝ کیا تمہارے سامنے میری آیات کی تلاوت نہیں کی جاتی تھی پھر تم ان کی تکذیب کرتے تھے۔

آخرت میں کفار کے چار اوصاف

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اشقیاء کے حساب کا ذکر فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے چار اوصاف بیان فرمائے ہیں:

(۱) انہوں نے اپنی جانوں کو نقصان پہنچایا' حضرت ابن عباس نے فرمایا ان کا نقصان یہ ہے کہ جنت میں کافروں کے لئے جو ٹھکانے بنائے گئے تھے وہ مومنوں کو مل جائیں گے اور ایک قول یہ ہے کہ ان کا نقصان یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو دائمی عذاب سے نہیں بچا سکیں گے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے اور اس میں یہ واضح دلیل ہے کہ کفار جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔

(۳) آگ ان کے چہروں کو جھلستی رہے گی' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یعنی آگ ان پر تھپیڑے لگائے گی اور ان کے گوشت اور کھالوں کو کھا جائے گی' زجاج نے کہا لفح اور نفخ کا ایک معنی ہے لیکن لفح کی تاثیر زیادہ ہوتی ہے' اور اس آیت میں کالحون کا لفظ ہے اور کلوح کا معنی یہ ہے کہ دونوں ہونٹ پھیل کر دانتوں سے دور ہو جائیں جیسے بھنی ہوئی

سری ہوتی ہے حدیث میں ہے:

حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے **وھم فیھا کالحون** کی تفسیر میں فرمایا آگ اس کو جلا دے گی حتیٰ کہ اس کا اوپر والا ہونٹ پھیل کر سر کے وسط تک پہنچ جائے گا اور نچلا ہونٹ لٹک کر اس کی ناف کو ضرب لگائے گا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۷۶، المسند الجامع رقم الحدیث: ۱۲۷۲۳)

المؤمنون: ۱۰۵ میں فرمایا: **کیا تمہارے سامنے میری آیتوں کی تلاوت نہیں کی جاتی تھی پھر تم ان کی تکذیب کرتے تھے۔**

یعنی ان واضح آیات کے نزول کے باوجود تم ہٹ دھرمی سے ان کا انکار کرتے تھے اس لئے لامحالہ تم اس دردناک عذاب کے مستحق ہو گئے ہو اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کو اختیار دیا تھا کہ وہ اس کی اطاعت کریں یا اس کی نافرمانی کریں انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کو اختیار کیا اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے اعضاء میں نافرمانی کے افعال پیدا کر دیئے اور ان کے اختیار کی وجہ سے ان کو عذاب دیا جائے گا۔ ان آیات میں چونکہ مومنوں اور کافروں کے عمل کے وزن اور ان کے حساب کے متعلق آیات ہیں اس لئے اب ہم حساب کے متعلق احادیث پیش کر رہے ہیں۔

آخرت میں حساب کے متعلق احادیث

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اخروی سوال کی سنگینی بیان کی آپ نے فرمایا جب قیامت کا دن ہوگا تو اہل جاہلیت اپنی پیٹھوں پر اپنے بتوں کو اٹھائے ہوئے آئیں گے ان سے ان کا رب تبارک وتعالیٰ سوال کرے گا تو وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا! ہمارے پاس تیرا کوئی حکم نہیں پہنچا اگر تو ہمارے پاس کوئی رسول بھیجتا تو ہم تیری سب سے زیادہ عبادت کرنے والے ہوتے، تب ان سے ان کا رب فرمائے گا یہ تو بتاؤ اگر میں اب تمہیں کوئی حکم دوں تو کیا تم میری اطاعت کرو گے؟ اور ان سے پکی قسمیں لے گا، پھر فرمائے گا چلو دوزخ کی آگ میں داخل ہو جاؤ وہ دوزخ کی طرف جائیں گے اور جب دوزخ کی آگ دیکھیں گے تو خوف زدہ ہو کر لوٹ آئیں گے اور کہیں گے اے ہمارے رب! ہم اس آگ سے ڈرتے ہیں اور اس میں داخل نہیں ہو سکتے، پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا اس میں ہمیشہ کے لئے داخل ہو جاؤ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر وہ پہلی بار آگ میں داخل ہو جاتے تو وہ ان پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جاتی۔ (کشف الاستار عن زوائد البزار ج ۴ رقم الحدیث: ۳۴۴۳، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت، ۱۴۰۵ھ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے بنو آدم کے اعمال پیش کئے جائیں گے، اور ان کے صحائف اعمال پر مہر لگی ہوگی، اللہ تعالیٰ فرمائے گا اس صحیفہ کو پھینک دو اور اس صحیفہ کو قبول کرلو، فرشتے کہیں گے اے رب ہم نے اس شخص کے صرف نیک عمل ہی دیکھے ہیں، اللہ تعالیٰ فرمائے گا اس کے یہ عمل میری ذات کے لئے نہیں تھے، اور آج کے دن میں صرف اس عمل کو قبول کروں گا جو صرف میری ذات کے لئے کیا گیا ہو۔

(مسند البزار رقم الحدیث: ۳۴۳۵)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ بندہ اس وقت تک اللہ کے سامنے کھڑا رہے گا حتیٰ کہ وہ اس سے چار چیزوں کے متعلق سوال کرے گا، اس نے اپنی عمر کو کن چیزوں میں فنا کیا، اس نے اپنے جسم کو کن کاموں میں بوسیدہ کیا، اس نے اپنے علم کے مطابق کیا عمل کیا، اور اس نے اپنا مال کہاں سے حاصل کیا اور اس کو کس چیز میں خرچ کیا۔

(مسند البزار رقم الحدیث: ۳۴۳۷)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ظلم کی تین قسمیں ہیں، ایک وہ ظلم ہے

جس کو اللہ تعالیٰ معاف نہیں فرمائے گا۔ دوسرا وہ ظلم ہے جس کو وہ معاف کر دے گا' اور تیسرا وہ ظلم ہے جس کو ترک نہیں کرے گا' رہا وہ ظلم جس کو وہ معاف نہیں فرمائے گا وہ شرک ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان الشرک لظلم عظیم (لقمان: ۱۳) اور جس ظلم کو اللہ تعالیٰ معاف کر دے گا یہ وہ ظلم ہے جو بندے اپنی جانوں پر اللہ کی معصیت کر کے کرتے ہیں' اور جس ظلم کو ترک نہیں فرمائے گا یہ وہ ظلم ہے جو بندے ایک دوسرے پر کرتے ہیں' ان کا قصاص لیا جائے گا۔

(مسند البزار رقم الحدیث: ۳۴۳۹' حافظ الہیثمی نے کہا اس کے رجال صحیح اور ثقہ ہیں مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۴۶)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن ابن آدم کے تین رجسٹر نکالے جائیں گے۔ ایک رجسٹر میں اس کے نیک اعمال ہوں گے دوسرے رجسٹر میں اس کے گناہ ہوں گے اور تیسرے رجسٹر میں اس کو اللہ کی طرف سے دی گئی نعمتیں ہوں گی' اللہ تعالیٰ اپنی چھوٹی نعمت سے فرمائے گا اس کے نیک اعمال سے اپنی قیمت وصول کر لو اس کے تمام نیک اعمال ختم ہو جائیں گے اور وہ نعمت ابھی ایک طرف کھڑی ہو گی اور کہے گی تیری عزت کی قسم ابھی میری قیمت پوری نہیں وصول ہوئی' اس کے گناہ اور نعمتیں باقی ہوں گی اور اس کے نیک اعمال ختم ہو جائیں گے تب اللہ اس بندے پر رحم فرمائے گا اور ارشاد فرمائے گا اے میرے بندے میں نے تیری نیکیوں کو دگنا اور چوگنا کر دیا اور تیرے گناہوں سے درگزر کر لیا۔ (مسند البزار رقم الحدیث: ۳۴۴۴' حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کی سند میں ایک راوی ضعیف ہے' مجمع الزوائد ج ۱ ص ۳۵۷)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن ابن آدم کو لا کر میزان کے دو پلڑوں کے درمیان کھڑا کر دیا جائے گا اور اس کے ساتھ ایک فرشتہ مقرر کر دیا جائے گا اگر اس کا میزان بھاری ہو گا تو فرشتہ اتنی بلند آواز سے کہے گا جس کو ساری مخلوق سنے گی کہ فلاں شخص کامیاب ہو گیا اب وہ کبھی ناکام نہیں ہو گا' اور اگر اس کا میزان ہلکا ہو گا تو فرشتہ اتنی بلند آواز سے کہے گا جس کو ساری مخلوق سنے گی کہ فلاں شخص ناکام ہو گیا اب وہ کبھی کامیاب نہیں ہو گا۔

(مسند البزار رقم الحدیث: ۳۴۴۵' المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۴۶۴۳' اتحاف السادۃ المہرۃ رقم الحدیث: ۸۶۸۰' حافظ الہیثمی نے کہا اس کی سند میں ایک راوی ضعیف ہے)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میدان محشر میں لوگوں کو ننگے پیر' ننگے بدن اور غیر مختون جمع کیا جائے گا' حضرت عائشہ نے کہا عورتیں بھی آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں؟ آپ نے فرمایا ہاں! حضرت عائشہ نے کہا اور ان کی شرم گاہیں آپ نے فرمایا اے ابوبکر کی بیٹی تم کو کس چیز پر تعجب ہے؟ حضرت عائشہ نے کہا مجھے اس چیز پر تعجب ہے کہ بعض' بعض کی طرف دیکھ رہے ہوں گے آپ نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا اے ابوقحافہ کی بیٹی! لوگ اس دن جس حال میں مشغول ہوں گے اس کی وجہ سے وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے سے باز رہیں گے وہ چالیس سال تک نظر اوپر اٹھائے ہوئے ہوں گے' کھائیں گے نہ پئیں گے ان میں سے بعض کا پسینہ قدموں تک ہو گا اور بعض کا پسینہ پنڈلیوں تک ہو گا اور بعض کا پسینہ پیٹ تک ہو گا اور بعض کا پسینہ ان کے منہ تک ہو گا پھر اس کے بعد اللہ بندوں پر رحم فرمائے گا' پھر ملائکہ مقربین کو حکم دے گا وہ اس کا عرش آسمانوں سے اٹھا کر زمین پر رکھ دیں گے' ایسی زمین پر جس میں کسی کا خون بہایا گیا ہو گا نہ اس میں کوئی گناہ کیا گیا ہو گا وہ زمین سفید چاندی کی طرح ہو گی' پھر ملائکہ عرش کے گرد صف باندھے کھڑے ہوں گے اور وہ پہلا دن ہو گا جب کوئی آنکھ اللہ کی طرف دیکھے گی پھر ایک منادی کو حکم دیا جائے گا وہ اتنی بلند آواز سے ندا کرے گا جس کو تمام جن اور انس سنیں گے فلاں بن فلاں کہاں ہے؟ وہ شخص گردن اٹھا کر دیکھے گا اور اہل محشر سے نکل کر آئے گا اللہ تعالیٰ اس کا تمام لوگوں سے تعارف کرائے گا پھر کہا جائے گا اس کی نیکیاں نکالی جائیں پھر تمام اہل محشر کو اس کی نیکیاں بتائی جائیں گی پھر

جب وہ شخص رب العالمین کے سامنے کھڑا ہوگا تو کہا جائے گا وہ لوگ کہاں ہیں جن پر اس نے ظلم کیا تھا' پھر ایک ایک کر کے لوگ آئیں گے پھر اس سے پوچھا جائے گا کیا تم نے اس پر یہ ظلم کیا تھا وہ کہے گا ہاں اے میرے رب! اور یہ وہ دن ہوگا جب اس کے خلاف اس کی زبان اور اس کے ہاتھ اور اس کے پیر گواہی دیں گے اس کی نیکیاں نکال کر اس شخص کو دی جائیں گی جس پر اس نے ظلم کیا تھا جس دن کوئی دینار ہوگا نہ درہم ہوگا مگر نیکیاں لی جائیں گی اور گناہ ڈالے جائیں گے۔ اسی طرح ہوتا رہے گا اور جن پر ظلم کیا گیا تھا وہ اس کی نیکیاں لیتے رہیں گے حتیٰ کہ اس کی ایک نیکی بھی نہیں بچے گی۔ پھر وہ لوگ کھڑے ہوں گے جن کو ان کے حقوق سے کچھ بھی نہیں ملا وہ کہیں گے دوسروں نے تو اپنے حقوق پورے لے لئے اور ہم رہ گئے' ان سے کہا جائے گا جلدی نہ کرو پھر ان کے گناہ اس شخص پر ڈال دیئے جائیں گے حتیٰ کہ کوئی مظلوم باقی نہیں رہے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ تمام اہل محشر کو اسے دکھائے گا' پھر جب اس کی نیکیوں سے فراغت ہو جائے گی تو اس سے کہا جائے گا اب تم دوزخ کی طرف جاؤ' آج کسی پر ظلم نہیں ہوگا بے شک اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ اس دن ہر فرشتہ' ہر نبی مرسل' ہر صدیق' ہر شہید اور ہر بشر حساب کی شدت دیکھ کر یہی گمان کرے گا جس کو اللہ بچالے اس کے سوا کسی کی نجات نہیں ہو سکتی۔

(المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۴۶۲۶' علامہ بوصیری نے کہا اس کی سند میں ایک راوی ضعیف ہے: اتحاف السادۃ المہرۃ رقم الحدیث: ۸۶۹۲)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ کہیں گے اے ہمارے رب! ہم پر ہماری بدبختی غالب آ گئی اور ہم (واقعی) گم راہ لوگ تھے ○ اے ہمارے رب! ہمیں اس دوزخ سے نکال' اگر ہم پھر (کفر کی طرف) لوٹیں تو بے شک ہم ظالم ہوں گے ○ (اللہ) فرمائے گا تم اسی میں دھتکارے ہوئے پڑے رہو اور مجھ سے بات نہ کرو ○ بے شک میرے بندوں میں سے ایک گروہ یہ کہتا تھا اے ہمارے رب! ہم ایمان لائے تو ہماری مغفرت فرما اور ہم پر رحم فرما اور تو رحم کرنے والوں میں سب سے اچھا ہے ○ تو (اے کافرو!) تم نے ان کا مذاق اڑایا حتیٰ کہ (اس مشغلہ نے) تمہیں میری یاد (بھی) بھلا دی اور تم ان پر ہنسا کرتے تھے ○ بے شک میں نے ان کے صبر کی اچھی جزا دی اور بے شک وہی کامیاب ہیں ○ (المؤمنون: ۱۱۱-۱۰۶)

دوزخ میں کافروں کی چھ دعائیں جو وہ چھ ہزار سال تک کریں گے

اس سے پہلے فرمایا تھا کیا تمہارے سامنے میری آیتوں کی تلاوت نہیں کی جاتی تھی پھر تم ان کی تکذیب کرتے تھے۔ اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کا جو قول نقل فرمایا ہے وہ کہیں گے اے ہمارے رب! ہم پر ہماری بدبختی غالب آ گئی اور ہم (واقعی) گم راہ لوگ تھے۔ یہ ان کی طرف سے جواب کے قائم مقام ہے۔

ان کی مراد یہ ہے کہ ہم نے حرام لذات کو طلب کیا اور ہم نے برے کاموں کی حرص کی جس کی وجہ سے بدبختی ہم پر غالب آ گئی یہ ان کی طرف سے کوئی عذر نہیں ہے کیونکہ ان کو معلوم تھا کہ ان کا کوئی عذر نہیں ہے' لیکن یہ ان کی طرف سے اعتراف ہے کہ ان کے غلط کاموں کی وجہ سے ان کے خلاف اللہ کی حجت قائم ہو چکی ہے۔ نیز انہوں نے کہا ہم واقعی گم راہ لوگ تھے ان کا اپنے آپ کو گمراہ کہنا اس لئے ہوگا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کی جو تکذیب کی تھی اس کی علت یہی تھی کہ وہ گم راہ تھے' پھر انہوں نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ اے ہمارے رب ہم کو اس دوزخ سے نکال لے اور ہمیں اس دار آخرت سے دار دنیا کی طرف بھیج دے اور اگر ہم نے دوبارہ کفر اور سرکشی کی تو پھر بے شک ہم ظالم ہوں گے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ انہوں نے یہ درخواست کیوں کی جب کہ انہیں معلوم ہو چکا تھا کہ ان کا عذاب دائمی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ دوزخ کے عذاب کی شدت کی وجہ سے ان کے دماغوں سے اس عذاب کا دائمی ہونا نکل گیا ہو۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کو اس کا علم ہو لیکن انہوں نے چلانے اور آہ و زاری کرنے کے طور پر ایسا کہا ہو۔

المؤمنون: ۱۰۸ میں فرمایا تم اسی دوزخ میں دھتکارے ہوئے پڑے رہو اور مجھ سے بات نہ کرو' اخسـاء کا لفظ تحقیر کے ساتھ کسی کو دھتکارنے کے لئے ہے جیسے کتے کو دھتکارتے ہیں' اور یہ جو فرمایا ہے مجھ سے بات مت کرو اس میں انہیں بات نہ کرنے کا مکلف نہیں کیا کیونکہ آخرت دار تکلیف نہیں ہے' بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ عذاب ساقط کرنے یا عذاب میں تخفیف کرنے کے لئے مجھ سے دعا نہ کرو اور یہ کافروں کا آخری کلام ہے اس کے بعد وہ سوا چلانے' چنگھاڑنے اور کتوں کی طرح بھونکنے کے کوئی آواز نہیں نکال سکیں گے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جب وہ دوزخ میں داخل ہوں گے تو وہ دوزخ سے نجات کی دعا کریں گے' پھر ہر ہزار سال گزرنے کے بعد دعا کریں گیا اور چھ ہزار سال میں چھ دعائیں کریں گے' پہلے ایک ہزار سال تک یہ دعا کریں گے:

(۱) وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ○ (السجدہ: ۱۲)

کاش آپ اس وقت دیکھتے جب مجرم اپنے رب کے سامنے سر جھکائے ہوں گے' وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا اب تو ہمیں واپس لوٹا دے ہم نیک اعمال کریں گے بے شک ہم یقین کرنے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا:

وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ○ (السجدہ: ۱۳)

اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو ہدایت عطا کر دیتے' لیکن میرا یہ قول ثابت ہو چکا ہے کہ میں ضرور بہ ضرور دوزخ کو جنات اور انسانوں سے بھر دوں گا۔

(۲) پھر ایک ہزار سال تک یہ دعا کریں گے:

قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ ○ (المومن: ۱۱)

وہ کہیں گے اے ہمارے رب تو نے ہمیں دو بار مارا اور دو بار زندہ کیا ہم نے اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیا کیا اب ہمارے نکلنے کی بھی کوئی صورت ہے۔

اللہ تعالیٰ اس کے جواب میں فرمائے گا:

ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗٓ اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ ۚ وَاِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا ۭ فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ ○ (المؤمن: ۱۲)

یہ عذاب تمہیں اس لئے دیا گیا ہے کہ جب صرف اللہ وحدہ کا ذکر کیا جاتا تھا تو تم کفر کرتے تھے اور اگر اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جاتا تو تم مان لیتے تھے' پس اب اللہ بلند و بزرگ کا فیصلہ ہی نافذ ہوگا۔

۳- پھر ایک ہزار سال تک یہ دعا کرتے رہیں گے:

وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ۭ قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ (الزخرف: ۷۷)

اور وہ پکار کر کہیں گے کہ اے مالک چاہیے کہ آپ کا رب ہمارا کام تمام کر دے' وہ کہے گا تم (اس میں) ہمیشہ رہنے والے ہو۔

پھر چوتھی بار ایک ہزار سال تک یہ دعا کرتے رہیں گے:

وَاَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ نُّجِبْ

آپ لوگوں کو اس دن سے ڈرائیے جس دن ان کے پاس عذاب آئے گا اور ظالم کہیں گے اے ہمارے رب قریب کی مدت

دَعْوَتَكَ وَ نَتَّبِعِ الرُّسُلَ ؕ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْۤا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ۝ (ابراہیم: ۴۴)

کے لئے ہمارے عذاب کو مؤخر کر دے ہم تیرے پیغام کو قبول کریں گے اور تیرے رسولوں کی پیروی کریں گے (ان کو جواب دیا جائے گا) کیا اس سے پہلے تم نے قسمیں نہیں کھائی تھیں کہ تمہیں اس دنیا سے جانا ہی نہیں ہے۔

پھر پانچویں بار ایک ہزار سال تک یہ دعا کریں گے:

وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا ۚ رَبَّنَاۤ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ ؕ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ۝ (فاطر: ۳۷)

اور کافر دوزخ میں چلائیں گے: اے ہمارے رب ہم کو نکال دے! ہم پہلے کاموں کے برخلاف اچھے کام کریں گے (اللہ جواب دے گا) کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہیں دی تھی جس میں کوئی سمجھنے والا سمجھ سکتا تھا اور تمہارے پاس عذاب سے ڈرانے والا بھی آیا تھا' سو اب (عذاب کا) مزہ چکھو ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہے۔

۷- پھر پانچ ہزار سال گزرنے کے بعد ان کی آخری دعا وہ ہو گی جس کا المؤمنون: ۱۰۸-۱۰۷ میں ذکر ہے: اے ہمارے رب ہمیں اس دوزخ سے نکال اگر ہم پھر کفر کی طرف لوٹیں تو بے شک ہم ظالم ہوں گے ۝ (اللہ) فرمائے گا تم اسی میں دھتکارے ہوئے پڑے رہو اور مجھ سے بات نہ کرو۔

اور اس طرح چھ ہزار سال گزرنے کے بعد وہ کوئی دعا نہیں کریں گے بس درد اور اذیت سے چیختے چلاتے رہیں گے۔

المؤمنون: ۱۱۱-۱۰۹ میں فرمایا: بے شک میرے بندوں میں سے ایک گروہ یہ کہتا تھا اے ہمارے رب! ہم ایمان لائے تو ہماری مغفرت فرما اور ہم پر رحم فرما اور تو رحم کرنے والوں میں سب سے اچھا ہے ۝ تو (اے کافرو) تم نے ان کا مذاق اڑایا حتیٰ کہ اس (مشغلہ) نے تمہیں میری یاد (بھی) بھلا دی اور تم ان پر ہنسا کرتے تھے ۝ بے شک میں نے ان کے صبر کی اچھی جزا دی اور بے شک وہی کامیاب ہیں۔

نیک مسلمانوں کو اچھی جزا عطا فرمانے کی وجہ

پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کو کیوں عذاب میں مبتلا کیا تھا' اور اب ان آیتوں میں بتا رہا ہے کہ مومنوں کو اللہ تعالیٰ نے کیوں اچھی جزا دی ہے۔

مقاتل نے کہا کہ قریش کے سردار مثلاً ابو جہل' عتبہ اور ابی بن خلف وغیرہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کا مذاق اڑاتے تھے اور حضرت بلال' حضرت خباب اور حضرت عمار اور حضرت صہیب ایسے فقراء صحابہ پر ہنستے تھے اور ان کا مذاق اڑانے کو انہوں نے اپنا مشغلہ بنا لیا تھا' اور ان صحابہ نے ان کی ان باتوں پر صبر کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کو آخرت کی کامیابی عطا فرمائی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ فرمائے گا تم زمین میں کتنے سال رہے تھے؟ ۝ وہ کہیں گے ہم ایک دن یا دن کا کچھ حصہ رہے تھے' آپ گننے والوں سے پوچھ لیجئے ۝ اللہ فرمائے گا تم بہت کم وقت ٹھہرے تھے کاش تم نے پہلے جان لیا ہوتا ۝ کیا پس تم نے یہ گمان کر لیا تھا کہ ہم نے تم کو فضول پیدا کیا تھا اور تم ہماری طرف نہیں لوٹائے جاؤ گے ۝ پس اللہ بلند شان والا ہے اور سچا بادشاہ ہے اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے وہ عرش کریم کا رب ہے ۝ (المؤمنون: ۱۱۶-۱۱۲)

کفار کو آخرت میں دنیا کی ناپائیداری پر متنبہ کرنا

اس سوال سے ان کو جھڑکنے اور ڈانٹنے کا قصد فرمایا ہے کیونکہ وہ آخرت میں ٹھہرنے کا مطلقاً انکار کرتے تھے اور صرف دنیا میں ٹھہرنے کو مانتے تھے' اور ان کا یہ یقین تھا کہ مرنے کے بعد وہ ہمیشہ کے لئے فنا ہو جائیں گے اور ان کو دوبارہ زندہ نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی وہ دوزخ میں جائیں گے' اس لئے ان سے یہ سوال کیا تاکہ ان کو اس پر متنبہ کریں کہ دنیا میں جس قیام کو انہوں نے دائمی سمجھا ہوا تھا ان کی زبانوں سے اعتراف کرائیں کہ وہ کتنا کم اور مختصر تھا' اس وقت ان کو حسرت ہو گی کہ دنیا میں ان کا اعتقاد کس قدر غلط اور واقع کے خلاف تھا۔ اور انہوں نے جواب میں جو یہ کہا ہم ایک دن یا دن کا کچھ حصہ رہے تھے تو یہ انہوں نے جھوٹ نہیں بولا ہو گا بلکہ دوزخ کے عذاب کے درد اور دہشت کی وجہ سے وہ دنیا میں اپنے قیام کی اصل اور صحیح مدت کو بھول گئے ہوں گے' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دوزخ میں انہوں نے عذاب میں جو وقت گزارا اور غیر متناہی مدت تک انہوں نے اس عذاب کو برداشت کرنا تھا اس کے مقابلہ میں انہوں نے دنیا میں جو وقت عیش و آرام میں گزارا تھا وہ ان کو بہت کم اور تھوڑا محسوس ہو گا۔

انہوں نے کہا آپ گننے والوں سے پوچھ لیجئے' اس سے مراد کراماً کاتبین فرشتے ہیں جو ان کی گزری ہوئی زندگی کا ایک ایک عمل لکھتے رہے تھے یا مراد یہ ہے کہ ان فرشتوں سے پوچھ لیجئے جو دنیا کے ایام اور اس کی ساعات کو لکھتے رہتے ہیں یا اس کا معنی یہ ہے کہ ان سے پوچھ لیجئے جو ان ایام کو گنتے رہتے ہیں ہم تو بھول چکے ہیں۔

اللہ فرمائے گا تم بہت کم وقت ٹھہرے تھے کاش تم نے پہلے جان لیا ہوتا' اس کا معنی یہ ہے کہ تم نے سچ کہا تم دنیا میں بہت کم وقت ٹھہرے تھے اور اس سوال سے یہی غرض تھی کہ آخرت کے ایام کے مقابلہ میں دنیا کے ایام بہت کم ہیں' اور اگر تم نے دنیا میں حشر اور نشر کو جان لیا ہوتا تو تم دنیا میں قیام کی مدت کم ہونا جان لیتے اور حشر و نشر کا انکار نہ کرتے!

پھر ان کو اور زیادہ جھڑکا اور ڈانٹا اور ملامت کی کہ کیا پس تم نے یہ گمان کر لیا تھا کہ ہم نے تم کو فضول پیدا کیا تھا اور تم ہماری طرف نہیں لوٹائے جاؤ گے' اللہ تعالیٰ نے پہلے قیامت کی صفات بیان کیں پھر قیامت کے دلائل کی طرف متوجہ کیا کہ اگر قیامت نہ ہوتی تو مطیع اور عاصی اور صدیق اور زندیق اور نیک اور بد کے درمیان امتیاز نہ ہوتا' اور اس وقت اس جہان کو پیدا کرنا عبث اور فضول ہوتا اور جب تم نے اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے تو معلوم ہو گیا کہ اس کے سوا اور کوئی مالک اور حاکم نہیں ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے فضول اور بے فائدہ چیزیں پیدا کرنے سے اپنی تنزیہ بیان فرمائی پس اللہ بلند شان والا سچا بادشاہ ہے' الملک سے مراد یہ ہے کہ وہ تمام اشیاء کا مالک ہے اس کے ملک' اس کی سلطنت اور اس کی قدرت کو کبھی زوال نہیں ہے' اور الحق سے مراد یہ ہے کہ ملک اور سلطنت اسی کو سزاوار اور لائق اور زیبا ہے کیونکہ ہر چیز کی اسی سے ابتداء ہے اور اسی کی طرف انتہا ہے' اور وہ عرش کریم کا رب ہے عرش کو کریم اس لئے فرمایا کیونکہ رحمت' خیر اور برکت اسی سے نازل ہوتی ہے اور اس لئے بھی کہ عرش کی نسبت اکرم الاکرمین کی طرف ہے جیسے کسی کریم شخص کے گھر کے متعلق کہا جاتا ہے یہ گھر کریم ہے یعنی اس کے رہنے والے کریم ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو شخص اللہ کے سوا کسی اور معبود کی عبادت کرتا ہے' جس کی اس کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے' سو اس کا حساب اس کے رب کے پاس ہی ہو گا' بے شک کافر کامیاب نہیں ہوں گے ○ اور آپ کہیے: اے میرے رب! مغفرت فرما اور رحم فرما اور تو رحم کرنے والوں میں سب سے اچھا ہے ○ (المؤمنون: ۱۱۸-۱۱۷)

المؤمنون کی ابتداء اور انتہا میں مناسبت

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا کہ وہی الملک الحق ہے اور اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق

نہیں ہے تو اب یہ بتایا کہ جس نے اللہ کے سوا کسی اور معبود کی پرستش کا دعویٰ کیا تو اس کا یہ دعویٰ باطل ہے کیونکہ اس دعویٰ کی صحت اور ثبوت پر کوئی دلیل نہیں ہے' پھر یہ بتایا کہ جس نے اللہ کے سوا کسی اور معبود کی پرستش کا دعویٰ کیا تو اس کی سزا یہ ہے کہ آخرت میں اس کو سخت عذاب دیا جائے اس لئے فرمایا سو اس کا حساب اس کے رب کے پاس ہی ہو گا اور بے شک کافر کامیاب نہیں ہوں گے۔

اس سورت کو **قد افلح المؤمنون** سے شروع فرمایا تھا اور ختم **لا یفلح الکافرون** پر کیا' مومنوں کی کامیابی کی نوید سے اس سورت کو شروع فرمایا اور کافروں کی ناکامی کی وعید پر اس سورت کو ختم فرمایا اور یہ اس سورت کی فاتحہ اور خاتمہ اور ابتداء اور انتہاء میں بہت قوی مناسبت ہے' اور آخری آیت میں اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دعا کرنے کی تلقین کی کہ اے میرے رب مغفرت فرما اور رحم فرما اور تو سب سے اچھا رحم فرمانے والا ہے' اس سے پہلے کفار کی صفات بیان کی تھیں اور دنیا میں ان کی جہالت اور آخرت میں ان کے عذاب کا بیان فرمایا تھا تو اب اللہ کی طرف رجوع کرنے اور اس کی مغفرت اور اس کی رحمت کی پناہ میں آنے کا حکم دیا' کیونکہ اللہ کی مغفرت اور رحمت سے ہی ہر آفت' مصیبت اور عذاب سے نجات مل سکتی ہے۔

جس شخص نے سورۃ المومنین کی پہلی تین آیات پر عمل کیا اور آخری چار آیتوں سے نصیحت حاصل کی وہ نجات پالے گا اور کامیابی حاصل کرلے گا۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین والصلوة والسلام علی خیر خلقه سیدنا محمد واله واصحابه وازواجه وعترته واهل بیته واولیاء امته وعلماء ملته وسائر المسلمین اجمعین.

اختتامی کلمات

یکم شوال' ۱۴۲۱ھ / ۲۸ دسمبر ۲۰۰۰ء بروز جمعرات بہ وقت سحر تبیان القرآن کی ساتویں جلد کا آغاز کیا تھا اور الحمدللہ رب العالمین ۲۳ جمادی الثانیہ' ۱۴۲۲ھ / ۱۲ ستمبر ۲۰۰۱ء بروز بدھ بہ وقت سحر یہ ساتویں جلد ختم ہوگئی' اس طرح ۸ ماہ پندرہ دن میں یہ جلد مکمل ہوگئی' اور اب تک تبیان القرآن کی جتنی جلدیں لکھی گئی ہیں ان میں سے یہ جلد سب سے کم وقت میں مکمل ہوئی ہے' کمر کے درد کی شدید تکلیف اور شوگر اور ہائی بلڈ پریشر کے امراض اور ان امراض کی وجہ سے کسی توانائی بخش چیز کا نہ کھا سکنا اور ضعف اور لاغری کی شدت ان کے ساتھ پڑھانے اور افتاء کی مشغولیت ایسے امور ہیں جس کی وجہ سے اتنے کم عرصہ میں اتنا زیادہ کام کر لینا بہ ظاہر کسی انسان کی قوت سے بہت بعید اور بہت مشکل معلوم ہوتا ہے الآیہ کہ انسان کو اپنی قوت پر بالکل اعتماد نہ ہو اور اس کی نظر صرف اللہ تعالیٰ کی توفیق' تائید اور اس کی اعانت پر ہو' تو یہ سب اسی کا کیا ہوا ہے اس میں میرا کچھ نہیں ہے ہاں اگر اس میں کوئی تقصیر اور نقص ہے تو وہ میرا کیا دھرا ہے' اللہ تعالیٰ کے بے پایاں احسانات میں سے ایک اہم احسان یہ ہے کہ جب میں ۶ جولائی ۱۹۸۵ء کو کراچی آیا تھا تو میری نظر کا نمبر ساڑھے تین اور ساڑھے چار تھا' مسلسل دماغی کام کرنے اور لکھنے پڑھنے کی مشغولیت اور شوگر اور ہائی بلڈ پریشر کے امراض کی وجہ سے چاہیے تو یہ تھا کہ میری نظر اور گر جاتی اور چشمہ کا نمبر اور بڑھ جاتا لیکن اللہ نے یہ کرم کیا کہ میری نظر بڑھ گئی اور چشمے کا نمبر گر گیا اب میرے چشمے کا نمبر ڈیڑھ اور دو ہے میں لکھنے پڑھنے کا کام بغیر چشمہ کے کرتا ہوں اور صرف دور دیکھنے کے لئے چشمہ لگاتا ہوں۔ **فالحمد لله رب العالمین.**

قارئین کرام مجھے خطوط لکھتے رہتے ہیں میرے لئے ان کے جواب دینا بہت مشکل ہوتا ہے' میں جب تک تازہ دم ہوتا

ہوں کلاس میں بیٹھ کر تبیان القرآن کا کام کرتا رہتا ہوں اور جب تھک کر بے دم ہو جاتا ہوں تو کمرے میں جا کر لیٹ جاتا ہوں سو میرے لئے خطوط کا جواب لکھنا ممکن نہیں ہے' البتہ جن خطوط میں دینی سوالات ہوتے ہیں ان کے جوابات اپنے کسی شاگرد کو بتا دیتا ہوں اور ان سے جواب لکھوا دیتا ہوں' بہت سے محبین مجھ سے ملنے کے لئے بھی ذوق وشوق اور بہت محبت سے آتے ہیں اور بعض اوقات میں لکھ رہا ہوتا ہوں تو وہ آ جاتے ہیں ان کی خواہش ہوتی ہے کہ میں ان سے باتیں کروں یہ میرے لئے بہت مشکل اور سخت امتحانی پرچہ ہے۔ قارئین کرام! مجھے اس مشکل میں نہ ڈالیں تو ان کا بہت کرم ہو گا' اسی طرح بہت سے لوگ ٹیلی فون کرتے ہیں' میں کچھ اپنی بیماری اور تکلیف اور کچھ تبیان القرآن کی مصروفیت کی وجہ ٹیلی فون اٹینڈ نہیں کرتا۔ ممکن ہے کچھ لوگ مجھے بد دماغ اور متکبر سمجھتے ہوں لیکن یہ میری مجبوری ہے' میں کہیں آتا جاتا نہیں ہوں اور بہت کم آمیز ہوں' میں نے دو سال سے جمعہ کا خطاب بھی چھوڑ دیا ہے' تقاریر اور تقاریب کے سلسلہ میں بھی کہیں نہیں جاتا میں نے اپنا سارا وقت اس کام کے لئے وقف کر دیا ہے' سو محبین سے درخواست ہے کہ وہ مجھے اپنے خطوط کے جوابات' ٹیلی فون پر بات کرنے اور تقاریر اور تقاریب میں جانے کا مکلف نہ کریں اور یہ ان کا بہت احسان اور کرم ہو گا مجھے ان کی دعاؤں کی ضرورت ہے سو وہ مجھے اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں اور میں بھی اپنی دعاؤں میں اپنے قارئین کو یاد رکھتا ہوں۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں الٰہ العالمین! جس طرح آپ نے یہاں تک تبیان القرآن کا کام کرا دیا ہے باقی تفسیر کو بھی مکمل فرما دیں' اس تفسیر کو تا روز قیامت مقبول' مؤثر اور فیض آفرین بنا دیں' میرا اس کتاب کے ناشر کا' اس کے کمپوزر' اس کے مصحح اور اس کے قارئین کا ایمان پر خاتمہ فرمائیں' مرنے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت عطا فرمائیں اور مرنے کے بعد آپ کی شفاعت سے بہرہ مند فرمائیں' اپنی رحمت اور مغفرت سے ہمارے گناہوں کو ڈھانپ لیں اور دنیا اور آخرت کی بلاؤں اور عذاب سے محفوظ اور مامون رکھیں اور دارین میں سرخروئی عطا فرمائیں۔ (آمین)

فالحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین سیدنا محمد وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ واولیاء امتہ و علماء ملتہ وامتہ اجمعین۔

مآخذ و مراجع

کتب الٰہیہ

۱- قرآن مجید
۲- تورات
۳- انجیل

کتب احادیث

۴- امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت' متوفی ۱۵۰ھ' مسند امام اعظم' مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز' کراچی
۵- امام مالک بن انس اصبحی' متوفی ۱۷۹ھ' موطا امام مالک' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۰۹ھ
۶- امام عبداللہ بن مبارک' متوفی ۱۸۱ھ' کتاب الزہد' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۷- امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم' متوفی ۱۸۳ھ' کتاب الآثار' مطبوعہ مکتبہ اثریہ' سانگلہ ہل
۸- امام محمد بن حسن شیبانی' متوفی ۱۸۹ھ' موطا امام محمد' مطبوعہ نور محمد' کارخانہ تجارت کتب کراچی
۹- امام محمد بن حسن شیبانی' متوفی ۱۸۹ھ' کتاب الآثار' مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' ۱۴۰۷ھ
۱۰- امام وکیع بن جراح متوفی ۱۹۷ھ' کتاب الزہد' مکتبۃ الدار مدینہ منورہ' ۱۴۰۴ھ
۱۱- امام سلیمان بن داؤد بن جارود طیالسی حنفی' متوفی ۲۰۴ھ' مسند طیالسی' مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' ۱۳۹۱ھ
۱۲- امام محمد بن ادریس شافعی' متوفی ۲۰۴ھ' المسند' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۰ھ
۱۳- امام محمد بن عمر بن واقد متوفی ۲۰۷ھ' کتاب المغازی' مطبوعہ عالم الکتب' بیروت' ۱۴۰۴ھ
۱۴- امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی' متوفی ۲۱۱ھ' المصنف' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۰ھ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ
۱۵- امام عبداللہ بن الزبیر حمیدی' متوفی ۲۱۹ھ' المسند' مطبوعہ عالم الکتب بیروت
۱۶- امام سعید بن منصور خراسانی' مکی' متوفی ۲۲۷ھ' سنن سعید بن منصور' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۱۷- امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ' متوفی ۲۳۵ھ' المصنف' مطبوعہ ادارہ القرآن' کراچی' ۱۴۰۶' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ
۱۸- امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ' متوفی ۲۳۵' مسند ابن ابی شیبہ' مطبوعہ دار الوطن بیروت' ۱۴۱۸ھ
۱۹- امام احمد بن حنبل' متوفی ۲۴۱ھ' المسند' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۸ھ' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ' دار الحدیث قاہرہ' ۱۴۱۶ھ' عالم الکتب بیروت' ۱۴۱۹ھ

۲۰- امام احمد بن حنبل' متوفی ۲۴۱ھ' کتاب الزہد' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ

۲۱- امام ابو عبداللہ بن عبدالرحمان دارمی متوفی ۲۵۵ھ' سنن دارمی' مطبوعہ دار الکتاب العربی' ۱۴۰۷ھ' دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۲۰ھ

۲۲- امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری' متوفی ۲۵۶ھ' صحیح بخاری' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۲ھ دار ارقم بیروت۔

۲۳- امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری' متوفی ۲۵۶ھ' خلق افعال العباد' مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت' ۱۴۱۱ھ

۲۴- مام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری' متوفی ۲۵۶ھ' الادب المفرد' مطبوعہ دار المعرفہ' بیروت' ۱۴۱۲ھ

۲۵- امام ابو الحسین مسلم بن حجاج قشیری' متوفی ۲۶۱ھ' صحیح مسلم' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ کرمہ' ۱۴۱۷ھ

۲۶- امام ابو عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ' متوفی ۲۷۳ھ' سنن ابن ماجہ' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ' دار الجیل بیروت' ۱۴۱۸ھ

۲۷- امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی' متوفی ۲۷۵ھ' سنن ابو داؤد' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ

۲۸- امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی' متوفی ۲۷۵ھ' مراسیل ابو داؤد' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی

۲۹- امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ' سنن ترمذی' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ' دار الجیل بیروت' ۱۹۹۸ء

۳۰- امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ' شمائل محمدیہ' مطبوعہ المکتبۃ التجاریہ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۵ھ

۳۱- امام علی بن عمر دار قطنی' متوفی ۳۸۵ھ سنن دار قطنی' مطبوعہ نشر السنہ' ملتان' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ

۳۲- امام ابن ابی عاصم' متوفی ۲۸۷ھ' الاحاد والمثانی' مطبوعہ دار الرایہ' ریاض' ۱۴۱۱ھ

۳۳- امام احمد عمرو بن عبدالخالق بزار' متوفی ۲۹۲ھ' البحر الزخار المعروف بہ مسند البزار' مطبوعہ مؤسسۃ القرآن' بیروت

۳۴- امام ابو عبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ' سنن نسائی' مطبوعہ دار المعرفہ' بیروت' ۱۴۱۲ھ

۳۵- امام ابو عبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ' عمل الیوم واللیلۃ' مطبوعہ مؤسسۃ الکتب الثقافیہ' بیروت' ۱۴۰۸ھ

۳۶- امام ابو عبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ' سنن کبریٰ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۱ھ

۳۷- امام ابو بکر محمد بن ہارون الرویانی' متوفی ۳۰۷ھ' مسند الصحابہ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ

۳۸- امام احمد بن علی المثنیٰ التمیمی' المتوفی ۳۰۷ھ' مسند ابو یعلیٰ موصلی' مطبوعہ دار المامون التراث بیروت' ۱۴۰۴ھ

۳۹- امام عبداللہ بن علی بن جارود نیشاپوری' متوفی ۳۰۷ھ' المنتقی' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ

۴۰- امام محمد بن اسحاق بن خزیمہ' متوفی ۳۱۱ھ صحیح ابن خزیمہ' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۵ھ

۴۱- امام ابو بکر محمد بن محمد بن سلیمان باغندی' متوفی ۳۱۲ھ' مسند عمر بن عبدالعزیز

۴۲- امام ابو عوانہ یعقوب بن اسحاق' متوفی ۳۱۶ھ' مسند ابو عوانہ' مطبوعہ دار الباز' مکہ مکرمہ

۴۳- امام ابو عبداللہ محمد الحکیم الترمذی' المتوفی ۳۲۰ھ' نوادر الاصول' مطبوعہ دار الریان التراث القاہرہ' ۱۴۰۸ھ

۴۴- امام ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی' متوفی ۳۲۱ھ' شرح مشکل الآثار' مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت' ۱۴۱۵ھ

۴۵- امام ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی' متوفی ۳۲۱ھ' شرح معانی الآثار' مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان لاہور' ۱۴۰۴ھ

۴۶- امام ابو جعفر محمد بن عمرو العقیلی متوفی ۳۲۲ھ' کتاب الضعفاء الکبیر' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ

۴۷- امام محمد بن جعفر بن حسین خرائطی' متوفی ۳۲۷ھ' مکارم الاخلاق' مطبوعہ مطبعہ المدنی مصر' ۱۴۱۱ھ

۴۸- امام ابو حاتم محمد بن حبان البستی' متوفی ۳۵۴ھ' الاحسان بہ ترتیب صحیح ابن حبان' مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت' ۱۴۰۷ھ

۴۹- امام ابوبکر احمد بن حسین آجری' متوفی ۳۶۰ھ' الشریعہ' مطبوعہ مکتبہ دارالسلام' ریاض' ۱۴۱۳ھ
۵۰- امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی' المتوفی ۳۶۰ھ' معجم صغیر' مطبوعہ مکتبہ سلفیہ' مدینہ منورہ' ۱۳۸۸ھ' مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۰۵ھ
۵۱- امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی' المتوفی ۳۶۰ھ' معجم اوسط' مطبوعہ مکتبۃ المعارف' ریاض' ۱۴۰۵ھ دارالفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ
۵۲- امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی' المتوفی ۳۶۰ھ' معجم کبیر' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت
۵۳- امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی' المتوفی ۳۶۰ھ' مسند الشامیین' مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت' ۱۴۰۹ھ
۵۴- امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی' المتوفی ۳۶۰ھ' کتاب الدعاء' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۳ھ
۵۵- امام ابوبکر احمد بن اسحاق دینوری المعروف بابن السنی' متوفی ۳۶۴ھ' عمل الیوم واللیلۃ' مطبوعہ مؤسسۃ الکتب الثقافیہ بیروت' ۱۴۰۸ھ
۵۶- امام عبداللہ بن عدی الجرجانی' المتوفی ۳۶۵ھ' الکامل فی ضعفاء الرجال' مطبوعہ دارالفکر بیروت' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۲ھ
۵۷- امام ابوحفص عمر بن احمد المعروف بابن شاہین المتوفی ۳۸۵ھ' الناسخ والمنسوخ من الحدیث' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۲ھ
۵۸- امام عبداللہ بن محمد بن جعفر المعروف بابی الشیخ' متوفی ۳۹۶ھ' کتاب العظمۃ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت
۵۹- امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری' متوفی ۴۰۵ھ' المستدرک' مطبوعہ دارالباز مکہ مکرمہ' مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت' ۱۴۱۸ھ' المکتبۃ العصریہ بیروت' ۱۴۲۰ھ
۶۰- امام ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی' متوفی ۴۳۰ھ' حلیۃ الاولیاء' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ
۶۱- امام ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی' متوفی ۴۳۰ھ' دلائل النبوۃ' مطبوعہ دارالنفائس' بیروت
۶۲- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ' سنن کبریٰ' مطبوعہ نشر السنہ' ملتان
۶۳- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ' کتاب الاسماء والصفات' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت
۶۴- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ' معرفۃ السنن والآثار' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت
۶۵- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ' دلائل النبوۃ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت
۶۶- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ' کتاب الآداب' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۶ھ
۶۷- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ' کتاب فضائل الاوقات' مطبوعہ مکتبۃ المنارۃ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۰ھ
۶۸- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ' شعب الایمان' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۱ھ
۶۹- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ' البعث والنشور' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۴ھ
۷۰- امام ابوعمر یوسف ابن عبدالبر قرطبی' متوفی ۴۶۳ھ' جامع بیان العلم وفضلہ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت
۷۱- امام ابوشجاع شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ الدیلمی' المتوفی ۵۰۹ھ' الفردوس بماثور الخطاب' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۶ھ

۷۲- امام حسین بن مسعود بغوی' متوفی ۵۱۶ھ' شرح السنہ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۲ھ
۷۳- امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر' متوفی ۵۷۱ھ' تاریخ دمشق الکبیر' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ
۷۴- امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر' متوفی ۵۷۱ھ' تہذیب تاریخ دمشق' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۷ھ
۷۵- امام مجد الدین المبارک بن محمد الشیبانی' المعروف بابن الاثیر الجزری' متوفی ۶۰۶ھ' جامع الاصول' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ
۷۶- امام ضیاء الدین محمد بن عبدالواحد مقدسی حنبلی متوفی ۶۴۳ھ' الاحادیث المختارۃ' مطبوعہ مکتبہ النھضۃ الحدیثیہ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۰ھ
۷۷- امام زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری' المتوفی ۶۵۶ھ' الترغیب والترھیب' مطبوعہ دار الحدیث' قاہرہ' ۱۴۰۷ھ دار ابن کثیر بیروت' ۱۴۱۴ھ
۷۸- امام ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی' متوفی ۶۶۸ھ' التذکرۃ فی امور الآخرہ' مطبوعہ دار البخاری' مدینہ منورہ
۷۹- حافظ شرف الدین عبدالمومن دمیاطی متوفی ۷۰۵ھ' المتجر الرابح' مطبوعہ دار خضر بیروت' ۱۴۱۹ھ
۸۰- امام ولی الدین تبریزی' متوفی ۷۴۲ھ' مشکوٰۃ' مطبوعہ اصح المطابع دہلی' دار ارقم بیروت
۸۱- حافظ جمال الدین عبداللہ بن یوسف زیلعی' متوفی ۷۶۲ھ' نصب الرایہ' مطبوعہ مجلس علمی سورۃ ہند' ۱۳۵۷ھ' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ
۸۲- امام محمد بن عبداللہ زرکشی' متوفی ۷۹۴ھ' اللآلی المنثورۃ' مکتب اسلامی' بیروت' ۱۴۱۷ھ
۸۳- حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی' المتوفی ۸۰۷ھ' مجمع الزوائد' مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت' ۱۴۰۲ھ
۸۴- حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی' المتوفی ۸۰۷ھ' کشف الاستار' مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت' ۱۴۰۴ھ
۸۵- حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی' المتوفی ۸۰۷ھ' موارد الظمآن' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۸۶- حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی' المتوفی ۸۰۷ھ' تقریب البغیہ بترتیب احادیث الحلیۃ' دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۰ھ
۸۷- امام محمد بن محمد جزری' متوفی ۸۳۳ھ' حصن حصین' مطبوعہ مصطفیٰ البابی واولادہ' مصر' ۱۳۵۰ھ
۸۸- امام ابوالعباس احمد بن ابوبکر بوصیری' شافعی' متوفی ۸۴۰ھ' زوائد ابن ماجہ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۸۹- حافظ علاء الدین بن علی بن عثمان ماردینی ترکمان' متوفی ۸۴۵ھ' الجواہر النقی' مطبوعہ نشر السنہ' ملتان
۹۰- حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی' متوفی ۸۴۸ھ' تلخیص المستدرک' مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکہ مکرمہ
۹۱- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی' متوفی ۸۵۲ھ' المطالب العالیہ' مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکہ مکرمہ
۹۲- امام عبدالرؤف بن علی المناوی' المتوفی ۱۰۳۱ھ' کنوز الحقائق' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ
۹۳- حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' الجامع الصغیر' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۳۹۱ھ' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۲۰ھ
۹۴- حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' مسند فاطمۃ الزہراء
۹۵- حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' جامع الاحادیث الکبیر' مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۴ھ
۹۶- حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' البدور السافرۃ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ' دار ابن حزم بیروت' ۱۴۱۴ھ

۹۷- حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' جمع الجوامع' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ
۹۸- حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' الخصائص الکبریٰ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۵ھ
۹۹- حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' الدرر المنتثرہ' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ
۱۰۰- علامہ عبدالوہاب شعرانی' متوفی ۹۷۳ھ' کشف الغمہ' مطبوعہ مطبع عامرہ عثمانیہ مصر' ۱۳۰۳ھ' دارالفکر بیروت' ۱۴۰۸ھ
۱۰۱- علامہ علی متقی بن حسام الدین ہندی برہان پوری' متوفی ۹۷۵ھ' کنز العمال' مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت

کتب تفاسیر

۱۰۲- حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما' متوفی ۶۸ھ' تنویر المقباس' مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ ایران
۱۰۳- امام حسن بن عبداللہ المصری' التوفی ۱۱۰ھ' تفسیر الحسن المصری' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۳ھ
۱۰۴- امام ابوعبداللہ محمد بن ادریس شافعی' متوفی ۲۰۴ھ' احکام القرآن' مطبوعہ داراحیاء العلوم بیروت' ۱۴۱۰ھ
۱۰۵- امام ابوزکریا یحییٰ بن زیاد فراء' متوفی ۲۰۷ھ' معانی القرآن' مطبوعہ بیروت
۱۰۶- امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی' متوفی ۲۱۱ھ' تفسیر القرآن العزیز' مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت
۱۰۷- شیخ ابوالحسن علی بن ابراہیم قمی' متوفی ۳۰۷ھ' تفسیر قمی' مطبوعہ دارالکتاب ایران' ۱۴۰۶ھ
۱۰۸- امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری' متوفی ۳۱۰ھ' جامع البیان' مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ' دارالفکر بیروت
۱۰۹- امام ابواسحاق ابراہیم بن محمد الزجاج' متوفی ۳۱۱ھ' اعراب القرآن' مطبوعہ مطبع سلمان فارسی ایران' ۱۴۰۶ھ
۱۱۰- امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس بن ابی حاتم رازی' متوفی ۳۲۷ھ' تفسیر القرآن العزیز' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ
۱۱۱- امام ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی' متوفی ۳۷۰ھ' احکام القرآن' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور' ۱۴۰۰ھ
۱۱۲- علامہ ابواللیث نصر بن محمد سمرقندی' متوفی ۳۷۵ھ' تفسیر سمرقندی' مطبوعہ مکتبہ دارالباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۳ھ
۱۱۳- شیخ ابوجعفر محمد بن حسن طوسی' متوفی ۳۸۵ھ' التبیان فی تفسیر القرآن' مطبوعہ عالم الکتب بیروت
۱۱۴- علامہ مکی بن ابی طالب' متوفی ۴۳۷ھ' مشکل اعراب القرآن' مطبوعہ انتشارات نور ایران' ۱۴۱۲ھ
۱۱۵- علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب ماوردی شافعی' متوفی ۴۵۰ھ' النکت والعیون' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت
۱۱۶- علامہ ابوالحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری' متوفی ۴۶۸ھ' الوسیط' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ
۱۱۷- امام ابوالحسن علی بن احمد الواحدی' التوفی ۴۶۸ھ' اسباب نزول القرآن' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت
۱۱۸- امام منصور بن محمد السمعانی الشافعی التوفی ۴۸۹ھ' تفسیر القرآن' مطبوعہ دارالوطن ریاض' ۱۴۱۸ھ
۱۱۹- امام ابومحمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی' التوفی ۵۱۶ھ' معالم التنزیل' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۰ھ
۱۲۰- علامہ محمود بن عمر زمخشری' متوفی ۵۳۸ھ' الکشاف' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۷ھ
۱۲۱- علامہ ابوبکر محمد بن عبداللہ المعروف بابن العربی' مالکی' متوفی ۵۴۳ھ' احکام القرآن' مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت

۱۲۲- علامہ ابوبکر قاضی عبدالحق بن غالب بن عطیہ اندلسی' متوفی ۵۴۶ھ' المحرر الوجیز' مطبوعہ مکتبہ تجاریہ مکہ مکرمہ

۱۲۳- شیخ ابوعلی فضل بن حسن طبرسی' متوفی ۵۴۸ھ' مجمع البیان' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران' ۱۴۰۶ھ

۱۲۴- علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی حنبلی' متوفی ۵۹۷ھ' زاد المسیر' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت

۱۲۵- خواجہ عبداللہ انصاری من علماء القرن السادس' کشف الاسرار وعدۃ الابرار' مطبوعہ انتشارات امیر کبیر تہران

۱۲۶- امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی' متوفی ۶۰۶ھ' تفسیر کبیر' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ

۱۲۷- شیخ ابومحمد روز بہان بن ابوالنصر البقلی شیرازی متوفی ۶۰۶ھ' عرائس البیان فی حقائق القرآن' مطبع منشی نولکشور لکھنو

۱۲۸- علامہ محی الدین ابن عربی' متوفی ۶۳۸ھ' تفسیر القرآن الکریم' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران' ۱۹۷۸ء

۱۲۹- علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی' متوفی ۶۶۸ھ' الجامع لاحکام القرآن' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ

۱۳۰- قاضی ابوالخیر عبداللہ بن عمر بیضاوی شیرازی شافعی' متوفی ۶۸۵ھ' انوار التنزیل' مطبوعہ دار فراس للنشر والتوزیع مصر

۱۳۱- علامہ ابوالبرکات احمد بن محمد نسفی' متوفی ۷۱۰ھ' مدارک التنزیل' مطبوعہ دارالکتب العربیہ پشاور

۱۳۲- علامہ علی بن محمد خازن شافعی' متوفی ۷۲۵ھ' لباب التاویل' مطبوعہ دارالکتب العربیہ پشاور

۱۳۳- علامہ نظام الدین حسین بن محمد قمی' متوفی ۷۲۸ھ' تفسیر نیشاپوری' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ

۱۳۴- علامہ تقی الدین ابن تیمیہ' متوفی ۷۲۸ھ' التفسیر الکبیر' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۹ھ

۱۳۵- علامہ شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزیہ' متوفی ۷۵۱ھ' بدائع التفسیر' مطبوعہ دار ابن الجوزیہ مکہ مکرمہ

۱۳۶- علامہ ابوالحیان محمد بن یوسف اندلسی' متوفی ۷۵۴ھ' البحر المحیط' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ

۱۳۷- علامہ ابوالعباس بن یوسف السمین الشافعی' متوفی ۷۵۶ھ' الدر المصون' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ

۱۳۸- حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی متوفی ۷۷۴ھ' تفسیر القرآن' مطبوعہ ادارہ اندلس بیروت' ۱۳۸۵ھ

۱۳۹- علامہ عماد الدین منصور بن الحسن الکازرونی الشافعی' متوفی ۸۶۰ھ' حاشیۃ الکازرونی علی البیضاوی' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۶ھ

۱۴۰- علامہ عبدالرحمٰن بن محمد بن مخلوف ثعالبی' متوفی ۸۷۵ھ' تفسیر الثعالبی' مطبوعہ مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات بیروت

۱۴۱- علامہ ابوالحسن ابراہیم بن عمر البقاعی المتوفی ۸۸۵ھ' نظم الدرر' مطبوعہ دار الکتاب الاسلامی قاہرہ' ۱۴۱۳ھ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ

۱۴۲- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ' الدر المنثور' مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ' ایران' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ

۱۴۳- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ' جلالین' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت

۱۴۴- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ' لباب النقول فی اسباب النزول' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۱۴۵- علامہ محی الدین محمد بن مصطفیٰ قوجوی' متوفی ۹۵۱ھ حاشیہ شیخ زادہ علی البیضاوی' مطبوعہ مکتبہ یوسفی دیوبند' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ

۱۴۶- شیخ فتح اللہ کاشانی' متوفی ۹۷۷ھ' منہج الصادقین' مطبوعہ خیابان ناصر خسرو ایران

۱۴۷- علامہ ابوالسعود محمد بن محمد عمادی حنفی متوفی ۹۸۲ھ' تفسیر ابوالسعود 'مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ
۱۴۸- علامہ احمد شہاب الدین خفاجی مصری حنفی' متوفی ۱۰۶۹ھ' عنایۃ القاضی' مطبوعہ دارصادر' بیروت' ۱۲۸۳ھ' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ
۱۴۹- علامہ احمد جیون جونپوری' متوفی ۱۱۳۰ھ' التفسیرات الاحمدیہ' مطبع کریمی بمبئی
۱۵۰- علامہ اسماعیل حقی حنفی' متوفی ۱۱۳۷ھ' روح البیان' مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ
۱۵۱- شیخ سلیمان بن عمر المعروف بالجمل' متوفی ۱۲۰۴ھ' الفتوحات الالٰہیہ' مطبوعہ المطبع البہیہ' مصر ۱۳۰۳ھ
۱۵۲- علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی متوفی ۱۲۲۳ھ' تفسیر صاوی' مطبوعہ داراحیاء الکتب العربیہ' مصر' دارالفکر بیروت' ۱۴۲۱ھ
۱۵۳- قاضی ثناء اللہ پانی پتی' متوفی ۱۲۲۵ھ' تفسیر مظہری' مطبوعہ بلوچستان بک ڈپو کوئٹہ
۱۵۴- شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی' متوفی ۱۲۳۹ھ' تفسیر عزیزی' مطبوعہ مطبع فاروقی دہلی
۱۵۵- شیخ محمد بن علی شوکانی' متوفی ۱۲۵۰ھ' فتح القدیر' مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت' دارالوفا بیروت' ۱۴۱۸ھ
۱۵۶- علامہ ابوالفضل سید محمود آلوسی حنفی' متوفی ۱۲۷۰ھ' روح المعانی' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ
۱۵۷- نواب صدیق حسن خان بھوپالی' متوفی ۱۳۰۷ھ' فتح البیان' مطبوعہ مطبع امیریہ کبریٰ بولاق مصر' ۱۳۰۱ھ' المکتبۃ العصریہ بیروت' ۱۴۱۲ھ' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ
۱۵۸- علامہ محمد جمال الدین قاسمی' متوفی ۱۳۳۲ھ' تفسیر القاسمی' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ
۱۵۹- علامہ محمد رشید رضا' متوفی ۱۳۵۴ھ' تفسیر المنار' مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت
۱۶۰- علامہ حکیم شیخ طنطاوی جوہری مصری' متوفی ۱۳۵۹ھ 'الجواہر فی تفسیر القرآن' المکتبہ الاسلامیہ ریاض
۱۶۱- شیخ اشرف علی تھانوی' متوفی ۱۳۶۴ھ' بیان القرآن' مطبوعہ تاج کمپنی لاہور
۱۶۲- سید محمد نعیم الدین مراد آبادی' متوفی ۱۳۶۷ھ' خزائن العرفان' مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور
۱۶۳- شیخ محمود الحسن دیوبندی' متوفی ۱۳۳۹ھ و شیخ شبیر احمد عثمانی' متوفی ۱۳۶۹ھ' حاشیۃ القرآن' مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور
۱۶۴- علامہ محمد طاہر بن عاشور' متوفی ۱۳۸۰ھ' التحریر والتنویر' مطبوعہ تونس
۱۶۵- سید محمد قطب شہید' متوفی ۱۳۸۵ھ' فی ظلال القرآن' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۳۸۶ھ
۱۶۶- مفتی احمد یار خان نعیمی' متوفی ۱۳۹۱ھ' نور العرفان' مطبوعہ دارالکتب الاسلامیہ گجرات
۱۶۷- مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ' معارف القرآن' مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی' ۱۳۹۷ھ
۱۶۸- سید ابوالاعلیٰ مودودی' متوفی ۱۳۹۹ھ' تفہیم القرآن' مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن لاہور
۱۶۹- علامہ سید احمد سعید کاظمی' متوفی ۱۴۰۶ھ' التبیان' مطبوعہ کاظمی پبلی کیشنز ملتان
۱۷۰- علامہ محمد امین بن محمد مختار جکنی شنقیطی' اضواء البیان' مطبوعہ عالم الکتب بیروت
۱۷۱- استاذ احمد مصطفیٰ المراغی' تفسیر المراغی' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت
۱۷۲- آیت اللہ مکارم شیرازی' تفسیر نمونہ' مطبوعہ دارالکتب الاسلامیہ ایران' ۱۳۶۹ھ

۱۷۳- جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری' ۱۴۱۹ھ ضیاء القرآن 'مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور
۱۷۴- شیخ امین احسن اصلاحی' تدبر قرآن 'مطبوعہ فاران فاؤنڈیشن لاہور
۱۷۵- علامہ محمود صافی' اعراب القرآن وصرفہ وبیانہ 'مطبوعہ انتشارات زرین ایران
۱۷۶- استاذ محی الدین درویش' اعراب القرآن وبیانہ 'مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت
۱۷۷- ڈاکٹر وھبہ زحیلی' تفسیر منیر 'مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ
۱۷۸- سعیدی حوی' الاساس فی التفسیر 'مطبوعہ دار السلام

کتب علوم قرآن

۱۷۹- علامہ بدر الدین محمد بن عبد اللہ زرکشی متوفی ۷۹۴ھ' البرہان فی علوم القرآن 'مطبوعہ دار الفکر بیروت
۱۸۰- علامہ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' الاتقان فی علوم القرآن 'مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور
۱۸۱- علامہ محمد عبد العظیم زرقانی' مناہل العرفان 'مطبوعہ دار احیاء العربی بیروت

کتب شروح حدیث

۱۸۲- علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال مالک اندلسی متوفی ۴۴۹ھ' شرح صحیح البخاری 'مطبوعہ مکتبہ الرشید ریاض' ۱۴۲۰ھ
۱۸۳- حافظ ابو عمرو ابن عبد البر مالکی' متوفی ۴۶۳ھ' الاستذکار 'مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت' ۱۴۱۳ھ
۱۸۴- حافظ ابو عمرو ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ' تمہید 'مطبوعہ مکتبہ القدوسیہ لاہور ۱۴۰۴ھ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ
۱۸۵- علامہ ابو الولید سلیمان بن خلف باجی مالکی اندلسی' متوفی ۴۷۴ھ' المنتقی 'مطبوعہ مطبع السعادۃ مصر' ۱۳۳۲ھ
۱۸۶- علامہ ابو بکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی مالکی' متوفی ۵۴۳ھ' عارضۃ الاحوذی 'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
۱۸۷- قاضی ابو بکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی مالکی اندلسی متوفی ۵۴۳ھ' القبس فی شرح موطا ابن انس' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ
۱۸۸- قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ' اکمال المعلم بہ فوائد مسلم 'مطبوعہ دار الوفا بیروت' ۱۴۱۹ھ
۱۸۹- امام عبد العظیم بن عبد القوی منذری' متوفی ۶۵۶ھ' مختصر سنن ابو داؤد 'مطبوعہ دار المعرفہ بیروت
۱۹۰- علامہ ابو العباس احمد بن عمر ابراہیم القرطبی المالکی' المتوفی ۶۵۶ھ' المفہم 'مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت' ۱۴۱۷ھ
۱۹۱- علامہ یحییٰ بن شرف نووی' متوفی ۶۷۶ھ' شرح مسلم 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۷۵ھ
۱۹۲- علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطیبی' متوفی ۷۴۳ھ' شرح الطیبی 'مطبوعہ ادارۃ القرآن' ۱۴۱۳ھ
۱۹۳- علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی' متوفی ۸۲۸ھ' اکمال اکمال المعلم 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ
۱۹۴- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی' متوفی ۸۵۲ھ' فتح الباری 'مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور
۱۹۵- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ' نتائج الافکار فی تخریج الاحادیث الاذکار' دار ابن کثیر

بیروت
۱۹۶- حافظ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی' متوفی ۸۵۵ھ' عمدۃ القاری' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر' ۱۳۴۸ھ
۱۹۷- حافظ بدر الدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ' شرح سنن ابوداؤد' مطبوعہ مکتبہ الرشید ریاض' ۱۴۲۰ھ
۱۹۸- علامہ محمد بن محمد سنوسی مالکی متوفی ۸۹۵ھ' مکمل اکمال المعلم' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ
۱۹۹- علامہ احمد قسطلانی' متوفی ۹۱۱ھ' ارشاد الساری' مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر' ۱۳۰۶ھ
۲۰۰- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ' التوشیح علی الجامع الصحیح' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ
۲۰۱- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ' الدیباج علی صحیح مسلم بن حجاج' مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی' ۱۴۱۲ھ
۲۰۲- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ' تنویر الحوالک' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ
۲۰۳- علامہ عبدالرؤف مناوی شافعی' متوفی ۱۰۰۳ھ' فیض القدیر' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۳۹۱ھ' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ
۲۰۴- علامہ عبدالرؤف مناوی شافعی' متوفی ۱۰۰۳ھ' شرح الشمائل' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی
۲۰۵- علامہ علی بن سلطان محمد القاری' متوفی ۱۰۱۴ھ' جمع الوسائل' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی
۲۰۶- علامہ علی بن سلطان محمد القاری' متوفی ۱۰۱۴ھ' شرح مسند ابی حنیفہ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۵ھ
۲۰۷- علامہ علی بن سلطان محمد القاری' متوفی ۱۰۱۴ھ' مرقات' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان' ۱۳۹۰ھ
۲۰۸- علامہ علی بن سلطان محمد القاری' متوفی ۱۰۱۴ھ' الحرز الثمین' مطبوعہ مطبعہ امیریہ مکہ مکرمہ' ۱۳۰۴ھ
۲۰۹- شیخ عبدالحق محدث دہلوی' متوفی ۱۰۵۲ھ' اشعۃ اللمعات' مطبوعہ مطبع تیج کمار لکھنو
۲۱۰- شیخ محمد بن علی بن محمد شوکانی' متوفی ۱۲۵۰ھ' تحفۃ الذاکرین' مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ مصر' ۱۳۵۰ھ
۲۱۱- شیخ عبدالرحمٰن مبارک پوری' متوفی ۱۳۲۵ھ' تحفۃ الاحوذی' مطبوعہ نشر السنہ ملتان' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ
۲۱۲- شیخ انور شاہ کشمیری' متوفی ۱۳۵۲ھ' فیض الباری' مطبوعہ مطبع حجازی مصر' ۱۳۵۷ھ
۲۱۳- شیخ شبیر احمد عثمانی' متوفی ۱۳۶۹ھ' فتح الملہم' مطبوعہ مکتبہ الحجاز کراچی
۲۱۴- شیخ محمد ادریس کاندھلوی' متوفی ۱۳۹۴ھ' التعلیق الصبیح' مطبوعہ مکتبہ عثمانیہ لاہور

کتب اسماء الرجال

۲۱۵- علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی جوزی متوفی ۵۹۷ھ' العلل المتناہیہ' مطبوعہ مکتبہ اثریہ فیصل آباد' ۱۴۰۱ھ
۲۱۶- حافظ جمال الدین ابوالحجاج یوسف مزی' متوفی ۷۴۲ھ' تہذیب الکمال' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ
۲۱۷- علامہ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی' متوفی ۷۴۸ھ' میزان الاعتدال' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ
۲۱۸- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی' متوفی ۸۵۲ھ' تہذیب التہذیب' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۲۱۹- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی' متوفی ۸۵۲ھ' تقریب التہذیب' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۲۲۰- علامہ شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی' متوفی ۹۰۲ھ' المقاصد الحسنہ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۲۲۱- حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' اللآلی المصنوعہ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ
۲۲۲- حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' طبقات الحفاظ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ
۲۲۳- علامہ محمد بن طولون متوفی ۹۵۳ھ' الشذرۃ فی الاحادیث المشتہرۃ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۳ھ
۲۲۴- علامہ محمد طاہر پٹنی' متوفی ۹۸۶ھ' تذکرۃ الموضوعات' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ
۲۲۵- علامہ علی بن سلطان محمد القاری' المتوفی ۱۰۱۴ھ' موضوعات کبیر' مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی
۲۲۶- علامہ اسماعیل بن محمد العجلونی' متوفی ۱۱۶۲ھ' کشف الخفاء ومزیل الالباس' مطبوعہ مکتبۃ الغزالی دمشق
۲۲۷- شیخ محمد بن علی شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ' الفوائد المجموعہ' مطبوعہ نزار مصطفیٰ ریاض
۲۲۸- علامہ عبد الرحمٰن بن محمد درویش متوفی ۱۲۷۶ھ' اسنی المطالب' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ

کتب لغت

۲۲۹- امام اللغۃ خلیل احمد فراہیدی' متوفی ۱۷۵ھ' کتاب العین' مطبوعہ انتشارات اسوہ ایران' ۱۴۱۴ھ
۲۳۰- علامہ اسماعیل بن حماد الجوہری' متوفی ۳۹۸ھ' الصحاح' مطبوعہ دار العلم بیروت' ۱۴۰۴ھ
۲۳۱- علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی' متوفی ۵۰۲ھ' المفردات' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ
۲۳۲- علامہ محمود بن عمر زمخشری' متوفی ۵۸۳ھ' الفائق' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ
۲۳۳- علامہ محمد بن اثیر الجزری' متوفی ۶۰۶ھ' نہایہ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ
۲۳۴- علامہ محمد بن ابوبکر بن عبد الغفار رازی متوفی ۶۶۰ھ' مختار الصحاح' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ
۲۳۵- علامہ یحیٰ بن شرف نووی' متوفی ۶۷۶ھ' تہذیب الاسماء واللغات' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۲۳۶- علامہ جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور افریقی' متوفی ۷۱۱ھ' لسان العرب' مطبوعہ نشر ادب الحوزۃ' قم' ایران
۲۳۷- علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی' متوفی ۸۱۷ھ' القاموس المحیط' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
۲۳۸- علامہ محمد طاہر پٹنی' متوفی ۹۸۶ھ' مجمع بحار الانوار' مطبوعہ مکتبہ دار الایمان المدینۃ المنورہ' ۱۴۱۵ھ
۲۳۹- علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی' متوفی ۱۲۰۵ھ' تاج العروس' مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر
۲۴۰- لوئیس معلوف الیسوعی' المنجد' مطبوعہ المطبعۃ الکاثولیکیہ' بیروت' ۱۹۲۷ء
۲۴۱- شیخ غلام احمد پرویز' متوفی ۱۴۰۵ھ' لغات القرآن' مطبوعہ ادارہ طلوع اسلام لاہور
۲۴۲- ابو نعیم عبد الحکیم خان نشتر جالندھری' قائد اللغات' مطبوعہ حامد اینڈ کمپنی لاہور
۲۴۳- قاضی عبد النبی بن عبد الرسول احمد نگری' دستور العلماء' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ

کتب تاریخ' سیرت وفضائل

۲۴۴- امام محمد بن اسحاق' متوفی ۱۵۱ھ' کتاب السیر والمغازی' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ
۲۴۵- امام عبد الملک بن ہشام' متوفی ۲۱۳ھ' السیرۃ النبویہ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ

۲۴۶- امام محمد بن سعد، متوفی ۲۳۰ھ، الطبقات الکبریٰ، مطبوعہ دار صادر بیروت، ۱۳۸۸ھ، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ

۲۴۷- علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی، المتوفی ۴۵۰ھ، اعلام النبوت، دار احیاء العلوم بیروت، ۱۴۰۸ھ

۲۴۸- امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری، متوفی ۳۱۰ھ، تاریخ الامم والملوک، مطبوعہ دار القلم بیروت

۲۴۹- حافظ ابو عمرو یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر، متوفی ۴۶۳ھ، الاستیعاب، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۲۵۰- قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی، متوفی ۵۴۴ھ، الشفاء، مطبوعہ عبدالتواب اکیڈمی ملتان، دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ

۲۵۱- علامہ ابوالقاسم عبدالرحمن بن عبداللہ سہیلی، متوفی ۵۷۱ھ، الروض الانف، مکتبہ فاروقیہ ملتان

۲۵۲- علامہ عبدالرحمن بن علی جوزی، متوفی ۵۹۷ھ، الوفاء، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد

۲۵۳- علامہ ابوالحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر، متوفی ۶۳۰ھ، اسد الغابہ، مطبوعہ دار الفکر بیروت، دار الکتب العلمیہ بیروت

۲۵۴- علامہ ابوالحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر، متوفی ۶۳۰ھ، الکامل فی التاریخ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۲۵۵- علامہ شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر بن خلکان، متوفی ۶۸۱ھ، وفیات الاعیان، مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ایران

۲۵۶- علامہ علی بن عبدالکافی تقی الدین سبکی، متوفی ۷۴۶ھ، شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام، مطبوعہ کراچی

۲۵۷- شیخ ابو عبداللہ محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزیہ، المتوفی ۷۵۱ھ، زاد المعاد، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۹ھ

۲۵۸- حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی، متوفی ۷۷۴ھ، البدایہ والنہایہ، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۸ھ

۲۵۹- علامہ عبدالرحمن بن محمد بن خلدون، متوفی ۸۰۸ھ، تاریخ ابن خلدون، دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۹ھ

۲۶۰- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی ۸۵۲ھ، الاصابہ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۲۶۱- علامہ نور الدین علی بن احمد سمہودی، متوفی ۹۱۱ھ، وفاء الوفاء، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۱ھ

۲۶۲- علامہ احمد قسطلانی، متوفی ۹۱۱ھ، المواہب اللدنیہ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ

۲۶۳- علامہ محمد بن یوسف الصالحی الشامی، متوفی ۹۴۲ھ، سبل الہدیٰ والرشاد، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۴ھ

۲۶۴- علامہ احمد بن حجر مکی شافعی، متوفی ۹۷۴ھ، الصواعق المحرقہ، مطبوعہ مکتبۃ القاہرہ، ۱۳۸۵ھ

۲۶۵- علامہ علی بن سلطان محمد القاری، متوفی ۱۰۱۴ھ، شرح الشفاء، مطبوعہ دار الفکر بیروت

۲۶۶- شیخ عبدالحق محدث دہلوی، متوفی ۱۰۵۲ھ، مدارج النبوت، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

۲۶۷- علامہ احمد شہاب الدین خفاجی، متوفی ۱۰۶۹ھ، نسیم الریاض، مطبوعہ دار الفکر بیروت، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ

۲۶۸- علامہ محمد عبدالباقی زرقانی، متوفی ۱۱۲۲ھ، شرح المواہب اللدنیہ، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۳ھ

۲۶۹- شیخ اشرف علی تھانوی، متوفی ۱۳۶۲ھ، نشر الطیب، مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ کراچی

کتب فقہ حنفی

۲۷۰- شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی، متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، ۱۳۹۸ھ، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ

۲۷۱- شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی، متوفی ۴۸۳ھ شرح سیر کبیر، مطبوعہ المکتبہ الثورۃ الاسلامیہ افغانستان ۱۴۰۵ھ

۲۷۲- علامہ طاہر بن عبدالرشید بخاری، متوفی ۵۴۲ھ خلاصۃ الفتاویٰ، مطبوعہ امجد اکیڈمی لاہور ۱۳۹۷ھ

۲۷۳- علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی، متوفی ۵۸۷ھ بدائع الصنائع، مطبوعہ ایچ -ایم -سعید اینڈ کمپنی ۱۴۰۰ھ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ

۲۷۴- علامہ حسین بن منصور اوز جندی، متوفی ۵۹۲ھ فتاویٰ قاضی خاں، مطبوعہ مطبعہ کبریٰ بولاق مصر ۱۳۱۰ھ

۲۷۵- علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی، متوفی ۵۹۳ھ ہدایہ اولین و آخرین، مطبوعہ شرکت علمیہ ملتان

۲۷۶- علامہ محمد بن محمود بابرتی، متوفی ۷۸۶ھ عنایہ، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ

۲۷۷- علامہ عالم بن العلاء انصاری دہلوی، متوفی ۷۸۶ھ فتاویٰ تاتارخانیہ، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱۴۱۱ھ

۲۷۸- علامہ ابوبکر بن علی حداد، متوفی ۸۰۰ھ الجوہرۃ المنیرہ، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان

۲۷۹- علامہ محمد شہاب الدین بن بزاز کردی، متوفی ۸۲۷ھ فتاویٰ بزازیہ، مطبوعہ مطبع کبریٰ امیریہ بولاق مصر ۱۳۱۰ھ

۲۸۰- علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی، متوفی ۸۵۵ھ بنایہ، مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۴۱۱ھ

۲۸۱- علامہ کمال الدین بن ہمام، متوفی ۸۶۱ھ فتح القدیر، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ

۲۸۲- علامہ جلال الدین خوارزمی، کفایہ، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

۲۸۳- علامہ معین الدین الہروی المعروف بہ محمد ملا مسکین، متوفی ۹۵۴ھ شرح الکنز، مطبوعہ جمعیۃ المعارف المصریہ مصر

۲۸۴- علامہ ابراہیم بن محمد حلبی، متوفی ۹۵۶ھ غنیۃ المستملی، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ۱۴۱۲ھ

۲۸۵- علامہ محمد خراسانی، متوفی ۹۶۲ھ جامع الرموز، مطبوعہ مطبع منشی نولکشور ۱۲۹۱ھ

۲۸۶- علامہ زین الدین بن نجیم، متوفی ۹۷۰ھ البحر الرائق، مطبوعہ مطبعہ علمیہ مصر ۱۳۱۱ھ

۲۸۷- علامہ ابوالسعود محمد بن محمد عمادی، متوفی ۹۸۲ھ حاشیہ ابوسعود علی ملا مسکین، مطبوعہ جمعیۃ المعارف المصریہ مصر ۱۲۸۷ھ

۲۸۸- علامہ حامد بن علی قونوی رومی، متوفی ۹۸۵ھ فتاویٰ حامدیہ، مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر ۱۳۱۰ھ

۲۸۹- علامہ خیرالدین رملی، متوفی ۱۰۸۱ھ فتاویٰ خیریہ، مطبوعہ مطبعہ میمنہ، مصر ۱۳۱۰ھ

۲۹۰- علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی، متوفی ۱۰۸۸ھ الدرالمختار، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت

۲۹۱- علامہ سید احمد بن محمد حموی، متوفی ۱۰۹۸ھ غمز عیون البصائر، مطبوعہ دارالکتاب العربیہ بیروت ۱۴۰۷ھ

۲۹۲- ملا نظام الدین متوفی ۱۱۶۱ھ فتاویٰ عالمگیری، مطبوعہ مطبع کبریٰ امیریہ بولاق مصر ۱۳۱۰ھ

۲۹۳- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی ۱۲۵۲ھ منحۃ الخالق، مطبوعہ مطبعہ علمیہ مصر ۱۳۱۱ھ

۲۹۴- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی ۱۲۵۲ھ تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ، مطبوعہ دارالاشاعۃ العربی کوئٹہ

۲۹۵- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی ۱۲۵۲ھ رسائل ابن عابدین، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ۱۳۹۶ھ

۲۹۶- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی ۱۲۵۲ھ ردالمختار، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ، ۱۴۱۹ھ

۲۹۷- امام احمد رضا قادری، متوفی ۱۳۴۰ھ جدالممتار، مطبوعہ ادارہ تحقیقات احمد رضا کراچی

۲۹۸- امام احمد رضا قادری، متوفی ۱۳۴۰ھ فتاویٰ رضویہ، مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی

۲۹۹- امام احمد رضا قادری، متوفی ۱۳۴۰ھ فتاویٰ افریقیہ، مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی

۳۰۰- علامہ امجد علی' متوفی ۱۳۷۶ھ' بہار شریعت' مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز کراچی
۳۰۱- شیخ ظفر احمد عثمانی متوفی ۱۳۹۴ھ' اعلاء السنن' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ
۳۰۲- علامہ نور اللہ نعیمی' متوفی ۱۴۰۳ھ' فتاویٰ نوریہ' مطبوعہ کمبائن پرنٹرز لاہور' ۱۹۸۳ء

کتب فقہ شافعی

۳۰۳- امام محمد بن ادریس شافعی' متوفی ۲۰۴ھ' الام' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۰۳ھ
۳۰۴- علامہ ابوالحسین علی بن محمد حبیب ماوردی شافعی' متوفی ۴۵۰ھ' الحاوی الکبیر' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ
۳۰۵- علامہ ابواسحاق شیرازی' متوفی ۴۵۵ھ' المہذب' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۳۹۳ھ
۳۰۶- علامہ یحییٰ بن شرف نووی' متوفی ۶۷۶ھ' شرح المہذب' مطبوعہ دار الفکر بیروت
۳۰۷- علامہ یحییٰ بن شرف نووی' متوفی ۶۷۶ھ' روضۃ الطالبین' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۵ھ
۳۰۸- علامہ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' الحاوی للفتاویٰ' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ' فیصل آباد
۳۰۹- علامہ شمس الدین محمد بن ابی العباس رملی متوفی ۱۰۰۴ھ' نہایۃ المحتاج' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ
۳۱۰- علامہ ابوالضیاء علی بن علی شبراملی' متوفی ۱۰۸۷ھ' حاشیہ ابوالضیاء علی نہایۃ المحتاج' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

کتب فقہ مالکی

۳۱۱- امام سحنون بن سعید تنوخی مالکی' متوفی ۲۵۶ھ' المدونۃ الکبریٰ' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
۳۱۲- قاضی ابوالولید محمد بن احمد بن رشد مالکی اندلسی' متوفی ۵۹۵ھ' بدایۃ المجتہد' مطبوعہ دار الفکر بیروت
۳۱۳- علامہ خلیل بن اسحاق مالکی' متوفی ۷۶۷ھ' مختصر خلیل' مطبوعہ دار صادر بیروت
۳۱۴- علامہ ابوعبداللہ محمد بن محمد الحطاب المغربی' المتوفی ۹۵۴ھ' مواہب الجلیل' مطبوعہ مکتبہ النجاح' لیبیا
۳۱۵- علامہ علی بن عبداللہ بن الخرشی المتوفی ۱۱۰۱ھ' الخرشی علی مختصر خلیل' مطبوعہ دار صادر بیروت
۳۱۶- علامہ ابوالبرکات احمد دردیر مالکی' متوفی ۱۱۹۷ھ' الشرح الکبیر' مطبوعہ دار الفکر بیروت
۳۱۷- علامہ شمس الدین محمد بن عرفہ دسوقی' متوفی ۱۲۱۹ھ' حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر' مطبوعہ دار الفکر بیروت

کتب فقہ حنبلی

۳۱۸- علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ' متوفی ۶۲۰ھ' المغنی' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۰۵ھ
۳۱۹- علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ' متوفی ۶۲۰ھ' الکافی' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ
۳۲۰- شیخ ابوالعباس تقی الدین بن تیمیہ' متوفی ۷۲۸ھ' مجموعۃ الفتاویٰ' مطبوعہ ریاض' مطبوعہ دار الجیل بیروت' ۱۴۱۸ھ
۳۲۱- علامہ شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن مفلح مقدسی' متوفی ۷۶۳ھ' کتاب الفروع' مطبوعہ عالم الکتب بیروت
۳۲۲- علامہ ابوالحسین علی بن سلیمان مرداوی' متوفی ۸۸۵ھ' الانصاف' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

۳۲۳- علامہ موسیٰ بن احمد صالحی متوفی ۹۶۰ھ کشاف القناع مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ

کتب شیعہ

۳۲۴- نہج البلاغہ (خطبات حضرت علی رضی اللہ عنہ) مطبوعہ ایران و مطبوعہ کراچی
۳۲۵- شیخ ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی' متوفی ۳۲۹ھ' الاصول من الکافی' مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ تہران
۳۲۶- شیخ ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی' متوفی ۳۲۹ھ' الفروع من الکافی' مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ تہران
۳۲۷- شیخ ابو منصور احمد بن علی الطبرسی من القرن السادس' الاحتجاج' مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات بیروت' ۱۴۰۳ھ
۳۲۸- شیخ کمال الدین میثم بن علی بن میثم البحرانی' المتوفی ۶۷۹ھ' شرح نہج البلاغہ' مطبوعہ مؤسسۃ النصر ایران
۳۲۹- ملا باقر بن محمد تقی مجلسی' متوفی ۱۱۱۰ھ' حق الیقین' مطبوعہ خیابان ناصر خسرو ایران' ۱۳۴۷ھ
۳۳۰- ملا باقر بن محمد تقی مجلسی' متوفی ۱۱۱۰ھ' حیات القلوب' مطبوعہ کتاب فروشے اسلامیہ تہران
۳۳۱- ملا باقر بن محمد تقی مجلسی' متوفی ۱۱۱۰ھ' جلاء العیون' مطبوعہ کتاب فروشے اسلامیہ تہران

کتب عقائد و کلام

۳۳۲- امام محمد بن محمد غزالی' متوفی ۵۰۵ھ' المنقذ من الضلال' مطبوعہ لاہور' ۱۴۰۵ھ
۳۳۳- علامہ ابو البرکات عبد الرحمن بن محمد الانباری' المتوفی ۵۷۷ھ' الداعی الی الاسلام' مطبوعہ دار البشائر الاسلامیہ بیروت' ۱۴۰۹ھ
۳۳۴- شیخ احمد بن عبد الحلیم بن تیمیہ' متوفی ۷۲۸ھ' العقیدۃ الواسطیہ' مطبوعہ دار السلام ریاض' ۱۴۱۴ھ
۳۳۵- علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی' متوفی ۷۹۱ھ' شرح عقائد نسفی' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی
۳۳۶- علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی' متوفی ۷۹۱ھ' شرح المقاصد' مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ایران
۳۳۷- علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی' متوفی ۸۱۶ھ' شرح المواقف' مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ایران
۳۳۸- علامہ کمال الدین بن ہمام' متوفی ۸۶۱ھ' مسایرہ' مطبوعہ مطبعہ السعادۃ مصر
۳۳۹- علامہ کمال الدین محمد بن محمد المعروف بابن ابی الشریف الشافعی' المتوفی ۹۰۶ھ' مسامرہ' مطبوعہ مطبعہ السعادۃ مصر
۳۴۰- علامہ علی بن سلطان محمد القاری المتوفی ۱۰۱۴ھ' شرح فقہ اکبر' مطبوعہ مطبع مصطفی البابی واولادہ مصر' ۱۳۷۵ھ
۳۴۱- علامہ محمد بن احمد السفارینی' المتوفی ۱۱۸۸ھ' لوامع الانوار البھیہ' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۱۱ھ
۳۴۲- علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی' متوفی ۱۳۶۷ھ' کتاب العقائد' مطبوعہ تاجدار حرم پبلشنگ کمپنی کراچی

کتب اصول فقہ

۳۴۳- امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی' متوفی ۶۰۶ھ' المحصول' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفی الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ
۳۴۴- علامہ علاء الدین عبد العزیز بن احمد البخاری' المتوفی ۷۳۰ھ' کشف الاسرار' مطبوعہ دار الکتاب العربی' ۱۴۱۱ھ

۳۴۵- علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی' متوفی ۷۹۱ھ' توضیح وتلویح' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی
۳۴۶- علامہ کمال الدین محمد بن عبد الواحد الشہیر بابن ہمام' متوفی ۸۶۱ھ' التحریر مع التیسیر' مطبوعہ مکتبۃ المعارف ریاض
۳۴۷- علامہ محب اللہ بہاری' متوفی ۱۱۱۹ھ' مسلم الثبوت' مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ
۳۴۸- علامہ احمد جونپوری' متوفی ۱۱۳۰ھ' نور الانوار' مطبوعہ ایچ - ایم - سعید اینڈ کمپنی کراچی
۳۴۹- علامہ عبد الحق خیر آبادی' متوفی ۱۳۱۸ھ' شرح مسلم الثبوت' مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ

کتب متفرقہ

۳۵۰- شیخ ابو طالب محمد بن الحسن المکی المتوفی ۳۸۶ھ' قوت القلوب' مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر' ۱۳۰۶ھ' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ
۳۵۱- امام محمد بن محمد غزالی' متوفی ۵۰۵ھ' احیاء علوم الدین' مطبوعہ دار الخیر بیروت' ۱۴۱۳ھ
۳۵۲- علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی' متوفی ۶۶۸ھ' التذکرہ' مطبوعہ دار البخاریہ مدینہ منورہ' ۱۴۱۷ھ
۳۵۳- شیخ تقی الدین احمد بن تیمیہ حنبلی' متوفی ۷۲۸ھ' قاعدہ جلیلہ' مطبوعہ مکتبہ قاہرہ مصر' ۱۳۷۳ھ
۳۵۴- علامہ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی' متوفی ۷۴۸ھ' الکبائر' مطبوعہ دار الغد العربی قاہرہ' مصر
۳۵۵- شیخ شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن القیم جوزیہ متوفی ۷۵۱ھ' جلاء الافہام' مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت' ۱۴۱۷ھ
۳۵۶- شیخ شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن القیم جوزیہ متوفی ۷۵۱ھ' اغاثۃ اللہفان مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ
۳۵۷- شیخ شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزیہ المتوفی ۷۵۱ھ' زاد المعاد' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ
۳۵۸- علامہ عبد اللہ بن اسعد یافعی' متوفی ۷۶۸ھ' روض الریاحین' مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ مصر' ۱۳۷۴ھ
۳۵۹- علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی' متوفی ۸۱۶ھ' کتاب التعریفات' مطبوعہ المطبعہ الخیریہ مصر' ۱۳۰۶ھ' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ
۳۶۰- حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' شرح الصدور' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۴ھ
۳۶۱- علامہ عبد الوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ' المیزان الکبریٰ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ
۳۶۲- علامہ عبد الوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ' الیواقیت والجواہر' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۸ھ
۳۶۳- علامہ عبد الوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ' الکبریت الاحمر' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ
۳۶۴- علامہ عبد الوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ' لواقح الانوار القدسیہ' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۸ھ
۳۶۵- علامہ عبد الوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ' کشف الغمہ' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۰۸ھ
۳۶۶- علامہ عبد الوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ' الطبقات الکبریٰ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ
۳۶۷- علامہ عبد الوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ' المنن الکبریٰ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ
۳۶۸- علامہ احمد بن محمد بن علی بن حجر مکی متوفی ۹۷۴ھ' الفتاوی الحدیثیہ' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ
۳۶۹- علامہ احمد بن محمد بن علی بن حجر مکی' متوفی ۹۷۴ھ' اشرف الوسائل الی فہم الشمائل' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ

۳۷۰- علامہ احمد بن محمد بن علی بن حجر مکی' متوفی ۹۷۴ھ 'الصواعق المحرقہ' مطبوعہ مکتبہ القاہرہ' ۱۳۸۵ھ
۳۷۱- علامہ احمد بن حجر ہیتمی مکی' متوفی ۹۷۴ھ' الزواجر' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ
۳۷۲- امام احمد سرہندی مجدد الف ثانی' متوفی ۱۰۳۴ھ' مکتوبات امام ربانی' مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی' ۱۳۷۰ھ
۳۷۳- علامہ سید محمد بن محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی' متوفی ۱۲۰۵ھ' اتحاف سادۃ المتقین' مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر' ۱۳۱۱ھ
۳۷۴- شیخ رشید احمد گنگوہی' متوفی ۱۳۲۳ھ' فتاویٰ رشیدیہ کامل' مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی
۳۷۵- علامہ مصطفیٰ بن عبداللہ الشہیر بحاجی خلیفہ' کشف الظنون' مطبوعہ مطبعہ اسلامیہ تہران' ۱۳۷۸ھ
۳۷۶- امام احمد رضا قادری' متوفی ۱۳۴۰ھ' الملفوظ' مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور' مطبوعہ فرید بک سٹال' لاہور
۳۷۷- شیخ وحید الزمان' متوفی ۱۳۴۸ھ' ہدیۃ المہدی' مطبوعہ میور پریس دہلی' ۱۳۲۵ھ
۳۷۸- علامہ یوسف بن اسماعیل النبہانی' متوفی ۱۳۵۰ھ' جواہر البحار' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ
۳۷۹- شیخ اشرف علی تھانوی' متوفی ۱۳۶۲ھ' بہشتی زیور' مطبوعہ ناشران قرآن لمیٹڈ لاہور
۳۸۰- شیخ اشرف علی تھانوی' متوفی ۱۳۶۲ھ' حفظ الایمان' مطبوعہ مکتبہ تھانوی کراچی
۳۸۱- علامہ عبدالحکیم شرف قادری نقشبندی' نداء یارسول اللہ' مطبوعہ مرکزی مجلس رضا لاہور' ۱۴۰۵ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم
محمد ﷺ